کُلّیاتِ
مکتوباتِ فارسیِ غالبؔ
(اُردو ترجمہ، فارسی مکتوبات کا متن اور مکتوب الیہم کے حالاتِ زندگی)
دوسری طباعت
چوالیس (۴۴) نو دریافت، غیر مدوّن مکتوبات
کے اضافے کے ساتھ
مترجم و مرتب
پرتوؔ روہیلہ
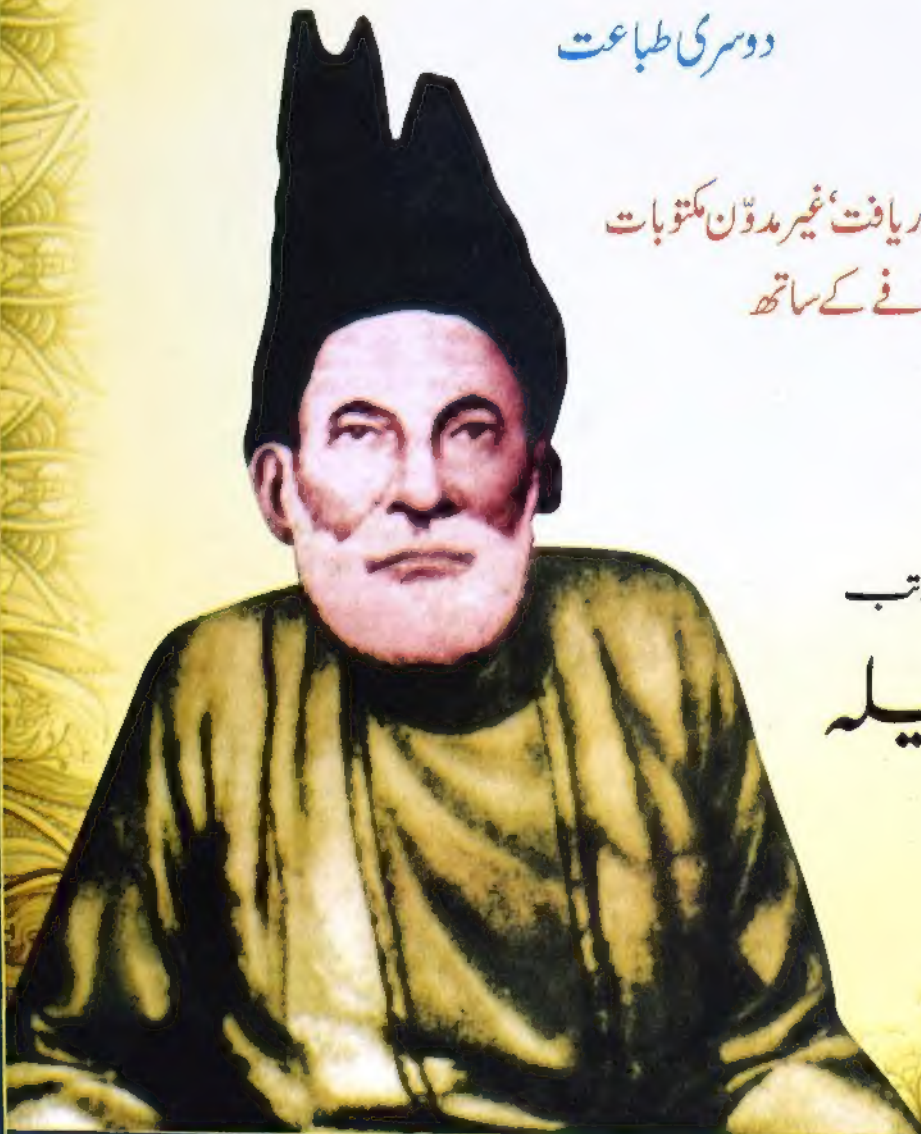
کلّیات

مکتوباتِ فارسیِ غالبؔ

(اُردو ترجمہ، مکتوب الیہم کے حالاتِ زندگی اور مکتوبات کا فارسی متن)

مرتّب ومترجم

پرتوؔ روہیلہ

نیشنل بک فاؤنڈیشن

اسلام آباد

نگران : پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق جاوید
مرتب و مترجم : پرتو روہیلہ

اشاعت اوّل : 2008ء (ایک ہزار)
اشاعت دوم : اگست، 2015ء (پانچ سو)
کوڈ نمبر : GNU-309
آئی ایس بی این : 978-969-37-0874-5
طابع : ایم پی ایس پرنٹرز، راولپنڈی
قیمت : -/700 روپے

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ:
ویب سائٹ: http/www.nbf.org.pk یا فون 92-51-9261125
یا ای میل: books@nbf.org.pk

جمیل جالبی کے نام

شبیہ مبارک نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ المتخلص غالب مدظلہ
غالب نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہم و ہم اسد اللہیم

پیش لفظ

غالبؔ کی منفرد اور بے مثال شاعری نے جہاں ایک عالَم کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے وہیں اُن کی نثر کی دل آویزی نے بھی اصحابِ ذوق کے دلوں میں گھر کیا ہوا ہے۔ غالبؔ کی نثری تخلیقات کا اعلیٰ ترین نمونہ اُن کے خطوط کی صورت میں موجود ہے جن میں ''اردوئے معلّٰی'' اور ''عودِ ہندی'' اُردو مکتوبات ہیں جب کہ پنج آہنگ، نامہ ہائے فارسی غالبؔ، متفرقاتِ غالب، مآثرِ غالبؔ اور باغِ دودر، ان کے فارسی خطوط کے مجموعے ہیں۔

غالبؔ کے لکھے ہوئے ہر لفظ کی اہمیت ہے لیکن چونکہ انہیں خود اپنی فارسی دانی پر ناز تھا لہٰذا فارسی تخلیقات زیادہ توجہ اور غور و فکر کی متقاضی ہیں۔ مزید براں جہاں مختلف اوقات میں اُن کے فارسی مکتوبات شائع ہوئے ہیں اُن کے تراجم بھی سامنے آتے رہے اور ہر مترجم نے اپنی اپنی دل چسپی تک ایک آدھ مجموعے کا ترجمہ کر لیا۔ اس سلسلے میں یہ اعزاز جناب پرتو روہیلہ کے حصّے میں آیا ہے کہ وہ غالبؔ کے فارسی مکاتیب پر ایک جامع اور مکمل کام سرانجام دے سکے ہیں۔ جناب پرتو روہیلہ کا مزید اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ غالبؔ کے تمام دستیاب فارسی مکتوبات کو اُردو کے قالب میں ڈھالا بلکہ ان خطوط کا ''کلیات'' بھی ترتیب دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پرتو روہیلہ صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے غیر مدوّن خطوط کو بھی مدوّن کیا اور ان کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ بھی کیا۔

پرتو روہیلہ صاحب نے اپنے اس ترجمہ میں غالبؔ کی لطافتِ خیال، طرزِ ادا اور تحریر کی روانی کو متاثر نہیں ہونے دیا بلکہ خصوصیت کے ساتھ یہ کوشش کی ہے کہ اظہار و بیان کا بالواسطہ رنگ بھی قائم رہے اور ندرتِ خیال کی ترسیل میں رکاوٹ بھی نہ آئے جس کے باعث یوں لگتا ہے جیسے یہ خط لکھے ہی اُردو میں گئے تھے۔ اس کتاب میں ترجمہ کے ساتھ ساتھ فارسی خطوں کا متن بھی دیا گیا ہے جس سے قاری کے لیے ہر دو سطح پر لطف اندوز ہونے کا سامان مہیا ہو گیا ہے۔ کارآمد اور بامعنی ترجمے کے ساتھ مرتب و مترجم نے یہ التزام بھی کیا ہے کہ مکتوب الیہم کے حالاتِ زندگی بھی شامل کر دیئے ہیں جس سے کتاب کی وقعت و اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔

جناب پرتو روہیلہ، معروف اور ممتاز شاعر و ادیب ہیں، اُن کے کئی شعری مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں لیکن مکتوباتِ فارسی غالب کا کلیات ترتیب دینا، اس کا اُردو ترجمہ کرنا اور سب سے اہم یہ کہ غیر مدوّن خطوط کی تدوین کرنا ایسا کارنامہ ہے جسے ہر حال میں سراہا جانا چاہیے۔ بقول جمیل جالبی صاحب ''اپنے اس کام کی بدولت غالبؔ کے ساتھ پرتو روہیلہ بھی زندہ رہنے والوں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں''۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن نے کتب کی اشاعت کے جن نئے منصوبوں کا آغاز کیا ہے، اُن میں بچوں کے ادب کے علاوہ فلسفہ،

تاریخ، سائنس اور ادب سے متعلق ہر وہ کتاب شامل ہے جو پڑھنے والوں کی دل چسپی کا باعث ہو سکتی ہے۔ نئی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ پہلے سے شائع شدہ ایسی کتابیں بھی دوبارہ شائع کی جارہی ہیں جنھیں قارئین نے پسند کیا۔ ''کلیاتِ مکتوباتِ فارسی غالب'' کا پہلا ایڈیشن 2008ء میں این بی ایف نے شائع کیا تھا اور اب اسے دوبارہ اضافوں کے ساتھ طبع کیا جارہا ہے۔ اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں غالبؔ کے چوالیس (۴۴) غیر مدوّن خطوط بھی فارسی متن اور ترجمہ کے ساتھ شامل ہیں اور اب نیشنل بک فاؤنڈیشن کو یہ نیا ایڈیشن پیش کرتے ہوئے فخر حاصل ہے کہ ادبی دنیا میں کوئی ایسا غالبؔ کا فارسی مکتوب نہیں جو اس کتاب میں شامل نہ ہو اور جس کا اُردو ترجمہ رہ گیا ہو۔ گویا غالبؔ کی یہ فارسی کی قلمرو اب اُردو کے زیرِ نگین آگئی ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ غالبیات کے ضمن میں یہ اہم ترین کتاب جہاں تشنگانِ غالب اور محققینِ غالب کے لیے مفید ہوگی وہیں ایک عام قاری بھی اس سے استفادہ کرے گا اور غالبؔ کی نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی سے حظ اٹھائے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق جاوید
مینیجنگ ڈائریکٹر

فہرست

قطعه

غالبؔ، از خاکِ پاکِ تورانیم — لاجرم، در نسب فره مندیم
ترک زادیم و در نژاد ہمی — بستر گان قوم پیوندیم
ایبکیم از جماعۂ اتراک — در تمامی، زماه ده چندیم
فنِ آبائے ما کشاورزیست — مرزبان زادۂ سمرقندیم
ورزمعنی سخن گزار ده ای — خود چه گوییم تا چه و چندیم
فیضِ حق را کمینه شاگردیم — عقلِ کل را بهینه فرزندیم
ہم بتابش ببرق ہم نفسیم — ہم بخشش، بابُر مانندیم
بتلاشے که ہست، فیروزیم — بمعاشے که نیست، خورسندیم

ہمه بر خویشتن ہمیگرییم
ہمه بر روزگار می خندیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

واحد متکلّم

نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا کہ جب مرحوم و مغفور مشفق خواجہ کے اصرار پر میں نے نامہ ہائے فارسیِ غالب مرتبہ سید علی اکبر ترمذی کے ترجمے کی ہامی بھری تھی۔ بھلا کسے معلوم تھا کہ اس قصرِ طلسمات میں داخل ہونا آسان ہے لیکن اس سے باہر نکلنا انتہائی مشکل۔ میں نے پہلی بار اپنی زندگی میں جب غالب کی فارسی نثر پڑھی اور بہ رضا و رغبت خواجہ صاحب کو اپنے فیصلے سے آگاہ بھی کر دیا اس وقت ہی نہیں بلکہ اس وقت بھی کہ جب میں فارسی نثر کے اس منفرد صحیفے کے ترجمے کی گوناگوں صعوبتوں سے گزر بھی چکا تھا (یعنی ۲۳۔فروری ۱۹۹۷ء کو کہ یہی تاریخ اس ترجمے کی تکمیل پر پڑی ہے۔) میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ خواجۂ مغفور کی عقیدت میں میرے لیے کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ میں حسب ارشاد، کلیاتِ مکتوبات فارسی کا دیباچہ لکھ رہا ہوں گا۔ حیرت اس دیارِ عجائبات کے طویل قیام پر نہیں کہ وہ تو اس قصرِ طلسمات کا اپنا کرشمہ ہے، اس امر پر ضرور ہے کہ یہ استقامت طلب، پتہ مار کر بیٹھنے کا بے صلہ و ثواب دقیق کام مجھ جیسے کم سواد، لاابالی مزاج شخص سے سرزد کس طرح ہو گیا۔ غالب کے لیے فیروز پور جھرکہ سے کلکتے جاتے ہوئے بنارس تک پہنچنا بڑی حیرت کا امر تھا۔ میرے لیے اس منزل کو سر کرنا اُس سے زیادہ حیرت انگیز ہے اور اُن ہی کے الفاظ میں

ع ما را ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نہ بود

غالب کے مکتوبات فارسی کے یہ پانچ مجموعے یعنی نامہ ہائے فارسی غالب، باغ دودر، مآثرِ غالب، متفرقاتِ غالب اور پنج آہنگ کا آہنگ پنجم جس طرح مختلف اوقات میں طبع ہوئے اسی طرح مختلف سالوں میں ان کا اُردو ترجمہ بھی ہوا اور اس کارِ خیر میں مختلف لوگوں نے اپنے مقدور بھر اپنا اپنا حصہ بھی ڈالا۔ کوئی نامہ ہائے فارسیِ غالب کے ترجمے کے بعد ہی تھک کر بیٹھ گیا اور کسی نے صرف آہنگِ پنجم کے بعد ہی اس راہ کو خیرباد کہا اور کسی نے باغ دودر کے بعد اس میدان سے کنارہ کر لیا۔ غرض میرے علم میں نہیں کہ کسی نے آج تک اتنی دل جمعی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا ہو کہ غالب کے فارسی مکتوبات کی پانچوں کتابوں کے مکتوبات کا سلسلہ وار ترجمہ کیا ہو اور پھر بات کلیاتِ مکتوبات فارسی غالب کی طباعت تک پہنچی ہو۔ سو جہاں یہ سعادت کسی کے نصیب نہیں تھی کہ اس نے غالب کے فارسی مکتوبات کے تمام مجموعوں کا بلا شرکت غیرے ترجمہ کیا ہو، یہ خوش بختی بھی خدا تعالیٰ نے میرے لیے ہی مقدر کی تھی کہ ان مکتوبات کے کلیات کا سہرا بھی میرے سر ہی بندھے۔ دنیائے ادب کا یقیناً یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو قادرِ مطلق نے مجھے عطا فرمایا ہے اور جس کے لیے میں جس قدر شکر ادا کروں کم ہے۔ بہر حال اب کہ یہ پہاڑ جیسا کام مکمل ہو چکا ہے اور بقول جناب جمیل جالبی ''ادب عالیہ کا وہ انمول خزانہ جو ڈیڑھ سو سال سے مقفل پڑا تھا، یکدم کھل گیا ہے'' اور کلیاتِ مکتوبات کی طباعت کی منزل سامنے جگمگا رہی ہے، مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ میں کلیات کے بارے میں اپنے قارئین گرامی سے چند ضروری باتیں کروں۔ زیرِ نظر کلیات سے خاطر خواہ لطف و آگہی کے لیے میری مندرجہ ذیل گزارشات کہ فرداً فرداً مکتوبات فارسی کے مختلف مجموعوں کے بارے میں ہیں خاص طور پر طالب توجہ ہیں۔

نامہ ہائے فارسی غالب کے ترجمے کے لیے میرے پیش نظر سید اکبر علی ترمذی کا وہ مرتبہ نسخہ تھا جو پہلی بار غالب اکیڈیمی نظام الدین۔ نئی دہلی ۱۳۔ انڈیا سے ۱۹۶۹ء میں طبع ہوا۔ اس نسخہ کی اہم چیز مرتب کا وہ انگریزی کا (۵۴) چون صفحے کا دیباچہ ہے جو اس کی اہمیت کو بڑھاتا اور متن کے سینکڑوں حقائق کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے لیکن اصل متن میں کاتب کی بدخطی اور حیران و پریشان کن تحریفات کے علاوہ سب سے بڑی قباحت اس مخطوطہ کی کرم خوردگی تھی جس کے سبب نثر کے اس شاہ کار میں قدم بقدم پر شدید بدمزگی اور بےلطفی در آتی تھی۔ مرتب کے لیے اس مشکل سے گلو خاصی بہت آسان تھی کہ کرم خوردہ جگہوں پر نقطے ڈالے اور آگے بڑھ گئے لیکن مترجم کو جسے اور عبارت کے سیاق و سباق کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ بھی متعین کرنا تھا کہ نقطہ زدہ جگہ سے ایک لفظ غائب ہے یا ایک جملہ یا کئی سطریں کہ ترجمے کی روانی قائم رکھنے کے لیے اس کو اپنے طور پر قیاسی الفاظ سے خالی جگہ کو پُر کرنا بھی ہوتا تھا۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے بیے میں نے اُس وقت کے ڈائریکٹر جنرل نیشنل آرکائیوز (Archaives) اسلام آباد سے رابطہ کیا اور گزارش کی کہ وہ اپنے ہندوستانی ہم منصب سے اگر اس مخطوطے کی مائیکروفلم منگوا سکیں تو ہماری مشکل قدرے کم ہو جائے گی لیکن یہ نہ ہو سکا۔ نتیجتہً یہ ساری خالی جگہیں اسی طرح رہ گئیں اور ہماری زندگی کے سینکڑوں توجہ طلب شعبوں کی طرح اس منصوبے پر بھی بدنما داغ کی طرح باقی ہیں۔ مترجم نے البتہ حتی المقدور اپنے قیاسی الفاظ سے ان جگہوں کو پُر کیا ہے اور بریکٹ میں لفظ قیاسی لکھ بھی دیا ہے لیکن جہاں ترتیب ٹوٹ جاتی ہے اور مفہوم بھی ساتھ نہیں دیتا اور ظاہر ہوتا ہے کہ خلا وسیع ہے وہاں نثر کے متعلقہ ٹکڑے کا اسی طرح ترجمہ کر کے بریکٹ میں لفظ ''نامکمل'' لکھ دیا گیا ہے۔

باغ دودر کے مکتوبات کے ترجمے کے لیے میرے سامنے باغ دودر کا وہ ایڈیشن تھا جو تحقیق نامے اور تعلیقات کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کی صد میں سالگرہ پر ۱۹۷۰ء میں پنجاب اورینٹل کالج لاہور سے پنجابی ادبی اکیڈیمی پریس ماڈل ٹاؤن لاہور میں طبع ہوا۔ اس ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ اگرچہ اس کو یونیورسٹی کے صد میں سالگرہ کے جشن پر ۱۹۷۰ء میں طبع کیا گیا لیکن اس پر سال طباعت ۱۹۶۸ء ہی ہے۔

ترجمے کے حوالے سے وزیر الحسن عابدی کے مذکورہ بالا ایڈیشن سے ایک خاص مدد لی گئی ہے اور وہ یہ کہ ترجمے کے دوران فاضل مترجم نے جو توضیحاتی الفاظ قلابین میں لکھے ہیں ان کو بغیر تصدیق و تحقیق کے من و عن اس ترجمے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ غالب نے لکھا ہے ''نامۂ شاد منشور عطوفت مولانا در نورد آں بہ من رسید''۔ عابدی صاحب کے ترجمے میں مولانا کے بعد قلابین میں ''سید رجب علی خان بہادر'' بھی لکھا تھا چنانچہ اس ترجمے میں بھی قلابین میں ''رجب علی خان بہادر'' لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ تحریر ہے ''حال عباس بیگ از تحریرِ شما پدید آمد''۔ عابدی صاحب نے ترجمے میں قلابین کے اندر ''اپنے بھانجے مرزا'' کے الفاظ عباس بیگ کے نام پر اضافہ کر دیے ہیں۔ چنانچہ ترجمے میں یہ الفاظ بھی شامل کر لیے گئے ہیں۔ سو باغ دودر کے سارے خطوط میں قارئین گرامی کو یہ ملحوظ رہے کہ ترجمے میں قلابین کے اندر وضاحتی الفاظ فاضل مرتب وزیر الحسن عابدی (مرحوم) کے مذکورہ ترجمے سے لئے گئے ہیں۔

اب ماٰ ثرِ غالب کے ترجمے کے لیے میرے پیشِ نظر قاضی عبدالودود صاحب کا وہ نسخہ تھا جو انہوں نے ۱۹۴۸ء میں مرتب فرمایا تھا اور جو ادارۂ تحقیقات اُردو پٹنہ ہندوستان سے دوسری مرتبہ ۱۹۹۵ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ ماٰ ثرِ غالب کے سارے خطوط کی تواریخ واوقاتِ تحریر کے بارے میں مناسب ہوگا کہ ادارۂ یادگارِ غالب کراچی سے ماٰ ثرِ غالب کے سنہ ۲۰۰۰ء میں طبع ہونے والے تیسرے ایڈیشن کے جدید مرتب جناب ڈاکٹر حنیف احمد نقوی کے متعلقہ الفاظ جو انہوں نے اس ایڈیشن کے دیباچے میں تحریر کیئے ہیں آپ کے ملاحظے کے لیے پیش کردوں۔ فاضل محقق، جدید مرتب و دیباچہ نگار فرماتے ہیں۔

''خطوط کے آخر میں تاریخوں کے اندراج کے معاملے میں ہجری و عیسوی تاریخوں کے درمیان کسی پہلے سے طے شدہ ضابطے کی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ جس ہجری یا عیسوی تاریخ یا مہینے کی بنیاد پر کسی خط کے زمانۂ تحریر کا تعین کیا گیا ہے اسے پہلے اور اس کے مطابق دوسری تاریخ کو اس کے بعد رکھا گیا ہے۔

ہجری اور عیسوی تاریخوں کے درمیان تطابق کے کام میں تقویم کے بجائے غالب کی تحریروں سے مدد لی گئی ہے جو یقیناً دوسرے تمام ذرائعِ معلومات سے زیادہ مستند و معتبر ہیں۔''

متفرقاتِ غالب کے ترجمے کے لیے میرے سامنے کتاب نگر دین دیال روڈ لکھنؤ کا ۱۹۶۹ء کا دوسرا ایڈیشن تھا جس کی طباعت نظامی پریس میں ہوئی ہے اور جس میں فاضل مؤلف سید مسعود حسن رضوی ادیب کا ایک طویل اور مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے جو اس تالیف کے محتویات کا بخوبی تعارف کراتا ہے۔

آہنگ پنجم کے مکتوبات کا ترجمہ میں نے پنج آہنگ کے اُس ایڈیشن سے کیا ہے جو مطبوعاتِ مجلس یادگارِ غالب۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ۱۹۶۹ء میں سید وزیرالحسن عابدی کی تدوین و تصحیح و تحقیق کے ساتھ شائع کیا تھا۔ غالب کے فارسی مکتوبات کے تمام مجموعوں میں یہ مجموعہ تعدادِ خطوط و مکتوب الیہم ہی نہیں، انشا نگاری، تاریخی حقائق، سیاسی کش مکش، علمی و مذہبی خلفشار اور معاشرتی بے چینی کی منظر نگاری کے لحاظ سے بھی نہایت اہم ہے۔ صرف آہنگ پنجم میں ۱۶۹ خطوط ہیں جو ۷۵ مکتوب الیہم کو لکھے گئے ہیں۔ جب کہ باقی چاروں کتابوں کے مجموعی خطوط ۷۲ا بنتے ہیں جو ۲۹ مکتوب الیہم کو تحریر ہوئے ہیں۔ گویا آہنگ پنجم کا افرادی دائرہ باقی چاروں کتابوں کے دوگنے سے بھی زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے مکتوب الیہم دوسری چاروں کتابوں میں مشترک ہیں۔ اسی سبب یہ فیصلہ کیا گیا کہ کلیاتِ مکتوباتِ فارسی غالب کی ترتیب و تالیف آہنگ پنجم کے خطوط کی بنیاد پر ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وسیع بنیاد پر اُن مکتوب الیہم کے خطوط کا اضافہ جو دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں' زیادہ آسان تھا۔ سو کلیاتِ زیرِ نظر کی ترتیب و تشکیل مندرجہ ذیل طریقے پر ہوئی ہے۔

آہنگ پنجم کے کسی مکتوب الیہ کے نام اگر کوئی خط دوسرے مجموعے میں بھی ہے تو رواں شمارہ نمبر کے اگلے نمبر کے نیچے اس خط کا نیا شمارہ نمبر ڈال کر مجموعے کا نام بھی تحریر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً اگر پنج آہنگ میں خواجہ محمد حسن کے نام تین خط ہیں اور ماٰ ثرِ غالب میں بھی ان کے نام تین خط ہیں تو ماٰ ثرِ غالب کے خطوط کو شامل کرتے ہوئے شمارہ نمبر ۴ لکھ کر اس مجموعے کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے تاکہ قاری پر واضح ہو جائے کہ یہاں سے دوسرے مجموعے کے خطوط شروع ہوئے ہیں اور نیچے کا ہندسہ دوسرے مجموعے کا نمبر شمار ہے۔ یعنی خواجہ

محمد حسن کے نام جب اس کلیات میں خطوط کا اختتام ہوگا تو وہ شمارہ ۳/۶ پر ہوگا یعنی کل خطوط ۶ پہلے تین آہنگ پنجم کے اور دوسرے تین جو نیچے لکھے گئے وہ مآثر غالبؔ کے ہیں۔ علی ہذالقیاس۔ چنانچہ فہرستِ مکتوبات میں آہنگ پنجم کے بعد جتنے نام بھی آتے ہیں وہ صرف ان مکتوب الیہم کے ہیں جو مجموعۂ ماقبل میں موجود نہیں ہیں۔

مختلف مجموعوں میں کئی خطوط ایک ہی مکتوب الیہ کے نام ہیں اور مشترک ہیں۔ معلوم ہوتا ہے غالبؔ نے دوسری اور تیسری طباعت میں ان کے متن کو تبدیل کر دیا ہے۔ اتفاق ایسا ہے کہ یہ خطوط مشترک ہوتے ہوئے بھی متن کے اعتبار سے اتنے مختلف ہیں کہ ان کو مشترک تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بجائے ضمیمے میں پیش کرنے کے ان کو علیحدہ خط کی صورت میں شامل کرنا مناسب سمجھا گیا۔ ان خطوط کو فٹ نوٹس میں حتی المقدور ہر جگہ بتا دیا گیا ہے۔

نامہ ہائے فارسی غالبؔ میں نمبر شمار کے مطابق ۳۱ خطوط ہیں ترمذی صاحب کے دیباچے کے مطابق اس میں ۲۷ خطوط باندے کے محمد علی خان کے نام ہیں۔ ایک خط نواب سید علی اکبر خان طباطبائی کے نام ہے اور دو خطوط کے مکتوب الیہ ''مردمان نامعین'' ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر شروع میں فہرست کے آخر میں ''مردمان نامعین'' کا ایک علیحدہ عنوان دے کر خطوط نمبر (۲۸) اٹھائیس، (۲۹) انتیس اور (۳۰) تیس کو اس میں ڈالا گیا تھا لیکن فاضل محقق و غالبؔ شناس ڈاکٹر حنیف احمد نقوی سابق پروفیسر اردو ڈیپارٹمنٹ بنارس ہندو یونیورسٹی وارانسی ہندوستان کی تحریری ہدایت پر کہ اس مجموعے میں صرف دو خط ۲۹/۲۸ ص۔ ۹۰ اور ۳۲/۳۱ ص۔ ۱۰۰ نواب علی اکبر خان طبطبائی کے نام جب کہ باقی تمام خطوط محمد علی خان صدر امین باندہ کے نام ہیں، فہرست مکتوب الیہم میں ضروری تبدیلی کر لی گئی ہے اور اب ''مردمانِ نامعین'' کو فہرستِ مکتوب الیہم سے خارج کر دیا گیا ہے۔ میرے لیے یہ سعادت ہے کہ مجھے موصوف کی اس مستند رائے سے بروقت آگاہی مل گئی اور نتیجتاً ترتیب کا ایک بڑا سقم دور ہو گیا۔

یہ ترجمہ اس بنیادی مفروضے پر مبنی ہے کہ اس کو پڑھنے والا لازماً ایسا شخص ہوگا جو اردو کی بہت اچھی اور فارسی کی بھی کسی قدر علمیت ضرور رکھتا ہوگا۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ ہر لفظ اور ہر فقرے کا ترجمہ کرنا اصل متن کی روح کو زخمی کرنے کے مترادف تھا جبکہ مقصود نظر یہ تھا کہ اُردو کا ایک پڑھا لکھا قاری غالبؔ کی نثر سے بھی لطف اندوز ہو سکے۔ اسی خیال کے تحت بہت سے فقروں اور اکثر القاب و آداب کے مروجہ الفاظ کو جوں کا توں رکھا گیا ہے کہ اُردو کی اچھی استعداد رکھنے والا ان الفاظ کا مفہوم بخوبی سمجھتا ہے۔

ترجمے کی ذیل میں مترادفات بھی خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے مترجم مترادفات کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ لیکن یہ بھی ہر زبان کی عجوبگی ہے کہ اس کا ہر لفظ بجز مستثنیات کے ایک ایسی اکائی ہے کہ کوئی دوسرا لفظ مشکل ہی سے اس کی معنوی وسعت کو محیط ہوتا ہے۔ یا اِس کے کنارے کُھلے رہ جاتے ہیں یا اُس کے۔ سو ترجمے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ قاری مترادفات کے بوجھ سے بے مزہ نہ ہو اور لطف سخن بھی برقرار رہے۔

غالبؔ کی نثر کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ خیال بھی رہا ہے کہ قاری تک اس کی لطافت خیال و طرز اظہار بھی پہنچے ورنہ مفہوم کی ترسیل تو اِن کیاریوں کو پھاند کر بامحاورہ ترجمے سے بھی بڑی آسانی سے ہو سکتی تھی کہ اس طرح مسافت بھی کم ہو جاتی ہے اور الفاظ کا صرفہ بھی مثلاً ''عطرِ گلِ مراد در حلۂ ہوس واملم'' کا بڑا آسان بامحاورہ ترجمہ یہ ہوگا کہ ''میں اپنا مقصد حاصل کر لوں'' یا ''قصیدہ کہ

در مدحِ خدا ام از رگِ کلکِ فرو ریختہ است، رقم می گردد'' کا آسان و بامحاورہ ترجمہ یہ ہوگا کہ ''وہ قصیدہ جو کہا گیا ہے تحریر کیا جاتا ہے۔'' لیکن آپ سوچیے کہ اس ترجمے میں کیا اظہار کے وہ سارے رنگ آ گئے جو گفتگو میں تھے۔نہیں ہرگز نہیں۔ لہٰذا ترجمے میں کوشش کی گئی ہے کہ اظہار کا بالواسطہ طریقہ بھی قائم رہے اور قاری پر بات کہنے والے کی ندرتِ خیال بھی آشکار ہو جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ آج کا قاری ڈیڑھ دو سو سال پہلے کی تہذیب اور اس تہذیب کے زبان و بیان سے بھی کما حقہٗ باخبر ہو سکے کہ وہ ترجمہ جو اپنے دور کی تہذیب اور طرزِ بیان کی عکاسی نہ کرتا ہو غیر حقیقت پسندانہ ہوگا۔

ترجمے کی عبارت کو بے ربطی کے صدموں سے محفوظ اور گفتگو کی روانی قائم رکھنے کے لیے قوسین میں کہیں کہیں ''چوں کہ' لہٰذا' چنانچہ' لیکن' قسم کے الفاظ بڑھا دیے گئے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ کا اضافہ اس جگہ کیا گیا ہے جہاں یہ الفاظ مفہوم میں مقدر رہیں لیکن تحریر میں موجود نہیں۔

اب اس ترجمے کی افادیت کے اضافے کے لیے اس میں فارسی متن بھی شامل کیا گیا ہے۔ ترجمے کو مکمل ایک اکائی بنانے کے لیے یہ ضروری بھی تھا۔ اس کے علاوہ ایک باذوق قاری کو فارسی متن کی تلاش کی صعوبتوں سے بھی بچانا مقصود تھا۔ چنانچہ اب فارسی داں حضرات اس کلیات سے دوہرا لطف حاصل کر سکیں گے۔

اس کاوش کو مزید کارآمد و بامعنی بنانے کے لیے مکتوب الیہم کے حالاتِ زندگی بھی حتی المقدور شامل کیے گئے ہیں۔ اگرچہ اس کام میں بڑی محنت و صعوبت اٹھانی پڑی لیکن چونکہ خط جیسی تخلیق سے صحیح طور پر لطف اندوز ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قاری پر مکتوب الیہ کی شخصیت کے خدوخال بھی روشن ہوں، یہ مشکل گوارا کی گئی۔ غالبؔ کی زندگی ہی میں ان شخصیات کا جن سے ان کی خط و کتابت تھی، احاطہ کرنا چنداں آسان کام نہ تھا، چہ جائے کہ جب ان کو اس دنیا سے رخصت ہوئے بھی سوا سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہو اور جب ہمارا سارا معاشرہ علم و دانش و تہذیب و تنظیم سے یکسر غافل ہو کر برق رفتاری سے قعرِ پستی کی طرف رواں ہو، یہ کام دشوار سے دشوار تر ہو گیا ہے۔ حالات کی گرد ان مکتوب الیہم اور اُن کے حالاتِ زندگی پر اتنی بھاری اور دبیز ہو چکی ہے کہ ان کے اخلاف واعقاب بھی شاید ہی ان کے حالات سے واقف ہوں اور بقول جناب ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی، سابق پروفیسر اُردو ہندو یونیورسٹی وارانسی ہندوستان ''یہ کہاں ضروری ہے کہ ان کے اخلاف واعقاب اس حقیقت سے بھی واقف ہوں کہ ان کے کسی بزرگ کا ذکر غالب کے کسی خط میں موجود ہے۔'' پھر بھی حتی الامکان ہر مکتوب الیہ کے بارے میں ممکنہ ذرائع سے اس کے حالاتِ زندگی معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے باوجود چند نام ایسے ہیں جن کے کوائف زندگی یا تو بالکل نہ معلوم ہو سکے یا جو معلوم ہوئے وہ بہت ناکافی ہیں۔ مجبوراً ان کے ناموں کے ساتھ وہی کچھ لکھ بھی دیا گیا ہے۔ بہر صورت اس ضمن میں جس معیار و مقدار کا عملی تعاون ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی مذکور نے فراہم کیا ہے وہ یقیناً سپاس گزاری کے تمام مروجہ و مستند اظہارات سے بلند و ماوراء ہے۔ مکتوب الیہم کی طویل فہرست میں کم از کم انیس (۱۹) نام ایسے ہیں جن کے احوال پروفیسر مذکور کے فراہم کردہ ہیں۔ یہی نہیں انہوں نے متداولہ تذکروں سے حاصل کردہ کوائف میں جابجا تواریخ پیدائش و وفات کے سنین میں اصلاحات بھی فرمائی ہیں اور اپنی بروقت ہدایت اور رہنمائی سے اس تالیف سے بہت سے ایسے اشتباہات کو دور کر دیا ہے جو اگر باقی رہ جاتے تو اس پر ایک بدنما داغ ہوتے۔

محسنان گرامی میں سب سے پہلا نام مرحوم و مغفور مشفق خواجہ ہی کا ہے کہ یہ پودا لگایا ہوا ہی ان کا تھا۔ خدا ان کی روح کو جنت کے بقعاتِ ارفع میں جگہ دے اور کلیاتِ مکتوباتِ فارسی غالبؔ کو، جو ان کی زندگی کی ایک دیرینہ آرزو تھی، اب دنیا میں قبول خواص و عوام سے سرافراز فرمائے۔ روشنانِ سپہرِ ادب میں گرامی قدر جمیل جالبی صاحب بھی اپنی ہمہ تن مصروفیتوں کے باوجود دامے درمے سخنے اس کاوش کی تکمیل میں میرے ساتھ رہے ہیں۔ خدا ان کو بھی ان کے منصوبوں کی تکمیل سے ہمکنار فرمائے۔ البتہ یہ اظہارِ سپاس اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک کہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے کارمندانِ ارجمند غیاث الدین احمد، کاشف مرتضیٰ، محمد اسلم راؤ، طارق نعیم اور محمد صادق کے اسمائے گرامی اس میں شامل نہ ہوں۔ خدا اِن سب کو بھی جزائے خیر دے اور دین و دنیا کے مراتب اعلیٰ سے بہرہ ور فرمائے۔

پرتو روہیلہ

فہرست مکتوب الیہم و تعداد مکتوبات

پنج آہنگ
(آہنگ پنجم)

غالب کی انشاء نگاری کا ایک دلکش نمونہ

کم از آنم کہ درِ معذرتم باید زد
بیش ازانی کہ دہی خجلتِ تقصیر مرا

ندانم خامہ آہنگِ گزارشِ مدحِ اخلاقِ کہ دارد کہ در میدانِ تحریر از نقطہ ہزار جا پشتِ دست بر زمین می گزارد۔ قاعدہ بخود فرو رفتگانِ شرمِ ناکسی سر از پشتِ پا برنداشتن است و آدابِ سایہ در پیش گاہِ سطوتِ آفتاب خود را موجود نہ پنداشتن۔ اعتمادِ کدام طاقت را سروبرگِ ذریعۂ عرضِ سخن گردانم و بہ نیروئے چہ نسبتِ جرأتِ فضولیِ گفتگو بہم رسانم۔ حقّا کہ اگر وسعتِ حوصلۂ کرم در ضمیر نہ گزشتے، عنانِ خودداری بگسیختمے و اگر اندیشہ نہ پشت گرمیِ امیدِ عفوِ قوی دل نگشتے، این چنین بے محابا خونِ لفظ و آبروئے معنی نہ ریختمے۔ (نامہ ہائے فارسی غالب)

(ترجمہ) شعر: میری حیثیت اتنی بھی نہیں کہ میرے لیے معذرت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے (لیکن) تُو اس سے بلند ہے کہ مجھے میری تقصیر پر شرمندہ کرے۔

میں نہیں سمجھتا کہ (میرا) قلم کس کے اخلاق کی تعریف کی گزارش کا ارادہ رکھتا ہے کہ میدانِ تحریر میں ہزار جگہ نقطے کے ذریعے عجز کا اظہار کر رہا ہے۔ بے بضاعتی کی شرم میں غرق ہو جانے والوں کا قاعدہ تو یہ ہے کہ اپنی گردن جھکائے رکھیں اور سائے کے لیے آفتاب کی شوکت کی پیش گاہ میں یہی ادب ہے کہ اپنے وجود کو ناموجود جانے۔ کون سی طاقت کے اعتماد کو ذریعۂ عرضِ سخن کا سازو سامان سمجھوں اور کس تعلق کے زور پر اس ہرزہ سرائی کی جرأت کروں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر (تیرے) کرم کے حوصلے کی وسعت میرے ضمیر میں جاگزیں نہ ہوتی (تو میں کب کا) ہوش و حواس کی باگ توڑ چکا ہوتا اور اگر (میری) فکر کو تیرے درگزر کی امید سے ڈھارس نہ ہوتی تو (میں ہرگز) اس طرح الفاظ کا خون اور معانی کی آبروریزی نہ کرتا۔

بنام نواب سید علی اکبر خان متولی امام باڑہ ہوگلی بندر

خط-۱

قبلۂ خدا پرستاں (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔ (جب) ممدوح توصیف سے بے نیاز اور مدح نگار اظہارِ (تعریف) میں عاجز ہو (تو) عرضِ نیاز میں مبالغہ غیر ضروری اور شرحِ شوق میں تکرار بدنما (لگتی ہے)۔ (سو) کیا کہوں کہ خموشی کی آبرو نہ جائے، اور کیا لکھوں کہ کوتاہ قلمی کا داغ (بھی) مٹ جائے۔ بے شک یہ معروضہ سلامِ روستائی سے متصف ہے اور کاسۂ گدائی اس کے ہر حرف کے دائرے کی آرائش۔ میں قدرے پیٹ کا غلام ہوں اور قدرے ناتواں۔ (اس لیے) دسترخوان کی رونق بھی چاہتا ہوں اور جان کا آرام بھی۔ (اور) عقلمند جانتے ہیں کہ یہ دونوں خوبیاں آم میں ہیں۔ اور اہلِ کلکتہ کی یہ رائے ہے کہ ہوگلی بندر (ہی) آم کا علاقہ ہے۔ گویا آم ہوگلی سے اور گل گلشن سے۔ (اور اسی طرح) ایثار آپ سے اور شکر گزاری مجھ سے۔ (میرا) شوق (یہ) سوچتا ہے کہ فصل کے اختتام تک (اپنے) ولیِ نعمت کو (کم از کم) دو تین بار تو ضرور یاد آؤں گا پر (میری) حرص دہائی دیتی ہے کہ (صرف) اس قدر فیض برداری پر تو میں ہرگز خوش نہیں ہوں گی۔ فرد:

گلویم تشنه و جان و دلم افسرده' ہی ساقی
بده نوشینه داروئے که ہم آتش ہم آبستے

ترجمہ میرا گلا پیاس (سے خشک) ہے اور میرے جان ودل افسردہ ہیں۔ اے ساقی' مجھے وہ آبِ حیات دے جو آگ بھی ہو اور پانی بھی۔

خدا آپ کے نخلِ مراد کو بارور بھی کرے اور سایہ دار بھی۔ وہ یعنی بارور زینتِ دامانِ نگاہ کے لیے اور یہ یعنی سایہ دار غالب خیر خواہ کے سر کے لیے۔

خط-۲

(وہ) گناہ گار اسداللہ (کہ) جس کا رحمتِ (خداوندی) سے (رشتۂ) امید ٹوٹ چکا ہے اور جو (اپنے) دو روزہ پندارِ وجود میں زحمتِ جاوید کا اسیر ہے نواب ہمایوں القاب' قبلۂ اہلِ دل و کعبۂ اربابِ ایمان کے خدامِ بلند مرتبہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے (کہ) اگر بزرگوں کی بردباری کے حوصلے [1] کی وسعت پیشِ نظر نہ ہو (تو) کم حیثیت غلاموں کو اس تمام خجالت کے سبب بات کرنے

۱- متن میں ''وسعت حوصلہ ظلم بزرگاں'' ہے۔ جبکہ ترجمہ ''وسعتِ حوصلۂ حلمِ بزرگاں'' کے مطابق کیا گیا ہے' جو درست معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

کی ہمت اور عرضِ مدعا کی طاقت کہاں (نصیب ہے)۔ البتہ میں دیکھتا ہوں کہ دریا قطرے کی آلودگی دھوتا اور سورج کوڑے کے ڈھیروں پر (بھی) چمکتا ہے۔ بزرگ اگر چھوٹوں کی خطا دیکھیں تو اُس کی معذرت کیوں نہ صب کریں اور (چھوٹوں) کے دل سے شرمندگی کا بار کیوں نہ اٹھا دیں۔ افسوس رنج کے سبب دِل سو جگہ الجھا ہوا ہے اور ذہن ہزاروں تفکرات سے مصروف جنگ۔ مجھے روز و شب اور دیدہ و دل میں امتیاز نہیں رہا اور نہ سانس اور زاری اور اشک اور نگاہ میں کوئی فرق نظر آتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اب (قدرت نے) اُس شوراب میں کہ پہلے ہی سے میرے پیالے میں تھا' ہیرے کے ریزے بھی شامل کر دیے ہیں۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ (میرے) بلند مرتبہ' پسندیدہ خصلت بھائی' امین الدین خان ابن فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ نے اِس زمانے میں کہ جب میرا دن رات سے زیادہ تاریک ہے' اپنے ارادے کی محمل کو کلکتے کی جانب ہانک دیا ہے اور میں نقش قدم کی طرح اسی خرابے میں خاک بسر رہ گیا ہوں۔ اگر دنیا کے اس منفرد (شخص) کی جدائی کے رنج کی بات کروں تو ہزار دفتروں میں بھی ختم نہ ہو۔ (میرا) شوق اُس نوازش کا پیاسا ہے کہ جب برادرِ گرامی صفات جناب کی قربت کے سراپردے میں جگہ پائیں (تو) آپ کی عنایت و مہربانی اُن پر اس قدر مبذول ہو کہ (اُس کا) کوئی حصہ میرے لیے باقی نہ بچے۔ درد ِدل سننے' چارہ گری کے طور طریق سمجھنے اور تنہائی کے غم میں اکیلا نہ چھوڑنے (سے لے کر) کاربرآری کی سودمند تدابیر بتانے تک (وہ ساری عنایات) جو مجھ پر ہوئی ہیں بلکہ اُن سے بھی قدرے برتر اور زیادہ اِن برادر بلند خاندان کے لیے چاہتا ہوں اور اس سفارش کے لیے اپنے اوپر احسان کر رہا ہوں۔ زیادہ نیاز و بس۔

خط۔۳

۱

مآثرِ غالب

اے آسماں مقام، غالب کی سرافرازی کا حکم نامہ پہنچا اور اس کی سیاہی چشمِ خرد کے لیے نظر فروز ہوئی۔ دو تین دن بعد دل میں جو خیں آئے گا، اعلان کے رنگ و بو کا آشنا ہو جائے گا (اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔)

آج میرے آقا جناب نواب محمد مہدی علی خاں بہادر میرے غریب خانے میں رونق افزا ہیں۔ خوشا میں اور میرے نصیب۔

خواجہ صاحب مشفق، خواجہ مستقیم صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچائیں اور خدا کرے کہ وہ مقبولیت سے بہرہ ور ہو۔ از اسد اللہ۔

(دورانِ قیام کلکتہ لکھا گیا۔)

خط۔۴

۱

نامہ ہائے فارسی غالب

اعلاحضرت نواب صاحب، قبلہ وکعبہ کونین، مدظلّہ العالی!

(اپنی) پیشانی کو (آپ کے) آستانے کی ہوس میں سجدہ ریز اور اپنی سانس کو غم خواری کے احسان کے اظہار کے ذوق میں زمزمہ خیز کر کے (فدوی) عرض کرتا ہے کہ یکم جمادی الاوّل کو، جمعے کے دن، بندے کی منزل پر پہنچا اور اُسی روز جنابِ عالی کا نامۂ منور مقصود کا خورستان بن گیا۔ میں نے اس دنیا کے پیدا کرنے والے منصفِ یگانہ کی خدمت میں نماز اد، کی اور (اپنے) بختِ بلند کا شکرادا کیا.... (کہ) مجھے بے کس نہیں چھوڑا گیا اور اپنی درگاہ کے منتخبین کو میری دلجوئی پر مقرر کیا ہے۔ خدا انہیں سلامت رکھے اور تادیر زندہ!

... دراز اور امید وبیم کا ہنگامہ فکر کو پگھلا دینے والا ہے۔ سوائے اس کے، کہ میں اپنا تماشائی رہوں اور کیا کر سکتا ہوں! صدورِ حکم......... بزم فرماں روائے دہلی (نامکمل)۔ اور اس عدالت کا بغیر منصف کے ہونا، چونکہ ظاہر ہے، بیان کی حاجت نہیں رکھتا۔ اب......... کہ فرانسس ہاکنس بہادر، جو چاروں حکام میں سے ایک بااختیار صاحبِ مرتبت شخص ہے، دہلی پہنچ گیا ہے اور اس نے عدالتِ دیوانی کو زینت بخشی ہے.......... یہ شکار دوست اور لاپرواواقع ہوا ہے، دادخواہوں کیطرف توجہ نہیں دیتا اور سراسر آج کا کام کل پر ٹالتا رہتا ہے۔ وائے، اگر.......... دہلی پہنچا ہوتا، اس مضمون کے مصداق:

ع تا تو بہ من می رسی، ما (من؟) بہ خدا می رسم

ترجمہ: جب تک تُو مجھ تک پہنچے گا، میں خدا تک پہنچ جاؤں گا۔

بن گیا ہوتا۔ مجھے یہ خیال بھی آتا تھا کہ راستے.......... سے خود کو بنارس کی طرف ڈال دوں، تاکہ جب وہ اُس سے آگے پہنچیں تو میں بھی ان سے مل جاؤں اور اس کارواں کی گرد کی طرح (پیچھے پیچھے) رہوں اور دہلی نہ پہنچوں۔ . . . . عقل کے گروہِ پُرشکوہ نے اس کی اجازت نہ دی۔ ناچار طوعاً وکرہاً وطن جا رہا ہوں۔ لیکن سخت افسردگی کے عالم میں آسمان اور (قسمت کے) ستاروں سے جنگ کرتا ہوا۔ چنانچہ ہفتے کے دن، اس مہینے کی نویں تاریخ کو، راہ پیما کے پیر سے بند کھول دیا جائے گا اور پیغامِ اجل نہ پہنچا تو اس ماہ کے آخر میں اُس شہر میں پہنچ جاؤں گا۔

میرے بے خواہش سینے میں خود بخود رہ رہ کر ایک ہوس ابل رہی ہے۔ میں چونکہ اہلِ کرم کے اخلاق کا محتاج اور بزرگوں کے الطاف کے دسترخوان کا ریزہ چیں ہوں اور کسی فقیر کو بھیک مانگنے میں عار نہیں آتی، میں (بھی) اپنی ہرزہ گوئی سے باز نہیں آؤں گا اور اپنی عرض جناب کی خدمت میں پہنچاتا رہوں گا۔

اے میرے فیض رساں، اگر ممکن ہو اور اس کی کوئی سبیل ہو سکے تو اس قوم (انگریز) کے عمائدین میں سے کسی کا ایک سفارشی خط مجھ خاکسار کے بارے میں ، کہ مسٹر فرانسس ہاکنس صاحب بہادر ریزیڈنٹ دہلی کے نام بھیج دیں۔ ہر چند کہ مرکزی دفتر کا حکم قولِ

فیصل کا درجہ رکھتا ہے، لیکن سفارشی خط سے مقصود یہ ہے کہ منصفِ غفلت شعار (مجھ) گمنام طالبِ انصاف کے حال پر توجہ دے۔ اور یہ مقصد صرف دو طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ کوئی صاحب مسٹر ہاکنس بہادر کے دوست ہوں اور یا اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دوستوں میں سے، یا آپ کے دوستوں کے دوستوں میں سے ہوں۔ مجھے یقین ہے، میرا عقیدہ راسخ اور امید قوی ہے کہ اگر یہا ہوا تو آپ کے خادموں سے ہرگز تغافل سرزد نہیں ہوگا۔ لیکن اس گراں مایہ تحریر کے حاصل ہو جانے کی صورت میں اُس کا مجھ تک پہنچانے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ باندہ، بندیل کھنڈ میں جناب مولوی قبلہ و کعبہ حضرت مولوی محمد علی خان صاحب کی خدمت عالیہ میں پہنچے۔ خدا ان کے سائے کو ہمیشہ قائم رکھے! وہاں سے مجھ تک آسانی سے پہنچ جائے گا۔ زیادہ حدِ ادب! (خدا کرے، آپ کی) بندہ پروری کا سورج برتری کے اُفق سے ہمیشہ جلوہ گر رہے!

عرضداشت اسد اللہ

(از مقام باندہ۔ محررہ ششم جمادی الاوّل، بروز بدھ)

خط۔۵()

۲

اس رقعے کی نقل جو جناب محمد اسد اللہ خان صاحب عرف مرزا نوشہ نے جناب نواب سید علی اکبر خان بہادر طباطبائی کو آم کی فرمائش کے لیے سپردِ قلم ندرت رقم کیا تھا، اور وہ یہ ہے:

قبلۂ محرمانِ آفاق، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے!)

ممدوح توصیف سے بے نیاز ہے اور واصف اظہار میں ناکام۔ عرضِ نیاز میں غلو بے کار ہے اور اظہارِ شوق میں تکرار بری لگتی ہے، سو کیا کیا جائے کہ خموشی کی آبرو نہ جائے، اور کیا لکھا جائے کہ کوتاہ قلمی کا داغ مٹ جائے۔ بے شک یہ عبودیت نامہ سلامِ روستائی کا انداز اور اس کے ہر حرف کا دائرہ کاسہ گدائی کا نقش رکھتا ہے۔ کچھ تو میں پیٹ کا غلام ہوں اور کچھ ناتواں، (چنانچہ) مجھے آرائشِ خوان کی بھی ضرورت ہے اور آسائشِ جاں کی بھی۔ اور اربابِ دانش جانتے ہیں کہ یہ دونوں صفات آم میں موجود ہیں۔ اور کلکتے والوں کا یہ کہنا ہے کہ آموں کا ملک ہگلی بندر ہے۔ کیوں نہ ہو، آم ہگلی سے اور پھول گلشن سے، سخاوت جناب عالی سے اور شکر گزاری مجھ سے 'میرا شوق یہ سوچتا ہے کہ بہرحال اختتامِ فصل تک دو تین بار تو خداوندِ نعمت کی خاطر اقدس میں گزروں، لیکن حرص روتی ہے کہ اس قدر تمتع سے میں خوش نہیں ہوں گی۔

۱۔ یہ خط ورہ آہنگ پنجم کا خط ۱ مشترک ہیں۔ البتہ متن میں اور نتیجۃً دونوں کے تراجم میں معمولی سا فرق ہے۔ (مترجم و مرتب)

گلویم تشنه (و جان و دلم افسرده ایے ساقی)
بده نوشینه داروے که هم آتش، هم آب استے

ترجمہ: اے ساقی، میرے گلے میں پیاس (ہے) اور میری جان اور دل افسردہ (ہیں) مجھے وہ خوش مزہ داروے جو آگ بھی ہے اور پانی بھی۔

آپ کا نخلِ مراد بارور بھی رہے اور سایہ گستر بھی۔ وہ (باروری کے سبب) دامانِ نگاہ میں ثمر افشاں رہے، اور یہ (سایہ گستری کے باعث) درویشوں کے سروں کا بہی خواہ!

بنام منشی محمد حسن

در تہنیتِ شادی پسر

خط-۱

خدا جناب عالی کو سلامت رکھے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ صفا کیش غالبؔ کا دل دوسروں کی طرح تصنع آشنا نہیں اور اُس کی زبان با تکلف نغمہ سرائی سے بیگانہ ہے۔ اس کی زبان کو (قدرت نے) وہ دل دیا ہے جو انجام کی آزادگی کے سبب تزئینِ گفتار کے لائق نہیں اور اُس کے دل کو وہ زبان عطا کی ہے جو سادگی کے باعث حرف و حکایت کی رنگ آمیزی کی متحمل نہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ مبارک باد میں جو سعادت کی فراہم کردہ اور خوش بختی کی تیار کردہ ہے' انواعِ سخن میں کیا کیا (رنگینیاں) ہوتیں۔ میں زمانے کے در و دیوار کو بھی جوشِ بہار سے لیپ دیتا اور (کرۂ) ارض کے گوشے گوشے میں خوش بختی کے چراغ کی روشنی سے چراغاں [1] کر دیتا۔ میں حور کی زلف سے تانا اور پری کے گیسو سے بانا لاتا اور ان دونوں کو ایک نئی طرز سے بُن کر اس بزم بابرکت کے لیے بچھا دیتا اور بساطِ محفل کے اطراف طوبیٰ سے میوہ و گل (لاکر) ڈال دیتا اور زہرہ کو نغمہ سرائی کے لیے اور رضوان کو بطور مہمان بلاتا۔ گاہ شبستان نظم کو اس طرح سجاتا کہ اُس کی خوب صورتی پر رشک کی انتہا سے شعاع آبگینہ کے ذریعے مہر درخشاں کے جگر کو پارہ پارہ کر دیتا اور گاہ شراب خانۂ ذوق کے نشاط سے (جو) تاکستانِ نثر کی رگ سے کھولتا عیشِ طرب کے مے نوشوں کے لیے گلے میں کوثر و تسنیم انڈیل دیتا۔ میری چشمِ خیال میں ہر گوشۂ دل سے ایک پری زادِ معنی پرافشاں ہے اور یقیناً اس بزم کے حاشیۂ فرش سے صاف کی ہوئی خاک ہی سرمۂ سلیمانی ہے۔ خدا کی قسم اِس بزم عروسی کی دل سے گردِ غم دھو ڈالنے والی آرایش پر میں ناز کرتا ہوں اور اس فردوس آثار ہنگامے کی رونق کا ستایش گر ہوں۔ اب ظاہر ہوا کہ زہرہ [2] کس کی گرمیٔ محفل کے لیے زمزمۂ خاص کی مشق کرتی تھی اور مشتری سعادتِ خاص کی متاع کس دن کے خرچ کے لیے جمع کرتا تھا۔ آفتاب کس کے مشاہدۂ جمال کی امید میں آئینہ صاف کرتا تھا اور موتیوں بھرے آسمان نے پروین کو کس پر نثار کرنے کے لیے سنبھال کے رکھا تھا۔ بھلا ایسا کیوں تھا کہ یاقوت بنانے میں آفتاب اتنا سارا خونِ جگر پیتا رہا اور ابر کے سر میں کیا سمائی تھی کہ مروارید جمع کرنے کے لئے اِس قدر مستعدی دکھاتا تھا۔ کہیں خیال اس وسوسے کے سراپا سے نہ پٹ جائے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں (پہلے بھی) کہہ چکا ہوں، بلکہ بات تو سامانِ شوق کی فراوانی کی ہے اور اُس نور کی جو سخن وروں کی طبیعت کا خاصہ ہے' نشان دہی کی جاتی ہے کہ اہلِ عقل اس سے آگاہ ہو جائیں اور میرے مخدوم (پر بھی) کہ اُسی گروہِ قدسی سے تعلق رکھتے ہیں' یہ منکشف ہو جائے کہ طرزِ کلام کی حفاظت ہی نے کہ آزادہ روی کا ایمان اور ادب کا زیور ہے' باوجود اُس جوش کے کہ دل میں اٹھ رہا تھا'

۱- غالب نے چونکہ ''چراغاں نمودے'' لکھا ہے اس لیے ''نیرِ بخت'' کا ترجمہ خوش بختی کا چراغ کیا گیا ہے۔ اگر ''خوش بختی کا آفتاب'' کیا جاتا تو چراغاں بے معنی ہو جاتا۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں ''زہرہ مشق رامش خامہ'' لکھا ہے جبکہ ترجمہ ''زہرہ مشقِ رامشِ خاصہ'' کو نظر میں رکھ کر کیا گیا ہے' جو قرائن عبارت و سیاق و سباق سے درست معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

زبان کو بات کرنے کی اجازت نہ دی اور لبِ خیر طلب کے لیے نغمۂ دعا کے سوا کہ تہنیت کی کنجی اور درِ سعادت کی کلید ہے، کچھ اور پسند نہ کیا۔

خدا تعالیٰ اِس شادی کو سازگاری سے جاودانہ کامیابی عطا فرمائے اور نت نئی مسرتوں اور بے حساب کامیابیوں کی نوید پہنچائے۔ جان سے زیادہ عزیز، عالی مرتبت میرزا علی بخش خاں بہادر پیشکشِ مراسمِ محبت کے طور پر سلام نیاز پہنچاتے ہیں اور اس رسمِ مبارک باد اور عرضِ مراسمِ تہنیت میں نامہ نگار کے ہم زبان ہیں۔

خط-۲

اے (میرے) امید کے مرکز- رات کا وقت ہے اور میں افسردہ دل کے ساتھ چراغ کے سامنے کہ جس کی روشنی کمرے سے دالان تک نہیں جا رہی، (بیٹھا ہوں)۔ مقصود آپ کو نیاز نامے کی تحریر ہے۔ اپنی قسمت کا سپاس گزار ہوں کہ میری رائے کی عاجزی اور بخت کی ناکامی آپ کے پیشِ نظر ہے اور اس سبب سے اگرچہ لطف و کرم کا اہل نہیں (کم از کم) ترحم کا استحقاق مجھ سے نہیں چھینا جا سکتا۔ سچ ہے کہ نیکوں کو بدوں پر اور عقل مندوں کو بے وقوفوں پر ترس آتا ہے۔ تہی دستوں کو مال داروں کی بخشش اور بیماروں کے لیے طبیبوں کی توجہ اسی باب میں آتی ہے۔ بات صاف صاف کہتا ہوں اور تحریر کو تقریر کے مرتبے پر پہنچاتا ہوں۔ اِس سے قبل ایک خط خانِ والا شان سبحان علی خان کو اور ایک عرض داشت جنابِ عالی وزارت پناہی کی خدمتِ گرامی میں بادشاہ کے ایک قصیدۂ مدحیہ کے ساتھ لکھ کر، مجموعۂ کاغذات کو راجہ صاحب کے وکیل والا صفات جناب راجہ صاحب رام کی خدمت میں ارسال کر دیا ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ آرزوئے محل کا یہ نگار خانہ خان صاحب عالی مرتبت کی نظر سے گزر کر دستور (وزیر) اعظم کی خدمت میں پہنچے۔ ممکن ہے کہ یہ قصیدہ بزمِ شاہی میں پڑھا جائے اور نامہ نگار کو شاہِ اودھ کے خوانِ سخا سے کوئی ٹکڑا ہاتھ آ جائے۔ آج تک کہ پورے چالیس دن گزر چکے ہیں اِس نیرنگ و افسوں کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ لامحالہ اُس گدائے نابینا کی طرح جو عصا گیر مددگار کے بغیر راستہ طے نہیں کر سکتا، ردّ و قبول کے خوف و رجا میں گرفتار ہوں۔ آج کہ بدھ کا دن اور آتش پرستوں کے مہینے کی تیرھویں تاریخ اور منجمین کے اصول کے مطابق بدھ کی رات اور شریعت کی زبان میں جمعرات کی رات کہلاتی ہے، آ پہنچی ہے، خلشِ خیال نے دل میں یہ ہنگامہ برپا کیا کہ راجہ صاحب رام صاحب سے یہ گزارش کی جائے کہ وہ لکھنؤ میں اپنے وکیل کو لکھیں کہ وہ خط اور وہ عرض داشت کہ جو اس قصیدے سے منسلک ہے (آپ کی) خدمتِ عالیہ میں پہنچا دے۔ ذوقِ آرزو طلبی نے مجھے اِس طرح بے چین کر دیا کہ مجھ سے صبح تک صبر نہیں ہو سکتا تھا- (چنانچہ) میں نے رات ہی میں خط لکھا اور رات ہی کو راجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ امید ہے کہ جب راجہ صاحب کا وکیل اِس عبودیت نامے کو اُن تحریروں کے ساتھ کہ جو (اوپر) گنائی جا چکی ہیں، اُن کی خدمت میں پیش کرے گا (تو) بحرِ کرم جوش میں آ جائے گا اور لطف و عنایت مصروفِ غالب نوازی ہو جائیں گے۔ اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔ اور اگر جانتا ہوں تو بتاؤں گا نہیں کہ اور کیا کرنا چاہیے۔ (البتہ) اتنا (ضرور) کہوں گا کہ مجھے اس خط کے جواب سے نوازا جائے اور یہ بھی میری کم ہمتی اور طولِ کلامی کے سبب ہے ورنہ اس قدر مجھے یقین ہے کہ (آپ کے) قلم کی جنبش اِس عقدۂ راز کی کشائش میں ضائع نہیں جائے گی اور جواباً ایک خط جو دل کو مژدۂ سکون دے (ضرور) پہنچے گا۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

خط-۳

قبلۂ حاجت۔ غالب چونکہ کیش دریوزہ گری میں نو آموز ہے (اس لیے) اُس نے بہ امر حیا قدرے خاموشی اختیار کر لی (تھی)۔لیکن اب کہ گل بانگ مبارک باد کے جوش وخروش نے منھ سے مہرِ سکوت اٹھا دی ہے (تو) خواہی نخواہی جو بھی دل میں ہے ہونٹوں سے بہنے لگا ہے۔ سو پہلے تو شرابِ گفتگو کا جسے سرور کہا جا سکتا ہے (اس سے ابتدا کرتا ہوں۔ یعنی) رنگا رنگ مبارک باد اور گونا گوں تہنیت۔ اگر چہ میری ہمت اس قدر ترقی وخوش حالی پر خوش نہیں (لیکن چونکہ) میں اپنے مخدوم کے لیے (موجودہ) مرتبے سے بلند تر کا طلب گار ہوں اور جناب عالی کے اوصاف واقدار کو موجودہ مقام سے بلند تر کا اہل سمجھتا ہوں لیکن چونکہ میرے گوش ہوش میں (قدرت نے) یہ پھونکا ہے کہ یہ پیش خیمۂ سعادت، بے حساب، نیک بختی کی بساط کی آرایش کی ابتدا ہو سکتا ہے اور ستارۂ تقدیر کی یہ حرکت نت نئی امیدوں کے خزانے کی کنجی ہو سکتی ہے، بے شک نشاطِ بے حد کو دل میں سمیٹ کر (اور) آنکھ کو جناب عالی کے گلستان جاہ و جلال کے مشاہدے کے لیے کھول کر شادمانی پر کمر کس لی ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور یہ مبارک بادایسی (بہت سی) مبارک بادیوں کا سبب بنے۔ اس ذریعۂ امیدواری کے مکمل ہو جانے اور مراسمِ سپاس گزاری کے بجالانے کے بعد جناب قبلۂ امید کی خاطرِ خطیر کو ملحوظ رہے کہ مدحیہ قصیدے کی ترسیل جو بادشاہ اور وزیر دونوں کی مدح کا جامع ہے، محتوی عزائم وقیع ہے۔ چونکہ بے سروسامانی، حصول مدعا اور مدعا طلبی میں مانع ہے اور وہ راستہ جو (میری) نظر میں ہے، بغیر توشے کے طے نہیں کیا جا سکتا اور جب تک راستہ طے نہیں کیا جائے منزل پر پہنچنا ممکن نہیں (اور) ہر ایک کے سامنے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا جا سکتا اور اپنا کام اپنے جیسے سخاوت کے خزانے سے ہونا ممکن نہیں، چارونا چار خواہش ہے کہ اس آئینِ خرد کی کوئی کنڈی ہلائی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس قصیدہ سرائی کے معاوضے اور ثنا خوانی کے صلے میں مجھے اس قدر سرمایہ بہم ہو جائے کہ اپنی جمع آوری کے بعد کلکتے جا سکوں اور کوئی کام کر سکوں۔ وقت ہاتھ سے نکل جا رہا ہے اور کام کی گھڑی گزری جا رہی ہے۔ اگر مستقبلِ قریب ہی میں کوئی موقع نکال کر قصیدہ گزرانا جائے اور سائل کا حال پیش کیا جائے تو یہ ایک زبردست نوازش اور ایک عظیم بخشش ہوگی۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا فضول ہے۔

خط-۴(۱)

۱

مآثرِ غالب

جناب عالی، چونکہ آج میں جناب کی فرمائش کی تعمیل میں ان چیزوں کی فراہمی میں لگا ہوں، اس لیے اگر خدمت میں نہ بھی پہنچوں تو حاضروں میں شمار ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ نواب سید عالم علی خاں صاحب کی تقریر کے نکات لکھ کر مجھے بھیجیں گے۔ بشرطِ زندگی

۱۔ مآثرِ غالب میں مکتوب الیہ کا نام خواجہ محمد حسن لکھا ہے۔ (مترجم ومرتب)

کل دوپہر کے وقت جناب کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ زیادہ نیاز۔

اسداللہ

(عشرۂ اول ماہِ رمضان ۱۲۴۸ھ، مطابق ۲۲ تا ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

خط۔۵

۲

قبلۂ حاجات! چونکہ آپ کا گزر گڑگاؤں کے راستے سے نہیں ہوا اور مجھے علم ہوا کہ آپ کو میرے دیوان کے حصول کا شوق بے انتہا ہے، مجبوراً میں نے نواب صاحب قبلہ و کعبہ مبارز الدولہ نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر کی خدمت میں عرض داشت پیش کی اور وہ دیوان، کہ جناب موصوف نے انتہائی شوق سے (اپنے لیے) لکھوایا تھا، (عاریتاً) طلب کیا۔ خدا تعالیٰ نواب صاحب کو زندہ سلامت رکھے کہ انہوں نے اپنے شوق کی نفی کر کے دیوان کے تحریر شدہ، جزا مجھے دے دیے۔ چنانچہ وہ اجزا آپ کی خدمت میں بھیجے جا رہے ہیں۔ ان کو احتیاط سے رکھیے گا اور حیدرآباد پہنچ کر ان کو ترتیب سے مجلد کرا لیجئے گا۔ زیادہ نیاز۔

سداللہ

(عشرۂ اول ماہِ رمضان ۱۲۴۸ھ، مطابق ۲۲ تا ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

خط۔۶

۳

صاحبِ حمیدہ صفات، والا شان، فدوی کے مخدوم و مطاع، جناب خواجہ محمد حسن، خدا آپ کے درجات میں اضافہ کرے۔

قبلۂ من! ہر چند کہ آپ کی زبانِ گوہر فشاں نے مدعا میرے گوش گزار کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اس لائق نہیں کہ اس خط میں اس کو موضوع بنایا جائے اور بات کو اس کی وضاحت میں طول دیا جائے۔

عبارت میں رنگ بھرنا، جا و بے جا استعارات کا عبارت میں استعمال، دراصل مقصد سے دور ہونا اور مکتوب الیہ کو الجھن میں ڈالنا ہے، لیکن اگر حکم کی تعمیل نہ کروں تو آپ رنجیدہ خاطر ہوں گے۔ بہرصورت، چند سطریں، کہ سیدھی سادھی ہیں، رقم کر رہا ہوں اور وہ یہ ہیں:

"اس سے پہلے دو فدوی نامے لکھنؤ سے، ایک تو وہاں پہنچتے ہی اور دوسرا اس شہر سے روانگی کے وقت' جناب کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں، غالباً آپ کی نظر بندہ پرور سے گزر کر کاشفِ احوال ہوئے ہوں گے۔ مختصر یہ کہ فدوی جناب عالی کے اقبال کی رہنمائی میں مستقبل کی ایزاد درجات کی پیشوائی کے لیے دارالخلافہ شاہجہاں آباد پہنچ کر سفر کی تکان سے آرام کر کے یہ قصد کر رہا ہے کہ سفر کی تیاری کر کے منزل مقصود کے لیے چل پڑے اور نیکی کی غلامی اور اس کی خیر خواہی کے لیے جو کچھ میرے خاطر عجز پروردہ میں محفوظ ہے، منصۂ شہود پر لے آئے۔ باقی ضروری باتیں برادر صاحب قبلہ خواجہ فخر اللہ صاحب کی زبانی آپ کو معلوم ہو جائیں گی۔ زیادہ حدِ ادب، بزرگی و اقبال مندی کا سورج جاہ و جلال کے مشرق سے دائمی ترقی کے ساتھ

ہمیشہ تابندہ و درخشاں رہے۔ پس، بات ختم ہوئی۔"

اسد اللہ دوبارہ عرض کرتا ہے کہ مطلب مختصر ہے اور مختصر بات کو بے جا طول دینا، عبارت کے نقائص میں سے ہے البتہ القاب کے اضافے میں آپ کو اختیار ہے۔ اگر ایک دو لفظ بڑھا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ والسلام والاکرام۔

(عشرۂ اول ماہِ رمضان ۱۲۴۸ھ، مطابق ۲۲ تا ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

بنام میرزا علی بخش خان بہادر

خط-۱

کارِ برادر بہ برادر نکوست

بہ ز برادر نتواں یافت دوست

ترجمہ بھائی کا کام بھائی کے ہاتھوں ہی اچھا ہوتا ہے۔ بھائی سے زیادہ بہتر دوست نہیں مل سکتا۔

ہر چند کہ اپنے دکھ کو بیان کرنے میں طولِ کلام سے کام لینا اور سننے والے کو تنگ کر دینا میرا طریق نہیں لیکن چونکہ آپ (میرے) بھائی بھی ہیں اور دوست بھی' مجبوراً آپ سے کہتا ہوں کہ نواب صاحب کی امید پر کچھ عرصہ گزار اور (بالآخر) آتشِ انتظار میں پگھل گیا۔ ایسے عذاب میں گرفتار ہوں جیسے قیدی زنداں میں اور مجھ پر وہ کچھ گزر رہی ہے جو کافر پر دوزخ میں گزرتی ہے۔ فیروزپور اس لیے نہیں آیا کہ پھر دہلی آنا پڑتا۔ نواب صاحب مجھے زبانی کلامی بہلاتے رہے اور (پھر) ایک التفات آسا کرشمۂ ستم سے مجھے میرے مقصد سے دور کر دیا۔ لیکن صبر بھی کہاں تک کروں اور کب تک اپنے آپ کو ناہوت پر بہلائے رکھوں۔ شاہ جہان آباد کے در و دیوار سے وحشت برس رہی ہے۔ پھر (بھلا) میرا دن تاریکی کے سبب رات کیوں نہ ہو۔ حیرت ہے کہ مجھ جیسا شیشے کا دل رکھنے والا (بھی) اِن پتھر مارنے والوں میں (زندہ) رہ سکتا ہے۔ میر امام علی کو میں نے (اپنی) عرض داشت کے ساتھ نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا ہے۔ ہرگز ہرگز میرے ساتھ دنیاداری اور نواب کے ساتھ لحاظ نہ کیجیے۔ اور اس طرح کیجیے کہ جس وقت عرض داشت پڑھی جائے آپ انجمن میں موجود ہوں تاکہ تحریر کو گزارش سے تقویت دیں اور میر امام علی کو (اپنے) الفاظ سے استقامت دیں۔ میں اصول مقصد میں اس قدر تیز و تند نہیں کہ میری خواہش تکرار کا رنگ اختیار کر لے۔ (میرے) دوست مجھ سے کہتے تھے کہ تیرا میلان نواب کی طرف نہیں اور تو اپنا حالِ دردِ دل ان سے نہیں کہتا ورنہ بھلا یہ ممکن ہے کہ نواب اس کے علاج کے لیے اٹھ کھڑا نہ ہو اور (تیری) حاجت روائی نہ کرے۔ یہ جو کچھ بھی کہ میں کر رہا ہوں یہ ان ادا ناشناسوں کی زبان بندی کے لیے ہے۔ خدا کے واسطے ایسا ڈول ڈالیے کہ میر امام علی جلد واپس ہوں اور مجھ سے آملیں تاکہ دوستانِ ناصح کو خیرباد کہوں اور جو کچھ ساز و سامان میرے پاس ہے لے کر جانبِ مشرق چل پڑوں۔ والسلام۔

خط-۲

اے جان سے زیادہ محبوب' مہربان بھائی' خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مداری خان پہنچ رہا اور خط پہنچا رہا ہے۔ میرے بیکار سامان میں جو کچھ بھی وہاں ہو اس کے حوالے کر دیجیے اور مُنّا حقہ بردار کے سپرد جو کچھ کیا گیا ہے نام بنام لے کر اس کو دلوا دیجیے۔ سنا جا رہا ہے کہ نواب دہلی آ رہے ہیں۔ اس خبر کی صداقت و عدمِ صداقت کے بارے میں لکھیے۔ اور یہ بھی لکھیے کہ آپ بھی نواب کے ہمراہ آ رہے ہیں یا نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر نواب کی عزیمت کی خبر غلط ہو تو میں خود فیروزپور پہنچ جاؤں اور عمِ عالی قدر کی قدم بوسی کا

شرف اور آپ کے دیدار کی مسرت حاصل کروں۔ (خدا کرے) عمر و دولت روز افزوں ہو۔

خط-۳

گرامی برادرِ مبارک اختر پر کہ اُس دوری کے باوجود جس کی چشمِ دل میری جانب نگراں ہے' واضح ہو کہ غالبؔ رہرو کا دور بادیہ نوردی تمام ہوا، ور رختِ سفر کلکتے کی منزل پر کھول دیا گیا۔ کلکتہ کیا ہے ایک پوری دنیا ہے۔ جس میں سوائے علاجِ مرگ کے ہر قسم کا مال بھرا پڑا ہے۔ اس کے ہنرمندوں کے سامنے ہر کام آسان ہے اور سوائے نیک بختی کے ہر جنس کی اس کے بازار میں فراوانی ہے۔ میری جائے ورود ایک مکان ہے جو شملہ بازار میں ہے اور جو روزِ ورود پہنچتے ہی مجھے بغیر کسی کوشش کے مل گیا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ کا کرم (تھا کہ مجھ جیسے ایک) مست کو جو گہری نیند سے جاگا ہو اور بغیر مُنہ دھوئے دربار میں پہنچ جائے' اُس نے حاکموں کے دیدہ و دل میں جگہ دی اور محفل میں (بھی) خواہش سے بڑھ کر مرتبہ عطا کیا۔ (قدرت نے) مجھے اعیان کونسل میں سے دکھے دل کی فریاد سننے والا اور بندِ غم کی خستگی میں مرہم رکھنے والا مسٹر اندرداسٹرلنگ نامی ایک شخص مرحمت کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ دل ایک عرصے سے ناامیدی کا خوگر ہو چکا ہے (اور) شرم و حیا کے اِس دیرینہ ربط کے رشتے کو یک دم توڑا بھی نہیں جا سکتا لیکن (با ایں ہمہ) عجب نہیں اگر یہ توانا دل' جواں مردانہ کام روائی کی تاثیر کے جادو سے میرے اور ناامیدی کے درمیان ایک ہمیشہ قائم رہنے والی مفارقت کی بنیاد ڈال دے۔

میر فضل مولا خان میرے ایک دوست تھے۔ مرشد آباد کے راستے میں (وہ) اچانک مل گئے۔ گفتگو اور (ایک دوسرے کی) پرسشِ حال و احوال کے دوران اُنھوں نے فخر الدولہ بہادر کی وفات کی خبر مجھے دی جس کی تصدیق کلکتے میں مرزا افضل بیگ کے علاوہ اوروں نے بھی کی۔ افسوس اس خاندان کا روشن چراغ بجھ گیا، ور آرزوؤں کا شبستان تیرہ و تار ہو گیا۔ آپ کی طرف سے مجھے تشویش ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو جو بھی پیش آئے گا وہ خاطر خواہ نہ ہوگا۔ (بلکہ) نااہلوں کے لیے وہ رونق کا دن ہوگا اور کم حیثیتوں کے لیے گرمیِ ہنگامہ۔ اس سے پہلے کہ یہ بزم درہم برہم ہو جائے' چند بکھرے ہوئے لوگ جمع ہو جائیں' اقبال رخ بدل لے اور آسودگی اٹھ جائے' عقل مندی سے کام لینے کی ضرورت ہے اور ہمیشہ چوکس رہنے کی۔ دوسرے میری یہ خواہش ہے کہ اس تحریر کے جواب میں تاخیر نہ کریں اور وہاں دنیا کے غم کا جو آشوب بھی رونما ہوا ہو (مجھے) تحریر کر دیں۔ عمر دراز ہو' بخت یاوری کرے اور دانش سودمند آپ کی تقدیر ہو۔

خط-۴

جانِ برادر۔ خوب کلام کا مطلب بات کو، ونڈھے مُنہ گرا دینا اور ناٹک ٹوئیاں مارنا ہے جب کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کم کہوں اور فائدہ زیادہ ہو اور سامع (بھی) جلد سمجھ جائے لیکن یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ بات کہنے والا یہ کوشش نہ کرے کہ تحریر سے تقریر اس حد تک دور نہ چلی جائے کہ ایک سے دوسرے کا سرا نہ مل سکے اور ایک کا عکس دوسرے کے آئینے میں دکھائی نہ دے۔

ذرا میری بات پر کان دھریے اور سمجھیے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اس گفتگو سے میرا کیا مقصد ہے۔ اور آپ کو اس ضمن میں کیا

کرنا ہے اور اس امر کی حدود کہاں تک پہنچتی ہیں۔ آپ پر مخفی نہ رہے کہ نواب اکبر علی خان اِس شہر کے صاحب مرتبہ بزرگوں میں سے ہیں اور وقیع، بلند مرتبہ، عقل مند اور خیر پسند ہیں۔ اُنھیں جب معلوم ہو، کہ کونسل کے حکام اعلیٰ نے میری درخوست دادطلبی کو دہلی کے حکام کے سپرد کر دیا ہے اور (چونکہ) موصوف کے منشی التفات حسین خان سے پرانے تعلقات (ہیں) اور راہ مہر و محبت ہے تو انھوں نے ایک سفارشی خط بھی لکھ دیا ہے جس کو میں نے اپنے خط کے ساتھ منسلک کر کے ہیرا لال وکیل کو بھیج دیا ہے اور مجھے یہ خبر مل چکی ہے کہ یہ خط اُن کی نظر سے گزر چکا ہے۔ اور س طرح ایک نئی ہم آہنگی اور کارسازی کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ اور اس (مقدمے) کی ابتدا ہی میں کرنل ہنری املاک نے (بھی) جو انگریزی فوج کے فسروں میں ستاروں کے درمیان مہتاب کی سی حیثیت رکھتے ہیں اور جو اپنی روز افزوں روشنی کے سبب مشہور ہیں اور جو صاحب ریزیڈنٹ دہلی کے لیے بمنزلۂ بھائی کے ہیں، میرے حق میں سودمند الفاظ لکھے ہیں۔ چنانچہ حاکم کی گرم نفسی کے فرمان کی گرفت کی رغبت (مجھ) طالب انصاف کی طرف اور اُس کا لطف و کرم وکیل کی جانب (بھی) روز افزوں ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ محکمہ ریزیڈنٹی دہلی سے مقدمے کی رپورٹ روانہ ہو جائے۔ بالضرور اب آپ کو چاہیے کہ منشی التفات حسین خان سے گفتگو کا آغاز کریں اور بات کا ڈول اس طرح ڈالیں کہ وہ (منشی التفات حسین خان) ریزیڈنٹ بہادر سے کرنل ہنری املاک کے سفارشی خط کا ذکر (۔زمی) کریں کہ مراد کا پھول کھل جائے اور میری حیثیت لطف و کرم کے ساتھ ضمیر حاکم میں تازہ ہو جائے۔ اور انجام کی درستی کو جس کام کی ضرورت ہے (یعنی) آپ کہ اِس ہنگامے میں بذات خود موجود ہیں، اچھی طرح باخبر رہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ یگانگت دودلی کو اور محبت من و تو کو برداشت نہیں کرتی۔

بنام صدرالدین خان بہادر صدرالصدور

خط-۱

قبلۂ حاجات۔ آج کہ نصف دن گزر چکا تھا اور ادائیگی فریضۂ ظہر کا وقت ہو چکا تھا' میں اقبال کی صورت آپ کے آستان قدسی پر سجدہ کے لیے پہنچا لیکن چونکہ دولت خانے کا دروازہ بند تھا' (اس لیے) میں نے دروازے کی کنڈی بجائی۔ اس سے پیشتر کہ کنڈی کی حرکت بند ہو اُس سلسلے کے خادموں میں سے ایک کہ جس سے میرا خواجہ تاشی اور سعادت کی ہم لباسی کا رشتہ تھا' دروازے پر آیا اور صدا لگائی کہ میری تقدیر کے دیوان (خانے) کی شمع روشن ہے اور اُس میں آپ کا بابرکت وجود یمن میں سہیل ستارے کی مانند موجود (ہے)۔ بے چارگی سے میرے ہوش اڑ گئے اور کچھ دیر بعد خود کو اپنے غم کدے میں بدستور آرزومند پایا۔ یوں کہیے کہ اس مدزم کا باہر آنا (میرے) دلی مقصد کا دشمن تھا اور میرا اس طرح لوٹنا میری قسمت کا (دشمن)۔

خط-۲

قبلۂ حاجات۔ اگر آپ کے اس غلام کو جو سنتا کم اور بولتا زیادہ ہے' گستاخی پر جلد تیار ہو جاتا ہے اور پشیمان بھی بہت ہوتا ہے' بندگی کا حق حاصل نہیں (تو بھلا) یہ کیوں کر ہے کہ (اس کو) اس بے بضاعتی کے باوجود معاف نہ کیا جا سکے۔

گوئی وفا ندارد اثر' ہم بہ من گرائی
زیں سادگی کہ دل بہ اثر بستہ ایم ما

ترجمہ تو کہتا ہے کہ (تیری) وفا میں اثر نہیں ہے (چلو یونہی سہی) تو ہماری اس سادگی پر ہی کہ ہم اثر پر بھروسا کیے بیٹھے ہیں' ہماری طرف راغب ہو جا۔

میرے مشفق میرزا اسد بیگ کی کاربرآری کے لیے آپ کی غم خواری کے کرشمے کی شہرت نے اُس نیزۂ دور باش کے زخم کو جو صاحب اقبال مرزا زین العابدین خان کی سفارش کے جواب میں مجھے پہنچا تھا نمک سے بھر دیا اور دامن رشک کی ہوا نے مایوسی کی آگ کو بھڑکا دیا۔ اور یہ زخم اب بھی پنبۂ مرہم کے ذریعے چارہ پذیری کا طلب گار ہے اور یہ آگ اب بھی بجھنے کے لیے ایک پانی کے چھینٹے کی محتاج ہے۔ مختصر یہ کہ اس کارسازی میں جتنی عنایت بھی صرف ہوئی ہے اُس میں سے جتنی باقی ہے اُس کو مکرمی مرزا افضل بیگ کے حق میں صرف کیا جائے۔ چاہے وہ صرف اسراف کی قبیل سے اس حد تک ہو کہ میرے لیے کچھ باقی نہ بچے۔ عمر و دولت حسب سے بڑھ کر ہو۔

بنام نواب مصطفیٰ خان بہادر

خط-۱

سبحان اللہ، عنقا کا شکار کرنے والے صیدوں نے جو حقیقتِ ذات کا عرفان رکھتے ہیں' آ گہی (کو پھنسنے کے لیے) جال میں یہ دانہ ڈالا ہے کہ کوئی چیز بغیر ذات مطلق سے فیض پائے وجود پذیر نہیں ہوسکتی اور جو بھی اُس کے فروغ ہستی کو قبول کر لیتا ہے (تو وہ) ایک روشن و درخشان جوہر بن جاتا ہے۔ ورد وجود و نمود کی بجلی اُس کی پیشانی سے چمکنے لگتی ہے اور نیستی (یعنی عدم وجود) کی سیاہی کبھی اس میں راہ نہیں پاتی۔ لیکن اگر حقیقت یہی ہے (جو بتائی گئی) تو یہ ہیچی ، ورنا تمامی کی جو دو صفت ہیں' اُن کے کیا معنی ہوئے۔ یعنی ایک (جو ہیچ ہے) اُس کا تو سراپا ہی بے نمود ہے اور دوسرا (جو ناتمام ہے) کرم کی دسترس کے اندازے کے مطابق گنجینۂ فیض سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ اُس کا (جو ہیچ ہے) نمود کے خط کے (ہی) سے ورق سادہ رہ گیا اور اُس کا (جو ناتمام ہے) وجود و نمود کے باوجود نقش نیم رخ ہی ہے۔ اگر فیض ہستی عام ہے جیسے کہ ظاہر کیا گیا ہے تو چاہیے تو یہ تھا کہ ہیچی کو (بھی) سروری ہمگی (یا کاملیت) حاصل ہوتا اور ناتمامی بھی تمامی ہی کے نام سے پکاری جاتی۔ قصہ مختصر یہ کہ میری فکرِ گران بار اِس گتھی کے سلجھانے میں عرصے سے زحمت کش تھی اور میرے اور عقل کے درمیان اِن حجابات پر دلیل ہو رہے تھے کہ (قدرت نے) صبح دم میرے دل پر نورستان کا ایک روزن کھول دیا۔ (یکایک) آ گہی کا آفتاب چمک اٹھا اور اِس روشنی میں (عرفانِ حقیقت کا) یہ سر رشتہ میرے ہاتھ آیا کہ دراصل ''ہیچی'' ہی تمامیت' کے وجود کا مرتبہ رکھتی تھی۔ لیکن چونکہ اِس (نمود کو) اپنی کلیت میں مجھے لوٹا دیا گیا (اس لیے) انجام کار ہست و بود (کا جھگڑا ہی) ختم ہو گیا اور نتیجۃً ما سوائے ہیچ کے کچھ باقی نہ بچا۔ اسی طرح (چونکہ) تمامیت (صرف) اپنے وجود میں تمامیت کا درجہ رکھتی تھی اور چونکہ ہمیں بس سے بہت زیادہ (حصہ نمود) مل گیا تو اِس کا وجود گھٹ گیا اور پھر (ہمارا وجود) تمامی پر انگشت نما ہو گیا۔

یارب میں بھی کیا عجیب و غریب ہستی ہوں کہ ہیچ ہونے پر بھی کُل ہوں ورنا تمام ہونے پر بھی تمام۔ سبک ہونے کے باوجود گراں ہوں اور پختگی میں خام۔ (میرا) دل دردمند بھی ہے اور چارہ جُو بھی اور (میری) زبان خود پسند بھی ہے اور کاشفِ راز بھی۔ ممکن ہے اِس راز افشانی کو ترک کر دوں اور رہگزارِ فکر سے سنگریزے چن ڈالوں کہ سخن کو ٹھوکر نہ لگے۔ میرا دکھ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ جب تک میری دکان کا دروازہ کھلا تھا اور انواع و اقسام کا مالِ سخن انبار تھا' خریداروں میں سے کسی نے توجہ نہ دی اور کسی کے دل میں سودائے خریداری نہ سمایا۔ (اب) جب دکان میں مال اور زبان میں حروفِ جگر دوز نہ رہے تو زمانے نے ایسا عظیم المرتبہ خریدار پیدا کر دیا جو اپنی روان و رائج نقدِ سخن کو میری نخالص گفتگو کی قیمت پر دے رہا ہے اور موتیوں کو ٹھیکریوں کی بیعانگی کے پلے میں رکھ رہا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ اگر میں (اپنا) سخن (اُس کے) سخن کے برابر رکھتا اور آواز سے آواز کا مقابلہ کرتا تو شرمسار نہ ہوتا۔ لیکن رمز شناس جانتا ہے کہ یہ خجلت اُس شرمندگی سے بڑھ کر ہے جو موتیوں کی چادروں والوں کی محفل میں کسی برہنہ تن کو ٹاٹ سے (جسم) ڈھانپنے والے کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ تو سُن اے دکانِ بے رونق کے خریدار کہ (تیرے) ہمایون نامۂ مبارک کے ورودِ مسعود پر میری مسرت کی شدت کا یہ حال تھا کہ باوجود اس کے کہ میں اپنا ہی خواہ ہوں لیکن (مجھے) اپنے اوپر بھی رشک آنے لگا۔ بھلا مجھ میں کہ خستہ غم ہائے

زمانہ ہوں اُس خوشی کو برداشت کرنے کی سکت کہاں اور میری فکر کو جود و باشِ دوستاں سے شکستہ دِل ہے اس قبولیت کو خوش آمدید کہنے کی تاب کہاں۔ میں اگر اس مسرت کو تسلیم کرلوں تو زمانے کو اپنے آزار پر کس طرح پشیمان دیکھوں اور اگر اپنی تعریف میں آپ کی ستائش پر یقین کرلوں (تو سوچتا ہوں) دوستوں کو کس درجہ قدر ناشناس شمار کروں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے شیوا[1] بیانوں کی زبان سے اپنی توصیف (سننا اور برداشت کرنا) آسان نہیں اور اس سے بڑھ کر مشکل تو صاحبانِ نقد و نظر کے سامنے ادبی معیار و مرتبے کا تعین کرنا ہے۔ قبلہ میری چالیس سالہ جگر کاوی کا یہی حاصل ہے جو میں نے جمع کیا اور (آپ کے) ستروں جیسی بلندی والے سر پر نچھاور کردیا۔ اب میرے پانی میں وہ روانی اور میری آگ میں وہ حدت نہیں۔ گویا کہ اُس گنجِ پوشیدہ کا سارا خزانہ تُل چکا اور روزِ ازل جو بہرۂ سخن میری قسمت کا تھا وہ صرفِ گویائی ہوگیا۔

کہیں آپ کے خیال میں یہ نہ آئے کہ غالبؔ تصنع کے ذریعے سخن دراز کررہا ہے۔ بھلا کیا میں اور کیا میرا دیوان اسوائے اُس غزل کے کہ جس کا مطلع اور مقطع آپ نے سنا تھا کوئی زمین ذہن میں نہیں آئی اور کوئی (نئی) غزل نہیں کہی گئی۔ وہی پرانی (غزل) پیش کی جارہی ہے اور وہی تحریر کردہ (غزل) تحریر کی جارہی ہے۔ اے خدا (میری مدد کر) کہ فکر فلک آسا اس زمین پر اُتر آئے اور رنگ سے آراستہ گل دستے کی شکل میں ایک غزل ہوجائے۔

غزل

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمہ لبش انگبیں و نیمہ تبرزد

ترجمہ: میں نے تو محبت میں جان دیدی اور رقیب (بچ کر) نکل گیا۔ اس کے لب آدھے شہد (ہیں) اور آدھے مصری۔

در نمکش بین و اعتمادِ نفوذش
گر بہ مے افگند، ہم بزخم جگر زد

ترجمہ. نمک (کے ضمن) میں اُس کا اثر دیکھ کہ اگر شراب میں بھی ڈال دے تو زخمِ جگر پر جا لگتا ہے۔

زاں بتِ نازک چہ جاے دعویٔ خونست
دست وے و دامنے کہ او بہ کمر زد

ترجمہ اس بت نازک پر دعویٔ خون تو بعد کی بات ہے (پہلے) اس زحمت کا (اندازہ تو کرلو) جو اس کے ہاتھوں کو کمر پر دامن کسنے میں ہوئی۔

کیست دریں خانہ کز خطوط شعاعی
مہر نفس ریزہ ہا بہ روزنِ در زد

۱۔ متن میں "شیوۂ" لکھا ہے جب کہ اس جگہ "شیوا" ہونا چاہیے۔ (مترجم و مرتب)

ترجمہ. اس گھر میں ایسا کون مہر نفس ہے کہ (جس کے اشتیاق دید میں) آفتاب نے اپنے نفس ریزوں کو خطوط شعاعی کی صورت میں دروازے کے سوراخ میں داخل کر دیا ہے۔

غیرتِ پروانہ ہم بہ روز مبارک
نالہ چہ آتش بہ بالِ مرغ سحر زد

ترجمہ: پہلے تو میں عشق میں رات کے وقت پروانے پر رشک کرتا تھا۔ اب یہ مبارک سلسلہ دن میں بھی شروع ہو گیا ہے اور وہ یوں کہ میرے نالے سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی ہے۔

دعویِ او را بود دلیل بدیہی
خندۂ دندان نما بہ حسنِ گہر زد

ترجمہ: اس (محبوب) کے دعوے کے لئے یہ دلیل بدیہی تھی۔ اس نے جو موتیوں کی خوبصورتی پر خندۂ دندان نما کیا۔

لشکر ہوشم بزورِ مے نہ شکستے
غمزۂ ساقی، نخست راہِ نظر زد

ترجمہ میرے ہوش کا لشکر شراب کی طاقت سے (کبھی) شکست نہ کھاتا۔ (لیکن) غمزۂ ساقی نے پہلے (ہی) آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔

برگِ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم
ہر چہ زِ طبع زمانہ بیہدہ سر زد

ترجمہ طبعِ زمانہ سے ہر فضول چیز جو نمود رہوئی (اس سے) ہم نے سامان نشاط بنا لیا اور شراب حاصل کر لی۔

شاخ چہ بالد گر ارمغانِ گل آورد
تاک چہ نازد اگر صلاے ثمر زد

ترجمہ: شاخ کو کس بات کا گھمنڈ ہے اگر اُس نے پھول کا تحفہ پیدا کیا اور تاک کو کس چیز پر ناز ہے اگر اس میں پھل پیدا ہوا۔

کام نہ بخشیدۂ گنہ چہ شماری
غالبِ مسکین بہ التفات نیرزد

ترجمہ. تو نے (میری) مرادیں پوری نہیں کیں (تو میرے) گناہوں کو کیوں شمار کرتا ہے۔
غالبؔ مسکین (جب) تیرے التفات کے لائق نہیں (تو گناہوں کا شمار بھی چھوڑ دے)۔

خط-۲

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ میں کہ میری زبان ستائش گری میں بے قرار اور میری فکر اندیشہ گری میں گستاخ ہے امید کرتا ہوں کہ آپ کے (تعینِ) مراتب میں خوشامدیوں کے زمرے میں نہ شمار کیا جاؤں اور نہ اس قدر جراُتِ (اظہار) پر گناہ گار۔ اللہ کے

کرم سے مرتبہ وجمع کردہ تذکرہ (گلشن بے خار) (یقیناً) شہرت کے صدر درو ازے کے لیے نقش ونگار کی حیثیت رکھتا ہے اور اچھے انجام کے درخت کے بیے برگ وبار کی۔ فکر کا مسافر ذوقِ سخن کے کنارے کی ناپیدائی کے میدان میں جب گام تمناٗ اٹھائے تو اپنی کمر پر اِس سے بہتر توشہ نہیں باندھ سکتا۔ سکندر کی ساری جگر تشنگی کے باوجود خضر اُس کے ہونٹ پانی سے تر نہ کر سکا جب کہ وہ سمندر سے (صرف چند قطراتِ) آب دینے کی بات تھی (مگر) آپ نے دور ونزدیک ایک گروہ کو اپنے الفاظ کے ذریعے حیات جاوید بخش دی اور یہ اپنی عمر کا ایک حصہ دوسروں کے کام پر صرف کرنے کے برابر ہے۔ خدا آپ کو ہمیشگی بخشے کہ شاعروں کو آپ نے زندۂ جاوید بنادیا اور آپ کے ہم پیشگاں کو نیک نامی ملی لیکن کیا سبب ہے کہ ردیف الف میں حضرت آزردہؔ (صدرالدین) کے اشعارِ پروین نثار رقم نہ کر کے آپ کے قلم نے موتی نہیں بیندھے اور خط کو گوہریں نہیں بنایا۔ ہر چند کہ (ان کے) برجیس مرتبت خدّام کا ذکر اس فن (شاعری) کے جریدے میں (اُن کے بیے) باعثِ فضیلت نہیں ہوگا لیکن اگر باقتضائے فرطِ محبت یہ جرأت کر بھی لی جاتی تو ایسا گناہ بھی نہیں تھ کہ جس کی تدانی کے لیے معافی کی ضرورت پیش آئے۔ اور اسی طرح الف کی ردیف میں حضرت آشوب کے ذکرِ احوال کے ضمن میں بھی ایک کشمکش میں گرفتار ہوں۔ (اور وہ یہ کہ) اس نامہ نگار کی دانست میں تو آشوب اس شہر کے سربرآوردہ سادات میں ہیں اور ان کا (اپنا) نام میر امداد علی اور ان کے والد کا نام میر روشن علی خان ہے جب کہ اس تذکرے میں ان کا نام امداد علی بیگ بتایا گیا ہے۔ مجھے آپ سے امید ہے کہ ان دونوں امور میں مجھے دل نشین جواب دے کر مسرور فرمائیں گے۔ تذکرے کے چار جزو خدمتِ عالی میں واپس پہنچ رہے ہیں۔ جب آپ کی تحریر (کا سلسلہ) ختم ہو اور اس (تذکرے) کی شیرازہ بندی ہو جائے تو مجھے دوبارہ عنایت کر دیا جائے۔ والسلام۔

خط-۳

اے مخلصوں کو نوازنے والے۔ (آپ کے) خط نے سرافراز کیا۔ اور اس شفقت اور احساس ملال نے مجھے شرمندہ کر دیا ہے۔ کیسی لغزش، کون سی دستیاری، اور کہاں کی رہنمائی۔ اگر کوئی غلطی تھی تو وہ تحریر میں تھی گزارش میں نہیں۔ میں نہ کہتا تب بھی، جس وقت مسودے پر نظر پڑتی تو تحریر کا نقص روشن ہو جاتا۔ قصہ کوتاہ یہ ایک ایسا امر تھا، جس کا تعلق نظرِ ثانی سے تھا اور (مسودہ) نظرِ ثانی کا طلبگار تھا۔ میری گزارش سے قطع نظر بات صرف اتنی ہے کہ میں نے مصلحت کنندہ کا کردار ادا کیا ہے اور میر امداد علی خان کی وکالت کا فرض انجام دیا ہے۔ سو اگر بارِ احسان ہے تو ان بزرگوار پر ہے (آپ کے) ملازموں[1] پر نہیں۔

اندیشۂ وفا پیشہ کا نغمۂ تقریظ کی تیاری کا میلان کچھ اقتضائے محبت کے تحت ہے اور کچھ خواہش دل کے۔ بے شک میری آرزو ہے کہ اس تقریب کے پردے میں یہ (تحریر) توصیف کہ عرصے سے میرے دل میں ہے، مکمل کر لی جائے اور جب حقیقت یہی ہے تو مجھے معلوم ہے کہ میں اس خدمت کی انجام دہی سے باز نہ رہ سکوں گا۔ امید کہ جب مدزم[2] جہانگیر آباد سے واپس آئیں گے تو یہ تحریر اختتام کو اور خود اپنے پتے پر پہنچ چکا ہوگا۔ اب ضرورت تو اس امر ہی کی ہے کہ اس سے پیشتر کہ مخدومی جہانگیر آباد سدھاریں، یہ کام خاطر

۱-۲۔ یہ اُس زمانے کا شایستہ و مہذب طریقۂ اظہار تھا۔ جس طرح عقیدت واحترام کے تحت اگر مخاطب کی تکلیف یا بیماری کا ذکر کرتا تو "نصیب دشمناں" کہا جاتا تھا اسی طرح کسی معمول کی مصروفیت یا زحمت کے بیان میں ملازموں ہی کو نشانہ بنایا جاتا تھا جب کہ مراد آقا ہی سے ہوتی تھی۔ (مترجم ومرتب)

خواہ طریقے سے مکمل ہو جائے اور ان دو دنوں کی فرصت میں دو ورق لکھنا چنداں دشوار بھی نہیں تھا۔ لیکن ان دنوں نہ دل اپنی جگہ ہے اور نہ ہی زبان سخن سرائی پر مائل ہے۔ مشکلات کا ہجوم ہے اور دامنِ خیال زیرِ کوہ۔ برادر بجان برابر مرزا علی بخش خان رنجور جے پور سے تشریف لائے ہیں اور میرے ہاں ہی قیام پذیر ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایجنٹی (کے دفتر) میں (چند) مسائل رونما ہو گئے ہیں اور (میری) معاش کے ضمن میں کہ جو نواب احمد بخش خان مرحوم کی جاگیر میں شامل ہے کچھ پیچیدگی پڑ گئی ہے' وقت تیمارداری میں ضائع ہو رہا ہے' دل چارہ گری میں سرگشتہ ہے اور قلم احوال دل سنانے میں گرفتار ہے۔

تذکرے کے اجزا واپس بھیج رہا ہوں اور آپ سے ایک بات (بھی) کہنی ہے کہ احباب میں سے ایک کا جس کی روح کو خدا جنت میں آسودہ رکھے' حقِ دوستی بھی (میری) گردن پر باقی نہ رہے۔ مرزا احمد بیگ خاں ابن ہادی بیگ خان سے میری ملاقات کلکتے میں ہوئی۔ ریختہ کہتے تھے اور تپاں تخلص کرتے تھے۔ مرزا جان طپش سے رشتۂ شاگردی تھا اور یہ ممتاز شخص کہ جس کی میں نے تعریف کی نواب احمد بخش مرحوم کے بڑے بھائی کا برادر نسبتی تھا۔ بالیقین میرے ساتھ سلیقۂ محبت میں یک دل و یک زبان تھا اور یگانگت کے مراسم بجا لاتا تھا۔ سخن سرائی میں سادہ گو تھا اور کلکتے میں صاحب مرتبہ لوگوں کی طرح رہتا تھا۔ چار سال ہوئے کہ دنیا سے رخصت ہوا۔ کلکتے میں میرے قیام کے دوران جب مجھ سے سنا کہ اعظم الدولہ نواب میر محمد خان المتخلص بہ سرور ریختہ گویوں کا ایک تذکرہ لکھ رہے ہیں تو انہوں نے مجھے اپنے کلام کا کچھ حصہ دیا کہ جب دہلی جاؤں تو مؤلف یعنی نواب میر محمد خان سرور کو دے دوں۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور جب اعظم الدولہ مجھ سے ملنے کو آئے' وہ بیاض میں نے ان کو پیش کر دی اور دوست کا پیغام ان کو پہنچا دیا۔ (لیکن) سرور مرحوم نے میری بات کو بھلا دیا اور اس آرزومند کا ذکر بھی زبان پر نہ لائے۔ افسوس کہ مجھے بھی اس کے کلام سے کوئی شعر یاد نہیں۔ اگر جنابِ عالی سرگرم کرم ہوں اور مرزا احمد بیگ خان مرحوم کے وہ اوراق اشعار جو میں نے سرور کو دیے ہیں اس شاعر کے فرزندانِ گرامی نواب مصطفٰے خان یا نواب احمد خان کے ذریعے ہاتھ آ جائیں اور احمد بیگ خان کا نام اس شاندار جریدہ میں منضبط ہو جائے تو (اس کا) احسان مجھ پر ہوگا۔ والسلام۔

خط-۴

فرد: مُردم ز فرطِ شوق و تسلّی نمی شوم
یارب کجا بَرم لبِ خنجر ستائے را

ترجمہ میں نے شدّتِ شوق میں جان دے دی لیکن پھر بھی میری تسلی نہیں ہو رہی۔ خدایا میں (اس کے) خنجر کی تعریف کرنے والے لب کہاں لے جاؤں۔

صبحدم جب میرا دل درد شانہ سے اس طرح بے قرار تھا جیسے ایک محبت کرنے والا مسلمان ہمسائے کی اذیت سے بے چین ہوتا ہے اور میرے ہاتھ میں دل کی بے قراری کے ظلم سے رعشہ تھا' ایک مبارک فرشتہ دروازے سے داخل ہوا اور ایک بہار آگیں خط دے کر (گویا) آرزو کے گریبان میں پھول کھلا دیے۔ ہر چند کہ نامہ برامید کے تانبے کے لئے کیمیا اور دیدۂ جاں کے لیے توتیا دیا اور (اس نے) فرقِ اقبال کو تاج اور بدنِ آرزو کو زیور بخشا لیکن چونکہ وہ گرامی نامہ قدسی شعر و غزل سے اس طرح خالی تھا جس طرح کسی

زاہد کا نامۂ اعمال شاہد و شراب کے ذکر سے' (اس لیے) دلِ سودائی کو اس سے قرار نہ آیا اور نہ ہی میرا خمار شراب کے ان دو جرعوں سے ٹوٹا۔ میں نے کہا ہائے ہائے (خط میں) نہ مژدۂ دیدار ہے کہ اُس کے سرور میں دل بستگی ہو اور نہ ہی کوئی عشوۂ غزل کہ اس کے نغمے پر لب کشائی کر سکوں۔ ہر چند کہ میری خواہش کی طول کلامی نے ابتدا میں مجھے زار نالی پر مجبور کر دیا تھا اور چاہتی تھی کہ چار و ناچار اپنی آہ و بکا کا غبار گوشِ الہام نیوش کے پردے تک پہنچا دے لیکن فطری دور اندیشی نے مجھے اپنے ساتھ یک پیکار میں مبتلا کر دیا اور اس کے بعد جب معاملات کے چہرے سے پردے کا ہٹنا اور عقل کی عاجزی کے راز کا ظاہر ہونا اور میرے ہمنفسوں پر میری عقل کی ناتمامی کا واضح ہو جانا میرے ذہن نشین ہو گیا (تو اس امر نے) مجھے عزمِ پیکار سے باز رکھا اور مہرِ خموشی منہ پر لگا دی اور باقتضائے کیشِ آزادی اس نقدِ مسرت پر کہ کم از کم میں فراموش کئے جانے والوں میں سے تو نہیں ہوں اور کبھی کبھی کسی پیغام بر کے آنے کا اور ایک نہ ایک خط کے ورود کا تو اہل ہوں' مجھے خوش کر دیا۔ (غرض یہ) کہ یہ مطایبہ جو دسترخوانِ گفتگو پر شکر کی اور (یہ) شکوہ کہ خوانِ دوستی پر نمک کی حیثیت رکھتا ہے پیش کیا گیا۔

اس خط کے جواب میں مجھ سے تاخیر ہوئی (لیکن) اگر اس کو میں ترکِ ادب نہ گردانوں تو کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس جرم پر پکڑا نہیں جا سکتا۔ وہی دردِ شانہ کہ اُس نامۂ گرامی کے ورود کا باعث ہوا ہے' سخت دیرپا ثابت ہوا اور اس نے مجھے کم و بیش دو ہفتے تک اس روز افزوں تکلیف میں مبتلا رکھا۔ جب وہ روح فرسا تکلیفِ بدن زائل ہوگئی اور ہاتھ اس بھاری قید کی کشاکش سے آزاد ہوا (تو) قلم حرکت میں اور کاغذ برائے نجات آیا اور (اس ہی کے ساتھ) یادآوری کا شکریہ اور تغافل کا شکوہ (بھی) سادہ دلی کے ساتھ (اور) زبانِ رنگیں میں ادا کیا گیا۔ امید ہے کہ اس کے بعد جلد ہی غزل تحریر کر کے مجھے مسرور کریں گے۔ اور کیا عجب کہ مدت فراق میں کمی کی نوید' ان ہی دنوں کہ ستاروں کا بادشاہ (آفتاب) برج اسد میں ہے مجھے بھیج دیں۔ دولت و اقبال ترقی پذیر ہو۔

خط-۵

فرد: می رنجد از تحمّل ما بر جفائے خویش
ہاں شکوۂ کہ خاطر دلدار نازک است

ترجمہ: (میرا محبوب تو) اپنی جفا پر میرے تحمل سے بھی ناراض ہوتا ہے۔ جب دلدار کی طبیعت اتنی نازک ہو تو بھلا شکوے کا کیا مقام ہے۔

جنابِ نواب صاحب یوں تو نامہ و پیام کی رسم کو اٹھا دینے کے ذکر سے ہی مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے لیکن (اگر وہ) عملاً بھی ظاہر ہو (تو) لازمی اس کی پرسش چاہئے اور (اس پر) مکرّر گفتگو ضروری ہے۔ اگر (یہ) بے نیازی ہے (تو) نہیں ہونی چاہئے اور اگر (میرے) صبر کی آزمائش ہے تو اس حد تک جائز نہیں۔ اگر اس کا سبب وہ ہے کہ میں اپنی ناکسی کے باعث (آپ کی) توجہ کا اہل نہیں (تو یہ تو بتایئے) کہ ناکسوں کو بات کرنے کی جرأت دلانا اور ان کو جو بے حیثیتوں کے لئے بھی ننگ شکوہ میں شرفِ قبولیت دینے کا کیا سبب ہے۔ اور اگر یہ بے لحاظ غفلتیں اور دمدوز فراموشیاں عالمِ مکافات سے تعلق رکھتی ہیں تو مجھ گنہ گار کو گلے سے نہ نوازنا اور میری معذرت کے ساز کو با نوا نہ کرنا (بھلا) کس کا گناہ ہے۔ آپ کی طرف سے کون سا خط پہنچا اور آپ کی جانب سے کون سا پیغام آیا کہ اس

کا جواب نہ دیا گیا ہو اور اس کے راستے میں جان نہ نچھاور کی گئی ہو۔

میں خود کثرتِ رنج وغم سے کہ ان دنوں مجھ پر طاری ہے اس درجہ تنگ آ چکا ہوں کہ خواہش کے مطابق سانس لینا اور (اپنی) ادائے خاص سے شعر کہنا مجھ پر اس حد تک مشکل ہے کہ اگر اچانک آپ کے خط کے مشاہدے سے میری آنکھیں پر نور بھی ہو جاتیں اور (میرا) دل سرور غزل سے نغمہ سرا بھی ہو جاتا، پھر بھی جب تک کہ فکرِ (رسا) کو گردابِ خون سے بال پکڑ کر کھینچتے دروازے تک نہ لاتا اور خود کو زور زبردستی سے شعر کہنے پر مجبور نہ کرتا، تو نہ ہی خط گرامی کی نظارہ فروزی کا سپاس ادا کر سکتا تھا اور نہ ہی غزل کی دلنوازی کی ثنا کا حق ادا کر پاتا۔

فرد: چه نویسم به تو در نامه کزانبوہیِ غم
نیست ممکن که روانی ز عبارت نه رود

ترجمہ: میں تجھے خط میں کیا لکھوں کہ غم کی گرانباری کے سبب ممکن ہی نہیں کہ عبارت سے روانی نہ چلی جائے۔

درماندگی کی داستان بیان کئے بغیر چارہ کار نہیں اور تحریر میں اس ہنگامے کے تحمل کا یارا نہیں۔ الٰہی دوری کا بندھن جلد ٹوٹ جائے اور دل ہمزبانی کے پیوند سے آرام پائے۔

خط-۶

فرد: بے تو گر زیسته ام سختیِ این درد بسنج
بگذر از مرگ که وابسته به ہنگامے ہست

ترجمہ: میں اگر تیرے بغیر بھی زندہ ہوں تو میرے دردِ فراق (کی شدت) کا اندازہ کر لے۔ موت کی بات نہ کر کہ وہ ایک خاص وقت پر موقوف ہوتی ہے۔

اس ادا کی فصاحت کو خدا شاد و آباد رکھے کہ جب تک انسان کی زبان منہ میں جنبش کرتی ہے سب سے پہلے تو انائی سخن کا شکر ادا کرتا ہے چونکہ ہر سپاس گزاری اُسی کی رہین (منت) ہے۔ وہ کون ہوگا جو اس دل کش مرتبے کی انتہائی پرستش نہ کرتا ہو اور خدا کی اس بخشش کا ثنا خوان نہ ہو۔ بھلا دیکھیے تو اس کہ تعجب انگیز تمنائے نیرنگ نما کو (قدرت نے) کیا طاقت عطا کی ہے کہ ایک جنبش کے حکم پر جو اس کی فطرت میں ودیعت ہے، عقلمندوں کا دل بیتاب کر دیتی ہے، زبان کو آمادۂ گفتار اور قلم کو گرم رفتار کر دیتی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر تعجب خیز بات یہ کہ اس ہوا کے آہستہ آہستہ چلنے کو ایسی استواری دی ہے اور اس کا نظم اس قدر متوازن ہے کہ زبان اور قلم (دونوں) کے طریقوں میں (باوجود اس کے) کہ ایک دوسرے سے سراسر مختلف ہیں، فکر کا تعلق نہیں ٹوٹتا اور وہی مقصود یکرنگ ان دونوں پردوں سے برآمد ہوتا ہے۔ اور یہ بذاتِ خود ایک ایسے رنگ کی تابانی ہے کہ جب روئے سخن کھولیں تو اچانک سب سے پہلے نگاہ اس پر ہی پڑتی ہے اور جب اس منزل سے گزر جائیں تو ایک عالم نو دریافت ہوتا ہے جہاں عالم عالم آرزو کی گہما گہمی اور رنگا رنگ آگہی کی گرم بازاری جو عشاق کو اپنے نغموں سے اسیر کر لیتی ہے، جہاں ماتم زدوں کو ان کے بین گرہ کشا ہوتے ہیں، جہاں چنگ کو آواز سے ثروتمندی اور غزل کو

(بیک) سانس سے بلند آہنگی عطا کی جاتی ہے' جہاں بہار کے پھولوں کے کھلنے کی آواز آنے لگتی ہے اور شاخوں پر پرندوں کی مسرت کو چہچہار (نصیب) ہوتی ہے۔

قصہ کوتاہ گفتگو کا رنگ دل سے پیدا ہوتا ہے ورد دل گفتگو کی جانب مائل نہیں ہوتا جب تک کہ محبت نہ ہو۔ اور انتہائے خردمندی خوشنودی میں پرسشِ (احوال) کا اور شکر رنجی میں شکوے کا اظہار (ہے)۔ چونکہ میرے ایک بے پرواہ دوست ہیں جو کبھی (شدت) ناز سے میری پرسش احوال نہیں کرتے اور اگر میں (عرض) نیاز نہ کروں تب بھی باز پرس پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اب اس ادا کو غفلت اور بیگانگی کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔ اور (اس) مرگِ وفا پر بعد میں ماتمی لباس کیوں نہ پہنوں۔ آج کے دن کہ جب اس خواہشِ ہمزبانی کی دل پر شدت ہوئی اور ایسی فارسی میں کہ جس میں عربی الفاظ کی آمیزش نہ ہو یہ دل کا درد تحریر ہوا' اردی بہشت کا بہمن روز ہے کہ اس کو انگریزی زبان کے مطابق بائیس اپریل کہا جا سکتا ہے۔ اب دیکھئے کتنی زندگی بسر ہوتی ہے کہ ان منتظر آنکھوں کو آپ کے دیدہ زیب خط سے فروغ حاصل ہو۔ خدا آپ کی راتیں دن سے زیادہ روشن اور دن نوروز سے زیادہ مبارک کرے۔

خط-۷

جنابِ عالی میں دو تین دن سے ذوقِ ہمزبانی کو جگر تشنۂ نامہ نگاری اور اپنی فکر کو تلاش عذر کی کمین گاہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں۔ ہاتھ قلم کا ساتھ دینے میں گستاخ، ور قلم صفحے پر روانی میں دل تنگ ہے۔ شوقِ دل سے کسی فیاض شخص سے حجت کرنے والے فقیر کی طرح طلبگارِ مراد اور دل شوق سے کسی کریم مفلس کی طرح شرمندہ (ہے)۔ بلکہ زیادہ حیران کن بات تو یہ ہے کہ میں خود اپنی خواہش سے شکر رنجی میں مبتلا ہوں لیکن (پھر بھی) اس کا ہم خیال ہوں۔ کیا کروں اس جھگڑے میں آرزو کی طرفداری بھی نہیں ہو سکتی اور کسی بہانے فکر پر بھی قابو پانا ممکن نہیں۔ وہ (آرزو) نادانی سے سراسر راغب سخن ہے اور اس (فکر) کو اپنی سنجیدگی سے سخن گوئی میں تامل۔ نقدِ تحریر اگر بے مانگے ہاتھ نہ آئے تو ظاہر ہے کہ اس کو (ڈھونڈ) نکالنا اور بہم کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ بھلا میں کون ہوں کہ ناآفریدہ کو پیدا کرنے پر کمرِ ہمت کس لوں۔

بظاہر جس چیز کی ارزانی ہے وہ گرمی کی بیداد اور سورج کی تپش ہے۔ خدا کی پناہ اگر اس بارے میں ایک باب لکھا جائے تو قلم ماچس کی تیلی کی طرح جل اٹھے اور اپنے ساتھ خط کو بھی جلا ڈالے۔ فرض کیا کہ میں دو تین سطریں لکھ بھی لوں اور اپنے آنسوؤں کے وسیلے سے قلم اور خط کو جلنے سے بچا لوں تو دل نامہ بر کے احوال پر جلا جاتا ہے کہ جب اس بے چارے کی بنیاد میں آگ لگ جائے اور اس کی سانس ہونٹوں پر اور رفتار اس کے قدموں میں پگھل جائے تو اس کا علاج کس طرح ممکن ہے اور خدا کو کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔

(اب) سننے کے لئے جو خوش خبری (ہے) وہ رُدسیوں کی خسرو ایران کے ساتھ دوستی اور ان دونوں گروہوں کا (مل کر) عازم ہندوستان ہونا ہے۔ چونکہ یہ افواہیں پریوں کی کہانی سے زیادہ نہیں (اس لیے) زیادہ عقلمندی یہی ہے کہ یہ باتیں اپنی زبان پر نہ لائے اور ان خبروں پر اعتبار نہ کرے۔ زمانے کے گرم و سرد کا ہنگامہ ایک طرف اور بادشاہوں کی صلح و جنگ کی افواہیں اپنی جگہ۔ دوست کا خط نہ پہنچا کہ یاد آوری کا شکر ادا کیا جا سکے اور (نہ ہی) کوئی غزل روشناس نظر ہوئی کہ اس کی گراں قدری کی تعریف کی جا سکے۔ آموں کی فصل ابھی ختم نہیں ہوئی کہ میں گلہ مندی پر تیار ہو جاؤں۔ اور (نہ ہی) میرے ذہن میں کوئی غزل آئی ہے کہ اس (کو مکمل کرنے)

کے لیے ہمہ تن متوجہ ہو جاؤں۔ زبان گفتگوئے مہر و وفا سے نا آشنا ہے اور گویائی داستانِ شوق کہنے میں عاجز۔ لامحالہ ان دونوں نغموں (کے الاپ) سے ہونٹ خاموش ہیں (اور جہاں تک گلہ گزاری[1] کا تعلق ہے) سو وہ تو یاد آنے سے پہلے ہی فراموش ہو جاتی ہے۔

خط-۸

اے شکر مقال طوطیوں کے آقا (خدا آپ کو) سلامت رکھے۔ ابھی التفات کے جھاڑ کی گل فشانیوں نے شش جہت کو اپنے پھولوں کی خوشبو کی گرفت میں لیا ہوا تھا یعنی بہار آگیں صحیفے کے ورود کا سرور (تا حال) دل سے زائل نہیں ہوا تھا کہ غمخواری کے بارور درخت نے پھل دینا شروع کر دیا اور آٹھ ٹوکری آم کی آمد نے (تو) آرزو کے چہرے پر جنت کے دروازے کھول دیے۔ کیا کہنے ان میٹھے پاکیزہ آموں کے کہ باہر سے دودھ کے دھلے ہوئے اور اندر شکر سے بھرے ہوئے۔ اور ان کی تر و تازگی ایسی گویا انہوں نے پانی چشمۂ خضر سے (پیا ہو) اور ہوا دمِ مسیح کی کھائی ہو اور مٹھاس میں گوئے سبقت شکر سے اور دل خرد سے لے گئے ہوں۔ پاکیزگی میں 'خاندانِ ابر و ہوا کی آبرو کے موتی (کی مانند) اور دل آویزی میں مال و متاع کے خاندان کے چشم و چراغ کی صورت۔ ابرِ نیساں نے جب تک (اپنی) کوشش کی عرق ریزی کی اجرت کے اس گراں بہا پھل کو تلاش نہ کر لیا' گہر سازی کے کاروبار کے نقصانات کے حساب کا کھاتہ چکتا نہیں کر سکا۔ اور اگر انگور کو اپنے وجود کی ابتدا ہی میں معلوم ہو گیا ہوتا کہ رس بننا اور پھر بادۂ ناب بننا کچھ اور بات ہے' اور خدا آفریدہ شیرۂ پاک کی چاشنی بننا کچھ اور' تو ہرگز پانی نہ پیتا اور بار آور نہ ہوتا کہ (اس) تصنع میں لوگوں کے لیے دردِ سر کا باعث ہو۔ (اور اگر) نے شکر کو ابتدا ہی میں معلوم ہو گیا ہوتا کہ طرح طرح سے پیلے جانا اور دوسروں کی کوشش سے کوزۂ شکر کی صورت اختیار کر لینا اور بات ہے اور اس میوۂ لطیف کی ازلی خوش ذائقگی اور' (تو) ہرگز مٹی سے اپنا سر باہر نہ نکالتا (بلکہ) اپنے قد کی لمبائی کے برابر زمین کے اندر گڑ گیا ہوتا' اور اس نمودِ قد آوری کی حماقت پر انگشت نمائی کا نشانہ نہ بنتا۔ وہ جو خامۂ شکر فشاں نے تحریر کیا ہے کہ ان پھلوں میں آدھے پکے اور آدھے اب تک کچے ہیں تو (سچ جانیے) کہ اگر طوبیٰ کا پھل پختگی میں اس رنگ کا ہو اور خامی میں اتنا خوشبودار تو میں ضامن (ہوں) جو اہلِ بہشت بادۂ طہور کی طرف راغب ہوں اور اُس باغ کے فرشتے کسی (جنتی) کا دل لبھا سکیں۔ میں نے کہا کہ یہ جو پختگی پر زرد ہو گئے ہیں تو یہ (آپ کی) عنایت کی کارسازی کا کرشمہ ہے کہ بے نواؤں کے کام کو کل پر نہیں چھوڑا اور جو پکنے سے پہلے پہنچ[2] گئے ہیں تو یہ (بات) ذوق کی تاب و تب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ (آپ نے) دلجوئی میں تاخیر روا نہ رکھی۔ دل نے کہا یقیناً وہ جو پختگی میں زرد ہو جاتے ہیں وہ انتہائے شوق ہے جس میں میری شادمانی ہے اور میری شادمانی (خدا کرے) اس سے بھی بڑھ کر ہو اور وہ جو پکنے سے پہلے پہنچ جائیں وہ مژدۂ وصل ہے کہ میری یہی آرزو ہے کہ میرے دوست (کا نام) میری زبان پر رہے۔

۱- متن میں یہ ''گلہ فروش'' ہے جو بے معنی ہے۔ چنانچہ یہاں ''گلہ فروشی'' قیاس کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- یہاں غالب نے لفظ 'رسیدن' کے لفظی اور مجازی معانی سے ایہام برتا ہے۔ 'رسیدن' بمعنی پہنچنا اور پھل کا پکنا۔ (مترجم و مرتب)

خط-۹

رباعی(۱)

اے شمع بزمِ ماتمِ قاتل چگونہ ای
غم را نشانِ گرمیٔ محفل چگونہ ای
اے گوہرِ دل تو بجائے خریدہ دوست
با دوستاں چگونہ ای و بادل چگونہ ای

ترجمہ: اے بزم ماتم قاتل کی شمع تو کیسی ہے؟ اے کہ تو غم کے لیے گرمیٔ محفل کا نشان ہے تیرا کیا حال ہے؟ اے کہ تیرے دل کے گوہر کو دوست نے جان کے عوض خرید لیا ہے (یہ تو بتا) کہ دوستوں کے ساتھ تیرا (رویہ) کیسا اور دل کے ساتھ تیرا (سلوک) کیا ہے؟

جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کی رو سے میری امیدوں کے مرکز اور جواب سن رہا ہوں اس کے اعتبار سے میری امیدوں کو گھٹانے والے۔ امید کرتا ہوں کہ یہی مبارک طبعی کہ جس کو اس کی شکیبائی کہیں، دل کو توانائی بخش کر نشوونما عطا کرے گی اور فرار کی جانب سے کہ عاشق کا سراب ہے، آسودگی کی جانب جو عجائے آزادگی ہے پہنچے گی۔ اس غم کی گھٹن سے جو عین فطری ہے، پرسش احوال کے لیے دل ہر بنِ مو سے ٹپک رہا تھا اور مجھے غم گساری کی توقع کے لیے سوائے اس انجمن کے کوئی اور جگہ نظر نہ آتی تھی۔ آپ کی زیارت کی خواہش مجھے (صرف) ایک بار نہیں ہوئی۔

بے شک اپنی آشفتہ سری کے سبب ڈرتا بھی تھا اور دوست کی تنگ مزاجی کے سبب پریشان بھی ہوتا تھا۔ چونکہ آزادہ روی کے سبب میرا دل بھی نرم اور زبان سخت ہے اور تعلق خاطر میں دوست کا دل بھی نازک ہوتا ہے اور غم کی قید گراں تر(۲)۔ دیکھ دیکھ کر رونا آتا تھا جو میری کنارہ جوئی کی آبرو کو بھری محفل میں لٹا دیتا اور اگر دل کی جان پر آ بنتی تو نرمی زبان پر پند و نصیحت آتی اور وہ حرکت دل دوست پر گراں گزرتی۔ یقیناً میں دوست کی غم خواری میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور جو کچھ دل میں تھا، کہہ ڈالتا۔ (نتیجہ یہ ہوتا کہ) خود اپنی نظر میں شرمندہ ہوتا اور دوستوں میں ظالم مشہور ہو جاتا۔ کئی دن اسی کشاکش میں گزرے اور کئی راتیں اسی خیال میں صبح میں تبدیل ہو گئیں حتی کہ ایک روز دن چڑھے آپ کے دولت خانے گیا اور وہاں آستان نشینوں سے یہ معلوم ہوا کہ جناب عالی جہانگیر آباد گئے ہوئے ہیں اور اُس پریشانی میں گرفتار ہیں۔ میں نے کہا خدا مہربان ہو اور دل کو فکرِ صحیحہ سے تقویت عطا کرے۔ باوجودے کہ مجھے یہ خبر مل چکی ہے دل کو اس کشاکش سے نجات نہیں اور اسی طرح سینے میں تڑپ رہا ہے۔ اور ہاں یہ تو میرا احساس تناسب ہے کہ بات کو طول نہیں دے رہا ہوں اور اس آرزو پر مختصر کر رہا ہوں کہ جب جناب عالی (میرے خط کا) جواب تحریر کریں تو اس طرح (سادی) باتیں لکھیں کہ

۱- یہ دو بیت رباعی کے مقررہ اوزان سے باہر ہیں۔ اس لیے ان کا عنوان قطعہ ہونا چاہیے تھا۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں ''ہم بند غم گراں مبد'' جو بالکل مہمل نظر آتا ہے۔ اس کو ''ہم بندِ غم گراں بار'' ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

جو کچھ بھی دل میں ہے سب اس پردے سے باہر آ جائے بلکہ پردہ ہی درمیان سے اٹھ جائے تا کہ میں بھی دیکھوں کہ آپ کو غم دں میں کیا کرنا چاہیے اور مجھے آپ کے غم میں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ (خدا) بختِ موافق، دلِ دانا، اور عقلِ نافع (آپ کا) مقدر کرے۔ ماہ رمضان کے دوسرے دن تحریر کیا گیا۔

خط-۱۰

فرد: ترسم رہم بہ کعبۂ اسلامیاں فتد
گم کردہ ام بہ وادیٔ شوقِ تو راہ را

ترجمہ: مجھے ڈر ہے کہ میرا راستہ کعبۂ اسلامیاں کی طرف نکلتا ہے۔ میں تیری وادیٔ شوق میں اپنا راستہ بھول گیا ہوں۔

(یہ) آتشِ خس پوش بلکہ بجھا ہوا چراغ کہ جس کو صورت پرست، اسد اللہ روسیاہ پکارتے ہیں (اپنے) دوست سے اس لئے خوش ہے کہ اگر کعبے کی واپسی سے پندارِ زہد بار آور نہ ہوا ہو تو یگانگت کے تعلق کی استواری کی نوید ہوگی۔ لیکن اپنے آپ سے اس اذیت میں (مبتلا) ہے کہ اگر کعبے جانے کی زحمت کو (اس نے) اپنی بندگی کے ازالے میں شمار کیا ہے تو لازمی وہ اجر و ثواب کا سرمایہ جو ہر زائر کعبہ کے ذہن میں سمایا ہوتا ہے ضائع ہو گیا ہوگا۔ ہر چند کہ مجھے اس افسردگی میں جو دوست کے دوسروں پر التفات کے رشک اور اپنی کم مائیگی کے دکھ کے باعث ہے، خط لکھنے کا خیال نہیں تھا لیکن ایک مدت سے میں ابوالفیض فیضی کے اس شعر کو گنگناتا اور اس آرزو سے مسرت اندوز ہوتا ہوں کہ جب دوست کے پاؤں کی گرد سفر میں اپنے آب دیدہ سے دھوؤں گا اور مبارکباد کے طور پر چند لطف سناؤں گا (تو) فیضی کے یہی دو مصرعے میرے طائرِ آواز کے دو پر ہوں گے۔

فرد: حاجیٔ بادیہ پیما ز کجا می آئی
خبرے داری اگر از رہِ مقصود بیار

ترجمہ: اے حاجیٔ بادیہ پیما تو کہاں سے آ رہا ہے۔ اگر تجھے رہِ مقصود کی کوئی خبر ہے تو بتا۔

اس وقت آپ کی (حج سے) واپسی کی مسرت تو جو برگشتن یعنی پلٹ جانے (یا منحرف ہونے) سے تعبیر ہو چکی ہے، یقیناً اُس انتہا کی ہے کہ (جی چاہتا ہے) نا گاہ جان دیدوں (لیکن) مجبوراً نئے قلم کے ریشوں کو اس نغمے کے ساز کا رشتہ گردانیے اور اپنے آپ کو رہینِ لحن و صوت نہ کیجئے۔ والسلام۔

خط-۱۱

نہ لکھی ہوئی (تحریر) کو پڑھ لینے والے (اور) نہ کہی ہوئی (بات) کو جان لینے والے محترم کو (اس) فدوی سادہ لوح اور دل بستۂ وفا کی طرف سے زبان و قلم کے واسطے کے بغیر صد ہزار آفریں کہ نہ لکھے ہوئے خط کے جواب میں خاطرِ اندوہگیں کے لئے مسرت کا چک لکھ دیا۔ میری بے زبانی اور آپ کی غیب دانی دونوں قابل دید ہیں ورنہ سادگی ورق میں یہ رنگ رنگ کے خیالات کہاں۔ یقیناوہ نامۂ سادہ اپنی سادگی کے سبب دائیں ہاتھ کے فرشتے کی تحریر کے مشابہ ہے۔ سادہ اس وجہ سے تھا کہ انتظارِ وفا کے دکھ کو (خاطرخواہ طور پر) تحریر نہیں کرسکتا تھا ور (اسی لیے) چشم بے بصارت کی عکاسی کے لیے سادہ ورق بھیج دیا اور گفتنی کی شرح ناگفتہ کے ذریعے ہوئی۔ یا پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ جو کچھ اس راز کی بابت میرے قلم سے ادا ہوا تھا وہ نامہ بر کے ہاتھوں راستہ طے کرنے میں خود سے مٹ گیا۔ بارے سخن ناگفتہ دل پر بوجھ ہے۔ ایک قسم کی بے ادبی کی معذرت سو طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ جو دل پر گزرتی ہے وہ زبان سے کیوں نہ کہوں، افسوس، ورق کے حرف و نقطے سے معریٰ ہونے کی توجیہ خال وخط سے دل کی لاتعلقی سے تو ہوسکتی ہے رخ سادہ پر آنکھیں سی دینے سے ہرگز نہیں۔

فرد: گمان زیست بود بر منت ز بے دردی
بد است مرگ ولے بدتر از گمانِ تو نیست

ترجمہ. مجھ پر تیرا زندگی کا گمان بے دردی کے سبب ہے۔ موت بری سہی لیکن تیری بدگمانی سے زیادہ نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ آپ نے سوچا ہوگا کہ نہ لکھا ہوا خط لکھے ہوئے خط سے بہتر ہے اور (اسی خیال کے تحت) آئین غزل نویسی بھی فراموش کردیا ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نے غزل نہیں کہی اور اگر وہ موتی پروئے ہیں تو مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں اور یہ میں کھلے بزم میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے میرے اوپر ستم کیا ہے (اور وہ ستم یہ ہے) کہ اپنے آنے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ دوست کی خواہش کی تکمیل اگر ہزار میری تکلیف کا باعث ہو تب بھی مجھے مسرت پہنچتی ہے۔ مجھے اپنی اس تکلیف میں بھی بہ سیدگی ملی۔ اور اس نہ لکھنے سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ کے آنے میں دیر ہے۔ خدایا جس طرح دوست کا گمان میرے بارے میں غلط تھا اسی طرح میرا گمان بھی اس کے بارے میں غلط ہو۔

خط-۱۲

روح کو جسم کا سپاس اور آقا کو غلام کی دعا۔ جمعہ کی جب رات ہوئی تو محفل سخن بپا ہوئی۔ چونکہ میں نے غزل نہیں کہی تھی اس لئے شرم تہی دستی سے فگندہ سر تھا اور انجمن میں جانا تو ایسا مضمون تھا جو ذہن میں آتا ہی نہ تھا۔ والا جاہ نواب ضیاء الدین خان نے "خدا ان کو سلامت رکھے" دو فرشتے میرے اوپر مقرر کردیے (یعنی) زین العابدین خان عارف اور غلام حسن خان محو۔ اور یہ دونوں اصرار کرنے والے (گماشتے) شام کے وقت میرے خلوت (کدۂ تنہائی) میں آپہنچے اور ہاتھی لے کر آئے اور جس طرح شیر کو شکار کر کے ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر لے جاتے ہیں، مجھے بھی انجمن میں لے گئے۔ مخدوم معظم و صدر اعظم مولوی محمد صدرالدین خان بہادر کی مدقات نے

صعوبت راہ کی تلافی کردی۔ رہروؤں کو فائدہ یہ ہوا کہ مولانا سحابی تشریف نہ لائے تھے۔ مولانا صہبائی کی طرحی غزل میں دو تین شعار دل نشین تھے۔ قصہ کوتاہ جب غزل خوانی ختم ہوئی تو بحرِ ہزج مثمن سالم میں گریبانم نمی اید ' دامانم نمی آید ایک طرح مقرر کی۔ فدوی کے رفقا میں سے میرزا زین العابدین خان عارف اور جواہر سنگھ جوہر نے اس طرحی زمین میں دو غزلیں پڑھ کر غزل گوئی کا سکہ جمادیا۔ میں نے بھی ایک غزل جو اُسی روز کہی تھی سنائی: غزل:

صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم
چہرہ آغشتہ بہ خونابِ جگر بنمایم

ترجمہ صبح ہوگئی (اب) اٹھ کہ (تجھے) رودادِ اثر دکھاؤں۔ (اور) خونابِ جگر سے آلودہ اپنا چہرہ دکھاؤں۔

نامہ نگار۔ اسداللہ۔ تحریر کردہ بروز جمعرات تیئیسویں مارچ۔ نمازِ عصر کے وقت کہ جب ابر برسنے لگا تھا اور ہوا ژالہ بار تھی۔

خط-۱۳

مجھے خوشی ہے کہ خط نے غزل کے پہنچنے کی اطلاع فراہم کی اور گرمیٔ ہنگامہ میں (بھی) اضافہ کیا۔ کل کہ ستارۂ زہرہ کا دن (بدھ) تھا شام کے وقت حضرت آزردہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس سے پہلے کہ میں حرفِ مدعا زبان پر لاتا' میں نے مخدوم کی پیشانی پر بیماری کے آثار نمایاں پائے۔ نزلہ وزکام میں مبتلا تھے اور بے شک وشبہ راتوں کو جاگنے نے یہ دن دکھایا تھا۔ غرض یہ کہ مشاعرے میں نہیں گئے اور فدوی کو (رخصت کی یا شرکت کی) اجازت دے دی۔ انجمن ریختہ گویاں میں بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے۔ (انہوں نے) لمبی لمبی غزلیں پڑھیں۔ گھر پہنچنے اور بستر پر لیٹنے تک آدھی رات بیت چکی تھی۔ غزل خوانی میں جب میری باری آئی تو میں نے پہلے ملک نخواست وفلک نخواست والی غزل پڑھی۔ اس کے بعد طرحی غزل پڑھی۔

غزل

چہ عیش از وعدہ چوں باور ز عنوانم نمی آید
بنوعے گفت می آیم کہ می دانم نمی آید

ترجمہ اس وعدے کی کیا خوشی کہ جس کے عنوان سے ہی مجھے یقین نہیں آتا۔ اُس نے اس انداز سے کہا ''میں آتا ہوں'' کہ میں جانتا ہوں نہیں آئے گا۔

واضح ہو کہ اقبال مند محمد ضیاالدین خان بہادر نے عرفی کا مصرع صد سال می تواں بہ تمنا گریستن طرح کے لئے دیا ہے۔ اس زمین میں صائب آملی کا ایک قصیدہ ہے اور عرفی شیرازی کی دو غزلیں ہیں۔ اب دیکھئے (یہ قدما) غالب کو کس آہنگ پر نغمہ پیرا کرتے ہیں۔

۱۔ خلوت کدہ تو بامعنی بات ہے لیکن خلوت کدۂ تنہائی محلِ نظر ہے (مترجم ومرتب)

خط-۱۴

(اے) میرے مرکز امید۔ کل جمعہ کا دن تھا کہ بزم سخن کی خبر سامعہ افروز (ہوئی)۔

شام کے وقت وہی دو مبارک فرشتے دروازے سے داخل ہوئے اور مجھے محفل (مشاعرہ) میں لے گئے۔ اور میر نظام الدین ممنون اور مولوی امام بخش صہبائی چونکہ بیمار تھے اس لئے نہیں آئے۔ حضرت آزردہ کو لانے کے لیے (بھی) آدمی بھیجا گیا۔ اگر چہ دیر سے آئے لیکن آئے۔ اور میرے دل کو صفا اور زبان کو نوا بخشی۔

اتفاق سے فدوی گریستن کی زمین میں پہلے ہی ایک قصیدہ لکھ چکا تھا۔ اور میرا خیال یہ تھا کہ اُس کاغذ کو (جس پر وہ قصیدہ تحریر تھا) متاع نامقبول کی طرح واپس لے جاؤں اور ریختہ گویوں کے لیے دردسر کا باعث نہ بنوں (لیکن) حضرت آزردہ کی آمد پر دل کو تقویت نصیب ہوئی اور زبان کو رخصت کلام مل گئی۔ سحابی بھی بن بلائے موجود تھے اور انہوں نے گریستن کی زمین میں ایک غزل کہہ رکھی تھی۔ انہوں نے جب میرا قصیدہ سنا تو شرمندہ ہوگئے اور اپنے کلام میں سے کچھ شعر پڑھ کر اٹھ گئے۔ آج میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ قصیدہ ایک ورق پر لکھ کر دولت کدے کے پرستاروں کو بھیج دوں۔ لیکن دوپہر تک تحریر کی فرصت نہ مل سکی۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا کہ سحابی اور فتاح دونوں آ گئے۔ اس نے تو رونی صورت بنائی ہوئی تھی جس کے ہاتھ میں گلدستہ (تھا)۔ نامہ بر نے (وہ گلدستہ یعنی آپ کا) گرامی نامہ میرے حوالے کیا اور چل دیا۔ ادھر بارش ہونے لگی۔ ابر قطرہ فشانی کر رہا تھا اور میں خط سے موتی چن رہا تھا۔ یہاں تک کہ میری جھونپڑی پانی سے اور میرا دامن نایاب موتیوں سے بھر گئے۔ سبحان اللہ کیا کہنے کیا غزل ہے۔ اس زمین کے مرتبے کو آپ نے آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ اور شاعری کو اہل زمین پر نوازش کے لیے آسمان سے زمین پر اتار لیا ہے۔ شعر کہنا آپ ہی کا حق ہے۔ اگر کما حقہٗ ہم اس کی تعریف کی بھی اہلیت رکھتے ہوں تو اپنے آپ پر ناز کر سکتے ہیں۔ زیادہ۔ زیادہ۔

خط-۱۵

رشک طالب و فخر غالب خدا آپ کو سلامت رکھے۔ قصیدہ بزمین گریستن اگر چہ میرے دل سے زبان تک پہنچ گیا ہے اور زبان سے اس کی تراوش بھی ہوگئی ہے پھر بھی دل میں اس کے لیے ایک مقام ہے لیکن (آپ کی) اس غزل کو پڑھ کر جو آج پہنچی وہ بھی دل سے اتر گیا اور نظر سے گر گیا۔ سبحان اللہ۔ کیا اچھی غزل ہے۔ اگر چہ میں عاجز بیان و کج مج زبان ہوں لیکن اگر چاہوں تو اس کے ہر شعر پر ایک مدحیہ قصیدہ لکھ سکتا ہوں۔ اور پھر اس کا مقطع، اس کا تو جواب ہی نہیں۔ اس مقطع کی تعریف کون کر سکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ شاعری میں آپ کا بھی خواہ و ستائش گر ہوں، مجھے آپ پر رشک آنے لگا۔ خدا آپ کو ہمیشہ زندہ رکھے کہ آپ ہی شاعری کی روح ہیں۔ اس مشاعرے میں جو پچھلے دنوں ہوا، میری زمین گیر خاک ریختہ گویوں کی آنکھ کا غبار نہ بن سکی۔ روز غزل خوانی سے ایک ہفتہ پیشتر اپنی غزل کہہ کر میں نے حضرت آزردہ کی خدمت میں، کہ خدا ان کو ہمیشہ سلامت رکھے، ارسال کردی تھی اور خیال یہ تھا کہ اگر خط سے سرافراز ہوا اور اس کا جواب لکھا، تو تحریر میں یہی غزل میری متاع ہوگی۔ آج کہ آپ کا گرامی نامہ پہنچا فوراً ہی میں جواب لکھنے بیٹھ گیا اور جب تک خط تمام نہ کر لیا کھانا نہ کھایا۔

فرد: دیدم آن ہنگامہ بے جا خوفِ محشر داشتم
خود ہمہ شورست کاندر زیست در سر داشتم

ترجمہ: میں نے وہ ہنگامہ دیکھا ہے، میں بے سبب محشر سے خوف زدہ تھا۔ (ارے) یہ تو وہی شور ہے جو دورانِ زندگی میرے سر میں تھا۔

والسلام۔

خط-۱۶

ہاں خواجۂ بے پروا من بندہ کہ غمناکم
وز غصہ جگر چاکم خواہم سخنے گفتن

ترجمہ: ہاں اے آقائے بے پروا۔ میں کہ ایک غمزدہ شخص ہوں۔ اور دکھ سے میرا جگر چاک ہے۔ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

آں روز کہ می رفتند آن نامہ فرستادند
کز دیدن آن خوں شد دل تا جگر ازاندہ

ترجمہ: اس روز جب آپ جارہے تھے (اور) آپ نے مجھے خط بھیجا۔ جس کو دیکھ کر دل سے جگر تک (سب) غم سے خون ہوگئے۔

گفتم چہ کنم غالبؔ چوں کار دگرگوں شد
می بایدم اینک رفت تا عذر سخن خواہم

ترجمہ: میں نے کہا اے غالبؔ اب میں کیا کروں۔ جب کام ہی دگرگوں ہوگیا۔ اب مجھے فوراً جا کر معذرت کرنی چاہیے۔

چوں گرد و غبارے بود رفتن نتوانستم
آن روز بہ شام آمد لا بلکہ سیہ تر شد

ترجمہ: (لیکن) چونکہ گرد وغبار (بہت) تھا۔ میں جا نہیں سکا۔ (غرض) وہ دن بھی شام میں ڈھل گیا نہیں بلکہ اور بھی زیادہ تاریک ہوگیا۔

سر ماندہ بہ بالیں بر چوں غمزدگاں خفتم
ہے ہے چہ تواند خفت آن خستہ کہ غم خوارش
بر زخم نمک پاشد و ز دیدۂ بیدارش
شورابہ روان باشد

ترجمہ: میں تکیے پر سر رکھ کر غمزدوں کی طرح سوگیا۔ ہے ہے۔ وہ (شخص) کس طرح سوسکتا ہے جس کا دوست اس کے زخموں پر نمک چھڑکتا ہو۔ اور جس کے دیدۂ بے خواب سے شورابہ رواں ہو۔

چون از افقِ شرقی

خورشید درخشنده ناگه سرے سرزد
آتش بجہان درزد مرغ سحری پرزد
رفتم بہ جگر کاوی وان رازِ نہانی را

از دل بزبان دادم

ترجمہ جب مشرق کے افق سے خورشید تاباں نے ناگاہ سر باہر نکالا (اور) دنیا میں آگ لگا دی۔ (تو) مرغ سحر پھڑ پھڑایا۔ میں (بھی) آمادۂ جگر کاوی ہوا۔ اور اس رازِ نہانی کو دل سے زبان کے حوالے کر دیا۔

در خلوت تنہائی

بے پردہ چو ہمرازاں نے آمد و ہمدم شد

ترجمہ : (کہ اتنے میں) اس تنہائی کی خلوت میں ہمرازوں کی طرح بے دھڑک نے آئی اور (میری) ہمدم ہوگئی۔

چنداں کہ دم اندر نے از مہر دمیدم من
چون من بہ نوا آمد وان نالہ کہ بر لب بود

از باطن نے سرزد

ترجمہ .اور میں نے جتنا دم نے میں محبت سے پھونکا وہ (بھی) میری طرح فریاد کرنے لگی۔ اور وہ نالہ جو (میرے) لب پر تھا۔ نے کے باطن سے نکلنے لگا۔

آں دم کہ نفس بانے

زیں گونہ کشاکش کرد یك کاغذ نانوشتہ

بودست بدستم در

ترجمہ : اس وقت جب میری سانس نے کے ساتھ اس قسم کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ ایک سادہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھا۔

چون نالہ نمودے داشت

بر صفحۂ نشانہا ماند زاں شعلہ کہ دودے داشت
غمنامۂ رازستے گفتم مگر ایں صفحہ
باید کہ فروپیچم فہرست نیازستے

ترجمہ: (چونکہ) نالے میں بھی ایک نمود تھی۔ صفحے پر اُس شعلے سے کہ دود آلود تھا نشانات باقی رہ گئے۔ یہ غمنامۂ راز ہے۔ یہ صفحہ میں نے کہا' مجھے تہ کر دینا چاہیے کہ یہ (تو) فہرستِ نیاز ہے۔

زی خواجه روان سازم وانگه به نشان مندی
کوتاه کنم گفتن

ترجمہ: خواجہ کی طرف ارسال کروں اور دستخطوں کے ساتھ بات ختم کروں۔

آں نامه که من گفتم حجاب درِ والا
بردند و روان کردند

ترجمہ وہ خط جس کی بات ہوئی آپ کے دولت خانے کے ملازم لے گئے اور انہوں نے (اس کو) بھیج دیا۔

هر چند در اندیشه پیداست که خوش باشد
با خواجگی استغنا با ایں همه خوش نبود
پوزش نه پذیرفتن

ترجمہ۔ ہر چند کہ ذہنی طور پر استغنا خواجگی کے ساتھ بظاہر اچھا ہوتا ہے لیکن (معذرت کی ان کوششوں کے ہوتے ہوئے) معذرت قبول نہ کرنا اچھا نہیں ہوتا۔

دیروز سحر گاهاں روشن گهر آن نیر
کش روح و روان دانم بل خوشتر از آں دانم
دیوان نظامی را آورد به سوئے من
زینگونه نواها بود در پردهٔ گفتارش
کز ذوق به هنجارش ایں زمزمه سر کردم

ترجمہ۔ کل صبح کے وقت۔ وہ بلند خاندان (ضیاالدین خان) نیّر جن کو میں اپنی روح و رواں سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جانتا ہوں۔ دیوان نظامی لے کر میرے پاس آئے۔ تو ان کی گفتگو میں ایسے راگ تھے۔ کہ میرے ذوق نے ان کی طرز پر یہ نغمہ سر کیا۔

والا گهر اکبر خاں خوانند سلام از من

ترجمہ: والا گہر اکبر خان کو میرا سلام پہنچے۔

خط-۱۷

فرد: بودش از شکوه خطر ورنه سرے داشت به من
به مزارم اگر از مهر بیاید چه عجب

ترجمہ۔ اس کو (میرے) شکوے کا ڈر تھا ورنہ اس کو مجھ سے لگاؤ (ضرور) تھا۔ کیا عجب کہ (اب بھی) (فرط) مہر سے میرے مزار پر آجائے۔

خط تحریر کرتے وقت اس طرح آنکھیں اشکبار ہوئیں کہ کاغذ تر ہوگیا اور تحریر بھی پڑھنے کے لائق نہ رہی۔ اور خط کی تہ کا کھلنا مشکل ہوگیا۔

بے شک اگر ایسے خط کے جواب میں تاخیر ہو تو بعید نہیں۔ اللہ اللہ اپنے یاران وطن سے (آپ) اس قدر وحشت زدہ ہوگئے کہ دہلی سے جہانگیر آباد اور وہاں سے لکھنو پہنچ گئے۔ خدا یارانِ پری منظر کی ملاقات اور شعران جادو بیان کے مشاعرے سے زحمتِ راہ کی تلافی کرے اور اگر اس کے علاوہ آپ کی کوئی خواہش ہو تو اس کو بھی پورا کرے۔ مشفقی غلام علی خان کی دربار میں حاضری کے پروانے کی میعاد تمام ہوتے نے مجھے افسردہ کر دیا اور چوں کہ اس الجھن کا کوئی حل نظر نہیں آرہا کہ معلوم ہو سکے انجام کار کیا ہوگا اس کے باعث اور بھی پریشان ہوں۔ ان دنوں کہ شعر کو میرے ساتھ اور مجھ کو شعر کے ساتھ زنجیر سے (بھی) نہیں باندھا جاسکتا (پھر بھی) ایسے دل سے جو گویا میرے پاس تھا ہی نہیں اور اس زبان سے کہ گویائی سے عاری تھی میں نے دو رباعیاں کہی ہیں۔ اس امید پر کہ آپ ان کو پسند کریں گے اسی خط میں تحریر کر رہا ہوں۔

رباعیات

کس را نبود رخے بدینساں که تراست
پاکیزه تنے به خوبیِ جاں که تراست
گفتی که ز هیچ فتنه پروا نه کنم
آه از غمِ چشمِ بدِ خوبان که تراست

ترجمہ: کسی کا چہرہ ایسا (خوبصورت) نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ تیرا ہے۔ تیرا جسم ایسا پاکیزہ ہے کہ اس میں جان کی خوبیاں سماگئی ہیں۔ تو نے کہا کہ میں کسی فتنے کی پروا نہیں کرتا۔ لیکن افسوس اس غم پر کہ جو تجھے محبوبوں کی چشم بد سے ہے۔

اے دوست بسوئے ایں فروماندہ بیا
از کوچۂ غیر راہ گرداندہ بیا
گفتی که مرا مخواں که من مرگ توام
بر گفتۂ خویش باش و ناخواندہ بیا

ترجمہ: اے دوست مجھ فرو ماندہ کی طرف آ۔ (اور) غیر کے کوچے سے راستہ تبدیل کر کے آ۔ تو نے کہا مجھے مت بلا کہ میں تیری موت ہوں۔ تو اپنی بات پر قائم رہ اور بغیر بلائے آجا۔

والسلام مع الاکرام

بنام میر اعظم علی مدرس مدرسۂ اکبر آباد

خط-۱

رباعی

امروز شرارہ بداغم زدہ اند
نشتر بہ رگِ صبر و فراغم زدہ اند
از کثرت شورِ عطسہ مغزم ریش است
تا عطرِ چہ فتنہ بہ[1] دماغم زدہ اند

ترجمہ : آج (کسی نے) میرے (داغِ) دل پر چرکا لگایا ہے۔ میری رگِ صبر وسکون پر نشتر مارا ہے۔ چھینکوں کی کثرت کے ہنگامے کے باعث میرا دماغ زخمی ہے۔ یہ کیسا عطر فتنہ میری ناک پر چھڑکا گیا ہے۔

(میں) مخدوم اعظم مطاعِ مکرّم کے اس جنبشِ خامہ پر جو مانندِ حضرت عیسیٰ ہنگامہ خیز ہے، ناز کرتا ہوں کہ جس نے مردہ آرزوں کو زندہ کر کے صحنِ دل کو عرصۂ محشر بنا دیا اور بازارِ قیامت گرم کر دیا۔ دیرینہ آرزوں کے غم دل میں جاگ اٹھے۔ مجھے یاد آیا کہ اس دنیا میں کبھی میرا بھی ایک وطن تھا اور میرے مہربانوں کی بھی ایک محفل تھی۔ اب جو آپ نے پرسشِ احوال کا نشتر مغز اندیشہ میں پیوست کیا ہے تو (اب) آوازوں کی خوں چکانی بھی قابلِ دید ہے۔ جناب مخدوم کے خیال کے مطابق اس عرصۂ جدائی کی طوالت سولہ سال ہے اور راقم خط کی دانست میں (وہ) بیس سال سے کم نہیں۔ (ایسا لگتا ہے) کہ کسی نوکدار چھری سے میرے نقشِ آسودگی کو صفحۂ دل سے کُھرچ ڈالا ہے۔ دہلی کے ورود کی ابتدا میں جب کہ میرے قدح میں بادۂ غفلت کی تلچھٹ (ہی) رہ گئی تھی، عمر کا کچھ حصہ جادۂ کامگاریٔ ہوس کے طے کرنے میں گزر گیا اور (سچ یہ ہے کہ) گمراہی میں گزرا تا آنکہ اس سرمستی سے منہ موڑا۔ لیکن اس بے خودی میں اُس رہروِ میخانہ کا پاؤں ایک گڑھے میں پڑ گیا۔ ناچار خستہ بدن اور خاک آلود سر اور منہ لیے اٹھا۔ بھائی کے دیوانہ پن کا ہنگامہ ایک طرف اور قرض خواہوں کا شور دوسری طرف۔ ایسی مصیبت آ پڑی کہ سانس راہِ لب اور نظر آنکھ کا روزن بھول گئی اور یہ دنیا اپنے پرنور اجرام کی روشنی کے باوجود نگاہوں میں تیرہ و تار ہو گئی۔ سلے ہوئے لبوں اور مُندی آنکھوں کے ساتھ ایک عالمِ خستگی کو ہمراہ لے کر زمانے کی بیداد سے نالاں اپنا سینہ تلوار کی دھار پر رگڑتا میں کلکتہ پہنچا۔ حاکموں نے شفقت اور ناز برداری کی اور دل کو تقویت بخشی۔ ان تمام مہربانیوں نے جو دیکھنے میں آئیں، کامیابی کی امید دلا دی اور وہ ذوق آوارگی اور صحرا میں مرنے کی خواہش جس نے مجھے دہلی سے نکال باہر کیا تھا دل میں نہ رہی۔ اور یزد کے آتش کدوں اور شیراز کے میخانوں کی وہ ہوس جو اپنی طرف کھینچتی اور جانب ایران پکارتی تھی ذہن سے باہر نکل گئی۔ اس جگہ دو سال قیام رہا۔ جب گورنر جنرل عازم ہندوستان ہوئے تو میں ان کے آگے آگے دوڑتا ہوا دہلی پہنچا۔ پھر زمانے نے رنگ بدلا اور بنا بنایا کام بگڑ گیا۔

۱- متن میں اس جگہ "بر" ہے، جس سے مصرع غیر موزوں ہو جاتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

آج چھٹا سال ہے کہ گھر بار تباہ کر کے اور مرگِ ناگہانی سے دل لگائے ایک کونے میں بیٹھا ہوں اور آشنا و نا آشنا پر ملاقات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ان تمام غم و آلام کے ہوتے ہوئے کہ جن میں سے قدرے میں نے بیان کئے اگر میں خط لکھنے اور ابلاغ پیام میں کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کروں اور بزرگانِ وطن کو یاد نہ کروں تو عالمِ انصاف میں گنہ گار نہیں ہوں۔ لیکن عالم مہر و وفا کے اکابرین اس طویل مدت میں اگر دور افتادگاں کو نہ پوچھیں اور دوستوں کی موت زیست کی خبر نہ لیں اور بات (اس ہی موضوع پر) ہو ور (دونوں طرف سے) گلے شکوے ترکی بہ ترکی ہونے لگیں تو بھد وہ اپنا دعویٰ کس طرح ثابت کر سکیں گے اور مجھ جیسے ناتواں مدِ مقابل سے قطع نظر (اُس) قادرِ مطلق کو کیا جواب دیں گے۔

فرد: کس از اہلِ وطن غمخوارِ من نیست
مرا در دہر پنداری وطن نیست

ترجمہ اہلِ وطن میں سے کوئی میرا غمخوار نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا دنیا میں میرا وطن ہی نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ کچھ ہی دنوں میں گورنمنٹ اور عدالت دیوانی کی جانب سے ایک جج آگرے میں قائم ہو جائے گی۔ بے شک اس ہی خیال پر بھروسہ کر لیا ہے کہ شاید غالبؔ دادخواہ اس عدالت کا رخ کرے گا اور اس کے عقدۂ کار کی یہاں عقدہ کشائی ہو جائے گی۔ توبہ اور مکرر توبہ یہ جمعیت بھی میری پریشانی میں اضافہ ہی کرے گی اور میرا اس ہنگامے سے کام نہ ہوگا۔ چونکہ وہ عدالتِ دیوانی بھی میری دادخواہی نہ کر سکے گی پھر یہ کہ محکمہ گورنمنٹ کا حاکم اعلیٰ وہی خودسر اور مظلوم کُش ہے کہ جس کے ستم کے خنجر کا میں گھائل ہوں۔

ع: روزم سیاہ کردۂ چشم سیاہِ اوست

ترجمہ: میرا دن اُسی کی چشم سیاہ کا تاریک کیا ہوا ہے۔

خدا اس کا بھی وہی حال کرے جو میرا ہے۔ اور جو کچھ میں نے اس کے ہاتھوں دیکھا ہے وہ خود زمانے کے ہاتھوں دیکھے (۱)۔ قصہ مختصر دل کو (اب) صرف امیدِ مرگ سے سکون ملتا ہے اور زمانے سے اپنے حق میں کسی نیکی کا حسن ظن باقی نہیں۔ یہ ہے بے چارے غالبؔ کے ہزار پارہ دل کے دکھڑے کا کچھ حصہ۔ ازلی صاحب سعادت مخدوم زادہ میر وزیر علی کے دیدار فرح بخش سے دیدہ و دل روشن ہوئے۔ ان کے بچپن کا زمانہ یاد آ گیا اور درگاہ ایزدی سے دعا کی کہ خدا ان کو بڑھاپا بھی دکھائے۔ امید ہے کہ بلند مراتب تک پہنچیں گے اور گفتار و کردار دونوں کی خوبیاں ان میں یکجا ہوں گی۔ والسلام بہزاراں احترام۔

۱- متن میں 'بیناد' لکھا ہے جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس کو 'بیناد' ہونا چاہیے جو نسخہ نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے ترجمہ 'بیناد' کے مطابق کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

بنام مولوی کرم حسین خان سفیر شاہ اودھ

خط-۱

قبلۂ حاجات' برادرِ مشفق فخر الدولہ نواب امین الدین احمد خان بہادر کی قبولیت کی خوش خبری نے اس شکرانے کی پیشکش کا حوصلہ دل کو دیا اور فیاضی کے دسترخوان پر دعوت نے فقیر کی حرص کے حوصلے کو وسعت دی۔ بے شک چارہ گری کی طلب میں اصرار تو ہوتا ہی ہے اور جب بھیک مانگی جائے تو انسان فضول گوئی پر مشہور ہو ہی جاتا ہے۔ میرے قبلہ و کعبہ یہ بات آپ کے ذہن نشین رہے کہ اس قطعے کے صلے کے ضمن میں اپنی اجرت جو میں سمجھتا ہوں وہ بادشاہ کی شناسائی' شرفِ قبولیت' مژدۂ التفات اور عطیۂ فتوح ہے۔ لیکن اس مدعا کے سحر کا توڑ اس امر پر مبنی ہے کہ ثنا خواں کا مرتبہ' (شاعری) اور اس کی (ادبی) حیثیت کی وضاحت ممدوح کے سامنے کی جائے تا کہ صلہ اس کی قدر و قیمت کے مطابق ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ خوشامدیوں کا کیا صلہ ہوتا ہے اور ثنا خوانوں کی کتنی آبرو۔ فکر کا فیصلہ تو یہی ہے اور عقل بھی اس پر اعتماد کرتی ہے کہ ان درجات کا اظہار سبحان علی خان صاحب کے مشورے کے مطابق ہوگا چونکہ ان کو سائل کی عاجزی کے مرتبے سے آگاہی نہیں اور وہ (اس کو) صرف شاعرِ صد طلب ہی شمار کرتے ہیں۔ اگر جنابِ عالی کی کسی بے کس پر عنایت کرنے کی نیت ہو تو قصیدہ کو شاہی عرضداشت کے ساتھ منسلک کر کے جو کچھ بھی کہ آپ (اس) نامہ نگار کے حق میں مناسب جانیں کم و بیش تحریر کر دیں تا کہ (میں) سلطانِ گرامی کی نظر میں معزز بھی قرار پاؤں اور ساتھ ہی مجھے کچھ مال و متاع بھی حاصل ہو جائے۔ انصاف اطاعت سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اودھ کے فرمانروا کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ مجھ جیسا کوئی شخص اس کی تعریف میں زبان کھولے لیکن میں بھی اس طریق میں کہ ثنا گری اور سخن فروشی سے عبارت ہے اپنے خاندان کے لیے باعثِ ننگ ہوں اور نا کسی کی شرم کے باعث سرفگندہ (رہتا ہوں)۔ جس طرح عرفی طرح کہتا ہے۔

فرد: ز دودمانِ اصیلم ہمیں گواہم[1] بس
که شرمِ ایں سخنم خوی ز چہرہ بیروں داد

ترجمہ میں خاندان عالی سے ہوں اور (میرے لیے) صرف اس کی اتنی گواہی کافی ہے کہ اس بات (یعنی طلب کی شرم) ہی سے میرے چہرے پر پسینہ آ گیا۔

قصہ مختصر اپنی قسمت کا شکر گزار ہوں کہ میرا ملجیٰ وہ صاحبِ خلقِ عظیم ہے اور اس کام میں میرا واسطہ ایک فیاض (شخص) ہے۔ (اور) مولوی کرم حسین خان بہادر' اسد اللہ کے ساتھ سوائے کرم کے اور کچھ نہیں کریں گے اور (اس کی) قدر دانی و عزت افزائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

۱- متن میں یہ مصرع اس طرح ہے' زدودمانِ اصیلم ہمیں دہم بس یا ذ جب کہ اصل مصرع اس طرح ہے' زدودمانِ اصیلم ہمیں گو ہم بس' قصائد عرفی (ص ۶۷- اشاعت مطبع رزاقی کانپور ۱۳۲۲ھ)۔ (مترجم و مرتب)

بنام سبحان علی خان

خط-۱

رباعی

اے آنکہ ہما اسیرِ دامت باشد
صافِ مئے خسروی بجامت باشد
تسبیح بہ ہر اسمِ الٰہی کہ بود
آغاز ز ابتدائے نامت باشد

ترجمہ : اے کہ ہما تیرے دام میں گرفتار ہو اور شرابِ ناب خسروی تیرے جام میں ہو، جس اسمِ الٰہی کی تسبیح بھی ہوتی ہے (اُس کا) آغاز تیرے نام ہی سے ہوتا ہے۔

میرا قاصدِ خیال در بدر (بھٹک رہا ہے) اور رشتہ خیال الجھ گیا ہے، دل ہزاروں دکھوں سے برسرِ پیکار ہے اور ہونٹوں پر ہزاروں نغموں کا شور ہے۔ میں اقتضائے فطرت کے حسب سے پیمانۂ آفرینش کی تلچھٹ ہوں اور اپنے احوال کے اعتبار سے نظر کی پیشانی کا داغ۔ میں اپنی ہمت کی بلندی کا شکرگزار ہوں کہ اس (دورِ) ابتلا میں بھی میرا سر بجز فرمانروائے اودھ کے آسمان کے کہیں نہ جھکا اور اپنی خوش قسمتی کا ثناخواں ہوں کہ اس تلاش (مربی) میں دل نے خانِ رفیع الشان کے التفات کے سوا کسی اور کی احسان مندی کا تعلق قبول نہیں کیا۔ آرزو کا یہ کانٹا دامنِ دل میں آویزاں ہے اور اس تمنا نے قیامت کا ہنگامہ میری طبیعت میں بپا رکھا ہے کہ یہ عرضداشت آصفِ ثانی (شاہِ اودھ) کی نظرِ قبولیت کی روشنی سے بمنزلۂ مشرقستان (تابناک) ہو جائے اور یہ قصیدہ جنت آثار محفلِ سلیمانی میں پڑھا جائے تاکہ میرا کہ سخن گوئے ثناخواں ہوں شاہی انعام کے ذریعے چہرۂ امتیاز منور ہو اور پھر اس صلے کی گراں مائگی سے دنیا میں میری قدر و قیمت ہو اور اپنی نظر میں بھی میری عزت میں اضافہ ہو۔ عقل سوچتی ہے کہ ایسی دشوار آرزوؤں اور ناقابلِ حصول خواہشوں کا سامنا کیسی کیسی یاس کی دور باش سے آ پڑا ہے۔ لیکن اس خیال کے ہوتے ہوئے بھی دل کو اس امر سے تقویت ملتی ہے کہ خانِ ارسطو تدبیر کے پاس چارہ گری کی فراوانی[1] ہے اور بادشاہ اور اس کے وزیر کا دستِ سخاوت بھی طویل ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ شعاعِ مہر چوتھے آسمان سے زمین کے ذرات کو چمکا دیتی ہے اور بارش کا قطرہ ہوا کی بلندی سے خاک نشین پودوں کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس بھاگ دوڑ میں میری مثال اُس تشنہ لب اور عقل سے عاری بے وقوف مسافر کی سی ہے کہ جو ایک چھلنی چادر میں باندھتا ہے، اس کو کنوئیں میں ڈالتا ہے اور چاہتا ہے کہ چھلنی سے پانی نکالے۔ ہر چند کہ بے پروا تماشائیوں کو اس طریقے کے مشاہدے سے ہنسی آتی ہے اور (وہ) اس جگر سوختہ کے دردِ دل پر توجہ نہیں کرتے لیکن وہ جوانمرد جن کا شیوہ غم گساری اور چارہ گری ہے، اس پر عنایات کرتے ہیں اور رسی اور ڈول سے اس کی مدد کرتے ہیں۔ خدا کرے اس مثال کی پیشکش کہ صورتِ حال کی

۱- متن میں 'فراواں' کی جگہ ''فروان'' لکھا ہے۔ ترجمہ ''فراواں'' سے کیا گیا ہے جو نول کشور ۱۸۷۴ء میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

عکاسی کرتی ہے' مدعا کے اسرار کی پردہ کشائی کے لئے کافی ہو اور (یہ) سادہ طبیعت' پیاسا' خان صاحب والا صفات سے ماسوائے رحم اور غم گساری کے کسی اور چیز کا سزاوار نہ ٹھہرے۔

خط-۲

خدا کی قسم اس افتخار کے باعث کہ خط کس کو بھیج رہا ہوں اور اس وقت میرا تخاطب کس سے ہے' اگر میں خوشی سے اس قدر پھول جاؤں کہ زمین و آسمان میں نہ سماؤں تو جائز ہے۔ چنانچہ ظہوری کہتا ہے۔

فرد: گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتابِ تابانیم

ترجمہ: اگرچہ ہم (خود) چھوٹے ہیں لیکن ہماری نسبت بڑی ہے۔ ہم آفتابِ تاباں کے ذرے ہیں۔

ہر چند کہ بزرگوں سے بات چیت کرنے سے عظمت بار آور ہوتی ہے اور قربت سے نشاط دل بڑھتا ہے اور (اس میں) زبان کی شادمانی یہ ہے کہ دل کو مبارکباد دے' اور دل کی سرخوشی' اس میں ہے کہ زبان سے سپاس قبول کرے' لیکن چونکہ کام نازک ہے اور سرا ناپید' (اس لیے) بیان کو ابتدا ہی میں رنگِ فصاحت مل گیا اور فکر میں بھگدڑ' اور ہوش میں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ سو اب دیکھنا یہ ہے کہ شہرۂ پیدائی گفتار کس ذہن میں اٹھتا ہے اور بات اس کشمکش میں کس لے میں ابھرتی ہے۔ زبان آرا لوگ عنوانِ خط کو تعریف سے زینت دیتے ہیں۔ میں اگر مذاق میں بھی یہ طرز اختیار کروں تو عقل شرم سے اپنے ہونٹ کاٹے (اور کہے تو ایسا نہ کر) کہ تجھے حضرت ممدوح کے کمال کا بالکل اندازہ نہیں اور تو غلامانِ مخدوم کی خاطر خواہ تعریف نہیں کر سکتا۔ اس دعوے کی اہلیت تو ارسطو کو زیب دیتی ہے اور اس داعیہ کے لائق تو صرف بوعلی ہی ہے۔ سادہ دل لوگ قلم کی طاقت حرفِ شوق سے آزماتے ہیں۔ اگر میں گستاخی سے یہ طریق اختیار کروں تو ادب ڈانٹتا ہے کہ ابھی تو زمین بوسی کی تمنا کی بلندی کی تاب نہیں لا سکتا اور (اس لیے) تجھ کو (نثار ہونے کے لیے) سر کے گرد چکر لگانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ بلند مرتبہ عطارد کو دیا جا سکتا ہے اور یہ منصب جلیل مشتری کو مبارک ہو۔

واضح رہے کہ مجھ جیسے کو تو اس قدر آبرو کافی ہے کہ اگر حدِ حق سے تجاوز نہ کروں اور آرزو بھی اس سے زیادہ کی طلب نہ کرے تو آپ کی پذیرائی کی پیشگاہ سے قلندروں کے طور پر بال بکھیرے' فقیروں کی طرح اللہ کے واسطے کچھ دید و کی صدا لگاتا اور محتاجوں کی طرح (بھیک) مانگتا دوڑتا ہوا گزر جاؤں۔ (مجھ) سائل کی ریزشِ آبرو کہ اپنی لطافت کے باعث کسی کے کان کے پردے پر خراش (بھی) نہیں ڈالتی' آپ کے سامعہ پر بھی گراں نہ گزرے اور (آپ کے) مشام[۱] آگہی کو اس کباب کی بو سے جو (ہم جیسے) بے کسوں کے کلیجہ کے جلنے سے اٹھتی[۲] ہے' اگر چھینکیں آتی ہیں تو معاف کیا جائے۔

۱- متن میں ''شام آگہی'' ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ ''مشام آگہی'' سے جو قرین قیاس ہے' کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں 'خرد' ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ ''خیزد'' سے کیا گیا ہے جو نولکشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط-۳

(اے) شاعروں کے مرکزِ حاجات اور (اے) شاگردوں کی امیدوں کے محور (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔ عرصہ ہوا کہ (ایک) قصیدہ اور عرضداشت آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں اور یہ بھی میں نے سنا ہے اور اس ہی سبب بے چین بھی ہوں کہ وہ اشعار وزیر اعظم کی بزم مبارک میں پڑھے گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ التفاتِ فروغِ نظر کا آفتاب کہاں تک پہنچا اور گشائش کار نے اس قصیدے کو بادشاہ کی بارگاہ میں کس صاحب اختیار تک پہنچا دیا۔ ہر چند کہ میری متاعِ سخن کو ناصیۂ قبولیت اور میری شاعری کو بخت آوری حاصل نہیں، لیکن جس طرح خان رفیع الشان سے وزیر آصف نظیر تک ایک ڈگ سے زائد (دوری) نہیں تھی وہاں سے شاہ سلیمان بارگاہ تک بھی ایک قدم سے زیادہ (فاصلہ) نہیں ہوگا۔ اب جب جناب عالی کی غمخواری کے جوش و جذبہ سے یہاں تک کام ہو گیا تو بھلا اس سے آگے کیوں نہ ہوگا اور وہ بات جو کسی (وزیر) تک پہنچ چکی ہے بادشاہ تک کیوں نہ پہنچے گی۔ اے قدر دان میری آزادہ روی کی اصالت اور پاک باطنی تو اس خط سے بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ جب کہنے کو بہت کچھ تھا تو میں نے بات مختصر کر دی اور انعام کی تمنا کے خیال، صلے کے تقاضا کے ابتلا، اور عطائے وزیر کے اجرا کی خواہش میں بادشاہ کے حصولِ اکرام کی توقع سب کو ایک جگہ گوندھ دیا اور ان مختلف رنگوں کی آمیزش سے راہِ تماشا کے لیے ایک ایسا عجیب نقش بنایا کہ جب کوئی حاکمِ عاقل اور مربیٔ دانش مند اس کاغذ کو دیکھے تو فوراً سمجھ جائے کہ غلام کے دل میں کیا کیا ہے۔

فرد: فصلے از بابِ شکستِ رنگ انشا کردہ ام

می تواں رازِ درونم خواند از سیمائے من

ترجمہ میں نے تو (ابھی صرف) شکست رنگ کا ایک باب ہی لکھا ہے۔ (اور) میری پیشانی سے دل کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے۔

بنام شیخ امام بخش ناسخ

خط-۱

اے واجب تکریم و طاعت۔ نیاز و تسلیم سے وہی کچھ پیش کیا جاسکتا ہے جو خط و قلم کے بس میں ہے اور شوق و آرزو میں سے اتنا ہی پیرایۂ اظہار میں آتا ہے جتنی کہ کاغذ و قلم کی گنجائش ہے۔ دوسری اگست کو منتخب دیوانِ ریختہ موم جامے میں لپیٹ کر انگریزی ڈاک سے جناب کی خدمت عالیہ میں ارسال کر دیا گیا اور آج تک کہ چھبیس جمادی الاول اور نجانے انگریزی کی کونسی تاریخ ہے بالمختصر اتنا معلوم ہے کہ دو ماہ ہو گئے ہیں اور اس کی رسید کی نوید نہیں ملی۔ بار ہا دماغ میں یہ خناس سمایا کہ ہنگامہ برپا کروں اور ملازمین ڈاک سے دست بگریباں ہو جاؤں۔ (لیکن) پھر اس خیال نے روک دیا کہ یہ لوگ تو صرف کاغذ اور کتاب پہنچنے کے ذمہ دار ہیں' پاسخ و جواب کی رسید کے وکیل نہیں۔ اگر کوتاہ قلمی جناب عالی کی طرف سے ہے تو اس میں اہل کارانِ ڈاک کا کیا گناہ اور اُن سے جھگڑے کا کیا نتیجہ۔ خدا کے واسطے منتظروں کی طرف توجہ دیجیے خط بھیجیے' وصولی کی نوید اور قبولیت کی خوش خبری (سے آگاہ کیجیے) والسلام والاکرام۔

خط-۲

قبلہ و کعبہ۔ ان دنوں کہ عاجزی حد سے بڑھ گئی ہے اور دل افسردگی کا عادی ہو چکا ہے' میں نہیں جانتا کہ کیا لکھ رہا ہوں اور کیا دیکھ رہا ہوں کہ اس دیکھنے میں ناز کے سبب نظر میری آنکھوں میں نہیں سما رہی اور (فرط) مسرت سے قلم میری انگلیوں میں تھرک رہا ہے۔ اپنے بخت کی رسائی پر اس کا شاگرد ہوں اور سمجھتا ہوں کہ طورِ معنی پر پہنچ گیا ہوں۔ اپنی بالا قدری پر خود اپنے آپ کو آفریں کہتا اور خیال کرتا ہوں کہ میں نے موسیٰ کو ید بیضا کے ساتھ دیکھا ہے۔ اگر جناب عالی کو میرے دعوے کی صداقت پر کسی قسم کی حیرت ہو اور میری جانب سے اس قسم کے مبالغے اور خودنمائی پر تعجب ہو تو میں یہ کہوں گا کہ واقعی یہ درست ہے میں یہ بات کنایتاً کہہ رہا ہوں ہرزہ گوئی نہیں کر رہا۔ موسیٰ سے میرا اشارہ سیدی مکرمی میر موسیٰ جان کی طرف ہے اور ید بیضا سے مراد دیوانِ روشن عنوان۔ کیا کہنے اس دیوان کے کہ جس کی روشنائی چراغ طور کے خاندان سے ہے اور جس کا غلاف حور کے لباس کی دیبا سے بن گیا ہے۔ (وہ) دریائے معنی کا ایک صحیفہ ہے اور مضامین کے موتیوں کا خزانہ۔ چونکہ میں اس صاحب دیوان کا بہی خواہ ہوں اور اس صورت کے سنوارنے والے کا ہمدرد' اس بات پر خوش ہوں کہ یہ تحریر (مجموعہ) اس قلم کی دوسری تخلیق ہے۔ اگر وہ پہلی تحریر دل پذیر نہ ہوتی تو حقیقت میں اس کی دنیا میں نظیر نہ ہوتی۔ سچ ہے ہر وہ متاع کہ جوانی (۱)شان و شوکت کے لیے مشہور ہوتی ہے' سب سے زیادہ نظر بد کا شکار ہوتی ہے۔ سبحان اللہ جناب عالی کے دور میں شعر ایک مرتبۂ بلند پر پہنچ گیا اور اردو کو نئی آب و تاب ملی۔

میرے خط کا نہ پہنچنا خاطر گرامی پر نقش ہو گیا (اور) اس کی شکایت بھی آپ نے بزبان قلم کی تو یہ جانیئے اس سے میری عزت میں اضافہ کیا اور خود میری نظر میں میری قدر و منزلت کو جلوہ گر کر دیا۔ میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ جناب کے چشم و دل میں جاے گزیں

۱- متن میں ''کیائی'' ہے۔ لیکن قرائن عبارت سے ''کیانی'' درست معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

ہوں اور جب میرا خط نہ پہنچے تو وہ درخورِ انتظار ہو۔ اس نوازش پر قربان (جاؤں) اور اس پرسش احوال پر جان نچھاور کردوں۔ ملحوظ خاطر رہے کہ زمانے کے غموں کا انبوہ مجھے پریشان رکھتا ہے ورنہ دل سے کبھی آپ کی یاد فراموش نہیں ہوتی اور زبان ادائے سپاس سے خاموش نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود اس عرصے میں پیشانیٔ قلم کو دوبار سجدہ ریز کر چکا ہوں۔ لیکن چونکہ دونوں بار خط ہندوستانی ڈاک سے بھیجے اور اس محکمے کو ایسی کارکردگی حاصل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے لازمی ان کے پہنچنے اور نہ پہنچنے کے بارے میں مجھے شک تھا۔ اب کہ یکسوئی ہوگئی اور آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھ گیا اور ان کا نہ پہنچنا مسلم ہوگیا' میں نے عہد کیا ہے کہ آیندہ انگریزی ڈاک کے علاوہ خط (کسی اور ڈاک سے) نہ بھیجوں گا۔ اور اس وقت اس خط کو اس دیوان کے رہنے والے یعنی حضرت موسیٰ جان کے سپرد کردیا ہے تا کہ اگر نہ پہنچے تو گلہ مندی کی گیرودار میں میرے لیے کوئی جائے پناہ اور اپنے دعوے کے لئے کوئی گواہ موجود ہو۔ اپنی کوتاہ قلمی کی تقصیر کی معذرت کے بعد وہ غزل جوان دنوں تازگیٔ (فکر) کے ساتھ اک نئے رنگ میں کہی ہے خط کے حاشیے پر لکھ رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ پذیرائی کی محرومی کے داغ سے محفوظ رہے گی اور آنکھوں سے ہوتی ہوئی دل میں اتر جائے گی۔

غزل

رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم
در بزم رنگ و بو نمطے دیگر افگنم

ترجمہ: میں نے عزم کیا کہ منظر کا پرانا پن ختم کردوں (اور) بزم رنگ و بو میں ایک نئی روش ڈال دوں۔

در وجدِ اہل صومعہ ذوقِ نظارہ نیست
ناہید را بزمزمہ از منظر افگنم

ترجمہ: خانقاہ نشینوں کے وجد میں ذوقِ نظارہ نہیں ہے (جی چاہتا ہے کہ) ستارہ زہرہ کو اپنے نغموں کے ذریعے منظر فلک سے اتار لاؤں۔

معشوقہ را ز نالہ بد آنساں کنم حزیں
کز لاغری زِ ساعد او زیور افگنم

ترجمہ: معشوقہ کو اپنی زارنالی سے اتنا غمگین کردوں۔ کہ اس کے دبلاپے سے اس کی کلائی کے زیور اتر کر گر جائیں۔

ہنگامہ را جحیمِ جنوں بر جگر زنم
اندیشہ را ہوائے فسوں در سر افگنم

ترجمہ: ہنگامہ کی دوزخ کو جگر پر دے ماروں (اور) اندیشے کے سر میں افسونِ آرزو پھونک دوں۔

نخلم کہ ہم بجائے رُطب طوطی آورم
ابرم کہ ہم بروئے زمیں گوہر افگنم

ترجمہ: میں وہ پودا ہوں کہ کھجور کی جگہ (خوش الحان) طوطی پیدا کردوں (اور) وہ ابر ہوں کہ (پانی کی جگہ) زمین پر موتی برسا دوں۔

باغازیاں ز شرحِ غمِ کارزارِ نفس
شمشیر را بہ رعشہ ز تن جوہر افگنم

ترجمہ: اگر میں بہادروں کو اس جنگ کی مشکلات کی تفصیل بتاؤں جو مجھے اپنے نفس سے کرنی پڑتی ہے تو (ان کی) شمشیر پر کپکپی طاری ہو جائے اور اس کا جوہر جاتا رہے۔

بادیریاں ز شکوۂ بیدادِ اہل دیں
مہرے ز خویشتن بہ دلِ کافر افگنم

ترجمہ: مجھ پر اہل دین نے جو ستم ڈھائے ہیں اگر وہ بت پرستوں کو سناؤں تو کافر کے دل میں بھی میری محبت پیدا ہو جائے۔

ضعفم بہ کعبہ مرتبۂ قربِ خاص داد
سجادہ گستری تو و من بستر افگنم

ترجمہ مجھے میرے ضعف نے کعبے میں قربِ خاص کا مرتبہ دیا۔ تو وہاں جانماز بچھا رہا ہے اور میں بستر۔

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم

ترجمہ: تاکہ شراب تلخ تر ہو جائے اور سینہ زخمی تر۔ (جی چاہتا ہے کہ) شیشے کو بھی پگھلا کر ساغر میں ڈال دوں۔

راہے ز کنجِ دیر بہ مینو کشودہ ام
از خم کشم پیالہ و در کوثر افگنم

ترجمہ: میں نے گوشۂ دیر سے ایک راستہ جنت کی طرف نکال لیا ہے۔ خم سے ایک پیالہ بھرتا ہوں اور کوثر میں ڈال دیتا ہوں۔

منصورِ فرقۂ علی اللہیاں منم
آوازۂ انا اسداللہ در افگنم

ترجمہ: میں علی اللہی فرقے کا منصور ہوں۔ (اسی لیے تو) میں اسداللہ ہوں' کا نعرہ مارتا ہوں۔

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست
خود را بخاکِ رہگذرِ حیدر افگنم

ترجمہ مجھ جیسا قیمتی موتی زمانے میں نہیں ہے (میں) اپنے آپ کو حیدر کی رہگذر کی خاک میں ڈالتا ہوں۔

غالبؔ بہ طرحِ منقبت عاشقانۂ
رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم

ترجمہ: غالبؔ ایک عاشقانہ منقبت کی بنیاد ڈال کر میں نے چاہا کہ منظر کی کہنگی کو دور کردوں۔

خط-۳

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اس صحیفۂ پاک نے جس کی تحریر غمخواری پر مبنی تھی، درود کی نسیم کی جنبش سے مشامِ آگہی کو یگانگت اور ہمدردی کی خوشبو سے معطر کر دیا۔ چار ماہ ہو چکے ہیں کہ راقم خط ایک گوشے میں بیٹھ گیا ہے اور (اس نے) ہر خویش و بیگانہ پر آنے جانے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اگرچہ قید خانے میں نہیں ہوں لیکن میرا کھانا (پینا) اور سونا قیدیوں کی طرح ہی ہے۔ جو تکلیف اور پریشانی مجھے ان چند دنوں میں اٹھانی پڑی ہے کافر ہوؤں جو اس کی آدھی بھی کوئی کافر صد سالہ عقوبتِ جہنم میں پا سکے۔ چنانچہ عرفی کہتا ہے۔

فرد: از بوئے تلخ سوخت دماغِ امید و یاس
زہرے کہ درپیالۂ ما کرد روزگار

ترجمہ: اس زہر کی تلخ بو سے کہ جو زمانے نے ہمارے ساغر میں ڈالا، امید و یاس کا دماغ جل گیا۔

پہلی چنگاری جو میرے خرمن صبر و ثبات میں ڈالی گئی یہ تھی کہ (میرے) قرض خواہوں کے گروہ میں سے دو اشخاص نے انگریزی کی عدالت کے قانون کے مطابق میرے خلاف ڈگری حاصل کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یا تو ڈگری شدہ رقم ادا کر دی جائے یا اپنے آپ کو قید و بند کے حوالے کیا جائے اور اس ضمن میں شاہ و گدا برابر ہیں۔ البتہ عزت دار لوگوں کے لیے اتنی (رعایت) ہے کہ عدالت کا سپاہی گھر پر نہیں جا سکتا اور جب تک کہ وہ خود (اس کو) راستے میں نہ مل جائیں گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ رقم کی ادائیگی کی گنجائش نہیں تھی مجبوراً بپاسِ عزت اپنے آپ کو سمیٹا اور سواری کی شادمانی سے (بھی) محروم کر لیا۔ چنانچہ آج تک میرے پاؤں پر اس ہی التزام کی بندش ہے اور دل اس ہی اقامت پذیری کا تھکا ہوا ہے۔ اس ہی گوشہ نشینی اور پریشانی کے دوران خدا سے نہ ڈرنے والے غلاموں میں سے کسی نے کہ (اللہ اس کو) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے، ولیم فریزر بہادر کو جو دہلی میں ریزیڈنٹ اور غالب مغلوب کے مربی تھے، رات کے اندھیرے میں، بندوق کی ضرب سے مار ڈالا اور میرے لیے باپ کا غم تازہ کر دیا۔ (گویا) دل سینے سے نکل گیا اور ایک بہت بڑا غم میری دنیائے فکر پر چھا گیا۔ سکون کا خرمن سراسر جل گیا اور امید کا نقش صفحۂ دل سے ہمہ تن مٹ گیا۔ اتفاقاً کھوجیوں کے دیے ہوئے نشانوں پر جو غلط نہ تھے، والئ فیروز پور کے ملازموں سے ایک سوار کو اس پسندیدہ خصلت حاکم کے قتل میں پکڑا گیا۔ شہر کے صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس کہ جن سے میری اچھی جان پہچان تھی اور باہم رشتۂ محبت تھا اور اس تنہائی میں جیسے کہ میں بیان کر چکا ہوں، الو کی طرح میری پرواز بجز رات کے ممکن نہ تھی، رات کو کبھی کبھی میں جایا کرتا اور چند خوشی کے لمحے گزارتا تھا۔ جب یہ واقعہ رونما ہوا تو انہوں نے مجھے اس واقعے کی تحقیق اور اس راز کے حل میں اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ یہاں تک کہ والئ فیروز پور مجرم قرار دیا گیا اور اپنے چند خواص کے ساتھ قید کر لیا گیا اور پولیس اس کی جاگیر پر جا بیٹھی۔ چونکہ میرے اور ان کے درمیان نااتفاقی تھی اور شہر کے لوگ اس سے واقف تھے سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے اور اس حاکم کُش کافر نعمت کی گرفتاری کو میری گردن پر ڈال دیا یعنی دہلی کے خاص و عام میں یہی چرچا ہے کہ شمس الدین خاں بے گناہ ہے۔ فتح اللہ بیگ خان اور اسد اللہ خان نے اپنی کینہ پروری کے سبب جھوٹی حکایت گھڑ کر اور حکام کو راہِ راست سے ورغلا کر اس بے چارے کو اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اس میں عجیب بات یہ ہے کہ فتح اللہ

خان خود وائی فیروز پور کے چچا کا بیٹا ہے۔ قصہ مختصر مجھ پر لعنت ملامت دہلی کے ہرزہ گووں کا وظیفہ بن گئی۔ ہر چند کہ ابتدا میں صرف اس قدر ہی تھا کہ ولیم فریزر کی موت کے غم سے دل جلتا تھا لیکن اب تو قاتل کا تعین بھی ہوگیا ہے پھر بھی شہر کے بدگمان لوگوں نے میرا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ خدائے مظلوم نواز و ظالم کش سے میں صبح کی دعاؤں میں یہی مانگتا ہوں کہ اس سرکش بے حیا کو جلد از جلد اس کے قتل کی پاداش میں گرفتار کر کے اس کے غرور کے جواب میں تختۂ دار پر چڑھایا جائے اور میں جانتا ہوں کہ میرا ارادہ کامیاب اور میری دعا مقبول ہے۔ کل کہ پیر کا دن، اور صفر کی سترہ تاریخ تھی الہ آباد کے حکام ستہ میں سے ایک حاکم اس شہر پہنچے۔ اور اس کو نواب گورنر جنرل بہادر کی جانب سے صرف اس ہی کام پر مامور کیا گیا ہے کہ حکام دہلی کی تفتیش کا بنظر غور معائنہ کرنے اور جرم کا ثبوت ملنے پر سزا کی نوبت بہ نوبت تشخیص کر کے کام کو ٹھکانے لگائے۔ اور ظاہر ہے کہ اس قضیے کے نبٹانے میں ایک ماہ سے زیادہ نہیں لگے گا۔ تو یہ تھا جناب عالی کے سوال کے جواب کا خلاصہ۔ اب جو میرے خط کے جواب کی ضمن میں سبحان علی خان کی زبان گوہر فشاں سے لکھا گیا ہے تو وہ درست نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خانِ والاشان نے (ہم جیسے) گم ناموں کو توجہ نہ دی اور (ہم جیسے) عاجزوں پر التفات کو اپنی کسرِ شان سمجھا۔ ورنہ تھوڑا سا غور کرنے پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ میرا مقصد تو محض یہ تھا کہ وہ قطعہ شاہِ فلک مقام کے ملازموں کی نظر سے گزر جائے اور میری عاجزی اور ناقدری کا بھی کچھ ذکر ہو جائے اور یہ ساری باتیں اتنی مشکل بھی نہیں تھیں۔ سبحان اللہ والحمدللہ۔

فرد: حریفِ منّتِ احباب نیستم غالبؔ
خوشم کہ کارِ من از سعیٔ چارہ گر گزرد

ترجمہ: غالبؔ میں احباب کے احسان کا روادار نہیں۔ میں اس پر خوش ہوں کہ میرا کام چارہ گر کی کاوش سے باہر ہو جائے۔

ایسا کاتب میری نظر میں نہیں جو بہارِ عجم کے نسخے لے کر (لکھتا اور) فروخت کرتا ہو اور نہ ہی کسی کے متعلق سنا ہے کہ دہلی میں کوئی ایسا شخص ہے۔ پھر بھی شہر آباد ہے۔ ایک دو نسخے اگر بہارِ عجم کے مل جائیں تعجب نہیں۔ اس فن کے کاردانوں سے کہوں گا کہ اگر کوئی صحیح اور خوش خط نسخہ ہو تو تلاش کریں اور لے آئیں۔ جونہی کہ دستیاب ہوگا بھیج دیا جائے گا۔ والسلام۔

خط-۴

قبلۂ حاجات۔ عبودیت نامے کی تحریر کی تاخیر کو شوق کی افسردگی پر نہ محمول کیا جائے۔ کیا کروں۔ میرا حوصلہ ایک عجیب مہم سے زور آزما تھا اور میری نظر ایک منظر بند کی نگہبانی کر رہی تھی۔ تا آنکہ وہ لمحہ بھی آ ہی گیا اور ہر کردار کو بقدر بایست اس (کے عمل) کی سزا ملی۔ میوات کے حاکم کو اس کے سپاہی کریم خان کی طرح تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اور نتیجۃً وہ عدم آباد روانہ ہوگیا۔

ع: ہر کسے آں درود، عاقبتِ کار کہ کِشت

ترجمہ: ہر شخص نے عاقبت کار وہی کاٹا جو بویا تھا۔

پرسش نامہ انگریزی ڈاک سے پہنچا اور مجھے عالم حیرت میں ڈال دیا۔ جناب عالی کا ارشاد ہے کہ غالبؔ روسیاہ نے آپ کے غلاموں کو یاد نہیں کیا۔ خدارا ایسا نہیں ہے۔ اس تمام پریشانی خاطر، پراگندگی قلب، اور تفرقۂ اوقات کے باوجود خطوط ارسال کرتا رہا۔ مقصد کہنے کا صرف اس قدر ہے کہ خطوط کی ترسیل جلد جلد نہیں تھی اور پھر ہندوستانی ڈاک سے بھی تھی۔ امید ہے کہ اس کے بعد یہ خطا

سرزد نہ ہوگی اور آیندہ گذشتہ کی تلافی بھی کروں گا۔ دوسرے اس شہر کی سرگذشت یہ ہے' کہ فیروز پور کے جاگیردار کو پھانسی ری گئی۔ اور اس کی ساری جاگیر اور جاگیر کے سارے شاملات بحق سرکار ضبط کر لئے گئے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا حکم صادر نہیں ہوا کہ جو تمام قوانین اور مراتب پر مشتمل ہو۔ بے شک جب یہ تمام واقعات صدر دفتر کلکتہ پہنچیں گے اس باب کے احکامات پر تب ہی دستخط ہوں گے۔ میں کہ انگریزی سرکار کے حکم سے اس جاگیر ہی میں سے کچھ وظیفہ پاتا تھا' منتظر ہوں کہ یہ حاکم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ تا حال تو میں اپنی قسمت کی مدد کے آثار کا منتظر ہوں۔ بلکہ صاف الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ جاگیردار فیروز پور جو کچھ بھی مجھے دیتا تھا وہ میرے استحقاق سے کم تھا اور سرکار سے اس مقدار پر میں مطمئن نہیں۔ غرض یہ کہ معاملہ پیچ در پیچ ہے اور مسئلہ خاصا الجھا ہوا ہے۔ جو کچھ کہ رو پذیر ہوگا گوش گزار اور تحریر کیا جائے گا۔ زیادہ زیادہ۔

خط۔۵

۱

متفرقاتِ غالب

سبحان اللہ'

میری متاع کا اس تمام ناقدری کے باوجود (کیا) کوئی خریدار ہے اور میری اس بے حیثیتی کے باوصف کیا کوئی میرا غمخوار ہے! کیا کروں کہ شکر ادا نا کردہ نہ رہ جائے۔ بے شک اس سلسلے میں بے اختیار زبان پر آتا ہے "جان تیرے اوپر قربان ہو"۔ مسابقت میں غیرت اور جان گذاری میں حوصلہ (ہی کی ضرورت ہوتی ہے)۔ وہ جان جسے جوانمرد دشمنوں پر وارنے سے دریغ نہیں کرتے اگر ایک دوست کے قدموں پر نچھاور کر دی جائے (تو) ظاہر ہے کہ اس سے حقِ وفا کس قدر ادا ہو سکے گا۔

قبلہ اور دکھی غالب کے قبلہ گاہ' خدا آپ کو سلامت رکھے'

مکتوبِ مشکیں رقم نے مشامِ آرزو کو معطر کر دیا اور چہرۂ آبرو سے پردہ ہٹا دیا۔ جنابِ عالی کے قلم نے پرسش احوال کے چند پردوں کے التفات کے زمزموں سے بات کو دو مقاماتِ نشست پر ہمدمی عطا کی۔ ایک ڈگری کی رقم کی مقدار کی پرسش کے ضمن میں اور دوسرے سفرِ دکن کی رہنمائی میں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ پچھلے فدوی نامے میں اس ذیل میں جو بات کہی گئی تھی وہ مکمل وضاحت سے تھی۔ ورنہ مجھ جیسے انسان کے لیے کہ جو (قرض خواہوں کے) تقاضوں کی کشمکش کا عادی ہے اور (جس نے) ایک طویل مدت قرض کے اضطراب میں گزاری ہے اس ہنگامے سے دل کو کوئی تنگی اور دکھ نہیں ہوتا اور جتنے روپے کی مجھ سے عدالت میں طلبی کی جا رہی ہے' وہ اس لائق نہیں کہ میری طبیعت منغض کر سکے چونکہ پانچ ہزار سے زائد نہیں، زیور اور گھر کے سامان کی قیمت سے پورا ہو جائے گا۔ (لیکن) جو (رقم) کہ مجھے ملنی چاہیے چالیس ہزار سے زائد اور پچاس ہزار سے کم ہے۔ لیکن مجال ہے جو کبھی اس رقم کے اجرا کی آرزو دل کے پاس بھی پھٹکی ہو یا میرے حال سے اسے کچھ مناسبت رہی ہو۔ لیکن ہاں اتنا مقدور ضرور ہو کہ بیٹھوں اور مٹھی مٹھی قرضخواہوں کے سر ماروں

اوراس بلا سے کہ جسے دنیا کہتے ہیں کنارہ کر کے قلندر بن جاؤں اور ساری دنیا میں گھومتا پھروں۔ یہ جو تھوڑی عمر میں نے ضائع کی اور شاہ اودھ کی مدح نگاری کی' اسی تمنا کی بزم کی آرائش اور اسی ہوس کے سرمایے کی دریوزہ گری میں تھی۔ چونکہ کام نہیں بنا اور میرے نغمہ نے شاہوں کے سنگین دلوں پر اثر نہیں کیا' میں نے منہ موڑ لیا اور اپنے آپ پر افسوس کیا۔ اب میں کہاں اور دکن کا سفر کہاں۔ تیس سال رنگینیوں اور شراب و نغمہ میں گزر گئے۔ اب دل میں ان چیزوں کی خواہش بھی نہیں رہی (بلکہ) اب تو قیدِ تن سے رہائی کی خواہش پیدا ہوگئی ہے۔ بس اب تو صرف یہ آرزو ہے کہ سرزمین ایران گھوموں اور شیراز کے آتشکدے دیکھوں۔ اور اگر پائے عمر کو اس عرصے میں ٹھوکر نہ لگے تو انجامِ کار نجف اشرف پہنچ جاؤں اور اس (ہستی) کا مزار دیکھوں کہ جس نے مجھے میرے اجداد کے مذہب سے نکالا اور والہانہ طور پر اپنے زمرے میں شامل کر لیا' (اور) مستانہ وار جان دوں اور فنا کے تکیہ پر سر رکھ دوں۔

غالبؔ روش مردم آزادجد است رفتارِ اسیرانِ رہ و زاد جد است

ماترک مراد را ارم می دانیم واں باغچۂ ضطع شدّاد جد است

(ترجمہ) غالبؔ آزاد لوگوں کا چلن اور ہوتا ہے اور راہ و زادِ راہ کے گرفتاروں کا رویہ الگ چیز ہے۔ ہم ترک آرزو ہی کو جنت سمجھتے ہیں۔ جب کہ شداد کا ترتیب دادہ باغیچہ دوسری بات ہے۔

انصاف طاعت سے بڑھ کر ہے۔ سفر کا ارادہ قرض کی زنجیر کے ٹوٹے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ زنجیر ٹوٹ گئی اور یہ راستے کا پتھر ہٹ گیا تو کیا مجال ہے جو نجف کے علاوہ کسی دوسرے راستے پر چلوں اور تف مجھ پر جو اس کے علاوہ کسی کی تلاش کروں۔ چندو لال بھلا میرا نغمہ کیا سمجھتا ہے اور میری روش کو کہاں پہنچتا ہے۔ بوڑھا سٹھیایا ہوا' جاہل' بات کرنے کے سلیقے سے بے بہرہ۔ وہ جو فارسی میں قتیلؔ کو استاد سمجھتا ہے' غالبؔ کو کیا کرے گا۔ اور وہ جو اردو میں نصیر کی تعریف کرتا ہے ناسخ سے اسے کیا سروکار۔ اس کی اپنی عمر اسّی سے تجاوز کر چکی ہے۔ میں جب تک اس کے پاس پہنچوں گا وہ (خود) جہنم واصل ہو چکا ہوگا۔

عرضداشت بجواب شقۂ صاحب عالم میرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر

خط-۱

یہ فدوی حضرت آقائے عالم و عالمیاں' شاہزادۂ کیواں ایواں' گورگانی خاندان کی روشن شمع' سزاوارِ اورنگ سلیمانی کے' کہ خدا اس کے اقبال کو دوام اور اس کے اجلال کو افزائش بخشے' حضورِ فیض آثار کے پیش خدمتوں کی پیش گاہ میں عرض کرتا ہے۔ آفتاب جہاں آرا کی پیش گاہ میں ذرّے کی پرافشانی' اور دریا کی ارادتمندی کی بساط پر قطرے کی سجدہ ریزی' اس نمائش کی عکاسی اور اس میلان کی پردہ کشائی کرتی ہے کہ اگر عالمیاں مطیع مخدومِ جہاں کے فجستہ نشان' ورود کا فیض (اِس) ہوا خواہ کے جسم میں (بے شمار) جانیں نہ پھونک دیتا' تو اس ذرہ نوازی اور غلام پروری کا سپاس کس طرح ادا کیا جاسکتا تھا۔ چونکہ ظاہر ہے کہ ہر جسم کو ایک سے زیادہ جان (تو) دی نہیں گئی جبکہ آپ کے گرامی نامے کے عنوان کی رونمائی ایک جان سے (تو) نہیں کی جاسکتی۔ انصاف بالائے طاعت ہے۔ اس مبالغے نے بھی جو جان نثار کرنے کے ضمن میں استعمال کیا گیا' خاطر خواہ خوشی نہیں بخشی اور وہ اس لیے کہ یہ ساری جانیں تو جنبشِ خسروی کے فیض ہی کی پھونکی ہوئی ہیں۔

جس کام کے بجالانے کا حکم صادر ہوا ہے' مجھے آپ کی عرش پیما خاکِ پا کی قسم کہ اگر میرا دل اپنی جگہ ہوتا' اور ذہن درخورِ تفکر ہوتا تو میں اپنے سر کو پیر بنا کر اس وادی میں سر کے بل دوڑتا۔ خان صاحب قاسم علی خاں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ اس غلام زادے کو غم و اندوہ سے کیسا مقابلہ درپیش رہا ہے اور (نہ معلوم) اس سے بڑھ کر آیندہ کیا ہوگا کہ پابرکاب بیٹھا ہوں اور (ممکن ہے) اس تحریر کے دوسرے دن ہی دشتِ آوارگی میں چل پڑوں۔ اور اتفاق ایسا ہے کہ پڑاؤ بھی کسی شہر میں نہیں بلکہ اس کی بھی کوئی مقررہ جگہ نہیں۔ ہر دن کسی (نئی) جگہ اور ہر رات کسی سرائے میں ہوگی۔ اِس غلام زادہ کے منع کرنے کے باوجود سید قاسم علی خان نے ایک طویل مسافت کاٹی اور جب پانی پت پہنچے تو حاکم کو موجود نہ پا کر واپس ہوئے۔ چارہ گری کے مشورے کے طور پر چند طریقے خان صاحب موصوف کو بتا دیے گئے ہیں۔ اگر اس ہی طریقے سے چلتے رہے تو گمان غالب ہے کہ امورِ خسروی کو سرانجام دے سکیں گے۔ زیادہ حدِ ادب۔ خداداد اقبال اور دولت کا آفتاب ہمیشہ روشن رہے۔

بنام حکیم احسن اللہ خان

خط-۱

اے دکھے دل کو نوازنے والے۔ آپ کے مشکبو خط کے ورود کی نسیم نے اس راز کے غنچے کی پردہ کشائی کی اور اس خوش خبری کی مہک کو (اور) معطر کر دیا کہ زمانے نے طول زمانِ فراق کے مد کی مجھری سے میری بے اعتمادیوں کے نقش کو احباب کے دل سے نہیں کھرچا ہے اور جدائی کے ستم کی آندھی کے تھپیڑوں نے میری انکساریوں کو عزیزوں کی یاد سے محو نہیں کیا ہے۔

طلب نثر کے باب میں' میں اُس مفلس میزبان سے زیادہ لاچار ہوں کہ ناگاہ جس کا کوئی عزیز مہمان آ پہنچے اور وہ بے چارہ اپنی ساری پونجی ٹٹولتا رہے کہ دھوئیں میں بسا ہوا شوربا اور ایک جو کی روٹی فراہم کر سکے۔ مجھے اپنی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں نے اپنی پریشان نثر کو جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی اور خود کو اس کشاکش میں نہیں ڈالا ہے۔ چونکہ ظاہر ہے کہ اس قلم سے نکلی ہوئی تحریر (یا تو) بے معنی ہوگی یا شاندار۔ پہلی صورت میں کیا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو مفت میں فروخت کیا جائے اور اپنی عافیت کے عوض آنے والوں کی (تنقیدی) نظر کی مصیبت مول لی جائے۔ اور دوسری صورت میں فکر اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ جو جا چکے ہیں وہ (اپنے ساتھ) کیا لے گئے اور جو گزر چکے ہیں اُن کو کیا مل گیا کہ ہمیں اس مراد کی آرزو بے چین رکھے۔ انصاف کا مرتبہ طاعت سے بلند ہے۔ ایسی عدالت میں جہاں قتیلؔ کی توانائی کو فرہنگ کے شکوہ پر مقدم گردانا جائے اور جہاں نورالعین واقفؔ کے جھنڈے روشِ فصاحت کے لیے بلند ہوں' کس سے کہا جائے کہ (وہاں) ہمارے رشحاتِ فکر کی کیا قیمت ہوگی اور ہمیں اس جگر سوزی میں کیا لذت حاصل ہوگی۔ وہ چند سطریں جو دیوانِ ریختہ کے دیباچے کے طور پر تحریر کی گئیں اور مجموعۂ اشعار موسوم بہ ''گلِ رعنا'' کی آرائش کے لئے جو میرے جنون کا دھواں سویدائے دل سے نکلا ہے' بطور تحفے کے بھیج رہا ہوں اور اپنی کم مائگی پر پانی پانی ہو رہا ہوں۔ والسلام۔

بنام الف بیگ درباب تسمیہ پسرش

خط-۱

اے مہرباں روٗ مہربانی خو (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔ بڑھاپے میں نہال امید کی بار آوری فرخی وسعادت کا باعث ہو۔اس پری چہرہ نوزاد کا نام رکھنے کے لیے جو آپ نے مجھ سے فرمائش کی ہے اور مجھے اس کام کا اہل سمجھا ہے (تو عرض یہ ہے کہ) بغیر زحمتِ فکر کے ایک نام میرے ذہن میں آیا ہے اور ایک قطعہ بھی اس ضمن میں' میں نے کہا جواب زبان سے قلم کے حوالے کیا جارہا ہے۔ یارب یہ اچھا نام مسمی کے لیے مبارک ہو اور وہ سعادتمند آپ کی عینِ حیات میں آپ کی عمر کو پہنچے اور آپ کے بعد بھی تا دیر زندہ رہے۔

قطعہ

چون الف بیگ در کہن سالی
پسرے یافت سربسر غمزہ

ترجمہ. جب الف بیگ کو بڑھاپے میں ایک بیٹا جو سراسر غمزہ ہے' (اللہ کی طرف سے) عطا ہوا۔

نام او ہمزہ بیگ کرد' بلے
الفِ منحنی بود ہمزہ

ترجمہ: اس کا نام ہمزہ رکھا گیا' چونکہ ہمزہ منحنی الف (ہی) ہوتا ہے۔

یارانِ محفل آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔کبھی اس ویرانے کی طرف بھی رُخ کیجئے۔

بنام مولوی نورالحسن

خط-۱

فرد: جاں برسرِ مکتوب تو از شوق فشاندن
از عہدہ تحریر جوابم بدر آورد

ترجمہ: تیرے خط پر (میرے) جان نچھاور کردینے نے (مجھے) جواب دینے کی ذمہ داری سے آزاد کردیا۔

میں نہیں جانتا کہ کونسی آرزو کی عید نے اور کون سے رنگ و بو کے نوروز نے میخانہ سخن کی کنجی لگائی کہ اس روحانی شرابخانے کے دروازے میں ایک نئی فراخی درآئی۔ شوقِ تماشا کی ہماہمی نے دل کو اتنا برانگیختہ کردیا کہ اس قدر افسردگی کے باوجود میں اپنے زانو سے سر اٹھانے پر مجبور ہوگیا۔ یہ میری آنکھیں تحریرِ گرامی کو دیکھ رہی ہیں کہ میری نگاہ بدمست ہوکر میرے سر میں کروٹیں لے رہی ہے۔ بات کس کی تحریر کی شرح ادا کی ہورہی ہے کہ ہونٹ مٹھاس کے سبب ایک دوسرے میں پیوست ہوئے جارہے ہیں۔ میں جناب مولوی نورالحسن صاحب کی بلند مرتبگی پر ناز کرتا ہوں کہ ان کے قلم کی جولانیوں کے زیرِ اثر نظارہ سنبل (کی فصل) کاٹ رہا ہے اور فکر ان کی تحریر کی لطافت کے ذوق میں شراب کشید کررہی ہے۔

اے (مخاطب) کہ دیوانِ ازل کا فرمانِ خوش بختی آپ کے نام ہے اور غالبؔ وفا کیش بھی اپنے دل اور زبان سے آپ کے انجام خیر (ہی) کی دعا کرتا ہے آپ کا مبارک رقم صحیفۂ مسرت کہ جس کی تحریر (کی خوبی) بیان سے باہر ہے وارد ہوا اور اس نے کلکتے کی خاک نشینی کے مزے دل میں تازہ کردیے۔ آپ کے والدِ بزرگوار کی عنایات کی تقویت آپ کی روز افزوں فرزانگی اور حضرت مولوی سراج الدین احمد صاحب کی دل ربائیوں کی گرم جوشی اب تک دل پر نقش ہیں اور ہمیشہ دل پر نقش رہیں گی۔

معلوم ہوا کہ خاطرِ عاطر کا میلان نثر کی جانب ہے اور اس صنف ادب میں آپ کو دلچسپی ہے۔ بارے آپ نے اپنے لیے ایک پسندیدہ شغل اختیار کیا اور اس فن میں اپنے لیے ایک منتخب روش کو منزل مقصود بنایا۔ تحصیل علم سے آپ کی بے رغبتی جو کل میں نے کلکتے میں دیکھی تھی آج یاد آتی ہے اور خرداندوزی کے لیے آپ کی موجودہ گرم جوشی بھی دیکھ رہا ہوں اور خوش ہو رہا ہوں۔ بے شک میرے تصور میں سرراہ ایک پودا ہے جو اتنی دیر میں کہ شاخ سے پھل زمین پر گرے کھجور کا درخت بن گیا اور اس میں پھل بھی آگیا (ہے)۔ نہیں نہیں۔ میرے تصور میں کسی یوسف کا ہنگامہ ہے جو اپنی خوبی کے سبب سات سنگھار کرکے پردے سے باہر آکر فرشتوں کا دل موہ لیتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ (اپنا) مسودہ نثر ہر ماہ مجھے بھیجیں اور میں اس کو دیکھ کر اور ہر ادا ہر نکتے اور ہر لطیفے کو خاطر خواہ طریقے پر نوک پلک سے درست کرکے آپ کو بھیج دوں۔ میرے آقا آپ کو علم نہیں کہ تقریر کی نفاست گفتگو ہی سے نکھرتی ہے اور عبارت عبارت ہی سے پہچانی جاتی ہے۔

ہرچند کہ آپ کی ارادت میرے لئے ذریعۂ نیک بختی ہے اور آپ کی خوشی میری خوشی کا باعث ہے لیکن (اس کام میں) تحریر کی گنجائش نہیں اور قلم کے واسطے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ تحریر ایک مکمل اکائی ہوتی ہے (جبکہ) گفتگو ٹکڑے ٹکڑے۔ ایک لفظ کو درمیان

سے کاٹ دینا اور اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دینا (کافی نہیں)۔ ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ کس قدر بات چیت اور کتنی تحقیق چاہیے کہ اس پرسش کا حق ادا ہو۔ مزید یہ کہ اِن ہی دنوں میں میرے بھائیوں میں سے ایک بھائی نے کہ جن سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا عزیز نہیں میری پریشاں باتوں کو جنہیں نثر سے تعبیر کیا جاتا ہے' جمع کر کے ایک کتاب کی صورت دے دی ہے۔ اس کے بعد اس مجموعۂ پریشاں کو آپ کو ارسال کروں گا کہ صفِ ادب میں اس کی نقدِ فکر اور اندازۂ خوبیٔ فن کی عکاسی ہو سکے۔ آپ کی اس لاپرواہی پر سلگ رہا ہوں کہ اپنے دولت خانے کے پتے میں احاطۂ خانساماں کے علاوہ اور کوئی سمت و جہت نہیں بتائی ہے۔ ہر چند کہ وہ احاطہ اُس شہر میں معروف جگہ ہوگی اور ڈاک کے ہرکارے اس کے راستے سے بھی واقف ہوں گے لیکن میرے دل کو اپنے وسوسوں کے سبب (اس پتے پر) اطمینان نہیں ہو رہا۔ بہر صورت جب تک کہ اس خط کا جواب آپ نہیں بھیجیں گے اور اس کے ساتھ وہ تمام کوائف کہ پتے کے لئے ضروری ہیں مجھے نہیں بتائیں گے میں کتاب آپ کو نہیں بھیجوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے خط کی آمد سے مجھے آپ کے قدسی صفات والدِ بزرگوار اور ان کی خیریت کا سرور حاصل ہوا۔ امید کرتا ہوں کہ یہ عجز و نیاز کے سجدے جو (جبینِ) سرِ قلم سے اُبل رہے ہیں قبولیت کی بارگاہ میں پیش کر دیے جائیں گے اور مولوی عبدالقادر صاحب کو بھی کہ ان کے خادموں کا' میں بیعتِ غائبانہ سے ارادتمند ہوں' میرا آداب بندگی پیش کر دیا جائے گا۔ کیا بتاؤں کہ کریم خان کو کیا کہا جائے۔ شوق کی کوئی حد نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ ایک حسرت زدہ سلام بھیجنے پر ہی قناعت کرتا ہوں۔

ہے ہے۔ اور افسوس[1] اس پوشیدہ وفا دشمن اور بظاہر دوست صادق گل محمد خان ناطق پر کہ جب سے گیا قطعِ تعلق کر لیا اور خط بھی نہ بھیجا اور ایک مدت تک مجھے اپنے انتظار میں پریشان رکھنے کے بعد ایک روکھا پھیکا سلام بھیج دیا اور وہ بھی از راہ شوق نہیں بلکہ براہِ اتفاق۔ اور (اس طرح) صرف ایک اور اتفاقی غمزے سے میرے بہلاوے کا انتظام کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے سلام کو بالاعلان اس کو لوٹا دیں (لیکن) اس سے پوشیدہ اس کی بود و باش کا طریق کار (واحوال) مجھے تحریر کریں تاکہ مجھے معلوم ہو کہ اب اس کے کیا ارادے ہیں اور اس کی بسر اوقات کس طرح ہوتی ہے۔

بر جیس مرتبہ حضرت مولانا اکبر علی شیرازی (کے خدام) کے کمالات کی تاثیر تو میرا دل ہی لے گئی اور ان بزرگوار کی محبت کو براہ گوش میرے دل میں اتار دیا۔ وہ شوق جو بات چیت سے پیدا ہوتا ہے اور وہ محبت جو دیدار سے جنم لیتی ہے' برابر نہیں ہوتے۔ چونکہ دیدار پرستوں کی آنکھ تو کامیاب ہے لیکن ان کا دل آرزومند رہتا ہے اور وہ لوگ جو مشتاق گفتار ہیں ان کے لیے تو دیدہ و دل دونوں ہی اسیر ہوتے ہیں۔ اگر میں خود کو ان کے درخورِ التفات سمجھتا تو انتہائی ذوق و شوق سے ان (کے خدام) کو خط لکھتا۔ لیکن چونکہ مجھے تمنائے قبولیت کی متاع عطا نہیں ہوئی ہے لہٰذا فائدہ اسی میں ہے کہ اپنی عاجزی کی حفاظت کروں اور اپنی گمنامی کو فضول رسوا نہ کروں۔ اس ہی خط میں افکارِ تازہ پر مشتمل ایک غزل بھی تحریر کر رہا ہوں اور آپ سے اس غمخواری کی امید رکھتا ہوں کہ خالصتاً اس کام کے لیے اُس بلند خاندان سے ملیں گے اور اس غزل کو اس کی بزمِ گرامی کے باریافتہ اشخاص کے سامنے پڑھیں گے اور عرض کریں گے کہ ایک ہندوستانی فارسی میں اس طرز کی غزل کہتا ہے۔ (غزل سن کر) جو کچھ وہ کہیں اگر قابل ستائش ہے تو گویا اس کی اجازت ہے کہ آئندہ بھی قلم و کاغذ سے کامران اور نغز گوئی سے شادمان رہے ورنہ دور باش (کی ایک للکار) تاکہ اس کے بعد اس آرزو کے قریب نہ پھٹکے اور فضول خونِ جگر نہ پیئے۔

---

[1] متن میں 'آواز آں' لکھا ہے جو بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ 'آہ از آں' سے کیا گیا ہے۔ جو نول کشور ۱۸۷۷ء میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

غزل

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

قضا بہ گردشِ رطلِ گراں بگردانیم

ترجمہ : آؤ کہ ہم آسمان کا دستور بدل ڈالیں (اور) رطلِ گراں کی گردش سے قضاوقدر (کا نظام) بدل ڈالیں۔

ز چشم و دل بہ تماشا تمتع اندوزیم

ز جان و تن بہ مداوا زبان بگردانیم

ترجمہ :چشم و دل سے نظارہ کر کے تمتع حاصل کریں (اور) جان وتن کی تواضع میں زبان پھرائیں۔

اگر ز شحنہ بود گیرودار نندیشیم

وگر ز شاہ رسد ارمغان بگردانیم

ترجمہ: اگر کوتوالِ (شہر) سے گیرودار ہو (پھر بھی) خوف نہ کھائیں اور اگر بادشاہ کی طرف سے بھی کوئی تحفہ پہنچے تو اس کو واپس کردیں۔

اگر کلیم شود ہمزبان سخن نہ کنیم

وگر خلیل شود میہمان بگردانیم

ترجمہ :اگر حضرت موسیٰ بھی ہمزباں تو ہوں بات نہ کریں اور اگر حضرت ابراہیم بھی مہمان (بن کر) آئیں تو ان کو لوٹا دیں۔

گل افگینم و گلابے بہ رہگزر پاشیم

مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

ترجمہ: پھول برسائیں اور راستے پر گلاب پاشی کریں' شراب لائیں اور قدح درمیان میں پھرائیں۔

ندیم و مطرب و ساقی از انجمن رانیم

بہ کار و بار زنے کاردان بگر دانیم

ترجمہ: ندیم' مطرب اور ساقی (سب) کو انجمن سے نکال دیں (اور) کاروبار کے لیے ایک کاردان عورت پھرائیں۔

گہے بہ لابہ سخن با ادا در آمیزیم

گہے بہ بوسہ زباں دردھاں بگردانیم

ترجمہ :،کبھی چہل کرتے ہوئے ناز وادا کے ساتھ باتیں کرنے لگیں ۔(اور) کبھی بوسے کے ساتھ (محبوب کے) منہ میں زبان گھمائیں۔

نہیم شرم بیکسو و باہم آویزیم

بہ شوخیٔ کہ رخ اختراں بگردانیم

ترجمہ: شرم کو ایک طرف رکھ دیں اور ایک دوسرے سے لپٹ جائیں ایسی شوخی کے ساتھ کہ ستارے اپنے منہ پھیر لیں۔

ز جوشِ سینہ سحر را نفس فروبندیم

بلائے گرمیٔ روز از جہاں بگردانیم

ترجمہ۔ ہم (اپنے) جوش سینہ سے صبح کی سانس روک دیں، دن کی گرمی کے آسیب کو دنیا سے لوٹا دیں۔

بہ وہم شب ہمہ را در غلط بیندازیم

ز نیمہ رہ رمہ را با شباں بگردانیم

ترجمہ: رات کے شبہ میں سب کو دھوکے میں ڈال دیں اور آدھے راستہ سے گلّے کو گڈریے کے ساتھ واپس کر دیں۔

بہ جنگِ باج ستانانِ شاخسارے را

تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

ترجمہ: شاخسار کے خراج گیروں (یعنی گل چینوں) کو جھگڑا کر کے خالی ٹوکری کے ساتھ گلستاں کے دروازے سے لوٹا دیں۔

بہ صلح بال فشانانِ صبح گاہی را

ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ترجمہ: صبح کے طائروں کو صلح (کے عالم) میں شاخوں سے آشیانے کی جانب لوٹا دیں۔

زحیدریم من و تو ز ما عجب نہ بود

گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

ترجمہ: میں اور تو حیدریوں میں سے ہیں۔ ہم سے عجب نہیں اگر آفتاب کو مشرق کی طرف واپس لوٹا دیں۔

بمن وصال تو باور نمی کند غالبؔ

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

ترجمہ: غالبؔ کو میرے ساتھ تیرے وصال پر یقین (ہی) نہیں آتا (تو) آ آسمان کا دستور ہی بدل ڈالیں۔

بنام نامی مولوی حافظ محمد فضل حق صاحب

خط-۱

قبلہ وکعبۂ اگر لالہ ہیرالال کے دماغ میں عنقا کو دیکھنے کا سودا نہ سمایا ہوتا اور پچیس ربیع الاول بوقت شام اتفاق سے میرے خانۂ تنہائی سے اس کا گزر نہ ہوتا تو آپ کے دولت خانے کے چاروں طرف آگ لگ جانے، مکان کے اور ہمسایوں کے سامان کے مکمل جل جانے اور جناب عالی کی ذات کو اس درمیان کوئی گزند نہ پہنچنے (کی خبر) میں کہاں سنتا۔ لازمی وہ پرسش کا حق دوستانہ (۱) جو ہمدردی اور دکھ بانٹ لینے کے آداب میں سے ہے، ادا نا کردہ رہ جاتا اور اس طرح سپاسِ خدا تعالیٰ کہ حق شناسی اور شکرگذاری کا لازمہ ہے ادا نہ ہو پاتا۔ اچھا تو اے وفادشمن، اغیار تو (آپ کے) نامہ و پیام سے کامگار ہوں اور احباب (آپ کے) ریزش قلم کے پیاسے (رہیں)۔

فرد: وائے برمن کہ رقیب از تو بہ من بنماید
نامۂ واشدۂ مہر بہ عنوان زدۂ

ترجمہ: افسوس مجھ پر کہ رقیب مجھے تیرا (ایسا) خط دکھائے کہ جو کھلا ہوا ہو اور عنوان پر تیری مہر لگی ہوئی ہو۔

یقیناً اس جلانیوالی (۲) (آگ) نے گرمیٔ شوق مجھ سے حاصل کی تھی جبھی تو بے چین ہو ہو کر، سر کے گرد گھومتی رہی اور اس (ہنگامہ) ابتلا میں اپنے شعلہ و شرارہ کو قابو میں رکھا۔ افسوس بھلا میں کہاں اور یہ بلند دعوے کہاں۔ خودنمائیاں ہی الفت و محبت کا وہ حسن ظن ہیں جو مجھے اس ہرزہ سرائی و یاوہ گوئی میں (مصروف) رکھتی ہیں ورنہ اس شخص کے لیے کہ جس کا دامن دل جلوں کی آہ سے جل اٹھتا ہے، عجب نہیں کہ بھڑکی ہوئی آگ (اس کے) گرد و پیش کو نہ جلا دے۔ اور اب گلہ تمام اور طعنہ برطرف۔ قادرِ مطلق کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس بلائے بے پناہ کا رخ اپنے غلاموں کی طرف سے پھیر دیا تا کہ بے بصروں (۳) کو آنکھ اور اہل نظر کو سرمہ حاصل ہو۔ اور اس (بلائے بے پناہ) نے حضرت جبرئیل کی طاقت کا کرشمہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بے گزند رہنے کا معجزہ نگاہوں میں تازہ کر دیا۔ خدایا سلامتی کا یہ شگون کہ جو گوناگوں سعادتوں کا حامل ہے اس سے زیادہ بابرکت (ثابت) ہو کہ جتنا کوئی اظہار ذہن میں لا سکتا ہے۔ اگر میں جانتا کہ خود اپنے آپ سے شرمسار نہیں ہوں گا اور اس محال طلبی میں میرے اوپر (اپنی ہی) زبانِ طعنہ دراز نہیں ہو جائے گی، اس مخدوم بے عنایت سے اس خط کا جواب اور اس ہنگامے کی تفصیل مانگتا اور پوچھتا کہ اس وقت جب شعلے بھڑکنے لگے (تھے) اور سیاہ دھوئیں کے بادلوں اور آگ کی روشنی کا سراغ مل گیا (تھا)، آپ کیا کر رہے تھے اور (اس وقت) عقل و انسانیت کی آنکھ کی پتلی، مولوی عبدالحق کہاں تھے۔ اور اس کے بعد جب ہمسایے میں یہ بھاگ دوڑ نظر آنے لگی اور آبادی میں شور و شر پڑ گیا، تو اہل خانہ کی اندرونی گھبراہٹ نے اور بہی خواہوں کی نمایاں پریشانی نے کیا قیامت مچائی اور یہ سارا ہنگامہ کتنی دیر رہا اور بالآخر جب امن چین کی خوش خبری

۱- متن میں 'دوستاقہ' لکھا ہے جو نادرست ہے۔ صحیح 'دوستانہ' ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں بجائے 'سوزندہ آذر' 'سوزندہ آور' درج ہے جو غلط ہے۔ (مترجم و مرتب)

۱- متن میں 'بے صبراں' ہے جب کہ درست 'بے بصراں' ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

ملی تو مویشیوں اور گھوڑوں سے متعلق اشیا پر کیا گزری کہ ان کے لیے بجز اطراف مکان اور کوئی جگہ نہیں تھی اور ان میں سے بیشتر لقمہ آتش بلکہ آگ کو بھڑ کانے والی تھیں۔ لیکن چونکہ مجھ سے عزت التفات لے لی گئی ہے اور اپنے دل میں مرتبے سے بہت نیچے گرا دیا گیا ہے اور اب میرے لیے اس دل میں جگہ نہیں رہی ہے' یہ جو کچھ بھی میں نے کہا ہے یہ بطرز آرزو ہے بانداز سوال نہیں۔ والسلام والاکرام۔

خط-۲

سبحان اللہ۔ باوجودے کہ میں بھولے ہوؤں میں ہوں اور جانتا ہوں کہ میرا دوست مجھے دوجَو بلکہ گھاس کے آدھے تنکے کے عوض (بھی) اٹھا لینے کو تیار نہیں (پھر بھی) جب کبھی شکوہ کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ راگ تو میں پردوں کے بغیر الاپ سکتا ہوں اور مخدوم معظم سے دور باش (کی للکار) کا کوئی خوف درمیان نہیں' ناچار اس مسرت کے سبب کہ دن کی طوالت کلام کی اجازت میں بھی ایک مژدہ افتخار ہے اور اب بھی مجھے دوست سے تخاطب حاصل ہے' اس قدر خوش ہو جاتا ہوں کہ بھولے جانے کا جانگداز غم بھول جاتا ہوں اور ہونٹوں پر وہ راگ کہ دل جس کے الاپنے کی دھن میں لگا ہے' خاموش ہو جاتا ہے۔

فرد: از خویشتن به ذوق جفا با تو ساختیم
با ما دگر مساز که ما با تو ساختیم

ترجمہ۔ ہم اپنے ذوق جفاکشی کے باعث تجھ سے راضی ہو گئے اب تو ہم سے (چاہے) راضی نہ ہو کہ ہم تو تیرے ساتھ راضی ہو چکے ہیں۔

ان دنوں سر میں یہ سودا سمایا کہ توحید کے باب میں کچھ اشعار عرفی کے جواب میں کہے جائیں۔ چونکہ سعی فکر اس مقام پر لے آئی کہ جہاں نہ عرفی کے لئے کوئی جائے قرار رہتی اور نہ میرے لیے' مجبوراً ان اشعار کو ایسے شخص کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ جو مجھ جیسے سینکڑوں اور عرفی جیسے لاکھوں کی (فن) سخن گوئی میں تربیت کر سکتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اس کا مقام و مرتبہ بتا سکتا ہے۔

قصیدہ

اے زوہمِ غیر غوغا در جهان انداخته
گفته خود حرفے و خود را در گمان انداخته

ترجمہ: اے کہ تو نے وہمِ غیر سے (خود ہی) دنیا میں ہنگامہ مچایا ہوا ہے۔ خود ہی ایک بات کہہ کر خود ہی اپنے آپ کو (معرض) شک میں ڈال دیا ہے۔

دیده بیرون و درون از خویشتن پُر وانگهے
پردهٔ رسمِ پرستش درمیان انداخته

ترجمہ: اس نے باہر اور اندر (ہر طرف) خود ہی کو سمایا ہوا دیکھا اور پھر (بھی) اپنے اور ہمارے درمیان پرستش کی رسم کا پردہ ڈال دیا۔

عرضداشت بحضور شاہ اودھ از جانب مبارز الدولہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر

خط۔۱

(یہ فدوی) جناب عز وجاہ کے مختار' آسمان جیسے آستانے کے بادشاہ' جس کے پاسبان فرشتے ہیں' جس کی فوج ستاروں جتنی ہے' جس کا دربار ثریا کی مانند بلند ہے خدا اس کے ملک اور بادشاہ کو ہمیشہ سلامت رکھے' کی بارگاہ میں عرض گزار ہے۔ تختِ جہانبانی کی جو اورنگ سلیمانی کی نظیر ہے' بلندی کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ اس کے پایے پر بوسے کی آرزو میں کوئی نقش بنایا جا سکے یا خیال میں اس کے سراپا کے گرد (صدقے کے طور پر) چکر لگانے کی خواہش کی کوئی راہ کھولی جا سکے۔ چار و ناچار اُس بارگاہِ سعید کی مسند کے ایک گوشے پر' کہ جسے خدا ہمیشہ شاہی پیشانی کے آفتاب کا مشرق اور مشتری کے لئے بابرکت روشنی کے آثار کے جواز کا دستور العمل رکھے' وہ جان کہ خردِ نورانی کی روشنی کے سبب خدا کے (عطا کردہ) خزانے کا بہترین موتی ہے' نچھاور کرتا ہے (اور) تہنیت جلوس کے گیت اور دوامِ دولت کی دعا میں اپنے آپ کو دنیا والوں کے ساتھ ہمزبان اور دنیا کو اپنے ساتھ ہم روش تصور کرتا ہے۔ بے شک زمانے کی سعادت ہے کہ وہ ازل سے جس واقعے کا منتظر تھا' انتہائی مبارک ساعت میں وہ وقوع پذیر ہو گیا اور تختِ سلطنت کی وہ برگزیدہ تمنا کہ مدت سے اس کے دل میں تھی' انتہائی دل نشین شکل میں بر آئی۔ اور (اب یہ وقت ہے کہ) اِن آثارِ شادمانی کے مشاہدے کے لیے سورج کا کنارہ اس (بادشاہ) کا دیدار کرنے کے لیے آنکھ کھولتا ہے اور گل و خار نشاط کامرانی میں فروغِ رخ کی خاطر ایک دوسرے کے دل ربا بنے ہوئے ہیں۔ بہار (بھی بے چین ہے) کہ گھڑی گھڑی تازہ بتازہ پھول پیش گاہِ شاہ میں بکھیرے' غنچہ اُس اضطراب میں ہے کہ جلد سے جلد شاخ پر پھول بن جائے اور ابر کو یہ (خواہش ہے) کہ جلد سے جلد گہرہائے آبدار شہریار کے سر پر برسا دے اور قطرہ اس حرص میں گرفتار کہ موتی بن جائے۔ ہر چند جس جگہ کیخسرو کی عقلمندی' بہرام کی توانائی' سکندر کی خوش قسمتی' اور پرویز کی عیش کوشی سپاہیوں کو لوٹ میں ملتی ہے اور برجیس سے انگوٹھی' مریخ سے تلوار' آفتاب سے تاج' اور ناہید سے نگین' بندگانِ (درگاہ) کو بطور پیشکش عطا ہوتے ہیں' (بھلا) دوسروں کا کیا زہرہ کہ اپنے آپ کو اس مقام (و مرتبے) پر کسی شمار میں لائیں اور خاکیوں کی کیا حیثیت کہ (محض) نذر پیش کر کے کوئی امتیاز حاصل کر سکیں لیکن چونکہ عقیدت ہر رنگ میں ذوقِ اظہار کی پیاسی ہوتی ہے یہ کمترین غلام بھی پیشکش' نذر اور استدعائے قبول ہدیہ پر مجبور ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ سورج کا سایے کی تاریکی کو مٹا دینا تابانی کے وفور کا صدقہ اور سمندر کی جانب سے ایک قطرے کی سوغات کی قبولیت' روانی کے خزانے کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

خدایا دوامِ سلطنت کا شہرہ ہمیشہ مائل بہ بلندی ہو اور جہانداری کے جھنڈے کے پھریرے کا گوشہ آسمان کو چھوتا رہے۔

خط۔۲

(یہ فدوی) جنابِ مختارِ عزت و جاہ کے' کہ فرشتے جن کی حفاظت پر مامور ہیں' جو ستاروں کی انجمن کے بادشاہ ہیں' جن کا

آستانہ آسمان جیسی (بلند) ہے' خدا اس کے ملک اور بادشاہ کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے' حاضر باشوں کی بارگاہ ارم کارگاہ کی پیش گاہ میں عرض رساں ہے ۔ جہانبانی اور شہریاری کے صحیفے کا حضرت فلکِ مرتبت سلیمانِ ثانی کے نامِ مبارک سے زینت پذیر ہونا اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کی بلندی دجستگی سخنوروں کے دل پر جلوہ گر ہو۔ بے شک سلطنت کے تخت کا پایہ کہ جو ہمیشہ مائل بہ بلندی ا... بوس تھا 'اب اس جگہ پہنچ گیا ہے کہ صرف آسمان ہی سے نہیں ساتوں آسمانوں سے گزر سکتا ہے (اور) فرشتے جو ہمیشہ ثوابت کے افلاک کی ستاروں سے آرایش کرتے تھے اب اس روشن کرنے والی انجمن میں مبارکباد دینے کی کوشش[1] میں بیٹھے ہیں۔ اور آسمان کی یہ روشن (شخصیتیں) ایک عرصۂ طویل تک صیقلِ آئینہ پر کام کرتی رہی ہیں تب جا کر آج شاہدِ مقصود کی صورت کو نظروں کے سامنے دیکھا ہے۔ (اور) اس دور ہی میں ایسا ہوا کہ ابرِ نیساں کی پیشانی پر اپنی ناکامی کی شرم کے پسینے کے موتی نہ رہے (اور وہ اس لیے) کہ اس (طویل) مدت کے اندوختے کو (اُس نے) اِس جلوس کی نذر کی تقریب میں شہریار سخاوت پیشہ کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ آفتاب تاباں کو یاقوت سازی کے لئے چمکتے رہنے کی (اس طرح) اجرت مل گئی کہ عرش نظیر تخت کی آرایش کر کے معدن کے جگر گوشے کی تمنا کا نقش کرسی پر بٹھا دیا۔ آسمان کا اس جلوسِ سعادت آثار کے مبارک[2] ہونے میں زمین پر احسان ہے اور زمین کو آسمان کی نظر میں یہ شان حاصل ہے کہ وہ احسان کی گراں باری کے سبب جگہ سے ہل نہیں سکتی اور آسمان اس رعبِ شوکت وشان سے زمین پر ایک جگہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ صبحِ مراد کے طلوع ہونے کا اور آفتابِ اقبال کے چمکنے کا وقت ہے۔ اقبال مندی کا جھاڑ گل افشانی کر رہا ہے اور فتحمندی کی نسیم خوشبو پاشی۔ چتر (تخت) کا آسمان سازی کا ارادہ ہے اور علمِ (سلطنت) پروین فشانی کے مرتبہ پر (پہنچ گیا) ہے۔ زمانے نے اہل زمانہ کے ساتھ (ہم آواز ہو کر) نعرۂ عیشِ دوام لگایا ہے اور اہلِ زمانہ نے زمانے سے مسرت جاوید حاصل کی ہے۔ وہ نذر جو بصد طریق اپنی جبینِ نیاز آپ کے آستانۂ فلک نسبت پر گھِس سکتی ہے کہ بادشاہ کی علوئے بارگاہ میں درخورِ قبول ہو سکے' جناب عالی کے کمترین غلاموں کی جانب سے نظر گاہ عنایت شاہی سے گزرتی ہے۔ قبولیت کے عطیے کی عطا سے کہ متاعِ آبرو کی کسوٹی ہے روائی آرزو کی سرخ روئی کا سوالی ہوں۔ (خدا کرے) سلطنتِ خداداد کے روشن ستارے کی بنیاد جاودانی ہو اور سمندِ اقبال' حضرتِ صاحب الزماں (امام مہدی) کے عزم کے رہوار کے ساتھ ہم عنانی کا شرف حاصل کرے۔

۱۔ متن میں 'جہد اگر' ہے جو نادرست ہے۔ 'جہد گر' درست ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم ومرتب)

۲۔ متن میں 'خستگی' درج ہے جو نادرست ہے۔ ترجمہ 'خجستگی' سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم ومرتب)

بنام مولوی سراج الدین احمد

خط-۱

اے مخلص کو نوازنے والے، فرو ماندگانِ غم دوری اگر سانس بھی لیں تو تصنع کے لیے بدنام ہو جائیں گے اور زور آوری کے لیے ان پر انگلیاں اٹھنے لگیں گی۔ اس گروہ کا درد دل آرایشِ گفتار کا متحمل نہیں ہوتا اور اس حلقے میں کثرتِ الفاظ کی سمائی نہیں۔ نتیجتہً مجھ جیسے شخص کے لیے کہ ان ہی میں سے ہوں، یہی بہتر ہے کہ قلم کو پابندِ تحریر مدعا رکھوں تاکہ اس کے بعد جب کبھی بابِ سخن میں میرا امتحان ہو تو نارسائی فکر اور عجزِ بیان (کے الزام) پر اپنے آپ سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

جنابِ عالی کو یاد ہوگا کہ میں نے مکرمی مولوی نورالحسین سمہ اللہ تعالیٰ کو ایک خط بھیجا ہے اور (آپ کے) خدام کو یہ زحمت دی ہے کہ اس کو لکھنؤ بھیج دیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ہو بھی چکا ہوگا لیکن چونکہ لکھنؤ سے اس کے پہنچنے کی نوید نہیں ملی، اس فکر سے پگھل جا رہا ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خط مکتوب الیہ تک پہنچا ہی نہ ہو اور وہ دل میں یہ خیال کرے کہ غالب کو عہد وفا کا پاس نہیں، اس نے دیرینہ تعلقات کو بھلا دیا اور جنبشِ قلم میں کوتاہی دکھائی۔ خوب ہو اگر لکھنؤ سے اصرار کر کے اس کا جواب منگوا لیں اور مجھے بھیج کر اس تشویش کی قید سے نجات دلائیں۔

دوسرے یہ کہ عرصے سے میری یہ خواہش ہے اور یہی وعدہ بھی ہے کہ نظم و نثر سے جو کچھ بھی فراہم ہو چکا ہے وہ جناب کی نظر گاہِ قبول میں پیش کروں گا۔ تو اس میں سے انتخاب دیوانِ ریختہ مخدوم مکرم و مطاع معظم حضرت مولوی غلام امام شہید اللہ، خدا ان کے سایے کو دوام بخشے، کے بندگانِ والا شان کے سپرد کر رہا ہوں کہ اس کے پہنچنے کا اس سے زیادہ محفوظ اور احسن طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ (رہے) دیوان فارسی و مجموعۂ نثر تو وہ اس کے بعد پہنچیں گے۔ لیکن مجموعۂ نثر کی تکمیل میں ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ وہ تو جناب مخدوم کی غمخواری پر منحصر ہے۔ اور وہ غمخواری میرے نقش خیال کے مطابق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ میری تحریروں میں سے جو کچھ بھی آں جناب کی نظر میں اعلیٰ ہے وہ مجھے واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ بھی بطریق انتخاب و انتقاد اس جریدے میں شامل ہو جائے۔ چونکہ اتنے زیادہ کاغذات کا ڈاک سے بھیجنا بے جا صرفے کا باعث ہے میری خواہش ہے کہ میرے خواجہ تاش دھیان رکھیں اور جب کسی کو اس شہر آتا دیکھیں وہ اوراق اس کو دے دیں کہ مجھے پہنچا دے۔ باقی سوائے اس کے کہ جب تک زندہ ہوں (آپ کا) بندہ ہوں۔ (اور) کیا کہوں کہ محبت کی جگہ دل میں ہے زبان پر نہیں۔ (خدا کرے) آپ کی راتیں دن کی طرح روشن اور دن نوروز کی طرح مبارک ہوں۔

خط-۲

اے مخلص کو نوازنے والے، اس زمانے کی بختاوری کا شاگرد ہوں اور اس نیک بختی پر اپنے آپ کو مبارکباد کہتا ہوں کہ دو ہفتے کے عرصے میں میری آنکھیں آپ کے خط کی تحریر سے دوبار روشن ہوئیں۔ پہلے مولوی نورالحسین صاحب کا خط یہ عطیہ لایا اور اس نے گورنر کے لشکر کے قیام و حرکت کی اطلاع دی۔ اور دوسرا وہ خط تھا کہ جس نے وہ راز جو اپنی بیش قیمتی کی بنا پر جان کے برابر اور آئینِ

(حیات) کے لئے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے' آشکار کیا۔ خدا آپ کو ہمیشہ زندہ رکھے کہ آپ قالبِ انسانیت کی روح ہیں۔ حکم بجا لایا اور احسان اپنے اوپر کیا۔ ایک عرض داشت بنام نامی مخدوم حضرت قاضی القضاۃ پسندیدہ عادات پہنچ رہی ہے۔ چونکہ کھلی ہوئی ہے آپ بھی پڑھ لیجئے گا اور مکتوب الیہ کی خدمت میں بھیج دیجئے گا اور جو کچھ بھی ان کے لب ہائے حیات بخش سے ادا ہو مجھے اس سے آگاہ فرمادیں۔ اگرچہ میں اس گناہ کے سبب جو مجھ سے سرزد ہوا ہے' اس کے لائق نہیں کہ مخدوم کی تحریرِ قلم میری عزت افزائی کرے' لیکن (پھر بھی) اگر محض عنایت کے طور پر اس معذرت نامے کا وہ جواب دے دیں تو اس کو مجھے ارسال کردیجئے کہ بازوئے اندیشہ پر حفاظت کے لیے (تعویذ کے طور پر) کام آئے۔ والسلام والاکرام۔

خط-۳

میرے آقا' ایک زمانہ ہوگیا کہ آپ کے گوہریں خط سے آنکھیں سرمگیں نہیں ہوئیں۔ اس سے پیشتر بندہ نوازی کے ضمن میں جو بھی (آپ نے) تحریر کیا نگینِ خاطر پر نقش ہے۔ اس ذیل میں خاص طور پر ایک خلجان میں مبتلا ہوں (اور وہ یہ) کہ خیال کے حساب کے مطابق (اور) شمارِ منزل کو نظر میں رکھتے ہوئے تو جواب کے ملنے کی مدت ختم ہوگئی۔ اور ابھی تک اس بہار کا کوئی رنگ نظر نہیں آتا۔ میری سرگذشت یہ ہے کہ اس اندھیر نگری کی عدالت سے کنارہ کشی کرکے میں اپنے شراب خانے کی دیوار کا نقش بن گیا ہوں۔ اپنی بزمِ خیال میں امید کی ایک شمع جلا رکھی ہے اور حاکمانِ صدر کی داد گری پر نظر جمائے بیٹھا ہوں۔ کیا کہوں کہ اطراف کے حکام نے کیا کیا طریق کار اختیار کئے ہیں اور ان کا کیا لائحہ عمل ہے۔ اگر کچھ عرصہ اور اسی طرح گزرا تو بستیاں سیلاب فنا میں غرق ہوجائیں گی۔ خاص طور پر اس شہر میں جہاں ہر خاص نے چغل خوری اور شکایت پیشگی اختیار کر رکھی ہے اور چونکہ حکام ان لوگوں کی باتوں پر کان دھرتے ہیں ایک دنیا اپنے مال و منال کے ضمن میں خوف زدہ ہے۔ فرو ماندگان کے لیے صدر کے دواخانے کے علاوہ اور کوئی جائے علاج بھی نظر نہیں آتی کہ اس بارگاہ میں زیادتی اور جانب داری کی گنجائش نہیں ورنہ ہر طرف غبار فتنہ بلند ہے اور ناانصافی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ آج کہ ستائیس رجب اور جنوری کی بارہویں ہے "جامِ جہاں نما" نے یہ خبر دی ہے کہ کلکتے میں وبا پھیلی ہوئی ہے[1]۔ مجھے کہ دوستوں کی فکر تھی کیا بتاؤں اس فکر سے کیسا پریشان رہا۔ امید کرتا ہوں کہ میری تشویش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی' اپنے متعلقین اور سارے احباب کی خیریت کی نوید جلد جلد' مہینے میں (کم از کم) ایک بار (ضرور) بھیجتے رہیں گے۔ خدا عمر دراز دے اور زندگی کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔

---

[1] متن میں یہ عبارت "منہ بہ اندیش دوستانم چگویم کہ از اضطراب برمن چہارفت۔ امید کہ مداد" جو نول کشور سے لی گئی ہے اور ترجمہ میں شامل ہے رہ گئی ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط-۴

مرکزِ قلب ونظر (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔حیران ہوں کہ جواں اقبال وجواں سال حاکم یعنی مسٹر اندرو اسٹرلنگ کی ناگہانی موت کا کیا مقصد ہے۔اور قضاوقدر کے کارخانۂ عالیہ کے کارکنوں کو اس عظیم سانحے سے کیا منظور ہے۔اب معلوم ہوا کہ غالب بدبخت کی آس وامید کی عمارت کو سپردِ سیلاب فنا کرنا چاہتے تھے اور وہ ممکن نہ تھا بجز اس ہوش ربا ہنگامے کے اظہار کے۔اس اندھیر نگری کے حاکم نے جسے فرانسس ہاکنس کہتے ہیں والیِ فیروز پور کے ساتھ عہد یکانگت کرلیا اور اس کی خاطر خواہ رپورٹ صدر دفتر بھیج دی۔ہر چند کہ پردہ داروں نے مجھے پردے[1] کے اندر پہنچنے کا موقع بھی فراہم کردیا اور اس راز کا کچھ حصہ مجھے بتا بھی دیا لیکن مجھے کوئی پریشانی نہ ہوئی۔میں نے دل میں کہا حق پرست وحق شناس اسٹرلنگ وہ شخص[2] ہے کہ سارا اختیار تو اس کے ہاتھ میں ہے۔چارہ گری کے لیے (تو) وہ ہی بیٹھے گا۔مشیت کو مجھ پر ہنسی آگئی اور اس نے وہ ڈول ڈالا کہ اس سے پیشتر کہ رپورٹ صدر دفتر پہنچے اجل نے میرے مرکز امید کو جالیا اور اس کی جہاں بیں آنکھ بند ہوگئی۔اس کے علاوہ نہیں معلوم کہ اس قضیے میں اس رپورٹ کا جو اس حاکمِ معصوم کش نے ارسال کی تھی کیا ہوا۔البتہ اتنا معلوم ہے کہ سکتر بہادر نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ تمہاری پرورش کے ضمن میں فرانسس ہاکنس صاحب کی تجویز صدر دفتر میں منظور ہوگئی ہے اور اس منظوری کی اطلاع بھی آگئی ہے۔میں نے پوچھا کہ جناب ریزیڈنٹ بہادر نے کیا تجویز کیا ہے۔بتایا کہ سابقہ طریق کار کو برقرار رکھا گیا ہے۔میں سناٹے میں آگیا اور فرطِ حیرت سے کیفیتِ جنون طاری ہوگئی اور میں نے دل میں کہا خدایا یہ بندۂ خدا کیا کہتا ہے۔میرے مقدمے کا تو اس سے بہتر نتیجے کا استحقاق تھا۔خدا کی قسم اسٹرلنگ کے نہ ہونے کو تو میں اپنے کام کے نتیجے کے لیے سرمایۂ بیچارگی وخستگی (ضرور) گردانتا تھا لیکن اس حکم کے وارد ہونے کا تو کبھی گمان بھی نہ تھا۔اب (یہ حال ہے کہ) چارہ گری کی چھ کی چھ جہتیں بند ہیں اور آسمان کے ساتھ ستارے بھی میرے مخالف نظر آتے ہیں۔اب میرا کام یہ ہے کہ انگریزی میں ایک عرضداشت (لکھوا کر) دارا جیسے دربان رکھنے والے نواب گورنر جنرل بہادر کے غلاموں کو ڈاک سے بھیج دوں اور اس میں اپنا پورا احوال مو بمو لکھ دوں اور آپ کا یہ کام ہے کہ میری فریاد کی مبادیات کو سکتر مال کے گوش گزار کردیں کہ ایک نامراد کی یاد آوری اور ایک مظلوم کی دادرسی کرے۔

فرد: بر دلِ نازکِ دلدار گرانی مکناد
خواہشِ ما کہ جگر گوشۂ ابرامے ہست

ترجمہ (خدا کرے) کہ میری (وہ) خواہش جو تکرار کا جگر گوشہ ہے دلدار کے دلِ نازک پر گراں نہ گزرے۔

۱- متن میں ''در پردہ بازم دادند'' ہے جب کہ ترجمہ ''در پردہ بارم دادند'' سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔(مترجم ومرتب)

۲- متن میں ''حق شناس کے ہست'' لکھا ہے جب کہ ترجمہ ''حق شناس کسے ہست'' سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔(مترجم ومرتب)

خط-۵

میرے آقا میرے مالک۔ رمضان کی سترہ تاریخ تھی کہ ریا کار وکج فکر بھائی افضل بیگ اپنے مکان میں رونق افروز ہو گئے۔ چونکہ شفقت اور بندہ نوازی ان کی فطرت ہے وارد ہونے کے دن مجھ سے ملنے (بھی) آئے اور (عزت افزائی سے) میرا سر آسمان پر پہنچادیا۔ آپ کو خوش خبری پہنچا رہا ہوں کہ مرزا افضل بیگ کو خان بہادر اور مقرب الدولہ کا خطاب ملا ہے اور اب ان کی انگوٹھی پر مقرب الدولہ افضل بیگ خان بہادر کھدا ہوا ہے۔ البتہ جس دن سے آئے ہیں بخار اور کھانسی اور سرفے میں مبتلا ہیں۔ فصد کھلوائی ہے اور مسہل لیا ہے تو قدرے افاقہ ہے۔ قصہ مختصر مجھے جس بات نے عاجز کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ مقرب الدولہ بہادر کے' جن کا ذکر اوپر ہوا' آنے سے دو دن قبل حاکم دہلی نے حاکم میوات کے وکیل کو اپنے پاس بلایا اور پیش کردہ کاغذ اس کو واپس دیتے ہوئے کہا کہ یہ جعلی ہے۔ اس کاغذ کی مہر اور دستخط مستند نہیں اور سرجان مالکم نے (بھی) اپنے تدبر و تجربے کے ساتھ (اس حقیقت کو) جان لیا ہے۔ اب میرے رشتۂ خیال میں چند (اور) گرہیں پڑ گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے۔ پہلی تو یہ کہ سرجان مالکم نے اس فارسی کی بے نام ونشان دستاویز کو (جعلی) ٹھہرایا ہے تو اس انگریزی رپورٹ کو بھی جو (اس کی ہی بنا پر) سرکاری دفتر میں تیار کی گئی ہے' غلط بتایا ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ فارسی کا خط اس انگریزی رپورٹ کی تنسیخ نہیں کرسکتا تو اتنی جلدی کس طرح واپس آ گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دونوں دستاویزات کا مقابلہ کیا جاتا تاکہ (معاملہ زیرغور) کا فیصلہ ہو جاتا۔ تیسرے یہ کہ یہ فارسی کا خط جو مدعا علیہ ہی کا پیش کردہ ہے جب اس کو واپس کر دیا گیا تو مدعی سے یہ کیوں نہ کہا گیا کہ اس میں لکھی ہوئی رقم وصول کرے اور زیادہ شور نہ مچائے۔ اس میں طرفگی یہ ہے کہ مرزا افضل بیگ جو ابھی حال ہی میں گورنر کے لشکر عالم گیر سے واپس آئے ہیں اپنے آپ کو اس خبر سے لاعلم نہیں سمجھتے۔ انہوں نے بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی کہ جو مجھے اس کشمکش سے آزاد کرسکے اور میرے دل کو سکون دے۔ مجبوراً آپ ہی سے یہ چاہتا ہوں کہ حتی الامکان ان اسرار سے آگاہی حاصل کریں اور مجھے اطلاع دیں تاکہ معلوم ہو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ زیادہ۔ زیادہ۔

خط-۶

میرے آقا۔ کیا کہوں میں اپنی قسمت سے کتنا شاکی اور شدت غم سے کتنا افسردہ ہوں۔ تین ماہ ہوئے کہ میرے مخدوم مرزا احمد بیگ خان اور مرزا ابوالقاسم خان نے ترکِ رسم وراہ کر رکھی ہے اور بے مروتی کے راستے پر چل نکلے ہیں۔ ان کی طرف سے نہ کوئی خط ہے اور نہ پیام۔ ایک دن داؤد بیگ میرے پاس آئے اور انہوں نے برسبیلِ تذکرہ مجھے بتایا کہ مولوی سراج الدین احمد کانپور پہنچ گئے ہیں۔ میں نے کہا افسوس کلکتے میں اب کوئی ایسا شخص نہ رہا جو میری چارہ گری' اور رہنمائی کرسکے اور وہاں کے ہنگامے میں جو کچھ بھی کہ رونما ہو مجھے لکھ سکے۔ مجھے خیال تھا کہ مرزا ابوالقاسم خان نے وعدہ کیا تھا کہ جب کرنیل ہنری املاک صاحب بیماری کی باقیات سے نجات پالیں گے تو وہ ہاکنس صاحب کے لیے ان سے ایک سفارشی خط لے کر مجھے پہنچادیں گے۔ ان ہی دنوں میں عمائدینِ فرنگ میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ کرنیل ہنری املاک کا انتقال ہو گیا۔ افسوس میرے حالات پر کہ اس شہر بے شہر یار میں پتھروں سے سر پھوڑ رہا ہوں اور ناکامی میں جان دے رہا ہوں۔ میرا دشمن صاحب مرتبہ و مالدار ہے اور میں مفلس وتنہا۔ خلقت میرے درپے آزار ہے اور

لوگ میرے خون کے پیاسے۔ خدا کے واسطے اگر آپ کانپور اور وہاں سے لکھنو آ چکے ہیں اور وہاں سے اپنے دولت خانے میں پہنچ کر استراحت پذیر ہیں تو مجھے چند سطریں کلکتے کی عدالت کے حالات کی لکھ بھیجیں کہ میری جان کو آرام اور دل کو صبر میسر ہو۔ والسلام۔

خط-۷

جس[۱] ہستی کے پاکیزہ ترین اجزا تحلیل ہو جائیں اور کثافت رہ جائے جس طرح شراب سے اس کی تلچھٹ اور آگ سے اس کی راکھ اور (اگر) اس کو دوست کے قدموں میں نچھاور کروں تو ڈرتا ہوں کہ اس کے پائے نازک کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر اس تصدق ہونے پر آمادہ نہ ہوسکوں تو دنیائے محبت میں شرمندہ رہوں گا۔ سو خدایا کیا کروں کہ حق محبت کی ادائیگی بھی ہو جائے اور مہربانی کی سپاس گزاری بھی۔ گرامی نامے کے مشاہدے نے آنکھوں کو محبوبِ تمنا کے جلوہ کا آئینہ دار بنا دیا اور دنیا جہاں کے اسرار نظروں پر منکشف ہو گئے۔ قوی امکان یہ ہے کہ جب یہ خط کہ جس کا جواب میں تحریر کر رہا ہوں روانہ ہو جائے گا' تو میرا دوسرا خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ بوجھ وزنی ہے۔ برائے خدا ہمت کے شانے نہ چرائیے اور اس بار کو فیاضانہ کھینچیے اور میں جانتا بھی ہوں کہ آپ اسی طرح کریں گے کیونکہ آپ اہل کرم اور صاحب مرتبہ لوگوں میں سے ہیں۔ اس عدالت کا احوال اور اس محکمے کے حالات میری نظر میں ہیں۔ سچ یہ ہے کہ آپ بھی درست ہی کہتے ہیں لیکن کسی ماتم زدہ کا دل بین کرنے کے بغیر تو تسکین نہیں پاتا اور دکھی بجز مرہم اور کچھ نہیں مانگتا۔ خدا کی قسم اگر جارج سوئنٹن مہربان ہو جائے اور اظہار حق کی صحیح کوشش کرے تو میرا مدعائے دل حاصل ہونا آسان ہے اور میں اس قدر خود بھی جانتا ہوں کہ اُس کی رائے اس دعوے میں میرے حق میں ہے' اور یہ تو میری کم ظرفی ہے کہ آپ کے سامنے اپنی سفارش کر رہا ہوں ورنہ حقیقت میں میرا کام آپ ہی کا ہے اور اگر اپنے کام کو آپ کا کام نہ سمجھتا تو یہ اہم راز کس طرح (کھول کر) درمیان رکھ دیتا۔ ہر وہ خط کہ جو میری طرف سے آپ کو ملے اس کو پڑھنے اور مولانا کو دکھانے کے بعد پھاڑتے رہیے اور جلاتے یا پانی میں بہاتے رہیے۔ (ماشاءاللہ) آپ میں کام کرنے کا حوصلہ ہے۔ والسلام۔

خط-۸

قبلۂ من۔ نامۂ دل کشا کے درود نے روح کو تازگی کی خوش خبری سے نوازا اور میرے دل کو نورِ آگہی سے روشن کر دیا۔ مجھ پر واضح ہو گیا کہ میں بیکس نہیں اور میرا بھی کوئی (غمخوار) ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اور حیاتِ ابدی دے۔ آپ کی جانب سے اور حالات کی بے رونقی کے سبب دل میں یک گونہ افسردگی در آئی۔ خدائے کریم آپ کو کہ نیکوں میں سے ہیں اپنی حفاظت میں رکھے اور حالات میں کیسا ہی انقلاب آئے ترقی نو بہ نو سے سرافراز کرے۔ زمانے کے خوش و ناخوش کو اہمیت نہ دیجیے' رخ خلق خدا کی اور دل خدا کی طرف رکھنا چاہیے۔ خدا کی قسم جب کبھی میں آپ کے احوال پر نظر ڈالتا ہوں تو دل جلنے لگتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ میں اس سفر کی صعوبت اور مصارف سفر کا سوچتا ہوں۔ اس پر بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ اپنی آرام گاہ پہنچ گئے اور راستے کی تکلیف ختم ہوئی۔

۱- متن میں 'جائے کہ' ہے جب کہ ترجمہ 'جانے کہ' سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

گرامی نامے کے مضامین کلیتاً ذہن نشین ہو گئے ہیں۔اپنے بارے میں یہی خیال ہے کہ ناکام نہیں رہوں گا اور مجھے انصاف نصیب ہوگا چونکہ میں اپنے حقیقی حق کے ظہور کا طلبگار ہوں اور (قدرت) ایسے کسی شخص کو محروم نہیں چھوڑتی۔

مخدومی مرزا احمد بیگ خان کی جانب سے جو کچھ بھی تحریر تھا' اس کو گوش ہوش کا آویزہ بنالیا گیا۔خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کی قسم کہ میں نے مرزا صاحب کی طرف سے کبھی ایسی بات کا گمان نہیں کیا ہے جو افسردگیٔ دل کا سبب ہو۔لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ چونکہ میں کلکتے میں نہیں ہوں تو ایک شخص نے میرے پیچھے مرزا صاحب سے ہنگامہ یگانگت برپا کر کے خلوت وجلوت میں اپنی مطلب برآری کے حق میں چند حکایات (ضرور) گوش گزار کی ہوں گی اور مرزا صاحب نے ان پر یقین بھی کر لیا ہوگا۔اور کچھ نہیں تو اتنا تو اس نے ضرور سوچا ہوگا کہ مدعی استحقاق رکھتا ہے' اور اسد اللہ زیادتی کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ حق پر پردہ ڈالے اور اتلاف حق میں کوشاں ہو۔ جب میرے صفحہ خاطر پر یہ خیال نقش ہو گیا' میں نے بھی صبر وتحمل سے کام لیا اور استاد کا یہ شعر پڑھا۔

فرد: دل برجفانهم که بجز صبر چاره نیست
اکنون که دوست جانبِ دشمن گرفته است

ترجمہ: میں دل کو جفا کا خوگر کرلوں کہ بغیر صبر کے چارہ نہیں اس وقت جب کہ دوست بھی دشمن کا طرفدار ہو گیا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ مجھے (اس نے) سادہ دل وراست گو پیدا کیا ہے۔جو کچھ بھی میرے دل میں تھا وہ میں نے زبان سے کہہ دیا۔اب بھی اگر کیش مہر ووفا میں گنہ گار ہوں تو خوف سزا اور اگر در خور بخشائش ہوں تو تقصیر کی معافی کی خوش خبری۔والسلام

خط-۹

یہ مولوی سراج الدین احمد کے نام غالبؔ غم زدہ کا زاری نامہ ہے۔گزارش مدعا کا عنوان یہ کہ نامۂ بہار یہ نے نسیم ورود کی حرکت سے میرے جیب وگریباں کو پھولوں سے بھر دیا۔جواب میں تاخیر میری لاپرواہی کے سبب نہیں ہوئی (بلکہ) میں چاہتا تھا کہ کچھ متاعِ تحریر فراہم ہو جائے اور پردہ سے آگاہی کی تجلّی کی بجلی چمکے (تب لکھوں)۔اب کہ مدعا طلبی کا راستہ طے ہو چکا ہے قلم نے بھی شگاف سر سے آغاز کیا اور شوق نے جواب تحریر کرنے کے ہنگامے کی تیاری کی۔

اے فیض رساں' آپ کے گرامی نامے سے مجھے سخاوت سے فیض پہنچانے والے قبلہ وکعبہ حضرت مولوی ضیل الدین خاں کی صحت مندی کی اطلاع ملی۔حقیقت یہ ہے کہ میں اس نوید کا متلاشی (بھی) تھا۔میری طرف سے آدابِ زمین بوسی پہنچ ئیں اور خط نہ لکھنے کی معذرت ایک بار پھر کرلیں۔امید ہے ایک دو ہفتے میں جب میری طبیعت بحال ہو جائے گی' ان کو تحریراً اپنی یاددہانی کرادی جائے گی۔

مزید یہ کہ ستاروں اور آسمان کی گردش سے جو کچھ مجھے پیش آیا وہ یہ ہے کہ چار مئی کو جب بدھ کا دن تھا اور عربی مہینے کے مطابق ذی قعدہ کی گیارہویں تاریخ' میرے مقدمے کی رپورٹ اس جائے عدالت سے صدر (دفتر) روانہ ہو گئی۔ ہے ہے' کیسی رپورٹ اور کہاں کا مقدمہ' رپورٹ حبشیوں کے بالوں کی مانند پیچ در پیچ' احوالِ دل زدگاں کی طرح درہم برہم' ایک جہانِ آرزو کے قتل کا

فتویٰ ریزشِ آبرو کا فرمان۔

چونکہ شروع میں حاکم شہر کو اپنے اوپر مہربان تصور کرتا تھا اب شرم آتی ہے کہ بات بڑھاؤں اور شکوہ شکایت آغاز کروں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر میری امید کو صدر دفتر کی تحریر کی پشت پناہی نہ ہوتی تو اس محکمے کے ہر کارے میرے مقصد کی بنیاد میں رخنے ڈال دیتے اور حاکم کو مجھ سے برگشتہ کر دیتے۔ قصہ مختصر آج تک تو معاملہ کا احوال یہ ہے۔ اب (دیکھیں) کل کیا رونما ہوتا ہے اور پردۂ (غیب) سے کیا باہر آتا ہے۔

خط-۱۰

مطاع و مخدوم و قبلۂ غالبؔ اگر بھاری غم نے میرے دل پر قدغن نہ لگائی ہوتی تو میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ میں شکوے میں کیا کیا طریقے ایجاد کرتا اور گلے میں کیسے کیسے جھگڑوں کے ڈول ڈالتا۔ آپ کا فائدہ میری ناکامی میں ہے ورنہ اگر مجھ میں تاب و تواں ہوتی تو آپ سے اس قدر دست و گریبان ہوتا کہ آپ کے دامن و گریبان کا نقصان ہوتا اور میرا چہرہ اور سر زخمی ہوتا۔ آخر خدا سے ڈریے اور انصاف کی بات کیجئے کہ میرا اور آپ کا معاملۂ (دل) اُس (مرحلے پر) پہنچ جائے کہ زمانے گزر جائیں اور مجھے یاد آوری کا ایک خط بھی نہ ملے۔ میں نے کہا کہ ایک نئے دکھ کے اظہار کی قید میں ہوں۔

ع: شکوہ کجا بخاطر ناشاد می رسد

ترجمہ: (بھلا) شکوہ دلِ ناشاد کا اظہار کہاں کر سکتا ہے۔

اگرچہ اس خط میں ان دو سطروں کی گنجائش بھی نہیں تھی لیکن فکر کو یہ پیچ و تاب رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا وہ ادا ناشناس دوست مجھے اپنے آپ سے خوش سمجھ رہا ہو اور اس گمان کے سبب خود کو تلافی سے فارغ (گردانے) اور میں نقصان زدۂ ازل اور رشتہ شکستۂ امید ہی رہوں۔

غرضیکہ اس خط کی تحریر کا اصل مقصد کچھ اس طرح ہے کہ میرے برادر مشفق نواب امین الدین احمد خان بہادر ابن فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ کا مکان بھی اس ہی موجِ بلا نے فنا کر دیا کہ جس نے میری کشتی توڑی تھی (اور اب) خونِ وفا میری گردن پر ہے کہ میں (اس) سفر میں ان کے ہمراہ نہ جا سکا۔

فرد: روئے سیاہ خویش ز خود ہم نہفتہ ایم

شمعِ خموشِ کلبۂ تارِ خودیم ما

ترجمہ۔ ہم نے اپنا روئے سیاہ اپنے آپ سے بھی چھپا لیا ہے۔ ہم اپنی تاریک کوٹھری کی بجھی ہوئی شمع ہیں۔

میری فرو ماندگی اور بے بسی کو آپ اس بات سے سمجھ سکتے ہیں کہ میں انتہائی برداشت سے کام لوں اور امین الدین احمد خان بہادر کو سفر پر تنہا چھوڑ دوں۔ اس جرم کی سزا کے طور پر اگر قاضی محبت مجھے سفرۂ جرم پر بٹھا دے اور تیغ بے دریغ سے میرا خون بہا دے تو میں اس کا سزاوار ہوں۔ اور اس ضمن میں لطف کی بات یہ ہے کہ اس موضوع پر میں جب بھی بات کرنا چاہتا ہوں اور معذرت کی مجلس

سجانا چاہتا ہوں، شرمندگی زیادہ ہو جاتی ہے اور خجالت بڑھ جاتی ہے۔ ممکن ہے سراج الدین احمد اس تلافی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تا کہ میں اس پریشانی کے بوجھ سے سبکدوش ہو جاؤں اور شرمندگی کی گرد چہرے سے جھاڑ دوں۔ یعنی غمخواری و مسافرنوازی کے لیے خوب کمر کس لیجیے۔ اور اپنے آپ کو امین الدین خان کا دیرینہ دوست تصور کرتے ہوئے ایسی چارہ سازی اور دل جوئی بجالایئے کہ گھر سے دور وہ دردمند (یعنی امین الدین احمد خان) اسد اللہ روسیاہ کو بھول جائے اور آپ کو اس کی جگہ سمجھے اور یہ بات برادر گرامی سے' خدا ان کو سلامت رکھے' کہہ بھی دی گئی ہے کہ وہ جب کلکتے پہنچیں اور آپ سے ملیں تو یہ جانیں کہ اسد اللہ ان سے پہلے کلکتے پہنچ گیا ہے۔

ان تمام مراحل سے قطع نظر جو میں نے گنائے (یہ تو ماننا ہوگا کہ) آخر خدا تو ہے اور انصاف بھی ہے۔ اُس پیشانیٔ سعادت کی روشنی یعنی امین الدین احمد خان کی ناکامی اور مظلومیت کی داستان پتھر کا دل بھی پگھلا دیتی ہے اور فولاد کو بھی پانی کر دیتی ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ بھی لکھوں وہ بناوٹ میں تصور ہوگا اور میں بناوٹ سے (ہمیشہ) گریز کرتا ہوں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

خط-۱۱

فرد: رسید نہائیے منقارِ ہما بر استخوان غالبؔ

پس از عمرے بیادم داد رسم و راہِ پیکاں را

ترجمہ: میری ہڈیوں پر جب ہما نے منقارزنی کی تو اے غالبؔ مجھے ایک مدت کے بعد برچھی کا طور طریق یاد آ گیا۔

ایک طویل مدت جب انتظار میں بسر ہوگئی تو آپ کا نامۂ گوہریں زینتِ گردن و گوش تمنا ہوا۔ میں ناز کرتا ہوں آپ کی سادگی و پرکاری اور اپنے آپ کو بچا لینے کے انداز پر کہ اپنے آپ کو شرمندہ بھی ظاہر کر دیا اور (اس میں) عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے بھی مرتکب ہوئے۔ بہر حال.

ع: عمرت دراز باد کہ این ہم غنیمت است

ترجمہ: تیری عمر دراز ہو کہ یہ بھی غنیمت ہے۔

قوی امید ہے کہ برادرِ والا صفات فخر الدولہ نواب امین الدین احمد خان بہادر پہنچ چکے اور آپ سے مل چکے ہوں گے۔ ان کے نام نامی کے لئے بھی ایک خط اس خط میں منسلک ہے۔ (یہ) ان کو پہنچا دیجئے اور ان کی قیام گاہ سے مجھے مطلع کیجئے۔ خدا کرے کہ وہ آپ ہی کے دولت خانے پر اترے ہوں اور روشِ تکلف نہ اپنائی ہو۔ آپ تحریر کرتے ہیں کہ چوں کہ تجھے یعنی راقم خط کو نواب امین الدین خان سے محبت ہے تو لازمی تمام مراحل پاسِ الفت کے ادا کئے جائیں گے۔ میں قربان جاؤں میرا اور ان کا تعلق ایسا نہیں کہ اس کے درمیان الفت و محبت کے الفاظ کی بھی گنجائش ہو چونکہ ان الفاظ سے دوئی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اور میرے اور ان کے درمیان دوئی نہیں ہے۔ لازمی جو (سلوک) آپ ان کے ساتھ کریں گے وہ میرے ساتھ ہوگا۔

مرزا احمد خان کے بیٹوں کا احوال معلوم ہوا۔ افسوس کہ ان کی موت کے بعد وہ انتظام قائم نہیں رہا اور ان کے بچے کم سنی ہی میں یتیم ہو گئے۔ قادرِ مطلق ان لوگوں کو یگانگت کی توفیق بخشے۔ اس سے زیادہ اور کیا لکھوں کہ لائق تحریر ہو۔ اگر آرزوئے دیدار ہے تو

اس کی انتہا کیا اور اگر غم روزگار ہے تو اس کے بیان کی طاقت کس میں۔ محررہ چودہ اکتوبر ۱۸۳۴ء۔

خط-۱۲

میرے آقا۔ آئینۂ سکندر کے مطالعے سے آنکھیں روشن ہوگئیں اور اس کی عبارت کی صفائی نے رشتۂ نگاہ میں موتی پرو دیے۔ اُس میں اچھے بیانات، مختصر خبریں، دل پسند نکتے اور نظر فریب نگارشات ہیں۔ آپ کا حکم تو (میرے) دل وجان پر چلتا ہے، اس اخبار کو متعارف کرانے میں میری زیادہ سے زیادہ کوشش ہوگی۔ اس شہر کے لوگ اخبار "جامِ جہاں نما" کی بے اعتباری پر ناراض ہیں۔ (اور یہ بھی ہے کہ) اخبار (بینی) کا صحیح ذوق نہیں رکھتے۔ انصاف بالائے طاعت، ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ جامِ جہاں نما کا مالک اس ہفتے میں جو خبر چھاپے اگلے ہفتے خود ہی اس کی تردید نہ کردے۔ ایک ہفتے میں سرکارِ فرنگی کی والئ لاہور کے ساتھ جاڑے شروع ہونے سے پہلے ہی (متوقع) جنگ کے بارے میں لکھتا ہے اور دو ہفتے کے بعد لکھتا ہے کہ وہ خبر غلط تھی۔ ایک ہفتے یہ خبر دیتا ہے کہ مسجد قلعہ اکبرآباد اور روضۂ تاج محل اتنی قیمت پر فروخت ہوگئے (اور) دو ہفتے بعد لکھتا ہے کہ حاکمانِ کونسل نے اس خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا۔ بہر حال آج کہ ہفتہ کا دن اور ستمبر کی چوتھی ہے آپ کا گرامی نامہ مجھے اوراقِ اخبار کے ساتھ مل گیا ہے۔ مبارز الدولہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر اور فخر الدولہ نواب امین الدین خان بہادر نے یہ اخبار دیکھا لیکن اس کا خریدار بننا پسند نہ کیا۔ اس کے بعد اس شہر کے معتمدین (اس پرچے کے بارے میں) جو کچھ بھی کہیں گے آپ کی خدمت میں عرض کر دوں گا۔ والسلام۔

خط-۱۳

جنابِ عالی، آج کہ جمعہ کا دن اور اپریل کی تیرہ تاریخ ہے مجھے خط لکھنے کی فرصت ملی ہے اور تقصیر کی معذرت چاہتا ہوں۔ واضح ہو کہ لارڈ ولیم بنٹنگ بہادر مارچ کی چھبیس تاریخ اس شہر میں پہنچ کر ریزیڈنٹی کی کوٹھی میں اترے۔ اور دو دن بعد لشکر اور شکر بازار کی جمعیت ختم ہوگئی اور لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اور وہاں سے خاصے کے خیمے شملے روانہ ہوگئے۔ صاحبان سکریٹر جابجا شہر میں رختِ اقامت ڈالتے رہے۔ مولوی محمد محسن اور مولوی سید محمد دو دن رات راقم کے مکان پر قیام پذیر رہے۔ (اور پھر) ریزیڈنٹی کوٹھی کی ہمسائیگی میں اپنی مطلوبہ گنجائش کا مکان [1] کرایے پر لے کر اس میں چلے گئے۔ شاہ دہلی کی نواب عالی جناب سے ملاقات نہ ہو پائی صاحب سکریٹر بہادر ریزیڈنٹ بہادر کی معیت میں بارگاہ خسروی میں حاضر ہوئے اور مختاران شاہی گورنری میں باریاب ہوئے۔

اپریل کی پانچ تاریخ کو اذنِ باریابیٔ عام دیا گیا تو لوگ جوق در جوق درجہ بدرجہ زمین بوسی سے فیضیاب ہوئے (اس وقت) انتظامی رسمیت ختم ہوگئی اور ضروری پوچھ گچھ بھی باقی نہ رہی۔ جس شخص نے چاہا نذر پیش کی اور جس شخص نے چاہا وہ صرف کورنش بجالایا پہلی بار میں والئ جھجر نواب فیض محمد خان نے اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ باریابی کی سعادت حاصل کر کے ایک سو ایک اشرفیوں کی نذر۔

۱۔ "کوٹھی ریسیڈنٹی" کے بعد مندرجہ ذیل عبارت متن میں نہیں ہے "بکرایہ گرفتند و در آنجا فرود آمدند۔ شاہ" چنانچہ اس کو نول کشور ۱۲۸۷ھ سے لے کر شاملِ ترجمہ کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

پیش کی اور نذر کی قبولیت اور عطائے خاتم الماس سے سرخرو ہوئے۔ پھر دوسرے جاگیرداروں کی باری تھی' جیسے امین الدین خان واکبر علی خان وودوندے خان اس کے بعد شاہی امرا' عمائدین شہر' اطراف کے وکلا' اور سرکاری دفتروں کے اہل کاروں (کی باری آئی)۔ واضح ہو کہ اس ہنگامے میں اعتماد الدولہ میر فضل علی خان نے بھی باریابی حاصل کر کے اور بیس اشرفیوں کی نذر پیش کر کے ایک انگشتری کے حصول کی عزت پائی۔ اور کیا لکھوں کہ اس کے سوا تحریر کرنا مقصود نہیں۔

خط-۱۴

میں آپ کے قربان' اپنے دل میں کہیں گے کہ اس اسد اللہ فریادی نے مجھے اپنے دیوانہ پن سے تنگ کر دیا ہے۔ خدارا دکھی دلوں کی آہ وفغاں سے ناراض نہیں ہونا چاہیے خاص طور پر مجھ جیسے دردمند کی کہ آپ کے خادموں میں سے ہے۔ منشی حسن علی صاحب کا خط پہنچا اور اس نے مجھے شرمندہ کر دیا۔ ان کو جواب دے رہا ہوں کہ خاطر جمع ہو اور باور کریں کہ وہ سر پھرا مزید زحمت نہیں دے گا۔ در حقیقت یہ تدبیر ایک ہوس اور طمع سے بڑھ کر نہیں تھی۔ اصل کام تو اس انگریزی کی عرضی کا ہے جو میں نے آپ کو بھیجی ہے۔ اس کے پہنچانے میں دلی کوشش کیجئے کہ اگر وہ درخواست قبول ہوگئی تو کام بن جائے گا ورنہ میں اور ناکامیٔ جاوید۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ محررہ پنجم جنوری ہفتے کے دن رات کے وقت چراغ کے سامنے سرخوشیٔ دماغ کی کیفیت میں۔

خط-۱۵

قبلۂ حاجات' گوہر آگیں نامۂ دل نواز ایک طویل مدت کے بعد پہنچا اور دل کو روشنی اور فراغ بخشا۔ میرے خط کے نہ پہنچنے کو افسردگیٔ شوق پر محمول کیا۔ (بھلا) میری موت پر محمول کیوں نہ کیا کہ آپ کی مزاج شناسی پر خوش ہوتا اور آپ کو اہل دل اور دانش ور شمار کرتا۔ مجھے اپنی اور اپنے ایمان کی قسم کہ آپ کی محبت کے ریشے میرے دل ودیدہ کے مغز میں (سرایت کر گئے ہیں) اور آپ کی محبت میری روح سے یکجان ہوگئی ہے۔ جب تک زندہ ہوں آپ کا غلام ہوں۔ وفا میرا آئین اور محبت میرا دین ہے۔ اگر خط لکھنے میں (کبھی) تاخیر ہو جائے تو اس کو (میری) غفلت پر محمول نہ کیا جائے۔ دل میں درد ہیں' نظر میں ہنگامے ہیں' خاطر میں کشمکش ہے' اور سر میں جنوں۔ میں کیا بتاؤں کیا کرتا ہوں اور میرے روز وشب کس طرح بسر ہوتے ہیں۔ جمنا داس اخبار نویس اور نواب فتح اللہ بیگ خان بہادر کے خطوط ہر ایک کو پہنچا دیے گئے اور جو کہا جا سکتا تھا اس سے بڑھ کر کہہ دیا گیا۔ خدا آپ کو سلامت رکھے کہ آپ نے مجھے نجات دلا دی۔ سبکدوش ہو گیا اور کشاکش سے چھٹکارا مل گیا۔ اب جمنا داس جانے اور اس کا نواب فتح اللہ بیگ خان اور شیخ علیم اللہ۔ میں درمیان میں تیر تقضا کا نشانہ نہیں ہوں۔ اندوہ دل' شکوۂ قسمت' فرط محبت' اور استواری وفا کے علاوہ اور کیا کہوں۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

خط-۱۶

قبلۂ حاجات، میں اپنی تقدیر کی عاجزی سے سلگ رہا ہوں کہ (دنیا) گھومنے کی خواہش کو جو عرصے سے میرے دل کا طواف کر رہی ہے، پورا کرنے کی توانائی میسر نہیں اور ایک نفیس زندگی بسر کرنے کی آرزو کی جو عرصے سے دل میں جاگزیں ہے تکمیل کی طاقت بھی نظر نہیں آتی چونکہ اس راقم خط کے ذہن میں یہ خیال بسا ہوا ہے کہ علایق کے بھنور سے دامن سمیٹ کر آزادانہ فراخیٔ عالم میں گھومے۔

میں سمجھتا تھا کہ (ان) جاڑوں کی ابتدا میں میری پریشانی اپنے اختتام کو اور میری خستگی اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔ چار و ناچار اس جال سے نکل بھاگوں گا اور جنگل کا رخ کروں گا۔ (لیکن) کام کی گرہ نہ کھل سکی اور اس ارادے کی تکمیل نہ ہو پائی۔

فرد: نومیدی ما گردشِ ایام ندارد

روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

ترجمہ: ہماری ناامیدی کا گردش ایام سے کوئی تعلق نہیں اُس دن کی جو تاریک ہو گیا، صبح و شام نہیں ہوتی۔

افسوس کہ میں اپنے گمان پر نادم ہوں اور اپنے انتخاب پر شرمندہ۔ کلکتے کے مجمع دوستاں میں میرا دل سوائے سراج الدین احمد کے اور کسی کے پاس قرار نہیں پاتا تھا اور میری الفت کو ان کے ضمیر منیر کے علاوہ کوئی دوسری جلوہ گاہ نہیں ملی (تھی)۔ اب کم و بیش ایک سال ہونے کو آیا ہے کہ مجھے یاد نہیں کیا اور اس فراموشی کی کوئی معذرت بھی نہ چاہی۔ آج کہ اٹھائیس دسمبر اور عیسوی سال ۱۸۳۳ء کا اختتام ہے اس بے خبری کے دکھ سے دل بھر آیا۔ ناچار خط لکھا اور (دل کی لگی کو) مخدوم کی طبع عالی پر ظاہر کر دیا۔ (اب) اگر آپ بذریعۂ خط یاد فرمائیں تو میرا (خوشی سے) جامے میں سمانا مشکل ہو جائے گا۔ شکوۂ فراموشی کی حکایت مختصر ہو۔

خط-۱۷

میری زندگی میری جان، آپ کے گرامی نامہ کے پہنچنے کے بعد میں اس فکر میں تھا کہ جواب دوں اور اپنی سرگذشت وضاحت سے لکھوں۔ کہ یکایک کل پیر کے دن پندرہ ذی الحجہ کو یہ شہرہ اٹھا کہ اخلاق کی نوازشوں کے مجموعے کا شیرازۂ وجود پریشان ہو گیا۔ ایوان سروری کی شمع بجھ گئی اور آگہی کے باغ کا شجر بے برگ و بار ہو گیا۔ عاجزوں کی دست گیری کرنے والا ہاتھ بے کار ہو گیا اور گرفتاران مشکل کی عقدہ کشائی کرنے والے ناخن میں پھانس لگ گئی۔ میرے منہ میں خاک، کس طرح کہوں اور اگر نہ کہوں تو کون ہے جو نہیں جانتا کہ مسٹر اندرو اسٹرلنگ مر گیا۔ وہ اس دنیا سے بجز نیک نامی کے کچھ نہ لے گیا۔ کاش کہ میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تاکہ یہ نہ سنتا کہ کیا ہوا۔ اب مجھے غم خواری کی امید بھی ہو تو کس سے اور دل کو کس کی چشم التفات کے خیال سے تسکین دی جائے۔ وہ رپورٹ کہ جو فرانسس ہاکنس بہادر نے میری دادخواہی کے ضمن میں صدر دفتر کو ارسال کی ہے کیا بتاؤں کہ کس قدر مایوس کن اور غم افزا ہے۔ مجھے فنا کے میدان کے اس سبک رفتار کی کارسازی پر بھروسہ تھا۔ اب چھیوں اطراف سے آسمان دشمن کے لیے بامراد ہے۔ اس خط کے جواب میں ہرگز تاخیر روا نہ رکھیے اور لکھیے کہ اُس والا گہر کو کیا پیش آیا اور انسانیت کے باغ کے اس جھاڑ کو کس آندھی نے اکھاڑ

دیا، ور اُس کے بعد اس کے دفتر کے کام کی انجام دہی کا کیا ہوا اور اس کی جگہ کس کو تعینات کیا گیا۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔

خط-۱۸

قبلہ وکعبہ! گرامی نامہ پہنچا۔ اور مرزا احمد بیگ کے فراقِ ابدی کی خبر ملی۔ میں بھی کس قدر سنگ دل وسخت جان ہوں کہ ایک دوست کی تعزیت پر خط لکھ رہا ہوں اور میرے اجزائے وجود پریشان نہیں ہوتے۔ کہتا تھا کہ دہلی آؤں گا۔ وعدہ فراموش' بے مروت نے راستہ ہی بدل دیا اور سواری کا رخ کسی اور منزل کی طرف کردیا۔ مانا کہ اس کو دوستوں کی خاطرداری عزیز نہ تھی' بھلا اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال کیوں نہ کیا اور ان کے سر سے سایہ اٹھالیا۔ ہائے اس کے دوستوں کا بے یار و مددگار ہوجانا اور افسوس اُس کے بیٹوں کا یتیم ہوجانا۔ ہر چند کہ موت کی شکایت نہیں کی جاسکتی اور پندارِ ہستی کے تانے بانے کے ٹوٹنے کا علاج بھی ممکن نہیں لیکن انصاف بالائے طاعت ہے۔ مرزا احمد کے مرنے کا یہ وقت نہیں تھا۔ اتنا صبر کیوں نہ کیا کہ میں کلکتے پہنچ کر اس کا نظارہ فروز چہرہ دوبارہ دیکھ لیتا (یا) اتنی تاخیر کیوں نہ کی کہ حامد علی جوان ہوجاتا اور (دنیاوی) امور اس کی فہم کے مطابق رواں ہوجاتے۔ افسوس کہ اس کا بڑا بیٹا بھی چھوٹا ہے اور ممکن ہے کہ وہ اپنے عقلمند باپ کے سرمایے کی صورتِ حال سے واقف اور بکھری ہوئی رقوم کی جمع آوری پر قادر نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب وہ سارا سرمایہ اس کے کف اختیار میں آجائے تو اس کو اڑا ڈالے اور اپنے زیرِ کفالت افراد پر ظلم کرے۔ اور چھوٹے بھائیوں کو محروم رکھے۔ اس صورت حال میں لازمی ایک عقلمند اور حق شناس امین کی ضرورت ہے جو اس مشکل کا حل تلاش کرے اور بے باپ کے بچوں کی غم خواری کرے۔ (تعریف ہے) اللہ کے لیے جس نے خوبیوں سے مزین کیا یہ کہنے والے کو۔

فرد: مرا باشد از دردِ طفلاں خبر

که در طفلی از سر برفتم پدر

ترجمہ: مجھے بچوں کے درد سے آگاہی ہے چونکہ میرے بچپن ہی میں میرے باپ کا سایہ میرے سر سے اٹھ گیا تھا۔

خدا کی قسم کہ ان بے بسوں کی غمخواری عینِ فرض وفرضِ عین ہے آپ کے اوپر بھی اور مرزا ابوالقاسم خان پر بھی۔ ان لوگوں کی بے کسی کو مدنظر رکھنا چاہیے اور غافل نہ ہونا چاہیے۔ اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

خط-۱۹

ہاں ہاں یہ ایک خط ہے غم زدہ اسد اللہ کی جانب سے اُس یارِ خود پسند کو جو دوستوں کی پرسشِ احوال سے بھی دریغ کرتا ہے اور دور افتادگان کو خط کے ذریعے (بھی) یاد نہیں کرتا۔ حیران کن امر یہ کہ ادھر دوست اس قدر بے پرواہ اور میں اس قدر پُرشوق کہ خط بھیجتا ہوں اور یہ تمنا کرتا ہوں کہ خط پہنچنے کے دن ہی جواب لکھ دیا جائے اور اُسی دن' اور اگر نا وقت ہوجائے تو دوسرے دن مجھے بھیج بھی دیا جائے۔

ع: زہے تصورِ باطل زہے خیالِ محال

ترجمہ: کیا کہنے اس تصورِ باطل کے اور آفریں اس خیالِ محال پر۔

میرے آقا' یہ دشوار طلبی نہ تو زیادہ گوئی ہے اور نہ ہی طول امل بلکہ دراصل چند گرہوں کی کشایش کے ضمن میں ہے جو مجھے بے چین رکھتی ہے اور میں آپ سے یہ کشایش چاہتا ہوں۔

اس سے پہلے یہ سنا جا رہا تھا اور چاہیے بھی یہی تھا کہ نواب گورنر جنرل بہادر حسب دستور (آہستہ آہستہ) چلتے اور دادرسی کرتے ہوئے آئیں گے اور دہلی پہنچیں گے اور یہاں سے گزریں گے اور اس شہر کے مغرب کا علاقہ طے کریں گے اور آفتاب کے برج حمل میں جانے کے قریب (موسم گرما) پہاڑ پر چڑھ جائیں گے اور گرمی وہاں گزاریں گے اور اس کوچ کے دوران ہر قسم کے اور ہر علاقے کے لوگ نوکری کرتے ہیں اور ہر ایک کا وقت کے تقاضوں کے مطابق کام سرانجام پاتا ہے۔ اب اچانک یہ شہرہ پڑا ہے کہ گورنر کی سواری کی زد (Beat of the Convoy) صرف الہ آباد تک ہوگی اور بس۔ اور اس ذیل میں لوگ دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ نواب والا الہ آباد سے کلکتے چلے جائیں گے اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ الہ آباد میں ٹھہریں گے اور دو تین ماہ وہاں آرام کریں گے۔ اس کشمکش سے میرا دل اپنی جگہ پر نہیں اور فکر پریشان ہے۔ چونکہ اس (الجھن) کا سرا نہیں مل رہا اور کسی کی بات قابل اعتماد نہیں' میں نے سوچا کہ آپ تو رہتے ہی اس ہنگامے میں ہیں اور (تا حال) کوکبۂ تاباں کا لشکر الہ آباد پہنچ ہی چکا ہوگا۔ البتہ اس ارادے کے بارے میں کہ دنیائے رازہائے نہانی سے تعلق نہیں رکھتا آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہوگا۔ ہرگز ہرگز لاپروائی نہ برتیں اور اس معاملے میں جو کچھ بھی معلوم ہو مجھے لکھیں۔ والسلام۔

خط-۲۰

مرکزِ خواہشات' ہر چند کہ درودِ گرامی نامہ نے میری جسم میں روح پھونک دی' لیکن مرزا احمد کی بہنوں کی آتشِ جنوں پر چھینٹا نہ مارا۔ حامد علی اپنی پھوپھیوں کے احوال پر کہ خود اس کی عاشق ہیں' توجہ کیوں نہیں دیتا اور اپنے بہی خواہوں کو خشک سلام سے کیوں نہیں نوازتا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ آپ جیسا شخص بھی اس کی سعادتمندی کی تعریف کرتا ہے' البتہ مجھے بھی اس سے بدظن نہیں ہونا چاہیے اور اس کو سعادتمند ہی گردانا چاہیے اور (اس کی) سنگدلی کو ہدایت و نیک بختی کے آثار تصور کرنا چاہیے۔

(آپ کا) فرمان یہ ہے کہ غالبِ خونیں نفس کے دردِ دل سے جو کچھ بھی نکلتا ہے خط میں بھی اس ہی کی نقش آرائی ہوتی ہے تاکہ مخدوم (بھی) اس سے نظر افروز ہوں۔ بات یہ ہے کہ میری ذات کو بادیہ پیمائی میں کوئی تامل نہیں۔ میں نے بہت خون (جگر) پیا ہے اور میں تو ایسا شخص ہوں کہ عالم عالم اپنے دل کے ٹکڑوں کو دامن میں لیے گھومتا پھرا ہوں۔ اگر چاہوں کہ ان سب کو (تحریراً) کاغذ پر پیش کروں تو یہ کاغذ طوالت کے سبب کلکتے تک پہنچ جائے گا اور پھر بھی میرا بیان تمام نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ مخدوم کو میرے نالہ ہائے زار سے

تعلق خاطر ہے، میں نے عہد کیا ہے کہ[1] ہر خط میں ایک دو غزلیں لکھتا رہوں گا تاکہ حکم کی بجا آوری کرسکوں (مزید) یہ حکم ہے کہ خط کو اُس جائے پیدائش کی خبروں سے آراستہ کیا کروں۔ جو کہہ نہیں سکتا اس کا کیا کہنا۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں نادر شاہ نے ایران پر تسلط حاصل کرلیا اور اس سرزمینِ سعید کو (اپنے) ستم سے ویران کرڈالا تو زمانے کے مزاج دانوں اور کیفر و پاداش کے مدبرین نے کہا کہ عقلاً یہ ہمارے اعمال ہی کی تشکیل ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا :

ع: زشتیِ اعمالِ ما صورت نادر گرفت

ترجمہ : ہمارے اعمال کی خرابی نے نادر کی صورت اختیار کرلی۔

اسی طرح ان دنوں داورِ اصلی یعنی حاکم حقیقی نے میری بری عادتوں، ناپختہ[2] خواہشوں اور تباہ کن لالچوں کو (ایک) قالب میں ڈال کر، غصہ کی آگ سے پگھلا کر ایک میانہ قد بڑے پیٹ والے ایک شخص کی صورت دے دی ہے اور اس صورت نے سب سے پہلے زہر بلا میرے اوپر ہی ڈالا اور مجھے تباہ کرڈالا۔ اور اس کے بعد وہ ہندوستان میں گھومتا ہے اور ویرانوں، آبادیوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں سیر کرتا ہے۔ منزل بمنزل، مرحلہ بہ مرحلہ ظلم کی آگ بلند ہورہی ہے اور لوگوں[3] کا مال اور ان کی جانیں اس آگ پر سپند کی طرح (ڈالی جارہی) ہیں۔ ممکن ہے کوئی ابرِ رحمت سمندر کی طرف سے اُٹھے اور اس سرزمین پر جسے ہندوستان کہتے ہیں، برسے ورنہ اس آتشِ بے پناہ کا بجھنا محال ہی نظر آتا ہے۔ غرض یہ کہ یہ خبر ہے رمز جو، معنی یابوں کے لیے لیکن صاف صاف کہنے والے ظاہر بینوں کے مذاق کے مطابق کھلے بندوں بھی نظر آتی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ لارڈ کونڈش بنٹنگ بہادر نے تیسری بار دہلی میں نزول اجلال فرما کر مژدہ باریابی دیا۔ جاگیر دار مشاہرہ خوار، بزرگ اور مالداران شہر گئے، بیٹھے، عطر و پان سے سرافراز ہوئے۔ غالبِ بےنوا جو اپنے اعمال کے باعث بے دست و پائی کی کیفیت کا شکار ہے، اس ہنگامے میں شریک نہیں ہوا اور بارگاہ نہیں گیا۔ سمندر سے کسی ابرِ رحمت کے نظر آنے کا منتظر، دراصل اشارہ ہے نئے نواب گورنر جنرل بہادر کے تشریف لانے سے۔ والسلام والاکرام۔

۱- متن میں مندرجہ ذیل عبارت ''کہ در ہر نامہ یک دو چامہ یعنی غزل می نگاشتہ باشم تا فرمان بجے آوردہ باشم فرمودہ آید'' کہ نول کشور ۱۲۸۷ھ سے لی گئی ہے اور شاملِ ترجمہ ہے، رہ گئی ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں 'طبع ہائے خام' ہے۔ ترجمہ 'طمع ہائے خام' سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

۳- متن میں ''دبال جانِ خلق'' ہے نول کشور میں ''وبال وجانِ خلق'' ہے۔ درست ''ومال وجان خلق'' معلوم ہوتا ہے ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط-۲۱

پناہ[1]۔ سو بار (خدا کی) پناہ' اے مولوی سراج الدین اُس خالقِ جہاں سے ڈر کہ جب قیامت (کی عدالت) لگے گی اور خالقِ کائنات انصاف کے لئے بیٹھے گا' میں روتا اور بین کرتا ہوا اس ہنگامے میں آؤں گا اور تجھ سے دست و گریبان ہو جاؤں گا اور کہوں گا کہ یہ (وہ) شخص ہے جس نے ایک عمر مجھے اپنی محبت کے فریب دیے اور میرا دل لے اڑا۔ چونکہ میں نے معصومیت سے اس کی محبت پر اعتماد کر لیا اور اس کو بہ حیثیت دوست منتخب کر لیا اس نے مجھے دھوکا دیا اور میرے ساتھ بے وفائی کی۔ خدارا بتا کہ اس وقت تو کیا جواب دے گا اور کیا عذر پیش کرے گا۔ افسوس ہے مجھ پر کہ زمانے گزرتے جا رہے ہیں اور مجھے خبر نہیں کہ سراج الدین کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اگر جفا وفا کے عوض ہے' بسم اللہ۔ جس قدر بھی تو چاہیے (کر) اور بڑھاتا جا کہ میرے پاس بھی مہر و وفا کی افراط ہے۔ البتہ جفا بھی افراط ہی سے ہونی چاہیے۔ اور اگر یہ تغافل کسی اور جرم کی سزا کے طور پر ہے تو پہلے مجھے میرا گناہ بتا دیا جائے اور پھر انتقام لیا جائے تا کہ میرے لیے بھی شکوے کی گنجائش اور بات کرنے کی جرات نہ ہو۔ میرا تو یہ حال ہے کہ گوناگوں مصائب اور طرح طرح کی تکالیف کے باعث میری معاش کافر کی عاقبت کی طرح ہے۔ جگر خونم خون ہے' دل میں آگ بھری ہوئی ہے' پیرہن میں کانٹے ہیں اور سر پر خاک ہے۔ خدا کسی کافر کو بھی ایسے (برے) وقت کا اسیر نہ بنائے اور کسی دشمن کو یہ رسوائی نہ دکھائے۔ ٹھیک ٹھیک میں ایسے تنہا راہرو کی طرح ہوں کہ صحرا میں جس کا پاؤں دلدل میں دھنس جائے اور وہ جتنا چاہے کہ اوپر نکلے لیکن نہ نکل سکے اور نیچے کی طرف جاتا جائے۔

والا قدر امین الدین احمد خان کہ جن کے چہرے پر میں دنیا کو دیکھتا اور جن کی ملاقات کو اپنی زندگی سمجھتا ہوں' کلکتے روانہ ہو گئے۔ مزید زندگی کی آرزو کس کے لیے کروں اور دل کو کس کے دیدار سے خوش کروں۔ میری بے بسی کا اندازہ تو اس (امر) سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا ہم سفر نہ بن سکا اور ان کو تنہا جانے دیا۔ کہتے تھے کہ کلکتے میں اپنے کسی دوست کا پتہ بتاؤ کہ جب وہاں پہنچوں تو تمہاری جگہ ہو اور میری غمخواری کرے۔ میں نے کہا کہ وہاں تو سوائے مولوی سراج الدین احمد کے اور کوئی بھی نہیں جو اس کا اہل ہو اور میرا دل اس کے علاوہ کسی پر قرار نہیں پاتا۔ چنانچہ میں نے جناب کے نامِ نامی کے لیے ایک خط لکھ کر ان کے حوالے کیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ جب آپ سے ملاقات ہو تو آپ ان پر دہ (گراں) قدر مہربانی کریں کہ ان کے دل سے تنہائی کا غم اٹھ جائے اور وہ آپ کو میری جگہ تصور کریں۔ والسلام۔

خط-۲۲

کل کہ گیارہ اکتوبر اور چار جمادی الاول تھی' انتیس ستمبر کا لکھا ہوا گرامی نامہ اوراقِ آئینۂ سکندر کے ایک لفافے کے ساتھ پہنچا۔ لیکن اس لفافے میں اخبارِ آئینۂ سکندر کو باوجود تلاش کے نہ پا سکا۔ صرف ایک اشتہار تھا اور کچھ نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ خط بند کرتے وقت اخبار رکھنا یاد نہ رہا۔ بہر حال اب کہنا یہ ہے کہ اس اخبار کی تشہیر میں میری کوشش بیان سے باہر ہے لیکن اتنی جلدی حصول مقصد ممکن

۱۔ متن میں صرف ''زنہار'' ہے جب کہ نول کشور ۱۲۸۷ھ میں ''زنہار صد زنہار'' ہے۔ ترجمہ نول کشور کے متن کے مطابق کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

نہیں۔ چونکہ ان دنوں منصف اعلی کی آمد آمد نے اطراف کے وکلا کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا ہے' کچھ اپنے آقاؤں (مقرر کرنے والوں) کے پاس چلے گئے ہیں اور کچھ تیاری میں مصروف ہیں۔ جب تک یہ ہلچل ختم نہیں ہوتی اور یہ پردہ نظروں کے سامنے سے اٹھ نہیں جاتا مقصد حاصل ہونا ممکن نہیں۔ جس طرح آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہوگا میرا کام تو دہلی کی عدالت میں تباہ ہو گیا۔ اب تو بس یہی سوچتا ہوں کہ اگر موت سے محفوظ رہوں تو پھر اُس دروازے پر جا پہنچوں اور اپنا درددل اُس لے میں سناؤں کہ ہوا کے پرند اور دریا کی مچھلیوں کو اپنے اوپر رُلا دوں۔

افسوس اگر میری معاش یہی پانچ ہزار روپے' دفتر سرکار کی اس تفریق کے ساتھ کہ جس کو نادان لوگ انصاف پسند کہتے ہیں' ثابت ہوگئی تھی' تو حاکمان صدر کو چاہیے تھا کہ مجھے دفتر سے نکال دیتے اور کہتے بکواس مت کر۔ جتنی یافت کہ تو نے بتائی ہے ملنے والی بھی اس سے زائد نہیں اور فیصلہ بھی یہی ہے۔ بے شک میں دیوانہ ہوتا اگر اس ملک میں واپس آتا اور ایک (ایسے) قبیلے سے کہ (سارے) میرے عزیز اور بھائی بند ہیں' جھگڑے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور ناجائز لڑائیاں کرنے پر خود کو مشہور کرتا۔ قصہ مختصر منشی نصراللہ کو درمیان پڑنے پر آمادہ کرنے اور جارج سوئینٹن سے مدد طلب کرنے میں (بھی) ایک ہدایت اور رعایت شامل تھی جس کے متعلق سوائے میرے اور کسی کو علم نہیں۔ لیکن کیا کروں کہ کام ہی بگڑ گیا خدا کے لیے' غور کرو اور میرے درد دل کو سمجھو۔ کولبرک' کرنیل ہنری املاک کے واسطے سے مجھ پر مہربان ہوتا ہے۔ اور ایک ایسی رپورٹ کہ اس سے بہتر نہیں ہوسکتی تھی' صدر دفتر بھیجتا ہے اور (اس بنا پر) ایک ایسا جواب کہ اس سے زیدہ فائدہ مند متصور نہیں ہوسکتا' صدر سے حاصل کرتا ہے۔ ابھی وہ جواب راہ ہی میں ہے کہ کولبرک معزول ہو جاتا ہے۔ اب باکنس نے جو کوبرک کا جانشین ہوا' میرے معاملے میں صدر دفتر کو ایسی رپورٹ بھیجی جو سلطنت میں کسی (متوقع) انتشار کو کفایت کرے۔ اب اس ناش میں مجھے مسٹر اسٹرلنگ سے امداد کی امید رہتی ہے۔ ابھی وہ رپورٹ صدر دفتر نہیں پہنچ پاتی کہ مسٹر اسٹرلنگ راہی راہ عدم ہوتے ہیں۔ (اب جو) سب سے بچھڑ کر میں جارج سوئنٹن کا دامن تھامتا ہوں تو (وہ) جلد ہی اپنی جگہ سے اٹھ جاتا ہے اور مشغلہ جہانبانی ہی سے کنارہ کش ہو جاتا ہے' سبحان اللہ اگر معزول ہو تو کولبرک' اگر مرگ ناگہانی کا شکار ہو تو اسٹرلنگ' اگر ولایت کو سدھارے تو جارج سوئنٹن' وران تمام صدماتِ جانکاہ کا سزاوار ٹھہرے تو فریاد بلب اسداللہ۔ اب مصلحت مجھے اس (ہی) میں نظر آرہی ہے کہ اس چارہ جوئی سے آپ بھی کنارہ کریں اور میرا وکالت نامہ جو منشی نصراللہ صاحب کے پاس ہے ان سے لے لیں اور اس کو پھاڑ ڈالیں اور (سارے جھگڑے سے) درگذر کریں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

خط-۲۳

میرے مالک' میرے آقا اتوار کے دن دوم جمادی الثانی سعی آوارگی کا خراسانی اونٹ دہلی کی خانقاہ میں پاؤں دامن میں سمیٹ کر بیٹھ رہا۔ ناز کرتا ہوں ان نیک لوگوں کے غمخواری اور دل داری کے دستور پر کہ اس سفر میں جن کے کف پا سے میری آنکھیں روشناس ہوئیں جس کے سبب مجھ جیسے پراگندہ مسلک کی نظر میں وطن پردیس سے زیادہ تلخ ہو گیا۔ دہلی پہنچ جانے سے کلکتہ کی جدائی کا غم نہیں مٹا' تو بھد مسرت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اہل بصیرت میں سے جو کوئی بھی مجھے دیکھتا ہے یہ نہیں سمجھتا کہ یہ (وہ) مسافر ہے جو

اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے اور اب وطن میں آرام کر رہا ہے بلکہ سمجھتا ہے کہ ایک غم زدہ ہے کہ اپنے وطن سے دور پڑا ہے اور داغ غربت کا تازہ نشانہ بنا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو وہ شخص کہ جس نے مولوی سراج الدین احمد‘ مرزا احمد بیگ خان‘ مرزا ابوالقاسم خان اور آغا محمد حسین کا ساتھ چھوڑا ہو (اس کو ایسا ہی نظر آنا چاہیے) حیرت کی بات یہ ہے کہ اس تین سال کے عرصے میں جو میری بیروں گردی اور صحرانوردی میں گذرا‘ عمائدین دہلی کے طور طریق ہی بدل گئے ہیں اور دوستوں کی فطرت سے مہر و وفا اٹھ گئی ہے۔ یکجان دوستوں میں سے ایک گروہ تو وہیں جا پہنچا کہ جہاں سے آیا تھا‘ اور بزمِ محبت کے سرمستوں نے جامِ فنا پی لیا۔ اکابرین اور اہل دل گمنامی کی خانقاہوں میں گم ہو گئے اور کمینوں اور کم عقلوں کے دن پھر گئے۔ عدالت کا حال دادخواہوں سے زیادہ خراب اور لوگوں کا دن بے وفاؤں کی آنکھ سے زیادہ سیاہ۔ جب سے آیا ہوں‘ ہر طرف بھاگا پھرا ہوں لیکن کسی کی فطرت میں حیا و شرم نظر نہیں آئی۔

معزول حاکم اپنے آپ میں مشغول ہے اور وہ حاکم جو (عہدے پر) تعینات ہے اس نے شہر کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ (یعنی حاکم معزول) اس کا امیدوار ہے کہ گیا ہوا پانی دوبارہ نہر میں واپس آ جائے اور یہ (یعنی حاکمِ منصوب) اقتدار کے زوال کے اندیشے کے باوجود دیو آسا اور شیطان فطرت ہے۔ لیکن جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے وہ عام لوگوں کی زبان پر ہے اور خواص کے قیاس میں۔ کام کا سرا کسی کو نظر نہیں آ رہا۔

اس گرامی نامے میں جو مجھے باندے میں ملا تھا‘ اور جس کا جواب بھی میں نے وہیں (رہتے ہوئے) دے دیا تھا ایک سطر گورنر کے جہاں کشا جھنڈوں کے کوچ کے بارے میں (بھی) تھی۔ وہ امر تا حال بروئے کار نہیں ہوا۔ یقیناً حکم رخصت نہیں ملا ہوگا۔ چونکہ صدرِ کونسل چاہتا ہے کہ اربابِ کونسل کو اس کے (متعلقہ) محکمے کے دفتر کے ساتھ اپنے ہمراہ لائے لیکن اراکین ایوان اس بات پر متفق اور ہمرائے نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ مجھے بے خبر[1] نہیں چھوڑیں گے اور اس ضمن میں جو بھی معلوم ہوگا تحریر کریں گے۔ خدا دولت کو افزائش دے۔

خط-۲۴

محورِ خواہشات‘ آپ کا نامۂ دل نواز ایک طویل مدت کے بعد ملا اور (اس نے) مجھے دوسری زندگی عطا کی تاکہ وہ عمر کہ جو غم میں گزری ہے اس کی تلافی کر سکے۔ لیکن ایسے دل کو جس کی طینت کو ہی غم میں گوندھا گیا ہو‘ خوش کرنا (اتنا) آسان نہیں۔ یاد آیا ہے کہ جب آپ کا خط پہنچتا میں اپنی جگہ سے مستانہ وار اچھل پڑتا تھا اور گویا دنیا جہان کی شادمانی سمیٹ لیتا تھا۔ لیکن اب خط کی تحریر پر نظر پڑی ہی تھی کہ دنیا میری آنکھوں میں تیرہ و تار ہو گئی۔ پہلی بات جس پر نظر پڑی وہ ایسی ہوش ربا خبر تھی کہ جس نے دل سے لے کر جگر تک خون کر دیا یعنی آپ کی ہمشیرہ کا راہیِ عدم ہونا۔ ہے ہے‘ یہ مخدومہ مرحومہ وہی ہیں نا کہ جب کلکتے میں آپ نے ان کی بیماری کی خبر سنی تھی تو آپ ہواس باختہ ہو گئے تھے اور آپ کے سراپا پر ایک سراسیمگی طاری ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ ان کی موت سے آپ پر کیا قیامت گزری ہوگی۔ وہ قادرِ پاک آپ کو صبر عطا فرمائے اور دل کی توانائی اور توفیقِ ثابت قدمی مرحمت کرے اور اس سانحے کو آپ کے

۱- متن میں ”بے جرم“ لکھا ہے لیکن ترجمہ ”بے خبرم“ سے کیا گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

روز نامۂ عمر میں دکھوں کا خاتمہ اور مصیبتوں کا اختتام گردانے۔

معلوم ہو گیا کہ جناب عالی کو نئی مصروفیت کی کوئی خوشی نہیں۔ بے شک اس انکشاف نے دل پر غبارِ ملال ڈال دیا۔ خدارا پریشان نہ ہوں اور کلکتے کو غنیمت سمجھیں۔ اس تری و تازگی والا چمنستان دنیا میں اور کہاں ہے۔ اس شہر کی خاک نشینی دوسری سرزمین کی تخت نشینی سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم کہ اگر میں صاحبِ اہل وعیال نہ ہوتا اور بیوی بچوں کی ناموس کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو جو کچھ بھی (موجود) ہے اس پر دامن جھاڑ کر اپنے آپ کو اُس جگہ پہنچا دیتا۔ (اور) جب تک زندہ رہتا اس ہی جنت کدے میں رہتا اور ہر قسم کی ناگوار ہواؤں کی تکلیف سے آرام پاتا۔ کیا کہنے وہاں کی ٹھنڈی ہواؤں کے اور خوش ذائقہ پانی کے۔ اور سبحان اللہ وہ خالص شرابیں اور اثمار زود رس۔

فرد: ہمہ گر میوۂ فردوس بخوانت باشد
غالبؔ آن انبۂ بنگالہ فراموش مباد

ترجمہ۔ اگر جنت کے سارے پھل بھی تیرے دستر خوان پر موجود ہوں (لیکن پھر بھی) غالبؔ وہ بنگال کے آم نہیں بھلائے جاسکتے۔

جناب کے خط ہی سے معلوم ہوا کہ قبلۂ جان و دل مرزا احمد بیگ خان نے درد پہلو (ذات الجنب) کے سبب (خاصی) تکلیف اٹھائی اور (اب) سید[1] واجد علی خان کے حسنِ علاج سے کافی افاقہ ہے۔ اللہ کا شکر اور اللہ کا سپاس۔ ان کے نام کا خط بھی ارسال کر رہا ہوں۔ پہنچا دیجئے اور میری طرف سے بہت بہت مزاج پرسی۔ والسلام۔

خط-۲۵

آج کہ جنوری کی اکتیس تاریخ ہے اور ہفتے کا بیچ یعنی منگل کے دن دوپہر کے وقت اسداللہ فریادی کے قلم کا تحریر کردہ یہ خط سرِ اطاعت خم کر رہا ہے، امید ہے کہ دلوں کے مرکز اور جانوں کے محور حضرت مولوی سراج الدین احمد کی نظر گاہ میں قبولیت کی روشنی حاصل کرے گا اور (ان کا) آفتابِ عنایت ذرۂ بے دست و پا کے سراپا کو جگمگا دے گا۔ کسی گمنام کو نامور کر دینا اور ناکس کو کس تصور کرنا بڑی مہربانی اور وقیع عنایت ہے خاص طور پر جبکہ وہ بڑی عنایت بغیر داعی کے اصرار کے رونما ہو اور وہ کمال مہربانی بغیر سائل کی درخواست کے ظہور میں آئے۔ دیکھنے والا اگر چشم حق بیں رکھتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اجزائے ممکنہ کو جو پردۂ عدم میں پوشیدہ رہے ہیں، محض اپنی مہربانی سے پیرایۂ وجود بخشا ہے اور ان معدومات پر اس عطیہ کا (بارِ) احسان نہ رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مناسب غور و فکر کیا جائے تو آئینۂ سکندر میں درج ایک قطعۂ تاریخ ان معنی ہی کی عکاسی کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ مہربانی[2] بغیر طلب ہوئی ہے اس لیے خواہش کی برآری کی امید کیوں نہیں رکھی جاسکتی۔ لازماً اظہارِ مدعا میں کچھ فاصلہ رکھ کر آرزو کو گفتگو کے اجرا تک پہنچایا جاتا ہے۔

۱- نول کشور ۱۲۸۷ھ میں "سید احد علی خان" ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں "این چنیں نوازش بمیاں" کے بعد مندرجہ ذیل عبارت "آمد- ہر آئینہ روائی خواہش را چگونہ چشم نتواں داشت۔ لاجرم در گزارشِ مدعا" جو نولکشور سے لی گئی ہے اور ترجمہ میں شامل ہے طباعت سے رہ گئی ہے۔ (مترجم و مرتب)

مخفی نہ رہے کہ حکام کی قدر ناشناسی اور بے سلیقگی نے یہ ڈول ڈالا ہے کہ فضلِ بے مثل و دانشورِ منفرد مولوی حافظ محمد فضل حق نے عدالت کی سررشتہ داری سے استعفیٰ دے دیا اور (اس طرح) اپنے آپ کو ننگ دعا ہونے سے چھڑا لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مولوی فضل حق کے مرتبۂ علم و فضل و عقل و عمل سے اس قدر نکال دیں کہ سو میں سے صرف ایک حصہ رہ جائے اور اس ایک حصہ کو عدالتِ دیوانی کے عہدۂ سررشتہ داری کے مقابل رکھا جائے تو پھر بھی یہ عہدہ ان کے مرتبے سے بہت پست ہوگا۔ غرض یہ کہ اس استعفے کے بعد نواب فیض محمد خان نے پانچ سو روپے ماہانہ ان کے مصارف کا مقرر کر کے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ جس دن مولوی فضل حق اس شہر سے رخصت ہو رہے تھے کیا بتاؤں اس شہر والوں پر کیا گزری۔ ولیعہد شاہ دہلی صاحب عالم مرزا ابوظفر بہادر نے مولانا کو رخصت کرنے کے لیے اپنے پاس بلایا اور ملبوس خاص کا ایک دوشالہ ان کے کاندھے پر ڈالا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جب کبھی بھی آپ کہتے ہیں کہ میں رخصت ہو رہا ہوں' مجھے سوائے اس کے کہ یہ مان لوں کوئی چارہ نہیں لیکن خداوند دانا جانتا ہے کہ لفظِ وداع دل سے میری زبان تک نہیں آتا بجز لاکھ جر ثقیل (کی مدد) کے۔ تو یہاں تک تو ولیعہد بہادر کی بات ہوئی۔ اور غالب سرگشتہ آپ سے یہ چاہتا ہے کہ مولوی فضل حق کی رخصت کا یہ واقعۂ ولیعہد بہادر کی رنجیدگی اور اہل شہر کی غمزدگی واضح عبارت اور دل نشین بیان کے ساتھ آئینہ سکندر میں طبع کرا دیجیے اور اس مہربانی کے لیے مجھے سپاس گزار شمار کیجیے۔ والسلام۔

خط-۲۶

اے مخلصوں کو نوازنے والے' عمریں ہوگئی ہیں کہ آپ کے نامۂ دلنواز کے نہ آنے سے مجھے حیات تو نہیں مل سکی ہے' لطف و عتاب تو التفات (ہی) کی عکاسی کرتے ہیں اور اہل محبت کے مذاق کے مطابق ایک دوسرے سے زیادہ خوشگوار (ہیں)۔ لیکن میں جو دیکھ رہا ہوں وہ تغافل ہے کہ اس کی تاب نہیں لائی جاسکتی بجز پہاڑ جیسے دل کے اور وہ میرے پاس ہے نہیں۔ نتیجۃً میں تاب نہیں لا سکتا۔ کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ان دنوں مجھ پر کیا گزری اور میرے (وجود کا) خشک کانٹا کس شعلے سے مقابل ہوا۔ اگر چہ آپ نے اس سماعت سے فراغت حاصل کر لی ہے لیکن میں اس کے کہنے سے فارغ نہیں۔ جس طرح کہا ہے

ع: بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم

ترجمہ: کوئی سنے یا نہ سنے میں تو گفتگو کروں گا۔

سولہ مئی کی تاریخ تھی اور چراغ و شمع روشن کرنے کا وقت کہ سررشتہ ایجنٹی کا چپڑاسی آ پہنچا اور ولیم فریزر بہادر کا ایک خط مجھے دیا۔ میں نے اس کو میزانِ نظر میں تولا تو مجھے وہ کچھ وزنی معلوم ہوا' اس سے زیادہ کہ اس کو ایک خط کہا جاسکے۔ کھولا تو دیکھا کہ مسٹر ولیم جی میکناٹن صاحب کا خط بھی اس میں منسلک ہے۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ کاغذات منتظمہ مثل مقدمہ' نواب معلی القاب نے دوبارہ مشاہدہ کیے اور فیصلہ کیا گیا کہ ہاکنس صاحب کی تجویز منظور کی جاتی ہے اور حاکم میوات کے جو پیش کردہ کاغذات ہیں ان پر دستخط و مہر اصلی ہیں اور بندوبست مندرجۂ سرکار غیر واضح اور نامکمل ہے۔ (تعریف) اللہ کے لیے جس نے کہنے والے کو یہ خوبیاں عطا کیں۔

ع: در خاندانِ کسریٰ ایں عدل و داد باشد

ترجمہ : کسریٰ کے خاندان میں ایسا عدل وانصاف ہوتا ہے۔

جس رات یہ حیران کن خط ملا اس کی صبح (ہی) یہ بری خبر سننے میں آئی کہ مولوی محمد محسن خفیہ نویسی کے جرم میں ماخوذ ہو گئے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ خبریں رنگارنگ ہو گئیں۔ چونکہ حسد پیشہ کم ہمت دہلوی جانتے تھے کہ میں بھی مولوی محمد محسن کے مخلص اور سچے دوستوں میں ہوں تو انہوں نے یہ طرح ڈالی کہ ہر روز دن میں دو تین بار کوئی ہرزہ گو میرے پاس آتا اور ہر بار ایک (نیا) جھوٹ جو (سابق سے) زیادہ دہلا دینے والا ہوتا بیان کرتا۔ یہاں تک کہ دو ہفتے بعد بلیک صاحب کی زبانی جو سکریٹری ایجنٹ دہلی کے عہدے پر فائز ہیں، میں نے سنا کہ کوئی ایسا جرم وقصور جیسا کہ مقدمے کی ابتدا میں احتمال تھا، مولوی محسن پر انجام کار ثابت نہ ہوسکا۔ نتیجتہً لارڈ صاحب نے ناخوش طبعی سے ان کو اپنے سے جدا کر کے برخاست کر دیا اور ان کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی۔ (اس طرح) اپنے دکھ سے جلتے ہوئے دل اور دوست کے غم میں بھنتے ہوئے جگر کے ساتھ میں نے یہ دن گزارے اور (ان کا) منتظر رہا یہاں تک کہ بائیس جون کو مولانا شملے سے تشریف لے آئے اور دریا کے کنارے ایک کشتی میں جو ان کی آمد سے پہلے ان کے لئے تیار تھی، اترے۔ میں گیا اور اس مہر ووفا کے مجسمہ سے ملاقات کی۔ معلوم ہوا کہ ان بزرگ کے لیے یہ پرلطف رخصت خدا ساز ثابت ہوئی۔ دو ماہ کی پیشگی تنخواہ کے علاوہ دفتر سے پروانۂ راہداری بھی حاصل کیا۔ قصہ مختصر انسانیت کے اُس پیکر کو میں نے الوداع کہا۔ کشتی نے لنگر اٹھایا اور مجھ پر ان کی جدائی اور اپنی نامرادی کے سبب شدید افسردگی مسلط ہوگئی۔ اللہ ان کا محافظ ہو اور مجھے دل کے اس غم میں صبر عطا کرے۔ والسلام۔

خط-۲۷

چار ماہ ہوگئے کہ آپ کے نامۂ فرزاں کے نہ پہنچنے سے میرے دن تاریک ہیں۔ میں کافر ہوں اگر گمان بے التفاتی آئے یا بے مروتی کا دل میں قیاس ہو۔ سرتاپا اس کش مکش میں ہوں کہ خط نہ پہنچنے کے بارے میں کیا گمان کروں۔ نہ ہی مجھ سے کوئی جرم ہوا ہے اور نہ ہی دوست کی طرف سے تغافل۔ نہ ہی ڈاک میں کوئی فتنہ ہے اور نہ ہی راستے میں کوئی خطرہ۔ یہ ساری باتیں درکنار اگر از روئے انصاف آپ کے لیے سرکاری کام کی زیادتی کا عذر تراشا جائے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (مگر) خدارا (پھر) مکرمی مرزا احمد بیگ خان کے لئے بھلا کونسا عذر سوچا جائے اور ان کے خط کے نہ پہنچنے کا میرے لیے کیا جواب مناسب ہوگا۔ رنگ رنگ کے افکار اور طرح طرح کے وسوسے دل میں آتے ہیں اور سودائی دل مجھے بے چین رکھتا ہے۔ میں اس پر بھی راضی ہوں کہ مرزا صاحب نے مجھے فراموش کر دیا ہوگا (خدا ان کو) صحت مند اور خوش رکھے۔ وہ خدا کہ جس نے مجھے بے کس پیدا کیا ہے اور آپ کو میرا غمخوار بنایا ہے، ممکن ہے کہ آپ کو محبت پر آمادہ کر دے تاکہ چند سطریں قلم سے لکھ کر مجھے بھیج دیں۔ اور کیا اچھا ہو اگر یہ آرزو زودترین وقت میں پوری بھی ہو جائے اور ابھی اس خط کے پہنچنے کی مدت پوری نہ ہوئی ہو کہ ڈاکیہ دروازے سے داخل ہو اور گرامی نامہ میرے حوالے کرے۔ میری دادخواہی کا انجام صرف اس قدر نہیں ہے کہ لارڈ کونڈش بنیٹنگ بہادر میرے مقدمے کے کاغذات دہلی کے دفتر سے اپنے ساتھ لے گیا۔ دفتر کے اہل کار کہتے تھے کہ سابقہ مقدموں کے کاغذات بھی کلکتہ صدر دفتر سے منگوائے ہیں تاکہ ان سارے کاغذات کو مشاہدہ کر کے آخری حکم دیا جاسکے۔ میرا دل آئینہ دار راز ہونے کے باوجود مجھے ناامید رکھتا ہے اور اس تناقض کے پیش نظر جو حکومت کے قوانین میں نظر آتا ہے

اور اس کش کش کے باعث جو میرے معاملے میں آ پڑی ہے اگر مثال کے طور پر میرے بارے میں قتل کا حکم صادر ہو جائے تو میں اس کو بھی بعید نہیں سمجھتا، اور اگر بالفرض کسی کی آدھی جاگیر مجھے بخش دی جائے (تب بھی) تعجب کی بات نہیں۔ چونکہ کوئی صحیح انصاف نہیں اس لئے جو کچھ بھی ہونا ہے سو ہوا کرے۔ والسلام۔

خط-۲۸

اسد اللہ سیاہ بخت کی طرف سے مخدومِ معظم حضرت سراج الدین احمد کی خدمت میں وہ سلام کہ جس سے زمین سے آسمان تک شکوے برسیں اور وہ پیام کہ سننے والے کو غصے[1] میں لے آئے، قبول ہو۔ اگر تغافل کسی مصلحت کی بنیاد پر ہے تو خوش ہو جایئے کہ آپ کو مجھ سے نجات مل گئی۔ اگر یہ دیوانگی، بیگانگی کے سبب ہے تو افسوس ہے کہ آپ کتنے بے مروت اور کتنی جلدی تعلق توڑنے والے ہیں۔

اگر آپ خط نہیں لکھ سکتے (تو) اتنا تو کر سکتے ہیں کہ فرماں روائے آبو کی آمد آمد کی خبر جو آپ سنیں، آئینۂ سکندر میں چھپوا دیں تاکہ مجموعی طور پر مستقبل میں امیدوار رہوں اور ممکن ہے کہ اس مرحلے پر میری امید بے محل نہ ہو۔

شمع و چراغ کے بجھنے کا اور ستارہ صبح کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہے۔ جو چراغ اور شمع کی روشنی میں نہ مل سکا اگر دن کی روشنی میں حاصل کر لیں تو تعجب نہیں۔ تازہ غزلوں کے ارسال کرنے کے ضمن میں اُس سے پہلے جو خوش خبری آپ نے دی تھی اس کا اثر ابھی تک جان و دل پر طاری ہے۔ جب تک کہ زخمِ دل کا کام خونابہ فشانی اور ناخنِ فکر کا وظیفہ جگر کاوی تھا، آپ نے میرا کوئی خط بغیر غزل کے نہ دیکھا ہوگا۔ لیکن اب کہ میری اپنے آپ سے گوناگوں لڑائیاں جاری ہیں، سخن گوئی کا قافیہ تنگ (ہو گیا) ہے۔ میں وہ شخص ہوں کہ اگر زمانے سے مجھے بہت نہیں تھوڑی سی آسایش بھی میسر آ جاتی تو اپنی توانائی فکر سے (زمانے کے) اربابِ فن کا پنجہ موڑ دیتا۔ قصہ مختصر اس پریشانیِ خاطر کے باوجود زبان پر جو کچھ بھی از قبیلِ شعر آیا (تو وہ) قلم کی وساطت سے آپ کی نگاہ التفات سے روشناس کرا دیا جائے گا۔ اے خدا (ایسا کر) کہ میرا مخدوم اپنی عادت سے جس کا دوسرا نام تغافل ہے شرمندہ ہو جائے۔ والسلام۔

خط-۲۹

میرے مالک، ان دنوں کہ غمِ روزگار کی شدت اس قدر ہے کہ اگر اس کا ایک جزو بھی تحریر کرنا چاہوں، (تو) قلم کی روانی رک جائے، کوئی اجنبی دروازے سے اندر آیا اور جناب کا گرامی نامہ مجھے دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ خط کے پتے نے مجھے اس فریب میں ڈال دیا کہ شاید اپنی کجروی میں آسمان کا پاؤں دکھنے لگا اور ستاروں نے دستورِ ناسازگاری ترک کر دیا ہے۔ میں اس پر خوش کہ زمانہ مسرتوں کے ہدیے نثار کرنے میں میرے ساتھ تنگدلی نہیں برت رہا ہے اور آسمان کو یہ فکر کہ قیدِ غم سے دل کو اور بھی نڈھال کر دے۔ میں سمجھ گیا کہ میرے مخدوم کا دل زمانے سے خوش نہیں ہے۔ ناچار بارِ غم میں اضافہ ہو گیا اور دل کی پریشانی بڑھ گئی، خیال کو روز افزوں پراگندگی

---

[1] متن میں 'بچشم آرد' ہے جب کہ نول کشور میں ''بخشم آرد'' ہے۔ ترجمہ بخشم آرد سے کیا گیا ہے جو عین سیاق و سباق کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

مبارک ہو۔ اور دل کو گھڑی گھڑی کی تشویش ارزانی رہے۔ جب آپ کی عادت ہی نہیں ہے کہ خط جلدی جلدی لکھیں اور غالب کو اکثر یاد کریں تو میں (بھی) کیا کروں کہ کام کے انجام سے آگاہی رہے اور وہاں جو کچھ بھی رو پذیر ہو مجھے بھی معلوم ہوتا رہے۔ اچھا اے اپنی فکر کرنے والے سادہ نما ہنرمند' یہ تو بتا کہ دوست کے رسیدہ خط کو نارسیدہ قیاس کرنا اور ایک بے کس کو شکایات بیجا کے شکنجے میں کسنا' کس ملک کی رسم اور کن لوگوں کا طریقہ ہے۔ اس سے پیشتر ایک خط حضرت آلِ حسن کے حکم (نامے) کے جواب میں اور ایک قاضی محمد صادق خان صاحب کے خط کے جواب میں تحریر کیا اور ڈاک سے روانہ کیا جاچکا ہے۔ یہ خط کہ جس کا جواب لکھ رہا ہوں اس خط کے ورود کے شکریے کے متعلق ایک سطر کا بھی حامل نہیں تھا اور کلیتہً میرے خط نہ لکھنے کی شکایت سے پُر تھا۔ اس خط کے لکھنے میں میرے قلم کو جو زحمت ہوئی تھی وہ آج بھی اسی طرح برقرار ہے لیکن آپ کی زبان سرزنش میں تیز اور آپ کے ہونٹ (زبان) شکایت میں گستاخ ہیں۔ واہ رے (آپ کی) ستم ظریفی اور خوشا آپ کی حق شناسی۔

والا گہر جناب محمد حمید الدین خان صاحب کو کہ آپ کی خدمت میں پہنچ رہے ہیں اور میرا خط پہنچا رہے ہیں اگر میری جگہ تصور کریں تو مناسب ہوگا۔ واضح ہو کہ وہ مشاہیر زمنہ اور امرائے خاندان اعلیٰ میں سے ہیں۔ ان کے بزرگ شاہان ہند کے سرداران با مرتبہ رہے ہیں اور فرمانروایان زمانہ کے حکم کے مطابق سرتاسر شیخو پورہ اور اس کے مضافات پر حکومت کرتے رہے ہیں اور اپنی جانفشانی اور نکوکاری[1] کے عوض خانی اور نوابی کے خطابات سے سرافراز ہوئے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی جناب محمد نجف صاحب جنھوں نے دہلی میں بود و باش اختیار کر لی ہے' میرے پرخلوص دوستوں میں سے ہیں اور ان پریشانیوں میں جن سے میں دوچار ہوں اگر مجھے کوئی خوشی اور شادمانی ہے تو وہ (صرف) ان کا دیدار ہے۔ جب انہوں نے اپنے بھائی کے الہ آباد جانے کا اور (ان کی) متضاد خصوصیات کا تذکرہ کیا اور اس سے پہلے کہ وہ (اس ضمن میں) اپنی خواہش کا اظہار کریں خود بخود میرے دل میں آیا کہ آپ سے عہدِ وفا تازہ کروں اور ہر طرح کی غمخواری اور محبت کہ اس مدت میں جناب کے خزینۂ خاطر میں میرے لیے جمع ہوئی ہے' اور جس کی ایک فہرست میرے ذہن میں بھی مرتب ہو چکی ہے' وہ سب کی سب ان بزرگ والا تبار کے لیے چاہتا ہوں۔ (ان کا) دردِ دل سننا اور تدبیر سے ان کی رہنمائی کرنا اور غمِ تنہائی کو ان کے دل سے دور کرنا اور ان کے کام کو میرا کام سمجھنا اور جس قدر خبر گیری بھی کہ صورتِ احوال کے مطابق ممکن ہو ان کے لیے کرنا آپ پر واجب ہے۔

آپ کے لاپرواخرام قلم نے نسخۂ پنج آہنگ کی طلب میں حرکت کی ہے سو وہ چند روز میں پہنچ جائے گا لیکن اس شرط پر کہ میری پریشانی پر کرم فرمائیں اور مجھے اپنے احوال سے بے خبر نہ چھوڑیں۔ خدایا سعادت و دولت زیرِ حکم اور آسمان ہمیشہ آپ کی کامرانی کے لئے حرکت میں رہے۔

---

[1]- متن میں 'نکوہیدگی' ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ لیکن یہ لفظ سیاق و سباق کے خلاف ہے اس لیے ترجمہ ''نکوکاری' سے کیا گیا ہے، جو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط-۳۰

فرد: ہر نسیمے کہ ز کوئے توبہ خاکم گزرد
یادم از ولولۂ عمرِ سبک تاز دہد

ترجمہ نسیم کا ہر جھونکا جو تیرے کوچے سے (اٹھ کر) میری خاک پر سے گزرتا ہے' مجھے عمرِ سبک رفتار کے ولولوں کی یاد دلاتا ہے۔

ورودِ نامۂ مہرافزا (اگرچہ) دل لے اڑا لیکن جان عطا کی۔ اگرچہ وہ جان بھی میرے پاس نہ رہی کہ اس خط پر نچھاور کرنے میں صرف ہوگئی لیکن سپاسِ دل ربائی و جاں بخشی باقی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ جب تک خدا کی عطا کی ہوئی جان باقی ہے یہ سپاس ادا ہوتا رہے گا۔ میرا مخدوم اپنے پہلے خط کے پہنچنے کے بارے میں دو دل کیوں ہے۔ اس تحریر کے پہنچنے کا سرور آج بھی میرے دل میں ہے اور اس خط کی سطور کی سیاہی آج بھی میری آنکھوں میں بسی ہوئی ہے۔ چونکہ حکم یہ تھا کہ غالبؔ خود نا آشنا کوئی بات بزرگانِ پارس کے طور طریق کے ضمن میں کہے اور اُس جماعت کی کسی ایسی کتاب کی نشان دہی کرے جس کے اوراق سے اس قدیم مشرب اور اس زبانِ پاستان کی حقیقت کی عکاسی ہو' ناچار اس فرمان کی بجا آوری میری عقل کے امکان سے باہر تھی۔

فرد: زمن کزبے خودی دروصل رنگ ازبوی نشناسم
بہر یك شیوہ نازش باز می خواہد جوابش را

ترجمہ میں (تو) بے خودی کے سبب وصل میں رنگ اور خوشبو میں امتیاز کرنے کے لائق نہیں (ادھر) اس کے ناز کی ہر ادا اپنے جواب کا تقاضا کر رہی ہے۔

چونکہ دوبارہ آپ نے فرمایا کہ میری یہ خواہش ہے مجبوراً خاموشی کی مہر منہ سے اور نادانی کی شرم کا پردہ درمیان سے اٹھا کر عرض کرتا ہوں کہ اس خواہش کی تکمیل کی امید کسی سے (بھی) نہیں رکھنی چاہیے اور اپنے آپ کو اس کی تلاش میں تھکانا نہیں چاہیے اس لیے کہ دبستان مذاہب کا مصنف بھی اس تمام دعوائے ہمہ دانی کے باوجود جو کچھ بھی کہتا ہے وہ نہ کافی ہے اور نہ ہی سارا کا سارا درست ہے۔ (رہے) وہ پارسی کہ سورت اور بمبئی میں رہتے ہیں' ہرگز ہرگز ان کے بارے میں یہ خیال نہ کیا جائے کہ قدیم پارسیوں سے سوائے نام کے ان کا کوئی اور تعلق (بھی) ہے۔ یہ وہ چال ڈھال' وہ طور طریقہ' وہ تحریر وہ گفتار نہیں جانتے اور سوائے اصل و نسب کے' طور طریق میں پارسیوں سے نہیں ملتے۔

پارسی (لوگ) اکابرِ زمانہ و منتخبانِ یزداں رہے ہیں اور وہ اپنے عہدِ حکومت میں دانش ہائے نفع بخش اور اعمالِ معقول رکھتے تھے۔ سات آسمانوں کی گردش سے (انسانی) کشائش کی راہ نکالنا' چاند اور سورج کی حرکت کے حساب کا معلوم کرنا' زمین کی تہوں سے چمکدار موتیوں کا نکالنا' رگِ تاک سے شراب خالص کا کشید کرنا' بیماری و خستگی کے اسباب کی تحقیق کرنا' اور طبابت و علاج کے ضابطوں کا پیش کرنا' حکمرانی و فرمان روائی کے رازوں کی فہرست کی پردہ کشائی کرنا' فرمان بری اور بندگی کے آثار کی تقویم کا مرتب کرنا'

مختلف رنگوں کے کہرباؤں کی درجہ بندی کرنا' مختلف فنون کے معیارات کا تعین کرنا' ہر درد و تکلیف کے لیے طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کا کام میں لانا' ہوا کے پرندوں اور جنگلی درندوں کو شکار کی تعلیم دینا' قصہ مختصر ہر قسم کی حکمت کے اطوار کی بلندی' و کمال آفرینش کے قوانین کی پیشکش ان عقلوں کے آئینۂ فکر میں عکس پذیر تھی۔ اور گفتار و کردار کے وہ سارے لوازمات کہ جن کے تھوڑے پر بھی لوگ بہت ناز کرتے ہیں ان متمدن لوگوں کی عقل و خرد کے جوہر کے سبب ہے۔ شاہانِ پارس کے خزانے میں ہر علم کا ایک دفتر اور ہر دفتر اپنی گراں مایگی کے باعث موتیوں کا ایک خزانہ (تھا)۔ جب اقبال و سعادت نے اس جماعت سے منہ پھیر لیا اور سکندر ابن فیلقوس کو اُن پر تسلط حاصل ہوگیا' شاہی کتب خانے لوٹ مار کی نذر ہوگئے۔ لیکن جو کچھ ادھر اُدھر بکھرا پڑا تھا اور جن کو غیر معروف لوگ کونوں کھدروں میں سمیٹے بیٹھے تھے' باقی بچ گیا۔ یہاں تک کہ عربوں کی فتوحات کے عہد میں اس ضمن میں کی گئی مساعی اور ترغیب کے نتیجے میں ہر جگہ سے جمع ہوگیا اور خلیفہ کے حکم کے مطابق بغداد کے حماموں کی انگیٹھیوں کا ایندھن بنا۔ بے شک آتش پرستی کے احکامات آگ ہی کی نذر ہوگئے۔ عرب کے زبان آوروں نے فارسی کو عربی سے آمیز کر کے ایک نئی زبان بنا ڈالی۔ اس وقت کون ہے جو اس زبانِ قدیم میں کوئی درست بات کہہ سکتا ہے اور اُس دستورِ دیرینہ کی صحیح آگاہی دے سکتا ہے۔ اس حقیقت کے متلاشی کو کامیابی نصیب نہیں ہوگی اور میں اس امر کی ضمانت دیتا ہوں کہ سعیٔ فراواں کے بعد جو کچھ بھی حاصل ہوگا وہ ایسا نہیں ہوگا کہ اس پر دل مطمئن ہو۔

میری جانب سے میرے مخدوم و مطاع جناب مولوی سید آل حسن کو سلام پہنچائیں اور میرا کہا ہوا دوبارہ کہیں اور میرا لکھا ہوا دکھائیں۔ مزید کہ (آپ کے) قلمِ مشک بار نے جو یہ تحریر کیا ہے کہ اپنی گفتارِ ناروا کا انتخاب تحریر کروں اور قدرے اپنی سرگذشت تحریر کروں (تو اس نے) فکر کو ہوش کاٹنے پر (مجبور کر دیا) اور عقل کو حیرت زار میں ڈال دیا۔

فرد: چہ گویم از دل و جانے کہ در بساط من است
ستم رسیدہ یکے' ناامیدوار یکے

ترجمہ میری بساط میں تو یہی دل و جان ہیں۔ سو ان کے بارے میں کیا کہوں سوائے اس کے کہ ایک ستم رسیدہ (ہے) اور ایک ناامیدوار۔

میں اس لائق کہاں اور یہ مرتبہ مجھے کس طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ پسندیدہ لوگ میری تعریف کریں اور میرے کلام کو تذکرۂ شعرا میں جگہ دیں۔ زندگی کی شان و شوکت کے انجام سے اور سازو سامانِ وجود سے کہ ظاہر بینوں کی نظر میں سریع الزوال اور وحدانیت پرستوں کی رائے بلند کے لئے نمود بے وجود ہے' جو کچھ مجھے ودیعت کیا گیا ہے وہ ایک تو زبانِ ہرزہ گو ہے اور ایک قلم فضول گرد۔ میں نے بھی اپنی بے حیثیتی کے سبب بچوں کی طرح کہ جو ٹھیکروں سے درہم بناتے اور ان کو جمع کر کے ناز کرتے ہیں' اپنی زبان کے کہے ہوئے کو اور اپنے قلم کے لکھے ہوئے کو تھوڑا تھوڑا جمع کر کے اور ٹکڑے ٹکڑے اکٹھا کر کے' نام آوری کے گمان سے کہ اس کی ناکامی کے غم سے دل خون ہوگیا ہے' ایک دیوان مرتب کر کے جگہ جگہ احباب کی پیش گاہ التفات میں بھیجی ہے۔ وہ بزرگ کہ جو غالبؔ حاجت مند کی پرسشِ احوال پر توجہ دیتے ہیں' جو غزل بھی کہ چاہتے ہیں اس دیوان سے نقل کر لیں۔ انصاف بالائے طاعت۔ اشعار کا انتخاب اور ان کا جمع کرنا (دراصل) جمع کرنے والے کی اپنی رائے سے ہوتا ہے نہ کہ شاعر کی مرضی اور اس کے ایما سے۔ خاص طور پر جب کہ مولف

(خود) خاندانِ شاعری کا چشم و چراغ اور آسمان ہنر کا مہر و ماہ ہو۔ یعنی صاحبدل دیدہ ور حضرت قاضی محمد صادق خان اختر کہ آسمان سے شعر کا نزول ہوتا (ہی) ان کی فکرِ بلند سے پیوستگی کے لیے ہے اور تحریر میں قلم کی جنبش کی سجدہ ریزی کا مقصد ہی ان کی موتی جمع کرنیوالی انگلیوں کی سپاس گزاری ہے۔ میں (اس) شاعری کی نیک بختی پر شادکام ہوں کہ مطالعے کے لیے اس کا انتخاب ہو رہا ہے اور میں ناز کرتا ہوں اس نازشِ گفتار پر کہ اس کو جمع کرنے کے لیے چنا جا رہا ہے۔ لیکن اگر گزارشِ احوالِ شاعر مطلوب ہے تو صرف اس قدر کافی ہے کہ جب اُس جریدۂ فن میں میری بات کریں تو میری تعریف میں صرف اتنا دل نشین کرا دیں کہ زمانے کے ناکسوں میں اور شہرِ دہلی کے بے کسوں میں ایک مسلمان زادہ ہے' کافر احوال' ایک آتش پرست ہے' مسلمان نما' جو غم نمائی کے سبب غالب تخلص کرتا ہے اور اس طرح کی بکواس کرتا ہے۔

فرد: خرسندیٔ غالبؔ نہ بود زیں ہمہ گفتن

یک بار بفرمایٔ کہ اے ہیچکسِ ما

ترجمہ: اس (طویل) تقریر سے غالبؔ کو خوشی نہیں ہوتی (اے میرے محبوب) تو صرف ایک بار یہ کہہ دے کہ اے میرے بے حیثیت (شخص)۔

مخفی نہ رہے کہ میں ازل سے اس خاندان سے کہ جس کا سورج ڈوب چکا ہے' مظلوم بدقسمتوں کے اور (کبھی) خوشحالی کا چہرہ نہ دیکھے ہوؤں کے حلقے سے ہوں۔ آرائشِ سخن میری پیشکش ہے' ترک نژاد ہوں اور میرا سلسلہ نسب افراسیاب و پشنگ سے جاملتا ہے۔ اور میرے اجداد چونکہ سلجوقیوں کے ساتھ خون کا رشتہ رکھتے تھے' اُن کے عہدِ حکومت میں سرداری اور سپہ سالاری کے جھنڈے اٹھاتے تھے۔ جاہ و مرتبت کے اختتام پر جب وہ گروہ ناکامی اور بے نوائی سے دوچار ہوا تو کچھ کو رہزنی اور لوٹ مار نے گمراہ کر دیا اور کچھ نے کاشت کاری کو اپنا پیشہ بنایا۔ میرے اجداد نے توران کے شہر سمرقند میں بود و باش اختیار کی۔ اسی زمانے میں میرے (پر) دادا نے اپنے باپ سے ناراض ہو کر ہندوستان کا عزم کیا اور لاہور میں معین الملک کی رفاقت اختیار کی۔ جب معین الملک کی بساطِ (اقبال) بھی لپیٹ دی گئی' وہ دہلی آ گئے اور ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خان کے متوسلین میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد میرے والد عبداللہ بیگ خان دہلی میں پیدا ہوئے اور میں آگرے میں۔ ابھی میں پانچ سال ہی کا تھا کہ میرے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ میرے چچا نصراللہ بیگ خان چونکہ چاہتے تھے کہ ناز و نعمت سے میری پرورش کریں لیکن موت نے مہلت نہ دی اور اپنے بڑے بھائی کی موت کے کم و بیش پانچ سال بعد انتقال کیا اور مجھے اس ویرانے میں تنہا چھوڑ دیا۔ اور یہ حادثہ کہ میری لیے ایک جاں گدازی کی اور آسمان کے لئے ایک کمینگی کی علامت تھی' ۱۸۰۶ میں صمصام الدولہ جرنیل لارڈ لیک بہادر کی لشکر کشی اور کشور کشائی کے دوران پیش آیا۔ چونکہ میرے چچا سردارانِ اہلِ فرنگ میں سے (تھے) اور چار سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ صمصام الدولہ کے ہمرکاب سرکشوں کے مقابل مصروفِ جنگ تھے اور سرکار انگریزی نے مضافات اکبرآباد میں ان کو دو نہایت زرخیز پرگنے بطور جاگیر عطا کیے تھے' سرکارِ انگلشیہ نے (اس) آفتاب کے خوں بہا کے طور پر ہم فقیروں کی تاریک جھونپڑی کے لئے ایک چراغ اور ہم مفلسوں کے لیے جاگیر کے عوض ایک مشاہرہ (مقرر کر کے) وجہ معاش کی تلاش کے خلجان سے نجات بخشی۔ آج تک کہ زندگی کی نفس شماری کا ہندسہ چوالیس کو پہنچ رہا ہے' میں اس وظیفہ پر خوش ہوں اور

اس (مشاہرہ) پر قانع۔ فن شاعری میں مبدءِ فیاض کا تربیت یافتہ ہوں اور نواحِ معانی کو میں نے اپنی فطری استعداد کی روشنی سے تابانی عطا کی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کا حق استادی میری گردن پر اور بارِ احسان رہنمائی میرے کاندھے پر نہیں ہے۔

رباعی

غالبؔ بہ گہر زدودۂ زادِ شمم
ز آنرو بہ صفائیِ دمِ تیغست دمم
چوں رفت سپہبدی، زدم چنگ بہ شعر
شد تیرِ شکستۂ نیاگاں قلمم

ترجمہ: غالبؔ خاندان کے اعتبار سے میں زادشم کے خاندان سے ہوں۔ اسی لیے میری سانس تلوار کی دھار کی طرح تیز ہے۔ جب سپہ گری ختم ہوگئی تو میں نے چنگل شاعری پر مارا۔ اور (اس طرح) میرے اجداد کا ٹوٹا ہوا تیر میرا قلم بن گیا۔

خط اختتام کو پہنچ اور پریشاں گفتاری اور طول کلامی کی شرم نے مجھ پر ظلم کیا۔ اہل نظر سمجھتے ہیں کہ کہنے کی باتیں بہت تھیں اور داستان پراگندہ۔ کہاں تک مختصر کرتا اور کہانی کو طوالت سے بچاتا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا وہ کوئی گناہ نہیں اور اگر واقعی گناہ ہے تو دوست کریم ہے اور (اُس کا) کرم ہی میرا عذر خواہ ہے۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

خط۔۳۱

۱

مآثرِ غالب

اے میری جاے امید! کل کی صحبت نے دل کو غبار آلود نہیں کیا اور نہ ہی دکھ کا کوئی کانٹا گرتے میں ڈالا ہے کہ دل باتیں بنانے پر مائل ہو۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے ہرگز مکروفریب سے نہیں، اور اب بھی جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ منافقت یا پاسِ خاطر کے لیے نہیں کہہ رہا۔

بات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی خواہش ہے کہ غالبِ آشفتہ حال شملہ بازار کے ویرانے کا اُلو نہ بنے، بلکہ ہماری عظمت کے قلعے کی دیوار پر اپنا آشیانہ بنائے اور اس عنایت کے صرف دو اسباب ہوسکتے ہیں ایک تو میری صحبت کے دوام کے لیے آپ کی انتہائے شوق اور دوسرے غمِ مسافرت پر ایک قسم کا ترس۔ اگر پہلی والی بات ہے تب تو ٹھیک ہے، اور اگر دوسری، تو طالبِ انصاف ہوں۔ وہ اس طرح کہ جب اتنے بُعد اور فصل پر اس قدر موردِ عتاب ہوں تو ایسی قربت میں اپنی عزتِ نفس کی کس طرح حفاظت کر سکوں گا۔ بس، ایسے ہی دور دراز وسوسوں میں گرفتار ہوں۔

مجھے اپنے ایمان کی قسم کہ میں کمینوں کی سی طولانی باتوں میں کوئی شکایت نہیں کر رہا، لیکن فقہا (مستند ناقدین ادب) کی

ناانصافی کے بارے میں بھلا کس طرح کہوں کہ شاکی نہیں۔ پہلے تو لوگ یہ کہنے لگے کہ فلاں قتیل کو بُرا کہتا ہے۔ دنیا مجھ پر چڑھ دوڑی اور ساری محفل میرے مقابل ہوگئی۔ ایک کو میرے منہ در منہ لائے اور مجھے وادیِ شعر کا ایک بدحال شکار تصور کرنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی بات نہ بنی اور ان کی بنی بنائی ساکھ بھی ہاتھ سے گئی تو جمع ہو گئے اور فیل اور رُخ کا پہلو بچا کر دشمنی کی شطرنج کی بساط کو صرف پیادوں کی چال کے لیے وقف کر دیا، اور میرے مُہرے کو زچ کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں منصفینِ وقت سے جس چیز کا طالب ہوں وہ سعیقۂ سخن وری سے مشروط نہیں، سو اس جھگڑے کا کیا ڈر اور اس قبضے سے مجھے کیا نقصان۔

ع: آواز سگاں کم نہ کند رزق گدارا

ترجمہ: کتوں کے بھونکنے سے فقیر کا رزق کم نہیں ہوتا۔

لیکن چونکہ (یہ) چڑیوں کی پرواز عقاب کے پروں کے زور پر ہے، اور نہروں کی روانی دریا کے سہارے پر ہے (اس لیے) میرا دل اس شہر (کلکتہ) سے کھٹا ہو گیا اور مجھے اس کا بہت دکھ ہوا۔ میں نے اپنی پیشانی خاکِ عجز پر رگڑی، پر انہوں نے (میری معذرت) قبول نہ کی۔ میں نے معافی، و راعتذار کا راستہ اپنایا، اس پر بھی کسی نے آفرین نہ کہا۔

اب میں خود حیران ہوں کہ اس مجلس کے عمائدین کے لیے کون سی خدمت بجا لاؤں کہ ان کی نظر میں مقبول ہوں۔ یہ سارا دل کا خون ہے کہ بے تکان میرے ہونٹوں اور حلق سے ٹپک رہا ہے اور اس میں کسی مقصد کا کوئی شائبہ نہیں ہے، (البتہ) جس چیز کا اظہار ضروری ہے وہ یہ کہ نجومیوں کا ایک عقیدہ ہے اور وہ کہتے ہیں کہ مبارک لوگوں کی عداوت کی نظر کوئی نقصان نہیں پہنچاتی اور (اسی طرح) منحوس لوگوں کی محبت کی نظر کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔

خدائے بزرگ و برتر کی عظمت و جلال کی قسم کہ آپ کو میں نے انتہائی پاک طینت و نیک فطرت پایا ہے اور مرزا افضل اس اضافی رشتے سے، جو وہ بظاہر (آپ کے ساتھ) رکھتے ہیں، صرف نظر فرمائیں (تو میں یہ کہوں گا کہ) آپ کی سخاوتِ ذات اور نیک فطرت پر اور مرزا صاحب کی رفاقت و قربتِ خاطر کو نظر میں رکھوں تو مجھے آپ کی دشمنی اس شہر کے عظما کی محبت سے زیادہ عزیز ہے۔ حالانکہ عداوت کا کیا موقع ہے اور دشمنی کا کیا محل، چونکہ اس کا (بظاہر) کوئی سبب نہیں اور عداوت عرض سے تعلق رکھتی ہے، جوہر سے نہیں۔ لیکن یہ بھی واضح کر دوں کہ اس ویرانے سے، اٹھنا اور آپ کی الفت کی دیوار کے سائے میں بستر جما دینا بھی ایک رنجش کا امکان رکھتا ہے اور آشفتگی کا ایک خوف دامنِ فکر میں اٹھائے ہوئے ہے۔

آپ کی پریشانی کی تلافی تو میں کر سکتا ہوں اور آپ کی ناراضی بھی برداشت کی جا سکتی ہے لیکن خوف اس بات کا ہے کہ اگر اُس ٹولے سے قربت ہو گئی تو کون سا دکھ ہے جو مجھے برداشت نہ کرنا ہوگا اور کون سی نادیدنی ہے جو مجھے نہ دیکھنی ہوگی۔ سچی بات یہ ہے کہ ع آزار دوست خوش تراز مہر دشمن است (ترجمہ: دوست کی دی ہوئی تکلیف دشمن سے بہتر ہوتی ہے)۔ جب یہ اصول ثابت ہو گیا اور افقِ ذہن سے بیگانگی کا گرد و غبار بھی صاف ہو گیا تو میں نفسِ مقصد پر آتا ہوں اور امرِ زیرِ نظر کے رُخ سے نقاب اٹھاتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر ایک مکان میں رہنے سے قربتِ مستقل مقصود ہے تو وہ ممکن نظر نہیں آتی، (وہ اس طرح) کہ صبح سویرے آپ دفتر چلے جائیں گے اور پھر شام کو بے وقت واپس آئیں گے۔

رات آرام چین کے لیے ہے نہ کہ حرف و حکایت کے لیے اور اگر یہ ساری کوشش میری دل داری اور دل جوئی کے لیے ہے تو (کم از کم) ایک نظر ہی میرے حال (زار) پر ڈالیں، (اور دیکھیں) کہ میں کس حال میں ہوں اور کیا سوچ رہا ہوں۔ اس وقت تو میں خارِ سرِراہ پر قطرے کی صورت اور انگارے کے اوپر رائی کے دانے کی طرح ہوں۔ اتنی مہلت نہیں (کہ یہ معلوم کر سکوں) کہ کاتبانِ تقدیر نے میری قسمت میں کیا لکھا ہے اور میری مٹی کو کیسی کیسی آرزوؤں کے خون میں گوندھا ہے۔ کلکتہ میرے سفرِ آوارگی کی انتہا نہیں ہے۔ مجھے (خود) نہیں معلوم کہ کون سے کوہ و بیاباں پار کرنے ہیں اور یہ پاؤں کن کن راہوں پر گھسانے ہیں۔ اگر دو تین ماہ آپ کی دیوار کے سائے میں ستا بھی لوں تو کیا فائدہ؟

ع: مرا ببیں کہ چہ روز سیاہ در پیش است

ترجمہ: مجھے دیکھ کہ کس روزِ سیاہ سے دوچار ہوں!

مختصر یہ کہ فی الوقت میرے لیے اس سے بڑی عنایت اور کوئی نہ ہوگی، اگر مجھے اس ویرانے کے ایک گوشے میں تنہا چھوڑ دیں اور مجھ بےکس کے بارے میں یہ فرض کر لیں کہ اس کو مسافرت میں موت آ گئی اور وہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

فرد: دوست غم خواری میں میری سعی فرماویں گے کیا
زخم کیے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گیکیا

اللہ بس، باقی ہوس۔ فقط۔

(صفر سے ربیع الثانی ۱۲۴۴ھ تک، مطابق اگست تا اکتوبر ۱۸۲۸ء)

خط۔۳۲

ا[1]

متفرقاتِ غالب

میرے مالک میرے خداوند!

آج جمادی الثانی کی پہلی تاریخ اتوار کے روز سعیِ آوارگی کے اونٹ نے دہلی کے مسافر خانے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ مجھے اُن نیکوکاروں کی ہمدردی اور غریب پروری پر فخر ہے کہ جن کے تلووں سے میری آنکھیں (ایسی) آشنا ہوئیں کہ مجھ جیسے دیوانہ حال کے لیے وطن کو غربت سے زیادہ تلخ بنا دیا۔ (خدا کی قسم' خدا کی قسم' اور ایک بار پھر خدا کی قسم) کہ ورودِ دہلی سے کلکتہ چھوٹنے کا غم (ہی) زائل نہیں ہوا' تو بھلا مسرت کا کیا مقام ہے۔ ایک ایسی پریشان حالی میں مبتلا ہوں کہ صاحب نظر لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے دیکھے تو یہ نہیں سمجھے گا کہ مسافر اپنی منزل پر پہونچ چکا ہے بلکہ خیال کرے گا کہ کوئی مصیبت زدہ ہے کہ وطن سے تازہ تازہ گرفتارِ غربت ہوا ہے۔ ہاں' ہاں' میرا

۱۔ یہ خط اور آہنگ پنجم میں شامل خط نمبر ۲۳ مضمون کے لحاظ سے مشترک ہوتے ہوئے بھی متن کے اعتبار سے خاصے مختلف ہیں۔ نتیجۃً ترجمے میں بھی اختلاف ہے۔ حیرت اس امر پر ہے کہ متن کے دوسرے اختلافات کے علاوہ زیرِ نظر خط میں جمادی الثانی کی پہلی تاریخ ہے اور آہنگ پنجم کے خط میں دوسری۔ (مترجم و مرتب)

حال ایسا ہی ہے اور ایسا کیوں نہ ہوگا کہ مولوی سراج الدین احمد مرزا احمد بیگ خان اور ابوالقاسم خان سے جدا ہو گیا ہوں۔ افسوس اپنے آپ پر اور اپنی اوقات پر۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس تین سال کے عرصے میں دلّی کے اشراف کے طور طریقے بدل گئے اور دوستوں کی فطرت سے محبت و مروّت کا نام مٹ گیا۔ ہم مزاج دوستوں میں ایک ٹولی مسافرِ عدم ہوگئی اور بزمِ محبت کے بدمستوں نے جامِ فنا پی لیا۔ مقتدر و اہلِ بصیرت گمنامی کی خانقاہوں میں جا چھپے اور کمینے اور فرومایہ (اس) میدانِ قیامت کی رونق بن گئے۔ عدالت کی حالت طالبانِ عدل سے بدتر اور عوام کا دن بے وفاؤں کی آنکھ سے زیادہ سیاہ ہے۔ اس (ہی) جماعت میں سے ایک میں بھی ہوں کہ جب سے (دلّی) پہنچا ہوں ہر سمت بھاگ رہا ہوں لیکن کسی کی طبیعت میں خجالت کے آثار نہیں دیکھے۔ جو معزول ہے وہ اپنی فکر میں سرگرداں ہے اور جو تعینات ہے وہ فتنۂ شہر ہے۔ حیرت اس امر پر ہے کہ وہ (یعنی معزول) زائل شدہ ٹھاٹھ باٹھ کی واپسی کا امیدوار ہے اور یہ (یعنی منصوب) حاصل شدہ شان و شوکت کے ہاتھ سے نکل جانے سے خوف زدہ ہے۔ اُس گرامی نامہ میں کہ مجھے باندے میں ملا تھا صاحبانِ خسرو نشان کے دنیا کو فتح کرنیوالے عموں کے کوچ کی خبر تھی جو تا حال وقوع پذیر نہیں ہوا۔ شاید اس حکم کا نفاذ ہی نہ ہوا ہو۔ چاہتا تھا کہ منصفِ مظلوم پرور کو ایک درخواست لکھوں اور آپ کو بھیج دوں۔ لیکن چونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ آج کل ان کا دربار کس علاقے میں لگ رہا ہے اس لیے آرزو کا یہ نقشِ دل ہی میں محو ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی درخواست کا احوال بھی کہ جو باندے سے بھیجا تھا۔ نہ معلوم اس پر کیا گزری اور منصف کے دل میں میرا کیا مقام ہے۔ مجبوراً آپ کو زحمت دے رہا ہوں کہ خدا کے واسطے میری بے کسی کو نظر میں رکھ کر میری باندے سے ارسال کردہ درخواست پر منصف کی کاروائی اور اس ذیل میں میری طرف ان کی حدِ توجہ اور اس کے طور طریق غرضیکہ جو کچھ بھی پیش آیا ہو تحریر فرمائیں۔ اگر یہ خط مرزا صاحب کے خط میں رکھ کر بھیج دیں تو سہولت ہوگی۔ اور اگر علیحدہ ارسال کرنا چاہیں تو یہ پتہ لکھیں "یہ خط دہلی میں حویلی نواب عبدالرحمٰن خان میں پہنچ کر اسد کو ملے"۔ خداوندا چونکہ میرا یہ نامۂ پریشان آثارِ شوق سے عاری ہے (اس لیے) یہ نہ سمجھیں کہ میں دلگیر ہوں بلکہ یہ ایسا خط ہے کہ میں نے انتہائے آشفتگی و پریشان حالی میں لکھا ہے صرف اس لیے کہ آپ کو اپنے احوال سے باخبر کردوں۔ اس کے بعد کہ خاطر مجتمع اور سانس درست ہو جائے گی (پھر دیکھئے گا) میرے عاشقانہ عبودیت نامے اس حد تک پہنچا کریں گے کہ (ان کے لیے) کاغذ کے دستوں کے دستے چاہیے ہوں گے۔ والسلام۔ خاتمہ بالخیر۔

خط۔۳۳

۲

میرے مالک میرے خداوند!

آج کہ شوال کی آٹھویں اور جمعہ کا دن ہے دن چڑھے جناب کا گرامی نامہ پہنچا۔ مسرت کی خوش خبری دی اور دل کو غم سے نجات۔ لفافہ کھولا تو وہی نظر آیا جو (ہمیشہ) چشمِ تصور سے دیکھتا تھا۔ میرا خدا میرے ساتھ ہے دیکھتا ہوں کہ کامرانی کس کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ کے گرامی نامے کے جواب کو حقیقت کے معلوم ہونے اور مرزا غلام عباس خان کی طلبی پر موقوف کر رکھا ہے۔ (چنانچہ) جو کچھ لکھنا ہے ایک ہفتے بعد لکھوں گا۔ آپ خاطر جمع رکھیے اور مجھے اپنا بندہ سمجھئے۔ یہ چند سطریں جو لکھ رہا ہوں خاص طور پر آپ کے ملاحظے

کے لیے ہیں۔ یہ کسی اور کو نہ دکھایئے۔ خود ملاحظہ کیجئے اور میرے دکھ کو سمجھئے۔ اولاً اپنی انصاف طلبی کی بابت آپ کو بتاؤں کہ اندر کا حال آپ کو معلوم ہو۔ سبحان اللہ میری نوکِ قلم سے کس روانی سے یہ بات نکلی۔ اپنی انصاف طلبی کا احوال سناتا ہوں۔ حیران ہوں کہ اس احوال کی بابت کیا کہوں کہ جو میں خود نہیں جانتا۔ مختصراً مطلب یہ کہ دہلی پہنچا اور حکام سے مرکزی دفتر کے حکم کے اجرا کی درخواست کی۔ معلوم ہوا کہ مرکزی دفتر سے کوئی حکم نہیں ملا ہے۔ یقیناً کاغذ کھو گیا تھا یا ہوا میں اڑ گیا تھا۔ حاکم (متعلقہ) نے مہربانی کی اور مرکزی دفتر کو لکھا۔ اس کی نقل (ڈپلیکیٹ) آئی۔ حاکم نے اس کو دیکھا اور پھر شمس الدین خان کو خط لکھا۔ اور پھر نصر اللہ خان کے متعلقین کا احوال دوبارہ معلوم کرنا چاہا۔ مدعیٰ علیہ نے جواب بھیجا کہ جنرل لارڈ لیک بہادر کے مہرزدہ پروانے کے مطابق اس جماعت کو پانچ ہزار روپیہ سالانہ دے رہا ہوں۔ حاکم نے معائنہ کے لیے اصل سند منگوائی۔ جب دستاویز پہنچی تو اس کی نقل رکھ لی اور اصل ارسال کنندہ کو واپس کر دی۔ اس نقل کی ایک نقل مجھے مرحمت فرمائی۔ خدا کی دی ہوئی عقل کے مطابق اس کا جو جواب مجھے پسندیدہ معلوم ہوا لکھا اور محکمہ کو ارسال کر دیا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ اصل احوال وحقیقتِ ماجرا کیا ہے۔ فلاں بیگ نے پیسے کے لالچ میں میری دشمنی پر کمر باندھ لی ہے۔ اور لوگوں کی نظر میں بہن اور اس کے بچوں کی اعانت کو غلط بیانی اور افترا کا سرمایہ بنا لیا ہے۔ میں حق جو اور حق پرست انسان ہوں۔ سچی بات کرتا ہوں اور سچائی ہی کی تلاش کرتا ہوں۔ نہ میں شمس الدین خان صاحب کا دشمن ہوں اور نہ خواجہ حاجی اور اس کے بیٹوں کا۔ شمس الدین خان میرا اسامی ہے اور خواجہ حاجی میرے جدّ کے بارگیر کا بیٹا اور اس کے بیٹے دو پشتوں سے میرے خانہ زاد اور تین پشتوں سے میرے نمک پروردہ ہیں۔ احمد بخش خان سے کہ جو میری چچی کے بھائی اور میرے سسر کے بھائی تھے مجھے دو شکایات تھیں اور ہیں۔ پہلی تو وظیفہ (پنشن) میں بغیر کسی خطا و جرم کے کمی کر دینی ہے اور دوسری بغیر کسی استحقاق کے ثبوت کے خواجہ حاجی کی (پنشن میں) شمولیت ہے۔ اور میری ساری عرضداشتیں ان ہی شکایتوں سے بھری پڑی ہیں۔ شمس الدین خان نے محکمہ کو پانچ ہزار روپے سالانہ کی ایک سند پیش کی۔ لیکن مجھے اس مقابلہ کی کوئی فکر نہیں۔ فلاں بیگ نے فتنہ انگیزی اور افترا پردازی کے ذریعے میری گردن پر خنجر چلایا۔ (اگرچہ) مجھے اس تنازعہ سے کوئی خوف نہیں۔ اولاً مجھے اہلِ حکومت کے اربابِ عدل وانصاف کی ڈھارس ہے دوسرے مجھے اپنی حق گوئی پر اعتماد ہے۔ اور (۱) اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ میں نے اپنے کام خدا کے حوالے کر دیے ہیں اور مجھے اپنے دشمنوں کے انبوہ سے خوف نہیں۔ آتشِ نمرود میں حضرتِ ابراہیم کے بال کی نوک بھی نہیں جلی اور فرعون کے جادوگروں کا گروہ موسیٰ کے جسم کو زک نہ پہنچا سکا۔ مجھے خدائے قادر سے بدظن ہونے کی اور دشمنوں کی فتنہ انگیزی سے ڈرنے کی (بھلا) کیا ضرورت ہے۔ آپ کے گرامی نامہ کے آنے سے پیشتر حکومت کے اہلکاروں میں سے یک سے کرنیل املاک صاحب کے انتقال کی خبر سنی ہے۔ مخدومی مرزا ابوالقاسم خان صاحب اور مشفقی آقا محمد حسین صاحب کے لیے سخت رنجیدہ رہا ہوں۔ خدا کرے کہ وصیت نامے

۱- واللہ مایشاء و یحکم ما یرید۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں۔ البتہ مندرجہ ذیل آیات ان سورتوں میں ملتی ہیں۔

۱- انّ اللہ یفعل ما یرید- سورۂ الحج ۱۴
۲- ان اللہ یحکم ما یرید- سورۂ مائدہ-۱۰
۳- کذٰلک اللہ یفعل مایشاء- سورۂ آلِ عمران-۴۰
۴- ویفعل مایشاء- سورۂ ابراہیم ۲۷
۵- ان اللہ یفعل مایشاء- سورۂ الحج ۱۸ (مترجم ومرتب)

میں ایسی تحریر موجود ہو کہ ان کی کفایت کرے۔ افسوس مخدومی نواب مہدی علی خان بہادر کی خیریت سے بے خبر ہوں۔ ان پریشانیوں کی بنا پر جو دائیں بائیں سے مجھے خوف وخطر کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں خط لکھنے کی فرصت نہیں ملی ہے۔ لیکن نواب صاحب کو (ہم) خاکساروں کو یاد کرنے کا کہاں خیال ہے۔ ان سطور کے لکھتے ہوئے مرزا داؤد بیگ تشریف لے آئے اور ۲۸ رمضان کا لکھا ہوا خط پہنچایا۔ چونکہ خط کے امورِ جواب طلب کا جواب اس کے پہنچنے سے پیشتر ہی بطور کشف لکھ چکا ہوں' دوبارہ ان کو دہرانے پر توجہ نہیں دی۔ فلاں بیگ نے میرا حال پوچھا ہے۔ کیا کہنے میرے احوال کے کہ خدا کو قادر اور دانا جانتا اور انبیا کو اللہ کی جانب سے بھیجا ہوا سمجھتا اور حسین کو بندہ وطالب حق وبرگزیدۂ حق گردانتا اور یزید کو ظالم' ناانصاف اور گنہگار تصور کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا لکھوں۔

خط۔۳۴

۳

میرے مالک میرے آقا'

شوال کی سترھویں' اپریل کی گیارھویں تاریخ' اتوار کے دن ایسے وقت کہ بادِ بہاری چل رہی تھی اور پھول اور غنچے کھل رہے تھے آپ کا جانفزا خط ملا اور اس نے میری گود اور آغوش پھولوں سے بھردی اور اُس کی آمد نے مجھے سرمایۂ مسرت سے مالا مال کردیا۔ خدا کی قسم اس خط کی آمد میری آرزو کے حوصلے سے بڑھ کر تھی چونکہ میں نے اپنی حیرانی و پریشانی میں ایک خط غلط پتے پر کانپور بھیج دیا تھا۔ مجھے نہ آپ کا پتا ہی معلوم تھا اور نہ جناب کی آمد کے وقت سے باخبر تھا۔ غرض یہ کہ آپ کے خط کو دیکھا (تو) سیکڑوں بار اپنی آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھا اور اپنی جان آپ کے سرآسمان خراش پر قربان کردی۔ اور (آپ نے بھی) مجھے خط کے ملنے اور نہ ملنے کے جھگڑے سے آزاد کردیا اور (ساتھ ہی) حرکت وعدم حرکت کی پریشانی سے رہائی دی۔ (میں نے) آپ کی خیریت پر شکر کیا اور خدا کی بے انتہا حمد وثنا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ محبوب زمانہ ہیں۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ انصاف اطاعت سے بڑھ کر ہے۔ مرزا احمد بیگ خان' دنیائے محبت اور جہانِ الفت ہیں۔ دوتین ماہ انہوں نے میرے حال سے غفلت برتی اور خط لکھنے سے بھی گریز کیا۔ تقریباً ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ ان کے (یکدم) دو خط ملے۔ اپنی کوتاہ قلمیوں کی معذرت چاہی تھی اور سب احوال لکھا تھا۔ میں نے بھی جوابات دیدیے ہیں۔ اطلاعاً آپ کو بھی بتادیا ہے۔ میری جان! قصہ یہ ہے کہ مقدمہ کی ابتدا ہی سے مجھے احمد بخش خان سے دو شکایتیں ہیں۔ ایک تو وظیفہ (پنشن) میں کمی کردینا اور دوسرے (پنشن میں) خواجہ حاجی کی شمولیت۔ اب کہ بات عدالت[1] تک پہنچ چکی ہے بالفرض اگر نصراللہ بیگ خان کے متعلقین کا وظیفہ (پنشن) پورے پانچ ہزار بھی قرار پائے مجھے (پھر بھی) خواجہ حاجی کی شمولیت پر شکایت ہوگی۔ خدا کی قسم فلاں بیگ مجھے آزار پہونچانے کے درپے ہے اور (اس نے) اپنی بہن کی اولاد کی مدد کو اس ایذا رسانی کی سند بنا لیا ہے۔ وہ دن بھی تھا کہ فلاں بیگ اور اس کا بہنوئی دونوں نصراللہ بیگ خان کے رسالے میں بے حیثیت نوکر تھے۔ یہ سب تین

۱۔ متن میں یہ لفظ 'داور' لکھا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ قیاساً 'دادار' یا 'داور' ہے۔ چنانچہ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم ومرتب)

پشتوں سے میرے، جداد کے نمک پر وردہ ہیں۔اور اس کا فرغذار نے میرے چچا کی موت کے بعد بھٹکے ہوؤں کو کہ فلاں بیگ اس میں شامل تھا' اپنے ساتھ ملا لیا اور میرے چچا کے ترکے میں نقد وجنس' ہاتھی گھوڑے چھوٹے بڑے خیمے جو کچھ بھی تھا صاف لے اڑا۔اب کچھ تو بات کی تکمیل اور کچھ اس صفحہ کو پُر کرنے کی غرض سے اصل مقدمہ کی تفصیل بتاتا ہوں۔تو جان من بلکہ میری جان سے بھی بڑھ کر میں جب دلی پہونچا اور حکام سے مرکزی دفتر کے حکم کی تعمیل کی درخواست کی تو معلوم ہوا کہ کوبرک صاحب کی رپورٹ کی نقل موجود ہے (لیکن) مرکزی دفتر کا حکمنامہ غائب ہے۔حاکم (متعلقہ) نے دیدہ دلی کی خاطر یا ضابطے پر عمل کرتے ہوئے یا میرے دعوے کے سچ اور جھوٹ کی تصدیق کے لیے (غرض یہ کہ) صدر دفتر خط لکھ دیا۔میں نے چونکہ سچ کہا تھا مرکزی دفتر سے (دستاویز کی) آ گئی۔ (اب) حاکم نے مدعا علیہ کو لکھا۔مدعیٰ علیہ نے ایک سند جس پر جنرل لیک کی مہر لگی ہوئی تھی اور جو پانچ ہزار روپیہ سالانہ پر مشتمل تھی بھجوادی اور کہا'' اس سند کے مطابق نصراللہ بیگ خان کے متوسلین کو پانچ ہزار روپیہ دیتا ہوں۔حاکم نے اس سند کی نقل مجھے دی اور مجھ سے اس کا جواب مانگا۔میں نے اس سند کا جواب محکمے کے دفتر پہنچا دیا۔دراصل یہ سند جعلی ہے اور میں نے اس سند کے جعلی ہونے کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ان میں سے ایک (دلیل) یہ ہے کہ دلی سے کلکتے تک اس سند کی نقل کسی دفتر میں نہیں ہے۔اور اس وقت عدالت کا یہ حال ہے کہ حاکم نے میل ملاقات بند کر دی ہے اور اعتکاف میں بیٹھ گیا ہے۔(چنانچہ) کام بگڑے ہوئے ہیں اور احوال خراب ہیں۔دفتر کے اہلکار قسمیں کھاتے ہیں کہ سوائے پروانۂ راہداری کے اور کسی تحریر کو ہم نے ہاتھ نہیں لگایا ہے اور مشاہدہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔حاکم ہی کہاں ہے کہ اس کو یہ طریقے اور احوال بتاؤں۔جب تک حاکم پذیرائی کرتا تھا میں بھی جاتا اور (اس کے پاس) بیٹھا کرتا۔چونکہ شعر وسخن کا ذوق رکھتا تھا اس لیے اکثر اوقات اسی ضمن میں بات چیت ہوا کرتی۔اور مطلب کی بات بھی کہہ دی جاتی۔اُن دنوں ایسی رازداری نہیں ہوا کرتی تھی۔چونکہ مفسد نے ایسی شورش نہیں برپا کی تھی (سو میں بھی) موت سے پہلے واویلا کس طرح کرتا۔اب کہ فتنے کی گرد اٹھی ہے تو میں کیا' کسی شخص کی بھی حاکم تک رسائی نہیں ہے۔(لوگ) کہتے ہیں حاکم یہ چاہتا ہے کہ اگر مجھے مرکزی دفتر ہی سے استحکام کار کی خوش خبری ملے تو (میں بھی) کام کی طرف توجہ دوں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ جھگڑا کب طے ہوتا ہے اور اس عرصے میں مستقل حاکم کون (مقرر) ہوتا ہے۔غالبؔ مبتلا کی انصاف طلبی کا احوال یہ ہے کہ ایجاز واختصار سے بیان کیا گیا۔

خط۔۳۵

۴ (۱)

وہ جان کہ جس کے اجزا کا لطیف ترین حصہ تحلیل ہو گیا اور شراب سے تلچھٹ کی طرح اور آگ سے راکھ کی صورت جو کچھ باقی رہ گیا ہے اگر دوست کے قدموں پر بکھیر (بھی) دوں تو ڈرتا ہوں کہیں اس کے پائے نازک کو زحمت نہ ہو اور اگر اس قربانی کے لیے

۱۔ یہ خط، ورآہنگ پنجم میں شامل خط نمبر ۷ مضمون کے لحاظ سے مشترک ہوتے ہوئے بھی متن کے اعتبار سے خاصے مختلف ہیں۔نتیجتاً یہ اختلاف ترجمے میں بھی ہے۔(مترجم ومرتب)

تیار نہیں تو دنیائے محبت میں نادم ہوں گا۔ (سو) کیا کروں کہ حقِ محبت ادا کر کے احسانات کا شکر ادا کر سکوں۔ (اُس) گرامی نامہ کے مطالعہ نے کہ جو محبت پر مبنی تھا' مقصد کے محبوب کے جلوے کا آئینہ دار بنا دیا اور دنیائے اسرار کا ایک جہاں دکھا دیا۔ غالباً اس مبارک تحریر کے ارسال کے بعد اسد اللہ کا ایک دوسرا خط بھی آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ میرے اوپر ایک بھاری بوجھ ہے، اور اگر آپ (کم ہمتی نہ دکھائیں) اور فی ضانہ اس بوجھ کو اٹھا سکیں' اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایسا ہی کریں گے کہ اخیر زمانہ میں سے ہیں۔ اس عدالت کی حالت اور اس محکمۂ گرامی کے مقتدرین کی صورت حال میری نظر میں (بھی) خدا کی قسم بالکل اسی طرح ہے جیسے آپ نے لکھا ہے۔ لیکن دکھی رونے کے سوا کیا کرے، لم رسیدہ بین کرنے کے علاوہ کیا جانتا ہے اور زخمی کو مرہم کے علاوہ کس چیز کی جستجو ہوتی ہے۔ پرنسپ صاحب کا حال یہ ہے کہ انہیں اس معاملے سے تعلق ہی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ مجھ سے اور میرے مقدمے سے قدرے واقف ہیں اور اپنے عہدِ حکومت میں انہوں نے نوابِ والامنقبت کی خدمت میں میری قدر افزائی کی ہے اور میرے استحقاق کو سراہا ہے (اس لیے میں نے ان کو) دوستانہ خط لکھا ہے۔ خدایا' اتنا ہو جائے کہ میرا خط وصول کرلے اور میرے وکیل کو وکالت کے لیے قبول کرلے۔ اس کے بعد معاملات بہت اچھے اور امیدیں بہت۔ خدا کے واسطے کچھ کوشش کریں۔ اور یہ بھی اپنی کم ظرفی کا اظہار ہے کہ آپ کے سامنے اپنی سفارش کر رہا ہوں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میرا کام آپ کا کام ہے اور انصاف بارۂ ساعت کے مصداق اگر اپنے کام کو آپ کا کام نہ جانتا تو ایسے بڑے بڑے راز کس طرح آپ کے سامنے (کھول کر) رکھ دیتا اور اپنے آپ کو کلیتاً آپ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا۔ چنانچہ اس امر کا ضرور التزام رہے کہ جو خط بھی میرا آپ کو ملے اس کو خود پڑھیں' مولانا کو دکھائیں اور پھاڑ ڈالیں اور پانی میں بہا دیں یا آگ میں ڈال دیں۔ پرانی بات کو نیا[1] پیرایہ دیکر منشی صاحب کے پاس بھیجا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ کر لیجئے اور معاملات کو سمجھ کر ان کی تہ تک پہنچیے۔

خط ۔ ۳۶

۵

قبلۂ حاجات'

کل اکتوبر کی پندرھویں تاریخ آپ کا انتیس ستمبر کا لکھا ہوا پاک والا نامہ آئینہ سکندر کے ایک ورق کے ساتھ پہنچا۔ لیکن لفافے میں خبر کے (دوسرے) اوراق باوجود تلاش کے نہ ملے۔ صرف اشتہار کا ورق تھا اور کچھ نہیں۔ میں نے دل میں کہا مخدوم نے اس ایک ورق کو بھیجنا ہی کافی سمجھا ہوگا۔ اب جو خط کھولا اور تحریر کردہ سطروں پر نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ جناب عالی نے اوراق اخبار کا شروع سے آخر تک ذکر کیا ہے لیکن اخبار اس لفافے میں موجود نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ لفافے میں خط رکھتے وقت اخبار کے اوراق لف

۱۔ متن میں "بہ دوش جدید" لکھا ہے۔ ترجمہ "بہ روشِ جدید" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

کرنا یاد نہیں رہا۔ بہرحال آئینہ سکندر کا (وہ) ورق پڑھ کر میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور اس کی عبارت کی روانی نے منظر[1] میں موتی پرو دیے۔ اب اچھی باتیں اور دل کش خبریں۔ اس شہر کے لوگ چونکہ اخبارِ جام جہاں نما کی بدعہدی سے سخت ناراض ہیں اس لیے اخبار کا کوئی ذوق نہیں رکھتے۔ مختصر یہ کہ اخبار کی ترویج کے سلسلے میں میری کوشش بیان سے باہر ہے۔ لیکن فوراً اس بارے میں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرے برادر گرامی اپنی دلی رغبت کے ساتھ ان اوراق کے خریدار ہیں۔ بلکہ انہوں نے میرے ساتھ اخبار کی ترویج کے سلسلہ میں عہدِ یگانگت کیا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ اس قدر کوشش پر میں قانع نہیں ہوں۔ دوسروں کا چندہ بھی بھیجوں گا۔ غمخواری سے آراستہ قلم کی تحریر نے احوال معاملہ کے بارے میں جو لکھا ہے (اس نے) میری جہالت کو زیورِ آگاہی سے سجا دیا۔ لیکن اسی آگہی کے باوجود دل سے تشویش رفع نہیں ہوئی۔

خط۔ ۳۷[2]

۲

قبلۂ من!

ایک طویل مدت گزری اور گزر رہی ہے کہ میری آنکھیں آپ کے جواہر نامے کی سیاہی سے سرگیں نہیں ہوئیں۔ اس سے پیشتر غربا پروری کے ضمن میں جو مہربانی آپ نے کی ہے وہ نگینِ خاطر پر نقش ہے۔ خاص طور پر اس باب میں بھی خلجان میں مبتلا ہوں کہ محافظ خیال نے رسید جواب کی گرمی کو انتہا تک پہنچا دیا (لیکن) اب تک اس بہار کا رنگ ظاہر نہیں ہوا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ اس دشمن آباد (یعنی دلی) کی عدالت سے کنارہ کش ہو کر اپنے غمکدے کی دیوار کا نقش ہو کر رہ گیا ہوں۔ بزمِ خیال میں (البتہ) امید کی شمع جلا رکھی ہے اور آنکھیں مرکزی دفتر کی انصاف پسندی سے پیوستہ ہیں۔ کیا بتاؤں کہ اردگرد کے حکام نے کیا کیا طریقے اختیار کئے ہیں اور کیا اطوار اپنائے ہیں۔ اگر کچھ عرصہ اور اسی طرز پر گزرتی رہی تو (لوگوں کے) گھر بار سیلاب فنا میں غرق ہو جائیں گے۔ خاص طور پر اس شہر میں اعیانِ زمانہ کی چغلخوری اور غمازی نے کہ جس کو حکام بھی رغبت کے کان سے سنتے ہیں، دنیا کو اپنے مال و متاع کی بنا پر لرزہ براندام کر دیا ہے۔ (ان حکام نے) واماندگاں کو مرکزی محکمے کے شفاخانے کے علاوہ کسی دوسری جگہ مرہمِ نوازش کی خبر نہیں دی ہے۔ چونکہ اُس عدالت میں کوئی بدعنوانی جائز نہیں ورنہ ہر طرف فساد کی گرد بلند اور ستم کی آگ روشن ہے۔ آج جبکہ ۱۲ جنوری سے جام جہاں نما کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ اُس علاقے میں وبا کا شہرہ ہے، میں کہ خیرخواہ اور دوستوں کا دعاگو ہوں کیا بتاؤں کس قدر بے چین ہو گیا ہوں۔ امید اس بات کی ہے کہ آپ جلد سے جلد میری دادرسی کریں گے اور اپنی اور دوسرے مخلصوں اور متعلقین کی خیریت کی خبر بھیجیں گے تاکہ دل کی پریشانی کے لیے باعثِ سکون ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ جناب عالی مہربانی و ہمدردی کے سبب اس مظلوم کے مقدمے کے احوال کے بارے میں (خود ہی) تحریر فرمائیں گے۔ اس درخواست پر میں نے تکرار نہیں کی تاکہ طول کلامی اور سرکشی میری خصلت نہ

۱۔ ''نظارہ را بہ گوہر کشید''۔ گوہر کشیدن موتی پرونے کے معنی میں آتا ہے (بہارِ عجم)۔ باقی خیال آفرینی غالبؔ کی ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ یہ خط اور پنج آہنگ کا خط ۳۔ مضمون کے لحاظ سے مشترک ہیں لیکن متن میں اختلاف ہے جو ترجمے سے ظاہر ہے۔ (مترجم و مرتب)

قرار پائے۔ یہ پوشیدہ نہ رہے کہ اس خط کے جواب میں عُجلت بمنزلۂ مردے کو جان دینے اور پیاسے کو پانی دینے کے ہے۔ جناب مولوی صاحب قبلہ کو میری طرف سے ہزار طرح سے جھک جھک کر کورنش پیش کریں اور صد گونہ الفت و محبت کے ساتھ شوقِ دیدار آغا صاحب کی خدمت میں عرض کریں۔

خط۔۳۸

۷

اہلِ صفا کے روشن ضمیر سے یہ بات مخفی نہ رہے کہ ایک مدت کے بعد خط کے آنے پر خوش ہو کر اس مہربانی کا شکر اپنی بساط کے مطابق ادا کیا اور دل کو سرمایۂ امید سے باحشمت بنایا ہے۔ مختصر یہ کہ مولوی صاحب کی طبیعت نے میری قوت برداشت کو متاثر کر کے میرے صبر و برداشت کی بنیاد(۱) میں آگ لگا دی ہے۔ آپ اور آپ کے چچا مقتدران زمانہ اور نیکان دہر میں ہیں۔ خدا کرے کہ آپ سلامت رہیں، تادیر زندہ رہیں، ہمیشہ ہمیشہ چلتے پھرتے نظر آئیں، دنیا سے آپ کو خیر ملے، اور بلند مرتبوں پر پہنچیں۔ میں آپ کی ان مہربانیوں کو یاد کرتا ہوں کہ جب آپ طرح طرح سے پرسشِ احوال اور مہربانیاں کر کے مجھے نوازتے تھے اور مسافرت کے دکھ اور تنہائی کے غم میرے دل سے رفع کرتے تھے۔ جب سے آپ سے دور ہوا ہوں میں نے آرام کا چہرہ نہیں دیکھا اور محبت کی خوشبو نہیں سونگھی ہے۔ خدارا اگرچہ میں اس لائق نہیں کہ مجھے جلد جلد خط لکھا جائے لیکن (کم از کم) لطف گاہ گاہ سے تو محروم نہ کیجئے۔ اس وقت کہ دل حضرت مولوی صاحب کی طرف نگراں اور ان کی صحت اور خیریت کا طالب ہے آپ نے حکم دیا ہے کہ غالبؔ مغلوب اپنی جھوٹی سچی باتوں کو نظرِ اعجاز اثر میں لائے۔ اے میری جان کی پرورش کرنے والے، اب وہ زمانہ کہاں کہ جب دستِ نوازش قلم رقصاں کے شانے پر ڈالتا اور قوت فکر سے اربابِ فن کا پنجہ موڑ دیتا تھا۔ اب تو اپنی رنگ رنگ کی پریشانیوں میں مبتلا ہوں اور شعر گوئی کا قافیہ تنگ ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود میری آگ سلگ رہی ہے، دل کے زخم سے خون بہہ رہا ہے اور خیال کا ناخن جگر کریدنے میں مصروف ہے۔ چند غزلیں کہ جن سے طراوت فکر ظاہر ہوتی ہے اصلاح کی امید سے تحریر کر رہا ہوں۔

خط[۲]۔۳۹

۸

یہ ایک معافی نامہ ہے ستم رسیدہ غالبؔ کی طرف سے سلطنتِ معنی کے حکمران، فیض مآب، مولوی سراج الدین احمد صاحب

۱۔ دود از نہاد چیزے برآوردن۔ کسی کی بنیاد میں آگ لگا دینا (بہارِ عجم)۔

؎ تا سبزۂ خط از لبِ جاناں برآمدہ دود از نہادِ چشمۂ حیواں برآمدہ (صائب) (مترجم و مرتب)

۲۔ یہ خط ۱۰، پنج آہنگ کا خط ۹، مضمون کے لحاظ سے مشترک ہیں لیکن متن میں اختلاف ہے جو ترجمے سے ظاہر ہے۔ (مترجم و مرتب)

کے ہے۔ گزارش یہ ہے (کہ) والا نامہ نے اپنے ورود کی نسیم سے میری گود اور آغوش کو پھولوں [1] سے پُر کر دیا۔ جواب تحریر کرنے میں تامل درپروائی کے سبب نہیں تھا۔ چاہتا تھا کہ کچھ سرمایہ تحریر ہاتھ آئے اور غیب سے آگہی کی بجلی چمکے۔ اب کہ مدعا طلبی کی منزل آچکی ہے، قلم نے سر کے بل دوڑنا اور شوق نے جواب لکھنے کی تقریب شروع [2] کر دی۔ اے فیض رساں آپ کے گرامی نامہ نے فیض بخش مولوی محمد خلیل الدین خان کی صحت سے آگاہ کیا۔ خدا کی قسم میں اس خبر کا متلاشی اور اس نوید کا جویا تھا۔ میری طرف سے آداب زمین بوسی پہنچائیں اور خط نہ لکھنے کی دوبارہ معذرت کریں۔ امید ہے کہ ایک دو ہفتے کے اندر میرے اوسان بجا ہو جائیںگے اور میں بذریعہ تحریر جناب عالی کو اپنی یاد دلاؤں گا۔ اور دوسرے اس ہی مشکین گرامی نامہ میں آپ نے اپنے دعا گو کو شرعی حکم کے دریافت کرنے کی خدمت سرانجام دینے کی خوش خبری بھی دی ہے لیکن وہی دستاویز جو اس استفتا کا ذریعہ ہو سکتا ہے نہیں بھیجی ہے۔ اگرچہ اس کاغذ کے نہ بھیجنے اور اس کو آئندہ ارسال کرنے سے آگاہ کر دیا ہے۔ بہر طور (مجھے) آپ کی مرضی کی تعمیل کا منتظر سمجھنا چاہیے۔ آسمان اور ستاروں کی گردش کے سبب جو مجھے پیش آیا وہ یہ ہے کہ مئی کی چوتھی تاریخ کو جو ذیقعد کی گیارھویں ہوتی ہے میرے مقدمے کی رپورٹ مرکزی دفتر چلی گئی۔ ہائے ہائے کیا رپورٹ اور کیسا مقدمہ۔ ایسی رپورٹ کہ جو زلف محبوب کی طرح خم درخم اور دل زدوں کے احوال کی طرح برہم ہے۔ شروع میں جو میں حاکم کو مہربان سمجھتا تھا سو اب مجھے شرم آنی چاہیے اگر لمبی چوڑی بات کروں اور (اس کی) شکایت شروع کروں۔ اگر میری امید کی بنیاد مرکزی دفتر کی تحریر پر قائم نہ ہوتی تو اس عدالت کے عمائدین نے میرے وجود کی بنیاد میں (ضرور) رخنہ ڈال دیا ہوتا اور زہر ہلاہل میرے ساغر مقصد میں ملا دیا ہوتا۔ انصاف برائے طاعت۔ اس غدار زمانے کی ناسازی کے باوجود رپورٹ کا رنگ اس قدر ناگوار بھی نہیں ہے۔ فی الحال کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ نہال مراد کی بار آوری میں ابھی کچھ دن اور لگیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ انجام بخیر ہے۔ دوسرے ناانصاف مدعی نے کہ جس نے کلکتہ میں میری غیر موجودگی میں فتنے کی گرد اٹھائی اور جھگڑے کی بنیاد رکھی ہے، نجانے اپنے کام میں کیا خرابی دیکھی کہ حال ہی میں بہن کے بچوں کو لکھا ہے کہ میں تمہاری فکر سے غافل نہیں ہوں۔ لیکن تمہیں چاہیے کہ تم پہلے سررشتہ ریزیڈنٹی دہلی کے دفتر سے رجوع کرو۔ اور ایک صفحہ اپنے چہرے کی طرح سیاہ کرو اور دربار میں پہنچا دو تاکہ میرے ہے مرکزی دفتر سے انصاف طلبی کی کوئی بنیاد ہو سکے۔ اور بس یہ دو سطریں محض آپ کو مطلع کرنے کی غرض سے تھیں۔ والسلام۔

خط [3] ۔ ۴۰

❚

خط دلنواز ایک طویل عرصے کے بعد مدد ور (اس نے) دوسری زندگی عطا کی تاکہ اس عمر کی کہ غم میں بسر ہوگئی' تلافی کر سکے۔

۱- متن میں 'جیب دکنار مرا بہ گل انباشت' ہے جبکہ ترجمہ "جیب وکنارم را بہ گل بینباشت" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- ساز کردن - بمعنی آغاز کردن - آمادہ کردن - عزم کردن۔ (فرہنگ معین) (مترجم و مرتب)

۳- یہ خط اور پنج آہنگ کا خط ۲۴ - مشترک ہیں لیکن متن میں کافی اختلاف ہے جو ترجمے سے ظاہر ہے۔ (مترجم و مرتب)

لیکن اس دل کا کہ جس کی فطرت ہی آمیختۂ غم ہو خوش کرنا آسان نہیں۔ کیا زمانہ تھا کہ آپ کا خط پہنچا اور میں عالم سرخوشی میں چھلانگ مار کر کھڑا ہوا اور ایک دنیائے نشاط سے ہمکنار ہو گیا۔ لیکن اس بار ابھی نظر اس تحریر کی سیاہی سے دوچار بھی نہیں ہوئی تھی کہ دنیا میری نظر میں اندھیر ہو گئی۔ پہلے پہل جو مجھے نظر آیا وہ ایسی دلدوز خبر تھی کہ جس نے دل سے لے کر جگر تک خون کر دیا یعنی (آپ کی) ہمشیرہ کی وفات۔ میں اُس جماعت سے نہیں کہ جب دوست سے جدائی روپذیر ہو تو اس سے رسم و رہ بھی فراموش کر دیں اور تعلقات کو بھلا بیٹھیں۔ مخدومہ مرحومہ وہی خاتون ہیں نا کہ جب ان کی طبیعت کی خرابی کی خبر کلکتے پہنچی تھی تو آپ کا دل بیٹھ گیا تھا اور آپ کے دل پر یکسر سراسیمگی چھا گئی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ ان کی وفات سے آپ کے دشمنوں پر کیسی قیامت گزری ہوگی۔ قادرِ مطلق آپ کو صبر عطا فرمائے اور دل کو توانائی اور رضائے الٰہی پر راضی ہونے کی توفیق عطا کرے۔ اور اس المیہ کو آپ کی کتابِ زندگی میں غموں کا اختتام اور مصائب کا مقطع بنا دے۔ میں سمجھ گیا کہ مولوی صاحب کو بواسیر کی وجہ سے بہت تکلیف رہی ہے لیکن خدا کے کرم سے اب آرام سے ہیں۔ نیک لوگوں کے ان رہنما کی غریب نوازیاں میری نظر میں ہیں اور میں ان کا دعاگو ہوں۔ میری طرف سے تسلیمات پہنچائیے اور میری جانب سے یہ شعر پیش کر دیجئے۔

فرد: گرچہ دورم از بساطِ قرب ہمت دور نیست
بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوانِ شما

(ترجمہ) اگرچہ میں بساطِ قرب سے دور ہوں لیکن حوصلہ دور نہیں ہے۔ آپ کے بادشاہ کا غلام ہوں اور آپ کا ثناخواں

معلوم ہوا کہ میرے مخدوم نئے علاقے سے خوش نہیں ہیں۔ اس انکشافِ حال نے ملال کی صحرا صحرا گرد دل پر ڈال دی۔ خدا کے واسطے دل تنگ نہ ہوں اور کلکتے کو غنیمت سمجھیں۔ اس پاکیزگی کا شہر اور ایسی شادابی کا بہارستان روئے زمین پر کہاں ہے۔ اس شہر کی خاک نشینی دوسری سرزمین کی سریرآرائی سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں متاہل نہ ہوتا اور پرورشِ عیال کا طوق میری گردن میں نہ پڑا ہوتا تو جو کچھ بھی ہے اس سے دامن جھاڑ کر اپنے آپ کو اس جگہ پہنچاتا اور جب تک زندہ رہتا اسی جنت میں رہتا اور ہندوستان کی ناگوار آب و ہوا کے دکھوں سے آرام پاتا۔ کیا کہنے ان ٹھنڈی ہواؤں کے اور کیا کہنے اس کے گوارا پانیوں کے۔ مبارک ہو وہ بادۂ ناب اور شاد باد وہ میوہ ہائے پیش رس۔ چنانچہ غالبؔ دہلوی کہتا ہے۔

ہمہ گر میوۂ فردوس بہ خوانت باشد
غالبؔ آں انبۂ بنگالہ فراموش مباد

(ترجمہ) اگر تیرے دسترخوان پر جنت کے سارے میوے بھی ہوں۔ (پھر بھی) غالبؔ بنگال کے وہ آم بھلائے نہیں جاسکتے۔

خط۔۴۱

۱۰

میری زندگی اور میری جان!

آپ کے گرامی نامے کے پہنچنے کے بعد میں اس فکر میں تھا کہ جواب تحریر کروں اور اپنا حال تفصیل سے لکھوں۔ کل کہ ذی الحجہ کی پندرھویں تاریخ اور پیر کا روز تھا، اطلاع ملی کہ مجموعۂ اخلاق کا شیرازۂ زندگی بکھر گیا۔ میرے منہ میں خاک، مسٹر اسٹرلنگ نے جانِ جاں آفریں کو سپرد کر دی۔ کاش میرے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیتے اور یہ سمع خراش خبر نہ پہنچتے۔ اب کس سے غمخواری کی امید رکھوں اور دل کو کس کی گردشِ چشم کے خیال سے تسکین دوں۔ وہ رپورٹ کہ مسٹر فرانسس ہاکنس نے مجھ کشتنی اور سوختنی کے مقدمے کے بارے میں مرکزی دفتر بھجوائی ہے، کیا بتاؤں کہ کس قدر امید شکن اور غم افزا ہے۔ مجھے میدانِ فنا کے اس تیز گام کی مشکل کشائی پر بھروسہ تھا۔ مدعی نا انصاف نے (میرے) مقصد کی راہ میں جو فساد کی گرد اڑائی ہے کیا بتاؤں کتنی نظارہ سوز اور جانکاہ ثابت ہوئی ہے۔ میں اس کی حمایت کے ہاتھ کے سایے تلے آرام کی زندگی گزار رہا تھا۔ اب تو دونوں طرف سے آسمان دشمن کی کامیابی کے درپے ہے۔ کہاں کا مقدمہ اور کیسی رپورٹ۔

فرد: از منِ خستہ چہ پرسی کہ چہ حال است ترا
حالِ من حالِ سگاں، ایں چہ سوال است ترا

(ترجمہ) مجھ تھکے ماندے سے تو یہ پوچھتا ہے کہ تیرا کیا حال ہے۔ میرا حال، کتوں کا حال (جیسا ہے) یہ تیرا سوال کیسا ہے۔

خدارا اس خط کے جواب میں تامل نہ کیجیے گا۔ حالات تفصیل سے لکھیے کہ اس اعلیٰ نسب کو کیا پیش آیا اور اس باغِ انسانیت کے پودے کو کس آندھی نے جڑ سے اکھاڑ دیا، اور پھر اس کے بعد دفتر کا کیا انجام ہوا اور اس جگہ کون آیا۔ آیا یمن فریزر صاحب بہادر نے سیکرٹری کونسل کے عہدے پر اپنے پاؤں جما دیے یا اس منصب کے لیے کسی دوسرے کو تعینات کیا گیا۔ مزید کہ ان حالات میں آپ پر کیسی گزری ہوگی لکھنے سے گریز نہ کریں اور جس قدر جلد ہو سکے لکھیے۔ اگرچہ گرامی نامے نے مخدومی جناب مولوی خلیل الدین خان صاحب کے احوالِ خیر میں ترقی کی خبر دیکر تمنا پر جنت کے دروازے کھول دیے ہیں لیکن خدا کی قسم وہ توانائی نہیں کہ لفظ لفظ جوڑ کر مبارکباد کا ایک گلدستہ بناؤں۔ والسلام وھو خیر الکلام۔

خط ۔ ۴۲

II

قبلۂ من

بارہا میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ شاید مولانا سراج الدین احمد کلکتے سے چلے گئے ہیں ورنہ مجھ سے کس قدر رنجش ہو جانے اور کتنی مدت کے دوران خط نہ لکھنے اور یاد نہ کرنے کا کیا امکان تھا۔ پھر کہتا ہوں اگر ایسا ہی تھا تو بھلا انہوں نے مطلع کیوں نہیں کیا۔ کبھی دل میں یہ کھٹک ہوتی ہے کہ دوستوں کی دوری کے سبب مجھ سے اور میرے احوال سے صرف نظر کی ہے۔ خدا کی قسم کہ میرا دل اس قضیے میں گرفتار ہے اور اس امر کی گواہی نہیں دیتا۔ آپ کے دعوے کی سچائی، قول کی پختگی، مزاج کی ثبات قدمی اور طبیعت کی سنجیدگی مجھے اس وسوسے سے روکتی ہیں۔ غرضیکہ زمانے کے طور طریق سے حیرت زدہ اور گردش لیل ونہار کا مارا ہوا ہوں۔ جناب مستطاب مولانا حضرت عبد الکریم صاحب کی عرضداشت آپ کے خط میں لف کر کے آپ کو بھیج چکا ہوں۔ امید اس بات کی تھی کہ نسیم بہار سے زیادہ دل نواز ایک جواب آئے گا اور طبیعت کو خوشی دے گا وہ بھی میسر نہ ہوا اور خیال خام ہو گیا۔ اپنی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر زمانے کے طور طریق کی بدنظمی پر حیران ہوں اور نہیں سمجھتا(۲) کہ ضابطے کیوں پھر گئے اور دستور کس سبب الٹے ہو گئے۔ دو مہینے سے یہ سن رہا ہوں کہ مارٹن صاحب ریزیڈنٹ حیدرآباد دہلی کی ریزیڈنسی کے لیے نامزد ہو گئے ہیں لیکن تا حال دہلی میں ان کے قدموں کی گرد نظر نہیں آتی۔ زمرۂ حکام کے خواص کو بھی آگاہی نہیں کہ وہ نامعلوم شخص کہاں ہے اور اس کی آمد میں تاخیر کیوں ہے۔ دوسرے مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ مسٹر اسٹرلنگ کے مرنے کے بعد دفتر پر کیا گزری۔ اس قدر واضح ہوا ہے کہ فی الحال سیمن فریزر صاحب سکرٹری کا کام کریں گے اور بس۔ خبر ہے کہ جناب نواب گورنر جنرل بہادر اکتوبر کے مہینے میں ہندوستان آئیں گے۔ گذشتہ سال میں نے عجیب قیامت عملے کے لوگوں اور دفتر کے متعلقین میں دیکھی ہے۔ بلکہ اس ہنگامے ہی میں میں نے بھی اپنی کشتی طوفان بلا میں ڈال دی ہے۔ ابھی جناب نواب عالی صفات کی آمد کی خبر پر مجھے یقین نہیں آ رہا۔ کاش دادخواہوں کے زمرے میں میرا شمار نہ ہوتا کہ اس کشمکش سے آزاد زندگی گزارتا اور خوشی اور غم کو یکساں سمجھتا۔ کیا کروں کہ دل اس جھگڑے سے تنگ ہے اور میں بے بس ہوں۔ [illegible] خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ جناب نواب گورنر بہادر نے ایک پرائیویٹ کونسل (کی تشکیل) کا فیصلہ کیا ہے اور رام موہن رائے اس کونسل کے ایک رکن ہیں۔ اگر حقیقت یہی ہے تو میرے حال پر خون رونا چاہیے۔ آپ کو بھی اس راز کی کوئی خبر ہے؟ ہمہ تن چشم حیرت ہوں۔ خاص طور پر اپنے مقدمے کے بارے میں کہ ابتدا میں کس صورت پر تھا اور اب کیا پیش آیا۔ میں نے مانا کہ اس تک کے نہ ہونے نے یہ خرابی کی بنیاد ڈالی لیکن دوسرے تمام اراکین کونسل تو وہی تھے کہ جنہوں نے ابتدا میں میرے مقدمے کو پروانہ(۳) درتی دیا

متن میں [illegible] "یاد آرہا" ہے۔ ترجمہ اس کی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ متن میں "تیج کی کمر" ہے۔ ترجمہ "تیج کی کمر" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۳۔ متن میں "پروانۂ دروں" ہے۔ ترجمہ "پروانہ داخلی" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

تھا۔ حاکم دہلی نے (اگر) میرے بارے میں بدگوئی[1] کی تو سابقہ حکم کو (انہوں نے) کیوں فراموش کر دیا۔ خدا بھلا کرے یہ شعر کہنے والے کا۔

فرد: ناکامی و کامیابی ماسہل است
اما زادائے بے روشی (۲) می رنجیم

ترجمہ: ہماری کامیابی اور ناکامی معمولی بات ہے۔ (لیکن) ہمیں دکھ بے ضابطگی کی ادا سے ہوتا ہے

خیال میں آنے والی باتوں میں سے عجیب تر یہ ہے کہ وہ امر کہ جو فلاں بیگ کی رسوائی اور بدنامی کا باعث ہوا تھا یعنی رشوت ستانی' آجکل اس شخص کے دور میں کہ میں جس کا مارا ہوا ہوں' اس قدر عام ہو گیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ نواب گورنر بہادر اس طرف توجہ کیوں نہیں دیتے اور خلقِ خدا کو اس ظالم کے پنجے سے نجات کیوں نہیں دلاتے۔ دوسرے اس اتفاق کی آگ سے سلگ رہا ہوں کہ کلکتے کے دوستوں مثل نواب علی اکبر خان و مولوی ولایت حسن صاحب و رائے رتن سنگھ سیما و جناب احمد بیگ خان نے' دو مہینے سے مجھے ایک سطر نہیں لکھی ہے۔ سو اب کیا کروں اور امداد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کس سے اطلاع حاصل کروں اور کس طرح معلوم کروں کہ اس علاقے کا کیا احوال ہے۔ میرا زور تو آپ پر ہی چلتا ہے اور آپ کو میں نے صرف آج ہی نہیں بلکہ پہلے دن سے ہی صاحب دل اور روشن ضمیر گردانا ہے۔ خدا کے واسطے اور اُس محبت کے واسطے سے کہ میرے اور آپ کے درمیان ہے رحم کیجئے اور مختصراً تمام احوال کہ جو آپ کو معلوم ہو مجھے لکھیے کہ دل شکستہ کو سکون ملے۔ والسلام۔

خط۔۴۳

۱۲

قبلۂ دیدہ و دل خدا آپ کو سلامت رکھے'

میں حیران اس امر پر ہوں کہ ایک اقبال مند جواں سال حاکم کی اچانک موت میں کیا حکمت تھی اور قضا و قدر کے دفترِ اعلیٰ کے کارکنوں کو اس واقعہ سے کون عظیم نتیجہ نکالنا منظور تھا۔ اب معلوم ہوا کہ غالبؔ بدبخت کی امید کو سیلاب فنا میں بہا دینا مقصود تھا اور اس کی صورت نہیں نکلتی تھی بجز اس طوفان ہوش ربا کے ظہور کے۔ اس ابہام کی وضاحت یہ ہے کہ اُس خراب آباد کے حاکم نے کہ جسکو فرانسس ہاکنس کہتے ہیں' فیروز پور کے جاگیردار کے ساتھ رشتہ محبت و الفت باندھ کر یہ چاہا کہ مجھے مروا ڈالیں۔ (لہذا) اپنی مرضی کے مطابق ایک رپورٹ مرکزی دفتر بھجوا دی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ اختیارِ بالا ایک انصاف پسند فرشتہ خصلت حاکم کے پاس ہے جو انصاف پر

۱۔ سعایت کے معنی ہی بدگوئی اور چغل خوری کے ہیں۔ اس کے ساتھ 'بد' کا لاحقہ فاضل ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ متن میں "بے روش" ہے جبکہ درست "بے روشی" معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

کمر بستہ ہوگا اور رپورٹ کی اصلاح کرے گا۔ (لیکن) اتفاق یہ ہوا کہ رپورٹ کے پہنچنے کے پانچ دن بعد میرے مرکزِ امید کو موت نے آلیا اور اسکی جہاں بین آنکھ بند ہوگئی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ رپورٹ پر کیا کاروائی ہوئی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ رخصت ہونے کے دن میں اپنی معروضات کی فہرست پیش کر کے روانہ ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ (میری معروضات) رپورٹ کو سامنے رکھ کر ملاحظہ کی جائیں۔ (لیکن) وہ بھی مکان عدم کے تہ خانے میں بیٹھی رہ گئیں۔ کیا جانوں کہ میرے بڑے نصیب نے وہاں میرے ساتھ کیا کیا۔ اس جگہ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ صاحب نے مجھے بلایا اور کہا کہ مسٹر فرانسس ہاکنس صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ ہماری یہ تجویز ہے اور ہم نے یہی حکم دیا ہے کہ نصر اللہ خان کے متعلقین فیروز پور کے جاگیردار کی پیش کی ہوئی سند کے مطابق پانچ ہزار روپے سالانہ جس طرح ماضی میں حاصل کرتے رہے ہیں آئندہ (بھی) پاتے رہیں گے۔ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور انتہائے حیرت میں پاگل ہوگیا کہ یہ بندۂ خدا کیا کہتا ہے۔ اس پانچ ہزار کی بابت تو میں نے خود کونسل کو بتلایا تھا اور اس (رقم کی) مقدار پر اپنی ناراضی کا اظہار کر کے ہی تو میں نئے فیصلے کا طلبگار رہوں۔ سابقہ کونسل کی تجویز کا کیا ہوا اور مرکزی دفتر کے حکام کو کیا پیش آیا۔ کرنل مالکم صاحب کی سند پر مندرجہ دس ہزار روپے کون لے اڑا؟ خدا کی قسم اس وقت شش جہت سے چارہ جوئی کے دروازے بند ہیں اور دنیا مجھے اپنی مخالف نظر آرہی ہے۔ میں نے چاہا ہے کہ ایک عرضداشت نواب گورنر جنرل بہادر کے ذریعے سیمن فریزر بہادر کی خدمت میں ارسال کروں تا کہ اُس کا ترجمہ کونسل کی نظر سے گزرے اور صاحبانِ صدر کو میرے احوال کی خبر ہو اور اس کام میں مولوی صاحب اور آپ کی عنایت چاہیے کہ کام رواں ہوجائے۔ چونکہ ڈرتا ہوں کہ اُس بزم میں بھی ایک عالم میرے خون کا پیاسا ہے، امید کرتا ہوں کہ مولانا کی خدمت میں آپ خود بھی اپنی جانب سے عرض کردیں گے کہ اسد اللہ رحم کا سزاوار ہے اور آپ کا غلام و خدمت گار ہے۔ دشمن کے بالمقابل کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اس کی عرضداشت انگریزی میں ترجمہ ہو کر کونسل میں پیش ہوجائے۔ بلکہ اس کا کچھ ابتدائی حال صاحب سکرٹری کے بھی گوش گزار کردینا چاہیے تا کہ ایک ناکام کا خیال کریں اور ایک واماندہ کو بچائیں۔ فقط۔

خط۔۴۴

۱۳

قبلہ من!

جب میں نے سنا کہ آپ کلکتہ پہنچ گئے ہیں تو خدا کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا سپاس ادا کیا۔ میں اپنی صفائے ارادت پر ناز کرتا ہوں کہ جناب کے محبت نامہ کے نہ آنے کو بیگانگی اور فراموشی پر محمول نہیں کیا ہے اور آپ کو معاف رکھا ہے۔ کونسل کی عدالت میں میری عرضداشت کے پیش ہونے اور جاگیردار فیروز پور کی پیش کردہ اصل سند کی طلبی یا دوسرے (متعلقہ) حالات کا آپ کو علم ہوا ہوگا بلکہ اس سند کے پہنچنے اور اس خط کے ورود سے پہلے منصفین کی تجاویز کا اندازہ بھی آپ کے ملازمان اعلیٰ کے لیے نظر افروز ہوا ہوگا۔ یہ معلوم کر کے کہ نواب گورنر بہادر گیارھویں اکتوبر کو ہندوستان روانہ ہوگئے ہیں اور پرنسپ صاحب نے محکمہ سکرٹری میں فتحمندی کے ساتھ قدم

رکھا ہے ایسی حیرت میں ڈال دیا ہے کہ جس کی گتھی سرکاری اہلکاروں کی توجہ کے ناخن کے کھولنے کے لائق ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ مستقل یہ خبریں آتی رہیں اور عوام میں پھیل گئیں کہ فارسی اور انگریزی کے دفتروں میں الحاق ہو گیا ہے اور ان دونوں دفاتر کی افسری کے لیے مسٹر سوئنٹن بہادر کا فیصلہ ہوا ہے۔ اس صورت حال میں جناب ایمن فریزر بہادر کو کیا پیش آیا اور ان کی ذات بابرکات اب کس دربار میں رونق افروز ہوئی۔ دوسرے یہ کہ صاحبان والا شان میں سے ایک نے بتایا کہ کرنل اندک اس جہان سے کوچ کر گئے۔ مرزا ابوالقاسم خان اور آغا محمد حسین کے حال پر افسوس اور اس سے بڑھ کر اپنی زندگی پر افسوس کہ فدا بیگ کلکتے میں آگ بھڑکانے میں مصروف اور میں اس شہر بے شہریار میں پتھروں سے سر پھوڑ رہا ہوں اور ناکامی میں جان دے رہا ہوں۔ کوئی میری آہ و بکا نہیں سنتا۔ کیا کہوں اپنے نصیب سے کس قدر شاکی ہوں اور ہجوم غم نے مجھے کیسا بد حال کر دیا ہے۔ ایک مخلوق میرے آزار کے درپے ہے اور ایک دنیا میرے خون کی پیاسی ہے۔ اگر آپ کانپور پہنچ گئے ہیں اور اپنے دولت خانے میں آسودہ ہیں تو خدا کے واسطے کلکتے کا حال مفصل لکھیے۔
والسلام۔

خط۔ ۴۵

۱۴

قبلۂ من!

آپ کے نامہ دل فزا کے ورود نے روح کو تازگی سے نوازا اور دل کو نور علم سے منور کر دیا۔ مجھے آگہی ہوئی کہ میں بے کس نہیں ہوں۔ میرا بھی کوئی ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اور آپ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں۔ آپ کی اپنی ذات اور کارخانوں کی بے رونقی کے باعث دل کو یک گونہ ملال ہوا۔ خدائے بخشندہ آپ کو کہ (اپنے) عہد کے نیکوں میں سے ہیں بلند مراتب پر پہونچائے اور جس قسم کا انقلاب بھی رونما کیوں نہ ہو تازہ ترقی پر فائز کر دے۔ امید کرتا ہوں کہ جناب عالی دنیا کے خوش و ناخوش کو کس کا اعتبار دیکر اپنا چہرہ خلق خدا کی طرف اور دل اللہ کی جانب رکھیں گے۔ خدا کی قسم کہ جب کبھی آپ کی کثرتِ اخراجات اور حالات زمانہ پر نظر پڑتی ہے تو دل آپ کے لیے جلتا ہے۔ خاص طور پر جس وقت میں اس سفر کے مصائب و شدائد کا جو آپ نے کیا ہے جائزہ لیتا ہوں۔ لیکن خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ خیریت کے ساتھ اپنے دولت خانے پہنچ گئے اور راستے کی صعوبت تمام ہوئی۔ دوسرے گرامی نامے کے لکھے ہوئے حالات پورے طور پر معلوم ہوئے۔ اپنے بارے میں میرا یہ خیال ہے کہ میں محروم نہ رہوں گا اور میری دادرسی ہوگی چونکہ میں صرف حقیقی حق کے ظہور کا طلبگار ہوں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ کتنی بھی تحقیقات کیوں نہ ہو مطلب کے مطابق اور میری آرزو کے حق میں ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے شروع ہی میں سرکار کے دفتر کو گواہ بنایا ہے اور مرکزی دفتر کے حکام نے جناب ملکم صاحب بہادر کے خط کو محکمہ ریزیڈنٹی دہلی میں بھیج دیا ہے اور میری پرورش کے اخراجات کی مقدار اس تحریر کے مطابق متعین کی ہے۔ بہر طور معلوم ہونا چاہیے کہ چونکہ مرکزی دفتر کے حکام نے مدعی علیہ کی ارسال کردہ سند کو ملکم صاحب کے پاس بھیج دیا ہے مذکورہ چٹھی کو بھی اس سند کے

ساتھ ہی بھیج دیا ہوگا۔ یہ صورت احوال میرے بے خوش خبری ہے کہ میرا داغ مرہم تک اور میرا مرض دوا تک پہنچ گیا۔ یہاں مشہور ہے کہ ملکم صاحب بہادر ولایت چلے گئے ہیں۔ شاید ابھی روانہ نہ ہوئے ہوں جو کچھ مرزا احمد بیگ صاحب قبلہ و کعبہ کی جانب سے تحریر تھا گوش ہوش کا آویزہ بن گیا۔ جناب عالی میرا حال نہ پوچھنا اور مرزا صاحب کے دعوے کے مطابق حکم صادر کر دینا مقدمہ کا یک طرفہ فیصلہ ہے اور یہ محبت کے قانون کے خلاف ہے۔ پہلے تو میں یہ عرض کروں کہ میں مرزا صاحب کو کس قدر چاہتا اور ان کا کیا مرتبہ سمجھتا ہوں۔ اور اس کے بعد اپنی شکستہ دلی کے سبب کی وضاحت کروں گا۔ میرا خدا بہتر جانتا ہے اور مجھے اس کے عظمت و جلال کی قسم ہے کہ میں احمد بیگ خان کو بغیر کسی لگی لپٹی کے نصر اللہ بیگ خان کی طرح اپنے بزرگوں میں سے شمار کرتا ہوں اور میرزا کے سامنے اپنے اور عبداللہ کے درمیان فرق نہیں کرتا۔ اور کبھی بھی کوئی ایسی بات کہ وسوسے کا باعث ہو احمد بخش خان کی طرف سے میرے گمان کے قریب بھی ہو کر نہیں گزری۔ میں نے اسقدر سمجھ لیا ہے کہ جب میں کلکتے میں نہیں ہوں تو فلاں بیگ نے میری غیبت میں تنہائی میں اور سر بزم اپنے مطلب کے موافق باتیں کی ہوں گی۔ اور اپنی بہن کے چودوپینی حاجی فلاں کو احباب کے بیچ اونچی قیمت پر فروخت کیا ہوگا۔ اور اس کو لوگوں کی نظر میں باوقعت بنا کر سراہا ہوگا۔ اور مرزا صاحب نے اس کی بے سرو پا کہانیوں پر یقین کر کے اور کچھ نہیں تو اسقدر ضرور سوچ لیا ہے کہ خواجہ حاجی فلاں کا مستحق بنتا ہے اور اسد اللہ ظلم کر رہا ہے، وہ چاہتا ہے کہ تلبیس حق کرے اور حقوق کے تلف کرنے میں کوشاں ہو۔ حالانکہ واللہ باللہ ثم تاللہ۔ ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے حاجی فلاں اور فلاں بیگ کا مکمل حال نہیں بتایا ہے۔ اور مصلحت نے مجھے ان کہانیوں کے سنانے سے روکے رکھا ہے ورنہ حاجی فلاں نے تو نصر اللہ بیگ خان کے خاندان کے ساتھ وہ (سلوک) کیا ہے جو یزید نے آل رسول سے۔ (یہ بات) صرف میں تنہا نہیں کہہ رہا بلکہ دنیا اس دعوے کی گواہ ہے۔ دہلی سے اکبرآباد تک ایک لاکھ آدمی اس دور میں (ایسے) ہیں کہ جو کچھ کہ میں کہہ رہا ہوں' اس سے واقف ہیں۔ قصہ مختصر ان وساوس کے باوجود کہ جو مجھے فلاں بیگ کی طرف سے تھے' میرا دل مرزا بیگ سے کھٹا نہیں ہوا تھا۔ لیکن جب فلاں بیگ نے اپنے خواہرزادوں کی طرف سے اپنے حق میں سفارش (۱) لکھوا لی اور کونسل میں فساد کی گرد اٹھائی اور مجھے یہ ساری باتیں باہر سے معلوم ہوئیں تو میں نے کہا کہ بھلا اس کا کیا امکان ہے کہ مرزا صاحب ان تمام امور سے واقف نہ ہوں اور یہ علم ہوتے ہوئے انہوں نے مجھے کیوں نہ آگاہ کیا' سخت مایوس ہوا اور میں نے کہا

فرد: دل بر جفا نهم که بجز صبر چاره نیست
اکنوں که دوست جانبِ دشمن گرفته است

(ترجمہ) میں جفا پر راضی ہوتا ہوں کہ بغیر صبر کے چارہ نہیں ہے۔ ان حالات میں کہ دوست (ہی) دشمن کا طرف دار بن گیا ہے

اللہ کا شکر ہے کہ میں قول کا سچا ہوں اور میرے دل و زبان میں ہر بات میں یگانگت رہی ہے۔ میں نے اپنی محبت اور اس محبت کے درجے کو کہ میرزا صاحب سے مجھے رہی ہے' ٹھیک ٹھیک بیان کیا ہے اور وہ شکوہ بھی کہ جو میرے دل میں ان کی طرف سے تھا

۱- متن میں 'رشوتے' لکھا ہے۔ جو سیاق و سباق کے مطابق نہیں معلوم ہوتا۔ بہر صورت مفہوم 'سفارش' کا ہی نکلتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

معہ اپنے گمان کے بے کم وکاست بیان کر دیا ہے۔ اب اگر طریق مہر ووفا کے مطابق میں خطا کار اور مجرم ٹھہرتا ہوں تو مجھے سزا ملنی چاہیے اور اگر میں رحم کا سزاوار ہوں تو مجھے میری تقصیر کی معافی کی نوید (ملنی چاہیے)۔ میرا پورا حال مرزا صاحب کی خدمت میں بیان کر کے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی قسم میں آپ کو اپنا سگا چچا اور بزرگ معنوی سمجھتا ہوں اور مجھے خط کے دیر سے پہنچنے کی شکایت نہیں ہے بلکہ میں اس خیال سے پریشان اور اس گمان میں گرفتار ہوں۔ اور قسم بخدا کہ جب کبھی کہ وہ شکایت کے وجوہ پر نظر ڈالیں گے تو میری یگانگت، راستبازی، صاف دلی اور پاک باطنی پیشتر[1] سے بیشتر ظاہر ہوگی۔ زیادہ نیاز۔

خط۔۴۶

۱۵

میرا سراپا آپ کے سراپے پر قربان ہو جائے،

بہت دنوں سے آپ کے دلنواز خطوط نہیں پہنچ رہے ہیں اور مجھے شکستہ خاطر کر رکھا ہے۔ بلآخر نواب مبارک اوصاف اس جگہ آ پہنچے اور مجھے دوسرے حاکموں کے شکنجے سے چھڑا دیا۔ اس احوال کی تفصیل احمد بیگ خان کے نام کے خط میں کہ اس میں بھی ضمنی طور پر روئے سخن آپ کی طرف ہے، تحریر کردی گئی۔ غالباً آپ کی رائے عالی سے آگاہ ہو گئے ہونگے۔ لیکن جو کچھ بھی لکھا گیا ہے بکواس ہے اور جو کچھ اب لکھا جا رہا ہے وہ راز ہے۔ جو تحریر کیا جا چکا ہے، وہ خبریں ہیں اور جو رقم کیا جا رہا ہے وہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ ظاہر ہے کہ پریشان حال غرض مند صرف خبروں سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کرنے میں الجھا رہتا ہے۔ نواب جہانیاں مآب کا التفات ارکانِ کونسل کی توجہ کی غمازی کرتا تھا۔ یقیناً اگر میرا استحقاق کونسل عالیہ پر ثابت نہ ہوتا تو کونسل کا رکنِ رکین میری طرف محبت سے نہ دیکھتا اور میرے حالِ زار کی طرف اتنی توجہ نہ کرتا۔ خدا کے واسطے اس ضمن میں کوشش کریں اور اندر کی بات معلوم کریں اور اس سے مجھے آگاہ کریں۔ آخر کاغذوں کی تیاری اور لشکر کوان کی ترسیل اُس دنیا کی باتیں تو نہیں کہ انسان سے پوشیدہ رہ سکیں۔ یہ سننے میں آ رہا ہے لشکر جے پور نہیں جائے گا اور سیدھا اجمیر چلا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ لوگ کہتے ہیں گورنر بمبئی وہاں پہنچ رہا ہے اور آسمان جہانبانی کے یہ دونوں ستارے (ایک برج میں) جمع ہو کر تجویز شدہ نئے قوانین کو گہری نظر سے دیکھیں گے اور ایک دوسرے کے تعاون سے اُن کے اجرا کا بندوبست کریں گے۔

۱- دراصل یہ ''بیشتر از پیشتر'' ہے جو غلط العام ہو کر ''بیشتر از بیشتر'' ہو گیا ہے جو متن میں ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط۔۴۷

۱۶

خدا آپ کو سلامت رکھے اور طویل عمر دے'

میرے محسن اگر عنایت کے بدلے میں، میں آپ کی تعریف کردوں اور ہر مہربانی کے لائق اس کا شکریہ بھی ادا کردیا جائے تو سلسلۂ سخن کہیں منقطع نہیں[1] ہوتا اور دوسرے مطالب کے اظہار کی گنجائش نہیں رہتی۔ ناچار اس گفتگو کو میں نے کام و زبان سے دل و جان کے سپرد کردیا ہے اور اپنے آپ کو آپ کی جگہ تصور کیا ہے۔ اے میری زندگی اور اے میری جان' اپنی زندگی اور آپ کی جان کی قسم کہ اس زار نالی اور قضیہ آرائی سے میرا مطلب سچی بات کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ ملمع کاری کی باتوں کا جمع کرنا۔ انصاف بالائے طاعت۔ اپنی جیب سے کوئی سند نہیں نکالی ہے اور کوئی دستاویز بھی اپنی عرضداشت کے ساتھ پیش نہیں کی ہے۔ اب تو یہ ارادہ ہے کہ اگر حکام حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں تو فقیروں کی طرح ان کے دروازے پر پہنچ کر اپنا درد دل ایسے لحن میں ادا کروں کہ ہوا میں اڑتے پرند اور پانی کی مچھلیاں بھی میرے حال (زار) پر رونے لگیں۔ اِدھر اُدھر کی خبروں سے تفننِ طبع کے لیے ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ نواب اعلیٰ القاب میرے مقدمے کے کاغذات محکمہ ریزیڈنٹی سے اپنے ساتھ لے گئے اور اب انہوں نے محکمے سے وہ کاغذات (بھی) کہ جو محکمے میں موجود تھے وہاں سے طلب کیے ہیں۔ فرماتے تھے کہ کلکتے سے کاغذات کے پہنچنے کے بعد مسل کو ترتیب دے کر اور مناسب حکم کا اجرا کرکے اس حکم کی نقل دفترِ خاص سے دادخواہ کو ارسال کردی جائے گی اور ان تمام منازل کا انکشاف دسویں دسمبر کو ہوا ہے (لیکن) آج تک کہ مارچ کی پندرھویں ہوگئی ہے اس ضمن میں کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا ہے کہ جس کی اطلاع دی جاسکے۔ اور نہ ہی کیمپ دفتر سے کوئی خبر آئی ہے کہ بتائی جاسکے۔ وہ احباب کہ جو کیمپ دفتر میں ہیں اتنا بھی نہ کرسکے کہ کاغذات کے پہنچنے اور مسل کے مرتب ہونے کی اطلاع ہی دے دیتے' (عرضداشت) قبول ہوجانے اور توقعات کی خوش خبری تو پھر دور کی بات ہے۔ اس سرزمین کی پراگندہ خبروں میں یہ کہ بارلس بہادر سپہ سالار دہلی پہنچ گئے اور انہوں نے کشمیری دروازے کے باہر ایک میدان میں کہ نواب گورنر بہادر کی خیمہ گاہ تھا' پڑاؤ ڈالا اور مارچ کی دسویں کو ہفتے کے دن یہ تین صاحبان شاہ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بارلس بہادر سپہ سالار مذکور' میم مارٹن بہادر رسیڈنٹ دہلی اور ولیم فریزر کمشنر دہلی۔ ان سب میں سے سپہ سالار کو عطائے خلعت' ماہی مراتب اور نوبت جیسے سپہ سالاری کے لوازمات سے سرافراز کیا گیا۔ اور محتشم الدولہ سیف الملوک خان عالم خان بہادر سپہ سالار سر ایڈورڈ بارلس بہادر شجاعت جنگ خطاب پایا اور دوسرے دن اتوار کے روز میرٹھ روانہ ہوگئے۔ دوسرے ولیم مایم مارٹن بہادر کو خلعت شش پارچہ اور عطر و پان بطریق رخصت عنایت ہوا اور وہ رخصت ہوا۔ کل اتوار کے دن شام کے وقت (تیز رو) پالکی میں اندور چل دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اندور کی اجنٹی پر تعینات ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ولیم فریزر بہادر کمشنر دہلی کو خلعت عطا ہوئی اور مدبر الدولہ انتظام الملک صفوت یار خان ولیم فریزر بہادر صلابت جنگ کے خطاب سے نوازا گیا۔ کہتے ہیں کہ دہلی کی ریزیڈنٹی کمشنر دہلی کو دیدی گئی۔ اب یہ دونوں فرائض ایک ہی صاحب والاشان سے

۱۔ متن میں ''منقطع نہ نشود'' ہے ظاہر ہے اس میں ''نہ'' زائد ہے۔ (مترجم و مرتب)

تعلق رکھتے ہیں۔ ریزیڈنسی کا عملہ بدستور ہے۔ تادمِ تحریر کسی قسم کی چھانٹی یا تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہ مشہور ہے کہ اب راجگان کا تعلق اس شخص سے ہوگا کہ جو اجمیر میں (مقیم) ہے اور وہ بھی اس طریقے سے کہ سننے والے اس معاملے میں لاچار ہو گئے ہیں یعنی مہاراجہ صرف نیمچ کا ہوا کرے گا اور باقی ماندہ راجگان میں سے کچھ دہلی سے وابستہ ہوں گے۔ اور ان میں ایک جماعت ایسی ہے کہ جن کے احوال سے لوگ پریشان ہیں (سو ان کو) نہ ہی دہلی سے متعلق سمجھتے ہیں اور نہ اجمیر کی جانب ہانکتے ہیں۔ دوسری خبر یہ ہے کہ نواب عالی جناب چودہ مارچ کو متھرا پہنچے ہیں اور آج پندرہ مارچ تک اسی جگہ آرام پذیر ہیں۔ اور کل کہ سولہ مارچ ہے کوچ کریں گے اور منزل بہ منزل سفر کرتے چوبیس مارچ کو دہلی پہونچیں گے۔ نمعلوم اس واپسی کا کیا مقصد ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مرحلے پر شاہ دہلی سے ملیں گے۔ اور دونوں طرف کی گرد ملال بیٹھ جائے گی۔ دوسرے کہتے ہیں کہ نواب عالی جناب دو تین دن دہلی میں قیام کر کے ملک کی بے انتظامی کا ازالہ کریں گے اور نئی بنیادیں رکھیں گے مناسب احکامات جاری کریں گے اور راجستھان کے لیے کوئی نیا طریق انتظام اختیار کیا جائے گا۔ اور جنرل لارڈ لیک بہادر کے عہد کے جاگیرداروں کو محاسبہ کے شکنجے میں کھینچا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس مرحلے میں میرا حق[1] خوابیدہ بھی تسلیم کر لیا جائے اور میری انصاف طلبی صحیح ڈگر پر آ جائے۔

خط۔۴۸

۱۷

یہ نیم جان کہ مجھ میں ہے آپ کے سراپا پر قربان ہو جائے

میں نے یکے بعد دیگرے دو خط آپ کو بھیجے ہیں۔ پہلے خط میں تو ایک تدبیر بتائی ہے اور دوسرے میں اس ہی تدبیر کی بنیاد فراہم کی ہے۔ جب کام میں نے آپ کے حوالے کر دیا اور اس کی چارہ جوئی میں آپ مجھ سے زیادہ طاقتور اور کاربرآری میں مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں تو میں کیوں بکواس اور ہرزہ گوئی کرتا رہوں۔ جو رائے میں نے دی ہے اور جو دھاگا میں نے بٹا ہے خدا کرے کہ آپ کی عقل روشن اور فکر رسا اس کو سعادت کے ساتھ قبول کر لے۔ جنابِ من آج جمعہ اپریل کی تیرھویں تاریخ ہے۔ خط لکھنے کا غذ اور روشنائی استعمال کرنے اور انشا آرائی کی اتنی مہلت ملی ہے کہ دل کی بات کاغذ پر تحریر کر کے نوکِ قلم کو تھکا رہا ہوں اور روئے صفحہ سیاہ کر رہا ہوں۔ واضح ہو کہ نواب اعلیٰ القاب بتاریخ ۲۶ مارچ اس شہر میں پہنچ کر اندرون شہر ریزیڈنسی کی کوٹھی میں اترے ہیں۔ اور دو روز بعد شکر اور لشکر کے بازار کو اٹھ جانے کی اجازت دیکر لوگوں کو چھٹی پر روانہ کر دیا ہے۔ مولوی محسن صاحب راقم کے غمکدہ میں دو دن اور رات گزار کے اور اپنی پسند کے مطابق ریزیڈنسی کی کوٹھی کے نزدیک اپنی پسند کا ایک مکان کرایے پر لیکر چلے گئے ہیں۔ میرا احوال یہ ہے کہ اب اہل دفتر سے معلوم ہوا یعنی یہ کہ پرنسپ صاحب نے غالب سرگشتہ کے مقدمے کے کاغذات مرکزی دفتر کے حکم کے مطابق جمع کر کے مسل مرتب کر لی ہے۔ لیکن وہ سارے کاغذات تا حال طاق نسیاں پر گلدستے کی صورت ہیں۔

۱۔ متن میں ''خون خوابیدۂ من بیدار گردد'' ہے۔ بہار عجم کے مطابق خون خفتہ کے معنی ہیں وہ 'خون بہا' جو فراموش کر دیا گیا ہو۔ غالب نے بھی اپنے حق کو ایسے خوں بہا سے تعبیر کیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط۔۴۹

۱۸

میری ضرورتوں کے قبلہ اور میری تمناؤں کے مرکز خدا آپ کو سلامت رکھے

آپ کا گرامی نامہ پہنچا اور مرزا احمد کی دائمی جدائی کی خبر پہنچی۔ سبحان اللہ میں کسقدر سخت دل اور سخت جان ہوں کہ مرزا احمد کی تعزیت کا خط لکھ رہا ہوں اور میرے وجود کے اجزا بکھر نہیں رہے۔ کہتے تھے کہ دہلی آؤں گا۔ وعدہ فراموش بے مروت نے راستہ ہی بدل دیا اور ناقہ کو دوسری منزل کی طرف ہانک دیا۔ مانا کہ دوستوں کی دل دہی عزیز نہ تھی بھلا اپنے خورد سالوں کی طرف توجہ کیوں نہ کی اور ان کے سر سے اپنا سایہ کیوں اٹھا لیا۔ ہائے اس کے دوستوں کی بے یاری اور افسوس اس کے بچوں کی بے پدری۔ ہر چند مرگ پر داوید نہیں کیا جا سکتا اور جامۂ زندگی کے تار و پود کے بکھرنے کا کوئی علاج نہیں لیکن انصاف برائے طاعت! ابھی احمد بیگ مرحوم کے مرنے کا وقت نہیں تھا۔ (بھلا) اتنا صبر کیوں نہ کیا کہ میں کلکتہ پہنچ کر اس کا چہرہ دوبارہ دیکھ لیتا۔ تو تامل کیوں نہ کیا کہ حامد علی جوان ہو جاتا اور کام اس کی عقل کے مطابق چل نکلتا۔ ہائے یہ کیا بکواس کر رہا ہوں اور یہ کیا قصہ ہے کہ سنا رہا ہوں۔ اور (قرآن) ''جب ان کی اجل آتی ہے تو نہ ایک گھڑی آگے ہوتی ہے اور نہ ایک گھڑی پیچھے''۔ مجھے اپنی اور اپنے ایمان کی قسم کہ مرحوم کے کاروبار کی یہ ساری خرابی باوجود اس بُعد مسافت کے میری نظر میں ہے۔ اور یہ (بھی) دیکھ رہا ہوں کہ حامد علی خان کم عمر ہے اور ہو سکتا ہے کہ عقلمند باپ کی مالی حیثیت کے علم سے اور ادھر ادھر بکھری ہوئی رقوم کے جمع کرنے کی استعداد نہ رکھتا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ سرمایہ جمع کر لے تو اپنے زیر دستوں پر ظلم کرے اور اپنے بھائیوں کو بیکار اور ناکارہ چھوڑ دے۔ ان حالات میں لازمی ایک ایسا عقلمند اور حق شناس امین چاہیے کہ جو مسئلہ کا حل تلاش کر سکے اور جوان بے باپ کے بچوں کی غم خواری اپنا فرض سمجھے اور انصاف و امانت داری کے طریقے سے اس وادی میں گامزن ہو۔ اور دوستوں میں سے کوئی شخص ان تمام خصائص کا ضامن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود میرزا مرحوم کے اعزا اور اقربا میں سے نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ منشی امیر صاحب اس ضمانت و کفیت کے لائق ہیں چونکہ حامد علی خان کی والدہ سے ان کا سگا رشتہ ہے۔ چنانچہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میرزا مرحوم عقلمند اور کام سمجھنے والے آدمی تھے۔ قوی امکان ہے کہ کسی قابل اعتماد شخص کو وصی بنا کر سارے امور کسی امین کی ضمانت کے سپرد کر دیے ہوں۔ خدا کے واسطے ان لوگوں کی بیچارگی پر نظر رکھیے اور ان سے غفلت نہ برتی جائے۔ خدا کی قسم کہ احمد بیگ خان کے پس ماندگان کی غمخواری عینِ فرض اور فرضِ عین ہے آپ پر بھی اور مرزا ابوالقاسم خان پر بھی۔ اللہ تعالیٰ حامد علی خان کی والدہ کو شفا عطا فرمائے اور بے باپ کے بیٹوں پر سلامت رکھے۔ حکیم قاسم خان اور مرزا احمد بیگ خان کی بہنوں کو چار و ناچار اطلاع دیدی گئی۔ (انہوں نے) بیماری کی حالت میں کونسی عیادت کی رسم ادا کی تھی کہ اب تعزیت کا حق ادا کریں گے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دہلی کے لوگوں کی فطرت میں حیا و شرم نہیں ہے۔ اُس خط کا جس کے ذریعے میرزا کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع دی تھی جواب لکھ دیا ہے اور حکیم صادق علی خان کے پاس خود جا کر میں نے آپ کے نام کا خط ان کے حوالے کیا ہے اور تاکید کر دی ہے کہ جب آپ میرزا کو خط بھیجیں تو یہ خط بھی اُس ہی میں رکھ دیں۔ چند دن کے بعد پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے میرزا کی بہن کو ان کی

بیماری کا حال بھی نہیں بتایا ہے پرسش حال اور عیادت تو دور کی بات ہے اور چونکہ خود کوئی خط میرزا کو نہیں بھیجا ہے تو بھلا وہ خط کہ آپ کے نام نامی کا تھا اس کو کون پوچھتا ہے۔ خون میں تڑپتے ہوئے اور اس خیال کے ڈر سے کہ آپ اس روسیاہ کو کوتاہ قلم اور بے پرواخیال کریں گے' لرزتے ہوئے چاہتا تھا کہ ایک اور ورق بھی اپنے چہرے کی طرح سیاہ کروں اور آپ کو علیحدہ بھیجوں کہ اتفاق سے گیارہ شوال جمعرات کے دن صبح کے وقت سو کر اٹھا اور ہاتھ منہ بھی ابھی نہیں دھویا تھا کہ ڈاکیہ آیا اور اس نے مجھے آپ کا خط دیا۔ اس خط کے آنے کی ہیبت سے میرا دل خود بخود دکا پٹنے لگا گویا میرے دل میں کسی نے یہ بات ڈال دی ہو کہ میرزا احمد کا انتقال ہو گیا۔ ڈرتے ڈرتے میں نے خط کھولا اور وہی نظر آیا جو میں سمجھ گیا تھا۔ اللہ بس باقی ہوس۔ مرزا ابوالقاسم کی خدمت عالی میں سلام کہ جو ایک غم زدہ دوسرے غم زدہ کو اور پیام کہ جو ایک ماتم زدہ دوسرے ماتم زدہ کو بھیجتا ہے' پہنچائیں۔ اور کریم خان صاحب کو سلام عرض کریں اور میری جانب سے سلام کے بعد بہت سی پرسش احوال کریں۔ دل کے سوز و گداز کے اظہار کے بعد کہ وہ بھی بے صبری کی نشانی اور انسانی ضرورت ہے' اب دنیاداری کی بات کی جاتی ہے اور موت کے غم کی تفصیل کے بعد غم زندگی کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔ سبحان اللہ زندگی گریزپا' موت گھات میں' فرصت نایاب' حیات مختصر اور دل ہوس سے پُر اور دماغ حرص سے ماموراور ہم موت سے غافل۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔ پندرہ مارچ جمعرات کے دن لکھا گیا۔

خط۔ ۵۰

۱۹

میری جان آپ پر قربان'

میں آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ حامد علی خان اور مرزا احمد بیگ کے دوسرے بیٹوں کا حال لکھیں۔ حامد علی خان نے مجھے خط لکھا ہے' جس میں سوائے نالہ و فریاد کے (اور کچھ نہیں)۔ نہ اپنا اور نہ اپنی والدہ کا کچھ حال لکھا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ مجھے خان صاحب مخدوم اور مظہر اشتیاق سے خطاب کیا ہے اور وہی القاب کہ مرزا (مرحوم) لکھتے تھے تحریر کیا ہے۔ افسوس۔ افسوس۔

ع عرفی چہ نشستہ ای کہ یاراں رفتند

(ترجمہ) عرفی تو کیسا بیٹھا ہوا ہے جب کہ (تیرے) دوست جا چکے ہیں۔

تیری جان کی قسم کہ میرا دل دنیا سے بھر چکا ہے اور اب [۲] سیر و سیاحت کی طرف مائل ہے۔ اس تاک میں ہوں کہ یہ مقدمہ بازی ختم ہو تو یکدم اس قید سے نکل بھاگوں اور بے سروپا دنیا میں گھومتا پھروں اور جب تک زندہ ہوں خدا کی صنعت کی نشانیوں کا تماشائی رہوں۔

۱۔ متن میں ''دلم بر فقیر و سیاحت گرم گشتہ است'' جبکہ درست ''دلم بر سیر و سیاحت گرم گشتہ است'' درست معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ اس ہی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

فرد: ہر لحظہ دل بہ سوئے بیاباں کشد مرا
آب و ہوائے شہر بمن سازگار نیست
(ترجمہ) ہر لمحے دل مجھے بیاباں کی جانب کھینچتا ہے' شہر کی آب و ہوا مجھے راس نہیں ہے۔

خط۔۵۱

۲۰

اے میری پناہ اے میرے مخدوم'

مئی کی سولھویں تاریخ تھی اور شمعیں اور چراغ جلانے کا وقت تھا کہ چپراسی آیا اور مجھے اجنٹ بہادر کا خط دیا۔ میں نے نقد ونظر کے ترازو پر جانچا تو اس کو شاہنامے سے بھی زیادہ قیمتی پایا۔ اب جو لفافہ کھولا تو دیکھا کہ اس میں جناب ولیم بہادر صاحب کا خط بھی ملفوف ہے۔ اجنٹ صاحب کے خط کا مضمون یہ کہ سکرتر صاحب کا خط بھی اس کے ساتھ پہنچ رہا ہے جو مقدمے کے فیصلے کی کیفیت کی وضاحت کرے گا۔ سکرتر صاحب کے خط کا مضمون یہ کہ ہاکنس صاحب کی تجویز منظور اور فیروز پور کے جاگیردار کے پیش کردہ کاغذ کی مہر اور دستخط ناقص و نامکمل اللہ بھلا کرے کہنے والے کا۔ ع-در خاندان کسری ایں عدل وداد باشد-
(ترجمہ) کسریٰ کے خاندان میں عدل وانصاف ایسا ہوتا ہے۔

جس رات یہ اعلیٰ خط مجھے ملا اس کی صبح کو اس خبر نے سمع خراشی کی کہ مولوی ظاہر علی سراغرسانی کے جرم میں ماخوذ ہو کر تا بہ اعلان سزا قید ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس بات نے وہ رنگ پکڑا کہ اخبار رنگا رنگ ہو گیا۔ حسد شعار اہالیان دہلی چونکہ مجھے مولوی کا سچا دوست سمجھتے تھے (سوانہوں نے) ایسے رنگ کی آمیزش کی کہ ہر روز دو تین بار کوئی ہرزہ گو میرے پاس آتا ہے اور جو چاہتا ہے اپنی طرف سے گھڑتا اور بیان کرتا ہے۔ دو ہفتے بعد معلوم ہوا کہ لارڈ صاحب نے ناخوش ہو کر اپنے عملے سے جدا کر دیا اور معزول کر کے ان کو ان کے وطن واپس چلے جانے کی اجازت دیدی۔ اپنے غم سے تو دل جلا ہوا تھا (ہی) دوست کی تکلیف پر اور بھی کباب ہو گیا۔ والسلام۔
منشی نصر اللہ کو بعد سلام کے کہیں کہ انشاللہ "اذا جانصر اللہ والفتح" آپ کی انگوٹھی کے نگین کا نقش بنے گا۔

خط۔۵۲

۲۱

قبلۂ بندہ'

عمریں گزر چکی ہیں کہ آپ کے نامۂ جانفزا سے جان تازہ نہیں ملی۔ نمعلوم اُس نگاہِ حق شناس میں کس جرم پر مردود ٹھہرا ہوں۔ مہربانی و ناراضی تو محبت کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور اہلِ وفا کے کیش میں ایک دوسرے کے ساتھ اور بھی خوش گوار۔ لیکن آپ کے

خادموں کو یہ نسبت سے جو چیز نظر آتی ہے وہ تغافل ہے۔ ورتغافل کو برداشت نہیں کیا جا سکتا بجز اس صورت کے کہ دل پہاڑ جیسا ہو۔ لیکن قسام ازل نے مجھے یہ عطیہ نہیں ملا ہے۔ آپ کو علم نہیں کہ ان دنوں مجھ پر کیا بیتی اور میرے خشک کانٹے کس بجلی تے شعلے سے مقابل ہوگئے۔ گرچہ آپ سماعت سے فارغ ہیں لیکن میں نے گفتگو سے آپ کو نجات نہیں دی۔ سنیں یا نہ سنیں میں تو اپنی کہے جاؤں گا۔ دیدار طلب آنکھ دیکھنے کی ہوس میں گھل رہی ہے اور دل بے تاب ہجرت کے اضطراب میں تڑپ رہا ہے۔ شوق دیدار کو کیا کہوں؟ آنکھ کی تیلی قلم کے پاؤں پڑتی ہے کہ مجھے حرف کا ایک نقطہ بنا کر خط میں لکھ دے۔ جس دن سے وہ مہرباں اس عمدہ جگہ رونق افزا ہوا ہے خود کتابت سے محروم بدنصیبوں کو مفارقت کے دوزخ میں چھوڑ دیا ہے۔ آپ کے احسانات عالی کا کیا ذکر کروں کہ ہر روز میرے تصور کی محفل میں آپ تشریف لاتے ہیں اور اپنی خجلت کا کیا ذکر کروں کہ میں کبھی آپ کے خیال گرامی کی محفل سے نعمت اندوز نہ ہوا۔

شرمندۂ احسان توام کز سر الطاف

ہر روز قدم رنجہ نمائی بہ خیالم

من عذرِ زِ تقصیر خود اے خواجہ چہ گویم

گاہے بہ خیالت نرسم وائے بحالم

(ترجمہ) میں تیرے احسان سے شرمندہ ہوں کہ (تو) مہربانی کرکے ہر روز میرے خیال میں آنے کی زحمت کرتا ہے۔ اے میرے آقا میں اپنی کوتاہی کا یہ عذر پیش کروں (کہ) تیرے خیال تک میری رسائی کبھی نہیں ہوتی۔ افسوس میرے حال پر۔ زیادہ شوق، ور بس۔

بنام رائے چھجمل کھتری

خط-۱

جناب من ہر چند کہ چاہتا ہوں کہ اپنی زار نالی سے دوستوں کے لئے زحمت درد سر نہ بنوں لیکن درد دوں نے برانگیختہ کر دیا ہے اور جتنا دل میں جوش اٹھتا ہے کہ سعی آوارگی کا دامن کمر سے کس لوں (اتنا ہی) دستِ قدرت کو پتھر کے نیچے (دبا ہوا) محسوس کرتا ہوں۔ کیسے کیسے نالے جو خوف رسوائی سے دل سے زبان تک نہ آنے کے باعث خون ہو رہے ہیں اور کتنے خون ہیں کہ بے کسی کے غم سے آنسوؤں کے لباس میں آنکھ سے باہر نکل رہے ہیں۔ رنج بیدلی کا علاج نہیں اور انجام کار نا معلوم۔ ظاہر ہے کہ قفس سے نکل کر جال میں پھنسے ہوئے کا کیا حال ہوگا اور جس کے ناخن میں ہی پھانس لگی ہو اس کے ہاتھ سے کونسا عقدہ کھل سکے گا۔ ترک وطن، عزم سفر اور صعوبت مسافرت ایک مصیبت ہے کہ خدا کسی بندہ بشر کو نہ دکھائے۔ افسوس اس شخص کی بدبختی اور بدقسمتی پر کہ ان ہی چیزوں کی اس کو آرزو ہو اور وہی اس کو نہ مل پائیں۔ ہر چند کہ وطن میں نہیں ہوں لیکن قرب وطن بھی قیمت ہے۔ ابھی گھر والوں کے ساتھ خط و کتابت جاری ہے۔ جو کچھ نظر آتا تھا آشوب چشم تھا اور جو کچھ کہ سننے میں آتا ہے زحمت گوش ہے۔ وہ آدھی جان جو اس بھنور سے بچا لایا ہوں فیروز پور کی خاک کی امانت ہے جہاں مجھے اتفاقیہ مجبوراً ٹھہرنا پڑا اور وہ موت کہ میں ہزاروں آرزوؤں کے ساتھ خدا سے مانگتا ہوں شاید اسی سرزمین میں لکھی ہے کہ میری بے بسی کی مدت نے اتنا طول پکڑا۔

نواب کی واپسی کے بارے میں جو کچھ بھی سن جا رہا ہے اس میں کوئی راہ میری (منزل) مقصود کو نہیں جاتی۔ چونکہ ... تو قلیت وریوں کی خواری کی داستان، مقاتلہ کی صف آرائی، دشمنوں کے منصوبوں کی برگشتگی اور دولت فخریہ کے خیر اندیشوں کی فال صحیح نکلنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ قصہ مختصر یہ بات کہیں سے سننے میں نہیں آتی کہ نواب صاحب اس دوران فیروز پور بھی تشریف لائیں گے اور (اس لئے) اس مضطر کو تسلی نہیں ہوتی۔ وہ دوست کہ جو نواب صاحب کے ہمرکاب ہیں وہاں میں سے بھی خاص طور پر وہ جو اسد نوازی و غالب پروری میں زیادہ سے زیادہ متصف ہیں اضطراب کی تسلی کے بیچارگان کو ایک سلام سے بھی یاد نہیں کرتے تو بعد (نواب کی) مراجعت کی خبر پہنچے تو دور کی بات ہے۔ تم کشی کی طاقت ختم ہوئی اور انتظار حد سے سوا ہو گیا۔ میری حالت اس شخص کی سی ہے کہ کارزار میں مقابلہ پر آتے ہی جس کی ٹانگ پر کاری زخم لگ جائے کہ اگر بھاگنا چاہے تو بھاگ نہ سکے اور اگر ٹھہرنا چاہے تو کھڑا نہ ہو سکے۔ جیسا کہ عرفی کہتا ہے۔

فرد: مرا زمانۂ طناز دست بستہ و تیغ
زند بہ فرقم و گوید کہ ہاں سرے میخار

ترجمہ شوخ زمانے نے میرے ہاتھ باندھ دیے اور اب (میرے) سر پر تلوار مارتا ہے اور کہتا ہے کہ سر کھجا تا رہ۔

خدارا کرم فرمائیں اور (نواب کی) واپسی کے وقت کے تعین کا تحریر کریں کہ میری طبع وحشت زدہ اپنے آپ سے بھی بیزار ہے اور تشویش زدہ دل بے قرار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی بہانے دل تسکین لے اور مجھے اور اپنے آپ کو اس سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ اس سے زیادہ زیادہ ہے۔ اور بس۔

خط-۲

میرے کرم فرما' مطلب بے شمار ہے اور مدعا فراواں' وقت کا حوصلہ کم ہے اور گفتگو کا ظرف تنگ ہے۔ چنانچہ اختصار ہی میں فائدہ ہے۔ ان سطور کے راقم کو ایک دوست کی سفارش کے باب میں اصرار دوستی ہے۔ سوچتا ہوں تو آپ کی طبیعت کی پریشانی کے سبب تفصیل سے پرہیز کیا جاتا ہے چنانچہ اس قلم عجائب رقم کی تحریر کردہ دو تین سطروں سے اکثر احوال آپ پر ظاہر ہو جائے گا۔

ذیقعد کی پانچویں تاریخ جمعہ کے دن سرِ شام غمخواری کے لئے لکھے گئے عنایت نامے کی تحریر نظر افروز ہوئی۔ جو کچھ تحریر تھا اس کے بارے میں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس کے مضمون کی سب سے نمایاں چیز اعتبارِ دوستی کی دولت تھی۔ اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھ سکتا کہ انشاءاللہ العظیم اس ہی ہفتے خاطر خواہ جواب نوکِ قلم سے لکھا جانے والا ہے بلکہ (مجھے) یقین ہے کہ وہ وعدہ کیا ہوا خط کہ جو ڈاک میں بھیجا جائے گا اس خط سے (جواب بھیجا جا رہا ہے) پہلے پہنچے گا۔

آمدم بر سرِ مطلب۔ مرزا صاحب عظیم الصفات امجد علی خان جو اس تحریر کی رہنمائی میں جناب عالی کی ملاقاتِ عالی سے کسبِ مسرت کریں گے اس شہر کے اکابرین کی اولاد اور مظلومین روزگار میں سے ہیں۔ اور ان بزرگوار کا (یہ) سفر راقمِ خط (کہ جس کا دشمن کامیاب ہے) کے سفر کی طرح اضطراری سفر ہے۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ اپنے ہم وطن دوستوں میں سے کسی کو ایک خط لکھ دوں کہ ان کے لیے ذریعۂ شناسائی ہو جائے۔ میں کہ اپنے عزیزوں کی نازک مزاجیوں سے اچھی طرح واقف ہوں اور احباب کی لاپروائی کا شکار رہا ہوں' سوچ میں پڑ گیا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ اگر مکتوب الیہ دل جوئی اور غمخواری کے مراسم کی ادائیگی نہ کرے تو میرے لیے کیسی کیسی ندامتوں کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اُس جامع الصفات سے متعارف ہو کر اس کے پاس تشریف لے جائیں۔ حامل خط کی تنہائی کا ازالہ اور مسافر نوازی کیجئے کہ آپ کا ایک مسافر دوست بھی سفر میں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ [illegible] اتنا سمجھتا ہوں کہ ان کے ساتھ ایسی مروت کا سلوک کریں کہ جو جائز و مناسب حال ہو۔ اس سے زیادہ زیادہ ہے۔

خط-۳

محبت شعار [illegible] صاحب کی الفت پسند رائے پر مخفی نہ رہے کہ ان کے محبت نامے کے جواب میں تاخیر' تغافلِ تحریر کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ جن دنوں آپ کا خط پہنچا میں سفر اور اقامت (کی کشمکش) میں مبتلا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر نقشِ مدعا صورت پذیر ہو اور خواہش کو رنگِ حقیقت مل جائے تو بلا تاخیر (آپ کی) خواہش کے مطابق (مفصل) خط لکھوں۔ لیکن ہنگامۂ خیال کی بازی درہم برہم ہوگئی اور بختِ رمیدہ نے استعانت نہ کی۔ اگر چہ مقدمے کی ابتدا میں بڑی دلفریبی کا انداز تھا لیکن درمیان میں کام صحیح طور طریق پر نہ رہا۔

خدا کا شکر ہے کہ نتیجہ پوشیدہ رہا ورنہ معلوم کیا کیا دیکھنا پڑتا۔ مختصر یہ کہ عمائدین سرکار لکھنؤ نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔

(لیکن معتمد الدولہ آغا میر کی) خدمت میں پیش ہونے کے باب میں جو قرار پایا وہ سراسر خودداری اور خاکساری کے شعار کے لیے باعثِ شرم تھا۔ اس اجمال کی تفصیل اور اس ابہام کی وضاحت تو بجز گفتگو کے کسی اور طرح نہیں ہو سکتی اور وفورِ بے ربطی کے باعث اس کو تحریر نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ اس شہر میں اُس فقیر طبع اور سلطان شکل یعنی معتمد الدولہ آغا میر کی فیاضی اور فیض رسانی کی بابت جو کچھ بھی سننے میں آتا تھا قسم خدا کی، حال بالکل برعکس ہے۔ ابتدائے اقتدار میں جس کسی کو بھی اس نے اپنی مقصد برآری کے لائق دیکھا، اس سے لپٹ گیا۔ نتیجتاً ایک دو اشخاص نے ہر طرح سے فائدہ اٹھایا۔ اور اب کہ اس کا دل اپنے مرتبے کی بنیاد کے استحکام سے مطمئن ہے، تو وہ دولت جمع کرنے میں مبتلا ہے۔ لکھنؤ کے سارے قدیم خاندان اس بے رحم کی بیداد سے سیلابِ فنا میں غرق ہو چکے ہیں اور اس شہر کے ناز پروردہ دنیا میں ادھر ادھر آوارہ پھر رہے ہیں اور وہ خود اپنی چارہ کی اور فضول خرچی سے پشیمان ہو کر اس شعار سے منحرف اور نادم ہو گیا ہے۔ غرض یہ کہ بیداد کا بازار گرم ہے۔ مہاجن، ساہوکار، اور تاجر پوشیدہ پوشیدہ اپنا زر و مال کانپور پہنچا رہے ہیں اور بے خوف نہیں ہیں۔ بہت سے بھاگ گئے ہیں اور جو کوئی رہ گیا ہے وہ بھاگنے کی فکر میں ہے۔ جب اس شہر کا یہ حال ہے تو بہتر تو یہی ہے کہ میں اپنی بات کروں۔

چھبیس ذیقعد کو جمعہ کے دن میں اس ستم آباد سے نکلا اور انتیس تاریخ دارالسرور کانپور میں پہنچا۔ اب یہاں دو تین مقامات پر ٹھہرتا ہوا عازم باندا ہو جاؤں گا۔ اور وہاں چند روز آرام کر کے، گر خدا نے چاہا اور موت سے امان ملی تو کلکتے پہنچوں گا۔ جہاں جہاں آوارگی کو تسلیم کرتا ہوا اپنی بیساکھیوں سے اس آگ کے صحرا میں گرم رفتار ہو گیا ہوں۔ اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو واہ واہ کیا کہنے۔ اور اگر میرا ہاتھ دامنِ مقصد تک نہ پہنچا تو پھر بھلا میں کون اور میرا کیا شمار۔ (خدا کرے) عہدِ مسرت آپ کا مددگار رہو اور اطمینانِ قلب ہمیشہ قائم رہے۔

خط-۴

رائے صاحب، شفیق مشفق، بے چاروں کے غمخوار، آوارہ گردوں کو یاد کرنے والے، خدا آپ کو سلامت رکھے۔ کیا لکھوں کہ متاعِ لائق تحریر سے بالکل تہی دست ہو گیا ہوں۔ اگر داخلیات کی بات کی جائے تو وہی معدے اور آنتوں کی تکلیف ہے اور وہی برودتِ[1] جگر، حرارتِ قلب اور ضعفِ قوئی اور اگر خارجیات کی بات ہو تو اس سے زیادہ تازہ (خبر) اور کچھ نہیں۔ قطعہ۔

مغلوب سطوتِ غم دل غالبؔ حزیں
کاندر تنش ز ضعف توان گفت جاں نہ بود
گویند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است
ما را بدیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نہ بود

۱- متن میں "بردت" ہے جب کہ ترجمہ "برودت" سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

ترجمہ غمِ دل کی شان وشوکت کا مغلوب غالبؔ حزیں کہ جس کے جسم میں کہا جاسکتا ہے کہ فرطِ ضعف سے جان نہیں تھی' لوگ کہتے ہیں کہ بنارس تک زندہ پہنچ گیا ہے۔ ہمیں تو اس گیا ؤ ضعیف سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی۔

غرضیکہ ماضی معصوم و مستقبل نامعلوم۔ کیا لکھا جائے اور کیا کہا جائے۔ خدا کرے کہ آئندہ حالات قابلِ تحریر ہو جائیں کہ وفا کیش دوستوں کو وروطن کے دشمنی شعار یاروں کو تحریر کرسکوں تا کہ اُن کی خوشی' میں اضافہ ہو اور ان [1] کے دل صدمے سے گھلتے رہیں۔

تین خطوط ملفوف ہیں ایک جناب مبارز الدولہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر' اور ایک جناب مولوی فضل حق صاحب کی خدمت میں اور ایک غالبؔ ناکام کے غم خانے میں جو ویرانے سے بدتر ہے' پہنچا دیں اور اپنے مخلص کو ممنون احسان کریں۔ اس سے زیادہ (لکھنا) فضول ہے۔

خط-۵

رائے صاحب مشفق ومکرم' بے اندازہ بے التفاتیوں کے مظہر' خدا آپ کو سلامت رکھے۔ میں اپنی فکر نادرست سے شرمندہ ہوں اور شرم ناکسی سے سرِ ندامت جھکائے بیٹھا ہوں۔ خدا کی قسم جب کبھی بھی غور کرتا اور سوچتا ہوں کہ ہم وطنوں میں مجھ سے شفقت کرنے والا کون ہے تو فوراً خیال کرتے ہی دل میں آپ آ جاتے ہیں اور بس۔ مجھے آپ سے آئندہ بہت سے کام ہیں اور میری بہت سی اغراض ہیں۔ لیکن پہلے جام میں تلچھٹ کے کیا معنی۔ جبکہ آپ ابتدائے تحریر میں ہی تغافل سے کام لے رہے ہیں تو بھلا بڑے کاموں کے سرانجام کی زحمت کہاں اٹھا سکیں گے یا پھر بتا دیجیے تا کہ مہربانی اور دوستی کی توقعات کے نقش کو لوحِ دل سے مٹا کر اپنے کام کسی اور کے حوالے کیے جائیں ورنہ ہوش میں آیئے اور بے کسوں کی دل جوئی پر توجہ دیجیے۔

کلکتہ پہنچتے ہی میں نے ایک خط راجہ سوہن لال صاحب کی معرفت ارسال کیا تھا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اب تک نہ پہنچا ہو۔ یہ اس لیے کہ جو دوسرا خط جو اس کے ساتھ روانہ کیا تھا' مکتوب الیہ کو مل گیا ہے اور اس کا جواب کل مجھے مل گیا۔ جی ہاں! پہنچ تو گیا لیکن طاقِ فراموشی کا گلدستہ بن گیا۔ یہ خط بھی بغیر (علیحدہ) لفافے کے اپنے غم خانے کے خط سے منسلک کر کے بھیج رہا ہے۔ راقم کو اس وقت تک کوئی ایسی بات کہ درخورِ تحریر ہو پیش نہیں آئی۔

آپ سے (صرف) اس قدر التماس ہے کہ زحمت کر کے اپنا تھوڑا سا وقت ضائع کریں اور فخر الدولہ بہادر کی سرکار کے حالات اس حادثے کے واقع ہونے کے بعد تفصیل سے لکھیں۔ (اور وہ) اس طرح کہ غیر ضروری باتوں سے بھی صرفِ نظر نہ کیا جائے یعنی ہر وہ بات کہ معلوم ہو (لکھی جائے) بلکہ وہ کہ نامعلوم ہے اس کو بھی معلوم کر کے لکھیں' اور رزیڈنٹی کے دربار کا احوال' قدیم وجدید اہلکاروں کے نام' اور نئے حاکم کے تعلقات کی نوعیت میوات کے نئے مسند نشین حاکم کے ساتھ مفصل تحریر کریں۔ یہ اس لیے کہ یہ سارے امور بالضرور میرے محفوظ خاطر ہیں اور ایسا نہیں کہ میں آپ سے کوئی کہانی سننا چاہتا ہوں۔ اور بس۔

ایک اور مشکل بھی ہے اور اس بارے میں بھی استفسار بغیر چارہ نہیں یعنی اگر فدوی کو اس استغاثے کی الجھنوں میں اس کی

۱۔ متن میں ''وایناں رادل وغصہ فرو کاہد'' جب کہ اس کو ''وایناں رادل بہ غصہ فرو کاہد'' ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی قیاس کے تحت ہی کیا گیا ہے۔ (مترجم ومرتب)

ضرورت ہو کہ دار الخلافہ میں اپنا وکیل مقرر کروں تو جناب عالی یہ زحمت گوارا کریں گے یا نہیں۔ اس ضمن میں جو بات بھی آپ کے دل میں ہو بے تکلف لکھیں۔ لیکن خط بھیجنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو راجہ سوہن لال کی معرفت مرزا افضل بیگ کو اور ایک بغیر کسی توسل کے ڈاک کے ذریعے۔ اور اس صورت میں پتہ اس طرح لکھا جائے گا۔ نزد چیت بازار در شملہ بازار۔ نزد تالاب گرو۔ در حویلی مرزا علی سوداگر۔ اسد اللہ خان غالب کو ملے۔

خط-۶

میں یہ نہیں سمجھتا (کہ) رسم و راہِ زمانہ کے پابند لوگوں کی طرح میں اپنا ہاتھ نامہ نگاری سے آلودہ کر رہا ہوں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ میں اتنی دوری کی تاب نہیں رکھتا۔ رائے چھجمل کو یہ اپنے سامنے بیٹھا دیکھ رہا ہوں اور ان سے ہر موضوع پر باتوں میں محو ہوں۔ زینب النسا بیگم کی سفارت پر تقرر مبارک ہو اور (یہ) آپ کی آیندہ ترقیوں کا پیش خیمہ ہو۔ کاش مجھے مشاہرے کی مقدار بھی معلوم ہوتی تاکہ اس ہی کے حساب سے شکر گذاری بھی کرتا۔

جواہر سنگھ (خدا اس کی عمر دراز کرے) کی شادی سے آپ نے فراغت پالی۔ خوشا مسرت وزہے شادی۔ موقع تو اس کا ہے کہ میں آپ کو مبارکباد دوں اور آپ سے مبارک باد طلب بھی کروں۔ (وہ کہ) عمروں کا بڑھنے والا اور دولت کا بخشنے والا (ہے) ہمیں اتنی فرصت دے کہ میں اور آپ جواہر سنگھ کے بیٹوں کی شادی میں میزبانی کر سکیں۔ ہاں ایک لطیفہ ذہن میں آیا۔ سنیئے اور اس کو سرسری نہ سمجھیے۔ چونکہ اس بزمِ طرب کا انعقاد میری غیر موجودگی میں ہوا ہے تو مجھے تو آپ اس خوشی سے محروم نہیں رکھیں گے؛ تو کچھ رقم میری ضیافت کے لئے (ابھی سے) جدا رکھ دیجئے۔ اگر میں زندہ دہلی پہنچ تو عیش میرا اور نہ رقم آپ کی۔ خط کے پتے پر نواب کو جزو اعظم بنانے کا کیا مطلب۔ اور نام کے بعد عرفیت لکھنا بھلا کیوں۔ ایک دنیا کے کتے کو اسد اللہی کی شہرت دینا کیا کم ہے کہ اس کے نام کے ساتھ نوابی اور میرزائی کا اضافہ بھی کیا جائے۔

یہ جو آپ نے کہا ہے کہ فلاں شخص حکیمانہ چلن رکھتا ہے اور دنیا میں ایک کاروان کی طرح بسر اوقات کرتا ہے تو (اپنی) ساری غمزدگی کے باوجود مجھے ہنسی آگئی اور ضبط کی باگ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپ کو یہ نہیں معلوم کہ بادرفتار گھوڑوں پر بیٹھنا' انسانوں کے گروہ کے آگے آگے دوڑانا' اپنے جسم کو طرح طرح کے لباسوں سے مزین کرنا' معدے کو قسم قسم کے کھانوں سے بھر لینا' اندازے سے زیادہ شہوت رانی کرنا اور گناہوں کی خاک کو (اپنے) سر ڈالنا' حکیموں کا کام اور طبیبوں کے شایانِ شان نہیں۔

دانشوروں کا کام کیا ہے؟ آبادی سے دور پہاڑ کے دامن[1] میں بیٹھ رہنا اور چھیوں اطراف سے مخلوق کے ساتھ میل مدپ کا راستہ بند کر دینا' جسم کو ریاضتوں سے ناتواں کر دینا اور جان کو دانشمندی سے صاف کرنا۔ ہر وہ حکیم کہ متلاشی خرد ہے' اس کا کاروبار یہی ہے۔ (اس کی) بے سروسامانی حسرت کے رنگا رنگ شکنجے سے نکل کر سرخوشی کی وسعتوں میں پہنچ گئی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ (کوئی شخص) علائقِ دنیا سے آزاد (بھی) ہو اور طبعاً کریم بھی ہو۔ ابھی (اس کے) تکبر کا ظرف' جگر کے صالح عمل کو ناپاک کرنے والی

۱- متن میں ''در یں کوہ'' لکھا ہے جب کہ ترجمہ ''درِ ین کوہ'' سے کیا گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

آندھیوں سے مملو ہے اور بالیقین (وہ) غرور کے زیرِ فرمان ہے۔ تھوڑے دن انتظار کیجئے تا کہ آپ زر کی تھیلیوں پر اُن کو گرہ لگاتے اور ضائع شدہ دولت پر زاری کرتے (خود ہی) دیکھ لیں۔ یہ کہ فلاں کو اور فلاں کو اپنے سے دور کر دیا ہے' تو حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مصلحت بیں نہیں تھا اور جو کچھ کیا بے عقلی اور بے وقوفی میں کیا۔ چونکہ اگر دانا ہوتا اور عقل رکھتا ہوتا تو جن کو نکال دیا ہے ان کو نہ نکالتا اور ان (ہی) سے کام لیتا اور ان کو جنھیں اپنے ساتھ ایک پیرہن میں جگہ دی ہے' غبارِ دامن کی طرح جھاڑ دیتا اور ہرگز ان کی چاہ میں گرفتار نہ ہوتا اس نے طفرہ اور بے فائدہ کام کیا۔ شاید لڑکپن میں اُن سے دل برداشتہ اور ان کا گرویدہ تھا۔ ان کو اِس بے مروتی کے ساتھ دل سے نکال دینا اور اِن کے دام میں اس طرح آنکھیں بند کر کے آجانا' نہ تقاضائے عقل کے مطابق ہے اور نہ فرمانِ نظر کے۔ آپ حکیم کِس کو کہہ رہے ہیں اور کرم شعار کسے پکار رہے ہیں؟ ایسی (زبردست) لغزشوں پر بھی اپنی حماقت سے آگاہ نہ ہونا' اور مجھ جیسے پریشان دل' ناتواں روح کو ایسے ہنگامے میں یاد کرنا بلکہ محض یاد پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ اعلانیہ اُن دیوصفت لوگوں کے سامنے بلانا' کونسا دستورِ خردمندی اور کونسا شعارِ دانش وری ہے۔؟ اس موضوع پر چونکہ باتیں بہت ہیں خط کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ (خدا) آنکھوں کے لیے صحیح نظر اور دل کے لیے سودمند دانش عطا کرے۔

خط۔۷

۱

باغ دودر

مہاراج مجھ جیسے (شخص) کے ساتھ کہ جس کا محبت کے علاوہ کوئی مسلک ہی نہیں ناراضی کیوں اور غصہ کس لیے۔ کہلا بھیجا کہ الور جا رہا ہوں اور پھر رخصت کی ملاقات کو نہیں آئے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

اچھا سنو کل دن ڈھلے اپنی عادت کے مطابق (جب) نواب امین الدین خان کے گھر جا رہا تھا تو راستے میں خواجہ رحمت (علی) صاحب مل گئے۔ چونکہ مدتوں پہلے میر خیراتی (میر محمد حسین عرف میر خیراتی) خواجہ صاحب سے میری مدقوت کرا چکے ہیں، سدم علیک ہوئی۔ ہم (دونوں) نے تھوڑی دیر کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ میں نے دیوان (محمد فضل اللہ خان) اور (نبی سنگھ) راجہ (الور) کا احوال پوچھا۔ بتایا کہ معمولی سی رنجش سی پیدا ہو گئی تھی رفع ہو گئی۔ میں نے پوچھا اب کیا حال ہے۔ بتایا کہ اب راضی بازی ہیں۔ تو یہاں تک تو بات خواجہ رحمت کی ہوئی۔

(اب) تم سے مجھے یہ کہنا ہے کہ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ یہ تحریر مناظرے کے ضمن میں ہے اور میں اپنے عقیدے کے لیے دلیل پیش کرتا ہوں بلکہ (مقصد) صرف اطلاع دینا ہے۔ میں نے نہیں چاہا کہ جس سے میں باخبر ہوں تم بے خبر رہو۔ خدا کے واسطے اگر مجھ سے ناراض ہیں تو میری خطا معاف کر دیں اور میرے جرم سے درگزر فرمائیں اور تشریف لائیں کہ اس موضوع پر بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ اور زیادہ کیا لکھوں۔ اسد اللہ۔ اقبال مند جواہر سنگھ کو دعا پہنچے۔ انہیں چاہیے کہ اپنے والد بزرگوار کے سامنے میری شفاعت کریں۔

بنام مولوی ولایت حسین خاں

قاضی القضاۃ کا منصب ملنے کی مبارک باد اور کوتاہ قلمی کے جرم کی معذرت میں۔

خط-۱

فرد: شب گیرِ مرا روشنیِ اخترِ من بس
در راهِ ادب حسن طلب رهبرِ من بس

ترجمہ. میرے آخرِ شب کے سفر کے لیے میرے ستارے کی روشنی کافی (ہے) اور ادب کی راہ میں حسن طلب کا میرے لیے راہبر ہونا کافی (ہے)۔

اس کارخانۂ قدیم کے (جو دبستان ایزدی ہے) آمیزۂ فرہنگ کا یہ دستور ہے کہ جب کبھی (کوئی) آقا اپنے ملازم سے ناراض ہو جاتا ہے (اور) اگر وہ ملازم گفتار و کردار میں پسندیدہ اور اپنی صورت و عادت میں دل کش ہے تو آقا کا دل بھی اس کی دوری پر صبر نہیں کر پاتا اور مقربینِ خواجہ کا سلسلۂ نشاط بھی (اس کی دوری سے) منقطع ہو جاتا ہے۔ (لہٰذا) بخشش (اس کے حق میں) اندر سے بہانے تلاش کرتی ہے اور سفارش باہر سے شائستہ گو (بن کر آتی ہے)۔ چنانچہ ایسے ملازمِ سعادت کیش کے دل پر غمِ جاوید کی قید نہیں لگاتے اور ایک دو دن کی جدائی کے بعد 'جو ادب آموزی کے لئے کی گئی گوشمالی کے زمرہ میں آتی ہے' اس کو بزمِ الفت میں شرکت کی دوبارہ اجازت مل جاتی ہے۔ لیکن ایسا کم عقل ملازم کہ جس کا شیوہ ہی بسیار گوئی اور دشوار جوئی ہوتا ہے اور جس کا نہ حسنِ ملازمت میں کوئی مرتبہ ہوتا ہے اور نہ شائستگی میں کوئی مقام' ناچار اگر اس سے (ایک) آدھ غلطی سرزد ہو جائے تو اس کی بود و نابود سے صرفِ نظر کر لی جاتی ہے اور پھر کبھی نہ سرّاً اور نہ اعلانیہ اس کا نام زبان پر لاتے ہیں۔ جی ہاں! میں تو وہی غلامِ بدبخت و بدخو ہوں کہ جب سے (آپ کی) محفل سے نکلا ہوں تو آقا کو دن رات کے شور و غوغا سے نجات مل گئی اور ہمدموں کے (دل سے) تنگِ ہمدمی کا غم اٹھ گیا۔ (اب) نہ کبھی آقا کے دل میں میری یاد کا گذر ہوتا ہے اور نہ ہی شفاعت کرنے والوں کے لب پر میرا نام طواف کرتا ہے۔ اس تمام ناکسی کے باوجود میں اس ادراک کی توفیق پر خوش ہوں کہ (قدرت نے) مجھے اپنے عمل کی سزا کی آگاہی بخشی ہے اور بے جا گلہ مندی کو دل میں راہ نہیں دی (اور) ہرگز ایسا نہیں ہوا ہے کہ اس اندرونی آویزش کے سبب جناب کے ملازموں سے گلہ مند رہا ہوں۔ میں اصرار کی گستاخی کے سبب دامنِ مقصود سے شدت کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور خواہش کی سرکشی کی وجہ سے میں نے آبروئے گفتار کو بے موقع گنوا دیا تھا۔ البتہ شرمساری مجھ پر مسلط ہو گئی تھی اور بے خودی نے مجھے نچوڑ کر رکھ دیا تھا کہ جب کبھی عبودیت نامہ لکھنے کے لئے بیٹھنا چاہتا تو دل کے اضطراب کے سبب ہاتھ میں ایسا لرزہ پڑ جاتا کہ دل میں جمع کئے ہوئے وہ سارے عذر جن کو اس سے پہلے کہ اپنے فطری طریقے سے کاغذ پر تحریر کروں خود بخود قلم سے ٹپک پڑتے اور فکر کی متاعِ مطلب نگاری اور معذرت طلبی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

فرد: زینکه دیدی بجحیمم طلبِ رحم خطاست
سخنے چند ز غمہائے نہانی بشنو

ترجمہ تو نے مجھے جہنم میں پڑے ہوئے دیکھ ہی لیا ہے۔ اب طلبِ رحم تو غلطی ہے (البتہ) میرے غم ہائے نہانی کے بارے میں چند باتیں سن لے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کشمکش میں جب کبھی محبت دل میں جوش مارتی اور ذوقِ آگہی فکر پر غلبہ کرتا اور مکرمی میر سید علی سے آں جناب کی پرسشِ احوال نیک آثار کی جاتی (تو) اُس تمام ذوقِ طلب کے باوجود اور اُس فرطِ تشنگی کے ہوتے ہوئے اگر جناب کے نامۂ گرامی کے آنے کی خبر سن لیتا' تو رشک سے میرے وجود میں ایک آگ سی بھڑک اٹھتی اور جگر سے جلتے ہوئے کباب کی بو آنے لگتی۔

ابھی محبت اور فطرت کی آویزش کی (یہ) آتشِ ہنگامہ تیز تھی اور محبت اور دانشمندی کے درمیان قیامت کی سی گہما گہمی تھی کہ آسمان نے میری بے قراری' پر مجھے معافی دی اور قسمت نے خواب گراں سے کام روائی کے لئے سر اٹھایا۔ گورنر کی سواری کے انجم روشن مثال جلوس کے ورودِ الہ آباد کی خبر سے ایک ارغنون تیار کیا گیا اور اس سعادتِ ساز کو جناب عالی کے عہدے کی ترقی کی مبارکباد کی آواز کے زیر و بم سے بلند آہنگ کیا گیا۔ گیتوں کے اس کیف نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ میں جو اپنے آپ میں کھویا ہوا تھا' (خواب سے) جاگ اٹھا، ورشوق بہانہ جو مبارکباد کی رسم کی ادائیگی کے لیے پردے کی قید سے باہر آ گیا اور وہ درِ ندامت خوردہ' کہ جس نے خود کو افسردہ اور مجھے حیران و پریشان کر رکھا تھا' کیفِ شادمانی میں ناچنے لگا۔ (اور) شاہدِ ارادت نے کہ جس نے حیا کا نقاب اپنے چہرے پر ڈال ہوا تھا' جب اپنے پردے کے تانے بانے (یکدم) ٹوٹے ہوئے پائے' ایک ادائے کشادہ روئی کے ساتھ (جناب عالی کی) قدم بوسی کا ارادہ کیا اور مبارکباد و تہنیت دینے کی روش پر شادیانے بجانا شروع کر دیے۔ بارگاہِ گورنری سے عہدۂ قاضی القضاتی کی عطا جو فرمانروائی کے حساب سے بادشاہی اور سلطانی کی حیثیت رکھتی ہے سعادت و نیک بختی سے پیوست (رہے) اور یہ مرتبہ بلند کہ جاہ طلبوں کے لئے انتہائے معراج کمال ہے' جنابِ عالی کے خدام کی بامِ مراد کے لیے بلند مرتبگی کی تحسین کے ساتھ خاطر نشین ہو۔ امید کرتا ہوں کہ اس کے بعد میری کوتاہ قلمی کا جرم جو درحقیقت میری طول کلامی کا عذر ہے جناب کے ضمیر منیر میں نہیں آئے گا اور اسد اللہ نامہ سیاہ نیرِ قبولیت کی تابائی کے فیض سے دائم معزز و ممتاز رہے گا۔ محررہ یکم جنوری ۱۸۳۸ء۔

خط-۲

اے بے کسوں کی امید گاہ (اور) غربت زدوں کی جائے پناہ۔ شفقت نامۂ عالی نے جو دو سو روپوں کے تین قطعہ نوٹ کے ساتھ وصول کیا گیا' (مجھے) اپنی بے چارگیوں پر شرمندہ اور آپ کی مہربانیوں کا سپاس گذار بنا دیا۔ (مجھے) اشارہ ہوا تھا کہ یہ ہنڈوی حضرت مولوی محمد علی خان کے ایما پر ہے۔ چونکہ جناب قبلہ گاہی نے اپنے عنایت نامے میں اس بابت ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے اس لیے ایک عجیب حیرت ہوئی اور عجیب خیال پیدا ہوا۔ (اس) عطیہ کا قبول کرنا روح و خرد کے لیے متاعِ تیرگی اور بزرگوں کی عطا کو لوٹا دینا

بے حیائی اور خودسری ہے۔ مجبوراً تینوں قطعے میں نے اپنے پاس محفوظ رکھ لیے ہیں۔ (اب) جب تک کہ جنابِ والا کی خدمت میں حاضر نہ ہولوں اور اپنی سرگذشت نہ سنالوں اور جنابِ قبلہ گاہی (مولوی محمد علی خان) کی تحریر جو اس عط کی کیفیت سے مطلع کرے نہ پڑھ لوں اور حال احوال سے پورے طور پر آگاہ نہ ہو جاؤں' میری روح کو آرام نہیں ملے گا اور میرے دل کی وحشت زائل نہ ہوگی۔ بروز ہفتہ بوقتِ صبح (آپ کی) خدمت میں حاضر ہوں گا۔ انشاءاللہ العظیم۔

خط-۳

قبلۂ حاجات۔ ہر چند فراقِ (دوست) میں زندہ رہنا مشکل ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ بغیر دوست کے زندہ رہا بھی نہیں جا سکتا لیکن اپنی حد تک میں عہدِ ارادت کو اتنا محکم دیکھتا ہوں کہ اگر بفرضِ محال میرے سو سال کیا ایک لاکھ سال بھی فراق میں گزر جائیں' دل اسی طرح مائلِ وفا رہے گا اور محبت اسی طرح روز افزوں رہے گی اور امید کرتا ہوں کہ آپ کی ہمدردی اور التفات میں بھی اسی طرح ہر روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا۔

صداقت شعار حافظ کریم بخش کہ لاہور گئے تھے اس مہ کے آغاز میں دہلی واپس آگئے اور ایک رات کارواں سرائے میں آرام کر کے صبح سویرے سفر طے کرنے کے ارادے سے ہوا کی طرح دریا پار کر گئے۔ جب شاہدرہ پہنچے جو دہلی سے تین کوس کے فاصلے پر جانبِ مشرق واقع ہے اپنے بڑے بھائی حافظ قادر بخش سے' جو بندا بند یلکھنڈ سے آرہے تھے (اچانک) ملے اور ان ہی کے ساتھ الٹے پاؤں شہر میں آگئے۔ ہر چند کہ اس بے چارے کا یہ خیال تھا کہ دو تین دن بھائی کے ساتھ آرام سے گزار کر ان کو وطن کی جانب رخصت کرے اور خود جانب الہ آباد روانہ ہو جائے لیکن بڑے بھائی نے نہ چھوڑا اور چار و ناچار اس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بیچارہ اُس آستان سے دوری کے درد کے سبب روتا تھا اور کہتا تھا کہ میں یہ سفر خود چل کر نہیں طے کر رہا بلکہ مجھے رسی میں باندھ لیا ہے اور گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ مولوی سعادت حسین کے لیے ایک قرآن بطور ہدیہ لایا ہوں اور (اب) واپس لے جا رہا ہوں۔ جب واپس آؤں گا اپنے ساتھ لاؤں گا۔ اس کے علاوہ گرو[۱] گوبند (سنگھ) (کے نام) کی مہر سے ٹھپہ لگا ہوا ایک روپے کا سکہ بھی جو والی لاہور کے حکم کے مطابق اُس سرزمین میں رائج ہے' مجھے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو الہ آباد بھیج دوں تا کہ اس نئے سکے' کو دیکھ کر دیکھنے والوں کا دل کھل اٹھے۔ راقم نے ان کا کہا کاغذ پر تحریر کر کے روپے کو خط میں لپیٹ کر خط ڈاک خانے بھیج دیا۔ لیکن ڈاکخانے کے اہلکاروں نے خط واپس مجھے بھیج دیا اور انہوں نے ایسے خط کو جس میں دینار (یعنی روپیہ) رکھا ہو قبول نہ کیا۔ مجبوراً اس شئے عجیب کو خط سے نکال کر سرے سے اک نیا خط لکھا اور سکے کو اپنے پاس رکھ لیا تا کہ اس طرف جانے والا کوئی مسافر دیکھوں تو اس کے حوالے کروں۔ امید کرتا ہوں کہ جب قبلۂ جان و دل مولوی سراج الدین احمد صاحب اس بزمِ سعادت میں آئیں گے تو یہ خط بھی ان کے ملاحظے میں لایا جائے تا کہ حافظ[۲] (کریم بخش) کی طرف سے خیر باد اور غالب کی نیازمندی سے آسودہ خاطر ہوں۔

۱- متن میں اور نول کشور ۱۲۸۷ھ دونوں میں ''سکۂ گرد گوبند'' ہے جب کہ درست ''سکۂ گرو گوبند'' ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں حافظہ ہے جب کہ درست ''حافظ'' ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط ختم کر دینے کے بعد ذوق ہمزبانی نے مجھے دوبارہ آمادۂ گفتگو کر دیا۔ مخفی نہ رہے کہ ان دنوں نواب ذوالفقار خان بہادر چند خاص آدمیوں کے ساتھ باندے سے دہلی آئے اور بلحاظ دوستی دیرینہ میرے گھر بھی آئے۔ اور جب ہر قسم کی باتوں کے دوران سید نورالدین علی خان کی پرسش احوال بھی ہوئی تو (انہوں نے) مولوی محمد علی خان کے پس ماندگاں کے باندے میں نہ ہونے اور ان کے آپس میں پیکار و پرخاش کا حال اس طرح بیان کیا کہ میرا دل غمگین اور طبیعت مکدر ہوگئی۔ مجبوراً دل کے اضطراب کو تسکین دینے کے لیے میں نے یہ سوچا کہ حضرت مخدومی کے عطارد آثار قلم کی جنبش کے ذریعے میں اس سرگذشت سے آگاہی حاصل کروں اور اس گروہ کے باہمی نزاع کا سبب اور مخدوم زادۂ یتیم کے انجام کار سے واقف ہو جاؤں۔ خدا کرے کہ دولت و اقبال آپ کے پیش دست اور آسمان اور ستارے مددگار ہوں۔

بنام شیخ امیر اللہ سرورؔ

خط-۱

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ نامۂ دلنواز کے ورود نے دل کو تنومند اور شاخِ تمنا کو بارور بنا دیا۔ آپ اپنے خطوں کے جواب نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں اور خدا سے شرم نہیں کرتے۔ مجھے خود آپ کی طرف سے فکر تھی کہ آپ کہاں ہیں اور آپ کے ارادے کیا ہیں۔ بارے آپ کے حالات سے (میں نے) پردہ اٹھایا تو معلوم ہوا کہ آپ تو مجھے تقریباً بھول ہی چکے تھے۔ (وہ تو) اچانک جناب تراب علی صاحب کا اس جگہ جانا ہو گیا' (تب) آپ کو معلوم ہوا کہ میں اب تک اپنی سخت جانی کی بنا پر زندہ ہوں۔ الفت[1] دیرینہ کو جنبش ہوئی' آپ نے چاہا کہ خط لکھ کر یاد کریں۔ (پھر) جب گزرے دنوں کی فراموش گاری کا خیال آیا' تو خواہ مخواہ چند جھوٹی کہانیوں کے تانے بانے بُنے اور اس سے اپنے خط کے دیباچے کی دیباتیری کی۔ بہرحال خدا آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کو زمانے سے سوائے بھلائی کے کچھ پیش نہ آئے۔ (آپ کی) بلند پایہ افتتاحی تحریریں موصول ہوئیں۔

آپ نے میرا حال پوچھا ہے۔ کیا عرض کروں کہ درخورِ عرض ہی نہیں۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

فرد: شکستہ دل ترازاں ساغرِ بلورینم
که درمیانهٔ خارا کنی ز دور رها

ترجمہ: میں اس ساغرِ بلور سے زیادہ شکستہ دل ہوں کہ جسے دور سے پتھر پر پھینک دیا جائے۔

(میں) وہ خیرہ سر اور پراگندہ فکر (ہوں) کہ جس کی نہ زبان ہی گویا ہے اور نہ دل ہی بے سبب پریشانی اپنی جگہ پر ہے۔ چار سال سے میرا مقدمہ کونسل کے اجلاس میں پیش ہے اور میرا دل امید اور مایوسی کی کشمکش سے زخمی۔ (تا حال) وہ حکم کہ اس قضیے کو تمام کرے صادر نہیں ہوا اور اس مایوسی کی اندھیری رات کے اختتام کی ساعت نہیں آئی۔ اب تو میں نے یہ سوچا ہے کہ اس کونسل کے اہم ترین رکن اشرف الامراء رڈولیم کونڈش بنٹینگ بہادر جب اس شہر میں تشریف لائیں تو ان کے دامن سے چمٹ جاؤں اور انصاف طلب کروں اور آخری حکم صادر کرنے کی استدعا کروں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نواب عالی جناب دہلی نہیں آئیں گے اور اُسی راستے سے اجمیر چلے جائیں گے۔ اگر یہی سچ ہے، تو افسوس مجھ پر اور میری زندگانی پر۔ اور ہزار افسوس دوریٔ راہ اور میری طوالتِ کار پر۔ آپ کی فرمائش ہے کہ فکرِ عالی کے نتائج کی اصلاح کروں اور اپنی تراوشِ کام و زبان آپ کو بطور تحفہ ارسال کروں۔ اُس کی فرصت کہاں اور اُس کے لیے دماغ کہاں۔

نواب گورنر کی آمد آمد ہے (چنانچہ) ہر در وزنے سے خبروں کی بھیک (مانگ رہا ہوں)۔ مقدمے سے متعلق اوراق کی ترتیب اور تحریرِ احوال کی تمہید میں' گوناگوں افکار کو سمجھنے میں اور اندازِ بیان کی ، پرتول میں (مصروف ہوں)۔ (لیکن) کسی سے اس

۱۔ متن میں 'مہرکہن جنبید' کے بعد 'خواستید' رہ گیا ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں ہے' اور ترجمہ میں بھی شامل ہے۔ (مترجم و مرتب)

قدر مدد اور غمخواری کی امید نہیں کہ اگر ایک ورق تحریر کروں تو کوئی اس کی نقل کر سکے یا اگر میرے مطالعے کے دوران کاغذات منتشر ہو جائیں تو کوئی ان کو یکجا کر دے۔ بہر صورت چند روز مجھے اور معاف کر دیں تاوقتیکہ آپ سے ملاقات ہو۔ (اس عرصے میں) کبھی کبھی آئینہ دوستی سے زنگ (ضرور) دور کرتے رہیں۔

اوراق اشعار پر میں نے سرسری نظر ڈالی ہے اور اُن تمام بزرگوں میں سے جو ان اوراق میں مذکور ہیں مرزا حیدر علی اتفح کو فرد کامل پایا ہے۔ ان کی روش پسندیدہ اور طرز اظہار منتخب ہے اور یہی انداز مکرمی شیخ امام بخش ناسخ، خواجہ حیدر علی آتش اور لکھنو کے دوسرے تازہ گو (شاعروں) کا ہے۔ آپ نے ان بزرگوار کی غزل پر مخمس کہا ہے۔ لیکن میں سمجھ نہیں سکا کہ حسن مطلع میں آپ کا تصرف ہے یا سہوِ کاتب کہ پہلے مصرع کے آخری رکن میں ایک بے مزہ زحاف در آیا ہے جسے عروضیوں کی اصطلاح میں عجز کہتے ہیں۔ اور یہ کسی بھی صاحبِ طبع سلیم کی نظر سے چھپ نہیں سکتا[1]۔ میرے خیال میں اصل میں یہ مصرع اس طرح ہوگا۔

فرد: نہ خریدار کا حصہ ہوں نہ حق بائع کا
میں وہ دانہ ہوں کہ گر جائے کفِ میزاں سے

والسلام۔

۱- متن میں ''ندائم'' ہے جب کہ نول کشور ۱۲۸۷ھ میں 'دائم' ہے۔ ترجمہ ''دائم'' سے کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

بنام مومن خان مومن

خط-۱

اے روشنیٔ طالعِ گفتار خدا آپ کو سلامت رکھے۔ کل رات فکرِ سودائی نے تابندگانِ چرخ کو ملامت کرنا کہ (عموماً) پیکار پر منتج ہوتا ہے، شروع کیا۔ اور اس رباعی کے چوتھے مصرع کی تیغ دودم کو ان سات روشن اجرام کے درمیان رکھا۔

رباعی

آنم کہ بہ پیمانۂ من ساقیٔ دہر

ریزد ہمہ دُردِ دُرد و تلخابۂ زہر

بگذر ز سعادت و نحوست کہ مرا

ناہید بہ غمزہ کشت و مرّیخ بہ قہر

ترجمہ: میں وہ (شخص) ہوں کہ ساقیٔ دہر میرے پیانے میں (ہمیشہ) درد کی ساری تلچھٹ اور زہر کا تلخابہ ڈال دیتا ہے۔ سعادت اور نحوست کی باتیں چھوڑ کہ مجھے تو ناہید نے اپنی اداؤں سے مار ڈالا اور مریخ نے اپنے غضب سے۔

باوجود اس کے کہ اِس نوحے کی تلخی سے میرے ہونٹ اب بھی زہرفشاں ہیں، دل اپنی سادگی کے سبب اس میں مبتلا ہے کہ اگر اس سال کی جنتری مکمل ہو گئی ہو تو میں بھی اُسے دیکھ لوں تا کہ شاہِ انجم کے روز افزوں جاہ وجلال پر اپنے آپ کو بھی مبارک باد دوں۔ کیا کہنے مجھ ہوس شعار نادان کے (گویا) کہ شرفِ آفتاب سے آسودہ خاطر ہو جاؤں گا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خوش قسمتی اور کامیابی کی امید میں آثارِ نوروزی سے میرا آس لگانا اُس کم عقل وکم سن کنیز کی حکایت کی مثال ہے کہ جب عید کی رات خوشی کی ترنگ میں آ کر وہ خوشی کا گیت گانے لگی۔ ''عید آئی عید آئی'' (تو) خاتونِ (خانہ) نے کہا چلی بیٹھ عید ہو یا رمضان تیرے لیے تو وہی آدھی جلی نان۔ قصہ مختصر خط بھیج رہا ہوں اور (دل میں) کہہ رہا ہوں یا رب نامہ بر اُس دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹے کہ یقیناً اُس صورت میں (نہ صرف) میرے ذوق وشوق پر اوس پڑ جائے گی (بلکہ) مجھے آرزو کے تخالف کا صدمہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ پسِ ادب محفوظ نہ رکھنا اور آستانِ دوست کو آسمان نہ سمجھنا (معاف کیا جائے) والسلام۔

بنام محمد علی خان صدر امین باندا

خط-۱

اے خدا پرستوں کے حور اور اے حق کی تلاش کرنے والوں کے مرکز' خدا آپ کو سلامت رکھے' خاطرِ خطیر کو اپنی یاد دلانا حصولِ سعادت کے لوازمات میں تصور کر کے اظہارِ مرادِ نیاز کو میں کامیابی کی تقریب خیال کرتا ہوں۔ اس خط کا حامل کہ جس کا وجود محض حسنِ اتفاق ہے اس حقیقت کا گواہ ہے کہ میں نے کس حالت میں تحریر کیا ہے۔ بہر حال جمعرات کے دن موڈھا پہنچ کر اتوار تک آرام کیا۔ پیر کے دن کوچ کا نقارہ بج کر رات ایک گاؤں میں بسر کر کے ہفتے کے دن چلّہ تارا پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ دردِ سر اور بخار نے طبیعت کے صحن سے اپنا سامان باندھ لیا۔ خاطر جمع رکھیں۔ آج رات چلّہ تارا پہنچ کر کل صبح اگر زندگی باقی ہے تو فتح پور کے سفر کی تیاری کی جائے گی۔ زیادہ حدِ ادب۔

خط-۲

قبلۂ جان و دل (خدا آپ کو) سلامت رکھے۔ (یہ فدوی) آداب و کورنش کی ادائیگی کے بعد عرضِ حال کی طرف راغب ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ باندے سے دردِ سر اور بخار کی تکلیف کے اثرات بھی اب طبیعت پر باقی نہیں۔ کمزوری اگرچہ باقی ہے' اس کی چنداں فکر نہیں چونکہ یہ وہ رفیق ہے کہ وطن سے میری ہمراہی پر کمربستہ ہے۔ اس کی حق گزاری کا مرتبہ بھی قوی ہے اور اس کی وفاداری کا سایہ بھی (محض) اضافی بیماری کا حکم رکھتا ہے۔ غرضیکہ پیر کے دن موڈھا سے نکلا۔ ایک (بیل) گاڑی جو اس علاقے میں لڑھا کے نام سے موسوم ہے' سامان برداری کے لئے مل گئی۔ چونکہ (وہ) مجھ سے بھی زیادہ ناتواں واقع ہوئی تھی' یہ آہستہ خرام بلکہ مخرام بارہ کوس کا فاصلہ طے نہ کر سکی اور موڈھا سے چلہ تارا تک نہ پہنچ سکی۔ مجبوراً رات ایک گاؤں میں گزارنا پڑی۔ منگل کے دن آخرِ شب روانہ ہوا۔ اور خود تو دوپہر کے وقت چلہ تارا کی کارواں سرائے میں پہنچا پر وہ "ہیچ مخرام" ایک گھنٹہ رات گزرنے تک نہ پہنچی۔ اسی وقت ایک خط رات کا اندھیرا پڑتے کہ ملازموں نے ابھی چراغ روشن نہیں کئے تھے' لکھا۔ چونکہ میرزا مغل صاحب نے باندا میں کہا تھا کہ مولوی صاحب کے نام کا خط چلّہ تارا کے تھانیدار کو دے دیا جائے وہ پہنچا دے گا۔ اتفاقاً دن کے اختتام پر بلکہ اوّل شب میں چلہ تارا کی کاروانسرائے میں بیل گاڑی اور پس ماندگانِ راہ کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ ناگاہ تھانیدار بھی سرائے میں آ پہنچا اور اس نے چاروں طرف ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں نے خط کی ترسیل کے ضمن میں اس کی مدد چاہی۔ وہ مان تو گیا لیکن نہایت کمینگی کے ساتھ۔ چنانچہ طبیعت نہ مانی اور خط اس کو دینا گوارا نہ ہوا۔ (وہیں) ایک غیر معروف مسافر نے جب جناب کا نام مجھ سے سنا تو خط بڑے اصرار سے طلب کیا۔ وہی چند سطریں جو اندھیرے میں بعجلت لکھی تھیں اس کے حوالے کیں۔ امید غالب یہ ہے کہ جناب کی نظر سے گزرے گا۔ لیکن یہ بندگی نامہ کہ جس کا حامل گاڑی بان ہے اگر پہنچا[۱] تو اس کے باندا پہنچنے کا وقت اس گناہگار کے کلکتے کے ورود کے قریب قریب ہوگا۔ چونکہ اس

۱۔ متن میں اس جگہ "نخواہد" ہے لیکن سیاق و سباق "بخواہد" کا متقاضی ہے۔ (مترجم و مرتب)

سے کم وقت میں چلہ تارا سے باندا تک اس کا پہنچنا ممکن نہیں۔ اور اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ گردونِ دوں کے ظلم سے تنگ آ کر میں نے خود کو دریا میں ڈال دیا ہے یعنی اسی جگہ سے کشتی کرایے پر لے کر سارے آدمی اور سامان اس میں بھر کر بسم اللہ مجریھا و مرسھا پڑھ کر کشتی دریائے جمنا میں ڈال دی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ الہ آباد پہنچ کر جتنا قیام میں بنارس میں کرنا چاہتا تھا (وہاں کرلوں) اور اسی جگہ کچھ کام اور چند روز آرام کر کے ضرورت کا سامان فراہم کر کے عازم سفر ہوں اور بنگال کے (شہر) مرشد آباد کے علاوہ کسی جگہ نہ ٹھہروں۔ ان دو تین دنوں میں دریا کے سفر کا احوال بھی معلوم ہو جائے گا۔ کشتی بان کہتے ہیں کہ تین دن میں الہ آباد پہنچ جائیں گے۔ دیکھتے ہیں۔ آج بدھ کا دن ہے دوپہر کا وقت قریب ہے' میں کشتی میں بیٹھا ہوں اور میرا دل ناخدا سے نہیں خدا سے لگا ہوا ہے۔ زیادہ حد ادب۔

خط-۳[1]

جناب مولوی صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہاں کی خدمت میں' خدا اُن کے سایۂ عالی کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آداب و تسلیم کے بعد یہ عرض ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ ابھی میرے (وجود کی) مٹھی بھر خاکِ سیاہ سے خدا کی تجلی کے فیضان کا رشتہ نہیں ٹوٹا ہے۔ جناب کے الفت آثار قم نامے کی نوازش نے شرفِ ورود سے میرے سر کو آسمانِ بالا پر پہنچا دیا اور آپ کی یاد آوری کی مسرت نے میری مٹھی بھر خاک کو شادمانی کی جنت بنا دیا۔ آپ کی عنایت کا شکریہ میرے ہر بنِ مو سے ایک زبان اگاتا ہے لیکن پھر بھی داستان کو اختتام تک نہیں پہنچا پاتا۔ آج کہ جمعہ کا دن ہے اور کچھ لوگوں کے مطابق مہینہ کی نویں اور کچھ لوگوں کے بیان کے مطابق دسویں تاریخ ہے' سامان سفر باندھنے میں لگا ہوا ہوں۔ اگر رات بخیر و عافیت گزر گئی اور میرا وجودِ موہوم اپنی حقیقی عدمیت کی طرف نہ لوٹ گیا' تو کل ہفتے کے روز بنارس سے روانہ ہوں گا۔ مخفی نہ رہے کہ بنارس کے کافر کشتی بانوں نے کشتی کے معاملے میں حیل و حجت سے کام لیا کہ میں جس کسی سے بھی ملا اس نے کلکتے تک کا (کرایہ) سو روپے سے کم نہیں مانگا اور پٹنہ تک کا بیس روپے سے بھی زائد۔ مجبوراً گھوڑے پر ہی سوار ہو کر اس جگہ تک صحرا طے کروں گا۔ لیکن ابھی کشتی کی خواہش میرے سر سے نکلی نہیں ہے۔ (چنانچہ) پٹنہ میں پھر جستجو کروں گا۔ دوسرے جو کچھ بھی آپ کی ہمدردی اور آپ کی رحم دلی کے شکر کے علاوہ کہا جائے وہ ہرزہ سرائی ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اور ان عنایات کا اجر جو آپ نے محض فی سبیل اللہ بغیر کسی سابقہ شناسائی کے' مجھ جیسے بے حیثیت شخص پر کہ جسے نہ تا کسی کا طریقہ آتا ہے اور جو بے کسی میں بھی اپنی مثال آپ ہے' روا رکھی ہیں اور اب بھی فرماتے ہیں' خدا اس دنیا کی رحمتیں عطا کرے۔ زیادہ حد ادب۔

خط-۴[1]

جناب مولوی صاحب دونوں جہان کے قبلہ و کعبہ' خدا آپ کے سایۂ عالی کو قائم رکھے' ایک زمانہ ہوا کہ میری سانس اُس

۱- متن میں یہ ''خط-۲'' جب کہ شمار میں ''خط-۳'' ہے۔ (مترجم و مرتب)

۱- متن میں یہ ''خط-۳'' ہے جب کہ شمار میں ''خط-۴'' ہے۔ (مترجم و مرتب)

مرکزِ نگویاں کے سوزِ فراق میں شعلہ خیز اور میری پیشانی اُس آستانے کی آرزو میں سجدہ ریز ہے۔ افسوس کہ میرے اور اُس آب (رواں) کے درمیان جس سے شوق کی خطرناک آگ بھی فرو ہو سکتی ہے، سات سمندر حائل ہیں اور (میرے اور) اُس سنگِ درگاہ کے درمیان کہ جس کو اس کی عبودیت کی مہرِ نماز تصور کیا جاسکتا ہے، کعبے کی سی دوری موجود ہے۔ بنارس کی خاک نشینی کے دنوں میں جناب کے گرامی نامے کی محبت نے میری قسمت کی آنکھوں کو نور اور آنکھوں کی قسمت کو ایک بلندی عطا کی تھی۔ فرصت کے سارے انعامات میں سے اُس خط کے جواب کو سعادتِ تحریر تصور کر کے اور ایک ورق جناب کے خدام ذوالاحترام کو لکھ کر براہِ خشکی ہی عظیم آباد (پٹنہ) کا ارادہ کیا۔ مختصر یہ کہ بزرگوں کی سانسوں کی توجہ کی پناہ گاہوں کی مدد سے گرد کی طرح کہ ہوا کے پروں سے اڑتی ہے، ہر قدم پر کانٹوں اور پتھروں سے تلوار کی دھار پر سینہ رگڑتا ہوا، کبھی راتوں کی شدتِ خنکی سے پریشان و بیمار اور کبھی گردشِ ایام کی سختی سے ستم رسیدہ و نوحہ کناں، منگل کے دن شعبان کی چوتھی تاریخ کو دن چڑھے کلکتے پہنچا۔ اُس بخشندۂ بے احسان کی غریب نوازیوں پر ناز کرتا ہوں کہ ایسے شہر میں حسبِ خواہش ایک ایسا مکان جس میں ہر قسم کی آسایش میسر ہے، جس میں آزاد منش لوگوں کے فراغِ خاطر کے مطابق فضا ہے اور دنیاداروں کی حرص کے دامن کے برابر بیت الخلا، صحن کے ایک گوشے میں میٹھے پانی سے بھرا ایک کنواں اور چھت کے ایک گوشے میں رئیسوں کے لائق ایک آرامگاہ، بغیر کسی کوشش یا گفت و شنید کے اور بغیر کسی تردد اور احسانمندی کے دس روپے ماہوار پر مل گیا اور ملازموں اور جانوروں کو (بھی) آرام کا ٹھکانا ہو گیا۔ دو دن سفر کی کسلمندی سے آرام کر کے جناب کے منشورِ لامع النور کو مشعلِ راہِ مدعا بنا کر کشتی میں بیٹھا اور عازمِ ہوگلی بندر ہو گیا۔

نواب علی اکبر خان طباطبائی سے لطفِ ملاقات کی بابت اگر یہ کہا جائے کہ مجھے اپنی تقدیر پر حیرت ہونے لگی تو جائز ہے اور اگر یہ کہوں کہ مجھے اپنے اوپر رشک آنے لگا تو یہ بھی بے جا نہ ہوگا۔ اُس خدا کی قسم جس نے عقل کو پیدا کیا اور عقل مند کو (اپنی مخلوق میں) برگزیدہ بنایا کہ اس بلند مرتبے اور حوصلہ مندی والا دوسرا کوئی شخص بنگال میں نہ ہوگا۔ خدایا یہ قیمتی موتی کس کان کا ہے اور فطرت کی یہ بلندی کس خاندان کی ہے۔ چونکہ پہلی ملاقات تھی میں نے چارہ گری اور صلاح جوئی کی زحمت نہ دی اور دو تین گھنٹے بیٹھ کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ افسوس کہ ان دنوں نواب کا ایک زمین کے سلسلے میں جو امام باڑے کے لیے وقف ہے ہوگلی بندر کے حکام کے ساتھ تنازعہ بلکہ لڑائی درپیش ہے اور اس لیے ان کا دل اپنے (اس) کام کی فکر میں سرگرم ہے۔ تعریف اللہ کی جس نے یہ کہنے والے کو نوازا۔

فرد: همه را ماتمیٔ حسرتِ دنیا دیدم
چوں به حسرت کدهٔ گبر و مسلمان رفتم

ترجمہ: میں نے سب کو حسرتِ دنیا کا ماتمی ہی پایا۔ جب (میں) گبر و مسلماں کے حسرت کدے میں گیا۔

زمانہ مطیع اور تقدیر فرماں بردار رہے۔

خط-۵[1]

ے قبلہ گاہ' اے بے کسوں کی پناہ' خدا تعالٰی کی رحمت کے عجیب آثار ہیں کہ کلکتے کی آب وہوا مجھے راس آ گئی ہے۔ اس جگہ اپنے وطن سے زیادہ آرام سے ہوں۔ رباعی غالبؔ۔

رباعی

ہر پردۂ زندگی نوائے دارد
ہر گوشۂ از دہر فضائے دارد
ہرچیدیبوسست از دماغم یکسر
بنگالہ شگرف آب وہوائے دارد

ترجمہ: (یہاں) ہر پردۂ زندگی میں ایک خاص لے ہے۔ اور زمانہ کے ہر گوشے کی (اپنی) فضا ہے۔ میرے دماغ سے خشکی کو مکمل طور پر ختم کردیا۔ بنگال عجیب آب وہوا رکھتا ہے۔

میں سیمین فریزر اسسٹنٹ سکریٹری سے ملا۔ ملاقات بڑی شائستہ ہوئی۔ استقبال' مشایعت' معانقہ' اور عطائے عطر وپان کی رسوم پر عمل کیا گیا۔ اُس پسندیدہ صفات کی طرزِ ملاقات نے مجھے خوش اور میرے دل کو توانا کردیا۔ نواب گورنر جنرل بہادر کے نام لکھی گئی عرض داشت اس دادگاہ کے ضابطے کے مطابق سکریٹری بہادر کے حوالے کردی گئی۔ اور اُس ہی صحبت میں سکریٹری بہادر نے اس کو پرٹن صاحب کے سپرد کیا کہ اس کی انگریزی میں نقل کریں۔ ایک دوسرے حاکم ہیں جن کو اندرو اسٹرلنگ کہتے ہیں' صائب الرائے ومتمدن' جو کونسل کے قوسِ عروجی کا نقطۂ ہدایت ہیں اور قوسِ نزولی کا نقطۂ نہایت۔ چونکہ نقدِ علم وآ گہی سے متصف ہیں' شعر کو سمجھتے ہیں اور شعر کی لطافت کا ادراک ہے۔ میں نے ان کی مدح میں پچپن اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے اور قصیدے کے آخر میں تھوڑا اپنا حال بھی لکھا ہے۔ کسی کی کوشش سے نہیں بلکہ محض اتفاقاً ان سے بڑے منتخب انداز میں اور پسندیدہ طریقے سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے میری انکساری کو وقعت دی اور میری امیدواریاں میزان پر پوری اتریں۔ میں نے قصیدہ پیش کیا اور اس کا کچھ حصہ پڑھ کر بھی سنایا۔ محظوظ ہوئے اور امداد کا وعدہ کیا۔ واضح ہو کہ اسٹرلنگ بہادر چیف سکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں اور ارا کینِ کونسل میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سیمین فریزر صاحب اس حاکم عاقل کے پیش کار وپیش دست ہیں۔ جب کبھی دوتین مقدمات کونسل میں پیش کئے جانے کے لیے جمع ہوجاتے ہیں تو فریزر صاحب ان دادخواہوں کے نام اور طریق کاران کے سپرد کردیتے ہیں اور پھر وہ (اسٹرلنگ) شائستہ طریقے سے ہر شخص کو اپنے پاس بلاتے ہیں اور ہر ایک کے مقدمے پر جیسا کہ چاہیے غور وخوض کرکے لائقِ سماعت ونا قابلِ سماعت کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ ان میں سے نا قابلِ سماعت عرضیاں عرض گذاروں کو واپس کردی جاتی ہیں اور قابلِ سماعت کونسل کو پیش کردی جاتی ہیں۔ بارے میں اپنی اس تگ ودو پر خوش ہوں کہ میری عرضداشت قابلِ قبول قرار پائی اور کونسل کے سامنے پیش کئے جانے کے لائق ٹھہری۔ اب (دیکھئے) اُس انجمن میں کیا پیش آتا ہے اور حکام کا فرمان میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔

---

[1] متن میں یہ 'خط-۴' جب کہ شمار میں 'خط-۵' ہے۔ (مترجم ومرتب)

خط-۶[1]

از جگرِ تشنه به دریا سرود
وزتنِ بے جاں بہ مسیحا درود
از شبِ دیجور بہ نیّر سلام
وزلبِ مخمور بہ صہبا پیام
از دلِ افگار بہ مرہم سپاس
وزمنِ رہ جوی بہ خضر التماس

ترجمہ: جگرِ تشنہ کی جانب سے دریا کے لئے نغمہ اور تنِ بے جاں کی جانب سے مسیحا کے لیے درود۔ اندھیری رات کی طرف سے آفتاب کو سلام اور لبِ خماریں سے صہبا کو پیام۔ زخمی دل کی جانب سے مرہم کا شکریہ اور مجھ متلاشیٔ راہ کی طرف سے خضر (رہنما) کو عرض داشت۔

دو ماہ پر دس دن اور چڑھ گئے کہ جناب کے گرامی نامے کی سیاہی چشمِ منتظر کے لیے سرمہ نہ بنی۔ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی تحریر کردہ عرضداشت اور ماہِ مذکور کی آٹھویں تاریخ کا لکھا عریضہ جو مولوی سید درایت حسن صاحب کے خط میں منسلک کر کے ارسال کیا گیا تھا، کس طرح کہوں کہ تلف ہو گیا اور جناب کی نظرِ پرورش آثار سے نہیں گزرا- کاش جناب قبلہ گاہی کے دامنِ التفات پر میں تغافل کے بیل بوٹے کاڑھ سکتا کہ دل اس پریشانی سے نجات پاتا۔ ایک دن فرطِ اضطراب میں برادرم مطائی جناب حضرت مولوی سید درایت حسن صاحب کی خدمت میں بھاگا بھاگا گیا۔ جب خط کے ورود کی پوچھ پچھ کی تو معلوم ہوا کہ مخدوم مکرم بھی میری طرح ہی منتظر تھے۔ اگر چہ دردِ محرومی کی دوا نہ ملی لیکن خدا کا شکر بجا لایا کہ مجھے رشک کی گرمی کے دوزخ کے داغ سے نہ جلایا۔ قصہ مختصر دنیا جہان کی جو خبریں بھی ملی تھیں ان دونوں عریضوں میں ایسے اجمال کے ساتھ کہ جو تفصیل کو شرمائے، رائے جہاں آرا کے سامنے پیش کر دی گئیں۔ تازہ خبر یہ ہے کہ عرضداشت کونسل کے سامنے پیش کی گئی اور فرمان یہ صادر ہوا کہ ضابطہ اس کا مقتضی ہے کہ پہلے نالش کا یہ راگ ریزیڈنٹ دہلی کو سنایا جائے۔ میں نے کہا کہ میں سفر کا ساز و سامان اور واپسی کی تاب و تواں نہیں رکھتا۔ مجھے حکم ملا کہ آپ یہیں رہیے اور ریزیڈنٹ دہلی سے وکیل کی وساطت سے رجوع کیجئے۔ (چنانچہ) وطن میں اپنے دوستوں میں سے ایک کو میں نے خط لکھا اور اعانت طلب کی۔ اس نے ذرہ نوازی کی اور خود ہی کارفرما بن گیا۔ ایک وکیل مقرر کیا اور مجھے اطلاع دے دی۔ میں نے وکالت نامہ وکیل کے نام لکھ کر اور ہر قسم کے کاغذ جو بھیجنے ضروری تھے، وکالت نامے کا ضمیمہ بنا کر ان کے نام تحریر کردہ خط میں منسلک کر کے اس رفیق کارفرما کو کہ مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان اور کام نکالنے اور دادخواہی میں مجھ سے زیادہ باریک بین ہے دہلی بھیج دیے ہیں۔

۱- متن میں یہ 'خط-۵' ہے جب کہ شمار میں 'خط-۶' ہے۔ (مترجم و مرتب)

ع: تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست

ترجمہ : اب دیکھیں خدا کیا چاہتا ہے۔

اللہ بس ماسوی ہوس۔

خط-۷

اے قبلہ گاہ، پیش کشِ تسلیمات کے بعد جو بات درخورِ گذارش ہے وہ یہ کہ جناب کے گرامی نامے کا ہما میرے سر پر سایہ فگن ہوا اور مجھے شادمانی کی سلطنت کی فرمانروائی عطا کر دی۔ آفرین ہے جناب کے محبت ناموں کے بہاؤ کی نمی پر کہ اس نے وسوسوں کا سارا غبار بٹھا دیا اور دل کو امن آبادِ جمعیت میں پہنچا دیا۔ خدا کی قسم عبودیت نامے کی تحریر کے وقت ذوقِ حضوری میرے دل میں اتنا جوش مارتا ہے کہ القاب و آداب کے لحاظ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تحریر (کسی طرح) تقریر سے کم نہ ہو، لامحالہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بیان کا توازن نہیں رہتا۔ نہ تقدیم و تاخیرِ مدعا پر نظر رہتی ہے اور نہ طوالتِ سخن کا خیال رہتا ہے اور (اس طرح) وادیٔ گفتگو کے نشیب و فراز مستانہ طے کرتا ہوں اور بگٹٹ چلتا ہوں۔ دل کو محض یہ فکر رہتی ہے کہ جناب کی رائے مشکل کشا سے (کوئی) حال احوال مخفی نہ رہ جائے۔ اس سے دو ہفتے پیشتر جمعرات کے دن صبح کے وقت جناب مولوی سید حسین صاحب دروازے سے داخل ہوئے اور (فوراً ہی) رخصت ہونے کی تیاری کرنے لگے کہ بس میں پابہ رکاب ہوں اور دورے کے سبب عازمِ سفر ہوں۔ میں اپنے غمکدے کے دروازے تک ان کو رخصت کرنے گیا اور ان کو خدا کے سپرد کیا۔ اور ان ہی دنوں میں دہلی سے جو خطوط پہنچے ان سے معلوم ہوا کہ میرے ارسال کردہ کاغذات پہنچ گئے ہیں اور دوست[1] کارفرما نے ان کو وصول کر لیا ہے اور وکالت نامہ وکیل کو دے دیا ہے۔ ابھی اس کی وکالت اپنے پورے زور سے عمل پذیر نہ ہوئی تھی کہ روشن الدولہ سر ایڈورڈ کولبرک صاحب بہادر فرماں روائے دہلی نے دورے پر جانے کے انداز میں کوچ کے پر کھول دیے۔ لازمی (اب) ان کی واپسی کا انتظار درپیش ہے اور یہ تاخیر کہ خواہ مخواہ درمیان میں آ گئی اپنی جگہ ہے۔ اس شہر کی دوسری خبروں میں سے یہ ہے کہ ولیم بیلی صاحب جو کونسل کے جزوِ اعظم ہیں اور عہدِ سابق میں وائس پریذیڈنٹ بھی تھے، فی الحال برہما چلے گئے ہیں اور لارڈ ولیم کونڈش بینٹنگ کہ طغرائے گورنری اُن کا نقشِ نگیں ہے، ملدہ، جو کلکتہ سے مشرق کی جانب ایک شکارگاہ ہے، سیر و شکار کو چلے گئے۔ صاحبِ خلقِ عمیم مولوی محمد عبدالکریم دفتر کدۂ فارسی کے میر منشی آٹھ ماہ کی رخصت پر دریا کے راستے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ ممکن ہے اب تک عظیم آباد پہنچ چکے ہوں۔ یہاں کے طرفہ حالات میں یہ کہ اس جگہ کے شاعروں اور نکتہ رسوں نے اس خاکسار کے آنے کے بعد یہاں ایک بزمِ سخن تشکیل دی تھی۔ ہر ماہِ شمسی انگریزی کے پہلے اتوار کو سخن گو سرکار کمپنی کے مدرسہ میں جمع ہو جاتے اور اردو اور فارسی کی غزلیں پڑھتے۔ اتفاقاً ایک صاحب مرتبہ شخص جو ہرات سے سفارت پر یہاں آیا، اس محفل میں پہنچتا ہے اور میرے شعر سن کر بلند آواز سے تعریف کرتا ہے ور اس ملک کے نغز گو شاعروں کے کلام پر زیرِ لب مسکراتا ہے۔ چونکہ طبائع فطرتاً خودنمائی کی عاشق ہوتی ہیں، سب لوگ حسد کرتے ہیں اور بزرگانِ انجمن وعاقلانِ فن دو اشعار پر غلط اعتراضات کر کے ان کی تشہیر

۱- متن میں "دوست کارفرما" ہے جب کہ ترجمہ "دوستِ کارفرما" سے کیا گیا ہے جو نول کشور میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

کرتے ہیں اور میری زبان کے جواب آشنا ہوئے بغیر ہی ان کو دانشوروں کی جانب سے کہ جن میں مخدومی و ملاذی [1] نواب علی اکبر خان اور مطائی مولوی محمد حسین شامل ہیں' جوابات ملتے ہیں۔ اور وہ دبک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان دو بزرگوں کی فرمائش پر میں نے ایک مثنوی تحریر کی ہے (جس میں) اپنے عجز و انکسار کے بعد ان کے اعتراضات کے جواب ان اشعار میں موزوں کئے ہیں اور وہ مثنوی عامتہ الناس کو پسند آئی ہے۔ انشاءاللہ العظیم اس کے بعد جو عریضہ جناب کی خدمت عالی میں پہنچے گا اس میں ایک ورق ان اشعار کا ضرور منسلک ہوگا۔

خط-۸ [2]

میرے قبلہ گاہ و ولی نعمت کی خدمت میں' خدا ان کے سایۂ عالی کو قائم رکھے' میں قربان جاؤں اور اپنی جان، ان کی خاک پا پر نثار کروں۔ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں اور کس پردے سے تحریر کا آغاز کروں۔ نہ شکرانہ یاد آوری اختتام کو پہنچتا ہے اور نہ ہی قدر افزائی کا سپاس حیطۂ تحریر میں آتا ہے۔ پرسوں جناب منشی عاشق [3] علی خان بہادر نے ایک مکتوب مجھے بھیجا۔ اب جو لفافہ کھولا تو اس پردے سے ایک نور چمکا۔ جب پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو جناب عالی کی تحریر تھی جو اِس مشتِ غبار کے اشعار پر مشتمل تھی اور خان ممدوح کو ارسال کی گئی تھی۔ غرضیکہ اُن کے ملازموں نے اس تنگِ آفرینش کو لکھا تھا کہ کوئی وقت مقرر کر دیا جائے اور مجھے اس سے مطلع (بھی) کر دیا جائے تاکہ تیر سر آسمان سے بھی زیادہ بلند کر دوں اور اپنے ورود کا نور تیرے ظلمت کدے پر ڈال دوں۔ جواب میں میں نے معذرت پیش کی، در دوسرے روز خود فرش بوسی کے لئے پہنچا۔ جناب عالی اہل وحدت الوجود کے ذوق کے مطابق گفتگو کرتے ہیں' اور اس ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ چونکہ شمع و چراغِ انجمن مولوی سید ولایت حسن صاحب کے شیوۂ اخلاق سے اور حقیقت آگاہی کے آسمان کے سورج نواب علی اکبر خان طباطبائی کے طرزِ اختلاط کی صورت میں آپ کے احسان کا نقش میرے دل و جان پر تھا اور ان بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہونے والی ہر مہربانی کے عوض' یہ (بھی) برامکہ کی برکت سے ہے' میری زبان پر تھا' اب تو میری آبرو میں مزید اضافہ ہوگیا اور شوکت تازہ رونما ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر اس آوارگی کے ضمن میں آپ تک نہ پہنچتا تو میری خستگی کو مرہم اور میری شکستگی کو مومیائی کہاں سے ملتی۔ اگر رشتۂ انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میر کرم علی کے سپاس سے کہ انہوں نے ہی مجھے اس آستانے کی نشاندہی کی ہے اور اس منزل پر پہنچنے کے لیے وہی میرے خضر راہ بنے ہیں' عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ میں بھلا اس لائق کہاں کہ جناب کے ملازموں کی مدح کرسکوں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

ع: خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست

ترجمہ: تیری ثنا کے لئے خاموشی ہی ثنا کی انتہا ہے۔

۱- متن میں ''ملازی'' ہے جب کہ درست ''ملاذی'' ہے (مترجم و مرتب)

۲- متن میں یہ ''خط-۷'' ہے جب کہ شمار کے مطابق ''خط-۸'' ہے۔ (مترجم و مرتب)

۳- متن میں صرف ''منشی علی خان'' ہے جب کہ نول کشور میں ''منشی عاشق علی خان'' ہے جو درست ہے۔ (مترجم و مرتب)

مخفی نہ رہے کہ یہ عریضہ ماہ رمضان کی چھٹی تاریخ کو تحریر کر کے اسی روز میر صفات علی خان کی وساطت سے لالہ کانجی مل کو بھیج دیا گیا۔ خدا ان کو توفیق دے کہ وہ، اپنے خط کے ساتھ منسلک کر کے بانداؔ بھیج دیں۔

خط۔۹

—

۱

نامہ ہائے فارسی غالبؔ

آگہی کی سلطنت کے حاکم، (اور) سالکوں کے مخدوم و پناہ گاہ، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)

ہدیۂ ثنا و نذر مدح کے بعد یہ عرض ہے کہ میر صاحب شفیق میر کرم علی صاحب اکثر اوقات آپ کی طرف سے تشریف نہ لانے کا عذر کرتے رہتے ہیں، اور اس ناپسندیدہ صورت اور مذموم سیرت کی اپنی زبانِ گہر افشاں سے تعریف کرتے ہیں۔ اُس پاؤں پر کہ دل سے زیادہ دکھا ہوا ہو، چلنے کی زحمت گوارا کی جاسکتی ہے یا تصور میں اُس قیامت کے صدمے کے متحمل۔۔ ...... (میرے لیے) اس قدر کافی ہے کہ مجھ جیسے تنگِ وجود کو آپ قبولیت کی بزم کے صدر میں بٹھاتے ہیں اور جاہل و نادان کو......... جانتے ہیں کتنی ناشکر گزاری ہے اگر میں اس افتخار پر گھمنڈ نہ کروں اور کتنی حق ناشناسی ہے اگر میں (قیاسی۔ عدمِ زیارت) کی تدفی میں اپنی آنکھیں آپ کے تلوؤں سے نہ ملوں۔ یہ جو میں جناب کی خدمت میں طویل وقفوں کے بعد پہنچتا ہوں اس کا سبب یہ نہیں کہ شوق عناں کش نہیں ہوتا، بلکہ (دراصل) میری نارسائی ہی نارسائی کی دلیل ہے اور میری واماندگی ہی میری خستگی کا عذر خواہ ہے۔ وفورِ ناتوانی نے بسترِ بیمار کی طرح میرے بدن ہی پر نہیں، چہرے پر بھی سینکڑوں شکنیں ڈال دی ہیں۔ میرا جسم انتہائے افتادگی سے [1] دیبا کی طرح ہوگیا ہے۔ امرِ تازہ یہ ہے کہ اس خشک سالی میں..... [2] اور جیسے تیسے بری بھلی زندگی گزر رہی گئی۔ [3] چونکہ آخر کار اضمحلالِ افعالِ طبیعی کا نتیجہ قوائے نفسانی کے سکوت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے (بس یہ اب) مجھے آرزوئے شعر سے مدں اور فکرِ سخن سے تکلیف ہوتی ہے (جبکہ) اس سے پیش تر، جب خواہشِ دل کی شہ پر میں کارخانۂ رنگ و بو کا فریفتہ تھا اور (جب) آرزو کی پہنائیوں میں بے پروائی سے گھوما کرتا تھا، سیاہ مستوں کی طرح غریقِ کشیدِ آتش رہتا تھا۔

یاد باد آں روزگاراں کاعتبارے داشتیم
آہِ آتشناک و چشمِ اشکبارے داشتیم

۱۔ دیبا وہ کپڑا ہے جس کے عام طور پر پردے بنائے جاتے ہیں اور پردے چونکہ پڑے رہتے ہیں اس لیے لفظ افتادگی سے اس میں معنوی نسبت بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ ''طاقتِ ــــــ گشت''۔ بظاہر ان الفاظ کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کوئی کلیدی لفظ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ اس لیے ان الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ (مترجم و مرتب)

۳۔ اس جملے میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

ترجمہ۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا کہ (کوچۂ عشق میں) ہماری قدر و منزلت تھی۔ ہماری آہ سے شعلے اور آنکھ سے آنسو نکلتے تھے۔

اب شوق کی وہ شعلہ فشانی کہاں، جو سانس کو شعلۂ دروں سے معزول رکھے،[1] اور فکر کی بہار کا وہ جوش کہاں کہ میری کفِ خاک کے پردے سے لالہ و گل کا ظہور ہو۔ یہ جو جیبِ خیال پر اک کوندا سا لپکتا ہے (تو دراصل) یہ تو چراغِ دل ہے کہ بجھنے سے پہلے بھڑک رہا ہے۔ مختصر یہ کہ مجھ جیسے شخص کی فکرِ نارسا کی تعریف اور مجھ جیسے رندِ بے سروپا کی توصیف (دراصل) مراسمِ عنایت کی تمہید اور شفقت کے مراتب کی تکمیل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہیچ کو اس کی ساری تقصیرات کے ساتھ قبول کرنا اور بُرے کو اچھا کہنا آئینِ بندہ نوازی اور نوازشِ حیران کُن کے سوا کچھ اور نہیں۔

(میری) نثر کے دو مسودے، جن میں سے ہر ایک کو سعیِ تحریر نے ایک علیحدہ طریق سے جامۂ الفاظ پہنایا ہے، آپ کی نظر سے گزریں گے اور (امید ہے) جناب کی نگاہ، قبول کی روشنی، راقم کی سرافرازی کا منشور ثابت ہوگی۔ پہلا مسودہ ایک خط ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ سفرِ مشرق کی تیاری کی ابتدا میں جب فیروز پور میں، جو میرے چچا فخر الدولہ و دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ کی جاگیر ہے، میں اپنے چچا کے پاس رہ رہا تھا، دارالخلافہ (دہلی) میں میرے ایک دوست فخر العلما مولوی محمد فضلِ حق (بھی) بود و باش رکھتے تھے۔ (لیکن) میں نے انتہائی عجلت میں انہیں خدا حافظ کہے اور اُن سے اذنِ وداع لیے بغیر اپنی منزلِ مقصود کی طرف تیز قدمی کی تو وہاں پہنچ کر میں نے ان کی خدمت کثیر الافادت میں ایک معافی نامہ تحریر کیا، جس میں صنعتِ تعطیل کی رعایت رکھی۔ تو وہ (خط) یہ ہے:

عالموں کے عالم، مشہور زمانہ عالم، عالمِ باعمل و عامل باعدل، علم کی پہچان اور عمل کی داستان، خدا آپ کے اکرام ہمیشہ قائم رکھے!

(میں) اسد اللہ کہ خرابِ دنیا (ہوتے ہوئے) دردِ دل سے آگاہ ہوں، سدم مسنون ادا کر کے اپنے مدعا کے اسرار کھولنے کا ارادہ کرتا ہوں۔ ایک دوسرے سے مل کر وداع نہ ہونے کا دکھ اگر مجھے صد ہا عمر رنج و ملال میں رکھے تو روا ہے، لیکن خدا کی قسم (حق یہ ہے کہ) میں مکمل ہوش و حواس کھو کر سرتا پا وہم و ہراس بن گیا ہوں۔ اگر میرے آقا کو مجھ سے گلہ ہے تو انتہائی افسوس کا مقام ہے۔ جب آدمی نے خدا سے کیے ہوئے عہد کو بھلا کر زندگی کو ہو و لعب کی نذر کر دیا اور روح کو ہوس کی لذت میں اور دل کو حرص میں مکمل طور پر گرفتار کر دیا، (تو) دنیا میں اس نے اپنے لیے بدبختی کا اور عاقبت میں ناکامی کا سودا کر لیا۔ دلِ آگاہ کو مصالح کار سمجھنا آسان ہے، لیکن بھٹکے ہوئے شخص کے لیے اصلاحِ احوال ناممکن ہے۔ آپ کہ علم و آگہی کے سلطان ہیں اور میری ہر درد آلودہ سانس (خود بھی) گواہ ہے کہ میرے دل سے، جو محبت کا گہوارہ ہے، حرص و ہوس رخصت ہو چکی ہے اور گردشِ ملال نے مجھے، ایک عمر کا دکھ کے چکر میں ڈال دیا ہے۔

واللہ، میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر مر رہا ہوں تو ہو و لعب کے پاس نہ پھٹکوں گا، تیقین کی راستے پر رہوں گا!

میرے کرم فرما، میرے مخدوم! فی الحال کہ راقم اسطور دلاور الملک کے ہاں قیام پذیر ہے، اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ

۱۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غلطی سے لفظ "نہ" اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ لفظ "نہ" سے جملے کا مطلب ہی خبط ہو جاتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

س ہوکار سے لین دین کا حساب کتاب کر کے اور اس کے قرض سے متعلق اصل وسود سے آگاہی حاصل کر کے سفر کا آغاز کر دے۔لیکن دلِ وارفتہ کہ (ہمیشہ) میری کامیابی کا دشمن رہا ہے، صحرانوردی پر انگیز کرتا ہے۔اُدھر میرے عمِّ محترم (ہیں کہ) دشمنوں کے وہم و ہراس میں، سرکارِ انور کے محصل وصول نہ ہونے کے درد میں، گرمی کی آمد کے رنج میں مبتلا و سوگوار و بے چین (پھر) ان میں اتنی مروّت کہاں کہ کسی کی دل دہی کریں اور (اتنا) حوصلہ کہاں کہ کسی کے اصلاحِ احوال کی طرف توجہ دیں، (ادھر) میرے دل کو وہ آسودگی کہاں حاصل کہ اپنے سرِ درد آلودہ کو پہاڑ سے جا ٹکراؤں اور دل کو امدادکار کی طمع میں امید کے لامتناہی بھنور میں رکھوں۔حاصلِ کلام یہ کہ (میں نے) اپنی بدقسمتی کی شکایت کو رخصت کر کے خدا کے کرم و فضل کی وسعت کی ٹوپی اوڑھ لی ہے (اور اب) صحرانوردی کا ارادہ ہے کہ غبار کی صورت اور آندھی کی طرح دنیا میں گھومتا پھروں۔اگر نیک بختی نے کہ جس پر طلسمِ مراد لکھا ہے، یاوری کی اور عروسِ مقصود راقم الحروف دعاگو کے دامِ ارادہ میں آ گئی، فبہا! ورنہ لازمی میرا اگلا قدم ملکِ عدم کو ہوگا (اور اس طرح میں) دنیاداروں میں بنی نوعِ انسان کے لیے باعثِ شرم (بنوں گا)۔ملک اللہ کے لیے ہے اور حکم اللہ کے لیے ہے۔یہ تحریر کیا گیا:

صر صرِ صد دمِ سرد آمد دل
ہمہ درد و (ہمہ) گرد آمد دل

ترجمہ: دل (گویا) سینکڑوں سرد آہوں کی آندھی تھا۔دل محض درد و غم تھا۔

گہ کرم کامِ دلِ ما گردد
گہ درم دامِ دلِ ما گردد

ترجمہ: کبھی کرم ہمارا حاصلِ مقصد ہوتا ہے۔کبھی درم ہمارے دل کے لیے جال بن جاتا ہے۔

ہوسِ طرّۂ طرّار او را
حرصِ وصل و سرِ دلدار او را

ترجمہ: اُس (دل) کو (محبوب کے) طرّۂ طرار کی ہوس (رہتی ہے)۔اُس (دل) کو (محبوب کے) وصل اور سر کی حرص (رہتی ہے)۔

سادہ دل گردِ ہوسہا گردد
کہ عسل دامِ مگسہا گردد

ترجمہ (وہ) نادان حرص و ہوس میں گرفتار رہتا ہے۔جس طرح شہد مکھیوں کے لیے جال بن جاتا ہے۔

سوداگرِ وعدالحرام کے معاملے نے (آپ کے) محبت بھرے، نوازش آگیں دل کو مجھ بدبخت کی طرف سے سرد کر دیا اور (اُس کے، یعنی سوداگر کے) تلوار آسا، کینہ آثار اور اندوہ آگیں کلام نے آپ کے پیار بھرے دل میں دکھ کی گرہ ڈال دی۔امید کرتا ہوں، یہ رنج دل سے دور ہو جائے گا اور درخواست کرتا ہوں کہ دل کی اس گرہ کو کھول دیں۔تاکہ یہ گرہ در گرہ دل خواہشِ قلب کا جال بن جائے۔خداوندِ محبت، اللہ آپ کو طویل زندگی اور دوامی (سلامتی) عطا کرے اور نتیجہ ہمیشہ تکمیلِ رضا و صلاحِ احوال پر ہو۔والسلام والاکرام۔

ایک دوسرا مسودہ ہے جو لکھنؤ میں سبحان علی خان و میر نیاز حسین خان اور دوسرے نئے احباب کی تجویز پر..... (قیاسی بطور) ایک عرض داشت کے معتمد الدولہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ ہر چند کہ خاصانِ سرکار نے دوست نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے امیرِ ممدوح کے سامنے میری بڑی تعریف و توصیف کی اور ملاقات کا بندوبست کیا، تاہم چونکہ پہلی ہی ملاقات پر معانقے کے باب میں اُس جانب سے.... (قیاسی ایسی) باتیں ہوئیں کہ یہ امرِ ذہنی خارج میں صورت پذیر نہ ہوا۔ چونکہ اس خاکسار کا دل امورِ محولۂ بالا کی وجہ سے زخمی ایک دراز سفر سامنے اور مقصدِ دشوار درپیش (تھا، لہٰذا) میں نے استغنا کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی خاکساری کی شرم رکھ لی اور اپنے دامن کو اُن بے حصول نو دولتیوں کے اختلاط سے سمیٹ لیا۔ اگرچہ اُس خواہش کا نقش سینے سے محو ہو چکا ہے تاہم وہ تحریر کاغذ پر موجود ہے، چنانچہ اس قلم ہرزہ سرا سے تحریر کر رہا ہوں۔

''محبت کے ملک کی مرحمتوں کے بانی، نیک بختی سے کامران، عطا و کرم کے سورج کی جائے طلوع، زبدۂ دودمانِ آدم، خدا آپ کی عطا کو قائم اور مراتب کو بلند کرے۔

دعا گو محمد اسد اللہ آں جناب کی خدمت میں مراسمِ احترامات ادا کر کے اور دردِ دل کے کلاوے کا سرا کھول کر، اطلاعِ حال کے ساحل پر، امید کے موتی کے حصول کی خواہش رکھتا ہے۔ درد و الم نے میری روح کو جادو کی طرح سراسر ٹھنڈی آہوں کے جال میں گرفتار کر رکھا ہے اور سودا کے دھویں کی بلندی نے میرے دلِ وارفتہ کو (برانگیختہ کر کے) دُمِ طاؤس بنا دیا ہے (اپنی کم حوصلگی کے باوجود) دلِ کم حوصلہ نے کائنات کے غموں کو دعوت دے کر جمع کیا ہے اور وہم و ہراس نے دلِ آوارہ کے لیے صحرا صحرا گرد ملال کو آزاد کر دیا ہے۔ میری سماعت کار برآری کی صدا سے محروم ہے اور میرے لمس کو اپنے مقصدِ موافق کی کلائی کا لمس حاصل نہیں۔ دنیا سے رحم و کرم کی رسم و راہ اٹھ گئی ہے۔ دعا گو کے لیے بھی در در سوال کرنا باعثِ ننگ ہے اور زمانے کے اہلِ ہمت کا احوال بھی پوشیدہ نہیں کہ ہر شخص کہ چارۂ کار کے لیے (کتنا ہی) دوڑے (آخر کار) اپنے سرِ درد آلودہ کو کسی پہاڑ ہی پر دے مارتا ہے، مگر سرکارِ اودھ کی حدود میں عدل و انصاف کے معماروں نے (گویا) سارے زمانے کو گل کدۂ ارم بنا دیا ہے اور عطا و کرم کی بارش نے آزردگانِ دنیا کو (بھی) حصولِ مدعا کے جال میں پھانس لیا ہے۔ میں نے (بھی) ارادہ کیا ہے کہ (آپ کی) بہشت جیسی درگاہ میں پہنچ کر گلِ مراد کا عطر اپنی آرزو کے لباس میں لگاؤں۔ غرضیکہ آرزو کے تیر کا دکھ دل میں اور سودا کے اوہام کا دھواں سر میں لے کر میں نے اس طویل مسافت کی مشقت برداشت کی اور اپنی سواری کو راستے پر ڈال دیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ اپنے بختِ رسا کے ساتھ دو سو کوس کی مہم طے کر کے اودھ میں خاصانِ سلسلۂ آلِ محمد ﷺ کی ڈیوڑھی پر وارد ہوا ہوں۔ اگرچہ میں اس وسعتِ زمانہ میں اہلِ کمال کے درمیان گرد کی مثال ہوں لیکن سرکارِ عالم محیط کا مداح ہوں اور میری تحریروں میں بس مدح کے موتیوں کی ایک دنیا موجود ہے۔ میرے اُس دل نے جو محملِ راستی ہے، محبت کی داغ بیل ڈالتے ہوئے، منشی فلک کے قلم سے چند سادہ مصرعے تحریر کیے ہیں۔ چنانچہ رقم کرتا ہوں:

اکرمِ اہلِ کرم اسعدِ اولادِ رسول　　داور دادرس و سرور عالم آرا

ترجمہ: اہلِ کرم میں (وہ) سب سے بڑھ کر ہے (اور) اولادِ رسول ﷺ میں سب سے زیادہ سعادت وال (وہ) عمل کرنے وال حاکم اور دنیا کو زینت بخشنے والا سردار ہے۔

درِ او مصدرِ عدل و کرم و سور و سرور　　دلِ او مطلعِ علم و عمل و مہر و عطا

ترجمہ: اُس کے دروازے پر عدل و کرم اور خوشی و شادمانی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے (اُفق) دل پر علم و عمل اور مہر و عطا طلوع ہوتے ہیں۔

عدل را راه درِ درگہ او کرده طلوع　　ملک را گردِ رہِ عسکرِ او دادهِ لوا

ترجمہ اُس کی درگاہ کے دروازے نے عدل کو راستہ دکھایا ہے (اور) اُس کی فوج کے راستے کی گرد ملک کے لیے علم بن گئی ہے۔

گر دَوَد گردِ سُمِ ادہمِ او در عالم　　ہر مسِ دہر طلا گردد و ہر صعوه ہُما

ترجمہ اگر اس کے مشکی گھوڑے کے سُم کے گرد دنیا میں دوڑے تو دنیا کا سارا پیتل سونا اور ہر چڑیا، ہما بن جائے۔

درِ او آمده درگاہِ ملوکِ عالم　　کہ گدا آمده کاؤس و دعا گو دارا

ترجمہ: اس کا دروازہ شاہانِ عالم کی (وہ) درگاہ ہے جہاں کاؤس سوالی ہے اور دارا دعا گو۔

اے منصف حاکم، میری روح مصائب کی زنجیروں میں (گرفتار) ہے اور چھریوں کا رُخ دل کی طرف ہے۔[1] (اور) وہ دل کہ درد آشنا، لیکن دوا سے محروم ہے، مرہم کی خواہش رکھتا ہے کہ میری زبوں حالی نے میرا احوال تہ و بالا کر رکھا ہے۔ میری تمنا یہ ہے کہ جنابِ عالی میرے اعلیٰ کلام اور گوہر کمال کو مطالعہ عالم آرا کی لڑی میں پرو دیں تا کہ سُہا بھی ہم منصب ماہ اور مگس بھی ہم سرِ ہُما ہو جائے۔ محبت کے بادشاہ سرداروں کے سردار، عالموں میں بے نیاز اہلِ کرم کے سرخیل، امیروں کے ستون، مہمات کے محور، بلند ہمت رکھنے والے کو (خدا) ہمیشگی کی بنیاد رکھنے والی عُمر، دنیا کی اطاعت والا حکم، دشمن کو مٹا دینے والا (اور) عدو کو مسل دینے والا فرمان، آسودہ دل، مبارک قسمت عطا کرے۔"

(محررہ اسعد مخدوم محرم الحرام)

مکرمی و مخدومی!

میں جانتا ہوں اور میرا دل جانتا ہے کہ اس حسنِ اتفاق پر کس قدر مسرور ہوں کہ میری دعا بے اثر و بیگانۂ قبولیت کو، جسے اہلِ ہوس کے بے انصاف دلوں کی آہ و بکا کی طرح راستہ نہیں ملتا تھا، اس عبودیت نامے کے اختتام پر خلعت قبولیت ملا۔ مدعائے خاطرِ مشتاق کا نقش بھی کرسی نشیں ہو گیا (یعنی مدعا حاصل ہو گیا) اور رونق و نفاق کے تفرقے کی زحمت بھی درمیان سے اُٹھ گئی۔ امید ہے کہ میری بے ریا دعا کا اثر جنابِ عالی کے عہدِ سعادت آثار پر ہمیشہ برقرار رہے۔

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے زمانے میں قیدیوں کو مزید اذیت دینے کے لیے اُن کی زنجیروں میں چھریاں لگی ہوتی تھیں۔ (مترجم و مرتب)

خط-۱۰

۲ (۱)

قبلہ پرستوں کے قبلہ اور جویانِ حق کے کعبہ، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے!)

(یہ فدوی) اپنے آپ کو (آپ کی) خاطرِ خطیر میں یاد دلانے کو وجودِ سعادت کے لوازم میں سے سمجھ کر گزارشِ مراسمِ نیاز کو حصولِ مدعا کی تقریب قرار دیتا ہے۔ اس خط کا حامل جس کا وجود ہی محض حسنِ اتفاق ہے، بذاتِ خود اس امر کا گواہ ہے کہ خط میں نے کس حالت میں تحریر کیا ہے۔ بہر حال (یہ فدوی) جمعرات کے دن مودہ پہنچا۔ ہفتے (کے دن) تک آرام کرتا رہا۔ پیر کو وہاں سے کوچ کر کے، ایک رات ایک گاؤں میں گزار کر، منگل کو چلّہ تارا پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ سر درد اور بخار رخصت ہو چکے ہیں۔ آپ اپنی خاطرِ لطیف جمع رکھیں۔ آج رات چلّہ تارا میں گزار کر ان شاء اللہ کل صبح، بشرطِ زندگی، فتح پور کی تیاری کی جائے گی۔

خط-۱۱

۳ (۲)

قبلۂ جان و دل، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے!)

یہ (فدوی) تسلیمات کے بعد اپنا احوال بیان کرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بخار اور سر درد کے اثرات باندے ہی سے رفع ہو گئے ہیں (البتہ) کمزوری باقی ہے، (جس کی) فکر نہیں کہ یہی تو مجھ خستہ حال کا وہ رفیق ہے جو میری رفاقت پر وطن سے (یہاں تک) کمر بستہ ہے۔ اس کے حق کی ادائی کا منصب مستحکم اور اس کی وفاداری کا سایہ (یعنی اثر) فطرتِ ثانیہ بن چکا ہے۔ ہائے وہ بیل گاڑی، جسے ''بڑھیا'' کہتے ہیں، ضعیفی میں مجھ سے بڑھ کر واقع ہوئی ہے! پیر کے دن مودے سے روانہ ہوا۔ چلّہ تارا (وہاں سے) بارہ کوس تھا۔ وہ آہستہ خرام، جسے ''مخرام'' کہنا زیادہ مناسب ہے، ایک دن میں یہ فاصلہ بھی طے نہ کر سکی۔ مجبوراً رات ایک گاؤں میں گزارنی پڑی۔ منگل کو آخرِ شب وہاں سے روانہ ہوئے اور میں خود (تو) دوپہر کے وقت چلہ تارا کی سرائے میں پہنچ گیا لیکن وہ بیل گاڑی جسے جنبش کرنا مشکل تھا، اس وقت پہنچی کہ رات پڑے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اُسی وقت میں نے رات کی تاریکی میں، کہ نوکر چاکروں نے چراغ بھی روشن نہ کیے تھے، یہ خط لکھ ڈالا۔ کثرتِ بیہونت اور آرائشِ مضمون سے صرفِ نظر کر کے اس شکستہ تحریر پر میری معذرت قبول فرمائی جائے۔

غرض اس سرگزشت کا خلاصہ یہ ہے کہ کمینے آسمان (۳) کے ظلم سے تنگ آ کر میں نے اپنے آپ کو سپردِ دریا کر دیا، یعنی وہیں سے ایک کشتی کرائے پر لی اور گھوڑا اور آدمی اور سامان، سب اس میں (جیسے تیسے) ڈالے اور ''بسم اللہ مجریہا و مرسہا''

۱،۲۔ مضمون کے اعتبار سے یہ خط اور آہنگ پنجم کے خط۔ ایک (۱) اور دو (۲) مشترک ہیں بہتہ متن میں قدرے اختلاف ہے جو ترجمے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۳۔ یہاں ''گردوں'' اور ''مردود تک'' کی لفظی و معنوی رعایتیں بھی قابلِ غور ہیں۔ (مترجم و مرتب)

پڑھ کر کشتی دریائے جمنا میں ڈال دی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ بنارس میں قیام کرنے کی بجائے الٰہ آباد پہنچ کر چند دن آرام کر کے اور سفر کی ضروریات بہم کر کے سفر پر روانہ ہو جاؤں اور سوائے مرشدآباد بنگال کے کسی جگہ قیام نہ کروں۔ کشتی کے سفر کا حال بھی ان دو تین دنوں میں معلوم ہو جائے گا۔ کشتی بان کہتے ہیں کہ یہ تیسرے روز الٰہ آباد پہنچ جائے گی۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ غرضے کہ بدھ کے روز، دو پہر کے وقت ناخدا کی جگہ خدا پر بھروسا کر کے میں کشتی میں سوار ہو (ہی) گیا ہوں۔

مرزا مغل صاحب نے فرمایا تھا کہ جناب مفتی صاحب کے ملازموں کے نام کا خط چلّہ تارا کے تھانیدار کے حوالے کر دیا جائے، وہ پہنچا دے گا۔ شام کے وقت اتفاق سے چلّہ تارا کی سرائے میں اسباب کی بیل گاڑی اور راستے کے بچھڑے ہوؤں کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ اُس خرابے کا تھانیدار سرائے میں آ پہنچا اور آہستہ آہستہ اِدھر اُدھر چہل قدمی کرنے لگا۔ میں نے ارسالِ خط کے سلسلے میں اس کی مدد چاہی۔ اس نے میری گزارش مان تو لی لیکن انتہائی بدتمیزی کے ساتھ، چنانچہ دل نہ مانا اور طبیعت کو گوارا نہ ہوا کہ خط اُسے دوں۔ وہیں پر ایک غیر معروف مسافر نے جب آپ کا نام گرامی سنا تو انتہائی انکسار سے وہ خط مجھ سے مانگا۔ چنانچہ میں نے عجلت میں چند سطریں اندھیرے میں لکھ کر خط اُس کے حوالے کر دیا۔ قوی امید ہے کہ آپ کی نظر سے گزرے گا، لیکن میرا وہ عبودیت نامہ، جو میں نے گاڑی بان کے حوالے کیا ہے، اگر جلد بھی پہنچے تو اِس گناہگار کے کلکتے پہنچنے ہی پر پہنچ سکے گا۔ چونکہ چلّہ تارا سے باندے اس سے کم عرصے میں پہنچنا اُس کے لیے ممکن نہیں۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر (اور اللہ ہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) جناب شاہ غلام زکریا صاحب اور خان صاحب انعام احمد خان، جن کے احسانات ہر خاص و عام پر ہیں، اور جناب محمد صالح علی خان المعروف بہ مرزائی صاحب کے لیے میرے نیاز مندانہ و والہانہ احترامات قبول ہوں۔

خط۔۱۲

۴

ہجوِ الٰہ آباد و تعریفِ بنارس پر مشتمل:

ایں شکایت نامۂ آوارگی ہائے من است
قصۂ دردِ جدائی ہا، جدا خواہم نوشت

ترجمہ یہ (تحریر تو) میری آوارہ گردی کا شکایت نامہ ہے۔ دردِ فراق کی داستان علیحدہ لکھوں گا۔

روح و خرد کے قبلہ اور اسد کے جسم و جاں کے کعبہ، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے!)

آپ کے سر پر قربان ہونے کے مراسم اور قدم بوسی کی تمنا کے مراتب کے اظہار کے بعد یہ عرض ہے کہ اگر آج سے دو روز پیش تر ہم آپ کے حاضرین میں سے غائب تھے تو آج آپ کے غائبین میں سے حاضر ہیں۔ بہ ہر صورت عالمِ خیال میں ہر لمحے میں اُس انجمن میں پہنچا ہوا ہوتا ہوں۔ یہ دیکھیں کہ دل آپ کے ذوقِ ہم کلامی میں جوش میں آ گیا ہے اور میرے ہونٹ ہرزہ نوائی کے شوق

میں پُرشور ہیں۔ مجبوراً تحریر کا گریباں چاک کرتا ہوں اور گفتگو کا خوں نابہ ٹپکاتا ہوں۔ میں دیوانہ ہوں جو کچھ بھی کہوں معاف ہے اور (چونکہ) دُکھی ہوں جو کچھ لکھوں ناقابلِ گرفت شاعری درکنار و تکلف برطرف، اپنی سرگزشت کے بابِ اظہار میں جو گفتنی ہے، وہ یہ ہے:

مغلوبِ سطوتِ شرکا، غالبؔ حزیں

کاندر تنش ز ضعف، تواں گفت، جاں نہ بود

ترجمہ: غالبِ حزیں شرکائے (سفرِ حیات) کی شان و شوکت سے اس طرح مغلوب ہوگیا ہے گویا ضعف سے اس کے جسم میں جان ہی نہیں تھی۔

گویند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است

مارا بہ ایں گیاہِ ضعیف ایں رسیدہ نہ بود

ترجمہ: کہتے ہیں کہ وہ بنارس تک زندہ پہنچ گیا ہے۔ ہمیں گھاس کے اس نحیف تنکے سے یہ توقع نہ تھی۔

چلّہ تارا تک کیا بیتی، یہ احوال میں دو خطوط میں، جن میں سے ایک گاڑی بان کے اور دوسرا ایک غیر معروف ناآشنا شخص کے ذریعے، بھیج چکا ہوں۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر میری خوش قسمتی سے ان میں سے ایک.... نگاہِ قبول کی بزم میں پہنچ چکا ہو۔

بہرحال، اس گھاٹ سے میں نے کشتی کرائے پر لی اور آدمی اور چوپاؤں کے ساتھ اس میں بیٹھ کر.... (دراں حالے کہ) معدے اور آنتوں میں ریاح بھر جانے کی وجہ سے سخت بے چین تھا اور دل ...... بخار کی تپش سے سلگ رہا تھا۔ ساتویں روز.... (قیاسی: الٰہ آباد کے) ویرانے میں پہنچے۔

افسوس الٰہ آباد! اس ویرانے پر خدا کی لعنت برسے کہ وہاں نہ تو بیمار کے لیے دوا ملتی ہے اور نہ کسی مہذب انسان کی ضرورت کی کوئی چیز دستیاب ہوتی ہے......... اس کے لوگوں میں نہیں اور محبت و حیا وہاں کے پیر و جواں میں نایاب ہے۔ اس کے نواح و اطراف دنیا کے لیے سرمایۂ رُوسیاہی اور اس کی ویران آبادی [مرز] (کذا) دو منزلہ............ [نامکمل]۔ اس ہولناک وادی کو شہر کہنا سراسر ناانصافی ہے اور اس بھوتوں کی بستی میں کسی انسان کا رہنا کیسی بے حیائی ہے! جہنم کا صحن اس......... [بومش] سرزمین کے مقابے میں رکھیں (تو غصے سے) آگ ہو جائے اور اگر ہوائے زمہریر کو اس نم زدہ علاقے کی آندھی سے نسبت دی جائے (تو) کافی ناخوش ہو۔ چونکہ اس (شہر) نے یہ سن رکھا ہے کہ نیکوں کے ساتھ بدوں کی بھی بخشش ہو جاتی ہے، اس نے بھی اپنے آپ کو بزرگ امیدواری اور بے اندازہ خواری کے ساتھ بنارس کے پہلو میں لگا رکھا ہے اور گنگا کو شفاعت کے طور پر اس کی طرف رواں کر دیا ہے۔ ہر چند کہ بنارس کی طبعِ نازک پر اس رُوسیاہ (شہر) کی طرف دیکھنا بھی گراں ہے لیکن یہ اس تقویت پر امیدوار ہے کہ گنگا کا واسطہ درمیان میں ہے۔ خدا کی قسم، اگر کلکتے سے واپسی پر الٰہ آباد کے راستے جانا پڑا (تو) وطن ترک کر دوں گا پر ہرگز اس راستے واپس نہ جاؤں گا۔ غرضے کہ پورے ایک دن رات باربرداری کا (انتظام) نہ ہونے کے جرم میں اس بھوت نگر میں گرفتار رہ کر دوسرے دن جب کرائے کی بہلی ملی تو صبح سویرے گنگا کنارے پہنچ کر ہوا کی طرح پانی (دریا) کو عبور کر گیا اور پاے شوق سے جانبِ بنارس تیز گامی کی۔

بنارس پہنچنے کے دن بادِ جاں فزا اور نسیم .... آسا مشرق کی جانب سے چل رہی تھی اور جان کو توانائی اور روح کو بالیدگی دے رہی تھی۔ اس ہوا کے اعجاز نے میری مٹھی بھر خاک کو فتح کے جھنڈے کی طرح بلند کر دیا[1] اور اس ٹھنڈی ہوا کی مستی نے میرے جسم کی ساری کمزوری رفع کر دی۔

کیا کہنے نواحِ بنارس کے، کہ اگر اس کو فرطِ دل نشینی کے سبب نقطۂ قسپِ عالم کہوں تو بجا ہے اور کیا کہنے ہیں اس بستی کے جوانب کے، کہ اگر اس کو فرطِ سبزہ وگل کے باعث رُوئے زمین پر جنت جانوں تو جائز ہے۔ اس کی آب وہوا اموات کے جسم میں جان ڈالنے کی خدمت .... (قیاسی، انجام دیتی ہے) اور اس سرزمین کے ذرے ذرّے کی یہ خاصیت ہے کہ جوہرِ مقناطیس کی طرح راستہ چلنے والوں کے پاؤں سے چبھے ہوئے تیروں کی نوکوں کے کانٹوں کو نکال لیتا ہے۔ ہماری نظر میں اگر گنگا اس (بنارس) کے قدموں سے اپنا سر نہ رگڑتی تو اس تقدس کی اہل نہ ہوتی اور اگر سورج کا اس کے در و دیوار سے گزر نہ ہوتا تو وہ اس قدر فروزاں اور تابناک نہ ہوتا۔ گنگا اپنی لہروں کی روانی سے گویا بحرِ صوف ہے، جس سے ساکنانِ ملاءِ اعلا کے گھر سیلابی ہو گئے ہیں اور پری چہرگانِ سبزہ رنگ کے جلوے سے قدسیوں کے کتاں خانے ماہتابی! اگر میں اس شہر کی، ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی، عمارات کی کثرت کا بیان کروں (تو گویا یہ) سراسر مستوں کے عبادت خانے ہیں اور اگر (از.....) رس کی نواح کے سبزہ وگل کی ایک فصل بھی پڑھوں (تو یوں لگے جیسے) بیاباں در بیاباں بہارستان ہے۔

تعالی اللہ بنارس، چشمِ بد دُور
(بہشتِ خرّم) و فردوسِ معمور

ترجمہ: سبحان اللہ، بنارس کو خدا نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔ یہ بہشتِ سرسبز اور جنتِ معمور ہے۔

خس و خارش گلستان است، گوئی
غبارش جوہرِ جان است، گوئی

ترجمہ اس کے جھاڑ جھنکاڑ بھی بمنزلہ گلستان کے ہیں (اور) اس کی گرد گویا جوہرِ جاں ہے۔

سروش پایۂ تختِ بُت پرستان
سراپایش زیارت گاہِ مستان

ترجمہ اس کے اطراف بت پرستوں کی تخت گاہ ہیں اور وہ (بذاتِ خود) سرتاپا مستوں کی زیارت گاہ ہے۔

بنارس را کسے گفتہ کہ چین است
زموجِ گنگ چینش بر جبین است

ترجمہ: (جب) کسی نے کہا کہ بنارس چین (کی مانند) ہے، (تو اس تشبیہ سے) بنارس کے ماتھے پر گنگا کی موجوں سے شکنیں پڑ گئیں۔

---

[1] یہاں متن میں الفاظ آگے پیچھے ہو گئے ہیں "اعجاز آں مشت ہوا غبارم را ." کی جگہ "اعجاز آں ہوا مشت غبارم را..." ہونا چاہیے تھا۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

بخوش پُرکاریِ طرزِ وجودش
ز دہلی می رسد ہر دم درودش

ترجمہ: اس کے طرزِ وجود کی خوش پُرکاری پر دہلی بھی ہر لمحے درود بھیجتی ہے۔

بنارس را تو گوئی دید در خواب
کہ می گردد ز نہرش در دہن آب

ترجمہ: یوں لگتا ہے کہ اس (دہلی) نے بنارس کو خواب میں دیکھ لیا ہے، (جبھی تو) اس کی نہر سے (دہلی کا) دہن پُر آب ہے۔

حسودش گفتن آئینِ ادب نیست
ولیکن غبطہ گر باشد، عجب نیست

ترجمہ: (اس کی خوبیوں پر) بہت زیادہ حسد کرنا آئینِ ادب کے خلاف ہے۔ البتہ رشک کرنا حیران کن نہیں۔

فرنگستانِ حسنِ بے نقاب است
ز خاکش ذرّہ ذرّہ آفتاب است

ترجمہ: (یہ) حسنِ بے نقاب کا (وہ) فرنگستان ہے، جس کی خاک کا ذرہ ذرہ آفتاب ہے۔

بُتانش را ہیولیٰ شعلۂ طور
سراپا نورِ ایزد، چشمِ بد دور

ترجمہ: اس کے حسین شعلۂ طور کی صورت ہیں۔ خدا انہیں نظرِ بد سے بچائے، سراپا نورِ ایزدی ہیں۔

میانہا نازک و دلہا توانا
ز نادانی بکارِ خویش دانا

ترجمہ: ان کی کمریں نازک (لیکن) دل توانا ہیں۔ وہ نادانی میں بھی اپنے کام میں (بڑے) دانا ہیں۔

تبسم بسکہ در دلہا طبیعی ست
دہن ہا رشکِ گلہای ربیعی ست

ترجمہ: ان کے دلوں میں ایک فطری تبسم رہتا ہے (اور) ان کے دہن فصلِ ربیع کے پھولوں کے لیے باعثِ رشک ہیں۔

بلند افتادہ تمکینِ بنارس
بود بر اوجِ او، اندیشہ نارس

ترجمہ: بنارس کا مرتبہ (اتنا) بلند ہے (کہ) اس بلندی پر (انسان کی) فکر نہیں پہنچ سکتی۔

اس تماشا گاہ کی دل فریبی کے وفور سے غمِ مسافرت دل سے محو ہو گیا ہے اور اس بُت خانے کے نشاطِ نالۂ ناقوس کی کثرت

سے دل جھوم جھوم کر (مستانہ وار) نعرۂ زن ہے۔(میرا) ذوقِ (حسن) بادۂ تماشا سے ایسا بدمست ہوا کہ وارفتگی میں یادِ وطن (کی شمع) بجھا دی اور اس جگہ کے نظارے کی کیفیت دل پر اس حد تک غالب ہوگئی کہ دہلی کے لیے سوائے طاقِ نسیاں کے (اور کوئی) جگہ نہیں رہی.... (اگر) یہ اہم مقدمہ پیش نہ ہوتا اور (میرا) دل شماتتِ اعدا سے زخمی نہ ہوتا تو بے درنگ دین کو خیر باد کہتا اور تسبیح توڑ ڈالتا اور (ماتھے پر) قشقہ کھینچتا اور (گلے میں) زنار ڈالتا اور اس ہیئت کے ساتھ گنگا کنارے بیٹھا رہتا تا وقتیکہ (میرے جسم سے) ہستی کی آلائش کی گرد ڈھل نہ جاتی اور میں ایک قطرے کی صورت دریا میں ضم نہ ہو جاتا۔اس ارم آباد میں قدم رکھتے ہی بغیر کسی علاج کے اور بغیر کوئی دوا کھائے، نئے عوارض کی تکلیف جاتی رہی۔ بلکہ وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک حد تک اصل مرض میں بھی افاقہ ہوگیا۔روزمرہ کے مرکبات میں سے جس قدر بھی فراہم ہو جاتے ہیں، وہ حفظِ ماتقدم کے طور پر ہیں، ورنہ اب نہ تو تلافیٔ ماضی منظور ہے، نہ رعایت حال۔

قبلہ گاہ! کہیں جناب کی خاطرِ اقدس میں یہ گمان نہ گزرے کہ غالبؔ اپنی شوریدہ سری اور پریشاں نظری کے باعث بنارس میں شہد کی مکھی اور دلدل کے گدھے کی طرح پھنس گیا ہوگا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ مجھ جیسے فلک زدہ کے پاس کسی جگہ قیام کے لیے ساز و سامان کجا اور تفریح کے لیے دل و دماغ کہاں۔ یہ قیام تو مجھے (مجبوراً) ان دواؤں کی فراہمی کی خاطر، جو اکثر میرے استعمال میں رہتی ہیں، اور قدرے سامان مہیا کرنے کے لیے' جس کی جاڑے میں ضرورت تھی، کرنا پڑا۔ پانچ دن سرائے نیرنگ آباد میں، جو ''سرائے نورنگ آباد'' کے نام سے معروف ہے، ضائع ہوئے۔اس کے بعد اسی محلے میں اسی سرائے کے پیچھے ایک مکان مل گیا۔ چنانچہ اسی مکان میں، جو بخیل کی قبر سے زیادہ تنگ و تاریک ہے، میں نے رختِ سفر کھول دیا ہے اور افتادگی کے بستر پر آ پڑا ہوں۔ نباتات کی ایک دوسرے سے آمیزش........ (نامکمل) آوارگی کی چادر پر رقعہ بر رقعہ پیوندکاری وقت مانگتی ہے۔کم از کم چار ہفتوں میں سے اس میں..... غفلت میں گزرا ہوا یہ ہفتہ بھی ان ہی ایام میں شمار ہوگا۔ فی الوقت (انتخابِ راہِ سفر کے باب میں) دشت و دریا کے درمیان، گویا پانی اور آگ کے بیچ، متفکر ہوں۔ کبھی تو خیال آتا ہے کہ عظیم آباد تک خشکی کے راستے جایا جائے اور وہاں سے کشتی کرائے پر لی جائے اور کبھی جی چاہتا ہے کہ یہیں سے دریا کے راستے چل دیا جائے۔ اس حال میں مجھے جناب سے یہ امید ہے کہ آپ آوارگانِ دشتِ بلا کی غم خواری فرمائیں اور ایک فوری نوازش نامہ انگریزی ڈاک کے ذریعے ارسال فرما دیں تاکہ اس سے جناب کے مزاجِ اقدس کے بارے میں تفصیل سے آگاہی ہو۔ .... بجائے اس کے کہ (صرف) آغازِ مکتوب میں خیر و عافیت تحریر ہو۔ وہ حاضر و غائب کا جاننے والا آگاہ ہے کہ میرا دل اکثر مخدوم (ہی) کی جانب نگراں رہتا ہے۔

انشاءاللہ العزیز، وہ عریضہ، جو میں آپ کے منشورِ سعادت رقم کے جواب میں لکھوں گا، پورے طور پر حاملِ تاریخِ رخصت و کوائف حور و طریق سفر ہوگا۔ ہر چند کہ مجھے اپنی (سابقہ) درخواست پر انتہائی اصرار ہے، لیکن دل بے کسی و گم نامی کی شرم سے بے حد زخمی ہے کہ جس گوشے میں آ پڑا ہوں، یہ ایک بڑھیا کی کوٹھڑی ہے جو خود روغن چراغ کی محتاج ہے اور اس کے خراب کی پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں۔ اجڑے گاؤں کی طرح، خوفِ خراج سے، نہ اس کے پہلو میں کوئی مشہور بازار ہے، نہ (ہی) اس کے قریب کوئی شاندار محل (چنانچہ سمجھ میں نہیں آتا کہ) پتا کیا تحریر کیا جائے! پیکِ خیال خود ہی نامہ بر کیوں نہ ہو وہ آخر کس.... (قیس کے دروازے پر) اس کو

ڈھونڈتا ہوا جائے گا، (لہٰذا) میرے مخدوم، آپ خط کو، مع مکتوب الیہ، خدا کو سونپ کر اُس پر یہ پتا لکھ دیں: محلّہ نورنگ آباد، عقب سرائے نورنگ آباد، قریب حویلی گوسی خان ساماں، حویلی مٹھائی و میاں رمضان میں پہنچ کر اسد اللہ غریب الوطن نو وارد کو ملے۔

امید ہے کہ انگریزی ڈاک کے قاصد دعائے مقبول کے تیر کی طرح اپنا نشانہ خطا نہیں کریں گے۔ اس ہذیاں سرائی اور پریشاں نوائی کا عذر خط کی ابتدا ہی میں کر چکا ہوں۔ اُس باب کا ایک حصہ اگر اب دہرایا جائے تو ''عذرِ گناہ بدتر گناہ'' کے مصداق اسی طومار سے بڑھ کر ایک دفترِ معذرتِ فضول کے اعادے کے لیے چاہیے ہوگا۔

پیشانیِ عفوِ ترا پُرچیں نہ سازد جرمِ ما
آئینہ کے برہم خورد از زشتیِ تمثالہا

ترجمہ: تیری درگزر کی پیشانی ہمارے جرم سے شکن آلود نہیں ہوتی (اس لیے کہ) آئینہ عکسوں کی خرابی سے کبھی نہیں دھندلاتا۔

(دعا ہے) آپ کی عمر و دولت، عرصۂ جاوید کی فضا میں .... حیاتِ ابدی کے عشرت کدے میں جڑواں بچوں کی طرح رہیں۔ حضرت شاہ محمد زکریا صاحب اور خان صاحب .... اور مرزائی صاحب کی خدمت میں میری نیازمندیاں اور آرزومندیاں قبولیت کے رنگ سے بہرہ یاب ہوں۔

خط ۔ ۱۳

۵[1]

جنابِ فیض مآب، دنیا اور آخرت دونوں کے قبلہ و کعبہ مدِ ظلہ العالی!

ایک عرصہ ہو گیا ہے کہ میری سانس اُس قبلۂ راستاں کے فراق کی تپش میں شعلہ خیز اور جبینِ خیال اُس آستاں کی ہوس میں سجدہ ریز ہے۔ افسوس، کہ میرے اور اُس پانی کے درمیان، جس سے شوق کی خطرناک آگ بجھائی جا سکتی ہے، سات سمندر حائل ہیں اور اس درگاہ کا وہ پتھر، جسے اُس کی عبودیت کی نماز کی مُہر قرار دیا جا سکتا ہے، کعبے جتنا دور ہے۔ آپ نے میری بنارس کے دور کی خاک نشینی میں خط تحریر کر کے جس شفقت کا اظہار کیا تھا، اُس نے میری چشمِ بخت کو ایک روشنی اور بختِ چشم کو ایک بلندی عطا کی تھی۔ اس کے جواب کی ترقیم کی سعادت کو وقت کی منجملہ مغتنمات میں سے سمجھ کر اور ایک ورق آپ کے خدامِ ذی احترام کی خدمت میں، لکھ کر، (اس فدوی نے) بھی خشکی کے راستے عظیم آباد کے سفر کا ارادہ کیا۔ مختصر یہ کہ بزرگوں کی سانسوں کے فیض کی توجہ کی برکتوں سے، غبارِ راہ کی طرح، کوہ و بیاباں میں افتاں و خیزاں، ہر گام پر کانٹے اور پتھر کی تو، روس کی دھار سے ٹکراتا اور کبھی راتوں کی سردی کی شدت سے افسردہ و رنجور اور کبھی گردشِ ایام کی الم زدگی سے نالاں، بدھ کے دن، چوتھی شعبان کو قدرے دن چڑھے کلکتے پہنچا۔ میں اُس بنا احسان (جتائے) بخشنے والے کی غریب پروری پر ناز کرتا ہوں کہ ایسی جگہ ایک خاطر خواہ مکان، جس میں ہر قسم کی راحت و آسائش موجود

۱۔ مضمون کے اعتبار سے یہ خط درِ آہنگ پنجم کا خط ۴۲ مشترب ہیں لیکن متن میں بہت اختلاف ہے جو ترجمے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

ہے، جس میں آزادگاں کے دل کی وسعت کے مطابق فضا بھی ہے اور جس کے اندر دنیا طلبوں کی حرص کے دہن کی طرح (کھلا ہوا) بیت الخلا بھی ہے اور جس کے ایک گوشۂ صحن میں میٹھے پانی کا کنواں بھی ہے اور جس کی چھت پر اہلِ ثروت کے لائق ایک آرام گاہ بھی ہے۔ بغیر کسی تلاش کے، بنا کسی سے بات کیے، کوئی زحمت اٹھائے بغیر اور کسی کا احسان لیے بغیر چھ روپیہ ماہوار کرائے پر مل گیا۔ اور (اس طرح) انسانوں اور جانوروں دونوں کے لیے راحت کا باعث ہوا۔ دو روز میں سفر کی کسالت دور کر کے اور آپ کے تعارفی خط کو مشعلِ مدعا بنا کر ہگلی بندر جانے کے لیے کشتی میں بیٹھ گیا۔

نواب صاحب (علی اکبر خان) کے دروازے پر پہنچ کر پہلے میں اس ایوان میں گیا جہاں جناب سید الشہدا علیہ التحیہ والثنا کی ضریح رکھی ہوئی ہے۔ اور زیارت .... جب نواب صاحب کی نشست کے قریب پہنچے تو وہ فرطِ عنایت سے اٹھ کھڑے ہوئے ...... و ...... تمہارے انتظار میں بہت دن گزر گئے۔ جب میں نے منشائے انتظار کی کیفیت پوچھی (قیاس۔ تو یہ معلوم ہوا کہ لوگ اُن سے میرا غائبانہ تعارف کرا چکے ہیں) اس معنی کل .... نواب صاحب کو پہنچا چکے ہیں اور اس طرح صوری ملاقات سے پہلے ہی مجھ سے معنوی تعارف ہو چکا ہے۔ ملاقات کے دن .... درمیان میں نہیں آیا۔ دو تین گھنٹے بیٹھ کر اپنے غم کدے میں واپس آ گیا۔ دو روز کے بعد، کہ دوبارہ وہیں شب نشین ہوا، دو دن اور ایک رات صحبت رہی، پرسشِ احوال کے ساتھ مدعائے سفر پر گفتگو ہوئی۔ میں نے مقدمے کا حال تفصیلاً بتایا .... انہوں نے مجھے کوئی ایسی امید نہیں دلائی جس پر خوش ہوا جائے۔ نہ ہی مجھے نا اُمید کیا کہ اس مقصد سے دست بردار ہو جاؤں۔

جہاں بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو ہائے سنائیؔ خندہ می آید

ترجمہ دنیا بے مہر، جہان دشمن اور محبوب بے پرواہ ہے۔ مجھے سنائیؔ کی آرزوؤں پر ہنسی آتی ہے۔

میری بدبختی کی آشفتگی بھی دیکھنے کے لائق ہے۔ ان ہی دنوں نواب صاحب ممدوح کا ہگلی کے کلکٹر کے ساتھ اُس زمین کے اوپر، جو امام باڑے کے لیے وقف ہے، اختلاف ہی نہیں، بلکہ جھگڑا درپیش ہے۔ چنانچہ وہ اپنی فکر میں سرگرداں ہیں۔ یہ بات نہ صرف یہ کہ نواب صاحب ہی نے بہ نفسِ نفیس کہی، بلکہ مسلسل اور متواتر دوسروں سے بھی سننے میں آئی۔

ہمہ را ماتمیٔ حسرتِ دنیا دیدم
چوں بہ عشرت کدۂ گبر و مسلماں رفتم

ترجمہ میں نے سب کو حسرتِ دنیا میں ماتم ہی کرتے دیکھا، جب میں آتش پرستوں اور مسلمانوں کے عشرت کدے میں گیا۔

نواب حمد بخش خان کی موت کی خبر تو آپ نے سن ہی لی ہوگی۔ ہر چند کہ نواب صاحب کے جسمِ خاکی کے فنا ہو جانے سے نفسِ مقدمہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچتا ہے، پھر بھی میں از خود رفتہ دو کیفیات میں مبتلا ہوں۔ ایک تو یہ کہ جو خطرہ مجھے مستقبل میں تھا، وہ آج ہی پیش آ گیا ہے، یعنی بھائیوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا۔ دوسرے یہ کہ (مستقبل کی) فتح کے بعد جس مسرت کا تصور تھا، وہ سراسر زائل ہو گیا، یعنی غاصبِ زبردست سے انتقام لینا اور پھر محفلوں میں اس پر ناز کرنا۔

اے میرے خطا معاف کرنے اور عیب پوشی کرنے والے (خدا آپ کو) سلامت (رکھے!)

آپ کے اس نوخریدہ غلام سے بابِ سخن میں دو غلطیاں ہوگئی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ میں نے بنارس سے جو غزل بھیجی ہے اور جس کا مطلع یہ تحریر کیا ہے:

اے بصدمۂ آہے بر دلت زما بارے
ایں قدر گراں نبود نالۂ ز بیمارے

ترجمہ تیرے دل کو ہماری آہ سے جو ایک بار صدمہ پہنچا ہے (تو) بیمار کا نالہ اتنا گراں بھی نہیں ہوتا۔

امید کرتا ہوں کہ جنابِ عالی مطلعِ مذکور کو بھلا کر یہ دو مصرعے اُس کے نعم البدل کے طور پر لکھ لیں گے دوسرے یہ کہ خدا گواہ ہے۔ وہ قصیدہ جو میں نے آغا میر کی مدح میں لکھا ہے، میرے خاندان کے لیے داغِ بدنامی ہے۔ اب لطف یہ ہے کہ ان ایک سو دس اشعار کو کاغذ سے مٹا بھی نہیں سکتا۔ (چونکہ) نواب مُرشد آباد بھی سید زادے ہیں' اس قصیدے کو ان کے نام سے شہرت دے رہا ہوں، اگرچہ میں ان کی خدمت میں اب تک حاضر نہیں ہوا ہوں.......... لیکن ہمایوں جاہ کی مدح کرنا مجھے گوارا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ جب تک ممدوح کے نام سے مختص اشعار کو.......... (قیاسی اس قصیدے میں شامل نہ کرلوں) یہ قصیدہ کسی کو نہیں دکھائیں گے اور بزرگوں کی طرح اپنے چھوٹوں کی عیب پوشی کریں گے۔ وہ نوازش نامہ کہ.......... (قیاسی آپ مجھے ارسال کریں) اُس پر پتا اس طرح ہونا چاہیے۔ شہر کلکتہ، قریب چیت بازار، در شملہ بازار، نزدیک تالاب، اسد کو ملے۔ آرزوئے قدم بوسی کے علاوہ مزید کیا عرض کروں!

محمد اسد اللہ

خط۔۱۴

۲

میرے قبلہ وقبلہ گاہ، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے!)

دنیائے آداب و تسلیم و کورنش کے رسمی تکلفات بندگی کی اصلیت کے مذاق پر گوارانہ پاکر اور نقد اخلاص کے حوصلے کے مقصد کے شایانِ شان نہ دیکھ کر (یہ فدوی) جناب عالی کے بچوں اور چھوٹوں کی طرح تسلیمات پیش کرتا ہے اور عرض گزار ہے۔ نوازش نامہ کا پہنچنا...... ..جناب کے حکم کے مطابق مجھ فقیر کی مزار کشیر انوارِ جناب اقضی القضات پر حاضری کا اُس خط کے ملاحظے سے، جو میر کرم علی صاحب کے نام تھا، معلوم ہوگیا ہوگا۔ خط کے لکھنے میں تاخیر تساہل کی وجہ سے نہیں تھی۔ دراصل میں اس بات کا منتظر تھا کہ کوئی قابل تحریر بات ہو (تو خط لکھوں).......... ذوقِ قدم سرمایۂ افتخار تحریر ہو۔

قبلہ گاہا جناب کے گرامی نامے کے پہنچنے پر.......... بیگم صاحبہ کی عرض داشت اور قبلہ.......... اثنائی میں ایک ...ت کی رہنمائی میں مخدوم مرحوم کے دولت خانے پر پہنچا۔ سب سے پہلے مزار پر پہنچا اور فاتحہ پڑھی اور اس زمانے کو یاد کر کے...... ... کچھ دیر اپنی بے کسی پر رویا۔ خط کو ایک محرم کے ذریعے حرم سرا میں بھیج دیا۔ ایک صاحب، بنام مولوی غلام علی صاحب،

برآمد ہوئے۔اور مجھے حرم سرا میں لے جا کر پردے کے پیچھے بٹھا دیا۔ جناب بیگم صاحبہ نے عنایتاً براہِ راست مجھ سے بات چیت کی اور قدرے آپ کا حال بھی پوچھا اور کچھ میری آوارگی کا مقصد بھی معلوم کیا اور فرمایا کہ میرا بھانجا مولوی ولایت حسن (اس وقت) موجود نہیں۔ وہ جس وقت بھی آیا تو آپ کے پاس پہنچے گا اور آپ کے ٹھہرنے کے لیے اسی عمارت میں انتظام کر دے گا۔ شملہ بازار شہر سے اور سرکاری دفاتر سے دور ہے۔ اس کے بعد موصوفہ کے ہاں جانے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ میر ولایت حسن صاحب تا حال دورے سے واپس نہیں آئے ہیں، (البتہ) معتمد آج صبح بتا رہا تھا کہ مولوی ولایت حسن آج کلکتے پہنچ جائیں گے اور آج شوال کی چودھویں اور ہفتے کا وسط یعنی منگل ہے۔ میں نے کاغذات کی نقول حاصل کرنے کے لیے خصوصاً اور سرکار کے دفتر میں دستاویزات بطور شہادت پیش کرنے کی خاطر عموماً ایک عرض داشت، جو ہماری پچھلے بیس سال کی چارہ جوئی اور فیصلوں کے خلاصے پر مشتمل ہے، لکھ لی ہے۔

کل مہینے کی تیرہ تاریخ اور پیر کا روز تھا اور یہ دربار کا دن ہوتا ہے جب تمام سفرا اور وکلا اور درخواست گزار حاضر ہو کر ایک حاکم، موسوم بہ فریزر صاحب، کی کہ اس درگاہ کے دربان کی حیثیت ہی نہیں رکھتے بلکہ بجائے خود دروازہ ہیں، خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ عہدے کے لحاظ سے وہ دادخواہوں اور منصفوں کے درمیان بلکہ سارے اہلِ حاجات و صاحبان کونسل کے درمیان ایک واسطہ ہیں۔ ہر قسم کی عرائض پہلے ان کے پاس پہنچتی ہیں اور وہ ان کا انگریزی میں ترجمہ کر کے صاحبانِ کونسل کے پاس پہنچاتے ہیں۔ غرضیکہ فدوی بھی اپنے قطعۂ عرض داشت کے ساتھ، جو نواب گورنر (جنرل) کے نام تھا، حاضر ہو گیا اور اطلاع کے بعد حضوری کی اجازت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فریزر صاحب تعظیماً اٹھے اور مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ مختصراً میں نے شرح احوال کی۔ جب میں نے اپنے چچا نصر اللہ بیگ خان کا نام لیا تو فرمایا، ''ہاں ہاں، انہیں تو ہم جانتے ہیں، تمہارا نصر اللہ بیگ خان سے کیا رشتہ ہے؟'' میں نے عرض کی کہ میں ان کا سگا بھتیجا ہوں۔ مختصر یہ کہ وقت کی ضرورت کے مطابق جو کچھ مفید مقصد تھا، میں نے کہا۔ انہوں نے استفسار کیا، ''نواب گورنر کے لیے کوئی درخواست لائے ہو؟'' میں نے وہ قطعۂ درخواست گریبان قبا سے نکالا اور انہیں پیش کر دیا۔ چنانچہ ریزیڈنٹ کی عدالت سے پہلے رجوع نہ کرنے کا عذر تسلیم کر لیا گیا۔ چونکہ اگر یہ عذر قبول نہ ہوتا تو (فریزر صاحب کی عدالت میں) میری درخواست منظور نہ ہوتی، بلکہ فریزر صاحب موصوف کو اس بات کا اختیار ہے کہ جس مقدمے کو کونسل میں قابل سماعت نہ جانیں (براہ راست) مدعی کو خود جواب دے دیں۔ بہر حال پہلی مشکل ہی ایک خطرناک ٹیلا اور خوف ناک ڈگمگا دینے والی جگہ تھی کہ جس سے میں، بفضل خدا، خیر و خوبی سے گزر گیا اور میری درخواست منظور ہو گئی۔ رخصت کے وقت انہوں نے عطر دان اور پان دان منگوا کر اپنے دست خاص سے مجھے عطر اور پان عطا کیا اور کرسی سے سرو قد کھڑے ہو کر میرا اسلام قبول کیا۔

اب نیرنگی تقدیر کا تماشائی ہوں کہ..... (قیاسی: پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔) مجھے تو ہرگز بھی اس کا گمان نہیں تھا، بلکہ جو کچھ ہوا اس کو مردوں کے زندہ ہونے کے عالم کا ایک امر کہہ سکتے ہیں۔ اس سے پہلے.......... قادر مطلق (قیاسی: کی تائید سے عروسِ کامیابی نے اپنا رُخ میری طرف کر کے) میرے مغزِ جاں کو مسرت کی خوش بُو سے معطر کر دیا۔ فی الحقیقت..... نگارستان مقاصد ہیں۔[1] اس ابہام کی وضاحت اور اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ میرزا یوسف کو..... (قیاسی: دیوانگی کی وجہ سے اپنے

ا۔ اس جگہ کوئی ایسا جملہ ہوگا جس سے یہ معلوم ہو کہ قسمت یاوری کرنے لگی ہے۔ (مترجم و مرتب)

جسم و جاں کا ہوش نہیں) مادرزاد ننگے رہتے، مجنونوں کی طرح چین سے ایک جگہ نہ بیٹھ سکتے، نہ ماں کو ماں.............. (قیاسی: اور نہ بہن کو بہن) کہتے۔ستائیسویں رمضان کو ایک خط دہلی سے پہنچا۔ میں نے جیسے ہی لفافہ کھولا، ایک کاغذ کے ٹکڑے پر نظر پڑی..... (قیاسی: میں نے پہچان لیا کہ) میرے بھائی کی تحریر ہے۔ جب میں نے اطمینان سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ (مرزا یوسف ہی کا) خط ہے، جو اس نے خود تحریر کیا ہے اور القاب و آداب کو............ پوری ہوش مندی کے ساتھ ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ میں تو خوشی سے اچھل پڑا اور ناچنے لگا اور فرطِ مسرت سے زار و قطار رونے لگا........ جب ذرا ہوش میں آیا تو میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی خانم کے خط کی طرف توجہ دی۔ لکھا تھا کہ تمہارے (جانے کے) بعد مرزا یوسف کے جنون کے شور نے......... (قیاسی: ہم سب کو سخت بے چین رکھا) جس کا ہمیں پہلے سے ڈر تھا، اور ہمارے شب و روز اس کی چیخ پکار اور مار پیٹ میں سخت بدمزہ گزرے۔ سرکار شاہی کے فیل بانوں میں سے ایک فیل بان نے، جو محل کی ایک خادمہ کے ذریعے یہاں پہنچا تھا، اُس کا علاج کرنا شروع کیا۔ اس نے جنون کو جادو کا اثر قرار دیا اور اس کی نشانیاں بھی بتائیں چنانچہ اس نے شہر پناہ کے باہر ایک درخت کی جڑ کھودنے اور ایک کنواں تلاش کرنے کو کہا۔ وہاں جو ہم نے کھدائی کی تو جو جو چیزیں اس نے بتائی تھیں، وہاں سے ملیں۔ غرضے کہ پانچ ماہ کے علاج میں یوسف کی دو حصے بیماری رفع ہوگئی۔ چنانچہ اس قدر ہوش و حواس برقرار ہوگئے ہیں کہ کپڑے پہنے، ستر پوشی کرے، بول و براز سے احتراز کرے۔ کھانا دسترخوان پر کھائے اور بیوی، بیٹی اور ماں کو بیوی، بیٹی اور ماں سمجھے۔ یہ باتیں خانم کے خط سے بھی معلوم ہوئیں اور پھر اس کے اپنے خط نے اس کی ہوش مندی کی تصدیق کردی۔ خدا کی قسم، اس کی صحت مجھے پدرِ مرحوم کے زندہ ہو جانے سے عزیز تر ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ بھی میری گزارش پر اس کو اپنا فرزند سمجھ کر خوش ہوں گے اور دعا کریں گے کہ اس کی باقی وارفتگی بھی زائل ہو جائے اور میر کرم علی صاحب کو اس روداد سے آگاہ کردیں گے۔

گر کسے شکرِ حق فزوں گوید
شکرِ توفیقِ شکر چوں گوید

ترجمہ: اگر کوئی خدا کا انتہائی شکر گزار بھی ہو، (بھلا) شکر ادا کرنے کی توفیق کا شکر کس طرح ادا کرے گا!

خط۔۱۵

ے[1]

قبلہ گاہا، بے کساں پناہا!

دو ماہ پر بھی دس روز سوا ہو گئے ہیں کہ جنابِ عالی کے گرامی نامے کی سیاہی چشمِ منتظرِ عرض داشت......... کے لیے سرمہ نہ بنی۔ عرض داشت ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی لکھی ہوئی اور ماہِ مذکور کی آٹھویں تاریخ کا لکھا ہوا خط، کہ مخدومی ولایت حسن صاحب کے خط

۱۔ مضمون کے اعتبار سے یہ خط اور آہنگ پنجم کے خط نمبر ۶ میں کافی اشتراک ہے لیکن متن میں بھی خاصا اختلاف ہے جو ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

ہی میں ملفوف تھا، کس طرح گویا کہ .... تلف ہو گیا۔ اور ان میں سے ایک بھی آپ کی، ربوبیت کا اثر رکھنے والی، نظر سے نہیں گزرا۔ کاش میں تغافل کے گمان کا نقش جناب عالی کے دامنِ التفات پر بنا سکتا۔ میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جاتا اور دل پریشان خیالی کی کش مکش سے عاجز نہ ہوتا۔ ایک بار تو میں انتہائے اضطراب میں دوڑا ہوا مولوی ولایت حسن صاحب کی خدمت میں بھی گیا۔ آپ کے گرامی نامے کے جواب (قیاسی: نہ) پہنچنے کا ایک موہوم خوف سا دل میں تھا۔ (وہاں پہنچ کر) معلوم ہوا کہ مخدوم موصوف بھی میری طرح ہی آپ کے خط کے منتظر ہیں۔

اگر چہ آپ کے حالات سے لاعلمی کے درد کو دوا نہ ملی، لیکن خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ اُس نے مجھے رشک کی تپش کے دوزخ کے داغ سے نہ جلایا۔ قصہ مختصر .... جو کچھ بھی معلوم ہوا اُن دونوں خطوط میں، اُس اختصار کے ساتھ جو تفصیل پر حاوی ہے، آپ کے لیے لکھ بھیجا تھا۔ منازلِ مقصد کے عنوان کا اختتام اس خبر پر تھا کہ میری عرضی کونسل میں پہنچ گئی ہے لیکن ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ تازہ خبر یہ ہے کہ خدا کے فضل سے اراکین کونسل نے میرا مقدمہ قبول کر لیا ہے۔ لیکن (ساتھ ہی) انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ قانون کے مطابق اس نالش کو ریزیڈنٹ کی عدالت میں دائر ہونا چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ سفر کی استطاعت اور واپسی کی تاب و تواں مجھ میں نہیں۔ انہوں نے حکم دیا کہ (مدعی) یہیں رہے، لیکن وکالتاً ریزیڈنٹ دہلی سے رجوع کیا جائے، (چنانچہ) میں نے رفیقانِ وطن میں سے ایک رفیق کو ایک خط لکھا اور اس سے مدد مانگی۔ اس نے غریب نوازی کی اور اس کام کے لیے مستعد ہو کر (میرے لیے) ایک وکیل کیا اور مجھے (اس کی) اطلاع دے دی۔ اب میں نے اُس کے نام مختار نامہ لکھ کر اور اس کے ساتھ وہ تمام کاغذات جو بھیجنے ضروری تھے، اُس کا ضمیمہ بنا کر اس مستعد دوست سے موسوم عریضے میں، جو مجھ پر زیادہ مہربان اور امورِ انصاف طلبی میں مجھ سے زیادہ قواعد کا جاننے والا ہے، لپیٹ کر شاہ جہاں آباد بھیج دیے۔

تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست!

ترجمہ: اب دیکھیے، خدا کی مرضی کیا ہے!

اسبابِ ظاہر سے تو، کہ اہلِ عقل اسی پر بات کرتے اور کم فہم اسی سے حصار صورت ترتیب دیتے ہیں، حالات بہتری پر منتج ہوتے نظر آتے ہیں۔ (اس سلسلے میں) دو عجیب لطیفے اور عمیق نکات ہیں۔ پہلا تو یہ کہ دارالخلافے سے (میرے) معتمد کے خطوط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احمد بخش خان کا بیٹا، جو اپنے مرحوم باپ کا والی و وارث ہے 'رندانہ و.... (قیاسی: مستانہ) زندگی گزار رہا ہے۔ اس کے طور طریق کی شوریدگی حکام اور اس کے اپنے اہلِ قوم میں ناپسندیدہ ہے۔ (یہاں تک کہ) شہر کے عام لوگ بھی اس سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے .... (قیاسی: دوسرا امر یہ کہ) امرائے کلکتہ میں سے ایک صاحب کی جواں مردی اور کوشش سے صاحبانِ عالی شان میں سے ایک حاکم بنام کول بروک صاحب کی تحریر (قیاسی: میں نے کسی صورت حاصل کر لی ہے اور اس کو) دوسری دستاویزات کے ساتھ دہلی بھیج دیا ہے۔ لیکن (کمی اس بات کی ہے کہ) التفات حسین خان کا، جو کول بروک صاحب کے منشی ہیں، کوئی دوست کلکتے میں نہیں ملا۔ واضح رہے کہ التفات حسین خان ..... مولوی عزیز اللہ خان نامی ایک بزرگ کے صاحب زادے ہیں۔ اگر اتفاقاً آپ سے جان پہچان ہو تو ایک خط ان کے نام لکھ کر مجھے ہرگز نہیں، بلکہ (براہِ راست) مکتوب الیہ کو دہلی بھیج دیجیے۔ خط کا مضمون یہ ہوا کہ اسد

اللہ خان عرف مرزا نوشہ کا جو مقدمہ پنڈت ہیرالال وکیل کی وساطت سے ریزیڈنسی کی کچہری میں دہلی پہنچا ہے وہ میرا اپنا ہے اور بفرض محال اگر آپ کی التفات حسین خان سے شناسائی نہیں تو حکیم سلامت علی خان سے ان کے نام ایک خط لے کر ان کو بھیج دیں لیکن خدا کے واسطے مجھے نہ بھیجیں کہ اس کو الٹا واپس بھیجنے میں کافی وقت لگے گا۔ بندہ صرف اس خط کی ترسیل کی خبر کا منتظر ہے اور بس! جی تو چاہتا تھا کہ چند سطریں اپنی پریشان حالی سے متعلق......... (قیاسی: بھی تحریر کردوں) لیکن چونکہ سابقہ خط میں اس ضمن میں تھوڑا بہت پہلے ہی لکھ چکا ہوں اور اُس خط کا دوسرے خطوط کے برعکس جواب ہی نہیں ملا، یا (پھر ایسا ہوگا کہ) اس کا جواب مل گیا، (یعنی انکار ہوگیا) بہر صورت مقصد ایک ہی ہے۔ چنانچہ اس خط میں اُس کو نظر انداز کرتا ہوں لیکن اس عبودیت نامے کے ساتھ ہی ایک خط مرزا امیر بیگ خان کے نام، جو نواب ذوالفقار بہادر کے (خدا ان کے اقبال کو قائم رکھے) خالو ہیں، کھلے لفافے میں بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو اچھی طرح جانچ کر اور خوب پڑھ کر مکتوب الیہ کو پہنچادیں گے۔ عرضِ نیاز کے علاوہ کچھ کہنے کو نہیں!

محمد اسد اللہ

خط۔۱۶

۸

قبلہ گاہا!

ذیقعد کی انیسویں تاریخ، جمعہ کے دن، ایک پہر دن چڑھا تھا کہ آپ کے پرورش نامے کے ورود نے میرے سر کو بالِ ہما کے سائے میں......... (قیاسی: پہنچادیا۔) سب سے پہلے تو میں نے اس عنایت کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد آپ کے کشف و کرامات پر ایمان لے آیا.......... کہ بہت سے واقعات جمع ہوگئے ہیں اور دل تنہائی کی وحشت اور بے کسی کے دکھ سے پنجۂ استبداد میں خون ہوگیا ہے........... اور مکروہ و مرغوب' جو کچھ بھی ہے، اپنے مربی کے ضمیر کے سامنے بیان کردینا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنی عرضداشت کے جواب کی مایوسی سے پریشان.... (قیاسی: تھا کہ اتنے میں آپ کا) بشارت نامہ پہنچ گیا اور اس سے میرے دل کی گرہیں کھل گئیں۔ ابھی ابھی اس کو کھولا اور پڑھنے کے بعد............. اس سعادت نامے کا مقطع اس عرضداشت کا مطلع بن گیا۔ چونکہ کہنا بہت کچھ تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس (قیاسی: کم وقت میں، یا کاغذ کی قلت کے باعث جگہ کی تنگی میں) سما سکے گا یا نہیں۔ لہٰذا رسمی تکلفات اور القاب و آداب کی عبارت سے صرف نظر کر کے.... پرسیدہ اور ناپُرسیدہ (سارے) امور کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلے جناب بیگم صاحبہ اور قبلہ مولوی حسن صاحب کا احوال لکھتا ہوں۔ رمضان کی بیسویں تاریخ، دوپہر کے وقت، میں ایک دوست کی راہنمائی میں وہاں گیا۔ فاتحہ خوانی کے بعد.......... اس عمارت کے نشیمن (۱) میں بیٹھ گیا۔ اس دردولت کے چند وابستگان میرے پاس آ بیٹھے اور انہوں نے پرسشِ احوال کی۔ میں نے لاکھ کہا کہ میں ایک اجنبی ہوں اور اس سفر میں جناب

۱۔ معلوم ہوتا ہے، اس وقت کے محاورے کے مطابق ''نشیمن'' عمارت کے کسی خاص حصے کو کہتے تھے، گویا بیرونی برآمدہ۔ (مترجم و مرتب)

مولوی محمد علی خان صاحب سے میرا اپنا نیا تعارف ہوا ہے، وہ نہ مانے اور مجھے آپ کے اقربا اور ارکانِ خاندان میں سے سمجھ کر مجھ پر مخالفت و دشمنی کا گمان کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بیگم صاحبہ کے بھتیجے مولوی غلام علی صاحب اندر سے تشریف لے آئے......... (قیاسی: ان سے مختلف موضوعات پر) گفتگو ہوئی۔ ان باتوں میں کتابوں اوران کے ارسال کرنے کی دشواری بھی زیرِ بحث آئی۔ کہنے لگے، ہم چاہتے ہیں کہ کتابیں بھیجیں لیکن لے جانے والا ملتا نہیں ہے۔ میں نے اس کے جواب میں جو کچھ عرض کیا وہ چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اس جملے کا، جو اس خط میں کلکِ مشکیں رقم سے نازل ہوا ہے' ترجمہ تھا۔ بھلا مجھے (ان کتابوں کے لے جانے میں) کیا تکلیف ہوگی (البتہ) اگر آپ کتابوں کے حاصل کرنے کا طریقہ لکھ دیں تو میں (کتابیں) لے کر اپنے پاس رکھ لوں گا اور واپسی کے وقت (ان کی) خدمت میں پہنچا دوں گا۔ اگر چہ میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اس طرح بغیر تعارف یہ کتابیں قبول کرنے والے نہیں۔ مولوی ولایت حسن صاحب اوائل شعبان میں دورے سے تشریف لے آئے اور تادمِ تحریر مکتوب زیرِ نظر اسی جگہ مقیم ہیں۔ انشاء اللہ آپ کا والا نامہ بیگم صاحبہ کی خدمت میں پہنچا کر مطالبِ مکتوب دوبارہ زبانی بھی گوش گزار کر دوں گا۔ (اس وقت) صرف نواب علی اکبر خان والا صفات ہگلی میں تشریف رکھتے ہیں۔ فدوی تین بار ہگلی گیا اور ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوا۔ ایک بار یہ کلکتے بھی تشریف لائے تھے اور میرے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمایا تھا۔ کافر ہوں جو میں نے لطافتِ طبع، نزاکت ادا، حسنِ بیان، فہم درست اور مشربِ صافی والا کوئی ایسا بزرگ امیر دہلی سے کلکتے تک کبھی دیکھا ہو! نواب صاحب صالح بھی ہیں اور مصلح بھی۔ لیکن ان میں مولوی محمد علی خان والی بات نہیں کہ مجھ سے عاجز کے کام آئیں۔ خدا اُن (محمد علی خان) کا حافظ و ناصر ہو کہ عجیب مرنجان مرنج شخص ہے۔

خدا کی رحمت کے حیرت انگیز آثار میں سے ایک یہ ہے کہ میں کلکتے کی آب و ہوا کا احسان مند ہوں جو مجھے خوب راس آگئی ہے۔ شدید گرمیوں میں شکر اور مصری کے ساتھ ناریل کے تازہ پانی نے بڑا فائدہ پہنچایا۔ اب، کہ برسات شروع ہوگئی ہے، اس کا استعمال ترک کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ مجھے جسمانی امراض کی کوئی شکایت نہیں، بلکہ میں یہاں دہلی سے زیادہ آرام سے ہوں.......... میرے دوستوں، یاروں اور ہم صحبتوں میں سے افضل بیگ نامی ایک دوست اکبر شاہ ثانی کی طرف سے بعنوان وکالت اس شہر میں آیا تھا اور اس کی منشی عبدالکریم کے ساتھ بڑی یاری دوستی ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ منشی عبدالکریم ہی کے مکان پر مقیم بھی ہے.......... چونکہ افضل بیگ خواجہ حاجی کا سالا ہے اور خواجہ حاجی وہ شخص ہے' جس کو احمد بخش خان نے.......... میرا چچا ظاہر کر کے (پنشن میں) شریک بنا دیا ہے' بلکہ میری نالش کا دوسرا حصہ ہی اس پنشن میں اس شخص کی شرکت ہے۔ افضل بیگ.......... (نامکمل) میرے ساتھ پوشیدہ دشمنی رکھتا تھا اور اہلِ سنت میں مجھے کٹر رافضی اور اہلِ تشیع میں صوفی وملحد و زندیق.......... (قیاسی. مشہور کرتا تھا) لیکن خدا کی قسم وہ میرے کام میں جو بھی رخنہ ڈالتا، وہ میرے لیے روزنِ نجات بن جاتا تھا۔ کیا کہوں کہ فریزر صاحب سے ملاقات کے وقت اس کے بارے میں.......... مولوی عبدالکریم صاحب سے کیسی کیسی غلط بیانیاں ہوئیں لیکن علی ابن ابی طالب کے اعجاز پر نازاں ہوں کہ میرے ساتھ ملاقات میں.......... (وہ) مجھے رخصت کرنے کے لیے آئے اور بغل گیری اور عطر و پان (کی پیش کش) جو رسمِ ملاقات کے انتہائی معمولی اور عمومی آداب ہیں، بجا لائے۔ چونکہ فریزر صاحب کی ملاقات سے میں خوش اور پُر امید واپس آیا اور میری درخواست اس عدالت کے ضابطے کے مطابق پاٹن صاحب نامی ایک صاحب کو سپرد کر دی گئی کہ ان کا منصب ہی یہ ہے

کہ ....(قیاسی ان کی خدمت میں پیش کی گئی درخواستوں کا) درخواست گزاروں کے یے فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہیں اور فریز رصاحب کو پیش کر دیتے ہیں اور پھر فریز رصاحب (ان کا) اصل سے مقابلہ کر کے کونسل کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ پیر کو جب میں فریز رصاحب سے ملنے گیا تو صاحب موصوف نے ادائے احترامات و پرسشِ احوال کے بعد، بغیر میرے اس بارے میں کچھ کہے، انگریزی میں لکھی ہوئی ایک تحریر مجھے دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی عرضی ہے۔ ہم اس کے مقابلے سے فارغ ہو گئے ہیں، اب یہ صاحبانِ کونسل کے پاس پہنچ جائے گی۔ خاطر.......(قیاسی. جمع رکھیے) کہ آپ کا حق سرکار پر ثابت ہو چکا ہے اور اراکین سرکار (کسی کے) حق کی ادائیگی میں کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ واضح رہے کہ ان درخواستوں کی پیشی کے لیے ہفتے میں دو دن مقرر ہیں، جمعرات اور جمعہ۔ آج جمعہ ہے، شاید میری درخواست آج کونسل میں پیش ہوئی ہو۔ اس پیر کے روز ملاقات پر معلوم ہو جائے گا۔

اینڈریو اسٹرلنگ صاحب ایک افسر ہیں کہ کونسل کی قوسِ عروج کے لیے نقطۂ ہدایت ہیں اور اس کی قوسِ نزولی کے لیے آخری نقطہ۔ میں نے سنا ہے کہ وہ صاحب علم و آگہی ہیں، سخن سنج ہیں اور.........(قیاسی. شعر کی) لطافت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی مدح میں پچپن اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے اور اس قصیدے کے آخر میں کچھ اپنا حال بھی لکھا ہے۔ مجھے بغیر کسی کی کوشش کے، حسنِ اتفاق سے، ان کی خدمت میں پسندیدہ و باعزت طریقے سے حاضری کا موقع مل گیا (انہوں نے) میری بڑی عزت افزائی فرمائی اور.........(قیاسی: مجھے میری کامیابی کا یقین دلایا) میں نے قصیدہ ان کی خدمت میں پیش کیا اور اس میں سے کچھ حصہ پڑھ کر (بھی) سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے میری دلجوئی کی اور میرے مقدمے کے کاغذات کو......... گویا میرے یقین کے مطابق وہ میرے حامی و مربّی ہیں۔ ابھی ان سے دوسری ملاقات نہیں ہو پائی۔ کل پیر ہے.............اگر وہ حضوری کی اجازت دیتے ہیں، فبہا! ورنہ عید کی تقریب میں تو ملاقات ضرور ہوگی۔ آپ پر یہ امر بھی واضح کر دوں کہ یہ شخص (وہ ہے) کہ سارے ارکان..........(قیاسی: کونسل، بشمولیت فریز رصاحب) اس کے پیش کار اور ماتحت ہیں۔ جب دو تین مقدمے کونسل کے لیے جمع ہو جاتے ہیں اور فریز رصاحب دادخواہوں کے نام اور کام کونسل کو پیش کر دیتے ہیں اور وہ (اسٹرلنگ صاحب) ان مدعیان سے اندازے اور مقدار کے مطابق ملاقات کرتے ہیں.............اور ہر عرض داشت پر غور کر کے ان میں قابلِ سماعت و ناقابلِ سماعت کو علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں اور ہر درخواست گزار کے دعوے کو ملاقات میں.........(قیاسی۔ پرکھتے ہیں) بہر طور اس وقت تک تو اس فدوی کے مقدمے میں کامیابی ہی کامیابی اور امید ہی امید نظر آ رہی ہے۔ (البتہ) افضل مذکور کی مہربانیوں سے ایک دوسری مشکل.......... آ پڑی تھی، (لیکن) وہ بھی خدا کی مہربانی سے انتہائی آسانی سے رفع ہو گئی، یعنی وہ جو اس نے مجھے اہلِ سنت میں رافضی اور اہلِ تشیع میں صوفی....... مشہور کر رکھا تھا۔ اسی طرح شعرا میں یہ مشہور کر دیا کہ یہ شخص، جس کا نام اسداللہ ہے اور جو غالبؔ تخلص کرتا ہے۔ قتیلؔ کو برا بھلا کہتا ہے اور سخن ورانِ کلکتہ کو بے حیثیت گردانتا ہے اور اس طرح اُس نے ان سب کو میرے خلاف کر دیا اور ایک بڑی خلقت کو میرا مدِ مقابل بنا دیا۔ مولوی عبدالکریم کے عزیزوں میں سے ایک نے تو خاص طور پر مجھے ذلیل دخوار کرنے کی خاطر ایک محفل ترتیب دی اور مشاعرے کا اہتمام کر کے شعرائے کلکتہ کو دعوت نامے ارسال کیے اور مجھے بھی مدعو کر لیا۔ ریختہ گویوں کو ریختے کا اور فارسی گویوں کو فارسی مصرع طرح بھیجا۔ جبکہ مجھے دونوں مصرع دیے۔ چنانچہ گزشتہ اتوار، ماہ جون کی آٹھ تاریخ کو مشاعرہ

ہوا۔ میں بھی گیا اور میں نے دونوں زبانوں کی طرح غزلیں پڑھیں۔ اللہ کے کرم سے ہر خاص و عام کو پسند آئیں۔ اور منصف مزاجوں میں سے ایک گروہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس شخص کے سامنے، جس کے کلام میں اس قدر فصاحت ہے۔ قتیل کیا حیثیت رکھتا ہے، بلکہ اگر اسیر و بیدل جیسے دوسرے پیش رووں کو بھی اس کا مثیل ٹھہرائیں تو زیب دیتا ہے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے وہ ہنگامہ، جو میری توہین و تذلیل کی خاطر کھڑا کیا گیا تھا، میری شہرت اور اظہار کمال کا باعث بنا دیا۔ آپ اپنی خاطرِ عاطر جمع رکھیں کہ میں کلکتے کی آب و ہوا سے بھی خوش ہوں اور مقدمے کی شروعات کے طریق سے بھی کافی توقعات رکھتا ہوں۔ (انشاءاللہ) آپ کو ہزاروں خوشیاں نصیب ہوں گی۔ اگر چہ میں کمزور ہوں، تاہم میرا خدا قوی ہے۔ خدا کی قسم، اگر آغاز مقدمہ بشارت دینے والا اور خیر پر انجام پذیر ہونے والا نہ ہوتا تو آج میری جگہ یا حیدر آباد میں ہوتی یا ایران کے کسی شہر میں، کیوں کہ پھر میں کلکتے میں پانی بھی نہ پیتا اور اپنا ساز و سامان فروخت کر کے قلندروں کی طرح آوارگی کی راہ لیتا۔ مجھے امید کی طاقت نے اقامت کا حوصلہ بخشا ہے، لیکن چند باتیں مجھے اپنے قیام کے بارے میں آپ سے کرنی ہیں اور ان کی تفصیل دوسرے صفحے پر ہے۔

آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میں فقیر کس بے سر و سامانی کی حالت میں گھر میں جھاڑ و پھیر کر وطن اور اہلِ وطن سے رخصت ہو کر جب باندے پہنچا تو میں نے نواب صاحب سے دو ہزار روپے قرض مانگے .... (قیاسی: جوانہوں نے) دے دیے۔ میں نے دل میں سوچا کہ غالب، یہ بھی غنیمت ہے، لے اور چل! اگر تیرے مقدمے کی ساعت کلکتے میں نہیں ہوگی .... الٹے پیروں پلٹ کر، جامہ قلندری پہن کر، عالم گردی شروع کر دینا۔ بہر طور .... ہو کر تھوڑی بہت جز اول خریدی اور دشت و صحرا پار کرتا کلکتے پہنچ گیا۔ جس دن پہنچا ہوں ..... (قیاسی: میرے پاس) چھ سو روپے (باقی) تھے۔ شعبان، رمضان، شوال اور ذیقعد تو گزر گئے۔ ذی الحجہ بھی آ گیا اگر آسمان سے کوئی بلائے ناگہانی نہیں ٹوٹتی تو (فی الحال) دو ماہ کے لیے میں روزی کی فکر سے آزاد ہوں۔ نواب صاحب سے دست گیری کی ایک موہوم سی امید تھی .... (قیاسی: لیکن) آثار .... (قیاسی: امید افزا نہیں ہیں) چونکہ جب بھی میں نے ایک خط آپ کو ارسال کیا تو پہلے ایک خط نواب صاحب اور ایک خط دوسرے دوستوں اور عزیزوں کو .... (قیاسی: بھیجا ہے) اگر آپ کی خدمت میں پانچ خط پہنچے ہیں تو اُن کے پاس بھی پانچ ہی خط پہنچے ہیں۔ لیکن کوئی آواز نہیں آئی اور کسی نے کوئی جواب .... (قیاسی: نہیں دیا) یہاں تک کہ میر کرم علی نے ساری گرمجوشی اور کو چک .... ایک جواب بھی نہ بھیجا۔ جی میں آتا تھا کہ نواب صاحب سے (پھر) مدد مانگوں اور ایک ہزار روپیہ مزید قرض لے لوں، لیکن خفقان پیدا ہو گیا اور یہ توقع بھی خواب و خیال ہو گئی۔ امید کرتا ہوں کہ آپ زحمت کر کے اور اس سلسلے میں تھوڑی سی کوشش کر کے میر کرم علی کو اپنے پاس خلوت میں بٹھا کر اس سے دل کی بات اور اندر کے احوال اور ساری کھری کھوٹی معلوم کر لیں گے تا کہ پتا تو چلے کہ نواب صاحب اور .... قیاسی. نواب صاحب کے اقربا) کا میرے بارے میں کیا خیال ہے۔ میں نے نواب صاحب اور ان کے مقربین سے بھی اس مقدمے کو چھپا کر نہیں رکھا، بلکہ ہر مکتوب اور ہر عریضے میں لکھا ہے کہ .... پر چم نواب علی جناب، پہاڑ کے مقابل ایک تنکا آ گیا ہے۔ میری مدد سے آپ دست بردار نہیں ہوں گے کہ (آپ کی) پشت پناہی .... دشمن کو مٹا دینے والی (قیاسی. اعانت و دست گیری کے زور پر) احمد بخش خان اور ان کے بھی خوابوں کی بنیاد سے میں صدائے آفرین بلند کرا دوں گا، (لیکن انہوں نے) کوئی التفات نہ کیا اور "ہاں" یا "نہ" کچھ بھی نہیں کہا۔ یہاں پر ....

(قیاسی: یہ غریب الدیار مایوس) اور بے بس.......... (قیاسی: ہوگیا) اچھا خاصا دوستوں کی دوستی سے نکلا تو دشمنوں کی دشمنی میں پھنس گیا۔غرض یہ (کہ)......... نواب کی سرکار کا حال میر کرم علی کے ذریعے یا جس سے بھی (معلوم) کرسکیں اور جو کچھ (معلوم کرنا) چاہیں، حاصل کر کے اطلاع دیں اور ان خطوط میں سے (کسی) ایک خط کے جواب کو بھی غیر اہم نہ سمجھیں کہ دو ماہ کی مدت کچھ بھی نہیں ہے۔مجبوراً اس جگہ سے اپنے ویرانے کو.......... اس وادی میں لے جاؤں گا۔جناب کے گرامی نامے کا انتظار ہے اور بس! ہر چند کہ دو ماہ میں دن رات بہت ہیں (اور) اہلِ توکل تو اگر قتل ہونے میں صرف ایک رات باقی ہو تب بھی نہیں ڈرتے، لیکن بشریت کا تقاضا ہی جدا ہوتا ہے کہ انسان کو کبھی ماضی کے تصور میں ڈال دیتا ہے اور کبھی مستقبل کے ہیولے اس کے ضمیر پر ثبت کر دیتا ہے، ورنہ حق تو یہ ہے کہ حال کے علاوہ ماضی و مستقبل کوئی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ حال بھی ایک نقطۂ موہوم ہے، جسے گردشِ فلک کی بنا پر لوگوں نے فرض کر لیا ہے اور اسی طرح گردشِ فلک بھی عالمِ وہم وخیال کی ایک کیفیت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔(حقیقت یہ ہے کہ) اس کا کوئی وجود نہیں......... اور کوئی مؤثر فی الوجود نہیں، خدا کے سوا!

خط۔۱۷

۹

حضرت قبلہ گاہی، ولی نعمی، مدِ ظلہ العالی!

مجھ میں اتنی توانائی کہاں کہ (اپنے) ولی نعمت کا شکریہ ادا کرسکوں اور اتنی ہمت کہاں کہ (اپنی) بدبختی کا شکوہ کرسکوں۔شکر اُس کا کہ مجھے بے کس اور شکایت اِس کی کہ مجھے ناکس پیدا کیا گیا ہے۔کیا کہوں کہ میں کیسے دانت پیستا تھا اور کیسا خونِ جگر پیتا تھا۔کبھی تو میں آقائے ولی نعمت کے تضیعِ اوقات پر کڑھتا تھا اور کبھی اپنی کم ہمتی کے سبب مبتلائے شکوۂ تغافل ہوتا، کبھی آپ کے محبت نامے کے نہ آنے پر آپ پر فراموشی کا گمان کرتا اور کبھی جناب عالی کی ناسازیٔ طبع کے وہم سے اپنے لیے قیامت برپا کرتا۔تا آں کہ نسیمِ مژدہ ریز چلی، اور میری خزاں بہار آ گئیں ہوگئی۔ربیع الاول کی انتیسویں تاریخ، جمعرات کے روز، دن چڑھے رفیع الدرجات جناب مولوی ولایت حسن صاحب کا آدمی پہنچا اور آپ کا ایک مکتوب اور جناب مولوی ولایت حسن صاحب کا ایک خط مجھے پہنچایا۔سب سے پہلے میں نے آپ کا خط کھولا اور اس کی سیاہی کو اپنی قسمت کی آنکھ کا سرمہ بنایا۔واقعات سے آگاہی اور نامعلوم امور سے واقفیت ہوئی۔چونکہ آپ کی اور دوسرے اعزا واقربا کی سلامتی اور خیریت معلوم ہوئی، خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔لیکن خارجی احوال معلوم کر کے یہ دلِ خیر طلب قدرے افسردہ ہوگیا۔اب جو مولوی صاحب ممدوح کی تحریر پر نظر پڑی تو لکھا تھا کہ جناب قبلہ کے حکم کے مطابق دو سو روپے کے تین قطعے، جنہیں یہاں نوٹ کہتے ہیں، بھیجے جا رہے ہیں۔انتہائی حیرت ہوئی اور ایک شدید اضطراب طاری ہوگیا۔اس وجہ سے نہیں کہ میری طبیعت آپ کی منت پذیری سے گریز کرتی ہے، بلکہ اس سبب سے کہ اگر یہ جناب کے حکم کی تعمیل میں ہوا ہے تو آپ نے اپنے خط میں مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی اور دوسری صورت میں تو یہ بات بہت ہی آشکار ہے[1]۔چونکہ اس اقتضا کا

۱۔ یعنی اگر مولوی صاحب نے یہ رقم بھیجی ہے تو یہ بات تو واقعی قابلِ حیرت ہے۔(مترجم ومرتب)

(بظاہر) کوئی قرینہ موجود نہ تھا کہ بغیر آپ کے ایما کے یہ امر وقوع پذیر ہوا ہو، سو اگر یہ آپ کے ایما سے ہوا ہے تو دو امکانات سے خالی نہیں ہے.......... (قیاسی پہلا تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے) مولوی ولایت حسن کو میری پرورش پر مامور کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے، آپ ہی نے وہ نوٹ یا ہنڈوی جناب ممدوح کو بھیجے ہوں۔ لیکن اگر پہلی شق اس طور پر ہے کہ جو کچھ بھی جناب ممدوح سے ملے۔ وہ مجھ پر........ قرض ہے۔ خواہ اس کی ادائیگی میں کروں یا آپ اس سے عہدہ برآ ہوں، اس سے میری خاک ساری کی کوئی نفی نہیں ہوتی اور اگر دوسری شق کو باور کر لیا جائے تو آپ کے ٹھیکے کے کاروبار کی ابتری اور اس میں آپ کے دشمنوں کو نقصان ہونے کا احتمال ذہن کو پراگندہ کرتا ہے، لیکن چونکہ ضرورت مجھ سے قوی تر ہے اور میں بہت زیادہ کمزور ہوں (اس لیے) اس کے قبول کرنے میں.......... (قیاسی: عار محسوس نہیں کرتا۔) اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وقت کی ضروریات، سرکار کے تقاضوں کی پریشانیوں اور اس قسم کے ہنگاموں کی دردِ سری میں یہ روپیہ بھیجنا آسان نہیں تھا، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر یہ رقم نہ پہنچتی تو میرا حال ناگفتہ بہ ہو جاتا۔ (صورت حال یہ ہے کہ) دوست بیگانے ہو گئے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے محبت ختم ہو گئی ہے۔ بھیک مانگنا باعث شرم ہے اور بغیر کھائے زندہ رہنا.......... (قیاسی: ناممکن) واضح رہے کہ جب تک سفر اور اقامت کی کش مکش میں تھا، میں نے گھوڑے کو جدا نہیں کیا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ ایک عرصے تک.......... کلکتے کی خاک چھاننا پڑے گی اور اس کے ساتھ ساتھ روپیہ اور وقت دونوں چاہئیں کہ دل اس چوپائے کی نگہداشت کے دکھ سے آسودہ ہو، (ناچار) میں نے گھوڑے کو فروخت کر دیا۔ اس کی قیمت مجھے ڈیڑھ سو روپیہ ملی۔ میں نے سائیس کو ہانک دیا اور ملازم کو بھی جواب دے دیا۔ اب میرے پاس تین خدمت گار اور ایک کہار رہ گئے ہیں اور میں بھی، اگر غلطی نہیں کر رہا، کم از کم آدھا آدمی تو شمار ہو سکتا ہوں کہ مجھ جیسے بشر دن رات میں کم از کم دو بار تو معدے کے تنور کو گرم کرتے ہیں۔

غرض گھوڑے کی فروخت کے بعد پچاس روپے خرچ ہو گئے۔ سو روپے باقی تھے کہ آپ کا مکتوب سعادت پہنچا جس نے دل کا غم دور کر دیا، کیونکہ میں سوچ رہا تھا کہ جاڑے آ گئے ہیں سو اس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ سہی، ایک گدڑی، ایک توشک اور ایک کمبل تو پھر بھی چاہیے۔ آپ کی مدد نے مجھے پُرسکون کر دیا اور بے چینی سے رہائی دلا دی۔ اب گھوڑے کی (فروخت کی) رقم جزاول کے مہیّا کرنے اور ربیع الثانی کے چار ہفتے گزارنے میں خرچ ہو گی اور حالیہ دو سو روپے جمادی الاول کی پہلی تاریخ سے رمضان کی پہلی تک کفایت کریں گے۔ چونکہ میں نے دل میں عہد کر رکھا ہے کہ پچاس روپے ماہانہ سے زائد کسی طرح خرچ نہ کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ان پانچ مہینوں میں کام بن جائے اور مقدمے کا فیصلہ ہو جائے اور مقدمے کے دوران جناب عالی بھی، جیسا کہ ظاہر ہے، مجھ سے قرض کی واپسی کا تقاضا نہ کریں گے۔

خداوندا! مجھے مقدمے کے کاغذات کو دہلی روانہ کیے آج بیالیسواں دن ہے، اب تک کوئی جواب نہیں ملا جس کی خبر لکھ سکوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خط نہیں پہنچا کہ اس ڈاک میں[1] خط کبھی تلف نہیں ہوتا۔ نہ جانے مکتوب الیہ نے تغافل برتا اور جواب نہیں بھیجا۔ چونکہ وہ میرے ہم دموں اور جگری دوستوں میں سے ہے تو (ہو سکتا ہے) وہ اس انتظار میں ہو کہ مقدمے کی ابتدا ہو جائے اور اس

۱۔ اشارہ ہے انگریزی ڈاک کی طرف جس کی شرح مختلف تھی۔ (مترجم و مرتب)

کا کوئی سراہاتھ میں آئے تو وہ مجھے اطلاع دے۔ امید کرتا ہوں کہ اس خط کا جواب جلد عنایت کریں گے اور حال احوال سے مجھے مطلع کریں گے۔ میر کرم علی کے لیے بھی ایک خط اسی لفافے میں رکھ رہا ہوں۔ آپ کے ملازم اتنی زحمت کریں کہ میر صاحب کو بلالیں اور اس مکتوب کی تحریر ان کے گوش ہوش میں اس طرح ڈالیں کہ ان کی فکرِ الہامی کو دخل اندازی کی طاقت نہ رہے اور (مزید یہ ہے کہ) ان سے بزور جواب بھی حاصل کرکے اپنے گرامی نامے کے ساتھ مجھے بھیج دیں۔ بھائیوں، عزیزوں اور نورچشموں کو مراتباتِ لائقہ قبول ہوں۔

خط۔۱۸

۱۰

قسم خدا کی، یہ عبودیت نامے لکھتے وقت ذوقِ حضوری میرے دل میں جوش مارتا ہے (اس لیے) القاب وآداب کی گنجائش نہیں رہتی۔ بہرحال اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیان بھی بے ربط ہو جاتا ہے۔ چونکہ میری خواہش ہوتی ہے کہ تحریر میں بات چیت کی کیفیت ہو۔ مجھے نہ مضمون کی تقدیم وتاخیر کا خیال ہوتا ہے اور نہ درازیٔ سخن کی فکر ہوتی ہے۔ میں گفتگو کے نشیب وفراز کو مستانہ طے کرتا ہوں اور اس وادی میں بگٹٹ........ (قیاسی: چلتا ہوں۔) اب دل میں یہ خلش ہے کہ میرا جو حال ہے، وہ آپ پر پوشیدہ نہ رہے۔ اس سے پیش تر ہفتے کے اختتام پر، جمعرات کے روز، صبح کے وقت، جناب مولوی ولایت حسن صاحب تشریف لائے اور مجھ سے اذنِ رخصت لینے لگے۔ (کہتے تھے) میں راستے میں ہوں۔ دورے پر جا رہا ہوں اور سفر کا ارادہ ہے......... جُسر جاؤں گا۔ میں نے انہیں دروازے تک پہنچ کر خدا حافظ کہا۔ چلتے چلتے انہوں نے بتایا کہ میر صفات علی خان میرے احباب میں سے ہیں اور میرے جانشین و وکیل ہیں۔ وہ طریقۂ ارسالِ مکاتبات سے بھی آگاہ ہوں گے۔ چند روز کے بعد کہ شوق .... آپ کے نوازش نامے کے ورود نے مجھے بے تاب کر دیا تو میں نے کسی کو صاحب مذکور کے پاس باندے کے مکتوب کے متعلق معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ جواب ملا.......... ہاں کل ایک خط باندے سے آیا تھا، اس کو جُسر بھیج دیا گیا ہے۔ میرے دل نے گواہی دی کہ غالب کی سرفرازی کی سعادت کا خط بھی ضرور اُسی لفافے میں ہوگا۔ مجبوراً مجھے انتظار کرنا پڑا اور میں گھڑیاں شمار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آج، منگل کے روز، جمادی الاوّل کی سترہ تاریخ کو میر صفات علی خان کا آدمی آیا اور اس نے مولوی ولایت حسن صاحب کا خط پہنچایا۔ اس خط کا عنوان ہی معنیٔ ربوبیت کا ایک معما تھا۔ جب میں نے اسے کھولا تو آپ کے نوازش نامے کی جھلک آئی۔ جب فکر نے حرف وتحریر کا طواف مکمل کر لیا تو دہلی میں مقدمے کے پیش نہ ہونے پر دل میں نئی گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ (چنانچہ یہ فدوی) ہر شش جہات سے، فضول افکار کے پاؤں دامن میں سمیٹ کر نفسِ مقدمہ کی بات کرتا ہے۔ کونسل کے چاروں اراکین کی ڈیوڑھی سے جس وقت مجھے دارالخلافہ (دہلی) جانے کا حکم ملا تو میں نے حاکم کے سامنے فریاد کی اور اپنی ناتوانی وبے سروسامانی کا کچھ حال بیان کیا۔ واضح رہے کہ ایک صاحب رائے و تہذیب افسر ہے جس کو اینڈریو اسٹرلنگ کہتے ہیں جو کونسل کی قوسِ عروج کا باب الاعظم ہے اور قوسِ نزولی کا نقطۂ نہایت۔ وہی شخص

درخواست گزاروں کی گزارشات دادگروں کو اور خدایانِ کشور کے فیصلے مظلوموں کو پہنچاتا ہے۔ اس کا مجھ سے ایک تعلق قلبی ہے اور وہ میرے حالِ زار پر نظرِ عنایت رکھتا ہے۔ اس نے جب میری فریاد سنی تو کہا کہ اگر تم نہیں جا سکتے تو نہ جاؤ، فقط مقدمہ بھیج دو۔ مجھے اس امر میں کچھ تامل ہوا۔ حالانکہ میرا تامل اپنی بے کسی کی وجہ سے تھا۔ وہ منصف سمجھا کہ اسے شاید حاکمِ دہلی کی عدمِ توجہی کا خوف ہے، اور کہنے لگا، "کیا فکر ہے اور کس سوچ میں پڑ گئے ہو۔ تمہارا مقدمہ یقیناً قابلِ سماعت ہے۔ ریزیڈنٹ صاحب بہادر سنیں گے اور ضرور سنیں گے، اور کیوں نہیں سنیں گے۔" دلِ مضطرب کو آرام آ گیا اور وحشت زائل ہوگئی۔

میں گھر آ گیا اور دہلی کے دوستوں میں ایک ایک کے ساتھ اپنے تعلقات پر غور کرنے لگا..... ضرورت مند کی مدد کرنے والا کون ہے اور منصبِ وکالت کے شایانِ شان کون؟ چونکہ مدعی، شوکت و امارت سے قطع نظر کہ وہ آخر الامر...... روسے دہلی میں بلند ترین درجہ رکھتا ہے، ایک گروہ پر یہ گمان ہوا کہ دشمن کی شان و شوکت سے.......... ہم وطنی کے مراتب کو نظر میں رکھتے ہوئے اور موروثی الفت سے دامن کش ہو کر، شرم و حیا کے پردے کو اپنے چہرے سے اٹھا دینا، بالخصوص مجھ جیسے بدبخت کے لیے، جس میں تمکنت بھی موجود ہو (دشوار ہوگا۔) دوسرے لوگوں کے بارے میں یہ وہم دل میں آیا کہ.......... کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن سے مل جائیں اور میری تباہی کو تقرب کا سرمایہ بنا لیں، کیونکہ اس عالمِ کون و فساد میں.......... (قیاسی: اس طرح اکثر ہوتا ہے۔) ہوتے ہوتے قرعۂ فال مولوی فضل حق کے نام پڑا۔ واضح رہے کہ مولوی فضل حق ابنِ مولوی فضلِ امام منشی برکت علی خان مرحوم کی اولاد میں سے ہیں۔ آج کل وہ خود دہلی میں ضلع دہلی کی دیوانی اور فوجداری سررشتہ داری.......... (قیاسی: کرتے ہیں)۔ خدا انہیں سلامت رکھے اور ان کے مناصب بلند کرے کہ میں نے ان کو صحیح مخاطب قرار دے کر منتخب کر لیا اور انہیں لکھ دیا کہ اگر...... آپ بے کسوں کی چارہ سازی کی زحمت اٹھا سکتے ہیں تو مجھے بتائیں کہ میں خود کو آپ کے حوالے کر دوں چونکہ وہ اخوان الصفا میں سے تھے...... بغیر کچھ کہے........ (قیاسی: انہوں نے میری درخواست قبول کر لی،) بلکہ ایک وکیل مقرر کر کے مجھے اطلاع دے دی۔

مختصر یہ کہ میں نے مقدمے کے کاغذات، مقدمے کی بنیاد کو مستحکم کرنے کے لیے، اُس عرضی کے ساتھ جس پر (اراکین) کونسل کے دستخط تھے، مع سیکرٹری کونسل کے خط کے، جو مقدمے کی ابتدا کے باب میں ریزیڈنٹ کے شمول کے ایما پر محیط تھا اور صاحبِ والاشان کی چٹھی، بنام کول بروک صاحب، اور نواب علی اکبر خان صاحب کا خط، بنام منشی التفات حسین خان، یہ سارے کاغذات ایک ورق میں لپیٹ کر خود ڈاک خانے لے گیا اور پوسٹ ماسٹر اور ڈاک خانے کے دوسرے عملے کو اس پر گواہ بنا کر لفافے کو ان کی موجودگی میں لاکھ سے بند کیا۔ اب جو لفافے کا وزن کیا گیا تو وہ دس روپے کے برابر بیٹھا۔ دہلی کے لیے انگریزی ڈاک کا محصول ایک روپے پر پورا ایک روپیہ ہی ہے (چنانچہ) پورے پورے دس روپے ڈاک کا محصول دے کر اور رسید لے کر آیا۔ اُس دن منگل تھا اور صفر کی چودھویں تاریخ تھی۔ ابھی اس مراسلے کے پہنچنے کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ مولوی فضلِ حق کا خط آ گیا۔ مضمون یہ تھا کہ اپنی مہر والا مختار نامہ بغیر رجسٹری کے نہ بھیجنا حالانکہ وہ مختار نامہ جو اس کام کے لیے بھیجا جا چکا تھا، غیر رجسٹری شدہ تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً اک اسٹامپ خرید کر اس پر مختار نامہ تحریر کر کے، رجسٹری کرا کر اُس خط کے پیچھے روانہ کر دیا۔ جس دن یہ کاغذ روانہ کیا گیا اتوار کا دن تھا اور ربیع الاول کی چوتھی تاریخ۔ آج تک کہ جمادی الاول کی سترہ یا اٹھارہ تاریخ ہے، اس خط کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔ نہ ہی اس کا کوئی

ردِ عمل ظاہر ہوا۔ اس وقت تک میں سات خط مزید اس کے پیچھے روانہ کر چکا ہوں......... (قیاسی: مگر کوئی جواب) نہیں آیا۔ میرے کارکن اور غمخوار کا حال تو یہ ہے کہ جو اس تفصیل اور تندی سے .... (قیاسی. بیان کیا گیا۔) گھر کا یہ احوال ہے کہ .... ایک بھائی ہے جو دیوانہ اور ہوش و حواس سے عاری ہے، جس کا حال اگر میں اپنی زبان سے نہ بھی کہہ سکوں پھر بھی مجھ جیسے......... (قیاسی: دوسرے لوگ زبانِ حال سے اس کی حکایت حسرت آیات سنا رہے ہیں۔) اس کے علاوہ گھر میں تین پردہ دار پاشکستہ عورتیں بھی ہیں۔ ایک کا شوہر نہیں ہے، دوسری کا شوہر ہے اور وہ سالا .... اس مقدمے میں میرا سب سے بڑا اعتراض ہی خواجہ حاجی کی (پنشن میں) شمولیت کے خلاف ہے۔ اور بہر طور اس سے مجھے خوف آتا ہے....... ایسی جگہوں پر بہ تقاضائے عقل......... ہے اور یہ بفرمانِ وہم، لیکن تیسری کا شوہر ساداتِ دہلی میں سے ایک سید نسب ہے کہ دانش مندی۔ (قیاسی: یہ فدوی) حلفیہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص اہلِ جنت میں سے ہے۔ چونکہ

فرد: آدم از خاک و سید از نور ست آدمیت ز سیّداں دور ست

ترجمہ. آدم مٹی سے اور سید نور سے (پیدا ہوا) ہے، (اس لیے) آدمیت سیدوں سے بعید ہے۔

اور چونکہ وہ کسی مفید مشورے کے لائق نہیں تو میں نے اُسے اس کام پر مامور کیا ہے کہ مقدمے کا کچھ احوال......... (قیاسی. مجھے) لکھ کر بھیجا کرے اور گاہ گاہ نہیں بلکہ اکثر مولوی فضلِ حق صاحب کے پاس جایا کرے۔ میں اس کے جدِّ امجد پر قربان کہ ان تین ماہ میں اُس نے صرف ایک خط بھیجا ہے اور اس میں بھی کام کے سلسلے میں کوئی خوش خبری نہیں۔ اے (میرے) قبلہ گاہ، کیا کہوں اور کس طرح روؤں! آپ خدا کو حاضر و ناظر جان کر (مجھے) میری بے کسی کی داد تو دیجئے کہ جب کبھی ان کاغذاتِ مقدمہ کے پہنچنے یا نہ پہنچنے پر میرا جی گھبراتا ہے، تو فکر وادراک تسبیح کی طرح ہاتھ سے گر جاتا ہے۔ یعنی میں دل کو سمجھاتا ہوں کہ انگریزی ڈاک سے خط تلف نہیں ہوتا۔ اور تُو نے چونکہ اس کو رجسٹری کرا کے بھیجا ہے، اس لیے اطمینان سے رہ، کوئی خطرہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ لفافہ راستے میں تلف ہو جاتا اور مکتوب الیہ کو نہ ملتا تو وہ اپنی انتہائی سُست قلمیوں کے باوجود اس کی عدم رسیدگی کی اطلاع دیتے۔ غرضے کہ میں اپنوں کی غفلت کی وجہ سے سنگ رہا ہوں کہ خط کے مل جانے اور ضائع نہ ہونے کا بھی یقین نہیں، بجز آثار وقرائن کے۔ میں تین ماہ سے اپنے غم کدے کی دیوار بنا بیٹھا ہوں، کوئی محرم نہیں کہ اس سے دل کا حال کہا جائے۔ میں خود ہی دیوانہ ہوں، خود ہی ناصح ہوں، خود ہی بیمار ہوں اور خود ہی طبیب۔ میں ہفتے میں ایک روز اُس آقائے ولی نعمت کے پاس جن سے میرا تعارف صدر دفتر میں ہوا تھا، جایا کرتا تھا۔ اب اس عمل سے تھک چکا ہوں کہ اگر جاؤں اور وہ منصف مقدمے کا احوال پوچھے تو یہ کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ دہلی بھیجا ہی نہیں۔ اور اگر یہ کہتا ہوں کہ بھیجا ہے تو لازماً وہ مقدمے کی پیش رفت کے بارے میں سوال کریں گے، پھر میں کیا جواب دوں گا۔ بہر صورت، خدا کا شکر ہے کہ کارفرما ایسا بھی (بُرا) نہیں کہ اس پر غصہ کیا جا سکے اور اندیشہ ہائے دور دراز کیے جائیں۔ یک گونہ شکایت جو ہے تو وہ اس کے تغافل سے ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اس فکر میں ہوگا کہ جیسے ہی مقدمہ شروع ہو تو میں اطلاع دوں اور منشی محمد حسن صاحب کا خط لازماً آج کی تاریخ سے ایک ماہ پیش تر کا ہوگا۔ اگر اس خط کی تحریر کے بعد مقدمہ پیش ہوا ہو تو عجب نہیں۔ زیادہ تسلیم!

خط۔۱۹

۱۱

حضرت قبلہ گاہی، ولی نعمی مدظلہ العالی!

(یہ فدوی) مراتب تسلیم کی تمہید کے بعد، کہ دونوں جہان کی سعادت اس میں ہے، عرض کرتا ہے کہ وہ گوہر.........
(قیاسی: نامہ) جس پر عنبر کی مہر لگی ہوئی تھی، برادرم مکرمی حضرت مولوی ولایت حسن صاحب کی وساطت سے، منکشفِ حال ہوا۔ ہر چند کہ میری عرض داشت... اور دہلی کے حاکم کا اس بارے میں التفات اور اسی طرح دارالحکومت کے رہنے والے اراکین کا اُس سلسلے میں حکم دینا......... لیکن جذبۂ شوق نے مجھے چین سے نہ رہنے دیا اور محبت نے خط لکھنے پر مجبور کر دیا۔ خداوندا مقدمے کے سلسلے میں خصوصاً......... (قیاسی: مجھ سے) بڑی ہرزہ سرائیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئی ہیں، تاہم ایمان کی قسم! یہ خیال اس خفقان کی وجہ سے تھا کہ اس کا سودا میرے سر پر......... آزمائش کے طور پر کم از کم جو ہنڈوی میں تحریر ہے، نظر آئے اور چونکہ میں اُس پر یقین کرتا ہوں، مجھے ہنڈوی کا مالک ہونے میں......... عقل مندی نے مجھے بازار جانے پر مجبور کیا، (چنانچہ) وہاں دو تین جگہ جا کر تحقیق کی تو مکتوب الیہ کا نام اور ارسال کردہ رقم واضح اور متعین ہوئے......... میں نے (ہنڈی) مخدومی مولوی ولایت حسن صاحب کے سپرد کی اور جیسا کہ پچھلے خط میں عرض کیا ہے کہ رقم اپنی مٹھی میں لے لی۔ اب بات یہ ہے کہ مجھ کو......... چار لاکھ روپے کی رقم کا بوجھ میری نظر میں ہے۔ کہ میں اُس وجدانی کیفیت کا ناظر ہوں کہ (جس نے) سارے دل کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور منشا......... اس عطیے کا ہوتا ہے (نامکمل)۔ خاص طور پر چونکہ میرا کوئی حق خدمت (آپ پر) نہیں بنتا۔ بالخصوص ایسے وقت میں کہ (آپ خود) ٹھیکے میں نقصان کے سبب پیچ و تاب میں اور قرضے کی فکر و پریشانی......... اور عوام کے تقاضوں سے پراگندہ خاطر ہوں گے۔ خدا کی قسم! میں احسان ناشناس نہیں نہ ہی کم عقل ہوں۔ آپ ہر طرح سے جو سلوک میرے ساتھ کرتے ہیں، میں جانتا ہوں اور اپنی آوارہ بختی کا احسان مند ہوں کہ مجھے اس عرصۂ سفر میں ایک ایسا منعم و آقا نصیب ہو گیا ہے جس کی مہربانیاں سوائے رحمت ایزدی کے اور کسی سے مماثل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادائے شکر کی تب و تاب سے آزاد ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ باپ اپنے بیٹوں کی پرورش میں ان پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ اس لیے کہ یہ نفسِ رحمانی کا فیض ہے، جس کے پردے میں وہ اپنی ذات کے مراتب کی تکمیل کرتے ہیں۔ چونکہ بغیر ارادہ سلسلۂ سخن یہاں تک آ پہنچا ہے......... ملتجی ہوں کہ مدت سے میرے سینے پر ایک بوجھ ہے جسے اب اپنے دہن و لب سے منکشف کرتا ہوں اور اس کے قبول پر بے انتہا مُصر ہوں۔ مجھے اپنی حینِ حیات میں کسی کو اپنا باپ کہنے پر صرف دو موقعوں پر احساسِ افتخار ہوا ہے، ایک تو میر ببر علی خان مغفور اور دوسرے آپ جیسے کرم کرنے والے کو۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں جگہ میں نے الفتِ پدری کو اس کی مکمل شکل میں دیکھا ہے۔ جنابِ مغفور نے بھی کچھ عرصے بعد اپنی تحریر کا طرز بدل لیا تھا اور القاب میں مجھے برادرم مکرمی میر وارث علی خان کا شریک اور سہیم بنا دیا تھا۔ سو اب میں آپ سے بھی یہی امید رکھتا ہوں کہ القاب سے یاد نہ کیا جاؤں، بلکہ ان القاب سے، جو مولوی ولایت حسن اور دوسرے عزیزوں کے لیے مختص ہیں، سرفراز کیا جاؤں۔ آپ کے خاکِ پا کی قسم کہ یہی کیمیائے سعادت

ہے۔ میں یاد کرتا ہوں (نامکمل)۔ کہ اس کے بعد آئندہ اگر تحریر کا طور طریقہ اُس نہج پر ہوا تو میرا دل بے کسی سے ٹوٹ جائے گا اور (میں) بہت.... افسردہ ہوں گا۔

فرد: خرسندئ غالبؔ نہ بود زیں ہمہ گفتن

یکبار بفرمایے کہ اے ہیچ کسِ ما

ترجمہ: غالبؔ اس لفظی سے خوش نہیں ہوتا۔ بس، ایک بار یہ کہہ کر پکار، کہ اے ہمارے بے حیثیت (شخص!)

میرے بھائیوں کی بے پروائی.......... نواب صاحب کی محبت اس آوارۂ دردورنج پر کھل گئی ہے۔ خدا کا لاکھ شکر ہے کہ میرے لیے بھی تھوڑی سی..... عطا کی ہے۔

قبلہ گاہا! دہلی کا حاکم، جس نے میرے نام خط میں آئندہ اطلاع ثانی کا اشارہ (نامکمل).........[1] کہ میرا مقدمہ اس کی نظر میں مستحکم معلوم ہوا اور جنرل لیک صاحب کے دورِ تعیناتی کے وہ کاغذات، جو ریزیڈنسی کے دفتر میں.......... (قیاسی. موجود) نہ تھے، صدر دفتر سے منگوائے اور صاحبانِ کونسل سے اس مقدمے کی نئے سرے سے تحقیق کی اجازت لی۔ چنانچہ نواب گورنر جنرل بہادر..........[2] کونسل نے درخواست گزار کی فریاد کے اسباب کی تحقیق و توثیق کا حکم ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ، جن کا مطلب ''بہت جلدی'' نکلتا ہے.......... (قیاسی: دیا ہے،) اور جرنیل صاحب کے عہد کے کاغذات بھجوا دیے ہیں اور مجھے یہ ساری باتیں ایک.......... (قیاسی: بہت عزیز دوست کے ذریعے) معلوم ہوئیں۔ یہاں تک کہ دہلی کے حاکم کے فرمان اور اُس حکم نامے کی جو یہاں سے صادر ہوا نقلیں بمطابق اصل میرے ہاتھ آ گئی ہیں۔ اور منصفِ دادرس مسٹر اینڈریو اسٹرلنگ نے جو کچھ بتایا تھا، بعینہٖ وہی ہوا ہے، بلکہ اس حق پرست بادشاہ کے اندازِ بیان سے تو یہ ٹپکتا تھا کہ گویا ثانوی رپورٹ کا وقت بھی قریب ہی ہے۔ اس احوال کا خلاصہ جو متواتر.......... (قیاسی. اور مسلسل) ظاہر ہوئی، یہ ہے کہ میرے چچا مرحوم (نصراللہ بیگ خان) کی موت کے بعد پس ماندگان کی معاش اور سواروں کی تنخواہ کے لیے بیس ہزار روپیہ سالانہ احمد بخش خان کے ذمے آیا تھا اور یہ وہ رقم ہے جس کی ادائیگی بطور ایک مستقل ذریعۂ معاش کے، یا بطور خراج گزاری کے، احمد بخش خان پر لازم تھی۔ غرضیکہ (اس میں سے) دس ہزار روپیہ پچاس سواروں کی تنخواہ کی رقم ہے اور دس ہزار مٹھی بھر ورثا کی گزراوقات کے لیے۔ میرے ذہن میں جو تیس ہزار سالانہ کی رقم تھی، وہ غلط ثابت ہوئی اور اگر اس سے کم سمجھتا تو وہ بھی غلط تھا۔ حکام کے انداز و اطوار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سواروں کی تنخواہ کی رقم کی چنداں پروا نہیں کرتے، اور اس کا مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کہ وہ رقم میں نے خود اپنی مرضی سے سرکار کو واپس کر دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حکام سرکار سواروں کو مانتے ہیں، چاہے انہیں احمد بخش خان رکھیں اور چاہے نصراللہ بیگ خان۔ لیکن یہ دس ہزار روپیہ وہ رقم ہے کہ سرکاری قوانین کے مطابق مستقبل ہی میں نہیں، بلکہ ماضی کے بقایاجات کے طور پر قابلِ وصول ہے۔ ساری تحقیقات دو باتوں پر منحصر ہوگی ایک تو یہ کہ میں نے اور میرے شرکا نے احمد بخش خان کی جاگیر سے کیا حاصل کیا۔ اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نہ میں نے جو لیا ہے، اس سے کم بتایا

۱۔ قیاس کہتا ہے کہ دہلی ریزیڈنسی سے غالب کے نام خط آیا ہے، جس میں انہیں اطلاع دی گئی ہے کہ مقدمہ سماعت کے لیے منظور ہو گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ قیاس: ہے کہ یہاں گورنر جنرل ان کونسل ہوگا۔ (مترجم و مرتب)

ہے اور نہ ہی مدعا علیہ اس سے زائد دکھا سکتا ہے جو اس نے دیا ہے۔ دوسری بات قرابت داری اور شخصی استحقاق کی ہے کہ احمد بخش خان نے مدعا علیہ کو ہم میں شمار کر کے ہمارا شریک بنا دیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی اشکال نہیں چونکہ میں نے اس کے حفظِ مراتب میں کبھی کوئی کمی یا زیادتی روا نہیں رکھی ہے اور ہمیشہ راستی کا شیوہ اپنایا ہے، لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ریزیڈنٹ کی رائے کس بات کی مقتضی ہوتی ہے......... (قیاسی اس قدر رقم) خواجہ حاجی اور اس کے لڑکوں کو ملی۔ اگر پرورش کی رقم میں مجرانہ ہوئی ہوگی تو سات ہزار روپیہ سالانہ.......... آج تک چاہیے اور اگر سرکاری کاغذات کے مطابق بھی حساب کیا جائے، جس میں کہ احمد بخش خان کی غلط بیانی کو سراسر دخل ہے، (تب بھی) پانچ ہزار روپیہ سالانہ ابتدائے ۱۸۰۶ء تا ۱۸۲۱ء مخالفین کے ذمہ واجب الادا.......... (قیاسی. ہیں)، میں تو اپنے مقدمے کے جزو ثانی کا مشتاق ہوں، جو غیروں کے اخراج سے عبارت ہے، اور جانتا ہوں کہ چونکہ میری کوشش کی بنیاد......... (نامکمل) اور خدا ترسی نہیں ہے۔ اس جھگڑے میں بھی فتح میری ہی ہوگی۔ جناب قبلہ گاہی کسی رنگ سے بھی مقدمہ معلوم میں (نامکمل) اس جگہ.... کونسل کے قافلے کی جنبش میں دو تین ماہ کی دیر ہے اور اس فدوی کا یہ حال توانائی اور قدرت الٰہی سے.......... (قیاسی: یقیناً) فراغ وخوش دلی کا سامان بہم ہوگا۔ آئندہ جو کچھ پیش آئے گا۔ آپ کی خدمت میں پہنچایا جائے گا۔

مزید خدمتِ اقدس میں عرض یہ ہے کہ اس قدر خامہ فرسائی کے باوجود میر کرم علی کے خط کا جواب تحریر نہ کر سکا اور اس کے ساتھ.......... وہ ظاہر ہوا۔ سکوت کے ساتھ جواب کوئی منفی بات نہیں رکھتا اور خموشی کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔

مولوی ولایت حسن یہاں نہیں ہیں۔ خط بھلا کیوں آوارہ پھرے اور کہیں سے کہیں پہنچے؟ وہی پتا شملہ بازار اور گول تالاب اور میر احمد کی حویلی کافی ہے کیونکہ ماضی میں بھی خط کے نہ پہنچنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ خاص طور پر اب کہ ڈاکیے اور کارکنانِ ڈاک مجھے پہچان گئے ہیں۔ اگر دو تین دن بعد عدم آباد دہلی سے کوئی اطلاع آئی تو اُسی روز خط کے پیچھے ایک اور خط روانہ کر دیا جائے گا۔ خاص طور پر اس خط کے پہنچنے کی خبر میر کرم علی سے پوشیدہ رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گلہ مند ہوں۔ اگر زندہ رہا تو آئندہ ان کے لیے (بھی) ایک خط جناب عالی کے ملازموں کے خط میں رکھ کر بھجوا دیا جائے گا۔ اظہارِ عجز کے علاوہ اور کچھ نہیں! آپ کے نوازش نامے کا جواب اُس کے وارد ہونے ہی کے دن لکھا ہے، اور وہ سترہ یا اٹھارہ جمادی الاول کی تاریخ ہے، بدھ کا روز اور آدھا دن گزر چکا ہے۔ آپ کا خط پڑھنے اور جواب تحریر کرنے کے درمیان میں نے صرف کھانا کھایا ہے۔

خط۔۲۰

۱۲

قبلہ گاہا!

عرضِ تسلیمات کے بعد جو کہنا ہے، اس میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک زمانہ ہو گیا کہ آپ کے گرامی نامے کا ہُما میرے سر پر سایہ انداز نہیں ہوا۔ جب سے میں کلکتے میں وارد ہوا ہوں، اس (امر) کا عادی ہو گیا ہوں کہ مہینے میں دو بار آپ کی عنبریں تحریر کی

سے ہی سے آنکھیں روشن کرتا ہوں۔ جب دو ماہ گزر جائیں اور خط نہ ملے تو (بھلا) کس طرح صبر کی باگ ہاتھ سے نہ چھوٹے اور انتظار کے جال میں نہ تڑپوں۔ خاص طور پر ایسے وقت میں کہ آپ کے مزاج مبارک اور خیریت طلبی کی نوید کے بارے میں (دل میں) خلجان ہو، اور پھر میرے ذہن میں تو مستاجری کے گاؤں کے معاملے کی پریشانی اور پنشن پردے دینے کے احوال کا پیچ و تاب بھی تھا۔ امید کرتا ہوں کہ توجہ فرما کر.......... محبت نامے .... (قیاسی: کے ذریعے) میرے وسوسوں کے غبار کو بٹھا دیں گے اور مضطرب دل کو جمعیت کے امن آباد میں پہنچا دیں گے۔ یہاں کا حال کیا لکھا جائے....... دہلی سے خط آ گیا ہے اور اس سے یہ اطلاع ملی ہے کہ میرے ارسال کردہ کاغذات وہاں پہنچ گئے ہیں اور میرے کارفرما دوست نے انہیں........... لیکن ابھی اس کی وکالت پورے طور پر عمل میں نہیں آئی تھی کہ جج صاحب نے رختِ سفر باندھ لیا اور دورے کے لیے روانگی کے بازو......... (قیاسی: کھول دیے)۔ (مجھے اب) ان کی واپسی کا انتظار درپیش ہے۔ حاکم کی موجودگی میں کوئی کارروائی کیوں نہیں ہو سکی اس کا مجھے علم نہیں، البتہ جو انتظار تھا سو اب بھی ہے۔ ہر چند کہ میں پانچ ماہ سے سکرٹری صاحب کے سلام کو نہ گیا تھا لیکن چونکہ بڑے دن کے روز عید بھی تھی، میں مجبوراً گیا......... (قیاسی: انہوں نے بڑی مہربانی فرمائی) اور نرم لہجے میں شکایت بھی کی اور (مجھ سے) وعدہ لے لیا کہ ہفتے عشرے میں ایک بار ضرور ملاقات کرتا رہوں گا۔ میں تو خدا سے یہی چاہتا تھا......... (قیاسی: میں اگر) نہیں گیا تھا تو مقدمے کے احوال سے ناواقفیت کی شرم سے نہیں گیا تھا۔ غرض چند باتیں انہوں نے مقدمے کی بابت بھی کیں۔ ان کے انداز و اطوار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ........... زیرِ فائدہ سرکار (ادھورا جملہ) کہ پچاس سواروں کی تنخواہ کے سلسلے میں ایک ہزار روپے ماہانہ کے حساب سے چوبیس سال میں تین لاکھ روپے کی رقم بن جاتی ہے، بشرطیکہ ہم دردی سے مقدمے کی کاوشوں پر غور کریں۔ چونکہ عالمِ اسباب میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے تو خدا کی قدرت و طاقت سے جب بھی صبحِ مراد کی روشنی ہونے کا وقت آیا تو کامیابی کا سورج نیک بختی کے اُفق سے چمکنے لگے گا۔ جناب منشی ولایت حسن صاحب کے دورے سے روانگی آپ کی رائے عالم آرا کی مظہر ہوگی۔

نئی تازی یہ کہ ولیم بیلی صاحب، کہ کونسل کے سب سے اعلا اور ارفع رکن ہیں اور جو ماضی میں گورنر جنرل کے عہدے پر بھی پہنچ گئے تھے، ملک برہما چلے گئے ہیں اور جناب بینٹنک صاحب کہ فی الوقت گورنر جنرلی کا طغرا اُن کی انگوٹھی کا نشان ہے، کلکتے کے مشرق میں مامدے کی شکارگاہ کی جانب بہ ارادۂ سیر و شکار چل دیے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ دو ہفتے کا کہہ کر گئے ہیں، جبکہ انہیں گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ مولوی عبدالکریم صاحب، دفتر خانۂ فارسی کے میر منشی آٹھ ماہ کی رخصت پر دریا کے راستے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت تک تو وہ عظیم آباد تک پہنچ چکے ہوں گے۔

یہاں کی اہم خبروں میں سے یہ ہے کہ اس شہر کے سخن سنجوں اور نکتہ رسوں نے فدوی کے یہاں پہنچنے کے بعد ایک بزمِ سخن مرتب کی تھی کہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی اتوار کو سارے شعرا اور سخن فہم حضرات سرکار کمپنی کے مدرسے میں جمع ہوتے اور غزلیں پڑھتے اور سنتے تھے۔ اتفاقاً بادشاہ ہرات کا ایک سفیر بھی، خدا اس کو آفات سے محفوظ رکھے، جو یہاں آیا ہوا ہے، اس محفل میں آ پہنچا اور اس نے اس جائے عالی کے فارسی گویوں کے اشعار سنے۔ میری اس نے بڑی شد و مد سے تعریف کی، اور کہا کہ اس کلام کی قدر ہندوستان میں کون کر سکے گا۔ آپ کا کلام تو اس لائق تھا کہ فصحائے ایران سنتے اور سر دھنتے۔ پھر اس نے حاضرین کی طرف رُخ کر کے کہا، دوستو یہ

ایک شخص تم لوگوں میں غنیمت ہے اور شعر و شاعری سے قطع نظر زبانِ فارسی کا عالم ہے۔ چونکہ (انسانی) طبائع جبلتاً خود پسند ہوتی ہیں (انہوں نے) حسد کیا اور اس انجمن کے بزرگوں اور مقتدروں نے میرے دو اشعار پر غلط اعتراضات کر کے انہیں بعض کمینوں کے نام سے شہرت دے دی۔ ان کو اس کے جواب بھی مل گئے اور پھر وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ مخدومی و محافظی نواب علی اکبر خان، خدا ان کے اقبال کو دوام دے، اس منصفی میں میرے ہم زبان رہے ہیں اور انہوں نے شرپسندوں کو بڑے تدبر سے خاموش کر دیا۔ چنانچہ فقیر نے......... (قیاسی: اس بارے میں ایک مثنوی لکھ کر) اپنے عجز و انکسار کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کے اعتراضات کے جواب بھی دیے ہیں۔ پس (قیاسی قوی امید ہے کہ)، (یہ واقعہ) خاطرِ منیر تک بھی پہنچ جائے۔ انشاء اللہ اگلی بار جو خط ارسال کروں گا، (یہ احوال) اس میں ملفوف ہوگا۔ ایک خط (اسی لفافے میں) میر کرم علی صاحب کے لیے بھی ارسال کر رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ فدوی کے خواجہ تاش، یعنی آپ کے ملازم (قیاسی: یہ خط انہیں پہنچا دیں گے)۔ زیادہ سوائے تسلیم کے کیا عرض کروں!

محمد اسد اللہ معروضہ چہارم رجب

خط۔۲۱

۱۳

.... دو تین دن گزرے ہوں گے کہ اس راقم کے غم کدے سے ایک خط آیا تھا، جس میں شاہدِ مقصود کے خطوط کی کچھ نقش بندی کی گئی تھی......... انشا کردہ[1]۔ میں نے اس پر اس عدالت کا احوال سیرابی تحریر کی راج میں مزید شامل کر کے بندگانِ حضور کی خدمت میں پیش کش......... کر دیا، سو نظر سے گزرا ہوگا۔ آج، کہ پیر کا دن ہے، رجب کا پہلا ہفتہ اور دن کا آخری پہر، میرے کارفرما دوست کا ایک خط......... میں جس کے بارے میں سابقہ خطوط میں لکھتا رہا ہوں' آ پہنچا۔ چونکہ اُس مکتوب میں اطلاعات کی استعداد تھی......... عرضداشت بھیج دی گئی۔ خداوندا! خدا کی قسم، میرا دوست میرے کام سے غافل نہیں تھا اور اس نے چارہ جوئی سے کبھی پہلوتہی نہیں کی، بلکہ (یوں کہنا چاہیے کہ) وہ مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان ہے اور چارہ جوئی کے طور طریقوں سے مجھ سے زیادہ واقف۔ یہ جو آج تک اُس نے کوئی اطلاع نہیں دی تو یہ یک دلی اور یگانگت کے افتخار کے باعث تھا نہ کہ دوری و دیوانگی کے سبب۔ ان کا یہ خط ان کی گراں مائیگی کا عکاس ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ غالبؔ خستہ کو جویائے خبر جان کر ہفتوں اور مہینوں خط سے محروم نہ رکھیں گے۔ دیگر یہ عرض ہے کہ موجودہ خط کو لکھے تین دن سے زائد گزر چکے ہیں اور اس عرصے میں کوئی نئی بات ہوئی نہیں اور جو کچھ لکھنا تھا وہ میں پورے طور پر سابقہ خط میں لکھ چکا ہوں۔ اس کو محض ہرزہ سرائی نہ جانیں اور اس سے زیادہ (کچھ لکھنا) میں نے خلافِ ادب جانا۔

محمد اسد اللہ

۱۔ جملہ نامکمل ہے۔ اگلے جملے سے کچھ اس قسم کا اشارہ ملتا ہے گویا اسی خط پر غالبؔ نے کچھ اضافہ کر کے مکتوب الیہ کو روانہ کر دیا۔ (مترجم و مرتب)

خط۔۲۲

۱۴

قبلہ گاہا!

بے شمار دن بیت گئے اور زمانے گزر گئے کہ گرامی نامے کی سیاہی چشمِ مشتاق کو سرمہ نہیں پہنچاتی اور نسیمِ عنایت مشامِ جاں پر خوش خبری کا عطر نہیں چھڑکتی ہے۔ وہ عرض داشتیں، جن میں سے ایک مختصراً اور دوسری مفصلاً دہلی کے احوال کے نقوش سے جیب و آستیں کو مرصع کیے ہوئے تھیں، کس طرح کہوں کہ........(قیاسی: آپ تک نہیں پہنچیں) اور اگر یہ جان لوں کہ پہنچ گئیں تو پھر یہ کس طرح مان لوں کہ جناب عالی نے (ان کا) جواب نہیں دیا۔ اسی پیچ تاب میں اور طرح طرح کے وسوسوں میں..........(قیاسی: سکون) کھو بیٹھا ہوں اور صبر کی کشتی نے خودداری کا لنگر توڑ ڈالا ہے۔ خدا کی قسم، آپ جیسے مبارک نہاد، کرامت آثار شخص کے پرورش نامے کی تاخیر مجھے بے چین کر دیتی ہے۔ ورنہ کشتگانِ تسلیم کو حوصلۂ شکایت کہاں! اور (میری) فضول خواہشات کا سرمایہ.......... یہ چاہتا ہے کہ خیر طلب دل کی نگرانی لوحِ محفوظ جیسے ضمیر کے وجدان کے حوالے کر کے کچھ حصہ ... (نامکمل)۔

خداوندا! اس سے پیش تر ولیم صاحب، جو ارکان کونسل میں اعلیٰ ترین حاکم ہیں، ملکِ برہما کی جانب ....(قیاسی: تشریف لے گئے ہیں اور) جناب لارڈ بینٹنک صاحب گورنر جنرل بھی ان ہی دنوں میں سیر و شکار کے لیے کلکتے کیطرف جانبِ مشرق چلے گئے۔ چنانچہ ایک ہفتہ..........(قیاسی: ہوا) کہ ولیم بیلی صاحب کلکتے وارد ہو چکے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر بھی آج تشریف لے آئیں۔ کل ایک باخبر شخص نے بتایا کہ وہ اچانک پہنچ بھی چکے ہیں۔

دوسرے یہ کہ بنارس کے راجا اودوت نرائن سنگھ ایک جمعیت کے ساتھ بڑے شان و شوکت سے اس شہر میں وارد ہوئے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے لوگوں میں یہ بات مشہور کی ہے کہ میں جگناتھ جا رہا ہوں، تاہم حقیقت دراصل یہ ہے کہ اس عرصے میں حاکمانِ صدر نے ان کی عمل داری کے لیے ایک نیا قانون اور سخت ضابطہ وضع کیا ہے اور راجا صاحب اس پر خوش نہیں ہیں اور راجہ کی ناراضگی حق بجانب ہے، کیونکہ اس قانون کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی حکمرانی اور فرماں روائی کی شوکت و شان برباد ہو جائے (چنانچہ وہ) دادرسی کے لیے آئے ہیں حالانکہ فرمان منسوخ نہیں ہوگا اور نہ ہی حالات میں کوئی تبدیلی آئے گی۔

دوسری خبر یہ ہے کہ گورنر جنرل کے پرچموں کی روانگی تمام ارکانِ کونسل اور عمالِ دفتر کے ساتھ ماہِ اگست میں بجانب ہندوستان ہوگی اور وکلا، سفرا، منصف حضرات اس لشکر کے پیچھے جائیں گے۔ اس علاقے کے دادخواہوں کو مژدہ ہو کہ وہ (مقامی) ریزیڈنٹ اور ایجنٹ کے قدموں میں پامال نہیں ہوں گے۔ خاص طور پر وہ لوگ، جن کا سینہ تلوار کی دھار پر مسلسل رگڑ کھا رہا ہے، اور جو بحر و بر میں آہ و بکا کرتے اس قافلے کے ساتھ ہوں گے۔

غالبؔ بدبخت کی غربت زدگیوں میں سے مزید خبر یہ ہے کہ شنید یہ تھی کہ جنوری کے اواخر میں ریزیڈنٹ کی واپسی دہلی ہوگی۔ اب، کہ جنوری ختم ہو کر فروری کا آغاز ہو گیا، لازمی وہ دہلی پہنچ چکے ہوں گے اور میرا مقدمہ (بھی) پیش ہو گیا ہوگا۔ دیکھا چاہیے کہ ان

پانچ چھ مہینوں میں کیا ہوتا ہے۔ آخر کار ایسا نظر آتا ہے کہ بمصداقِ 'قصہ زمیں برسرِ زمین' اس قسم کے مقدمات میں آخری حکم ایسے ہی مقامات پر کارگر ہوتا ہے اور کسی جگہ کے حکام کی غلط نمائی کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ جناب سیکرٹری صاحب، جن کا فدوی کے ساتھ (اس معاملے میں) پورا اتفاق ہے، بر سبیل تلطف یہ کہتے تھے کہ اس طرح (یعنی گورنر جنرل اور اعیانِ کونسل کے دہلی جانے سے) آپ لوگ ریزیڈنٹ کی خوشی ناخوشی سے عافیت میں ہیں، کیونکہ لارڈ صاحب بہ نفسِ نفیس ہر مقدمے کی تہہ کو پہنچ کر ظلم و ستم کو دھو کر ناانصافیاں دور کر دیں گے۔

اس شہر کی دیگر خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ مخدومی و مکرمی مولوی ولایت حسن صاحب دورے سے واپس آ کر تین چار دن آرام کر کے دوبارہ (دورے پر) چلے گئے ہیں۔ بدیہا کوئی ایسی ہی ضرورت ہوگی ورنہ اس کا بھلا کیا امکان تھا کہ وہ اپنے ورود کی روشنی سے میرے غم کدے کو فروزاں نہ کرتے اور چونکہ مجھ بندے کو خبر جناب مخدوم کے جانے کے بعد ملی ورنہ کیا ممکن تھا کہ دوڑ دھوپ نہ کرتا اور ان سے ملاقات نہ ہوتی۔

ان حالات و واقعات میں وہ بات، جس سے شادابی سخن حاصل ہوتی ہے اور تحریر کو وقعت میسر آتی ہے، جناب نواب سید علی اکبر خان طباطبائی کے اخلاق کی توصیف ہے۔ خدا ان کے سائے کو دوام بخشے، اور ان کا اقبال ہمیشہ قائم رہے۔ اُس خدا کی قسم، جس نے عقل کو پیدا کیا اور خرد کو انتخاب کیا کہ اس ارزش مندی اور صاحب دلی (کے رتبے پر) بنگال میں کوئی اور نہیں۔ میں جب کبھی اس پسندیدہ آفریدگار کے ظاہر اور باطن پر بصورت.......... (قیاسی: غور کرتا ہوں تو) حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ یہ قیمتی موتی کس کان کا ہے اور یہ اعلا نسب کس خاندان سے ہے۔ یہ.......... (قیاسی: موصوف) ایسی شفقت کا اظہار کرتے ہیں، جس کی شرح زبان سے ممکن نہیں۔ جب بھی ہگلی سے تشریف لاتے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے ورود سے مجھے.......... (قیاسی: افتخار نہ بخشیں) .... (قیاسی: جب اس شہر کے چند شر پسند) حسد کی بنا پر مجھ سے الجھ پڑے تھے تو نواب علی اکبر خان ہی نے اس قضیے میں میرا ساتھ دیا اور میری مدد کی۔ اب کہ.......... (قیاسی: ان کی) چھوٹی لڑکی کی شادی درپیش ہے، وہ مجھے یہ فرما کر گئے ہیں کہ میں جب بھی بلاؤں گا، تمہیں ہگلی آنا ہوگا اور میرے ساتھ ایک ہفتہ رہو گے۔ میں نواب صاحب کے بلاوے کا منتظر ہوں۔ ظاہراً ابھی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے۔ نواب صاحب موصوف نے مجھے دو خط لکھے، اس خط کے ساتھ ہی.......... (قیاسی: میں ایک خط نواب صاحب کے لیے بھیج رہا ہوں) تاکہ ملازموں کی نظر سے گزرے اور نواب صاحب کی خاکسار نوازیوں کا آئینہ بنے۔

خط۔۲۳

۱۵

قبلہ گاہا!

چند عجیب باتیں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ (ایسی) کہ اگر ضبطِ تحریر میں نہ لاؤں، تو دل اس خلجان سے آرام نہ پائے گا۔ غرضے کہ .... اور جو کچھ گزری ہے، پیش کرتا ہوں۔ منگل کے دن ستائیس رجب کو ایک عرض داشت خدمت میں بھیجی تھی..... (قیاسی:

خط ڈالنے والا ابھی) واپس نہ آیا تھا کہ محکمہ ڈاک کا ایک ڈاکیا پہنچا اور اس نے جناب عالی کے مکتوب کی ربوبیت (مجھے) پہنچائی ۔ کفِ خاک .... ورس بے غمی از سر گرفت (نامکمل) ۔ اب جو اس منشورِ سعادت کے عنوان کو کھولا گیا تو جناب علی مخدومی .... خدا ان کی شان کو ہمیشہ برقرار رکھے کی نظارہ فروز تحریر نظر آئی ۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ جناب عالی تشریف لائے تھے اور واپس بھی چلے گئے ۔ لازماً نیاز نامہ .... جناب میر صفات علی خان صاحب .... (قیاسی : کے نام) لکھ کر آپ کے گرامی نامے کو اس میں لپیٹ کر ایک ملازم کو دیا کہ اثنائی میں میر صاحب موصوف کی خدمت میں .... (قیاسی پہنچادے) ابھی وہ ، خط کا لے جانے وال ، واپس بھی نہیں ہوا تھا کہ مخدومی ملاذی جناب مولوی ولایت حسن صاحب کا آدمی آ پہنچا اور اس نے جناب عالی کا منشور سرفرازی جناب ممدوح کے خط میں لپٹا ہوا مجھے پہنچایا ۔ (جس سے) میرے شوق کے جسم میں جان آ گئی ۔ جناب عالی کا نوازش نامہ ، جو انتیس جنوری کا لکھا ہوا تھا ، وہ خط تھا جو لالہ کانجی مل کے خط کے ساتھ بھیجا گیا تھا ۔ فدوی اس نوازش نامے کی اس عبارت پر ، کہ .... '' تمہاری عرضداشت پہنچ گئی ۔ ایک کا جواب اس سے پہلے بھیج چکا ہوں '' خود حیرت میں پڑ گیا تھا کہ مجھے کون سا جواب ملا ہے ۔ آج اس بات کا راز کھلا کہ یہ وہی نامۂ موعود ہے ۔ البتہ اب جو مجھے معلوم ہوا کہ جناب مولوی صاحب اپنے دوسرے دورے سے بھی واپس آ چکے ہیں تو میں نے تلافی ناکامی روزگار گزشتہ کی اور دوڑا ہوا ان کے پاس پہنچا ۔ چنانچہ اس وقت کہ دن ختم ہونے میں دو گھنٹے باقی ہیں ، میں مولوی صاحب موصوف کے گھر پر ان کی مسندِ حضوری کے خوش نشینوں میں سے ہوں اور یہ عرضداشت بھی ان کے سامنے ہی لکھ کر ان کے سپرد کر دی ہے ، تا کہ وہ کل اپنے خط میں لپیٹ کر اسے بندے بھیج دیں ۔ رہا وہ پیغام ، جو آپ نے نواب علی اکبر خان دام اقبالہ ، کے لیے بھیجا ہے ، ان سے ملاقات ہونے پر ، جو ایک شادی کی تقریب میں شرکت پر جلد ہی متوقع ہے ، ملازمانِ مخدوم کے سامنے کی تحویل میں دے دیا جائے گا ۔ جز تسلیم اور کیا عرض کروں !

محمد اسد اللہ ، معروضۂ چہارم فروری بروز بدھ

خط ۔ ۲۴

۱۶

حضرت قبلہ گاہی ، ولی نعمی ، مد ظلہ العالی !

(یہ فدوی) آپ پر قربان ہوتا ہے ، اپنی جان اُس کفِ پاک کی خاک پر نچھاور کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ کیا عرض کرے اور کون سی تحریر کے پردے سے سر نکالے ۔ آپ کی یاد آوری کا احسان بے کراں ہے اور آپ کی قدر افزائی کا شکر بہ اندازۂ تحریر نہیں ۔ پرسوں جناب منشی عاشق علی خان صاحب بہادر نے ایک مکتوب مجھے بھیجا ، اب جو لفافہ کھولا تو اس پردے سے ایک نور چمکا ۔ اچھی طرح دیکھا تو خداوند کے مکتوب کے آثار تھے ، جو خانِ ممدوح کو اس مشتِ غبار کی عاجزی کی آگاہی کے لیے لکھا تھا ۔ غرضیکہ ان کے ملازموں نے اس ننگِ آفرینش کو لکھا کہ کوئی وقت مقرر کر کے مجھے اطلاع دو تا کہ تمہارا سر آسمان سے بھی بلند کر دوں اور اپنے ورود کا نور تمہارے ظلمت کدے پر ڈالوں ۔ میں نے جواب سے معذرت کر لی اور دوسرے دن خود ان کی قدم بوسی کے لیے گیا ۔ اگر چہ دفتر کے آنے

جانے میں جناب ممدوح سے تعارف.......... (قیاسی: ہو چکا تھا بلکہ) قبلہ وکعبہ نواب علی اکبر خان کے مکان پر گلے ملنے کا اتفاق بھی ہوا تھا، لیکن اس مرتبہ.......... (ان کی) محبت کا نقش دل پر جم گیا۔

جناب ممدوح قدرے اہلِ وحدت الوجود کے مذاق کے مطابق بات کرتے ہیں اور اس وجہ سے نمدے کی ٹوپی اوڑھتے ہیں۔ شمع و چراغ انجمن مولوی ولایت حسن کے شیوۂ اخلاق کا اور مہرِ سپہر و معنی آشنا نواب علی اکبر خان طباطبائی کے ذوقِ لطیف کا کچھ ذکر.......... (قیاسی کیا)۔ جناب قبلہ گاہی کے خدام کا احسان میرے دل و جان پر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی صحبت سے جو حظ میں نے اٹھایا وہ بمصداقِ ''ہذا من برکت البرامکہ'' میری زبان پر تھا۔ اس مرتبہ آبرو میں مزید اضافہ ہوا اور ایک نئی شان پیدا ہو گئی۔ خدا کی قسم، اگر میں اس آوارگی کے چکر میں آپ کے پاس نہ پہنچتا تو میری خستگی کے لیے مرہم اور شکستگی کے لیے مومیائی کہاں سے ملتی۔ اگر انصاف کی ڈور ہاتھ سے نہ چھوڑوں تو میں جانتا ہوں کہ میر کرم علی کے احسان سے عہدہ برآ ہونا، کہ انہی نے مجھے اُس آستانے کی خاک کا راستہ دکھایا اور (وہی) میرے لیے خضرِ راہ بن گئے، میرے بس کا نہیں، سو بھلا ان کے مخدوموں کی مدح میرے بس میں کہاں ممکن! ہرگز نہیں، ہرگز نہیں

ع: خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تُست

ترجمہ: تیری تعریف میں خاموشی ہی تیری انتہائی تعریف ہے۔

جو احوال کہ لائق تحریر تھا، (وہ میں) اپنے سابقہ خطوط میں.......... (قیاسی لکھ چکا ہوں)۔ ہر ایک آپ کی نظر سے گزرا ہوگا اور آئین تسلیم کا آئینہ دار ہوا ہوگا۔ وقت کے اس حصے میں سوائے اس کے کہ خامۂ نیاز صفحے سے......... (نامکمل) اور کام کے چہرے سے تا حال پردہ نہیں اٹھا ہے۔ میر احمد علی خان کے مکتوب کا جواب، اس امر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ جناب کے مکتوب ہی میں ملفوف تھا، بھیج دیا گیا ہے، سو میرے خواجہ تاشوں کی عنایت سے مکتوب الیہ کو پہنچا دیا جائے۔ خدام عالی مقام کے ضمیر روشن سے مخفی نہ رہے کہ یہ خط چھٹی شعبان بدھ کے دن لکھ کر اُسی روز میر صفات علی خان کی وساطت سے لالہ کانجی مَل باندوی کو بھجوا دیا گیا۔ خدا اُسے اس کو اپنے خط کے ساتھ ملفوف کرنے اور بھیجنے کی توفیق عطا کرے۔

خط۔ ۲۵

۱۷

حضرت قبلہ گاہی، ولیٔ نعمی، مدظلہ العالی!

(یہ فدوی) کورنش بجالاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اس سے پیشتر (چند) مکتوبات ارسال کیے گئے ہیں۔ جانتا ہوں کہ ان میں سے ہر خط اپنے وقت پر آپ کی نظر سے گزر کر مقصد کی صورت کا عکاس ہوا ہوگا۔ اُس احوال کا بقیہ، جو ان اوراق سے تعلق رکھتا ہے، یہ ہے کہ چونکہ منشی عاشق علی خان صاحب بہادر نے مجھے اپنی تشریف آوری کی خوش خبری دی، میں نے خود حاضری دے کر ان پر مسابقت کی۔ انہوں نے بڑی عنایات فرمائیں۔ ''یہ فیض آپ ہی کی صحبت کا نتیجہ ہے،'' کہتا ہوا میں اٹھا اور اپنے ظلمت کدے میں آ

گیا۔ چند روز بعد اتوار کے دن مجھے اطلاع دیے بغیر جنابِ ممدوح (ایسے وقت) میرے گھر تشریف لے آئے کہ میں موجود نہ تھا۔ جب میں واپس آیا اور مجھے معلوم ہوا تو میں پانی پانی ہو گیا اور تلافیِ مافات کے لیے تیز قدمی کرتا ہوا ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

نواب علی اکبر خان بہادر ہگلی ہی میں تشریف رکھتے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے بلائیں گے..... (قیاسی: لیکن ابھی تک انہوں نے) یاد نہیں فرمایا ہے۔ قبلہ گاہی کی گزارش جناب کی زبان سے وابستہ ہے۔ غالباً شادی کے کاموں سے فارغ ہو کر........... مولوی ولایت حسن صاحب دوبارہ دورے پر چلے گئے ہیں۔ ایک موقع ملا تھا۔ دورانِ گفتگو فرماتے تھے کہ.......... اور ہم پر احسان رہ گیا (نامکمل)۔

اس سے بیش تر میں جناب کے خادموں کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ بنارس کے راجا.......... (قیاسی: اودوت نرائن سنگھ نے) گورنر جنرل بہادر سے ملاقات کی جو استدعا کی تھی وہ منظور ہو گئی ہے اور عام حاضری طے پا گئی ہے........ درمیان نہیں رہا (نامکمل)۔ کسی کو خبر نہ ہوئی، یعنی جمعے کے دن، ۱۳ فروری کو جناب سیکرٹری.......... (قیاسی: اینڈریوز) کہ میں ان کے خادموں میں سے ہوں' عملے کے اٹھنے کے وقت نائب میر منشی کو، کہ میر منشی کی غیر حاضری میں کارروائی کرتا ہے........... اہلِ بار کو صلا دے دے کہ پیر کو دربار کا دن ہے، وقتِ معینہ پر دردرگاہ پر پہنچ جائیں۔ اس عرصے میں راتوں رات اس احوال سے مطلع کرنے والا ایک خط انہوں نے مجھے بھیجا۔ دوسرے دن ہفتہ تھا۔ میں صاحبِ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضوری کی تمنا کی، جو انہوں نے انتہائے کرم سے منظور کر لی اور کافی مہربانی کی۔ میرا نام صفِ اصحاب الیمین میں.......... (قیاسی: درج کرا دیا) اور مجھے عزت کی کرسی پر بٹھایا اور حسنِ اتفاق سے (ملاقاتیوں کی ترتیب اس طرح ہوئی کہ) نمبر ا پر راجہ بھوپ سنگھ، جانشینِ راجا کلیان سنگھ عظیم آبادی[1] نمبر ۳ سفیر شاہِ دہلی، نمبر ۴ سفیر شاہِ اودھ، نمبر ۵ ہمایوں جاہ نواب مرشد آباد کا وکیل، نمبر ۶ وکیل جودھ پور، نمبر ۷ وکیل جے پور، نمبر ۸ وکیل راجہ نیپال، نمبر ۹ میرے قبلہ و کعبہ جناب اکبر علی خان بہادر دام اقبالہ، اور دسواں نمبر فدوی کا قرار دیا۔ اس مسرت کی تفصیل کہ مجھے ایک انجمن میں ایک ایسے شخص کے پہلو میں جگہ دی گئی ہے' جسے میں شرفائے بنگالہ میں منتخب.... (قیاسی: شمار کرتا ہوں) ضبطِ تحریر میں بھلا کہاں آ سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ نواب صاحب ہگلی سے تشریف نہ لا سکے اور انہوں نے معذرت ارسال کر دی، مختصر اور مفید۔ جب میں نے صاحبِ نعمت کی عنایات اپنے او پر بیش از بیش دیکھیں، (تو میں نے) خلعت کی آرزو کی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئے، پھر سر اٹھایا اور بڑے دل فریب انداز میں کہا، اے فلانے! اس وقت اس کی گنجائش نہ تھی کہ کسی کا نام اہلِ دربار میں اضافہ کیا جاتا۔ ہم نے (تیرا نام اضافہ کر کے) تیری دل دہی اور خاطر داری کی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ خلعت نہیں دلا سکتا، تاہم اس وقت خلعت کی گراں مایگی، برداشت نہیں کی جا سکتی۔ تو خود دیکھ کہ تیرا چچا سرکار کے متوسلین اور سرداروں میں سے تھا اور اُسے اس منصب پر کبھی خلعت نہیں ملی۔ ادھر تقرر جاگیر کو بھی دس ماہ ہو چکے ہیں۔ ایسے وقت میں کونسل کو تیرے احوال سے تفصیل سے آگاہ کرنا اور تیرے بزرگوں کے نام کے شایانِ شان تیرے لیے خلعت حاصل کرنا ممکن نہیں۔ درآں حالے کہ تو نے خلعت[2] پر ایک عجیب امر کا اضافہ کیا ہے۔ صبر کر اور آرام

۱۔ کاتب نے ''نمبر ۲'' نہیں لکھا، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نمبر ۲ راجہ بھوپ سنگھ کے باپ مانک سنگھ کا تھا۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ ممکن ہے، یہ اشارہ غالب کی شاعری کی طرف ہو۔ (مترجم و مرتب)

سے بیٹا! جب کلکتے سے تیری رخصت کا وقت آئے گا، اس وقت ایک خلعت گراں مایہ ''بہادر'' کے خطاب کے ضمیمے کے ساتھ تیرے لیے لارڈ صاحب کے آستانے سے حاصل کرلی جائے گی۔ چونکہ یہ باتیں اس قدر خوش کن تھیں، میں خاموش ہوگیا۔

غرضیکہ پیر کے دن بارگاہ پر پہنچا، چونکہ نمبر نو، کہ علی اکبر خان کا ہے، خالی تھا......... اسی طرح چھوڑ کر میں دسویں کرسی پر بیٹھ گیا۔ جب نواب گورنر جنرل بہادر تشریف لائے اور اہل......... (نامکمل) (قیاسی: میرے پیش ہونے کی باری آئی) میں نے دو اشرفیاں نذر کیں۔ رسم کے مطابق انہوں نے معاف فرما کر چندے توقف فرمایا اور میری نیاز مندی کو......... سراہا اور انتہائے شفقت سے اپنے دستِ خاص سے عطر اور پان مجھے عنایت فرمائے۔ لیکن اب ایک دوسرا امر، مجھ سے بہ ظاہر (قیاسی: سفیر) دہلی، سفیر شاہ اودھ اور وکیلِ نوابِ مرشد آباد نے جب اپنے مؤکلان کے شوق کا اظہار کیا......... اصلاع می رسم (نامکمل) اور ایک دوسرے کو دیکھیں۔

اس سے پہلے یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ ماہِ اگست میں نواب گورنر جنرل معہ کونسل، اور تمام افرادِ عملہ کونسل ہندوستان جائیں گے۔ اب اس کی تصدیق ہوگئی کہ ان کی روانگی طے ہے......... (قیاسی: البتہ یہ نہیں معلوم) کہ کونسل بھی ان کے ساتھ ہی جائے گی یا یہیں رہے گی۔ پہلی صورت میں مجھے بھی افتاں و خیزاں سر کے بل جانا چاہیے۔ اور......... (نامکمل)۔ مجھے بہ ہر حال یہیں رہنا ہوگا۔ گھر والوں کے خط سے منسلک مولوی فضلِ حق صاحب کا ایک رقعہ بھی پہنچا ہے......... (قیاسی: اس کو بھی اپنے خط کے ساتھ) ارسال کر رہا ہوں، کاشفِ احوال ہوگا۔ زیادہ حدِ ادب!

(معروضہ ۷ افروری، مطابق ۱۲ شعبان، بروز منگل)

خط۔۲۶

۱۸

حضرت قبلہ گاہی، ولی نعمی، مدظلہ العالی!

بعد کورنش عرض ہے کہ میرے عبودیت نامے پیہم پہنچ کر کاشفِ احوال ہوئے ہوں گے۔ میں جناب سیکرٹری صاحب کی کاوش اور جناب نواب گورنر جنرل صاحب کی ملاقات کا حال بے کم و کاست لکھ چکا ہوں۔ نئی بات یہ ہے کہ کل، کہ رمضان کی تیسری تاریخ اور پیر کا دن تھا، خلوت نشینانِ وطن سے ایک خط آیا۔ لکھا تھا کہ شعبان کی پانچویں تاریخ کو تمہارا مقدمہ مسل کے کاغذات میں شامل ہوگیا۔ ہر چند کہ میں اس کا مفہوم اچھی طرح نہیں سمجھ سکا، لیکن (یہ امر) میری عرضداشت کے مسل پر لگ جانے کی خبر دیتا ہے۔ قوی امید ہے کہ اس ہفتے میں کارفرما کی طرف سے کوئی خط یا وکیل کی جانب سے کوئی تحریر آجائے گی اور حال احوال سے مطلع کردے گی۔

مزید یہ کہ نواب صاحب قبلہ و کعبہ سید علی اکبر خان بہادر شادی کی مصروفیت سے فارغ ہوگئے ہیں۔ دربار کے دن چونکہ لارڈ

صاحب تشریف نہیں لائے، اور ان کی جگہ میرے پہلو میں خالی رہی، میں نے ایک نیاز نامہ ہگلی بھیجا اور ان کے نہ آنے کی وجہ دریافت کی۔ مخدومی کی تحریر سے ظاہر ہوا کہ وہ بیمار ہیں اور طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ میں عیادت کے لیے گیا اور پانچ دن اور رات ہگلی میں رہا۔ چنانچہ کل واپس آ کر اپنے کلبہ احزاں میں پہنچا۔ میرے غیاب میں گھر کی چوکی داری کرنے والے نے دہلی سے آیا ہوا خط مجھے دیا۔ اس میں وہی کچھ لکھا تھا جو اوپر تحریر کر چکا ہوں۔ نواب صاحب گردے کی پتھری کے عارضے میں مبتلا تھے، لیکن جلد شفایاب ہو گئے۔ ظاہراً.... (قیاسی بیماری) معمولی تھی کہ.......... (قیاسی تھوڑے ہی وقت میں) رفع ہو گئی۔ فی الوقت صحت و عافیت کے مسند نشینوں میں ہیں۔ (دعا ہے کہ) خاطرِ اقدس قرینِ سکون رہے .... (نامکمل) سر بسر عرض کیا گیا۔

بھگوان داس کے مقدمے کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا کہ روپیہ اتنا ہی .... (قیاسی جتنا ہنڈوی میں لکھا تھا) بھگوان داس نے پہنچایا اور مولوی صاحب یعنی آں قبلہ سے تحریر میں اشتباہ ہوا تھا، لیکن کتابوں کی فروخت کے سلسلے میں......... معاملے میں کوئی رنگ رکھا (نامکمل)[1] میں نے اپنی اور آپ کے ملازموں کی سہوت اس میں دیکھی کہ زحمتِ تحریر کو مخدومی .... کی انگلیوں کے پوروں پر جائز تصور کیا۔ چنانچہ ایک کاغذ پر اپنے دستخط کر کے اپنی عرضداشت میں منسلک کر دیا، آپ کی نظر سے گزرے گا۔

آئندہ کے وساوس میں سے یہ ہے کہ شنید ہے، برسات میں، جب دریا زوروں پر ہوتا ہے، نواب گورنر جنرل تمام افراد کونسل اور اشخاص عملہ کے ساتھ ہندوستان جائیں گے اور تین سال کے لیے ضلع میرٹھ، کہ دہلی کے قرب و جوار میں ہے، دارالسلطنت قرار پائیگا۔ اس صورت میں سارے متوسلین کونسل، خواہ وکیل ہوں یا درخواست گزار، سب کے سب، اس قافلے میں ہم سفر و ہم قدم ہوں گے۔ میں کہ اقامت کی تاب نہیں رکھتا، بھلا سفر کے لیے حوصلہ و سامان کہاں سے لاؤں۔ کاش کہ مقدمے نے کوئی بہتری کی راہ پکڑ لی ہوتی تو حکومت سے اعانت کے طور پر کچھ قرض لے سکتا۔ یا ایسا ہوتا کہ حضرت قبلہ گاہی خود ٹھیکے کی مشکلات میں گرفتار نہ ہوتے تاکہ میرا کام چلتا رہتا اور اس باب میں کوئی تشویش نہ ہوتی۔ اس وقت، کہ نہ وہ ہے اور نہ یہ، میرے جگر کا خون میرے دامن پر ہے اور جان آستین میں۔ کاش، نواب ذوالفقار بہادر کو یہ توفیق ہو کہ وہ مزید ایک ہزار روپیہ امین کرن سے دلوا دیں۔ سوچ رہا ہوں کہ استدعا پر مشتمل ایک عرض داشت جناب نواب صاحب کی خدمت میں تحریر کروں اور اسے اپنے خط سے منسلک کر کے جناب عالی کی خدمت میں بھجوا دوں اور آپ اس کو دیکھ کر مرزا مغل بیگ کے چھوٹے بھائی مرزا اوزبک جان کو کہ اسی طرح بھائی.......... (نامکمل)۔ اپنے پاس بلا کر اچھی طرح سمجھائیں اور اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اس مقدمے کی درستی کا اقدام کرے۔

قبلہ گاہا! یہ موت سے پہلے واویلا اس لیے ہے کہ اُس قیامت میں چار ماہ سے زائد فرصت باقی نہیں اور وہ لوگ، جن کا میں حاجت مند ہوں، سخت بے پروا واقع ہوئے ہیں۔

اپنی تہی دستی کے غم کے بارے میں یہ عرض ہے کہ رمضان آ پہنچا ہے اور زر نقد تمام ہو چکا ہے۔ اگر لارڈ صاحب سے ملاقات شعبان میں نہ ہوتی تو رمضان اچھا گزر جاتا، لیکن رمضان کی عیاشی کی رقم گورنر جنرل اور سیکرٹری کی خدمت میں اور عملے کے انعام و

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں کے سلسلے میں غالب سے جو بات چیت ہوئی تھی، اس میں مزید کچھ پیش رفت ہوئی۔ (مترجم و مرتب)

بخشش میں صرف ہوگئی۔ ہر چند کہ یہ خرچ کھلے ہاتھ سے نہیں تھا، لیکن قلت مایہ نے اس ہنر کے باوجود مجھے نقصان ہی میں رکھا۔ غرضیکہ پہلے تو اتنا روپیہ چاہیے کہ ان چار پانچ ماہ قیام کی کفالت کرے اور اس کے لیے اتنی رقم ہی، کہ پہلے عنایت ہوئی تھی، کفایت کرے گی، امید ہے کہ آپ بھیج دیں گے اور اس آخری بات پر اس کے رائق غور فرمائیں گے۔ مزید سوائے تسلیم کے کیا عرض کروں!

(رُوسیاہ اسد اللہ، معروضہ چہارم رمضان، بروز منگل)

خط۔۲۷

۱۹

حضرت قبلہ گاہی، ولی نعمی، مدظلہ العالی!

چونکہ میرے سر میں یہ سودا سمایا ہوا ہے کہ عالمِ غیبت میں بھی حاضرین میں شمار کیا جاؤں، البتہ میں نے گفتگو سے بھی نازک تر ایک پردہ بُنا ہے اور دنیا و مافیہا کا ہر واقعہ، جو رُونما ہوتا ہے، میں آپ کی خدمت میں پہنچا دیتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ .... (نامکمل) مارتا ہوں۔ چنانچہ نواب گورنر جنرل بہادر کا دربار آراستہ کرنا، فدوی کا ان کی خدمت میں منشی عاشق علی خان کی بندہ نوازی کی وجہ سے حاضر ہونا، اور اس کے بعد میرا اہنگی جانا، اور جنابِ نواب......... کے ملازموں کے خط کے جواب میں مکتوب کا پہنچنا۔ توشہ پہنچنا...... (نامکمل) اور ہر سمت سے مایوسی (کا در آنا)، اراکین کونسل کے ارادوں کے پرچوں کے جانب، ہندوستان کوچ کی خبر ملنا.......... (سفر کے لیے میرے پاس) ساز وسامان کا نہ ہونا، اس ضمیمۂ تدبیر کے ساتھ، جسے ایک امید موہوم کی بنا پر، جو دل میں سمائی ہے، آپ کی خدمت میں متواتر خطوط کے ذریعے تحریر کر چکا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ (ان خطوط میں سے) ہر ایک ہر جانب سے پہنچ کر آئینۂ آگہی سے زنگ دور کرنے والا (ثابت) ہوا ہوگا۔

آج، کہ جمعرات کا دن اور رمضان کی تیرہ تاریخ ہے، ابھی ابھی ایک خط پاشکستگانِ وطن سے پہنچا ہے۔ اگرچہ اس خط کے لکھوانے والے قلم کی آگہی کے مذاق سے اور تحریر کرنے والے طرزِ (قیاس: اظہار سے ناواقف ہے،) اس لیے مقصد کا اظہار مکمل نہیں۔ البتہ اس سے اس قدر سمجھ میں آتا ہے کہ مقدمہ اس عدالت میں پیش ہوگیا ہے اور حاکم نے اپنے کارپردازوں کو کام پر لگا دیا ہے۔ یقین ہے کہ چند دن میں وکیل کیطرف سے کوئی خط یا کارفرما کی جانب سے کوئی فرمان آجائے گا اور مقصد کے سراپا کی عکاسی کرے گا، لیکن..... (قیاسی: چونکہ) میں نے جنابِ عالی کو اس مقدمے میں خود سے بھی زیادہ، بلکہ زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا ہے، وہ نامکمل خط بھی (جو دہلی سے آیا ہے)، میں نے ارسال کر دیا ہے۔

آپ پر یہ پوشیدہ نہ رہے کہ ریزیڈنٹ دوسری شعبان کو دہلی پہنچ گیا ہے اور پانچویں شعبان کو میرا عرضی دعوا اس کی عدالت میں پیش ہوا اور وہ مکتوب، جو آپ کو ملے گا، انتیس شعبان کا تحریر کردہ ہے۔ میں مصلحت اس امر میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک دوستانہ و بے تکلفانہ خط منشی محمد حسن صاحب کو لکھ دیں اور ان سے مقدمے کا حال معلوم کریں۔ اس لیے کہ میرا کارفرما قدرے سست قدم واقع ہوا

ہے اور وہ خط بہت تاخیر سے لکھتا ہے۔ اپنے سر اور ایمان کی قسم اس کی یہ سُست قلمی بھی اس کے اعتماد دوستی کی ایک شان ہے ورنہ اس کے نقدِ محبت کو میں نے بارہا امتحان کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ قصہ مختصر میں خوش ہوں کہ مقدمے کی ابتدا تو ہوئی اور اُس میں کچھ ہل جُل تو شروع ہوئی۔

دیگر ہر طرح خیریت ہے۔ کل رات ایک غزل کہی ہے۔ چونکہ اس کے مطلع میں ایک خاص بات تھی، اس لیے اس عبودیت نامے کے اختتام کی زینت بن گیا۔

فرد: لذّتِ عشقم ز فیضِ بے نوائی حاصل است
آں چناں تنگ است دستِ من کہ، پنداری، دل است

ترجمہ: مجھے بے نوائی کے فیض سے اپنے عشق کی لذت حاصل ہے۔ میرا ہاتھ اس قدر تنگ ہے کہ گویا (میرا) دل ہے۔

(راقم اسد اللہ، معروضہ ۱۳ رمضان، جمعرات)

میں اپنی چچی کا خط، جو دہلی سے آیا ہے، اس عریضے کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں، پڑھنے کے بعد پھاڑ دیں اور پانی اور آگ کے سپرد کر دیں!

خط۔۲۸

۲۰

حضرت ولی نعمی مدظلہ العالی!

(فدوی) تسلیمات و کورنش کے بعد عرض گزار ہے کہ ہنڈوی کا قطعہ جب تحقیق کے بعد از قسمِ شاہ جوگ نکلا (تو) مخدومی مولوی ولایت حسن صاحب کے سپرد کر کے ان کے ملازموں کے توسط سے کوٹھی کے چالیس دن کے پیسے منہا کر کے دو سو روپے وصول کر لیے گئے۔ خاطرِ اقدس بہر صورت جمع رہے۔ اراکین کونسل کے عزم کے جھنڈوں کی شقہ کشائی..... (نامکمل) بروز ہفتہ، بتاریخ ستائیس شوال صبح مخدومی جناب منشی عاشق علی خان بہادر ظلمت کدۂ راقم پر تشریف لائے.......... اپنے نام کا خط دیکھا۔ افسوس کہ جنابِ ممدوح شغلِ سفارت سے سبکدوش ہو گئے ہیں اور ان کا استعفیٰ.......... منظور ہو گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دربار میں دو ہفتے سے نہ جاتے ہوں، پھر بھی اس دیارِ تر دماغ میں اپنی ذاتی حیثیت سے ٹھہرے ہوئے ہیں........ (نامکمل) اور اوراق سفارت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اثنائے گفتگو میں فرماتے تھے کہ منشی محمد حسن سرکار میں......... اپنی بہار دیکھے بنا دہلی پہنچ گئے ہیں اور اپنی سابقہ ملازمت پر مامور ہو گئے ہیں۔ اطلاعاً یہ عرض کرتے ہیں کہ اٹھائیس شوال، اتوار کا روز تھا، دہلی سے وکیل کا مکتوب پہنچا۔ جناب ریزیڈنٹ صاحب کا مُہر کردہ نوازش نامہ.......... فدوی کا خط اس میں منسلک اور ہزار رنگ آرزوئیں اس کے لفظ و معنی میں پوشیدہ تھیں۔ چونکہ اصل خط کا بھیجنا عقل مندی کے قاعدے کے خلاف ہے کہ مبادا کسی وقت اس تحریر کی ضرورت پڑ جائے۔ اس کی عبارت ہو بہو اس مکتوب میں نقل

کرتا ہوں اور وہ اس طرح ہے:

خان صاحب مہربان، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)!

شوقِ ملاقات کے بعد واضح ہو کہ جنابِ عالی کا خط مطالبات کے اظہار کے بارے میں پنڈت ہیرا لعل کے دوسرے منسلک کاغذات کے ساتھ وصول ہوا اور کاشف حال ہوا۔ مہربان اس مقدمہ میں اہالیانِ صدر کے سامنے لکھ کر بھیج دیا گیا ہے۔ اُن مہرباں کے جواب کے آنے پر آپ کو اطلاع دی جائے گی۔

مرقوم ۱۷۔ اپریل

غرضیکہ وہ آدھا دن اور ساری رات خوشی میں بسر کر کے پیر کے دن، کہ وکلا کی ملاقات کا دن ہوتا ہے اور مجھ جیسے کم حیثیت لوگوں کو اس دن قربِ ملازمت ذرا کم تر ہی ہوتا ہے، دلِ پُر آرزو کے ساتھ دفتر خانے گیا۔ اہلِ بار کی بزم جب برخاست ہوگئی اور خداوندِ بارگاہ (گورنر جنرل) اپنے خاص کمرے میں چلے گئے تو میں نے اذنِ باریابی چاہا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ میں نے ریزیڈنٹ کا خط انہیں دکھایا۔ انہوں نے دیکھا اور اس سے پہلے کہ میں (کچھ) پوچھتا، فرمایا کہ ہاں تمہارے مقدمے میں کولبرک صاحب نے صدر دفتر کو ایک خط لکھا تھا اور یہاں سے مناسب جواب بھجوا دیا گیا تھا۔

یہ نہ سمجھئے کہ لفظ ''باصواب'' آرائشِ تحریر کے زمرے میں سے ہے، بلکہ خود منصف کی زبانِ گہر فشاں سے یہ لفظ ادا ہوا ہے اور فرماتے تھے کہ جناب ریزیڈنٹ صاحب آپ پر نظرِ عنایت رکھتے ہیں اور توقع یہ ہے کہ آپ کے دعووں کی تشخیص و تحقیق کر کے صدر دفتر کو رپورٹ بھیجیں گے۔

غرض بات یہاں پر ختم ہوگئی۔ میں نے سلام کیا اور واپس گھر آ گیا۔ کل، کہ شوال کی تیسویں تاریخ تھی، صبح سے دوپہر تک وکیل کے خط کا جواب، فرد ماندگانِ وطن کو خطوط، حاکم کے گرامی نامے کا جواب اور ایک مکتوب در جواب......... (نامکمل) منشی صاحب ریزیڈنٹ کی خدمت میں پہنچانے کے لیے لکھتا رہا اور دن کے اختتام پر سپردِ ڈاک کر دیے۔ چونکہ (لکھ لکھ کر) میرا ہاتھ تھک چکا تھا......... (نامکمل)۔ آپ کی خدمت میں کوئی عرضداشت نہیں لکھ سکا۔ آج، کہ بدھ کا دن ہے، ذیقعد کی پہلی تاریخ.... یہ ساری باتیں لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ مزید تسلیم کے علاوہ کیا عرض کروں۔ عزیزوں کی خدمت میں مادو جباتِ پہنچیں۔

خط۔۲۹

۳۱

حضرت قبلہ گاہی و ولی نعمی، مدظلہ العالی!

میری جبین اُس آستان کے خیال میں سجدہ ریز اور میری سانس اُس قبلۂ راستاں کی آرزو میں شعلہ خیز ہے......... (فدوی) عرض کرتا ہے کہ وہ عبودیت نامہ، جو جناب کے خط کے جواب میں پہلی ذی الحجہ کو ارسال کیا تھا، چونکہ آج مہینے کی آٹھویں

تاریخ ہے (سو) ایک ہفتہ .... اس کعبۂ مقصود پر گزر گیا۔ جلیل المناقب مولوی ولایت حسن صاحب نے مجھ خاکسار کے جائے قیام پر اپنے .... (قیاسی: ورود) کی روشنی ڈال کر غم خانے کے در و دیوار کو مطلع انوار سعادت بنا دیا۔ بخدا، (میں نے) ان بزرگوار کی ملاقات کو، جو ظاہر و باطن کی خوبیوں سے آراستہ ہیں، غنیمت سمجھا اور جناب کی عنایات کا شکر اپنی استعداد سے زیادہ ادا کیا۔ فی الوقت کوئی ایسی بات نہیں ہوئی کہ قابل تحریر ہو۔ البتہ ایک حیرت انگیز بات، جو بینائی پر جلوہ افروز ہوئی ہے، یہ ہے کہ لامع النور، نواب معلی القاب نواب ذوالفقار بہادر دام شوکتہ کا ایک مکتوب، جو (میرے) قطعہ عرض داشت کے جواب میں تھا، ایک نعمت غیر مترقبہ کی صورت اچانک آ پہنچا اور اس نے میری عاجزی کو ایک اور ہی عزت عطا کر دی۔ بہر حال پہلی ذی الحجہ کا بھیجا ہوا خط مقصد کے نقوش کا آئینہ دار ہوگا اور صاحبانِ کونسل کے حکم اور اس سے متعلق جو کچھ بھی واقع ہوگا، آئندہ خط میں آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔

خط۔۳۰

۲۲

حضرت قبلہ گاہی، ولی نعمی، مدظلہ العالی!

آپ کے سر پر سے قربان ہونے کے بعد، خجالت سے آنکھ پشت پا پر سل جاتی ہے اور نالہ خوف سے نچلا ہونٹ کاٹنے لگتا ہے۔ میں کس قدر بے کس ہوں کہ مراسم عذر خواہی پر مجھے خود ہی اپنا شفیع ہونا پڑتا ہے۔ خدا کے واسطے غالبؔ زہراب نوش کی تلخ کامیوں پر کچھ (تو) رحم کیجئے۔ اُس خدا کی قسم، جو ناز و نیاز کا پیدا کرنے والا ہے، آپ کے والا نامے کی سیاہی سے نظر جب آشنا ہوئی (تو) القاب ''قبلۂ مہجوراں سلامت'' نے مغزِ جان میں ایک ایسا نشتر پیوست کر دیا جو ساری زندگی جب یاد آئے گا، دل ہجر کی آواز کے خوف سے برگِ بید کی طرح لرزے گا۔

میری عرضداشت، جو برادرم مکرمی مولوی ولایت حسن صاحب کے خط میں ملفوف ہے، آپ کی نظر سے گزر کر میرے سوزِ سینہ کی عکاسی کرے گی۔ اگر جناب عالی مجھے (اپنی) فرزندی میں قبول نہیں فرماتے تو ایک خریدا ہوا غلام ہی شمار کر لیں اور چار و ناچار ''قبلۂ مہجوراں سلامت'' کی تلافی میں ایسا القاب تحریر فرمائیں کہ اس ننگِ آفرینش کے لیے باعثِ افتخار دستاویز ہو۔

فرد: گر تو مرا نہ خواہی، من خویش را بسوزم
جایے کہ آب نبود، روزے کہ باد باشد

ترجمہ اگر تو مجھے نہیں چاہے گا تو میں اپنے آپ کو جلا ڈالوں گا، کسی ایسی جگہ پر جہاں پانی نہ ہو، کسی ایسے دن (کہ صرف) ہوا ہو۔

اُس خط میں بھی میں نے اپنا مختصر حال .... (قیاسی: لکھ دیا ہے)۔ اس عرصے میں کچھ تو روپے کے زور سے اور کچھ سعی و تدبیر سے میں نے فرمان دہ دہلی کی رپورٹ کی نقل ضمیمہ حکم کے ساتھ .... حاصل کر لی ہے۔ جس کو اس خط سے منسلک کر کے آپ کی خدمت عالی میں بھیج رہا ہوں۔ چونکہ اس مکتوب کی تحریریں .... پانی سے دھو دینے یا آگ میں ڈال دینے کے ہم معنی

سمجھی جائیں۔ وکیل کا مکتوب دہلی سے ابھی تک نہیں پہنچا کہ کوئی تازہ خبر......... لیکن (مذکورہ) صحیفے سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ وکیل کے مکتوب کی تاخیر نہ (تو) خوش خبری دینے والی ہے، نہ (ہی) ڈرانے والی۔ ایک ہفتہ ہو گیا کہ......... سے اور ہنڈوی اکبر آباد سے پہنچی ہے۔ جب حاصل کر لی تو پتہ چلا چار سو پچھتر روپے کی تھی۔ رقم وصول ہو گئی اور جواب میں نے اکبر آباد بھجوا دیا۔ مدز مان حضرت قبلہ گاہی کی عطا سے ابھی کچھ (رقم) باقی ہے اور کاروانِ کونسل کے کوچ سے پہلے اپنی کامیابی کے لیے امیدوار......... (قیاسی: ہوں) بندگانِ خداوندِ نعمت، میری طرف سے اپنی خاطر جمع رکھیں کہ (میری) حالتِ اضطرار ایسی نہیں کہ مجبوراً......... (قیاسی قرض لینے پر) اصرار......... کروں اور نواب کی بزم کے اراکین کے سامنے بھیک مانگنے کو ہاتھ پھیلاؤں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ ان لوگوں سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں گے، لیکن اس راز کے پردے کے محرم بہتر سمجھتے ہیں۔

منشی عاشق علی خان پہلی ذی الحجہ کو کلکتے سے دریا کے راستے چلے گئے البتہ سمت معلوم نہیں ہو سکی۔ حکیم ظفر علی خان، جو اشرافِ فیض آباد میں سے ہیں، ان کی جگہ عہدۂ سفارت پر مامور ہو کر آئے ہیں۔ مولوی عبدالکریم، جو آٹھ ماہ کی رخصت پر لکھنؤ چلے گئے تھے واپس آ رہے ہیں اور عظیم آباد تک پہنچ گئے ہیں۔ غالباً اس ماہ کے آخر میں کلکتے پہنچ جائیں گے۔ منشی محمد حسن دہلی پہنچ کر اپنے کام پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنے عہدے پر قائم ہیں۔ نواب علی اکبر خان بہادر حکام کی کشاکش سے، جواب سے پہلے تھی، آزاد ہو گئے ہیں تا کہ مسند آرائی......... (نامکمل)، ہگلی بندر میں ہیں اور اکثر و بیشتر آم بھیج کر پرورش کی خوش خبری پہنچایا کرتے ہیں۔ زیادہ حدِ ادب!

عرض داشت اسد اللہ

خط۔۳۱

۲۳

فرد: قبلہ خوانم، یا پیمبر، یا خدا، یا کعبہ اَت
اصطلاحِ شوق بسیار است و من دیوانہ ام

ترجمہ: میں تجھے قبلہ کہوں، یا پیمبر، یا خدا، یا کعبہ، (کیا کہوں) شوق کی اصطلاحیں بہت ہیں اور میں دیوانہ ہوں۔

حضرتِ قبلہ گاہی، ولی نعمی مدظلہ العالی!

.... (قیاسی: عبادت) جلوۂ خورشید ذرّے پر فرض ہوئی اور دریا کے آداب کی رعایت قطرے پر واجب (آئی)۔ ذرّے نے خود کو نورِ خورشید سے موجود......... (قیاسی: سمجھ کر) حیرت کی عکاسی کی اور احسان شناسی کی گیند میدان سے لے گیا۔ قطرے نے جب سمندر کے دبدبے کو سمجھ لیا تو سراسیمہ ہو کر اپنے وجود کو گم کر بیٹھا اور دماغ .... پہنچایا۔ میں بھی چونکہ اہلِ فن کے شیوۂ ذوق سے واقف ہوں، مراتبِ عبودیت کے اظہار میں "کم خویش" گرفتم......... مدّعا رفتم (نامکمل)۔ ربوبیت نامہ پہنچا۔ بہا ہوا پانی نہر میں اور اڑا ہوا رنگ چہرے پر واپس لے آیا۔ میں وکیل اور......... (قیاسی: مقدمے کی ساعت) کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن ادب نے تقاضے کی عنان پکڑ لی اور تسلیم نے ہرزہ نویسی سے روک دیا......... قیاسی ایک شعر) اپنی

غزلوں میں سے، جو تمنائے شوقِ نظر کی آئینہ داری کرتا ہے، پیش کرتا ہوں اور آگے بڑھتا ہوں۔

فرد: خرسندیٔ غالبؔ نہ بود زیں ہمہ گفتن

یکبار بفرمایے کہ اے ہیچ کسِ ما

ترجمہ: (غالبؔ اس لفاظی سے خوش نہیں ہوتا۔ بس ایک بار یہ کہہ کر پکار، کہ اے ہمارے بے حیثیت (شخص)!

برادرم مکرمی و مخدومی حضرت مولوی ولایت حسن صاحب کے نام کا خط مکتوب الیہ کی خدمت رفعات درجات میں........ پہنچ دیا گیا، لیکن ملازمانِ نواب صاحب کے نام کا خط بدستور میرے پاس ہے۔ چونکہ نامۂ مبارک کے پہنچنے سے........ ... دو روز قبل ہی راقم کی سرفرازی کے لیے پہنچا تھا۔ اس کی ہر سطر کی رگ سے اس نغمے کے ساز کا ابریشم (نکل رہا تھا) کہ نواب صاحب قبلہ محرم کے عشرے کے بعد کلکتے تشریف لائیں گے۔ چونکہ آج نویں محرم ہے، غالباً اِسی ہفتے میں مجھے پابوسی جناب ممدوح.......... کی سعادت ملے اور گرامی نامہ میرے اعتبار کی بلندی کی سند قرار پائے۔

اس شہر کا احوال، کہ میں جس کے خاک نشینوں میں ہوں، اس طرح ہے کہ کونسل کا کوچ بہ سُوے... (قیاسی: دہلی) معمولۂ مختلف.......... (نامکمل)، (قیاسی: مختلف لوگوں کے مطابق مختلف تاریخوں میں ہے۔) لیکن اختلاف مدت میں ہے، حرکت میں نہیں۔ مخدومی واجب التعظیم جناب مولوی عبدالکریم صاحب سفر سے واپس آ گئے ہیں اور اپنے دفتر کی ترتیب میں مصروف ہیں اور چونکہ انہوں نے میرے عجز و انکسار کا مزہ پالیا ہے اور (ساتھ ہی) میرے مقصد کی قسمت میں انہیں آئندہ روشنی نظر آئی ہے، انہوں نے میرے ساتھ حجاب و تکلف کا پردہ اٹھا دیا ہے۔ برادرم مخدومی مطاعی حضرت مولوی ولایت حسن صاحب ایک روز فرماتے تھے کہ "میں عشرۂ محرم کے بعد دورے پر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

بظاہر نئے قوانین کے فتنے کے آشکار ہونے میں وقت لگے گا۔ وہ صدر نشین، جو اس وقت حاکمِ عہد ہے، نہ معلوم کن مسائل سے دوچار ہے اور آئندہ کیا کرنے والا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ اس کے ہم نشین بھی اس کی مکاری سے عاجز آ کر اس کی مخالفت میں یکجا ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سرزد ہوا ہے۔ چونکہ بے مزہ نہیں ہے، اس لیے تحریر کر رہا ہوں۔ کہتے ہیں کہ چغل خوروں نے کونسل کے اربابِ دانش تک یہ بات پہنچائی کہ اطراف و جوانب کے حاکم نذر کے طور پر مروارید منگواتے ہیں اور تحفے (کے لین دین میں) جو رشوت ہی کی ایک صورت ہے، ہزاروں اور لاکھوں اِدھر اُدھر سے لیتے ہیں۔ چنانچہ حکم ہوا اور ہر علاقے اور بستی میں اعلان کر دیا گیا کہ رسم نذر و پیش کش باطل قرار دی جاتی ہے اور بطور تحفۂ لائی ہوئی چیز، چاہے کلیتاً پھلوں کی ٹوکری اور مصری کا ایک طبق ہی کیوں نہ ہو۔ موقوف و ممنوع کی جاتی ہے۔ عقل سلیم جانتی ہے کہ اس طرح خوف زدہ کر کے حکام کو رشوت ستانی سے روکا نہیں جا سکتا۔ اس قضیے کو بچوں کے کھیل سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس قوم کے بلند ہمت لوگ اور اس قبیل کے خود پسند افراد، جو اپنی بلند ہمتی کے زور پر عام مخلوق سے سوائے تواضع کے اور کچھ نہیں چاہتے تھے اور خود پسندی کی بنا پر اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز تصور کرتے تھے، اس حکم کی تلخی سے سخت برہم ہو کر متحد ہو گئے ہیں اور فدوی کی رائے میں یہ درست بھی ہے، چونکہ اس حکم سے رعایا کے درد کا مداوا تو ہو نہیں سکتا، البتہ حکام کے دلوں میں ایک ہیبت بیٹھ گئی ہے۔

مختصر یہ کہ جب کارفرما چلا گیا، نذر کی رسم ختم ہوگئی۔ جس طرح اس بارگاہ میں سارے وکلا اور سارے اہلِ بار سال میں تین بار، کہ دو عیدوں اور ایک بڑے دن سے عبارت ہیں........ منصف مسٹر اینڈریو اسٹرلنگ بہادر کی خدمت میں نذر پیش کیا کرتے تھے، جو اگرچہ قبول نہ کی جاتی تھی لیکن ایک عمدہ رسم اور اچھی........ عمل میں نہ آئی (نامکمل)۔ غالبؔ آشفتہ نوا نے جب کام کا یہ ڈھنگ دیکھا تو ایک رباعی کہہ کر منصف مذکور کی خدمت میں گزرانی........ محبت کا شہد لپٹا ہوا تھا اور ممدوح کے مذاق کا یہی شیوہ ہے۔ کیا بتاؤں کہ اس کی فطرت میں شگفتگی کے کیسے (لطیف ریشے........ قیاسی: پنہاں) تھے کہ........ قیاسی. رباعی نے) اس کی پیشانی کو چاند کی طرح تاباں کر دیا۔ ہونٹوں پر تبسم (لاکر) آنکھوں میں محبت (بھر کر) اور زبان کو ستائش سے تر کر کے اس نے کہا کہ ''زہے نذرِ مخلصانِ صادق........ نہ منع ہی کر سکتے ہیں اور نہ ہی معاف'' اور وہ رباعی یہ ہے:

رباعی

سر تا سرِ دہر باغ و بستانِ تو باد
صد رنگ گلِ طرب بہ دامانِ تو باد
عید است و بہارِ خوش دلی ہا دارد
جانِ من و صد چو من بہ قربانِ تو باد

ترجمہ: سارا زمانہ تیرا باغ و بستان بن جائے۔ تیرے دامن میں طرب کے سینکڑوں رنگ کے پھول ہوں۔ عید ہے اور اس میں خوش دلی کی بہاریں ہیں۔ میری اور مجھ جیسے سینکڑوں کی جانیں تجھ پر سے نچھاور ہو جائیں۔

تظلمی کا احوال کہ میری جان و دل اس میں رہن ہیں........ اس کا تقاضا ہے (نامکمل)۔ قوی امید ہے کہ عرض داشت کا مقصد روزِ عید کی تحریر سے ضمیرِ منیر پر واضح ہو گیا ہوگا۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ........ سراسر نرم مزاج سائل ہے اور مضمون........ اور اس کے ساتھ فی الوقت مراتبِ دادخواہی کے اظہار میں سوائے خواجہ حاجی کی کیفیتِ استحقاق کے تعین کے اور متعلقینِ نصر اللہ بیگ خان کی مقدار بازیافت کی تحقیق کے........ (قیاسی: مقدمے میں طے کرنے کے لیے) کوئی دوسرا عقدہ نہیں ہے۔ نہ معلوم کیا پیش آیا کہ دہلی کے حاکم نے ابھی تک مقدمے کی طرف توجہ نہ کی واضح رہے کہ........ (قیاسی. حاکمِ دہلی کا) وہ حکم، جس کی نقل حرف بہ حرف میں جناب والا کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں ماہ اپریل کے وسط میں دہلی کی جانب نفاذ پذیر ہوا۔ میری فکر کے مطابق اپریل کے آخر میں دہلی پہنچا ہوگا۔ آج تک کہ وسطِ جولائی ہے اُس ساز سے کوئی آواز نہیں اُبھری........ جو کچھ وکیل کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے ذی الحجہ کی ساتویں تک، کہ جون کی دس تاریخ تھی، حاکم نے کوئی استفسار نہیں کیا۔ نہ معلوم اس ماہ کے عرصے میں........ ذی الحجہ سے محرم کی آٹھویں تک گزر گئی، کوئی تحقیق ہوئی یا ابھی تک منصف خواب میں اور دادخواہ اضطراب میں ہے۔ اگرچہ مجھے اس تہی دستی سے یک گونہ بے خطری حاصل ہے اور اس جگہ کی آب و ہوا بھی مجھے آب و ہوائے وطن کے مقابلے میں زیادہ راس ہے، لیکن فرمان دہ دہلی کی رپورٹ اور صدر دفتر کے احکامات کا نمونہ (مزید) قیام کا مقتضی نہیں۔

امید کرتا ہوں کہ حضرت قبلہ گاہی منشی محمد حسن صاحب کو ایک خط لکھیں گے اور ان سے دوبارہ پوچھیں گے کہ کیا وجہ ہے، کہ باوجود اس کے کہ ریزیڈنٹ بہادر نے اپنے خط میں اسد اللہ کو صدر دفتر کے حکم کا امیدوار بنایا تھا اور صدر کا حکم ہر صورت سے سائل کی

مرضی کے مطابق صادر ہوا تھا اور اس کو بھی تین ماہ گزر گئے، رکاوٹ کس جگہ ہے اور تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ قبلہ گاہا! آپ کو اس خبر کے پہنچانے سے فدوی کا مدعا یہ ہے کہ اگر میں جان لوں کہ میرا وکیل لااُبالی ہے تو اس کی کارفرمائی کے لیے......... (قیاسی: اس شخص کو لکھوں، جس کے ذریعے اس کو وکیل مقرر کیا گیا ہے) اور جو میرے لیے اور میرے کام کے لیے میری طرح (ہے) اور اس کو آگاہ کروں تاکہ وہ وکیل کو جنبشِ ابرو اور گردشِ چشم سے آمادہ بہ عمل کرے اور اگر حاکم ہی فی الوقت لیت و لعل کر رہا ہے تو اس کے سامنے شکایت لے جا کر........ (قیاسی: طلبِ انصاف) صدر سے کی جائے۔ چونکہ انتظار کی مدت جو تین ماہ تک پہنچ چکی ہے، اب گزر چکی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ روزِ ورودِ عرض داشت........ (قیاسی: آپ منشی محمد حسن کو خط) بھیج دیں گے۔

خط کے آخر میں ایک سطر کہ جناب نواب مستغنی عن الالقاب کے ملازموں کی غمخواری کا انداز رکھتی تھی۔ .... ان کی زبان سے میرے حال کی مظہر ہے اور میری عرضداشتوں کے پہنچنے کی خبر دینے والا ایک رقعہ، ایسی عبارت کے ساتھ کہ جس کو اہلِ تحریر کے محاورے میں شوقیہ......... ارسال کیا ہے۔ چونکہ اس میں مطلب کا کوئی نقش نہ تھا.......... میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے جواب دے دیا ہے۔ اللہ بس، باقی ہوس!

اُس امام باڑے کی، جو جنابِ مستطاب حضرت اقضی القضات علیہ الرحمت والغفران کے مزارِ کثیر الانوار کے قریب ہے، بنیاد رکھنے کی تاریخ........ (قیاسی: میں نے کہہ لی ہے)

قطعہ

چوں شد بہ صحنِ مدفنِ خانِ بزرگوار
طرحِ امام باڑۂ عالی سپہر سا

ترجمہ: جب صحنِ مدفن خان بزرگوار میں آسمان جیسے بلند امام باڑے کی بنیاد رکھی گئی۔

رضوان زخلد نور، بر آں بام و در فشاند
تا گشت خشت و سنگ چو آئینہ رُونما

ترجمہ: رضوان نے جنت سے اس کے بام و در پر نور چھڑکا، یہاں تک کہ اُس کے سنگ و خشت آئینے کی طرح رُونما ہو گئے۔

رحمت پئے بساطِ در آں بزمِ تعزیت
آورد اطلسِ سیہ از سایۂ ہما

ترجمہ: رحمت اُس بزمِ تعزیت میں بساط کے لیے سایۂ ہما کی سیاہ اطلس لائی۔

رفتم نیاز مند بہ پیشِ سروشِ فیض
گفتم کہ پردہ از رُخِ تاریخ برکشا

ترجمہ: میں نیازمند سروشِ فیض کے سامنے گیا اور میں نے کہا کہ تاریخ کے چہرے سے پردہ ہٹا دے۔

در "تعزیت سرائے" بزد "نالہ" و بگفت

۸۶ ۱۱۵۸

ایں است سازِ نغمۂ تاریخ ایں بنا

ترجمہ: نالہ نے "تعزیت سرائے" کے دَر پر دستک دی اور کہا، اس بنیاد کے نغمۂ تاریخ کا ساز یہ ہے۔

جب لفظ ("نالہ" کے اعداد) "تعزیت سرائے" کے اعداد (پر) بڑھائے جائیں تو ۱۲۴۴ ہو جائیں گے۔ (۱)

اُس مسجد کی تاریخ کا قطعہ کہ وہ بھی اسی امام باڑے کے صحن میں ہے۔

قطعہ

صحنِ امام باڑہ و مسجد ہر آں کہ دید

در کربلا زیارتِ بیت الحرام کرد

ترجمہ: جس شخص نے بھی امام باڑے کے صحن اور مسجد کو دیکھا (گویا) اُس نے کربلا میں بیت الحرام کی زیارت کر لی۔

مفتیٔ عقل از پئے تاریخ آں بنا

ایما بہ سوئے من ز رہِ احترام کرد

ترجمہ: اس عمارت کی تاریخ کے لیے مفتیٔ عقل نے احترام کے ساتھ میری طرف اشارہ کیا۔

گفتم بوے بدیہہ، "خوشا خانۂ خدا"

شد خشمگیں دمے کہ نظر در کلام کرد

ترجمہ: میں نے جب فی البدیہہ "خوشا خانۂ خدا" کہا تو وہ میرے کلام پر نظر ڈال کر ذرا (سی) دیر کے لیے ناراض ہو گیا۔

خاشاک رُفت و پایے ادب در شکنجہ ریخت

ایہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد

ترجمہ: اس نے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا اور پائے ادب کو شکنجے میں ڈال دیا۔ ایہام کو خارج کر کے معنی پورے کر دیے۔

جب "خوشا خانۂ خدا" کے اعداد سے لفظ "خاشاک" کے عدد نکال دیں تو ۲۴۶ نکلتے ہیں اور جب دو عدد "ادب" کی "ب" کے، کہ "ریختنِ پائے ادب" سے اس کا اشارہ ملتا ہے، (نکال دیں تو ۲۴۴ رہ جاتے ہیں، اور یہی (عدد) چاہیے تھا۔ عزیزوں کو واجبات پہنچیں۔

(معروضہ نویں محرم، ہفتے کے دن)

۱۔ یہاں جو عبارت ہے (چون عدد لفظ "تعزیت سرائی" بفزایند ۱۲۴۴ می شود) اس سے بات الجھ جاتی ہے اور مطلوبہ عدد حاصل نہیں ہوتا، یہ ۱۲۴۴ کا معمہ ہوتا ہے۔ غالباً اصل عبارت یوں ہوگی: چون عددِ لفظ "نالہ" بر عددِ لفظ "تعزیت سرائی" بفزایند ۱۲۴۴ می شود۔ چونکہ "تعزیت سرائی" کے اعداد ۱۱۵۸ پر جب "نالہ" کے اعداد ۸۶ بڑھائے جائیں تو حاصل جمع ۱۲۴۴ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط ۔ ۳۲

۲۴

قبلہ گاہا!

بہت سے فتنے، جنہوں نے کمین گاہ سے سر نکالا تھا اور بہت سی عقدے، جو کام میں پڑ گئے (تھے) "میں نے اپنے رب کو اپنے عزائم کی شکست سے پہچانا" کے مصداق خرد روشن سے کھل گئے(۱)۔ لیکن میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ میں کس قدر احسان مند بازی بخت... ...... می آید (نامکمل)۔ طبع ہوس پیشہ کے لیے یہ مکروہ ہے،(۲) دریا اپنی فطرت میں ایک موج رکھتا ہے، مگر تنکا یہ سمجھتا ہے کہ .... (نامکمل)۔ یہ واقعہ تفصیل طلب ہے، لیکن راقم اس میں طرزِ اختصار کو ملحوظ رکھے گا۔ دہلی سے ایک خط اس بے حیثیت کے لیے آیا ہے۔ منصف نے جو فرمایا ہے، میں نے جناب قبلہ گاہی کو اس کی اطلاع دی ہے۔ اور اس کے بعد نقل ... آخری طریقے سے حاصل ہو گئی۔ میں اس انتظار میں تھا کہ ثانوی رپورٹ دہلی سے آنے ہی والی ہے اور خدا کی قسم، انتظار.. .... لیکن خلافِ مقصود بات ہوئی اور رپورٹ آج تک نہ پہنچی، اور وطن کے معززین کی تحریر سے معلوم ہوا کہ . کہ سات ذی الحجہ کے مطابق تھی، کوئی باز پرس درمیان نہیں آئی۔ میرا حال بُرا ہو گیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ یہ ظاہر ہوا کہ نہ حاکم. .. .. (قید سی نے سستی) کی ہے اور نہ ہی مدعی کے وکیل سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے اور نہ ہی حکمِ سرکار، توقف کا مقتضی تھا بلکہ نظر بہ حال........ رسیدہ (نامکمل)۔ اس کے دشمنوں نے اس پر چند تہمتیں لگائی ہیں، اور اس لیے وہ فی الوقت اپنی خدماتِ مفوضہ انجام نہیں دے رہا اور جب تک ان الزامات کی تحقیق مکمل نہیں ہو جاتی، یہی حال رہے گا اور اگر (تحقیقات کے نتیجے میں) بے گناہ و پاک نکلا، تو اپنے عہدے پر بحال ہو جائے گا ورنہ اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی آ جائے گا، اور آج تک یہ معاملہ طے نہیں ہوا ہے۔

اگست کی پہلی تاریخ کو ہفتے کے دن لارڈ صاحب نے دربارِ عام کیا۔ سلام کرنے والوں کو دعوت دی۔ سب ہم مرتبہ لوگ گئے۔ میں بھی گیا، اور دسویں نمبر پر نواب اکبر علی خان کے بعد دستور کے مطابق بیٹھا۔ یہ ملاقات وداعی تھی، یعنی اس سے متصل ہی نواب معلی القاب کی ہندوستان کی جانب حرکت کی خبر پھیل گئی۔ ستمبر کے مہینے میں، کہ اس کے شروع ہونے میں سترہ، اٹھارہ دن باقی ہیں، دفتر بھی دریا کے راستے روانہ ہو جائے گا اور اکتوبر کے آخر میں لارڈ صاحب بھی ڈاک کے ذریعے، یا دخانی جہاز سے، کوچ کر جائیں گے۔ واضح رہے کہ دخانی جہاز اس جماعت کی ایجاد ہے، یہ تیز رفتار ہے۔ چنانچہ اکثر (دیکھا گیا ہے) کہ دخانی جہاز کلکتے سے الہ آباد دو ہفتے میں پہنچے ہیں۔ غرضیکہ ان حالات میں میں نے یہ سوچا کہ دو تین ماہ میں دہلی سے رپورٹ کے پہنچنے کی امید نہیں کرنی چاہیے۔ مجھے کلکتے

۱۔ حضرت علیؓ کے قول کی طرف اشارہ ہے "عرفت ربّی بفسخ العزائم" یعنی "میں نے اپنے رب کو اپنے عزائم کی شکست سے پہچانا" (مترجم و مرتب)

۲۔ یہ مرزا بیدلؔ کے شعر کا ترجمہ ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

دریا بہ وجودِ خویش موجے دارد　　　خس پندارد کہ ایں کشا کش با اوست

(مترجم و مرتب)

میں بیٹھا رہنا نہیں چاہیے، بلکہ اس قافلے سے پہلے کوچ کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ منصف کی مرضی ... ... تھی۔ بہرحال میں منصف سے ودح ہوا۔ کشتی مہیا کی ورساحلِ باندہ تک پہنچانے کا طے کیا۔ میں نے چاہا ہے.... پہنچ جاؤں اور وہاں سے، بٹی تک خشکی کے رستے جاؤں۔ قصہ مختصر، کل، کہ ہفتے کا دن، صفر کی چودھویں اور اگست کی پندرہ تاریخ ہے.. ... (قیاس اپنی کشتی) پکڑوں گا اور روانہ ہو جاؤں گا۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی رکاوٹ پیش آئی (تو) تو، ریا پیر کو بھی روانگی... ..... (قیاس ہوسکتی ہے، لیکن اس سے زیدہ) تاخیر منظور نہیں۔ چنانچہ آج، کہ جمعہ کا دن ہے، میرے سفر کا کچھ سامان کشتی میں پہنچ چکا ہے......... اور بس!

حضرت نواب علی اکبر خان بہادر نے ایک خط، بطور جناب عالی کے والا نامے کے جواب کے، دیا ہے لیکن اس کا پتا از حرف . ... . (نامکمل) چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ یہ خط دوسرے خط کے ساتھ جائے گا، انہوں نے پتے کی تقصیر کو مخلِ مطلب نہ سمجھا......... باقی ہے (نامکمل) دو ماہ میں باندے پہنچ جاؤں گا اور اپنی جان جناب عالی کی خاک پا پر نچھاور کردوں گا۔ اگر عنایت نامہ ان دنوں میں رسال کردیا گیا ہے، یا میرے عریضے کے وارد ہونے سے پہلے سپردِ ڈاک ہوگا، لامحالہ ڈاک کے قوعد کے مطابق واپس آپ کی خدمت میں پہنچ جائیگا. .... . (قیاس میرے اس) خط کے پہنچنے کے بعد (براہِ مہربانی) مجھے مزید کوئی خط نہ لکھیے گا۔ عزیزوں کو واجبات پہنچیں۔

مزید یہ کہ اگر میری غیر موجودگی میں کوئی خط میرے نام کا، یا جناب کے ملازموں کے نام کا، دہلی یا کلکتے سے جناب کی خدمت میں پہنچے تو اس کو پڑھنے کے بعد اپنے پاس محفوظ رکھ لیجئے گا کہ مجھ بے قرار کی یہی تجویز ہے۔ واضح رہے کہ دہلی سے جو خط آئے گا وہ برادرم مولوی محمد فضلِ حق صاحب کا ہوگا اور کلکتے کا خط مخدومی مولوی سراج الدین احمد کی طرف سے (ہوگا) جو مولوی عبدالکریم کے بھتیجے ہیں اور وہ دفتر خانہ فارسی کے اراکین و معززین میں بھی شامل ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے ان بزرگ سے یہ درخواست کی ہے کہ اگر کوئی نئی بات ہو تو ایک خط چاہے میرے نام پر، ورچاہے مولوی صاحب قبلہ کے ملازموں کے نام پر لکھ کر باندے بھیج دیا جائے۔ اور اسی طرح کی ایک گزارش مولوی فضل صاحب کی خدمت میں بھی تحریر کی ہے۔ مقصود (ست) یہ ہے کہ جب میں باندے پہنچوں تو مجھے دونوں جگہوں کے حالات، انتظار کی تکلیف کے بغیر، معلوم ہو جائیں۔ (یہ ساری باتیں میں نے) آپ کو اطلاع دینے کی خاطر لکھ دی ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ اگر ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کا خط بھی آپ کو ملے تو اس کا جواب کاتب کو ضرور لکھیں گے کہ میں نے ان دونوں حضرات کو، ایک کو تقریر سے اور دوسرے کو تحریر سے، آپ کی ملاقات کا آرزومند اور آپ کی محبت کا شناسا بنا دیا ہے۔

خط۔۳۳

۲۵

مربیِ بےکساں، (خدا آپ کو) سلامت (رکھے!)

تسلیم کے بعد عرض ہے کہ آدمی کا نہ ملنا غالب کی بےکسی کی مقتضیات میں سے ہے۔ جناب عالی اس سلسلے میں زحمت نہ فرمائیں۔ بالجملہ وہ شی، جو میرے سامان میں ہیں، ممکن ہے، چور کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔ اس حیثیت سے میں کشتی میں ہم سفروں

سے خوش اور رہ زنوں سے محفوظ ہوں۔فکر صرف بار برداری کی ہے اور بس! چونکہ نواب صاحب والا مناقب بھی مسافرت میں. ... . . پڑ گئے ہیں۔خواہ سمت مخالف ہی کیوں نہ ہو،ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر بار برداری کی مدد اور اعانت .. .. بنانا ہے (نامکمل)۔میری خواہش یہ ہے کہ راقم کے خواجہ تاشوں میں سے کوئی شخص، یعنی آپ کے در دولت کے ملازموں میں سے کوئی ملازم، چبوترے کوتوالی جا کر شحنۂ شہر سے جو مجھ سے نا آشنا ہے، جناب......... کی جانب سے.......... کہ اگر بنارس تک طے ہو تو بہتر ہے، ورنہ الہ آباد تک کا حکم دے دے۔ چونکہ میں نے اپنے آپ کو تیار کر لیا ہے کہ اگر........ ...(نامکمل)۔کل صبح سفر شروع کیا جائے۔ چونکہ مشہور ہے کہ جمعرات کے دن سفر مبارک ہوتا ہے، ورنہ کل اپنے سامان میں سے کچھ سامان.... آپ کے دولت خانے بھیج کر جمعے کی صبح آپ کی قدم بوسی کے بعد سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔ مکاتبات.... جو آج عنایت ہوگی، بے کار درخواست ہے۔''تاریخِ بدایونی'' کا ایک نسخہ اور رسالۂ تصوف بھیج رہا ہوں۔سوائے نیاز مندی کے زیادہ...(قیاسی:اور کیا عرض کروں!)

محمد اسد اللہ

خط۔۳۴

۲۶

حضرت قبلہ گاہی،مدظلہ العالی!

کلکتہ بھیجنے کے لیے ایک خط ارسال کر رہا ہوں۔میرے خواجہ تاشوں میں سے کسی کو یہ حکم دیا جائے کہ اس کو ڈاک خانے پہنچا دے اور محصول ادا کر کے رسید لے لے۔قوی امید ہے کہ میرے جذبۂ پابوسی کو پہنچا دیں گے۔زیادہ تسلیم الہ آباد۔ چونکہ میری طاقت اس مرحلے پر تمام ہو چکی۔

خط۔۳۵

۲۷

قبلہ گاہا، بے کساں پناہا!

صبح ہنگامے میں اور آدھا دن قلم گھسانے میں گزر گیا۔افسوس کہ میری آنکھیں اُس کفِ پا کو نہ دیکھ سکیں۔دن کے اختتام پر نواب صاحب کی مسند بوسی کی نوید ہے ورات کو اپنے ساتھ نمکین پانی کے ساتھ کھانے کی دعوت (دی گئی) ہے۔

کل صبح اگر میں اپنے بستر سے زندہ اٹھا تو قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گا۔حسب وعدہ خط بھیج رہا ہوں۔ میں نے اسے نازک پرواز دی ہے۔چونکہ میرا آدمی ڈاک خانے کے قوانین اور ضابطوں سے ناواقف ہے،(اس لیے) امید کرتا ہوں کہ خط کا اچھی طرح معائنہ کر کے،یک آدمی حاملِ مکتوب کے ساتھ مقرر فرما دیں گے جو خط ڈاک خانے تک پہنچا دے اور پورا محصول دلوا دے اور حسبِ قاعدہ رسید بھی لے لے۔زیادہ تسلیم!

اسد اللہ

خط۔۳۶

۲۸

نامہ ہائے فارسی

جوہرِ جانِ گرامی فدائے خاکِ پائے حضرت قبلہ گاہی، ولیٔ نعمی باد، مدظلہ العالی!

کیم جمادی الثانی، بروز اتوار، (جیسے) قیدی زندان میں، بچہ مکتب میں، (اسی طرح) غالب پریشاں حال وطن پہنچ گیا۔ کہیں یہ خیال نہ کیجئے گا کہ میری کوتاہ قلمی کم اراوتی کی وجہ سے ہے، بلکہ میں (درحقیقت) اس فکر میں تھا کہ کسل دور ہونے اور حواس درست ہونے کے بعد حرف وتحریر کی دولت حضرت قبلہ گاہی کے مدِ زمین کی نگاہ کے قدموں پر نچھاور کی جائے۔

سرکارِ عالی! دہلی کی عدالت کا تو یہ حال ہے کہ وہاں لوگوں کا دن بے وفاؤں کی آنکھ سے زیادہ سیاہ ہے، معزول حاکم گوشۂ گمنامی میں معتکف ہے اور موجود حاکم بے پرداوروڈانواڈول ہے۔ نہ اُس (معزول حاکم) کا اختیار باقی ہے اور نہ اس (موجودہ حاکم) کو یقین یا اعتمادِ کامل نصیب ہے۔ وہ (معزول حاکم) اپنے منصب کی بازیابی کا امیدوار ہے اور اس (موجودہ حاکم) کو دولت حال کے زوال کی سرعت سے پریشانی لاحق ہے۔ غرضیکہ جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے وہ خواص کی فکر میں ہے اور عوام کی زبان پر، ورنہ (حقیقت یہ ہے کہ) اس الجھنے کا سرا کسی کو نہیں مل رہا، مختصر یہ...... .... کہ اس گتھی کا حل کسی کے پاس نہیں ہے۔ منصفانِ بالا کی آمد آمد کا شہرہ (البتہ) دل بڑھاتا اور تسلی دیتا تھا (لیکن) اب سننے میں آیا ہے کہ اس قافلے کے ہراول دستے کو، جو بنارس تک پہنچ چکا تھا، واپسی کا حکم ہو گیا ہے۔ سارے لوگ واپس ہو گئے اور پایۂ تخت چلے گئے، اور کوچ.... اگلے سال پر ملتوی ہو گیا۔

میں جب یہاں پہنچا، بے سود ہر سمت دوڑتا پھرا اور (فضول) حاکموں سے ملا۔ ایک قصیدہ فرانسس ہاکنس کی خدمت میں پیش کیا، جو اس کی طبع نکتہ داں کو پسند آیا۔ (اس کے) مصاحبین نے مجھے بتایا کہ اس حاکمِ فریدوں جاہ نے آج تک امرائے دہلی میں سے کسی کی طرف توجہ نہیں دی اور نہ کسی سے میل جول کیا۔ یہ بات خلافِ واقعہ بھی نہیں ہے، کیونکہ پہلی ہی ملاقات میں وہ مجھ سے پورے ایک گھنٹے تک قصیدہ پڑھنے کلکتے کی خبروں کی پوچھ گچھ اور میری نالش کے دائر کرنے کے متعلق بات چیت میں ملتفت رہا۔ مختصر یہ کہ بزعم خویش سخن فہم ہے، کیا (ہی) اچھا ہوتا، اگر تھوڑا (سا) معاملہ فہم اور اداشناس بھی ہوتا۔ نہ معلوم، قسمت میں کیا لکھا ہے۔ اپریل ۱۸۲۹ء میں میرے مقدمے کی رپورٹ دہلی سے مرکزی دفتر گئی اور اُسی ماہ اُس کا جواب بھی آ گیا، لیکن اتفاق سے مرکزی دفتر کے، حکام کا پہنچنا، حاکم کی معزولی کا ہنگامہ اور دفتر کے شیرازے کے اوراق کی پریشانی، یہ سب (واقعات) ایک ہی وقت میں ظہور پذیر ہوئے۔ اس پراگندگی میں میری بدقسمتی نے خاص طور پر اسی صفحے کو، جس پر غالبِ سیاہ روز کی کامیابی کا نقش بنا تھا، بے نام ونشان کر دیا۔ دفتر کے اراکین نے منصف کے حکم پر فائلیں چھان ماریں اور ورق ورق پلٹ ڈالا، لیکن وہ کاغذ نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ دہلی ریزیڈنسی کے سیکرٹری صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ ہم نے اس مقدمے کے بارے میں مرکز کو لکھا ہے اور اس حکم کا مثنیٰ طلب کیا ہے . . .. تاکہ وقت پر کام آ جائے اور کھوئی ہوئی چیز مل جائے۔

یہ ہے غالبؔ شوریدہ بخت کی پریشانیوں کا خلاصہ، جو میں نے اس خط کے دامن میں رگِ خامہ سے تحریر کیا ہے۔ پہلی بجلی جو پہنچنے کے ساتھ ہی میری نظر پر گری، وہ بھائی کی، خدا اسے سلامت رکھے، نشست و برخاست کی روش کا مشاہدہ تھا کہ بیماری کی شدت کے سبب ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا اور اس کے جسم کے خون کا ہر قطرہ سودویت کی انتہا سے نقطۂ سیہ ہو گیا تھا۔ جس حال کو بے عقل لوگ درست خیال کر رہے تھے، ہرگز افاقہ نہیں تھا (بلکہ) وہ بھی فنونِ جنون کا ایک رنگ تھا۔ غرضیکہ جس طرح میں اپنے پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں، میں یہ سوچتا تھا کہ اگر یہ حال زائل ہو جائے، در مرض صحت میں تبدیل ہو جائے (تو) کیسا عجوبہ ہوگا، لیکن اب تو مریض کی حالت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ طبیعت شفا کو قبول نہیں کر رہی، (چنانچہ) میں اپنی آنکھوں کے ذریعے یقین کی اس منزل پر پہنچا ہوں کہ مرزا یوسف تاحیات ہمیشہ بیمار ہی رہے گا، اور بس!

مزید یہ کہ وہ دھواں جو راہ گزر اندیشہ سے اٹھا (ہے) حکام کی بدنظمی کے ہنگامے کی گرما گرمی کا مشاہدہ ہے، جیسا کہ خط میں تحریر کیا گیا۔ افسوس ہے اپنے حال پر کہ قسمت نے مجھے ایران کی خوش گوار آب و ہوا کے شہروں میں نہ پہنچایا۔ ہائے وہ یزد کے آتش کدے.... اور شیراز کے شراب خانے۔ مانے لیتا ہوں کہ میں اس بہارستان میں نہیں پہنچا، (تاہم) جنت ابلادِ بنگالہ کیا کم تھی کہ .... مجھے اس خارزار میں لے آئی.......... اس سرزمین میں جنات میں آرام کیا (نامکمل)۔ للہ، دُرِ قائل۔

رباعی

غالبؔ چوزِ دامگه بدر جَستم من
آخر زچه بوده ایں چنیں برگشتن
باید که کنم ہزار نفریں برخویش
اماّ (به زبانِ) جادهٔ راهِ وطن

ترجمہ غالبؔ جب میں جال سے نکل گیا تھا (تو) اس واپسی کا بھلا کیا سبب۔؟ مجھے چاہیے کہ میں خود پر ہزار نفرین کروں، لیکن جادۂ راہِ وطن کی زبان سے۔

قبلہ گاہا! کثرتِ آشوبِ پریشانی کے سبب چونکہ میں ابھی تک کوئی خط نوابِ ہمایوں القاب اور دوسرے احباب کی خدمت میں نہیں لکھ سکا، (اس لیے) امید کرتا ہوں کہ اس خط کے ورود کو کسی پر ظاہر نہ کریں تاکہ (دوسرے احباب) مجھے شکایت کے شکنجے میں نہ کسیں۔ زیادہ حدِ ادب۔ تمام عزیزوں کو ماوجب پہنچے۔

(معروضہ پندرہ جمادی الثانی ۱۱۴۵ ہجری)

خط۔۳۷

۲۹

حضرتِ قبلہ گاہی، ولیٔ نعمی مدظلہ العالی!

چونکہ آدابِ نیازکی دیگی کے مضامین اور مراسمِ تسلیم کی تقدیم نامہ نگارانِ زمانہ کے کثرتِ استعمال سے کافی فرسودہ ہو چکے ہیں، اور میرا شوق اس معیارِ خدمت پر خوش نہیں ہوتا، بہرحال میں آپ کے سر پر نثار ہوتا ہوں اور اپنی جان آپ کے قدموں کی خاک پر نچھاور کرتا ہوں، (رہے) دوسرے کام، سو وہ آسمان وانجم کے خالق کے ہاتھ میں ہیں وراختیار کی ڈور کا سرا عبودیت کے بیچ میں کھو گیا ہے۔ چار جنوری، پیر کے دن دہلی کے فرماں رو کے مکتوب نے، جو فیروز پور کے جاگیردار کے نام تھا، روانی کے پر کھولے۔ چونکہ مکتوب الیہ اس شہر (یعنی دہلی) میں تھا، خط بے وقت پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ تفتیش کا دروازہ (تو) کھلا۔ منصف کی تحریر کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے، اور وہ یہ ہیں۔

> ''چونکہ محمد اسد اللہ خان کے دعوے کے مقدمے کی تحقیقات کا حکم صدر دفتر سے پہنچا ہے، خان مذکور کی عرضی کی نقل اس خط کے ساتھ منسلک ہوکر قلمِ محبت رقم کے سپرد کی جاتی ہے، تاکہ اس کے مضمون کے معنی کو سمجھ کر اس کا مفصل جواب دیا جائے۔ فقط۔''

بے شک تا حال صدر دفتر کے احکام کے اجرا پر ریزیڈنسی سے کوئی عمل نہیں ہوا، تاہم حاکم دہلی اس جھگڑے میں (بطورِ خاص) کسی کے کام کی پائیداری اور درستی کا مجاز نہیں، اور نہ ہی مدعاعلیہ کے لیے رعایت (رکھتا ہے) کہ اس فریدون کی سی شان وشوکت رکھنے والے حاکم کی فطرت میں کسی کی جانب داری یا مخالفت پائی ہی نہیں جاتی۔

اور حسنِ اتفاق یہ ہے کہ دفتر کے کارکنوں میں سے بھی کوئی میرا شناسا نہیں۔ دفتر خانے کی بنارس سے واپسی کا احوال اور اس منصف اعلا کے، جو میرا شناسا ہے، قرعۂ عزمِ روانگی کا آئندہ سال پر جا پڑنا، مجھ جیسے انسان کے لیے اس کا اظہار ضروری نہیں ہے۔ غرضیکہ جنابِ ولی نعمی کے خط کے نہ پہنچنے سے میرا غم حد سے سوا ہو گیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ ان دو تین دنوں میں آں جناب کی طرف سے پروانۂ بحالی پہنچ جائے گا اور مجھے اس کش مکش سے نجات دلا دے گا۔

وہ قصیدہ، جو جنابِ ناظم الملک مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر ہیبت جنگ کے خدام کی مدح میں اس نوکِ قلم سے تصنیف کیا گیا ہے، تحریر کیا جاتا ہے:

یافت آئینۂ بخت تو ز دولت پرداز
جلوہ ہا ساز کن اے دہلی و برخویش بناز!

ترجمہ   تیری قسمت کے آئینے کو اقبال سے آرائش ملی ہے۔ اے دہلی اپنے جلوے کو روشن کر اور اپنے اوپر فخر کر۔

گل بر افشاں بہ گریباں چو حریفِ سرمست
جلوہ گر شو بہ نظر ہمچو عروسِ طناز

ترجمہ: ایک رندِ سرمست کی طرح گلے میں پھول ڈال اور ایک عروسِ طناز کی طرح نظر کے سامنے جلوہ گر ہو۔

وقت آنست کہ پائیزِ تو گردد نوروز
وقت آنست کز انجامِ تو بالد آغاز

ترجمہ: اب وہ وقت ہے کہ تیری خزاں نوروز میں بدل جائے۔ اب وہ وقت ہے کہ آغاز تیرے انجام سے پھوٹے۔

جوشِ آہنگِ ہزار است ترا بانگِ سرود
موجِ نیرنگِ بہار است ترا رشتۂ ساز

ترجمہ: تیرے لیے سرود کی آواز جوشِ آہنگِ ہزار کی مثال ہے، (اسی طرح) تیرے لیے رشتۂ ساز موجِ نیرنگِ بہار کے مصداق ہے۔

سیر گاہیست در اطرافِ تو، گوئی کشمیر
روستائی ست ز اقصایِ تو، گوئی شیراز

ترجمہ: کشمیر تو گویا تیرے مضافات کی یک سیرگاہ کی طرح ہے اور شیراز تیرے دور افتادہ علاقوں کا ایک گاؤں ہے۔

گردِ سر گردہ است آں بقعہ کہ گردِ رہ تُست [1]
خاطر آویز تر از طرۂ مشکینِ ایاز

ترجمہ: اے (ممدوح کی) جائے قرار میں تیرے قربان ہو جاؤں کہ تیرے رستے کی گرد، ایاز کی زلفِ مشکیں سے زیادہ دل آویز ہے۔

چشم بد دور کہ ہر جادہ بہ صحرائے تو گشت
ہمچو گلدستۂ نقشِ قدم شاہدِ ناز

ترجمہ: چشمِ بد دور کہ تیرے صحرا میں ہر جادہ شاہدِ ناز کے نقشِ قدم کے گلدستے کی صورت ہو گیا ہے۔

فرصتت باد کہ آرائشِ ایوانِ تو شد
داورِ عادلِ ظالم کشِ مظلوم نواز

ترجمہ: (اے دہلی) خدا تجھے سلامت رکھے کہ ایک (ایسا) منصف، جو عادل، ظالم کش اور مظلوم نواز ہے تیرے ایوان کی زینت بن گیا۔

ا۔ کلیاتِ غالب فارسی مرتبہ سید مرتضیٰ حسین لکھنوی۔ جلد دوم صفحہ ۱۲۰ پر یہ مصرع اس طرح ہے
گردِ سر گردمت اے بقعہ کہ گردِ رہِ تست۔ ترجمہ بھی اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

.... سرخیالِ چمن کوےِ او[1]

بستہ بر دامنِ نظارہ ز فردوس (طراز)

ترجمہ: .... جس کے کوچے کے چمن کے خیال نے دامنِ نظارہ پر جنت سجا دی ہے۔

آں کہ بر خاکِ درش چرخ پئے عرضِ سجود

شب و روز از مہ و خورشید بود ناصیہ ساز

ترجمہ: وہ جس کے دروازے کی خاک پر آسمان تقدیمِ سجدہ کے لیے رات دن چاند اور سورج کے ذریعے پیشانی بن جاتا ہے۔

آں کہ در ہند بہ یُمنِ اثرِ معدلتش

آشیاں ساختہ کنجشك ز سر پنجۂ باز

ترجمہ: وہ کہ ہندوستان میں اس کی انصاف پسندی کی برکت سے چڑیا نے باز کے پنجے سے اپنا گھونسلا بنایا ہے۔

آں کہ باشد بہ رو فیض درِ مکرمتش

چوں درِ آئینہ پیوستہ بہ رُوے ہمہ باز

ترجمہ: وہ کہ فیض رسانی کی خاطر اس کی بخشش کا دروازہ ہمیشہ اور ہر ایک کے لیے درِ آئینہ کی طرح کھلا رہتا ہے۔

بہ سلامش نہ خمیدہ است ز صد جا، گر چرخ

از چہ شد دائرہ بر دائرہ مانندِ پیاز

ترجمہ: اگر آسمان سو جگہ سے اُس کے سلام کے لیے نہیں جھکا تو پیاز کی مانند دائرے پر دائرہ کیوں ہو گیا ہے؟

نمِ یك رشحۂ فیض است کہ تاریخت فرد

در دلش رائے شد و برلبِ عیسیٰ اعجاز

ترجمہ: اُس کے ایک رشحۂ فیض کی نمی ہے کہ جب ٹپکی تو اُس کے دل میں رائے ہو گئی اور عیسیٰ کے لب پر معجزہ۔

استوا یافت زمانش بہ زمیں بسکہ ز عدل

سایہ بر شخص نہ چربید بہ پہنا و دراز

ترجمہ: اس کے عہد میں زمین نے انتہائے عدل سے ایسی برابری حاصل کر لی ہے کہ کسی شخص پر سایہ نہ چوڑائی میں اور نہ (ہی) لمبائی میں غالب ہوا۔

۱۔ چونکہ یہ قصیدہ اصل میں فرانسس ہاکنس ہی کے لیے لکھا گیا تھا اور بعد میں ہاکنس کی غالب کے خلاف رپورٹ کے سبب چارلس متکاف کو پیش کر دیا گیا، شعر میں تبدیلی کر دی گئی ہے، اور پہلے مصرعے کے کچھ الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ صرف باقی ماندہ الفاظ کا ترجمہ ہی پیش کیا گیا ہے۔ کلیاتِ غالب فارسی مرتبہ سید مرتضیٰ حسین لکھنوی جلد دوم صفحہ ۱۲۱ پر یہ شعر اس طرح درج ہے۔

چارلس متکفِ فرخندہ شمائل کہ بہ دہر ——— بستہ بر دامنِ نظارہ ز فردوس جمال (مترجم ومرتب)

سنگ دل گشت ز فیض اثرِ تربیتش
شیشه را نیست به ہنگام شکستن آواز

ترجمہ اس کی تربیت کے اثر کے فیض (کی انتہا) سے (شیشہ) دل ہوگیا، (چنانچہ اب) شیشے کے ٹوٹنے کے وقت آواز نہیں آتی۔

عزمِ وے در روشِ عربده با چرخِ سہیم
راے وے در اثر جلوه به خورشید انباز

ترجمہ اس کا ارادہ جنگ کے معاملے میں آسمان کا شریک ہے اور اس کی راے اثر جلوہ میں سورج کی ساجھی ہے۔

بررخ از تابِ رخش فرِ سعادت پیدا
در ره از گردِ رہش خیلِ ہما در پرواز

ترجمہ چہرے پر، اس کے چہرے کی تاب ناکی سے، سعادت کی شان آشکارا ہے (اور) اس کے راستے کی گرد سے راستے میں (گویا) ہماؤں کی ڈار اڑ رہی ہے۔

اے که برنامۂ نامِ توز دیوانِ قضا
بسته اند از اثرِ دولتِ جاوید طراز

ترجمہ اے وہ ذات، کہ تیرے نام کے خط پر دیوانِ قضا سے دولت جاوید کے اثر کے نقش ونگار بنائے گئے ہیں۔

ایں رقم ہا که فرو ریخته ام از رگِ کلک
باشد آرائشِ تقریب پئے عرضِ نیاز

ترجمہ یہ ساری تحریر، جو میں نے نوکِ قلم سے لکھی ہے، کیا (ہی) اچھا ہو اگر عرضِ نیاز کی تقریب کی زینت بن جائے۔

ورنه اندازۂ ہر بے سر و پائے نه بود
که به اندازِ ثنائے تو نماید تگ و تاز

ترجمہ ورنہ ہر بے سروپا آدمی میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ تیری تعریف کے اظہار میں تگ ودو کرے۔

بنده ام لیک دریں مرحله مہمانِ توام
کرده ام طے به امیدِ تو ره دور و دراز

ترجمہ (یوں تو) میں ایک غلام ہوں، تاہم اس مرحلے پر میں تیرا مہمان ہوں، تیری (ہی) امید پر میں نے دور دراز کا (یہ) راستہ طے کیا ہے۔

گر نه آوازۂ عدلت شدے آہنگِ حدی
ناقۂ من ز رہِ سعی نه گردیدے باز

ترجمہ اگر تیرے عدل کی شہرت حُدی کی آواز نہ بن جاتی تو میرا ناقہ سعی کے راستے سے واپس نہ ہوتا۔

نالۂ زارِ من از شدتِ جورِ شرکاست
نه ز دیوانگی و خیرگی و شوخی و آز

ترجمہ میرا نالۂ زار شرکا کے ظلم کی شدت کی وجہ سے ہے، (یہ) دیوانگی، حماقت، شوخی اور حرص کی وجہ سے نہیں۔

بر رخِ من درِ رزقیے کہ کشاید داور
حیف باشد کہ کند خصمِ بداندیش فراز

ترجمہ اُس درِ رزق کو، جوداور میرے اوپر کھولتا ہے، افسوس کی بات ہے اگر بداندیش دشمن بند کردے۔

بست سال است کہ بایك دگر آویختہ ایم
من و غاصب چو سرِ رشتۂ شمع و دمِ گاز

ترجمہ بیس سال سے میں اور غاصب ایک دوسرے سے (یوں) دست وگریباں ہیں جس طرح شمع کی بتی اور قینچی۔

او ز خونخوارگیٔ خویش در انداز غضب
من ز بیچارگیٔ خویش در آدابِ نیاز

ترجمہ وہ اپنی خونخواری کی وجہ سے غضب ناک ہے اور میں اپنی بے بسی کی وجہ سے حالتِ نیازمندی میں ہوں۔

آہ از عربدہ پردازیٔ بختِ سرکش
داد از خانہ براندازیٔ چرخِ کج باز

ترجمہ (اپنے) سرکش بخت کی عربدہ جوئی پر (مجھے) افسوس (ہوتا ہے، اور میں) آسمانِ کج باز کی خانہ براندازی سے انصاف (مانگتا ہوں۔)

بنام نواب محمد علی خان بہادر عرف میرزا حیدر

خط-۱

فرد: صبح سرمستانہ پیر خانقہ را در زدم
او سخن سر کرد از حق من دم از حیدر زدم

ترجمہ صبح میں نے مدہوشی کے عالم میں پیر خانقاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اللہ کی بات چھیڑی اور میں نے نعرۂ حیدری مارا۔

یقیناً حضرت نوآبِ عالی جناب معلی القاب نے کہ آزادوں کے مرکز حاجت دور افتادگاں کے لئے محورِ امید' بے نواؤں کے لئے بادِ بہار اور خیر خواہوں کی آرزوؤں کی کھیتی کے لیے ابرِ دریا بار ہیں' سنا ہوگا کہ اس زمانے میں شہر دہلی میں ایک آزادہ روسر پھرا نہیں نہیں آشفتہ نوا شاعر ہے کہ ہمیشہ اپنی آشفتہ نوائی کو رنگین کرنے کے لئے خون دل پیتا ہے اور اس رنگین نوائی کے بے نہیں بلکہ خونابہ آشامی کے سبب خود کو غالبؔ کہتا ہے۔

فرد: غالبؔ نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہم و ہم اسد اللہیم

ترجمہ میں غالبؔ نام آور ہوں۔ میرا نام ونشان نہ پوچھ۔ میں اسد اللہ بھی ہوں اور اسد اللّہی یعنی شیرِ خدا سے نسبت رکھنے والا بھی۔

اگر لوگ کہیں کہ بزرگوں کے سامنے خودشناس ہونا گستاخی اور سرکشی ہے' میں کہتا ہوں خدا کی قسم کہ یہ خود شناسی تو ضرور ہے لیکن خودنمائی (ہرگز)[1] نہیں بلکہ ایک طرح سے معذرت گذاری کے طور پر ہے۔ میں ایک عرصے سے اس خاندان کے عمائدین سے روشناس ہوں اور بندگی کے داغ کا نشان رکھنے کے سبب ان کے شناساؤں میں ہوں۔ جب سرگذشت ایسی ہے تو لازمی طب غمخواری کی بات کی جائے گی تاکہ ظاہر ہو کہ میرے ساتھ کیا (سلوک) کرنا چاہیے۔ (چنانچہ) اپنی تھوڑی سی روداد بیان کرتا ہوں۔

میں نے پچھلے سال کے آغاز میں ستاروں کی سی فوج رکھنے والے' آسمان کا سا دربار رکھنے والے' حضرت سلطانِ عالم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اس کے ساتھ ہی نثر میں ایک عرضداشت بھی تحریر کی اور وہ عرضداشت وقصیدہ قطب الدولہ کو بھجوادیا۔ قطب الدولہ نے جواں مردی دکھائی اور قصیدہ اور عرضداشت کو سلطانِ دارادربان کے ملاحظے کے لیے پیش کردیا۔ مولانا ضمیر نے' خدا ان کو سلامتی دے' سلطانِ جہاں کے حکم کے مطابق اس نظم ونثر کو اس انداز سے گویا مسندِ بزم پر گہر ہائے شہوار بکھیرے جارہے ہیں' تختِ آسماں آثار کی پیشگاہ میں پڑھ دیا۔ بادشاہ کی طبعِ گرامی نے پسند کیا اور قطب الدولہ کو حکم دیا کہ کسی اور وقت عرضداشت کو پیش کیا جائے تا کہ سائل پر احسان کیا جائے اور صلے کا حکم دیا جائے۔ چونکہ چشم بدگھات میں تھی اور بدقسمتی تیر جوڑے بیٹھی تھی' یکا یک بزم درہم برہم

۱- متن میں ''نہ آرزوئی خودنمائی'' ہے جب کہ ''نہ از روے خودنمائی'' درست ہے جو نولکشور میں بھی ہے۔ (مترجم ومرتب)

( ) ہوگئی اور قطب الدولہ کا کام بگڑ گیا۔ اس بیچارے نے وہ قصیدہ اور عرض داشت اسی طرح مجھے واپس کردی اور جو کچھ میری طرف سے اُسے ملا تھا، مجھے لوٹا دیا۔

اب میں، بختِ مبارک کی رہنمائی اور فکرِ درست کی مشکل کشائی کے وسیلہ سے اُن دونوں اوراق کو جو ایک دوسرے سے منسلک ہونے کے سبب کفِ افسوس سے مشابہ ہیں، خدمتِ خجستہ میں بھیج رہا ہوں۔ جانتا ہوں کہ کارسازی (آپ کا) دستور ہے اور غریب نوازی آپ کا شعار۔ یقیناً آپ غریب نوازی سے دست بردار نہ ہوں گے اور دستورِ کارسازی میں خود زحمت کریں گے۔ میری قسمت نے یاوری کی اور عقل نے رہنمائی کہ چارہ جوئی کے باب میں میں نے آپ سے رجوع کیا۔

(اب میری) خواہش یہ ہے کہ قصیدہ اور عرض داشت کو مدحظۂ سلطان میں لائیں اور ان اوراق کی سابقہ پیشکش اور حکم نوازش کے وعدہ کے صدور کی جو کسی اور وقت کے لیے (ملتوی کردیا گیا تھا) گزارش کریں۔ خسروِ جہانگیر سے صلہ حاصل کریں اور اس گدا کو جو ستائش گرِ خسرو ہے پہنچا دیں۔ ہے ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بھلا آفتاب کو کون سکھاتا ہے کہ تیرگی کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے اور نسیم (سحر) کو کون بتاتا ہے کہ غنچہ کو کس طرح کھلایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد میں اپنی پراگندہ گفتاری کی معذرت چاہتا ہوں اور خط کو تہ کرتا ہوں اور تحریر کو اِس دعا پر تمام کرتا ہوں، دولت و اقبال کا آفتاب ہمیشہ تاباں و جاوداں روشن رہے۔

۱- متن میں ''ناگاہ انجمن برخورد'' ہے جب کہ ''ناگاہ انجمن برہم خورد'' درست ہے جو نولکشور میں بھی ہے (مترجم و مرتب)

بنام میجر جان جاکوب بہادر

خط-۱

قطعہ

اے نشانہائے خرد از تو ہویدا تر از آن
کہ سرود از لب و آب از گہر و تاب ز مہر
ہم ز روی تو نمودار توانائی رائے
ہم ز خوئے تو پدیدار دل آرائی مہر

ترجمہ (اے وہ ہستی کہ) آثارِ دانش مندی تجھ میں اس سے زیادہ نمایاں ہیں جتنا لبوں سے نغمہ، موتی سے آب اور سورج سے تابانی ہوتی ہے۔ تیرے چہرے سے تیری رائے کی صلابت بھی ظاہر ہوتی ہے اور تیری طبیعت سے محبت کی دل کشی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

عنایت نامہ کہ ورود اس پر ناز کرے اور پڑھنا اس پر پھولے نہ سمائے کامرانی کے ساتھ پہنچا اور مسرت کے ساتھ پڑھا گیا۔ اس کی جس تہ کو کھولا گیا چند موتی دامانِ نگاہ میں آ پڑے۔ آگاہی آثار، حرکتِ قلم کا اُس پردے میں یہ مقصد تھا کہ چونکہ بڑی محنت سے (آپ نے) دیوانِ حافظ کو درست کر کے اُس شاہدِ روحانی کے چہرے پر غازہ کاری اور زلفوں پر شانہ زنی کی ہے، تو اب (آپ کی) یہ خواہش ہے کہ غالبؔ جو پتھر اور موتی میں امتیاز نہیں کر سکتا، موتیوں اور سخن کے یاقوتوں کو ایک نئی طرز کی آرائش دے تاکہ ابتدا میں دیباچہ کے طور پر شامل ہو جائے اور یہ بھی حکم ہے کہ اس ضمن میں خود بھی جو فرمایا ہے اور دوسروں کی تحریروں سے بھی جو کچھ اس کتاب پر اضافہ کیا گیا ہے سب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مقدمہ تحریر کرے۔ اے مخلص نواز، جو کچھ کہ میری نظر سے نہیں گزرا، یا جو کچھ کہ مجھ تک پہنچا لیکن سمجھ نہیں سکا، اس کے بارے میں صحیح بات کس طرح کہہ سکتا ہوں اور چونکہ دوست کے حکم کی تعمیل نہ کرنا نازیبا تھا اور میرا دل اس گفتگو پر مطمئن نہیں تھا مجبوراً دیباچہ لکھنے سے باز رہا اور تقریظ کے دستور کے مطابق بات کی۔ عربی لغت کے مطابق تقریظ ایسی عبارت ہوتی ہے کہ جس پر کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ جس طرح میں عرض کر چکا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ تقریظ ہے دیباچہ نہیں۔ لازمی اس لائق ضرور ہے کہ اس پاک صحیفے کے آخر میں اس کو شامل کر لیا جائے۔ رہا دیباچہ تو وہ جناب عالی خود تحریر کریں (اس طور پر) کہ اس میں دوسروں کی تحریر کا حوالہ اور اس تقریظ کا ذکر بھی آ جائے۔ امید کرتا ہوں کہ مجھے اپنے وفادار دوستوں میں شمار کریں گے اور ازدیادِ الفت کے لیے خط لکھتے اور اپنے طبع زاد اشعار بھیجتے رہیں گے۔ تقدیر عقل کی پردہ کشائی اور عقل تقدیر کی رہنمائی کرتی رہے۔

خط-۲

مخلصوں کے محورِ امید کو میری طرف سے کہ بندۂ محبت اور غلام الفت ہوں، ایک بار یاد آوری کے مقابلے میں سو بار شکر اور ایک رنگ کی یاد آوری کی بندہ پروری کے لئے ہزار رنگ کی ثنا۔ نامۂ دل نواز بذریعۂ ڈاک مجھے ملا۔ اور (اس نے) شوق کے قالب میں

جان ڈال دی۔ چونکہ اس کے بعد طابع یار خان صاحب نے ایک دوسرا خط مجھے دیا تو گویا اس جان کو مزید توانائی دے دی۔ جناب کا قلم مشکیں رقم ان دونوں خطوط میں یہ اشارت رکھتا تھا کہ جناب عالی نے گوالیار میں، ایک ارم آرام کا شانے اور ایک محل کی جو ہستی کی رونق ہے بنیاد ڈالی ہے اور راقم سے اس کی تاریخ تعمیر نکالنے کی فرمائش کی ہے۔ اس محبت کی قسم جو میرا دین ہے کہ میں نے فن تاریخ و معمہ میں کبھی دل چسپی نہیں لی ہے اور صنعت کو معنی پر فوقیت نہیں دی ہے۔ لیکن چونکہ جناب کے ضمیر منیر کی رضا اسی میں ہے کہ میرا قلم تحریر میں اس راستے پر چلے اور میری فکر کی رگیں اس طریق پر حرکت کریں تو بھلا قلم کی کیا مجال ہے کہ اس راستے سے منہ موڑے اور فکر کی کیا جرأت کہ اس کے مدد وہ (کسی اور) روش کی طرف راغب ہو۔ سات ابیات پر مبنی ایک قطعہ اسی ورق پر لکھ رہا ہوں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو عنایت سے کیا عجب ہے اور اگر قبول فرمائیں تو محبت سے کیا بعید ہے۔

قطعہ

جان جاکوب آن امیرِ نامور
دست وے آرائشِ تیغ و نگیں

ترجمہ۔ وہ امیر نامور جان جاکوب (کہ) جس کا ہاتھ تلوار اور نگین کے لئے وجہ زینت ہے۔

ساخت ز انساں منظرے کز دیدنش
حور گفت احسنتُ و رضواں آفریں

ترجمہ (س نے) اس طرح کا ایک منظر بنایا ہے کہ حور و رضواں اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

در بلندی افسرِ فرقِ سپہر
در صفا گلگونۂ روئے زمیں

ترجمہ وہ (منظر) بلندی میں آسمان کے سر کا تاج ہے اور صفائی میں روئے زمین کی سرخی۔

بایدش گفتن گلستانِ ارم
زیبدش خواندن نگارستانِ چیں

ترجمہ: اس کو گلستانِ ارم کہنا بجا ہے (اور) نگارستان چین کہنا بھی اس کو زیب دیتا ہے۔

خود سہ اشکوب و ہر اشکوبش در اوج
در نظر باشد سپہرِ ہفتمیں

ترجمہ: اس کی تین منزلیں ہیں اور ہر منزل بلندی میں ساتویں آسمان جیسی ہوگی۔

غالبِ جادو دمِ نازک خیال
کش بود اندیشہ معنی آفریں

ترجمہ: غالب جادو نفس و نازک خیال نے جس کی فکر معنی آفریں ہوا کرتی ہے۔

گفت تاریخِ بنائے ایں مکاں
"اسمانی پایہ کاخِ دل نشیں"

ترجمہ اس مکان کی بنیاد رکھنے کی تاریخ کہی ''آسمانی پایہ کاخِ دل نشیں'' (۱۲۴۵ھ)۔

خط-۳

فرد: حق نہ آنست کہ از رفتنِ باطل برود
نرود مہرِ تو از دل خود اگر دل برود

ترجمہ وہ حق نہیں ہے جو باطل کے چلے جانے پر چلا جائے۔(تیری محبت تو ایسی ہے کہ) اگر دل چلا جائے پھر بھی نہیں جائے گی۔

جب (آپ کا) نامۂ الفت انگیز کہ قدرے شکایت آمیز بھی تھا' ملا تو دل کو نویدِ زندگی اور جان کو مژدۂ فرخندگی عطا کی۔ میں کس طرح کہوں کہ میرے خط کے نہ پہنچنے پر گلہ جائز نہ تھا۔ البتہ اس قدر ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ کی طرف سے خط آتا اور میں جواب نہ تحریر کرتا تو شکایت جائز بھی۔ (میں تو) ایک غمزدہ الفت شعار فقیر ہوں۔ راستی جو بھی ہوں اور راست گو بھی۔ میرا یہ شعار نہیں کہ میں اپنی گمنامی کو معروف لوگوں کی یاد کے نام پر برباد کروں اور اپنی یاد آوری کی زحمت کی بندش دوسروں کے دل پر مسلط کر دوں اور اسی طرح' خدا نہ کرے کہ میں پائے وفا میں سستی کا مرتکب ہوں اور دوست کے خط کا جواب نہ دوں۔ میں آزردہ نہیں (اس لیے) میری دل جوئی کی زحمت نہ کریں البتہ اپنے دل کا ملال دور کر کے مجھے ممنون فرمائیں۔ کنوئیں کا مادۂ تاریخ بھیجنا اور مجھے قطعۂ تاریخ کی انجام دہی کا حکم دینا بھی نوازش کی عکاسی کرتا ہے۔ بے شک آپ نے نہ چاہا کہ غالبِ غمزدہ جو درماندہ و عاجز ہے مادۂ تاریخ کی جستجو میں پریشان ہو۔ اور سچی بات یہ ہے کہ مادۂ تاریخ بھی ایسا نہیں کہ اس کا حقِ ستائش ادا کیا جاسکے' یا اس کے ہم پلہ فکرِ شعر کی جاسکے۔ قطعہ پہنچ رہا ہے' ملاحظہ کیجیے اور میری خطائے ناکردہ معاف فرمائیے۔

قطعہ

آن میجرِ فرزانہ کہ موسوم بہ جانست
وانراست دمِ دانش و والائی دریافت

ترجمہ. وہ عقلمند میجر کہ جو جان کے نام سے موسوم ہے۔ عقلمندی اور بلندی تحقیق کا دم بھرنا اس ہی کو زیب دیتا ہے۔

فرمودپئے کندن چاہے کہ در آنست
آبے کہ سکندر بہ ہوس جُست و خضر یافت

ترجمہ اس نے ایسا کنواں کھودنے کا حکم دیا کہ جس میں وہ پانی ہو جسے سکندر اپنی ہوس میں تلاش کرتا رہا اور جو خضر کو مل گیا۔

خود "چشمۂ فیض ابدی" گفت و بہ غالبؔ
بنوشت وچو آں دل شدہ زیں نکتہ خبر یافت

ترجمہ خود (میجر جان) نے "چشمۂ فیض ابدی" (مادہ تاریخ) کہا اور غالبؔ کو لکھ بھیجا اور جب اس دل زدہ کو اس نکتے سے آگاہی ہوئی (تو)۔

بستود و دریں قطعہ در آورد و ہماں وقت
تاریخ دگر نیز بہ امعان نظر یافت

ترجمہ۔ اس نے اس کو سراہا اور اس قطعہ میں شامل کر لیا اور فی الفور ایک دوسری تاریخ بھی ژرف نگاہ سے پالی۔

"خرشید زمیں" گفت و دریں زمزمہ "دل" بست
ویں تعمیہ را خوبتر از گنج گہر یافت

ترجمہ "خرشیدِ زمین" کہا اور اس نغمہ کے ساتھ "دل" کو باندھا اور اس تعمیہ کو گنج گہر سے بہتر پایا۔

خط-۴

رباعی

ایں نامہ کہ راحتِ دلِ ریش آورد
سرمایۂ آبروئے درویش آورد
درہر بنِ مو دمید جانے یعنی
سامانِ نثارِ خویش با خویش آورد

ترجمہ۔ یہ خط جو زخمی دل کے لیے راحت لایا اور مجھ درویش کے لیے سرمایۂ آبرو بہم پہونچایا۔ (اس نے) جسم کے ہر رونگٹے میں روح پھونک دی (گویا) اپنے اوپر نچھاور کرنے کا سامان (بھی) ساتھ لے کر آیا۔

اُس روح تمثال خط کی سرور انگیزی پر ناز کرتا ہوں کہ اس کو طلوع صبح بھی کہہ سکتے ہیں اور خرامِ نسیم بھی اور شگفتنِ گل بھی۔ اگر رفتارِ قلم کو اس شکر گذاری کے باب میں خرام سرو سمجھ بیٹھوں تو کیا تعجب اور اگر آوازِ قلم کو نوائے بلبل قیاس کروں تو کیا حیرت۔ (سچ تو یہ ہے کہ) جب علی الصبح نسیم چلتی ہے اور پھول کھلتے ہیں تو سرو کیوں نہ محوِ خرام ہو اور بلبل کیوں نہ چہچہائے۔ میر نواب کا خط کے پہنچانے میں مجھ پر وہ احسان ہے جو بادل کا زمین پر اور بہار کا تاک پر بھی نہ ہوگا میں دور ہوں یا نزدیک آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں، اور گویا ہوں یا خاموش آپ کے احسان مندوں میں (ہوں)۔ حکم یہ ہے کہ اپنے خیالاتِ پریشاں کا ایک نسخہ کہ جس کو دیوان کہتے ہیں اس انجمن کی رونق کے لیے، جیسے مٹھی بھر گھاس چمن کو بھیجی جائے، ارسال کردوں۔ اس باب میں میری درماندگی کو وہی سمجھ سکتا ہے اور اس سراسیمگی میں میرے ساتھ وہی انصاف کر سکتا ہے جو ٹوٹے ہوئے پاؤں سے چلے اور لکنت زدہ

زبان سے میں گفتگو ہو۔لیکن میری گفتگو کی وہ توقیر کہاں کہ اس پر سند قبولیت کا اجرا ہو سکے۔اگر نہ بھیجوں تو شرمندگی ہوتی ہے اور اگر بھیج دوں تو اس سے بڑھ کر شرمندگی۔قصہ مختصر جو کچھ میرے پاس ہے وہ ایسے ورق ورق مسودہ ہے جس کی ابتدا و انتہا نہیں۔مجھے ایک ایسے کاتب کی تلاش ہے کہ صحیح لکھ سکے اور جو عبارت کے تسلسل کو قائم رکھ سکے۔جب مل جائے گا تو یہ اوراق اس کے حوالے کروں گا۔تاکہ (مکمل) نسخہ تیار کردے اور پھر مجھے دے دے۔امید ہے کہ جب بھی یہ تحریر انجام پذیر ہوئی تو چاہے میر نواب صاحب کے ہاتھ اور چاہے بذریعہ ڈاک خدمت مبارک میں پہنچ جائے گی۔اس ضمن میں خاطر جمع رکھیں۔

خط-۵

فرد: اے کہ برنامۂ نام تو زدیوانِ ازل
بستہ اند از اثرِ دولتِ جاوید طراز

ترجمہ ۔ اے کہ تیرے نام کے خطِ (سرنوشت) پر دیوانِ ازل سے (ہی) تاثیر دولت جاوید کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔

آپ کے نامۂ اندوہ ربا سے جو کل مجھے ملا حاصل ہونے والی مسرت ایسی تھی کہ فردائے قیامت تک ہر روز اس دل زار پر تازہ ہوتی رہے گی۔سبحان اللہ۔کسی شخص نہیں بلکہ ناشخص کے ساتھ اس سے قطع نظر کہ تو قیر پرسش نہیں رکھتا (بلکہ) خود اس خطا کی سزا کے (خوف سے) سبب جو اس سے سرزد ہوئی ہے کانپ رہا ہے۔محبت والطاف سے ہمدردی اور دل جوئی کرنا اور اپنے خط کی روانی کے صاف پانی سے قصوروار کے چہرے کی سیاہی دھوڈالنا اور یہی نہیں بلکہ فیاضی سے اس کو نوازنا اور اس کی تقصیر پر اس کو شرمندہ نہ کرنا میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ یہ کیسی عظیم عنایت ہے۔آپ نے سید الاخبار کے حوالے سے (میری) تحریر کی جو تعریف کی ہے تو میرے اوپر ایک اور احسان کیا ہے۔مخفی نہ رہے کہ مطبع سید الاخبار کی داغ بیل میرے ایک روحانی دوست کی طبع عالی کا نتیجہ ہے۔یقیناً اس نئے ''آئین کدہ'' کے مالک کا یہ خیال ہے کہ اس مطبع میں وہ نادر اور اچھوتے نقش بنائے اور غالب بے نوا کے ترشحات قلم کو بھی قالب طباعت میں ڈھالے۔ان تمام (رشحات قلم) میں دیوانِ ریختہ بھی کہ اپنی ناتمامی میں مکمل ہے عجب نہیں کہ اس ہی ماہ میں تکمیل پذیر ہو کر جناب کی نظر گاہ عالیہ میں پہنچے۔اسی طرح پنج آہنگ اور دیوان فارسی بھی کہ ہر ایک (کی طباعت) کا دارومدار خریداروں کی درخواستوں پر مبنی ہے اپنے اپنے وقت پر پے در پے آپ کی خدمت میں پہنچتے رہیں گے بلکہ اخبار کے اوراق بھی ہر ہفتے پہنچا کریں گے اور اس سلسلے کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں۔مطبع کے کارکنوں نے (آپ کے) نامِ نامی کو خریداروں کی فہرست کے عنوان کی زینت بنایا ہے اور مجھے منظور نظر عالیہ تصور کیا ہے دوسرے یہ کہ اسی تحریر مشکیں رقم سے جس کا جواب لکھ رہا ہوں یہ معلوم ہوا کہ وہ قطعہ جو میں نے شاہزادے کی ولادت کی مبارکباد کے طور پر بادشاہ کی درگاہ سپہر بارگاہ میں بھیجا تھا آپ نے زبدۃ الاخبار کے اوراق سے پڑھا ہے۔ جس انداز میں آپ نے اس کی تعریف کی ہے اس نے میری حیرت ومسرت میں اضافہ کیا۔

خدا آپ کو ہمیشہ رکھے کہ سخن رس اور سخن داں ہیں۔والسلام والاکرام۔

خط ۔ ۶

۱

باغ دودر

اے سردار فرخندہ خو، پرسوں کہ منگل کا دن اور فروری کی اٹھائیس تاریخ تھی ایک خط بذریعہ ڈاک آپ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ قطعات ورتاریخ کو درست وصحیح کر کے جو ٹھیک تھا اس کو اسی طرح رہنے دیا ہے اور وہ کاغذ کہ جو آپ نے بھیجی تھا، اس کو اس خط کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ اپنے وقت پر آپ کی نظر سے گزرے گا۔ غزلوں کو ابھی فکرِ تیز رو کی پرکار پر نہیں ناپا۔ (ان کو بھی) یقیناً چند دن میں دیکھ لوں گا۔

اس خط کے کہ جو آپ کو لکھ رہا ہوں خاص طور پر دو مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ قصیدہ کہ جو اس بار (آغاز سال ۱۸۴۲ء) میں نے نواب گورنر جنرل بہادر (Lord Edward Law Ellen Borough) کو پیش کیا ہے اور جس کا مطلع ہے۔

ای برتراز سپہر بلند آستان تو تو پاسبان ملك و ملك پاسبان تو

تین مصرعوں اور چالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس کلیات میں کہ جو میں نے آپ کو بھیجی ہے قصائد میں مندرج ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو مژدۂ طلاع رسال کریں ورنہ سیدار خبر (اخبر دہلی) سے دیوان میں نقل کر لیں۔

دوسرے یہ کہ یہ خط آپ کے پاس ہیرا لال لے کر آ رہے ہیں جو اس شہر کے شرفا و محبوبانِ عہد میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک عمر (بڑودے کے) حکیم کاظم علی خاں کی رفاقت میں گزاری ہے۔ اس کے بعد وطن کی محبت سے مجبور ہو کر دہلی آ گئے، اور یہاں بے بسی سے عاجز ہو کر چار و ناچار، آخر گوالیر جا پہنچے۔ ان کا خط صاف ہے اور وہ اصولِ تحریر سے واقف ہیں۔ اگر وہ آپ کے کام آ سکیں تو اپنے پاس رکھ لیں اور ان سے کتابت کا کام لیں اور اگر مزید گنجائش ہو تو (Col, Arthur Spears) کرنیل ریزیڈنٹ گوالیار، صاحب والا صفات کے پیش خدمتوں میں یا کسی اور صاحب مرتبہ شخص کے ہاں جگہ دلا دیں اور اس نامہ نگار پر احسان کریں۔ اور اگر یہ دونوں صورتیں وجود پذیر نہ ہو سکیں تو ان کو زادِ راہ اور سواری سے نوازیں اور ان کی اس طور امداد کر دیں کہ یہ گوالیر سے بڑودے تک جا کر اپنے آقائے سابق سے مل سکیں۔ یقیناً یہ تینوں صورتیں کہ بیان کی گئیں ناممکن اور مشکل نہیں ہیں اور گوالیار میں ایک پیش خدمت کی ملازمت، اور ایک غریب (آدمی) کا (گوالیر سے) بڑودے تک جانا اتنا بڑا کام نہیں ہے کہ جس کے کہنے میں مجھے تکلف ہو اور جس کی سفارش کرنے میں مجھے تامل، خاص طور پر آپ کے معاملے میں کہ آپ سے روحانی محبت ہے اور غیریت نہیں ہے۔ والسلام محررِ خط اسد اللہ روسیاہ تحریر کردہ بتاریخ دوسری مارچ ۱۸۴۳ء بروز جمعرات کہ سعد اکبر سے منسوب ہے۔

بنام میاں نوروز علی خان بہادر

خط-۱

فرد: ای به دل نزدیك و دوراز دیده گفتارم به تست
از تـوام بـادل بـود گفتار و پندارم به تست

ترجمہ : اے کہ تو دل کے قریب اور آنکھوں سے دور ہے، میری بات تجھ سے ہے۔ میں اپنے دل میں تجھ سے باتیں کرتا رہتا ہوں اور سمجھتا ہوں تجھ سے بات کر رہا ہوں۔

رازِ آفرینش کے انجام کے اداشناس اس خیال سے آشنا ہیں کہ آنکھوں کا کام دیکھنا اور دل کا کام محبت کرنا ہے۔ اظہارِ شوق کے لئے دل کی وکالت کرنا، زبان کا دستور ہے اور سپردگیِ راز کے لیے زبان کی نیابت، قلم کا شیوہ۔ بے شک جب تک آنکھیں اپنا کام انجام نہیں دے لیتیں، دل اپنے وظیفے میں کامیاب نہیں ہوتا اور جب تک زبان الفاظ کی شکل میں گہر سازی نہیں کر لیتی، قلم کے لیے گوہر شماری کی ساعت نہیں آتی۔ لیکن یہاں (معاملہ یہ ہے کہ) آنکھوں نے دوست کو دیکھا نہیں ہے لیکن دل (اس کی) محبت میں گرفتار ہے۔ زبان نے دوست سے بات نہیں کی ہے لیکن قلم کی ترجمان ہے۔ آنکھوں کو دل پر رشک آ رہا ہے اور زبان کو قلم پر۔ کاش میرا دامن زیرِ سنگ (نہ ہوتا) اور پاؤں میں زنجیر نہ ہوتی اور خط سے پہلے دوست کے پاس پہنچ جاتا، تا کہ غم کے سبب خون کے گھونٹ پینا اور اپنے خط ہی سے حسد کرنا روپذیر نہ ہوتا بلکہ یہ پیکار کہ جو دل کے ساتھ آنکھوں کو اور قلم کے ساتھ زبان کو ہے، درمیاں نہ آتی۔

اس سے پیشتر جب مکرمی مظفر الدولہ نواب سیف الدین خان بہادر کے ملازمین لکھنو سے تشریف لائے تھے تو انہوں نے آپ جیسے مجموعۂ اخلاق شخص کے اشتیاق کی شہرت کا منتر مجھ پر پھونکا تھا اور اب جب منشی محمد حسن خان کے خدام کانپور سے واپس آئے ہیں تو انہوں نے اپنی سانس کی شمیمِ عنبر نسیم کے ساتھ اس شاہدِ راز کی پردہ کشائی کی کہ خان صاحب عالی صفات نوروز علی خان بہادر نے مجھے دہلی میں اس پر مامور کیا ہے کہ جب میں دہلی واپس آؤں تو غالب ہرزہ گو کی گفتارِ پریشاں کو جمع کروں اور اس کو منتخب سوغات تصور کروں۔ چنانچہ اس ایک آواز بازگشت سے جو دو بار مجھ سے ٹکرائی، میں دنیا میں بھی مشہور ہوا اور اپنی نظر میں بھی میری توقیر بڑھی۔ سچ پوچھے تو میں خمخانۂ عشق کا کم ظرف ہوں۔ التفات کی شراب کے ایک جرعے سے میری مستی حد سے گزر جاتی ہے اور میں حسن کے بتکدہ کی پرستش کا وہ مستعد (پجاری) ہوں کہ نیم نگاہِ ناز کی پیش روی سے میرے ہوش جاتے رہتے ہیں۔ افسوس جب میں نے بے کسی کے غم سے مصلحت کر لی اور اپنے آپ کو ناکس سمجھ کر لوگوں کے دلوں سے نکال کر گمنامی کے گوشے میں ڈال دیا، تو اب کیا کہا جا سکتا ہے کہ در خورِ ساعت بھی ہو اور کیا لکھا جائے کہ شائستہ نگاہ بھی (ہو)۔ جو کچھ بھی کہ نوکِ قلم سے نکلتا ہے اس سے تو بہ تکلف ہی ایک نسخہ بنا سکیں گے۔ اگر پاکی کی پاکی کے پیش نظران (تحریروں) کا دریہ برد کرنا روا نہ ہو تو بے شک و شبہ وہ اس لائق ہیں کہ نذر آتش کر دی جائیں۔

خدا جانتا ہے کہ اپنی آزادہ روی کے سبب میں اس فکر میں کبھی مبتلا نہیں ہوا کہ قلم اور دوات کی زحمت کو دوبارہ اختیار کیا جائے اور جو کچھ بھی لکھ چکا ہوں اس پر نظر ثانی کروں لیکن میرے بھائیوں میں سے ایک نے میرے کہنے سے نہیں بلکہ اپنی خواہش پر اپنی زندگی

میرے نثر پارے جمع کرنے میں تباہ کردی اور کچھ اوراق میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کردیے۔ وہ اوراق اس بھائی سے میں نے باہتمام مانگ لئے ہیں اور ایک صحیح کاتب کو اس کام پر متعین کیا ہے کہ جداز جداس مسودہ کو مکمل کردے۔ اگر چہ ضروری تو یہ تھا کہ کتاب کا کاغذ رنگین ہوتا اور اس کے اوراق پر سنہرے نقش ونگار ہوتے لیکن چونکہ مخدوم ممدوح پا بر کاب اور عازمِ سفر تھے اس لیے اس کام کی فرصت نہ مل سکی کہ رنگ آمیزی کی جاسکے اور نقش ونگار بنائے جاسکیں۔ غرضیکہ سنبلستان کی جانب مٹھی بھر گھاس اور گلستان کو کاغذی پھول بھیج رہا ہوں۔ اور درحقیقت یہ چوالیس سال تک جان جلانے کا صلہ اور اپنی متاعِ زیست کو مفت بیچ ڈالنے کا حاصل ہے جو میں اُس صاحب نظر اہل دل کے پائے نگاہ پر نچھ ورکررہا ہوں۔ اب دیکھنا ہے کہ اس کے بعد محبت کیا تقاضے کرتی ہے اور دونوں طرف سے پیہم تحریریں کس حد تک الفت میں اضافہ کرتی ہیں۔ خدا کرے آپ کا نامِ گرامی اظہارِ آیاتِ تو روزی' کشائش رازہائے فتحمندی' اور شوکتِ نو بہار کے ظہور کی تاریخ اور سندِ افزائش دولت زمانہ (کی علامت) ہو۔ والسلام والاکرام۔

خط-۲

(مشتمل برروانگی پنج آہنگ)

اے مشتاقوں کے مرکزِ امید' اے مخلصوں کی پناہ گاہ' خانۂ دل کے کہ رازوں کا خزانہ ہے' آنکھوں اور کانوں کی شکل میں دو دروازے ہیں جو آمنے سامنے ہیں اور ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ چنانچہ آثارِ حسن سے جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے' اس کی محبت آنکھوں کے راستے دل میں اتر جاتی ہے۔ لیکن جب کبھی اس مہمان قدسی کے محمل کو جلدی لانا ہوتا ہے تو کان کے دریچے سے نہاں خانہ دل میں لے آتے ہیں۔ غرضیکہ جہاں کہیں خوبصورت چہرہ اور خوش گوار طبیعت ہوتی ہے دل اس کی طلب میں بے چین ہوجاتا ہے۔ ظاہر پرست جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' دل نہیں لگاتے اور حقیقت شناس آوازہ سن کر ہی دل دے بیٹھتے ہیں۔ اگر چہ ہر جگہ دیکھ کر (ہی) دادِ محبت دی جاسکتی ہے لیکن کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں سن کر بھی دل رہینِ اُلفت ہوسکتا ہے۔ میں اس پُر شور جذبۂ اخلاص پر اپنے آپ کو آفریں کہتا ہوں کہ (محض) سن کر ہی اس قدر تشنۂ دیدار ہوگیا ہوں اور اس اندازِ رسائی پر اپنی تقدیر کا شکر گذار ہوں کہ اتنی دوری کے باوجود دل دوست میں میرا گذر ہے۔

میری سخن سرائی کی تعریف کہ بذات خود محلِ نظر ہے' نہ تو خوبیٔ گفتار کے تقاضے سے ہے اور نہ ہی بحکم قدر و قیمت۔ آپ نے چاہا کہ آوازۂ کرم درمیاں میں نہ ہوتا کہ یادآوری کے احسان کا بوجھ (بھی) زیادہ نہ ہو۔ اس میلان کا مشاہدہ کرکے کہ جناب کی طرف سے ہوا ہے میں' بنے آپ سے افزوں طلبی کی بنیاد پر خود یہ کہتا رہا ہوں کہ جب شوقِ گفتگو اس قدر تھا تو راقم کو خط کیوں نہیں لکھا تاکہ اپنے جان ودل پر بار احسان رکھتا اور اپنی تحریریں اس سے بھی پیشتر بھیج دیتا۔ باوجود اس کے کہ مجھے لائق خطاب نہ سمجھا گیا' اور مجھ جیسے شخص کی پرسش احوال کی ذمت اٹھانا ممکن (بھی) نہ تھا میرے دل میں خود محبت نے جوش مارا' اور شوق (بیحد) کے سبب یہ چیخ منہ سے نکل گئی۔ دوست کی رضا جوئی کی شرط (پوری کردی) اور اپنی غمخواری کا حق ادا کردیا اور وہ مجموعہ ایک خط کے ساتھ کہ میری جگہ تصور کیا جائے مکرمی جناب منشی محمد حسن خان کے حوالے کیا۔ اب چونکہ مسافر کا گزر لازمی منزل بہ منزل ہی ہوگا' اس مجموعۂ نثر کا دو ہفتے سے کم میں

پہنچنا مشکل ہے۔ ذوق روشناسی کی شدت سے چونکہ میں مدت سے پریشان تھا میرے دل آزادہ روکی ہوس نے مجھے مجبور کر دیا کہ ایک دوسرا خط انگریزی ڈاک کے ذریعے پتنگ کی طرح پرواز دے کر ارسال کردوں تا کہ دوست کو جس کو ابھی میری مہر ووفا کا اندازہ نہیں اطلاع ہو جائے۔ امید کرتا ہوں کہ جب وہ مجموعۂ (نثر) اور وہ خط اُس مخلص نواز کو پہنچیں تو ایک دلفزا جواب بھی اس طرف سے مجھے (بواپسی ڈاک) مل جائے گا۔ بلکہ اگر غمزدوں کی دل جوئی کی مروّت کو آں جناب روا رکھیں تو اِس خط کا جواب دینا بھی دنیائے وفا میں بے جا نہیں۔

ہر چند کہ میں مشہور لوگوں میں نہیں ہوں لیکن ہرکاروں سے پوشیدہ (بھی) نہیں ہوں۔ انگریزی ڈاک کے ہرکارے چونکہ ہر شہر کی چٹھیاں لاتے ہیں' اس خاکسار کے گھر کے راستہ سے واقف ہیں۔ اگر بھیجیں اور (صرف) اتنا پتہ لکھ دیں "یہ خط دہلی میں اسداللہ کو ملے" تو مشکل نہیں کہ وہ خط اس نامۂ سیاہ کو پہنچ جائے۔ والسلام وتمت بالخیر۔

خط ۔ ۳

۱

باغ دودر

اے عالی جاہ اے مخلصوں کی امیدگاہ' عرصہ ہوا کہ آپ نے خط سے سرافراز نہیں فرمایا۔ دو خط (ناظر) حسین مرزا کی وساطت سے مظفرالدولہ (ناظرالملک مرزا سیف الدین حیدر خان سیف جنگ) بہادر کو بھیجے گئے اور ایک تحریر میر احمد حسین کے ہاتھ ارسال کی گئی۔ میر احمد حسین خود اس شہر (لکھنؤ) پہنچے اور آپ کی پابوسی سے مشرف ہوئے اور مجھے لکھا کہ میں پہنچ گیا اور خط پہنچا دیا۔ کس طرح کہوں کہ مظفرالدولہ بہادر نے میرے خط آپ کو نہ دیئے اور اپنے مکان کی دیوار کے سوراخوں میں رکھ دیے۔ یارب یہ ساری بے التفاتی کس وجہ سے ہے۔ یہ تو وہ (زمانہ) تھا کہ غیاث الدولہ (حکیم رضی الدین حسن خان) اور دوسرے احباب آپ کی خیریت مجھ سے پوچھتے تھے یا اب ناسازگاری کی بنا پر وقت نے یہ ڈول ڈالا ہے کہ میں ہر دروازے سے آپ کی خیریت لیتا پھرتا ہوں۔ ایک بار میر احمد حسین نے اس فرخندہ خو (آپ) کی خیریت لکھ کر دیدہ ودل کی چارہ گری کی تھی۔ بے شک (میر احمد حسین) کو آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع کم ہی ملتا ہے جگر تشنہ التفات ہے۔ مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور اس پر اپنی بزرگانہ شفقت کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس پر توجہ نہ دینے اور نوازش نہ کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھ سے بھی بیزار اور دل برداشتہ ہیں۔

آپ کی بے رخی خاص طور پر ایسے زمانے میں کہ جب میں بہت غمزدہ ہوں' بیان سے زیادہ جان گزا ہے اور ظاہر ہے کہ غمزدہ کو غمخواری (ہی) کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ بارے خفگی دور کریں اور قدرے غمزدوں کی طرف توجہ دیں۔ خط کے جواب کا پیاسا اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر مشفقی منشی احمد سلمہ اللہ تعالیٰ حاضرین مجلس میں نہ ہوں تو میر احمد حسین کو حکم دیں کہ وہ چند سطریں آپ کی طرف سے لکھ دے اور اگر وہ بھی (آپ کی خدمت میں) نہیں آتے تو خدا آپ کا حافظ و ناصر ہو خود زحمت کریں اور دو لفظ اپنی

گہرفشاں انگلیوں کوحرکت دے کر تحریر کردیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تحریر ہی رفع غم کا تعویذ ثابت ہو۔ خدائے عظیم کی قسم کہ دہلی میں ان دنوں میں اس طرح مضطرب ہوں جیسے مچھلی آگ میں اور سمندر پانی میں۔

فرد: ہر لحظہ دل بسوئے بیاباں کشد مرا

آب و ہوائے شہر بمن سازگار نیست

ترجمہ: ہر لمحہ میرا دل مجھے بیاباں کی طرف کھینچتا ہے۔ شہر کی آب وہوا مجھے سازگار نہیں۔

ہندوستان میں کوئی ایسا صاحب جاہ نہیں کہ اس بے حیثیت گروہ سے رشتہ توڑ کر اپنے آپ کو اس کے دامن دولت سے وابستہ کرلوں۔ کیا کروں میرا (تو سارا) سرمایہ ہی شاعری ہے۔ اور اس (جنس) کو اس قلمرو میں کوئی ایک جو کے بدلے بھی نہیں خریدتا۔ گویا ساری زندگی جھک مارتا رہا۔ افسوس اس وقت پر کہ میں نے مشق سخن میں ضائع کردیا۔ کاش ابتدا ہی سے میں گانے بجانے کی طرف توجہ دیتا اور چنگ و چغانہ بجانا سیکھتا۔ افسوس کیا کہوں یہ لوگ کہ گا بجا کر روٹی کھاتے ہیں (میری طرح) مفلس نہیں۔ (لیکن یہ بھی خیال آتا ہے کہ) اگر میں مثال کے طور پر پیشہ ور گانے بجانے والوں میں ہوتا تب بھی اس جماعت کے بدقسمتوں میں ہوتا اور جس طرح آج کوئی میری (نقد) سخن کا طلب گار نہیں (اسوقت) میری آواز کا خریدار نہ ہوتا اور میری عمر اسی طرح ناکامی اور تیرہ بختی میں گزرتی۔

ایک دن میرے ایک ہمدم کو مجھ پر اور میرے حال زار پر بڑا ترس آیا۔ بہت رنجیدہ ہو کر کہنے لگا افسوس اس امر پر ہے کہ قدرت نے تجھے اکبر اور شاہ جہاں کے عہد میں دنیا میں نہ بھیجا۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں اگر اس مبارک دور میں بھی ہوتا تب بھی اسی طرح خستہ وخوار ہوتا اور زمانے کے دسترخوان پر میری خوراک خون (جگر) کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتی اور میری دسترس دو روپے روزینہ سے زیادہ نہ ہوتی۔ قصہ مختصر آج سے میں نے اپنے دل میں عہد کرلیا ہے کہ ہفتے میں ایک خط آپ کو انگریزی ڈاک سے بھیجا کروں گا اور اسکا محصول آپ کے ذمہ ہوا کرے گا تاکہ خط کی رسید کی بابت دل کو اطمینان رہے۔ دیکھتا ہوں کب تک آپ تنگ نہیں ہوتے اور خط کا جواب نہیں لکھتے۔ والسلام اسداللہ محررہ فرستادہ پیر ۲۷ نومبر ۱۸۴۵ء۔

بنام امین الدولہ آغا علی خان

خط-۱

نواب عالی جناب اعلیٰ القاب کو یہ نئی دل چسپ خوش خبری (پہنچے) کہ میں نے نوک قلم سے نکلے ہوئے اپنے جگر کے ٹکڑے جمع کر لئے ہیں اور (ان کو) اُس بزم دل کش میں گلدستے کی شکل میں بھیج رہا ہوں۔ اِس طرفگی پر اگر ظریف طبع لوگوں کی آنکھوں میں ہنستے ہنستے آنسو آ جائیں تو تعجب نہیں۔ جی ہاں بھلا ایسا بے رنگ و بو گلدستہ اس بزم کے شایانِ شان کہاں۔ سبحان اللہ (اُدھر) خریدار کی بصیرت کا یہ عالم کہ دیدہ وری اس کے سر اور آنکھوں کی قسم کھائے اور (اِدھر) فروخت کرنے والے کا مال ایسا (ناقص) کہ اگر ہیچ کے برابر بھی رکھیں تو ہیچ پر ظلم ہو۔ با ایں ہمہ مجھے سنگِ ملامت نہیں کیا جاسکتا اور سرزنش کے شکنجے میں کھینچا نہیں جاسکتا چونکہ یہ گستاخی بمقتضائے محبت ہے اور یہ بے ادبی بفرمانِ زمانہ۔ ہاں (یہ بھی سچ ہے کہ) زمانے میں ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں اور محبت میں اس قسم کی خودنمائی عام ہے۔ چیونٹی ایک ٹڈی کی ٹانگ اٹھا کر سلیمان کے پاس لے گئی اور اعرابی آبِ شور بادشاہ کے پاس (لے گیا)۔ ذرہ اگر اپنی بے حیثیتی کو پہچانتا تو خود کو آفتاب کا مدِ مقابل نہ بناتا اور اگر پروانے کو شعلۂ شمع سے اپنے پَر کے ملاپ کی رسوائی سے آگاہی ہوتی تو انجمن ہی سے منہ موڑ لیتا۔ بلبل کہ پھول پر نغمہ سرائی کرتا ہے اگر محبت اس کی عذر خواہ نہ ہوتی تو بھلا مرغ کا بہار سے کیا تعلق اور تنکا جو کہربا کی طرف کھنچتا ہے اگر جذبۂ محبت درمیان نہ ہوتا تو تنکے کا کہربا سے کیا رشتہ۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ آنکھوں کے واسطے کے بغیر دل نہیں دیا جا سکتا اور بغیر دیکھے کسی سے روشناسی ممکن نہیں (تو اس پر) میں یہ کہتا ہوں کہ شعرا ہمزبانی کے شہرے اور ہمدمی کے تعلق کی پرستش کرتے ہیں اور صورت پرستوں کی طرح آنکھ کے دروازے پر دل کو بھیک مانگنے کے لئے نہیں بھیجتے۔ نتیجۃً عرصے سے مجھے خیال اس بات پر اکساتا تھا اور یہ خواہش دل میں سر اٹھاتی تھی کہ چونکہ بے نیازئ جاہ غریب نوازی کے راستے میں حائل ہوتی ہے، بہتر یہی ہوگا کہ پہلے میں خود جرأت سے کام لوں اور خط کے ذریعہ خاطر خواہ طور پر حاضری دوں کہ اتنے میں خان صاحب مہربان خوشوقت علی خان کا کانپور جانے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ وہ اُس بزم کے باریافتگان میں اور میرے مہربان دوستوں میں ہیں خط میں نے ان کے حوالے کیا کہ جب وہاں پہنچ جائیں اور پہنچا دیں تو میں بھی اپنے پردۂ گفتار کے ذریعے نہاں خانۂ قرب میں جگہ حاصل کر لوں اور مغائرت کا پردہ درمیان سے اٹھ جائے۔ غبارِ راہِ کاروان وسیلاب کی گزرگاہ کی خاکِ نمناک یعنی انتخابِ دیوانِ ریختہ کہ جو چند اوراق سے بڑھ کر نہیں اِس خاکسار کی جانب سے اُس درگاہ میں ہدیہ ہے اور زبان نیاز اِس رنگ میں عرض پرداز ہے کہ جب دونوں طرف سے دلوں کا میلان محبت کی طرف ہوگا اور نامہ و پیام کے ذریعہ محبت میں اضافہ ہوگا تو دیوانِ فارسی بھی نظرگاہِ التفات میں پیش کر دیا جائے گا۔ فی الحال ایک غزل اُن اوراق سے تحریر کر رہا ہوں کہ راقمِ خط کے سوزِ قلب کی عکاسی کر سکے۔

غزل

حق کہ حق است سمیع است فلانی بشنو
بشنو گر تو خداوند جہانی بشنو

ترجمہ: اے فلاں (یعنی محبوب) سن! اللہ جو برحق ہے؛ سننے والا بھی ہے۔ اور (سن) اگر تو دنیا کا مالک (بنا بیٹھا) ہے تو سنا بھی کر۔

لن ترانی به جوابِ ارنی چند و چرا
من نه اینم بشناس و تو نه آنی بشنو

ترجمہ: ارنی کے جواب میں ''لن ترانی'' کس لیے اور کب تک؟ سن! نہ تو میں یہ (یعنی موسیٰ) ہوں اور نہ ہی تو وہ (یعنی خدا) ہے۔

سوئے خود خوان و به خلوتگهِ خاصم جاده
انچه دانی بشمار انچه ندانی بشنو

ترجمہ: مجھے اپنے پاس بلا اور خلوت گہِ خاص میں جگہ دے۔ (پھر میرا حال) جو کچھ تو جانتا ہے اس کا حساب لگا لے اور جو نہیں جانتا وہ (مجھ سے) سن لے۔

پردهٔ چند به آهنگ نکیسا بسرای
غزلے چند به هنجار فغانی بشنو

ترجمہ: تو (خسرو پرویز کے موسیقار) نکیسا کے انداز میں کچھ نغمے الاپ اور فغانی کی طرز میں چند غزلیں مجھ سے سن لے۔

لختے آئینه برابر نِه و صورت بنگر
پارهٔ گوش بمن دار و معانی بشنو

ترجمہ: تھوڑی دیر کے لیے آئینہ سامنے رکھ کر اپنی (ظاہری) صورت دیکھ اور (پھر) ذرا کان دھر کے میرا احوال (باطن) سن لے۔

هرچه سنجم به توز اندیشهٔ پیری بپذیر
هرچه گویم به تو از عیشِ جوانی بشنو

ترجمہ: بڑھاپے کے جو (آزمودہ) افکار میں تجھے سناؤں انہیں قبول کر لے اور عیش جوانی سے متعلق جو کچھ تجھے بتاؤں اسے (غور سے) سن لے۔

داستانِ من و بیداریٔ شب هائے فراق
تا نخسپی و بپاسم ننشانی بشنو

ترجمہ: جب تک تو سوتا نہیں اور مجھے پاسبانی پر نہیں بٹھاتا (اتنی دیر) ہجر کی راتوں میں میری بیداری کی داستان (ہی) سن لے۔

چاره جو نیستم و نیز فضولی نکنم
من و اندوهِ تو چندانکه توانی بشنو

ترجمہ: میں (تجھ سے) چارہ جوئی کا خواہاں نہیں اور غیر متعلق باتیں بھی نہیں کر رہا۔ (تاہم) جس قدر تجھ سے ہو سکے اپنے عشق کے مصائب (مجھ سے) سن لے۔

زیں کہ دیدی بہ جحیمم طلبِ رحم خطا ست

سخنے چند ز الم ہائے نہانی بشنو

ترجمہ ۔ تو نے مجھے جہنم میں پڑے ہوئے دیکھ ہی لیا ہے اب طلب رحم تو غلطی ہے۔البتہ میرے غم ہائے نہانی کے بارے میں چند باتیں سن لے۔

نامہ در نیمۂ رہ بود کہ غالبؔ جاں داد

ورق از ہم در و ایں مژدہ زبانی بشنو

ترجمہ : ابھی خط نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ غالبؔ نے جان دیدی۔اب اس خط کو چاک کردے اور یہ خوش خبری زبانی سن لے۔

خدا کرے کہ اُس محفل کی بساط ہمیشہ بہاروں کی گزرگاہ ہو اور سدا امیدواروں کا مرکز نگاہ۔والسلام والاکرام۔

بنام میر سید علی خان بہادر عرف حضرت جی

خط-۱

فرد: در دل ہمہ تمنائے قدمبوسِ تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاقِ ادبم را

ترجمہ (میرے) دل میں تیری قدمبوسی کی تمنا کے سبب اک شور بپا ہے۔ تیرے اشتیاق نے میرے ذوق ادب کو کیسا نکھار دیا ہے۔

مرکز راستاں کے قدموں میں جان نچھاور کرنے (کے خیال) کو اپنے دل میں گزارتا ہوں اور اگر گستاخی نہ ہو تو کعبۂ رہرواں کے سر کے گرد طواف کرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ اگر ادب اجازت دے تو دل آویز خطوط کا ورود اور نکتہ ہائے الفت انگیز کی سماعت، جو مجھے میری خوش قسمتی کی امید دلاتا ہے، مجھے ہزار بار مبارک ہو۔ چونکہ آپ نے (مجھے) اپنے دیدہ و دل میں جگہ دی ہے (تو اب) بلند میلانی کے سبب اگر میرا سر آسمان سے جا لگے تو بجا ہے اور اگر خودنمائی کے باعث مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آئے تو جائز ہے۔ طالع یار خان صاحب نے اُس دریائے کرم کی عنایتوں کے شمار سے مجھے خود سے بے خود اور میری ارادت میں بے حد و حساب اضافہ کر دیا ہے۔ بھلا میں اس التفات کے لائق کہاں ہوں اور نیکی میں بھلا میرا کیا مرتبہ کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے دیدار کا تمنائی ہو۔ اور وہ بھی ایسا بلند مرتبہ اور گراں مایہ شخص کہ جس کا جوہر سات سمندروں کی آبرو ہو اور جس کا خمیر آٹھ گلشنوں کا رنگ و بو۔ شبلی ماسوا سے اپنے انقطاع نظر کے باوجود عبادت خانے میں اُس کے قدموں کی تمنا میں چشم براہ (ہے) اور منصور اس سارے زمزمۂ اناالحق کے ہنگامے کے باوصف، اس کی بات چیت کی آرزو میں گوش برآواز ہے۔ سبحان اللہ وہ ذات کہ تجلی طور بھی جس کے حسن کی شمع پر پروانگی کے لائق ہو مجھ سے 'ارنی' کہہ رہا ہے اور وہ شخص کہ ہر نظر جس کے دیدار کی تاب نہیں رکھتی مجھ سے طلبگار دیدار ہے۔ کیا کروں ایک عمر سے میری توانائی ایک معاملے میں الجھی ہوئی ہے اور مقصد کے شوق کی شدت نے میرے پیراہن میں چنگاری ڈال دی ہے۔ اور وہ کام بہت نازک اور وہ مقصد بہت مشکل ہے کہ اس سے پہلے چند سال دہلی ریزیڈنٹی کے محکمے میں ایک کشاکش کی حالت میں رہا اور ایک طویل عرصے تک فرمانداہانِ کلکتہ کی عدالت میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اور اب دو سال ہوئے ہیں کہ وہ مقدمہ دیار لندن میں گیا ہے اور اُس عدالت میں زیر غور ہے۔ جب تک اُس ملک سے کوئی جواب اور اُس عدالت سے کوئی حکم نہیں آ جاتا، میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور دہلی سے باہر نہیں جا سکتا۔ اگر چاہوں کہ اس مقدمہ کی کچھ حقیقت بیان کروں تو طوالت کے سبب ایک طرف کہنے والا رشتۂ سخن ہاتھ سے کھو بیٹھے گا تو دوسری طرف گوہر راز سننے والے کے ہاتھ (بھی) نہ آئے گا۔ غرضیکہ آنکھ منتظر ہے اور دل مجتمع۔ چنانچہ اس کشمکش میں کہ جس نے میرے ظاہر و باطن کو درہم و برہم کر رکھا ہے، سفر نہیں کر سکتا۔ لیکن (اتنا) سمجھتا ہوں کہ انتظار کا وقت ختم ہو چکا ہے اور کشودِ کار کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ اب خیال یہ ہے اور سوچ یہ رہا ہوں کہ جب ولایت سے اِس عداوت کو ختم کرنے والا حکم پہنچ جائے تو بجز اتنے وقت کے کہ سفر کی ضروریات کی انجام دہی میں لگے، (مزید) دہلی میں نہ ٹھہروں اور عازم گوالیار ہو جاؤں اور جہاں راہرو پاؤں سے چلتے ہیں، میں سر کے بل چلوں۔ امید کرتا ہوں کہ جناب عالی کے دسترخوانِ فیض کے پروردہ پانوں اور ریزہ

برداروں کو یہ حکم دے دیا جائے گا کہ خاص خاص اوقات میں مجھے،ورمیری مشکل کو تصور میں لا کر اس طرف توجہ دیں کہ جلد ہی میرا کام رواہو جائے اور میری مراد پوری ہوتا کہ میرے پئے راہ پیما کو اپنی چال میں کشادگی ملے اور گوالیر کا راستہ میری رہ گذر بن جائے۔

واضح ہو کہ طالع یار خاں کے پہنچنے کے تین دن بعد وہ حکم نامہ کہ جس میں رنگ و بے رنگی کی بحث کی تحریر کے علاوہ کچھ نہیں تھا' ڈاک کے ذریعے مجھے ملا۔اس کو میں نے بازوئے ہمت کا تعویذ بنالیا ہے اور اس طرح امیدوار ہوں کہ اس خط کے پہنچنے سے چند دن پہلے سیدامانت علی صاحب پہنچ کر (میرا) آداب نیز آپ کے معرضِ ایجاب میں اور فارسی کی غزلیں پیشگاہِ التفات میں پہنچ چکے ہوں گے۔ان ہی دنوں میں عنایت کرنے والے جناب میجر جان جاکوب صاحب بہادر نے مجھے دو خط تعمیرِ دولت خانہ کی تاریخ کی طلب کے لیے ارسال کئے ہیں ان دونوں خطوں کے جواب میں لکھا گیا ورق' کہ قطعۂ تاریخ پر مشتمل ہے' معذرت نامہ سے منسلک کر کے ارسال کیا جارہا ہے اور چونکہ لفافہ بند نہیں کیا گیا ہے' پڑھا جا سکتا ہے اور مکتوب الیہ کو پہنچایا جا سکتا ہے مکرمی ومطاعی جناب حکیم رضی الدین خاں صاحب کہ مجھ پر لطف و عنایت کرتے ہیں اور اس غمزدگی میں ان کا دیدار ہی میری شادمانی ہے' سلامِ نیاز کہہ رہے ہیں اور میری طرح طالب دیدار ہیں۔زیادہ حدِ ادب۔

بنام مبارز الدولہ ممتاز الملک حسام الدین حیدر خان بہادر

خط-۱

حضرت مرکزِ حاجات' خدا آپ کے بند سایے کو قائم رکھے' برادرم حسین مرزا نے کچھ باتیں میری زبانی کہی ہوں گی۔ وہ حکایت تا حال ناتمام ہے۔ جب تک کہ میں خود جناب کی خدمت میں حاضر نہ ہوں اور تفصیل نہ بتاؤں' قابلِ قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ لالہ ہری چند صاحب کے پاس نواب امین الدین خان صاحب کا خط بنام کرنیل اسکنر صاحب ہے۔ کیا اچھا ہو اگر کرنیل صاحب کی خدمت میں آپ کے ساتھ جائیں اور وہ خط ان کو پیش کر دیں اور آپ کی زبانِ گُہر فشاں کی برکت سے دل کی مراد کو پہنچیں۔ لالہ صاحب مجھ سے فرماتے ہیں کہ تو بھی ہمارے ساتھ چل اور میں اپنے آپ کو ناکارہ سمجھتا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ یہ کام خدام کے حسن التفات سے انجام پذیر ہو جائے گا۔ زیادہ حدِ ادب۔

خط-۲

حضرت نواب صاحب قبلہ و کعبہ دو جہاں' خدا آپ کے بلند سایے کو قائم رکھے۔ لالہ ہری چند صاحب (آپ کے) الطافِ بے حساب کی سپاس گزاری میں رطب اللسان ہیں اور یہ راقمِ خط اس باب میں ان کا ہمزبان ہے۔ ان پر جو عنایات بھی ہو چکی ہیں یا آیندہ ہوں گی ان کا احسان میرے اوپر ہے اور ہوگا۔ بے شک زمانے کی ناسازگاری سے تنگ آ کر وہ چاہتے ہیں کہ دنیا طلبی میں بلند مرتبوں پر پہنچیں۔ چنانچہ ملازموں کی غمخواری کو مرتبے کی بلندی کی سیڑھی سمجھتے ہیں اور راقمِ نامہ کی سفارش اور گزارش کو جنابِ عالی کے التفات کے حصول کا ایک انوکھا وسیلہ تصور کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ اپنے حسنِ ظن سے اور میں ان سے شرمسار نہ ہوں۔ زیادہ حدِ ادب۔

خط-۳

قبلۂ حاجات خدا آپ کے سایۂ عالی کو قائم رکھے۔ کام چور غلاموں کی طرح جو ندامت سے سر جھکا لیتے ہیں' میں بھی اپنے میں کھو جاتا ہوں اور انتہائے عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ میری طبیعت فکرِ نثر کا میلان نہیں رکھتی اور اس خط کا جواب مجھ سے نہیں لکھا جا سکتا۔ چونکہ اگر میں یہ چاہوں کہ اپنے اندازِ خاص میں بات کروں تو یہ چیستان اس تعریف کے اور یہ خط اُس جواب کے لائق نہیں۔ اُس خط کا جواب اس خط ہی کی طرح سرسری (و سادہ) چاہیے نہ کہ (۱) تعریضی۔ اور اگر یہ چاہوں کہ انداز (تحریر) بدل دوں تو لازمی میرے ناموسِ سخن وری کو نقصان پہنچتا ہے۔ جب احوال یہ ہو تو امید کرتا ہوں کہ جناب کے خدام مجھ کو بھی ایسی کشمکش میں (ڈالنا) پسند

۱۔ متن کی عبارت کے الفاظ "اس طرح ہیں" "جواب ایں نامہ چناں کہ ایں نامہ است سرسری باید نہ پہلو وری" بظاہر "پہلو وری" بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ پہلو، ور کا اگر قیاس کیا جائے تو پھر 'سرسری' کے مقابلے میں "پہلوداری" ہونا چاہیے لیکن وہ دستوری اعتبار سے غلط ہے۔ (مترجم و مرتب)

نہیں کریں گے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ کوئی خدمت شائستہ بجا لائی جائے اور اس حکم عدولی کی تدفی بھی احسن طریقے سے کردی جائے اور وہ یہ ہے کہ چار رباعیاں سنہرے ملمع شدہ کاغذ پر جیسا کہ بازار میں بکتا ہے، تحریر کر کے ظفرالدولہ کے نام کے لفافے میں ظفرالدولہ کو بھجوادی جائیں اور وہ بادشاہ کے سامنے پیش کردیں کہ مبارزالدولہ نے یادآوری کے شکرانے کے طور پر عطائے مثنوی کی کورنش بجالا کر یہ چار رباعیاں [illegible] دعائے سعادتی کی مبارکباد کے طور پر بھیجی ہیں۔ اے قبلہ گاہ! اس طرح نوازشِ شاہی کا شکرانہ ادا ہو جائے گا اور خواہی نخواہی بات بادشاہ تک (بھی) پہنچ جائے گی۔ فتح علی خان کے خط کا جواب [illegible] چیستان کی کتاب کی تعریف کون سا کام ہے کہ عام خامہ نگاروں سے انجام نہیں پا سکتا اور یہ (رباعیاں):

رباعیات

بر دل از دیده فتحِ باب است ایں خواب
بارانِ امید را سحاب است ایں خواب
زنہار گماں مبر که خواب است ایں خواب
تعبیر ولائے بوتراب است ایں خواب

ترجمہ: یہ خواب دل پر آنکھوں کا باب کھلنے کے مترادف ہے۔ بارانِ امید کے لیے یہ خواب گویا بادل ہے۔ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ یہ خواب (ایک) خواب ہے۔ یہ (خواب) بوتراب کی محبت کی تعبیر ہے۔

بینائی چشمِ مہر و ماه است ایں خواب
پیرایۂ پیکرِ نگاه است ایں خواب
بر صحتِ ذاتِ شه گواه است ایں خواب
بیداریٔ بختِ بادشاه است ایں خواب

ترجمہ: یہ خواب مہر و ماہ کی آنکھ کی روشنی ہے۔ (اور یہ خواب) پیکرِ نگاہ کی زینت ہے یہ خواب۔ یہ خواب شاہ کی صحت کا گواہ ہے۔ (اور) یہ خواب بادشاہ کے نصیب کی بیداری ہے۔

ایں خواب که روشناسِ روزش گویند
چوں صبحِ مرادِ دل فروزش گویند
زاں رو که به روز دیده خسرو چه عجب
گر خسرو ملکِ نیمروزش گویند

ترجمہ: اس خواب کو [illegible] کا روشناس کہتے ہیں (اور) جسے مراد کی صبح دل فروز کہتے ہیں۔ چونکہ بادشاہ نے یہ خواب دن میں دیکھا ہے تو کیا عجب کہ اس کو ملک نیمروز کا بادشاہ کہیں۔

خوابے کہ فروغِ دیں از و جلوہ گرست
در روز نصیبِ شہِ روشن گہر است
پیداست کہ دیدنِ چنیں خواب بہ روز
تعجیل نتیجۂ دعائے سحر است

ترجمہ ایسا خواب کہ جس سے فروغِ دین جلوہ گر ہے۔ دن کے وقت شاہ اعلیٰ نسب کو نصیب ہوا۔ ظاہر ہے ایسے خواب کا دن میں دیکھنا دعائے سحر گاہی کی فوری قبولیت ہے۔

زیادہ حدِ ادب۔ از اسداللہ بے ہنر۔

خط-۴

قبلہ و کعبۂ دو عالمؑ خدا آپ کو سلامت رکھے! دوبارہ بدرالدین آیا اور (جناب کے) خدّام کی طرف سے دو غزلیں مجھ سے مانگیں۔ پہلی بار تو میں نے کہا شاید کہنے والے سے غلطی ہوئی ہے اور وہ مثنوی کو غزل سمجھا ہے۔ اس کا جواب بھی میں نے اسی کے مطابق دے دیا۔ چلا گیا لیکن واپس آیا اور پھر وہی کہا جو پہلی بار کہا تھا۔ میں نے کہا مجھے اپنی جان و ایمان کی قسم جو میں نے دو غزلیں بھیجنے کا وعدہ کیا ہو۔ یہ تو اس کے چلے جانے کے بعد اندیشہ ہائے فراخ کو کریدنے اور خیال ہائے دراز کی ڈور کو تاؤ دینے پر دل میں آیا کہ یقیناً نواب صاحب قبلہ نے دو شعر کا کہا ہے اور پیغام رساں اس کو دو غزلیں سمجھ رہا ہے[1] اور وہ دو شعر یہ ہیں۔

یاد باد آں ذوق کاندر قطعِ صحرائے جنوں
خود عصائے بود گر درپائے خارے داشتم

ترجمہ۔ اُس ذوق و شوق کی یاد پر آفریں ہو جب صحرائے جنوں طے کرنے میں خارِ پا بھی عصا کا کام دیتا تھا۔

اتفاق سفر افتاد بہ پیری غالبؔ
انچہ از پائے نیاید ز عصا می آید

ترجمہ غالبؔ سفر کا اتفاق (مجھے) پیری میں ہوا۔ جو پاؤں نہ کر سکا اب وہ عصا کر رہا ہے۔

ابیات

تا سرِ خارِ کدامیں دشت در جاں می خَلَد
کہ ہجومِ ذوق می خارد کفِ پایم ہنوز

ترجمہ۔ کس دشت کے کانٹے کی نوک میرے دل میں کھٹک رہی ہے کہ جس کے فرطِ اشتیاق میں میرا کفِ پا کھجلا رہا ہے۔

۱- متن میں ''می سنجد'' کے بعد دوبارہ ''می سنجد'' تحریر ہے جو غلط ہے۔ (مترجم و مرتّب)

نمِ اشکیے[1] چو بخاکم بفشانی از مہر
خاک بنالد بہ خود و مہر گیا خیزد ازو

ترجمہ: جب تو محبت سے ایک [illegible] تربت پر گراتا ہے تو (میری) خاک اس پر پھولی نہیں سماتی اور اُس سے مہر گیا پیدا ہوتی ہے۔

بس کہ لبریز است ز اندوہِ تو سر تا پائے من
نالہ می روید چو خارِ ماہی از اعضائے من

ترجمہ میرا سارا [illegible] اس طرح بھرا ہوا ہے کہ میرے اعضا سے (میرا) نالہ مچھلی کا کانٹا بن کر اُگ رہا ہے۔

خیز کہ رازِ دروں در جگرنے دمیم
نالۂ خود را ز خویش دادِ شنیدن دہیم

ترجمہ اٹھ کہ نے کے جگر میں ہم رازِ دروں پھونک دیں۔ (اور اس طرح) اپنے نالہ کی خود اپنی ہی (ذات سے) دادِ شنیدن دیں۔

ز سعیٔ ہرزہ بہ بے حاصلی علم گشتیم
چو بادِ بید پدید آمد از امالۂ ما

ترجمہ سعی فضول سے بے حاصلی کے سبب ہم مشہور ہو گئے۔ اگر ہم ''باد'' پر امالے کا عمل (بھی) کرتے ہیں تو ''بید'' بنتا ہے جو بے ثمری باد ہی کے مترادف ہے۔

دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ ان اشعار کے تحریر کرنے کا مطلب عصا[1] کے مضمون پر مشتمل اشعار سے نہیں تھا لیکن چونکہ ان دنوں میرے مسودے کے اوراق میری نظر کے سامنے تھے چند ایسے اشعار جو موضوع سے قدرے مناسبت اور معاملت رکھتے تھے جلدی میں انتخاب کر دیے گئے۔ زیادہ حدِ ادب۔ راقم محمد اسد اللہ۔

خط-۵

خداوند نعمت! خدا آپ کو سلامت رکھے! غرض مند جوہری بے توقیر ہو جاتا (اور) عہدِ وفا کی آبرو کو ضائع کر دیتا ہے۔ ہر چند کہ مجھ جیسے کو (آپ سے [illegible]) کو حساب زحمت دینا اور دائرۂ ادب سے باہر قدم رکھنا زیب نہیں[2] دیتا لیکن کیا کروں کہ بار خاطر ہونے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ میری بے بسی ہی میری گستاخیوں کی عذر خواہ ہے۔ اب مجھے اپنا فائدہ اس ہی میں نظر آتا ہے کہ آپ کے خدام کسی [illegible] کرا [illegible] ل کو اپنی خدمت میں بلا لیں اور اپنی انجمن میں بٹھا لیں اور اس وقت مجھے یاد فرمائیں تا کہ میں آؤں[3] اور سلسلۂ گفتگو شروع کر دوں۔ جو کچھ بھی کہا جائے گا اس کا ماحصل یہ ہوگا کہ اسد اللہ آپ کا مستقل قرضدار ہے اور اس

۱- متن میں ''عطا'' ہے جب [illegible] ہے۔ (مترجم و مرتب)
۲- متن میں ''مزہ'' ہے جب کہ ''مسزہ'' درست معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)
۳- متن میں ''بیاند'' ہے جو بے معنی ہے۔ عبارت لفظ ''بیایم'' کی متقضی ہے۔ (مترجم و مرتب)

کی زندگی کی ڈوری اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ فی الوقت وہ غم مفلسی کے ہاتھوں سخت خستہ دل ہے اور اپنے کام سے بھی معذور ہے۔ اس کی دست گیری کریں اور ایک ہزار روپیہ مزید دے کر اس کے کام آئیں۔ آپ کی کوشش ضائع نہیں جائے گی بلکہ (آپ کے لیے بھی) فائدہ مند ہوگی۔ کیا اچھا ہوا گر اس باہمی رضامندی کی کاروائی اور شرائط بقید تحریر لائی جائیں تا کہ جو کچھ پس پردہ چھپا ہوا ہے ظاہر ہو جائے۔ حد ادب۔ بھکاری اسد اللہ۔

خط-۶

جناب نواب صاحب قبلہ و کعبۂ دو عالم' خدا آپ کے سایہ عالی کو قائم رکھے' (فدوی) ادائے آداب کورنش کے بعد یہ عرض کرتا ہے۔ آج بندے کا انگریز (افسروں) میں سے ایک سے ملاقات کا ارادہ ہے لیکن چونکہ ان کی جائے قیام شہر سے باہر چھاؤنی میں باغ محلدار خان کے پاس ہے اور غلام ماہ مرداد کی تمازت آفتاب کے باعث سخت خوف زدہ ہے' اگر پنیس عنایت ہو جائے تو آپ کی محبت کے سایے میں عازم مدعا ہو سکوں گا۔ لیکن عرض یہ ہے کہ چونکہ ملاقات کا وقت دو پہر دن چڑھے کا مقرر ہوا ہے اس لئے کہاروں کو حکم دے دیا جائے کہ جب میرا آدمی پہنچے تو اس کے ساتھ ہی پنیس لے آئیں چونکہ اس وقت آپ خواب راحت میں ہوں گے۔ سوائے تسلیم کے اور کیا عرض کیا جائے۔ فقیر محمد اسد اللہ۔

بنام یوسف میرزا

خط-۱

اے غالب آشفتہ نوا کی آنکھوں کے نور یوسف میرزا کیا کہوں کہ تمہارے چلے جانے سے میرے دل پر کیا گزری۔ اب تم خود ہی سمجھ گئے ہو گے کہ فضول سفر کیا اور مسافرت کی زحمت برداشت کی۔ اپنی نانی صاحبہ سے تم فرخ آباد میں نہ مل سکے ہو گے۔ پھر بھی اپنے نیک بخت ماموں کی غمگساری اور خدمت گزاری کی جو سعادت تم نے حاصل کی ہے وہ مفت کا سرمایہ ہے۔

میر مہدی تو بے پور جا چکے ہیں' اور عزیز دوست یوسف علی خاں جو بنارس میں قیام پذیر ہیں تمہیں سلاموں کی سوغات ارسال کر رہے ہیں۔ کاش کہ تم آ جاتے اور جو کچھ بھی میرے پاس ہے مجھ سے لے لیتے۔ تمہارا خط مجھے مل چکا ہے اور جو یہ تحریر کر رہا ہوں اس ہی کا جواب ہے۔ ہرگز اس شہر کے لوگوں سے نہ جھگڑو اور نہ کسی لڑائی کا آغاز کرنا گفتارِ موزوں کا جسے شعر کہتے ہیں ہر دل میں علیحدہ مرتبہ (اور) ہر آنکھ میں مختلف رنگ (ہوتا ہے) اور سخنوروں کے لیے بھی ہر مضراب ایک مختلف حرکت' اور ہر ساز ایک مختلف آواز رکھتا ہے۔ دوسروں کے مشاہدات وخیالات سے چشم پوشی کریں اور اپنے مبلغ علم میں اضافے کے لیے کوشاں ہوں۔ اسد اللہ۔

بنام ذوالفقار الدین حیدر خان عرف حسین میرزا

خط-۱

اے میرے مہربان۔ آپ کے ہم عمر و ہم سبق نے، آپ کے نام ایک مختصر سا رقعہ بھیجا ہے اور جو خط مجھے لکھا ہے اس میں بھی اس ہی ضمن میں یعنی کتاب کی طلب پر بے حد اصرار کیا ہے۔ میں بھی آپ کے دوست کا رقعہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ مناسب تو یہی ہے کہ آپ کتاب (بھیج دیں) اور اگر اس بارے میں کوئی عذر ہو تو جواب ارسال کر دیں تاکہ جو کچھ بھی آپ ارسال کریں (وہ) ان کو بھیج دیا جائے۔ لیکن یہ آج ہی، چونکہ جانے والا کل جا رہا ہے۔ آپ کے پرسوں کے ورود کے فیض نے خوش خبری دی اور مجھے بخار کی قید سے نجات دلائی۔ کل کے رات اور دن بھی فراغت میں گزرے۔ اب اگر آج[1] (بھی) کل کی طرح گذر گیا تو سمجھوں گا کہ اب اس کی باری سے بھی نجات مل گئی۔ والسلام۔

۱- متن میں یہاں ''مرا'' ہے جب کہ درست ''مرورا'' ہے جو نسخہ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

بنام منشی التفات حسین خان

خط-۱

اسد اللہ آشفتہ سرو پراگندہ رائے جسے تحریر و تقریر میں امتیاز نہیں' مخدوم معظم اور مطاع مکرم کی خدمت گرامی میں عرض کرتا ہے۔ وہ ہنر اور کمال جو بلند نگاہوں کا سببِ التفات ہو کس کے پاس ہے' اور وہ خدمت گزاری جس کو دریوزۂ مرحمت کے لیے سند بنایا جاسکے کہاں۔ البتہ اگر مجھے میری مفلسی پر معاف رکھیں اور میری سادہ لوحی پر رحم فرمائیں کہ (آپ کی) متاعِ شفقت کی' کہ سمندر و کان کا سارا سرمایہ اس کا بیعانہ ہوسکتا ہے' ہیچ سے خریداری کرر ہا ہوں۔ اب میں رشتۂ گفتار کی گرہ کھولتا ہوں اور بات ذرا کھول کر کہتا ہوں۔ شہر کے حاکم کے ساتھ مجھے ایک کام ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ یہ حاکم بغیر کسی محرّک اور مقرّب کے سائل کے دردِ دل کو نہیں سمجھتا۔ چونکہ اکیلے بہت سے کاموں کی طرف توجہ دینا اور تنِ تنہا دنیا کے کام کرنا بھی مشکلات پیدا کرتا ہے۔ غرضیکہ اس عرضِ مدعا میں میرا روئے سخن' خدّام جنابِ عالی کی طرف ہے۔ امید کرتا ہوں کہ ذرا اس غم نامے کو جو منصف کے نام نامی سے آراستہ ہے' اگر آپ دیکھ لیں اور ابھی سے ذہن میں اس بات پر غور کرلیں کہ غرض مند کے حصول کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ میر امام علی کو جو اس خط کے ساتھ آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں یہی تاکید کردی گئی ہے کہ اگر منشی صاحب فرمائیں تو اس خط کو جو حاکم کے نام ہے (آپ کے) ملازموں کے سپرد کر آئیں۔ ورا گر یہ طریقہ کار قابلِ عمل نہ ہو تو میر امام علی ہی کو حکم دیا جائے کہ وہ کل دوپہر کے وقت دار الانشا پہنچ کر یہ خط جمعدار کی وساطت سے منصف کو پہنچا دیں۔ بہر حال اس درخواست کی قبولیت اور میری نجات جناب کے خدام عالی مقام کی غمخواری اور چارہ سازی پر موقوف ہے۔ ورنہ میں مکتوب الیہ کو جانتا ہوں کہ کس قدر سست فہم اور کند ذہن ہے۔ والسلام والاکرام۔

بنام میاں محمد نجف خان صاحب

خط۔۱

عاجزی کی طرف سے رسائی کو تبریک اور دردِ دل کی جانب سے سماعت کو نغمۂ غبار سے دامن کو نمود اور تنکے سے کہربا کے لیے کشش، زخم کا مرہم کو پیغام اور بیمار کا طبیب کو سلام، مخمور کی جانب سے ساقی کو عرض داشت اور میری طرف سے دوست کو حکایت۔ جب سے ذوقِ ہم زبانی نے دل پر غلبہ پایا ہے، لبوں سے گفتگو کے سوتے پھوٹ پڑے ہیں۔ جس قدر گفتگو کرنے والے کی روح گویائی کے لیے مضطرب ہے (اتنا ہی) فکر اس کشمکش سے خستہ حال ہے کہ یہ خواہش کس طرح انجام پذیر ہوگی اور (دل کی) بات دوست تک کس طرح پہنچے گی۔ ممکن ہے قلم شوق کی دستگیری کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور فکر کو اپنے تعلق سے استحکام بخشے تاکہ گنجینۂ راز کے موتی پرونے والے راہ کی دوری کے خوف سے نجات پائیں اور جو کچھ کہ بہر ارسال جمع کیا ہے اس چست و چالاک مسافر کو دے دیں۔ بارے کلک فرماں بردار و اطاعت گزار کو آفریں کہتا ہوں کہ (اس نے) ہنرمندی کی خوش خبری سنائی اور فکر کی طاقت بخشی اور شوق کی کاربرآری پر کمر کس لی۔ چونکہ دستور یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ (مال و متاع) امینوں کے حوالے کر دیتے ہیں لیکن فہرست میں ایک ایک کا شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ عرض کیا جاتا ہے کہ جو (متاع) زبان نے قلم کے حوالے کی تھی اور پھر رشحاتِ قلم کے طور پر خط میں آئی ان میں پہلی تو آرزوئے دیدار ہے کہ جو زینتِ عنوانِ سخن ہے اور اس کے بعد دو خطوطِ دل افروز کا شکرانہ تسلیمات کہ جن میں سے ہر ایک جہانِ آرزو کے لیے فلک و انجم اور گلستانِ تمنا کے لیے ابر و باراں کے مصداق ہو سکتا ہے اور اس کے بعد بساطِ معذرت سنوارنا ہے اور اپنی کوتاہ قلمی کی معافی چاہنا۔ خط نہ لکھنا فراموشی یا بیگانگی کے سبب نہیں کہ مجھے اس جرم میں ماخوذ کیا جا سکے۔ کیا کروں غمِ روزگار نے اس طرح نچوڑ کر رکھ دیا ہے کہ دل میں ایک سانس کی گنجائش باقی نہیں۔ اگر سانس ہے تو وہ سینے میں خون بن گئی ہے اور اگر نکتہ ہے تو آنکھ میں غبار۔

مثنوی

ز ناسازی و ناتوانی بہم　　　دم اندر کشاکش ز پیوندِ دم

ترجمہ ناسازی و ناتوانی کے ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے (اور) رشتۂ نفس کے سبب سانس میں کشاکش ہے۔

ز بس تیرگی ہائے روزِ سیاہ　　　نگہ خوردہ آسیبِ دوش از پگاہ

ترجمہ روزِ سیاہ میں وفورِ تیرگی کے سبب۔ نظر صبح کے وقت بھی گذشتہ رات کی آسیب زدہ ہے۔

تن از سایۂ خوں بہ بیم اندروں　　　دل از غم بہ پہلو دو نیم اندروں

ترجمہ : جسم خوں کے سایے سے خوف زدہ ہے۔ دل غم کے سبب پہلو میں دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

مکرمی جناب محمد حمید الدین کا، خدا ان کو سلامت رکھے، سلام میرے لیے اس سے زیادہ تقویت بخش ہے کہ جتنا پیاسے کو میٹھا پانی، فقیر کو حصولِ مراد اور بیمار کو دوا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ دوست نواز رہیں گے اور مجھے مشتاقِ دیدار میں تصور کریں گے۔ والسلام۔

بنام نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر

خط-۱

فرد: حرقۂ حریم مارا در دیارِ ما مپرس
لقمۂ کامِ نہنگیم از مزارِ ما مپرس

ترجمہ ہم تو دریا میں غرق ہیں۔ ہمارے شہر میں (ہمارا) احوال نہ پوچھ۔ ہم کامِ نہنگ کا لقمہ ہو چکے ہیں ہمارے مزار کا (پتہ) نہ پوچھ۔

برادر دانش مند کی فرخندگیٔ خو کو میری طرف سے آفریں اور اس خصلت کے مالک کو خدا تعالیٰ کی جانب سے وہ بخشش (ہو) کہ ان کا بخت ان کی خصلت سے زیادہ بابرکت ہو جائے[1] اور خط کی ترسیل اور جواب کا تقاضا اس سے زیادہ اچھا۔ اس خیال سے نہیں کہ دونوں کو دل ربائی میں میں نے ہم مرتبہ خیال کیا ہوگا بلکہ یہ بے دردی ہے اور وہ مہربانی، وہ محبوبیت ہے اور یہ جاں ستانی۔ ہر چند کہ اس خواہش کی سازگاری محبوبوں کی جفاؤں کی خوشگواری کے مانند ہے لیکن میرا معاملہ تساہل کے سبب خود اس مرحلے سے گزر چکا ہے کہ میری توانائی محبت کی ناز برداریاں کر سکے۔ اے انسانیت کی آنکھ کے نور! اس سے پہلے جب تحریر میں میری رفتارِ قلم ایسی تھی کہ اس سے پیشتر کہ اور لوگ دیکھیں، لکھنے والا خود دل سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا، (سو) یہ اس وجہ سے تھا کہ ہمایوں فرشتگانِ راز پے در پے فرازِ گیتی سے نہاں خانۂ دل میں اترتے رہتے تھے۔ اور ان رنگا رنگ پروں والوں کے پروں کی جنبش سے نمودار ہونے والے متنوع نقش و نگار کے باعث میرا سارا مکان آراستہ ہو جاتا تھا۔ چونکہ دل اور زبان کے درمیان سوائے فکر کے اور کوئی حجاب نہیں ہے اور وہ پردہ باریک[2] تھا، لازمی جو کچھ اندر رونما ہوتا، دیکھنے والا اس کو باہر کی طرف سے دیکھ سکتا تھا۔ اب کہ وہ شادمانی، قلب باقی نہیں ہے تو وہ خوشنما منظر کہاں سے آئے۔ نہیں نہیں جوانی تو ایک رات تھی اور دل ایک شبستان اور خیال شب باز اور گرمیٔ نظم و نثر (ایک) ہنگامہ۔ اب کہ صبحِ پیری ہونے والی ہے بجز سوائے محفل کے بجھے ہوئے شمع و چراغ اور خیال کے ہنگامۂ (رقص) شب کی برہمی کے اور کیا نظر آئے گا۔

فرد: نہ رقصِ پری پیکراں بر بساط
نہ غوغائے رامش گراں در رباط

ترجمہ: نہ فرش پر پری پیکروں کا رقص ہے اور نہ سرائے میں گانے والوں کا شور۔

اس ساعت اندوہ میں جس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے وہ بزم شب کے مرجھائے ہوئے پھولوں کو فرش سے چننے اور گلدستہ بنانے کے مترادف ہے۔ وہ رنگ جو آنکھیں روشن کر دے اور وہ خوشبو کہ روح کو سکون مہیا کرے اب کہاں؟ یارانِ بزم، خاص طور پر غیاث الدولہ نواب رضی الدین حسین خان بہادر سلام پہنچا رہے ہیں اور میں بھی آپ کے ہمدموں کو بالخصوص خواجہ محمد علی خان کو سلام پہنچاتا ہوں۔

۱- متن میں ''خجستہ تر باد'' کے بعد 'د' نہیں ہے جو نول کشور میں موجود ہے اور عبارت کے تسلسل کے لیے ضروری ہے اور اسی لیے ترجمے میں بھی شامل ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں ''تنگ'' ہے جب کہ قرائن عبارت ''تنک'' کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ ''تنک'' سے کیا گیا ہے (مترجم و مرتب)

خط-۲

برادر اشک و آہ غالبؔ نامراد یعنی آب و ہوائے اکبرآباد آپ کو سازگار ہو۔ ہر چند کہ ہم ایک دوسرے سے دور ہیں لیکن (جناب عالی کی) فکر دشمند نہ نے مقدار یگانگت کا تول اس قدر جھکا دیا ہے کہ دوری اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ میں نے مانا کہ آپ بزعم خود مجھ سے دور چلے گئے ہیں لیکن چونکہ اب بھی میرے وطن میں ہیں بے شک میرے قریب ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ (میرے) شوقِ دور اندیش نے دیدہ و دل کو آپ کے ساتھ بھیج دیا ہے تاکہ اس غربت میں بھی دیدارِ وطن کی شادمانی کی داد دے سکوں۔ اور (ہاں) اکبرآباد کو ہرگز حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا اور اس کے گلی کوچوں سے جب آپ گزریں تو بحفیظ و الامال کہتے ہوئے گزریں کہ وہ ویران بستی اور وہ آباد ویرانہ مجھ جیسے مجنون کی بازی گاہ (رہ ہے)۔ اور آج بھی اس بستی کی ہر مٹھی بھر خاک میں (میری آرزوؤں کے) خون کا چشمہ (موجود) ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس سرزمین میں سوائے مہر گیا کے اور کچھ نہیں اگتا تھا اور سوائے دل کے کوئی شجر بار ور نہ ہوتا تھا۔ اس گل کدے میں نسیم سحر ایسی مست ہو کر چلتی اور دوں کو برانگیختہ کرتی تھی کہ مے خواروں کے ذہن سے صبوحی کی ہوس اور پارساؤں کے دل سے نیت نمازی زائل کر دیتی۔ ہر چند کہ اُس گل زمین کا ہر ذرۂ خاک بذات خود ایک دل نشین پیام تھا اور اس گلستان کے ہر پتے کی روح ایک یادگیر سلام تھی لیکن آپ کی جواں سال کو دیکھتے ہوئے دو پردوں میں پرسشِ احوال کو برانگیختہ کیا تھا اور میری آنکھیں اس کی منتظر رہیں کہ آپ کب خط لکھیں گے لیکن افسوس کہ آپ نے کبھی نہ لکھا کہ رخشِ سنگین نے میری دعا کو کس طرح قبول کیا اور دریا نے میرے سلام کے جواب میں بزبان موج کیا کہا۔ فی الحال آپ کے ہمدموں میں سے اقبال آثار میرزا زین العابدین خان کو دعا پہنچتا ہوں اور میر کرم علی صاحب کو سلام والسلام واختتام بالخیر۔

بنام جناب جمس طامسن صاحب سکریٹر بہادر نواب گورنر اکبرآباد

خط-۱

(یہ فدوی) شوکت نصیب' اعلیٰ صفات' والاشان' خیر خواہوں کی میدگاہ' نیازمندوں کی توقیر بڑھانے والے' خدا ان کی عنایت میں اضافہ کرے' کی خدمت میں آدابِ ثنا بطریق ستائش ادا کر کے اس ذریعہ کے احتمالِ سعادت سے یہ عرض کرتا ہے۔ نور سے روشن منشور نے (اپنے) ورود سے روشنی کی شان میں اضافہ کے ساتھ آسمانِ آرزو کو آفتاب کی تابندگی نیز مسندِ آرزو کو موتیوں کی چمک عطا کردی۔ اس کا عنوان اپنی نظر فروزی کے باعث منتظروں کے لیے غم ربا اور اس کا مضمون آرزومندوں کے لیے اپنی دل نشینی کے سبب امید افزا (ہے)۔ (جہاں ایک طرف) اس ہمایوں نامے کی تحریر کے سرمے سے میں نے اپنے نورِ نظر میں اضافہ کیا (تو دوسری طرف) اس آگاہی کے حکم کے جلوے کے مشاہدے سے یہ شادمانی جمع کی کہ ابھی شبِ انتظار کی صبح نہیں ہوئی (ہے) اور مقدمے کا فیصلہ ولایت کی عدالت سے نہیں پہنچا ہے۔

فرد: تا خود پس از رسیدنِ قاصد چہ رودہد
خوش می کنم دلے بہ امیدِ خبر ہنوز

ترجمہ: نہ معلوم قاصد کے آنے کے بعد کیا رونما ہو۔ (فی الحال) میں خبر کی امید سے دل کو خوش کر رہا ہوں۔

مختصر یہ کہ میں اس کا شکرگزار ہوں کہ مجھ جیسے شخص کو کہ جو لطف و کرم کے قابل ہی نہ ہو۔ ایک انصاف پسند منصف کی دانشمندانہ خصلت فرخندگی نے اپنے قلم کی تحریر سے محروم نہ رکھا۔ ہر چند کہ میرے وجود کی خاک کا ذرہ ذرہ ساقی کی مستعدی سے آسودہ خاطر ہے لیکن از بس کہ مطلب جوئی کی شدید گرم ہواؤں کے ہاتھوں تابستانِ ناکامی کا جگر سوختہ ہوں' اس لیے التفات کے میٹھے پانی کی تشنگی باقی ہے۔ کلکتہ کی گیتی پناہ گورنری کی بارگاہ کی سند وقیع جو مجھ سے آپ کے خدام کے پاس رہ گئی تھی اس مکتوبِ قدسی میں منسلک مجھے واپس مل گئی ہے۔ الٰہی اس ذاتِ شاہی صفات' وفرشتہ آثار کی ابدی جہانگیری و جہانداری اور اسباب مراد بخشی و بندہ پروری فراواں ہوں۔ عرضداشت [illegible] اللہ۔

خط-۲

(یہ فدوی) کثیر ابرکتِ صاحب والا گہر' عالی نظر بندہ پرور' سخنوروں کی توقیر بڑھانے والے' مرکزِ امیدِ ثنا گراں' زاد الطافہ' کی خدمت میں' مدح گری کی توفیق کے ظاہر ہونے پر' کہ ناموری کے صحیفے کا عنوان ہے' اپنی قسمت کی فرخندگی پر ناز کرتا ہے اور اس سعادت مندی کے امکان کو کہ سخنوری کی قسمت کی تابانی سے عبارت ہے' سرمایۂ گذارش مدعا بناتا ہے۔ اُن دنوں کہ جب اس رہ نوردِ راہِ بندگی کا پاؤں فرقدان (ستاروں) کے سر پر تھا یعنی اُس بزمِ مبارک میں کہ معیارِ فضلا ہے میری (بھی) جگہ

تھی' (دستور) زمانہ کے برخلاف دیدار کی سعادت سے میرا دل پیہم مسرور رہتا اور اپنے آپ کو توقیرِ التفات کا اور سخن کو حسنِ قبول کا مژدہ سناتا' یہاں تک کہ ان عنایاتِ امید افزا کے مشاہدے سے سحرِ تمنا نے نہادِ شوق میں دل پذیر نقوش بنائے۔ افزائشِ آبرو کی امید میں رشحاتِ قلم کی خواہش پر پیش قدمی کی گئی۔ ہر چند کہ مقامِ ناشناسی سے نغمۂ آرزو نے ساز فراہم کیا لیکن ادب نے کہ قانونِ حسنِ طلب کے رموز سے آگاہ ہے' اُسی پردے سے آواز دی کہ بغیر شاگری کے طالب آفرین ہونا اور بغیر بندگی کے صلہ کی آرزو رکھنا' بھلا کونسا آئین اور کہاں کا دستور ہے۔ مجبوراً فکر کے سر میں یہ سودا سمایا کہ خود کو خاموش پسند نہ کرے اور مدح کے ارادے سے (شعر و) سخن کے ساز پر ایک شگفتہ نغمہ موزوں کرے۔ غم کی جگر دوزی' یاس کی جان گدازی' طبیعت کی ناسازگاری' رائے کی پراگندگی' دل کی تنگی' فکر کی آشفتگی اور حواس کی تیرگی میں سے کوئی ایک بھی اگر کسی سخنور پر شدت سے مسلط ہو جائے (تو) نفسِ ناطقہ کہ زندۂ جاودانی اور شمعِ آسمانی ہے' اس ستم زدہ کے دل میں مر کر رہ جاتا ہے۔ (پھر) میں کہ ان سب میں بلکہ ان کے علاوہ بھی دوسرے غموں میں پیہم مبتلا ہوں' کس طرح دادِ گفتار دے سکتا ہوں اور کس طرح شایانِ شان طریقے سے مدعا بیان کر سکتا ہوں۔ مجبوراً قصیدے کی راہ چھوڑ کر میں ایک غزل سوغات کے طور پر لایا ہوں۔ دوست نواز داد گر منصف کے ضمیر اعجاز فطرت پر تھوڑے سے غور کرنے پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہے گا کہ ایسے ہاتھ میں' جس کی ہر انگلی کے سرے پر ناخن میں پھانس گڑی ہو' (تھامے ہوئے) قلم کی خواہشِ غزل گوئی کا کیا ڈھنگ ہے۔ اگر بے نواؤں سے گلبن کے عوض ایک پتا قبول کریں تو تعجب نہیں اور اگر غمزدوں کی آہ و زاری سے سرودِ زمزمہ حاصل کر لیں تب بھی حیرت کی بات نہیں۔ اس کے بعد میری گریہ و زاری ختم ہوتی اور (میرے دل کو) جواب کا انتظار شروع ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ الفت و محبت کے کیا تقاضے ہیں اور اس پردے سے کہ ستائش کے ساز کا پردہ ہے' کیا رونما ہوتا ہے۔

غزل

تا بسویم نظرِ لطف جمس طامسن است

سبزہ ام گلبن و خارم گل وخاکم چمن است

ترجمہ۔ جب سے مجھ پر جمس طامسن کی نظر کرم ہے' میرا سبزہ پھولوں کا جھاڑ' کانٹا پھول اور میری خاک چمن بن گئی ہے۔

اے کہ تا نام تو آرائش عنوان بخشید

صفحۂ نام بہ شادابیٔ برگ سمن [1] است

ترجمہ: اے (مخاطب) جب سے تیرے نام نے (میری تحریر کے) عنوان کو آرائش عطا کی ہے اس وقت سے وہ صفحہ چنبلی کے پھول کی طرح شاداب ہو گیا ہے۔

۱- شرح غزلیات (فارسی) صوفی غلام مصطفےٰ تبسم پیکیجز لمیٹڈ لاہور میں "چمن" کی جگہ "سمن" ہے ص-۲۲۰' جلد اوّل۔ (مترجم و مرتب)

کلکم از تازگی مدح تو دربارۂ خویش

شارح انبتہ اللّٰہ نباتاً حسناً است

ترجمہ تیری مدح سے میرے قلم کو وہ تازگی حاصل ہوئی ہے کہ وہ ابنتہ اللہ نساتاً حسناً (اللہ نے بڑھایا اس کو اچھا بڑھانا) کی تشریح کرنے والا ہو گیا ہے۔

گوہر افشانیِ مدحِ تو بہ جنبش آورد

خامہ ام را کہ کلیدِ درِ گنجِ سخن است

ترجمہ ۔ تیری مدح کی گوہر افشانی میرے قلم کو جو گنجِ سخن کے دروازے کی کنجی ہے، حرکت میں لائی۔

ہر دم از رائے منیر تو کند کسبِ ضیا

مہرِ تابان کہ فروزندۂ ایں انجمن است

ترجمہ مہرِ تاباں کہ جو اس انجمن کو روشنی عطا کرتا ہے، تیری روشن رائے سے ہر دم کسبِ نور کرتا ہے۔

بہ خیال تو بہ مہتاب شکیبم کہ مگر

عکس روئے تو دریں آئینہ پرتو فگن است

ترجمہ تیرے خیال میں جب میں مہتاب کو دیکھتا ہوں تو صبر آ جاتا ہے کہ شاید تیرے چہرے کا عکس اس آئینہ پر پڑ رہا ہے۔

راست گفتارم و یزدان نہ پسندد جز راست

حرف ناراست سرودن روشِ اہرمن است

ترجمہ میں حق گو ہوں اور یزدان بجز حق کچھ پسند نہیں کرتا۔ جھوٹی بات کہنا شیطان کا طریقہ ہے۔

آں چناں گشتہ یکے دل بہ زبانم کہ مرا

می تواں گفت کہ لختے ز دل اندر دہن است

ترجمہ میرا دل زبان سے اس طرح یکجان ہو گیا کہ یہ کہنا کہ میرے منہ میں (زبان نہیں) دل ہی کا ایک ٹکڑا ہے، غلط نہ ہوگا۔

راستی ایں کہ دمِ مہر و وفائے تو بدِل

باہم آمیختہ مانند رواں با بدن است

ترجمہ سچی بات تو یہ ہے کہ تیری مہر و وفا میرے دل کے ساتھ اس طرح یکجان ہو گئی ہے جیسے روح بدن کے ساتھ ہوتی ہے۔

دوری از دیدہ اگر روی دہد دور

زانکہ پیوستہ ترا در دل زارم وطن است

ترجمہ بظاہر اگر تو آنکھوں سے دور بھی ہو، پھر بھی تو دور نہیں ہو سکتا۔ چونکہ تو میرے دلِ زار میں قیام پذیر ہے۔

داو را گرچه ہمایم بہ ہمایوں سخنی
لیک در دہر مرا طالعِ زاغ و زغن است

ترجمہ اے آقا! گو میں اپنے کلام کی برکت سے ہما (کی مانند) ہوں لیکن زمانے میں میری قسمت زاغ و زغن کی ہے۔

جز بہ اندوہِ دل و رنجِ تنم نفزاید
نالہ ہر چند ز اندوہِ دل و رنجِ تن است

ترجمہ اگرچہ (میری) زاری اندوہِ دل اور رنجِ تن کے سبب ہے (لیکن) وہ بھی اندوہِ دل و رنج میں اضافہ ہی کرتی ہے۔

سینہ می سوزد از آں اشک کہ درداماں نیست
بہ جگر می خلد آں خار کہ در پیرہن است

ترجمہ میرا سینہ اس آنسو سے کہ اب تک دامن پر نہیں گرا جل رہا ہے۔ (اور) وہ کانٹا کہ تا حال (میرے) پیرہن میں ہے جگر میں کھٹک رہا ہے۔

بے کسی ہائے من از صورتِ حالم دریاب
مردہ ام بر سرِ راہ و کفِ خاکم کفن است

ترجمہ: میری صورت احوال سے میری بے کسی کا اندازہ کرو۔ (گویا) میں سرِ راہ پڑا ہوا مردہ ہوں اور مٹھی بھر خاک ہی میرا کفن ہے۔

حیف باشد کہ دلم مردہ و پرسش نکنی
بہ جہاں پرسشِ ماتم زدہ رسمِ کہن است

ترجمہ۔ افسوس کی بات ہے کہ میرا دل مر چکا ہو اور تو پرسش نہ کرے (جبکہ) ماتم زدہ کی پرسشِ احوال (دنیا کی) پرانی رسم ہے۔

چشم دارم کہ فرستی بہ جوابِ غزلم
آں رضا نامہ کہ از لطفِ تو مطلوبِ من است

ترجمہ میں امید رکھتا ہوں کہ تو میری غزل کے جواب میں وہ خوشنودی نامہ کہ جو تیرے کرم سے مجھے درکار ہے (ضرور) بھیج دے گا۔

غالبؔ خستہ بہ جاں جائے بر آں در دارد
گر بہ تن معتکفِ گوشۂ بیت الحزن است

ترجمہ اگرچہ جسمانی طور پر غالبؔ خستہ (اپنے) غم کدے میں گوشہ گیر ہے تاہم روحانی اعتبار سے اس کا مقام (ممدوح) کے دروازے پر (ہی) ہے۔

نامۂ نگار اسداللہ جس کی حالت آئینۂ صیقل طلب خستۂ مرہم جو اور گدائے حاجت مند کی سی ہے۔

خط۔۳

(یہ فدوی) نواب عالی جناب، داور فریدوں فر، سلطان شوکت، شاہ نشان، عطارد پیشکار، کیوان پاسبان، خدا ان کے اقبال کو قائم رکھے اور ان کے اجلال میں اضافہ کرے، کی خدمتِ وافر المسرت میں آداب بندگی کہ سرمایۂ افتخار ہے، بعنوانِ تہنیت بجالاتا ہے اور آقائے ہنر پسند کے مرتبۂ فرماں روائی میں بلندی کو اپنے ستارۂ تقدیر کی بلندی تصور کرتا ہے۔ فدوی کو اچھی طرح یاد ہے اور تعجب نہیں اگر آپ کے بھی ذہن نشین ہو کہ اس دل افروز دن جب (اس فدوی نے) سراپردۂ قرب میں دوبارہ راہ پائی تھی (تو) بختِ مبارک کی ہمدمی اور اخترِ سعید کی سازگاری سے اس گفتار کی گزارش کی توفیق حاصل کی تھی کہ چند سطریں اپنے رگِ قلم گہر بار سے بطورِ سندِ خوشنودی کے تحریر فرما کر کامیابی کے اس تعویذ کو عریضہ نگار کی قسمت کی گردن میں ڈال دیں تا کہ جب حکم رانی اور گورنری کا منصب تفویض ہو جائے تو یہ بندۂ اطاعت گزار (اپنی) تمنا کی قبولیت کے نقش کو اُس تحریر کے آئینے میں کرسی نشین دیکھے۔ بے شک فرط عنایت و مہربانی سے اس جواب سے (آپ نے) سائل کو آبرو اور دل کو تقویت بخشی تھی کہ جب کبھی (اس) فدویٔ توقیع طلب کی آرزو پوری ہوئی تو اس سند[1] خوشنودی و دل جوئی کی آرزو بر آری میں (بھی) کوئی دریغ نہیں کیا جائے گا۔ خدا جانتا ہے اور بندہ خود اس کا گواہ ہے کہ وہ وعدہ انتہائی شائستہ طریقے سے وفا ہوا اور ایسی عنایت ظہور میں آئی کہ اس کا شکر ہزار زبان سے بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت جب (فدوی) کو تازہ تازہ شرف زمیں بوسی ملا تھا اور اُس آستان سپہر نشان پر (میرا) کوئی حق بندگی نہ تھا، میں ان تمام عنایات کا مورد ہوا۔ لیکن اب کہ (فدوی) اس درگاہ کا قدیم خادم اور اُس راہ (الفت) کا خاک نشین ہے، بے شک اس آرزو کے ساتھ جو ہر روز کسی شرف کی امیدوار اور ہر دم کسی نوازش کی طلبگار رہو، مسندِ گورنری اکبر آباد کے آپ کی ذات با برکات سے آرائش پانے نے اس سبب سے کہ میری دعائے سحر گاہی کی قبولیت کی نشانی ہے، رُخ آرزو پر درِ دولت کو کھول دیا ہے۔ اس سبب سے کہ وہ شہر میری جنم بھومی ہے اور میری جاگیر بھی اس سرزمین میں تھی، میری امیدواری بڑھ گئی۔ (پہلے) میں بندۂ خالص الاخلاص تھا (اب) رعیتِ خاص ہو گیا۔ بندگی میں بھی (آپ کی) عنایت سے مجھے امداد ملتی تھی، اب رعایا ہونے کے ناتے رعایت کا حق دار ہو گیا۔ اس خوش خبری کی شہرت کی خوشی سے کہ جو زبان خلق پر آ گئی اگر ایک لاکھ موتیوں کے خزانے بھی میرے پاس ہوتے تو خلق خدا کے سر پر نچھاور کر دیتا اور اس نشاط کی شراب کی خوشی کا نشہ جو دل کو ایسا چڑھا ہے، کہ اگر حرف گیروں سے نہ ڈرتا ہوتا تو اپنے آپ کو جم و پرویز کہلواتا۔ اہل زمین اس خوشی کے دعوے کو اس وقت مانیں گے اور آسمان والے اس شادمانی کی استواری کو اس گھڑی تسلیم کریں گے جب خیر خواہوں کے نہال تمنا گلفشاں ہوں گے اور اکبر آباد نسیم بہاری کے چلنے سے یعنی موکب شہریاری کے ورود سے گلستاں ہو جائے گا اور میں کہ سیہ مستِ بادۂ شوق ہوں بہارستانِ اقبال میں چہچہانے کے لئے بیخود ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوں گا اور حرف تہنیت پیش کرنے میں ہزاروں رنگ کے نغمے سازِ نطق سے پیدا کر دوں گا۔

۱۔ متن میں ''خوشنودی تفقد'' ہے جب کہ عبارت کے قرائن ''خوشنودی و تفقد'' کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ حرف عطف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

قطعہ

ہوا عبیر فشانست و ابر گوہر بار
حلوسِ گل بہ سریرِ چمن مبارکباد

ترجمہ۔ ہوا عبیر برسا رہی ہے اور ابر موتی۔ (ایسے میں) چمن کے تخت پر پھول کی تخت نشینی مبارک ہو۔

رباب نغمہ نواز است و نے ترانہ فروش
خروشِ زمزمہ در انجمن مبارک باد

ترجمہ: رباب نغمہ نواز ہے اور نے ترانہ فروش۔ گیتوں کی آواز اس محفل میں مبارک ہو۔

بہ بزم نغمۂ چنگ و رباب ارزانی
بہ باغ جلوۂ سرو و سمن مبارک باد

ترجمہ: محفل کو نغمۂ چنگ و رباب نصیب ہو۔ (اور) باغ کو جلوۂ سرو و سمن مبارک ہو۔

ز شمعہا کہ بہ کاشانۂ کمال برند
فروغِ طالعِ اربابِ فن مبارک باد

ترجمہ۔ ان شمعوں سے کہ جو کاشانہ کمال میں لے جائی جارہی ہیں ارباب فن کی خوش نصیبی مبارک ہو۔

ز بادہ ہا کہ بہ میخانۂ خیال کشند
طلوعِ نشّۂ اہل سخن مبارک باد

ترجمہ وہ شرابیں کہ جو میخانۂ خیال میں پی جاتی ہیں، اہل سخن کا طلوع نشہ مبارک ہو۔

فضائے آگرہ جولانگہ مسیح دمے ست
ز من بہ ہم نفسان وطن مبارک باد

ترجمہ فضائے آگرہ، یک عیسی نفس کی جولانگاہ ہے (اور یہ) میری طرف سے وطن کے ہمدموں کو مبارک ہو۔

چہ حرفِ ہم نفساں فرخی ز بختِ منست
زبختِ فرّخ من ہم بہ من مبارک باد

ترجمہ۔ ہم نفسانِ (وطن) کا (بھی) کیا مذکور۔ جب یہ میری خوش بختی کا نتیجہ ہے تو میری مبارک قسمت کی طرف سے خود مجھے مبارکباد (ملنی چاہیے)۔

بہ من کہ خستہ و رنجور بودہ ام عمرے
نشاطِ خاطر و نیروئے تن مبارک باد

ترجمہ: مجھ کو کہ ایک طویل مدت تک بدحال و بیمار رہا ہوں، سرورِ جاں و توانائی جسم مبارک ہو۔

ہزار بار فزوں گفتم و کم است ہنوز
گورنری بہ جمس ٹامسن مبارک باد

ترجمہ۔ میں (یہ بات) ہزار بار سے بھی زیادہ کہہ چکا ہوں لیکن اب بھی کم ہے کہ جمس ٹامسن کو گورنری مبارک ہو۔

اس خداوند کے کرم کے اعتماد پر کہ ذریعۂ خوش بختی ہے، اس عرض مدعا میں پیش قدمی کی جاتی ہے کہ اس تہنیت نامے کے جواب سے محروم نہ رہوں تا کہ اس عرضداشت کے پہنچنے کے ساتھ ہی توقیر کا اندازہ بھی ہو جائے۔ آفتابِ دولت و اقبالِ بے زوال ترقی کا سر چشمہ ہو۔

بنام شمس الامرا نائب والیٔ حیدر آباد

خط۔۱

رباعی

والی نظرا' سرا' گرامی گهرا
کز فیض تو یافت رونق این کهنه سرا
یارب چه کسے که لفظ شمس الامرا
جزویست ز اجزائیے رقم "نام ترا

ترجمہ۔ اے بلند نظر' اے سردار' اے گرامی نہاد کہ تیرے فیض سے اس کہنہ سرائے کو رونق ملی ہے۔ خدایا وہ کیسا شخص ہوگا کہ شمس الامرا جس کے نام کا حصہ ہے۔

(فدوی) فلک رفعت نواب ہمایوں القاب' قبلۂ اہل عالم نائب وزیر اعظم کے خدموں کی کہ خدا ان کے اقبال کو دوام بخشے اور ان کے افضال میں اضافہ کرے' بارگاہ کی پیشگاہ میں' کہ جس کے پاسبان فرشتے (ہیں) (اور) جوارم جیسی ہے' عرض کرتا ہے۔

(اُس) توانائی دینے والے' فتحمندی بخشنے والے خدا کا شکر کہ اِس دوری کے باوجود (فدوی) مہجور نہیں اور اگر اپنے آپ کو مقربین میں شمار کرے تو دور نہیں ہے۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانان عالم کے مخدوم ومطاع' مولانا عبدالرزاق نے جو شریف مدینہ ہیں اور صدق وصفا کی صورت کے لیے آئینے کے مصداق ہیں' آپ کی بزمِ جاوداں بہار میں اس خاکسار کا ذکر ہونے کی بات کی ہے۔ نواب خدایگانی کی فیض رسانی اور ہمہ دانی غائب اور حاضر' دور ونزدیک برابر ہے۔ اما بعد آئینہ کو صیقل کی خوش خبری (اور) فقیر کو خزانے کی نوید (ملی) درد کو دوا کا اشارہ (ہوا) اور آرزو کو بر آنے کی امید (پیدا ہوئی)۔ بے شک قسمت کی گہری نیند ختم ہوئی اور اقبال مندی دل جوئی کے بیے دروازے سے اندر آئی۔ (آپ کے) خاطرِ روشن پر کہ اسرار پوشیدہ کے لیے آئینہ کی مانند ہے' مخفی نہ رہے کہ شعر وسخن کے ساتھ کمترین کی فطرت کا روحانی تعلق ہے اور (میرا) قلم ابتدائے فطرت ہی سے گہر افشانیاں (کر رہا ہے)۔ شروع میں ریختہ کہتا تھا اور اردو میں غزل سرائی کرتا تھا تا آنکہ پھر فارسی زبان کا ذوق سخن (پیدا) ہوگیا (اور) اُس وادی سے عنانِ فکر موڑلی۔ ریختہ کا ایک مختصر سا دیوان مرتب کیا اور اس کو گلدستۂ طاق فراموشی بنا دیا۔ تقریباً تیس سال سے فکر فارسی کی طرف ہی راغب ہے۔ باوجود اس کے کہ فلک شیر افگن [۱] کے خوف سے اس کارواں سرائے ہزار در (یعنی دنیا) میں (بحالت گوشہ نشینی) اپنی آبرو کے گوہر شہوار کا محافظ بنا بیٹھا ہوں' ورنہ موافق زمانے کی رنگ بدلتی عادت کا (محض) مشاہدہ کرتا ہوں' پھر بھی قلم پروری اور سخن سرائی کا نشہ (مسلسل) طاری ہے۔

۱۔ متن میں "شیرو ل سپہر" ہے جب کہ عبارت "شیر اوژن سپہر" کی متقاضی ہے جس کے معنی شیر افگن سپہر" کے ہیں۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم ومرتب)

آج صبحدم جب (میرے) اونگھتے ہوئے بخت نے نیم باز آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بلبلِ طبیعت نے بخواہش زمزمہ سنجی پر پھڑ پھڑائے' تو خدا کی حمد اور خداوند کی مدح کا سامان مہیا ہو گیا۔ (طلوع) سحر کی روشنیوں میں میری دل بستگی نے میرے سامنے ایسا دروازہ کھول دیا کہ اس کی روشنی میں سڑسٹھ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ ضبطِ تحریر میں آ گیا۔ اب قصیدے کی بابت کیا کہا جائے' اس سینے سے کہ جس میں تابِ غم نے آگ جد رکھی ہو' دھ جلی ایک آہ اور اُس خرمن سے کہ جس کو بجلی نے جلا ڈالا دود آلودہ گھاس (کے مصداق ہے)۔ (اس) عریضہ نگار کی تقدیر پر آفرین ہو کہ جو قبولیت کی امید کے سرمایے پر چند روز کے لیے شادمانی سے دل لگا بیٹا ہے اور اس تنہائی میں اپنی ہمدمی کی داد دیتا ہے۔

فرد: به التفات نیرزم در آرزو چه نزاع

نشاطِ خاطرِ مفلس ز کیمیا طلبی است

ترجمہ. اگر میں التفت کے لائق نہیں (تو) آرزو کرنے میں تو کوئی جھگڑا نہیں کہ مفلس کے دل کا سارا سرور تو صرف کیمیا طلبی ہی میں ہے۔

جیسے کہ (میری) ہوس کی سوچ اور حرص کا خیال ہے' اگر بندہ پرور کا دل پرسشِ احوال پر آمادہ نہیں ہوا اور آپ کی پلکوں سے فرطِ محبت میں آنسو نہ ٹپکیں' تو میں یہ سمجھوں گا کہ اُس آہِ نیم سوختہ کا شعلہ بجھ چکا ہے اور اس گیاہِ دود آلود کو ہوا اڑا لے گئی ہے۔ ہاں (یہ تو) مدح سرائی ہے کوئی معرکہ آرائی تو نہیں۔ عرض بندگی ہے اپنی توقیر کی رف زنی تو نہیں۔ اور (حقیقی) معاملہ تو بخت کا رس زے ہے۔ (اس) زبان دراز کے ساتھ سائل کا (واحد) وسیلہ دعائے اقبال و دولت ہے خدمت کے دعوے کے ساتھ۔

قصیدہ

اے مظہرِ کل در ازل آثارِ کرم را

منّت بہ سرِ لوح ز اسم تو قلم را

ترجمہ اے مخاطب کہ تو ازل سے آثارِ کرم کا مظہرِ کل ہے' (اور) سرِلوح تیرا نام (لکھنے) قلم کا احسان ہے۔

شمس الامرا کرِ شرف سبب نمش

خور قبلہ بد او رنگ نشینان عجم را

ترجمہ تیرے نام شمس الامرا کی نسبت کا شرف ہی تو تھا کہ شاہنشاہانِ عجم آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔

اے خدا دفترِ قضا سے امارتِ سلطانی کے صحیفہ کا عنوان بقائے جاودانی کی سند کے ساتھ رقم پذیر ہو۔

بنام نواب مختار الملک نائب والیٔ حیدرآباد

خط۔۱

(فدوی) حضرت فلک رفعت' اعلیٰ لقب' اس سکندر پایہ ارسطو' اس آصف سلیمان شوکت' اس نظام الملک ملک شاہ شکوہ' جو حاجت مندوں کے قبلۂ حاجات اور شاعروں کی امیدوں کا محور ہیں' کی خدمت عالی کے شرف کی پیشگاہ میں عرض کرتا ہے۔

اگر عرضداشت کی ابتدا (ہی) میں معذرت صورت پذیر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس تحریر کو دوبارہ یہ موقع اور محل دستیاب نہ ہوگا۔ مجبوراً اس سے پہلے کہ درد[۱] دل کہا جائے یہ کہنا ضروری ہے کہ عریضہ نگار ایک درویش گوشہ نشین سے بڑھ کر نہیں۔ اگر شاعری میں مشہور ہے تو ہوا کرے۔ بے شک عقل اس بات کو (خوب) سمجھتی ہے کہ اس درگاہ کے آستان نشینوں سے روشناسی کے بغیر خط لکھنا جسارت ہی کہلائے گا اور یہ جسارت سوائے اپنے آپ کو خفیف کرنے کے بارآور نہ ہوگی۔ اگر مشاہدہ اس امر کا گواہ نہ ہوتا کہ بندے اپنی حاجات خدا سے چاہتے ہیں اور اس میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں' تو میں نہ یہ عریضہ لکھ سکتا تھا اور نہ ہی اس کے جواب کی امید (رکھتا)۔ ہاں بندگانِ (خدا) خدا سے بھی مانگتے ہیں اور خداوند سے بھی۔ بہ رزق قبولِ دعا و مدعا کی ڈور خداوند کے ہاتھ میں ہے کہ کس کو نکال باہر کریں اور کس کو بلالیں۔ اس غم کے زہر کی تلخی اور اس اندوہ کے خنجر کی تیزی بھی قابل داد ہے کہ ایک قصیدہ مدحیہ بھیجا جائے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکے کہ خاطرِ اقدس کو پسند آیا یا نہیں۔ یہ تو وہ بات تھی جو پریشانی کے باعث زبان پر آ گئی۔ مجھے تو ابھی تک یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ (قصیدہ) ملاحظۂ شاہی میں آیا بھی یا وہ عریضہ وسعت راہ ہی میں کھو گیا۔ ایسا تیر جس کا پھل قرض کا ہو کبھی کبھی خطا ہو بھی جاتا ہے اور چونکہ ہوئی ہو ہی میں جاتی ہے (اس لیے) میری گفتار کو بختِ قبولیت اور میری مدح کو توقیر صلہ کہاں۔ میں اتنی مہربانی پر بھی خوش ہوں اگر آپ کے دفترِ مبارک کے منشی ایک رسید میرے نام کی لکھ دیں تاکہ اس قصیدے اور عرضداشت کے پہنچ جانے سے آگاہی ہو جائے اور اپنے بخت کی رسائی اور ستارہ (تقدیر) کی بلندی پر ناز کرتا رہوں۔

فرد: تا چرخ کشد محمل برجیس' بقا باد
نواب فلک محمل برجیس شیم را

ترجمہ جب تک آسمان محمل برجیس (ستارہ مشتری) کھینچتا رہے' فلک جیسے محمل والا' اور برجیس جیسی عادت والا نواب زندہ رہے۔

۱- متن میں ''درد دل'' ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ ''در و دل'' ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

بنام منشی فضل اللہ خان

خط-۱

فرد: تنگ است دلم حوصلۂ راز نہ دارد

آہ از نئے تیرِ تو کہ آواز نہ دارد

ترجمہ: میرا دل تنگ ہے اور (مزید) حوصلۂ راز نہیں رکھتا۔ آہ تیرے تیر کی وہ نے کہ جس میں آواز نہیں۔

اگر ابر بہار اپنی دسترس کی فراوانی کی وسعت کے باعث صرف گوہر شہوار ہی تخلیق کرے تو کاشتکار کی کھیتی کو سرسبزی اور چمن کے باغ کو شادابی کہاں سے نصیب ہو۔ اسی طرح نور آفتاب اگر اپنی کارگزاری کی خاقت کی نمائش میں بجز مغز خاک کے (کسی دوسری جانب) نہ جائے (تو) دانہ کو خوشہ میں اور میوہ کو شاخ پر کون پرورش کرے۔ چنانچہ قلم کہ بے زبانوں کا قاصد ہے اور رازدانوں کا زبان دان اگر لطائف کے علاوہ اور کچھ لکھنا نہ جانتا ہو تو کسی سخنور کے مافی الضمیر کے بیان کی امید کس سے رکھی جاسکتی ہے۔ آزادمنش لوگوں کے خط کا عنوان سادہ ہی زیادہ اچھا ہوتا ہے تاکہ وہ صحیفہ دنیائے مہر و محبت کی صبح صادق ہو سکے، اور دلدادگان کی ابتدائے تحریر ہی حرف مدعا کی سزاوار (ہونا چاہیے) تاکہ زوائد کو حذف کر کے، جو اس جگہ ماسوا کی نفی کے مصداق ہے، خلوص کی حقیقت کا اثبات کیا جاسکے۔ اور بے شک میں کہ سچ کے علاوہ میرے دل میں کوئی چیز نہیں اترتی اور سچ کے علاوہ زبان پر کچھ نہیں آتا، اس گوشہ نشینی میں کہ جب میرے دل پر بھی بندش ہے اور زبان پر بھی، میں نے سنا ہے کہ میری جانب سے ایک عرضداشت نظر گاہ التفات راجۂ سلطان آثار (میں پیش ہوئی ہے) اور پیشکار نے اس وقت شایان شان طور پر اس کی سفارش اور حسب دستور (مناسب الفاظ میں) اس کی تعریف (بھی) کی ہے۔ اگرچہ میں اس عرضداشت کے عارض یعنی میرے مطاع منشی امین اللہ خان کا شکرگزار ہوں اور اس تعریف پر کہ جو محبت و عنایت کے تقاضے پر تھی میں نے آفرین (بھی) کہی لیکن حیرت زدہ ہو کر رہ گیا ہوں کہ وہ عرضداشت جو میں نے نہیں لکھی ان کو کس نے پہنچا دی اور مخدوم عنایت شعار نے میرے کہے بغیر کس طرح اس محفل میں میری بات کی۔ میں نے خود اس تعریف کی ساعت پر اپنے اوپر ملامت (کی ہے)، اور خونابہ چشم سے جیب و دامن کو رنگین کر لیا ہے کہ افسوس میں نے دوست کی قدر نہ پہچانی اور اپنی آنکھوں کو اس کے کف پا کا روشناس نہ کیا۔ کاش غالب بے نوا خود اپنی بندگی کا حوصلہ (اپنے) دوست سے طلب کرتا تاکہ اس عارض ناشناس کی جسے میں اب بھی نہیں جانتا کہ کون ہے غمخواری کا احسان درمیان سے اٹھ جاتا۔ یارب[1] وہ فرشتہ جو میری عرضی اس طریقے سے جو میرے علم میں نہیں کب مجھ سے لے گیا (اور پھر) وہ میرا وہ انداز تحریر کہاں سے لایا کہ اس خط میں وشستہ انداز تحریر کو نبھانا فرشتوں کے بس میں بھی نہیں ہے اور یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ بارے آپ سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ اس عرضداشت کو دیکھیں

۱- متن کی عبارت اس طرح ہے "یارب آن فرشتہ کہ مرا ابنجار ے کہ من ندانم کہ از من برد" جب کہ نول کشور میں کہ اور مرا کے درمیان لفظ نامہ بھی ہے جو جملے کی تکمیل کے لیے ضروری تھا۔ پھر بھی ندانم کے بعد "کے" ہونا چاہیے تھا۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

اوراس ورق کے سر پیر پر نظر ڈ میں۔اور اگر خط بہ ہو کہ تحریر اُس طرح کی نہیں ہے تو سمجھ لیں کہ یہ غالبؔ غمزدہ کے قلم کی تحریر کردہ نہیں۔ لازمی اپنے برادرِ عالی سے پوچھیں کہ اس تحریرِ نا نوشتہ اور اس فرستادۂ نا فرستادہ کو آپ کے پاس کون لایا ہے۔ آقائے من، یہ حکایت ہے شکایت نہیں، تکلم ہے فریاد نہیں۔ نہ بھیجے ہوئے کاغذ کا منشی میں اللہ خان کے پاس پہنچنا بڑا عجیب وغریب معمہ ہے اور اس واقعہ کی بوالعجبی سر سے ہوش اور دل سے تاب وتوان (اڑا) لے جاتی ہے۔ خدارا مجھے اس غم کی قید سے نکالیں اور اس راز کو کھولنے پر توجہ دیں۔ اس عجیب ہنگامہ آرا خط کو پڑھیں نیز اپنے بھائی سے اس ضمن میں پوچھ گچھ کریں ورجس وقت اُس ورق کی تہ کھولیں تو گوشۂ چشم سے خاتمہ کی مہر بھی مشاہدہ فرمائیں اور جب تیز گرد اور زود یاب اندیشہ کے پرکار کے مطابق یہ تحقیق وتفتیش اختتام کو پہنچے[1] تو بالضرور بغیر کسی تاخیر کے خط لکھیں اور صورتِ واقعہ کی صراحت کریں۔ والسلام۔

خط-۲

فرد: شادم کہ گرد شے بہ سزا کرد روزگار

بے بادہ کامِ عیش روا کرد روزگار

ترجمہ میں خوش ہوں کہ زمانے نے گردشِ سازگار کی (اور) بغیر شراب کے مقصدِ عیش کو روزگار نے روا کردیا۔

اس دورِ مبارک اور عہدِ خجستہ میں کہ ساقیِ زمانہ اپنی مشاقی سے انگشت نما ہے اور محفل کی امیدیں آشنائے سرمستی ہیں، مبارک نظر برادر کے نامۂ گرامی کے ورود کی نسیم کی شبنم افشانی نے محبت کی بستان سرا میں سبزے کے چہرے کا حسن اور پھول کے چہرے کی تازگی بڑھادی۔ بے شک یہ آبِ مشک بو جو آپ نے بطورِ تحفہ بھیجا ہے اور اس کا نام عرقِ کیوڑہ ہے وہ شرابِ ناب ہے جو اپنی خوشبو سے روح افزا اور اس کا (ہر) گھونٹ خرد افروز ہے۔ یہ وہ شراب نہیں جس کی بو سے مبارک فرشتہ بھاگتا ہو اور جس کا پینا گناہگاری کا سبب بنتا ہو۔ یہ ایک روح پرور عرق ہے جس کو خوش بو دار پھولوں سے آگ پر کشید کیا گیا ہے۔ گویا (یہ وہ) موجِ آب ہے جس نے شعلۂ آتش سے سر نکالا ہو۔ سبحان اللہ کیا پانی ہے کہ اگر بالفرض موجزن ہو جائے تو اس کو دیکھ کر خضر کے منہ میں بھی پانی آجائے۔ میں اس کو عرق کہہ رہا ہوں وراس بات پر نادم ہوں جبھی تو وہ میری پیشانی سے ٹپکنے لگا ہے۔ (اس کو) عرق نہیں (کہہ سکتے) بلکہ یہ تو کیوڑے کے پھولوں کے اجزا کا نچوڑ ہے کہ جس کی شاخ عینِ مسرت ہے۔ جب تک پھول تھا اس کی شکل شہپر کی تھی۔ گویا اس کے سر میں سوپر و بال تھی۔ آگ اور پانی کو اُس پیکرِ نازک پر متعین کردیا اور آگ کی گرمی سے اس کے پروں کو پگھلا دیا وراس کی خوشبو کو زنجیرِ موجِ آب میں قید کرلیا۔ اگر شراب ہوش انگیز ہوتی اور عرقِ گلاب تلخ نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ (یہ بھی) مئے ناب ہے۔ (عرق) گلاب کی آمیزش کے ساتھ۔ اور اگر ماہ رخوں کے چہروں کا پسینہ کھانے پینے کے لائق ہوتا تو میں سمجھتا کہ (یہ) عارضِ حور اور رخسارِ پری سے ٹپکا ہوا پسینہ ہے۔ وہ مئے سرجوش کہ جمشید (اپنے) جام میں پیتا تھا اور وہ یاقوتِ سیال جو پرویز پیمانہ سے نوش کرتا تھا اگر چہ مستی آور اور خرد ربا ہوتا تھا لیکن اس عرق سے زیادہ سرور انگیز نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود اس عرق کے ہاتھ سے فریاد ہے کہ اگرچہ یہ تشنگی کا کچھ چارہ گر ثابت ہوا

۲- متن میں ''نرسد'' ہے جب کہ ''برسد'' ہونا چاہیے۔ ترجمہ ''برسد'' سے کیا گیا ہے۔ (مترجم ومرتب)

لیکن جگر کی گرمی میں اس نے کوئی کمی نہ کی۔ نتیجۂ رگِ فکر کی حرارت اور دبِ مہر شعر کی بیتابی بدستور باقی ہے۔ تحفے کی اس سپاس گزاری کے بعد اسی خط میں میرے برادرِ مشفق دیوان امین اللہ خان کہ خدا ان کی بقا کو طول دے اور ان کی بلندی میں اضافہ کرے کی بات بھی ہو جائے میں اس خط کے رشحات پر ناز کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ نمک کم تھا تشنگی بڑھ دی اور میرے ہونٹوں کو کہ ہمیشہ پُر از سخن اور خالی از نوا ہوتے ہیں' شور کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہر ایک کو اپنا غم، اپنے دشمن سے چھپانا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ میں اپنا غم اپنے دوست سے بھی نہیں کہہ سکتا۔ چونکہ بار بار کہتے ہیں کہ کہہ تو پھر اور کیا کہوں۔ کیا (میرے) کہے بغیر وہ نہیں جانتے کہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور زمانہ پُر خطر ہے۔ یقیناً نازک کام تاخیر کی تاب نہیں لاتا۔ اب کہ بات اس منزل پر آ گئی ہے غم انگیز اشعار میں سے ایک شعر گنگنا کر اپنی طوالت کلام کی معافی چاہتا ہوں۔ بیت۔

بر دل نازک دلدار گرانی مکناد

خواہش ما کہ جگر گوشۂ ابرامے ہست

ترجمہ: محبوب کے نازک دل پر خدا کرے کہ گرانی نہ کرے۔ ہماری (وہ) خواہش کہ ابرام کا جگر گوشہ ہے۔

والدہ صاحبہ دعا کہتی ہیں اور دعا کے ساتھ قبول دعا کی شادمانی کی خواہاں ہیں۔

خط۔۳

۱

باغِ دودر

اے مخلص نواز اور غمزدوں کے غم کو (اپنی) محبت سے پگھلا دینے والے! اس دفعہ میرے مشفق رائے چھجمل جب دہلی آئے اور اس نامہ نگار کے زندانِ گمنامی میں تشریف لائے تو جہاں ہر موضوع پر باتیں کیں قدرے اُس (یعنی آپ) فرزانہ منفرد کی فرخندہ خوئی کی سپاس گزاری بھی کی۔ میرے خیال کو بھی اس سے تائید حاصل ہوئی اور مجھے اپنے دعوے پر ایک اور دلیل ہاتھ آئی۔

بے شک رائے صاحب فرماتے تھے کہ روحِ پیکرِ مروّت محمد فضل اللہ خان کو مجھ سے لگاؤ ہے اور (وہ) میرے حال زار پر (کرم کی) نظر رکھتے ہیں۔ ان کی آرزومند نوازی اور کارسازی کی توقع پر جواہر سنگھ کو اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا ان کی (یعنی آپ کی) اجازت سے ایسا کرنا چاہیے تھا۔ بتایا کہ ایک دن میرے بیٹے کا خط جو میرے نام تھا ان کی نظر سے گزرا اور انہوں نے اس کی طرزِ تحریر اور قابلیت کو پسند کیا۔ بلکہ فرمایا کہ اگر وہ اتنی لیاقت اور ذہانت رکھتا ہے تو اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتے۔

(خاطر اقدس سے) مخفی نہ رہے کہ اقبال مند جواہر سنگھ عقل سے بہرہ مند ہے اور (اس نے) سلیقۂ سخن شناسی مجھ سے سیکھا ہے اور جس طرح وہ رائے جی کا بیٹا ہے میرا نورِ نظر بھی ہے اور مجھے اس سے زیادہ سے زیادہ مل کر خوشی ہوتی ہے۔

ہر چند کہ اس کی جدائی مجھے گوارا نہ تھی لیکن چونکہ رائے جی نے یہ بات اس طرح کی، کہ ہے (اس کی) ناموری اور خوشحالی

کی امید پر اس سے جدائی پر آمادہ ہوا ہوں اور اپنے سے بہتر (شخص) کے سپرد کر کے اپنے آپ اور اس پر بھی میں نے احسان کیا ہے۔ غرض یہ کہ اس ضمن میں (آپ کی) خوش خلقی کی سپاس گزاری میں رائے صاحب کا ہمنوا ہوں اور نور چشمی منشی جواہر سنگھ کے مقصد کے نقش کے درست اترنے (حصول مدعا) میں ان کا شریک غالب ہوں۔ اس ذیل میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ سورج کو تابانی اور دریا کو روانی سکھائی نہیں جا سکتی۔ ع۔ کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند۔

ترجمہ: چونکہ آقا خود طرز بندہ پروری جانتا ہے۔

والسلام بہ ہزار احترام۔

بنام مظفر حسین خان

خط-۱

نظم

اے کہ گفتی کہ در سخن باشد

حاصلِ جنبش زباں گفتن

ترجمہ: اے کہ تو نے کہا کہ شعر گوئی میں کہنا ہی جنبشِ زباں کا ماحصل ہوتا ہے۔

تانہ دانی کہ رازِ دل با دوست

جز بہ گفتن نمی تواں گفتن

ترجمہ: یہ نہ سمجھ لینا کہ رازِ دل دوست سے صرف زبان ہی سے بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔

خامہ را نیز در گزارشِ شوق

ہست دستے بہ داستاں گفتن

ترجمہ: قلم کو بھی عرض شوق کی داستان کہنے میں مہارت (حاصل) ہے۔

گر قلم ور زباں، ترانہ یکیست

ایں نوشتن شمار و آں گفتن

ترجمہ: خواہ قلم ہو یا زبان دونوں کا نغمہ ایک ہی ہے۔ اسے لکھنا کہہ لو اسے بولنا۔

بہ قلم ساز می دہم گفتار

تا نہ گنجد دریں میاں گفتن

ترجمہ میں قلم اور قول میں ہم آہنگی پیدا کر رہا ہوں تا کہ درمیان میں کسی قیل وقال کی گنجائش نہ رہے۔

زانکہ دانم کزیں خروش لبم

ریش گردد ز الاماں گفتن

ترجمہ چونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس شور وغوغا سے میرے ہونٹ الاماں، کہتے کہتے زخمی ہو جائیں گے۔

مشکل افتاده است درد فراق

با مظفر حسین خاں گفتن

ترجمہ: دردِ فراق مظفر حسین خان سے کہنا مشکل ہوگیا ہے۔

ہر چند میں جانتا ہوں کہ تناسب شناس اختلاط کی زیادتی کو آشنائی میں پسند نہیں کرتے اور رمز شناس راہ یگانگی میں محبت کی فراخی تنگ سے دل نہیں لگاتے لیکن میں کیا کروں کہ محبت میں نیا دستور بنانا اور بدمعاملہ کم ظرفوں کی طرح دل کو دو جگہ گروی رکھنا میرا شعار نہیں ہے۔ خیال رہے کہ اس بات پر کہ جو بے خودی میں میری زبان سے نکل گئی ہے مجھ پر اور میرے کاروبار (محبت) پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ایک دل غمزدہ میرے پاس تھا۔ اس کو اعتقاد الدولہ نوروز علی خان لے گیا۔ اور (پھر) مجھ سے پوشیدہ اپنے دیرینہ دوستوں میں سے ایک کو دے دیا۔ محبت کی بوالعجبی پر ناز کرتا ہوں کہ بزمِ وصال کی شمع روشن نہیں کی (اور میں) داغ فراق سے سلگ رہا ہوں۔ اور اعتقاد الدولہ کے سحر کی وسعتِ اثر پر مرتا ہوں کہ بزمِ قرب سے محروم رہا اور (اس کے) نوحے میں آپ کا ہمزبان ہوں۔ کاش اس فریبی کی گفتار (ہی) میں نے نہ سنی ہوتی، اور (وہ) غم نامہ جو آنجناب کے نام تھا، میں نے نہ پڑھا ہوتا۔ اس وقت نشترِ غم پیہم رگ جاں میں اتر رہا ہے اور چشمہ چشمہ خون دل آنکھوں سے ٹپک رہا ہے۔ اپنے آپ کو زاری سے کس طرح باز رکھوں اور دل کو کون سے بہانے سے گرداب خوں سے باہر نکالوں۔ عہد جوانی میں میرا چہرہ میرے بالوں سے زیادہ سیاہ تھا اور پری رخوں کا سودا سر میں سمایا تھا۔ یہ زہرابِ بد (قدرت نے) میرے ساغر میں بھی ڈالا ہے اور جنازۂ دوست کے راستے میں میرے صبر کی بنیاد سے گرد اڑائی ہے۔ روشن دنوں میں اپنے محبوب کے ماتم میں بوریا نشین وسیاہ پوش رہا ہوں اور سیاہ راتوں میں غم کی تنہائی میں بجھی ہوئی شمع کا پروانہ۔ وہ ہم خواب محبوبہ کہ وقت وداع شدتِ رشک سے جسے سپردِ خدا نہ کیا جاسکے، کیسا ستم ہے کہ اس کے جسمِ نازنیں کو سپردِ خاک کردیا جائے اور وہ معشوقہ کہ جس کو نرگس کی نظر لگ جانے کے خوف سے چمن میں نہ لے جاسکیں، کیسا ظلم ہے کہ اس کی نعش کو قبرستان لے جایا جائے۔

فرد: خاک خوں باد کہ در معرضِ آثار وجود

زلف و رخ در کشد و سنبل و گل باردهد

ترجمہ: خاک برباد ہو جائے جو مظہر ہستی میں سے زلف ورخ کو اپنے اندر کھینچ لیتی ہے اور (ان کے عوض) سنبل اور پھولوں کی فصل دیتی ہے۔

اس صیاد کو جس کا دام (ہی) ٹوٹ گیا ہو اور اس کا شکار قید سے نکل بھاگا ہو، آسودگی سے کیا تعلق اور اس گل چین کا جس کے ہاتھ پھول نہ لگیں بلکہ پھولوں کا پودا ہی مرجھا چکا ہو اس کا خوشی سے کیا واسطہ۔ محبت کے جذبۂ یگانگت کو درجۂ قبولیت بخشنا اگر چہ ایک عمر کی جانفشانی کے بعد ہی ہوتا ہے لیکن (پھر بھی) دل دینے والے جانتے ہیں کہ یہ کس مرتبے کی محبت اور عنایت ہے۔ آفرین اس محبوبۂ وفا شعار پر کہ جس نے تلافی کا درجہ وجوب سے بڑھا دیا ہو اور اداؤ ناز سے جس کا دل لیا ہے اسی کی محبت میں جان دے دی ہو۔ اس کے باوجود کہ دوست کی موت کا غم جان لیوا ہے اور ہمیشہ کی جدائی کا دکھ جگر گداز۔ چونکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ راست رو لوگ حق گوئی سے کبیدہ خاطر نہیں ہوتے کہ اس جانکاہی اور جگر گدازی (کے عالم) میں خود ہی غور کیجئے کہ اس روگ کا مداوا کہاں ہے اور موت کا پنجہ موڑ

دینے کی طاقت کس میں ہے۔ خدا کے واسطے اس وادی سموم خیز میں زیادہ دور نہ جائیں وراس غم جگر گداز میں صبر کو محکم بنائیں۔ اے صاحب نظر! یقین جانیے کہ عشق بازوں کی دولت اور ہنگامہ پروروں کی قوت (بس) یہی دل ہے کہ کبھی تو اس کو کمر کی لچک پردے بیٹھتے ہیں اور کبھی ایک زلف کی شکن میں گرفتار کرا دیتے ہیں۔ مردہ جسم میں کمر کی لچک کہاں کہ دل کو مضطرب کردے اور (اس کی) زلف میں وہ پیچ کہاں کہ اس میں کوئی دل پھنس جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ غمِ ناروا جان کی آنکھوں کو غبار آلود کردے گا اور بالآخر دل کی موت پر منتج ہوگا۔ وہ بلبل جو عشق بازی میں نامور ہے ہر کھلنے والے پھول پر زمزمہ خوانی کرتا ہے ور پروانہ جو اپنی ہنگامہ خیزی کے لیے ضرب المثل ہے ہر روشن ہونے والی شمع پر پھڑ پھڑاتا ہے۔ اور یہ بھی (سچ ہے) کہ انجمن میں روشن شمعیں بہت ہیں اور (اسی طرح) گلہائے شگفتہ بھی چمن میں کثرت سے ہیں۔ پروانہ کو ایک شمع کے بجھ جانے سے کیا غم اور بلبل کو ایک پھول کے مرجھانے کا کیا دکھ۔ (آپ) دلدادۂ تماشائے رنگ و بو رہیے نہ کہ ایک آرزو کی قید میں گرفتار۔ اور اچھا تو یہ ہے کہ بزم شوق میں عیش کا راگ از سرِ نو چھیڑیں اور ایک ایسے محبوب دل فریب کو سینے سے لگائیں کہ جو آپ کے پراگندہ ہوش و حواس کو (نہ صرف) بحال کرسکے بلکہ خود بھی (آپ کے) خرمن ہوش کو غارت کرنے کے قابل ہوتا کہ دشمن کی خواہش کے علی الرغم مائل بہ شادمانی رہیں۔ اور نامہ نگار کا یہ شعر گنگنایا کریں

برماغمِ تیمارِ دلِ زار سر آمد
دیوانۂ ما را صنم سلسله مو برد

ترجمہ: ہمیں اپنے دلِ زار کی تیمارداری سے نجات مل گئی ہے (کیونکہ) ہمارے دیوانے (دل) کو گھونگھریالے بالوں والا محبوب (اسیر کرکے) لے گیا ہے۔

آقائے من۔ خدا کی قسم جو کچھ بھی کہا ہے وہ دل سوزی کی بنا پر کہا ہے بدآموزی کی بنا پر نہیں۔ اعتقاد الدولہ نے، جنھیں میں اس خط کے لکھنے کی بہ اصرار خواہش پر معاف کرتا ہوں، مجھے آمادہ کیا کہ اپنی جانب سے آپ کی خدمت عالی میں ایک مکتوب تحریر کروں اور یوں حسن تناسب نشناسی میں اپنے معیار دانش کا اظہار کروں۔ دل سادہ کہ ہمیشہ محبت کا پیرو اور اپنے اور بیگانے کے غم سے خون ہے، ہمدردانہ طور پر جوش میں آ گیا اور قلم لاپروا رفتار کو اس جوش میں راستے سے بھٹکا دیا۔ اگر میرے قلم کی نصیحت آموزی سازگار نہ ہو تو اس کو بغیر پڑھے چھوڑ دیں اور راقم کو معاف کریں۔ اپنی دل آزاری اور طبع نازک کو پہنچنے والی ٹھیس کو میری محبت کے ثمرات کا تقاضا اور میرے عمل (نامہ نویسی) کو بعنوان تعمیل حکم خیال کریں۔ خدا آپ کو ایسا دل جو ہر فکر میں توانا ہو اور ایسی فکر جو کیفیات ہستی و نیستی سے واقف ہو، ارزاں کرے۔ نامہ نگار – اسد اللہ نامہ سیاہ۔

خط-۲

الٰہی، دانش مند مبارک تربیت وسعت آثار کی رشکِ بتکدہ شہر کلکتہ میں، جو اگر فردوس نہیں، تو ارم (ضرور) ہے، تشریف آوری فی الجملہ اس سے زیادہ مبارک ہو کہ سفر کی تکلیف اور ناسازگار آب و ہوا کی پریشانی، اس برکت کے مقابل آسکے۔

اس کے بعد کہ (جناب کے) ورودِ کلکتہ کا نقشِ دل نشین دوبارہ آئینۂ گیتی نما میں دیکھا گیا مشفقی اعتماد الدولہ کی زبانِ دل ربا

سے یہ بیان سننے میں آیا کہ اس خط میں جو آپ نے کلکتہ سے ن والامرتبت کو لکھا ہے، مجھے بھی کہ (آپ کے) دعا گوؤں میں سے ہوں سدم لکھا ہے۔ آفرین اس یادآوری کے انداز پر اور کیا کہنے اس ادائے دل ربائی کے۔ اب جو آپ کلکتے پہنچ ہی گئے ہیں تو کیا اچھا ہو اگر دلنوازی اور کارسازی کی مضبوط بنیاد بھی ڈال دیں اور میدان سخنوری کے آوارہ خرام، معنی گستری کے یوسف کنعاں صاحب قلم عنبر فشاں روشن دلوں کے فصیح اللسان، عاطر نفس، مکرمی امیر حسن خان بسمل کو میری طرف سے (پیغام) صلح دے دیں۔ زنگار آئینہ (دل) ایسی صاف نہ ہونے والی چیز بھی نہیں کہ جس کو مٹانے کے لئے زبان گھس لی جائے اور (پھر بھی) باہمی رضامندی رونما نہ ہو۔ گردن کی یہ اکڑ کہ جس کے ذریعے قدرے امتیاز حاصل ہو جائے اور اس مضراب سے سازِ شہرت بج اٹھے تو آموزوں ہی کو مبارک ہو۔ میں کہ اس قدیم بت خانے کا پرانا فریب شناس ہوں اور اس نیلے گنبد میں میرے ساز کی آواز گونجتی رہی ہے، اگر سبک سری سے اونچی آواز بھی نکالوں تو چنگ کی طرح گوشمالی کا مستحق ہوں اور اگر میرا قلم نالہ وفریاد کے قریب بھی پھٹکے تو دف کی طرح تھپڑوں کا سزاوار ہوں۔ لیکن حاشا وکلا فن شاعری میں، میں نے مبارزطلبی سے کام نہیں لیا۔ خدا جانتا ہے کہ وہ (گفتگو کہ جس میں ایک طرف سے فضول لاف زنی ہو تو دوسری طرف سے اس کی تلافی پیش کی جائے، میں نے کبھی پسند نہیں کی۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ دانشمند (کبھی) پسند نہیں کرتا کہ فن سخن وری جو سرمایہ قیمتی اور متاع عالم قدس ہے، نادانی سے ناشائستہ (کاموں میں) صرف ہو جائے۔

(یہ بھی) ملحوظ خاطر رہے کہ اس نامناسب تحریر کے وقت نہ قلم میری انگلیوں میں تھا اور نہ ہی وہ ناشائستہ گزارش میرے تابع فرمان تھی۔ منشی عاشق علی خان مغفور سے میری محبت والفت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک امیر حسن خان کو ان سے زیادہ عزیز نہ رکھوں اپنے آپ کو حق ادا کرنے والوں میں شمار نہ کروں۔ نہ معلوم اس جواں مرد تند خونا ساز طبع کے سر میں کیا سمائی کہ مجھ جیسے غمزدہ پیر گوشہ نشین کے ساتھ ایسی بے مروتی سے پیش آیا۔

فرد: بدان معاملہ او بے دماغ و من بے دل
خوشا کہ معذرتے صرف ہر ستم گردد

ترجمہ۔ اس بددماغ کا وہ سلوک ہے اور میں بے دل ہوں۔ اس سے بہتر کیا ہوگا کہ ایک معذرت تمام ستموں کا مداوا کر دے۔

باوجود اس کے کہ عذر اُس طرف سے چاہیے (تھا) معافی میری طرف سے پیش کی گئی (ہے) تاکہ آزادہ رو لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا دل کینہ کے زخم سے مجروح نہیں اور سوائے مہر و محبت کے ہمارا کوئی دستور نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ (وہ) آزادہ روی اور جواں مردی سے دریغ نہیں کریں گے اور ماضی کو فراموش کرتے ہوئے اپنی عادت سے ہٹ کر دوستوں کی خطا معاف کر دیں گے۔

والسلام باہزاراں احترام۔

۱۔ یہاں متن میں ''یزداں داند کہ'' کے بعد مندرجہ ذیل عبارت کہ نول کشور ۱۲۸ھ میں موجود ہے، طباعت سے رہ گئی ہے ''آں گفتار کہ از یک سو بہ بیہودہ لافی و ازیں سو در تلافی بمیان آمد نہ پسندیدہ ام ودانم''۔ ترجمہ میں یہ شامل ہے۔ (مترجم ومرتب)

بنام مولوی محمد خلیل الدین خاں بہادر

خط-۱

اے خجستہ فطرت، اے مبارک نظر، چھوٹوں کے لئے سب سے بڑی امیدگاہ، ہرچند بہت سے روشن دن اندھیری رات میں تبدیل ہوگئے اور بہت سی سیاہ راتوں کو تابانیٔ سحر نے روشن کر دیا، سخن کوتاہ اتنا طویل عرصہ گزر گیا کہ اگر اجزائے زمانی کو حلقہ حلقہ پرو دیا جائے تو سالوں کا شمار اکائیوں سے گزر سکتا ہے کہ نہ اس طرف سے کسی مطربِ نیاز نے ترانہ سازی کی اور نہ ہی اُس طرف سے سازِ نوازش کا آوازہ بلند ہوا۔ میں اپنی کم خدمتی کی ندامت کی وہ سانس ہوں جس کو (کسی) ہم نفس نے پگھلا دیا ہو اور دوستی کی، پروائی کی تاب کا جگر سوختہ بھی۔ (میری) شرمساری کا وہ عالم کہ جب کبھی میری فکر بظاہر (خط) تحریر کرنے کی طرف ڈھلتی ہے تو ندامت کا پسینہ اس کی سطر سطر صفحے سے دھو ڈالتا ہے۔ اور خوف کی یہ حالت کہ ارادۂ تحریر ہی سے جسم پر ایسی شدت کا رعشہ طاری ہو جاتا ہے کہ قلم ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور ہاتھ کام سے عاجز ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود دلِ حیا شعار اس پر خوش ہے کہ اس طولِ وقت کو جب امید کی حبل المتین سے ناپا تو وہ ختم ہوگیا۔ (یعنی امید کی حبل المتین اس طولِ وقت سے زیادہ لمبی نکلی اور) اس (حبل المتین) کا اتنا ٹکڑا بچ گیا جسے تجدیدِ محبت کی غرض سے تھاما جا سکے۔ افسوس کہ آپ نے کبھی نہ پوچھا کہ چرخِ دوّار نے میرے ساتھ کیا (سلوک) کیا اور ستارۂ قسمت کے ہاتھوں مجھے کیا پیش آیا۔ اور یہ کہ ابھی تک مرا نہیں ہوں تو کس بہانے موت سے امان حاصل کی ہے اور کس آرزو سے دل لگایا ہے۔

لارڈ ہیٹنگ کے عہد میں کام سیدھا نہ ہوا اور کامیابی دشمن کو نصیب ہوئی تا آنکہ لارڈ آکلینڈ کے لندن سے آنے اور ایوانِ گورنری میں جلوہ افروز ہونے پر زمانے نے ورق پلٹا اور دادرسی کا وہ طریقہ کار نہ رہا جو پہلے تھا۔ والیٔ فیروز پور درمیان سے اٹھ گئے اور ولایت فیروز پور سرکاری قلمرو میں شامل ہوگئی۔ دادخواہ کے لیے سابقہ طریقۂ کار بحال ہوگیا۔ دہلی کی کلکٹری سے (پنشن) کی چٹھی اور ہم چشموں کی دریوزہ گری سے نجات ملی۔ گورنمنٹ کو مدعا علیہ اور بورڈ آف ڈائرکٹرز کو منصف قرار دے کر میں نے اپنا عرضی[1] دعویٰ گورنمنٹ کے واسطے سے ولایت بھیج دیا۔ لارڈ آکلینڈ کا دورِ حکومت بھی اختتام کو پہنچا لیکن کسی نے مجھے عدالت عالیہ سے اس ضمن میں جواب نہ دیا۔ جب لارڈ اڈنبر نے عہدۂ گورنری سنبھالا تو میں نے ساری سابقہ ناانصافیاں اس کے سامنے گنوائیں اور نہ معلوم یہ حماقت تھی یا ہوشیاری کہ ایک عرضداشت انگریزی سلطان انگلینڈ کے نام سے کہ ان دنوں ایک بلقیس شکوہ، درسلیمان طبع ملکہ ہے منصف فرخندہ گوہر کو بھجوا دی اور یہ درخواست کی کہ اس کو بارگاہِ خسروی میں بھیج دیا جائے۔ میری درخواست منظور ہوئی اور نامہ امیر امرا سیکرٹری بہادر محررہ پنجم اگست ۱۸۲۸ء مقام الہ آباد مجھے مل گیا۔ لکھا ہے کہ حکم یہ ہوا ہے کہ یہ عرضداشت بھی ان کاغذات متعلقہ کی شمولیت کے ساتھ جو اواخر ماہ بذریعہ ڈاک جائیں گے، ولایت بھجوا دی جائے۔

---

[1] متن میں ''دور، ہم میانجی گری گورنمنٹ بولایت فرستادم'' ہے جب کہ قرائن ''دور کی جگہ'' دعویٰ'' کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔
(مترجم و مرتب)

یہاں تک تو میری سرگذشت تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میری تقدیر میں کیا لکھا ہے اور اس کے بعد (اس) سر سودازدہ پر کیا گزرتی ہے۔ اس گوشہ نشینی میں کہ میری جان گدازی کا زاویۂ خلوت گورِ کافر کی طرح میرے دِن کے دھوئیں سے تاریک ہے' اسی امید پر زندہ ہوں کہ اودھ کے شاہِ انجم سپاہ کی مدح کروں اور انعام کی توقع پر اس کے خوان سخا سے صلہ کا طالب رہوں۔ لیکن یہ کام ہو نہیں سکتا اور یہ نقش صورت پذیر نہیں ہوسکتا جب تک کہ درمیان میں زمانے کا اداشناس اور بات کو انجام تک پہنچانے والا کوئی شخص نہ ہو۔ نہیں میں نے غلط کہا اداشناس بہتیرے ہیں اور فصیح البیان بھی کم نہیں۔ یہاں ایک صاحب دل کی ضرورت ہے جو شاعر پر مہربان اور اس بے چارے کے دردِ دل سے آگاہ ہو نیز اس کی عزتِ نفس اور توقیر سے واقف کہ مناسب طریقے سے گزارش کرسکے اور سخن در[1] کا تعارف اس کی شاعری سے اور شاعری کا تعارف اس کی شخصیت سے کراسکے۔ اور شاہ ممدوح کا انعام اور پیغام اس مدح گو فقیر کو پہنچ سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرط ہے کہ کوئی بیگانگی اور ذاتی مفاد کی دراندازی نہ ہو اور کلام کی پیشکش کا واسطہ بننے والے کے لیے اس (شاہِ) عالی گہر کے لطف و عنایت کا حصول دشوار نہ ہو۔ (جوہر) اندیشہ' جو ہر کام کے سراپا کے پیے پرکار ہے اور دائرے کی مانند ہر کام کا تمام و کمال احاطہ کرتا ہے' اس کانِ مہر و مروت (یعنی مکتوب الیہ) کے علاوہ کسی اور منفرد دانش مند اور فن گوہر شناسی کے (رمز) آشنا کا' جس کے ساتھ ایسی یگانگت کا تعلق استوار ہو' جس کا ذکر اوپر آچکا ہے' پتا نہیں بتاتا۔ بہرطور میری آرزو ہے کہ اگر آپ دل نوازی کی خاطر گوارا کریں اور اجازت دیں تو وہ ورق کہ میرے دن کی طرح سیاہ اور (میری) جبینِ کم حیثیت کا کاسۂ گدائی ہے' آپ کی نظر التفات کے لئے بھیج دوں کہ جس طرح مناسب سمجھیں حضور شاہ پہنچ دیں۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

۱۔ متن میں ''دخن وررا بہ سخن ورتواند ستود'' ہے جب کہ نول کشور میں ''دخن وررا سخن دخن ر بسخن ورتواند ستود'' ہے۔ ترجمہ نول کشور کے متن کے مطابق کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

بنام مہاراؤ راجہ بنے سنگھ بہادر فرمانروائے الور

خط - ۱

(یہ فدوی) یادآوری کے سپاس کی منازل کی تشریح کے بعد کہ بایقین الفت شعاری کی اقسام میں سے ایک ہے' سکندر مرتبت' فریدوں شان' مہاراجہ کی رائے عنایت آثار و خاطرِ انور پر یہ واضح کرتا ہے۔ نسیم فردوس کے چمنے کی فرخندگی اور پاکیزہ نکہت والے پھولوں کے ورود کی مسرت ایسی نہیں کہ توانا گفتار سخنوروں کی فکر اس کے بیان کی جرات کر سکے۔ اس منزل پر صریر خامہ کو نغمۂ شادی کا ایسا سرور سط ہوا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس نئے بے نو، کو کیوڑے کے پھولوں کی عندلیبی کا منصب مرحمت ہو گیا ہو۔ یہ کہنے ان کیوڑے کے پھولوں کے کہ کہنے کو پھول (ہیں)' پر دیکھنے میں گلدستہ اور ہر پھول اس کا بغیر دھاگے میں بندھے ہوئے ہی ایک دوسرے سے جڑا ہوا۔ اس کو بھلا گلدستہ کیوں کہیں یہ تو اہلِ فردوس کا پیچ در پیچ خط ہے جو انہوں نے اہلِ زمین کو بھیجا ہے، اور اس خط میں انہوں نے صفائے وقت، اور اپنی خوبیٔ مسکن کی خبر دی ہے۔ نزاکت میں یہ پھول ماہ جبینوں کے بستر اور بالش کی بیدار بختی کا فرمان ہیں (تو) تازگی میں نازنینوں کے دعوائے محبت کی سرسبزی کی سند۔ اس کے وجود کی بلندی نے ہوا کے طرّہ دستار پر تاج کیقباد (کی کلغی) سے پر کا پلّو ڈال دیا ہے۔ اور اس کی موجودگی کے حسن نے (اپنے) پنہاں مفہوم کی جھلکیوں کے مستقر (کی صورت میں) متاعِ جنت کی فہرست کا ورق نظروں سے متعارف کرا دیا ہے۔ شاہد گم گشتۂ کنعان کا لباس اگر اس پھول کی پتی کے حریر کا نہ ہوتا تو پیرِ گوشہ نشین کو بوئے پیرہن سے اپنے نور العین کی واپسی کی مبارکباد نہ ملتی۔

مثنوی

خوشا کاوی و بوئے جان پرورش

ز خود بہر(۱) پرواز بوشہپرش

ترجمہ خوش کیوڑے کا پھول اور اس کی روح پرور خوشبو۔ جو اس کی پرواز کے لیے (رضا کارانہ طور پر) شہپر کا کام دیتی ہے۔

شمیم روان پرورش دادہ اند

دگر صورتِ شہپرش دادہ اند

ترجمہ (قدرت نے) اس کو جان فزا خوشبو دی ہے (اور) پھر اسے شہپر کی صورت بھی عطا کی ہے۔

ازاں روست کایں گل بہ نشرِ شمیم

نہ زیباست منّت پرست نسیم

ترجمہ یہی وجہ ہے کہ اس پھول کو اپنی خوشبو پھیلانے کے لیے (بادِ) نسیم کی احسان مندی زیب نہیں دیتی۔

---

۱ متن میں "پر پرداز" ہے جب کہ قرائن "بہر پرواز" کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ "بہر پرواز" سے کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

تو گوئی بہاران فرخندہ خوی

کہ رسّامِ رنگ است و قسّامِ بو

ترجمہ: تم یوں سمجھو کہ بہارِ خوش خصال نے، جو رنگ اجاگر کرنے والی اور خوشبوئیں تقسیم کرنے والی ہے۔

پئے تازہ گلہائے اردی بہشت

برات روان بخشئ بو نوشت

ترجمہ: (ماہ) اردی بہشت کے نوخیز پھولوں کی خاطر خوشبو کی روح افزائی کا پروانہ لکھ دیا۔

شمیمے کزاں تازہ گردد دماغ

فزوں آمد از طرف گلہائے باغ

ترجمہ: (اسی لیے) ایسی خوشبو کہ جس سے دماغ تازہ ہو جائے، گلہائے باغ کی طرف سے بہت زیادہ آنے لگی۔

نگہداشت آں مایۂ دل فروز

بہ کاوی بہ بخشید اندر تموز

ترجمہ: (پھر قدرت نے) اس متاعِ دل افروز کو محفوظ رکھا اور کیوڑے کے پھول کو یہ (مایۂ دل افروز) گرمی میں عطا کی گئی۔

تموز از دمش نوبہاراں شدہ

شرف نامۂ روزگاراں شدہ

ترجمہ: (چنانچہ) گرمیاں اس کے دم سے بہار بن گئیں اور (اس طرح) روزگار کا شرف نامہ (ہو گئیں)۔

اگر حور را رختِ شادی بود

ز اکسون گل ہائے کاوی بود

ترجمہ: اگر حور خوشی کا لباس زیبِ تن کرے تو وہ (یقیناً) کیوڑے کے پھولوں کی اطلس سے تیار کردہ ہوگا۔

شمال و صباپیش کارش بہ باغ

گل از شبنم آئینہ دارش بہ باغ

ترجمہ: بادہائے شمال و صبا باغ میں اس کی پیش دست ہیں۔ اور پھولوں کی شبنم باغ میں اس کی آئینہ داری کرتی ہے۔

چنیں ارمغانے کہ فرح دم است

چنیں تازہ برگے دریں عالم است

ترجمہ: ایسی مسحور کن خوشبو والا تحفہ اور ایسا شاداب پھول اس دنیا میں ملنا محال ہے۔

بدآنساں کہ جاں راست از تن سپاس

فرستندہ را باد از من سپاس

ترجمہ: جس طرح جان پر جسم کا احسان ہوتا ہے۔اسی طرح بھیجنے والے کو میری جانب سے سپاس (پہنچے)۔

بود تا کہ زیب بساطِ سپہر

ز نسرینِ ماہ و گلِ سرخِ سہر

ترجمہ: جب تک کہ بزمِ فلک پر نسریں چاند بن کر اور گل سرخ آفتاب کی صورت زینت آرا ہیں۔

ہر آں گل کہ آرد بہ گلزار باد

مہاراجہ را وقفِ دستار باد

ترجمہ: ہر وہ پھول کہ ہوا گلزار میں لائے (خدا کرے کہ) وہ مہاراجہ کی دستار کے لیے وقف ہو جائے۔

بنام امیر حسن خان

خط-۱

فرد: داغم ز سوزِ غم کہ خجل داردم زِ خلق

بوئے کہ تن ز سوختنِ استخواں دھد

ترجمہ میں اپنے سوزِ غم سے سلگ رہا ہوں چونکہ مجھے اُس بو نے' جو ہڈیوں کے جلنے سے نکل رہی ہے' دنیا کے سامنے شرمندہ کر رکھا ہے۔

بے شک (یہ) راہ نشین فقیر کچھ خود آرا اور کچھ خودنما واقع ہوا ہے۔ اسے مہلت دیں کہ وہ اپنی گدڑی میں لگے پیوندوں پر پرانے ٹاٹ کے کچھ اور پیوند ٹانک لے اور اپنے افسردہ چہرے پر الجھے ہوئے بالوں کے کچھ اور حلقے لٹکائے۔ آج تو گویا نے قلم کی گہر افشانی کسی کی رشکِ ارم مسند بزم کی ہوس میں گرفتار ہے (جب ہی تو) اس کے ضمیرِ منیر کے خزانے میں قیمتی گہر ہائے شہوار بہت سے ہیں۔ یقیناً میری بھلائی معذرت خواہی میں ہے نہ کہ بساطِ دعویٰ آراستہ کرنے میں۔ شاید نواب مبارک القاب' دانشمند فلک آستانہ' مشتری مرتبہ' اور اس صاحبِ متاعِ روح ،لا میں' فرشتہ آواز' سخن سرا کے ملازمینِ نیک انجام مجھ بے نوا کی نوا سنجی کو بخش دیں اور یہ باز پرس نہ کریں کہ جب زینتِ گفتگو کی مشاقی اور متاعِ سخن کے سینکڑوں کاروانوں پر دسترس نہیں رکھتا تھا' تو اس قدر جرأت اور اتنی بہت سی طاقت کہاں سے آ گئی کہ دوستوں کی باہمی گفتگو میں ایسی سخن گستاخانہ سے ہمیں مخاطب کرے۔

فرد: زمرّدیں نہ بود خاتم گدا دریاب

کہ خود چہ زہر بود کاں تہِ نگیں دارم

ترجمہ فقیر کی انگوٹھی زمردیں نہیں ہوا کرتی۔ بوجھو تو سمجھو کہ کیسے کیسے زہر (ہوں گے) جو میرے نگینے کے نیچے (پنہاں) ہیں۔

اگر دیدارِ طلب جوش میں ہے اور' گر دوست کی ثنا کرنے والی زبان نالہ کناں' ان دونوں رنگوں میں میرا دستورِ تحلیل ہستی بے مکر و حیلہ نازشِ مستی نہیں۔ اس سے پیشتر میرا دل' رنجورِ قیدِ غم تھا اور میری روح حصولِ راز میں گُل رہی تھی تا آنکہ مجھے میری نمود بے بود سے آگاہی دی گئی۔ افتخارِ وجود نہ رہا اور گمانِ ہستی ختم ہو گیا۔ میرا دل جس کی گویا پہلے بھی کوئی ہستی نہ تھی ریزہ ریزہ ہو گیا اور وہ قید کہ میری دانست میں وجود ہی نہیں رکھتی تھی تحلیل ہو گئی۔ نتیجتاً وہ روح بجھ گئی اور وہ جستجو انجام کو پہنچی۔ اب یہ زمانہ ہے کہ میری خاک سے غبار اور میری آگ سے دھواں نہیں (اٹھتا)۔ نہ زبان کو نکتہ ہائے نکتہ جگر بریاں سے کوئی سروکار ہے اور نہ روح کو افکارِ خونابہ فشاں کا کوئی خیال۔ اور اس بہار سامان صحیفہ کا مشاہدہ کہ جو ایسے قلم کا تحریر کردہ ہے جو اپنی رفتار سے چکور کو چلنا سکھاتا ہے اور اپنی آواز (تحریر) سے بلبل کو (آداب) تسکین' اور ہر نقش جو اس ورق کی سیاہی سے بساطِ نمود پر رونما ہوا' اعتقادالدولہ کے لیے' معدنِ فتح مندی ہے اور ہر وہ جھونکا جو اس کی تہ کے کھلنے سے میدانِ وجود میں' تھا' غالبؔ کے لیے اپنے نذرانہ میں نسیمِ نوروزی تھا اور وہ دل کہ جس کو اچک لے جانے پر' اعتقادالدولہ ناز کرتا ہے (اور جو) مجھ بے دل پر زبانِ طنز دراز کرتا تھا' مجھے پتہ بھی نہ چلا (اور) میرے سینۂ بے کینہ میں اپنے عزم

کے نشانے سے شکار کرلیا۔ ایک پیاسا ظاہر ہے کہ اس چیز کے ہر گھونٹ سے جسے پانی کہتے ہیں اور جس کو پیاس میں پیتے ہیں' سکون حاصل کرتا ہے۔ زہے میری قسمت اور خوشا میرے بخت کہ آب حیات نے میرے دل کی حدّت وحرارت کو دور کردیا۔ اور اب میں سر اور زانو کی آمیزش کے رشتہ کو توڑ کر اور عالم سرور میں ہوس کو خدا حافظ کہہ کر اور اپنے دست (ہنر) کو قیام ودوام کی دعا دیتا ہوا بیٹھا خط لکھ رہا ہوں۔ فرشتوں کی ایک جماعت میرے دائیں بائیں مجھے مبارکباد دے رہی ہے اور حوروں کا ایک طائفہ میری جھونپڑی کے در و بام پر ان دشمنوں کو اندھا کرنے کے لیے کہ ہیچمدان سخن چین ہیں اور آج بھی بد بین کی طرح گھات میں بیٹھے ہیں' ناچ رہا ہے اور جام شراب پیہم جرعہ بخشی کرتا ہوا گردش میں ہے۔ دوستوں کے روئے روشن کی قسم کہ ساز آشنائی نے (اپنی) آواز، اور درد بیگانگی نے (اپنی) دوا اس سے حاصل کی (اور) جام مے کے نقش ونگار برابر نظروں میں چکا چوند پیدا کررہے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ اس سے یہی دعا کی کہ یہ گنبد گردان قدرے (میرے) دشمن کے گمان پر چلے تا کہ میرا اور دوست کا معاملہ جو بود ونبود کی انوکھی آویزش میں ہے' یکسوئی حاصل کرے تا کہ آئندہ اس بندۂ وفادار کو جو بندا سفت ہے' فن سخن کا مخلص اور خیر اندیش تصور کریں اور یقین کریں کہ میرا دل اور زبان ایک ہیں اور (میری) زبان اور میرا دل دونوں جناب کے ساتھ ہیں۔ میں خدا سے درازی عمر کی دعا صرف اس لیے کرتا ہوں کہ ممکن ہے اپنی (باقی) ساری عمر میں کبھی اپنی معذرت سے اس اذیت کی تلافی کرسکوں گا جو میں نے آپ کو پہنچائی ہے اور فدوی دوستوں کے خادموں سے اس خواہش کی تکمیل کو بھی عزیز رکھتا ہے کہ میرے خط کو غیروں کے خطوط کے ساتھ تہ کرکے شکنجے میں نہ رکھیں اور میری روح کو رشک کی مشکل سے کھلنے والی گرہ میں (باندھنے) کی زحمت دیتی روانہ رکھیں۔ میں اعتقادا مدد نہیں کہ اس تحقیر پر مصالحت کرلوں۔ مسکن ومنزل کی لاعلمی کا عذر قابل قبول نہیں۔ اس گمنامی اور بے حیثیتی کے باوجود ڈاک کے حکام میرے واقف ہیں۔ میرے خط کے لیے صرف شہر کا اور میرا نام کہ اس ہی شہر میں رہتا ہوں پتے کے لیے کافی ہے۔ صفحہ کا مغربی پہلو مطلع خورشید آرزو ہے کہ آداب زمین بوسی کی گذارش کی تقریب کے ساتھ اس تحریر کو بہ حضور خداوند آثار بندہ پرور غریب نواز ومخدوم اعلیٰ تبارزاد فطرت مولوی محمد مسیح الدین خان پیش کردیں اور دو قبلہ گاہوں کی طرف رخ کرکے میری نماز گزاری کو کیش یگانگت کی بدعات حسنہ تصور کریں۔ ازلی تقدیر (خدا کرے کہ) ابدی فجستگی سے پیوست رہے۔

خط-۲

اے صاحب خاقانی مرتبت اور اے مخدوم خسرو منزع۔ (آپ کا) گرامی نامہ نام آور (اس) دوست دلخواہ کی طرح جو اچانک مل جائے' اچانک ہی ملا، اور (اس کو) حسب خواہش دل (ہی) پایا۔ بے شک آپ نے اندازہ شناسی صبر کا حق ادا کردیا اور انتظار کی اجرت انتظار سے پیشتر ہی ارساں کردی۔ کیا کہیے اس نامۂ مشک فشاں کے جو بہار کردار ہے۔

ا- اس جملہ کا متن اس طرح ہے "ندانم ازسینۂ بے کینۂ من یا از دست توانا شستنش دور بود"۔ اس کو غور سے پڑھنے پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہاں لفظ "یا" کو کوئی قرینہ نہیں۔ دراصل متن میں غلطی ہے اور متن میں "یا دست توانا شستنش" ہونا چاہیے۔ یاز مصدر یازیدن سے ہے جس کے معنی قصد یا ارادہ کے ہیں۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم ومرتب)

فرد: از روئے نگار دل کشا تر و زباد بہار جانفزا تر

ترجمہ: محبوب کے چہرے سے زیادہ دل کشا اور بادِ بہار سے زیادہ جانفزا۔

اگر اس عزت افزائی پر ناز کروں اور اس جوش پر اپنے بخت کی ثنا کروں تب بھی میں اس افتخار کا مستحق ہوں اور میرا بخت اس ثنا کا۔ اس خط میں آپ نے جو اپنی سخن گوئی کی تعریف کی ہے تو حق یہ ہے کہ از راہِ عنایت میرے ہمزبان ہوئے ہیں۔ مجھے اپنے ایمان کی قسم کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ (آیندہ) کہیں گے آپ اس سے برتر ہیں اور اس تعریف کا استحقاق رکھتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر پیرایۂ خیال میں نہیں آتا۔ (آپ) قالبِ نثر کے لیے جان اور زمینِ نظم کے لیے بمصداق آسمان کے ہیں۔ اگر آپ میدانِ سخن کے شاہسوار ہیں تو ہم اطاعت گذاری کے لیے پالان بردوش اور اگر آپ شہرِ ہنر کے خدا ہیں تو ہم بندگی کے لیے حلقہ در گوش ہیں۔ (لیکن) یہ کیا بات ہے کہ اس خط کی تحریر میں باوجود اس کے کہ جناب نے بہت مہربانی فرمائی ہے، جرعہ تلقت صاحب تشنہ جگر و اس حساب سے نہیں دیا ہے کہ جب خیال مغزِ سخن کرید ے تو الفاظ سے مہر و محبت ٹپک پڑیں۔

فرد: نگاہِ ناز بہ دل سرنہ دادہ چشمۂ نوش

ہنوز عیش باندازۂ شکر خنداست

ترجمہ (ابھی) محبوب کی نگاہ ناز سے آبِ حیات کا چشمہ پھوٹ کر دل پر نہیں گرا۔ ابھی تو (ہماری) عشرت (محض) ہلکی سی مسکراہٹ تک (محدود) ہے۔

امید کرتا ہوں اس راہ میں بے پروائی نہیں برتیں گے اور میرے ساتھ کہ محبت ہی میرا دین ہے، ہم پلہ رہیں گے۔

اس تحریر کے ہاتھوں میں خود اس وجہ سے گریہ کناں ہوں کہ مجھے ڈر ہے کہیں گفتارِ بدآموز نے دل میں جڑ تو نہیں پکڑ لی ورود وہ انتشارِ دل سے باہر نہیں نکل پایا۔ خدا کرے ایسا نہ ہو اور دوست کے دل میں میری طرف سے سوائے مہر و وفا کے اور کوئی بات نہ رہے۔

ابیات

به توام زنده و نادیده سراپائے ترا به گمانم ز سراپائے تو کاں جاں منست

ترجمہ میں تجھ سے ہی زندہ ہوں (اگرچہ) میں نے تجھے دیکھا نہیں۔ میں نے تیرے سراپا کا تصور کیا ہوا ہے جو میرے لیے جان کی مثل ہے۔

شرطِ اسلام بود ورزشِ ایمان بالغیب اے تو غائب ز نظر مہرِ تو ایمان منست

ترجمہ اسلام کی لازمی شرط غیب پر ایمان لانا ہے۔ اے میری نظر سے دور رہنے والے تیری محبت میرا ایمان ہے۔

خدا کرے (ہم دونوں) باہم غزل سرا ہوں اور ہمارے دل ایک دوسرے کے ساتھ مائل بہ محبت۔ منجانب اسد اللہ و مہ سیاہ۔

محررہ بائیس جولائی ۱۸۴۴ء۔

بنام نواب حشمت جنگ بہادر

خط۔۱

وہ خدا جو کامیابی پیدا کرنے والا اور کامرانی دینے والا ہے جناب نواب جمشید مرتبہ' انجم سپاہ' سطان شوکت' سلیمان حشمت کا' سعادت فضیلت کی آب و تاب میں اضافے اور فتحمندیٔ بخت سے معین و مددگار رہے۔ عرصہ ہوا کہ (جناب کی) عالی فطرتی' تابانیٔ فراست' فرخندہ خوئی' فراوانیٔ خرد' فروغِ فکر' خجستگیٔ گفتار' اور روشنیٔ رائے تاباں کے متعلق حق گوؤں کے بیانوں سے' اس سے زیادہ کہ حیطۂ عقل میں سماسکے' سنتا رہا ہوں اور اس کا قصد رہا ہے کہ اگر قسمت ساتھ دے تو اس بزم دل کشا میں باریابی کی راہ نکال کر اس زبانِ گہرفشاں سے دل افروز باتیں سنی جائیں۔ قربت کے خوش دل راہ یافتگاں کی خاطر عطر پر کہ جو اس درگاہِ آفتاب بارگاہ کے گوشۂ بساط کی ناصیہ فرسائی کے سبب میرے لیے وجہ رشک ہیں' یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی بار جب خوش بختی نے مجھے چہرہ دکھایا تو وہ (وقت) تھا جب میرے دیرینہ دوست میر کرم علی صاحب مبارک سواد فرخ آباد سے آئے اور تھوڑا احوال جیسا کہ میں نے اس خط کی ابتدا میں تحریر کیا ہے' مجھے بتایا- کیا بتاؤں کہ اس کے سننے سے دل میں کیسا ولولہ پیدا ہوا اور اسے دوبارہ سننے کی کیسی شدید تشنگی پیدا ہوگئی۔ اچانک زمانے کو میری آرزومندیوں پر رحم آگیا۔ (اور) مکرمی میر علی بخش صاحب کو میرے کلبۂ احزاں میں (بہ نفس نفیس) لے آیا۔ دو تین بار کہ جب ہم بیٹھے اور ہم نے آپس میں بات چیت کی تو تمام گفتگو کے دوران میری طرف سے پرسش رہی اور سید صاحب کی جانب سے تحسین۔ (گویا) سید صاحب کی جانب سے دعا تھی' اور میری طرف سے آمین۔ اس کے بعد آپ کے سر تصدق ہونے کی خواہش دن بدن بڑھتی ہی گئی اور قدمبوسی کی آرزو نے دل حاجت مند پر جبر شروع کر دیا۔ اس بار جو منشی امداد علی خان کا دہلی سے گزر ہوا تو نہ معلوم یہ میرے جذبۂ روحانی کی حاقت کے سبب تھا یا ان کی اپنی نیکی اور بزرگی کے اقتضا پر کہ انہوں نے اپنے قدموں (کی برکت) سے نوازا۔ دراپنے پائے راہ پیما کے نقوش سے میرے غریب خانے کی زمین کو رشک گلزار ارم بنا دیا۔ بڑی اہم باتیں ہوئیں اور بہت سے پوشیدہ راز زبان پر آئے۔ اس راز گوئی کے دوران ہی خانِ راز داں کی زبان پر یہ بات آگئی کہ حضرت نواب عالی جناب اعلیٰ القاب کی زبان پر اکثر غالب کا نام آتا ہے اور اس آشفتہ نوا کے اشعار اس محفل میں پڑھے جاتے ہیں۔ کبھی تو اپنے نام کی تعریف کرتا ہوں کہ اُس زبانِ معجز بیان پر آیا اور کبھی اپنے اشعار سے جلنے لگتا ہوں کہ مجھ سے پہلے اس انجمن کے شناسا ہوگئے۔ بے شک بڑے عرصے سے یہ خواہش میرے دل میں سر اٹھاتی تھی کہ خط تحریر کروں اور اپنی چالیس سالہ جگر سوزی کا سرمایہ یعنی مجموعۂ اشعار فارسی جناب کی خدمت عالیہ میں بھیجوں۔ لیکن شکوہِ سرداری کی دورباش دل میں کھٹکتی تھی اور یہ گستاخی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اب جو سنا کہ یہ فقیر تو روشناسِ شاہ ہے اور یہ بھی جان لیا کہ بادشاہ فقیروں کے شور و غوغا کا برا نہیں مانتے (تو) یہ خط کہ جس کو میں خطِ بندگی تصور کرتا ہوں تحریر کیا اور اس صحیفہ کے ساتھ کہ جس کو داغہائے سینہ کی فہرست کہا جاسکتا ہے' خان صاحب والا صفات کے حوالے کر دیا کہ جب پہنچیں تو یہ فقیر کا تحفہ بادشاہ کو پہنچا دیں۔ ممکن ہے کہ درویش نوازی صورت پذیر ہو اور یہ (حقیر تحفہ) تحسین کا متبادل ہوسکے۔ آفتاب دولت و اقبال فروغِ لازوال کا سرچشمہ ہو۔

بنام جناب مجتہد العلماء حضرت مولوی سید محمد صاحب

خط-۱

(یہ فدوی) حضرت ولی نعمت کی جو منصف ود.درس خدا کی آیت رحمت ہیں' خدمت باشرف میں سر عالیہ پر تصدق ہونے' قدم چومنے' اور جناب کے راستے کی مٹی پر چہرہ سائی کی پیشکش کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ تعزیت نامہ' جس کی دو تین سطریں گویا اپنے دل کو دہکتی ہوئی چنگاریوں پر رکھ کر لکھی ہوں گی' روانہ کرنے کے بعد' منگل کے دن صفر کی گیارہ تاریخ کو سند شاہی اور جمعرات تیرہ تاریخ کو تحفۂ سلطانی نے شرف ورود بخشا۔ فرطِ عرق ندامت سے بر بن مو بمصداق ایک سب جو ہے۔ لامحالہ وہ جو ایسے پانیوں سے کشمکش میں مصروف ہو وربعید نہیں کہ یہ پانی اس کو تہ میں لے جائے' کس طرح شکر گذاری کا دم بھر سکتا ہے۔ میں نے مانا کہ سخن آرائی خودنمائی ہے لیکن میں بھی آخر آنکھیں رکھتا ہوں اور میرے پاس بھی دل ہے۔ ایسے ناخوشگوار وقت میں کہ جب آنکھ مردم دیدہ کے غم میں سیاہ پوش ہے اور سارے شہر میں پیکارِ کفر و اسلام کا شور و غوغا ہے' بندہ نوازی کرنا اور اس خوبی کے ساتھ کہ حیطۂ امکان میں نہ آئے اور کام سر انجام دینا' اگر معجزۂ امامت اور طاقتِ ولایت نہیں تو اور کیا ہے! سبحان اللہ حسرت غمزدگی میں یہ غم زدائی اور ایسی دل تنگی میں یہ گرہ کشائی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ع: خاموشی از ثنائے توحدِ ثنائے تست

ترجمہ تیری تعریف میں خاموشی ہی انتہائے تعریف ہے۔

نمونۂ کربلا کی تعمیر کی تاریخ کا قطعہ کہ اُس کی بنیاد رکھنے والے کی مدح پر مبنی ہے' اس عرضداشت کے ساتھ ہی روانہ کیا جا رہا ہے۔

خط-۲

اسد اللہ سیاہ بخت کی عرضداشت (ان) آقائے خردمند دین پرور دادگستر اور (ان) فرزانہ یکتا جو ہمایوں مرتبہ ہما سایہ (ہیں اور جو) منظر آگہی کے خداوند (ہیں) (اور جو) سلطنتِ معنی اور عرش و فرش سلطان علم و قلم (ہیں) (اور جو) بینش افروز دانش آموز (ہیں اور جو) حضرت علیؑ کے نسب سے ہیں اور مصطفے کی نشانیاں رکھتے ہیں' جن کی درگاہ آسمان جتنی بلند ہے اور جو دنیا کے بادشاہ ہیں اور جو سلسلہ نسب اور خاندان کے اعتبار سے حق پرستوں کا قبلہ ہیں وعزّ و شرف کے لحاظ سے آسمان جیسا آستانہ رکھتے ہیں '(اُن کی) اُس نظر گاہ میں جو فرشتوں کی گزرگاہ ہے۔

ابیات

سید محمدؐ آنکہ جبینش ز نورِ حق
چوں مہ ز تابِ مہر منور لبالب است

ترجمہ : وہ سید محمد جس کی پیشانی نورِ حق سے مہرِ منور کی روشنی سے چاند کی طرح رباب ہے۔

گر علم کوکب است ضمیرش بود سپهر
وردین بود سپهر، دل خواجه کوکب است

ترجمہ : اگر علم (کوئی) ستارہ ہے تو ان کا ضمیر آسمان ہوگا اور اگر دین آسمان بن جائے (تو) اُن کا دل ستارہ ہے۔

سدم کے اِس گلدستے نے جو مکرمی مولوی حافظ عبدالصمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے خط میں بند ہوا تھا جب پردے سے اپنا چہرہ دکھایا تو سب سے پہلے تو اس نے جوہرِ نگاہ کی تابانی میں اضافہ کیا اور اس کے بعد جب اظہارِ تسلیم کے لیے اس کو سر پر رکھا گیا تو سرمستی میں وہ تاج سے مسابقت کے درپے ہوگیا۔

فرد: آید به چشم روشنی، ذره آفتاب
برهر زمیں که طرح کنی نقشِ پائے را

ترجمہ : جس زمین پر بھی تیرا نقشِ قدم ثبت ہوتا ہے، آفتاب اس کے (ایک ایک) ذرّے کو مبارک باد دینے آتا ہے۔

اس سدم کی فرطِ شادمانی سے میں اُس بھکاری کی مانند ہوں جسے خسرو پرویز کے ساتوں خزانوں کو لوٹ لینے کی دعوت دی گئی ہو اور خدا کا کرم اس کارسازی پر (کہ) تختِ سلیمان بھی اس ہی فقیر کی ملک ہو۔ اُس نامۂ قدسی میں کہ جو نواب نجستہ القاب مظفر الدولہ سید سیف الدین حیدر خان بہادر، خدا ان کو عمر دراز عطا کرے، کے نام گرامی کے لیے جناب عالی کے قلمِ معجز رقم سے لکھا گیا ہے، یہ دیکھا گیا کہ فرمان سرفرازی جاری ہو، اور اس ننگِ تخلیق کے بارے میں ایک دل افروز پرسشِ احوال عمل میں آئی۔ خواجہ کو اُن کے زمرۂ مقربین میں (دیکھ کر) میں نے دور سے زمین بوسی بھی کی اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے میں خود اپنے پر تصدق بھی ہوا۔ اب اگر موت نے مہلت دی تو میں نغمۂ تہنیت آفتاب و ماہتاب سے سنوں گا اور اجرامِ روشن فلک کا ہمزبان ہو کر اپنے آپ کو آفرین کہوں گا۔

میں جانتا ہوں کہ میرا حوصلہ اس شادمانی کا متحمل نہیں اور یہ دلِ سودائی اس قدر افزائی کی برداشت کی تاب نہیں رکھتا۔ اگر میں خوشی سے مر نہ جاؤں پھر بھی زندگی میں نظرِ بد کے صدمے سے مفر نہیں۔ چنانچہ اس گوشۂ بے توشہ میں میرے ہونٹ ان[1] یکاد پڑھ پڑھ کر زخمی ہو گئے ہیں اور میرے ہاتھ سپند سوزیٔ مسلسل سے اذیت میں (ہیں)۔ حق یہ ہے کہ اگر یہ پرسش باز پرس کے طور پر ہوتی تب بھی مجھ پر رہِ سخن بند کر دیتی اور کپکپاہٹ میرے جسم کو چور چور کر دیتی۔ اب چونکہ یہ محبت و مروّت کے سبب ہے تو کیوں نہ کہوں اور اگر نہ کہوں تو میں خود اپنے اوپر ظلم کروں گا اور ہر محفل میں یہ ذکر ہوگا کہ فلاں شخص تقصیر میں دلیر ہے لیکن معذرت میں بے پروا۔ شاعر کی زبان تو موتی (بیندھنے یا) پرونے کا ایک آلہ ہے، یہ نامناسب باتوں کے راگ الاپنے کا ساز نہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ برا کہنا گناہ نہیں ہے لیکن یہ (ضرور) کہتا ہوں کہ میرا گناہ سوائے تعمیلِ فرمانِ شاہ کے اور کچھ نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے برے وقت اور ابتر صورتِ حال میں مزید کیا حکم دیا جاتا ہے۔

۱- یہ قرآن پاک کی سورۃ القلم کی آیت نمبر ۵۱ کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ یہ سورہ نظرِ بد سے حفاظت کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ (مترجم و مرتب)

فرد: راست می گویم و یزداں نہ پسندد جز راست
حرف ناراست سرودن روشِ اہرمن است

ترجمہ۔ میں سچی بات کہتا ہوں اور خدا سچ کے علاوہ کچھ پسند نہیں کرتا۔ ناحق بات کہنا تو شیطان کا کام ہے۔

نگارش مثنوی میں مضمون خسروؔ کا ہے اور الفاظ میرے، جس طرح نغمہ سرائی میں مضراب معنی کی ہوتی ہے لیکن آواز تار سے نکلتی ہے۔ اور تعجب نہیں کہ اس سب کچھ کے باوجود سارا (مضمون) میری زبان میں نہ تھا' دوسروں نے کچھ مصرعے بڑھا دیے ہوں گے۔ اب وہ وقت ہے کہ میں اپنی نثر کی بساط تہ کردوں اور غزل گوئی کا طریق اختیار کروں تا کہ یہ آشکار ہو سکے کہ اس گوشۂ ناکامی میں (بیٹھے) اس شخص کی نمدے کی ٹوپی کے نیچے سر میں کیا شور و ہنگامہ بپا ہے اور گدڑی اور پیراہن کی گراں باری کے باوجود فضائے سخن میں اس کی پرواز کس بلندی تک ہے۔

خدا اس فرشتہ صفت ذات کے آفتاب کو طلوع روز قیامت تک روشن رکھے اور اس ہمہ تن روشنی کی کچھ کرنیں غالبؔ سیہ بخت کو بھی مقدور ہوں۔

بنام امداد حسین خان بہادر

خط-۱

(یہ فدوی) اعلیٰ حضرت' فلک پایہ' جناب مستطاب' نواب خجستہ القاب صاحبِ سیف وقلم' قبلہ عالم واہل عالم' دام اقبالہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ عرصے سے جناب کی بلند فطرتی' خجستگی رائے' فرخندگی طبع' رسائی فکر وروائی فرمان کے بارے میں اس سے زیادہ کہ بیان ہو سکے' سنتا رہتا ہے اور اس کی تمام فکر اس پر مرکوز رہتی ہے کہ کیا کیا جائے کہ نگاہِ التفات سے شناسائی پیدا ہو جائے اور اپنے آپ کو پیشگاہ اقبال میں مبارکباد دی جا سکے۔ چونکہ طلب صادق بھی تھی' کشائش بھی رونما ہوگئی۔ دل سودائی کی جیب میں غیب سے یہ متاع خیال ڈال دی گئی کہ گویائے خاموش یعنی قلم کا' کہ آسمان سخن کے لیے بمنزلہ فرشتہ کے ہے' دامن تھام لوں تاکہ وہ تمام سجدہ ہائے نیاز جو جبین میں نوشتۂ تقدیر کے ساتھ ہی منسلک ہیں' نقل وتحویل کی صورت میں' اس ارم آثار بساط کے گوشے پر ڈھیر کر دیے جائیں۔ چونکہ سخن وری شیوہ اور ثنا گری (میرا) دستور ہے اس لیے راہ سخن ایک دل کش مدح پر کھلی اور اس مدح گری میں دل نے قصیدے کی بجائے قطعے کو منتخب کیا۔ جوش ستائش کی فراوانی پر مجھے ناز ہے کہ اگرچہ ایک دل کش قطعہ موزوں ہوگیا تاہم اس کی ترتیب اظہار راز اور بیان آرزو میں نثر کا کام (بھی) کر سکتی ہے۔ اور اس نظم میں کہ مانند نثر ہے' دارا دربان سلطان کے مدحیہ قصیدے کا ذکر بھی شامل ہوگیا۔ (چنانچہ) باقی ماندہ ذوقِ گزارش کی تشنگی (کے سبب) ایک دوسرا قطعہ بھی جو روانی میں میٹھے پانی کی طرح ہے' رگ قلم سے تراوش پذیر ہوا۔ چنانچہ (یہ فدوی) وہ دونوں قطعات اس عرضداشت سے منسلک کر کے ملاحظے کے لیے پیش کر رہا ہے۔ بے شک میں چیونٹی ہوں اور چاہتا ہوں کہ وزیر کی دستگیری سے حضرتِ سلیمان تک پہنچ جاؤں' فقیر ہوں اور یہ خواہش ہے کہ ارسطو کی ہمت سے سکندر سے متوصل ہو جاؤں۔ جب کہ بات یہاں تک پہنچ گئی تو چاہیے کہ حدِ ادب کو ملحوظ رکھا جائے اور چیونٹی کو آصف کے' فقیر کو ارسطو کے' اور خود کو خداوند کے حوالے کر دیا جائے۔ آفتاب دولت واقبال کو کہ منبع فروغ جاوید ہے' ابدی تابانی اور ہمیشہ قائم رہنے والی روشنی نصیب ہو۔

بنام انور الدولہ نواب محمد سعد الدین خان بہادر شفق تخلص

خط-۱

سبحان اللہ ہر پردۂ (ساز) میں جو اس کی آواز ہے اور ہر سَر میں جو اس کا سودا (تو) کس نے (تو) قلم کو رفتار پر اور زبان کو گفتار پر آمادہ کر دیا ہے۔ یہی شاعری ہے اور اس بات میں کلام بھی نہیں۔ اور چونکہ[1] دیدہ وری بمصداق منصفی کے ہے کہ کلام کی قیمت کو سمجھتی ہے اور بے شک و شبہ اس عاقلِ مبارک شان کے مرتبے کی بلندی کو پہنچنا ہے تا کہ بات حصولِ شرف وایزادِ عزت سے محروم نہ رہے اور اس طرح خود کو اس کے دامنِ دولت کے وابستگان میں شامل کر لے۔ یقیناً کارخانۂ قدرت میں اس عظیم دولت جدید کے سکے پر روزگار کے دوستمندوں کے مرکز' فرخندہ تبار فرخ گہر حضرت فلک رفعت نواب ہمایوں لقب کے نام گرامی کا فرمان روائی تھا کہ آج بختِ ازل کی پیشکاری کے سبب لایا۔ وہ ہستی کہ دانشِ خداداد کی توانائی جس کی ممنتِ فکر کے زیرِ نگیں ہے اور گوہرِ معنی کا خزانہ جس کے حیطۂ اختیار میں ہے۔ سبحان اللہ سلطنتِ سخن کا ایسا مروّت اندیشہ منصف مزاج سردار کہ جس نے اپنے التفات کی چابکدستی سے غائب راہ نشین کو اس ویرانے میں جو اس کا مسکن ہے' تشنہ[2] کام نہ چھوڑا اور نظم ونثر کے اس صحیفے کو جس کے الفاظ کے دائروں کو کوثر وسلسبیل و تسنیم کا اعیانِ ثابتہ کہا جا سکتا ہے اس کی جانب بھیجا ہے۔ اس عجوبۂ نظم ونثر کی تعریف میں کہ جو کلیم سے نطق کا خراج لے اور مسیح کو رشک میں مبتلا کر دے بھلا کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ اور اگر سب لوگ سخن سنجی میں اپنی ناموری کی خاطر اس کی تعریف کریں بھی' تو سنجیدگی طرزادا' دروبست الفاظ' توانائی معنی' استحکام پیوند' رسائی اندازِ دلربائی' روشِ جاں افروزیٔ آہنگ اور طرزِ کلام کی فصاحت ودلکشی کی تعریف کس طرح کر سکیں گے' خاص طور پر اس جادوئے طرزِ نو کی جس سے اس "شفقتہ نوا کی غزل کی تخمیس میں کام لیا گیا ہے۔ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ خردہ گیر میری بات کو خوشامد سے تعبیر کریں گے تو میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ کیا کیا کہا جاتا اور بات کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا۔

فرد: عاجزم چوں در ثنائے دوست با رشکم چہ کار

می روم از خویش تا گیرد عطارد جائے من

ترجمہ چونکہ میں ثنائے دوست سے عاجز ہوں تو مجھے رشک سے کیا کام میں اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہوں تا کہ عطارد آئے اور میری جگہ لے لے۔

قبلۂ دو عالم نواب خدایگاں کے منشور الفت کے ورود کے فیض نے آنکھ کو جلا اور دل کو صفا ہی نہیں بخشی بلکہ دیدہ ودل کو مبارکباد دینے والا بھی بنا دیا۔ اگر نظارہ گواہ اور مشاہدہ شاہد نہ ہوتا کہ قطرے سمندر میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور ذرے آفتاب کی خواہش کرتے ہیں' تو اس کام کی بوالعجبی کا شور میرے دیدہ ودل کو مضطرب کر دیتا اور فرطِ شادمانی سے میرا جسم پیرہن میں اور جان جسم میں نہ سماتی۔

---

۱ دریں سخن' سخن نیست' کے بعد مندرجہ ذیل عبارت "از آں جا کہ دیدہ وری دادگیری است' آنکہ گرانی مایہ سخن سنجد" جونول کشور ۱۲۸۷ سے لی گئی ہے ورمتن میں نہیں ہے شامل ترجمہ ہے (مترجم ومرتب)

۲ متن میں "نشیمن اوست" کے بعد گام بگذشتہ ہے جبکہ درست "تشنہ کام نگذاشتہ" ہے جونول کشور ۲۸۷ میں بھی ہے۔ (مترجم ومرتب)

مخفی نہ رہے کہ اس نامہ نگار کا دادا ترک تھا افراسیاب و پشنگ کے خاندان سے۔ اس نے ترکستان سے ہندوستان کا رخ کیا اور لاہور میں معین الملک کے در دولت کو اپنا مستقر اور قیام گاہ بنایا۔ اس بنا پر کہ یہ خاندان اور وہ دودمان ایک ہی ہے' بندہ اپنے آپ کو اس سلطنت بدی کا ازلی ناز پرور تصور کرتا ہے۔ علاوہ ازیں جب میری یہ عادت بھی ہے اور (جو) اس شاعری کے تصویر خانے یعنی میرے خونابہ چکاں کلام پر مبنی مجموعہ خیال کو دیکھنے والے پر عیاں ہے کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں کی' جو میرے ہمسر و ہم چشم ہیں' تحسین کیا کرتا ہوں (تو) اگر اپنے قدیم ولی نعمت' کی مدح میں (بھی) کچھ اشعار کہہ دوں تو وہ وسیلۂ شناسائی اور عرض اخلاص' کے طور پر ہوں گے' صلہ طلبی اور گدائی کی غرض سے نہیں۔

فرد در فنِ سخن معتقد حسن قبولم
بر چشم نویسند برأت صلۂ ما

ترجمہ میں فن سخن میں حسن قبول کا معتقد ہوں۔ (اسی لیے) ہمارے صلے کی چٹھی آنکھوں پر لکھا کرتے ہیں۔
بخت ازلی کو خدا ابدی فرخی سے متصل کرے۔

خط-۲

سبحان اللہ، مجھے اس خالق بے چون و بے مثال کی بے نیازیوں پر رشک آتا ہے کہ طور پر 'ارنی' کہنے والے کو' جسے 'لن ترانی' کی ندا کے باوجود بیتاتر نہیں ہوا اور (جس نے) دورباش (کی ڈانٹ) کے باوصف نصیحت قبول نہ کی' تو 'خرّ موسیٰ صعقا' کی شدت کی طغیانی کے بخیے سے اس کے خواہش مندلب سی دیے گئے اور پروانے کو جس نے شمع کی آرزو میں پرواز کی اور آگ سے خوف زدہ نہ ہوا' آگ ہی میں جلا دیا گیا' تو پھر ذرّے کے ساتھ جو تمام موجودات میں کم تر ہے' اور میرے ساتھ' جو ذرّے سے بھی کمتر ہوں' کیا سلوک ہوگا۔ جسے ذرہ کہتے ہیں' اس کو سورج کی روشنی نے شش جہت سے یکایک گرفت میں لے لیا اور جس کا نام غالب ہے اس کی نظروں کو 'خورشید شعاع' 'نواب عالی جاہ' 'قدسی القاب' 'شفق تخلص' 'انور الدولہ خطاب' جو بد شبہ ہر صورت میں عینِ آفتاب ہے' کی محبت کے نظارے نے 'صبحِ بہار کے ہنگامے جیسے مکتوب'[1] کی شکل میں اچانک روشن کر دیا۔ اگر اس رخ افروزی اور حصول نور میں ذرّے کی ہمسری کا داغ میری جان کو پگھلا نہ دیتا تو خاکم بدہن' میں اپنے آپ کو صاحب ید بیضا سے بڑھ کر سمجھتا۔ اب میں عام خیال میں' کہ وہ بذات خود ایک علیحدہ عالم ہے' اور اس عالم کے زمین و آسمان (بھی) الگ ہیں' اُس سرچشمۂ نور کی طرف توجہ کرتا ہوں اور بے خودی کی حالت میں یہ شعر گنگناتا ہوں۔

آید بہ چشم روشنیٔ ذرہ آفتاب
بر ہر زمیں کہ طرح کنی نقش پائے را

ترجمہ جس زمین پر تو نقش پا ثبت کرتا ہے' سورج اس زمین کے ذرّوں کو مبارک باد دینے آتا ہے۔

۱- متن میں بہ عنوان نالۂ صبح بہار ہنگامہ جاداشت' ہے جب کہ درست ''بہ عنوان نامہ صبح بہار ہنگامہ جا داشت'' ہے جو نول کشور ۲۸۷ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

ذرہ و آفتاب کی گفتگو تو اس ورق کی تہ کی کشادگی[1] (کے نور) کو ایک نذرانہ (تھا)، جس کے عنوان کے پہلو سے عقدِ ثریا (کے ستارے) منتشر ہو رہے تھے (اور جس نے) ایک ایسا تصویر خانہ نظروں کے سامنے لا کھڑا کیا کہ میں نے چینیوں کو اس کے ملاحظے کی دعوت دی تا کہ وہ رشک سے خون کے آنسو بہائیں۔ نظر بد دور اور حاسد کی آنکھیں اندھی، میں سمجھتا ہوں کہ دونوں مخمسوں میں آپ نے موتی پروئے ہیں اور اس غزل میں بھی جو آپ نے کہی ہے، ایسی نقاشی کی ہے کہ اس انوکھے نقش کے مشاہدے کی نظر فریبی کے آگے ارژنگ مانی ردی کاغذ اور تنگ لوشا تقویم پارینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اوراق کا مخلوق کے سکندر دار اور بان کی نظر گاہِ مبارک سے گزرنا اور جو کچھ اس محفل میں خوش اقبالی کی روح سے وقوع پذیر ہوا، (اس کا احوال) ارسطو جاہ، محفلوں کے امید گاہ، نواب معظم الالقاب، احترام الدولہ بہادر کی تحریر بنام مشفقی حافظ نظام الدین کی وساطت سے ایک مسرت افروز ترانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ زیرک سخن ور، لفظ کے تنِ میں روح پھونک دینے والے، آئینہ معنی سے زنگ دور کرنے والے، روشنی پھیلانے میں صبح کے ہم کار اور ملنساری کی خصلت میں شفق کے ہم زبان، مولانا سید امجد علی قلق کے صور صفت قلم کی بلند آہنگی ایسی نہیں ہے جو دل کو، خواہ وہ پژمردہ بلکہ مردہ ہی کیوں نہ ہو، ہلا کر نہ رکھ دے۔ انصاف اطاعت پر فائق ہے۔ لفظی صنعت گری میں وہ اپنے پیش رووں سے سبقت لے گئے ہیں اور لفظ و معنی کے چہرے کو انہوں نے نیا رنگ روپ بخشا ہے۔ (خدا کرے) ہمیشہ سلامت رہیں کہ اس فن میں وہ ہندوستان کے لیے مایۂ ناز ہیں۔

ان نفیس و دل نشین باتوں کے اختتام پر وہ خون کہ جو میرے جگر میں جوش مار رہا ہے رگِ خامہ سے بہاتا ہوں تا کہ اہل نظر دور ہی سے دیکھ لیں کہ نامہ نگار کی مژہ خون فشاں اور اس کا دل دکھا ہوا ہے۔ ایک عرصے سے مجھے اردو میں شعر گوئی کی رغبت نہیں ہے۔ بے شک شہریارِ سلیمان پیش کار کی رضا جوئی کے لیے کبھی کبھی اتفاقاً اردو میں غزل کہتا ہوں اور بالخصوص ملکۂ عالیہ کی (کہ بلقیس جیسی اس کی کنیزیں ہیں) فرمائش پر اردو غزل میں ایسی بے ہنگم ردیف پر متوجہ ہوا۔ شاید اپنے مقطع میں میں نے سرمستانہ ایک نعرہ مارا ہوگا تو اس شخص نے کہ جسے اپنے کمال کا جو وہ نہیں رکھتا، حسن ظن تھا، یہ سمجھ کر کہ روئے سخن اس کی طرف ہے یعنی غزل کے مقطع میں مجادلانہ اقدام کیا اور یہ سمجھا کہ میری بات کا جواب دے رہا ہے اور میں نے تلچھٹ کے گھونٹ کی بدمستی میں کہ میرے قلم کے رشحات سے ہے یعنی:

ع: ہرچه در گفتار فخر تست آن ننگ من است

ترجمہ: گفتگو میں جو بات تیرے لئے باعث فخر ہے، میرے لئے باعث شرم ہے۔

سرے سے جواب ہی نہیں دیا اور صرف نظر کو امتیاز کی دلیلِ قطعی تصور کیا۔ اپنے اوپر افسوس ہوتا ہے کہ مجھے زیاں زدہ اور سوختہ حاصل پیدا کیا گیا اور (مجھے) اپنے اجداد کے دستور کے مطابق سلطان سنجر کی مانند نہ ہی تاج ملا نہ زریں پٹکا ملا اور نہ ہی قدیم دانش مندوں کی روش پر بوعلی سینا کی طرح علم و ہنر سے نوازا گیا۔ دل میں تو یہ تھا کہ فقیر ہو جاؤں اور آزادانہ راہ حیات طے کروں۔ لیکن ذوق سخن نے کہ فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا راہزنی کی اور مجھے اس پر فریفتہ کیا کہ آئینہ کو جلا دینا اور معنی کے خدوخال ابھارنا بھی ایک

۱- متن میں ''از ہم کشودن نورد آن ورق'' ہے جب کہ درست ''از ہم کشودن نوردِ آں ورق'' ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

عظیم کام ہے۔ سرداری اور دانشوری تو (تجھ میں) ہے نہیں، سو صوفیانہ زندگی گزار اور سخن گوئی اختیار کر۔ مجبوراً یہی کیا اور شعر گوئی میں کہ سراب ہے' اپنا سفینہ ڈال دیا۔ قلم علَم ہو گیا اور اجداد کے شکستہ تیر قلم بن گئے۔ یا تو زمانے میں کوئی صاحب نظر تھا ہی نہیں یا تھا تو مجھے ملا نہیں (اور) اس سے میری زندگی کی تاریکی میں میرے معاملات کی بوالعجبی کو کوئی نہ سمجھا۔ بالآخر اب کہ جب دانت ٹوٹ گئے اور کان بہرے ہو گئے' بال سفید ہو گئے اور چہرہ جھریوں سے (بھر گیا)' ہاتھوں میں رعشہ آ گیا اور پاؤں (کوچ کے لیے) رکاب میں پڑ گیا تو اس دیوانہ پن سے جو سر میں تھا' صرف کڑھنا اور روئی زہر مار کرنا ہی باقی رہ گیا ہے اور بس۔ اب دیکھنا ہے کہ آج جو کچھ بویا ہے' (اس سے) کل کیا کاٹنا ہوگا۔

فرد: دوش بر من عرض کردند انچه در کونین بود
زان ہمہ کالائے رنگا رنگ دل برداشتم

ترجمہ: کل رات جو کچھ بھی کونین میں تھا میرے سامنے پیش کیا گیا (اور) اس رنگارنگ سامان میں سے میں نے صرف دل اٹھا لیا۔

دل سودائی فرطِ غم سے بھر آیا تو (اس نے) رباعی کے پردۂ ساز میں ایک نغمے کے اظہار کی راہ نکالی ہے۔ اس نغمہ کی تیزی کہ تار رگِ جاں پر زخمہ زنی کرتی ہے اور روح کو آہ و زاری پر مجبور کر دیتی ہے۔

رباعی

اے کردہ بہ آرائش گفتار بسیچ
در زلفِ سخن کشودہ راہِ خم و پیچ
عالم کہ تو چیزِ دیگرش می دانی
ذاتیست بسیط منبسط دیگر ہیچ

ترجمہ: اے کہ تو نے آرائش گفتار کا قصد کیا ہے (اور) زلف سخن میں پُر پیچ وخم راہیں نکالی ہیں۔ تو سمجھتا ہے کہ عالم کسی الگ چیز کا نام ہے (تو یہ جان لے کہ) عالم ایک ذات ہے جو وسیع بھی ہے اور وسعت پذیر بھی اور اس کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ اس طرب افزا صحیفے میں کہ جبین قلم جس کے جواب میں سجدہ ریز ہے' عالی خاندان' ظہیرالدین خان بہادر کا نام نامی ضبط تحریر میں نہیں آیا۔ ہر چند کہ میں ادب کی بنا پر کچھ نہیں رہا لیکن یہ نہ خیال کیا جائے کہ مجھ پر ظلم نہیں ہوا۔ جب کہنے کی باتیں کہہ دی گئیں اور سواد دل سے غبارِ غم نکل گیا (تو) صاحبِ سیف و قلم حضرت وزیر اعظم کے آصف مثال' خدام کے بالش جاہ و جلال کا تصور کرتے ہوئے' زمین بوسی کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ میری زمین بوسی کو بحضورِ آسمان رفعت پہنچا دیں گے۔ مزید یہ کہ اس نامور محمود کو سلام (پیش کرتا ہوں) اور چشم ودل کے قبلہ کی پیش گاہ نواب سید محمد خان کو بندگی کہتا ہوں اور اسی طرح مکرمی مولانا سید امجد علی صاحب کی خدمت میں تحفۂ نیاز ہے اور میرے مشفق حافظ نظام الدین صاحب کے لیے سوغاتِ سلام۔ خدا کرے یہ سارے پیغامات پہنچ جائیں۔ والسلام بہزار احترام۔

خط-۳

فرد: اگر نہ بہر من از بہر خود عزیزم دار
کہ بندہ خوبی او خوبی خداوند ست

ترجمہ اگر میرے لئے نہیں تو خود اپنے لئے مجھے عزیز رکھ کہ بندے کی خوبی تو حقیقت میں اس کے آقا ہی کی خوبی ہے۔

مسلمانوں کو پناہ دینے والے نواب اور دانش مندوں کے ملجیٰ کہ میرا سجدہ اس آستان کے پتھر کے لیے باعث ننگ ہے کے سامنے بات کرنے کی راہ نکالنا آسان نہیں۔ کاش کہ میں چاند سورج بخت فیروز یا دولتِ جاوید ہوتا کہ مجبوراً مجھے اپنی غلامی کے لیے قبول کر لیتے یا مجھے خواجہ سے اپنے بارے میں کسی نوازشِ نہاں کی خوش فہمی ہوتی تا کہ کہہ سکتا کہ اگر زبانی پرسش احوال نہیں ہے تو نہ ہو۔ لیکن اب جو نہ پوچھیں تو کس طرح کہوں کہ کیوں نہیں (پوچھتے)۔ اور ہاں یہ چون و چرا کرنا بندگی کے دستور میں بھی نہیں آتا۔ البتہ اتنا میں خود چاہتا ہوں کہ اگر اجازت دیں تو یہ پوچھوں کہ اس دل کو جو دردِ شکستگی اور آزارِ خستگی سے لبالب ہے اور اس زبان کو جو ناکردہ گناہ کی عذر خواہی سے پُر ہے کہاں لے جاؤں۔

افسوس بے خودی میں کیسی بات میرے منہ سے نکل گئی کہ میری پیشانی پر بے گناہی کے دعوے کے داغ کا نقش بٹھا گئی۔ بے شک (کوئی) خطا ہوئی ہے لیکن نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے اور میں اس کو اپنی شوخ چشمی سے نہیں بلکہ اپنی سادہ لوحی کے سبب گناہِ ناکردہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اس بے عقل بلکہ بے خود غلام کو جو چاہتا ہے کہ خوش کلامی سے کام نکالے اور زور زبردستی سے آقا کے دل میں اپنی جگہ پیدا کرے معاف کریں گے اور اگر (واقعی) کوئی خطا ہوئی ہے تو اس کو ورنہ اس دعوائے بے گناہی کے جرم کو کہ جس کا میں خود اقبال کرتا ہوں معاف فرمائیں گے۔

نواب قدسی لقب سید محمد خان بہادر کی خدمت میں غلاموں کے دستور کے مطابق میری بندگی اور پیش گاہِ خواجہ ضمیر الدین خان میں عاشقانِ دیدار کے طور پر تمنائے وصال اور جناب میر امجد علی صاحب کے حضور میں ارادتمندانہ نیاز اور منشی نادر حسین خان صاحب ہاشمی کی خدمت میں مشتاقانہ سلام اور جناب حافظ نظام الدین صاحب کے حضور مایوس شدگاں کے طریقہ پر شکایت فراموشی عرض کرتا ہوں۔ (اب) دیکھنا یہ ہے کہ اس سب اطراف سے کیا حصہ ملتا ہے اور ان تمام دروازوں سے کونسی حاجت پوری ہوتی ہے۔ بخت خیر خواہ دولت پرستار اور غالب پرسش کا مستحق ہو۔ محررہ وارسال کردہ بروز منگل ساتویں محرم ۱۲۷۰ھ مطابق گیارہ اکتوبر ۱۸۵۳ء۔

خط-۴

فرد: از آں سرمایۂ خوبی بہ وصلم کامِ دل جستن
بداں ماند کہ مورے خرمنے را در کمیں باشد

ترجمہ اس سرمایۂ خوبی سے ہنگامِ وصال میری طلبِ مدعا ایسی ہے جس طرح ایک چیونٹی کسی خرمن کی گھات میں ہو۔

اس سردارِ نامور اور فرزانۂ نیک نہاد کے نام گرامی کو خط لکھنا قلم اور کاغذ پر احسان کرنا ہی نہیں اپنی آبرو بڑھانا بھی ہے۔ نامۂ مبارک کے ورود پر کہ بد شبہ جس کے نقطے اور خط اوج سعادت کے ہما کے لیے دانہ ودام کی حیثیت رکھتے ہیں' میں کہ اپنی توقیر کے اعتبار سے اس خوش بختی کے لائق ٹھہرا' اگر اپنے اوپر ناز نہ کروں تو یقیناً شیطان پرست' اور کافر ہوں۔ آفتاب تاباں کہ جو سر چشمۂ نور ہے' دور اور نزدیک روشنی پہنچاتا ہے' ورنہ فقیر کی کُٹیا تو تنگی اور تاریکی کے سبب چیونٹی کے دل کے سویدا کی طرح ہے۔ وہ اس لائق کہاں کہ آفتاب عالم تاب اُس تنگی میں اپنی تابندگی کے جوہر کا مظاہرہ کرے۔

جناب علی غالب سیہ روز کو سراہتے ہیں جبکہ کوئی شخص بھی شرم سے ملامت کے لیے بھی اس کا نام نہیں لیتا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں ستائش، واپس (شاگرد کی طرف) لوٹ جاتی ہے۔ کسی ملامت زدہ کی تعریف کرنا پسندیدہ خصلت اور نیک فطرتی کی علامت ہے۔ نسخۂ پنج آہنگ کا اس درگاہ میں بھیجنا تو تعمیل حکم کے طور پر تھا۔ مجھے یاد نہیں کیا سبب ہوا کہ خط لکھنا اور کتاب میں رکھنا ممکن نہ ہو سکا۔ بے شک میں یہی سمجھ ہوں گا کہ فرمان محبت بجز اس کتاب کے کوئی اور جواب نہیں چاہتا۔ اس کے باوجود یہ چھوٹی سے خط بھی قابل گرفت تھی۔ آپ نے نہ پوچھا اور فرمان خوشنودی بھی لکھ دیا تو میں سمجھا کہ آپ نے معاف کر دیا ہے اور دیوانے سے درگزر کی ہے۔ مخدوم مکرم جناب نادر حسین خان کی طرف سے بھی اس خط میں' جس کا جواب اس کتاب کی صورت میں انجام پذیر ہوا مجھے سلام لکھا ہے، شرمندہ ہوں اور در خور سرزنش۔ نہیں نہیں اگر اس خط کا جواب لکھتا اور سدم کا جواب بھول جاتا تو گناہگار ہوتا۔ امید یہ ہے کہ معذرت قبول ہوگی۔ یہ چاہتا ہوں کہ اس بار میرا سلام اُس پسندیدہ خصلت اور والا تربیت کو عرض کیا جائے۔ حق تو یہ ہے کہ میں اس بزم اور اہل بزم کا عاشق ہوں۔ ممکن ہے کہ میری شدّت آرزو کو دیکھ کر مجھ پر عنایت فرمائیں اور اس بزم میں میری رہنمائی کریں۔ ورق ختم ہو گیا لیکن داستانِ شوق باقی ہے۔ آسمان اور ستارے آپ کے مطیع رہیں۔

خط-۵

فرد: با خیلِ موری رسی از رہ خوش است فال
قاصد بگو کزاں لبِ نوشیں پیام چیست

ترجمہ: تو چیونٹیوں کے انبوہ کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ فال تو نیک ہے۔ اے قاصد بتا ان لبہائے شیریں کا کیا پیغام ہے۔

سورج چمکتا ہے تو ذرے بھی چمک اٹھتے ہیں۔ بادل برستا ہے تو سبزہ ہرا ہو جاتا ہے۔ چونکہ حضرت نواب جو داں کامیاب کا' کہ اپنی نور گستری میں آفتاب ہیں اور بے غرض بخشی میں ابر سلوک بھی میرے ساتھ اسی نوعیت کا ہے۔ اور ذرہ آفتاب کی تعریف نہیں کر سکتا اور سبزہ بادلوں کی تحسین نہیں کر سکتا۔ میں کہ اپنی بے حیثیتی میں ذرّے سے بھی کمتر ہوں اور اپنی خواری میں گھاس سے بڑھ کر' کرم کرنے والے کی اس بخشش پر کس طرح ثنا کر سکتا ہوں۔ حاشا کہ یہ خیال بھی کبھی ذہن میں آیا ہو۔ بلکہ میرے لیے تو یہ مشکل آ پڑی ہے کہ ڈاک کے ہرکاروں کی اور ان عنایات پیہم کی سپاس گذاری سے بطرز بایست عہدہ برآ ہو سکوں۔

ایک دن آپ کا والا نامہ پہنچا۔ ایک دن دو قصیدے، دو مخمس اور ایک غلط نامہ اور کل تین نسخے مثنوی کے ایک رسالہ موسد ہمایوں کا اور پینتالیس کوزے مصری کے پہنچے۔ کیا کہنے ہیں اس مصری کے کہ اگر اس کی مٹھاس کا شیرینیٔ جان سے موازنہ کیا جائے تو مناسب ہوگا کہ جان کا پلّہ ہلکے پن کے سبب ہوا میں معلق ہو اور مصری کا پلّہ اپنے وزن کے باعث زمین پر بیٹھا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اس مصری میں اتنی مٹھاس بھر دی گئی ہے کہ شیریں اور شکر میں بجز نام کچھ باقی نہیں رہ گیا۔ (وہ) نگارِ ارمنی (یعنی شیریں) جو (فرہاد) کوہ کن (کے دل) کی فرماں روا تھی، اس مصری کا مشاہدہ کر لیتی تو فرطِ شوق سے اس کے منہ میں ایسا پانی[1] بھر آتا کہ بغیر فرہاد کی کوشش اور تیشے کی جنبش کے اس کی آنکھوں کے سامنے دودھ کی نہر موجزن ہو جاتی۔ اگر بہشت میں (نہر) انگبیں کے اوپر جو حباب ہے اور وہ اس طرح ہے کہ بغیر تبر کے نہ ٹوٹے تو اس میں تعجب نہیں کہ پھر وہ یہی ہے۔ وہ لوگ کہ جو دریا کی کوزے میں سمائی کو آسان خیال نہیں کرتے تو اُس نہر (انگبیں) کو بھلا اس قالب میں بہتا ہو، کس طرح سمجھیں گے۔ فائدہ تو اس میں ہے کہ (اپنی) شیریں سخنی کا ایک ایک بند کھول دوں اور مصری کی تعریف میں آرائشِ گفتار کی روش ترک کر دوں کہ ابھی اس بات کی تکمیل کا خیال جو مٹھاس میں شیرینی سے بڑھ کر ہے، درپیش ہے۔

یاالٰہی، خاندانِ انسانیت کے چشم و چراغ، فروزاں طینت درخشندہ بخت خواجہ منیر الدین خاں بہادر کی عروسی کی شادمانی کی مبارک باد کے لیے استعداد کہاں سے لاؤں نہ تو میں جمشید ہوں اور نہ پرویز، نہ آفتاب نہ مہتاب۔ وہ تو خود ایک ایسی انجمن ہے کہ جہاں دارا سپاہی اور سکندر پیشکار ہے، زحل نگراں ہے اور ناہید غزل سرا۔ مجھ جیسے آدمی کو تو تماشائیوں میں بھی وہاں رسائی ممکن نہیں اور تقریبِ تہنیت میں مجھے تابِ گویائی کہاں۔ سوائے اس کے کیا کہوں کہ یہ شادی اور شادمانی خجستہ و مبارک اور یہ خجستگی اور فرخی روز افزوں ہو۔

جناب کا نامۂ نامی اس کارنامۂ جادو بیانی یعنی مثنویٔ گرامی کے ساتھ وزارت مآب امید گاہِ مخلصان احترام الدولہ بہادر کی خدمت میں پہنچا دیا گیا اور جب اس کا کچھ حصہ پڑھا گیا تو انجمن میں ہر طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔ حضرت سلطانِ عالم اگرچہ برومندِ صحت ہیں لیکن سرا سے کمتر ہی باہر نکلتے ہیں اور اکثر محل سرائے شاہی میں ہی چار بالشِ عزّ و ناز پر آرام فرماتے ہیں۔ لوگوں کو حسبِ سابق شرفِ باریابی نہیں دیتے اور اب پہلے کی طرح سماعتِ سخن کا بھی وہ ذوق و شوق نہیں۔

میں تو ہر صبح آستانۂ عالیہ پر حسبِ دستور ناصیہ فرسائی کرتا ہی ہوں۔ مثنوی اور قصیدے اور دونوں مخمس مستقل میری جیب و آستین کی زینت ہیں۔ اب دیکھئے کس دن پیش کئے جاتے ہیں اور کس موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔ اب کہ یہ بات اختتام کو پہنچی محل اس کا ہے کہ (ذرا) روشِ گستاخی اختیار کر کے اپنی جرأت اور جنابِ عالی کی برداشت کی آزمائش کی جائے۔

افسوس اس خط پر کہ نہ تو قبلہ و کعبہ نواب سید محمد خاں بہادر کی کوئی نشانی لایا، نہ خواجہ ظہیر الدین خان بہادر کا کوئی پیغام نہ ہی اس میں مولانا میر مجد علی صاحب کا کوئی تذکرہ ہے اور داد تو پتے کی دینی پڑتی ہے کہ میں یہ سمجھا فہرستِ محلاتِ شہر کی فرد ہے اور ہمسائے

---

[1] متن میں "آب جنابِ آتش در دہن می گشت" ہے۔ یہی نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے جو خلافِ قرائنِ عبارت ہے۔ درست "آبش" ہے۔ ترجمہ آبش سے کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

میں رہنے والوں کے جمع خرچ کا گوشوارہ۔ اگر چہ مجھے معلوم ہے کہ تحریر کی یہ کارگزاری مشفقی حافظ محمد بخش صاحب کی احتیاط اور اندیشے کے مطابق ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے پہلے جو خطوط بھیجے گئے ہیں ان میں تو میرے اور شہر کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا گیا تھا۔ کونسا خط کھویا جو اس بار اتنی تصویر کشی سے کام لیا گیا۔ مسکن کی نشانیوں کی کثرت کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب مکتوب الیہ بے حیثیت لوگوں میں سے ہو، ورشہرت میں ہمسایوں کے توسط سے جانا جاتا ہو۔ مجھے تو پوسٹ ماسٹر سے لے کر ڈاکیے تک سب جانتے ہیں۔ تیس سال ہوگئے ہیں کہ مکان و مسکن فروخت کر کے کوچہ کوچہ پھر رہا ہوں اور کوئی مستقل قیام گاہ نہیں۔ جہاں بھی جاتا ہوں کم و بیش دو تین سال قیام کرتا ہوں۔ ڈاکیہ وہیں پہونچتا اور میرے خطوط پہنچاتا ہے۔ یہ جھگڑا اپنے نام و نمود کی خاطر نہیں ہے (دراصل آپ کا) فضول قلم گھسنا اور تحریرِ خط میں اپنی گہر فشاں انگلیوں کو زحمت دینا مجھے برا لگتا ہے۔ اس سے زیادہ جناب کی ثنا اور دعائے دولت کے علاوہ اور کیا لکھوں کہ وہ حرزِ جاں ہے اور یہ وردِ زبان۔ شفیقی منشی نادر حسین خان صاحب کی خدمت میں سپاس گزاری اور سلام عرض کرتا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ دیدارِ غالبؔ کے خواہاں ہیں۔ خدا نہ کرے کہ یہ دعویٰ محض یک طرفہ ہو۔ اگر بہت انکسار سے کام لوں تب بھی اتنا کہوں گا کہ وہ شریکِ غالبؔ ہیں۔

بنام منشی ہرگوپال تفتہ

خط-۱

مسی سزد گر بہ خویشتن نازد
غالبؔ از خویش خاکسار تر است

ترجمہ: زیب دیتا ہے اگر اپنے اوپر ناز کرے۔ غالبؔ طبعاً نہایت منکسر مزاج ہے۔

اس وقت کہ میری زندگی کے روز سیاہ کی رات ہے اور (شاید) تمہیں علم ہو کہ روز سیاہ کی رات کیسی تاریک ہوگی۔ اس تاریکی سے میں تنگدس رہتا تھا اور تنہائی کے سبب اپنے آپ سے محو جنگ۔ ایک تنہا میرا سودائی دل ہی تھا جو مجھے تنہا دیکھتا اور بیچارہ میری بے کسی پر سسکتا تھا۔ میرے ظلمت کدے میں چراغ نہ تھا۔ خدا نے مجھ پر عنایت کی اور میری جانب ایک ایسے شخص کو بھیجا جو میری خستگی کا مرہم لایا اور جس نے اپنی ہمدمی سے میرے درد کا عدج کیا اور میری رات کے پہلو میں ہزاروں روشن ستارے رکھ دیے۔ بے شک اس نے اپنے نطق سے ایک ایسی شمع روشن کر دی جس کی روشنی میں مجھے اپنی صفائے گوہر سخن، جواب تک میرے بخت کی شدید تیرگی کے باعث میری نظر سے پوشیدہ تھی، صاف نظر آ گئی۔ ہاں اے نوائے طرز نو کے فصیح البیان تفتہؔ اس فرزانہ منفرد یعنی منشی نبی بخش کو جو عالی شان تہذیب کا آبدار موتی ہیں، خداوند تعالیٰ نے دیدہ وری میں کیسا (بلند) مرتبہ عطا کیا ہے! باوجود اس کے کہ میں خود شعر کہتا ہوں اور (فن) شعرگوئی سے واقف ہوں لیکن جب تک ان بزرگوار سے نہیں ملا، نہ سمجھا تھا کہ سخن سنجی کیا ہے اور سخن فہم کس کو کہہ سکتے ہیں۔ کہانیوں میں پڑھا ہے کہ خدائے زندگی بخش نے حسنِ (عالم) کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں سے ایک حصہ یوسفؑ کو عطا کیا اور دوسرا حصہ اہل عالم پر تقسیم کر دیا۔ عجب نہیں اگر فہم سخن اور ذوق معنی کے بھی دو ٹکڑے کر دیے ہوں۔ اُس میں سے ایک اس پسندیدہ خصلت کو اور باقی آدھا دوسروں کو دے دیا ہو۔ اب چاہے، چرخِ دوّار میری مساعدت نہ کرے اور چاہے میرا بخت خوابیدہ گہری نیند سے سر نہ اُٹھائے، میں اس دوست کی ہمدمی کے سرور میں زمانہ کی دشمنی سے فارغ ہوں اور دنیا کی اسی متاع پر قانع۔

خدا تمہیں آسودہ خاطر رکھے۔ دن رات محفل گرم رہتی ہے اور ایسی کوئی صحبت نہیں ہوگی کہ تمہیں یاد نہ کرتے ہوں اور تمہاری جدائی کی شکایت ایک دوسرے سے نہ کرتے ہوں۔ کل کہ جمعہ کا دن ربیع الاول کی پندرہ اور فروری کی نو تاریخ تھی تمہارا خط پہنچا اور معلوم ہوا کہ اکبرآباد سے متھرا اور متھرا سے کول پہنچ گئے ہو۔ ان دو ہزار اشعار میں سے کہ بقول تمہارے تم نے اکبرآباد میں کہے ہیں ہم نے بھی اکبرآباد کے اخبار کے صفحات میں ایک غزل پڑھی ہے۔ اچھی غزل ہے اور اس میں تم نے وہی طرز اختیار کی ہے جو ہم چاہتے تھے۔ منشی صاحب نے بھی اس خط کو کہ میرے نام تھا پڑھا اور وہ پیام کہ جو خاص طور پر ان کے لئے تھا ان کو مل گیا۔ مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ جب تمہارے خط کا جواب دوں تو اس تحریر کا ورق ان کے حوالے کر دوں تاکہ وہ اپنے خط کے ساتھ ارسال کر دیں۔ حکم کی تعمیل کی اور ایسا ہی کیا اور آج کہ سنیچر اور (تمہارے گرامی نامے کے ورود کا دوسرا دن ہے یہ خط میں نے مخدوم کے حوالے کر دیا۔ اگر جلدی پہنچ

جائے تو مخدوم شکریہ[۲] قبول کریں اور اگر دیر سے پہنچے تو مجھ پر ناراض ہوں کہ خط ان کو کیوں دے دیا اور خود ڈاک سے کیوں نہ روانہ کیا۔ عمر و دولت روز افزوں ہو۔ نامہ نگار اسد اللہ۔ شنبہ ۱۰ فروری ۱۸۴۹ء۔

خط۔۲

۱

باغِ دودر

میرے مشفق ہرگوپال تفتہ اسد اللہ از خود رفتہ کا سلام قبول کریں اور یہ زحمت گوارا کریں کہ چونکہ کئی دن سے مجھے محمد حسین نظیری اور جمال الدین عرفی کے دیوان کی تلاش ہے اور یہ سننے میں آیا ہے کہ یہ دونوں نسخے ان کرم فر۔ (یعنی آپ) کے پاس ہیں، لازمی یہ چاہتا ہوں کہ یہ دونوں نسخے یعنی دیوان نظیری و عرفی اسی وقت حامل خط کے حوالے کر دیں اور اگر اتفاقاً یہ مجموعے اس وقت بھیجے نہ جا سکیں (تو) کل صبح جب (آپ) میرے پاس آئیں اپنے ساتھ لیتے آئیں اور یہ جان لیں کہ یہ درخواست بصد اصرار ہے اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔

خط۔۳

۲

اے عالی مرتبت (اور) اے خاقانی جیسے علم و فضل والے وہ نثر اور نظم (دونوں) جو بھیجی تھیں نظر افروز ہوئیں۔ تمہارے دیوان نے جامۂ طباعت پہن لیا اور تکمیل کا زیور پا لیا ہے۔ اب جو کچھ کہیں گے (تو) اس کا کیا کریں گے البتہ اگر نیا نقش بنائیں اور دوسرے دیوان کا ڈول ڈالیں۔

حیران ہوں کہ تم افسردہ کیوں ہو! وہ کون سا حلقہ دام ہے جسے توڑنے کا ارادہ ہے؟ کسی کی نوکری نہیں، (دل میں) کوئی زخم نہیں، صحبت (احباب) ہے اور عیش و آرام ہے۔ جس طرح چاہیں رہیں۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک فکرِ سخن کیا کریں۔ غزل کہیں شراب پئیں اور آزادی کی زندگی گزاریں۔

۱- متن میں ''امروز کہ شنبہ'' اور ''فردائے روزِ ورودِ نامۂ نامی'' کے درمیان 'ؤ' رہ گیا ہے۔ ترجمہ 'ؤ' کے ساتھ کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں ''اگر زود رسد از مخدوم سپاس نپذیرند'' ہے جب کہ قرائن عبارت ''اگر زود رسد مخدوم سپاس بپذیرند'' کے متقاضی ہیں۔ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

لکھنو تو بھاڑ میں جائے۔خوشامد کرنا میری عادت نہیں ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ لکھنؤ میں اپنا جیسا (دوسرا) نہ پایں گے۔ غزلیں میں نے دیکھیں اور مجھے پسند آئیں اور جہاں جہاں بھی کچھ خیال گزرا وہ لکھ دیا۔امید ہے آپ (بھی) پسند کریں گے اور دل میں جگہ دیں گے۔

اُس دریائے فضل وکرم کے کہ جن کا نام نامی بابو جانی بانکے لال ہے التفات اور مہربانی کا آپ نے کچھ ذکر کر کے محبت کے پردے میں مجھ پر بہت بڑا ستم روا رکھا ہے۔ہاں اے تفتہ میری جان اور تیری جان کی قسم یہ ساری دوست نوازیاں اور سخت کوشیاں تیری ہی ہیں۔ ہر چند کہ میں اس قبیل سے ہوں کہ لین دین میں مجھے کوئی باک نہیں ہوتا، نہ لینے میں مجھے شرم ہوئی ہے اور نہ دینے میں (کسی پر) احسان کرتا ہوں لیکن تو خود بتا کہ ناکردہ خدمتوں کا صلہ لینے میں مجھے خجلت کیوں نہ ہو۔(میری وہ حالت ہے) جیسے کوئی پانی میں ڈوب جائے، نہ سانس لے سکے اور نہ بات کر سکے۔ میں بھی عرقِ انفعال میں بات کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ کاش بابو صاحب بھی یہ طریقہ میرے ساتھ نہ کریں اور جو کچھ ہو چکا بس ہی پر اکتفا کریں۔ان پچپن سال میں میرا اس قسم کا معاملہ کسی سے نہیں پڑا اور اس قسم کے پے در پے احسانات میں نے کسی کے قبول نہیں کیے۔

کل کہ جمعرات کا دن اکتوبر کی ۲۳ تاریخ تھی تمہارا خط بابو صاحب کے خط کے ساتھ ملا۔ایک دن اور رات تمہارے اشعار کی تصحیح کی اور آج کہ جمعہ کا دن اور ۲۴ تاریخ ہے جواب لکھا۔کل کہ ۲۵ تاریخ ہے یا پرسوں ۲۶ ہوگی ڈاک کے سپرد کر دوں گا۔اور اس خط کا جواب کہ جس کی روانگی کی اطلاع تم نے دی ہے اس کے بعد بھیجا جائے گا کہ جب آپ بھرت پور یا آگرے سے مجھے خط بھیجیں گے ور کیا کہوں کہ اس سے زیادہ کہنے کے لائق کچھ ہے نہیں۔منجانب اسد اللہ جمعہ ۲۴ر اکتوبر ۱۸۵۱ء۔

خط۔۴

۳

اے مخلص نواز، عرصہ ہوا کہ منشی نبی بخش (حقیر) کے خدا ان کی عمر دراز کرے، خط کے ذریعے تمہارا اکبرآباد آنا، تمہارے دیوان کی اشاعت کا چرچا اور شاہ آثار مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر (راجہ بھرت پور) کے وکیل ریاست (جانی بانکے لال رند) کی وساطت سے تمہاری شہرت کا علم ہوا۔ میں اس کا منتظر تھا کہ یہ حکایت تمہارے قلم کی زبانی سنوں۔ پرسوں ڈاک کا ہرکارہ اور تمہارا نامہ مسرت فزا لایا۔تمہارے مجموعہ اشعار کی طباعت ہمیں اور تمہیں (دونوں کو) مبارک ہو۔

یقیناً تمہیں یاد نہیں رہا کہ جب میں نے تمہارے دیوان کا (مسودہ) دیکھا تھا تو کہا تھا کہ مرزا عبدالقادر بیدلؔ نے اپنے دیوانِ غزلیات کی ترتیب اس طرح کی ہے کہ ایک زمین میں دو غزلیں لکھی ہیں اور ان غزلوں کے درمیان کہ دونوں ایک ردیف ور قافیہ کی ہیں ایک مختلف زمین کی غزل رکھی ہے ور بائے بسم اللہ سے لے کر تائے تمت تک اسی ترتیب کو محفوظ رکھا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ تمہارا دیوان بھی اس ہی نہج پر مرتب ہو۔تو سچ وہی ہوا جو ہم نے چاہا تھا۔تمہارے کلام کی رونق بڑھی اور میری مسرت۔

دوسرے یہ کہ اس تعلق کو جو بغیر طلب کے پیدا ہوگیا ہے غنیمت جانیں اور اس کو آزادمشی اور قلندری کے منافی تصور نہ کریں اور انجمن میں خلوت اور وطن میں مسافرت تو سالکوں کا شیوہ ہے۔ جب میں نے آپ کو بادشاہ کی ملازمت کے حوالے کر کے ان کی خدمت کی نجام دہی کا فرمان قبول کرلیا ہے (تو آپ بھی) راجہ کی ملازمت میں میری پیروی کریں وراس اتباع پر خوش رہیں۔

ہوشیار، مبارک فطرت، نیک خصلت، جانی بانکے لال کو میں نے جوزف جارج کے گھر کہ میرا پرانا دوست ہے دیکھا ہے اور پہلی ملاقات ہی میں روشناسی محبت تک پہنچ گئی۔ (اور) آج تک وہ حسن صورت، حسن خصلت وحسن گفتار ذہن سے محو نہیں ہوئی۔ اس شفقت کے سبب کہ جو انہوں نے تم سے کی ہے اور تمہاری قدر شناسی کے سبب انہوں نے مجھے اپنا ممنون واحسان مند بنا یا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ برہمن ہیں اور دانشور (بھی) اور میں ہر فرقے کے بزرگ زادوں اور ہر جماعت کے اہل دانش کو عزیز رکھتا ہوں' میری جانب سے وہ لفظ کہ جو (ہندی کے لفظ) پالگن کا ترجمہ ہو سکے ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔

بر درگرامی پسندیدہ خو، فصاحت صفت، منشی نبی بخش (حقیر) نے کہ خدا ان کا مددگار رہو، مرسان جاتے وقت اپنی روانگی کی خبر دی ہے۔ اور مرسان سے اپنے فرزند گرامی منشی عبداللطیف کی وساطت سے خط ارسال کیا ہے۔ چنانچہ ہم نے کل اس کا جواب لکھا ہے اور منشی عبداللطیف کو خدا، ان کی عمر دراز کرے، علی گڑھ بھیج دیا ہے۔ یہ تابان صفت بلند خاندان حکیم وارث علی خان کہ جن کا ذکر آپ کے قلم گوہر فشاں سے ہوا (جانتے ہو) کون صاحب ہیں۔ (یہ) غالب آوارہ و بے نام ونشان کے لیے حقیقی بھائی کی طرح ہے اور جان کے برابر۔ بلکہ جان سے بھی زیادہ عزیز۔ ہم نے ایک ہی استاد سے کسب فیض کیا ہے اور ایک ہی مدرسے سے سبق پڑھا ہے۔ اگر ہزار سال بھی گزر جائیں، ور ہماری ایک دوسرے سے ملاقات نہ ہو اور باہم خط وکتابت بھی نہ کریں (پھر بھی) بیگانگی فراموش اور دل (حسب سابق) محبت سے لبریز ہوگا۔ میری آرزو ہے کہ یہ خط ان کو دکھائیں، میرا سلام کہیں (اور مجھے بتائیں) کہ انہوں نے کیا کہا۔

ہاں سے تفتہ کہ نظیری کی سی نظر اور فغانی کا سا آہنگ رکھتا ہے انہی دنوں میں نواب محمد حسین خان بہادر جو جرنیل صاحب سے معروف ہیں ڈاک سے اس شہر (دہلی) میں آئے ہیں اور چونکہ اپنے پیرومرشد میاں (غلام نصیرالدین) کالے صاحب سے خدا ان کی برکات کو قائم رکھے، ملاقات کے لیے آئے مجھے بھی اپنے دیدار سے شادمان کیا۔ اور مجھ سے تمہارے بارے میں بات چیت کی اور تمہاری سخن وری کی تعریف کی۔ چونکہ چھاؤنی میں قیام پذیر تھے اور راستہ طویل تھا ور میں بیمار (تھا، اس لیے) اس مبارک خاندان سے دوبار سے زائد ملاقات نصیب نہ ہو پائی اور ان کے ساتھ بات چیت کرنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے کی حسرت دل (ہی) میں رہ گئی۔

منجانب اسد اللہ محررہ ہفتہ ۱۷ نومبر ۱۸۵۰ء۔

خط۔۵

۴

قسم دوزبان بھی کہ اسد اللہ کا ہمزبان ہے اس غمزدہ کی زبان سے یہ کہتا ہے کہ جب محبت زائد سے زائد ہو اور شکایت کم از کم تو بے شک یہی بہتر ہے کہ مطلب کی بات کہی جائے اور وہی بات لکھی جائے کہ جو گفتنی ہے۔

اس وقت جب بارش ہو رہی ہے اور بے باک ہوا چل رہی ہے اور مجھے دن رات سوائے شراب پینے کے اور کوئی کام نہیں ہے، تمہارے تین خط پے در پے پہنچے۔ پہلے خط کا جواب تیار کر کے آگرے بھیج دیا ہے۔ چنانچہ اس کا اندراج ڈاک کے رجسٹر میں موجود ہے اور وہ پیر کا دن ہے مارچ کی ۲۲ تاریخ۔ ممکن ہے بابو صاحب کے ملازمین (یعنی بابو صاحب) اس کو محفوظ کر لیں اور جب تم سے ملاقات ہو تمہارے حوالے کر دیں اور تیسرا خط جو نامہ نگار کے لیے حرزِ جان ہے اور اگر اس اشارے کو تو نہ سمجھے تو میں یہ کہوں کہ میرے برادرِ گرامی و نیک بخت کا خط بھی اس کے ساتھ ہی تھا (جس نے) دل کو بے چین کر دیا۔ اور قلم شگفتہ سر کو چھپے ہوئے رازوں سے افشا کرنے پر مامور کر دیا۔ اس سے آگہی حاصل کی جا سکتی ہے اور میرے خط کی سیاہی کو آنکھ کی پتلی کی سیاہی کے ذریعے سویدائے دل تک اتارا جا سکتا ہے۔

بیش از بیش اور کم از کم ایسی چیز نہیں کہ جب تک کلام جامیؔ اور اسیرؔ سے کوئی نظیر نہ ملے ہم نہ مانیں۔ یہ ایک پسندیدہ طرزِ اظہار ہے اور دلکش بیان۔ بلکہ اگر بیشتر از بیش و کمتر از کم لکھیں گے تو مضحکہ خیز بات ہوگی۔ مجھے دراصل کلام اس میں ہے کہ تسویہ کے جواز کے موقع پر یہ منعِ تسویہ کی جگہ کمتر لکھا جا سکتا ہے یا نہیں یا (صرف) کم (لکھا جائے گا)۔ جامیؔ کا مقصد تسویہ نہیں بلکہ جب وہ کہتا ہے "کم ز صد غم" تو اس سے اس کی مراد ننانوے نہیں ہوتی۔ ہاں اس طرح اگر ہندی کی عبارت کی فارسی کریں "چاند کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کم ہے" تو اس کو اس طرح لکھیں "روشنیٔ ماہ از فروغِ مہر کم تر است"، "چشمِ ما از رخنۂ دیوار کم تر نیست" علیٰ ہذا القیاس۔

جمع الجمع کو ہم پسند نہیں کرتے اور اس ضمن میں صائبؔ کی بات ہمارے دل کو نہیں لگتی۔ ہمیں اپنی صلاح سے کام ہے نہ کہ بزرگوں کی عیب جوئی سے۔ حور حورا کی جمع ہے اور یہ عربی لفظ ہے۔ اہلِ فارس الف اور نون کے ساتھ حوران لکھتے ہیں۔ لیکن (حوران سے) یہ نہیں کہ جمع الجمع بن جاتی ہو بلکہ ان عقلمندوں نے حور کو مفرد قرار دیا ہے اور اس کی جمع پر الف اور نون کا اضافہ کر دیا ہے۔ ہم بھی ان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اسی طرح اس کو بولتے ہیں اور اس ہی طریقے پر (اہلِ دانش) کا اجماع نظر آتا ہے۔ لیکن لفظِ غریب کی پیروی نہیں کی جا سکتی۔

وہ مصرع کہ جس میں زندگانی ہا اور جانفشانی ہا کے قافیے تھے ہم نے اگرچہ کاٹ دیے ہیں لیکن اس کی جگہ ایک دوسرا مطلع لکھ دیا ہے کہ جس سے ظہوریؔ کی روح کو بھی راحت نصیب ہو۔

رائیگان است زندگانی ہا ۔۔۔ می تواں کرد جانفشانی ہا

کس چہ نازد بہ جانفشانی ہا

دونوں مصرعوں میں سے جون سا بھی پسند کریں اس کو دوسرا مصرع بنائیں اور دوسرے مطلع کا خیال دل سے نکال دیں اور بیش از بیش اور کم از کم اور کمتر کے استعمال کے موقع محل کو اچھی طرح سمجھ لیں اور بات ختم کریں۔

شفیقی مکرم (بابو ہنگے دل) صاحب کی صحت و سدمتی اور ان کے سفر حضر کے متعلق لکھیں اور اپنے ناجائز ارادوں سے باز آ جانے کا مجھے یقین دلائیں۔ کالے صاحب کی رحلت کے بعد اس حویلی کے در و دیوار مجھے راس نہیں رہے۔ (اب) کوچہ بلیماران میں جھونپڑا ڈال لیا ہے۔ امید ہے کہ اس ہی حجرے سے میری لاش بھی نکلے گی۔ محررہ بدھ کی صبح چوبیس مارچ ۱۸۵۲ء منجانب اسد اللہ جس کا نامۂ اعمال سیاہ ہے۔

خط۔۶

۵

یہ ملحوظ رہے جب تک ہم ایک دوسرے سے دور ہیں اور خط و کتابت کے ذریعے بات چیت کا ڈول ڈالتے ہیں (تو) اگر کبھی میری طرف سے خط کے جواب میں دیر ہو جائے' میری موت پر محمول نہ کرنا چونکہ (موت کے) راگ کی الاپ ایسی ہوگی کہ ہر ایک کے کانوں تک پہنچے گی۔ اور (اس تاخیر کو) میری بیماری پر بھی محمول نہ کرنا کہ میں جسمانی کسمندی سے فرو ماندہ نہیں ہوتا اور اپنے کاموں سے ہاتھ نہیں روکتا۔ (چنانچہ) عقلمندی اسی میں ہے کہ جب یہ (تاخیر) واقع ہو تو آپ یہ سمجھیں کہ غالبؔ کو کوئی کام پڑ گیا ہے۔

ہائے یہ عید کہ مجھ پر محرم سے زیادہ سوگوار گزری۔ اس سے دو دن پیشتر کہ لوگ شام کو ماہِ نو دیکھیں اور صبح عید منائیں (بہادر شاہ) کی طبیعت خراب ہوگئی اور شدید بخار اور خطرناک اسہال میں مبتلا ہوگئے۔ کہاں تک بتاؤں کہ اس عرصے میں کیا کیا بیتی۔ آج کے دن تک کہ دہم شوال اور اٹھارہ جولائی ہے امید و بیم کی وہی کشمکش ہے اور بہی خواہوں کی جان پر اسی طرح بنی ہوئی ہے۔ خون کی حدت رفع نہیں ہوتی اور دست بند ہونے میں نہیں آتے۔

روزانہ صبح قلعے جاتا ہوں۔ کھانا کبھی شاہزادوں کے گھر سے منگ کر کھاتا ہوں اور شام کے وقت اپنے غم کدے میں آجاتا ہوں اور کبھی دوپہر اپنے گھر کھانا کھاتا ہوں تو دن ڈھلے (واپس قلعے) چلا جاتا ہوں۔ آج تک تو یہی مصروفیت ہے کل کی خبر نہیں کیا پیش آئے۔

تمہارے اشعار سرسری طور پر نہیں بلکہ دیدہ وری سے دیکھ کر واپس بھیج رہا ہوں۔ پرسوں مختی جانی (بانکے لال رندؔ) کا'' خدا ان کو ہمیشہ کامیاب رکھے، سرونج سے خط آیا ہے۔ تیز رفتار سواری سے بھرت پور جا رہے ہیں۔ مجھے یہ لکھا ہے کہ اس سفر کا مقصد تفتہؔ کی ملاقات اور اس کی ہم نشینی ہے۔ یہ تاباں صفت (شخص) تمہیں اس قدر چاہتا ہے کہ اگر میں دنیاداروں میں سے ہوتا تو حسد کی آگ میں سرتاپا جل گیا ہوتا۔ خدا اس کو ہمیشہ ہمیشہ (زندہ) رکھے اور جتنا کہ میں بتا رہا ہوں اس سے بھی زیادہ تم پر مہربان رکھے۔

غم و غصہ پی جاؤ، اور رنجشوں کو رفع دفع کرو۔ بھلا آبرو ایسی چیز ہے کہ دوست کے اور پھر ایسے دوست کے قدموں پر نچھاور نہ کی جا سکے۔ بلبل کو گل کے جنون میں کانٹے کی سرزنش کی پروا نہیں ہوتی اور پروانے کو شوقِ شمع میں جلنے کا خوف نہیں ہوتا۔ وہ عاشقی کہ جس میں رقیب نہ ہو بے نمک روٹی کی طرح اور بے کیف شراب کی مانند ہے۔ اس کے علاوہ بجز اس کے کہ خدا آپ کو عمر و دولت سے بہرہ مند کرے اور کیا کہوں۔ منجانب اسد اللہ محررہ دوپہر بروز پیر آٹھ رویں شوال اٹھارہ جولائی۔

خط۔۷

۶

جانِ من تمہارا خط جو منشی گوبر بند سنگھ کے نام تھا مکتوب الیہ کو بھیجا گیا لیکن قاصد اس کو واپس لے آیا۔ شاید گنگا کی طرف گئے ہوئے تھے۔ دو تین دن رکھ کر دوبارہ بھیجا تو پہنچ گیا۔ عجب نہیں اگر ان سعادت مند کو اس کا علم ہو گیا ہو۔

میرے دل میں ایک گتھی سی تھی کہ نہ جانے تمہارے پائے راہ پیما کا کیا حال ہو (اور) تمہارا سرو رواں (دوبارہ) کب آزادانہ چلنے پھرنے کے لائق ہو۔ اس بار جو تمہارا خط پہنچا تو اس نے ایک گتھی اس پر اور ڈال دی کہ اس کو سوائے تمہارے کوئی دوسرا نہیں کھول سکتا۔ خدایا یہ آپ نے کیا لکھا ہے کہ اگر فلاں شخص اپنا رویہ تبدیل کرے تو اس کے پاس جائیں گے ورنہ غالبؔ سے پوچھیں گے کہ کیا صلاح ہے۔ اب آپ کو چاہیے کہ جلد از جلد مجھے دوسرا خط بھیجیں اور بتائیں کہ پاؤں چلنے پھرنے کے لائق ہوا اور اس کو آرام آیا (کہ نہیں) اور اس کے چلنے پھرنے کی کیفیت کا اتنی تفصیل سے لکھیں کہ میرے لیے کافی ہو اور پھر اس گتھی کو بھی سلجھائیں جو میرے لیے الجھن کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ہرگز ہرگز دیر نہ کریں اور جو کچھ بھی ہو جلد لکھیں۔

اب تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کا تمہیں اب تک علم نہیں ہے۔ نوائے خامہ پر کان دھریں کہ یہ بے زبان کیا کہتا ہے۔ مجھے میرے ایک ہم مشرب دوست نے جے پور سے یہ لکھا ہے کہ راجہ (سوائی رام سنگھ) کہ جو جوان سال و جواں بخت ہے تیرا سارا کلام کہ جو اخبار سلطانی (سراج الاخبار دہلی مطبوع مطبع سلطانی قلعہ معلی دہلی) کے ذریعے اس کی نظر سے گزرا ہے پسند کرتا ہے اور تیرا شائق ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ میں اس ضمن میں دوستوں اور اجنبیوں میں مضائقہ نہیں کرتا۔ (لہٰذا) والی جے پور سے کیوں انکار کیا جائے۔ (چنانچہ) میں نے پہلے بابو صاحب (بانکے لال) کو لکھا کہ میں ایک عرضداشتِ شوق کے ساتھ اپنا دیوان ریختہ بطور تحفے کے راجہ سلطان صفت کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ حاکمین راجستھان کا مرکز ایک ہی ہے یعنی اجمیر اس لیے (آپ کے اور حاکمِ راجستھان کے درمیان) باہم مراسم کا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر آپ وکیل ریاست جے پور کو اس بات پر آمادہ کرلیں کہ میرے تحفے کو مہاراجہ تک پہنچا دے تو میں (دیوان ریختہ کے) چند جزو اس ورق کے ساتھ کہ جس کو خط کہتے ہیں بھیج دوں۔ چونکہ بابو صاحب (بانکے لال) نے (اس تجویز کو) مان لیا، میں نے اس نسخے کو لوح اور جدول اور جلد کے ساتھ اس طرح آراستہ کیا کہ پیشکش کے لائق ہو سکے۔ اس ہفتے اگر نہ ہو سکا تو آئندہ ہفتے ڈاک کے ذریعے بابو صاحب (بانکے لال) کی خدمت میں اجمیر بھیج دوں گا۔ میں نے (مدحیہ) قصیدہ نہیں کہا ہے۔ یہی کتاب ہے اور خط۔ خدا (آپ کی) عمر و دولت میں حد و حساب سے زیادہ افزائش دے۔ اسد اللہ۔

خط۔۸

۷

اگر جان بے وفانہ ہوتی تو جانِ من کہہ کر مخاطب کرتا اور اگر زمانے میں میری آبرو ہوتی تو کہتا آبروئے من۔ جب ان میں سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تو مجبوراً کہتا ہوں کہ اے شفیقہ تو مجھے رازداری نہ سکھا۔ میں خود اس طریق میں اپنا ہمسر نہیں رکھتا۔ اُس لحن طرز جدید مرزا جلال اسیرؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

امانت دار رازم عالمی را
بقدر بی زبانی هوش دارم

ترجمہ: میں ایک دنیا کے راز کا امانت دار ہوں اور بے زبانی کی حد تک ہوش رکھتا ہوں۔

پرسوں کہ جمعہ کا دن اور دسمبر کی سترہ تاریخ تھی وہ دیوان ریختہ سلطان صفت راجہ (سوائی رام سنگھ والئ جے پور) کے نام عرضداشت کے ساتھ بابو (جانی بانکے۔ل) صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ اب دیکھئے کب پہنچتا ہے اور پہنچنے کے بعد کیا روپذیر ہوتا ہے۔ اس دیوان کی آرائش میں میں نے کنجوسی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ مٹھی بھر زر لگایا ہے کتاب بھی زرنگار اور جزدان بھی دلکش۔ چونکہ بابو صاحب نے (اس کی) شروع ہی سے آپ کو اطلاع دے رکھی ہے آپ بھی ان سے معلوم کریں دیکھیں آپ کو کیا لکھتے ہیں۔

خدا کرے آپ کا پیر چلنے پھرنے کے لائق ہو گیا ہو اور بالآخر یہ معذوری ختم ہو گئی ہو۔ مجھے اطلاع سے نوازیں۔

والسلام از۔ سداللہ محررہ صبح بروز پیر ۱۹ دسمبر ۱۸۹۲ء

خط۔۹

۸

جانِ من اوراق اشعار اس خط کے ساتھ کہ جس کے آخر میں سردفتر مرزایان کی مہر تھی پہنچے۔ میں گرمی کے ظلم کے سبب مصیبت میں گرفتار ہوں اور (میرا) قلم عید کی تہنیت کی تقریب میں مدحِ شاہ میں تیز گام ہے۔ اگر اصلاح میں دیر ہو جائے تو ناراض نہ ہوں۔ خط پڑھنے کے بعد تمہیں واپس بھیج رہا ہوں۔ جانی (بانکے لال) جی کے عطیہ کے بارے میں صرف اس قدر ہی کہنا ہے کہ اگر کر سکیں تو اپنی کوشش کریں کہ عید سے پہلے مجھے مل جائے۔ ع۔ پس از آں کہ عید نبود بہ چہ کار خواہی آمد۔

ترجمہ: جب عید ہی نہ رہے تو پھر کس کام کے لئے آئے گا۔

محررہ جمعہ ۱۹ رمضان ۱۲۸۰ھ

خط۔۱۰

۹

جناب من! دونوں خط یکے بعد دیگر پہنچے۔ ان میں سے دوسرا خط اسی ورود کی رسید لایا۔ واضح ہو کہ آج منگل کا دن جنوری کی چوتھی تاریخ اور عیسوی سال کا آغاز ہے۔ تھوڑی دوپہر گزری تھی کہ ڈاکیہ آیا اور تمہارے اور بابو (بانکے لال) صاحب کے خط۔ یہ دکھ کی قید ٹوٹی اور فراغت تشکیل پذیر ہوئی۔ میں صرف اس قدر ہی چاہتا تھا کہ پارسل کے بارے میں معلوم ہو جائے۔

تمہارے خط اور اس خط نے (جانی بانکے لال کا بنام تفتہ) جو اس میں منسلک تھا دل پر بہت اثر کیا۔ یہ پسندیدہ خصلت شخص تمہارے ساتھ ایسی محبت کرتا ہے کہ اس مرتبہ کی انسانیت کسی انسان سے نہیں مل سکتی۔ (یقیناً) یہ جوانمرد تابندگان آسمان میں سے ہے یا بارگاہ ایزدی کے فرشتوں میں سے۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس سلسلے میں کوئی دریغ نہ کرتا اور آبرو میں بھی کوئی مضائقہ نہ کرتا بھلا جان کی کیا قدر و قیمت ہے۔

تمہاری یہ تحریر پڑھنے کے بعد یہ رقعہ ایک سادہ کاغذ میں لپیٹ کر رکھ رہا ہوں اور پتہ تمہارا لکھ رہا ہوں اور تمہیں بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ ان آزاد منش لوگوں کے سلسلے میں تمہارے کام آئے کہ حق محبت تمہاری گردن پر نہ رہے والسلام منجانب اسداللہ۔

خط۔۱۱

۱۰

ان محبت کرنے والے منکسر مزاج عاقل کو کہ جو میری جنس کاسد کے خریدار ہیں، اگر نہ جانوں کہ میرے ہمدم دیرینہ ہیں تو نادانی ہوگی۔ مرزا تفتہ کی دوست سازی ایسی نہیں کہ دوستی صورت پذیر نہ ہو اور دونوں طرف سے دل آپس میں پیوست نہ ہو جائیں۔ نئی تصنیف جس کا نام دستنبو ہے غدر کے تقریباً پندرہ ماہ کی روداد کے بارے میں ہے۔ پہنچ چکی ہوگی یا پہنچنے والی ہوگی۔ یہ تحریر میرا پارۂ جان اور روح کا ٹکڑا ہے۔ اس کی خوبی کو جتنا بھی (آپ) بڑھائیں گے بے اندازہ احسان میرے اوپر کریں گے۔ میں خود اس کی خوبیوں میں کاغذ کی چمک دمک، روشنائی اور سیاہی کی آب وتاب، اسلوب گفتگو میں تبدیلی نہ آنے دینا اور طرز بیان میں فرق و تفاوت نہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ بلند مرتبہ (یعنی آپ) اس ضمن میں کیا کچھ واقفیت رکھتے ہیں اور اس تحریر کی خوبی کو کس مرتبے پر پہنچاتے ہیں۔ امید ہے کہ (اگر آپ اس تصنیف کی ایسی آرائش کر سکیں) کہ اگر یہ لندن جائے تو وہاں کے ماہرین و اہل فن اس کی شائستگی کی تعریف کریں کہ بہر صورت میری کامیابی تمہاری شہرت ہے۔ خدا عمر دراز اور شادمانی عطا کرے۔ منجانب غالب۔ بروز اتوار ۲۹؍ اگست ۱۸۵۸ء۔

خط ۔۱۲

۱۱

غالبؔ از خود رفتہ تفتہؔ کو سلام کہتا ہے۔ بلند مرتبہ بالغ نظر (بابو بانکے لال) رندؔ نے مجھے لکھا ہے کہ ایک خط راول شیو سنگھ (والی ریاست جے پور) کو لکھنا چاہیے۔ میں نے دل میں کہا (ان کو) کیا لکھوں اور اس کا مقصود کیا ہوگا۔ میں نے اپنے نام کی مہر خط میں رکھی اور دوست کو بھیج دی تاکہ وہ جو چاہے لکھے اور مہر لگادے اور (اس طرح) کام کو چلتا کرے اور خط ارسال کردے۔ اس ہی ہفتے میں ادھر سے بھی ایک خط آ گیا اور مہر کے نگین کے پہنچنے کا معلوم ہوا۔ ابھی میں نے اس تحریر کا جواب نہیں لکھا ہے (بلکہ) اس انتظار میں ہوں کہ جب وہ مہر کو استعمال کریں اور مجھے واپس بھیج دیں اور کام کی ابتدا کی خبر دے دیں تب میں جواب لکھوں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ کول (علی گڑھ سے یعنی تمہاری طرف) سے میرے خطوط کا جواب دیر سے پہنچتا ہے اور میں منتظر رہتا ہوں۔ منجانب اسد اللہ محررہ ۲۷ جنوری ۱۸۵۳ء۔

بنام منشی نبی بخش صاحب سررشتہ دار

خط-۱

فرد: گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت
می توان گفت کہ ایں بندہ خداوند نہ داشت

ترجمہ غالب ناکام پر کیسی گزری کہنے کے لائق نہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بندہ کا کوئی خداوند نہ تھا۔

اندیشہ گواہ ہے اور مشاہدہ شاہد کہ تراش خراش آرائش کے لیے اور صیقل نمائش (ہی) کے لیے کی جاتی ہے۔ سرو کی جب آرائش کرتے ہیں تو اس کی تراش خراش (پہیے) ہوتی ہے اور شراب کو پینے سے پہلے مقطر کیا جاتا ہے' سرکنڈے کو جب تک کاٹ کر چھوٹا نہ کر لیا جائے قلم کی صورت نہیں قبول کرتا اور کاغذ کو جب تک پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر و اس لائق نہیں ہوتا کہ خط کہلائے۔ ہاں تو اس کارخانہ کون و فساد میں کوئی تعمیر بغیر تخریب کے اور کوئی تخریب بغیر تعمیر کے نہیں۔ مجھے خاک سے بنایا اور آسمان پر لے گئے اور کچھ عرصے اس بندی پر میری نگہبانی کی۔ اور پھر زمین پر دے مارا۔ چنانچہ میرے پیکر نے زمین پر ایسا نقش بنایا کہ اس نقش کو کوئی چھری از روئے زمین کھرچ نہیں سکتی۔ گویا اس (عالم) کون و فساد میں جو اچانک ظہور پذیر ہوا' مجھے لیجایا گیا اور (میرے پیکر اصلی کے خلاف) میری جگہ ایک شبیہِ خستہ (و قبیح) کو لا بٹھایا' جو موت اور زیست میں اور ہنسنے اور رونے میں امتیاز نہیں کر سکتا الٰہی! اس پیکر کو جس نے خاک پر نقش بنایا اور اس نقش کو جو اس پیکر سے خاک پر بنا جتنی جلد ہو سکے سطح زمین سے زیرِ زمیں میں پہنچا دیں۔

ان ہی دنوں میں کہ قیدِ ستم سے مجھے رہائی ملی ہے اور بندِ غم میں گرفتار ہوں' شاعر بے خود سحر بیاں' منشی ہرگوپال تفتہ کا میرے پاس آنا ہوا۔ ان سے یہ سنا کہ وہ کرمفرما جو وطن گئے ہوئے تھے حال ہی میں (واپس) آ گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ نے خط سے نہ نوازا۔ یقیناً آپ نے تفتہ سے میری ہم نشینی و ہمزبانی کو اپنی ہم نشینی و ہمزبانی جانا اور حق تو یہ ہے کہ یہ حقیقت بھی ہے۔

تیموری شاہزادوں میں سے ایک نے کل ایک بزمِ سخن آراستہ کی تھی اور شعر کو غزل خوانی کی دعوت دی تھی۔ مجھے تو اب اردو غزل گوئی سے کوئی رغبت ہی نہیں رہی۔ اور اگر چہ فکرِ شعر کا کوئی ارادہ بھی نہیں کیا تھا لیکن جس دن کہ رات کو اس محفل میں جانا تھا' بالخصوص اس وقت جب میں سوار ہو کر راستہ طے کر رہا تھا' بلا ارادہ دلِ غمزدہ نے چند شعر موزوں کر دیے۔ چنانچہ وہ آپ کو ارسال کر رہا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ اسی زمین میں ایک غزل کہہ کر مجھے بھیجیں۔

منجانب اسد اللہ تحریر کردہ منگل ۱۶ ربیع الاول و اکیس فروری۔ بوقت دوپہر۔

خط۔۲

۱

باغ دو در

صبح کا وقت ہے ایوان کے پردے گرے ہوئے ہیں۔ انگیٹھی میں آگ روشن ہے اور میں انگیٹھی کے پاس بیٹھا ہاتھ تاپ رہا ہوں۔ مشرق کی جانب پردہ اٹھا ہوا ہے اور کمرے میں دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے کہا ایسے اچھے وقت میں کس سے بات کی جائے! اچانک دل میں آیا کہ (تیرا تو) علی گڑھ میں ایک برادر گرامی (حقیر) ہے اور اسی شہر میں ایک محبت کرنے والا دوست (تفتہ)۔ ان دو عزیزان روشن گہر کے گوش حق نیوش میں صریرِ خامہ پھونک اور قلم کی زبانِ بے آواز کے ذریعے اُن سے باتیں کر۔ دل نے کہا جواب کہاں سے ملے گا۔ جواب ملا کہ دو تین دن گوش برآواز رہنا پھر سننا۔ دو ورق کہ جڑے ہوئے تھے ایک دوسرے سے جدا کئے ایک پر تمہارے اور دوسرے پر تفتہ کے اسم گرامی کو (خط تحریر کر کے) ڈاک کے سپرد کر دیے۔ اللہ اللہ جنون میں کیسے کیسے گُن ہوتے ہیں۔

اُن برادرگرامی کی بصارت کم ہو جانے (کی خبر پر) دل کا دکھ بڑھ گیا۔ وہ (کارکنانِ قدرت) کہ جنہوں نے جمشید سے اس کا کام اور سلیمان سے اس کی انگوٹھی چھین لی، یقیناً قزاقی میں مشاق ہیں۔ جب تک راہزنی نہ کریں اور مال لوٹ کر نہ بھاگیں چین سے نہیں بیٹھتے۔ ہمارے قافلۂ (زیست) کی (ساری) راس ہی سننا دیکھنا، بات کرنا اور چلنا ہے، بھلا کیوں نہ لٹے۔ ایک اونچا سنتا ہے تو ہمنشین کیا بات کرے اور ایک کی آنکھ (کم نظری کے باعث) کھلی ہوئی ہے کہ (نجانے) کون آرہا ہے (کیسے دیکھے) ایک کے پاؤں چلنے پھرنے سے رہ گئے ہیں تو ایک میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں رہی۔ (غرض) ہم تو روزگار کے تباہ کئے ہوئے ہیں کس سے دادرسی چاہیں اور منصفی کے لیے کس در پر جائیں۔ آسمان کے مارے ہوئے غالب نے حدادب کا خیال نہ رکھتے ہوئے اپنی ایک غزل میں اس طرز کی دہائی دی ہے۔

سپہر را تو بتاراجِ ما گذاشتہ ای
نہ ہر چہ دزد ز ما برد در خزانۂ تست

ترجمہ۔ آسمان کو تو نے ہماری لوٹ مار کے لیے مامور کیا ہوا ہے۔ (تو کیا) ایسا تو نہیں کہ قزاق جو ہم سے لوٹ کرے گیا ہے تیرے ہی خزانے میں موجود ہو۔

صبر کریں اور مقوی دماغ کوئی دوا کھائیں اور ایسا سرمہ لگائیں کہ آنکھوں کا دھند دور ہو اور غم (ہرگز) نہ کریں چونکہ غم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ درونی اور بیرونی قوی ہم نے رقم دے کر نہیں خریدے یہ تو ہمیں مفت ملے ہیں سو اگر واپس بھی لے لیں تو ظلم نہیں ہے۔ منجانب اسد اللہ محررہ اتوار ۱۹ دسمبر ۱۸۵۲ء۔

بنام میر احمد حسین میکش

خط-۱

پسندیدہ صفات خردمند میر احمد حسین خان میکشؔ کے ضمیرِ منیر پر کہ بے شک وشبہ رازہائے پوشیدہ کا آئینہ ہے اس سے پیشتر کہ یہ کہوں کہ پوشیدہ نہ رہے (یقیناً) آشکار ہو چکا ہو گا کہ یہ دل غمزدہ کہ دردِ دوری سے خون میں تڑپتا ہے کس طرح تڑپ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ آپ کے پٹوڈی جانے کو ہم نے مناسب خیال نہ کیا تھا اور یقین کریں کہ وہاں کے قیام کو بھی ہم پسند نہیں کرتے۔ آخر اس شہر میں بھی تو آپ کو گوشہ و توشہ میسر تھا۔ عدالت دیوانی کی وکالت بھلا کیوں چھوڑ دی۔

ان ہی مبارک دنوں میں امیر سلطان شکوہ نصیر الدولہ معین الملک تجمل حسین خان بہادر حشمت جنگ نے جو ولایت فرخ آباد کے مسند نشین ہیں' بے شک اس روشنی کی تابانی کے سبب کہ جو ان کی فطرت میں ہے' میرے قلم کی گوہر افشانی ملاحظہ کر کے اور میری جانب متوجہ ہو کر میرے فرخ آباد آنے کی تمنا کی ہے۔ ہر چند کہ گوشہ نشینی و مایوسی میرا دستور ہے لیکن اس محبت کے مشاہدے کے بعد جو اُن بلند مرتبت' کو مجھ سے ہے' میرا یہ ارادہ ہے کہ اپنے سوئے ہوئے پاؤں کو حرکت میں لاؤں اور دہلی سے فرخ آباد چلا جاؤں اور آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ پٹوڈی کے قیام کے بندھن کو جو آپ کے شایانِ شان بھی نہیں ہے' توڑ دیں اور اسی ہفتے مجھ سے آملیں۔

فرد: ہلاک شیوۂ تمکیں مخواہ مستاں را

عناں گسستہ تر از بادِ نوبہار بیا

ترجمہ مستوں کو اپنی روشِ تمکنت سے ہلاک کرنا پسند نہ کر اور (تو) بادِ نوبہار سے زیادہ والہانہ انداز میں چلا آ۔

کار آگہی کی توفیق آپ کی رفیق ہو۔

خط-۲

۱

باغِ دودر

برخوردار صاحبِ اقبال میر احمد حسین کو اسد اللہ کی دعا پہنچے۔ اس بات کا یقین کرو کہ تمہاری طرف سے مجھے سخت تشویش تھی۔ جب کبھی صاحبِ سعادت و اقبال میر مہدی میرے پاس آتے تھے تو ہم دونوں مل کر تمہاری ہی باتیں کرتے تھے۔ اکثر تمہاری طرف سے اس بات کا ملال ہوتا کہ رام پور سے خط کیوں نہ لکھا۔ بارے آج کہ منگل کا دن اور شوال کی تیرھویں تاریخ ہے دن چڑھے میر مہدی

صاحب آئے اور (انہوں نے) تمہارا خط دیا۔ رامپور میں بیس روپے ماہوار پر قناعت نہ کرنا اور وہاں سے بریلی جانا اور وہاں بیمار پڑ جانا اور وہاں مسہل کی دوائیں پی کر شفا پانا اور اب لکھنؤ کے لیے عازم سفر ہونا سب معلوم ہوا۔ اللہ تمہارا محافظ ہو۔

ایک ہفتے کے بعد دوسرا خط اعتقاد الدولہ نوروز علی خان کو لکھ دیا جائے گا۔ خاطر جمع رکھیں لیکن (یہ بات) تمہارے ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اعتقاد الدولہ گوشہ نشینِ محض ہے۔ شاہ (واجد علی شاہ) اور مقرّبین دربار سے اس کا ربط ضبط نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ کیا کر سکتا ہے اور کون سا کام سرانجام دے سکتا ہے۔ خدا سے آس لگائیں البتہ عالم اسباب میں قطب الدولہ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔ اگر تقدیر تدبیر کے موافق ہوئی تو اسی کے ہاتھوں کام نکل جائے گا۔ غرض یہ کہ میری طرف سے کوتاہ قلمی نہیں ہوگی۔ والسلام محررہ ۱۳ شوال بروز منگل بوقت چاشت۔ خواجہ غلام معین الدین خان یکتا سلام کہتے ہیں۔

خط۔۳

۲

جان سے زیادہ عزیز سعادت مند میر احمد حسین خانہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو اسد اللہ کا سلام پہنچے اور (وہ) مجھے اپنی یاد میں مشغول تصوّر کریں۔ نامہ دل کش پہنچا اور باعث مسرّت ہوا۔ بارے آغاز ہی میں آپ کو کوئی منزل مل گئی ہے۔ نواب صاحب (محمد سعید خان والیٔ رامپور) عالی ہمت ہیں اور شرفا کی قدر کرتے ہیں۔ آج کل ان کی ذات مغتنمات (دنیا) میں سے ہے۔ ہمارا مشورہ تو یہی ہے کہ نواب صاحب کی رفاقت ترک نہ کریں اور اس بے نظیر سردار کی رفاقت کو اپنی قسمت اور تقدیر کی یاوری گردانیں اور دور دراز سفر کو ذہن سے نکال کر جو وظیفہ اور تنخواہ نواب صاحب نے براہ عنایت مقرر کر دی ہے اس پر قناعت فرمائیں اور ہمیشہ اپنی خیر خیریت لکھتے رہیں۔ اس سے زیادہ بجز دعا اور کیا تحریر کیا جاوے۔ محررہ جمعرات ۲۹ جون ۱۸۴۸ء اسد اللہ۔

خط۔۴

۳

غالب کی آنکھوں کے نور، عمرِ دراز ہو۔ کام اختتام کو پہنچا حوصلے سے کام لو اور ان لوگوں کی بدسلوکیوں سے آزردہ نہیں ہونا چاہیے۔ بیگم صاحب (امراؤ بیگم) کی مہر کاغذ کے حاشے پر لگا کر بھیج رہا ہوں۔ ضابطے کے مطابق مختار نامہ میر تفضل حسین خان کے نام لکھنا چاہیے اور دستور کے مطابق رقم خزانے سے حاصل کرنی چاہیے اور گنتی کے بعد (حکیم وارث خان کے صاحبزادے) فیض علی کو دے دی جائے۔ اسد اللہ۔

خط-۵

۴

اے اقبال مند (تمہارا) مسرت نامہ کہ شمار میں تیسرا تھا پہنچا۔ ناظر جی (ذوالفقار الدین حیدر نظارت جنگ خان بہادر معروف بہ حسین مرزا ناظر دربار شاہ ثانی) کے نام کا خط انہیں بھجوا دیا گیا۔ (انہوں نے) ابھی تک پہلے خط کا جواب نہیں بھیجا ہے۔ اس ضمن میں تقصیر میری طرف سے نہیں ہے۔ تم نے جو کچھ اطلاعاً لکھا تھا اس سے دل کو مسرت ہوئی اور جو کچھ بطور حکم تحریر کیا تھا وہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور (اس نے) اس سودائی دل کو قدرے پریشان کر دیا۔

میرا فارسی کا دیوان (مطبوعہ ۱۸۴۵ء) دہلی سے مدراس وحیدر آباد تک اور لاہور سے ہرات وشیراز تک پہنچ چکا ہے۔ اس میں شاہ (شاہ امجد علی شاہ والیِ اودھ) کا مدحیہ قصیدہ (ع شادم کہ گردشے بسزا کرد روزگار) درج ہے اور دنیا نے اس کو دیکھا ہے۔ (اب) اس ننگ کو اپنے اوپر کس طرح جائز کرلوں کہ اس کو کسی دوسرے کے نام پر مشہور کر دوں۔ یہ چاندی، سونا اور لعل وگوہر نہیں کہ میری دسترس میں نہ ہوں، یہ تو اشعار ہیں اور مبدأ فیاض سے مجھے اس کے خزانے کے عطا ہوئے ہیں۔ آپ خاطر جمع رکھیں جیسے ہی کہ شاہ صاحب (قطب شاہ) کے خط کا جواب مجھے مدراس وقت تک تازہ قصیدہ اور ایک تازہ قطعہ آپ تک پہنچ چکا ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ خلاف واقعہ بات مجھے نہ لکھیں اور جیسا میں کہوں اسی طرح عمل کرتے رہیں۔

فی الحال کام یہ ہے کہ شاہ صاحب کے نام کی عرضداشت انہیں پہنچا کر اس بات کا ڈول ڈالیں کہ شاہ صاحب اس کو نواب صاحب (قطب الدولہ قطب علی خان) کو دکھا کر اور اس کی عبارت کو ان کے ذہن نشین کرا کر قصیدہ بھیجنے کی اجازت حاصل کرلیں تا کہ میں اس قصیدے (ع۔سخن ز روضہ رضوان بکوئے یار کشد) کو تمہیں بھیج دوں۔ بے فکر رہیں نواب (قطب الدولہ) کی مدح کا قطعہ بھی اس کے ساتھ ہوگا۔

کوشش یہ نہیں ہونی چاہیے کہ بادشاہ مجھے اپنے ہاں بلائے۔ پوری تندہی سے کوشش یہ کرنی ہے کہ صلہ حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد اگر شاہ (اودھ) مجھے بلائے گا تو زادِ راہ کے لیے علیحدہ رقم دے گا ورنہ میں اس صورت میں کہ قرض کا بھاری بوجھ نہ ہو (اس ہی) گوشہ اور توشہ پر کہ جو رکھتا ہوں قانع ہوں۔ میرے اجمال کو تفصیل جانیں۔ میرا خدا سے یہ عہد ہے کہ انشا اللہ ماسواحق کے کچھ نہ کہوں گا۔ اور حق تو یہی ہے جو میں نے لکھا ہے (یعنی) مرتبہ، اقتدار، نمائش اور خود آرائی نہیں چاہتا۔ مجھے صرف آرام اور فراغت چاہیے اور بس اور اس آرام وفراغت کا حصول اس قرض کی ادائیگی پر منحصر ہے اور قرض کی ادائیگی اس رقم سے کہ جس کا میں شاہ اودھ سے اپنے صلہ کے طور پر امیدوار ہوں ہو جائے گی۔ اللہ بس ماسواہوس۔

خط۔۶

۵

میرے دل و جان تم پر قربان ہوں۔ خط پہنچا اور احوال معلوم ہوئے سنیچر کے دن ۱۳ نومبر ۱۸۴۸ء اکیس روپے بارہ آنے کی ہنڈی میں نے بھیجی ہے۔ امکان غالب ہے کہ پہنچ چکی ہوگی۔

خط مظفر الدولہ کی وساطت سے (اعتقاد الدولہ) نوروز علی خان کو بھیج دیا گیا ہے اور تمہارے بارے میں (بھی) چند باتیں لکھی ہیں۔ فی الحال قطب الدولہ (قطب علی خان) کے نام خط بھیج رہا ہوں جس کے ساتھ ستائیس اشعار پر مشتمل ایک قطعہ بھی ہے۔

ایابکوشش و بخشش رئیسِ ملّت و ملك

ایا بدانش بینش مدار دولت و دیں

اس بات سے خفا نہ ہونا کہ یہ خط کھلا ہوا نہیں ہے۔ دنیا دار لوگوں سے میرا طریقۂ کار مختلف ہے۔ نظم میں بھی اور نثر میں بھی تمہارے بیے میں نے وہ کچھ لکھا ہے کہ میں جانتا ہوں اور میرا خدا۔ بارے اس خط کو لے جائیں اور قطب الدولہ کو دیں اور عرض کریں کہ فلاں شخص نے اسی طرح بند بھیجا ہے۔ جب سامنے (خط) کھولا جائے اور پڑھا جائے تب دیکھئے گا کہ میں نے کیا جادو بیانی کی ہے اور کیا لکھا ہے۔

شاہ صاحب کی خدمت میں بندگی پہنچائیں اور عرض کریں کہ حکم کی تعمیل کی گئی ہے اور خط اور قطعہ میں نے قطب الدولہ کو بھیج دیا ہے۔ اب آپ سے مدد چاہتا ہوں اور بس۔ قطب الدولہ سے جواب جلد حاصل کر کے بھیجیں تاکہ شاہ (واجد علی شاہ والیٔ اودھ) کا مدحیہ قصیدہ بھیجا جا سکے۔ اسد اللہ۔

خط۔۷

۶

اے سعادت مند تمہارا خط پہنچا اور خط اور قطعے کا میرے مرکز نظر کے ملاحظے میں آنے کا علم ہوا۔ اب ان صاحبِ اقبال کی تحریر کے مطابق اُس خط کا منتظر ہوں جس میں ممدوح کی طرف سے میرے خط کا جواب منسلک ہوگا۔

قصیدے کے اشعار کی تکمیل سے خاطر جمع رکھیں کہ اس کام میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔ البتہ جس طرح پہلے بھی لکھ چکا ہوں یہ لکھ کر بتاؤ کہ موجودہ والیٔ تخت اپنے اسلاف کی طرح چالیس دن عزاداری کرتا ہے یا وہی تیرہ دن۔ دوسرے یہ جی چاہتا تھا کہ خط اور قطعے کے پڑھے جانے کے وقت جو کچھ بھی اس محفل میں ہوا ہو اور ممدوح اور اس کے مقرّبین کی زبان پر جو کچھ بھی آیا ہو (آپ) وہ لکھتے۔ لیکن افسوس کہ آپ نے نہیں لکھا بلکہ اپنی طرف سے بھی (کچھ) نہیں لکھا اور میری تحریر کی داد نہیں دی کہ میں نے نظم اور نثر (دونوں) میں بھی اور خط میں بھی تمہارا ذکر کس عنوان سے کیا ہے۔

بہرحال آج کہ جمعہ اور محرم کی چوتھی تاریخ ہے مخدومی و مولائی سید اکبر علی (شیون) مجھ سے ملنے آئے تھے۔ بتاتے تھے کہ کل فدوی شخص (میکنتش) کو خط بھیج رہا ہوں۔ میں نے بھی یہ دو سطریں لکھ کر اس پسندیدہ خصلت کو دے دیں کہ اپنے خط میں منسلک کر کے تمہیں بھیج دیں۔ والسلام اسد اللہ۔

خط۔۸

۷

اے (میری) جان، صاحبِ عقل، کئی دن ہوئے کہ خط ہمارے پاس آیا لیکن ہم نے ابھی تک جواب نہیں لکھا ہے اور لکھیں بھی کیا کہ کام تمام ہو چکا ہے اور اب کچھ کہنے یا تحریر کرنے کو باقی نہیں۔ خدا تمہاری عمر اور دولت میں اضافہ کرے، کام کو انجام تک پہنچایا۔ ایک خاص منزل تک خود بھی پہنچے اور کام کو بھی پہنچا دیا کہ جو مقصود تھا۔ لیکن مشیئت سے تو جنگ نہیں کی جا سکتی۔ بادشاہ دیوانہ، سلطنت درہم و برہم، معاملات تباہ، بھلا تم کیا کرو اور قطب الدولہ کیا کرے۔ اگر ولی عہد (محمد جاوید علی بہادر شہزادۂ دوم واجد علی شاہ) نہ بھی مرتا کام پھر بھی نہیں بنتا۔ کوئی دیوانے کے پاس قصیدہ کس طرح لے جائے اور (پھر) اس سے کیا کہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ چلو مان لیا کہ یہ بھی ہو گیا اور قصیدہ اس کے سامنے پیش بھی کر دیا گیا اور اس کو پڑھنا (بھی) شروع کر دیا گیا (اور) اس نے ہنسنا اور سر مٹکانا شروع کر دیا اور پڑھنے والے کے ہاتھ سے کاغذ لے کے دانتوں میں چبایا اور زمین پر پھینک دیا، یس لیکن دوسرے کسی کام کی طرف متوجہ ہو گیا اور سائل کے مقصد کی بابت کوئی بات نہیں کی (تو کیا فائدہ ہوا) (یا) فرض کر لیں اور مان لیں جنون میں بڑے گُن ہیں کی حکیمانہ ضرب المثل کے مصداق خلعت بھیجنے یا ہزار اشرفیاں دینے کا حکم دے دیا۔ (تو ان حالات میں) اس کا حکم کون پہنچائے گا، خلعت کون بھیجے گا، رقم کون دے گا اور حکومت کے اہلکار دیوانے کے حکم پر (بھلا) رقم کیوں دینے لگے اور خلعت کیوں بھیجنے لگے۔ اگر بادشاہ دیوانہ ہے تو وزیر (مدار الدولہ علی نقی خان بہادر) تو دیوانہ نہیں۔ مختصر یہ کہ یہ ساری باتیں میں نے سمجھ لی ہیں اور فریب کاریٔ تقدیر سے عاجز ہوں۔ ہر چند کہ آپ (میرے پیارے) اس خیال سے کہ میں شکستہ دل اور غمگین نہ ہو جاؤں مجھے مژدۂ امید دیتے رہتے ہیں اور حقیقت حال کو مجھ سے چھپاتے ہیں لیکن ایسے بڑے بڑے راز بھلا کہاں چھپے رہ سکتے ہیں۔ یہ تو آدھے دن کے سورج کی طرح روشن ہے کہ شاہ اودھ محض دیوانہ ہے اور وزیر کج دار و مریز (کی حکمتِ عملی) سے کام چلا رہا ہے۔ ان سطور کے لکھنے کا دراصل مقصد یہ ہے کہ ان توقعات سے میں نے (یکسر) قطع نظر کر لیا ہے اور اب کسی امید کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ (البتہ) تمہاری طرف سے فکر مند ہوں اور قطب الدولہ کے لیے بھی غمگین ہوں اور خاک نہیں سمجھتا کہ بالآخر کیا ہوگا۔ اب تم میری امید اور ناامیدی سے قطع نظر کر کے شاہ (اودھ) کا حال (امور) سلطنت کی کیفیت، قطب الدولہ اور شاہ اودھ کے دوسرے مصاحبین پر جو گزر رہی ہے وہ اور تم نے جو کچھ بھی اپنے بارے میں سوچا ہے وہ ٹھیک ٹھیک بغیر کسی کم و کاست کے مجھے لکھو۔ میں نے تو اس مصرعے کے مصداق۔ ع۔ گذشتم از سر مطلب تمام شد مطلب۔

ترجمہ: میں مطلب کی منزل سے گزر چکا ہوں اور مطلب ختم ہو چکا ہے۔

اپنے مقدر کو آزما لیا اور یہ تیسری بار ہے۔ پہلی بار نصیر الدین حیدر نے (قصیدہ ع گر سے سل کدۂ روضہ

رضــوان رفتــم)مدح سنی اورصدہ دیے۔(لیکن)روشن الدولہ(منیر الملک محمد حسین خان بہادر قائم جنگ وزیر دربار، اودھ)اور منشی محمد حسین سارا کا سارا کھا گئے اور مجھے ایک پائی بھی نہیں ملی دوسری بار امجد علی شاہ نے مجھے مصاحبی پر قبول کیا اور حکم دیا کہ پانچ ہزار (روپے)بطور صلہ اور پانچ ہزار روپے بطور زاد راہ کے کل دس ہزار روپے بھجوائے جائیں اور فدوی شخص کو (یعنی مجھے)یہاں بلایا جائے۔ ابھی اس حکم پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ اس کو سرطان ہو گیا اور وہ دو ہفتے صاحب فراش رہ کر فوت ہو گیا۔اب اس بار جو کچھ بھی ہوا خود اچھی طرح جانتے ہو۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(تمہاری بیوی)ظفری بیگم کی عرضی کہ جو میر مہدی کے قلم کی لکھی ہوئی تھی میر امام الدین نے مجھے دی ہے۔یہ اس خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں پڑھ لیں۔اور معلوم ہو کہ امراؤ بیگم زوجہ (بہادر شاہ)بادشاہ نے میر امام الدین کو جواب دے دیا۔بیچارہ روزگار کی کشمکش سے عاجز آیا ہوا ہے اور اس پر بیٹی (ظفری بیگم)کی پرورش دشوار ہو گئی ہے۔منجانب اسد اللہ محررہ جمعرات پانچ جولائی مطابق تیرہ شعبان جواب طلب۔

خط۔۹

۸

اے اقبال مند روایتی مسلمہ حساب سے کئی دن اور میرے انتظار خاطر کے حساب سے سالوں گزر گئے ہیں کہ تمہارا خط نہیں آیا۔منگل کا روز اور جنوری کی تیئیسویں تھی کہ تاریخ یمنی کا پارسل ادائیگی محصول کے بعد میں نے ڈاک میں ارسال کر دیا۔(لیکن)آج تک کہ اتوار کا دن اور فروری کی چوتھی تاریخ ہے اس کے پہنچنے کی اطلاع مجھے نہیں ملی۔تیرہ دن کی مدت کم نہیں کہ کتاب کے لکھنؤ پہنچنے اور خط کے لکھنؤ سے دہلی پہنچنے کے لیے ناکافی ہو۔

دوسرے میں نے تمہیں لکھا تھا کہ حامد علی خان کا احوال لکھو۔یہاں پر ان کے بارے میں افواہیں پھیل رہی ہیں۔خدا ان کو قید و قید خانے سے محفوظ رکھے۔اچھا یہ ساری باتیں ایک طرف،شاہ اودھ (واجد علی شاہ)کی بیماری کی خبر اس قدر گرم ہے کہ مضطرب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا خاص طور پر جبکہ تم نے بھی لکھا ہے کہ بادشاہ بیمار ہے۔ان حالات میں جب ہر طرف سے سنوں کہ بیمار ہے یہ اضطراب کیوں نہ ہو۔ان سب باتوں کے باوجود اس سارے دکھ اور اضطراب کی وجہ تمہارے خط کے نہ آنے کے سبب ہے کہ جس نے مجھ کو پیچ و تاب میں ڈال رکھا ہے۔اول تمہاری طرف سے کہ کہیں بیمار نہ ہو گئے ہو اور اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے کہ خدا نہ کردہ جس طرح مشہور ہے اس کی بیماری نے طول پکڑا ہو اور ان سب کے بعد کتاب کی طرف سے بھی یہ اندیشہ ہے کہ مبادا نہ پہنچی ہو۔

خدارا یہ کیا طریقہ ہے!میں نے تو تمہیں اجازت دے رکھی ہے کہ خط بیرنگ بھیج دیا کرو۔(پھر)ایک عدد کاغذ کے معدوہ تمہارا کیا جاتا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ شاہ (اودھ)بیمار ہے اور امور (حکومت)درہم و برہم اور تمہارا فرط محبت سے جی نہیں چاہتا کہ مجھے ناامیدی کی خبر تحریر کرو۔ہے ہے تمہیں نہیں معلوم کہ بد خوف بد سے بہتر ہے۔اے میری جان میں غمزدہ تو محروم ازل ہوں اور میں ناامیدی کا خوگر ہو گیا ہوں۔مقصد کے فوت ہو جانے پر اتنا غمزدہ نہیں ہوتا کہ بات ہلاکت تک پہنچ جائے۔ہرگز ہرگز رورعایت نہ کریں اور جو کچھ بھی کہ واقع ہوا ہو اچھا ہو تب اور برا ہو تب لکھیں اور جلد لکھیں بلکہ بہت جلد لکھیں۔اپنا حال کتاب کا پہنچنا،بادشاہ کا حال اور حامد

علی خان کا حال۔ تمہارے حال سے یہ مطلب ہے کہ جب تمہاری خیریت معلوم ہو جائے گی تو دل کشمکش سے آزاد ہو جائے گا اور دل کو سکون نصیب ہوگا۔ کتاب کا (حال) اس لیے چاہیے کہ اگر پہنچ گئی تو فبہا اور اگر نہیں تو ڈاک کے مہتمم سے کہ میرا جاننے والا ہے باز پرس شروع کروں۔ اور بادشاہ کا حال اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ معلوم ہو جائے کہ میری تقدیر میرے لیے کیا سوچ رہی ہے اور حامد علی خان کا حال صرف اطلاع کے لیے چاہیے کہ کسی چیز کا علم اس چیز کی ،علمی سے بہتر ہے۔ والد عامنجاب اسد اللہ ارسال کردہ بروز اتوار چہارم فروری سنہ ۱۸۴۹ء جواب طلب۔

خط۔۱۰

۹

تمہارا خط پہنچا اور بادشاہ کی بیماری نے (اس) فقیر کا دل دکھا دیا۔ اے اللہ اس کو صحت کے عطیے سے نواز اور اس کے ذریعے میری کارسازی کر۔ تم نے میر امام الدین کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا تسلیم کرتا ہوں ویسا ہی ہوگا لیکن ربّ کعبہ کی قسم کہ اس دو دفعہ میں کہ وہ میرے پاس آئے ہیں انہوں نے ہرگز تمہارے متعلق کوئی ناروا بات نہیں کہی (اور) یقیناً یہ بات بھی تمہیں جاننی چاہیے کہ میں تمہاری برائی نہیں سن سکتا۔

تاریخ یمنی تو میں نے فوراً جس قیمت پر بھی ملی خرید کر اور موم جامہ میں لپیٹ کر ادائیگی محصول کے بعد تمہیں بھیج دی ہے۔ خدا اس کو سرکاری چونگی کے اہلکاروں کے عملے کی دستبرد سے محفوظ رکھے۔ بے تکلف اس کو اپنی جانب سے راجہ امداد علی خان بہادر کی خدمت میں پیش کریں لیکن میرا نام نہ لیں۔ راجہ بھلا مجھے کیا جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔ فضول میری طرف سے اس پر بار احسان کیوں رکھیں۔ اس کو اپنا ممنون بنائیں کہ تمہاری ناموری میری ناموری ہے اور بس۔

بادشاہ کی بیماری کا سن کر قصیدے کے لیے وہ ذوق وشوق ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب دیکھو آئندہ کیا پیش آتا ہے اور بالآخر ہوتا کیا ہے۔ میری بدبختی کو سعی وکوشش سے اچھا نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنی بدقسمتی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں اور تقریباً ترپن سال سے شومئی قسمت کا تماشائی ہوں۔ خدا تمہاری عمر و دولت میں اضافہ فرمائے اور تمہاری کوششوں کے (مبارک) نتائج کو میری زندگی پر عائد فرمائے۔

پنج آہنگ لکھی جا رہی ہے۔ جب مکمل ہو جائے گی وہ بھی اسی طرح بھیج دی جائے گی۔ یہ بات واضح رہے کہ میں یہ تاریخ یمنی اور پنج آہنگ تمہیں دے رہا ہوں۔ میں راجہ اور منشی کو نہیں جانتا جس طرح جس کو چاہو اور مناسب سمجھو پیش کرو۔

کتاب کے پہنچنے کی اطلاع بادشاہ کے غسل صحت اور قصیدے کی بابت جلد تحریر کرو۔ اور یہ بھی لکھو کہ نواب (مظفر الدولہ) کی ان ساری نوازشات کے باوجود یہ کیونکر ہے کہ آج تک تمہارے لیے کوئی کام اور کوئی ملازمت متعین نہیں ہو سکی (اور تمہاری) عمر یونہی بے کاری میں گزر رہی ہے۔ خرچہ کہاں سے کرتے ہو اور روٹی کہاں سے کھاتے ہو اور آئندہ کس چیز کی توقع ہے۔

دوسرے حامد علی خان کا حال مفصل لکھنا اور علی محمد خان کے بیٹے شہ من خان کا حال بھی معلوم کر کے لکھنا کہ لکھنؤ آیا ہوا ہے اور رضی الدولہ (مصاحب واجد علی شاہ) کے عزیزوں میں سے ہے۔ والد عامنجاب اسد اللہ محررہ اتوار ۲۰ صفر ۱۲۶۵ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۸۴۹ء۔ کل کہ پیر کا دن ۲۶ صفر اور جنوری کی بائیسویں تاریخ ہے سپرد ڈاک کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم۔

خط۔۱۱

۱۰

آقائے من نامۂ دلنواز پہنچا۔ مفید نصیحتیں ذہن نشین ہوئیں۔ نواب مظفر الدولہ بہادر شاہ (ناصر الملک مرزا سیف الدین حیدر خان سیف جنگ بہادر) کے نام نامی کا خط پہنچ رہا ہے، اور (ان کے چھوٹے بھائی) معین الدولہ یعنی حسین مرزا کا خط بھی کہ جو میرے نام ہے اس کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ مظفر الدولہ کے گھر کا پتہ اس رقعہ سے (لے کر) ذہن نشین کر لیں اور (کتاب جلد تو) تلاش کریں اور جب مل جائے تو رقعہ دے کر کتاب ان سے لے لیں اور شیخ (قطب الدین) صاحب کو پہنچا دیں اور جب بھی کہ شیخ صاحب کتاب واپس کریں تو اس کو بذریعہ ڈاک مجھے روانہ کریں۔

نواب (مظفر الدولہ) کا گرامی نامہ دل اندوہگیں کے لیے مسرت افزا ثابت ہوا۔ ابتدا اچھی ہے۔ خدا یا انجام بھی اچھا ہو۔ قصیدہ کہنے کا ارادہ ہے اور کہنا شروع (بھی) کر دیا ہے۔ تین دن سے بخار کی آگ میں جل رہا ہوں اور اس پریشانی نے فکر سخن سے روک رکھا ہے۔ بہر صورت اس ماہ (محرم ۱۲۲۵ھ) کے آخر تک یا صفر کے شروع میں مذہب ومطلا کاغذ پر قصیدہ آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ قطعہ کہنے کا بھی ارادہ ہے اگر خدا نے چاہا تو قصیدہ کی تکمیل کے بعد اس کی بھی فکر کروں گا خاطر جمع رکھیں۔

ناظر جی (معین الدولہ حسین مرزا) کے نام کا خط انہیں بھیج دیا گیا۔ اسی روز وہ خود آئے اور نواب (مظفر الدولہ) کا خط مجھ سے طلب کیا۔ میں نے کہا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ نواب نے مجھے خط بھیجا ہے۔ بتایا میکش کی تحریر سے۔ بہرحال وہ خط میں نے ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے مجھے واپس دے دیا۔ (وہ خط) اس وقت میرے قلم دان کی زینت ہے۔

ظاہر ہوا کہ شاہ جی (قطب شاہ) کم ہی التفات فرماتے ہیں۔ بارے درویشوں کی دعا ہی کافی ہے۔ انہ ... جنھیں سے زور سے سرانجام دیں اور خدا سے (خیر کی) امید رکھیں۔

ہر چند کہ رسم عزاداری صفر کی بیسویں تک عام طور پر ہوتی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس ہی مدت میں نوروز کا ساتھ آ جائے ورنہ اگر زندگی باقی ہے تو بیسویں صفر بھی دور نہیں ہے۔ مجھے حسرت ہی رہی کہ آیا مہدی لطف کا مرتب بھی پہنچا (یا نہیں) اور یہ کہ قطعے کو۔ جس میں مدح کے علاوہ ایک حصہ گزارش مدعا کا بھی تھا کن الفاظ میں سراہا۔ افسوس کہ دنیا میں کوئی سخن فہم نہیں۔ (اب) پشیمان ہوں کہ نوروز علی خان کو میں نے خط لکھا (ہی) کیوں جبکہ مجھے معلوم تھا کہ کیا جواب ملے گا۔ لیکن تمہاری پاس خاطر کو لکھا۔

شعر۔ خدا گر بہ حکمت ببندد دری
کشاید بہ بخشایش خود دری[1]

ترجمہ خدا اگر اپنی حکمت سے ایک دروازہ بند کر دیتا ہے (تو) اپنی رحمت یا فضل وکرم سے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔

۱۔ یہ شعر اسی طرح لکھا ہے لیکن درست شعر یہ ہے۔

خدا گر بحکمت ببندد درے کشاید بہ فضل و کرم دیگرے ! برحمت کشاید در دیگرے

ترجمہ درست شعر کا کیا گیا ہے۔ کلیات سعدی از محمد علی فروغی ۱۳۶۵ھ شمسی۔ تہران (مترجم ومرتب)

اب دیکھیں خدا کی کیا مرضی ہے۔امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے اور خدا تمہیں بلند مرتبے پر پہنچائے گا۔ الدعا منجب اسد
اللہ محررہ ہفتہ ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۶۵ھ

خط نمبر ۱۲

۱۱

بنا آنکہ ہیچ مطلب ممکن روانہ شد
دل خوش نہ می کنیم مگر از محال ہا

ترجمہ. باوجود اس کے کہ کوئی ممکن مقصد حاصل نہ ہوا۔ہم ناممکن (مقاصد) کے علاوہ اور کسی چیز سے اپنا دل خوش نہیں کرتے۔

جس دن سے کہ تم نے لکھنؤ میں قیام اختیار کیا ہے اور تمہاری تحریروں سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ تمہیں قطب الدولہ کے ساتھ جو شاہ (واجد علی شاہ) کے خاص مصاحبوں میں سے ہے قربت وانسیت حاصل ہوگئی ہے، دل میں سوچتا تھا اور کہتا تھا۔ع۔ شد کہ ہمیں بیضہ برآرد پروبال۔

ترجمہ: ممکن ہے یہی انڈا پر و بال نکالے۔

قصہ کوتاہ طرح طرح کی خواہشات (دل میں) رکھتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میر احمد حسین کو جو میرے لیے میرے بیٹے کی حیثیت رکھتا ہے اور خوش بختی کی پیشانی رکھتا ہے عجب نہیں کہ قطب الدولہ کو اس پر آمادہ کرلے کہ وہ شاہِ اودھ (واجد علی شاہ) سے میرا ذکر کرے اور دربارِ شاہی سے میرے نام فرمان طلب بھیجا جائے تاکہ میں لکھنؤ پہنچوں اور بادشاہ سے ملوں (اور) میری ناکامیوں کا دور ختم ہو۔مگر واہ ری میری تقدیر کہ وہ ہنگامہ خیال درہم برہم ہو گیا اور وہ ساری امیدواری مایوسی میں تبدیل ہوگئی اور (پھر) ایسا کیوں نہ ہو کہ صاحبِ اقبال میر مہدی (مجروح) نے اپنے نام کا خط جو تم نے (انہیں) لکھا تھا مجھے دکھا دیا۔ یااللہ جب سے میں نے وہ خط دیکھا ہے از خود رفتہ ہوں اور اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہوں۔آخر یہ کیا ہوگا اگر تمہیں لکھنؤ سے ناکام جانا پڑے۔خدا کے واسطے اس دکھے دل کی جس کا صبر و قرار غارت ہو چکا ہے چارہ گری کر (اور) تجھے خداوند قادر، ورآئمہ مطہر علیہم السلام کی ارواح کی قسم اپنا حال ٹھیک ٹھیک مجھے لکھ۔میر مہدی کے خط میں (تو نے) جو کچھ بھی لکھا ہے وہ سراسر میرے ذہن کے خیال اور میرے تصور کے خلاف ہے اور حیرت ہے کہ یہ حالات تو نے مجھے کبھی نہیں لکھے۔اب بھی تجھے اس جان کی قسم جو تو مجھے یک،ورخط نہ لکھے اور جب تک سارے حالات مجھے نہ معلوم ہوں کہ (دراصل معاملہ) کیا ہے میرے دل کو سکون نہ ہوگا۔خدا کے واسطے جلدی کر اور مجھے خط ارسال کر اور اس میں ہر ہر بات مو بمو تحریر کر۔ع۔ ایے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ترجمہ: افسوس ان اکثر آرزوؤں پر کہ مٹی میں مل گئیں۔

غم واندوہ کے اظہار اور احوال کی تفصیل کی طلب کے علاوہ اور کیا لکھوں۔اسد اللہ جس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔

خط۔۱۳

۱۲

اے جانِ اے سعادت مند تحریر خط کے لیے الفاظ و معانی ابھی دیدہ و دل ہی میں تھے کہ (تمہارا) دوسرا خط آ پہنچا۔ اس سے پیشتر جو خط بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ جب تک میرا دوسرا خط نہ آ جائے جواب نہ لکھا جائے۔ سو اب کہ جواب دینے کی اجازت آ گئی ہے لکھ رہا ہوں۔

واضح رہے کہ حرون عربی کا لفظ ہے اور اس کا املا حائے حطی سے ہے۔ اگر قصیدے میں ہائے ہوز سے لکھ گیا ہے تو تقصیر کاتب کی طرف سے ہے نہ کہ میری طرف سے۔ اس لفظ کی بہر صورت اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔ لفظ لعب عین کے زیر کے ساتھ بھی جائز ہے اور عین کے سکون کے ساتھ بھی جائز ہے کذا فی الصراح۔

مشفقی قطب الدولہ بہادر کی دیوار کے سایے میں تمہارا آرام کرنا تمہیں بھی مبارک ہو اور مجھے بھی۔ ہرگز اس جوانمرد صاحب دل سے دوری اختیار نہ کریں وہ شخص کہ جو اس قدر غم خواری کرتا ہے تم کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔

میر مہدی (مجروح) کا خط میر مہدی کو اور میر امام الدین کا خط میر امام الدین کو پہنچا دیا گیا۔ میں خود بھی کہ آج یہ خط لکھ رہا ہوں اس کو سنبھالے لیتا ہوں کہ اگر ان دونوں کے خط آ گئے تو اس خط کے ساتھ ہی منسلک کر کے بھیج دوں گا ورنہ کل صرف یہی ایک خط ڈاک میں ارسال کرنا ہوگا۔

شاہ اودھ (واجد علی شاہ) کے بارے میں ناخوشگوار خبریں سننے میں آ رہی تھیں۔ خدا تمہیں ہمیشہ ہمیشہ رکھے کہ میرے دل کو قرار دیا۔ تم نے انتہائے بیماری کے رفع ہونے اور غسل صحت کے ارادے کا بروز جمعرات لکھا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن وہ (بات) نہیں لکھی جس سے دل کو تقویت ملے اور امید بندھے۔ جشن غسل صحت قصیدہ نذر گزارنے کے لیے پاکیزہ تقریب ہے۔ کیا اچھا ہو کہ یہ خط جو میں تمہیں آج لکھ رہا ہوں اور کل سپرد ڈاک ہوگا ابھی تمہیں نہ ملا ہو کہ میرا قصیدہ بادشاہ تک اور بادشاہ کا عطیہ مجھ تک پہنچ جائے۔ بھلا ہو اس کا جس نے کہا ہے۔

جہان بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزوہائے تنائیؔ خندہ می آید

ترجمہ دنیا بے مہر (ہے) زمین دشمن (ہے) اور محبوب (لا پروا)۔ مجھے ثنائی کی آرزوؤں پر ہنسی آتی ہے۔

میں چاہتا تھا کہ ایک خط قطب الدولہ کو لکھوں اور تمہیں بھیج دوں اور تم اس کو نواب صاحب کو دے دو اور اس پر بات چیت کی بنیاد رکھو لیکن (پھر) سوچا کہ یہ فضول ہے تم خود کام کے وقت پر نظر رکھتے ہو اور غافل نہیں ہو اور نواب صاحب بھی عطا و مرحمت میں دریغ نہیں کرتے۔

کــار ســازِ مــا بفکر کــارِ مــا
فــکــرِ مــا در کــارِ مــا آزارِ مــا

ترجمہ: ہمارا کارساز (خود) ہمارے کام کی فکر میں ہے۔ (چنانچہ) ہماری (اپنی) فکر اپنے کام میں ہمارے لیے آزار ہے۔

بارے اگر مناسب سمجھیں تو میرا اسلام نواب صاحب کو پہنچا دیں بلکہ اگر ممکن ہو اور موقع ملے تو اس خط کو ان کے ملاحظے میں لے آئیں۔

تم نے اپنے بارے میں مشفق محمد یحییٰ علی خان کی محبت اور شفقت کا جو کچھ لکھا ہے (اس کے سبب) اس نیک خصلت کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے۔ وہ شخص کہ تمھیں میری طرح عزیز رکھتا ہے میں اس کو عزیز کیوں نہ رکھوں۔ وہ شفقت کہ جو وہ تم پر کرتے ہیں (دراصل) احسان ہے جو مجھ پر کرتے ہیں۔ تمہاری تحریر ہی سے معلوم ہوا کہ یحییٰ تخلص کرتے ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ میرا سلام ان کو اور ان کا کلام مجھے پہنچانا چاہئے۔ منجانب اسد اللہ محررہ بروز منگل ۱۰ ربیع الاول ۶ مارچ جواب طلب۔

چونکہ کل شام تک بلکہ آج بدھ کے دن صبح تک کوئی خط کسی کا نہیں آیا اس خط کو روانہ کر رہا ہوں اور تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں اب غمِ روزگار سے تنگ آ چکا ہوں۔ ہرگز (اس کام میں) تامل نہ کریں اور قطب الدولہ کو اس پر آمادہ کریں کہ جشنِ صحت کی بزم ہی میں میری اصلاحِ احوال کا کام بھی سرانجام دیں اور تمیں خود ہی چاہیے کہ اس خط کا جواب جلد لکھو۔ بدھ گیارھویں ربیع الثانی ساتویں مارچ روانہ کیا گیا۔

خط ۔ ۱۴

۱۳

اے میرے سعادت مند (میری بات) سنو اور اس خط کے مضامین کو اپنے ذہن نشین کر لو۔ بلکہ اس خط کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھو تاکہ اگر کوئی بات یاد نہ رہے تو اس تحریر کو دیکھ کر یاد آ جائے۔ پہلی بات تو یہ کہ تمہارا خط پہنچ گیا تھا (اور) وہ رقعہ کہ جو ناظر صاحب (حسین مرزا) کے نام تھا وہ ناظر صاحب کو بھجوا دیا گیا۔ مولوی اکرام الدین (صدر امین دہلی) کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے ساتھ حسرتوں کی ایک دنیا لے گئے۔ یہاں تک جو کچھ لکھا وہ محض اطلاع کے لیے تھا ورنہ یہ خبریں کام کی نہیں۔ اب کان دھر کے میری بات سنو کہ فائدہ مند باتیں کہہ رہا ہوں۔

جانِ من قصیدہ پہنچ رہا ہے خود پڑھ لیں اور نواب صاحب کو پہنچا دیں اور اس امر کی کوشش کریں کہ بادشاہ (واجد علی شاہ) کی نظر سے گزرے اور صلہ حاصل ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری حسنِ تدبیر اور نواب صاحب کی عنایت سے بادشاہ تک پہنچ جائے گا پھر کیا ہو گا؟ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عطائے صلہ کا حکم صادر ہو گا تو وہ لازمی وزیر (امین الدولہ) کے نام صادر ہو گا اور بغیر وزیر (کی مدد) کے کام آگے نہیں بڑھے گا۔ اس صورت میں مجھے فکر ہے کہ کام گڑبڑ ہو جائے گا۔ (چنانچہ) اس امر کی تلافی اس طرح کی جائے کہ اس اندیشے کو نواب صاحب پر ظاہر کر دیا جائے اور میری جانب سے یہ کہا جائے کہ فلاں شخص (یعنی غالبؔ) یہ کہتا ہے کہ میں تو ایک دروازے کا گدا

ہوں اور سوائے قطب الدولہ کے کسی دوسرے کو نہیں جانتا۔ لازمی قطب الدولہ کو یہ چاہیے کہ وہ مجھے کسی دوسرے کا دست نگر نہ بنائیں اور قصیدے کو خود پیش کریں اور صلہ بھی خود ہی وصول کریں اور خود ہی مجھے پہنچا (بھی) دیں۔ جب یہ کام بن جائے اور وزیر کی ضرورت نہ پڑے اور محض نواب قطب الدولہ کی مہربانی سے جس طرح میں نے کہا مدعا بر آئے۔ اب چونکہ مدعا تو رقم کا حصول ہے (اس بابت) خود سوچیں کہ یہ رقم لکھنؤ سے مجھے کس طرح بھیجیں گے۔ اغلباً ہنڈوی کے ذریعے ہی بھیجیں گے۔ اب شہر (لکھنؤ) اجنبی شہر کے لوگ دھوکے باز اور تمہاری شہر کے ساہوکاروں سے کوئی واقفیت نہیں کہیں ایسا نہ ہو کوئی مشکل در پیش ہو۔ لامحالہ اس درد کی یہ دوا ہے کہ جب عطائے رقم کا حکم حاصل ہو جائے تو نواب صاحب کی خدمت میں عرض کریں کہ میں تو مسافر ہوں ہنڈوی بھنانے کا طریقہ نہیں جانتا۔ جناب عالی کسی قابل اعتماد ساہوکار اور متوسل کو اپنے پاس بلا کر رقم اس کو دے دیں اور ہنڈوی اس سے لکھوا کر اپنے خط میں لپیٹ کر مجھے عنایت کریں تاکہ میں اس خط کو، اسد اللہ خان کو بھیج دوں۔ لیکن اس جگہ اک بات رہتی ہے یعنی وہ رقم جو مجھے تمہیں دینی ہے تمہیں کس طرح دوں اور اس بات کو میں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ پانچ ہزار میں سے پانچ سو تمہیں دے دوں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو وہیں لے لو ورا گر تمہاری مرضی نہ ہو کہ یہ بات قطب الدولہ پر ظاہر ہو تو لکھو کہ ساری رقم یہاں آ جانے کے بعد اس میں سے پانچ صد روپے یہاں سے تمہیں بھیج دوں۔ پہلی صورت میں ایک مہر زدہ خط علیحدہ تمہیں بھیج دوں اور اپنے نام کا خط نواب صاحب کو دکھا کر پانچ سو روپے اپنے پاس رکھ لو اور باقی ساڑھے چار ہزار روپے کی رقم کی ہنڈوی نواب صاحب سے لے کر میری تحریر کے مطابق مجھے بھیج دو۔ اور یہ بھی تم ہی سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری صلاح یہ ہو تو میں خط میں یہ نہ لکھوں کہ پانچ سو روپے تمہیں دے بلکہ یہ لکھوں کہ پانچ صد روپے کی فلاں فلاں جنس خرید کر بعد میں بھیجو گے۔ (گویا یہ پانچ سو روپے اس کے پیشگی ہوئے۔) اس سوال کا جواب جلد ہی لکھنا چاہیے اور بس۔ لیکن دوسرا وسوسہ سب سے زیادہ جان سوز ہے یعنی میں شہر میں قرضدار ہوں اور (اسی شہر میں میرے) ڈگری دار (بھی) ہیں۔ اگر انہیں خبر ہوگئی تو ڈگریاں پیش کر کے مجھ سے عدالت کے حکم کے زور پر یہ رقم چھین کر لے جائیں گے اور میری اور تمہاری کوشش ضائع ہو جائے گی۔ (چنانچہ) اس زخم کے لیے دو مرہم چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ ہنڈوی میرے نام نہ ہو صرف شاہ جوگ ہو (جو کوئی بھی لے سکتا ہے) دوسرے یہ کہ ان سعادت مند (یعنی آپ) نے جس طرح (پہلے) قطب الدولہ کے خط بھیجنے کی اطلاع اپنے دوستوں کو دے دی تھی اس خبر کے بارے میں کسی کو نہ لکھیں اور اس طرح کریں کہ میرے اور تمہارے علاوہ کسی کو خبر نہ ہو کہ کیا ہوا اور کام کس منزل تک پہنچا۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔

جہان بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو ہائے تمنائی خندہ می آید

ترجمہ دنیا بے مہر (ہے) زمین دشمن (ہے) اور محبوب بے پروا (ہے) مجھے تمنائی کی آرزوؤں پر ہنسی آتی ہے۔

جان من کل پیر کا دن ۲۲[1] دسمبر اور عیسائیوں کی عید کا دن تھا۔ اس خط کو لکھے گئے شعر تک تحریر کر کے صندوقچہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ آج کہ منگل کا دن ۲۳ دسمبر ہے اور ان تختوں پر کہ جو دیوار کے نیچے بچھے ہیں دھوپ میں بیٹھا تھا کہ اچانک وہ بچہ جو کبھی کبھی

۱۔ عیسائیوں کی عید ۲۵ دسمبر کو ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کاتب سے یا مرتب سے کوئی اشتباہ ہوا ہے۔ (مترجم و مرتب)

تمہارے ہمراہ میرے پاس آتا تھا دروازے سے میرے پاس آ پہنچا اور کہنے لگا میر اولاد دروازے پر کھڑا ہے اور آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ میں نے کہا دستک دینے والا کون ہے تشریف لائیں۔ گیا اور اپنے ساتھ لے کر آیا۔ جب (یہ لوگ) بیٹھے میں نے پوچھا اسم شریف؟ کہنے لگے میر امام الدین۔ میں نے پوچھا کیسے قدم رنجہ فرمایا۔ کہا کہ میر احمد حسین کی خیر خبر معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میر احمد حسین یہاں سے رامپور اور وہاں سے بریلی چلے گئے اور وہاں بیمار پڑ گئے۔ اس کے علاوہ مجھے علم نہیں کہ کیا ہوا اور کہاں گئے اور اس وقت کہاں ہیں بلکہ مجھے تو ان کی موت اور حیات کی بھی خبر نہیں۔ انہوں نے کہا میں نے سنا ہے کہ لکھنؤ پہنچ کر انہوں نے شادی کر لی اور شادی بھی ایک مالدار عورت سے کہ جس کو ڈھائی سو روپے ماہانہ سرکار اودھ سے ملتا ہے۔ میں نے کہا واللہ باللہ تاللہ مجھے اس واقعہ کی کوئی خبر نہیں اور میری قسم سچی تھی کہ یہ بکواس میں نے نہیں سنی تھی۔ بارے اس سادہ آدمی کو فریب دینے کے لیے میں نے کہا کہ اگر احمد حسین لکھنؤ پہنچے ہوتے تو کس طرح ممکن تھا کہ مجھے خط نہ لکھتے۔ چہ جائیکہ شادی کی اور شکار بھی موٹا پھانسا، اور مجھے اطلاع تک نہ دی۔ وہ بیچارہ تذبذب میں ہی رہ گیا سمجھ نہ سکا کہ حقیقت کیا ہے۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ ظفری بیگم خوش ہے۔ کہا خوش ہے لیکن کھڑی نہیں ہو سکتی نہ اپنے پاؤں چل سکتی ہے اور کہتی ہے کہ میرا باپ راست گو ہے اور باقی تم سب جھوٹے ہو۔ میرے دل میں محبت نے جوش مارا ایک ڈبیہ انگوروں کی، چار رنگترے اور ایک درتی انار میں نے اس بچے کو دیئے اور کہا کہ یہ ظفری بیگم کو دینا اور اپنی بہن کو میری دعا پہنچانا۔ (یہ ساری چیزیں) لے لیں اور چل دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا باپ بھی چلا گیا۔ ادھر میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا ہے کہ اگر میری دسترس میں ہوا تو ایک سکۂ ظفری بیگم اور اس کی ماں کو بھیجوں گا اور کہوں گا کہ جب تک تیرے شوہر کی اطلاع نہیں ملتی اس رقم سے گزارا کر۔

خط اختتام کو پہنچا اور جنون دل اسی طرح جوش میں ہے۔ مجبوراً لکھے ہوئے کو دوبارہ لکھتا ہوں کہ میرے سارے اندیشے درست ہیں اور ان میں ایک وسوسہ بھی بے بنیاد نہیں۔ بارے قصیدے کے پہنچنے کے بعد دل جمعی کے ساتھ غور کرو اور کام کے اطراف و جوانب کو دیکھو اور پھر فیصلہ کرو کہ کیا کرنا ہے۔ جو مضمون بھی کہ منظور ہو مجھے لکھ بھیجو تا کہ اس مضمون کا خط تمہارے نام بلکہ اگر ضرورت ہو تو قطب الدولہ کے نام لکھ کر تمہیں بھیج دوں اور قصیدے کے پہنچنے کے بعد کے حال بھی لکھو کہ جب نواب صاحب نے قصیدہ دیکھا تو کیا کہا اور جب بادشاہ (واجد علی شاہ) کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ نے کیا کہا۔ غرضیکہ یہ سب احوال تحریر کرنے چاہئیں اور پھر یہ حالات لکھنے کے بعد صلہ کے ضمن میں جو بھی تمہارا مشورہ ہو مجھے لکھنا چاہیے۔ تا کہ اس ہی مضمون کا خط لکھ کر تمہارے نام یا نواب صاحب کے نام لکھ کر بھیج دوں اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ دہلی میں کسی شخص پر (یہ امر) ظاہر نہ ہونے پائے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ قصیدے کے ملتے ہی ایک خط قصیدے کی موصولی کا روانہ کر دیں تا کہ دل کو سکون ہو اور اس کے بعد اس کا شاہ کے سامنے پیش کیا جانا اور بادشاہ کے حکم کے صادر ہونے کی حقیقت اور یہ کہ (اب) مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آیا خط تمہارے نام لکھا جائے یا نواب صاحب کے نام لکھا جائے اور کس مضمون کے ساتھ لکھا جائے یہ سب کچھ جان کر اور دقتِ فکر سے کام لے کر ایسا جواب کہ جو سو فیصد درست و عین صواب ہو مجھے لکھنا چاہیے۔ کام کی ابتدا بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے ہوئی ہے اور حقیقت میں تم نے یہ ایک بڑی مہم سر کی ہے۔ اگر تمہاری جگہ مثال کے طور پر روح الامین بھی اس کام پر مامور ہوتا تو اس سے بہتر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ہوشیار اور خبردار رہنا چاہیے تا کہ انجام بھی اس ہی خوبی اور

خوش اسلوبی سے ہو جیسے کہ آغاز ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخر میں پاؤں لڑکھڑا جائیں یا کسی قسم کی غفلت واقع ہو اور بنا بنایا کام درہم برہم ہو جائے۔ خدا کی قسم میری آخری عمر ہے اور میں سخت عاجز اور پریشان ہوں۔ اس معاملے میں تھوڑی امید بندھی ہے اور تمہاری ڈھارس پر جی رہا ہوں۔ اولاد نے بوڑھے باپ کی کافی خدمت کی ہے اگر تمہارے حسن مساعی سے یہ کام سرانجام پا جائے اور شاہ اودھ کی جانب سے مجھے صلہ مل جائے اس طرح کہ سوائے میرے اور تمہارے کسی کو خبر نہ ہو تو میری جس قدر عمر بھی کہ باقی ہے تمہارے احسان کے سایے تلے گزرے گی۔ اس وقت اس قرض سے کہ جس کا بوجھ میرے لیے ہوش فرسا ہے سخت بیزار ہوں۔ جب یہ بھاری بوجھ کاندھوں سے گر جائے گا تو اس انگریزی پنشن پر کہ مجھے ملتی ہے قناعت کروں گا۔ نان خشک پر قناعت کر کے زندگی مستعار (کے باقی ایام) گزاروں گا اور آئندہ قرض نہیں لوں گا۔ بلکہ اگر توفیق (الٰہی) شامل حال رہی اور زادراہ میں سے کچھ بچ گیا تو کعبے اور مدینے اور نجف کا عزم کروں گا۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است

تو بریں آرزو مرا برساں

ترجمہ: اے خدا میری یہ آرزو کس قدر پیاری ہے۔ تو میری یہ آرزو پوری کر دے۔

بنام شیخ بخش الدین مارہروی

خط-۱

یزداں جو ہر ذرّے کے دل کے راز سے باخبر ہے میری کہ ذرّے سے بھی زیادہ حقیر ہوں' گفتار کی سچائی پر گواہ ہے کہ جب سے آپ کی زبانِ دل نشین بیان سے میں نے یہ سنا ہے کہ حضرتِ برجیس پایہ علامہ مخدوم الانام' جنابِ معلی القاب' صاحب عالم' (خدا ان کو عمر دراز دے اور ان کے درجات بلند کرے) جنہوں نے مارہرہ کو اپنے وجود بابرکت کی سعادت سے شرف بخشا ہے کہ بالفرض اگر بغداد کے لیے اپنی صورتِ نوعی کا ترک کرنا ممکن ہوتا تو یقیناً وہ پیکر انسانی اختیار کرتا اور حاجیوں کی طرح اُس جائے مقدس کے طواف کو آتا' غالبؔ بے نوا کے کلام سے دل چسپی رکھتے ہیں' میں اپنی قسمت پر فخر کرتا ہوں اور اپنی سخن سرائی کا اپنے اوپر احسان سمجھتا ہوں کہ اس ذریعے سے ایک صاحب اقبال کی نگاہِ قبولیت کا روشناس اور ایک صاحبدل کی بندگی کا نشان زدہ قرار پایا۔ اگر چہ دو اوراق جن میں چند غزلوں اور رباعیوں کے نقش و نگار ہیں ارسال کرنے کے لیے آپ کو بھیجے ہیں لیکن دل اتنی حقیر خدمت سے مطمئن نہیں ہوا۔ (چنانچہ) اپنے مطبوعہ دیوانوں میں سے ایک نسخہ بڑی کوشش سے حاصل کر کے ڈاک خانے بھیجا۔ لیکن محکمہ ڈاک کے کارندوں نے اس کو قبول نہ کیا اور مجھے واپس کر دیا۔ مجبوراً آپ کو بھیج رہا ہوں تا کہ آپ اپنی سہولت کے مطابق جس طریقے سے کہ مناسب سمجھیں ارسال کر دیں اور اس لطف و عنایت پر مجھے اپنا ممنون جانیں۔

والسلام مع الاکرام۔

بنام نواب عبداللہ خاں بہادر

خط-۱

فلک رفعت نواب ہمایوں خطاب فرخندہ لقب کہ محورِ حاجات خیر اندیشان اور مرکز امید درویشان ہیں کی خدمت عالی میں سد اللہ گناہ آلودہ کوسر کے گرد طواف کرنے اور خاک راہ چومنے کی اجازت عطا کی جائے تاکہ عرض گاہ قرب سے شرف باریابی اور دعوائے بندگی پر زمانے سے قبولیت کا اقبال حاصل کرے۔ جذبہ یاد آوری اور بندہ پروری کی شکر گذاری کر سکے۔

فرمانِ الفت کے ورودِ تابانی سے فلک نے جرم روشن کو میرا تہنیت گو اور مجھے شمع روشن کی طرح، انجمن کا چشم و چراغ بنا دیا۔ التفات کی اس ضیا کے سبب مجھ پر پڑنے والی اس قربت نے باعث جو میری نقد (سخن) کو زمانے سے ملی ہے اگر میں اپنے آپ کو ان ذروں کا ہم نفس سمجھوں جو آفتاب سے روشن ہیں اور ان قطروں کا ہم چشم جانوں جو سمندر آشنا ہیں تو جائز ہوگا۔ جناب کے خدام بلند مقام نے جو نام آوری کے لیے غالب سے بات بیت تمیید سے ان توقع کی ہے تو شاید آپ نے اس فرسودہ روح افسردہ ان کو تاحال نہ مرنے کے باعث زندہ خیال کیا ہے۔

فرد: گمان زیست بود بر منت ز بیدردی
بدست مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

ترجمہ تیرا مجھے زندہ خیال کرنا ظلم ہے۔ موت بری چیز ہے لیکن تیری اس غلط فہمی سے بری نہیں ہے۔

کاش اس کام کی انجام دہی صنعت نقاشی یا گلدستہ بندی کی طرح محض دست و بازو کی کوشش سے ممکن ہوتی تاکہ فردہ دلی سے چشم پوشی کر لیتا اور تعمیل حکم کے طور پر اس کام کی انجام دہی میں لگ جاتا۔ (لیکن) کیا کروں چونکہ اس ڈور کا سرا تو دل کے ہاتھ میں ہے۔ (لہٰذا) جب تک دل کو قرار میسر نہ ہو زبان سے شعر گوئی ممکن نہیں۔ صاحبدل اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ایک ایسا نقش بدیع سنوارنے میں جسے بالغ نظر پسند کریں دیدہ و دل کی کس قدر ہم آہنگی درکار ہوتی ہے۔ یہ دلِ شکستہ کہ میرے پہلو میں ہے جو میرے سینہ میں ہوتے ہوئے بھی میرا دشمن دیرینہ ہے ہرگز ہرگز سخن گوئی اور معنی آفرینی کے لائق نہیں۔

ابیات:

در پیکرم ز درد و دریغ است جان و دل (۱)
در بسترم ز خارہ و خارست پود و تار

ترجمہ میرے جسم میں جان و دل درد و اندوہ سے بنے ہیں۔ (اسی طرح) میرے بستر کے تار و پود سخت پتھر اور کانٹوں سے بنے ہیں۔

کاشانۂ مرا در و دیوار شعلہ خیز
جمسایۂ مرا سر و دستار پُر شرار

(۱) متن میں 'جان و مال' ہے۔ جب کہ جان و دل درست ہے جو نول کشور ۲۸ھ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

ترجمہ. میرے مکان کے درودیوار سے شعلے اٹھ رہے ہیں (اور) میرے پڑوسی کے سرودستار میں چنگاریاں بھر گئی ہیں۔

چشمم کشودہ اند بہ کردار ہائے من
زآیندہ نا امیدم و از رفتہ شرمسار

ترجمہ. مجھ پر اپنے اعمال وافعال (کی خرابی) کھل گئی ہے۔ (چنانچہ مستقبل سے میں مایوس ہوں اور ماضی پر نادم۔

اگر جناب کا یہ خیال ہے کہ میں اس تمام پریشانی کے باوجود شعر کہہ سکتا ہوں اور خود مجھے بھی علم ہو جائے کہ کہہ سکتا ہوں، تو میں فلک جناب، امیر المسلمین، محور دنیا و دین سردار سلطان آثار نواب محمد سعید خان بہادر کے خدام کی مدح میں شعر کیوں نہ کہوں تا کہ اگر اس دنیا میں لعل وگوہر کا صدنہ ملے تو (کم از کم) اُس جہان میں تو دین و ایمان کا زیاں نہ ہو۔ امید ہے کہ اپنی اس خواہش ستائش گری کے ضمن میں (خواہ) وہ نظم میں ہو یا نثر میں، راقم نامہ کو مردہ تصور کریں گے اور سلامتی دعائے ایمان کے ساتھ کہ بالیقین (ہر) اختتام کی فرخندگی ہو سکتی ہے، یاد فرمائیں گے۔ دولت واقبال روز افزوں ہو۔

مرزا اسفندیار بیگ خان دیوان مہاراجہ الور

خط-۱

لوحش اللہ، گہر افشانیٔ نالِ قلمم
یارب آبشخور ایں ابر کدامی دریاست

ترجمہ: خدا اسے ضائع نہ کرے، میری نے قلم کی گہرافشانی (کے کیا کہنے)۔ الٰہی! یہ بادل کونسے سمندر سے پانی پیتا ہے۔

قلم کے مبارک ہمارے، کہ اس تحریر کی قابلیت کے پیش کرنے میں یقیناً فرقِ سخن پر سایہ گسترے، ایک تاجدار کے ایثار کا احسان ہے۔ (چنانچہ) سخن گزار کا گوشہ کلاہ آسمان سے کیوں نہ ٹکرائے۔ اس ابر کی بخشش کے سایہ نے، کہ بجائے پانی کے قطروں کے گہر برساتا ہے، خیراندیشوں کی کشتِ آرزو کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ اگر ہر اناج کی بالی (۱) کو موتیوں سے بھری ہوئی صدف تصور کیا جائے تو عقل اس پر اعتراض نہیں کرسکتی۔ (اور) مسند دیوان پر ایسے حق گزار، حق شناس دانش مند یگانہ کا وجود اس سے زیادہ مبارک ہے کہ اس سعادت کا حق ستائشِ اشعار میں ادا کیا جائے۔ اگر سرور و انبساط کی سرمستی سے بے خود نہ ہو جاؤں اور بات کا بقدرِ ضرورت لحاظ رکھوں تو کہہ سکتا ہوں کہ یہ مبارکباد جناب کے لئے نہیں بلکہ مہاراجہ کے لیے ہے۔ اقبال مندی کی روز افزونی کی نوید ہے اور دولت کی افراط کی خوش خبری، دولتمندوں کے لیے بے خوفی کی بشارت اور مفلسوں کے لئے دعوتِ بخشش۔ منصفی کا بازار گرم ہو جائے گا اور عقل و دانش کی گہما گہمی ہوگی۔ بیابان خیابان بن جائیں گے اور ٹیلے چمن۔ مجھے کہ گوشہ نشین ہوں اور چشمِ بد کی طرح اس بزمِ خجستہ سے دور، ملک اور اہلِ ملک سے کیا واسطہ اور مملکت کی آبادی اور مخلوق کی آسودگی سے کیا تعلق۔ میں زمانے سے مطلب برآری کیوں نہ کروں اور اپنے آپ کو مبارکباد کیوں نہ کہوں۔ کیا میں اُس سلطنت کے دیرینہ غلاموں میں سے اور اس درگاہ کے قدیم خاک نشینوں میں سے نہیں ہوں۔ کوئی عجب نہیں کہ جب معاملات کی بنیاد عقل و انصاف پر رکھی جائے تو میرا دیرینہ گوشہ و توشہ مجھے واپس مل جائے۔ سخن کوتاہ خواجہ کو دولت و اقبال اور جاہ و جلال مبارک ہو اور خدا کرے کہ چرخِ دوّار آپ کی مرضی کے مطابق ہی گردش کرے۔ والسلام بہزاراں احترام۔

فقیر بےنوا اسد اللہ کی جانب سے۔ نوشتہ جمادی الاول ۱۲۷۶ھ بروز ہفتہ۔

۱۔ متن میں ''گوشہ'' ہے جب کہ درست ''خوشہ'' ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

بنام منشی رحمت اللہ خان

خط-۱

خط کی ابتدا خداوندِ خرد آفرین عاقل برگزیں کے نام سے (کرتا ہوں) کہ جس کے دبستانِ کمال کے مقابلے میں آتش کدۂ برزین کے پیشواگلی کے بچوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور جس کے علم جلال کے عنق کو آسمان کے بلند ستارے کنگنی کے دانوں کی طرح ہیں۔ سر میں ہوش اور آنکھ میں نظر اس ہی کی پیدا کردہ ہے اور دانش نافع اور بینشِ خرد افروز اس کے منتخبات میں (ہیں)۔ اُس منصف (کل) کی سپاس گذاری کے بعد میں آرائش تحریر کی طرف رجوع کرتا ہوں اور خط کو دوست کے خط کے جواب سے زینت دیتا ہوں۔

بے شک (اُس) عاقلِ یکتا کی محفل انس کا تصور کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو (اپنے) آقا کا ہم نشین و ہم سخن خیال کر کے قلم کی اس زبان سے کہ جو راقمِ خط کے دن کی طرح دو نیم ہے' اپنے دردِ دل کی داستان سناتا ہوں۔ افسوس کہ دوست کی خواہش پوری نہ ہوئی اور جو خدمت وہ چاہتے تھے' سرانجام نہ پاسکی۔ خواہش کی تکمیل اور خدمت کی ادائیگی کا تقاضا تھا کہ قلم بھٹکتا پھرے اور سخن کے گوہر شب چراغ کی آب و تاب کی خاطر' سیاہ خانے کی راہ تلاش کرے۔ انصاف بالائے طاعت ہے۔ کس قدر بے ربط تحریروں کو جمع کیا جائے کہ فارسی زبان بالخصوص نثر میں واسوخت لکھا جاسکے۔ پہلوی زبان کے شہسواروں میں بھی میری نظر سے کوئی شخص نہیں گزرا کہ جس نے اس اسلوب میں زور آزمائی اور اس انداز میں سخن سرائی کی ہو۔ ملا وحشی کے جو خراسان کے شعرا میں سے ہے' مجموعہ کلام میں ایک مسدس ہے جس کو لوگ واسوخت کا نام دیتے ہیں اور اگرچہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں لیکن تعجب نہیں کہ یہ شعر اس ہی مسدس کا ہو۔

بیت

تو نہ آنی کہ غمِ عاشقِ زارت باشد   ور شود خاک بر آں خاک گذارت باشد

ترجمہ تو وہ نہیں ہے کہ تجھے اپنے عاشق زار کا غم ہو اور اگر وہ خاک ہو جائے تو تیرا اس کی خاک پر گذر ہو۔

محتسبِ حقیقی خدا ہے' اہل نظر دانا دل جمع ہوں اور ملا کی واسوخت کا لکھنؤ کے اردو زبان شعرا کی واسوختوں سے مقابلہ کریں۔ ہرگز ممکن نہیں کہ شورانگیزی اور ذوق افزائی میں فارسی اور اردو برابر ہوں۔ پہلوی اور فارسی کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کو اس درجہ پستی تک لے آئیں۔ ہندوستان کی بیسواؤں کے کرشمے اور اس طائفے کے عاشقوں کی ہاؤ وہو کو سوائے اس طبقے کی (مخصوص) زبان کے بیان نہیں کیا جاسکتا اور اس قسم کی بیہودہ باتیں فارسی زبان کے لب و لہجہ میں نہیں سماسکتیں۔ دہلی اور لکھنؤ کے چند ریختہ گویوں نے ایک نئی طرح ڈالی ہے اور تغزل میں عورتوں کی زبان میں دل کش جھنڈے بلند کئے ہیں۔ اس دھن میں گانے والے سرمستانہ چلتے ہیں اور اس اندازِ سخن کو ریختی کہتے ہیں۔ اور زبانِ دری میں ایسی واسوخت کہنے کا ارادہ ایسا ہے جیسے اس مبارک زبان میں ریختی کہی جائے۔ طول کلامی معاف' واسوخت فارسی میں نہیں کہی جاسکتی اور (فارسی) نثر میں بھی فی نفسہٖ ممکن نہیں۔ اور نظم میں اردو زبان والا ذوق موجود نہیں ہے۔ بالآخر خط اس معذرت پر اختتام پذیر ہوتا ہے کہ غالب بے برگ و نوا شرمندہ ہے اور اپنے آقا سے معذرت کی قبولیت کا امیدوار۔ والسلام بہزاراں احترام۔

بنام آغا بزرگ شیرازی وفا

مکتوب-۱

رباعی

صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم
چہرۂ آغشتہ بہ خوناب جگر بنمایم
پنبہ یکسو نہم از داغ کہ رخشد چون روز
آخرے نیست شبم را کہ سحر بنمایم

ترجمہ: سحر ہوگئی، اٹھ کہ تجھے روداد اثر سناؤں (اور) اپنا چہرہ خوناب جگر سے تر دکھاؤں۔ میں اپنے داغ (دل) سے پھاہا اٹھا کر ایک طرف رکھ دوں کہ دن کی طرح چمکے۔ میری رات کی تو انتہا نہیں کہ سحر دکھا سکوں۔

آج علی الصبح کہ دن نکلنے کی گھڑی ہے مخدوم کی نظرگاہ التفات کو تصور میں لیا ہوں اور اپنے خیال میں دور سے زمیں بوسی کر رہا ہوں۔ اگر آپ یہ سمجھیں کہ دیوانے نے ضابطۂ ادب کو بھلا دیا اور خط لکھنے میں گستاخی کی تو تعجب کی بات ہے۔ نہیں نہیں۔ وفا (اس بات کو) پسند نہیں کرتی اور حیا اس کو جائز نہیں گردانتی کہ اتنا بزرگ اور نیک دل آقا ایسی بات سوچے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یقیناً شدتِ شوق نے (اس کو) مجبور کر دیا ہوگا اور مرزا خدر فرخ گہر کی رہنمائی اور مہمیزِ شوق پر خط لکھا ہوگا۔ دل اور زبان کا طویل[1] فاصلہ حدیثِ شوق سے بالب ہے۔ اگر یہ ساری باتیں سپردِ زبان کردی جاتیں تو میں تاب نہ لاسکتا اور قوتِ گویائی ان گہر ہائے راز کا شمار کرنے کے لیے کافی نہ ہوتی۔ یوں کہ پہلے دل سے زبان تک لانا اور پھر زبان سے شگافِ قلم تک پہنچانا اور اس کے بعد قلم سے کاغذ پر اتارنا' بھلا یہ سہ گونہ ستم مجھ سے کہاں برداشت ہوتا۔ میرے خیال میں یہی بہتر ہے کہ آنکھ دیدار سے بہرہ ور ہو اور دل سرود ہمزبانی سے آراستہ۔

ان دنوں کہ آپ کی قیام گاہ میرٹھ ہے اور (دہلی سے) فاصلہ بھی کم ہے (تو)، اگر خاک نشینوں کے جھونپڑے کی طرف سے گزریں اور تنگنائے غم کے خستگان کی پرسش احوال بھی کرلیں تو بعید نہیں۔ الٰہی اس آرزو کو قبولیت عطا کر۔ ایک عرصے سے غالب شنول گو کے بیان میں یہ بے آسرا قلم بادِ نسیم سے شاخِ گل کی طرح' نہیں نہیں میں نے غلط کہا' ہوا میں بید کی طرح لرز رہا ہے۔ اگرچہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ آوارہ خرام رقص میں کس قاعدے کی پیروی کر رہا ہے تاہم اپنی شاعری کی دف زنی سے دل (ضرور) اڑائے جاتا ہے۔ مجھے اپنے اوپر ناز ہے کہ ریشۂ جوفِ قلم کے میری رگِ جان سے اس گہرے رشتے کے باوجود' میں اپنے آپ کو نہیں بھولا اور میں نے خود پر فرزانگی کا گمان نہیں کیا۔ ہاں مجھ جیسے آدمی کے لیے کیا اتنی دانش کافی نہیں کہ میں خود کو نادان تصور کروں۔ میری توقیر اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ حکمائے پُرشکوہ کی زبان پہ میرا نام آتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ فلاں شخص سخن وروں میں سے ہے۔

۱- متن میں "دراز نائی فصحہ دل و زبان" ہے جب کہ "درازنائی فاصلۂ دل و زبان" درست ہے جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

اشعار

خلیجم ولے نور چشم محیطم

غریبم ولے روشناس جہانم

ترجمہ: میں ایک خلیج ہوں لیکن سمندر کا نور چشم ہوں۔ اجنبی ہوں لیکن دنیا مجھے جانتی ہے۔

بہ ہنجار دعوی خداوند رخشم

در اقلیم معنی جہاں پہلوانم

ترجمہ: دعوے کے میدان میں تو صاحب رخش (یعنی رستم) ہوں ورونیائے معنی میں پہلوانِ جہان ہوں۔

گرفتم کہ از تخم افراسیابم

گرفتم کہ از نسل سلجوقیانم

ترجمہ: میں نے مانا کہ میں افراسیاب کی پشت سے ہوں۔ میں نے مانا کہ میں سلجوقیوں کی نسل سے ہوں۔

دل و دست تیغ آزمائی ندارم

رہ و رسم کشور کشائی ندارم

ترجمہ: (لیکن) تیغ آزمائی کی ہمت اور طاقت نہیں رکھتا (اور نہ) کشور کشائی کی رہ ورسم سے واقف ہوں۔

چہل سال توقیع معنی نشتم

سزد گر نویسند صاحب قرانم

ترجمہ: میں نے چالیس سال فرمان معنی لکھا ہے۔ اس لیے گر لوگ مجھے صاحب قرآن کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

عطیۂ قبولیت کے شمار اور نوید وصولیابی کی اطلاع کی توقع پر تین غزلیں بطور تحفہ ارسال کر رہا ہوں۔ چونکہ جناب عالی کی قیام گاہ کا مجھے علم نہیں اس لیے یہ خط میرزا خاور کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ والسلام۔

بنام مولوی رجب علی خان بہادر

خط-۱

ولی نعمت خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اس عقدِ ثریا سے مشابہ منقش پارۂ ریشم کے ورود سے گویا کہ اس کی بنائی کے لیے سورج کی شعاؤں اور چاند کی کرنوں کو بٹ دیا گیا ہو میں یہ سمجھا کہ مجھ پر آیتِ رحمت نازل ہوگئی ہے۔ لامحالہ میرا سرِ شوریدہ وسودائی سجدے میں جھک گیا۔ بے شک وہ نور آگیں ادا کہ جس نے یہ ساری تاریکی دور کی ہے آلِ عبا کے دامن کی شمع کی روشنی ہے۔ ہر چند (میرے) ہر بنِ مو سے عرقِ ندامت دجلہ دجلہ ٹپکتا ہے اور خنجرِ فکر مغز دل پر کچوکے لگاتا ہے کہ جب بھی اس جانب سے ایک ورق بطور ارمغان پہنچتا ہے تو اُس طرف سے ایک قیمتی چادر پہنچتی ہے لیکن چونکہ یہ ساری عنایت محبت کا پتہ دیتی ہے اور اس (بات) کی خبر دیتی ہے کہ اس پردے میں ایک راز پوشیدہ ہے یعنی مجھے میرے بزرگوں کی بندگی میں قبول کرلیا گیا ہے۔ محل تو اس کا ہے کہ آج بھی سپاس گزار ہوں اور نیک فرجامی فردا کا امیدوار بھی۔ ہر ایرے غیرے کا احسان لینا باعث شرم ہے (تو میں) اپنے مالک کی اولاد کا جو آقایانِ بندہ پرور بھی ہیں اور بادشاہانِ جہان بخش بھی احسان کیوں نہ اٹھاؤں! کیا میں ہر عقدے کی کشائش اور ہر قسم کی مراد برآری (اپنے) آقا ہی سے طلب نہیں کرتا! خاص طور پر ایسا خداوندزادہ کہ کرم اس کی روش ہے اور بخشش اس پر آسان ہے۔ اگر وہ سارا گنجِ گوہر مجھے بھیج دے تو بھلا سپاس گذاری مجھ پر گراں کیوں ہو۔ سپاس گذاری گو دیانت داری سے انجام پائی (تاہم) یہ ختم ہونے والی نہیں۔ بہرحال آئینہ خیال میں سوائے تسلیم کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ والسلام مع الاکرام۔

خط-۲

خدائے منصف کا شکر اور بختِ خدا داد کو آفرین کہ میرا آقا خستہ نواز و بندہ پرور ہے اور وابستگانِ ریسمانِ (ارادت) کا خیال رکھتا ہے اور اپنے فتراک میں لٹکتے ہوؤں پر نظر (رکھتا ہے)

فرد: خود پیشِ خود کفیلِ گرفتاریِ من است
ہر دم بہ پرسشِ دلِ مایوس می رسد

ترجمہ۔ (خود مجھے گرفتار کرتا ہے اور پھر) اپنے ہی بالمقابل میری گرفتاری کی کفالت (بھی) کرتا ہے (یعنی) ہر دم میرے مایوس دل کا حال پوچھتا رہتا ہے۔

دھن تو اس بات کی ہے کہ مکتوب کو تحریر کا ساز فراہم کیا جائے۔ لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ اس تار پر کس انداز میں مضراب چلائی جائے اور سخن کے معطر ریشم کی کون سی تہ کھولی جائے۔ خدایا وہ عبودیت نامہ جو میں نے مارچ اٹھارہ سو اکیاون میں بھیجا ہے مارچ اٹھارہ سو باون تک کہاں رہا۔ نہ ہی خط پر پتہ غلط تھا اور نہ بھیجنے والے یعنی مولانا محمد باقر لاپرواہ تھے۔ یقیناً مضامین شوق کے وزن کی زیادتی نے پیغام بروں پر اتنی گرانی کی باوجود اُن مردانِ معقول یعنی انگریزی ڈاک کے ہرکاروں کی تیز رفتاری کے یہ دو سو کوس کا فاصلہ

ایک سال میں (بھی) طے نہ کر سکے۔ اس عرضداشت کے دیر سے پہنچنے کا شکوہ چنداں اہم نہیں کہ اس فرمان محبت کے کہ جس کا جواب لکھ رہا ہوں' جلد پہنچنے کا سپاس بھلا دے۔ سچ تو یہ ہے کہ انتظار کے باوجود مجھے کچھ زیادہ شکایت بھی نہ تھی۔ اگر وقت بے وقت ذہن میں یہ خیال آیا بھی ہوگا کہ مخدوم کے ملازمین نے جواب کیوں نہ دیا تو میں نے دل کو اس طرح بہلالیا ہوگا کہ چونکہ میرا خط تفسیر سورۂ غاشیہ کے روحانی تحفے کے شکرانے کی ضمن میں تھا یقیناً جواب طلب نہ تھا۔ اس بار میرزا قادر کا شکرانہ بھی میں نے قبول کیا کہ بات کہنے میں جرأت دکھائی اور جنابِ عالی کے سامنے میرا نام لے کر میری یاد دلادی اور خط ارسال کر کے روح کو بالیدگی عطا کی۔ حکم ہوا ہے کہ تاریخ تاجداران تمر خانیہ کا ایک جزو' ولایت محبت مرتضوی کے والی کی خدمت میں بھیجوں۔ اے ذرہ پرور و مہر گستر اس تحریر کے تو صرف چند جزو ہی ہیں۔ حمد و نعت و منقبت و مدح شاہ وقت و سبب تالیف کتاب کے بعد جو مصنفین کا دستور رہا ہے' بادشاہوں میں صرف نصیر الدین ہمایوں تک ہی بات پہنچی ہے۔ باقی داستان آیندہ پر منحصر ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اگر موت امان دے تو یہ فرماں بردار غلام ان اجزا کو جلد ہی ارسال کر کے بندگی و اطاعت کا اظہار کرے گا۔ سورۂ "الفجر" کی تفسیر کے اوراق اس ماہ کے آغاز میں نظر افروز ہوئے اور اس بیاض کی تحریر آنکھ کی پتلی کے راستے سویدائے دل میں اتر گئی۔ عجب نہیں کہ اس کا ایک باب کسی اور ورق پر علیحدہ بھی لکھا جائے اور میرے نامۂ اعمال کے چہرے کے لیے غازے کا کام دے۔

خط۔۳

۱

باغ دودر

سپاسے کزاں نامہ نامی شود سخن در گزارش گرامی شود

ترجمہ (میں) وہ تشکر کہ جس سے خط کی قدر بڑھ جاتی ہے (اور) جس سے بات اپنے اظہار میں وقیع ہوجاتی ہے۔

خالقِ کل کے حضور میں اور اس آقا کی خدمت میں بھی کہ جو حضرت علی مرتضٰی کے خاندان سے ہے بجالاتا ہوں۔ پہلی خوش نصیبی اور مبارک فال تو میرے لیے یہ تھی کہ سعادت مند منشی جواہر سنگھ جوہر کے خط کے ساتھ آپ کا شفقت نامہ کہ بمنزلہ آفتابِ اقبال کے تھا' مشرق سے طلوع ہو کر نظر افروز ہوا اور اس کے بعد اس بہار دار چادر کا پہنچنا کہ جس پر سبز، سرخ رنگوں اور سنہرے کنارے کا ایک سبزہ زار ہے جس کے سامنے چاروں طرف ارغوانی بیل بوٹے بنے ہیں اور اس کے گرداگرد آفتاب جہاں تاب کی کرنیں اور جونما (بوٹے) سرتاسر کڑھے ہیں۔ میں مذہب عربی کا ماننے والا اور کعبہ کی پرستش کرنے والا نہیں، جو مجھے گورنر کے دربار کی باریابی میں (جو کہ اکثر ملی ہے) وہ احساس شرف اور سلطان دہلی کی جانب سے خلعت کے ملنے پر کہ انہوں نے ایک بار از راہ محبت مجھے بھیجی تھی، اس قدر مسرت ہوئی ہو جتنی اس سبز چادر کے ملنے پر۔ یہ بادشاہوں کی وہ خلعت نہیں ہے کہ آزاد منش لوگ جس کی پروا نہ کریں اور صاحب عقل جس کو باعث افتخار نہ جانیں۔ (بلکہ) یہ تو خانۂ اہلِ عبا کی خلعت کے سبب وہ عزت افزائی ہے کہ جس سے ظاہری قدر افزائی بھی

ہوتی ہے اور باطنی سرخروئی بھی۔(اس کے سبب) بیرونی خوشحالی بھی ہے اور اندرونی تازگی بھی۔

آج کہ منگل کا دن اور دسمبر کی چھبیس تاریخ ہے آدھا دن گزر چکا تھا اور آفتاب سمت الراس پر پہنچ چکا تھا کہ اس چھت سے گرے خزانے کے مل جانے پر میں دولت مند ہو گیا۔ چونکہ مجھ سے صبر ممکن نہ تھا اور اترا ہٹ کے سبب پھولا نہ سماتا تھا فوراً آدمی کو بازار بھیج کر سبز ریشم منگوایا اور ہدایت کی کہ فوراً دونوں ٹکڑوں کو جوڑ کر سی دیں۔(ملازمین بازار) گئے (ریشم) لائے (چادریں) سیں (ان کو) تہہ کیا اور مجھے دے دیں۔ میں نے آئینہ سامنے رکھ کر دستار باندھی اور (فرط افتخار سے) سر آسمان سے ٹکرایا اور اس ہی حالت میں کہ میں نے بیان کی (آپ کو) خط لکھنا شروع کیا۔ خدا جانتا ہے کہ جب تک یہ نہ کر لیا ہیجان خاطر رفع نہ ہوا اور اضطرابی دل دور نہیں ہوئی۔

اور یہ جو آپ نے اپنے قلم اعجاز رقم سے گرامی نامہ میں تحریر کیا ہے کہ یہ چادر بغیر مانگے بھجوائی جا رہی ہے تو اگر بندے کی گستاخی سے درگزر فرمائیں (اس امر پر) اس کو ناخواستہ کہنا درست نہیں ایک دلیل پیش کر سکتا ہوں۔ ہاں اگر چہ بظاہر فرمائش میں نے منشی جواہر سنگھ سے کی تھی اور اس کا حصول خدا سے چاہتا تھا۔ یقیناً میری اس آرزو کا جو میں نے خدا سے کی تھی مقربین خدا ہوتے کے سبب (منشی جواہر سنگھ کے) اظہار سعادت آثار سے پیشتر ہی اگر آپ کو علم ہو گیا ہو اور بارگاہ ایزدی سے اس خواہش کی تکمیل کا پروانہ مل گیا ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ (کسی) استاد کا ایک شعر کہ مناسب حال ہے تحریر کر رہا ہوں تا کہ جناب عالی بھی ملاحظہ کر لیں۔ بھلا ہو اس کا جس نے کہا ہے۔

کرد ظرفِ خواہشِ ما کوتہی　　　قطرۂ آبے ز دریا خواستیم

ترجمہ: ہماری خواہش کے ظرف نے کوتاہی کی (کہ) ہم نے سمندر سے ایک قطرہ طلب کیا۔

والسلام بہ ہزاراں احترام بندہ درگاہ اسداللہ ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ء۔

خط۔۴

۲

اے ارسطو کا مرتبہ رکھنے والے، اے سکندر کی سی فوج والے، اے نصیریوں کے مددگار اور اے حیدریوں کے غمخوار۔ بندہ کو دیکھتے ہی آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ غالب کسی جانکاہ غم میں مبتلا ہے۔

زیں کہ دیدی بہ حجیمِ طلبِ رحم خطاست　　　سخنے چند ز غم ہائے نہانی بشنو

ترجمہ۔ تو نے جو مجھے طلب رحم کی دوزخ میں دیکھا (تو تیرا وہ سمجھنا) غلط ہے (البتہ) چند باتیں میرے غمہائے نہانی کی سن لے۔

باتیں بہت سی ہیں اور ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جن کو بھلا دیا جاتا ہے تا کہ اس درد کی صورت میں کہ زندگی جس درد کی دوا کی تلاش میں مبتلا ہے، اظہار کیا جا سکے۔ میرا چچا انگریزی سرکار میں صاحب جاہ و دستگاہ و ملک و سپاہ تھا اور سیلاب گزر جانے پر جس

طرح زمین گیلی رہ جاتی ہے میرے پاس بھی دولت مندی کے ان آثار کے بعد صرف عزت ہی باقی رہ گئی۔ گورنر کے دربار میں داہنے ہاتھ کے عزت مندوں میں مجھے ہمیشہ نشست ملتی تھی اور میں ایک قصیدہ بطور نذر کے پیش کرتا تھا اور اس نذر کے عوض کہ جو مدح سرائی کے بدلے میں نہیں بلکہ رئیس زادگی اور سرداری کی شناخت کے طور پر بھی مجھے جیغہ سرپیچ اور مالائے مروارید کے ساتھ ضعتِ ہفت پارچہ مدد کرتی تھی اور گورنمنٹ کے فرمان کے بموجب مجھ پر ضعت کی نذر معاف تھی۔ (لیکن) اب دربار لاہور کی Precedence List (مجریہ لاہور ۶ ستمبر ۱۸۶۴ء مرسلہ بہ دفتر کمشنر دہلی بتاریخ ۱۳ ستمبر سال مذکور) دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ مجھے رئیس زادوں کے زمرے سے نکال کر عوام کے جرگے میں بٹھا دیا ہے اور نذر کے پچاس روپے اور خلعت کے پچھتر روپے مقرر ہوئے ہیں۔ لازماً حیرت نے مجھے فرو ماندہ کر دیا ہے۔ (چونکہ) یہ سابقہ صورت میں کوئی کمی نہیں بلکہ از سرِ نو ایک نئی ہیئت ترتیب دینا ہے، حیرت کیوں نہ ہو۔ خون نے جوش مارا حاکم پنجاب (لفٹننٹ گورنر رابرٹ منٹگمری) کی درگاہ میں اپنی نالش لے کر گیا اور یہ عرض کیا کہ اگر یہ سزا کسی گناہ کے بدلے کے طور پر ملی ہے تو مجھے وہ خطا بتائی جائے اور اگر ایسا نہیں ہے تو میرے مرتبہ میں تخفیف نہ کی جائے اور مجھے میرے (سابقہ) منصب پر بحال کیا جائے۔ (لیکن) جناب منٹگمری صاحب بہادر نے اس پر کوئی دھیان نہ دیا اور ولایت چلے گئے۔ اب دیکھنا ہے کہ فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر کیا رائے رکھتے اور کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ کو یہ روداد سنانے کا دراصل مقصد یہ ہے کہ اگر اس ضمن میں آپ کوئی عنایت کر سکتے ہوں تو مہربانی ہوگی ورنہ ہدایت (فرمایئے کہ کیا کیا جائے) زیادہ حدِ ادب غالبؔ محتاجِ انصاف۔

بنام عابد علی خان

خط-۱

خان ہمہ دان دل آگاہ اور دل نشینِ آثارِ بلند نامِ نامور۔ یقیناً تہذیب کو روشن کرنے والے عاقل' فصاحت پیشہ' روشن مسلک فرخندہ روح کو اس کی عقلمندی پر آفرین کہنا خود اپنی تعریف کرنے کے برابر ہے۔ اس خداداد فرخی کی سرگذشت از روئے انصاف یہ ہے کہ اس سے پیشتر مجھے یقین نہیں آتا تھا اور میں یہ مشکل سمجھتا تھا کہ میرے بعد کسی کے ہاتھ میں قلم اس انداز میں چل سکے گا۔ آج کہ (آپ کے) نامۂ دل کشا کی تہ کھلی تو اس کی سیہ مست چال دل اڑا لے گئی۔ اور اس طرزِ تحریر نے میرے لئے مژدۂ یگانگت و ہمزبانی مہیا کیا۔ اس طویل فاصلے کے باوجود ایک کا میلانِ فکر اس دوسرے کی جانب' خاص طور پر ان حالات میں کہ کسی (حصول) شہرت کی تحریک یا طمع وطلب کی ترغیب کا شائبہ نہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آزاد روحیں عالم بالا میں ایک دوسرے کی ہمدم اور عالم ارواح میں ایک دوسرے کی ہمسایہ رہی ہیں۔ اگر دنیا میں ان دو قالبوں کا ملاپ نہیں ہوا تو نہ ہوا اور اگر ایک دوسرے کے چہرہ آشنا نہیں ہیں تو نہ ہوں۔ اب چونکہ آپ نے خود ہی اپنے اس خط میں لکھا ہے کہ ہم آپ کو عرصے سے جانتے ہیں تو اس اظہار کی بنیادِ سود مند پر آپ نے مجھے گستاخ اور اپنی گفتگو میں جرات مند بنا دیا ہے۔ میں بے خوف و تامل کہتا ہوں کہ آپ نے بہت دیر سے یاد کیا اور اس عرصۂ (فراموشی) میں مجھ پر ظلم ہوتا رہا۔ پھر دوسرا ستم یہ کہ آپ اپنی نگارشات مجھے ارسال کرنے کی مجھ سے اجازت بھی طلب کرتے ہیں۔ گویا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ کمزور دل و ناصبور طبع آرزومند تو وہ تاخیر بھی برداشت نہیں کر سکتے جو دو خطوں کو ایک طرف سے دوسری طرف آنے جانے میں ہوتی ہے۔ آئینۂ گفتار کی جلا کے لیے زنگ صاف کرتا ہی دستور ہے۔ میں بآسانی تساہل سے مطمئن ہونے والا نہیں اور اس معاملے میں فرماں دہ یعنی اس والا نسب اور فرماں بردار' جو یقیناً میں ہوں' دونوں سے توثیق کی ضمانت چاہوں گا۔ ہر روز خجستگی نوروز کی طرح فراوانی مسرت آپ کو میسر ہو اور جام بادہ ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں مرغ دست آموز کی طرح رہے۔ منجانب اسد اللہ نوشتہ جمعرات سات اپریل ۱۸۵۳ء۔

بنام قاضی عبدالجمیل بریلوی

خط-۱

عاقلِ فصاحت پیشہ' نیک مسلک 'منتخب خدا تعالیٰ' حضرت مولوی عبدالجمیل نے کہ اس وجودِ بے حقیقت اور اسم بے نام یعنی غالبؔ بے نوا کو یاد فرمایا ہے' بے شک (آپ) خاندانِ خوبی کے چشم و چراغ اور بوستانِ نیکی کے لئے بمنزلہ صبح و نسیم ہیں۔آپ کے محبت بھرے نامۂ دل کشا نے جو چند غزلوں کے ساتھ وارد ہوا' میرے دل پر ایسا دروازہ کھول دیا کہ شاہدان راز اس دروازے سے نہاں خانۂ دل میں آتے ہیں۔خواہش حک واصلاح نے محبت میں اضافہ کیا۔آپ کی تحریر کو میں نے غور سے دیکھا تو مجھے کوئی ناز یبا صورت نظر نہیں آئی۔انداز واسلوب کا انحصار اندرونی توانائی پر ہوتا ہے۔اور ہاں نئے قلم کی ہر ایک کے ہاتھ میں مختلف چال ہوتی ہے۔اس بات میں آموزش کا کوئی دخل نہیں۔اور اگر آپ کہیں کہ ہے تو میں بالیقین کہہ سکتا ہوں کہ نہیں ہے ماسوائے استاد کی ہم نشینی اور ہم زبانی نیز ساری زندگی کلام کو نکھارنے میں صرف کر دینے کے۔اب چونکہ صحبت کا امکان نہیں اور جس طرح میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ بھی جس انداز میں آپ نے کہا ہے غلط نہیں ہے' چنانچہ (آپ کو) دل کے دروازے پر دستک دینا اور ہمت کے لیے مبدء فیاض سے التجا کرنا چاہیے۔کثرتِ مشق اور فراوانیِ ریاض اور استادان راہ دان کی پیروی سے (خود بخود) راہ کھلتی جائیگی اور مشاقی قوت متخیلہ نیز متاع کلام میں اضافہ ہوگا۔خدا کرے (آپ کے) علم و عمل ایک دوسرے کے معاون ہوں۔منجانب اسد اللہ۔تحریر کردہ بروز ہفتہ-۲۸صفر ۱۲۶۹ھ۔

بنام خواجہ ظہیر الدین خان بہادر

خط-۱

خداتعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا آقا بندہ پرور ہے اور چونکہ انسان فطرتاً آقا پرست ہے اس لیے اگر حمد ایزدی میں شکرانہ آقا کو اپنا ہمزبان چاہوں تو نامناسب نہ ہوگا۔ باوجود اس کے کہ فسانہ دوستی و آشنائی میں بغیر شکوے کے مزہ نہیں ہوتا (تاہم) جب خود میں نے ہی خط نہ لکھا ہو تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ دوست سے اس کا شکوہ کروں۔ میں نے عالی جاہ انوارالدولہ کو پچھلے خط میں (یہی) لکھا تھا کہ انہوں نے مجائے مخلصین خواجہ ظہیر الدین خان بہادر اور مرکز آمال نواب سید محمد خان بہادر کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ اب جو مکرمی حافظ نظام الدین کا خط آیا تو اس سے وہ ساری گرد ملال پیشگاہ دل سے ہٹ گئی اور اس نامۂ برگزیدہ کی تہوں کی کشائش نے اس میدان میں بساط مسرت بچھادی۔ انتظار کا دور ختم ہوا اور وہ خوش بختی جس کا دل طلب گار تھا میرے دروازے سے اندر آ گئی۔

امید کرتا ہوں کہ نواب خجستہ لقب کی پیش گاہ عنایت میں میری جانب سے زمیں بوسی کریں گے اور اس سلام کے جواب میں جو مجھے لکھا ہے میری بندگی پہنچائیں گے۔ آرزو ہے کہ اس عرش پیا کے کف پا سے آنکھیں ملوں اور اس زبان پروین آثار سے ان کے کلک گہر افشاں کے ترشحات سماعت کروں۔ والا جاہ عالی شان خواجہ معین الدین خان کے تصدق ہو جاؤں کہ انہوں نے اپنے بھائی کے غلام کو اپنا غلام گردانا۔ امید کہ طبیعتیں محبت کی جانب رہنمائی کریں گی اور دونوں جانب سے اخلاص روز افزوں ہوگا۔ میں (ان کے) احسان کا معترف ہوں اور وہ سلام جو انکساری میں بندگی سے بڑھ کر ہے ارسال کر رہا ہوں۔ فرخ اختر و فرخندہ گہر خواجہ عبداللہ خان بہادر کے بارے میں اگرچہ تحریر سے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کون ہیں لیکن حافظ صاحب کے بیان سے اتنا ضرور ظاہر ہوگیا کہ بستان عزّ و جاہ کے سرو خراماں ہیں اور آسمانِ دولت کے ماہِ تاباں۔ نامہ نگار کو اپنا ثناخواں اور دعا گو تصور کریں اور اگر ان کے ارسال کردہ سلام کے عوض اپنی جان نچھاور کروں تو میری بے بضاعتی اور کوتاہ خدمتی پر نکتہ چیں نہ ہوں۔ کامرانیاں جاوداں ہوں اور پُر مسرت دن مسلسل آتے رہیں۔ نامہ نگار اسد اللہ۔

بنام نواب علی بہادر مسند نشین باندہ

خط-۱

موفور السرور، جناب ہمایوں القاب نواب صاحب جمیل المناقب، عظیم الشان، قلزم فیض و دریائے احسان، دام اقبالہ، کی خدمت میں کہ یقیناً گوشہ نشینوں کا مرکزِ امید ہیں، قلم کی بے برگ و نوانے کو نوا گر کرتا ہوں لیکن بے زبانوں کا یہ راز دار اس نوا سنجی کی راہ کی قید میں، اپنے جوف میں محصور ریشوں کی طرح مشکل میں ہے اور میرے مقابلہ میں کہ اس کا مالک ہوں زیادہ پریشان خاطر ہے۔ بے شک کثرتِ آہنگ و ہجوم راز تو پردہ دری ہی میں ہے ورنہ ساز کو کہ جس کی خوبی ہی یہ ہے کہ ہر ضرب پر زمزمے بلند کرے، بھلا نوا گستری سے کیا خوف۔ میرا خیال ہے کہ جس وقت آپ نے مسند سلطانی کو اپنے وجود مسعود سے رونق بخشی ہے تو چونکہ میں اس خاندان کا روشناس ہوں بلکہ اگر کسر نفسی سے کام نہ لوں تو کہہ سکتا ہوں کہ اِس اعتبار سے منفرد لوگوں میں سے ہوں، میرا خیال ہے کہ مجھے چاہیے تھا کہ دستور وفا نبھاتا اور تہنیت کا خط آپ کو لکھتا۔ لیکن مجھ سے یہ نہ ہوسکا اور خدا جانتا ہے کہ یہ کسی خودسری یا بے نیازی کے سبب نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے کہ میں اپنے آپ کو ناچیز خیال کرتا تھا اور بزمِ الفت کے ندیموں کو زحمت دینا جائز تصور نہ کرتا تھا۔ اب کہ عنایت کا سمندر موجزن ہوا اور اتنے بہت سے گہر ہائے شہوار (میری) گود میں لا ڈالے، تو میں حیران ہوں کہ اپنی کوتاہی ہمت کی معذرت پیش کروں یا اس سلطنت مہر و محبت کے فرمانروا کی بخشش کی درازدستی کی شکر گذاری کروں۔ آپ نے میرے دل کا دکھ تو دور کیا لیکن ساتھ ہی میرا دل بھی اڑا لیا، میرے غم میں کمی بھی کی اور امید کو افزائش بھی دی۔ اچھا تو اب میں اس نامۂ جانفزا اور صحیفۂ دل کشا کے جواب کی کہ یہ جوش جیحون (شوق) اور بارش گہر ہائے عبارت اس کے ورود ہی کے سبب سے ہے، تیاری کرتا ہوں اور اس منشور محبت (کی تحریر) میں قلم کی ہر جنبش پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے (ہر نکتے کی) مختصر وضاحت پیش کرتا ہوں۔

اوراقِ اشعار جنہیں گویا گنج خانہ معانی کی فرد فہرست کہنا چاہیے، کی تہوں کو میں نے کھولا اور دونوں مخمس و مسدس اور غزلیات کو پڑھ ڈالا۔ آفرین اس لطافت طبع، جدت ذہن، سلامتی فکر، اور حسنِ بیان پر۔ جب ابتدا میں آپ کے کلام کا یہ انداز ہے تو مسلسل ریاض اور دوامِ مشق سے حقیقت یہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں یکتائی کا علم بلند کردیں گے۔ (میں نے) تعمیل حکم کی اور ان شاہدان معنوی کی تراش خراش اور اصلاح کر کے آراستہ کردیا۔ اگر اس راز کی (مزید) تحقیق اور اس پردے کے ساز کی (کامل) محرمی کی آپ کو آرزو ہے تو ریختہ گویوں میں میرؔ و میرزاؔ کے اور فارسی گویوں میں صائبؔ، عرفیؔ، نظیریؔ اور حزیںؔ کے کلام کو نظر میں رکھیں۔ اور نظر میں رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ ورق کی تحریر آنکھوں سے دل میں نہ اتر جائے بلکہ پوری کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ لفظ کے جوہر کو پہچانیں اور فروغِ معنی کا لحاظ رکھیں اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کریں۔ نسخۂ پنج آہنگ اگر میری تصنیف نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ فارسی کا ایک معقول دستور ہے۔ اس میں بہت سے باریک نکات کا بیان ہے اور بہت سی نادر تراکیب اور اچھوتے لغات ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔

ع: راست می گویم و امید که باور دارند

ترجمہ: میں سچ کہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ یقین کریں گے۔

دیوان فارسی و دیوان ریختہ کے علاوہ نظم ونثر میں سے بھی جو کچھ میرے قلم لاپرواخرام کے ترشحات میں سے ہے' کافر ہوں جوایک ورق بھی ان میں سے یا اس کا ایک نسخہ بھی میرے پاس ہو۔ دوست احباب قلمی تحریریں لے گئے' ان کو جمع کیا اور جا بجا قالب طباعت میں ڈھال دیا۔ پھران کو سوداگروں نے اٹھایا اور دور دراز شہروں میں فروخت کر دیا۔ جناب کی تعمیل حکم کے لیے جگہ جگہ آدمیوں کو متعین کیا۔ وہ گئے اور انہوں نے تلاش کی۔ دیوانِ فارسی و دیوان ریختہ دستیاب نہ ہوا' البتہ پنج آہنگ کا ایک نسخہ مل گیا۔ چنانچہ اس کو شرمندگی کے ساتھ خدمت عالی میں ارسال کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہاتھ آیا بھیج دیا جائے گا۔ ہر چند کافی عرصے سے ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل نہیں اور شعر فارسی ہی میں کہتا ہوں لیکن چونکہ حضرت ظلِ الہیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ خدمتِ فلک رفعت میں اس رنگ کا کلام لے کر جایا کروں' مجبوراً کبھی کبھی ریختہ بھی کہہ لیتا ہوں۔ چند غزلیں کہ جن کی ابھی نظر ثانی بھی نہیں ہوئی اور میرے پاس ہیں اس عبودیت نامے کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں اور کوشش کریں کہ کلام کا انداز ایسا ہو اور شعر کا اسلوب اس روش پر ابھرے۔ (رشحات) قلم کے لیے جوہر اخلاص کسوٹی کا کام دیتا ہے اور خط دعا پر ختم ہوتا ہے۔ یاالٰہی نواب عالی جناب کو کہ رخشندگان فلک کا مرکز نظر ہیں' کبھی زمانے کی نظر نہ لگے اور اس دولت خداداد کا چراغ صبح قیامت تک روشن رہے۔

بنام روح اللہ خان

خط-۱

بنام خدا۔ ان اوراق کی تحریر کو جب آپ دیکھیں گے اور ان کی تہیں کھولیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ چشم تمنا کی پتلی اور آرزو کا جگر گوشہ ہے۔ سب سے پہلے مخدوم بندہ نواز کی خدمت میں :

رباعی

آن پیکر اتحاد را تاب و توان
وان کالبدِ وداد را روح و روان
نے نے بہ نَفَس زندہ کنِ ہم نفسان
آن ہم نفسِ مسیح روح اللہ خان

ترجمہ: وہ جو پیکر اتحاد کے لیے تاب وتواں ہے اور وہ جو الفت کے جسم کے لیے روح ورواں ہے۔ نہیں نہیں (وہ) اپنے دم سے ہم نفسوں کا زندہ کرنے والا ہے۔ وہ جو ہمدم مسیح (یعنی) روح اللہ خان ہے۔

وہ سلام کہ جس کو رخ پیام کی سرخی کہا جاسکتا ہے' بطور ارمغان ارسال کرتا ہوں اور اس کے بعد مخدوم زادہ فصاحت پیشہ' نیک مسلک' وہ جو اپنی نیک خصلت اور فرخی سرشت کے سبب نویں بہشت ہے' اور جو فروغ عقل وفروغ گوہر کی وجہ سے آٹھواں ستارہ ہے اور جو توقیر افزائے نام ونشان مولوی حافظ غیاث الدین خان (ہے)' خدا اس کو عمر دراز دے اور اس کے درجات میں اضافہ کرے' کے خط کا جواب تحریر کرتا ہوں۔ خدایا اس پسندیدہ خصلت کے دل میں کیا آئی کہ مجھ جیسے شخص کا نام کہ مناجاتیوں کے لئے رنج خاطر اور خراباتیوں کے لیے باعث شرم ہے' اس کے قلم خوش آواز کی زبان پر آیا۔ یہ جو انہوں نے غالب گمنام کو جو اپنی بدنامی کے سبب مشہور ہے' دانش وری کے وصف سے سراہا ہے تو اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو یہ خردمند یکتا میر قاسم علی خان کی غلط نمائیوں کے سبب ہوگا کہ انہوں نے ذرے کو آفتاب بنا دیا ہو اور قطرے کو دجلہ ظاہر کیا ہو۔ میں کہ دوستوں کا مخلص دوست ہوں' کافی عرصے سے اس فکر میں ہوں کہ مخدومی بندہ پرور آقائے فرخندہ فر کہاں ہیں۔ اس خط کے ملنے پر بھی کہ جو شفیقی وحید اللہ کے خط میں منسلک تھا' یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ثنا گر غالب' سید صاحب کے ورود کا آفتاب سرزمینِ کانپور پر چمک رہا ہے یا یہ خط کہ جو آپ کی جانب سے ہے' نورستان لکھنو سے روانہ کیا گیا ہے۔ اس سودائی دل کو اس کشمکش سے رہائی نہ ملی اور تشویش اپنی جگہ رہی۔ جب قلم کے ذریعے ارسال خط سے آپ نے یہ راہِ سخن کھولی ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ جب خط پر میرا پتہ لکھیں اور اس کو وہاں سے ڈاک میں روانہ کریں تو وہ واضح کوائف کہ جو مجھے بطور پتہ لکھنے چاہئیں میرے لیے تحریر کر دیں۔ چلو (اتنا تو ہوا) کہ اس ایک کرشمے سے جو محبت نے میرے معاملے میں دکھایا اور اس منتر سے جو آپ کے صریر خامہ نے مجھ پر پھونکا (میری) آنکھیں آپ کے دیدار کی طالب اور میری زبان آپ کی تعریف میں گویا ہوگئی۔

خدا کرے آپ سلطنت شادی وشادمانی کے بادشاہ بنیں۔ والسلام مع الاکرام۔

بنام میر واجد علی خان بلگرامی

خط-۱

اے سید زادے، اس سلام کے پردے میں جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں یوں سمجھئے کہ میں بذات خود آپ کی انجمن ہمایوں میں پہنچ رہا ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ اگر تکرار تجلی روا ہے تو خیال کو دوسرے خط کے ورود سے بھی اسی کی توقع تھی۔ بارے وہ روح خوش کن اور توانائی بخش تعویذ (خط) پہنچا تو بدن کے ہر ہر رونگٹے میں نئی جان آ گئی۔ اس کو مبالغہ تصور نہ کریں۔ اگر اس بار بھی اسی دشوار پسندی سے کام لیا جاتا اور خواہش بروئے کار نہ آتی تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا اور اس کام سے دستبرداری اختیار کر لیتا لیکن چونکہ آپ نے کارگزاروں کے لیے کام آسان کر دیا' میں نے آفرین کہا اور شکر ادا کیا۔ نظم و نثر کے صاحب تاج وکلاہ کی بارگاہ میں پیش کئے جانے اور پیش کرنے پر جو کچھ اس کے تعارف میں کہا گیا اس کی اطلاع کے ضمن میں زبانِ معجز بیان سے جو کچھ سنا گیا وہ عبارت فرمان اور مژدۂ ارمغان سے ظاہر ہے۔ خدمت کی انجام دہی کے ضمن میں لاف زنی آزادوں کا دستور نہیں۔ خدا بجز انصاف کچھ پسند نہیں کرتا اور انصاف یہ ہے کہ اس کام میں اکیلے غالب ہی نے کوشش نہیں کی بلکہ اس میں شریک غالب احترام الدولہ ہیں۔ نہیں نہیں میں نے تو (اسے) صرف فاضل وزیر تک پہنچایا تھا (البتہ) شہنشاہ تک تو اُس یگانہ (احترام الدولہ) نے پہنچایا۔ میری خواہش بجز بھلائی کچھ نہیں اور کون ہے جو بھلائی نہ چاہے۔ (لہذا) بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اب وہ ہمہ بین' صاحب نظر و ہمہ دان' دانا دل مولانا ظہیر الدین اس پسندیدۂ نام آور کے نام گرامی کو ایک (شکریے کا) ایسا خط لکھ دیں کہ جو شایانِ شان دانشوراں ہو اور اس کے ساتھ ہی اس خط کے جواب میں جو کچھ بھی لکھنا چاہیں لکھ کر مجھے روانہ کر دیں۔ اس نظم بے نظام کی تحریر جوان دو اوراق پر تکۂ رنظر کا باعث ہے اگر چہ اس لائق نہیں کہ مولانا کے خدّام کے ملاحظے میں آئے لیکن اگر کس نے کہا ہے سے درگزر کر کے کیا کہا ہے کو ملحوظ رکھیں تو مناسب ہوگا۔

بنام میر مہدی

خط-۱

میری چشم جہاں بین کے نور کہ میں دنیا کو اس کے (آئینہ) رخ میں دیکھتا تھا خدا تمہیں میری تحسین سے شاد کام رکھے۔ انتظار کے دل پر بوجھ بن جانے سے پہلے صلۂ انتظار روانہ کرنے پر مسرت میں اضافہ ہوا اور بے شک تم نے دیدۂ دیدار طلب کے حق آرزومندی کا پاس رکھا اور خط تحریر کر کے گویا سرمہ بطور تحفہ بھیج دیا۔ شہر جے پور کے حسن اور والی شہر کے محبوبانہ اطوار نے دل کو اس طرح برانگیختہ کر دیا کہ اگر بے تاب ہو کر اس طرف نہ بھاگ پڑا تو خود کو اپنی ملامت سے نہ بچا سکوں گا۔ کائنات کی کان سے ایسے قیمتی جواہر روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اس راہ پیمائی میں مہر جہاں تاب کے گھٹنوں تک پاؤں گھس جاتے ہیں، تب جا کر اس آب و تاب کا کوئی گوہر قالب میں ڈھلتا ہے۔ بالیقین جب بکرماجیت کی حکومت کے دو ہزار سال گزر گئے، تب مہاراجہ رام سنگھ بہادر کو تخلیق کیا گیا کہ اہل دنیا کو اس دیدار سے اُس شنید کا یقین آئے اور جان لیں کہ فلک و انجم کی یہ گردش بے سبب نہیں ہے۔ خدائے منصف ایسے حق جو حق شناس فرماں روا کو زندگی جاوید بخشے۔ میر احمد حسین اور میرزا قربان بیگ نے تمہارا خط پڑھا اور سست سومن مصری کے شربت کا ذائقہ رکھنے والا پانی ان دونوں کے منہ میں بھر آیا۔ بادۂ ناب کی بات نہ تھی ورنہ میرا دل بھی بے قابو ہو جاتا۔ تمہارا حکم بجا لاتا ہوں اور وہ سات اشعار جو پرسوں سلطان فلک آستان کی خدمت میں پیش کئے تھے خط کے حاشیے پر لکھ رہا ہوں۔ والسلام۔

خط-۲

نزدیکوں کے لیے مسرت اور دور والوں کے لیے بشارت کہ بادشاہ نے فرمان جاری کیا اور بارگاہ (شاہی) کے حاجب تشہیر و اشاعت نے ایوان نظارت سے سخن وروں کو اطلاع دی کہ جمعہ کے دن پچیس فروری کو اس نشیمن خجستہ میں تشریف لایئے اور ایک دوسرے کے ساتھ جامِ سخن نوش فرمایئے۔ شاہزادگانِ بابری کی ایک جماعت اور آزادگان شہر میں سے کچھ اصحاب جمع ہوئے اور جگہ تنگ ہوگئی گویا آدمی آدمی پر سوار ہوگیا۔ سب سے پہلے سلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ نے ساز چھیڑا اور بادشاہ کی غزل اس خوش آوازی سے پڑھی کہ زہرہ آسمان سے زمین پر اُتر آئی۔ اس کے بعد شاہزادہ یوسف منظر ہمایوں نشان میرزا خضر سلطان بہادر نے طرحی غزل اس لے میں پڑھی کہ گویا ستارہ ہائے پروین کو فرشِ انجمن پر نچھاور کر دیا۔ پھر میرزا حیدر شکوہ و میرزا نور الدین اور میرزا عالی بخت عالی نے اپنا کلام پیش کیا۔

غالبؔ آشفتہ نوا نے بھی کہ عالؔی کے پہلو میں بیٹھا تھا، اپنے دس شعر پڑھے۔ محوؔی نام ایک امرد نے کہ صہبائی کے شاگردوں میں سے ہے، ایک مستی بھرا نغمہ چھیڑا۔ مرزا حاجی شہرتؔ نے کم و بیش ستر اشعار زمین طرح میں حاضرین محفل کی نذرِ سماعت کئے۔ میں پیشاب کرنے کے بہانے باہر نکلا اور اپنے غمکدے کی راہ لی۔ دوکانیں کھلی تھیں اور چراغ جل رہے تھے۔ ابھی آدھی رات نہ گزری تھی کہ بوریائے بے نوائی پر دورِ مے نوشی شروع ہوگیا۔ شراب پیتا رہا اور دن نکلے قلعہ شاہی کی طرف رخ کیا۔ چاروں شہزادوں نے کہ جن

کے نام اوپر لکھ چکا ہوں وہی رات والی غزلیں سنائیں۔ میں نے بھی دوبارہ غزل سنائی۔ احباب سے معلوم ہوا کہ رات اس ہی ہنگامے میں گزری اور سپیدۂ سحر نمودار ہونے پر محفل برخاست ہوئی۔ سنا ہے کہ سلطان الشعرا نے مشاعرے کے اختتام پر اپنی دو غزلیں پڑھیں لیکن بے طرح :

ابھی نوروز میں اکیس دن باقی ہیں۔ اب دیکھئے میرا بلبل سخن کس لے میں چہکتا ہے۔ تمہارے خط میں دل کو بے قرار کردینے والی کوئی بات نہ تھی اور یہ (خبر) بھی غلط ہے کہ اجنٹ جے پور آرہا ہے۔ مان لو نہیں آرہا۔ وہ گوالیار سے اجمیر جائے گا اور اسی مقام پر آرام کرے گا۔ سابقہ دو غزلیں اور تیسری یہ غزل تم سے کون کہتا ہے کہ راجہ کے سامنے نہ پڑھو' کیوں نہ پڑھو۔ اگر ممکن ہو تو ضرور پڑھو بلکہ یہی کاغذ جس پر میں (لکھ کر) بھیج رہا ہوں پیش کردو۔ نہیں نہیں۔ میرے بھائی یہ رائے درست نہیں۔ میں راول کی وساطت کا شناسا ہو گیا ہوں۔ بہرحال کوئی تحریر میری طرف سے اس کی وساطت کے بغیر نہ گذرے بلکہ اگر تم خود بھی اپنی طرف سے پیش نہ کرو تو بہتر ہوگا۔ سننے والا سخن ور نہیں' سخن سنج نہیں' سخن دان نہیں کہ عمدہ شعر سن کر اس کو سرور آئے اور تمہارا شکر گذار ہو اور تحفے کی قدر کرے۔ ذرا دیر کو میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی۔ لیکن وہ ابال یکدم ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

ع: خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ترجمہ: جو ہم سمجھے تھے وہ فی نفسہٖ غلط تھا۔

غزلوں کو اپنے پاس محفوظ رکھو آنکھوں اور کانوں کو رازوں کی جستجو میں مشغول رکھو اور جو کچھ سنو یا دیکھو مجھے لکھ دو۔ جان لارنس جو شہر دہلی میں کلکٹر اور مجسٹریٹ تھا اس ہنری لارنس کا چھوٹا بھائی ہے جو راجستان کی اجنٹی پر فائز ہے اور یہی سلطنت لاہور میں کمشنر ہے اور بہت بڑا حاکم ہے۔ یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے' دنیا جانتی ہے اور میں بھی جانتا ہوں۔ اچھا بھائی ان سب باتوں کو چھوڑ' سب سے صرف نظر کر اور یہ طرحی غزل ملاحظہ کر۔

بنام مولوی عبدالوہاب لکھنوی

خط-۱

یادآوری کے سپاس کی قبولیت کے بعد خدمتِ خدام میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ جناب عالی نے سرزمین آگرہ پر قدم رنجہ فرمایا ہے اور وہ میری جائے پیدائش ہے۔ اگر یہ کہوں کہ میں نے اسی جگہ سے سر اٹھا کر (جناب کے) پائے مبارک کو چوما ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ میری خواہش یہ ہے کہ لکھنو جاتے وقت ساز نوازش کو مضراب خامہ سے دوبارہ نوا پیرا کریں اور اس شہر مبارک پہنچنے کے بعد جب درگاہ خداوندی کی طرف رخ کریں تو سب سے پہلے خود کو مجھ میں محو کرلیں اور جب پوری طرح مجھ میں تحلیل ہو جائیں تو خواجہ کے سر کا طواف کریں اور زمین چومیں اور (اس) گدا کا پیغام حضرت سلطان العلما کی خدمت میں ان الفاظ میں پہنچائیں کہ یہ خون خام کا ایک قطرہ جسے دل کہتے ہیں متواتر پرسش ہائے اندوہگیں کی تاب نہ لا سکا، مجبوراً ایک قطعہ لکھ کر جس کا چوتھا مصرع یہ ہے'

ع: آمده سال رحلتش "داغِ جگر گداز ہای"

ترجمہ: (اس کی رحلت کا سال ''داغ جگر گداز ہای'' سے نکلتا ہے)۔

چہرہ صفحہ کو خونِ جگر سے آلودہ کیا۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ آپ آقائے گرامی (سلطان العلما) کو جس حال میں بھی دیکھیں اور زبانِ خداوند سے جو کچھ بھی سماعت کریں بزبان قلم مجھے پہنچا دیں۔ نواب محمد علی خان کی دانش مندی اور بے مثلی قابلِ ستائش ہے اور اُس سلام کے مشاہدے سے جس کے بارے میں مخدوم کی تحریر سے معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ سے لکھا ہے اور چونکہ دل بھی اس ہی جانب ہوتا ہے تو گویا یہ دل سے لکھا ہے' میں ان پروین فشاں انگلیوں پر اپنی جان نچھاور کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ دلاوران عرب میں ایک پہلوان طاہر نام کا تھا جو جنگ میں دونوں ہاتھوں سے یکساں (مہارت سے) تلوار چلاتا تھا۔ اس کو ذوالیمینین کہتے تھے۔ بے شک وہ ذوالیمینین سیف تھا اور نواب صاحب جو دونوں ہاتھوں سے ہر قسم کا خط لکھ سکتے ہیں ذوالیمینین قلم ہیں۔

خدایا میرے مشفق مرزا حاتم علی مہر کے جی میں کیا آئی کہ انہوں نے دیرنامہ و پیام بند کرنے کے بعد (آپ کے) اس خط کو اپنے دستخطوں کے ساتھ سلام سے مزین کر دیا۔ اس کو حسنِ اخلاق ہی کہا جا سکتا ہے اور یہ صرف حسن اتفاق تھا کہ وہ اس محفل میں موجود تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ خط کس کو لکھا جا رہا ہے تو انہوں نے کہا چلو ہم بھی سلام لکھ دیں۔ مجبوراً اب مجھ جیسے بے کس کے لیے جس کا دل شکایت سے لبریز ہے اس کے علاوہ کیا چارہ ہے کہ مہر کا سلام محبت کے ساتھ مہر ہی کو لوٹا دوں تا کہ السلام علیکم وعلیکم السلام کی رسم پوری کر دوں۔

بنام سلطان زادہ بشیر الدین میسور

خط-۱

رباعی

عشق است زخس (۱) سرخ گل ونسریں را
از تیرگیٔ سہا مہ و پرویں را
و ز من کہ گدائے کوچۂ میکدہ ام
جم مرتبہ شہزادہ بشیرالدیں را

ترجمہ گمنام (ستارۂ) سہا کو چانداور پروین سے عشق ہے اور میرا عشق' کہ گدائے کوچۂ میکدہ ہوں' جم جاہ شہزادہ بشیر الدین کے لیے ہے۔

کف دست سلیمان کی چیونٹی یعنی یہ فدوی جس پر شاہ بلند آستان کی نظر التفات ہے' قبولیت کی خوش خبری اور مژدۂ وصولیابی کی اطلاع پر اس فکر میں گرفتار ہے کہ وقت کی کس قدر تحسین کرے اور (اپنے) بخت کی کتنی ہی تعریف (لیکن) سلطان کی سپاس گذاری کر سکنے والی زبان کس کے پاس ہے۔ جناب کے نامۂ عزت افزا کا ورود' شہپر ہما کا سایہ پڑنے کے مترادف ہے کہ مجھ جیسے غم نصیب کو شادمانی سلطنت مصر کا بادشاہ بنا دیا۔ بے شک جس طرح اس مبارک ہما کا سایہ' منزلِ آب وگل کے اقتدار کی علامت ہے یہ تحریر کہ جس کو سویدا کی سیاہی سے لکھ گیا ہے قلمروِ جان و دل کی فرماں روائی کی سند ہے۔ اور وہ ورق جس پر اشعار لکھے تھے بذات خود ایک سمندر برسانے والا بادل اور گہر بخشنے والا سمندر تھا' جس نے اس قدر بے حد و بے حساب موتی برسائے کہ حلقۂ چشم گوہر معنی کا خزانہ بن گیا۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر اہل دانش دادِ سخن دیں تو میدانِ سخن کی شہسواری آپ ہی کا حق ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غاشیہ برداری (کی سعادت) کس کو نصیب ہوتی ہے۔ مکتوب نگار کو خود کافی عرصے سے میلان سخن سنجی نہیں۔ نہ پلّے میں موتی ہیں اور نہ بازو میں طاقت۔ اس عمر سبک رفتار کی سیرگاہ کے چھیاسٹھ مرحلے طے ہو چکے ہیں۔ پچیس سال نیک نہاد اہلِ دہلی کے عشق اور ان کی الفت پیشگی نے دل کو گرمائے رکھا اور اس مدت میں کیسے کیسے دوستان با اخلاص جمع نہ ہوئے ہوں گے۔ اچانک فلکِ تیز رفتار نے ان روحانی رشتوں کو اس طرح کاٹ دیا کہ رگ جاں سے خون ٹپک پڑا۔ ان بے مروت دوستوں میں سے کہ جن کا اب شمار بھی مشکل ہے اور جو اس حوادث کی تیز بارش اور کارزار ناہنجار میں ساتھ چھوڑ گئے صرف چند شکستہ حال باقی ہیں۔ اب میں ہوں کہ داغ رفتگاں کو (سینہ سے لگائے) ناشاد جی رہا ہوں اور اپنے خستہ جانوں کے احوال پر آنسو بہا رہا ہوں۔ زمانے کی سنگین کا زخم خوردہ ہوں اور شہر و اہالیان شہر کا عزادار۔ میرے آثار نثر میں صرف تین مجموعے ہیں۔ پنج آہنگ' مہر نیمروز اور دستنبو۔ ان میں سے دو تو آپ کی نظر بلند منظر سے آشنا ہو چکے ہیں۔ رہا تیسرا تو عجب نہیں کہ وہ بھی پہنچ چکا ہو اور اگر نہیں پہنچا ہے تو یہ علم ہونے پر بھیجا جا سکتا ہے۔ اردو نظم کا کوئی ضخیم دیوان نہیں (بلکہ) کلیات

۱۔ کلیات نثر غالب مطبوعہ نول کشور میں یہاں ''زخش'' ہے متن میں کچھ اشتباہ ہے۔ (مترجم و مرتب)

اردو تو اس لائق بھی نہیں کہ شہسوارانِ میدان فارس کے سامنے اس کا نام لیا جا سکے۔ رہی کلیات فارسی کی بات تو آپ اپنی خاطرِ خطیر میں یہ نہ سوچیں کہ (آپ کے پاس) کلیاتِ فارسی (مکمل) ہے۔ چونکہ اگر ہوگا تو وہی طبع شدہ دیوان ہوگا جو کلیات کا آدھا ہے۔ قصہ مختصر اگر دستنبو آپ کے پاس ہے' تو یہی مجموعۂ بے رنگ و بو یعنی مجموعۂ فارسی ورنہ دونوں نسخے آپ کو ارسال کر دیے جائیں گے۔ اب مجھے اس کا انتظار ہے کہ آپ کیا حکم کرتے ہیں۔

افسوس صد افسوس۔ اس فقیر کی فضولیات کی طلب کے ضمن میں مقدارِ قیمت کی پرسش کے الفاظ آپ نے کیوں تحریر کئے۔ بے نوا نیاز مندوں پر نوازش کا انداز یہ تو نہیں ہوتا۔ میں بے سرمایہ (ضرور) ہوں لیکن فرومایہ نہیں' شاعر ہوں سوداگر نہیں' کملی پوش ہوں کتاب فروش نہیں' عطا قبول کر سکتا ہوں قیمت نہیں لے سکتا۔ جو کچھ آزادگان شہزادوں کو بھیجیں وہ نذر ہے اور جو کچھ شاہزادے آزادوں کو عطا کریں وہ تبرک۔ یہ خرید و فروخت نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی چون و چرا ہے۔ میں نے جو کچھ بھیجا ہے وہ ہدیہ ہے اور جو کچھ بھیجوں گا وہ تحفہ ہوگا۔ آپ کی راتیں شب عید اور دن روز نوروز ہوں۔

بنام گل محمد خان ناطق مکرانی

خط-۱

غالبؔ یادہ گو کی جانب سے ناطق رنگیں نوا کو سلام۔ گویا خمار سے نشے کو سراب سے دریا کو ناکس سے کس کو اور نیست سے ہست کو تسلیم۔ (آپ کا) نامۂ الفت انگیز مجھے مبارک اور یہ سعادت ایسی ہے اس کے اظہار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مجھے خط بھیجنا کسی مردہ کے مزار پر پھول چڑھانے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ آپ کے خط کے آنے سے یوں سمجھئے کہ مجھے وہ مسرّت حاصل ہوئی جو اجسام سے نکلی ہوئی روحوں کو اُس عالمِ جاوید میں کسی روحانی تحفے کے ملنے سے ہوتی ہے۔

اب میں وہ غالبؔ نہیں کہ مسلسل شعر کہتا اور پیہم آرائشِ سخن میں گرفتار رہتا تھا اور نہ وہ غالبؔ ہوں کہ اگر پانی سے زیادہ شراب نہ پیتا تو اس غم میں خون کے آنسو بہاتا اور اس صدمے سے اپنے لہو کے گھونٹ پیتا تھا۔ بلکہ (اب تو) وہ غالبؔ ہوں کہ میرا جسم میرے دل سے زیادہ خستہ ہے اور دل محبوبوں کے وعدوں سے زیادہ شکستہ۔ آنکھیں آشوبِ چشم کے باعث جامِ خون کی مانند ہیں اور جسم داغوں سے سروِ چراغاں سے مشابہت رکھتا ہے۔ درد کا (میرے) جوڑ جوڑ سے انوکھا تعلق ہے اور خون کا (میرے) ہر جگر پارے سے نرالا ابال۔ غرض یہ کہ گزشتہ برس موسم خزاں کے آغاز نے شجرِ حیات کو مراجعت کی راہ دکھائی۔ تو مہینے کہ اجزائے عنصری سے جسم انسانی کے تشکیل پانے کی مدت ہے' ناسازیٔ طبع اور بیماری میں گزر گئے اور اس عرصے میں زربفت میں بنے نقوش کی طرح میں ہرگز اپنے بستر سے جدا نہ ہوا۔ میں نے سوچا کہ شاید دن ڈوب گیا اور عمر ختم ہوگئی۔ یکا یک مجھے (لوگوں نے) اس قلزمِ خوں سے نکال کر ساحل پر لا ڈالا اور نہ زندہ نہ مردہ جیسی حالت میں چھوڑ دیا

ع: مردار بود ہر آنکہ او را نہ کشند

ترجمہ: جس کو ذبح نہ کیا جائے وہ مردار ہو جاتا ہے۔

یہاں چند احباب نے میری خواہش کے بغیر میرے مجموعۂ کلام از نعت قصیدہ و قطعہ و غزل و مثنوی کے چھاپنے کی طرح ڈالی ہے۔ جب کبھی بھی یہ طباعت مکمل ہوئی ایک نسخہ آپ کو (ضرور) بھیجوں گا۔ وہ ناقد نقدِ سخن جس تامل سے دوچار ہے' وہ درست ہے۔ پہلے میں اس پاکیزہ گرامی نامہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس کا جواب دوں گا۔ مخدوم لکھتے ہیں مثنوی درد و داغ کے ایک شعر میں کاتب نے ایک لفظ بصورت پنجہ لکھا ہے۔ بھلا یہ کیا لفظ ہے اگر حقیقتاً پنجہ ہی ہے تو خنزیر کے توسُّم ہوتے ہیں پنجے نہیں۔ اور اگر مبہم سُم اور پنجے کا ایک جگہ اطلاق روا ہے اور شعرا کے نزدیک اس کا استعمال جائز تصور کیا گیا ہے تو مطلع فرمایا جائے تاکہ میں بھی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤں۔ غالبؔ خونیں کلام کہتا ہے:

فرد: راست می گویم و یزدان نہ پسندد جز راست
حرف نار است سرودن روش اہرمن است

ترجمہ: میں سچ کہتا ہوں اور خدا سچ کے سوا کچھ پسند نہیں کرتا۔ جھوٹی بات کہنا شیطان کا طریقہ ہے۔

ذوالفقار کی دھار کی تیزی اور حیدر کرار کے فروغ گہر کی قسم کہ خنزیر کے پیر کی شکل میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اگرچہ مخلوق کی اس قسم کو میں نے ویرانوں اور خرابوں میں اکثر دیکھا ہے لیکن غور سے کبھی نہیں دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ خنزیر کے بھی کتے و بلی کی طرح پنجے ہوں گے۔ اب آپ کی تحریر سے واضح ہوا کہ سور کے پنجے نہیں (بلکہ) سُم ہوتے ہیں۔ کاش آپ کا خط کلیات کے طبع ہونے سے پہلے میرے پاس آ جاتا تو میں اس مصرع حوك شد و پنجه زد، سار کرد 'میں'' پنجہ زدن'' کی جگہ'' بدنفسی'' لکھ دیتا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس واقعے پر کوئی ملال نہیں ہے۔ اگر سہو ہوا ہے یا غلطی تو وہ پائے خنزیر میں ہوئی ہے انداز سخن میں نہیں۔ خنزیر کے پاؤں کی کیفیت سے سخنور کی لاعلمی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ ہرچند کہ ذوقِ ہمکلامی اجازت نہیں دے رہا کہ کاغذ اور قلم ہاتھ سے رکھوں اور خط ختم کروں لیکن چونکہ کہنے کی ساری باتیں تمام ہوئیں مجبوراً کاغذ کو تہ کر دیا گیا۔ والسلام۔

بنام مولانا محمد عباس بھوپالی

خط۔۱

تعریف اُس خدا تعالیٰ کی کہ تعیین رسول اور ارسال دستور جس کی نعمتوں میں سے ہے۔

اگر اس مردہ دلی میں بھی مجھے کاغذ اور قلم سے رغبت ہوتی ہے تو یہ اُس حمد کی توانائی اور اس ثنا کی بدولت ہے۔ عرض گزار غالبؔ کے بہت سے ایسے دوست ہیں کہ میری آنکھ کی پتلی کے نواح سے کبھی ان کا گزر نہیں ہوا اور وہ سویدائے دل کے سیاہ خیمہ میں مہمان ہیں۔ زمانے کی منافقت کے طلسم کا نظارہ اور ان آنسوؤں سے، جو ہنسی کی شدت میں آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں، رونے کا مظاہرہ، دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حاشاوکلا، ایسا کم حیثیت اور اتنا مشہور جو اپنی فرومندگی کے باعث ایک شہر ہی کا خاک نشین ہو، اور قلم و خط کی وساطت سے آشنائے مشاہیر زمانہ ہو، سوائے میرے زمانے میں کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ کافی عرصے سے فارسی نثر لکھنا میرا دستور نہیں۔ خطوط قلم برداشتہ اردو ہی میں لکھتا ہوں۔ اب جو خواجۂ روشن گہر فرخ اثر وحق پرست حق شناس مولانا محمد عباس نے کہ وہ بھی اسی معزز گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، زبان قلم میں مجھ سے راہ سخن نکالی ہے اور بھوپال سے یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ غالبؔ خستہ دل اُس ہمہ دان کو زبان فارسی میں خط لکھے (تو) یا رب اس حکم کی تعمیل کس طرح کروں اور خط میں کیا لکھوں۔ بارے قلم نے جنبش کر کے کچھ الفاظ کاغذ پر لکھ ڈالے، جو پڑھے جا سکتے ہیں گو کسی تعریف کے لائق نہیں۔ بس اب کاغذ کو تہ کر کے اس کارفرما کو بھیج دیا جائے۔ امید کرتا ہوں کہ درویش کے اس تحفۂ برگِ سبز کو شرف قبول عطا ہوگا۔

بنام مولوی محمد حبیب اللہ منشی نواب مختار الملک نائب والی حیدر آباد

خط-۱

خدا تعالیٰ کی عطا کا شکر، قسمت کو نجستگی پر تحسین اور تمنا کو تکمیل کی نوید ہو۔ بے شک مجھے وہ نامہ امید افزا ملا ہے، جو میرے خیال میں اسباب نعمت کی فہرست ہے جسے آسمان سے زمین پر میری جانب بھیجا گیا ہے یا کسی قیمتی خزانے کا تعارف نامہ ہے کہ روز ازل (فرط) الفت سے اس پر میرے نام کی مہر لگا دی گئی ہو۔ بد شبہ میں اس لیے بھی خوش ہوں کہ رنگا رنگ سعادتیں (مجھ تک پہنچنے کو) راہ میں ہیں اور خزانۂ مراد نظر آنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اگر چہ گرامی نامہ فرمان خداوندی نہیں لیکن میرا افتخار اس علامت کے روشن ہونے کی بنا پر ہے کہ مجھ جیسے گوشہ نشین رجائیت پرست کا نام اس مبارک دفتر میں لکھ لیا گیا۔

فرد: غالبؔ بخود ببال کہ گشتیم روشناس

در دفترِ وزیر نوشتند نام ما

ترجمہ: غالبؔ خوش ہو جا کہ اب ہم بھی (اس سے) روشناس ہو گئے اور وزیر کے دفتر میں ہمارا نام لکھ لیا گیا۔

ایک حیرت انگیز سرگذشت گفتنی ہے اور آپ کی اس رغبت کے باعث کہ اتنی دوری کے باوجود (میرے) صریر خامہ پر توجہ فرماتے ہیں، موجب تشکر بھی۔ ماہِ گذشتہ میں کہ جب سال کی عمر فزا فضا میں اگست آگے آگے اور صفر اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا میں نے منتخب دیوان ریختہ جو تازہ تازہ ہی طباعت پذیر ہوا ہے، موم جامہ میں لپیٹ کر حضرت فلک رفعت، آصف سلیمان منزلت کی بارگاہِ انجم گزر گاہ میں بھیجا ہے۔ چونکہ جناب کے گرامی نامے کا ورود پارسل کی ترسیل کے بعد ہوا ہے اس لیے میں یہی سمجھتا ہوں کہ شاید یہ تحریر پیشگاہ وزارت کے حکم کے مطابق (بھیجی گئی) ہے اور درمیان میں چونکہ کلام اردو کے پہنچنے کا ذکر ہی نہیں ہے اور فارسی کلام کی فرمائش کی گئی ہے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ (اردو کلام) درکار نہیں، وہ (فارسی کلام) بھیجا جانا چاہیے۔

ع: زہے تصور باطل زہے خیالِ محال

ترجمہ: آفرین ہے تصور باطل پر اور تحسین خیال محال پر۔

ماہِ نیم ماہ کی فرمائش کی گئی ہے۔ (لیکن) اس نام کا تو کوئی مسمی ہی نہیں۔ چونکہ قسمت کے لکھے سے گریز ممکن نہیں اس لئے یہ سرگذشت دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ جب پرتوستان کا آدھا حصہ مکمل ہو گیا اور اس کا نام مہر نیمروز رکھا گیا تو اس کی طباعت مکمل ہونے میں کچھ دیر لگ گئی۔ ناگاہ کارفرما کا دن غروب ہو گیا، عہد بیت گیا اور قراچاریہ ترکمانوں کی دولت دیرینہ تمام ہوگئی۔ ماہ نیم ماہ تو اٹھائیسوں رات کی چاند کی طرح ناپید ہے اور اس کا نام بے نشانی کے عنوان سے مہر نیمروز میں باقی رہ گیا۔ جو چیز وجود پذیر ہی نہ ہوئی ہو اس کو کیونکر تسلیم کروں۔ بد شبہ چونکہ 'پنج آہنگ'، مہر نیمروز اور دستنبو تو آپ کے پاس ہیں، اب جو ارسال کروں گا وہ مجموعۂ نظم فارسی ہی ہو سکتا ہے، جو یہ غزلیت کہنے والے کے اپنے پاس بھی کبھی نہیں تھا۔ والیان سلطنت کے پاس جو کچھ تھا وہ اس قیامت نما آشوب میں لٹ لٹا گیا۔ اس رچے بسے شہر کی تباہی کے بعد اور (اس ہنگامے کی) اٹھی ہوئی گرد کے بیٹھ جانے کے بعد ایک صاحب مرتبہ نے جو نامہ

نگارے عزیزوں میں سے ہیں' ان کو تلاش کرنا شروع کیا اور فقیر کی گدڑی کی طرح پارہ پارہ جمع کرکے اس کے پچیس جزو جمع کرے۔ اب اس فکر میں ہوں کہ اس کو چھپوا دیں کہ اس طرح حاجت مندوں کی ضرورت کا دفع ہونا اور طلب گاروں کے لیے اس کا پانا آسان ہو جائے گا۔ اگر طباعت ہی نہ ہو تو نفاست کا کیا سوال؟ ایک کاتب کی تلاش ہے کہ وہ لکھ دے تو بندہ روانہ کردے۔ کاتب کی اجرت طباعت کا خرچ تو ہے نہیں کہ مجھ پر گراں ہو اور میری استطاعت سے باہر ہو۔ جناب عالی کا وزیر اعظم' جو نظر سکندر ہمتا کی ملازمت کے نمایاں نشان برداروں میں ہونا تو جناب کے گرامی نامے سے ہی کہ نشانِ عقل ہے اور جس میں آپ نے (وہ کتاب) اپنے نام پر نواب مختار الملک کے دفتر کے پتے پر مجھ سے مانگی ہے' ظاہر ہو گیا۔ امید کرتا ہوں کہ پایۂ درویش نوازی کو بلند رکھتے ہوئے مجھ کو بھی طلب کو مطلع کریں گے کہ جناب کا تعلق دفترِ وزارت میں کس منصب کی مناسبت سے اور اس گوہرِ فروزندہ کا تعلق کس معدن سے ہے تا کہ ان الفاظ سے جو بطریق لزوم جناب عالی کے اسم گرامی کے شایانِ شان ہوں' میں بھی واقف ہو جاؤں اور سر رشتۂ اضافات کو نہاں خانۂ مافات میں گم نہ کردوں۔ دوسرے میں یہ چاہتا ہوں کہ اردو دیوان کے پہنچنے یا نہ پہنچنے کی بھی مجھے اطلاع مل جائے اور یہ بھی علم ہو جائے کہ کلیاتِ فارسی کی فرمائش میرے گمان کے مطابق حضرتِ نواب معلیٰ القاب کے فرمان پر ہوئی ہے یا صحیفہ نگار کی جانب سے۔ دونوں صورتوں میں تعمیلِ حکم عمل میں آئے گی۔ والسلام بہزاراں احترام بروز منگل۔ گیارہ ربیع الاول ۱۲۷۸ ہجری نبوی۔

بنام سلطان محمد بہادر

خط-۱

رباعی

سبحان اللّٰہ شانِ اعلیٰ حضرت
باشد فلک آستانِ اعلیٰ حضرت
خواہم کہ برآں عتبہ نہم روئے نیاز
در زمرۂ بندگان اعلیٰ حضرت

ترجمہ سبحان اللہ۔شان اعلیٰ حضرت (کا کیا کہنا) کہ جن کا آستانہ آسمان ہے۔میں چاہتا ہوں کہ اپنا روئے نیاز اعلیٰ حضرت کے غلاموں کے زمرے میں ان کی چوکھٹ پر رکھوں۔

اس سبب سے کہ (ہر) تحریر کا آغاز خداتعالیٰ کے پاک نام کی ثنا سے ہوتا ہے' بے شک یہ ستایش نامہ ہزار رنگ کی توقعات کا وسیلہ ہے۔منجملہ دوسری امیدوں کے ایک امید تو یہ ہے کہ اس ستم زدۂ فلک سخنور کو معاف فرمائیں اور اس پر اس وجہ سے ناراض نہ ہوں کہ حدودادب کی خلاف ورزی کی اور باوجود اس کے کہ ہم سے روشناس نہیں کس جرات سے ہمیں عرضداشت تحریر کی۔ بے شک (فدوی نے) چند اوراق دل سے اٹھنے والے دھوئیں کی سیاہی سے تحریر کئے تھے اور ان کے ملاحظے کے لیے کسی بلند نظر کی تلاش میں تھا۔عقل نے خداوند ہمہ دان کی پیش گاہ کی نشاندہی کی اور کہا کہ اگر (تجھ میں) نذر پیش کرنے کی سکت نہیں تو محکمہ ڈک کی وساطت سے بھیج سکتا ہے۔ بیتابیٔ شوق نے خرد کی رہنمائی میں اضافہ کیا۔تحفہ بھیجنے والے نے دور سے زمین کو بوسہ دیا اور آستان پر جبیں سائی کی۔

فرد: شادم کہ توئی تا بہ تو ہنگامہ کنم گرم
ورنہ ز کجا یافتمے قیصر و جم را

ترجمہ مجھے خوشی ہے کہ تو موجود ہے تا کہ تیرے ساتھ میں ہنگامہ گرم کروں ورنہ میں (اس زمانے میں) قیصر و جم کو کہاں سے پاتا۔

واضح رہے کہ دس سال کی عمر میں موزونیٔ طبع کی علامات ظاہر ہوئیں اور جب کچھ سمجھ بوجھ آئی تو زبان کو انداز بیان اور قلم کو طرزِ تحریر حاصل ہوا۔اب کہ عمر (۷۰) ستر کو پہنچی تو خاطر ناشاد میں یہ خیال آیا اور میں نے اپنا پچاس سالہ کلام جمع کیا اور باوجودیکہ اس کے مصارف طباعت کی استطاعت نہیں تھی چھپ دیا۔ان ہی طبع شدہ نسخوں میں سے ایک نسخہ آپ کو پارسل کے ذریعے بھیجا ہے۔ پارسل اور عریضے کی روانگی کی تاریخ ایک ہی ہے۔ (پھر بھی) خیال ہے کہ خط پہلے پہنچے گا اور پارسل بعد میں۔اگر خط اور پارسل کے پہنچنے کے بعد بھی مجھے اطلاع نہ ملے اور اس کے پہنچنے اور نہ پہنچنے کی ضمن میں تذبذب رہے تو افسوس ہے مجھ پر اور میری زندگی پر۔میرا جواب کا واضح تقاضہ نہ کرنا بہ پاس ادب ہے۔نہیں (بلکہ) اس ستائش نامے کے جواب کی خواہش بہ ذیل حسن طلب ہے خداوند کے وجود مسعود کی برکت سے مسند عز و جاہ کا مرتبہ اور نگ سلیمانی سے بڑھ کر ہو۔

بنام منشی جواہر سنگھ جوہر

خط-۱

آج محبت کی شدید بے کلی اُس رگ کو، جو دل سے نکل کر انگلیوں کی پوروں تک آتی ہے، متحرک کر رہی ہے تاکہ وہ پوروں کی جنبش سے قلم کو چلنے پر آمادہ کرے۔ یقیناً قلم کی رفتار سے یہی طلب ہوگی کہ جو کچھ دل میں ہے وہ کاغذ پر تحریر کردے۔ یہ جان لو اور سمجھ لو کہ تمہارے خط مسلسل آتے رہے، اور ان کے جوابات بھی اسی طرح متواتر تمہارے والد کے سپرد کئے گئے۔ یہ خط جو آج لکھ رہا ہوں اور ڈاک سے روانہ کرنا چاہتا ہوں، ان آخری دو خطوط کے جواب میں ہے، جو ۲۱ اور ۲۲ نومبر کو لکھے گئے اور اپنے اپنے وقت پر مجھے ملے۔ چونکہ پہلا خط (محض) اظہارِ اشتیاق پر مبنی تھا، اس لیے جواب طلب نہیں۔ دوسرے خط کا جواب یہ ہے کہ اقبال نشان، الفت میں کامران، مرزا عباس، خدا ان کو عمر دراز عطا کرے، کا رقعہ ملا اور اسے پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ان کا احوال ان کے بزرگوں کو بتا دیا گیا کہ وہ (بھی) خوش ہو جائیں اگر ابھی تک وہ وزیرآباد نہ گئے ہوں تو میری اور ہم سب کی دعا ان کو پہنچا دیں اور یہ خط ان کو دکھا دیں کہ ان کو اپنے خط کا جواب مل جائے۔ دوسرے وہ خط کہ جو رائے چھجمل سمہ اللہ تعالیٰ کے نام تھا وہ آپ کا خط پہنچنے کے دن ہی اُس خوش خصال کو بھجوا دیا گیا۔ شام کے وقت وہ خود بھی میرے پاس آئے تھے اور اپنے ساتھ ہیرا سنگھ طول عمرہٗ کو بھی لائے تھے۔ تمہارا خط جو میرے نام تھا اس کو ان کے آنے سے پہلے ہی چاک کر چکا تھا[1] چونکہ اس کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ سو جو کچھ پڑھا تھا اگرچہ سمجھ نہیں تھا لیکن یاد تھا وہ ان کو بتایا۔ دوسرے روز تمہارے خط کے جواب میں مجھے ایک خط بھیجا۔ آج اس کو اس خط سے منسلک کر کے ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ اِس ہنگامہ کے باعث جو اس سرزمین میں پھیلا ہوا ہے تمہاری اور عباس بیگ کی طرف سے پریشانی ہے۔ خدا تم دونوں کا حافظ و ناصر ہو۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میرے پاس ایک ٹوپی تر کی کھال کی تھی۔ حال ہی میں اس کو کیڑا کھا گیا اور اب میرا سر بغیر کلاہ کے رہ گیا۔ اگرچہ مجھے کلاہ کی طلب نہیں تاہم ایک ریشمی لنگی جو پشاور اور ملتان میں بنائی جاتی ہے اور جسے اس قلمرو کے معززین سر پر باندھتے ہیں، درکار ہے۔ لیکن ایسی کہ اس کے رنگ بھڑکیلے اور نوجوانوں والے نہ ہوں اور اس کا حاشیہ سرخ نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نازک کام والی اور عمدہ نقش و نگار والی ہو۔ اور اس میں سونے چاندی کے تار استعمال نہ کئے گئے ہوں بلکہ کالے، ہرے، اودے اور پیلے رنگ کے ریشم سے بُنی گئی ہو اور قیاس غالب یہی ہے کہ اس علاقے میں اس طرح کی چیز جلدی اور آسانی سے دستیاب ہو جائے گی۔ (چنانچہ) تلاش کر کے حاصل کریں اور مجھے بذریعہ ڈاک ارسال کر دیں اور (فی الوقت) اس کے مصارف برداشت کریں۔ جب تک اس کی قیمت مجھے نہیں لکھیں گے میں نہیں لوں گا۔ ہدیہ و تحفہ وہ ہوتا ہے جو بغیر طلب کئے بھیجا جائے اور جو کسی کا طلب کردہ ہو اس کو ہدیہ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ میری باتوں سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تمہارا تحفہ ہی قبول نہیں کروں گا۔ ایسی بات نہیں لیکن لنگی کا میں خریدار ہوں اس کے علاوہ جو کچھ بھی بے طلب ملے اس کو قبول کر سکتا ہوں۔ بہر حال لنگی کے بھیجنے میں تاخیر اور قیمت کے لکھنے میں تکلف سے کام نہ لیں۔ اور میرا سلام

۱۔ متن میں ''چاک کردہ بودم'' کے بعد مندرجہ ذیل عبارت جو نول کشور ۱۲۸۷ھ میں بے طباعت سے رہ گئی ہے، لیکن ترجمے میں شامل ہے۔ ''چوں دیدن آں آرزو کرد، آنچہ من دیدہ بودم اگرچہ فہمیدہ بودم و بخاطر داشتم بوی باز گفتم۔ روز دویم''۔ (مترجم و مرتب)

انتہائے شوق کے ساتھ سیدی و مولائی مولوی رجب علی خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچادیں۔ والدعا۔ جمعہ کی صبح پہلی دسمبر ۱۸۴۸ء (مطابق) چار محرم الحرام ۱۲۵۱ھ کو لکھا گیا۔

خط-۲

خاندانِ انسانیت کے چشم و چراغ اور میری آنکھ کی پتلی منشی جواہر سنگھ جوہر کو روز افزوں دولت نصیب ہو۔ عرصہ ہوا کہ تم نے یاد نہیں کیا اور میں اپنے پیاسے جگر کو اس خبر کے میٹھے پانی سے جو رائے چھجمل کے نام خط کے پہلو سے نپکتا ہے تسکین دے لیتا ہوں۔ مکرمی مولوی میر اکبر علی کا کام (تو) تم نے کر ہی دیا ہوگا۔ اس ضمن میں میں کافی لکھ چکا ہوں اور کیا لکھوں۔ میں نے لکھا ہے کہ ان کو مجھ پر قیاس کریں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم یہ سمجھ چکے ہوگے کہ اُس قلمرو میں (خدانے) تم کو فرمانروا بنایا ہے۔ ایک اور بزرگ ہیں کہ ان کی بھی تمہیں عزت کرنی چاہیے۔ اوران کے ساتھ بھی وقت کی گنجائش کے مطابق نیکی کرنی چاہیے بلاشبہ ان بزرگ کا نام مفتی غلام حیدر ہے اور یہ ایک یتیم سردار زادے کے استاد ہیں۔ ان کی لیاقت، ورصلاحیت کے دوسرے جوہر میر اکبر علی سے پوچھے جاسکتے ہیں۔ فرمانروایانِ چغتائی کی سرگذشت کے روزنامے کا مسودہ ہیرا سنگھ کے ہاتھ بھیج دیا ہے لیکن ابھی تک اس کی رسید کی خبر نہیں ملی۔ اگر پہنچ گیا ہے تو لکھیں ورنہ ہیرا سنگھ سے باز پرس کریں۔ والدعا۔ منجانب: سداللہ جمعہ ۱۱ جون ۱۸۵۲ عیسوی۔

خط-۳

جانِ من - تمہارا خط آئے عرصہ ہوا۔ جواب طلب نہیں تھا ورنہ اس روزِ سیہ میں بھی جواب سے دریغ نہ کرتا۔ روزِ عید بلکہ شبِ عید سے بادشاہ سلامت بیمار ہیں اور آج تک کہ اتوار (کا دن اور) شوال کی تیئیس (۲۳) تاریخ ہوگئی وہی بخار کی شدت، ہچکی اور اسہال جاری ہیں۔ اب دیکھیئے آئندہ کیا ہوتا ہے اور مجھ پر کہ ان کی دیوار کے سایے میں ست رہا ہوں کیا گزرتی ہے۔ عید کی تہنیت کا قصیدہ بھی نہ پڑھا جاسکا، طاعت کا توذکر ہی کیا۔ ہیرا سنگھ تمہارا کہنا مان گیا اور (وہ) زین و سازِ اسپ بنوانے کی فکر میں گرفتار ہے لیکن اس کی بچگانہ حرکتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کہتا ہے کہ میرا کُل سرمایہ جو کہ بڑے بھائی ہی کا دیا ہوا ہے بارہ روپے سے زیادہ نہیں اور (صرف) زین بنوانے کا خرچہ اس سے زیادہ ہے۔ قرض لے سکتا ہوں لیکن جب ماہ شوال ختم ہوگا تو استاد کا مشاہرہ کہاں سے دوں گا۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ جب زین بن جائے تو اس کے حساب کی فرد مجھے بھیج دینا۔ تیرا بھائی مندرجہ رقم اور وہ طے کی گئی رقم (دونوں) بھیج دے گا۔

منجانب اسداللہ۔

خط۔۴

۱

باغ دودر

اے صاحب سعادت واقبال، اپنی قسمت پر بھی آفرین کہتا ہوں اور تمہاری سعادت مندی اور الفت شعاری کی بھی تعریف کرتا ہوں کہ (بالآخر) تمہارا قلم میرے نام پر حرکت میں آیا۔ خط لکھنے میں تاخیر کرتے ہو اور اس فقیر کو بھی اور اپنے باپ کو بھی منتظر رکھتے ہو اور جانتا ہوں کہ مولانا کی خدمت میں کم کم ہی جاتے ہو۔ تمہیں علم نہیں کہ میں نے تمہیں ان کے سپرد کیا ہے! تمہیں چاہیے کہ مولانا کو لازمی میری جگہ شمار کرو اور، پناہ ان پر ڈالو۔ جب یہاں تھے تو اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے اور (اپنے) کام اور گھر سے بے خبر رہتے تھے۔ میری صحبت کا سوائے سلیقہ شعر کے بھلا اور کیا حاصل تھا اور وہ بھی نہ دنیا کے کام کا اور نہ دین کے۔ مولانا سے وابستگی کیوں نہیں رکھتے ہو کہ عقل آئے اور (کوئی) ہنر سیکھو اور دانش مندی میں کسی مرتبے پر اور دنیا میں کسی حیثیت کو پہنچو۔

میجر صاحب کا جو احوال لکھا جاسکتا ہے سو اس قدر ہی ہے کہ ان کو ابھی تک میں نے قلعے کے فریبیوں کے دانہ و دام سے محفوظ رکھا ہے۔ اپنے مشاہدہ کی بناپر (وہ) خود بھی ان لوگوں کے طور طریق سے قدرے دل برداشتہ ہو گئے ہیں اور جو تمہارا خیال تھا کہ (مشاعروں کے لیے) طرحیں دی جاتی ہیں اور میجر صاحب اور محمد ضیاء الدین احمد خان بہادر غزلیں کہتے ہیں تو ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

ع۔ خوں باد زبانے کہ باشعار بجنبد۔

ترجمہ: خون ہو جائے وہ زبان کہ جو اشعار کے لیے حرکت میں آئے۔

میجر (جان جاکوب) صاحب نے وہ جگہ کہ جہاں آکر اترے تھے چھوڑ دی ہے اور کوٹھی فیض طلب خان (فیض بازار۔ دریا گنج) کرایہ پر لے کر وہاں سکونت اختیار کر لی ہے۔ جس دن سے کہ تم گئے ہو میں خود بھی بیمار رہوں۔ شانے میں درد اٹھا اور جسم پر (جگہ جگہ) زخم ہو گئے۔ معذوری کے ساتھ زخم کے دیر سے بھرنے کی تکلیف بھی تھی۔ تین ماہ تک صاحب فراش رہا یہاں تک کہ نواب امین الدین احمد خان بہادر کے مکان اور اپنی حرم سرا تک نہیں جاسکتا تھا۔ اب کہ وہ تکلیف رفع ہوئی اور وہ زخم ٹھیک ہوا ہے تو اس بڑھاپے میں میرے خون نے جوش مارا اور سارے جسم پر آسمان کے تاروں کی طرح دانے نکل آئے ہیں۔ سر سے پیر تک (جسم پر) سرخ چکتے پڑ گئے ہیں جن میں جلن ہے۔ حکیم امام الدین خان کی ہدایت پر فصد کھلوائی ہے اور شاہترہ سبز کا عرق مصفی پی رہا ہوں۔ دیکھئے آئندہ کیا ہوتا ہے اور انجام کار کیا۔ اس بیماری میں بھلا شعر گوئی کی تاب و تواں کہاں۔ البتہ ایک قصیدہ مولوی صدر الدین خان بہادر کی تعریف میں کہا ہے چنانچہ اس کی نقل ان اوراق کے ساتھ ہی مولانا (سراج الدین احمد) کی خدمت میں ارسال کی ہے۔ ان سے عاریتاً لے کر نقل کر لیں۔ فارسی کا دیوان منشی نور الدین احمد کے پریس میں چھپ رہا ہے اور طباعت قصائد تک پہنچ چکی ہے۔ ایک جلد تمہارے لئے بھی خرید لوں گا۔ تمہارا خط مرزا زین العابدین بہادر (عارفؔ) کو دے دیا گیا ہے۔ اس وقت ایک پہر دن چڑھا ہے۔ جمعرات کا دن ربیع الاوّل کی چوتھی اور مارچ کی تیرہ تاریخ ہے۔ تمہارے والد (بزرگوار) رائے چھمبل صاحب سلمہ، میرے پہلو میں بیٹھے ہیں اور میں ان سے باتیں کرتا اور خط لکھتا جاتا ہوں۔ وہ (بذاتِ خود) تمہاری والدہ، تمہارا بھائی اور تمہاری بیوی بھی (سب) خیریت سے ہیں۔ باقی سب خیریت ہے والدعا۔

خط۔۵

۲

صاحب اقباں وسعادت رائے جواہر سنگھ جوہر (خدا کرے) عمر (دراز) ونیک بختی کا پھل کھائیں اور راقم مکتوب کو ہمیشہ اپنی یاد میں مشغول تصور کریں اور اپنے آپ سے راضی اور خوش سمجھیں۔ (انہوں نے) وہ خط جو اکبرآباد سے بھیجا ہے میں نے اس کو جوش محبت میں آنکھوں سے لگایا ہے۔ اور یہ منسلک کر کے میں نے بھیجا ہے تو میرا مقصد یہی ہے کہ وہ اس راز کو پالیں اور سمجھ جائیں کہ میرے اور مولانا کے درمیان کوئی غیریت نہیں ہے اور اسداللہ مولوی سراج الدین کی شکل میں میری غمخواری کو اکبرآباد میں موجود ہے۔ برائے خدا مولانا کو مجھ پر قیاس کریں اور جس دل جوئی کی توقع مجھ سے رکھتے تھے بالکل سی طرح ان سے رکھیں۔ دوسرے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ رائے چھجمل تمہارا باپ تمہارا عاشق ہے اور تمہاری جدائی میں غمگین۔ اکثر اوقات مجھ سے متوصل رہتا اور تمہاری باتیں کرتا ہے۔ اس نے جدائی اس وجہ سے منتخب کی ہے تاکہ تم (زندگی کا) طریق کار سیکھو ورروزگار کا تجربہ حاصل کرو اور (زمانے کے) طور طریق کو سمجھو اور اس طرح جب تجربہ کار ہو جاؤ تو بلند مراتب پر پہنچو۔ اگر یہ سارے غراض ومقاصد اور یہ سکون خاطر وہاں ممکن نہ ہو اور وقت مددگار نہ ہو تو اس شہر میں نہ ٹھہرو اور واپس وطن آ جاؤ۔ کبھی بھی تم اپنے باپ پر بوجھ نہیں ہو (اور) واپسی میں کوئی سبکی اور شرمندگی (بھی) نہیں ہے۔ میرے مشفق خان صاحب (ضیاالدین احمد خان) کا احوال تم نے پوچھا ہے۔ تمہیں شاید یاد ہو کہ وہ قدرے بیمار ہو گئے تھے اب اچھے ہیں۔ پرسوں کہ ہفتہ تھا حمام گئے اور غسل کیا اور آزار جسم سے نجات پائی۔ (فی الوقت) جو کام (ان کے) پیش نظر ہے اس کا کوئی سر پیر نظر نہیں آتا اور فدوی کے خیال کے مطابق تو وہ کام ہی بے سروپا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوگا اور جو کچھ بھی وجود پذیر ہوگا لکھ دوں گا۔ رائے چھجمل کا خط جو تمہارے نام ہے اور جس پر پتا نہیں میرے خط کے ساتھ ملے گا پڑھ لیجئے گا۔ دوسرے تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں اعتقادالدولہ نوروز علی خان خواجہ سرا کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ بے مروّت دریا کے راستے اکبرآباد گیا ہے اور آج تک کسی جگہ سے کوئی نامہ وپیام نہیں بھیجا۔ سخت افسردہ ہوں۔ چاہیے کہ شہر میں (آپ اس کو) تلاش کریں۔ اگر کانپور روانہ ہو گیا ہے تو مجھے مطلع کریں اور اگر وہیں ہو تو اس سے رابطہ کریں اور میرا اسدم پہنچائیں۔ اور اس کی خیر خیریت اس کے مستقبل کے پروگرام اور اکبرآباد میں قیام کی مدت معلوم کر کے مجھے لکھیں۔ اور اس خواہش پر میرا اصرار سمجھیں اور اس خط کا جواب جلد ارسال کریں۔ والدعا۔

خط۔۶

۳

صاحب اقبال وسعادت رائے جواہر سنگھ کا (خدا کرے) آسمان مددگار اور مقدر مطیع ہووے۔ وہ خط کہ میرے ہزاروں خطوں کے جواب میں تھا پہنچا۔ اور (اس نے) دل غمزدہ کے دکھ کا مداوا کیا۔ ع۔ عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است۔ ترجمہ: خدا تجھے طویل عمر دے کہ یہ بھی (ایک) انعام ہے۔

اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ تجارت کی خواہش زائل ہو چکی ہے۔ اگر تمہارے والد نہیں چاہتے تھے کہ تم تجارت کرو تو

اس بزرگ تجربہ کار کی خواہش بیجا نہیں ہے۔ بات بھی درست ہے جب تک سرمایہ نہ ہو تجارت چلتی نہیں ہے اور منافع ہاتھ نہیں آتا۔ (صرف مال) دوکان کی گردش کے رہٹ سے امید رکھنا خشکی پر کشتی چلانا ہے۔

خدا کا شکر ادا کریں کہ اب (آپ) رفتہ رفتہ ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں کہ آپ کا صاحب حیثیت ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ دانائے یگانہ یعنی مولوی سید رجب علی خان کہ جو آج کل مرکز امید ہے، انسانیت کے جسم میں جان کی مثال ہے۔ ہرگز ہرگز اس کا دامن نہ چھوڑیں اور اپنا کام اس کے حوالے کر دیں۔

تم نے نظم و نثر سے کچھ ارسال کرنے کو لکھا تھا۔ اس بات کے دو پہلو ہیں۔ یا تو یہ کہ مجموعہ نظم منشی نورالدین کے مطبع (دارالسلام۔ دہلی) میں چھپ کر وہاں پہنچ ہی چکا ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کے علاوہ اگر کچھ کہا ہے اور وہ بھیجوں تو یقین کریں کہ اس مجموعے کی طباعت کے بعد فتح پنجاب کی تہنیت کے قصیدے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ اور اگر اس علاقے (پنجاب) میں کوئی میرا دیوان لے کر ہی نہیں پہنچا تو آپ کو چاہیے تھا کہ وہ دیوان مانگتے نہ کہ متفرق اشعار۔ بہر حال اگر لکھیں گے تو ایک نسخہ دیوان کا آپ کو ارسال کر دوں گا کہ آپ میری طرف سے مولانا (سید رجب علی) کی خدمت عالیہ میں پیش کر کے میری ارادت کا نقش (چوکھٹے) میں بٹھا دیں۔

تمہارا خط بنام صاحب اقبال مرزا زین العابدین خان بہادر (عارفؔ) میرے پاس ہے۔ مکتوب الیہ نواب علی محمد خان (والی جھجر) کے ساتھ جھجر گئے ہوئے ہیں۔ جب ان کو خط لکھوں گا تو تمہارا خط بھی انہیں بھیج دوں گا۔

تمہارے خط سے حضرت مولوی گل شاہ صاحب کی، خدا ان کو سلامت رکھے، خیریت معلوم ہوئی۔ حقیقتاً تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ مجھے میرے دوست کی خیریت سے آگاہ کیا ہے۔ میری طرف سے انہیں بہت بہت پوچھو میرا سلام ان کو پہنچاؤ اور میری نیازمندی کا اظہار کرو۔

آج کل لکھنؤ کا حال دگرگوں ہے۔ وہ بادشاہ (امجد علی شاہ) کہ جس کی شاگردی میں کرتا تھا اور جس تک میرے دوست (اعتقاد الدولہ نوروز علی خان) کی رسائی تھی اچانک فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا جو اس کی جگہ تخت نشین ہوا ہے بد دماغ و بد رائے ہے۔ اہل ہنود کے معبدوں کو ڈھانے کا حکم دے دیا۔ لازمی فتنہ و فساد برپا ہونا تھا۔ شہر کے بدمعاشوں نے اس کے وزیر کو بازار میں پکڑ لیا۔ تلوار کے دو تین وار کیے ادھ موا کر دیا اور اسی طرح نڈھال چھوڑ کر چلے گئے۔ گانے بجانے والوں کے علاوہ کسی سے رغبت نہیں، ہوشمندی و تدبر نام کو نہیں۔ طویل مدت چاہیے کہ یہ ہنگامہ فرو اور امن امان صورت پذیر ہو اور (اس کے بعد) راجہ جوالا پرشاد اور اعتقاد الدولہ نوروز علی خان بہادر ابتدا سے کام شروع کریں اور سلسلہ جنبانی کریں اور فرمان حسب (دربار اودھ سے) میرے نام بھجوائیں۔

فرد: ما خانہ رمیدگانِ ظلمیم پیغامِ خوش از دیارِ ما نیست

ترجمہ ہم ظلم کے (ذریعے) گھروں سے نکالے ہوئے لوگ ہیں۔ ہمارے شہر سے کوئی خوشی کا پیغام (متوقع) نہیں۔

شہزادہ شاہ رُخ کی موت پر حیرت و تعجب کا اظہار چہ معنی دارد۔ کیا تمہارے خیال میں شاہوں اور شہزادوں پر موت کا بس نہیں چلتا! ہاں شاہ رُخ شکار سے واپسی پر جب میرٹھ کے قریب پہنچا تو ہیضہ میں مبتلا ہو کر اسی علاقے میں فوت ہو گیا۔ اس کا جنازہ شہر

میں لا کر اس کو کلاری باغ میں اس کی ماں کے مزار کے پائنتی دفن کر دیا۔

تم بھی کمال کرتے ہو مجھے خط لکھا لیکن یہ نہ لکھا کہ جب میں تمہیں خط لکھوں تو پتہ کیا لکھوں۔ اس بار یہ تحریر تمہارے والد رائے چھمبل کو دے رہا ہوں کہ اسے خط کے ساتھ بھیج دیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آئندہ آپ اپنی قیام گاہ کا پتہ لکھیں تا کہ میرا خط بغیر کسی واسطے کے تمہارے پاس پہنچے۔ دوسرے مجھے یہ بے چینی بھی ہے کہ بھلا پتہ لکھنے کی جگہ کو آپ نے میرے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیوں کر ڈالا اور عرفیت و تخلص و چاہ و گذر کیوں لکھ؟ کیا آپ کو علم نہیں کہ فارسی اور انگریزی کے خطوط ہر مہینے دو چار میرے پاس ہر طرف سے آتے ہیں اور ان پر سوائے اس کے کہ دہلی میں اسد اللہ کو ملے اور کچھ نہیں لکھا ہوتا۔ اگر چہ تمہارے خیال میں میں بے حیثیت اور گمنام ہوں اور عرفیت کے سوا اپنے نام کے لائق بھی نہیں لیکن دوسرے لوگ تمہارے خلاف مجھے نامور گردانتے ہیں' خاص طور پر ڈاکیے کہ جو میری کٹیا کے راستے سے واقف ہیں۔ خط پر اگر صرف میرا نام ہو پھر بھی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بات تو تمہارے خط کے جواب میں ہوئی۔

اب یہ کہنا ہے کہ دل میں کسی وسوسے کو راہ نہ دیں اور اس دیار میں دربدر نہ پھریں۔ اپنے نصیب کی سعادت (اس ہی میں) سمجھیں کہ حضرت مولوی معنوی سید رجب علی خان بہادر خدا ان کی برکات کو دوام بخشے' کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ خدا کی قسم یہ یکتائے روزگار سخاوت و انسانیت میں خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ افسوس کہ تم نے ان کے ارشادات شاہانہ تحریر کر کے بطور سوغات کے مجھے نہ بھیجے۔ تمہیں میری جان کی قسم ہے کہ جب یہ خط تمہیں مل جائے اور اس کو پڑھ لو تو آستین (غلاف) میں رکھ کر اس بلند نظر یعنی مولوی رجب علی خان بہادر کی خدمت میں لے جاؤ اور میرا اسلام جہانہائے شوق و عالم ہائے آرزو کے ساتھ عرض کرو اور یہ خط اس مخدوم قدسی صفات کے ملاحظے میں لاؤ اور اس عرض کے ساتھ کہ (وہ) اس کو شروع سے آخر تک پڑھ لیں کہ میری ارادت و عقیدت کی بلندی کا اندازہ لگا سکیں۔ اور ہاں جواہر سنگھ تو دل میں یہ خیال نہ لانا کہ غالبؔ خوشامد گو اور دنیادار ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں فقیری میں غنی اور تہی دستی میں دولتمند ہوں۔ میں آسمان اور (اس کے) ستاروں کا احسان قبول نہیں کرتا اور شاہ و شہزادوں کی خوشامد گوئی نہیں کرتا۔ تو نے جو یہ لکھا ہے کہ مولوی سید رجب علی خان بہادر کا مسلک حیدر پرستی و حیدر ستائی ہے تو گویا مجھے ان کے ہاتھ فروخت کر دیا اور میرے دل کو ان کی محبت سے منور کر دیا۔ تو جانتا ہے کہ میں علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام کا غدم ہوں اور جس کسی کے متعلق سنتا ہوں کہ ان کا غلام ہے تو اس کو اپنا آقا تصور کرتا ہوں اور اپنے جسم کو اس کی بندگی کے حوالے کر دیتا ہوں۔

شعر

کنم از نبی روئے در بوتراب — بہ مہ بنگرم جلوۂ آفتاب

ترجمہ: نبی صلعم کی طرف سے جب (میں) بوتراب کی طرف رُخ کرتا ہوں (تو) چاند میں (مجھے) جلوۂ آفتاب نظر آتا ہے۔

زیزداں نشاطم بہ حیدر بود — ز قلزم بہ جو آب خوشتر بود

ترجمہ: خدا کے مقابلے میں مجھے حیدرؓ کے ساتھ (زیادہ) خوشی ہوتی ہے (چونکہ) سمندر کے مقابلے میں ندی کا پانی زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

نبی را پذیرم بہ پیمانِ او — خدا را پرستم بہ ایمان او

ترجمہ میں نبیؐ کو اس (حیدر) کے پیمان کی بنا پر قبول کرتا ہوں اور خدا کی پرستش اس (نبیؐ) کے ایمان کے سبب کرتا ہوں۔

مرا مایہ گر دل و گر جاں بود　　　ازو دانسم از خود زیزداں بود

ترجمہ اگر میرے دل و جان کی کوئی قیمت ہے (تو میں تو) اس کو (حیدر) ہی کا طفیل سمجھتا ہوں چاہیے یزداں کی عطا ہو۔

اسد اللہ نے منگل کے دن ۲۷ اپریل ۱۸۴۸ء کو تحریر کیا جواب طلب۔

خط۔۷

۴

جان من و جانانِ من، کیا دن تھا کہ تمہارا خط مد (جس میں) تحریر تمہاری تھی اور مہر میری۔ میں نے کہا سبحان اللہ یگانگت و اتحاد کے کیا اعلیٰ آثار ہیں کہ خط بھی میرے نام اور مہر بھی میرے نام کی۔ شعر

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ　　　خود رندِ سبو کش

خود برسرِ آں کوزہ خریدار بر آمد　　　بشکست و رواں شد

ترجمہ خود کوزہ، خود کوزہ گر، خود کوزے کی مٹی اور خود (ہی) رندِ مے خوار (ور) خود (ہی) اس کوزے کا خریدار بن کر ظاہر ہوا (اور پھر خود ہی اس کوزے کو) توڑ ڈالا اور چلتا بنا۔

تیری جان کی قسم اے جوہرِ خجستہ فطرت کہ جب وہ خط مجھے مد اور میں اس وقت تنہا تھا اپنے نام کے خط پر اپنی مہر کا نقش دیکھ کر جھوم اٹھا۔ حاصل کلام یہ کہ مجھے مُہر کے نگ کا انتظار تھا۔ کل منگل کے دن بائیس اکتوبر کو مد۔ بالیقین (اب) کشمیر میں کوئی مہر کن نہیں رہا۔ ع۔ محلس چوبر شکست تماشا بمارسید ترجمہ۔ جب محفل برخاست ہو چکی تب نظارہ ہمیں نصیب ہوا۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ دہلی کے شائقین میں سے تقریباً سو شخاص نے نگ بھیج کر کشمیر سے کندہ کرائے اور سب کے سب کو شرمندگی و خجالت ہوئی۔ اب ان سعادتمند کو (یعنی آپ کو) چاہیے کہ یہ دردسر مول نہ لیں اور دوبارہ مہر کی کھدائی کے لیے نگ نہ دیں۔ اس وقت اس فن میں بدرالدین کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ اب اگر اس نے بھی بر، نکھ تو سمجھتا ہوں یہ خوبی میری سرنوشت کی ہے۔ اب اس خط سے کہ جس میں مہر لپٹی ہوئی تھی یہ معلوم ہوا کہ آپ آ رہے ہیں اور جلد ہی آ رہے ہیں۔ آیئے ورد دیدار حسب آنکھوں کی دادرسی کیجئے۔

کل عجب اتفاق ہوا۔ دن ڈھلنے لگا تھا اور چونکہ ہیرا سنگھ (تمہارے چھوٹے بھائی) کی عادت ہے کہ جب مدرسے سے چھٹی ہوتی ہے تو میرے پاس آ جاتا ہے اور گھنٹے دو گھنٹے بیٹھتا ہے۔ (چنانچہ) کل بھی آیا تھا لیکن تھوڑی دیر بیٹھ اور چلا گیا۔ ابھی گیا ہی تھا کہ ٹپاکیہ آ پہنچا۔ لفافہ کھولا تو اس میں اپنی مہر اور رائے جی (چھجمل) کے نام کا خط مد۔ (میں نے) دل میں کہا کاش ہیر سنگھ نہ گیا ہوتا تا کہ (چھجملجی کے نام کا) یہ خط اس کو دے دیتا اور وہ لے جاتا۔ ابھی اپنے دل سے یہ بات کر ہی رہا تھا کہ رائے چھجمل آ گئے آ گے اور رام دیال بغل میں بقچہ دابے ان کے پیچھے پیچھے دروازے سے اندر آئے۔ (اسوقت تک میں) مہر صندوقچہ میں رکھ چکا تھا اپنے خط کو پھاڑ چکا

تھا اور اس (رائے چھجمل) کے نام کا خط ہاتھ میں تھا۔ واضح ہو کہ میرے دیرینہ دوست چھجمل ہفتے میں دو تین بار میرے پاس آتے ہیں اور دیر تک بیٹھتے ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان اگر کوئی اختلاف اور جھگڑا تھا تو وہ صرف جوئے کے اوپر تھا۔ (لیکن اب) جب کہ وہ ہم نشینی ہی تباہ ہوگئی ہے تو پیار و محبت ہی باقی رہ گئے ہیں۔ قصہ مختصر وہ خط میں نے ان کو دے دیا۔ انہوں نے پڑھا اور خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ خط بڑا بروقت پہنچا اور میرے لیے بڑے کام کا ہے۔ میں نے پوچھا بھلا کس طرح تو کہا کہ جواہر سنگھ کی ساس نے اپنی بیٹی کو امروہے بلایا ہے۔ میں چونکہ اس کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا تھا اور ان لوگوں کی خواہش کو نہ ماننے کا (بظاہر) کوئی سبب نظر نہیں آتا تھا اب اس خط کو امروہے بھیج دوں گا۔ ور لکھ دوں گا کہ چونکہ اس کا شوہر اس کے پاس آنے والا ہے اس کو کسی صورت امروہے نہیں بھیج سکتا۔ یہاں تک تو وہ بات تھی جو لالہ چھجمل نے مجھ سے کہی۔

کل خود (رائے چھجمل) آئے تو دو قسم کی دریز شائین لائے تھے۔ ان میں سے میں نے ایک منتخب کی اور تمہارے لیے پسند کی۔ اس سے بیشتر بھی ایک کپڑا جو انہوں نے تمہیں بھیجا ہے وہ (بھی) میرا پسند کردہ ہے۔ بے شک جس دن سے تم نے دریز کا واسکٹ اور شال کے لیے کہا ہے بیچارہ (رائے چھجمل) ہر روز جگہ جگہ ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ افسوس فرنگی مل فوت ہوگیا۔ یہ واسکٹیں اور قسم قسم کے کپڑے وہ لایا کرتا تھا اور فروخت کرتا تھا۔ (اب) اس کا بیٹا مٹرو اگرچہ باپ کے قدم پر قدم رکھتا ہے لیکن وہ مال جو وہ لاتا تھا یہ نہیں لا پاتا۔ اب کہ میری آنکھوں کا نور (یعنی تم) خود ہی آرہے ہو اور جاڑے کے بہت دن باقی ہیں اس قسم کی چیزوں کی خریداری کا (بہت) وقت ہے۔

آج اکتوبر کی ۲۳ تاریخ بدھ کے دن بوقت صبح جب یہ خط تحریر کر رہا تھا اور ارادہ تھا کہ اس کو ڈاک سے بھیجوں ہیرا سنگھ دوڑا دوڑا آیا ور رائے (چھجمل) کا حکم لایا کہ اگر جواہر سنگھ کے نام کوئی خط لکھا ہو تو مجھے بھیج دیں کہ اپنے خط کے ساتھ منسلک کرکے اس کو بھیج دوں۔ (چنانچہ میں نے) ایسا ہی کیا اور بغیر پتہ لکھے خط کو ہیرا سنگھ کے حوالے کردیا۔ اب اللہ تمہارے باپ کو توفیق دے کہ آج ہی ڈاک سے روانہ بھی کردے۔ والدعا اسداللہ کی طرف سے۔

ایک بات لکھنی بھول گیا تھا۔ اب خط ختم کرنے کے بعد تحریر کر رہا ہوں۔ تم بار بار لکھ رہے ہو کہ تاریخِ سلاطین تیموریہ یعنی (مہر نیمروز) میں سے جس قدر بھی ضبطِ تحریر میں آچکا ہے تمہیں بھیج دیا جائے۔ میری جان یہ محض کتاب کا لکھنا نہیں ہے۔ یہ جگر خون کرنا اور لہو چھاننا ہے۔ ابھی تک (تو صرف) حمد، مدح، نعت، ثنا، سبب تالیف کتاب اور امیر تیمور کے سارے احوال اور تھوڑے سے بابر کے بھی کچھ حال ناتمام ہی لکھے گئے ہیں۔ میرا طریقہ کار یہ ہے کہ علیحدہ علیحدہ کاغذوں پر مسودہ تیار کرکے تمہاری بھیجی ہوئی کتاب پر صاف کرتا ہوں اور تمہارے لیے محفوظ کر لیتا ہوں۔ سست قلم ہوں، بیمار ہوں، بے حوصلہ و بے دماغ ہوں۔ دیر میں لکھتا ہوں، تھوڑا تھوڑا لکھتا ہوں، کبھی کبھی لکھتا ہوں، بہرصورت جو کچھ بھی لکھتا ہوں تمہارے لیے تمہاری کتاب میں جمع کر لیتا ہوں۔ آؤ خود دیکھو ور لطف اٹھاؤ۔

خط۔۸

۵

اے اقبال مند! بارہ فروری کا لکھا ہوا خط ملا اور تمہاری مہر کا نقش ملاحظہ کیا۔ اس مصرع کی عبارت سے اتحاد کے جو معنی ظاہر ہوتے ہیں تم سے پوشیدہ نہیں ہوں گے۔ ہم بھی اس اتحاد (کے ضمن) میں تمہارے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ امید ہے کہ فن شاعری میں (آپ) بلند مرتبے پر پہنچیں گے اور اس نام سے مشہور ہوں گے۔

حضرت مولانا (سید رجب علی) مدظلہ العالی کے بیان کردہ جواب کے نہ پہنچنے پر آپ کی حیرت نے خود مجھے اچنبھے میں ڈال دیا۔ ان مبارک دنوں میں دو (کاندھے پر ڈالنے کی) چادریں، ایک شال رومال اور دو مہر زدہ گرامی نامے ولی نعمت (سید رجب علی) کی جانب سے مجھے ملے ہیں اور میں نے اس تینوں تحائف اور دونوں گرامی ناموں کا علیحدہ علیحدہ شکریہ ادا کر دیا ہے اور جواب لکھ دیا ہے۔ امید ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت پر خواجہ بندہ نواز کی نظرگاہ التفات سے گزرا ہوگا۔ تم سے میں یہ چاہتا ہوں کہ میری بندگی پہنچادو اور اس خط کو کہ تمہارے نام ہے مولانا کی نظر فیض اثر میں لے آؤ، اور میری احسان مندی کو از سرتو ان کے ذہن نشین کرادو۔ چندن بعد ایک علیحدہ عرضداشت کی صورت میں پیشانیِ قلم کو سجدہ ریز کروں گا۔ تمہیں میری جان کی قسم سستی نہ کرنا اور اس تحریر کو سیدی و مولائی سلمہ اللہ تعالیٰ (مولانا رجب علی) کے فروغ نظر سے منور کرنا۔

رائے چھجمل کہ جو چند اعزا اور رفقا کے ساتھ امروہے سدھارے ہیں تا حال واپس نہیں آئے۔ امید ہے کہ اس ہی ہفتے میں اقبال و سعادت کے ساتھ واپس آ جائیں گے۔ ہیرا سنگھ کی شادی تمہیں مبارک ہو۔

خدا کا شکر ہے مفسدوں کا ہنگامہ ختم ہوا اور خلق خدا کو نصرت نصیب ہوئی (یعنی فتح ملتان)۔ جو خار و خس باقی ہے جلد ہی صاف ہو جائے گا، در ملک پاک وصاف ہو جائے گا۔ قوی امکان ہے کہ اس غبار کے بیٹھ جانے پر تمہارا آقا تمہیں اجازت دے دے اور تمہاری اس طرف آنے کی کوئی صورت نکلے اور ہمیں تمہارا دیدار نصیب ہو۔

میر احمد حسین کہ تمہارے رفیق ہیں (یعنی شاگرد غالبؔ) اور میکشؔ تخلص کرتے ہیں لکھنؤ گئے ہوئے ہیں۔ ہر خط میں کہ وہ مجھے ارسال کرتے ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔

غیاث الدولہ حکیم رضی الدین حسین خان بہادر ہر ہفتے آنے کی زحمت نہیں کرتے۔ کبھی کبھی آتے ہیں۔ جب تمہارا پوچھتے ہیں تو تمہارا سلام و نیاز پہنچا دیتا ہوں۔ (ان کے) نقل مکانی کی وجہ سے بزم ہی ختم ہوگئی اور احباب کی وہ جمعیت ہی منتشر ہوگئی۔

تم نے سنا ہوگا کہ شہزادہ دارا بخت ولی عہد شاہ کا انتقال ہوگیا۔ اب شاہ دہلی چاہتے ہیں کہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو جو صمصام الدولہ احمد قلی خان کی بیٹی زینت محل بیگم کے بطن سے ہے ولی عہد بنا دیں۔ (اس کے برخلاف) فتح الملک عرف مرزا فخرو اس دلیل پر کہ وہ بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا ہے خود ولی عہدی کا دعویدار ہے۔ ابھی تک اس معاملے کا فیصلہ نہیں ہوا ہے اور خصوصاً اس ضمن میں گورنمنٹ کی طرف سے کوئی فرمان نہیں پہنچا۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بہ کہ باشد۔ ترجمہ: اب دیکھیں خدا کی کیا

مرضی ہے اور وہ کس کو چاہتا ہے۔

اچھا یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اب میں نے جو یہ (ساری) خبریں لکھ کر خامہ فرسائی کی ہے اور اُس سعادت مند (یعنی تم) سے ادلے کا بدلہ چاہتا ہوں (یعنی) خبروں کے عوض خبروں کا طالب ہوں۔ پہلے تو میرے مخدوم (سید رجب علی) کی خیریت لکھیں اور اس کے بعد میرا خط پڑھنے کے بعد جو کچھ بھی ان کی زبان گہرفشاں سے ادا ہو وہ تحریر کریں اور پھر اپنا احوال اور اپنے آنے کے بارے میں جیسا کہ میرا خیال ہے تحریر کریں۔ اور تیسرے یہ کہ اس عدالت (پنجاب ملتان) کا احوال لکھیں کہ مولراج کے بارے میں کیا حکم ہوا اور شیر سنگھ اور چتر سنگھ کا کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ افاغنہ (سرحدی افغانوں) کے غلبہ کی کیا چارہ گری کریں گے۔ والدعا اسد اللہ منگل کے دن بیس فروری ۱۸۴۹ء کو لکھا گیا۔ جواب طلب۔

خط۔۹

۶

اے سعادت مند! (تمہارے) ۲۰ اور ۲۵ فروری کے لکھے ہوئے خط یکے بعد دیگرے ملے۔ ایک رائے چھجمل کے امروہے سے آنے سے پہلے اور دوسرا ان کی واپسی کے دو دن بعد۔ پہلا خط بھی میں نے محفوظ کر رکھا تھا۔ دونوں رائے جی کو دکھائے۔ انہوں نے پڑھے اور تمہاری خیریت پر خدا کا شکر ادا کیا۔ لنگی کو ڈاک خانے میں امانت رکھ چھوڑا تھا۔ رائے صاحب کے آنے پر انہیں اور ان سے مجھے ملی۔ چونکہ میرے لائق نہیں تھی میں نے تمہیں واپس کر دی یعنی تمہارے والد کو لوٹا دی۔ اس ضمن میں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی پیسے چاہئیں اور نہ لنگی۔ میرا حکم مانیں اور جو کچھ بھی لکھتا ہوں اس کے خلاف نہ کریں۔ یعنی خیال رکھیں جیسے ہی ملتان کا راستہ کھلے اور (ملتانی) لنگیاں راہ ہو رآنا شروع ہوں ایک لنگی کہ جس کے تانے بانے میں ہرگز کوئی ریشمیں یا زریں تار نہ ہو اور ساری کی ساری ریسمان کی بنی ہو جسے ہندوستان میں سوت کہتے ہیں میرے لیے خرید کر بھیج دیں لیکن اس کے کنارے اطراف میں کالے اور اودے ہوں اور باریک دھاریاں بھی سیاہ اودی اور زرد ہونی چاہئیں۔ (کپڑا) باریک نرم اور ہلکا ہونا چاہیے ایسا کہ پیروں اور قلندروں کو زیب دے۔ لیکن ایسی جلدی بھی نہیں۔ جب بھی عمدہ اپنی پسند کی اور سستی ملے۔ فی الحال میرے پاس مولانا (سید رجب علی) کی عطا کردہ دو لنگیوں میں سے ایک اور ایک کالے صاحب (حاجی غلام نصیر الدین) کی عطا کردہ (دو لنگیاں) ہیں جنہیں سر پر باندھتا ہوں۔ اور مولانا کی دو لنگیوں میں سے ایک میں نے اس لیے کہا کہ اس میں سنہری لنگی میں نے حرم سرا میں دے دی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے رقم یا قیمتی زریں لنگی بھیجی تو وصول نہیں کروں گا۔

انگریزوں کی فتح اُس جماعت کے ہوا خواہوں کو مبارک ہو اور سکھوں کی شکست کا غم مہم پسندوں کو ہو۔ میں ان دونوں گروہوں میں سے نہیں۔ بارے تم نے کرم کیا کہ یہ خبر لکھ بھیجی۔ انگریزوں کے متعلق بے پر کی اڑانے والوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ تمہاری تحریر کی سند پر میں نے ان کے منہ پر مکا رسید کیا۔ میں نے پندرہ اشعار جو نچے۔ تین کو کاٹ دیا اور بارہ رکھ لئے۔ آخری شعر کو مقطع قرار

دیا اور اس کے دوسرے مصرع کا انداز بدل دیا۔ پہلے مصرع میں شب و روز اور دوسرے میں مہر و ماہ محسنات کلام میں ہیں۔ اسد اللہ۔ جمعہ کی رات کو لکھا گیا کہ صبح مارچ کی دوسری ہے۔ والدعا۔

خط۔۱۰

۷

اے سعادتمند صاحب تدبیر (ہرنی) جان، تمہارا خط اور اس میں منسلک مولانا (سید رجب علی خان) کا شفقت نامہ مجھے ملا۔ اور مجھے عطیہ کی آمد کا امیدوار بنا دیا اور میں نے اس خط کا جواب لکھ کر ڈاک میں تمہیں بیرنگ بھیجا ہے۔

آج منگل کا دن اور دسمبر کی ۲۷ تاریخ ہے۔ دولت موعود یعنی لنگی مجھے ملی۔ (لیکن) اس کے ساتھ خط کوئی نہیں تھا۔ ڈاکیہ نے بھی مجھ سے کچھ طلب نہیں کیا۔ عنوان پر نظر ڈالی تو اس پر پوسٹ پیڈ (Post Paid) لکھا ہوا تھا۔ اب چونکہ مجھے معلوم تھا کہ اس کیسہ میں کیا ہے لانے والے کو انعام دے کر (پارسل) کھولا۔ چادر (لنگی) دیکھی اور جھوم اٹھا اور پھولا نہ سمایا اور اسی وقت دونوں ٹکڑے جوڑ کر سر پر باندھی۔

واضح ہو کہ مجھے لنگی اس لیے چاہیے کہ سر پر باندھوں اور سر پر باندھ کر گھوموں پھروں۔ میں (عام) دھوبیوں کی طرح (لنگی) کاندھے پر نہیں ڈالتا۔ بارے مولانا کا جواب اور اس تحفہ کا شکریہ لکھا اور اس خط کو کہ جو تمہارے نام ہے اس کے ساتھ منسلک کر کے مولانا (سید رجب علی) کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

تمہارے خط سے (اپنے بھانجے مرزا) عباس بیگ کا احوال معلوم ہوا۔ خوشی ہوئی یہ حضرت مولانا (رجب علی خان) کی سرپرستی کے طفیل ہے۔ خدا اس بزرگ والانسب کو سلامت رکھے۔

(اب) تمہیں لکھتا ہوں کہ تمہارے متعلقین اور احباب خوش و خرم ہیں۔ کنہیا لعل میں (یعنی یکشنبہ ۱۱ فروری ۱۸۴۹ء مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۲۶۵ھ ۴ پھاگن سمت ۱۹۰۵ تمہارے چھوٹے بھائی) ہیرا سنگھ کی تقریب خانہ آبادی ہوگی۔ اسد اللہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۴۸ء بروز منگل۔

خط۔۱۱

۸

اے صاحب اقبال (تمہارے) مسرت افزا خط نے کہ جو ۱۳ دسمبر کا لکھا ہوا تھا پہنچ کر مجھے خوش کر دیا۔ اور جب اس ہی میں مولانا (سید رجب علی بہادر) کا خط ہونے اس نے میری خوشی کو دوبالا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ مولانا نے کوئی تحفہ ارسال کیا ہے۔ اس تحفے کو میں بخشش الٰہی اور اپنے لیے سند فخر سمجھتا ہوں۔ لوگ شاہوں اور شہزادوں کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے جو خلعت ملتا اس کے گوشہ کلاہ کو آسمان سے رگڑتے ہیں (تو) مجھے کہ بندۂ مرتضیٰ علی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں، جب ان کی اولاد کی ایک منتخب ہستی سے کوئی سوغات ملے تو اپنے اوپر کیوں ناز نہ کروں۔

مولانا کے خط کا جواب میں نے ابھی نہیں لکھا ہے۔ خیال یہ ہے جب وہ سبب افتخار پہنچ جائے تو جواب لکھوں۔ اور اس میں تحفے کے پہنچنے اور اپنی احسان مندی کی بات کروں۔ اور ہاں اے عزیز تراز جان یہ کیا واقعہ ہے کہ حضرت تو دو چادریں یعنی لنگیاں لکھتے ہیں اور تم ایک ہی بتدرہے ہو اور چونکہ خط بھی آنجناب نے خود لکھا ہے تو کاتب کی بھول بھی نہیں کہی جاسکتی۔ لازمی مولانا نے خط کے مطابق دو چادریں ہی دی ہیں۔ تم نے ایک بھیجی ہے اور دوسری رکھ لی ہے تاکہ دوسری چند دن بعد اپنے نام سے بھیجو اور میری فرمائش کے بوجھ سے سبکدوش ہو جاؤ۔

تفریح طبع کی ان باتوں کے بعد کہ از راہ محبت و مسرت تھیں عرض یہ ہے کہ تمہارے خط میں لکھا ہے کہ لنگی کا پارسل آج بھیج ہے اور یہ دسمبر کی تیرھویں تھی۔ آج کہ تیئیسویں ہوگئی ہے پارسل نہیں پہنچا اور ان صاحب اقبال نے یہ لکھا ہے کہ پندرہ دن کے عرصے میں پہنچے گا۔ یا خدا یہ انگریزی ڈاک کو کیا ہو گیا کہ لاہور سے دہلی تک دو ہفتے میں پہنچتی ہے تو کیا یہ چھ ماہ کی مسافت ہے؟ مظفر الدولہ (سیف الدین حیدر خان، نواب حسین مرزا یعنی معین الدولہ ذوالفقار الدین حیدر خان، ذوالفقار جنگ کے بڑے بھائی) نے لکھنؤ سے ایک کتاب کا پارسل بھیجا ہے۔ وہ تین دن میں لکھنؤ سے دہلی پہنچ گیا۔ اور ان دونوں مقامات یعنی لاہور اور لکھنؤ کا (دہلی سے) برابر کا فاصلہ ہے۔ خدا کی پناہ اگر وہ چادر کسی مسافر کو دے دیتے جو منزل بہ منزل چلتا ہے تو لازمی دسمبر ۱۸۴۹ء یعنی اگلے سال کے جاڑوں میں پہنچ جاتی۔ بہر حال یہ مسئلہ جواب مانگتا ہے۔ تمہارے والدین، تمہارے بھائی اور سارے متعلقین بخیر و عافیت ہیں۔ منجانب اسد ملتد مرسلہ ہفتہ ۲۳ دسمبر ۱۸۴۸ء۔

خط۔۱۲

۹

(خدا کرے) غالب کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور منشی جواہر سنگھ عمر و دولت سے بہرہ مند ہو۔ خط ملا لنگی ملی۔ غزل ملی، خط سے تمہاری خوشی و خرمی اور مہر نیمروز کے پہنچنے کی اطلاع ملی۔ بے شک و شبہ کھل اٹھا اس کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ لنگی اور غزل دونوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ میں لنگی تو اس لیے مانگ رہا ہوں کہ سر پر باندھوں اب تم خود انصاف کرو یہ سر پر باندھی جاسکتی ہے؟ یہ تو کسی کام کی نہیں ہے۔ (البتہ) گرمی کی راتوں میں بستر کی چادر اور جاڑے کے دنوں میں حمام کا تہمد (ہے) چلو دستار نہ ہونہ سہی غزل (ہو یہ وہ) بھی فضول ہے۔ لنگی دوبارہ بھیجیں اور غزل دوبارہ کہیں۔ والدعا منجانب اسد اللہ محررہ منگل ۲۳ مارچ ۱۸۵۵ء۔

خط۔۱۳

۱۰

(خدا کرے) سعادت مند و صاحب اقبال منشی جواہر سنگھ عمر و دولت سے بہرہ مند ہوں۔ نامہ دل افروز نے ورود کی خوش خبری پہنچائی۔

آب وہوا کی خرابی اور کوہستانیوں کی طبیعت کی سختی کا مجھے پہلے سے علم ہے۔ چونکہ ان عزیز تر از جان (یعنی تم نے) مکرر لکھا ہے خدا اپنی امان میں رکھے۔ ہیرا سنگھ مہر نیمروز ہی کے طریقے سے دیوان عارفؔ (زین العابدین خان) مرحوم بھی بھیج رہا ہے۔ اپنے وقت پر پہنچ جائے گا۔

مولوی رجب علی خان کا دوبارہ دہلی آنا ہوا۔ پہلی بار آئے تو چند دن آرام کر کے جودھپور کی طرف کہ جہاں راجھستان کے ایجنٹ بہادر (کرنل ہنری لارنس) وہاں تھے چلے گئے۔ واپس ہوئے تو دوبارہ دہلی آئے۔ چند دن بسر کئے اور وطن (جگراؤں) چلے گئے۔ کسی کو علم نہیں کہ کیوں گئے تھے اور کیسے واپس آئے۔ ان کا بڑا بیٹا راجھستان کی ایجنسی کی سررشتہ داری میں ملازم ہے اس سے ملنے گئے ہوں گے۔ اپنے چھوٹے بیٹے اور چھوٹے بھائی کو پہلی بار اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ واپسی پر وہ دونوں ساتھ نہیں تھے۔ یقیناً صاحب ایجنٹ بہادر کے حوالے کر آئے ہوں گے کہ دونوں کو کسی کام پر لگا دے۔ اس سے زیادہ ماسوائے آرزوئے دیدار کے اور کیا لکھوں۔ منجانب اسد اللہ محررہ ہفتہ ۱۶ مئی ۱۸۵۵ء۔

خط ۔ ۱۴

۱۱

میری جان اس وقت پریشانی حد سے زیادہ تھی اور دل (تمہاری) خیر کا طالب تھا۔ ہیرا سنگھ نے جو خط اس کے نام آیا تھا مجھے دکھایا۔ معلوم ہوا کہ پشاور پہنچ گئے ہیں اور شہر کی آب وہوا راس آئی ہے۔ خدا تندرست رکھے اور پہلے کاروبار سے بہتر کاروبار اور پہلے سے بہتر مرتبہ دلائے۔

(زین العابدین خان) عارفؔ کا دیوان رائے صاحب (چھجمل) کو دے دیا گیا۔ والا جاہ ضیا الدین (احمد) خان (نیرؔ رخشاںؔ) نے قیمت طلب نہیں کی ہے۔ جب کریں گے دے دی جائی گی۔ اتنی جلدی کاہے کو ہے! اگر یہ جانتا کہ جلدی ادا کرنی ہے تو تمہارے حکم کی تعمیل کرتا اور گیارہ روپے بھیج دیتا۔ چونکہ (ادھر سے) تقاضا نہیں ہے تو جلدی کی کیا ضرورت ہے۔

تمہارے اہل خانہ یہیں ہیں۔ امروہے نہیں گئے ہیں (اور) بقول ہیرا سنگھ کے خوش وخرم ہیں۔ ہیرا سنگھ کی بیوی کی موت کی خبر تم نے سنی ہوگی۔ افسوس جوان مرگئی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بچپن ہی میں مرگئی اور ہیرا سنگھ بغیر کسی ہمدم کے رہ گیا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اداس ہے۔

تم سے چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب جلد تحریر کرو۔ اور یہ بھی لکھو کہ قرض کی اور دوسری فضول نالشوں کا پورے طور پر فیصلہ ہوا یا ابھی تک اس لشکر کی گرد اور اس قافلے کی کچھ آگ باقی ہے۔ والدعا۔ منجانب اسد اللہ ہفتے کے دن ۶ مئی ۱۸۵۴ء کو سپرد ڈاک کیا گیا۔

خط۔۱۵

۱۲

اسد اللہ کی جانب سے دعا وصول کریں اور باوجود اس کے کہ (انہوں نے) مجھ کو فراموش کر دیا ہے مجھے اپنی یاد میں شمار کریں۔تمہاری تحریروں سے کہ جورائے جی (چھجمل) کے نام آ رہی ہیں یہ ٹپکتا ہے کہ بیوپار کا ارادہ رکھتے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ منافع کی ہوس میں (اپنا) سرمایہ بھی گنوا بیٹھیں۔میں اس رائے کو پسند نہیں کرتا اور تمہیں اس سے روکتا ہوں۔نوکری کا ارادہ کرو اور کسی دولتمند کا دامن پکڑو تا کہ کسی مرتبے پر پہنچ سکو۔ہرگز وقت ضائع نہ کرو۔

لکھنؤ کا حال تم سے مخفی نہیں۔اگر چہ امجد علی خان فوت ہو گیا ہے اور ابتدا میں مجھے (اس وجہ سے) مایوسی ہوئی تھی لیکن اب پھر کام ہوتا نظر آتا ہے اور معلوم یہ ہوا ہے کہ نوروز علی خان کی رسم وراہ نئے بادشاہ سے متوفی بادشاہ سے زیادہ ہے۔(نوروز علی خان نے) مجھے لکھا ہے کہ میں طلب نامہ جلد ہی بھجوا دوں گا۔قصہ مختصر اس تحریر سے میری یہ خواہش ہے کہ تم وہاں پر نوکری کے لیے آمادہ اور میری آواز کے منتظر رہو کہ تمہیں کب بلاتا ہوں۔عاقل کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

خط۔۱۶

۱۳

کامران،سعادت مند وصاحب اقبال منشی جواہر سنگھ جوہر کو دعا پہنچے۔اور (وہ مجھے) اپنا دعا گو جانیں۔تمہارے خط کو جورائے چھجمل کے نام آتے ہیں دیکھتا رہتا ہوں اور تمہاری سلامتی احوال پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔

کل شام کے وقت آنکھ کی پتلی ہیرا سنگھ تمہارا خط کہ جو تمہارے باپ کے نام تھا لایا۔میں نے پڑھا اور (اس سے) یہ معلوم ہوا کہ تمہارے قلم کی آوازِ تحریر میری شکایت کا راگ الاپ رہی ہے۔میری جان میں نے تو کوئی خط جواب دیئے بغیر نہیں چھوڑا اور تو لکھتا ہے کہ (تو نے) خط بھیجے ہیں اور میں نے جواب نہیں دیئے۔اب خود ہی فرمانہ آئے ہوئے خطوں کا کوئی جواب کس طرح لکھے۔

ہاں وہ بیاض جس کی رسید کی اطلاع میں نے نہیں دی تھی پہنچ گئی ہے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا لکھنا چاہیے اور اس بیاض کا کیا کروں۔اگر دیباچہ یا تقریظ چاہیے تھی تو چاہیے تھا کہ جو درکار تھا اس خط ہی میں تحریر کر دیتے اور مجھے بھیج دیتے کہ میں اس کو پڑھ کر مناسب نثر میں لکھ دیتا۔لیکن چونکہ ایسا نہیں کیا تو اب ایسا کریں کہ مجھے دوبارہ لکھ بھیجیں کہ کیا تحریر کروں۔جب کبھی سیدی و مولائی (سید رجب علی خان) کی محفل میں جانا ہو تو میری طرف سے کورنش وتسلیم پیش کریں۔منجانب اسد اللہ محررہ جمعرات ۱۳ راگست ۱۸۴۹ء۔

بنام دوتن از فرزانگان پنجاب

خط-۱

یک آسمان مروت کا آفتاب اور دوسرا مہتاب یعنی خجستہ مرتبہ مرزا محمد خان وہما سایہ مولانا مفتی برکت اللہ جو پریشان آہنگ غالب کے تارر ہے ہیں تو بے شک انہوں نے اس درویش نوازی سے خود اپنی شان میں اضافہ کیا ہے۔ بے رونق دوکان سے خریداری نیک لوگوں ہی کا کام ہے۔ اگر چہ ان کے اوصاف حسنہ کا شمار ممکن نہیں لیکن عدل وعطا کو افضل ترین نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فردوسی کہتا ہے۔

ع: تو دادو دہش کن فریدون توئی

ترجمہ : تو داد و دہش کر تو ہی فریدوں ہے۔

حضرات گرامی نے قاطع برہان کے اور اس کے منکر کے ضمن میں بڑی فیاضی اور وسیع القلبی سے کام لیا ہے اور آپ کی بات کی راستی و درستی نیز مجھ فقیر کو تسکین بخشنے میں فراخ دلی (کی بنا) پر میں تا بہ قیام گیتی آپ کا ثنا خواں رہوں گا اور اپنے نورِ نظر منشی جواہر سنگھ جوہر کا دعا گو کہ بے شک آپ جیسے عزیزوں سے روشناسی کا باعث ہوا۔ پیر بیس (۲۰) ذی قعد ۱۲۸۱ھ غالب۔

بنام آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی

خط-۱

نحلبندِ حدیقۂ تحقیق
آبیارِ گل و نهال و گیاه

ترجمہ (وہ ممدوح) تحقیق کے باغ کا مالی ہے اور پھول پودوں اور گھاس کی آبیاری کرنے والا ہے۔

ناخدائے سفینۂ معنی
آن محمد حسین والاجاه

ترجمہ: وہ والامرتبت محمد حسین کشتی معنی کا ناخدا (ہے)۔

سوئے من ناگرفت روی آورد
بر سرم گل زنامه زد ناگاه

ترجمہ: میری جانب غیر متوقع طور پر متوجہ ہوا اور خط لکھ کر (گویا) اچانک میرے سر پر پھول پھینکا۔

رندی و راستی شعار من است
مومنم لا آلـه الا الـلّـه

ترجمہ: رندی اور راستی (ہی) میرا شعار ہے لاالہ الا اللہ میں مومن ہوں۔

به ستودن اگرچه شادم کرد
من همان ناکسم سخن کوتاه

ترجمہ: میری تعریف کر کے اگرچہ انہوں نے مجھے خوش کر دیا لیکن قصہ کوتاہ میں وہی ناکس ہوں۔

من که می رنجم از نگه که مرا
در نظر نیست غیر روز سیاه

ترجمہ۔ میں تو (اپنی) نگاہ سے بھی آزردہ ہوں چونکہ مجھے ایام بربادی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

ویژه در آرزوئے دیدن اوست
که نگه داشتم به دیده نگاه

ترجمہ یہ جو میں نے (اپنی) آنکھوں میں بصارت کو (اب تک) سنبھالے رکھا ہے تو اس کا خصوصی سبب اسی کے دیدار کی آرزو ہے۔

سلطنت مہر و وفا کے منصف مزاج داور آغائے نام آور کہ جس نے اس مے معرفت کے بادہ کش اور ہوحق کے قلندرانہ نعرے مارنے والے کی ستائش کی ہے تو یقیناً ازروئے انصاف اپنی ذات ہی کو خستہ نوازی اور درویش ستائی کے لئے سراہا ہے۔ جناب

کی یاد آوری کو میں قدر دانی تو اس وقت تصور کرتا کہ مجھے اپنے آپ پر کسی کمال کا گمان ہوتا۔ چونکہ میں عز و جاہ سے بہرہ مند نہیں اور علم و ہنر سے کلیتاً عاری ہوں لہذا میرے لیے اس قدر افزائی کی شکر گذاری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ قاطع برہان کی پسندیدگی کے بارے میں جناب عالی کی تحریر نے مجھے عالمِ حیرت میں پہنچا دیا اور وہ اس لیے کہ اس تحریر کو دانشمندان ہند نے پسند نہیں کیا۔ وہ میرے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے اور میری بات ان کو نہیں بھاتی۔ ان لوگوں میں سے ایک جو اس زور آزمائی اور جور و تشدد میں خوفناک شیر اور پھنیر سانپ کی مانند ہے اور نالایق' احمق' فارسی سے نابلد' اور تازی سے لاعلم شخص ہے' وہ تو ایسا مغلوب الغضب ہو گیا کہ دیوانوں کی طرح منہ سے جھاگ نکلنے لگے اور اس تھوک سے جس طرح ابر سے اولے برستے ہیں اسی طرح برف کے گولے گرنے لگے۔ جناب عالی یہ کہ سمجھ گئے ہونگے کہ میں نے کیا کہا اور اس بیان سے میرا کیا مطلب ہے۔ ایک کم اصل نے کتاب لکھ ماری اور اس پوچ نامہ میں مصنف برہان قاطع کو جو دکن کا ایک عام آدمی ہے' ہمہ دان قرار دے دیا اور غالبؔ کو کہ جس کی بجز فرزانگان پارس کی زباندانی کے کوئی اور خط نہیں' بزبان قلم گالیاں دینا شروع کر دیں۔ آپ اس کو مبالغہ نہ سمجھیں اور تصور کریں کہ جس طرح ہیجڑے ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے تالیاں بجاتے ہیں اور جس طرح ہولی کے تہوار میں قومِ ہنود کے بازاری لوگ سارنگی بجاتے اور ڈھول پیٹتے ہوئے جو کچھ کہتے ہیں وہی کہا بلکہ اس سے بڑھ کر ناروا کہا۔ افسوس کہ دنیا کی عدالت گاہ سخن میں کوئی میر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامیؔ جیسا مفتی نہیں تا کہ یہ آدمی صورت، شیطان سیرت اس مذمت بے جا کا بدلہ اور ملامتِ ناجائز کی سزا پاتا۔ ناچار اس قدر خوشی (ہے) کہ جب کبھی خردمندانِ سخن دان اس نگارش بے دانش' کو دیکھیں گے (تو) اس اچھے اور برے شعر میں تمیز نہ کر سکنے والے کی شیخی اس کے تمسخر کا سبب بنے گی۔ دشمن کا گلہ دوست کا تحفہ ہوتا ہے میں صرف اس بات کا خواہاں ہوں کہ اب جو دونوں جانب سے یہ خط و کتابت کا تعلق قائم ہو گیا ہے تو یہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اور سانس کی طرح آنے جانے کا عمل متواتر اور مسلسل جاری رہے۔ ایک دوسرے کے مقاصد مائل بہ محبت ہوں اور خدا کرے کہ یہ باہمی محبت ہمیشہ قائم رہے۔

بنام میر غلام بابا خان صاحب بہادر

خط-۱

اے عالی جاہ! اے بلند مرتبت۔ صحیفہ قدسی کے ورود نے دل کی توانائی اور جسم کی روح میں بالیدگی پیدا کردی۔ اللہ اللہ دکان بے رونق کے خریدار ایسے ہی تو ہوتے ہیں جو کسی درویش' غمزدہ' اندوہگیں' گوشہ نشین شخص کو خط کے ذریعے یاد کرتے ہیں۔ ہاں ہاں' آفتاب فلک اپنی نور گستری میں ذرۂ خاک سے دریغ نہیں کرتا اور ابر بہار جو گل ولالہ وریحان کی پرورش کرتا ہے وہ شورزار سرابستان پر بھی برستا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اس کے بعد (جناب عالی) میرا نام اپنے مخلصین خالص الخدمص میں لکھ لینگے۔ سپہرِ جہاں گرد کے پائے زمیں پیما میں بھاری بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اب کچھ ایسا کریں کہ اس کے کاندھے اپنے بچوں کی نگہداشت کے بوجھ سے زخمی نہ ہو پائیں اور (وہ) بندغم سے آزاد ہوجائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ (میں نے) فرط محبت کے سبب لکھا ہے۔ والسلام بہزاراں احترام۔ روزافزوں محبت کا طالب فلک زدہ غالبؔ' ۱۲ ہفتہ-۷ مئی ۱۸۶۴ء فقط۔

''اڑا جاؤں کیا دیوانہ ہوں۔ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں آپ کی عنایت سے بزرگوں کی دعا سے خوش وخرم ہوں اور اپنی عزت آبرو سے بسر کرتا ہوں۔ خدا ایک وقت تم کو یہاں لاوے تو سب حال کھل جاوے۔ زیادہ کہنا زیادہ ہے۔ فقط۔

بنام نول کشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار

خط-۱

بنام خدا۔ آج میں اک ایسے شخص سے باتیں کررہا ہوں کہ جس کا چہرہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا لیکن میرا دل جس کی محبت کا گرویدہ ہے۔ آنکھیں اس کے دیدار کی طلبگار ہیں اور روئے دل اس کی جانب (ہے)۔ اس خط کی عبارت پر جو مجھے ایک دوست سے ملا آنکھ کی پتلی اور سویدائے دل میں جنگ چھڑ گئی۔ وہ یہ چاہتی تھی کہ سارے کا سارا اسے مل جائے اور یہ چاہتا تھا کہ سب کچھ یہ لے اڑے۔ مجھے درمیان آنا پڑا اور دونوں کو اس لڑائی سے روکا یہاں تک کہ دونوں کو اپنا حصہ مل گیا اور (یوں) صلح ہوگئی۔ (اب) آنکھ کو فروغ مبارک اور دل کو فراغ نصیب ہو۔

میں نے زبان فارسی میں بہت شعر کہے ہیں اور خطوط بھی لکھے ہیں۔ اب کہ ضعف کے سبب دل اس کاوش کا متحمل نہیں ہوسکتا تو میں نے ایک آسان راستہ ڈھونڈ لیا ہے اور مجھے جو کچھ بھی لکھنا ہوتا ہے اردو میں لکھتا ہوں۔ گویا کہ بات چیت کو نقل کر کے خط کے طور پر دوستوں کو بھیجتا ہوں۔ معاذ اللہ! اگر اردو میں سخن آرائی اور خودنمائی میرا شیوہ ہو۔ جو بات نزدیکوں سے کی جاسکتی ہے وہی دور والوں کو لکھ دی جاتی ہے۔ مقصد محض اظہار مدعا ہے اور کچھ نہیں۔ یہ لیجئے میں نے جناب کے حکم کی تعمیل کردی اور یہ خط عربی آمیز فارسی میں لکھ دیا۔

میری (فارسی) نثر کے تین مجموعے ہیں۔ پنج آہنگ، مہر نیمروز اور دستنبو۔ تعجب نہیں کہ لکھنو میں بھی لوگوں کے پاس یہ مشہور کتابیں ہوں۔ اگر آپ کو فارسی نگارشات پڑھنے کا شوق ہو تو یہ تحریریں مہیا کیوں نہیں کرلیتے۔ میرا تو اب کافور و کفن سے واسطہ پڑنے کا وقت ہے۔ پینسٹھ سال جیا اور پچاس سال سخن سرائی کی۔ بہرصورت ہر آغاز کا ایک انجام تو ہوتا ہے۔ آپ کی طرف سے اودھ اخبار ہر ماہ چار بار آیا کرے گا اور میری طرف سے سال میں دوبار (اس کے معاوضہ کی) ادائیگی ہوگی۔ اگر آپ کو منظور ہے تو مجھے بھی منظور ہے۔ اقبال مند میاں داد خان سیاح کو دعا کہتا ہوں۔ اپنے ایک دوست سے کہہ رکھا ہے کہ فارسی کی چند غزلیں نقل کر کے دے دے۔ جیسے ہی وہ لاتا ہے میں آپ کو روانہ کردوں گا۔ تحریر کردہ وارسال کردہ بروز بدھ ۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء۔

بابِ دوّم

بنام نواب علاؤالدین احمد خان بہادر

خط۔۱

جانشین غالب کو غالب کی دعا۔ آپ کا خط اور برادر گرامی (نواب امین الدین احمد خان) کا پیغام پہنچا۔ ہائے ہائے کس قدر بے درد اور بدظن (شخص) ہے کہ (میری) بات نہیں مانتا اور سمجھتا ہے کہ میں اب بھی شعر کہہ سکتا ہوں۔ گدھا نہیں، ریچھ نہیں، آدم زاد ہے، جاہل نہیں عالم ہے، بچہ نہیں بڑا ہے، جوان ہے اور خدا اس کو بڑھاپا دکھائے (بھلا) وہ شخص کہ پاؤں نہیں رکھتا کس طرح چلے (اور) جس کے ہاتھ نہیں کام کس طرح کرے (اور) جس کا دل و دماغ (باقی) نہ رہا ہو سخن گوئی کس طرح کرے۔ وہ کہے گا کہ دل کیوں نہیں ہے اور دماغ کیوں نہیں ہے (دونوں موجود ہیں) اے ظالم ناترس، دل ہے لیکن غمگین، دماغ ہے لیکن افسردہ۔ وہ جس نے میرے جسم میں دل اور دماغ پیدا کیا ہے اس نے مجھ سے توانائی فکر، تابانی اندیشہ، ذوق شعر گوئی اور اسلوب قافیہ واپس لے لیے ہیں اور جس طرح کہ اہل ہند کہتے ہیں داتا کے تیئں گن دے، نہ دے، دے کے چھین لے۔ قصہ مختصر اس ہی زمین میں یک غزل میرے مطبوعہ دیوان میں ہے جو میں نے کلکتہ میں کہی تھی۔ اس کی ایک نقل بھیج رہا ہوں۔ بھائی صاحب کی نذر نادرست ہیں میں پہنچا دیں۔

غزل

سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دہیم
رنگ شو اے خون گرم تا بہ پریدن دہیم

ترجمہ: ہمارا جگر جل گیا۔ (آخر) کب تک اس کو (قطرہ قطرہ) ٹپکنے کا دکھ دیتے رہیں۔ اے خون جگر (تو) رنگ بن جا کہ یکبارگی تجھ کو اڑا کر فراغت حاصل کریں۔

عرصۂ شوقِ ترا مشتِ غباریم ما
تن چون بریزد ز ہم ہم بہ تپیدن دہیم

ترجمہ: تیرے میدان شوق میں ہم ایک مشتِ غبار (کی حیثیت رکھتے) ہیں۔ جب جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تب بھی ہم اسے تڑپاتے ہیں۔

جلوہ غلط کردہ اندرخ بکشا تا زمہر
ذرّہ و پروانہ را مژدۂ دیدن دہیم

ترجمہ۔ جلوۂ (حق ہی کو قضا و قدر نے) الٹ پٹ کر دیا ہے۔ تو چہرہ کھول دے کہ سورج سے ذرے اور پروانے دونوں کو دیدار حق کی خوش خبری دی جا سکے۔

سبزۂ مادر عدم تشنۂ برق بلاست
درره سیل بہار شرح دمیدن دہیم

ترجمہ: ہمارے (وجود کا) سبزہ عدم (ہی سے) برق بد کا پیاسا ہے۔ (ہم زبان حال سے) سیل بہار کے (عین) راستے میں پھولنے پھلنے کی شرح کر رہے ہیں۔

بو کہ بہ مستی زنیم برسر دستار گل
تا مئے گلفام را مزدِ رسیدن دہیم

ترجمہ: ہوسکتا ہے کہ ہم مستی میں اپنی پگڑی میں پھول سجائیں (اور اس طرح) مئے گلفام کو اس کے رچاؤ کی اجرت دیں۔

براثر کوہکن نالہ فرستادہ ایم
تا جگرِ سنگ را ذوقِ دریدن دہیم

ترجمہ: کوہکن (یعنی فرہاد) کی پیروی میں ہم نے (اپنی) فریاد (پتھر کو) پہنچادی کہ پتھر کے جگر کو بھی شق ہونے کی لذت سے آشنا کردیں۔

شیوۂ تسلیمِ ما بودہ تواضع طلب
در خمِ محراب تیغ تن بخمیدن دہیم

ترجمہ (چونکہ) ہمارا شیوہ تسلیم تواضع طلب رہا ہے (اس لیے) تلوار کے خم محراب میں ہم اپنا جسم (گردن) جھکا دیتے ہیں۔

دامن از آلودگی سخت گران گشتہ است
وہ کہ آرد زپا بہ کہ بچیدن دہیم

ترجمہ۔ ہمارا دامن آلودگی کی وجہ سے بہت بھاری ہوگیا ہے۔ افسوس اگر وہ ہمیں گرادے زہے نصیب اگر ہم اس کو اٹھالیں۔

خیز گر رازِ دروں در جگرِ نے دمیم
نالۂ خودرا ز خویش دادِ شنیدن دہیم

ترجمہ اٹھ کہ ہم راز داروں کو نے کے جگر میں پھونک دیں (اور اس طرح) اپنے نالے کی سماعت کی داد دیں۔

غالبؔ از اوراقِ ما نقشِ ظہوریؔ دمید
سرمۂ حیرت کشیم دیدہ بدیدن دہیم

ترجمہ: (اے) غالبؔ ہمارے اوراق (تحریر۔اشعار) سے تو ظہوریؔ کا نقش (رنگ) پیدا ہوگیا (اور نتیجۃً) ہم (یہ ماجرا) حیرت کا سرمہ آنکھوں میں لگائے (بیٹھے) دیکھ رہے ہیں۔

خط۔۲

عقولِ سزاوار اور افکارِ بالغہ کو (قضاوقدر نے) خداتعالیٰ کی درگاہِ دشوار گزار میں بار نہیں دی ہے اور بصیرت و دانش میں سے کسی دیدہ ور صاحبِ دانش پر بجز اس آگاہی کے کہ ہمہ از دست یا ہمہ اوست کچھ نہیں کھو۔ ہے۔ او۔ عقل کہ (خدا کی) مخلوق اوّل ہے یہی شایان شان ہے کہ ہمہ داں وہمہ بیں ہو۔ یقیناً اس کے بعد جو کچھ بھی معرضِ ظہور میں ^ تا ہے (س کو)، ہیئت کا یہ حاقتور فرشتہ عیاں کر سکتا ہے۔ (لیکن) کلام اس میں ہے کہ وہ ہست و بود کو کہ جو اس کی بھی تخلیق سے پہلے کا واقعہ ہے، کس طرح سمجھ سکتی ہے۔ (تو) جب عقل ہم سے بھی زیادہ درماندہ ہو تو ہم کہ عقل کے ایک تھوڑے سے حصے کے ،لک ہیں' (اس) خردآفرین کے سمجھنے میں کیوں نہ لاچار ہوں۔ (تو) بھلا کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم خدا کو خالق (،نیں) اور عقل کو جو آفرینش میں کلام کا فریستان (یا نورستان) خرد کا پرتو ہو سکتی ہے ہمدم وہمراز جانیں۔ عقل کے موتی کو سخن کے ترازو میں تولیں اور آہنگِ سخن کو عقل کے سانچے میں ڈھالیں۔ وہ زبان و بیان ہو یا حکمت و دانش یہ لطف خداوندی اور آمیزۂ کرمِ الٰہی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اس علم کی ضروریات کا معلّم (حقیقی) سے سیکھنا اور زبان و بیان کے راہ شناس کی پیروی میں یہ راہ طے کرنا ہی تہذیب کہلاتا ہے۔ تو اے دوست یہ دیکھو کہ میرے نامور، روشن دل اور اور روشن گہر برادر زادہ مرزا علاؤالدین خان بہادر کہ جنہوں نے عقلِ خداداد کی روشنی میں میری رہنمائی میں راہ سخن طے کی ہے' (انہوں نے) میرے بڑھاپے اور بزمِ سخن سرائی میں اپنی جوانی کے دوران مجھ سے میری جگہ چھین لی۔ چنانچہ جس طرح وہ قرابت داری اور یگانگت میں میری جہاں بیں آنکھ کی پتلی ہے' ہنرمندی اور تدبّر کی مسند پر میرا جانشین بھی ہے۔ (خدا کرے کہ) اس نوجوان کی فکر کی تنومندی کے باعث، اسلوبِ سخن ہمیشہ نیا (رہے) اور میرے عقیدت مندوں کا دل اس کی محبت میں رہن رہے۔ غالب۔

بنام میر ولایت علی صاحب مخاطب بہ شرف الدولہ

اسد اللہ گم کردہ راہ کی طرف سے

خط۔۱

خدا کی لعنت مجھ پر کہ (میں نے) شاہزادہ والا مقام (نصیر الدین حیدر ولی عہد شاہ اودھ) کے حضور زمین بوسی کی آرزو کی اور وہ بھی آپ کی وساطت سے۔ مجھے بہر طور یقین ہے کہ اہل عقل کو اس کا علم ہے کہ میرے گوہر تابان کی تابانی میں کہ جس کی چمک دمک ایک عطیۂ الٰہی ہے اس تقصیر کے باعث کہ جو قدر ناشناسوں کی جانب سے ہوئی، کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ لیکن وہ ادا کہ جو طور طریقے کے مطابق نہ ہو بھلا (میری) طبیعت کو کس طرح گوارا ہو سکتی ہے۔ اس ہی دفعہ شاہزادے سے نہیں ملا ہوں بلکہ اس سے پہلے بھی دو بار اُس نشیمن باسعادت میں گیا ہوں۔ اور ہر دو بار (انہوں نے مجھے) فوراً باریابی بخشی ہے اور دیر تک بٹھایا ہے اور میری عزت افزائی کی ہے۔ لیکن اس بار شاہزادے کے رویے کو فطری نہیں کہا جا سکتا۔ یقیناً میرے آنے سے پیشتر ہی اس بات کا فیصلہ کیا جا چکا تھا کہ تھوڑی دیر مجھے پاسبانوں کے ساتھ بٹھایا جائے اور جب تک کہ شہزادہ کو صندوقچے کے مشغلے میں نہ لگا لیا جائے مجھے حضور میں نہ بلایا جائے اور جب سامنے آؤں حضرت صاحب عالم اظہار التفات نہ کریں اور مجھے بیٹھنے کی اجازت نہ دیں۔ گویا کہ شاہزادہ ایک ورق سادہ ہے کہ نقاشوں اور رنگ آمیزوں کے ہاتھ میں آ پڑا ہے تاکہ رنگ رنگ کے ڈول ڈالیں اور طرح طرح کے نقش بنائیں۔ قصہ مختصر تقریب اور چیز ہے اور تخریب اور۔ ہم آپ سے مقرب (کا کردار) چاہتے تھے نہ کہ مخرب کا۔ ع۔ خود غلط بود انچہ ماپنداشیتم۔

ترجمہ: دراصل جو ہم سمجھ رہے تھے وہی غلط تھا۔

افسوس شہزادہ کی زمین بوسی کا ارادہ کرنے اور پھر آپ سے مروّت کی امید رکھنے پر۔ ہم شاہ پرستوں میں ہیں اور کشور کشاؤں کے دست تیغ آزما ہی سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ (بھلا) زاویہ نشینوں سے ہمارا کیا تعلق اور رشتہ شکستگاں سے کیا تعلق۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں اس تحریر کے ذریعے آپ سے تلافی کا خواہشمند ہوں۔ (نہیں) میرا مقصد تو آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ آپ یہ نہ جانیں کہ میں نہیں سمجھتا۔ والسلام۔

بنام تفضل حسین خان صاحب مرحوم

(خیرآبادی)

خط۔۱

حضرت سلامت! وہ شفقت نامہ کہ جس نے روانگی کے پرچے پورے کھولے تھے اپنی دل فریبی اور امید افزائی کے باعث دل کا غم ہی نہیں (سارے کا سارا) دل ہی لے اڑا۔ چونکہ جے پور جناب عالی کی قیامگاہ نہیں اس لیے میں نے جواب لکھنے میں تامل کیا۔ اب کہ دو ہفتے سے زائد گزر چکے ہیں سمجھتا ہوں کہ (آپ) جے پور سے اجمیر پہنچ چکے ہوں گے۔ (چنانچہ) یہ خط اجمیر بھیج رہا ہوں اور محصول ڈاک آپ کے ذمہ ڈال رہا ہوں۔ لازمی عام خیال یہی ہے کہ ڈاک کے اہلکار بیرنگ خط کے پہنچانے میں زیادہ محصول کے حصول کی امید پر زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

اے آقائے بندہ پرور اس سے پیشتر کمینتا اپنے سے شرمندہ تھا کہ ایک صاحب مرتبہ کی مدح سرائی کر کے دست سوال دراز کیا۔ (اور) اب آپ سے شرمسار ہوں کہ بار بار زحمت اٹھا رہے ہیں۔ فرنگی فقیروں کی سفارش (بھی) گوارا کر لیتے ہیں۔ آپ برابر سفارش کرتے رہے اور آپ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ ابھی مزید کہنے کی ضرورت باقی ہے۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ میں احسان مند اور شکر گزار ہوں تو خدائے منصف کی قسم کہ میں احسان مند بھی ہوں اور شکر گزار بھی۔ اور شکر گزار کیوں نہ ہوں کہ آپ نے جیسا کہ چاہیے تھا اپنے تلطف و غمخواری کا حق ادا کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ اس ہی خط میں جس کا جواب تحریر کر رہا ہوں آپ کے قلمِ مہرباں رقم نے لکھا تھا کہ آپ نے کوئی فضیلت کا حکم نواب صاحب (وزیر الدولہ نواب ٹونک) کی زبان سے میرے حق میں سنا ہے۔ اور اس کے بعد آپ سلسلہ جنبانی کریں گے کہ وہ حکم جاری کیا جائے۔ گویا اس حکم کا اجرا (آپ کی) تحریک پر موقوف ہے۔ غرضیکہ دلِ مضطرب کو سکون ہوا۔

بات دراصل یہ ہے کہ مجھے ان دنوں ایک ضرورت کے تحت اکبرآباد جانا پڑ رہا ہے تا کہ لفٹنٹ گورنر بہادر (Sir Charles Theophilus Metecalfe) سے جو میرا پرانا آشنا و مربی و غمخوار ہے اپنا درد دل بیان کروں۔ اب صرف اس کا منتظر ہوں کہ ایک دو بارشیں ہو جائیں، ہوا سرد اور زمین (ذرا) ٹھنڈی ہو جائے تو عزم سفر کروں اور آگرے کا راستہ پکڑوں۔ اور اس کام میں لامحالہ کم از کم ایک مہینہ لگے گا اور اس صورت حال میں کیا ہی اچھا ہو اگر ان چار ہفتوں کے اندر اندر جس قسم کا جواب بھی کہ ممکن ہو مجھے مل جائے تا کہ (Sir Thomas Herbert Maddock) باڈک صاحب کا مہر زدہ خط بھی میرے پاس ہو اور اس وسوسے اور پریشانی سے آزاد ہوں کہ آپ کا خط دہلی پہنچے اور ڈاک کے ہرکارے مجھے نہ پا کر خط آپ کو لوٹا دیں۔ چونکہ مہربانی و شفقت کا مرتبہ دور اندیشی کے مقابلے

میں برتر رکھا گیا ہے میری خواہش ہے کہ اس آغاز (کار) کو انجام تک پہنچائیں اور اس کام کو اس ماہ کے اندر اندر ختم کر دیں۔
مرزا علی بخش خان (رنجور) سلام کہتے ہیں اور فخر الدین (پسرِ رنجور) تسلیمات عرض کرتا ہے۔ مشفق و مکرمی سید ارشاد حسین صاحب (آپ کے بھائی) کی خدمت میں میرا اسلام پہنچے اور (ان کو) خط نہ لکھنے کی معافی چاہتا ہوں اور (ان کو) خط کسی اور وقت کے لیے ملتوی کرتا ہوں والسلام مع الاکرام اور چونکہ ضروری ہے اس لیے (لکھتا ہوں) جواب طلب۔ منجانب اسد اللہ بے ادب۔

خط۔۲

بخدمت و فرلبسرت بھائیوں کو پناہ دینے والا، مرکزِ امید کا سرمایۂ خدا اس کو زندہ رکھے! (یہ فدوی) قلم کی زبان سے جو دل کا ترجمان اور شوق کا ایلچی ہے بات کرتا ہے۔

اس سے پیشتر میرے مشفق طالع یار خان نے آپ کا گرامی نامہ مجھے دیا تھا اس کا جواب اسی ہی دن لکھ کر میں نے اُس پسندیدہ خصلت کے حوالے کر دیا ہے اور دو تین دن بعد مجھے خبر ملی کہ سرکاری ملازموں میں سے صرصر نامی ایک ہرکارہ اس خط کو لے گیا۔

یہ چند دن کہ طالع یار خان شہر میں قیام پذیر تھے اچھے گزرے کہ کبھی کبھی ساتھ بیٹھتے تو اُس یکتائے گیتی (یعنی آپ) کے اخلاق حمیدہ کی بات بھی ہوتی۔

ایک ہفتے سے زیادہ نہ گزرا ہوگا کہ مکرمی قاضی فصیح الدین بداؤنی کا آگرے سے دہلی آنا ہوا۔ چونکہ آپ سے مل کر آئے تھے اور اُس بزم ہی سے آنا ہوا تھا اس لئے آپ کا ٹونک سے متھرا جانا اور متھرا سے اکبر آباد (جانے کا حال) مجھے بتایا۔ اُس خجستہ صفت کو بھی اپنی طرح آپ کی تعریف و توصیف میں اپنا ہم زبان پایا۔ مجھ سے رخصت ہوئے آج تیسرا دن ہے۔ میرا اسلام لے گئے ہیں کہ آپ کو پہنچائیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ آپ بھی جلد ہی آگرے سے عازمِ ٹونک ہوں۔ اور جب اس مبارک منزل پہنچیں تو یہ خط کہ طالع یار خان کے حوالے کر رہا ہوں آپ کی نظر سے بھی گزرے۔

واضح ہو کہ اس بار طالع یار خان نے کہ میرے قدیم دوست ہیں ایک بڑا بوجھ میرے کاندھوں پر ڈال دیا۔ (یعنی) ہندی کی ایک عبارت کا جو بانک کے داؤ پیچ پر مشتمل تھی فارسی میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی اور اس کام کی تکمیل کو والا صفت عالی جناب نواب (صاحب ٹونک نواب وزیر محمد خان) کی خاطر اقدس کی خوشنودی کا سبب بتایا۔ چونکہ میں بلند مرتبت کے خوانِ نعمت کا ریزہ چین رہا ہوں اور شکر یہ (احسان) مجھ پر واجب تھا (اس لیے) توسنِ خامہ کو (میں نے) اس تنگ گزرگاہ پر دوڑا دیا۔ اُس صحیفے کو کہ دیباچہ و خاتمہ دونوں رکھتا ہے ترتیب دے کر کارفرما کے حوالے کر دیا۔ (البتہ) اس میں ایک عرضداشت کا اضافہ کر دیا تا کہ (نواب صاحب موصوف کی) میرے نام ایک سندِ توصیفی کی آرزو کی تکمیل کا سبب بن جائے۔

دیباچے کے اسلوب کی خوبی کی داد پہلے تو آپ سے اور اس کے بعد مطاعی و مخدومی ظہور الدین علی سے کہ خدا ان کی برکات

کو ہمیشہ قائم رکھے چاہتا ہوں۔ وہ ملاحظہ کریں اور اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ (میں نے) ممدوح کو اس دیباچے میں کس زبان سے (یاد کیا ہے) اور فنِ بانک کی تعریف میں کہ جس کی حقیقت کسی سے مخفی نہیں، بات کو کس مرتبے پر پہنچا دیا ہے۔ اور ان ساری خوبیوں کے ساتھ کیا دیباچہ اور کیا نفسِ رسالہ اسلوبِ تحریر کی جدت اور اظہار و بیان کے اچھوتے پن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نفس مضمون اپنی خاص روش کے مطابق قائم رہا ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کے باوجود جانتا ہوں کہ میرا اپنی جادونگاری پر فخر کرنا اس وقت جائز ہوگا اور مجھے اپنی جان گدازی کی داد (صرف) اس وقت مل سکے گی کہ جب رفیع الشان نواب سلطان نشان کے غلام میرے طرزِ اظہار کو پسند کریں گے۔

جب بات یہاں تک پہنچی اور عرض مدعا بھی مکمل ہوگیا، قلم اپنے ہاتھ سے رکھتا ہوں اور خط کو تہ کرتا ہوں۔ عمر دراز ہو اور دولت روز افزوں۔

خط۔۳

قبلہ جان و دل (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)! اپنی تقصیر کی معذرت چاہتا ہوں اور (اپنے) دوست کی کریمی پر بھروسہ کرتے ہوئے سخن آغاز کرتا ہوں۔ اُس خدا کی قسم کہ جس نے نورِ عقل کو دل و جان میں اور خزانۂ سخن کو زبان میں ودیعت کیا کہ میں جنابِ عالی سے خوش ہوں اور جس طرح خدا کے وجود پر خوش گمان ہوں اسی طرح یہ بھی سمجھتا ہوں کہ میری حاجت برآری میں آپ انتہائی کوشاں ہیں۔ (لیکن) جب کام (خود) ہی نہ ہوتا ہو اور جب سننے والا بات پر کان نہ دھرتا اور عمل پر آمادہ نہ ہو (تو بھلا) حضرت کیا کریں اور دوسرے سے میری خواہش دل کی جبراً کس طرح تعمیل کرائیں۔ (دراصل) اس ضمن میں مجھ ہی کو چاہیے تھا کہ میں مقصود سے قطع نظر کرتا اور اپنے دوست کو زیادہ زحمت نہ دیتا اور خدا گواہ ہے کہ (واقعی میں) قطع نظر کر چکا ہوں اور اپنے کئے پر پشیمان ہو چکا ہوں۔

اس خط سے ہرگز ہرگز یہ نہ خیال کیجئے گا کہ غالبؔ کج فکر ایک فقیر ہے اور حجت کرنے کا عادی۔ بلکہ یہ خط ایک سوال پر مبنی ہے جس کا مجھے جواب چاہیے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ میں کمترین مخلوق میں ہوں اور ایک گوشہ نشین شخص ہوں لیکن بے نواؤں کے فرقے میں اور نوداروں کے زمرے میں میری بھی (کچھ) آبرو ہے۔ میں فقیر ضرور ہوں لیکن فقیرِ بارگاہ اور روشناسِ بادشاہ۔ اگر میں نے تخت نشینِ دہلی کی مدح میں موتی پروئے ہیں تو اس نے (بھی میری سخن پروری کو سراہتے ہوئے) اپنی شفقت کا منشور مجھے دیا ہے اور اگر گورنر جنرل کا قصیدہ کہا ہے تو اس نے اپنی خوشنودی کے خط مجھے بھیجے ہیں۔ چنانچہ ایک سندِ توصیفی ابوظفر سراج الدین بہادر بادشاہ کی اور ایک خط جیمس طامس گورنر اکبرآباد کا (اس وقت) میرے سامنے ہے۔ ہرچند کہ ان سلطان صفت حکّام کے التفات نامے کہ مجھے ملے ہیں بہت ہیں لیکن ان میں سے میں نے صرف ان کا ذکر کیا ہے جو خصوصاً مدحیہ قصیدے کے وصول ہونے پر اور اظہارِ خوشنودی و نمائش مہربانی کے طور پر (بھیجے گئے) ہیں۔ افسوس کہ نوابِ عالی جناب (وزیر محمد خان والی ٹونک) نے تحسین کا جواب تحسین سے نہیں دیا اور

میری عرضداشت کے جواب میں خط نہیں لکھا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ میں صلے، عطیے اور انعام کے نہ ملنے پر شاکی ہوں۔ ابتہ خط کے نہ آنے پر رنجیدہ ہوں اور اس موقع پر میری رنجیدگی بے جا بھی نہیں اور اس کے باوجود کہ رنجیدہ ہوں گلہ مند نہیں ہوں۔ یہ جو کچھ بھی جو میں نے کہا بر سبیل حکایت ہے نہ کہ بر سبیل شکایت۔ (اور وہ اس لیے) کہ انہیں دنوں میں میرا فارسی کلام کا دیوان جو کم و بیش سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے (مطبع دار السلام دہلی میں) چھپ رہا ہے اور بہت ممکن ہے کہ دو ماہ کے اندر اندر مکمل ہو جائے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک جلد بطور عطیہ کے خدمت عالی میں بھی بھیجوں گا تا کہ مجموعۂ نثر کے ساتھ دیوانِ نظم بھی ان کے پاس ہو۔ (اب) میرا یہ ارادہ ہے کہ چونکہ نواب نے مجھے درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور میری مدح کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تو میں بھی کم ظرفی سے کام لوں اور اس قصیدے پر خط تنسیخ کھینچوں اور دیوان میں شامل نہ کروں۔ جس طرح نواب نے میرا کام اپنے دفتر میں پسند نہیں کیا میں بھی ان کے نام نامی کو اپنے دیوان میں گوارا نہ کروں۔ اس ضمن میں آپ کی کیا رائے ہے!

امید رکھتا ہوں کہ اس خط کا جواب جلد نہ کہ بدیر دے کر مجھے خوش اور کشمکش کی قید سے آزاد فرمائیں گے۔ ایک ہفتے سے زیادہ اس خط کے جواب میں نہ لگائیں چونکہ دیوان کی طباعت جلد ہی اس قصیدۂ نامقبول تک پہنچنے والی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ میرا خون جگر پیناررائیگاں گیا۔ (بھلا) ان بزرگوار کی مدح کا سودا میرے سر میں کیوں سمایا! (مجھے) نہ انعام دام و درم ہی ملا کہ اس کو اپنے کلام کے موتیوں کی قیمت جانوں اور نہ ہی لطف و کرم کا صلہ کہ اس سے صبر حاصل کروں۔

میں نے خط کی ابتدا میں عرض کیا ہے اور اس کو آخر میں بھی دہراتا ہوں کہ مجھے اپنا غلام تصور کریں اور یقین کریں کہ آپ سے خوش ہوں۔ اور میری باتوں کو انصاف کی نظر سے دیکھیں اور مجھ سے خفا نہ ہوں۔ اس خط کا جواب جلد لکھیں والسلام مع الاکرام

منجانب اسد اللہ یکم ربیع الاوّل سنہ ۱۲۶۱ھ۔

خط۔۴

داغم رسوزِ غم کہ حجل داردم ز خلق بوئے کہ تن ز سوختن استخواں دہد

ترجمہ: اس سوزِ غم سے کہ جس نے مجھے لوگوں میں تجل کر دیا ہے میں سلگ رہا ہوں۔ اُس بو کے سبب جو ہڈیوں کے جلنے پر جسم سے نکل رہی ہے۔

سبحان اللہ ایک عرصہ ہوا کہ میری دانست میں آپ کعبہ میں ہیں اور حجرِ اسود کے گستاخانہ بوسے لے رہے ہیں اور (میں) یہ سننے کا برابر منتظر رہا کہ عیاذاً باللہ کب کعبے سے لوٹے اور سفرِ حجاز سے واپس آئے۔ ربّ کعبہ کی قسم جب تک کہ طالع یار خان سے میری ملاقات نہیں ہوئی اور ان سے یہ نہ معوم ہوا کہ جناب عالی اپنے وطن تشریف لے گئے تھے اور سات ماہ بعد واپس آئے ہیں اور فی الوقت اجمیر نہیں بلکہ ٹونک میں قیام پذیر ہیں، میں وہی سمجھتا رہا کہ جو (اوپر) بیان کیا۔ اب البتہ (یہ خبر) سن کر آگاہی ہوئی اور (آپ کا) خط باعث مسرت ہوا۔

میں تو ہمکلامی کا پیاسا ہوں اور ظاہر ہے کہ دو اشخاص جب ایک دوسرے سے دور ہوں تو زبانِ قلم ہی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔

(چنانچہ) آپ کا نامۂ نامی پڑھتے ہی خط لکھنے بیٹھ گیا۔ اب میں خط لکھ رہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جب تک یہ تحریر ختم نہیں ہوتی مجھے چین نہیں آئے گا۔ لیکن ہر دم یہ خیال میرے دل کو ڈس رہا ہے کہ آپ ٹونک میں ہیں اور ارشاد حسین خان سفر میں، تو جو خط لکھا جائے تو بھیجا کس پتے پر جائے۔ یہ سوچا ہے کہ طالع یار خان ہی سے پوچھوں اور یہ خط اس عقلمند آدمی کی رہنمائی ہی میں بھیجوں۔

آپ نے جو نوازش فرمائی ہے اور (میری) سرگزشت پوچھی ہے تو سنئے۔ کوتوال (فیض الحسن خان) میرا دشمن تھا اور مجسٹریٹ (کنور وزیر علی خان) ناواقف۔ فتنہ گھات میں تھا اور مقدر خراب۔ باوجود اس کے کہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہوتا ہے لیکن مجھے خوار کرنے میں اس کا ماتحت بن گیا اور (اس نے) میری گرفتاری کے احکام جاری کر دیے اور سیشن جج نے باوجود اس کے کہ میرا دوست تھا ہمیشہ میرے ساتھ محبت سے پیش آیا اور مہربانی کرتا اور بارہا میرے ساتھ شراب نوشی میں شریک رہتا، آنکھیں بند کر لیں اور بے اعتنائی اختیار کر لی۔ مقدمہ صدر عدالت پہنچا، کوئی شنوائی نہیں ہوئی اور وہی فرمانِ بیداد قائم ہوا۔ پھر نہ معلوم کیا ہوا کہ صدر عدالت سے خود اپنے حکم کی تنسیخ اور میری رہائی کی درخواست کی۔ اس کی درخواست منظور ہوئی بلکہ اس کی اس خواہش کی تعریف کی گئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ سرآوردگانِ قوم نے اس سرپھرے یعنی ناانصاف مجسٹریٹ کو ملامت کیا اور میری آزادہ روی اور خاکساری اس پر واضح کی۔ (اور یہ سب) اس طور پر کہ (بالآخر) اس نے میری رہائی کی درخواست خود ہی کی، معذرت (بھی) کی اور اس کے علاوہ بھی معافی، تلافی اور دل جوئیاں کرتا رہا اور میں چونکہ ہر صفت، ہر فعل اور ہر امر کو منجانب اللہ سمجھتا ہوں اور خدا سے جھگڑا جائز نہیں اس لیے جو کچھ بھی ہوا اس سے بے غم ہوا اور جو کچھ گزرا اس پر خوش۔ لیکن چونکہ آرزو کیشِ بندگی کے خلاف نہیں۔

عشق است و صد ہزار تمنا مرا چہ جرم ۔۔۔ گر خواہشے کند دلِ شیدا مرا چہ جرم

ترجمہ عشق ہے (اور اس کے) ساتھ ہی لاکھوں آرزوئیں (اس میں) میرا کیا قصور ہے (اور اگر) دلِ شیدا کوئی خواہش کرتا ہے تو میرا کیا قصور۔

اس کے بعد یہ خواہش ہے کہ دنیا میں نہ رہوں۔ اور اگر رہوں تو ہندوستان میں نہ رہوں۔ روم ہے، مصر ہے، ایران ہے، بغداد ہے، اور سب سے بڑھ کر تو کعبہ کہ خود آزاد منشوں کی پناہ (ہے) اور رحمت اللعالمین کا سنگِ آستانہ (ان کے) عاشقوں کی تکیہ گاہ ہی کافی ہے۔ وہ کون سی گھڑی ہوگی کہ اس ذلت وخواری کی قید سے کہ جو حقیقی قید سے (جو گزری) زیادہ روح فرسا ہے، رہائی پاؤں گا اور بغیر کسی منزل کو ذہن میں لائے صحرا میں نکل کھڑا ہوں گا۔ وہ سب تو مجھ پر بیت چکا اور یہ سب کچھ وہ ہے جس کی آرزو ہے۔

خط۔۵

یا اللہ یہ بہشتی ہوا کا جھونکا اچانک کہاں سے آیا کہ مشامِ جاں معطر ہو گیا۔ اس سے پیشتر تحریر کے پردۂ ساز میں آپ کے قلم کی جنبش سے یہ آواز آتی تھی کہ آپ عازمِ حجاز ہیں۔ بارے یہ نہ ہوا اور آپ کعبے نہ گئے اور اس کے بعد آپ کے برادرِ گرامی سید ارشاد حسین خان کی تحریر سے ایک ہولناک بیماری کی خبر ملی۔ پھر جب میں نے بے قرار ہو کر پرسشِ احوال کی تو معلوم ہوا کہ اُس قادرِ مطلق نے وہ بلا ٹال دی ہے اور وہ پریشانی وخوف رفع ہو گئے ہیں۔

اس ہی عرصے میں طالع یار خان ٹونک سے آ پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ جناب عالی وطن تشریف لے گئے ہیں اور جاتے ہوئے کہہ گئے ہیں کہ واپسی میں کچھ مدت لگے گی۔ غرضیکہ ان دنوں میں کہ میں جناب عالی کو خیر آباد میں اور برادر گرامی کو کوہ آبو میں سمجھ رہا تھا اور دل میں یہ سوچتا تھا کہ خیر آباد تو انگریزی ڈاک جاتی نہیں ہے اور اگر خط کوہ آبو بھیجوں (بھی) تو پتہ نہیں کوہ آبو کے علاوہ کچھ اور نشانی بھی چاہیے اور وہ مجھے معلوم نہیں۔ وہ دن کتنا مبارک اور حوصلہ افزا تھا کہ ڈاک کا ایک تیز رفتار ہرکارہ دروازے سے اندر آیا اور وہ خط کہ جس نے دارالخیر اجمیر سے اڑان بھری تھی مجھے عطا کیا۔ سوداز دہ دل کو سکون ملا اور وسوسوں کی خار دار جھاڑی جڑ سے اکھڑ گئی۔

مجھے فخر ہے آپ کی اس سخن سازی پر کہ لکھتے ہیں کہ ارادہ تھا کہ دہلی سے اجمیر جائیں گے۔ یہ نہیں سوچتے کہ سننے والا کیا کہے گا کہ پھر یہ سفر کیوں نہ اختیار کیا۔ اور (پھر) نہ آنے کی توجیہہ و تفسیر سوائے نہ آنے کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ آفرین خسرو دہوی کی روح پر کیا خوب کہا ہے۔ ع۔ پس از آنکه من نه مانم بچه کار خواهی آمد۔

ترجمہ: اس کے بعد کہ میں نہ رہوں تو کس کام کو آئے گا۔

اب کچھ اس شہر اور علاقے کے احوال لکھتا ہوں۔ اس ہی سوز و ساز میں میری روداد بھی واضح ہو جائے گی۔ برادرِ گرامی سعید اختر محمد ضیاالدین خان بہادر (نیّر رخشاں) جیسا کہ ان کا ہر سال کا معمول ہے دو ہفتے ہوئے کہ شملے گئے ہیں۔ برادر عزیز علی بخش خان بہادر (رنجور) نے شہر کی رہائش ترک کر کے عرب سرا میں کہ جو مقبرہ سلطان المشائخ کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی ہے، اقامت اختیار کر لی ہے۔ امین الدین خان پہلے ہی بچھڑ چکے ہیں۔ ان دو اشخاص سے میری ہمدمی تھی (سو) اب ان کی کمی ہمیشہ محسوس ہو گی۔

اس گوشہ نشینی کے باوجود کہ میرا مسلکِ (حیات) ہے کیخسرو کی شان و شوکت والے بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) نے کہ اللہ اس کو ہمیشہ قائم رکھے، مجھے عرش نظیر تخت کے پائے کے نزدیک (دربار میں) بلایا اور خلعت و خطاب عطا فرمایا اور اپنے اجداد کی تاریخ فرماں روائی لکھنے پر مامور فرمایا۔ میں نے دل میں کہا ہاں غالب آشفتہ سر سخنوری کی آبرو رکھنا اور ہر چند کہ داستان سرائی آزاد منشوں کا طور طریق نہیں ہے، طعنہ زنوں کو زبان درازی کا موقع نہ دینا۔ چونکہ مبدٔ فیاض نے (میری) خواہش سے بڑھ کر مجھے (تخلیقی استعداد میں) حصہ دیا ہے حمد و نعت، مدح بادشاہ، خطابِ زمیں بوس، سبب تالیف اور صاحب قرآن امیر تیمور نامور، حضرت ظہیرالدین بابر، و جناب نصیرالدین ہمایوں کے حالات، اسلاف کی روایت کے بموجب لکھے جا چکے ہیں اور یہ سارے (عنوانات) آٹھ جزو کاغذ میں سمائے ہیں اور حسینانِ معنی کا دلکش مرقع ہیں۔ اب اکبر بادشاہ کی اکیاون سالہ حکومت کے حالات لکھنے ہیں۔ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے اور قلم میرے ہاتھ میں کس طرح چلتا ہے۔

برادر درخشاں خصلت ارشد حسین خان کو سلام کہیں اور چونکہ انہوں نے تہنیت خطاب پر جو خط لکھا تھا میں اس کا جواب نہیں دے سکا ہوں مجھے شرمسار جانیں۔ ان دنوں یہ جنون سوار تھا کہ رات دن اس کتاب (پرتوستان) کی تحریر میں اور اس کے اسلوب تحریر میں منہمک تھا اور تمام قویٰ کتاب کی ترتیب پر کہ حمد و نعت و مدح سے عبارت ہے مرکوز تھے۔ والسلام بہ ہزاراں احترام۔

خط۔۶

اے آقائے جاں نواز چونکہ اس تنگ راہگذار میں دونوں مرکب ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ہم تو اس راہ کے مسافر ہی ہیں (چنانچہ) اس خط میں بھی شادی وغم دونوں کی بات ہوتی ہے اور خود خوشی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ چودہ سال کی تاریکی کے بعد میری رات چودھویں کے چاند سے روشن ہوگئی گویا (مثنوی) جام جم کے مصنف (اوحدی مراغی) نے خود میری زبان سے کہا تھا۔

اوحدی شصت سال سختی دید تاشبے روئے نیك بختی دید

ترجمہ۔اوحدی نے ساٹھ سال سختی کے دیکھے تب کہیں ایک رات نیک بختی نظر آئی۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔یقیناً ایک سمندر نہیں بلکہ جہانِ علم وفن کے سات سمندر، ایک ستارہ نہیں بلکہ آسمانِ فضل وکمال کے سات ستارے، بلکہ نہ سات سمندر اور نہ سات ستارے جو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں رواتی اور روشنی میں اس سے بڑھ کر، ہمارے آقا مالک اور فضل میں ہمارے درمیان سب سے بڑھ کر مولوی حافظ فضل حق المخاطب بہ امیر الدولہ بہادر کا دہلی آنا ہوا۔ اور غالب حق پرست کو معتزلہ اور اشاعرہ کے (عقیدے کے) خلاف اس دنیا ہی میں حق کا دیدار ہوگیا۔(لیکن) میرے خیال میں یہ تجلی حق بجلی کی شکل میں تھی کہ آقائے گرامی نے دو ہفتے سے زیدہ شہر میں قیام نہیں کیا۔چنانچہ کل منگل کے دن رامپور جارہے ہیں۔

اب وہ غم کہ جس کی طرف خط کے شروع میں اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ میری ایک پھوپھی جو دو دوسری پھوپھیوں، تین مشہور چچاؤں، ایک باپ، ایک دادی، اور ایک دادا کی (باقی) نشانی تھی اور میرے لیے ان آٹھ بزرگوں کی جگہ تھیں انتقال کرگئیں اور میرے اوپر ان کی وفات سے وہ کچھ گزری کہ جو جگر پر خنجر سے اور گھاس پر آگ سے نہیں گزرتی۔

آج دن چڑھے مولانا کے ساتھ ہم نشینی اور ہم سخنی کا موقع ملا۔مولوی شاہ محمد نامی (ایک صاحب) نے کہ میں انہیں نہیں پہچانتا اور اب ان کے چلے جانے کے بعد مولانا سے معلوم کروں گا کہ کون ہیں بات چیت شروع کی اور بتایا کہ میں ٹونک جارہا ہوں، میں نے پوچھا میرا خط لے جاسکتے ہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ بس ہاتھ باگ پر ہیں اور پاؤں رکاب میں۔میں نے کہا فبہا۔ایک پیغام حوالے کیا ممکن ہے پہنچادیں۔

(عزیز) دوست جانی بابو بانکے لال کے، خدا ان کو طویل زندگی دے، خط سے راجھستان کے دور حکومت کا حال معلوم ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو بھی سفر کی زحمت اٹھانی پڑے اور یہ خط جو مولوی شاہ محمد لے گئے ہیں نہ معلوم کب اور کہاں پہنچے۔یہ بھی شاہ محمد ہی کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کے برادر گرامی میر ارشاد حسین اور فرزند سعادت مند میر احمد حسین خدا ان کو عمر دراز دے آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں یا جلد ہی پہنچنے والے ہیں۔بھائی اور بیٹے کا یہ دیدار سعید آپ کو مبارک ہو اور یہ سعادت روز افزوں ہو۔میں بھی دور سے برادر (گرامی) کو سلام اور بھتیجوں کو دعا بھیجتا ہوں۔

فتح پور (سیکری) کے مخدوم زادگان اپنے کام کے سلسلے میں مجھ سے جواب مانگتے ہیں۔(بتایئے) ان غرض مندوں سے کیا

کہوں۔اس سے پیشتر جو خط جنابعالی کو لکھا ہے وہ میرے افکار خاطر کی ایک مفصل فہرست ہے۔مزید کیا کہوں۔والسلام مع اکرام اسد اللہ دوسری ربیع الثانی اور دوسری جنوری ۱۸۵۴ء۔

خط۔ ۷

اے (مخاطب) کہ آپ کی تابندگی تہذیب و خجستہ خوئی جو عطیۂ ایزدی ہے،اس سے پیشتر ہی کہ آنکھ کو دیدار کی شناسائی نصیب ہو،میرا دل لے اڑی ہے اور اے (مخاطب) کہ (آپ کی) دل کش (تحریر) کی تابانی اور (انداز) بیان کے روح پرور انجام نے اس خاموشی میں میری زبان کو گویائی اور میرے قلم کو روانی عطا کی ہے،یہ دلنواز خط کہ ناگاہ مجھے ملا میرے لیے قبولیت کی مہر زدہ سند کا جواز رکھتا ہے۔لازمی دوست (یعنی آپ) کی جانب سے جواب کی خواہش نے مجھے اس امر پر مجبور کر دیا کہ بارے تحریر اس انداز کی ہو کہ صاحب بصیرت عقلمند اس کو پسند کریں۔انتہائی عاجزی کے ساتھ عرض ہے کہ اس سے پیشتر بھی سخن طرازی اور نکتہ نگاری میں مجھے مہارت حاصل تھی۔کاش وہ غم جو مجھے لاحق ہے اتنا گراں نہ ہوتا تا کہ یہی قلم داستان سرائی کے ان (پرانے) راستوں پر چل سکتا۔لیکن افسوس یہی قلم کہ جو اٹھلا اٹھلا کر رقص کرتا اور اپنی نوا سنجی کی روش سے نشاط اندوزی کرتا اور کبک دری کو طرز خرام اور مرغ صبح گاہی کو نغمہ ریزی سکھاتا (تھا)' اس ناتوانی کے عارضے کے سبب جو مجھے لاحق ہے،قدم اٹھانے سے ایسا لاچار ہے اور اس طرح سرمہ بہ گلو ہو گیا ہے کہ اگر کبھی دو تین سطریں لکھی بھی جائیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم نہیں ہے،انہیں (کہے گئے) الفاظ کا قطرہ قطرہ نچڑ رہا ہے۔خدا خواجہ نظیریؔ کی روح کو خوش رکھے ایسا معلوم ہوتا ہے میری زبان سے (یہ شعر) کہا ہے۔

نہ با گلم نظرے نے بصوتم آہنگے
شکستہ بالم و صیاد در کمیں دارم

ترجمہ اب نہ ہی میری نظر کسی پھول پر پڑتی ہے اور نہ ہی میری آواز میں کوئی نغمگی ہے۔میں شکستہ پر ہوں اور صیاد میری گھات میں ہے۔

برادرِ نیک فطرت مرزا علی بخش خان بہادر نے جو سلام بھیجا تھا وہ اس پسندیدہ خصلت کو پہنچا دیا گیا۔(وہ بھی) سلام کا جواب سلام ہی سے دیتے ہیں اور ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کرتے ہیں۔دیدۂ و دل کا سرور غلام فخر الدین خان خود یہاں نہیں ہیں۔روزی کی تلاش ان کو قلمروئے پنجاب میں لے گئی ہے۔پرسوں (ہی) ان کا خط آیا ہے۔مقدر کے شکر گزار ہیں کہ قصور کے قرب و جوار میں کہ وہ بھی اسی سلطنت کا ایک حصہ ہے،فوجداری کی عدالت میں سرشتہ داری پر مامور ہو گئے ہیں۔انسانیت کے خاندان کے چشم و چراغ جناب ارشاد حسین صاحب کی خدمت باسعادت میں تسیمات عرض کرتا ہوں اور اپنے اوپر اس بات پر غصہ آ رہا ہے کہ جب اس خط میں یہ سب لکھا ہے تو مخدومی کے نام نامی کے لیے ایک علیحدہ ورق کیوں نہ تحریر کر دیا۔تو یہاں بھی وہی ناتوانی جس کے ظلم کی بابت اس تحریر کی ابتدا میں عرض کر چکا ہوں اس کی عذر خواہ ہے۔منجانب اسد اللہ۔

خط بنام جانی بانکے لال وکیل راج بھرت پور

خط۔۱

وہ خدا جس نے سمندر بنایا اور پانی سے نقشِ موج پیدا کیا، جانتا ہے کہ اُس قطرۂ خون پر جس کو دل کہتے ہیں کیسے کیسے ظلم ہوتے ہیں۔ موحدّوں کا عقیدہ ہے اور میں بھی اس پرکار بند ہوں کہ قطرہ عین دریا ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ دریا کی روانی قطرہ پر ظلم نہ کرتی ہو۔ گرداب کی صورت میں اپنے دل میں پیچ و تاب کیوں نہ کھائے اور نفس کے حباب کی شکل میں کیوں نہ کھیلے۔ اس کے باوجود راہِ انصاف سے روگردانی ممکن نہیں (یعنی) دریا کو اپنی روانی میں قطرے کو آزار دینے کی رغبت نہیں۔ وہ بس بہتا ہے خواہ کچھ بھی ہو۔ جس کسی نے بھی کہا خوب کہا ہے (سحابی استرآبادی)۔

دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشا کش بااوست

ترجمہ موج دریا کے وجود سے ملتزم ہے۔ تنکا سمجھتا ہے کہ یہ کشاکش اس کے ساتھ ہے۔

آپ کی محبت افزا باتوں نے جو نوائے قلم کے ذریعے گوش ہوش میں پہنچیں دل کا سارا دکھ مٹا دیا اور آپ کا خط زخم جگر کے لے مرہم کا پھایا ثابت ہوا اور نامۂ گرامی نے شکستگی دل کے لیے مومیائی بہم پہنچائی۔ موت کا بھلا کیا علاج ہوسکتا ہے اور مرنے والے کے بعد کب تک خون کے آنسو بہائے جاسکتے ہیں۔ مجھے تو خود اس کا رونا ہے کہ آزادانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔ سوچتا ہوں کہ میری تخلیق کا حال یہ ہے کہ ایک گنہگار کو بھاری بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ کہاں میں اور کہاں رشتہ و تعلق اور کہاں، غمِ زن و غمِ فرزند۔ چنانچہ ایک غزل میں کہتا ہوں۔

بہ بندِ زحمتِ فرزندو زن چہ می کشیم
ازیں نخواستہ غمہائے ناگوار چہ حظ

ترجمہ۔ فرزند و زن کی زحمت کی زنجیروں سے ہم کیا کیا مصیبتیں اٹھا رہے ہیں ان طلب نہ کئے ہوئے ناگوار غموں کا کیا مزہ۔

تسلیم و رضا کا یہ شیوہ نہیں کہ اگر دوست کے ہاتھ سے طمانچہ کھائیں تو ماتھے پر بل ڈال لیں اور اگر پتھر برسیں تو سر چھپائیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اگر چہ اس نے بہت غم دیئے ہیں لیکن (ان کے ساتھ) غمخوار دوست (بھی) دیے ہیں۔ یا خدا یہ گراں مایہ لوگ کون ہیں کہ مجھ جیسے بے قدر و قیمت شخص سے محبت کرتے ہیں اور تو نے ان لوگوں کو کس جوہر سے پیدا کیا ہے!

اس تحریر سے کہ جس کا جواب لکھ رہا ہوں' یہ معلوم ہوا کہ ایک ماہ کے اندر (آپ) کوہ آبو چلے جائیں گے۔ کاش دہلی راستے میں ہوتی تاکہ یہ دولت بیدار کبھی کبھی ہمیں بھی چہرہ دکھاتی۔ اب شملہ' منسوری' اور آبو پر فراغت کے دن گزارنے کا وقت ختم ہونے والا ہے اور فرزانگانِ فرنگ ان پڑاؤں سے نیچے آنے لگیں گے اور چند دن اپنے مستقر پر آرام کرنے کے بعد پھر اپنے (معمول کے)

دوروں کے طور پر راہ پیمائی شروع کردیں گے۔ اس گزارش کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو کیا گرمی اور کیا جاڑے کہ اکثر اوقات آپ کا وقت سفر ہی میں گزرتا ہے۔ اگر کبھی ادھر سے گزریں تو گناہ نہ ہوگا۔

آپ سے فرط شوق تکلم کے سبب قلم سے زبان قرض لے کر باتیں کررہا ہوں ورنہ عقل تو یہ کہتی ہے کہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ فکر کو راہِ سخن کھلی ملی اوروں میں آپ کے دیدار کی حرص وآرزو تھی، چھپی نہ رہ سکی اور بیتاب ہو کر ظاہر ہوگئی۔ تحریر کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ گلشن کی بہار ہمیشہ (قائم ودائم رہے) اور عزّ وناز کی بہار کو خزاں نہ آئے۔ اسداللہ۔

بنام نامی شاہ صاحب

خط۔۱

عجب کہ تشنہ بمانم سفالِ ریحانم
اگرچہ نیك نیم خاكِ پاكِ نیكانم

ترجمہ (اگرچہ) میں خود نیک نہیں ہوں (لیکن) نیکوں کی خاک پا (ضرور) ہوں۔ (اس لیے) میرا تشنہ رہ جانا تعجب انگیز بات ہے۔ (چونکہ) میں تو نیاز بو کا گملا ہوں۔

جناب شاہ صاحب قبلہ وکعبہ دو جہاں کی جناب میں رجوع کر کے حاجت مندی کے عالم میں زمیں پر جبہ سائی کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ ہائے وہ زمانہ جو اپنی تمام تر برکتوں کے باوجود مجھے خوشحال نہ کر سکا۔ بے شک یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب عالی چند دن نہیں بلکہ چند ماہ اس شہر کے قلعہ میں قیام پذیر رہے لیکن میں بدبخت قدم بوسی کے لیے نہ پہنچ سکا۔ اس محرومی کے ضمن میں جس قدر قلق بھی کیا جائے حق بجانب ہوگا۔ لیکن پردۂ آفرینش پر جب غور وفکر کرتا ہوں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اعیانِ ثابتہ کے عالم میں جو فیضان قدس کے نازل ہونے کی جگہ ہے اس خاکسار کا وجود اور اس منتخب سروران روزگار کی ذات ایک (ہی) اسم کی پرورش کردہ ہے۔ ہر چند کہ میں (جناب عالی کا) صورت شناس نہیں لیکن معنوی اعتبار سے ہمارے درمیان کوئی مغائرت نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ مہربانی سے دریغ نہیں فرمائیں گے اور میرا حال اس عرضداشت سے مجملاً اور صاحبِ اقبال وسعادت میر احمد حسین طول عمرہٗ کے بیان سے بالتفصیل معلوم کر کے اس فقیر کے دلِ زخمی کے دکھوں کا علاج کریں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ فردوس منزل نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کی تخت نشینی کے دور سے میں صلۂ مدح کے ضمن میں اس خوان عطا کا ریزہ چین رہا ہوں۔ میرا (ایک) قصیدہ روشن الدولہ بہادر کی وساطت سے بادشاہ کی حضور میں پیش ہوا اور پانچ ہزار روپے مرحمت ہوئے۔ (لیکن) محمد علی شاہ کے دور فرماں روائی میں مجھے کوئی وسیلہ میسر نہیں آیا اور حضرت امجد علی شاہ کے عہد حکومت میں ناسازگاری وقت کے سبب جو کچھ مجھ پر گزرا میر احمد حسین اس سے واقف ہیں آپ کی خدمت میں عرض کر دیں گے۔ فی الوقت میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر نواب صاحب والا صفات رفیع الشان قطب الدولہ نواب قطب علی خان بہادر دام اقبالہٗ میری سرپرستی فرمائیں (تو) میں قصیدہ برخوردار میر احمد حسین کو بھیج دوں تا کہ وہ سعادت منداس کو پہلے تو آپ کی نظر کیمیا اثر سے گزرانے اور اس کے بعد خدمت عالیہ جناب نواب صاحب میں پہنچادے۔ اور (پھر) نواب صاحب پسندیدہ طریقے سے اس بادشاہ کے سامنے کہ دارا جیسے اس کے دربان ہیں' پیش کر دیں اور میری مدح گوئی اور سخن وری کا احوال اور فردوس منزل (نصیر الدین حیدر) کی نوازش وبخشش کی کیفیت) سپہر بارگاہ بادشاہ کے حضور میں پہنچادیں۔ اگر قسمت یاوری نہ کرے اور صلہ بادشاہ کے مرتبے اور استعداد (عالی) کے مطابق نہ بھی ہو تو اسی قدر بخشش پر

کہ فردوس منزل کے عہد سے معمول ہے قناعت کراوں گا۔

فی الوقت شاہ کی مدح کا قصیدہ اور نواب صاحب قطب الدولہ بہادر کی بلند حوصلہ توصیف کا قطعہ بھیجنے میں میری طرف سے کوئی تامل نہیں ہے۔ جیسے ہی کہ: ب عالی اس عرضداشت کا جواب (دیں گے) اور اس فقیر کی درخواست کی قبولیت سے سید صاحب کو آگاہ کریں گے وہ الفت: مہ مجھے پہنچ جائے گا اور فوراً قصیدہ اور قطعہ میر احمد حسین پسندیدہ خصلت کی وساطت سے (آپ کی) خدمت عالی میں پہنچ جائے گا۔ اسد اللہ کی عرضداشت محررہ بروز پیر نویں ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ (مطابق ۶ نومبر ۱۸۴۸ء)

بنام قطب الدولہ بہادر

خط۔۱

(فدوی) جناب نواب صاحب جمیل الصفات وعمیم الاحسان مخلصوں کی امید گاہ، خدا ان کی بقا کو دوام بخشے اور ان کی بلندیوں کو زیادہ کرے، کی خدمت مبارکہ میں اسلام کے مسنون طریقہ سلام کی پیش کش اور مدت وافر المسرت کی تمنا کے بعد گزارش مدعا کی طرف راغب ہوتا ہے۔ ایک طویل مدت گزری کہ (ایک) قصیدہ اور (ایک) عرض داشت جناب کی خدمت عالی میں، رواں کی تھی اور ہزاروں آرزوؤں کے ساتھ یہ استدعا کی تھی کہ اس نظم اور نثر کو قدر رقدرت ظل الٰھی خلد اللہ ملکہٗ وسلطانہٗ کی خدمت میں گزاریں۔ بیشک ارادہ یہ تھا کہ اگر عطیہ شاہی (کے حصول کی) کامیابی میسر ہو تو عتبات عالیہ کی طرف رخ کرے۔ لیکن راقم نامہ کی ناسازی قسمت پر افسوس ہوتا ہے کہ اس بہار کا کوئی رنگ تا حال دکھائی نہ دیا۔ جناب شاہنشاہ کا دست کرم اس ابر کی طرح ہے کہ کانٹوں اور پھولوں پر ایک سا برستا ہے۔ جہاں بے طلب لعل وگہر کی کانیں کی کانیں بخشتے ہوں (وہاں) سوال کرنے پر سائل کی محرومی کے کیا معنی ہیں!

بات دراصل یہ ہے کہ آنجناب والا صفت نے اس زخمی دل درویش کی طرف توجہ نہیں دی اور قصیدہ وعرضداشت کو سلطان عالم کی نگاہ التفات سے روشناس نہیں کرایا۔ وقت گزر رہا ہے' قافلہ روانہ ہو رہا ہے' فقیر کے ساتھی سفر کے لیے کمربستہ اور روانگی کے لیے عجلت میں ہیں اور میں اسی طرح تہی دستی اور بے نوائی کی بنا پر پا بہ گل (ہوں) خدا را اس گوشہ نشین غمزدہ پر رحم فرمائیں اور قصیدہ اور عرضداشت کو جناب فیض گنجور کی خدمت میں پیش کر دیں اور جس عطیے کا بھی حکم ہو بغیر اس کے کہ اس میں تاخیر ہو مجھ فقیر امیدوار کو ارسال فرمائیں۔ اس سے زیادہ بجز حضرت ظلِ سبحانی کے دوام دولت کے کہ ہر ہر سانس میں وردِ زبان ہے اور کیا عرض کرے۔ نامہ نگار ہوا خواہ اسد اللہ محررہ بروز ہفتہ اٹھارویں ذیقعدہ ۱۲۶۵ھ بمطابق چھٹی اکتوبر ۱۸۴۹ء۔

خط۔۲

نواب صاحب (قطب الدولہ بہادر) جمیل الصفات' رفیع الشان' آرزومندوں کی امید گاہ' کہ خدا ان کی بقا کو ہمیشہ قائم رکھے اور ان کی بلندی میں اضافہ کرے' خدمت وافر المسرت میں ہدیۂ سلام کے تحفے (کی پیش کش) کے بعد کہ جناب خیر الانام کی سنت درخشندہ ہے' پہلے تو شکر اس لطف وکرم کا کہ جو برخوردار کامگار میر احمد حسین طول عمرہٗ وزاد قدرہٗ پر ارزانی ہے اور درحقیقت اس کا مورد میں اپنے آپ کو تصور کرتا ہوں' ادا کرتا ہوں۔ اور اس کے بعد چند سطریں کہ راقم نامہ کے احوال کی آئینہ دار ہوں لکھنے کا اقدام کرتا ہوں۔ ضمیر منیر پر کہ خداداد عقل کی روشنی سے منور ہے واضح ہو کہ اس پسندیدہ خصلت سیدزادے (میر احمد حسین میکش) کا مجھ احقر کے ساتھ تعلق روحانی ہے۔ اس کے والد والا گہر میر کرّار حسین سلمہٗ اللہ تعالیٰ سادات بلند خاندان کے اعیان میں سے اور شاہ وشہریار کے جاننے والوں میں اور حاکمان انگلشیہ کی جانب سے اشرف الوکلا کے خطاب یافتہ ہیں۔ بیٹے کو بڑے ناز ونعمت سے پالا' علم وادب کی تعلیم دی اور سرکار سے وکالت عدالت کا پروانہ دلوایا ہے۔ لیکن اس بلند حوصلہ وبالا نظر کو وہ کام پسند نہ آیا اور اس نے چاہا کہ وہ شاہ سپہر

بارگاہِ اودھ کی، اللہ اس کے ملک اور اس کے بادشاہ کو ہمیشہ رکھے، بخشش کے دسترخوان کا ریزہ چین ہو۔ چونکہ اپنا کوئی راز مجھ سے پوشیدہ نہ رکھتا تھا اور بغیر میری مرضی کے کوئی کام نہیں کرتا تھا، اپنے ارادے کا مجھ پر اظہار کیا۔ میں نے اس کی اولوالعزمی پر آفرین کہی اور خدا سے اس کی کامیابی کی دعا کی اور چونکہ میں خود حضرت فردوس منزل کے عہد سے اس دولتِ سدابہار کا ثناخواں اور ریزہ چیں رہا ہوں حق ثنا ادا کرتے ہوئے ایک قصیدہ کہا اور اس کو بھیج دیا۔ چونکہ قسمت ساتھ تھی دولت مددگار تھی اور اقبال رہنما تھا، میر احمد حسین آرزومند پسندیدہ کے ہاتھ اس بلند مرتبہ (شخصیت) کا دامن آ گیا۔ قسمت نے مبارکباد دی اور فلک دوّار نے معافی طلب کی۔ میرے دل کو کشمکش سے آسودگی ملی اور دل کا غم دور ہوا۔ ظاہر ہے کہ جس کا آغاز ایسا ہو اس کا انجام بجز خیر و خوبی نہیں ہوگا۔

عرض یہ کہ دوگونہ آرزوئیں میرے دل کا طواف کر رہی ہیں اور مدح سرائی اور قصیدہ نگاری سے مقصد ہی یہ ہے کہ وہ ابرِ رحمت یعنی وہ بلند حوصلہ کہ دنیا اس کی بخشش کی پناہ میں ہے اور وہ ایک عالم کے لیے مرکزِ امید (ہے) عقل مندی اور حوصلہ سے کام لے کر سعادت مند میر احمد حسین کو بھی اس جہاں پناہ کے سامنے پیش کر دیں اور حقیقت حال کو موقع اور محل کے مطابق بیان کر کے دونوں آرزوؤں کو برلائیں۔ یعنی یہ فرخندہ خصلت، والا تبار سلطان فریدوں فر، دارا دربان کے غلاموں اور ملازموں کے سلسلے میں شامل ہو کر اپنی عمر کہ خدا اس کو دراز کرے، وہیں گزار دے اور اس تہی دست و بے نوا کے ہاتھ بھی اس قدر سرمایہ آ جائے کہ زادِ سفر بنا کر دشتِ نجف کی طرف گرم سفر ہو۔

چونکہ ہرزہ گوئی شیوۂ درویشی نہیں ہے اور اس کے علاوہ بزرگوں نے بھی کہا ہے۔

ع کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔

ترجمہ: کہ آقا خود شیوۂ بندہ پروری جانتا ہے۔

اس سے زیادہ زحمت نہیں دیتا اور خط کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ خدا کرے آسمان آپ کا محکوم اور ستارہ آپ کا غلام رہے۔ راقم خط خیر اندیش اسد اللہ محررہ جمعرات پہلی رجب ۱۲۶۵ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۸۴۹ء۔

بنام دوستے
(نواب مظفر الدولہ ناصر الملک مرزا سیف الدین حیدر خان سیف جنگ؟)

خط۔۱

قلم کہ ناطق خاموش ہے غالب آشفتہ نوا کی زبان میں بات کر رہا ہے۔ بیدلوں کی ہمدردی میں اس بے زبان کی باتیں سننے کے لائق ہیں۔ مرحمت نامے نے وارد ہونے کی خوش خبری پہنچائی اور نگاہ شوق کی تاثیر نے (انتہائے شدت میں) بہہ کر نواب خجستہ القاب کی تحریر کو ورق سے دل پر اتار لیا۔

تحفتہ لحدائق کے دوبارہ پہنچنے پر چیں بہ جبیں نہ ہوں چونکہ یہ اوراق آپ کے حکم امتناعی کی وصولی سے دو دن پہلے بھیج دیئے گئے تھے۔ اب آپ کے حکم امتناعی کے اجرا پر اخبار کا اجرا روک دیا گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا ہے کہ کسی دوسری قسم کا اخبار بھیجنے کے لیے منتخب کرنا چاہیے۔

اے بندہ پرور اس اخبار کے علاوہ کہ جس کا نام تحفتہ الحدائق ہے اور جس کو (آپ کی) قبولیت کا شرف نہیں ملا اس شہر (دہلی) میں چار دوسرے اخبار بھی چھپتے ہیں۔ سراج الاخبار مطبع سلطانی میں، دہلی اردو اخبار مطبع محمد باقر سلمہ اللہ تعالیٰ میں اور قرآن السعدین مطبع سرکار انگریزی میں۔ ان تینوں پرچوں کو اگر چھوڑ دیں تو پھر وہی سید الاخبار ہے جس کو آپ نے بارہا میرے پاس دیکھا ہے اور راتوں کو پڑھا ہے۔ ان (چاروں) میں سے جو بھی آپ کو پسند ہو بھجوا دیا جائے۔

حکیم احسن اللہ خان کا خط ایک معتمد کو دے دیا ہے کہ لے جائے اور مکتوب الیہ کے حوالے کرے لیکن ابھی تک وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔ جیسے ہی پہنچا اس کو آپ کے پاس پہنچنے میں دیر نہ ہوگی (اور) مغل علی خان کے نام کا خط تو میں نے خود اس نامور کو دیا ہے۔ اس نے فوراً ہی اس کا جواب بھی لکھ کر میرے حوالے کیا چنانچہ اس خط کے ساتھ ہی آپ کی نظر سے گزرے گا۔

غیاث الدولہ حکیم رضی الدین حسن خان کیا کہوں کیا کہتے ہیں اور آپ کو کس قدر یاد کرتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ کچھ دیر آپ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو جس دن آپ کا خط پہنچتا ہے اسی دن میں سلام آپ کی طرف سے ان عالی مرتبت کو پہنچا دیتا ہوں۔ انہوں نے بے شمار سلام میرے حوالے کئے ہوئے ہیں تاکہ جب کبھی آپ کو خط لکھوں تحریر کو ان کے سلام پر ختم کروں۔ میر کرم علی صاحب بھی سلام پہنچا رہے ہیں۔ منجانب اسد اللہ محررہ منگل پندرھویں مئی ارسال کردہ بروز بدھ سولھویں ماہ مذکور ۱۸۴۹ء۔

بنام منشی ہیرا سنگھ صاحب

خط ۔ ا

سعادت مند و صاحب اقبال منشی ہیرا سنگھ خدا اس کو سلامت رکھے، سلام اور آرزوئے دیدار کے بعد باور کریں اور یقین جانیں کہ دل تمہاری طرف نگراں ہے۔ نہ معلوم کیا واقعہ ہوا کہ پے در پے چار روز گزر گئے اور تشریف نہ لائے۔ اگر مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے تو مجھے بخش دیں اور اگر نہ آنے کی کوئی اور وجہ ہے تو مجھے اس سے آگاہ کریں اور اگر ایسا نہیں ہے تو آئیں اور بار غم کو میرے دل سے دور کریں۔ والسلام اسد اللہ بے گناہ و روسیاہ و عذر خواہ۔

مآثرِ غالب

بنام مرزا احمد بیگ تپاںؔ

خط۔۱

صاحبِ عظمت وفیض پناہ جناب مرزا احمد بیگ خاں صاحب!

اللہ آپ کے سایۂ عاں کو دوام بخشے۔ عرض یہ ہے کہ فدوی کا ایک رقعہ مولوی سراج الدین احمد صاحب کے نام جناب عالی کے لیے اس عریضۂ نیاز میں ملفوف پہنچ رہا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اپنی طرف سے شادی کا دعوت نامہ مرزا اکبر بیگ کے نام لکھ کر مولوی سراج الدین احمد کے رقعے کے ہم راہ میرے آدمی کے سپرد کر دیں گے اور کہیں گے کہ جا کر مہدی باغ پہنچا دے۔ وہ کہار، جو اس عبودیت نامے کو لے کر آ رہا ہے، عقل سے بے بہرہ ہے، (چنانچہ) سوچا کہ اس فکر و پریشانی کے باوجود خاطر خواہ مقصد حاصل نہیں ہو گا۔ مجبوراً مولوی سراج الدین احمد کے نام خط لکھ کر آپ کے لفافے میں رکھا اور اس کی تفصیل آپ کو لکھ دی اور کہار کو آپ کے حکم کی تعمیل کی ہدایت کر دی۔ فقط۔ مولوی صاحب کے نام رقعہ اس لیے لکھنا پڑا کہ کہار کو مرزا اکبر بیگ کا گھر معلوم نہیں۔

(۱۴ اور ۸ شعبان ۱۲۴۴ھ، مطابق ۱۹ اور ۲۳ فروری ۱۸۲۹ء کے درمیان لکھا گیا)

خط۔۲

بندہ نوازا! آپ کا گرامی نامہ پہنچا اور منکشفِ احوال ہوا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ رسم برسرِ محفل ادا کروں، کیونکہ میں نے اپنے شہر میں یہ نہیں دیکھا کہ بسم اللہ کی خوشی کی مجلسوں اور محفلوں میں کوئی چیز بچے کو دیتے ہوں، البتہ ختنہ کی تقریب میں ایسا ہوتا ہے، لیکن بسم اللہ کی تقریب میں دو رسمیں میں نے اپنے شہر میں دیکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بچے کے چچا اور بھائی اس مولوی کو، جو ''سورہ اقرا'' پڑھاتا ہے، کچھ دے دلا دیتے ہیں اور بس۔ دوسرے یہ کہ میوے کے خوان اور زرِ نقد بطور مبارک بادی کے بھیجتے ہیں۔ فقط۔ چنانچہ مولوی کو کچھ نذر کرنے کی جب رسم ہی اس علاقے میں نہیں ہے تو اس کو یہاں کیوں کیا جائے۔ ہاں البتہ میوہ اور مصری بھیجنا کہ برادری کی رسم ہے (درست ہے) میں چونکہ مسافر ہوں اور مالی وسائل نہیں رکھتا، بہرطور، جس قدر بھی میرے دل میں آیا، نقدی کی شکل میں بھیج دوں گا اور اس ضمن میں آپ کی کسی قسم کی معذرت نہ سنوں گا۔ اور بس۔

متعلقہ حضرات کی خواہش بھی اگر معلوم ہو جاتی تو برا نہ تھا۔ میں نے یہ بات مصلحتاً لکھی ہے۔ اس پر کسی اصرار یا تکرار کی نیت نہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو وہ خط، جو خان صاحب مخدوم کے توسط سے جناب کی خدمت میں پہنچا ہے، اپنے کسی آدمی کے ہاتھ مولوی صاحب مخدوم سراج الدین احمد صاحب کو بھیج دیں اور ایک رقعہ اپنی طرف سے بھی لکھ دیں کہ اسد اللہ خان غالبؔ نے مجھے اس

طرح تحریر کیا ہے۔ اب آپ کی کیا صلاح ہے؟ دیکھیں، مولوی صاحب مخدوم کیا فرماتے ہیں، اور اس حد تک بھی آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اگر آپ چاہیں تو درست ہے۔ ورنہ ع صلاحِ ماہمہ آنست کاں صلاحِ شماست۔
ترجمہ: ہم سب کی بھی وہی صلاح ہے جو آپ کی ہے۔

زیادہ نیاز، اسد اللہ اسد۔
(۱۴ اور ۱۸ شعبان ۱۲۴۳ھ، مطابق ۱۹ اور ۲۳ فروری ۱۸۲۹ء کے درمیان لکھا گیا)

خط۔۳

مہربانی کرنے والے میرے مخدوم اور میرے مطاع جناب مرزا احمد بیگ خاں صاحب، خدا ان کی عظمت کو دوام بخشے۔
میرے مخدوم، نورچشمی محمد علی خان کی تقریبِ بسم اللہ کی رات یہ اتفاق ہوا کہ جب آدھی رات گزر گئی، میں اپنے گھر واپس آ گیا، لیکن چونکہ میں اپنے آپ کو ''مہمان'' تصور نہ کرتا تھا اور ہمارے درمیان کوئی تکلف بھی نہیں تھا، اس لیے رخصت کا رسمی تکلف ایک طرف رکھ کر (بغیر آپ کو)، طلاع دیے چل دیا۔ مخدومی جناب ابوالقاسم خان صاحب اس امر سے باخبر ہیں۔ غرض رات کے (باقی) دو پہر اونگھتے گزارے۔ صبح سویرے اٹھ کر ہوگلی روانہ ہو گیا اور دو روز وہاں آرام کر کے کل پیر کو دن ڈھلے گھر واپس آیا۔ مخدومی نواب علی اکبر خان نے سلام کہا ہے اور مبارک باد دی ہے۔ یہ میری ہرزہ گردی شوق کی خبریں تھیں جو بیان کی گئیں۔ امید رکھتا ہوں، اپنی اور صاحب زادگان کی خیریت سے مطلع فرمائیں گے۔

زیادہ نیاز، اسد اللہ اسد۔

(بروز منگل، ۱۱ شعبان ۱۲۴۳ھ، مطابق ۲۶ فروری ۱۸۲۹ء لکھا گیا)

خط۔۴

نوازش نامہ پہنچا اور اس نے میری عاجزی کی آبرو بڑھا دی۔ تینوں مطلعوں کو میں نے اپنے دعوے کے جسم کی روح سمجھتے ہوئے محفوظ کر لیا ہے۔ خیال ہے کہ چند روز ٹھہر کر محفلِ مشاعرہ میں بلند آواز سے پڑھے جائیں تاکہ اہلِ محفل بھی سن لیں اور اعتراض کرنے والے کی رسوائی اور معترض کی گراں رنجی ان پر ظاہر ہو جائے۔ رہا جناب کی عنایات کا تشکر اور جناب عالی ابوالقاسم خان صاحب کی غم خواریوں کا اظہارِ سپاس، سو کیا عرض کروں کہ حوصلۂ زبان و بیان سے باہر ہے۔ مجبوراً اس کو دل و جان کے حوالے کر دیا ہے۔ آداب و تسلیمات و اظہارِ تشکر اس بندۂ حق شناس کی جانب سے پیش کریں۔ فقط۔

(اتوار، ۶ جولائی ۱۸۲۸ء، مطابق ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ اور اتوار، ۳ راگست ۱۸۲۸ء، مطابق ۲۱ محرم ۱۲۴۴ھ، کے درمیان لکھا گیا)

خط۔۵

قبلۂ من! نہ معلوم یہ میری سادہ لوحی ہے یا حقیقت بھی یہی ہے کہ میں جناب عالی کے ملازموں اور خدمت گاروں کو اپنا ملازم اور خدمت گار سمجھتا ہوں۔ تین روز ہوئے ہیں کہ میرا آدمی برابر جاتا ہے اور جانو کو تاکید کر کے آتا ہے اور ہر روز میں شام تک اس کا انتظار کرتا ہوں۔ (حقے کے) نیچے ٹوٹ چکے ہیں۔ میرے پاس آدمی کہاں کہ یہ کام کرا سکے۔ ایک کہار اور دو خدمت گار میرے پاس ہیں، وہ بھی (ایسے کہ) شہر اور اہل شہر سے ناواقف۔ ستم ہے، اگر ایسی تنہائی اور بے کسی میں آپ بھی چارہ سازی و غم خواری نہ کریں۔ فرض کیا، جانو آپ کے سامنے یہ عذر پیش کرتا ہے کہ مجھے نیچہ بند ملا ہی نہیں (تو عرض یہ ہے کہ) مجھے نیچہ بند نہیں چاہیے۔ جانو سے ارشاد ہو کہ زحمت کر کے میرے پاس آ جائے تاکہ نیچے اس کے حوالے کر دوں اور جس طرح ان کی مرمت ہو سکتی ہے، اس کو سمجھاؤں تاکہ کام چل نکلے۔ آج اس وقت اتالی کے لیے سوار ہو کر جا رہا ہوں۔ اگر خیریت رہی تو ابتدائے شب حاضرِ خدمت ہوں گا۔ بہر حال کل صبح سویرے جانو میرے پاس آ جائے۔ زیادہ حدِ ادب۔ اسد اللہ خاں، فقط۔

(یکم اور نو صفر ۱۲۴۴ھ، مطابق ۱۳۔ اور ۲۱۔ اگست ۱۸۲۸ء کے درمیان لکھ گیا۔)

خط۔۶

سرکار کے خادموں کی بے پروائی تحریر و تقریر میں نہیں سما سکتی۔ مجبوراً نیچہ بند کو جانو کے اور جانو کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اور بس۔

پہلے تو نورچشمی محمد علی کی، خدا اس کی عمر دراز کرے، خیریت کی اطلاع دیں کہ دل کو سکون ہو اور جان کو قرار آئے۔ اس کے بعد اس خط کو، کہ آپ کے نام ہے، اطمینان کے ساتھ شروع سے آخر تک پڑھیں اور جب ''الف'' سے ''ے'' تک آپ اس پر نظر ڈال لیں تو پھر اس کو اپنی بیاض میں نقل کر کے اصل خط پھاڑ دیں، پانی میں بہا دیں یا نذرِ آتش کر دیں۔ زیادہ نیاز۔ فقط۔

(صفر ۱۲۴۴ھ، مطابق اگست ۱۸۲۸ء میں لکھا گیا۔)

خط۔۷

جناب مرزا صاحب گرامی صفت و پسندیدہ عادات، مرکز لطف و کرم، خدا کرے کہ اس کی عنایات روز افزوں ہوں۔ نیاز و تسلیم کی رسم کے اظہار کے بعد یہ عرض ہے کہ وہ نثر، جو آپ نے بھیجی تھی، نظر سے گزری اور جب تک آنکھ اس تحریر کی سیاہی سے آشنا ہوئی ایک عجیب حیرت رونما ہوئی کہ جس کی وضاحت ضروری ہے، لیکن چونکہ کسی ہنگامہ آرائی کا خیال یا کسی انصاف طلبی کی ہماری نیت نہیں، اس لیے ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ عبارت کی آرائش سے اس صفحے (خط) میں اجتناب کریں گے اور اعتراضات کے جواب کی امید نہیں رکھیں گے تاکہ ہر وہ شخص جو دیکھے، یہ جان لے کہ ہمیں جواب دینے کی خواہش یا مقابلے کی نیت نہیں۔ مختصر اور مفید

مطلب یہ کہ ان اوراق میں یہ مصرع ہم نے دیکھا.

نگاہش از درازی ہائے مژگاں بر نمی آید

اور اسی طرح اس مصرعے والا شعر:

کردم آں نالہ کہ تا شب اثرے باز نہ داد

بے معنی ہے۔ خاتمۂ کلام۔

ہیہات! ''از درازی ہائے مژگاں''، کیا معنی ہوئے؟ اور ''کردم آں نالہ'' سے کیا مراد ہے؟ کاغذ کے اُس پلندے کو، جو مشاعرے میں میری نظر سے گزرا ہے، اچھی طرح دیکھیں۔ اُس میں مطلع اس طرح لکھا ہے

نہ از ناز است کز چشمِ وے آساں بر نمی آید
نگاہش با درازی ہائے مژگاں بر نمی آید

لیکن شعر یہ ہے

آہ ازاں نالہ کہ تا شب اثرے باز نہ داد
بہم آہنگیِ مرغانِ سحر خواں زدۂ

مقصد یہ کہ شعر کو غلط جانیں، پر غلط پڑھیں نہیں۔ دوسرے اس بیاض میں لکھا تھا کہ ''گذاشتن وگذشتن'' 'و' 'پذیرفتن'' کو ''زائے ہوز'' سے لکھنا املا کی غلطی ہے۔

اے نکتہ رس! اس کو املا کی غلطی اس وقت کہہ سکتے ہیں جب لکھنے والا اس سے واقف نہ ہو اور اس سے تحریر میں یہ غلطی ہو جائے۔ حالانکہ ہماری تحقیق ہمارے یے کافی اور اپنی ذات ہی پر تمام ہو جاتی ہے۔ اگر قبول نہ ہو تو خوشی سے پھولیں گے نہیں اور اگر اس پر معترض ہوں گے تو دکھ سے زار نالی نہیں کریں گے۔ طرزِ تحریر کو املا کی غلطی کہنا غلط ہے۔ ہاں، اگر تحریر کی غلطی نہیں تو چنداں مضائقہ نہیں۔ غرض یہ کہ غلطی املا یہ ہے کہ مثلاً ''وعدالحرام'' کو کوئی شخص چھوٹی ''ہ'' سے لکھے اور ثالث کو دونوں جگہ ''س'' سے لکھے یا اسی طرح اعتراض کو ''ز'' کے ساتھ تحریر کرے اور ضبط کو ''ت'' کے ساتھ لکھے۔ وعلی ہذا القیاس۔

بخدا، اس عرض داشت کا مقصد کوئی شکایت نہیں، جس طرح وسطِ خط میں وضاحت کر چکا ہوں۔ یہ تحریر طولانی صرف اس امید پر ہے کہ جاننے والے جان لیں اور سمجھنے والے سمجھ لیں۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ رقم ننگِ خلقت اسد اللہ، اور بس۔

(اگست ۱۸۲۸ء، مطابق صفر ۱۲۴۴ھ، میں لکھا گیا۔)

خط۔۸

میری بے چارگیوں کے سہارے! میرا دل محمد علی خاں اور اس کے بھائی کے احوال کا منتظر ہے۔ امید ہے کہ ان چوبیس گھنٹوں میں آپ کو کچھ فرصت ملے گی اور آپ عافیت کا مژدہ سنا کر میرے تن میں جان ڈال دیں گے اور اس الجھن اور پریشانی سے

نجات بخشیں گے۔فقط۔

(صفر۱۲۴۴ھ،مطابق اگست ۱۸۲۸ءمیں لکھا گیا۔)

خط۔۹

میرے مخدوم ومطاع، خدا آپ کو سلامت رکھے! آج کہار پانی لانے کے لیے لال ڈگی چلا گیا۔ چونکہ صبح کا وقت ہے، دوسرے دونوں آدمی دوسرے کام میں لگے ہیں۔ مجبوراً کودک کہار کو عبودیت نامے کے ذریعے آستاں بوسی کے لیے بھیجا ہے۔ کیا اچھا ہو، اگر اپنے ملازموں میں سے کسی ملازم کو اخبار ''جامِ جہاں نما'' دے کر کودک کہار کے ساتھ میرے پاس بھجوا دیں۔ میں ریزیڈنٹ دہلی کی بابت وراق مذکور سے دریافت کر کے اسی صورت سے جناب کی خدمت میں واپس بھیج دوں گا اور اگر کودک کہار کے ہاتھ ہی بھیج دیں تو بھی چنداں خطرے اور خوف کا باعث نہیں ہوگا۔

زیادہ نیاز۔فقط۔

امید کرتا ہوں کہ تحریر کی زحمت اٹھا کر اپنی خیریت کی خوش خبری تحریر فرمائیں گے کہ دلِ مشوّش کو سکون ہو اور حرص پیشہ جان کو آرام آئے۔ سلام پر بات کا اختتام خیر ہے۔ اسداللہ، فقط۔

(جنوری ۱۸۲۹ء، رجب ۱۲۴۴ھ، میں لکھا گیا۔)

خط۔۱۰

گرامی قدر، ''جامِ جہاں نما'' کا پرچہ ملا۔ دراصل جناب ریزیڈنٹ دہلی کے ورود کی بابت معلوم کرنا مقصود تھا۔ معلوم ہوا ابھی تک الور ہی میں ہیں۔ (اور) اگر وہاں سے جے پور اور جودھ پور چلے گئے تو ان کی واپسی مدت بعد ہوگی اور اگر وہیں سے واپس آ جاتے ہیں تو کام بھی جلد ہوتا نظر آتا ہے۔ مختصر یہ کہ پرچہ دیکھا، اسی صورت حاملِ نوازش نامہ کے حوالے کر دیا گیا۔ دوشالہ بھی اسی کے ہاتھ بھیج دیا گیا ہے، مل جائے گا۔ زیادہ نیاز۔

عجیب بات ہے کہ اجزائے ''گلِ رعنا'' کے بارے میں مجھے یاد رہا اور نہ آپ نے بھیجے۔ یہ بات خط لکھ چکنے کے بعد خیال میں آئی۔ اسداللہ۔

(جنوری ۱۸۲۹ء، رجب ۱۲۴۴ھ میں لکھا گیا۔)

خط۔۱۱

میرے مخدوم، میرے مطاع، میری جائے پناہ مرزا احمد بیگ صاحب، خدا آپ کے لطف کو دوام بخشے، آپ کی عین عنایت (میرے) شاملِ حال ہے۔ خدمتِ عالی میں یہ عرض ہے کہ آج مناسب وقت پر پہلے دفتر پہنچ کر وہاں سے لارڈ صاحب کی بارگاہ میں جا کر حضوریابی کا شرف حاصل کیا۔ روزِ گزشتہ کی طرح آج بھی مرزا افضل بیگ صاحب اور حضرت مولوی سراج الدین صاحب کی دل

داری کے لیے اسی جگہ رات گزارنی پڑی۔ انشاء اللہ کل دوپہر تک واپس اپنے غم خانے میں پہنچ جاؤں گا۔

تقریب کے لیے وہ دوشالہ، جس کے بارے میں رقعہ بھی تحریر کیا گیا ہے، رکھ لیا ہے، لیکن پگڑی کی چونکہ ضرورت نہیں تھی، اس کو واپس کر دیا گیا ہے۔ تسلیم کے علاوہ اور کچھ عرض کرنے کو نہیں۔ محمد اسد اللہ۔

(بروز پیر ۲۰ شعبان ۱۲۴۴ھ، مطابق ۱۹ فروری ۱۸۲۹ء لکھا گیا۔)

خط۔۱۲

اے میرے مخدوم و مطاع، خدا آپ کی بزرگی کو دوام بخشے۔ محفلِ طرب کے انعقاد سے مجھے ابھی تک واقفیت نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ اس کے وقت اور محل سے مجھے مطلع کریں گے۔ کل مخدومی نواب علی اکبر خان کا، کہ میرا دل جن کی عنایات کا شکار ہے، ہوگلی سے خط آیا ہے۔ بیمار ہیں اور مجھے عیادت کے لیے بلایا ہے۔ جی چاہتا ہے، چلا جاؤں اور ایک ہفتہ وہاں گزاروں۔ اسی وجہ سے تو میں پوچھ رہا ہوں کہ اگر آنے والے بدھ کے دن کو، جو آج سے پانچ دن بعد ہے، اس تقریب کا انعقاد ہے تو میں جانے میں توقف کروں اور بدھ کے بعد جاؤں اور اگر اتفاقاً یہ محفل رمضان میں ہونا قرار پائی ہے تو جلد چلا جاؤں تا کہ وقت پر واپس پہنچ جاؤں۔ امید کرتا ہوں کہ اس ضمن میں، جو امر خاطرِ اقدس میں محفوظ ہے، اس کے اظہار سے مجھے شادکام و خاطر جمع کریں گے۔ زیادہ نیاز۔ اسد اللہ۔

(جمعہ ۲۳ شعبان ۱۲۴۴ھ، مطابق ۲۷ فروری ۱۸۲۹ء میں لکھا گیا۔)

خط۔۱۳

جناب الطاف پناہ، حضرت مرزا احمد بیگ خاں صاحب، خدا کی مہربانیاں آپ پر قائم رہیں۔ اے عالی جناب، خواجہ فیض الدین حیدر صاحب کے نام کا خط آپ کے پاس پہنچ رہا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اپنے رقعات کے ساتھ ہی اس کو بھی جہاں گیر نگر بھجوا دیں گے۔ عرض یہ ہے کہ اگر چہ ہمارے درمیان کوئی ایسا زیادہ رشتہ نہیں ہے پھر بھی کوئی عزیز اتنی دور سے اگر محبت نامہ بھیجے اور اسے جواب نہ ملے تو راقم کی بد دماغی پر محمول ہوگا۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ جناب عالی اس خط کی خاطر خصوصاً ایک خط لکھ کر روانہ فرمائیں۔ اس کا احسان مجھ پر ہوگا۔ زیادہ نیاز۔ اسد اللہ خاں۔

(بروز اتوار، ۲ رمضان ۱۲۴۴ھ، مطابق ۸ مارچ ۱۸۲۹ء میں لکھا گیا۔)

خط۔۱۴

قبلۂ من۔ نوازش نامے نے مژدۂ لطف سے دل نوازی کی اور پگڑی کی رسید نے سرافرازی۔ تحریر تھا کہ آج محفل میں پہنچنا چاہیے، سو پہنچوں گا، لیکن اس شرط پر کہ جناب عالی قریب شام میرے آنے کا انتظار کریں۔ جب شام ہونے میں ایک گھنٹہ باقی رہ جائے گا تو میں سر کے بل چل کر اس محلے میں پہنچ کر پہلے حکیم صاحب کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں گا اور اس کے بعد جناب کی

خدمت میں پہنچ کر ملازموں کی معیت میں تقریب کے لیے پہنچ جاؤں گا۔

اور جو آپ نے محاورے کے بارے میں جاننا چاہا ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ''قدم از سر ساختن''، ''سر را قدم ساختن'' اور ''سر قدم ساختن'' (سب کے) ایک ہی معنی ہیں۔ میں نے اہلِ زبان کو (یہ محاورہ) تینوں رنگ سے استعمال کرتے دیکھا ہے، لیکن اس قدر ضرور سمجھتا ہوں کہ ''قدم از سر ساختن''، یعنی ''سر کے بل چلنا'' اہلِ ہند کے مذاق کے مطابق اخذِ معنی کے سبب زیادہ خوش گوار ہوگا۔ فقط۔

اب اس فقرے کا جواب، جو جناب نے خط کے درمیان لکھا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اس جزوِ واحد کے دو ٹکڑے نہیں کرنے چاہئیں، اور اس عنایت کو دوسری بار نہیں کر سکتے۔ کوشش یہ ہو کہ جو چیز مطلوب ہے، عید سے پہلے مجھے یک مشت پہنچ جائے۔ باقی تفصیل بالمشافہ گوش گزار کر دی جائے گی۔ زیادہ نیاز۔

اسد اللہ

(بروز بدھ، ۲۶ رمضان ۱۲۴۴ھ، مطابق یکم اپریل ۱۸۲۹ء میں لکھا گیا۔)

خط۔۱۵

قبلہ من، امید ہے کہ وہ سبز دوشالہ، جو میں گزشتہ رات آپ کے ملازموں سے لایا تھا، بخیریت تمام آپ تک پہنچے۔ دوسرے یہ کہ جناب فیض الدین حیدر صاحب کے نام، خدا تعالیٰ ان کو سلامت رکھے، ایک بندگی نامہ ارسال ہے۔ جناب عالی اپنے ملازموں میں سے کسی ایک کے ذریعے ذرا اس کو مکتوب الیہ تک پہنچا دیں۔ مزید یہ کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم جب کبھی نزلے اور زکام میں مبتلا ہو گے تو برشعثا کی، جو ''برش'' کے نام سے معروف ہے، چاشنی میں تمہارا حصہ بھی ہوگا، سو نزلہ اور زکام بھی ہو گیا۔ اب کم از کم ایک تولہ اس مرکب میں سے عنایت فرمائیے کہ دو تین روز میں اس کو استعمال کرنا شروع کر دوں۔ زیادہ نیاز۔

اسد اللہ

(بروز جمعہ، ۶ صفر ۱۲۴۵ھ، مطابق ۷ راگست ۱۸۲۹ء میں لکھا گیا۔)

خط۔۱۶

اے میرے مخدوم، اتفاق یہ ہے کہ مجھے دو تین دن اور بھی کلکتے میں ٹھہرنا پڑے گا، (چنانچہ) کل روانگی نہیں ہوگی۔ اگر کوئی امر مانع نہیں ہوا تو جمعرات کے دن یقیناً کشتی میں سوار ہو جاؤں گا۔ میں نے جب دیکھا کہ ابھی فرصت ہے، آج جناب کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا اور آشنا جگہوں پر جانا موقوف کر دیا۔ ان شاء اللہ اتوار کے دن ایک دوسرے سے رخصت ہوں گے۔ زیادہ نیاز۔

امید ہے کہ غلام حسین کے احوال کی اطلاع دیں گے۔ دوسرے، ڈھاکے کے خط کی روانگی سے بھی مطلع کریں گے۔ ظہوری علیہ الرحمہ کا دیوان غالباً خواجہ مستقیم صاحب کو مل چکا ہوگا۔ والسلام والاکرام۔ فقط۔

(بروز ہفتہ ۱۴ صفر ۱۲۴۵ھ، مطابق ۱۵۔ اگست ۱۸۲۹ء لکھا گیا۔)

خط۔۱۷

قبلۂ من، نوازش نامہ پہنچا اور منکشف حال ہوا۔ فدوی کو آج کے کھانے پر دو واضح عذر ہیں ایک تو یہ کہ میں رات کو کھانا ہی نہیں کھاتا۔ دوسرے یہ کہ آج اتوار ہے اور اس دن میں گوشت سے پرہیز کرتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دسترخوان کے، ایک طرف بیٹھا ،یک بڈی کا ٹکڑا اور کباب لے کر کھاتا رہتا۔ (چنانچہ) امید کرتا ہوں کہ بہرصورت مجھے معاف فرمائیں گے مگر میرے لیے اپنا بچا ہوا محفوظ رکھیں ،کل صبح کے وقت جناب کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ کھا کر رخصت ہوں گا اور دریا پر پہنچ کر کشتی میں بیٹھوں گا اور روانہ ہو جاؤں گا۔ آج میرا حاضر ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ زیادہ بندگی۔ مولانا سراج الدین احمد صاحب سلام پہنچا رہے ہیں۔ فقط۔

(بروز اتوار، ۱۵ صفر ۱۲۴۵ھ، مطابق ۱۶/ اگست ۱۸۲۹ء میں لکھا گیا۔)

خط۔۱۸

میرے مخدوم، میرے کرم کرنے والے، جناب مرزا صاحب و الا صفت، خدا آپ کی عنایت زیادہ کرے۔ میرے دل میں ایک لطیف بات آئی ہے۔ چاہتا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے ساتھ راؤ شیو راؤ والا صفات کے دولت کدے پر حاضر ہوں، لیکن فکر نے شوق کی باگ پکڑ لی۔ (خیال یہ آیا کہ) ان دونوں جگہوں پر جیسی خلوت کہ چاہیے نہیں مل سکے گی۔ چنانچہ عرض یہ ہے کہ اس رقعے کو راؤ صاحب کی خدمت میں پہنچا کر اور میری درخواست سے ان کو مطلع کر کے سر شام یا ابتدائے شب، جب آپ چاہیں، راؤ صاحب کے ہمراہ میرے غریب خانے پر آنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس ضمن میں کسی قسم کی غفلت درمیان نہیں آنی چاہیے۔ مزید نیاز کے سوا اور کیا عرض کروں۔

گنہگار اسد اللہ

(دورانِ قیام کلکتہ لکھا گیا۔)

خط۔۱۹

جناب عالی، خدا اپنے لطف کو آپ پر ہمیشہ قائم رکھے۔ عبودیت نامہ لے کر کہار آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ رحم علی کو ہدایت فرمادیں گے کہ دستار بند سے دستار کہار کو، اور مزدوری کی رقم کہار سے دستار بند کو دلوادے۔ مزید یہ کہ سوائے نیاز اور کچھ نہیں۔

(دورانِ قیام کلکتہ لکھا گیا)

خط۔۲۰

میرے مخدوم، خدا آپ کو سلامت رکھے۔ ہفتے ہوگئے ہیں کہ آنکھ آپ کے دیدار سے اور کان آپ کی آواز سے محروم ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ جناب مولانا سراج الدین احمد، خدا ان کے سائے کو دوام بخشے، دامنِ نسیم کو اپنے چنگل میں تھامے، مجھے اپنے ساتھ برج تالاب کے ہنگامے میں لے گئے تھے۔ خیال تھا کہ جناب عالی بھی سیر و تماشے کے لیے آئے ہوں گے۔ باوجود اس کے کہ میں نے اور مولانا نے اس آرزو میں لوگوں کی بھیڑ کے پردے کو چیر ڈالا، لیکن جناب کے مدعا کی کرامات بھی نہ مل سکی۔ مختصر یہ کہ اب قدرے اپنی بے بسی پر غصہ آ رہا ہے کہ جناب کی خدمت میں حاضر کیوں نہ ہوا، اور اس طرح قدرے جناب کے تساہل اور تغافل سے ہزار گونہ پیچ و تاب میں ہوں کہ ان دس بارہ دنوں میں آپ نے میری خبر نہ لی کہ فدوی کو کیا درپیش ہے اور کہاں غائب ہو گیا؟ بہرطور، خدا آپ کو سلامت رکھے اور طویل عمر عطا کرے۔ فقط۔ حقیر اسد اللہ۔

(دورانِ قیام کلکتہ لکھا گیا۔)

خط۔۲۱

قبلۂ من، اس عنایتِ کلی کا شکریہ، کہ ایک عمر کے بعد مجھے یاد فرمایا ہے، بجز اس کے کہ ساری عمر (اس کی ادائیگی میں) گزار دی جائے، ادا نہیں ہو سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ عمر اب کم ہی باقی رہ گئی ہے۔ بہرصورت، اس شکریے کی ادائیگی سے صرفِ نظر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی زبان کو تالو سے کھینچ باہر کر کے اور مغزِ دل و جان میں ڈال رہا ہوں تاکہ اس کی ادائیگی باقی نہ رہ جائے اور تالو اور زبان کی مدد کے بغیر ادائیگی انجام پائے۔ آپ بے کسوں کو یاد کرتے ہیں اور گناہگاروں کو خط لکھ کر خوش کرتے ہیں، خدا آپ کو طویل زندگی دے۔ باہر سے اور اندر سے، یعنی دل سے بھی اور زبان سے بھی، فرزندانِ ارجمند کو دعا پہنچے۔ فقط۔

(بروز جمعہ، آٹھ شوال ۱۲۴۵ھ، مطابق ۲۰۔ اپریل ۱۸۲۹ء کے بعد لکھا گیا۔)

خط۔۲۲

تنت بہ ناز طبیباں نیاز مند مباد

وجودِ نازکت آزردۂ گزند مباد

ترجمہ (خدا کرے) تیرا جسم طبیبوں کے ناز کا محتاج نہ ہو (اور) تیرے نازک وجود کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

قبلہ و کعبہ، اس سے چند دن پیشتر صحیفۂ پاکیزہ حکیم صادق علی خاں کی وساطت سے مجھے ملا ہے۔ ابھی جواب نہ لکھا تھا کہ آج، چوتھی ستمبر اور نہ جانے ربیع الاوّل کی کون سی تاریخ ہوگی، نیک لوگوں کے اعلیٰ مولوی سراج الدین احمد کا خط (بھی) آ گیا۔ جس نے جناب کی ناسازیٔ طبیعت کی اطلاع دے کر مجھے رنجیدہ کر دیا۔ چونکہ اس مکتوبِ دل پذیر میں بھی تحریر تھا کہ بہ صورت و معنی حضرت حکیم احمد علی کے علاج سے قدرے افاقہ ہوا ہے اور صحت کی امید بندھی ہے۔ خدا کی قسم، اس واقعے جتنی ہی میرے دکھ میں کمی واقع ہوئی ہے۔ خدا کے واسطے مجھ بے کس سے آنکھیں نہ پھیر لیجئے گا (بلکہ) جلد ہی اپنی صحت یابی کی خوش خبری بھیجئے گا۔ اس کے بعد میں آپ کے خط کی آمد کی گھڑیاں شمار کرتا رہوں گا۔

اس خط میں، کہ حکیم صادق علی خاں نے مجھے پہنچایا ہے، عدالت ہوگلی سے قطع ہونے اور جہاں گیرنگر کے عدالت کی علیحدگی کا ارادہ اور کلکتے سے رنجیدگی کے ساتھ دارالخلافہ دہلی کا عزمِ روانگی تحریر تھا۔ ہر چند جناب کے ملازموں کا دہلی آنا کائنات کی خوشیوں کی دوست ہے، لیکن کلکتے سے رنجیدگی بھی تو ایک قہر سے کم نہیں! بخدا، دہلی میں وہ توانائی نہیں کہ کوئی آزادہ منش یہاں خاک نشیں بن جائے۔ اس آبادی کے لوگ بغیر سبب کے لوگوں کو تکلیف دینے والے ہیں اور اس ناہنجار سرزمین کے مرد و زن مُردوں کے کھانے والے ہیں۔ نیت یہ ہے کہ جب یہ مقدمہ ختم ہو جائے تو کسی بہانے سے اس شہر سے نکل کر کھڑا ہوں اور کلکتہ پہنچ جاؤں۔ جان سے زیادہ عزیز، (آپ کو) درازیِ عمر و افزائشِ دولت کی دعا نصیب ہو۔ فقط۔

(تاریخ ۴ ستمبر ۱۸۳۰ء مطابق ۱۵ ربیع الاول ۱۲۴۶ھ لکھا گیا۔)

خط۔۲۳

قبلۂ من، جناب کا حکم میرے دل و جان پر رواں ہے۔ آپ جو کچھ فرمائیں، جی جان سے اس کی تعمیل کروں گا، لیکن آپ دہلی والوں کے احوال سے واقف نہیں۔ میں نے جو حالات کو سمجھا ہے تو لوگ مجھ سے خائف ہیں، (سو وہ) آپ سے بھی بدگمان ہو جائیں گے، (اور خیال کریں گے کہ) مرزا احمد بیگ خاں نے اسد اللہ خاں کو اپنی جانب سے اس پر مامور کیا ہے کہ سارے معاملات میں ان کا عمل دخل ہو جائے۔ خدا کے لیے اپنے آپ کو بدنام اور مجھے رسوا نہ کیجیے۔ عقل مند آدمی کو چاہیے کہ اگر کسی مقصد کی پیروی کر رہا ہو تو اس طرح اپنے آپ کو بے پروا، اور لاتعلق ظاہر کرے کہ کسی کو اس کے راز کا پتہ نہ چل سکے۔ نہ کہ آپ کی طرح صاف دل اور بے فکر ہو جائے کہ باوجود بے حرصی اور بے غرضی کے لوگوں کی نظر میں انتہائی حریص اور لالچی قرار پائے۔ مقصد یہ ہے کہ ان حکما کے ٹولے پر صداقت کا گمان نہ کریں اور ان تمام کو اپنے آپ سے خائف اور اپنے مخلصوں سے خوف زدہ تصور کریں۔ اگر اس شہر آنے کا ارادہ ہے بھی تو خاموش رہیے۔ جب آپ آ جائیں گے، اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیں گے۔

مخدومی نواب مہدی علی خاں کے حال سے بے خبر ہوں۔ میں اس سراسیمگی کے سبب، کہ دائیں بائیں جس خوف و ہراس کے شکنجے میں انہوں نے مجھے ڈال دیا ہے، خط لکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ نواب صاحب کو بھلا عاجزوں کو یاد کرنے کا خیال کہاں؟ اسد اللہ، فقط۔

(ربیع الثانی ۱۲۴۶ھ، مطابق ستمبر اکتوبر ۱۸۳۰ء میں لکھا گیا۔)

خط۔۲۴

دکھے دلوں کو کوئی نالہ و فریاد سے منع نہیں کر سکتا اور نہ الم زدوں کو کوئی سینہ کوبی سے باز رکھ سکتا ہے۔ میرے پیارے، کہ میرا دل تمہاری بے مروتی سے دکھا ہوا ہے، نالہ و فریاد کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ توقف کی اذیت سے جان دینے کے بعد اب اپنی محبت کا ماتم کر رہا ہوں۔ سینہ ہی کوٹوں گا، اگرچہ پتھر کی سل نہیں ہے۔ جب دو ہفتے گزر جاتے اور آپ کی اور مولوی سراج الدین احمد کی طرف سے کوئی خط نہ پہنچتا تو میں، اپنا جگر اپنے دانتوں سے کاٹتا اور حواس باختہ ہو جاتا تھا۔ اب وہی آپ ہیں، وہی مولوی سراج الدین احمد اور وہی

یہ غم زدہ دردمند۔ چھ ماہ ہوئے کہ دوسروں کے خط کے حاشیے پر بھی آپ نے کوئی سلام نہ کہا۔ تو بھلا اس نامہ و پیام کے کیا معنی۔ (رہا) میرا خط نہ پہنچنے کا سوال، تو وہ اس ہی سبب سے ہوسکتا ہے کہ میں بھی آپ کی پیروی میں ترک محبت کی کوشش میں ہوں گا۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ دکھ درد میں ایسا مبتلا ہوں گا کہ مجھے سانس لینا اور بات کرنا دشوار ہوگا۔ اپنے منصف خدا کا شکر گزار ہوں کہ جسم کی اس لاغری کے باوجود اس نے ایسا مضبوط اور تنومند دل دیا ہے کہ گر، مثال کے طور پر، دونوں عالم تہ پٹ ہو جائیں تب بھی مجھ پر اثر نہ ہوگا اور ان سب امور کے باوجود پاس وفا میں ایسا ثابت قدم ہوں کہ اگر سر بھی کٹ جائے، راہ وفا سے میرے پاؤں نہیں لڑکھڑائیں گے۔ اب خدا کے واسطے یہ تو بتائیے کہ آپ کا دل کن خیالات کا مسکن رہا اور مولوی سراج الدین احمد کو کیا پیش آیا۔ شاید انہوں نے یہ سوچا کہ اسداللہ کی میل جول کی کوشش اس وجہ سے ہے کہ میں کونسل کے دفتر کا رکن بن گیا ہوں، یعنی جس دن سے موصوف پیش گاہ صدر عدالت میں مسند نشیں ہوئے ہیں، کبھی ایسا نہ ہوا کہ مجھے یاد کیا ہو۔

(بروز جمعہ، ۲۵ صفر ۱۲۴۷ھ، مطابق ۵۔ اگست ۱۸۳۱ء لکھا گیا۔)

خط۔ ۲۵

[1]

متفرقات غالب

دکھے دلوں کو آہ و بکا سے منع نہیں کیا جا سکتا اور نہ ماتمیوں کو سینہ کوبی سے روکا جاسکتا ہے۔ مجھ کہ میرا دل تمہاری بے وفائی سے دکھا ہوا ہے، سوائے نالہ وشیون کے اور کوئی چارہ نہیں ہے اور چونکہ تغافل کے درد سے جان دیگر محبت کے ماتم میں مبتلا ہوں (تو) سینہ کوبی (ہی) کروں گا اگرچہ (یہ) پتھر نہیں ہے۔ دو ہفتے گزر جانے پر بھی جب کوئی خط نہ آپ کی طرف سے اور نہ سراج الدین احمد صاحب کی طرف سے ملا تو میں نے اپنے دانت اپنے جگر میں گاڑ دیے اور بے خود ہوگیا۔ آپ بھی وہی ہیں اور مولوی سراج الدین بھی اور یہ دردمند غمگین بھی وہی۔ چھ ماہ ہوگئے ہیں کہ کسی دوسرے کے خط کے حاشیے میں بھی کبھی سلام لکھ کر نہ بھیجا تو پھر نامہ دینا تو دور کی بات ہے۔ میرا خط نہ لکھنا اس وجہ[2] سے نہیں کہ ترک محبت میں تمہارا پیرو بن گیا ہوں گا اور نہ اس وجہ سے کہ میں غم واندوہ میں اس قدر بے حال ہوگیا ہوں گا کہ سانس لینے اور بات کرنے کی سکت بھی نہیں ہوگی۔ خدائے عادل کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس دبلاپے پر بھی میرے دل کو ایسی مضبوطی اور توانائی بخشی ہے کہ مثال کے طور پر اگر دونوں عالم تہ پٹ ہو جائیں پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹوں۔ اور اس (ہمت) کے باوجود وفاداری میں اس قدر ثابت قدم ہوں کہ سر چلا جائے لیکن میرے پاؤں کو راہ محبت سے لغزش نہ ہوئی۔ خدا کے واسطے ذرا یہ تو بتلایئے آپ کے دل میں کیا خیال آیا اور مولوی سراج الدین پر کیا گزری۔ شاید انہوں نے یہ سوچا تھا کہ اسداللہ کے مجھ سے تعلق کی وجہ یہ ہے کہ میں کونسل کے عمائدین میں سے ہوں یعنی جس دن سے صدر عدالت کی پیشگاہ پر رونق افروز ہوئے ہیں کبھی ایسا نہ ہوا کہ مجھے یاد

۱۔ مآثر غالب میں زیر نظر خط شمارہ نمبر ۲۴ پر ہے اور "مجھے یاد کیا ہو" تک مشترک ہے اور ان ہی الفاظ پر ختم ہوجاتا ہے۔ (مترجم، مرتب)

۲۔ متن میں "از جانب من نہ از آں دوست" ہے جبکہ قیاس کے مطابق 'دوست' کی جگہ 'روست' ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم، مرتب)

کیا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ ان سارے امور میں عجیب ترین بات تو یہ ہے کہ وہ کوئی بات تھی جس کے سبب آپ نے میری پرسش حال سے منہ پھیر لیا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ فدا بیگ حیات نہیں ہے ورنہ میں اپنا خون پیتا' آپ سے ناراض ہوتا اور آپ کو بھی اپنے سے افسردہ کرتا۔ لیکن یہ مقصد صرف آپ کے لیے ہوتا اور مولانا سراج الدین احمد کو اس قضیے سے دور رکھتا۔ شکر و شکایت کے مراتب سے قطع نظر انصاف کریں کہ مہینے کے مہینے گزر جائیں اور آپ اور آپ کے نورِ چشموں کی خیریت[1] سے بے خبر رہوں۔ ناراض کیوں نہ ہوں اور شکایت کیوں نہ کروں۔ آج جام جہاں نما کے اوراق دیکھ کر ایسا نیا حال معلوم ہوا کہ اس رسوائی پر صبر نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً آپ نے بھی اس اخبار میں دیکھا ہوگا۔ واللہ خدا کی قسم اور ایک بار پھر خدا کی قسم' مجھ عاجز کے بارے میں اس اخبار میں جو کچھ بھی لکھا ہے سارا جھوٹ' اتہام اور بہتان ہے۔ خواجہ رحمت نام کے ایک حرامی نے کہ جو بریلی کے سادھو بچوں میں سے ہے اور ایک فتنہ پرداز جادوگر ہے شمس الدین خان کو اپنی جادو بیانی سے مطیع کر لیا ہے اور اس کے دل میں یہ گھر بنا لیا ہے کہ شمس الدین خان کے لیے اس کے دائرہ حکم سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہا ہے۔ خبر نگاروں کو مال و قال سے اپنا فریفتہ کر کے جو خبر بھی چاہتا ہے اطراف میں بھیج دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ رائے سدا سکھ صاحب کے نام کا ایک خط بھی اسی خط کے ساتھ لفافہ ہو کر بھیجا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اس کو پہلے آپ خود پڑھیں گے اور پھر رائے صاحب کے سپرد کریں گے۔ جو کچھ بھی ہے وہ رائے صاحب کے نام جو خط ہے اور اس کے ساتھ جو قطعہ لف ہے اس کے پڑھنے سے واضح ہو جائے گا۔

حضرت اکبر شاہ فدا بیگ کی وفات کے دن مختلف امراض میں مبتلا تھے۔ پرسوں کہ آخری صفر کا چہار شنبہ تھا غسلِ صحت کیا ہے۔ لیکن ابھی کمزور ہیں اور عرضداشتیں سننے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ حضرت مخدومی کے دل کا مقصد میرے اندازے کے مطابق قابلِ حصول نہیں ہے۔ چونکہ (ان امور میں) عقل کی کنجی سوہن لال ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے بھائیوں میں سے ایک کو سفارت پر فائز کرا دے اور خود اس کا مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے تو کسی دوسرے کی بات تو دور کی بات ہے۔ امید ہے کہ مولوی سراج الدین احمد صاحب کی خدمت میں تسلیمات پہنچائیں گے اور اگر ممکن ہو اور مشکل نہ ہو تو دو تین سطریں اپنے دستخط کے ساتھ الگ کاغذ پر لکھوا کر اپنے خط میں رکھ کر بھیج دیں۔ افسوس میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بھلا مجھے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ مرزا صاحب مجھے کوئی خط لکھیں گے کہ اس میں حضرت مولوی صاحب کا خط بھی لف کر دیا جائے۔

خط۔۲۶

۲

قبلۂ من!

شکایت کی کوئی بات نہ تھی اور شکوے کا تقاضا نہیں تھا۔ سو میں نے جا کر زمانے سے مصالحت کر لی۔ تازہ خبر یہ کہ حاکمِ دہلی نے مجھے بلایا اور اپنی زبان گہربار سے فرمایا کہ مرکزی دفتر کے حکام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ نصر اللہ خان کے متعلقین کو یہی ملے گا اور اسی طرح

۱- متن میں ایک 'اخبار' زائد معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم و مرتب)

مستقبل میں بھی ملے گا جس طرح ماضی میں ملتا رہا ہے۔ اگرچہ یہ مکروہ امر واقعہ ہزار گونہ غم واندوہ کا سبب ہے لیکن خدا کی قسم میرا دل آزردہ کسی جانب مائل نہیں اور اپنے مقصد کے حاصل نہ ہونے سے میں رنجیدہ نہیں ہوا ہوں۔ لیکن یہ غم مجھے مارے ڈال رہا ہے۔ افسوس میں ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا، ہوگا کہ تجویز سابق کو اس طرح اٹھا پھینکیں۔ ہاں حاکم دہلی شروع میں مجھ پر مہربان تھا لیکن آخر آخر میں دشمنوں کی چغلخوری (۱) کارگر ہوگئی اور وہ دشمن کا طرفدار بن گیا اور مجھ سے منہ پھیر لیا۔ دشمن کی پیش کی ہوئی سند کو مرکزی دفتر کے اراکین (۲) کو درست اور سنجیدہ طریقے سے دکھایا اور وہ جواب کہ جو میں نے دیا تھا اور وہ دو ورق جو میں نے خامے سے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر کے محکمے کو بھیجے تھے رپورٹ میں شامل نہ کئے اور میرے مقدمے کا کونسل میں یک طرفہ فیصلہ ہوگیا۔ میری محنت ضائع ہوگئی اور میرا حال تباہ۔ خدا کا (پھر بھی) شکر ہے کہ ناکامی اور نامرادی میرے لیے آسان ہے۔ البتہ عوام کے تمسخر اور خواص کی ملامت کا قدرے آزار برداشت کرتا ہوں اور وہ بھی گزر ہی جائیگا۔

در طور گر امروز ز موسیٰ اثرے نیست
فرداست کہ از طور ہم آثار نماند

(ترجمہ) آج اگر طور پر موسیٰ کے آثار نہیں تو کل طور کے آثار بھی (باقی) نہیں رہیں گے۔

امید کرتا ہوں کہ تھوڑی زحمت کریں گے اور مجھ پر چند مہربانیاں فرمائیں گے۔ پہلی تو یہ کہ راجہ سدا سکھ صاحب کے نام کے خط کو شروع سے آخر تک غور سے پڑھیں اور مکتوب الیہ کو پہنچا دیں اور کوشش فرمائیں کہ قطعہ چھپ جائے اور مشہور ہو جائے اور زبان زد عام ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جناب سفیر کے نام جو خط ہے اس کو بھی شروع سے آخر تک پڑھیں اور ان کو پیش کر دیں اور اس کے جواب پر چنداں اصرار نہ کریں۔ اگر مل جائے تو اپنے خط کے ساتھ ارسال کر دیں۔ دوسرے جناب عالی سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ تھوڑا توسل کا حال ضرور لکھیں۔ کہتے ہیں کہ ولیم بیلی صاحب ولایت، اور مٹکلف صاحب بمبئی جا رہے ہیں اور دہلی کے لیے کسی دوسرے حاکم کا فیصلہ ہوا ہے۔ اس بارے میں جو کچھ بھی ظاہر ہو فدوی کو لکھیں اور خدا کے واسطے جواب لکھنے میں تساہل نہ کریں۔ ڈاک کا آدھا محصول اس علاقے کی سرکار کو دیا گیا اور آدھا دوسری جانب (مکتوب الیہ) کے ذمہ کر دیا گیا۔ یہ خط منگل کے دن بارھویں شوال کو سپرد ڈاک کیا گیا۔

خط۔۲۷

۳ (۳)

کعبۂ من!

آپ کا حکم میری جان و دل پر جاری ہے۔ جو کچھ بھی کہیں سر کے بل دوڑوں گا اور سر کے بل چلوں گا۔ لیکن آپ اہل دہلی

۱- متن میں ''سعادت اعدا کارگر افتاد'' ہے۔ غالباً سعادت نہیں سعایت ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲- متن میں ''براحالی صدر'' لکھا ہے۔ اغلباً یہ 'براہالی صدر' ہے ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۳- یہ خط ''ومآثر غالب'' میں خط نمبر ۲۳ مشترک ہیں۔ متن میں تھوڑا بہت اختلاف ہے جو ترجمے میں بھی ہے۔ (مترجم و مرتب)

سے طور طریق سے واقف نہیں۔ جہاں تک مدارت کو سمجھنے کی میں نے کوشش کی ہے لوگ مجھ سے دور بھاگتے ہیں چنانچہ آپ سے بھی بدظن ہو جائیں گے اور سوچیں گے کہ مرزا احمد بیگ خان نے اسداللہ خان کو اس کام پر مامور کیا ہے کہ آہستہ آہستہ تمام امور میں دخل اور تصرف حاصل کریں۔ خدا نے لیے خود کو بدنام اور مجبور رسوا نہ کیجئے۔ عقلمند کو چاہیے کہ اگر حقیقتاً بھی کسی امر کے درپے ہو تو بھی اپنے آپ کو اسقدر آزاد اور بے فکر ظاہر کرے کہ کسی کو اس کے راز تک رسائی نہ ہو نہ یہ کہ تمہاری طرح صاف دل اور فارغ البال ہو جائے اور باوجود بے طمعی اور آزادی کے لوگوں کی نظر میں خود کو تنہائی حریص اور لالچی بنا دے۔ مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں پر سچائی کا گمان نہ کیجئے بلکہ سب کو اپنے آپ سے وحشت خوردہ اور اپنے مخلصین سے خوف زدہ سمجھئے۔ اگر آپ اس شہر آنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر آپ کی مرضی۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

خط۔ ۲۸

۴[1]

تنت بہ ناز طبیبان نیازمند مباد

وجودِ نازکت آزردهٔ گزند مباد

(ترجمہ) خدا نہ کرے کہ تیرا جسم طبیبوں کے ناز اٹھانے کا محتاج ہو (اور) خدا نہ کرے کہ تیرے نازک جسم کو کسی تکلیف سے آزردگی پہنچے۔

قبلہ وکعبہ!

چند روز پیشتر (آپ کا) صحیفہ قدسی حکیم صادق علی خان کے ذریعے مجھے ملا۔ ابھی جواب نہ لکھا تھا کہ آج ستمبر کی چوتھی کو (نجانے ربیع الاول کی کونسی تاریخ ہے) ایک خط مرکزِ صورت و معنی مولانا سراج الدین احمد صاحب کے پاس سے آیا۔ جس نے جناب کی ناسازیٔ طبیعت کی اطلاع دیکر مجھے رنجیدہ کر دیا۔ چونکہ اس مکتوب دلپذیر میں یہ بھی تحریر تھا کہ اب قبلۂ نیکاں حضرت سید احمد علی خان کے علاج سے کچھ افاقہ اور صحت کی امید رونما ہوئی ہے۔ خدا کی قسم اس افاقے جتنی ہی میرے انبوہِ الم میں کمی واقع ہوئی ہے۔ خدا کے واسطے مجھ بے کس سے آنکھیں نہ پھیر[2] لیجئے گا اور جلدی صحت یابی کی خوش خبری دیجئے گا کہ اس کے بعد آپ کے خط کے انتظار میں میں دن شمار کیا کروں گا۔ اس خط میں جو حکیم صادق علی خان نے مجھے پہنچایا ہے علاقہ ہوگلی کے قطع ہونے اور جہانگیر نگر کے علاقے کی علیحدگی کا ارادہ اور کلکتے سے منہ پھیر کر دہلی کو دارالقرار دینے کا عزم تحریر تھا۔ ہر چند جناب کے ملازموں کا دہلی آنا باعثِ افراطِ مسرت ہے لیکن کلکتے سے خوش بھی تو کیا تھا سے کم نہیں۔ واللہ کہ دہلی وہ اہلیت نہیں رکھتی کہ کوئی آزادہ منش یہاں خاک نشین بن جائے۔ اس جگہ کے لوگ بغیر سبب کے لوگوں کو تکلیف دینے والے ہیں اور اس ناشاد سرزمین کے مرد و زن مردم خور ہیں۔ نیت یہ ہے کہ جب یہ

۱۔ یہ خط دراصل غالب کا ذی الحجہ ۱۲۴۲ کا ہے تب تک کا ہے۔ اس میں بھی متن میں کچھ فرق ہے جو ترجمے سے ظاہر ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ ... میں ... یہ ... (مترجم و مرتب)

مقدمہ ختم ہو جائے تو کسی بہانے سے اس شہر سے نکل کھڑا ہوں اور کلکتے پہنچ جاؤں۔ میرا حال اس عریضے سے جو جناب مولوی ۔ ن الدین احمد صاحب کے نام ہے واضح ہو سکتا ہے۔ مخدومہ معظمہ کی خدمت میں کورنش اور جان سے زیادہ عزیز (بھتی) کے لیے درازیٔ عمر اور افزائشِ دولت کی دعا۔

خط۔ ۲۹

۵

میری ضرورتوں کے محور اور تمناؤں کے مرکز! خدا آپ کے سائے کو ہمیشہ قائم رکھے۔ وہ جان کہ جو دشمن سے بچالی نہ جا سکے اگر دوست کے قدموں پر نچھاور کر دی جائے تو ظاہر ہے کہ (اس سے) حقِ محبت کس قدر ادا ہو سکتا ہے۔ پھر بھی بر صورتِ حال میں بات شروع کی جا سکتی ہے۔ اور شکر کہ بہ اندازۂ جان و دل ہے کام و زبان سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ صحیفہ قدسی کی آمد کے فیض نے مجھے میری نظر میں وقیع بنا دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اگر چہ خدا نے مجھے بے حیثیت پیدا کیا ہے لیکن بے یار و مددگار نہیں چھوڑا اور برگزیدگان رل و میری غمخواری پر مقرر کر دیا ہے۔ ہر چند کہ میرا دل مطمئن تھا کہ جب بھی مرشد زادہ عالی نسب مرتضوی صفت نے قبلہ و کعبہ کونین حضرت مولوی کرم حسین کے آستانے کے سجدے کا نقش میری پیشانی پر دیکھ لیا (تو یقیناً) میرا سر خاک سے اٹھا لیں گے اور مجھے برباد نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن انصاف بڑائے طاعت۔ اگر[1] اس اگر اس سفارش کی درخواست پر نہ دیتا اور مثال کے طور پر سو عنایت نامے بھی بھجوا دیتا ان میں سے ایک کے جواب سے بھی میری آنکھ روشن نہ ہوتی اور آپ کی خاطرِ قدس میں میرا خیال نہ آتا۔ پنشن کے مقرر ہونے کا حال اس سے پہلے آپ کے ضمیر پر جو عقیدت کی آماج گاہ ہے آشکار ہو چکا ہے۔ اس امر کی حیرت نے دل کا گریبان اور فکر فاتر کا دامن پکڑ رکھا ہے کہ اب میرے قبلہ و کعبہ کے لیے کلکتہ میں اقامت کا کیا سبب[2] ہے۔ اہل وطن کی نوازش میں کیا چیز مانع ہے اور اس شہر میں قیام جاری رکھنے کا کیا موجب ہے۔ بہر حال اس خدائے یکتا و جہاں آفریں سے یہی امید ہے کہ جہاں بھی رہیں مخلوق کے راہبر اور دنیا کے پیشوا رہیں۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

(ترجمہ) جس زمین پر تیرے تلوے کا نشان ہو وہ برسوں اربابِ نظر کے لیے سجدہ گاہ رہے گی۔

اس شہر میں منصف کے ورود عالی کے بعد جو کچھ بھی رونما ہوا عرض حال کے طور پر آپ کی خدمت غریب نواز میں پیش کر دیا جائے گا۔

۱۔ متن میں غلط "سپارش" کے بعد "زحمت اوقات صفات نہ دادے" ہے جو سیاق و سباق کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتا چنانچہ قطع نظر کر کے "دادے" سے آگے ترجمہ کر دیا گیا ہے (مترجم و مرتب)

۲۔ متن میں "از چہ راہ راست" ہے جبکہ ترجمہ "از چہ راہ است" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

خط۔ ۳۰

۶

قبلہ من

اس مہربانی کا [illegible] پوری ایک عمر تمام کئے بغیر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ میں جانتا ہوں کہ میری تھوڑی عمر ہی اب باقی رہی ہے۔ [illegible] سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا' کام و زبان سے باہر نکال کر مغز دل و جان میں ڈال دیتا ہوں [illegible] زبان کی مدد کے بغیر ادا کیا جائے۔ بے کسوں کو آپ یاد کرتے ہیں، اور روسیاہوں کو خط لکھ کر خوش کرتے ہیں۔ خدا [illegible] نہیں۔ اس خط میں کہ اب جس کا جواب لکھنے کی فکر میں ہوں تحریر تھا کہ خاص طور پر اسد اللہ کے لیے نہیں [illegible] خاطر کا منکا نے کی کوشش کروں گا۔ مجھے ہنسی آ گئی اور حیرت سے وارفتہ ہوگیا کہ اس کے استحقاق اور عدم استحقاق سے قطع نظر خواجہ حاجی کو خواجہ حاجی خان مرحوم کس دستاویز اور کس تعلق کی بنا پر کہا جا سکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ احمد بخش خان نے خواجہ حاجی کے ساتھ باپ کا سا سلوک کیا اور اس کو بے حیثیتی سے (باحیثیت) بنایا ہمیشہ خواجہ حاجی رکھا اور (اسکو) خواجہ حاجی کہا۔ خانی کے خطاب سے [illegible] اس کو مخاطب کرنا اس کہانی کے مطابق ہے کہ ایک متعصب سنی ایک محفل میں بیٹھا تھا کہ اس مجمع میں سے کسی نے حضرت علی کا نام لیا اور اس کے ساتھ علیہ السلام کہا۔ اس متعصب کو تاؤ آ گیا لیکن دم سادھے رہا۔ اور بات کو طول دیکر یہاں تک پہنچا دیا کہ ابن ملجم کا ذکر آ گیا۔ جب اس نے اس کا نام لیا تو رضی اللہ عنہ کہا۔ اہل محفل نے اس کو منع کیا کہ علی ابن ابی طالب کے قاتل کو رضی [illegible] متعصب بپھر گیا اور کہا کہ افسوس چونکہ علیؓ کو کہ قاتل عثمانؓ ہے علیہ السلام کہتے ہیں تو میں بھی ابن ملجم کو کہ حضرت علی کا قاتل ہے رضی اللہ عنہ کہنے پر جواب دہ نہیں ہوں گا۔ یہ بات یہاں ختم ہو گئی۔ اب میں اپنی بات کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ مرزا عباس خان [illegible] خط پہنچا دیا۔ گھر میں سے گھر میں تسلیمات۔ اندر اور باہر سے یعنی دل اور زبان دونوں کے ذریعے فرزندان سعادتمند کو دعائیں پہنچیں۔

بنام خواجہ فیض الدین حیدر شائق جہانگیر نگری

خط۔۱

شعر

باہمہ خرسندی از وے شکوہ ہادارم ہمی
تانداند صید پرسش ہائے پنہانی مرا

ترجمہ س ساری ملاطفت کے باوجود مجھے اس سے شکوے بھی ہیں تاکہ وہ یہ نہ سمجھ لے کہ میں اس کی پرسش ہائے پنہاں ہی کا شکار ہو گیا۔

اے مجسم محبت اور اے ہمہ تن عنایت، خدا آپ کو سلامت رکھے۔لوگوں نے جوافق خاطر تک پہنچ کر یہ جان لیا کہ فلاں شخص کو تغافل کا شکوہ اور بے مہری کا رنج بے حد حساب ہے تو وہ اس سبب سے کہ خط بھیجا ہے اور اپنے تلطف کو خوش خبری دی ہے، سو ہم نے بھی شکوہ شکایت بند کر کے مہربانی کی تعریف شروع کر دی۔(ہم جیسے) کوچۂ الفت کے عاجزوں کی خوشی آپ کی نیم نگاہی کی نیت پر موقوف ہے۔مکرمی جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب نے بھی آپ کی طرف سے رخصت نہ کرنے کی معذرت کے باب میں مشفقی آغا محمد حسین صاحب کے ذریعے کچھ باتیں گوش گزار کی ہیں۔خدا کی قسم، میں نے اپنے دل کو ہر قسم کی گزارش کے ضمن میں ہم نوا پایا ہے۔چونکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ غفلت دیدہ و دانستہ نہیں کی گئی اور اس وداع میں دردِ سر مانع تھا، بلکہ اس قضیے میں تو میں خود اپنے آپ سے مقابل ہوں کہ میں نے یہ مہلت ہی کیوں دی کہ رخصت کا وقت نہ مل سکا۔

کاش جہاں گیر نگر میں کوئی میرا ایسا دوست ہوتا جو میری بے زبانی کی وکالت کرتا اور میری طرف سے معافی کا خواست گار ہوتا۔کیا اچھا ہو اگر آپ میری بے کسی پر رحم فرمائیں اور خود ہی میری طرف سے اپنی معذرت طلب کر لیں۔والسلام والا کرام، فقیر۔

محمد سداللہ

(۲رمضان۱۲۴۴ھ،مطابق ۸ مارچ ۱۸۲۹ء)

خط۔۲

اے بندہ نواز، جواہر نامہ پہنچا اور جناب عالی کی خیریتِ احوال معلوم کر کے میں نے خدا تعالیٰ کی ثنا خوانی کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ہرل کی زاری اور بے چینی عام نظر آنے والی چیزوں میں انتہائی وقیع باتیں ہیں اور ان بدیہات میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔جس کسی کو ہرل کی اضطرابی کا یقین نہ آئے وہ خود مٹھی بھر ہرل لے اور آگ پر ڈال کر خود دیکھ لے کہ کس طرح تڑپتا ہے۔ہاں،

البتہ ہرل کی بے چینی سیماب کی نفسی بے چینی کیطرح نہیں ہے اور (ہرل کی) یہ بے چینی آگ کی گرمی کے اثر سے ہے۔ جب کبھی بات کرنے والا پہلے مصرع میں آگ کی طرف اشارہ کرے گا، جس طرح کہا گیا:

تـــا دیــدم رُوے آتشیـنـــش

تو فوراً دوسرا مصرع صحیح، جائز اور روا ہو جائے گا.

مـــانـنـدِ سپـنـد بـے قـرارم

لیکن ان دو مصرعوں کو میں دہراتا ہوں:

مـــانـنـدِ سپـنـد بـرشـرارم

ہرل انگارے پر ایک شکل اختیار کرتا ہے اس کو "برشرار" کہنا فصیح نہیں۔ اور اگر اس کو "پُرشرار" کہیں تو وہ خلافِ واقعہ ہو جائے گا۔ چونکہ ہرل حرارت کے اثر کے ہوتے ہی اڑ کر اپنے وجود کو ختم کر دیتا ہے۔ اب اس قدر صبر اس میں کہاں کہ شرار کی محبت اختیار کرے، لیکن:

مثـلِ سیـمـــاب بـــے قـــرارم

بظاہر بے عیب مصرع ہے، لیکن اس کا پہلے مصرع سے کچھ تعلق نہیں بنتا چونکہ سیماب بغیر آگ کے وجود کے ہی بے تاب ہوتا ہے اور یہ مصرع:

تـــا دیــدم رُوے آتشیـنـــش

اپنے مقابل کوئی ایسی چیز مانگتا ہے کہ اس کو آگ کے قریب ہوتے ہی ایسی حالت سے دوچار کر دے جو اس قرب سے پیشتر اس میں نہیں تھی۔ بہرصورت، ان حالات میں تشبیہ، ماسوائے ہرل، پروانہ، باروت، خاروخس، یا اس قبیل کے الفاظ کے علاوہ کسی اور سے نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کہا جائے کہ سیماب بھی اگر آگ کے قریب ہو تو اس کی حالت بدل جاتی ہے درست سہی، لیکن چونکہ وجہ تشبیہ بے قراری ہے اور سیماب کے اندر یہ استمراری کیفیت ہے۔ بہرحال، اگر پہلا مصرع یہ ہے

دیـدم تـــا رُوے آتشیـنـــش

تو مصرعِ ثانی "بے قرار" کی پابندی کی وجہ سے مصرع تر نہ ہو سکے گا.

مـــانـنـدِ سپـنـد بـے قـرارم

فقط

مطلعِ غزل جناب:

مسیح زنانست و جانِ منست این
ہمانا کہ روح و روانِ منست این

بہت عمدہ اور بے عیب ہے، لیکن اگر "زمان" کی جگہ "جہاں" لائیں تو بہتر ہوگا، چونکہ لفظ "جہاں"، "جاں" کے ساتھ زیادہ خوش گوار اور درست معلوم ہوتا ہے، بہ مقابلہ لفظِ "زماں" کے۔ پس اس پر غور کریں۔

ہمیں خوں بہا بس بود بعدِ قتلم
چو گوئی کہ از کشتگانِ منست این

یہ شعر بہت اچھا اور بے جھول ہے لیکن "چو گوئی" سماعت پر بار گزرتا ہے اور دور از کار معنی دیتا ہے، چنانچہ آپ بے تکلفی سے۔

بفرما کہ از کشتگانِ منست این

کیوں نہیں کہتے

نہ پرسید گاہے ز حالِ درونم
وفایے بتِ بدگمانِ منست این

اگر آپ عالمِ الفاظ سے ذرا سا آگے بڑھ کر کیفیتِ معنی پر بھی غور کر لیتے تو یہ شعر نغز گویانِ گزشتہ کے اشعار کا ہم پایہ ہو جاتا۔ اب میں اس بات کی وضاحت کرتا ہوں۔

اے میرے مہربان، کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ محبوب بے وفا ہے اور میرا حال نہیں پوچھتا، لہٰذا "بدگمان"، کہ "بت" کی صفت کے طور پر آتا ہے، حشو قبیح کی قبیل میں آ جائے گا۔ وجہ اس کی یہ کہ اس لفظ میں کوئی دخل نہیں آپ یہ کیوں نہیں کہتے

ادائے بتِ بدگمانِ منست این

اب اس کے معنی یہ ہوئے کہ میرا محبوب بدگماں ہے اور (میرے متعلق) جانتا ہے کہ عاشقِ صادق نہیں ہوں اور اپنے آپ کو محض مکر و ریا کے طور پر بیمار ظاہر کرتا ہوں، لہٰذا میرے دل کا حال نہیں پوچھتا اور اس کا حال نہ پوچھنا اس کی ایک ادائے بدگمانی ہے۔ خدا کی قسم، اس شعر میں (معنی کی) تہہ داری اور استواری کا وہ جہان ہے، جس کو صرف کوئی صاحبِ ذوق ہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسرے چار شعر مع مقطع کے، اگر سچ کہوں تو، (بیاض میں) رکھنے کے لائق نہیں ہیں اور کاغذ پر ظلم نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے بہتر کی تلاش کریں اور دوبارہ کہیں۔

شعر

ہر چہ ازاں نام و نشانش دہند

چوں نہ پسندد بہ از آنش دہند

ترجمہ اس کو نام ونشان سے جو کچھ بھی عطا کیا جائے جب وہ پسند نہیں کرتا تو اس کو اس سے بہتر دیا جاتا ہے۔

والسلام والاکرام، راقم اسد اللہ

گرامی نامے کے آنے کے دو گھنٹے بعد، جمعہ چھٹی صفر کو لکھا گیا، فقط۔

(جمعہ ۶ صفر ۱۲۴۵ھ، مطابق ۷۔ اگست ۱۸۲۹ء)

بنام خواجہ فخراللہ

خط۔۱

اے اسد اللہ الغالب، خدمت عالی بلند مرتبہ خواجہ صاحب اعلاصفات، عظیم الشان نیاز مندوں کے مطاع ومخدوم، خواجہ فخراللہ صاحب کی (خدا ان کی بزرگی بڑھائے اوران کی محبت کو بلند کرے) خدمت میں منظور وقبول ہو۔

قبلۂ حاجت! خط کی ابتدا ہی میں دوست کی اعلامرتبگی کی تعریف خوشامد اور داستان سرائی ہے، سو یہ ہنگ ریاکاروں کو مبارک ہو اور تحریر کے پہلو بہ پہلو داستانِ شوق بیان کرنا محبوب کے راز کے چہرے پر نقاب ڈال دینے سے مماثل ہے، سو یہ طریق کار پردہ شناسوں کے حوالے۔

منتخب طریقہ نامہ نگاری کا وہ ہے کہ تحریر وتقریر میں اس قدر فصل نہ آجائے کہ اس دھاگے کے تار کو دوسرے کے تار سے بٹانہ جا سکے اور ایک کا خدّ وخال دوسرے کے آئینے میں نظر نہ آئے۔ غرض یہ کہ صرف اس جرم میں کہ میں نے ہمیشہ یہ چاہا کہ آنکھ بھی محبوب مدعا کے جلوے کی عکاسی کرے، کیا کیا دن ہیں کہ میرے لیے اندھیر نہ ہوئے اور صرف اس خط کی پاداش میں، کہ اپنے ہاتھ سے لیلئ مراد کی زلفوں کو سنواروں، کون سی مصیبت ہے جو اس دنیا میں میں نے برداشت نہ کی۔ دشمنوں کے مرتبے سے زاری کرتے ہوئے اور تلوار کی دھار پر اپنا سینہ رگڑتے ہوئے میرا کلکتے پہنچنا اور اس کھلی شاد وآباد بستی میں امید وخوف کی کش مکش میں بے چین گزارنا اور وہاں سے دعائے نامقبول کی طرح واپس آنا اور بن بلائی بلا اور آفتِ ناگاہ کی طرح نکل جانا اور تدبّر کے شیشے کا پتھر پر چور چور ہو جانا اور مینا کی کرچیوں کا (میرے) پاؤں میں چبھ جانا اور مسٹر انڈر واسٹرنگ کا مقدمے کی ابتدا ہی میں یکایک وفات پا جانا اور اس قضیے کے آخر میں مولوی محمد محسن کا درمیان سے نکل جانا اور ناکارہ بیماری کا جوہرِ درستی واحوال پر اثر انداز ہونا اور طوفانی موجوں میں (میری) کوششوں اور تدبیروں کا پانی ہو جانا، غرض اس قسم کے حوادث کو میں پورا بیان کروں، ورسرتا سر پیش کروں تو سو صفحوں میں بھی نہ سمائیں اور ہزار خطوط میں بھی اختتام پذیر نہ ہوں۔

مخدومی خواجہ محمد حسن صاحب نے اس نامہ نگار کی وہ مصیبت دیکھی ہے اور وطن میں میری غربت کا نظارہ کیا ہے۔ میرا دل فرنگی بے وفاؤں کے اختلاط سے اوبھ گیا ہے اور میری روح ان سیاہ قلب حبشیوں کے میل جول سے تنگ آگئی ہے۔ اب نیت ہے کہ اگر کوئی ہندوستان کا صاحب مرتبہ شخص میری طرف توجہ کرے اور بہ شیوۂ پاس داری واصولِ مرتبہ دانی مجھے اپنے پاس بلالے تو میں دل کو اس کے راستے کی دل آویزگی کی زلفوں کے پیچ وخم میں باندھ دوں اور پھر اپنا رختِ سفر اس کے بلند قلعے کی دیوار کے سائے ہی میں کھولوں، ورنہ قلندروں کے طور سے اس سیاہ خاک دان سے اٹھ کر جگہ جگہ، قریہ قریہ گھومتا ساری دنیا کا گز بن جاؤں۔ دل، یزد کے آتش کدوں کا طواف چاہتا ہے اور آنکھ شیراز کے شراب خانوں کے دیدار کی تمنائی ہے۔ میرا شوق اس ضمن میں، اس رنگ کے صد ہا نغمے رکھتا ہے۔

شعر

غالبؔ از ہندوستان بگریز، فرصت مفت تست

در نجف مردن خوش است و در صفاہان زیستن

ترجمہ: غالبؔ، ہندوستان سے بھاگ چل، بغیر محنت کے تجھے مہلت ملی ہے اصفہان میں زندگی گزارنا اور نجف میں مرنا مجھے پسند ہے۔

چند سطریں صنعتِ تعطیل میں میرے قلم سے مترشح ہوئی ہیں اور دس اس آرزو کے جوے کی ہوس کا شہید ہو گیا ہے کہ اس ورق کا عنوان بلند القاب سردارِ جہاں و مرکز دنیائے مشرق کی نظر کی روشنی سے گزرے۔ اگر طولِ وقت کی کشش کی چھری نے حرفِ وفا کو دل کے صفحے سے چھیل نہیں ڈالا ہے اور اگر بے پروائی کی آندھی نے غالبؔ سرگشتہ کی خاک ساریوں کو، یاد سے اڑا نہیں دیا ہے تو دعا سے دریغ نہ فرمائیں۔ والسلام والاکرام، اسداللہ۔

(۱۰ رمضان ۱۲۴۸ھ، مطابق ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

متفرقاتِ غالب

بنام مرزا ابوالقاسم خان

خط۔۱

جناب کی خاطر روشن ومنور پر واضح ہو کہ جناب کا التفات نامہ خوشگوار پھلوں کے ساتھ پہنچا۔بخشنے والا خدا اس مسافر پروری پر آپ کو سلامتی عطا کرے۔کل `آغا صاحب غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔اپنی والدہ کی طبعیت کی ناسازی کی بات کرتے تھے۔دن ڈھلے میں بھی امام باڑے گیا اور رسم عیادت ادا کی۔خدا کی قسم کہ جو محبت مجھے ان مخدوم سے ہے اس کے اثرات کی کیا وضاحت کروں کہ اس امر پر کسقدر پریشان ہوں۔اگر چہ مجھ جیسے گناہ گار اور تباہ حال کی دعا کی کیا قدر و قیمت لیکن کثرت محبت مجھے بے چین رکھتی ہے اور دعا کو میرے لبوں سے از خود ابھارتی ہے۔لیکن چونکہ ریا سے پاک ہے اس لیے امید کرتا ہوں کی خدا کی بارگاہ میں قبول ہوگی اور اپنا اثر دکھائے گی۔صاحب من ایسے حالت میں کہ وہ خود افسردہ ہیں اور خانم بھی افسردہ ہوں گی رقم معصومہ کے ضمن میں کسی کوشش اور اصرار کی کیا ضرورت ہے۔ہاں ہاں یہ تو شیوہ کریمی کی نشانیاں ہیں کہ خود بھی دردمند ہوں اور دردمندوں کی غمخواری کریں۔شکستہ ہاتھ دعا کے علاوہ کیا کر سکتا ہے۔خدا آپ کو سلامت رکھے اور طویل عمر دے۔زیدہ زیادہ۔

خط۔۲

جود و کرم کے دسترخوان کے ظرف کا ریزہ خوار (آپ کی) خدمت میں یہ عرض کرتا ہے کہ سری پائے پہنچے۔اور کامِ جاں کو محبوبوں کے تبسم شورانگیز کی لہر میں لوٹ پوٹ کر دیا۔دماغ کو بھی طاقت دی اور ہاتھ پاؤں کو بھی توانائی بخشی۔اس کا گودا اپنے خمیر کی لطافت میں قوائے نفسانی کے اضافے کا سرمایہ نہیں نہیں میں نے غلط کہا زندگی کے چراغ کے تیل کا مادہ ہے۔فمِ معدہ اس کے شوربے کی روانی کا ثناخوان ہے اور آنتیں اس کے گھونٹ کی لذت کے شمار کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔روٹی نے جب اس کے شوربے کے معیار کو پہچانا تو پہلے حملے ہی میں خوف[1] سے سپر ڈال دی اور جب زبان اس کی روانی کی لذت کی شکرگزاری میں (مشغول[2] ہوئی) تو شوربے کی آبِ حیات کی موج اُس کے سر سے گزر گئی۔اس کی ہڈیوں کے نظر فریب جلوے پر ہما دیوانہ ہو گیا ہے، اور اس کے بھنے ہوئے مغز کے حسن پر عقل فریفتہ ہو گئی ہے۔اس کی مرچوں کے مزے کی تیزی محبوبوں کی ادائے عتاب کی طرح گلوسوز تھی اور اس کی ہڈیوں

۱- بے جگری-لغت دہخدا بحوالہ آنندراج- ہمتا کی- گرچہ بالکل متضاد معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(مترجم ومرتب)

۲- متن میں بظاہر ''روانیش'' کے بعد ''شناخت'' کے مقابلے کا لفظ رہ گیا ہے۔چنانچہ ''پرداخت'' قیاس کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔(مترجم ومرتب)

کے چٹخنے کی آواز چنگ ورباب کے نغمے کی طرح سامعہ نواز۔ میں تو بات کو طول دینا اور اس نعمت کی تعریف کے بعد حسب نعمت کا شکر ادا کرنا چاہتا تھا کہ اچانک میرے جبڑے نے مجھے ناز کے ساتھ آنکھ کا اشارہ کیا اور اپنے سر کی قسم دے کر گویا ہوا کہ اپنے ہاتھ سے قلم فوراً رکھ دو اور نلی کے گودے کی لطافت کا مزہ لو۔ چونکہ مجھے اس کی خاطر داری منظور تھی، وراس کی قسمت[1] پُر مایہ تھی لہذا تعمیل کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

خط۔۳

قبلۂ من،

بزرگوں سے تشریف آوری کی درخواست اگرچہ بے ادبی ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آفتاب کھنڈر پر بھی چمکتا ہے اور احسان نہیں دھرتا، بادل خاروخس پر بھی برستا ہے اور اس کو کسرِ شان نہیں سمجھتا۔ اس امید کے سہارے پر یہ آرزو کی جاتی ہے کہ آج ساعت دو ساعت دن رہے راقم کے غریب خانے پر تشریف لائیں اور مرزا صاحب کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ فقط۔

خط۔۴

میرے مخدوم ومطاع خدا آپ کو سلامت رکھے،

کل جو تبرک آپ نے بھیجا تھا وہ پہنچا اور (اس نے) دو عالم میں سرفراز کر دیا۔ صاحب نذر (امام مہدی) اپنے ظہور تک آپ کو سلامت رکھے اور بلند مراتب ظاہری و باطنی پر پہنچائے۔ سوائے تسلیم کے اور کیا عرض کروں۔

خط۔۵

اے میرے مخدوم وجائے پناہ،

میں گھر پر نہیں تھا۔ واپس آیا تو خوانِ نعمت کو اپنے لیے تیار پایا اور صاحب نعمت کا شکر بجالایا۔ اس مہربانی پر خدا آپ کو طویل عمر دے۔ آج کل میں اگر بید انجیر کا روغن مرحمت فرمائیں تو دنیا کی قسم قسم کی نعمتوں سے زیادہ اچھا ہو۔ زیادہ نیاز۔

خط۔۶

قبلۂ جان ودل سلامت،

(آپ کے) سر کے گرد طواف کرتا اور اپنی جان اس تلووں کی خاک پر نچوڑتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ جذبہ شوق پر ناز کرتا ہوں کہ آج صبح سویرے سو کر اٹھا ہی تھا اور ارادہ کر رہا تھا کہ ایک خط غفلت کی شکایت کے طور پر آپ کے ملازموں کو لکھوں گا۔ ابھی یہ خیال

۲۔ متن میں ''قسمتش غبیط بود'' لکھا ہے 'غلیط' کسی لغت میں کوئی لفظ نہیں۔ شور بے کی رعایت سے غلیظ ہی ہوسکتا ہے لیکن قسمت کے تعلق سے بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی ''پُر مایہ'' کیے گئے ہیں جو سیاق وسباق میں مناسب بھی تھے ور مستند لغت سے ثابت بھی۔ (فرہنگ فشردہ فارسی بہ انگلیسی تالیف دکتر عباس آریانپور کاشانی، دکتر منوچہر آریانپور کاشانی۔ (مترجم ومرتب)

دل میں پختہ نہ ہوا تھا کہ آپ کا گرامی نامہ میری فریاد کو پہنچ گیا اور مجھے رنج کی قید سے نجات دلائی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی طبیعت درست ہے۔ خداتعالیٰ ہمیشہ آپ کو عافیت کی محفل کا مسند نشین رکھے۔ بیدِ انجیر کے روغن کی بوتل زندگی کے چراغ کی روشنی کا سرمایہ بن گئی۔ خداتعالیٰ آپ کو اس غریب پروری اور مسکین نوازی پر سدمتی عطا کرے۔ آج بارش اور بادل کے زور کی وجہ سے میں نے اس روغن کے استعمال میں تعجیل نہیں کی۔ ایک دو دن کے بعد بوتل کا ڈھکنا کھولوں گا اور آدھا میر، آدھا تیرا کے مضمون پر عمل کروں گا۔ آپ کے اقبال اور سعادت کے سدا قائم رہنے کی دعا کے علاوہ اور کیا عرض کروں۔

خط۔ ۷

قبلۂ جان و دل سلامت!

آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں صبح جو قطعہ میں نے تحریر کیا ہے آپ کا آدمی شاہد ہے کہ کس گھبراہٹ اور عجلت میں لکھا ہے۔ بخدا جناب کے قطعہ کے شایانِ شان نہیں تھا۔ گویا اس قطعہ کا مقصد صرف دال اور اچار کی رسید بھیجنا تھی اور کچھ نہیں۔ امید کہ اس کو پانی سے دھوڈالیں یا آگ میں جلادیں۔ چونکہ اس کو فکر کی مدد کے بغیر صرف قلم کے زور پر لکھ دیا ہے۔ خدا نہ کرے اس میں کوئی نقص رہ گیا ہو اور دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے آپ کو سید الشہدا کی قسم کہ کسی کو[1] نہ دکھائیں اور اس کو تلف کردیں۔

اس خط میں جو قطعہ مرقوم ہے وہ جنابِ عالی کے قطعہ کا جواب ہے جو چاہے دیکھے کوئی ڈر نہیں۔ گذشتہ رات میں نے روغن بیدانجیر اور نمک آب کا مسہل لیا تھا۔ لیکن طبیعت نے قبول نہ کیا اور قبض رفع نہ ہوا۔ آج میں نے اپنے طور پر ایک ایسی ترکیب کہ رات کے مسہل کے فعل کی تائید کرے استعمال کی تھی۔ خدا کی قسم اگر اس قسم کی رکاوٹیں راہ میں نہ ہوتیں تو میں قطعے کو اپنے دستِ اخلاص کی پونجی بنا کر جناب کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اگر موت سے محفوظ رہا تو ان دو تین دن میں قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں گا۔

خط۔ ۸

خدمتِ عالیہ میں عرض رساں ہوں کہ پرسوں رات خوشی کی محفل میں جنابِ عالی کی بڑی کمی محسوس ہوئی۔ نہ آنے کا چونکہ سبب تھا مجبوراً جدائی برداشت کرنی پڑی۔ نمعلوم طبیعت کی پراگندگی کہ جو بیماریوں کے باعث تھی' اطمینان میں تبدیل ہوئی یا ان پریشانیوں کا کچھ اثر باقی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ خیریت کی اطلاع بھیجیں گے اور اطمینان بخشیں گے۔ قبلۂ من' یہ عرضداشت لکھ کر سوچ ہی رہا تھا کہ آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا کہ یکایک جناب کا عنایت نامہ آپہنچا۔ یقیناً آپ نے معجزہ کر دکھایا۔ اور واقعی آپ کی خیریت کی خوشی خبری سے مجھے بے انتہا مسرت ہوئی۔ خداتعالیٰ آپ کو شاد و آباد اور ہر غم سے آزاد رکھے۔ جناب مرزا محمد حسین صاحب نے تغافل نہیں فرمایا ہے۔ شاید پرسوں کی بیماری کے سبب کوٹھی نہیں گئے ہیں۔ اگر کل کوئی خط[2] نہیں پہنچی تو جناب کی ایما کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ آموں کے تحفے پر تسلیمات قبول ہوں۔

۱۔ متن میں ''آں را بکس نہ نمایند'' ہے جب کہ غلطاً ''آں را بکسے نہ نمایند'' درست معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

۱۔ اگر ''فردا چٹھیے نہ رسید'' یہ ہندوستانی فارسی ہی نہیں وہ فارسی ہے جس پر غالبؔ قتیلؔ اور ان کی قبیل کے کسی شخص کو اپنے پاسنگ نہ سمجھتے تھے۔ (مترجم و مرتب)

خط۔۹

عرض کیا جاتا ہے کہ جناب کا نوازش نامہ مع روح پرور سالنوں کے ذائقہ نواز ہوا اور شکر نعمت نے (مجھے) تر زبان بنایا۔ منعم حقیقی مسافروں کی پرورش کا صلہ عطا کرے۔ میرا حال مختصراً یہ ہے کہ جمعرات کے دن یکایک میں نے سنا کہ پیر کے دن جناب نواب گورنر بہادر دربار عام کریں گے۔ میں چونکہ نوواردوں میں سے ہوں میں نے اس پر غور کیا اور صبح تڑکے دفتر چلا گیا۔ (لیکن) جناب اسٹرنگ صاحب بہادر سے ملاقات کی کوئی صورت نہ بنی۔ مجبوراً واپس آ گیا۔ رات (اسی) بیم وامید میں گزار کر ہفتے کے دن دوبارہ گیا۔ مہربانی کر کے ملاقات کا شرف بخشا۔ میں نے خلعت کی گذارش کی۔ فرمایا کہ آپ کے رخصت ہونے کے وقت تک یہ کام بخوبی ہو جائے گا۔ جب اتوار آئی تو میں اپنے غم کدے سے اٹھ کر سراج الدین احمد صاحب کے مکان پر چلا گیا اور رات وہاں بسر کی۔ پیر کے دن وہیں سے سوار ہو کر پہلے دفتر گیا اور وہاں سے گیتی پناہ دربار میں پہنچے۔ ملاقات ہوئی اور مجھے عطر و پان پیش کیا گیا۔ واپس آیا تو دوستوں نے گھر نہ لوٹنے دیا۔ (سو) رات وہیں گزاری۔

ع: درویش ہر کجا کہ شب آید سرائے اوست

(ترجمہ) جہاں رات ہو جائے وہی درویش کی سرائے ہے۔

آج صبح وہاں سے سوار ہو کر اپنے ایک دوست کے گھر کہ جو راستے میں تھا پہنچا (اور وہاں سے) اپنے غم کدے میں اس وقت پہنچا کہ جب جناب کا ملازم آپ کا خط ہاتھ میں لئے میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس گرامی نامے کا جواب لکھا اور اس میں کچھ اپنا احوال بھی تحریر کیا۔ مجھے کچھ کاغذ کی ضرورت تھی۔ (سو) میں نے آپ کے آدمی کے ساتھ کہار کو بازار بھیجا کہ اس کو کاغذ دلوا کر جس چیز کے لیے بھیجا گیا ہے لے آئے۔ اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا لیکن ضروری خطوط کی تحریر رکاوٹ بنی۔ اگر کوئی نئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی تو میری آرزو کا نقش لوح مراد پر ہویدا ہو جائے گا یعنی سرِ شام آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔ زیادہ نیاز۔

خط۔۱۰

قبلہ بندہ!

جب کبھی آپ کا خط پہنچتا ہے تو مجھے القاب و آداب کے انتخاب میں کیا بتاؤں کیسی حیرانی کا سامنا ہوتا ہے۔ ہاں، جب سمندر قطرے کی اس طرح تعریف کرے تو قطرہ اپنے ہوش و حواس گم کر دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے اور جبکہ آفتاب کسی ذرے کو اس جوش و جذبے سے نوازے تو ذرے سے سوائے گرمی کے اظہار کے اور کیا بن پڑتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک ایک حرف سے تندئ محبت کے آثار ملتے ہیں۔ اس طرح کی عنایات و کرم کے جواب میں ناکسوں سے سوائے سر کے گرد چکر لگانے اور قربان ہونے کے کیا ہو سکتا ہے۔ اس دردمندی اور غمخواری پر خداوند کریم آپ کو سلامت رکھے۔ آج دوپہر تک میری آنکھ میرے خیال کے ساتھ بیدار اور میری روح مسرت سے ہمکنار رہی کہ اب میرے مخدوم کا خط دروازے سے داخل ہوتا ہے اور میری شام غربت کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ اس وقت خیال تھا کہ کوئی آدمی بھیجوں اور جناب کی خیریت دریافت کروں کہ عنایت نامہ پہنچا اور باعثِ تسکین ہوا۔ کل دوپہر تک، جناب عالی تکلیف نہ فرمائیں (چونکہ) میں کہیں جاؤں گا۔ البتہ دوپہر کے بعد سے شام تک اپنے غمکدے کی دیوار پر نقش کی صورت

رہوں گا۔زیادہ تسلیم اور بس۔کمترین سے کمتر۔اسداللہ۔

خط۔۱۱

مخدوم بندہ پرور سلامت'

ہائے کل کی محرومی کہ قافلہ در قافلہ آرزوؤں کے ہمرکاب دولت خانے کے دروازے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ جناب عالی سوار ہوکر کہیں چلے گئے ہیں۔نیک بختی کی آنکھ کی پتلی' محمد مرزا کے دیدار کی خوشی نے قدرے افسردگیٔ دل کی تلافی کی۔خداتعالیٰ اس کو آپ کے سایۂ محبت میں زندہ رکھے۔چند لمحے جناب تپاںؔ کی خدمت میں بیٹھ کر مہدی باغ کی طرف چلا گیا۔شام کے وقت جب اپنے غم کدے میں پہنچا تو سنا کہ اس ویرانے پر آفتاب چمکا تھا (لیکن) میرا ذرہ قبولیت کی روشنی سے دوچار نہیں ہوا۔حسرت پر حسرت مستزاد ہوئی اور رنج پر رنج کا اضافہ ہوا۔حواس باختہ سا ہوگیا اور اپنے حالِ دل پر کچھ آنسو بہائے۔(البتہ) جناب عالی کے ضمیر پاک صفت نے مجھے دلاسا دیا اور اس باہمی آمدورفت کو معنوی محبت اور حقیقی یگانگت کی علامت ظاہر کیا۔دل کو قدرے تسکین ملی اور اوسان بجا ہوئے۔امید کرتا ہوں کہ محبت افزائش میں اور آپ کا کرم بخشائش میں سرگرم رہیں گے۔فقط

خط۔۱۲

اعلیٰ صفت' عمیم الاحسان' خان صاحب کی' کہ بےکسوں کا محورِ امید ہیں' خدمت عالیہ میں یہ عرض ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ زمانِ فراق کی طوالت کے ستم کے اظہار سے (میں) مطلبی تقاضائیوں کے زمرے میں شمار نہیں ہوں گا تو میں کیسے کیسے گریبان پھاڑتا اور زہرہ گداز دوری کے درد سے کیسی کیسی آہ و بکا کرتا۔لیکن احسان ہے اس خدائے بزرگ کا (کہ) اُس مخلصوں کے مرکزِ امید کی حق شناس اور حق پرست طبیعت' محبت کی سچائی کا معیار اور راستی اور حقیقت کے سرمایے کی کسوٹی ہے۔ناچار پردے سے باہر آتا ہوں اور نغمۂ شوق کو بغیر خوف وہراس کے ارپنا شروع کرتا ہوں۔مختصر یہ کہ جدائی کی برداشت اور اشتیاق کے جھٹکے سہنے کی توانائی نہیں ہے۔بارہا میں نے آدمی بھیجا اور دو تین بار خود بھی بےچین ہوکر دولت خانے کے دروازے پر پہنچا۔جس کسی سے پوچھ یہی جواب سنا کہ ابھی تشریف نہیں لائے ہیں۔خدا کے واسطے اگر آپ کی آمد میں ابھی کچھ دیر اور تعطل ہے تو مجھے آگاہ کردیں کہ میں پریشان ومضطرب نہ ہوں۔اور اگر دو تین دن میں آسکتے ہوں تو مجھے یہ خوش خبری دیں تاکہ دل سے افسردگی زائل ہو۔یہ نہ خیال کیجئے گا کہ غالبؔ اپنے کاموں میں جلد باز اور اپنے مطلب کی ضمن میں فضول آدمی ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس طوالتِ کلام کا سبب شوق دیدار ہے۔ہاں' اس قدر (ضرور) ہے کہ اپنی مجبوریوں کے سبب میں نے اپنی چشمِ حرص کو آپ کی غریب نوازیوں سے پیوستہ اور ہوس کے چراغ کو اپنے خیال کے خانۂ درون میں روشن کرلیا ہے۔اور میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے بڑھ کر میری ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں۔کیا معلوم' اس قدر وہاں کا قیام خصوصاً میری امداد اور چارہ گری کے لیے ہو۔ہرچند کہ یہ ساری نوازشیں خاطرنشان و دل نشین ہیں لیکن دل کم ہمتی سے بھرا ہوا ہے اور ہونٹوں پر افواہوں کے سبب فریاد ہے۔امید کی جاتی ہے کہ شوق کی بےاختیاریوں کا عذر قبول فرمائیں گے اور اپنے چھوٹوں کے عیوب سے صرفِ نظر کریں گے۔ والسلام والاکرام۔

خط۔۱۳

مخدوم ظاہر و باطن سلامت،

بزمِ مشاعرہ کے بعد خیال تھا کہ چند باتیں آپ کے گوش گزر کروں اور دل کا غبار ہلکا کروں۔ لیکن میں تو جنابِ عالی کے جوانوں جیسے عزم کا مارا ہوا ہوں کہ آپ محفل سے اٹھ کر اس طرح چل دیے کہ الوداع بھی نہ کہہ سکا، مدعا تو دور کی بات ہے۔ مجبور، اب اپنے قلمِ نیاز رقم کو اپنے مدعا کی گذارش کا وکیل بنا کر ایک خط آغا صاحب کے نام نامی کے لیے لکھ کر اس عرضداشت کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ اس کو شروع سے آخر تک (۱) دیکھ کر مکتوب الیہ کے حوالے کر دیں گے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جو کچھ میں نے آغا صاحب کو لکھا ہے آپ کی خدمت میں بھی عرض کر دیتا۔ لیکن مصلحت اس ہی کی متقاضی تھی۔ بہر صورت کام آپ کی مہربانی ہی سے ہونا ہے اور باقی سب بہانے ہیں۔

خط۔۱۴

قبلۂ من،

خدا کی قسم کہ آقائے محمد حسین کی ناسازیٔ طبیعت کے خیال سے دل ہر وقت رنجیدہ رہتا ہے۔ خدائے قادر، مروت کے سمندر کے اُس موتی کو سلامت رکھے اور تندرستی عطا کرے۔ اگرچہ فدوی کو کلکتہ کے ملاحوں کے جھگڑے اور ان کے بھاگ جانے کے سبب اور اس کشتی کے ہاتھ سے نکل جانے اور دوسری کشتی تلاش کرنے کے باعث ہوگلی بندر میں پانچ دن اور بھی ٹھہرنا پڑا اور میں نے آقا صاحب کی تندرستی کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے سرکار نواب صاحب کے ایک اہل کار کے ذریعے ایک خط آپ کے نام لکھ کر بھجوایا تھا۔ لیکن چونکہ ان پانچ دنوں میں اس کا جواب نہیں آیا تو میرا دل اور بھی پریشان ہو گیا۔ ہر دم زبان پر یہی دعا ہے کہ خدا کرے وہ صحتمند ہو گئے ہوں۔ جناب کی ہمدردی کا وہ انداز جو میں نے اپنے حق میں دیکھا ہے ایسا نہیں کہ اس کثیر سے قلیل کی وضاحت بھی کی جا سکے۔ خدا کی قسم آپ کے اخلاق کی تقویت کی بنا پر میں دہلی کی جدائی کا غم بھول گیا تھا۔ شکر ہے اور لاکھوں شکر کہ مسافرت میں مجھے اربابِ وطن میں سے ایک وقیع شخص مل گیا۔ لیکن افسوس (اس کا ہے) کہ آئندہ ملاقات کی امید نہیں۔ جناب مرزا صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ دہلی پہنچوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ (ان کے آنے کا) اتفاق ہو۔ لیکن میرا ہاتھ آپ کے دامن تک دوبارہ نہیں پہنچے گا۔ افسوس مجھ پر اور میرے نصیب پر۔ آج کہ منگل کا دن ہے مرشد آباد میں ہوں اور کشتی کی تلاش ہے۔ امید کرتا ہوں کہ ان ہی ایک دو روز میں دریا کے رستے روانہ ہو جاؤں گا۔ اللہ بس باقی ہوس۔

خط۔۱۵

مخدومِ من،

اگرچہ ہوگلی کا قیام اختیاری نہیں تھا لیکن اس خط کے جواب کے انتظار نے، جو نواب علی اکبر خان کے وکیل کے توسط سے بھیجا تھا، مجھے انتظار کی کیفیت میں سرمست رکھا۔ اور خدا جانتا ہے کہ اس خط کا بجز آغا محمد حسین خان کی خیریت معلوم کرنے کے اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

۱۔ متن میں ''سر تا پائے آں نہ گرستہ بہ مطلوب الیہ بسپارند'' ہے۔ ظاہر ہے ''نہ گرستہ'' کی جگہ درست ''نگریستہ'' ہی ہو سکتا ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

جب ان پانچ روز کے توقف کے دوران کوئی جواب نہ آیا اور کشتی کا بندوبست ہوگیا تو افسردہ دل چل پڑا۔ خدا کی قسم کسی پڑاؤ پر بھی آغا محمد حسین کی خیریت سے غافل نہیں رہا اور آج بھی وہ کشمکش بدستور ہے۔ فدوی نامہ جناب مرزا احمد بیگ خان دام مجدہ کے خط کے ساتھ مرشد آباد سے ارسال کر دیا گیا۔ کیا اچھا ہوا گر پہنچ چکا ہو۔ خدا کے واسطے اس خط کے جواب میں چند سطریں ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر مخدومی مرزا احمد بیگ خان کے اُسی خط کے ساتھ بھیج دیں۔ وہ گرامی نامہ مجھے باندے میں مل جائے گا اور اس غمزدہ کے لیے سرمایۂ آرام جان ہوگا۔ آغا صاحب کی خدمت میں سلامِ شوق لیکن محض زبانی نہیں بلکہ اس خط کو نہیں دکھائیں کہ درحقیقت یہ خط پہلے تو جناب علی کے لیے ہے اور اس کے بعد بندگان حضرت آغا کے لیے۔ خط دو کاغذوں پر اس لیے نہیں لکھا کہ بلکار ہے۔ اور انصاف بالائے طاعت۔ مضمون (دونوں میں) سوئے سرمعروض کرنے دعا گوئی اور طریق خیریت جتنی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس عاجز کا یہ حال ہے کہ آج عظیم آباد کے گھاٹ کے کنارے بیٹھا ہوں اور کل عازم منزل مراد ہوں گا۔ خدا مجھے میرے آشیانے پہنچائے اور میری رات کی سحر کردے۔ والسلام۔

خط۔۱۶

قبلۂ من!

آغا صاحب کے [illegible] ن پانے کی خوش خبری نے دل کو تازہ اور روح کو شاد کر دیا۔ خدا ان کو زندہ رکھے اور بلند مراتب پر پہنچائے۔ خدا کی قسم آغا سے ساتھ مجھے تہِ دل سے محبت ہے۔ ہر چند کہ الفت ومحبت کا اظہار میرا شیوہ نہیں لیکن زبان کا کیا کروں کہ بجز سچی بات کے نہیں ہلتی۔ جناب علی کی ذات گرامی سے مہر و محبت کا دعویٰ بے ادبی ہے۔ خدا کی قسم کہ آپ نے کلکتہ میں غربت کا دکھ اور بے کسی کا غم میرے دل سے محو کر دیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ کلکتہ دہلی ہے اور غربت وطن ہے، قید خانہ گلستان ہے اور بیابان چمن۔ آپ میرے بزرگ ہیں اور میری جان وتن کے پرورش کرنے والے۔ بالآخر جمعہ کے روز کہ جمادی الاول کی پہلی تاریخ تھی باندے پہنچا۔ ہفتے کے روز اس جگہ سے روانہ ہو جاؤں گا۔ کولبرک صاحب ریزیڈنٹ دہلی کو عہدے سے معزول کر دیا گیا ہے اور فرانسس ہاکنس صاحب حاکم دہلی تعینات ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رحمدل اور سلیم الطبع انسان ہے لیکن افسوس کہ سیر وشکار کی طرف مائل ہو گیا ہے اور بے پروا واقع ہوا ہے۔ مظلوموں کی فریاد پر کان نہیں دھرتا اور ستم زدوں کو انصاف عاجلانہ نہیں دیتا۔ ہر چند کہ میرے مقدمہ میں مرکزی دفتر کا حکم محکم ہے لیکن جناب کے ملازموں سے اور آغا صاحب سے اس امر کی امید رکھتا ہوں کہ پہلے حالات ٹٹولیں اور معلوم کریں کہ مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر کے، کہ اس سے پیشتر حاکمانِ تمام وکُل کے حاکم اوّل تھے اور اب بریلی سے دہلی پہنچ کر دہلی کی ریزیڈنٹی پر تعینات ہیں، جناب کرنیل صاحب سے محبت کے تعلقات ہیں یا نہیں۔ اگر ایک دوسرے سے آشنا نہیں تو خیر اور اگر آپس میں دوستی ہو تو آپ اور آغا صاحب میری جانب سے خانم کی خدمت میں تسلیمات پہنچا کر اور ان کو میری بیچارگی یاد دلا کر التجا کریں کہ ایک سفارشی خط ہاتھ آجائے۔ (اس طرح) کہ حکومت کا حکم اور کرنیل صاحب کی تحریر دونوں مل کر مہربانی کے حصول اور نجات کی منزل کے وصول کا ذریعہ بن سکے۔ اگرچہ میں کلکتہ میں نہیں ہوں لیکن آپ کا اور آغا صاحب کا وہاں ہونا ضروری ہے۔ میری موجودگی کے وقت بھی کام آپ کی مہربانی ہی سے ہوا کرتا تھا اور بس۔ بلکہ اگر اس تمنا کے عرض کرنے میں اس کی ضرورت پڑے کہ کرنیل صاحب کے لیے میرے عبودیت نامے کی ضرورت ہو تو (میری طرف سے) اجازت ہے کہ مناسب القاب وآداب لکھ کر پیش کر دیں۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ

ضرورت اس قدر اصرار کی نہ ہوگی۔ آغا صاحب کی خدمت میں بصد شوق سوم اور بہ ہزار آرزو پیام پیش ہے۔ اگرچہ مرض رفع ہوگیا ہے لیکن لاپروائی نہیں کرنی چاہیے اور احتیاط نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مضمون مذکور ذہن نشین کر لینا چاہیے اور میری بے کسی بھی یاد رکھنی چاہیے۔ ابتدا میں آپ نے مناسب کوشش کی ہے۔ اب جبکہ گرہ کے کھلنے کا وقت آپہنچا ہے توجہ کرنی چاہیے۔ خانم اور قبلہ کی خدمت میں میری بندگی پہنچے۔ اگر خدا نے چاہا اور ہاکنس صاحب کرنیل صاحب کے دوست نکلے اور چٹھی ہاتھ آگئی تو ایک علیحدہ خط یہ پتہ لکھ کر دہلی بھیج دیں کہ ''بمقام دہلی کھاری باؤلی میں نواب نوازش خان کے دیوان خانے کے قریب عبدالرحمٰن خان کی حویلی میں اسد کے مطالعہ کو پہنچے۔''

خط۔۱۷

قبلۂ من!

اگر معافی کا پکا یقین نہ ہوتا تو دل میں خط لکھنے (۱) کا حوصلہ نہ ہوتا۔ مانا کہ جناب نے میرا جرم معاف کر دیا اور میری خطا پر خط تنسیخ کھینچ دیا (لیکن) اپنے آپ کو اپنی نظر میں کس طرح باعزت گردانوں۔ ع اگر گناہ نہ بخشند شرمساری ہست۔ (ترجمہ) اگر گناہ بخشدیں (پھر بھی) خجالت (باقی) ہے۔

نورِ چشم محمد مرزا کے واقعہ پر جو میرے قلم سے تعزیت کی کوئی سطر نہیں نکلی (تو اس غلطی پر) مجھے زیادہ سے زیادہ ذلیل وخوار کریں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ کئی دن تاریخ کی سوچ میں اور پھر بہت سے دن میری اپنی پریشانی میں گزر گئے لیکن اب تک نہ محمد مرزا کی وفات کی تاریخ ہی مکمل ہوئی اور نہ میرے جینے کی ہی کوئی صورت بنی۔ اس شہر کے حاکم نے میرا گھر یار فنا کے سیلاب کے حوالے کر دیا۔ اور میری محنت اور صعوبت کو ضائع اور میرے حق کو تلف کر دیا۔ اگرچہ اس شکستگی کا مرہم وراس خستگی کا درمان حاکمانِ دفترِ مرکزی کے دواخانے میں ہے، لیکن مجھ جیسے آدمی کے لیے دوبارہ اس عدالت میں پہنچنا مشکل ہے۔ سن رہا ہوں کہ نواب گورنر بہادر ہندوستان آرہے ہیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ اس لشکر کی گرد میری آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے یا میری خاک اس موکبِ عالی کی جولاں گاہ۔ حضرت خدا آپ کو سلامت رکھے اس حاکم کی بے تمیزی اور ناانصافی سے میرے کام میں ایسی کھنڈت پڑ گئی ہے کہ ہزار زبان سے بھی اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ (اس نے) کامیابی اور ناکامی سے قطعِ نظر خواص کے طعنوں اور عوام کی ہنسی کو تحریک دی ہے اور میرے دل کے خون میں ایک قیامت برپا کر دی ہے۔ اس زارنالی سے مراد صرف اسقدر ہے کہ اگر خط لکھنے میں کچھ دیر ہو جائے تو بے وفائی کا الزام مجھ پر نہ آئے۔ زیادہ نیاز۔

خط۔۱۸

اے بندہ نواز!

ایک طویل عرصہ سے آپ کے احوال سے بے خبر ہوں۔ کیا بتاؤں کہ کیسا خون میں تڑپ رہا ہوں اور کیسی جان کنی میں مبتلا ہوں۔ میں خود ایسے اندھیرے سے دوچار ہوں کہ فرطِ سراسیمگی سے دن رات کی اور ہاتھ پیر کی سدھ بدھ نہیں ہے۔ اپنے حال پر توجہ

۱۔ متن میں ''دل بہ نگارش نامہ بادی نمی دارد'' ہے۔ اغلباً یہ ''دل بہ نگارش نامہ یاری نمی دارد'' ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم ومرتب)

دینے کی فرصت کہاں اور خضاب (۱) لگانے کا دھیان کسے۔

میں جانتا ہوں کہ محمد مرزا کے واقعے سے آپ رنجیدہ اور حالات کی ناسازی سے اپنی ادھیڑ بن میں لگے ہیں۔ خدا آپ کو شاد اور قیدِ غم سے آزاد رکھے۔ ان دنوں اخبار سے معلوم ہوا ہے کہ کلکتہ کی فضا وبائی ہوا کا میدان ہے۔ سخت پریشان ہو گیا ہوں۔ خدا کے واسطے اس انتشارِ خاطر اور افسردگی کے باوجود مجھ پر مہربانی فرمایئے اور دو تین سطریں اپنی خیریت کی لکھ دیجئے اور حکیم صاحب کی صحت و عافیت کو (اس خط کا) ضمیمہ کیجئے اور اس کے بعد کہ یہ حالات پورے اور کامل طور سے تحریر میں آجائیں تو اپنی خیریت کا مختصر حال بھی درج کر دیں کہ میرا دل سو طرح سے آپ کی طرف متوجہ ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ (ترجمہ) اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

خط۔۱۹

قبلۂ منؒ

حیران ہوں کہ مجھ سے ایسا کونسا بھاری جرم سرزد ہو گیا ہے کہ میں اس ساری سزا کا مستحق ہو گیا۔ جناب عالی نے کبھی مجھے خط نہیں لکھا اور (نہ ہی) میرے فدوی ناموں کا جواب بھیجا۔ مرزا احمد بیگ خان کو کیا ہو گیا کہ تین ماہ گزر گئے اور ان کا کوئی خط نظر فروز نہیں ہوا۔ میں دہلی میں ایسے اندھیرے سے دوچار کہ خدا دشمن کو نہ دکھائے، واماندہ پڑا ہوں اور کلکتے کے مہربانوں نے مجھ سے رخِ التفات یکسر موڑ لیا ہے۔ فلاں بیگ نے کہ جن کی ذات اور احوال سے متعلق میں نے کچھ آپ کے گوش گزار کیا ہے آسمان کو اپنے موافق دیکھ کر مصلحت کا ورق لوٹ دیا ہے اور بے وفائی کا خط پڑھ لیا ہے۔ دوستی کا عہد توڑ کر میرے قتل پر کمر باندھ لی ہے۔ نمعلوم شاید کلکتے کے خاص و عام پر اس کا حکم چلتا ہے کہ سارے دوست اس کی پیروی پر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ان کا غیض و غضب بڑھ رہا ہے اور ان کی وفا میں کمی آ رہی ہے۔ خدا کی قسم کہ مرزا احمد بیگ خان کے خط کے نہ ملنے سے مجھے سخت رنج ہے۔ مہربانی کو کیا ہوا اور دوستی کہاں گئی۔ اب مجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب نے فلاں بیگ سے تعلق کی خاطر مجھ سے نامہ و پیام بند کر دیا ہے۔ میں نے بھی خط لکھنے سے کنارہ کر لیا ہے۔ اور آپ کو کیا کہوں کہ (آپ نے تو) پہلے دن ہی سے نامہ و پیام کی رسم نہیں بنائی ہے۔ مجبوراً بہ اقتضائے گمان جو آپ کی عنایت پر تھا، یہ عرضداشت خدمت میں ارسال کی۔ گرچہ جانتا ہوں کہ اس کا جواب نہیں آئے گا لیکن (اب بھی) مجھے آپ پر آدھا گمان ہے اور (اس میں) آزمائش کی گنجائش ہے۔ زیادہ زیادہ۔

آغا صاحب نامہربان کی خدمت میں فدویانہ آداب اور فقیرانہ تسلیمات قبول ہوں۔ اس صورت میں کہ اس گنہگار کی طرف سے آداب نیاز کا قبول کرنا فلاں بیگ کی جانب سے رنجش کے امکان کا باعث نہ ہو۔ والسلام، و خاتمہ بالخیر۔

خط۔۲۰

تعریف و توصیف و آداب و تسلیمات۔ یہ ساری تمہید غالب دہلوی کے نیاز نامے کا جواب (۲) بھیجنے کے تقاضے کی ہے۔ اگر بھیج دیا ہے تو شکر صد شکر ورنہ دوبارہ (یہی) درخواست (ہے)۔

۱۔ ''سیہ ساختنی'' سے مفہوم خضاب لگانے ہی کا نکلتا ہے لیکن بظاہر یہ غالب کی اپنی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ (مترجم و مرتب)

۲۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''عبودیت نامہ'' سے قبل لفظ ''پاسخ'' درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ (مترجم و مرتب)

بنامِ ادارۂ جامِ جہاں نما

خط۔۱

وراقِ جامِ جہاں نما کا چہرہ سنوارنے والوں کی نظر میں انصاف کے طالب اسد اللہ خان کی عرضداشت کا یہ مقصد رہنا چاہیے کہ یہ ننگ وجود کہ جس کا نام اسد اللہ خان ہے اور جو مرزا نوشہ کے نام سے معروف ہے اور جس کا تخلص غالبؔ ہے اور جو نصر اللہ بیگ خان (مرحوم) جاگیردار، سونک سونسا کا بھیجا ہے' اپنا حق کہ جو انگریزی سرکار کا عطیہ ہے' فیروز پور کے جاگیردار سے طلب کر رہا ہے۔ اس مقدمے کے احوال کی تحقیق و تفتیش مرکزی دفتر کے حکم کے مطابق ریزیڈنٹی دہلی کے محکمۂ والا شان میں جاری ہے اور اصل مقدمہ عالم پناہ کونسل عالیہ کی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ لیکن چونکہ جاگیردار فیروز پور دولتمند ہے اور میں مفلس' خاص و عام کے گروہ کے گروہ اُس کی حمایت میں متفق و متحد ہیں۔ اس وجہ سے سارے خبر نگار ریزیڈنٹی کے دفتر میں اُس ثواب کی خاطر کہ جو انہیں میرے آزار سے ملنے کی امید ہے' میرے مقدمے کے احوال کو نامناسب عنوانات سے مذکور و مشہور کر رہے ہیں اور جامِ جہاں نما کے مطبع میں بھی بھیج رہے ہیں اور یہ خلافِ واقعہ خبریں چھپ بھی رہی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ پورے شہر سے لڑا نہیں جا سکتا اور (ساری) مخلوق کو اپنے حال سے آگاہ نہیں کیا جا سکتا۔ ستاروں بھرے آسمان اور دشمنوں سے بھری دنیا کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ مجبوراً دشمنوں کے دبدبے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور مطبع کے عمائدین سے یہ چاہتا ہوں کہ بے کسوں کی حمایت پر توجہ دیں اور یہ چند سطور اوراقِ جامِ جہاں نما میں چھاپ دیں۔ اور آیندہ جو خبر بھی کہ اس سرگشتہ و گمنام کے بارے میں دہلی سے پہنچے اس کو نظر انداز کریں اور جامِ جہاں نما میں نہ چھاپیں۔ اور یہ درخواست ہمیشہ کے لیے ہے اور مجھے اس التماس کے قبول کیے جانے پر اصرار ہے۔

مکتوب الیہم کے
حالاتِ زندگی

ا۔نواب سیّد علی اکبر خان متولی امام باڑہ ہوگلی

غلام حسین خان طباطبائی نے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات اپنی تالیف ''سیر المتاخرین'' میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بزرگوں کا اصل وطن مدینہ طیبہ تھا جہاں سے انہوں نے مشہد مقدس کی طرف ہجرت کی اور وہاں چند سال قیام کے بعد دہلی چلے آئے۔ دہلی میں غلام حسین طباطبائی کی ولادت ہوئی۔ ان کے دو سال بعد ان کے بھائی سید علی تقی پیدا ہوئے۔ان دونوں بھائیوں کی کم عمری ہی میں ان کا ستارہ گردش میں آ گیا۔ان کی دادی نے جو ناظم بنگالہ مہابت جنگ کی بچی تھیں' اپنے مکان کو فروخت کر دیا اور اپنے بیٹوں' پوتوں اور نواسوں کو لے کر فرید آباد چلی گئیں جہاں مہابت جنگ نے ان دونوں بھائیوں کے رشتے کا انتظام کر دیا۔اس طرح غلام حسین خان اور علی تقی کی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے پر ہوئی۔ بعد میں غلام حسین خان طباطبائی نے انگریزوں کی ملازمت کرلی۔سیّد علی اکبر خان ان ہی کے بھائی علی تقی کے صاحبزادے تھے۔

سیّد علی تقی مذہبی آدمی تھے۔انہوں نے قیام بنگالہ کے دوران ہوگلی بندر کے قریب ایک امام باڑہ تعمیر کرایا تھا جہاں بڑی پابندی سے مراسم عزا ادا ہوتے تھے۔سیّد علی تقی کے انتقال پر علی اکبر خان اس امام باڑے کے متولی تسلیم کیے گئے۔جن دنوں غالب باندہ کے راستے کلکتے آ رہے تھے،مولوی محمد علی خان صدر باندہ نے ان کے نام غالب کو ایک تعارفی خط دیا تھا۔کلکتہ پہنچنے کے دو روز بعد غالب ہوگلی گئے اور علی اکبر خان طباطبائی سے ملاقات کی۔ان کی ہمدردی اور محبت سے غالب بے انتہا متاثر ہوئے اور یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ایسا عالی مرتبت اور صاحب دل امیر بنگال میں ؟ کوئی دوسرا نہ ہوگا۔

علی اکبر خان طباطبائی ان دنوں امام باڑے اور اس سے ملحقہ آراضی کے مقدمے میں الجھے ہوئے تھے اور غالب کے مقدمے پر پوری توجہ نہیں دے سکتے تھے لیکن اس کے باوجود غالب دہلی کے ریذیڈنٹ سر ایڈورڈ کولبروک کے میر منشی التفات حسین خان کے نام نواب علی اکبر خان سے سفارشی خط لینے میں کامیاب ہوئے۔اس خط کو انہوں نے اپنے وکیل ہیرا ل کو دہلی بھیج دیا جس پر کولبروک نے ان کے دعوے کی تائید میں اپنی رپورٹ کلکتہ صدر دفتر ارسال کر دی۔

(بزمِ غالب۔عبدالرؤف عروج ص۔۴۶)

۲۔منشی محمد حسن

غالب کے مکتوب الیہ منشی محمد حسن کا قیام دہلی میں تھا۔وہ غالب کے علاوہ ان کے برادر نسبتی مرزا علی بخش خان کے بھی شناسا تھے۔اندازہ یہ ہوتا ہے کہ جس وقت غالب نے اُن کو یہ خط لکھا ہے وہ اپنے بیٹے احمد حسن کی شادی کے سلسلے میں اپنے وطن (نامعلوم) میں مقیم تھے۔غالب نے مولوی محمد علی خان کے نام ۶ مئی ۱۸۲۹ء کے خط میں لکھا ہے ''منشی محمد حسن بہ سرکار...... بہر خویش نادیدہ بہ

دہلی رسیدہ اند و بہ خدمتِ مرجوعہ خویشتن مامور۔'' مولوی محمد علی خان ہی کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں ''منشی محمد حسن بہ دہلی رسیدہ بہ کارِ خویشتن پرداخت و بہ عہدۂ خویش قائم ند۔'' بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریذیڈنٹ کے دفتر میں ملازم تھے۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ ہندوستان بحوالہ: خط مورخہ ۱۲ مئی ۲۰۰۷)

۳۔ مرزا علی بخش خان بہادر

مرزا علی بخش خان سے غالب کے دو رشتے تھے۔ ایک تو یہ نواب الٰہی بخش خان معروف کے صاحبزادے اور غالب کی اہلیہ امراؤ بیگم کے چھوٹے بھائی تھے۔ دوسرے انھوں نے غالب کی سگی بہن چھوٹی خانم کی صاحبزادی امانی خانم سے شادی کی تھی۔ غالب نے پنج آہنگ کے آغاز میں لکھا ہے کہ اُس کا آہنگ اوّل جو رسمی مکتوب نگاری کا دستورالعمل اور خطوط نگاری کے القاب و آداب پر مبنی ہے، انھوں نے مرزا علی بخش خان بہادر کی فرمائش ہی پر ایسے وقت میں تحریر کیا تھا جب انگریزوں نے بھرت پور پر چڑھائی کی تھی اور غالب اور مرزا علی بخش، نواب احمد بخش خان کے ہم رکاب تھے۔

علی بخش خان کو پہلے احمد بخش خان کی ریاست سے سات سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ ۱۸۲۷ء میں جب نواب احمد بخش خان مرگئے تو ان کے بیٹے نواب شمس الدین خان نے اپنے انتقال سے پانچ یا چھ سال قبل یہ وظیفہ بند کردیا تھا لیکن حکومت انگریزی نے ولیم فریزر کے قتل کے الزام میں نواب شمس الدین خان کی پھانسی اور ریاست کی ضبطی کے بعد یہ وظیفہ پچاس روپے کردیا۔ غلام فخرالدین خان جن کی شادی مرزا یوسف کی صاحبزادی عزیز النسا بیگم سے ہوئی تھی ان ہی کے صاحبزادے تھے۔ غالب نے مرزا علی بخش کو اپنے سے چار سال چھوٹا بتایا ہے۔ اس طرح ان کا سال ولادت ۱۲۱۶ھ ہونا چاہیے۔ غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک عرصہ تک بیمار رہنے کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۸۶۳ء کو رات کے بارہ بجے کے قریب انتقال کیا۔

(بزمِ غالب۔ عبدالرؤف عروج۔ ص ۱۷۸)

۴۔ صدرالدّین خان بہادر صدرالصدور

سرسید احمد خان نے مفتی صدرالدّین آزردہ کو سرگروہِ علمائے روزگار لکھا ہے۔ ان کے والد کشمیر سے بہ غرض تجارت دہلی آئے تھے۔ مفتی صاحب یہیں پیدا ہوئے۔ لفظ ''چراغ'' سے ان کا سالِ ولادت (۱۲۰۴ھ) برآمد ہوتا ہے۔ انہوں نے علوم نقلی و عقلی کی تکمیل شاہ عبدالعزیز، مولانا عبدالقادر، مولانا محمد اسحاق اور مولوی فضل امام سے کی۔ بعد ازاں درس و تدریس میں مصروف ہوگئے۔ جامع مسجد کے قریب ''دارالبقا'' کے نام سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ جب انگریزوں نے سیاسی استحکام کی خاطر ذی حیثیت مسلمانوں کو صدرالصدور اور افتا کے عہدوں پر مامور کرنا چاہا تو ان کی نگاہ مفتی صاحب پر پڑی اور وہ بہ اصرار دہلی کے صدرالصدور بنائے گئے۔

مشہور ہے کہ ایک موقع پر ان کے سامنے غالب کے خلاف قرض کا مقدمہ پیش ہوا۔ مدعا علیہ نے جوابِ دعویٰ کے بجائے یہ شعر پڑھا:

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب مسکرائے اور قرض کی ڈگری دے دی لیکن قرض اپنی جیب سے ادا کر دیا۔

انگریزوں کے خلاف شورش برپا ہوئی تو مفتی صاحب گوشہ نشین ہو گئے لیکن عدالتی امور جاری رکھنے پر مجبور کئے گئے۔ اسی دوران بخت خان نے علما اور مشائخ سے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ لکھوایا اور مفتی صاحب سے بھی زبردستی دستخط لئے گئے۔ انہوں نے اپنے دستخط کے ساتھ کتب بالخیر لکھ دیا لیکن نقطے نہیں لگائے۔ دہلی پر قبضہ کے بعد جب وہ گرفتار ہوئے اور ان سے پرسش ہوئی تو انہوں نے کہا میں نے کتب بالجبر لکھا ہے یعنی یہ دستخط جبر و تشدد سے لئے گئے ہیں۔ غالب کے الفاظ میں ''صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف، جائیداد ضبط خستہ و تباہ ہو گئے۔ فائنشل کمشنر اور لیفٹیننٹ گورنر نے از راہِ ترحم نصف جائید د واگذاشت کی۔''

عمر کے آخری ایام میں ۱۱۔ دسمبر ۱۸۶۳ء کو مفتی صاحب پر فالج کا حملہ ہوا۔ انہوں نے پانچ چھ سال بیمار رہنے کے بعد ۲۴۔ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ کو انتقال کیا۔ نواب کلب علی خان والی رامپور نے پانچ سو روپے بھجوائے اور ان کی بیوی ، ڈو بیگم کی درخواست پر دو سو روپے ماہانہ مقرر کر دیے۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج ص۔ ۲۴)

۵۔ نواب محمد مصطفیٰ خان

ان کے والد عظیم الدّولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر مظفر جنگ بنگش تھے اور والدہ مشہور جرنیل محمد اسمٰعیل بیگ ہمدانی کی صاحبزادی اکبری بیگم تھیں۔ نواب محمد خان بنگش رئیس فرخ آباد اور نواب مرتضیٰ خان کا خاندان دراصل ایک ہی تھا۔ نواب مصطفیٰ خان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی دونوں میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اپنے زمانے کے مشاہیر سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانے کے رئیسوں کی عام روش کے مطابق ان کی ابتدائی زندگی بھی عام لغزشوں سے پاک نہ تھی لیکن بعد میں تمام منہیات سے توبہ کر لی اور ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں حج بیت اللہ کی غرض سے حجاز تشریف لے گئے۔ زیارت بیت اللہ سے مشرف ہو کر دو برس بعد ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۵۔ فروری ۱۸۴۱ء واپس دلّی پہنچے۔

شیفتہ کے غالب سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ غالب کو ان پر ناز تھا اور ان کی رائے کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

غالبؔ بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نہ کرد

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

غالبؔ ز حسرتی چہ سرایم کہ در غزل

چوں او تلاشِ معنی و مضموں نہ کردہ کس

وہ بلند پایہ نقاد سخن تھے۔اُردو شاعروں کا مشہور فارسی تذکرہ "گلشنِ بے خار" انہیں کی تصنیف ہے۔ان ہی کے بیٹے نقش بند خان کی تعلیم کے لیے حالیؔ کا تقرر ہوا تھا۔شیفتہ کا بعمر ۶۳ برس سہ شنبہ ۲۹ ستمبر ۱۸۶۹ء کو انتقال ہوا۔

(تلامذہ غالبؔ مالک رام،ص۔۳۲۸)

۶۔میر اعظم علی مدرّس اکبر آباد

سیّد اعظم علی اکبر آبادی، مولوی ببر علی کے صاحبزادے اور مثنوی مولانا روم کے شارح ملاّ محمد کے نواسے تھے۔انھوں نے تمام تر تعلیم اپنے نانا ہی کے سایۂ عاطفت میں پائی۔اس کے بعد تحصیل مین پوری میں نگان کی تحصیل پر مامور ہو گئے لیکن جلد ہی آگرہ کالج میں مدرّس فارسی کی جگہ خالی ہونے پر اپنی طبیعت کے موافق مدرّسی اختیار کر لی۔

سیّد اعظم علی نے ۱۸۰۵ء میں سکندر نامہ کا اردو ترجمہ کیا۔اس وقت غالبؔ کی عمر نو سال کی تھی۔غالبؔ کا ایک فارسی خط پنج آہنگ میں ان کے نام ہے،جس میں بڑی عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے جس سے لوگ شبہ کرتے ہیں کہ غالبؔ نے ابتدائی تعلیم ان سے حاصل کی تھی۔لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ ان کے باقاعدہ شاگرد رہے ہوں۔البتہ یہ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ سیّد اعظم علی اور غالبؔ کے خاندان کے تعلقات ان کی ہمسائیگی پر مبنی تھے۔

سیّد اعظم علی اکبر آبادی کو اُردو کے ابتدائی نثر نگاروں میں بعض وجوہ سے انتہائی اہمیت حاصل ہے۔انھوں نے ۱۸۲۸ء میں فسانۂ سرور افزا اُردو میں لکھا تھا۔اسی طرح ایک مثنوی فارسی بھی بعنوان اکسیر اعظم کہی تھی۔

(بزم غالبؔ۔عبدالرؤف عروجؔ،ص۔۳۹)

۷۔مولوی کرم حسین خان سفیر شاہ اودھ

مولوی کرم حسین بلگرامی کو بلگرام کی علمی اور ادبی تاریخ میں اس اعتبار سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ انھوں عربی و فارسی کے علاوہ انگریزی کی تحصیل بھی کی تھی اور اس پر انگریزوں کا سا عبور رکھتے تھے۔ان کے ابتدائی حالات کا علم نہیں لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے علوم درسیہ کی تحصیل کلکتہ میں کی اور وہیں مدرسۂ عالیہ میں عربی کے پروفیسر ہو گئے۔اسی زمانے میں انہوں نے انگریزی قوانین کا (اردو میں) ترجمہ کیا جس کے صلے میں حکومت کی جانب سے خان بہادر کا خطاب ملا۔اودھ میں بھی ان کے علم و فضل کی دھوم تھی۔اس بناء پر سرکار اودھ کی طرف سے ان کو خلعت معہ اسپ و فیل و پالکی و نالکی عطا ہوا اور ایک ہزار سات سو روپے ماہوار پر وہ سفیر اودھ بنائے گئے۔

غالبؔ نے کلکتے کے قیام کے دوران مولوی کرم حسین بلگرامی کی فرمائش پر ہی غالبؔ نے چکنی ڈلی کی تعریف میں فی البدیہہ ایک قطعہ کہا تھا جو ان کے دیوان میں موجود ہے۔اس کے بارے میں غالبؔ خود اپنے ایک خط میں کہتے ہیں "مولوی کرم حسین میرے ایک دوست تھے۔انہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی، بہت پاکیزہ و بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات

نظم کیجئے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نودس اشعار کا قطعہ لکھ کران کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی ان سے لے لی۔''

عبدالغفور نساخ کی یادداشت کے مطابق جب غالب کلکتے میں مقیم تھے' مولوی کرم حسین بلگرامی نے کئی مشاعرے اپنے ہاں منعقد کیے تھے جن میں کلکتے کے ایرانیوں کی بڑی تعداد شریک ہوئی تھی۔ اسی ایک مشاعرہ میں غالب نے یہ غزل پڑھی تھی۔

تا فصلے از حقیقت اشیا نوشتہ ایم
آفاق را مرادفِ عنقا نوشتہ ایم

کپتان ہنسن کو کرم حسین بلگرامی سے بڑی محبت تھی اور حقیقت میں وہی ان کا ولی بھی تھا اور محسن بھی۔ چنانچہ اس کے انگلستان جاتے ہی اودھ کی کلکتے میں یہ سفارت بھی ختم ہوگئی لیکن مولوی کرم حسین بلگرامی کو کلکتے کا ماحول اس قدر راس آچکا تھا کہ انھوں نے لکھنؤ کی طرف مراجعت کی ضرورت محسوس نہ کی اور ۱۲۵۷ھ میں کلکتے ہی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔۳۲۳)

۸۔سبحان علی خان

''سبحان علی خاں کے نام غالب کے فارسی میں تین خط ملتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے سبحان علی خاں کے ذریعے دربارِ اودھ میں توسّل اختیار کرنے کی کوشش کی تھی اور نصیرالدین حیدر کی مدح میں ایک قصیدہ گزرانا تھا۔

تاریخ میں ان کا ذکر بار بار آیا ہے لیکن اس سے ان کی کوئی خاص شخصیت نمایاں نہیں ہوتی۔ وہ قوم کے کنبوہ تھے۔ ان کے تدبّر اور مصلحت اندیشی نے ان کو غازی الدین حیدر کے دربار تک پہنچا دیا تھا۔ معتمد الدولہ آغا میر نے اودھ کی نیابت کا خلعت پایا تو دفعتاً سبحان علی خاں کی توقیر میں بھی اضافہ ہوا۔ وہ ایک طرف غازی الدین حیدر کو اپنی شخصیت سے مسحور کیے ہوئے تھے تو دوسری طرف انھیں معتمد الدولہ آغا میر کے مزاج میں بھی دخل ہوگیا تھا۔ آغا میر کی وزارت کے دوران وہ بہت بااثر شخصیت تھے۔ غازی الدین حیدر کے بعد جب نصیرالدین حیدر نے مسند سنبھالی تو سبحان علی خاں کے اعزاز میں مزید اضافہ ہوا۔ ان کو وزارت کی نیابت عطا کی گئی اور ساتھ ہی صدر دفتر کلکتہ اور گورنر جنرل سے مراسلت کے اختیارات بھی دے دیے گئے مزید یہ کہ دارالانشا کی افسری اور پچاس ہزار روپے نقد بھی دیئے گئے۔

لیکن ۱۲۴۳ھ میں جب معتمد الدولہ آغا میر کی سیاست کو زوال آیا تو وہ بھی مواخذے سے نہ بچ سکے۔ معتمد الدولہ کی معزولی کے کئی سال بعد جب روشن الدولہ کو اقتدار ملا اور وزارت کی خلعت عطا ہوئی تو سبحان علی خان کو ایک بار پھر سیاست میں داخلہ ملا لیکن روشن الدولہ کی نااہلی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہی اور روشن الدولہ سے کربلائے معلی جانے کی اجازت مانگی جو منظور نہیں ہوئی۔''

(بزم غالب۔ مرتبہ عبدالرؤف عروج، ص۔۱۸۴)

۹۔شیخ امام بخش ناسخ

شیخ امام بخش ناسخ ۱۷۷۲ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۸ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔ ناسخ اپنے دور کے بڑے شاعر تھے اور تخلیقی اثر کے اعتبار سے منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ ناسخ کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی کوشش اور کاوش سے اُستادوقت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ ریاض الفصحا میں مصحفی نے انہیں "حلیم الطبع ومہذب الاخلاق" انسان بتایا ہے۔ ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد، لکھنؤ اور بیرونِ لکھنؤ پھیلی ہوئی تھی اور یہ سب شعرا انہی کے رنگ میں شعر کہہ کر ناسخ کے رنگِ شاعری کو پھیلا رہے تھے۔ اپنے زمانے میں شعر کے تعلق سے ان کی رائے اسی طرح مسلّم و مستند مانی جاتی تھی جس طرح مفتی کا فتویٰ مذہبی امور میں حرفِ آخر کا مرتبہ رکھتا ہے۔ سعادت خان ناصر نے اسی لیے انہیں "مفتیٔ مسائلِ سخنوراں" کہا ہے۔ اس دور میں ناسخ کے رنگ شاعری کا یہ اثر تھا کہ ایک زمانے میں خود غالب اور مومن دونوں ناسخ کے رنگ میں شعر کہنے کی کوشش میں مصروف تھے جس کا ذکر غالب نے اپنے ایک خط میں بھی کیا ہے۔ ناسخ شعروشاعری کے ساتھ اس دور کی سیاست میں بھی شامل تھے اور اسی وجہ سے انہیں ایک عرصہ تک لکھنؤ چھوڑ کر الٰہ آباد میں جلاوطنی اختیار کرنا پڑی تھی۔

ناسخ نے اتنی بڑی تعداد میں قطعاتِ تاریخ لکھے ہیں کہ اس دور کی تاریخ کے اہم واقعات ان قطعات کو پڑھ کر روشن ہو جاتے ہیں۔ امام بخش ناسخ نے غزلیں بھی کہیں اور مثنویات وقصائد بھی کہے لیکن ان کی اصل تاریخی حیثیت واہمیت اُن کی غزلوں سے ہی قائم ہے۔ ان کا کل شعری اثاثہ پانچ اُردو مثنویوں، تین اُردو اور ایک فارسی دواوین پر مشتمل ہے۔ ناسخ نے اپنی شاعری کی بنیاد مضمون آفرینی پر قائم کی اور شعر سے جذبہ واحساس کو پوری طرح خارج کر دیا اور اس سے وہ رنگ وجود میں آیا جو ناسخ سے مخصوص ہے اور جسے غالب نے "طرزِ جدید" کہا ہے اور ناسخ کو اسی رنگ کا مُوجد ٹھہرایا ہے۔ اس طرزِ جدید نے اس دور کی نئی اور پرانی دونوں نسلوں کو متاثر کیا۔ طرزِ جدید کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ مصحفی جیسے اُستاد اساتذہ نے اپنے "سادہ گوئی" کے طرز کو ترک کر کے اپنا "دیوانِ ششم" ناسخ کے رنگ میں مُرتب کیا۔ ناسخ نے اپنے اس رنگِ خاص کو جذبہ واحساس سے عاری کر کے تلازمات، مناسبت، تمثیل، تخیل پردازی اور مبالغے کے استعمال سے ایسی مضمون آفرینی کی کہ وہ رنگ لکھنؤ کے تہذیبی مزاج سے ہم آہنگ ہو گیا۔ اس طرزِ جدید میں معنی حقیقی نہیں ہوتے بلکہ قیاسی یا فرضی ہوتے ہیں جن میں کبھی صنعت حُسنِ تعلیل، اور کبھی مبالغے سے اور کبھی مناسباتِ لفظی اور تلازمات سے معنی پیدا کیے جاتے ہیں اور یہ معنی احساس وجذبے سے عاری ہوتے ہیں۔ طرزِ جدید کی یہی خلاقی ہے اور یہی تلاشِ مضمون تازہ ہے۔ اسی وجہ سے اس دور کی شاعری سے "داخلیت" خارج ہو گئی اور "خارجیت" شاعری میں داخل ہو گئی۔

ناسخ نے نہ صرف طرزِ جدید کی بنیاد ڈالی بلکہ اسی کے ساتھ اصلاحِ زبان کا بیڑا بھی اٹھایا۔ انہوں نے ایک طرف خود اپنے وضع کردہ اصلاحِ زبان کے اصولوں کی پیروی کی اور ساتھ ہی اپنے شاگردوں کو بھی ان اصولوں پر چلنے کی تلقین کی اور بآخر یہ تحریک آگے چل کر ناسخ کے شاگردوں مثلاً علی اوسط رشک، رند اور خواجہ وزیر وغیرہ کے ہاتھوں اپنے عروج کو پہنچی۔

(جناب جمیل جالبی سے انتہائی شکریے کے ساتھ)

۱۰۔ صاحب عالم مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر

صاحب عالم و عالمیان، مرزا سلیمان شکوہ بہادر خلف خلد مکانی، حضرت شاہ عالم ثانی، غدم قادر کی بغاوت کے بعد قلعۂ معلیٰ کی سکونت ترک فرما کر اپنے برادر بزرگ مرزا جواں بخت بہادر ولی عہد کی طرح لکھنؤ میں اقامت گزیں ہوئے۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے بنا مصرف خاصہ اخراجات سرکار شاہزادہ کے لیے چھ (۶) ہزار ہوار مقرر کر دیے۔ نواب سعادت علی خان اور غازی الدین حیدر ۱۸۱۷ء تک حسب دستور قدیم صاحب عالم کے سامنے وزیراعظم کی طرح پیش آئے۔ نذریں دیں خلعت پہنے۔ جب غازی الدین حیدر نے تاج شاہی پہن کر تخت سلطنت پر جلوس کیا تو بدرجۂ مساوات ملاقات چاہی۔ صاحب عالم کو یہ جدید حرکت ناگوار گزری لیکن باقتضائے مصلحتِ وقت، مرزا نصیر الدین حیدر کے ساتھ اپنی صاحبزادی کی شادی کر دی جو سلطان بہو کے خطاب سے مشہور ہوئیں۔ مگر ہمیشہ شوہر سے ناموافقت رہی۔ ان ہی اسباب سے صاحب عالم سخت دل برداشتہ اور آزردہ خاطر رہے۔ آخرکار ۳۸ سال لکھنؤ میں قیام فرما کر کاس گنج میں اپنے پرانے دوست کرنل گارڈنر کے پاس چند ماہ رہ کر اکبرآباد میں سکونت اختیار کر لی۔ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں کئی بار دہلی آئے اور اپنے متعدد لڑکے لڑکیوں کی شادیاں رچائیں۔ ۲۹۔ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ مطابق فروری ۱۸۳۷ء میں انتقال کیا۔ ع۔ بگو کر دبر شاہ ''رحمت خدا'' کتبۂ لوحِ مزار ہے۔ صاحب عالم بادشاہ اکبر کے مقبرہ میں بمقام سکندرہ مدفون ہوئے۔

آپ کثیر العیال، علما و شعرا کے قدردان، با مروت و نیک خوانسان تھے۔ ابتدائے شوق میں شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ انشاء اللہ خاں اور مصحفی کے زمانہ میں کہنہ مشق تھے۔ دہلی سے جو باکمال لکھنؤ جاتا تھا، پہلے ان کے ہاں حاضر ہوتا تھا اور یہ بھی الطاف امیرانہ سے پیش آتے تھے۔ لکھنؤ میں ان کے دولت کدہ پر مشاعرے ہوتے تھے۔ مصحفی، قتیل۔ انشا، میر حسن سب اسی سرکار کے دعاگو تھے اور ان کے مطارحات اور مباحثے اکثر آپ ہی کے دربار میں رہے۔ کلام سے عالی دماغی کی بو آتی ہے۔ الفاظ سے شاہانہ شوکت پائی جاتی ہے۔ آپ کا قلمی دیوان مؤلف تذکرہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

(خم خانۂ جاوید۔ مصنفہ سری رام۔ جلد چہارم، ص۔ ۲۵۱)

۱۱۔ حکیم احسن اللہ خان

''حکیم احسن اللہ خان کا پورا نام احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتمد الملک، حاذق الزماں، احسن اللہ خان بہادر ثابت جنگ تھا۔ وہ دربارِ تیموریہ کے معتمد اور باثر امیر ہونے کے علاوہ انتہائی معروف اور ممتاز معالج تھے۔ ان کا سال ولادت ۱۲۱۲ھ مطابق ۹۸۔۱۷۹۷ء ہے۔ انھوں نے درباری طبیبوں میں شامل ہو کر اس قدر ترقی کی کہ لال قلعہ کی سیاست پر بھی ان کا سکہ جم گیا۔ سرسید احمد خان نے غلط نہیں لکھا ہے کہ دہلی میں ہر شخص حکیم صاحب کو اپنا محسن سمجھتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ سرسید ہی نہیں غالب اور مومن پر بھی ان کے احسانات تھے۔ سرسید کو ۱۸۴۲ء میں جوادالدولہ عارف جنگ کا خطاب ان ہی کے ایما پر ملا تھا۔ ان ہی کی وجہ سے غالب کو قلعہ معلیٰ میں باریابی ہوئی۔ انھوں ہی نے بہادر شاہ ظفر کو خاندان تیموری کی تاریخ نویسی کی تجویز پیش کی تھی جس خدمت پر غالب کو مامور کیا گیا۔ ان کی ذاتی کوششوں ہی سے مومن کا فارسی کلام اور مکاتیب شائع ہوئے۔

... انقلاب میں حکیم احسن اللہ خان کی ہمدردیاں انگریزوں کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ احسن اللہ خان اور بیگم زینت ... سے بہادر شاہ ظفر نے تیز رو سانڈنی سوار کی معرفت لیفٹیننٹ گورنر کے نام ایک شقہ آگرے بھیجا تھا جس میں دہلی پر ... کے چڑھ دوڑنے کی اطلاع دی گئی تھی اور لکھا گیا تھا۔

به لبم رسیده جانم تو بیا که زنده مانم
پس از آن که من نه مانم بچه کار خواهی آمد

اس کا علم مجاہدوں کو ہوگیا اور انہوں نے حکیم صاحب کے مکان کو آگ لگا دی۔ جب انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کے خلاف مقدمہ قائم کیا اور اس کی سماعت کے لیے فوجی کمیشن کی تقرری عمل میں آئی حکیم صاحب نے بہادر شاہ ظفر کے خلاف بیان دیا لیکن پھر بھی انگریزوں نے ان کو معاف نہیں کیا اور ان کے گھر پر پہرے بٹھا دیے۔ کچھ عرصے بعد یہ پہرہ اٹھا لیا گیا۔ ان کی پنشن بھی مقرر ہوگئی اور دو سو روپے ماہوار ملنے لگے۔ اسی اثنا میں انہوں نے جے پور میں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۲۹۰ھ میں انتہائی کس مپرسی کے عالم میں بڑودہ میں انتقال کیا۔"

(بزم غالب۔ مرتبہ عبدالرؤف عروج، ص۔۲)

۱۲۔ الف بیگ

احوال زندگی دستیاب نہیں۔

۱۳۔ مولوی نور الحسن:

ان کا صحیح نام نور الحسین تھا۔ (پنج آہنگ طبع ثانی ص ص ۲۶۶، ۲۸۶ و کلیات نثر غالب طبع دوم جنوری ۱۸۷۱ء ص ص ۱۳۰، ۱۲۹) ان کے نام یہ خط دسمبر ۱۸۳۷ء میں لکھا گیا تھا۔ اس وقت نور الحسین کا قیام احاطۂ خانساماں میں تھا۔ شیر علی شاہ کے تکیے کے متصل یہ احاطہ لکھنؤ میں واقع اور مولوی سراج الدین احمد اور ان کے چچا مولوی عبدالکریم میر منشی دفتر خانہ فارسی کلکتہ کا مسکن تھا۔ مولوی نور الحسین غالباً مولوی عبدالکریم کے صاحبزادے تھے۔ یہ خط انھیں مولوی سراج الدین کی وساطت سے بھیجا گیا تھا۔ (مکتوب نمبر ۲۶ میں حوالہ موجود ہے)۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبہ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ ہندوستان، بحوالہ: خط مورخہ ۱۲۔ مئی ۲۰۰۷)

۱۴۔ مولوی حافظ محمد فضل حق صاحب

آپ انیسویں صدی کے اکابر علما میں سے تھے۔ سر سید احمد خان نے ان کا سال ولادت ۱۲۱۱ھ اور رحمان علی نے ۱۲۱۲ھ بتایا ہے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد مولوی فضلِ امام سے حاصل کی۔ پھر مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کے تلامذہ میں شامل ہو کر درسِ حدیث لیا۔ یہاں بھی سیری نہ ہوئی تو شاہ دھومن دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مولانا فضل حق نے اٹھارہ سال کی عمر میں دہلی کے ریزیڈنٹ کے دفتر میں بطور سررشتہ دار ملازمت کا آغاز کیا۔ کچھ دنوں بعد نواب جھجر نے انہیں اپنے پاس بلالیا۔ بعدازاں رام پور چلے گئے جہاں سے صدرالصدور بنا کر لکھنو بھیج دیئے گئے۔ ''علمائے ہند'' کے مؤلف نے انہیں ۱۲۴۹ھ میں لکھنؤ میں دیکھا تھا' جہاں وہ حقہ کشی اور شطرنج کے درمیان بھی تلامذہ کو درس دیتے تھے۔

مولانا فضل حق ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے دوران دہلی آئے اور یہاں وقتاً فوقتاً بادشاہ سے ملاقاتیں کیں۔ چنانچہ ہنگامے کے فرو ہونے پر انہیں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوا دینے پر گرفتار کر لیا گیا اور عدالت سے حبس دوام اور عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ ان کے عقیدت مندوں اور متوسلین نے ان کی رہائی کے لیے بے انتہا کوشش کی۔ آخرکار جب ان کے صاحبزادے ان کا پروانۂ آزادی لے کر انڈمان پہنچے تو اس سے ایک دن پیشتر ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ کو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

فلسفہ' دینیات وطب کی بے مثال تصنیفات کے علاوہ ان کے اشعار کی تعداد' بقول رحمان علی صاحب تذکرہ'' علمائے ہند'' چار ہزار سے زائد ہے۔ امیر مینائی کے مطابق ان کے عربی قصائد اس کے علاوہ ہیں۔

مولانا فضل حق غالب کے دوست ہی نہیں' مربی اور محسن بھی تھے۔ اگر مولانا فضل حق کی ملاقات غالب سے نہ ہوتی تو بقول ڈاکٹر زور' میر تقی میر کی وہ پیش گوئی پوری ہو جاتی جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ''یہ لڑکا مہمل بکے گا'' مولانا نے غالب کی فکر کو نکھار دیا اور ان کے خیالات کی اصلاح کی۔ یہی نہیں' ان کی مالی مشکلات بھی دور کرنے کی کوشش کی۔ آپ ہی کی تجویز پر نواب یوسف علی خان والیٔ رام پور نے اپنے اشعار غالب کو برائے اصلاح بھیجے۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج' ص۔۳۱۱)

۱۵۔ شاہ اودھ نصیرالدولہ فارس الملک مرزا محمد علی خان سپہ دار جنگ

مرزا محمد علی خان اپنے باپ نواب سعادت علی خان کی مسند نشینی سے قبل ماہ ذی قعدہ ۱۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا خطاب نصیرالدولہ فارس الملک مرزا محمد علی خان بہادر سپہ دار جنگ تھا۔ ان کی مسند نشینی ۴۔ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۸۔ جولائی ۱۸۳۷ء وقوع پذیر ہوئی۔ مسند نشینی کے وقت محمد علی شاہ کی عمر ۶۳ برس تھی اور وہ مرض تشنج کے سبب پاؤں سے معذور تھے۔ چنانچہ اپنے بڑے بیٹے کو ثریا جاہ خطاب دے کر ولی عہدی کا خلعت پہنایا اور میر امام علی رفیق قدیم کو خطاب رفیق الدولہ سے سرفراز فرما کر جمعہ ملبوس گرما و سرما قبل از عہد سلطنت مرحمت کر دیا۔ رفیق الدولہ کی کرسی برابر رکھی جاتی۔ محمد علی شاہ کا ہاتھ بہ سبب پیری یا عارضے کے بے قابو تھا اس لیے کھانا بھی رفیق الدولہ ہی کھلاتا اور شب کو داستان بھی سناتا تھا۔ غرضیکہ بادشاہ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

اگرچہ ہر عضو بدن ضعیف تھا مگر ان کی بیدار مغزی نے انتظام سلطنت کو خواب غفلت سے جگا دیا۔ طبیعت انصاف پسند تھی اس لیے رعیت نے آرام پایا۔ چونکہ زمانے کا نیک و بد دیکھ چکے تھے غریب غربا اور اپنے بیگانے سے اس طرح پیش آئے کہ اب تک ان کا نیک نام چلا آتا ہے۔ اپنی دانائی سے اوقات کو بہت اچھی طرح صرف کرتے تھے۔ اچھے اچھے کام کیے۔ لاکھوں روپے حضرت عباس کے نجف کی ترمیم اور درستی نہر اور روضۂ حضرت حُرّ کی تیاری میں لگائے اور ہزاروں روپے مہینہ ان لوگوں کے واسطے مقرر کیا جو زیارت کو جاتے تھے۔ گورنر جنرل اور ان کی کونسل بادشاہ کے نیک رویے سے بہت راضی تھی اور اسی لیے ان کی ہر خواہش وہاں مقبول ہوتی تھی۔

محمد علی شاہ نے پانچ برس سلطنت کی۔ آخر کار تپ محرّق اور تخمے سے (۶۸) اڑسٹھ برس کی عمر میں ۵۔ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ روز سہ شنبہ مطابق ۶۔ مئی ۱۸۴۲ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ امام باڑہ حسین آباد میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات یہ ہے: ع

رفت شاه اوده به ملك قدس (۱۲۵۸ھ)

(تاریخ اودھ حصہ پنجم ص۔ ۲۱ تا ۲۳)

۱۶۔ مولوی سراج الدّین احمد خان

مولوی سراج الدین احمد لکھنؤ کے باشندے تھے۔ جن دنوں غالب اپنی پنشن کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے تھے، مولوی سراج الدین احمد کا قیام وہیں تھا۔

مولوی سراج الدین احمد کی فرمائش پر غالب نے اپنے اُردو، فارسی کلام کا ایک مختصر سا انتخاب کیا اور اس کا نام "گل رعنا" رکھا۔ مولوی سراج الدین احمد کا کلکتہ کے ہفتہ وار اخبار آئینہ سکندر سے تعلق تھا یا نہیں، وثوق سے کہنا مشکل ہے۔ البتہ یہ یقینی امر ہے کہ وہ حکام میں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان ہی کی کوششوں سے آئینہ سکندر میں غالب کا کلام چھپتا رہا۔ غالب اس ہفتہ وار کا باقاعدہ مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق انہوں نے اپنے ایک خط میں اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے اور اس کے خریدار بنانے کی بھی سعی کی ہے۔

مولوی سراج الدین ۱۸۵۹ء میں لکھنؤ چلے آئے تھے اور احاطہ خانساماں کے متصل تکیہ شیر علی شاہ کے قریب رہائش اختیار کر لی تھی۔ غالب نے اپنے شاگرد منشی شیو نارائن آرام کے ذریعے اپنی تصنیف دستنبو کا ایک نسخہ ان کے اسی پتہ پر بھجوایا ہے۔

غالب اور مولوی سراج الدین احمد کے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ان خطوط سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام لکھے ہیں۔ مولوی سراج الدین احمد نے کچھ عرصہ اکبر آباد میں بھی گزارا۔ جن دنوں مولوی سراج الدین احمد اکبر آباد میں تھے، انہوں نے منشی جواہر سنگھ جوہر کو ان کے پاس بھیجا تھا، تاکہ وہ ان کی صحبت میں رہ کر کسی قابل ہو سکیں۔

(غالب ص ۱۱۲۔۱۱۳، ذکر غالب ۲۰۳، ۲۵۱، تاریخ صحافت اول ص ۸۰، خطوط غالب، ص۔ ۲۷۰)

۱۷۔ رائے چھج مل کھتری

رائے چھج مل کھتری، جواہر سنگھ جوہر اور ہیرا سنگھ دَرد کے باپ غالب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ جوہر کے نام ایک فارسی خط میں غالب نے لکھا ہے "چھج مل میرے دیرینہ دوست ہیں۔ ہر ہفتے دو تین دفعہ میرے پاس آتے ہیں اور بہت دیر بیٹھتے ہیں۔ میرے ان کے درمیان اگر کوئی جھگڑا تھا تو قمار بازی میں تھا اور اب وہ بساط اٹھ گئی ہے تو محبت ہی محبت ہے، کوئی نزاع نہیں۔ غالب نے جواہر سنگھ کے نام ۹۔ اپریل ۱۸۵۳ء کے ایک اردو خط میں لکھا ہے "ہاں۔ چھج مل اکثر بیمار رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خصوصاً اس شدت سے نزلہ چھاتی پر گرا کہ وہ گھبرا گئے اور زیست کی توقع جاتی رہی۔ بارے کچھ صحت ہو گئی ہے۔ بھائی یہ آفتاب سرِ کوہ ہیں۔"

رائے چھج مل کا انتقال ۱۲۷۷ھ مطابق ۶۱۔۱۸۶۰ء ہوا۔ غالب کے دیوان فارسی کا قلمی نسخہ مملوکہ کتب خانہ خدا بخش بانکی پور

جس کی کتابت ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء ہوئی ہے ان ہی رائے چھجمل کا لکھا ہوا ہے۔
(باغ دودر۔ مرتبہ وزیرالحسن عابدی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، اشاعت ثانی ص۔ ۱۷۸)

۱۸۔ مولوی ولایت حسین خان

ان کا صحیح نام مولوی سید ولایت حسن خان ہے۔ نامہ ہائے فارسیٔ غالب کے علاوہ پنج آہنگ کے بعض قلمی نسخوں میں بھی نام کی یہی صورت ہے۔ پنج آہنگ (مطبوعہ) کے تیسرے خط کے عنوان میں بھی ''ولایت حسن'' ہی درج ہے۔ غالبؔ نے سیاحؔ کے نام ایک خط میں انہیں سراج الدین علی خان قاضی القضاۃ کا بھتیجا لکھا ہے۔ (مکتوب مورخہ ۳۱۔ جولائی ۱۸۶۰ء) لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ در اصل مولوی سراج الدین علی خان کی اہلیہ کے خواہرزاد (یعنی بھانجے) تھے۔ (نامہ ہائے فارسی غالبؔ ص۔ ۳۰)۔ غالبؔ کے قیام کلکتہ کے زمانے میں یہ کلکتے میں موجود تھے اور سرکاری ملازم تھے۔ بعد میں ترقی کر کے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر وصدرِ شعبہ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ ہندوستان۔ بحوالہ خط مورخہ ۱۲۔ مئی ۲۰۰۷)

۱۹۔ شیخ امیراللہ سرورؔ

شیخ امیراللہ سرورؔ شیخ عبداللہ کے بیٹے تھے۔ ان کا اصل مولد اکبرآباد تھا۔ جن دنوں کونسل کے اجلاس میں غالبؔ کا مقدمہ پیش تھا، اور فیصلہ ہونے میں نہیں آتا تھا، شیخ امیراللہ نے ان سے اصلاحِ کلام کی درخواست کی تھی اور اپنے کچھ اشعار ارسال بھی کیے۔ غالبؔ نے اپنے خط زیرِ نظر میں ان پر اجمالی نظر ڈالنے کا ذکر بھی کیا ہے۔ شیخ امیراللہ سرورؔ نے کچھ عرصے کے بعد شیخ رحمت اللہ مجرمؔ اکبرآبادی کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا جو میر محمدی بیدارؔ کے واسطے سے مولانا فخرالدین دہلوی کے سلسلے میں مرید ہو کر دہلی میں فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی کشش شیخ امیراللہ سرورؔ کو بھی دہلی کھینچ لائی اور انھوں نے ۱۲۴۳ھ میں دہلی کو اپنا وطنِ ثانی بنا لیا۔
(بزمِ غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ، ص۔ ۱۸۸)

۲۰۔ مومن خان مومنؔ

حکیم مومن خان، حکیم غلام نبی خان کے صاحبزادے اور حکیم محمد نامدار خان کے پوتے تھے جن کا کشمیر کے ایک ایسے خاندان سے تعلق تھا جس کے تمام افراد کو فنِ طب میں کامل دستگاہ تھی۔

مومنؔ کا سالِ ولادت ۱۸۰۰ء ہے۔ وہ دہلی کے محلّہ کوچہ چیلاں میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالنے پر سب سے پہلے مولانا عبدالقادر دہلوی سے عربی کا درس لیا پھر فارسی کی تحصیل کے لیے عبداللہ خان علوی سے رجوع کیا۔ اسی اثنا میں اپنے والد اور چچا حکیم غلام حسین خاں سے طب میں استفادہ کر کے نسخہ نویسی کی مشق بہم پہنچائی۔ ساتھ ہی نجوم و رمل اور تعویذ نویسی میں بھی کمال حاصل کیا۔

ان کی ایک مثنوی ''شکایتِ ستم'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت انھوں نے شاعری شروع کی تھی ان کا سن تیرہ چودہ سال سے زائد نہیں تھا۔ انہوں نے ابتدا میں شاہ نصیر دہلوی سے اصلاح لی۔ لیکن بعد میں یہ سلسلۂ تلمذ منقطع کر لیا اور بغیر کسی کے مشورے کے

فکرِسخن کرنے لگے۔ غالبؔ اسی زمانے میں غالبؔ سے ارتباط پیدا ہوا جس نے ایک مستحکم اور اٹوٹ دوستی کی صورت اختیار کرلی۔

حکیم مومن خان شروع ہی سے خوش لباس، رنگین طبع اور عاشق مزاج تھے لیکن ان کی زندگی مذہبی سرمستیوں اور کیفیتوں سے بھی خالی نہیں تھی۔ اس بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ انہوں نے جوانی میں حضرت سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مومنؔ کی موت ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک دن اپنے مکان کی چھت پر کھڑے فکرِسخن میں مشغول تھے کہ پاؤں پھسلا اور زمین پر آ گرے۔ ہاتھ اور بازوؤں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ ہوش میں آئے تو اپنا زائچہ بنایا کہ مزید پانچ ماہ زندہ رہوں گا۔ عزیزوں اور دوستوں کو موت کی تاریخ لکھوائی جو "بشکست دست و بازو" سے نکلتی ہے۔ ان کا اور غالبؔ کا چوالیس سال کا ساتھ تھا۔ یہ چھوٹ تو غالبؔ نے انتہائی پر درد الفاظ میں منشی نبی بخش حقیرؔ کو ۲۱ مئی ۱۸۵۱ء کو خط لکھا۔ "سنا ہوگا کہ مومن خان مرگئے۔ مومنؔ خان میرا ہم عصر تھا، اور یار بھی تھا۔ بیالیس تینتالیس برس ہوئے یعنی چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی میری اور مرحوم کی عمر تھی مجھ میں اور اس میں ربط پیدا ہوا، اس عرصے میں کبھی کسی طرح کا رنج وملال درمیان نہ آیا۔ حضرت چالیس برس کا دشمن بھی پیدا نہیں ہوتا، دوست تو کہاں ہاتھ آتا ہے۔ یہ شخص بھی اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا۔ طبیعت اس کی معنی آفرین تھی۔" مومنؔ کی موت پر غالبؔ نے مندرجہ ذیل رباعی بھی کہی۔

شرطست کہ روئے دل خراشم ہمہ عمر
خونابہ بہ رُخ ز دیدہ پاشم ہمہ عمر
کافر باشم اگر بہ مرگِ مومنؔ
چوں کعبہ سیہ پوش نباشم ہمہ عمر

(بزمِ غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ، ص۔ ۳۶۱)

۲۱۔ محمد علی خان صدر امین باندا

یہ سراج الدین علی خان، قاضی القضاۃ صدر عدالت کلکتہ کے چھوٹے بھائی تھے جن کا موہان (ضلع اناؤ) کے رئیسوں میں شمار ہوتا تھا۔ حکومت انگریزی نے ان کی لیاقت اور معاملہ فہمی کی بڑی قدر کی اور مختلف اوقات میں انھیں عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور کیا۔ انھوں نے کچھ دن باندا (بندیل کھنڈ) کی عدالت میں بھی اپنے فرائض انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ آخر عمر میں نہیں باندے کا صدر امین بنادیا گیا تھا۔

"گلشنِ سخن" کے مؤلف نے محمد علی خان کا انتقال ۱۲۴۰ھ میں ہونا بتایا ہے اور چند شعر بطور نمونہ نقل کیے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔

سیّد اکبر علی ترمذی کی تالیف نامہ ہائے فارسی غالبؔ میں انتیس (۲۹) خطوط وہ ہیں جو مولوی محمد علی خان کو لکھے گئے ہیں۔

(بزمِ غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ، ص۔ ۳۳۶)

۲۲۔ نواب محمد علی خان بہادر عرف مرزا حیدر

دبیر الدولہ فیروز جنگ نواب مرزا محمد علی خان بہادر عرف مرزا آغا حیدر متخلص بہ حیدر، اسد الدولہ رستم ملک مرزا محمد تقی خان بہادر ترقی کے فرزند تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۷۵ھ میں غالباً اواخر ماہ ذی الحجہ میں ہوا۔ غالب نے سید ناصر الدین حیدر خان عرف یوسف مرزا کے نام ۱۸۔ محرم ۱۲۷۶ھ کے خط میں لکھا ہے ''خط محررہ دوم محرم الحرام میں کوئی مطلب جواب طلب نہ تھا۔ مرزا حیدر کی رحلت کی خبر تھی اور بس''۔ اسیر کے دیوان میں درج ذیل قطعہ تاریخِ وفات موجود ہے۔

دلیرے کہ از دولتش بود شہرت — شجاعے کہ مشہور ہم نام حیدر

بہ تاریخ فوتش ندا کرد ہاتف — کہ جا یافت حیدر بقرب پسر

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان)

۲۳۔ میجر جان جاکوب بہادر

جان جیکب (John Jacob)۔ غالب نے ان کا ذکر منشی نبی بخش حقیر مرزا حاتم علی بیگ مہر اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ سٹیفن جیکب کے صاحبزادے تھے۔ ۱۱ جنوری ۱۸۲۱ء کو پیدا ہوئے۔ رام بابو سکسینہ نے ان کا سنہ ولادت ۱۸۱۴ء بتایا ہے۔ ۱۸۲۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بمبئی آرٹلری میں سپاہی کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ زندگی کا بڑا حصہ سندھ میں گزارا۔ پاکستان کا شہر جیکب آباد انہیں کے نام پر ہے۔ ۱۴۔ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو جب وہ دہلی آئے اور غالب کے مہمان ہوئے تو کلکتے کے احسن الاخبار نے ۲۰۔ دسمبر ۱۸۴۴ء کی اشاعت میں یہ خبر دی ''۱۴۔ اکتوبر کو میجر جان جاکوب اکبر آباد سے دہلی وارد ہوئے۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے روایت قدیم کے سبب سے مہمان نوازی اور استقبال کی رسومات کو شان و شوکت کے ساتھ سرانجام دیا اور نواب ضیاء الدین خان کے مکان میں جہاں پہلے ہی سے مہمانداری کا انتظام کیا گیا تھا ٹھہرایا''۔ غالب جواہر سنگھ جوہر کے نام ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں: ''میجر صاحب یہاں (بیماروں میں نواب ضیاء الدین خان کے مکان) سے چلے گئے ہیں، انھوں نے کوٹھی فیض طلب خان کرایے پر لے لی ہے، وہیں رہتے ہیں۔'' اس خط میں لکھتے ہیں کہ ''میں نے آج تک تو نہیں قلعے کے دانہ و دام کے فریب سے بچا رکھا ہے، ان لوگوں کی روش دیکھ کر خود بھی بد دل ہو گئے ہیں۔'' ان اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاکوب پہلے غالب کے مہمان ہو کر نواب ضیاء الدین خان کی کوٹھی پر ٹھہرے تھے۔ پھر انھوں نے ایک مکان کرایے پر لے لیا۔ جاکوب غالباً قلعے میں ملازمت کے متمنی تھے لیکن قلعے کی حالت دیکھ کر، کچھ غالب کے سمجھانے سے وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

جاکوب کے نام غالب کے چھ فارسی خط ہیں۔ پانچ پنج آہنگ میں اور ایک باغ دودر میں۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاکوب فارسی میں شعر کہتے تھے اور غالب کے شاگرد تھے۔ انھوں نے دیوانِ حافظ مرتب کیا تھا جس کی تقریظ غالب نے لکھی تھی۔ جاکوب نے گوالیار میں مکان بنایا تو ان کی فرمائش پر غالب نے سات شعر کا ایک فارسی قطعہ تاریخ لکھ کر بھیجا۔ انھوں نے ایک کنواں بھی تعمیر کیا تھا۔ غالب نے اس کنوئیں پر بھی فارسی میں ایک سات شعر کا قطعہ کہا تھا۔ جاکوب کو پسند نہیں تھا کہ غالب اردو میں شعر کہیں اس لیے وہ ان کو فارسی میں شعر کہنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جان جاکوب ترقی کرتے کرتے جنرل ہو گئے تھے۔ ڈکشنری آف انڈین

بایوگرافی میں ان کی تاریخ وفات ۵ دسمبر ۱۸۵۸ء بتائی گئی ہے جو درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ غالبؔ نے جاکوب کی وفات کا ذکر مہر کے نام اس خط میں کیا ہے جو غالبؔ نے انھیں ۵ مارچ ۱۸۵۸ء سے پہلے لکھا تھا ممکن ہے جاکوب کی وفات ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء سے پہلے ہوئی ہو۔ پوری کوشش کے باوجود جاکوب کا کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ جاکوب ۱۸۵۷ء میں انقلابیوں سے لڑے اور انھیں کے ہاتھوں مارے گئے۔ جان جاکوب کے بارے میں تقریباً ۳۶ دستاویزات نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہیں جو ان کے تقررات اور تنخواہ وغیرہ کے بارے میں ہیں۔

(جہان غالبؔ۔ غالبؔ کے خطوط۔ خلیق انجم۔ جلد چہارم ص۔ ۱۶۷۵)

۲۴۔ میاں نوروز علی خان بہادر

میاں نوروز علی خان کے نام غالبؔ کے صرف دو فارسی خطوط ہیں جو آہنگ پنجم میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم کی تالیف غالبؔ کے خطوط مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی میں ان کا اُردو کا کوئی خط موجود نہیں۔ فارسی کے جو دو خط آہنگ پنجم میں ہیں ان دونوں میں تحریر کی تاریخیں نہیں۔ لیکن مظفر الدولہ نواب سیف الدین خان بہادر کی تشویق پر متعارف نہ ہوتے ہوئے بھی غالبؔ نے میاں نوروز علی خان کو خط لکھا اور پھر جب منشی محمد حسن خان دہلی سے کانپور جارہے تھے تو ان کے ہاتھ میاں نوروز علی خان کو پنج آہنگ کا ایک نسخہ روانہ کیا، اور چونکہ وقت تنگ تھا اور مرصّع کاری و رنگ آمیزی کی مہلت نہ تھی یہ مسودہ سادہ ہی رہا۔ جناب حنیف احمد نقوی کے مقالے غالبؔ کا ایک متنازعہ فیہ خط مشمولہ سہ ماہی فکر و تحقیق نئی دہلی شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۶ء کے مطابق یہ متنازعہ فیہ خط مظفر حسین خان کے نام ہے جو (خط کے متن کے مطابق) ان نوروز علی خان کی تعزیت ہی کے لیے لکھنؤ سے کانپور آئے تھے۔ نوروز علی خان سے مظفر حسین خان صاحب کے دیرینہ مراسم تھے۔ نوروز علی خان صاحب کا وطن کانپور ہی تھا اور غالبؔ اور مظفر حسین خان کے درمیان سلسلہ مراسلت و رابطۂ اتحاد ان ہی نوروز علی خان کے سبب پیدا ہوا تھا۔ (پرتو روہیلہ)

۲۵۔ امین الدولہ آغا علی خان

امین الدولہ آغا علی خان کا تخلص مہرؔ تھا۔ وہ معتمد الدولہ آغا میر کے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی تمام تربیت لکھنؤ ہی میں ہوئی۔ جب آغا میر نصیر الدین حیدر کے عہد میں معزول ہوکر کانپور چلے آئے تو آغا علی خان نے بھی کانپور میں اقامت اختیار کرلی۔ لکھنؤ میں ناسخؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ کانپور آکر میر علی اوسط رشکؔ سے اصلاح لینے لگے۔ پنج آہنگ میں ان کے نام غالبؔ کا ایک خط ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ نے اپنا دیوان ریختہ ان کی خدمت میں ارسال کیا تھا اور اس طرح ان سے تعارف حاصل کرلیا تھا۔

عبدالغفور نساخؔ کے بیان کے مطابق امین الدولہ آغا علی خان مہرؔ نے کربلائے معلّیٰ کی زیارت کی تھی۔ وہاں سے واپسی کے بعد کانپور میں وفات پائی۔ ان کی لاش نجف اشرف روانہ کی گئی۔

(بزم غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ ص۔ ۳۶۸)

۲۶۔ میر سید علی خان بہادر غمگین عرف حضرت جی

سید علی دہلوی گوالیار کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام سید محمد تھا جو دہلی کے گورنر شاہ نظام الدین احمد قادر (تمیذ رنگین) کے بھتیجے تھے۔ غمگین کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب ان کی عمر بارہ سال تھی۔ ۲۵ برس کی عمر میں درویشی اختیار کی اور سید فتح علی رضوی سے بیعت ہوئے۔ اس کے بعد گوالیار سے پٹنہ اور پٹنہ سے گیا کا سفر کیا۔ گیا میں ان کو حضرت شاہ ابوابرکات کی خدمت میں نیز حاصل ہوا جن کے مشورے سے وہ بارہ برس تک پٹنے میں رہے جہاں انہوں نے خواجہ ابوالحسن سے فیض باطنی حاصل کیا اور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ غالب نے حضرت غمگین کی رباعیات کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ذرّے میں آفتاب اور کوزے میں دریا کو بند کر دیا وران کے دیوان رباعیات میں وہ مطالب پوشیدہ ہیں جو مثنوی مولانا روم میں بھی نہیں۔ ان رباعیات کا قلمی نسخہ ''مکاشفات الاسرار'' انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ یہ سید علی دہلوی المعروف بہ حضرت جی المتخلص بہ غمگین کے متصوفانہ رباعیات کا دیوان ہے۔ اس دیوان میں ایک فارسی زبان کا دیباچہ ہے، جس میں مصنف نے اپنے حالات زندگی جن میں سے کچھ اوپر بیان کیے گئے تحریر کیے ہیں ان حالات کی ابتدا اس رباعی سے ہوتی ہے۔

ایک عمر رہی میری اللہ کی جنگ	دیتا رہا شکست سوسو فرسنگ
غمگین مغلوب اب ہوا ہوں ایسا	نہ فوج رہی نہ میں نہ وہ نام و ننگ

اس دیباچے سے حضرت غمگین کی ادبی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ میں نے کافی عرصہ پہلے دیوان غزلیات مرتب کر لیا تھا لیکن اس کو خود ہی تلف کر دیا اور اب کہ ساٹھ سال کا ہو گیا ہوں تو ایک دوسرا دیوان جو میرے واردات ذوق و شوق حقیقی و مجازی پر مبنی ہے، مرتب ہو گیا ہے۔ اس دیوان میں سابق دیوان کی کچھ غزلیات بھی شامل کر لی ہیں اور چونکہ میرے دل پر واردات و کیفیات قلبی کا غلبہ تھا میری خواہش ہوئی کہ اس نئے دیوان کو اپنے دینی بھائی، جان سے زیادہ عزیز اسد اللہ خان مرزا نوشہ متخلص بہ غالب و اسد جو نظم و نثر میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، کے لیے تیار کر دوں۔

غمگین اکادمی گوالیار میں ایک وظیفے کی کتاب ہے۔ اس میں حافظ میاں عبدالرزاق عرف میاں میرن متخلص بہ رزاق کے قلم سے حضرت غمگین کی تاریخ ولادت یکم صفر ۱۱۲۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء اور تاریخ وفات ۳۔ صفر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ لکھی ہوئی ہے۔ (ہجری سنین ولادت و وفات محلِ نظر ہیں مترجم و مرتب) غمگین کی وفات پر نواب مصطفےٰ خان شیفتہ نے ایک قطعہ کہا ہے جس سے رزاق کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس قطعہ کا آخری شعر یہ ہے:

زدل آہے کشیدہ شیفتہ گفت
بہ برد او را صدائے لن ترانی

(اُردوئے معلی غالب نمبر ۱۹۶۰ء۔ شمارہ ۱)

۲۷۔ مبارز الدولہ ممتاز الملک مرزا حسام الدین حیدر خان نامؔی

مرزا حسام الدین حیدر خان نام، مبارز الدولہ ممتاز الملک خطاب اور نامؔی تخلص تھا۔ ان کے والد سراج الدولہ مرزا غیاث الدین محمد خان قیامؔت، میر الامرا ذوالفقار الدولہ نجف خان کے صاحبزادے تھے۔ نجف خان کی بہن شجاع الدولہ وزیر اودھ کے بھائی سے بیاہی گئی تھیں۔ اس لیے تذکرہ نویسوں نے اُن کو شجاع الدولہ کے اقربا میں بتایا ہے۔

حسام الدین حیدر لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے ابتدائی حالات نہیں ملتے۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے میر حسن کے صاحبزادے میر مستحسن خلیق سے اپنے کلام پر اصلاح لی تھی اور کچھ دنوں فیض آباد میں بھی قیام کیا تھا۔ فیض آباد کے بعد وہ دہلی چلے آئے تھے جہاں بہادر شاہ ظفر کی جانب سے حسام جنگ کا خطاب دیا گیا اور یہاں کے امرا میں شمار ہونے لگے۔ انھوں نے دہلی کے مشہور محلہ بلی ماران میں ایک عظیم الشان حویلی تعمیر کی تھی اور اسی میں رہتے تھے۔ اس قیام کے دوران ہی ان کی دوستی غالؔب کے خسر نواب الٰہی بخش خان سے ہوگئی جس کے سبب غالؔب بھی ان کو اپنے عزیزوں میں شمار کرنے لگے۔

مرزا حسام الدین حیدر نے ۳۔ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو وفات پائی۔ مولانا حالؔی کے بیان کے مطابق یہ میر حسام الدین حیدر ہی تھے جنھوں نے اپنے لکھنؤ کے قیام کے دوران غالؔب کی ایک غزل میر تقی میؔر کو سنائی تھی جس پر انھوں نے وہ الفاظ ادا کئے تھے جو اردو ادب کی تاریخ میں آج تک زبان زدِ خاص و عام ہیں کہ اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے رستے پر ڈال دیا تو یہ لاجواب شاعر بن جائے گا ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔ اس وقت غالؔب کی عمر تیرہ سال تھی۔

مرزا حسام الدین حیدر کا کلام اکثر تذکروں میں ملتا ہے۔ عمدۂ منتخبہ کے مؤلف محمد خان سرورؔ نے ان کو عاقل مؤدب و وجیہہ و دوست آشنا، پُر اختلاط و پُر اخلاص بتایا ہے اور ان کی برجستہ گوئی کی تعریف کی ہے۔

(بزمِ غالؔب۔ عبدالرؤف عروؔج ص۔ ۳۷۷)

۲۸۔ سید ناصر الدین حیدر خان عرف یوسف مرزا

نواب یوسف مرزا کے نام غالؔب کے متعدد خطوط ملتے ہیں۔ ان کا اصل نام سید ناصر الدین حیدر خان تھا۔ وہ مرشد آباد کے ایک عالی قدر میر سید محمد نصیر خان عرف نواب جان کے بیٹے، نواب حسام الدین حیدر خان بہادر نامؔی کے نواسے اور ناظر حسین مرزا کے بھانجے تھے۔ ناظر حسین مرزا سے غالؔب کا دیرینہ تعلق تھا۔ غالؔب یوسف مرزا کو بھی بہت چاہتے تھے۔

یوسف مرزا کی زندگی کا ابتدائی زمانہ بڑی شان و شوکت سے گزرا لیکن جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد انگریزوں نے ان کے والد کو پھانسی پر چڑھا دیا تو ان کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ذریعہ معاش کی تلاش میں مختلف علاقوں میں سرگرداں رہے۔ بڑی کوشش کے بعد الور میں کچھ بندوبست ہوگیا جہاں تھوڑے عرصے ہی میں انہوں نے بڑی ترقی کی اور مہاراجہ ان کا بڑا گرویدہ ہوگیا اور ان کے لیے پچاس روپے ماہانہ مقرر کر دیا اور یہ پابندی بھی ہٹا دی کہ وہ الور میں رہیں۔ چنانچہ وہ اکثر وقت دہلی اور لکھنؤ میں گزارتے۔

یوسف مرزا نے اپنی زندگی کا آخری حصہ لکھنؤ میں بسر کیا اور وہیں ۱۸۸۲ء اور ۱۸۸۳ء کے لگ بھگ وفات پائی۔ نور باڑی لکھنو کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ میر مہدی مجروح نے ان کی وفات پر ایک قطعہ کہا۔ جس کے مندرجہ ذیل شعر سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے

جنس گفت رضوان سنینِ وفات　　　بیـــا سیّــدم در بهشـــت بــریـن

(۱۳۰۰ھ)

(بزم غالب۔عبدالرؤف عروج ص ۳۱۴)

۲۹۔معین الدولہ مرزا ذوالفقار الدین حیدر خان بہادر ذوالفقار جنگ عرف حسین مرزا

حسین مرزا، نواب حسام الدین حیدر خان کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کا سال ولادت ۱۲۲۳ھ ہے۔ ان کی شادی ناظر افتخار الامرا احمد حسین نصرت خان مستقیم جنگ کی صاحبزادی حسینی بیگم سے ہوئی تھی۔ ان کے انتقال پر وہ شاہی نظارت کے منصب پر فائز کیے گئے اور سید ذوالفقار الدین حیدر نظارت خان بہادر ذوالفقار جنگ کے خطاب سے نوازا گیا۔

۱۸۵۷ء کی سعی انقلاب ناکام ہوئی اور انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت حسین مرزا، بہادر شاہ ظفر کے ناظر تھے۔ ان کا بچنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ چنانچہ بھرا پرا گھر چھوڑ کر مع زن و فرزند باہر نکل گئے۔ پہلے صفدر جنگ کے مقبرے میں پناہ لی اور پھر انگریزی جاسوسوں سے جان بچاتے ہوئے دوستوں اور ہمدردوں کی مدد سے بھیس بدل کر لکھنؤ پہنچ گئے اور روپوشی اختیار کر لی۔ جب عام معافی کا اعلان ہوا تو حسین مرزا نے انگریزی حکام سے پنشن کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ پھر کلکتے کا قصد کیا کہ واجد علی شاہ سے مل کر کچھ وظیفے کا بندوبست کرائیں لیکن ناکامی ہوئی۔

کچھ عرصے بعد وہاں سے بیکانیر آ گئے اور بحیثیت تحصیلدار ملازمت کر لی۔ لیکن اس وقت تک وہ اتنے صدمے اٹھا چکے تھے کہ ان کا ذہنی توازن نہ رہا۔ کا اور وہ ۶۔ رمضان ۱۳۰۷ھ کو انتقال کر گئے۔ غالب کے شاگرد میر مہدی مجروح نے ''بیا بہ کاخِ جناں اے امیر ابن امیر'' سے ان کا سال وفات نکالا ہے۔

(بزم غالب۔عبدالرؤف عروج۔ص۔۱۳۸)

۳۰۔منشی التفات حسین خان

ان کے والد کا نام مولوی عزیز اللہ تھا۔ دہلی کی ریزیڈنسی کے دفتر میں منشی تھے۔ غالب کے قیام کلکتہ کے زمانے میں دہلی میں مسٹر کول بروک ریزیڈنٹ کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔ غالب کی درخواست جب ریزیڈنٹ کی رپورٹ کے لیے کلکتے سے دہلی بھیجی گئی تو غالب نے مولوی محمد علی خان صدر امین باندہ سے ان کے نام سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی تھی۔ غالباً مولوی محمد علی خان منشی التفات حسین سے متعارف نہیں تھے۔ اس لیے غالب نے نواب علی اکبر خان سے ان کے نام سفارشی خط لکھوایا۔ کچھ دنوں بعد جب ہیرالعل وکیل کے خط موصولہ (۳۔مئی ۱۸۲۹ء) سے یہ اطلاع ملی کہ ریزیڈنٹ بہادر ان کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں تو غالب نے منشی التفات

حسین خان کو خود شکریے کا خط لکھا۔ محمد علی شاہ کے عہد میں التفات حسین خان کے بہ حیثیت میر منشی لکھنؤ ریزیڈنسی میں مامور ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جب میڈک صاحب ریزیڈنٹ مقرر ہوئے تو وہ انھیں اپنے ساتھ لکھنؤ لے آئے تھے۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان بحوالہ خط مورخہ ۱۲۔ مئی ۲۰۰۷)

۳۱۔ میاں غلام محمد نجف خان

یہ دراصل حکیم غلام نجف خان ہیں جن کے نام سے ''غلام'' کا لفظ کسی سہو کی بنا پر حذف ہوگیا ہے۔ پنج آہنگ میں ان کے نام کا جو خط شامل ہے اس کے آخر میں ''محمد حمید الدین سلمہ، اللہ تعالیٰ'' کا ذکر آیا ہے۔ یہ حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ حکیم غلام نجف خان پنج شنبہ ۲۴۔ شعبان ۱۲۲۴ھ مطابق ۵۔ اکتوبر ۱۸۰۹ء کو شیخو پور بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ پرورش و تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی۔ ۴۔ فروری ۱۸۳۴ء کو حکیم احسن اللہ خان کی بہن سے شادی ہوئی۔ انتقال دہلی میں ہوا۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔ (بہ شکریہ ڈاکٹر حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو۔ بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی۔ ہندوستان مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

حکیم غلام نجف خان ابن حافظ مصلح الدین خان بدایوں کے ایک قصبے شیخو پور کے فاروقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے خاندان نے ہر دور میں عالی مرتبت یگانۂ عصر افراد پیدا کیے۔ ان کے جدِ ششم شیخ فرید محتشم خان کو جہانگیر نے منصب پنج ہزاری ذات اور پانچ ہزار سوار سے سرافراز کیا تھا۔ اسی طرح شیخ فرید کے والد عہد اکبری میں بہار اور اڑیسہ کی صوبہ داری پر مامور تھے۔ حکیم نجف خان کے خالو کو کمپنی کی طرف سے تحصیل داری دی گئی تھی اور بعد میں وہ گورنر جنرل کے میر منشی بنائے گئے اور ان کو دہلی آنا پڑا۔ ان کے ہمراہ حکیم غلام نجف خان بھی تھے جن کی عمر اس وقت پانچ سال تھی۔

غلام نجف خان نے طب پڑھنے کی طرف توجہ دی اور حکیم صادق علی خان ابن حکیم محمد شریف خان سے استفادہ کرنے لگے۔ حکیم نجف خان کے برادر نسبتی حکیم احسن اللہ خان کو احترام الدولہ کا خطاب مل چکا تھا اور ان کی شہرت زوروں پر تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے غلام نجف خان نے وہ قبول عام حاصل کیا کہ بہادر شاہ ظفر نے ۱۸۳۷ء میں ان کو عضد الدولہ کا خطاب دے کر ان کی ہمت افزائی کی اور ۱۸۴۷ء سے پہلے انہیں کمپنی کی طرف سے بحیثیت طبیب مامور کیا گیا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں غلام نجف خان دوجانے میں تھے۔ دہلی کے شہریوں پر انگریزوں کے مظالم کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے غالب کو دوجانے آنے کی دعوت دی لیکن اس زمانے کی پابندیوں کے سبب غالب نے معذرت کرلی۔ امن ہوجانے پر غلام نجف خان دوبارہ دہلی آ گئے۔ غالب ان کو اپنے بیٹوں جیسا سمجھتے تھے اور غلام نجف خان نے بھی ان کو اپنے بزرگوں کی طرح ہی سمجھا اور ان کی عزت کی۔ حکیم غلام نجف خان نے طب اور اصول طب پر کئی کتابیں لکھیں جو تا حال غیر مطبوعہ ہیں۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۲۹۷)

۳۲۔نواب ضیاءالدین احمد خان بہادر

جس وقت احمد بخش خان کا انتقال ہوا' ضیاءالدین احمد خان کی عمر صرف چھ برس تھی۔ان کی جائیداد کا انتظام ان کے بھائی نواب امین الدین احمد خان چلاتے تھے۔ضیاءالدین احمد خان نے ۱۸۴۹ء میں امین الدین احمد خان سے مطالبہ کیا کہ وہ لوہارو کے انصرام میں ان کو برابر کا شریک کریں۔لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔جس پر بات سرکار انگریزی تک پہنچی اور اس نے فیصلہ کر دیا کہ نواب امین الدین احمد خان لوہارو کی آمدنی سے سالانہ اٹھارہ ہزار روپے ضیاءالدین احمد خان کو ادا کرتے رہیں۔ضیاءالدین احمد خان نے طوعاً و کرہاً اس فیصلے کو قبول کر لیا اور لوہارو کی سکونت ترک کر کے دہلی چلے آئے۔

دہلی میں مطالعے کے علاوہ ضیاءالدین احمد خان کو کوئی اور مصروفیت نہیں تھی۔انہوں نے نجوم ہیئت، تاریخ اور جغرافیہ ہی میں اپنا اعتبار نہیں بڑھایا بلکہ اردو فارسی شاعری میں بھی معاصرین پر اپنی دھاک بٹھادی۔ان کا کتب خانہ بہت وسیع تھا۔جب حکومت ہند کے سیکرٹری مسٹر ایلیٹ اپنی مشہور تصنیف تاریخِ ہند لکھ رہے تھے تو ضیاءالدین احمد خان ہی نے ان کی مدد کی اور ان کو وہ نایاب مواد بہم پہنچایا جس کا انہوں نے دیباچے میں اعتراف بھی کیا۔ضیاءالدین احمد خان کو غالبؔ سے جتنی عقیدت و محبت تھی شاید ہی کسی سے رہی ہو۔وہ روزانہ صبح باقاعدگی سے غالبؔ کے ہاں جاتے اور ان کا کلام اپنے ساتھ لاتے اور اپنے پاس جمع کرتے رہتے۔چنانچہ جب غالبؔ کو اپنے دیوان کے جمع کرنے کا خیال ہوا، انھوں نے ضیاءالدین احمد خان ہی کو لکھا کہ وہ مجموعہ بھیج دیں۔اور پھر ان کے تساہل پر بڑے سخت لہجے میں دیوان بھیجنے کا تقاضا کیا۔جب غالبؔ کا انتقال ہوا ان کی تجہیز و تکفین کی تمام رسوم نواب ضیاءالدین احمد خان ہی نے انجام دیں اور ان ہی کی ہدایت پر غالبؔ کی تدفین کی ساری رسومات اہل سنت کے مطابق ادا کی گئیں۔

ضیاءالدین احمد خان آخر عمر میں ضیق النفس کا شکار ہو گئے تھے۔اسی مرض میں ۱۳۔رمضان ۱۳۰۲ھ کو ان کا انتقال ہوا۔ضیاءالدین احمد خان نے اپنی زندگی میں اپنا کلام باقاعدگی سے جمع نہیں کیا۔مرنے کے بعد ان کے صاحبزادے سعیدالدین احمد خان صاحب نے جتنا کلام جمع ہو سکا "جلوۂ صحیفۂ زریں۔نیّر درخشاںؔ" کے عنوان سے شائع کر دیا۔

(بزم غالبؔ۔عبدالرؤف عروجؔ،ص۔۳۹۷)

۳۳۔جناب جمس طامسین صاحب سیکرٹری بہادر نواب گورنر اکبرآباد

Thomason James ۱۸۲۲ء میں ہندوستان آیا اور صدر کورٹ کا رجسٹرار مقرر ہوا۔۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۲ء گورنمنٹ کا سیکرٹری رہا۔۱۸۳۲ء تا ۱۸۳۷ء ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اعظم گڑھ' ۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۱ء سیکرٹری گورنمنٹ بہ مقام آگرہ۔۱۸۴۱ء ممبر ریونیو بورڈ۔۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۳ء خارجہ سیکرٹری۔دسمبر ۱۸۴۳ء تا ستمبر ۱۸۵۳ء صوبہ شمالی مغربی کا گورنر۔۲۹۔ستمبر ۱۸۵۳ء بہ مقام بریلی وفات پائی۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔سابق پروفیسر و صدر شعبہ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ہندوستان۔بحوالہ:خط مورخہ ۱۲۔مئی ۲۰۰۷)

۳۴۔شمس الامرا نائب والیِ حیدر آباد

س خطاب سے حیدر آباد میں پانچ مرا مخاطب ہوئے۔(آہنگ پنجم میں شامل) خط کے آخر میں جس قصیدے کے دو شعر منقول ہیں، کلیات غالب کے ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) کے لکھے ہوئے ایک نسخے میں اس کے سرِ عنوان نواب محمد رفیع الدین خان بہادر کا نام درج ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں۔رفیع الدین خاں ۱۲۷۹ھ میں اپنے والد شمس الامرا نواب فخر الدین خاں کی وفات کے بعد اس خطاب سے مخاطب ہوئے تھے۔یعنی یہ کلیات کے متذکرہ نسخے کی کتابت سے بائیس برس بعد کا واقعہ ہے۔ظاہر ہے کہ غالب کو مولانا عبدالرزاق نے جو اطلاعات فراہم کی تھیں، وہ صحیح نہیں تھیں۔بعد میں یہ قصیدہ نواب وزیر الدولہ والیِ ٹونک کے نام کر دیا گیا۔چنانچہ کلیات مطبوعہ میں انہی کے نام درج ہے۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ہندوستان، بحوالہ خط مورخہ ۲۱۔مارچ ۲۰۰۷)

۳۵۔نواب مختار الملک نائب والیِ حیدر آباد جناب میر تراب علی خان

غالب کے ممدوح میر تراب علی خان، سر سالار جنگ میر محمد علی خان شجاع الدولہ کے بیٹے، نواب منیر الملک ثانی کے پوتے اور میر عالم بہادر کے نواسے تھے۔۳۔جنوری ۱۸۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ابھی تین سال ہی کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ان کے دادا نے ان کی پرورش کا ذمہ لیا۔لیکن ایک سال کے بعد ہی وہ بھی وفات پا گئے اور میر تراب علی خان کی پرورش و تعلیم و تربیت ان کے چچا میر عالم علی خان کی ذمہ داری ٹھہری۔

۷۔شعبان ۱۲۶۹ھ کو میر عالم علی خان نے انتقال کیا تو آصف جاہ چہارم ناصر الدولہ نے میر تراب علی خان کو طلب کر کے بغیر درخواست مدار المہامی کی خدمت سپرد کی اور سالار جنگ کے آبائی خطاب سے سرفراز کیا۔اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی۔

میر تراب علی خان نے مدار المہامی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد تمام انتظامی شعبوں میں اصلاحات کیں اور مالی امور کو درست کر کے ریاست کو اس قابل کر دیا کہ چند ہی سال میں وہ اپنے اخراجات پورے کر کے تہذیبی و معاشرتی سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہونے کی اہل ہو گئی۔

[illegible] نے حیدر آباد میں [illegible] کو ناکام بنایا تھا۔اس کے صلے میں انگریزوں نے اظہار خوشنودی کے طور پر ۱۸۶۰ء میں [illegible] روپے کے تحفے [illegible] کیے اور ۱۸۶۶ء میں دوسرے والیان ریاست اور امرائے ہند کی طرح سر [illegible] ستارۂ ہند کا خطاب بھی دیا۔۱۸۷۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کے موقع پر اکیس توپوں کی سلامی بھی ان کا اعزاز قرار پائی۔انہوں نے ۸۔مئی ۱۸۸۳ء کو وفات پائی۔

غالب نے اپنی زندگی میں جلد ہی یہ نکتہ سمجھ لیا تھا کہ وہ ریاستوں اور درباروں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کر کے ہی کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔چنانچہ قصیدے کا سہارا لیا جو انہوں نے فتوحات کی امید میں مختلف امرا و والیان ریاست کو ارسال کیے۔اس سلسلے

میں غالب نے میر تراب علی خان کے منشی مولوی موید الدین خان سے بھی مدد چاہی اور دور دراز کا تعلق بھی ڈھونڈ نکالا۔ اور پے بعد دیگرے نو(۹) خطوط ارسال کیے اور علاوہ اس قصیدے کے، جس کا مطلع درج ذیل ہے اپنے دیوان اُردو کا ایک نسخہ بھی میر تراب علی خان کو بھیجا۔

در مدح سخن چساں نگویم　　　　شرط است کہ داستاں نگویم

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج ص۔۱۰۹)

۳۶۔ منشی فضل اللہ خان بہادر

یہ مولوی برکت اللہ خاں دہلوی کے صاحبزادے اور منشی امین اللہ خاں عرف امّو جان، دیوان الور کے چھوٹے بھائی تھے۔ امین اللہ خاں ۱۸۳۸ء میں راؤ بے سنگھ کے زمانے میں الور کے دیوان مقرر ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے دو چھوٹے بھائیوں فضل اللہ خاں اور انعام اللہ خاں کو بھی الور لے گئے تھے۔ فضل اللہ خاں کو انھوں نے امورِ دیوانی کا ذمے دار بنایا تھا۔ ان لوگوں کو قیام الور کے دوران دوبار حریفوں کی سازش کا شکار ہونا پڑا۔ پہلی بار ۱۸۴۹ء میں تو جیسے تیسے معاملات سلجھ گئے۔ دوسری بار اگست ۱۸۵۷ء میں راجا شیودان سنگھ کے دورِ حکومت میں یہ اپنے دو عزیزوں کی جانیں گنوانے کے بعد کسی طرح وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اس ہنگامے میں مرنے والوں میں فضل اللہ خاں کا ایک بیٹا محمد نصیر بھی شامل تھا۔ فضل اللہ خاں کے ایک اور بیٹے بھی تھے جن کا نام تفضل حسین خاں تھا۔ یہ شاعر بھی تھے۔ کوکب تخلص کرتے تھے اور غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کی شادی حکیم غلام نجف خاں کی بہن رحمت فاطمہ سے ہوئی تھی۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر وصدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان۔ بحوالہ: خط مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

۳۷۔ مظفر حسین خان

مولانا امتیاز علی خان عرشی کی تحریر کے مطابق مظفر حسین خان بادشاہ اودھ کے طبیب خاص اور اپنے دور کی ایک ذی علم شخصیت مسیح الدولہ حکیم علی حسن خان بہادر لکھنوی کے صاحبزادے تھے اور ان کا وطن یا کم از کم وطن ثانی لکھنؤ تھا۔ حکیم صاحب موصوف ایک نہایت عمدہ ذخیرۂ مخطوطات ومطبوعات کے مالک تھے جو ان کے بعد ان کے دونوں بیٹوں مظفر حسین خان اور احسن حسین خان کے حصے میں آیا۔ ۱۸۶۸ء میں یہ دونوں بھائی بہ حیثیت مصاحب دربار رامپور سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اس کے بعد نواب کلب علی خان نے ان کے ذخیرۂ کتب کا معقول حصہ سرکاری کتب خانے کے لیے خرید لیا تھا۔ ان میں سے بعض کتابوں پر جابجا مظفر حسین خان کے حواشی درج ہیں۔ خود مظفر حسین خان کے لکھے ہوئے چند رسالے بھی اس کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ یہ سب عربی میں ہیں اور فلسفہ وحکمت کے موضوع سے متعلق ہیں۔ مظفر حسین خان نے اپنی عمر کے آخری چند برس رام پور ہی میں گزارے اور غالباً وہیں ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں وفات پائی۔ منیر شکوہ آبادی نے ان کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل قطعے میں نظم کی ہے:

والا گہر جنابِ مظفر حسین خان	دیں دارو دیں پناہ و مدد گارِ اہلِ بیت
ذی شان و ذی مکارم و ذی قدرِ ناسور	غم خوار مصطفےٰ و عزادار اہلِ بیت
وا حسرتا کہ رفت ازیں ایر ماں سرائے	آں ناقل فضائل و آثار اہلِ بیت
چوں رفت از جہاں طرفِ جنت النعیم	از غیب یافت دولت دیدار اہلِ بیت
رضوان، منیرؔ گفت چناں سال رحلتش	ناسی گلے رسید بدربارِ اہلِ بیت

(بحوالہ مقالہ بعنوان غالب کا ایک متنازعہ فیہ خط۔ مصنفہ ڈاکٹر حنیف احمد نقوی۔
مشمولہ سہ ماہی فکر و تحقیق نئی دہلی شمارہ اپریل تا جون، ۲۰۰۶)

۳۸۔ مولوی محمد خلیل الدین خان بہادر

مولوی محمد خلیل الدین خان اصدؔ کاکوری کے باشندے اور قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان کے صاحب زادے تھے۔ ۱۲۰۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ اپنے والد اور مولوی روشن علی جون پوری سے تحصیل علم کی۔ اس کے بعد والد کے ساتھ کلکتے چلے گئے۔ حکام صدر کی تجویز کے مطابق بطور ضلع کان پور میں مفتی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ وہاں سے نواب سعادت علی خان نے انھیں لکھنؤ بلا کر اپنے مصاحبین کے زمرے میں داخل کر لیا۔ سعادت علی خان کی وفات کے بعد غازی الدین حیدر کے زمانے میں بھی ان کا یہ منصب برقرار رہا۔ ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں گورنر جنرل کے دربار میں اودھ کے سفیر مقرر ہوئے اور ۱۲۔ فروری ۱۸۲۸ء تک سفارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ دنوں کی خانہ نشینی کے بعد ان کا ستارہ ایک بار پھر عروج پر آیا اور نصیر الدین حیدر نے انہیں لکھنؤ بلا کر اپنا مصاحب مقرر کیا۔ محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کے عہد میں بھی وہ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ واجد علی شاہ کے حکمراں ہونے کے کچھ دنوں بعد دربار اودھ سے ان کا تعلق ختم ہو گیا۔ جب صوبہ اودھ انگریزوں کے زیر حکومت آیا تو گورنر جنرل نے ان کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے سو روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی جو انھیں آخری عمر تک ملتی رہی۔ جمادی الاولی ۱۲۸۱ھ مطابق اکتوبر ۱۸۶۴ء میں کاکوری میں وفات پائی۔

(بہ شکریہ سید ڈاکٹر حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ ہندوستان۔ بحوالہ: خط مورخہ ۱۲۔ مئی، ۲۰۰۷)

۳۹۔ مہاراجہ راؤ بنے سنگھ بہادر فرماں روائے الور

راجگان الور، راجپوتوں کے ایک فرقے نروسے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے خاندان کا بانی راؤ پرتاب سنگھ تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے انتقال پر اس کا متبنی لڑکا راؤ بختاور سنگھ مسند نشین ہوا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے اس کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ بختاور سنگھ کی وفات پر وراثت اور تخت نشینی سنگین مسئلہ بن گئی۔ راجپوت بختاور سنگھ کے متبنی لڑکے بنے سنگھ کے طرف دار تھے اور نواب احمد بخش خان والیِ لوہارو بونت سنگھ کے (جو بختاور سنگھ کی داشتہ موسی طوائف کے بطن سے تھا) بالآخر بنے سنگھ کو خطاب راجگی ملا اور بلونت

سنگھ کو انصرام ریاست۔ اس وقت یہ دونوں نابالغ تھے۔ اس لیے مسئلہ پھر بھی باقی رہا، جس پر ریاست تقسیم کر دی گئی۔ بونت سنگھ کے مرنے پر اس کی ریاست بھی بنے سنگھ کے حصے میں آ گئی۔ بنے سنگھ نے ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا۔ ان ہی کے بیٹے شودھان سنگھ تھے جو ادیب و شاعر نہ ہونے کے باوجود بڑے ادب دوست تھے اور ان کے ہاں ہر ہفتے مشاعرہ ہوتا تھا جس میں دہلی سے شاعر بلوائے جاتے تھے۔ غالبؔ کے والد عبداللہ بیگ خان الور کے راجہ بختاور سنگھ ہی کے ہاں ملازم ہوئے تھے اور وہیں کسی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ راجگان الور سے غالبؔ کو دور کا سہی پر تعلق ضرور تھا اور کسی نہ کسی صورت اس کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔

(بزمِ غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ، ص۔۲۳۳)

۴۰۔ امیر حسن خان بسملؔ

نواب امیر عاشق علی خان کاکوری کے رئیسوں میں تھے۔ ان کا سال ولادت ۱۱۹۵ھ ہے۔ جب وہ علوم عقلی و نقلی کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو ان کو ۱۸۲۸ء میں اودھ کی سفارت دی گئی اور وہ کلکتے چلے گئے۔ ۱۴۔ رجب ۱۲۴۳ھ مطابق ۳۱۔ جنوری ۱۸۲۸ء کو ان کی خدمت کے صلے میں خلعت و پالکی کے ساتھ ایک ہاتھی بھی انعام میں دیا گیا۔ امیر حسن خان ان ہی کے صاحبزادے تھے اور بسملؔ تخلص کرتے تھے۔ صبحِ گلشن کے مؤلف نے ان کو نصیر الدین حیدر کے عہد کی سربرآوردہ شخصیات میں شمار کرتے ہوئے غلام مینا ساحرؔ کاکوروی کا شاگرد بتایا ہے۔

امیر حسن خان عربی و فارسی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ شاعری کے علاوہ نثر نگاری بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ان کو یہ خوش فہمی ہو گئی کہ وہ غالبؔ کے مدِ مقابل ہیں۔ اس زمانے میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہوا۔

حملہ زاغ اند شاعرانِ جہاں   لیک یک طوطیٔ شکر خا سن

یہ شعر غالبؔ تک پہنچا تو انہوں نے یہ شعر کہہ کر جواب دیا۔

لاجرم سی سزد کہ نکتہ وراں   نام بسملؔ نہند ہیرا من

اس شعر کے بعد امیر حسن خان بسملؔ اور غالبؔ کے درمیان جو صحبِ سلامت تھی وہ بھی جاتی رہی اور قریب تھا کہ کوئی مکابرہ ظہور پذیر ہو جائے کہ غالبؔ نے موقع کی نزاکت کو بھانپ کر مظفر حسین خان کو درمیان میں ڈال اور مصالحت کر لی۔ پنج آہنگ میں مظفر حسین خان کے نام خط۔۲ میں اسی مصلحت کی طرح ڈالی ہے اور اس موضوع پر کئی جملے تحریر کئے ہیں۔

امیر حسن خان بسملؔ نے ۲۷ رمضان ۱۲۶۳ھ مطابق ۸۔ ستمبر ۱۸۴۷ء کو کلکتہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ انکی تصانیف میں پنج گلبن، میزان المعانی، اور دیوان فارسی قابل ذکر ہیں۔ اوّل الذکر رسالہ پنج آہنگ کے جواب میں لکھا گیا تھا۔

(بزمِ غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ، ص۔۸۷)

۴۱۔ نواب حشمت جنگ بہادر (تجمل حسین خان)

حشمت جنگ فرخ آباد کے نواب تجمل حسین خاں کا خطاب ہے۔ یہ وہی تجمل حسین خاں ہیں جن کے بارے میں غالب کا یہ مصرع "بناہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے"، ضرب المثل بن گیا ہے۔ ان کا اصل خطاب "نصیرالدولہ، معین الملک، ظفر جنگ" تھا۔ لیکن غالب نے محمد حسین میکش کے نام کے ایک خط میں ان کا پورا نام "نصیرالدولہ، معین الملک، تجمل حسین خاں بہادر، حشمت جنگ" لکھا ہے۔ (پنج آہنگ ص۔۲۱۸) اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ "حشمت جنگ" سے یہی تجمل حسین خاں مراد ہیں۔ یہ شاعر بھی تھے اور ظفر تخلص کرتے تھے۔ یکم جمادی الاخریٰ ۱۲۳۷ھ مطابق ۲۴۔ جنوری ۱۸۲۲ء کو پیدا ہوئے تھے۔ والد نواب خادم حسین خاں، شوکت جنگ کی وفات کے بعد ۲۳۔ جوری ۱۸۲۳ء کو صرف ڈیڑھ برس کی عمر میں وارثِ تخت قرار پائے۔ ۱۸۔ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۸۔ نومبر ۱۸۴۶ء کو صرف پچیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان۔ بحوالہ: خط مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

۴۲۔ مجتہد العلما حضرت مولوی سید محمد صاحب

غفران مآب سید دلدار علی نے خاندان اجتہاد کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ لکھنو کے پہلے مجتہد تھے۔ سید دلدار علی نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے بیٹے سید محمد کو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا۔ سید محمد ۱۷۔ صفر ۱۱۹۱ھ مطابق ۲۷۔ مارچ ۱۷۷۷ء کو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ امجد علی شاہ والیٔ اودھ نے ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں تخت نشین ہونے کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب ان کے حوالے کیا اور تمام دفاتر کو ہدایت کی کہ وہ سید محمد کے نام کے ساتھ سلطان العلما، مجتہد العصر اور قبلہ و کعبہ کے الفاظ لکھیں۔

سید محمد کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اودھ کے نظم و نسق کو اسلامی اصولوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جس کے نتیجے میں کتاب و سنت پر عمل ہوتا، زکوٰۃ و خمس وصول کیا جاتا اور عراق و عرب کے مختلف شہروں کو امدادی عطیے بھیجے جاتے۔ واجد علی شاہ کے عہد حکومت میں جب ہندوؤں نے ہنومان گڑھی کے قریب ایک مسجد کو ویران کر کے سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کیا تو اس وقت سید محمد ہی تھے جنھوں نے شیعانِ ہند کی تاریخ میں پہلی بار جہاد کو واجب قرار دیا۔

غالب کو سید محمد سے غائبانہ عقیدت تھی۔ ان ہی کی وجہ سے غالب کو دربار اودھ سے خلعت ملا تھا۔ اودھ کی ضبطی اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے ناکام ہونے کے بعد سید محمد کو بھی لکھنو چھوڑنا پڑا۔ حاتم علی بیگ کو اپنے ایک خط مورخہ ۱۸۔ جولائی ۱۸۵۸ء میں غالب لکھتے ہیں "ہائے لکھنو کچھ نہیں کھلتا کہ اس بہارستان پر کیا گزری۔ ... قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر کی سرگزشت کیا ہے۔ گمان کرتا ہوں کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ آگہی ہوگی۔ امیدوار کہ جو آپ پر معلوم ہے وہ مجھ پر مجہول نہ رہے۔"

سید محمد نے ۱۲۸۴ھ کو لکھنو میں انتقال کیا اور غفران مآب کے امام باڑے میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات پر شعرا نے مرثیے لکھے اور وفات کی تاریخیں نکالیں جن میں مفتی محمد عباس کے قطعہ تاریخ کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس قطعے کا آخری

شعر یہ ہے

سال تاریخ و فاتش راچہ می پرسی زمن   آسمانے بود وائے از زمیں برداشتند

سید محمد نے اندازاً پچاس سے زائد کتابیں دینی موضوعات پر تصنیف کیں۔

(بزمِ غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔۲۰۶)

۴۳۔امداد حسین خاں بہادر

یہ عرف عام میں امین الدولہ کے خطاب سے مشہور ہیں۔لکھنؤ کا محلہ امین آباد انہی سے منسوب ہے۔امجد علی شاہ کے عہد میں پنج شنبہ ۱۱۔رجب ۱۲۵۸ھ (۱۸۔اگست ۱۸۴۲ء) کو مسندِ وزارت پر جلوہ فروز ہوئے۔زبدۃ الامرا مدارالمہام، وزیرالممالک یمین الدولہ عمدۃ الملک ذوالفقار جنگ بہادر خطاب قرار پایا۔۹۔ذیقعدہ ۱۲۵۹ھ (۲۔دسمبر ۱۸۴۳ء) کو معزول کر دیے گئے۔انہوں کی خانہ نشینی کے بعد جمادی الثانی ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں دوبارہ اسی عہدے پر بحال ہوئے۔واجد علی شاہ نے بھی تخت نشینی (سہ شنبہ ۲۹۔صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۶۔فروری ۱۸۴۷ء) کے بعد شروع میں ان کا عہدہ برقرار رکھا۔لیکن شنبہ ۱۹۔رجب ۱۲۶۳ھ مطابق ۳۔جولائی ۱۸۴۷ء کو انھیں معزول کر کے منصب وزارت سید علی نقی خان کے سپرد کر دیا۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔

وارانسی۔ہندوستان،بحوالہ: خط مورخہ ۲۱۔مارچ ۲۰۰۷)

۴۴۔انورالدولہ نواب محمد سعدالدین خان بہادر شفق

''بڑے عالی خاندان کے نام لیوا تھے۔آصف جاہ اوّل ان کے جدِ اعلیٰ تھے جن کے والد میر شہاب الدین غازی الدین خان فیروز جنگ نے اپنی زندگی میں اجمیری دروازہ دہلی کے باہر اپنا مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔اسی عمارت میں بعد کو مشہور مدرسہ غازی الدین خان کی بنیاد رکھی گئی جو بتدریج ترقی کر کے دلّی کالج کہلایا۔

آصف جاہ اوّل کے پوتے وزیرالممالک عمادالملک میر شہاب الدین غازی الدین خان بہادر ثانی تھے۔وہ شعر بھی کہتے تھے۔نظام تخلص تھا۔عمادالملک دورِ مغلیہ کے امیر زادوں کی بڑی اہم شخصیت تھے۔احمد شاہ ان کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوا،اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دی گئیں اور تخت سے اُتار کر عالمگیر ثانی کو بٹھا دیا لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خود جان بچانے کے لیے دلی سے نکلنا پڑا۔وہ بھرت پور سے ہوتا ہوا فرخ آباد پہنچے جہاں نواب نے کچھ علاقہ جاگیر میں دے دیا۔لیکن یہاں بھی زیادہ دیر نہ رہ سکا تو مرہٹوں کی پناہ میں پہنچے جہاں چین کا سانس نصیب ہوا چونکہ دربارِ دلّی کی ریشہ دوانیاں مرہٹوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھیں مرہٹوں نے انہیں کالپی اور کدورہ کا علاقہ جاگیر میں دے دیا جس سے یہ خاندان مستقل یہیں کا ہو گیا۔عمادالملک کا ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء،۱۸۰۰ء انتقال ہوا۔

شفق ان ہی عمادالملک کے پرپوتے تھے۔نواب احمد بخش خان بہادر بیتاب شفق کے والد تھے۔شفق کو جب شعر گوئی کا شوق ہوا،تو اول سید امجد علی قلق سے مشورہ رہا۔بعد کو بذریعہ خط و کتابت غالب سے اصلاح لیتے رہے۔لیکن غالب سے کبھی ملاقات

نہیں ہوئی۔ شفق نے ۱۲۹۸ھ مطابق ۸۱۔۱۸۸۰ء میں وفات پائی۔ صاحب دیوان تھے۔ دو مثنویاں چشمہ فیض اور شعلۂ جان سوز مطبوعہ ہیں۔ ایک قصہ مہروماہ نظم اردو میں تصنیف کیا تھا۔

(تلامذۂ غالب۔ مالک رام، ص۔ ۳۱۶)

۴۵۔ مرزا ہرگوپال تفتہ سکندر آبادی

دلّی سے شمار کی جانب چالیس پنتالیس میل پر ایک اچھا خاصا قصبہ سکندر آباد (ضلع بلند شہر) ہے۔ جسے سکندر لودھی (۱۵۱۷ء۔۱۴۸۹ء) نے بسایا تھا۔ اسی زمانے میں ایک بھٹناگر کائستھ خواجہ دیپ چند فیروز آباد (مضافات آگرہ) سے نقل مکان کر کے یہاں بس گئے۔ چنانچہ ان کے خاندان والے آج تک فیروز آبادی کہلاتے ہیں۔ اس خاندان کو یہاں معافی کی کافی زمین کے ساتھ عہدۂ قانون گوئی موروثی بھی ملا تھا۔

ان خواجہ دیپ چند کی اولاد میں ایک صاحب موتی لال ہوئے ہیں۔ ان کے آٹھ بیٹے تھے۔ منشی ہرگوپال انھی موتی لال کے بیٹے تھے۔ ۱۸۰۰۔۱۷۹۹ء (۱۳۱۴ھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ فارسی کا شوق شروع سے تھا۔ انگریزی محکمہ بندوبست میں مدتوں قانون گو رہے۔ لیکن شاعری کے شوق میں نوکری کو خیر باد کہا۔ ۱۸۵۰ء میں کچھ عرصے کے لیے ریاست جے پور میں بھی ملازمت کا تعلق ہوگیا تھا لیکن جلد ہی استعفےٰ دے دیا۔ کبرسنی میں ۲۔ ستمبر ۱۸۷۹ء (۱۵۔ رمضان ۱۲۹۶ھ) کو سکندر آباد ہی میں بعارضہ تپ وبائی وفات پائی۔ بدری کرشن فروغ نے تاریخ کہی:

سن عیسوی گفتم آخر فروغ "چه سوئے جنان زین جهان تفته رفت"
(۱۸۷۹ء)

اولاد میں دولڑکے امراؤ سنگھ اور پیتمبر سنگھ اور ایک لڑکی تھے۔ چھوٹا لڑکا پیتمبر سنگھ ۱۸۵۵ء (۱۲۷۱ھ) میں فوت ہوگیا۔ اس کی وفات نے ان کی کمر توڑ دی۔ اس موقع پر انھوں نے ایک طویل مرثیہ لکھا جو ان کے دیوان دوم میں موجود ہے۔ گلستان کی تضمین بھی کی اور اس کو سنبلستان کا نام دیا۔

ابتدا میں رامی تخلص کرتے تھے۔ اوائل میں مرزا محمد حسین قتیل کی شاگردی اختیار کی لیکن جب غالب سے تلمذ ہوا تو غالب نے تخلص بدل کر تفتہ اور مرزا کا خطاب دے کر مرزا تفتہ بنا دیا۔ یہ بھی غالب کے محبوب شاگردوں میں تھے اور انھوں نے بھی ان کی تحسین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ساری عمر فارسی میں بسر کر دی۔ اُردو میں صرف ایک قطعے کا پتہ چلتا ہے جو انھوں نے اپنے استاد کے انتقال پر کہا۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جس کے فیض سے ہم سے ہزار ہیچ مداں نامور ہوئے
فیض و کمال و صدق و صفا اور حسن و عشق چھ لفظ اس کے مرنے سے بے پا و سر ہوئے

فارسی میں بہت بڑا ذخیرہ جن میں چار دیوان ہیں یادگار چھوڑا۔

(تلامذۂ غالب۔ مالک رام ص ۱۱۶)

۴۶۔منشی نبی بخش حقیر

منشی نبی بخش حقیرؔ کے آباؤاجداد پنجاب کے ایک ایسے گھرانے سے تھے جس نے نامساعد حالات کی بنا پر ترک وطن کر کے اکبرآباد (آگرہ) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔حقیرؔ کے والد شیخ حسین بخش یہیں پیدا ہوئے اور یہیں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔اس وقت نظیراکبرآبادی کی شہرت کا ستارہ اوج پر تھا۔ان کے تلامذہ میں شامل ہو کر پہلے بخشی اور پھر عاصی تخلص کیا۔

منشی نبی بخش حقیرؔ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی سرکاری ملازمت کا آغاز علی گڑھ کول میں عدالت فوجداری کی سررشتہ داری سے کیا۔شاعری کا ذوق اپنے والد سے ملا تھا۔چند ہی دنوں کی مشق کے بعد گلزار علی اسیر کو اپنا کلام دکھانے لگے۔غالبؔ نے اپنے کئی خطوط میں ان کی سخن سنجی کی تعریف کی ہے،جس کی بنا پر غالبؔ ان کے گرویدہ ہو گئے تھے۔منشی نبی بخش حقیرؔ کسی سرکاری کام پر ۱۸۴۷ء میں علی گڑھ سے دہلی آئے تو غالبؔ ہی کے مکان پر قیام کیا۔اس دوران شعروسخن کی محفلیں ہوئیں اور علم و ادب پر مذاکرہ بھی۔ان تمام چیزوں نے غالبؔ کو بہت متاثر کیا چنانچہ انہوں نے منشی نبی بخش حقیرؔ کے بارے میں ۱۰۔فروری ۱۸۴۹ء کو ہرگوپال تفتہ کو لکھا۔

’’میں حیران ہوں کہ اس فرزانۂ یگانۂ روزگار یعنی منشی نبی بخش حقیرؔ کو کس درجے کی سخن سنجی اور سخن فہمی عطا ہوئی ہے۔حالانکہ میں شعر کہتا ہوں اور شعر کہنا جانتا ہوں مگر جب تک میں نے ان بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن سنجی کیا چیز ہے اور سخن فہمی کس کو کہتے ہیں۔‘‘

منشی نبی بخش حقیرؔ کو بھی غالبؔ سے بے حد مودت تھی۔وہ آخر میں غالبؔ ہی سے مشورہ کرنے لگے تھے۔۱۸۶۰ء سے کچھ پہلے ان کو طرح طرح کی بیماریوں نے گھیر لیا اور وہ ان ہی کا شکار ہو کر اکتوبر یا نومبر ۱۸۶۰ء میں چل بسے۔پس ماندگان میں دولڑکے عبداللطیف اور نصیرالدین اور ایک لڑکی ذکیہ بیگم یادگار چھوڑی۔

(بزمِ غالبؔ۔عبدالرؤف عروجؔ،ص۔۱۴۴)

۴۷۔میر احمد حسین میکش

میر کرار حسین کے صاحبزادے تھے جن کا تعلق دہلی کے خاندانِ سادات سے تھا۔امداد صابری نے ان کو شائستہ خان کی اولاد سے اور مرزا محمد عسکری نے سادات بارہہ کے خاندان سے بتایا ہے۔انہوں نے کتب عربیہ اخوند فیض محمد سے پڑھی تھیں۔تیس برس کی عمر میں صدرامین اول کی کچہری میں عہدہ وکالت پر مامور ہوئے تھے۔ان کے بھائی امداد علی آشوبؔ میر نظام الدین ممنونؔ سے اصلاح لینے لگے تو انہوں نے غالبؔ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔غالبؔ کو میکشؔ سے بڑی محبت تھی۔ان کے بارے میں وہ اپنے ۷ فروری ۱۸۵۸ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

’’میکشؔ چین میں ہے۔باتیں بناتا پھرتا ہے۔سلطان جی میں تھا اب شہر میں آ گیا ہے۔دوتین مرتبہ میرے پاس بھی آیا۔پانچ سات دن سے نہیں آیا،کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔خود یہاں لوٹ کی کتابیں

خرید تا پھرتا ہے۔''

میکش لوٹ کی کتابیں خرید ہی رہے تھے کہ کسی مخبر نے انگریزوں کو خبر کر دی۔ انہوں نے بغاوت میں حصہ لینے کے الزام میں میکش کو گرفتار کر لیا بعد از اں پھانسی دے دی گئی۔ چنانچہ غالب اپنے ایک خط میں کہتے ہیں

''احمد حسین میکش کا حال تم کو معلوم ہے یا نہیں۔ مخنوق ہوا گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔'' ایک اور خط میں انہوں نے میکش کی شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا' چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے۔ کل سے میکش مجھ کو بہت یاد آتا ہے''

(بزم غالب۔ عبدالروف عروج ص۔ ۳۷۱)

۴۸۔ شیخ بخش الدین مارہروی

شیخ بخش الدین مارہروی کے نام غالب کا واحد دستیاب خط پنج آہنگ کی اشاعت اول (اگست ۱۸۴۹ء) میں شامل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اگست ۱۸۴۹ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بخش الدین کا مستقل قیام دہلی میں تھا۔ غالب اپنے دیوان ہائے مطبوعہ میں سے ایک دیوان اُردو صاحب عالم مارہروی کو بہ ذریعہ ڈاک بھیجنا چاہتے تھے۔ کارپردازان ڈاک نے اسے قبول نہ کیا۔ اس لیے (اس خط کے ذریعے) شیخ صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ جس طریقے سے مناسب ہو اسے صاحب عالم تک پہنچا دیں۔ پنج آہنگ کی اشاعت اوّل سے پہلے اکتوبر ۱۸۴۱ء اور مئی ۱۸۴۷ء میں دیوان اُردو کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ ان معلومات کی روشنی میں اس خط کا زمانہ تحریر یقیناً مئی ۱۸۴۷ء اور اگست ۱۸۴۹ء کے درمیان محدود کیا جاسکتا ہے۔ غالب نے اواخر مئی ۱۸۵۲ء میں منشی نبی بخش حقیر مارہروی کو لکھے ہوئے ایک خط میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں'' وہ چار روپے جو آپ نے بخش الدین کے ہاتھ بھیجے تھے وہ میں نے نواب صاحب کو یعنی وہ جو کتابت کرتے ہیں، دے دیے تھے''۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ بخش الدین مستقلاً دہلی میں قیام پذیر تھے اور وہاں سے اپنے وطن مارہرہ آتے جاتے رہتے تھے۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف، حمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبہ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان۔ بحوالہ: خط مورخہ ۱۲۔ مئی ۲۰۰۷)

۴۹۔ نواب عبداللہ خان بہادر

نواب سید عبداللہ خان نواب غلام محمد خان کے صاحبزادے اور نواب یوسف علی خان ناظم والی رام پور کے چچا تھے۔ جب غلام محمد خان کو آصف الدولہ نے شکست دی اور انگریزوں نے ان کو رام پور چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو وہ لکھنؤ چلے آئے اور یہیں سے زیارت حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے۔ اس دوران عبداللہ خان کا بچپن لکھنؤ میں گزرا۔ جب کسی قابل ہوئے تو سرکار انگریزی کی ملازمت کر لی اور اپنی ذاتی صلاحیت اور کوشش کی بنا پر صدر الصدور کے عہدے تک پہنچے اور طویل عرصے تک میرٹھ میں اس عہدے پر مامور رہے۔

نواب سید عبداللہ خان کی بیوی مرشد زادہ مرزا محمد شاہ رخ کی رشتہ دار تھیں۔ اس لیے ان کا لال قلعے سے بھی تعلق تھا۔ امیر مینائی نے ان کے تنومند اور قوی القوی ہونے کے ضمن میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں عبداللہ خان نے ایک کشتی کو جو مدحوں کے قابو سے باہر تھی اپنی طاقت سے آسانی کے ساتھ قابو کر دکھایا۔ امیر مینائی نے ان کی عمر ستر (۷۰) سال بتائی ہے۔ انہوں نے ۷۔ محرم ۱۲۷۴ھ کو انتقال کیا۔ عبداللہ خان ظریف تخلص کرتے تھے۔ ان کا کلام دستیاب نہیں۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج ص۔ ۲۶۵)

۵۰۔ مرزا اسفندیار بیگ خان دیوان مہاراجہ الور

غالب نے میر مہدی مجروح کے نام خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ پنج آہنگ میں ان کے نام غالب کا ایک خط شامل ہے۔ جس میں غالب نے الور کی دیوانی کے عہدے پر فائز ہونے پر انہیں مبارک باد دی ہے۔ یہ بریلی کے رہنے والے تھے۔ پہلے نواب شمس الدین خان والیٔ لوہارو کے مختار کار تھے۔ نواب شمس الدین خان کے مقدمے میں وکیل بن کر کلکتے گئے مگر ناکام رہے۔ نواب صاحب کو پھانسی لگنے کے بعد یہ الور میں نائب دیوان ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد دیوان امین اللہ خان عرف اموجان اور ان میں اختلافات ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسفندیار بیگ خان نے ان کو رشوت کے الزام میں گرفتار کرا دیا۔ بعد ازاں یہ خود دیوان ہو گئے۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ۱۸۶۲ء میں وفات پائی۔

(غالب کے خطوط۔ خلیق انجم جلد چہارم ص۔ ۱۶۶۰ء)

۵۱۔ منشی رحمت اللہ خان

احوال زندگی دستیاب نہیں۔

۵۲۔ آغا بزرگ شیرازی وفا

حاجی مرزا بزرگ شیرازی کا اصل نام مرزا احسن علی اور تخلص وفا تھا۔ وہ اپنے دور کے مشہور طبیب مرزا سید علی شیرازی کے صاحبزادے تھے۔ فارس نامۂ ناصری کے مؤلف نے ان کا سال ولادت ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) بتایا ہے۔ انھوں نے اپنے والد سے مختلف علوم کی تحصیل کی اور فنون طب و تشریح میں کمال حاصل کیا۔ بعد ازاں ۱۲۵۴ھ (۳۹۔۱۸۳۸ء) میں شیراز سے بمبئی پہنچے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے۔ سعادت حج سے مشرف ہونے کے بعد کچھ دنوں پیرس اور لندن میں بھی رہے اور وہاں سے ہندوستان آ کر لکھنؤ میں اقامت گزیں ہو گئے۔

لکھنؤ کی طویل اقامت پر بھی ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ دل برداشتہ ہو کر اکبر آباد چلے گئے۔ لیکن مصائب نے پیچھا نہ چھوڑا تو کلکتے پہنچے اور طبابت کرنے لگے۔ یہاں پر پہلی مرتبہ فارسی گو شعرا نے ان کی بزرگی تسلیم کی اور فن شعر میں ان کو مستند مانا۔ کلکتے ہی میں وفات پائی۔ پندرہ ہزار اشعار پر مشتمل ایک دیوان یادگار چھوڑا۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۴۰۸)

۵۳۔مولوی رجب علی خان

رجب علی کا نام ان لوگوں کی فہرست میں نمایاں نظر آتا ہے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی سعی انقلاب کو ناکام بنایا اور انگریزوں کا ساتھ دے کر قوم کشی اور وطن فروشی کی انتہائی مکروہ تصویر پیش کی۔ رجب علی ماہ رجب ۱۲۲۳ھ (اگست۔ستمبر ۱۸۰۸ء) ضلع لدھیانہ کے ایک قصبے تلونڈی میں پیدا ہوئے تھے۔ جب ان کی عمر دس برس کی ہوئی تو ان کا خاندان وہاں سے جگراؤں منتقل ہو گیا اس کے بعد ۱۸۱۸ء میں وہ حصول تعلیم کے لیے لاہور بھیجے گئے جہاں انھوں نے حکیم سید خیر شاہ لاہوری اور حکیم ملا مہدی خطائی سے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا۔ بعدازاں ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج میں داخل ہو کر ریاضی کے مدرس ہو گئے۔لیکن ان کی یہ مدرسی زیادہ نہیں چلی۔چنانچہ مدرسی ترک کر کے انھوں نے ہوشنگ آباد اور پھر بھوپال کا قصد کیا اور محکمہ فتاویٰ شرعیہ میں ملازم ہو گئے۔۱۸۳۳ء میں اچانک بھوپال کا قیام ترک کر کے وطن کی راہ لی اور سردار فتح سنگھ کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے۔اس کے چار ماہ بعد ان کو جان رسل کلارک نے انبالہ میں اپنا منشی بنالیا۔۱۸۵۳ء میں انگریزوں نے ان کی بہتر کارکردگی سے متاثر ہو کر جگراؤں کے کچھ علاقے بطور جاگیر دیئے۔اسی دوران لارنس کے ساتھ راجپوتانہ کا بھی دورہ کیا۔۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے دوران ان کو کمانڈر انچیف کا میر منشی بنایا گیا۔ان کی خدمات کے صلے میں ان کو پانچ ہزار روپے نقد اور ارسطو جاہ اور خان بہادر کے خطابات دیئے گئے۔

غالب سرکار انگریزی میں علاقہ ریاست دوومانی کے رکھنے کے مدعی تھے۔دربار میں ان کے لیے داہنی صف میں، دسواں نمبر سات پارچہ معہ جیغہ سرپیچ اور مالائے مروارید خلعت مقرر تھا۔۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد ان کی پنشن تو جاری ہوگئی لیکن یہ اعزاز ختم کر دیا گیا جس کی بحالی کے لیے انھوں نے مختلف انداز سے اپنی کوششیں شروع کیں۔ وہ جانتے تھے کہ رجب علی کو سرکار انگریزی میں اثر ورسوخ حاصل ہے اور وہ کمانڈر انچیف کے دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک خط کے ذریعے اس جانب توجہ دلائی کہ اس مرتبہ پنجاب میں جو دربار ہوا ہے اس میں ان کا نام رئیس زادوں کی فہرست سے نکال کر رعایا میں رکھا گیا ہے اور وہ خلعت ودربار کے اعزاز سے محروم ہو گئے ہیں۔اس کے ساتھ ہی انھوں نے رجب علی سے درخواست کی کہ اگر وہ اپنے اثر ورسوخ سے کام لیں تو یہ ان کی عنایت ہوگی۔

رجب علی نے اس سلسلے میں غالب کی کہاں تک مدد کی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔البتہ یہ ضرور ہے کہ ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو دربار وخلعت پھر سے جاری ہو گیا۔خلعت کے دوبارہ جاری ہونے سے دو سال پہلے رجب علی مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے عراق اور عرب کے سفر پر روانہ ہو گئے اور وہاں سے واپس آنے کے چند سال بعد بروز دوشنبہ ۲۰۔جمادی الثانی ۱۲۸۶ھ مطابق ۲۷۔ستمبر ۱۸۶۹ء انتقال کیا۔

(بزم غالب۔عبدالرؤف عروج،ص۔۱۶۱)

۵۴۔عابد علی خاں

''تذکرۂ مشاہیر کاکوری'' کے مؤلف حافظ علی حیدر کاکوروی کے مطابق یہ کاکوری کے قاضی عابد علی خاں فریاد ہیں۔ان کے والد کا نام قاضی محفوظ علی خاں اور دادا کا نام احتشام الدولہ،ممتاز الملک،عالی جاہ قاضی حافظ علی خاں بہادر تھا۔اُردو میں نواب سید محمد خاں

رنؔد کے شاگرد تھے۔ فارسی انشا پردازی میں غالب سے تلمذ تھا۔ ۲۵۔ شوال ۱۲۹۶ھ (۱۲۔ اکتوبر ۱۸۷۹ء) کو کاکوری میں وفات پائی۔
(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر وصدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ ہندوستان بحوالہ: خط مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

۵۵۔ قاضی عبدالجمیل جنوؔن بریلوی

عبدالجمیل نام، جنوؔن تخلص، ۱۸۳۵ء (مطابق ۱۲۵۱ھ) میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور اس شہر کے رؤسا میں تھے۔ ان کے اجداد مغلوں کے عہد میں مصر سے ہندوستان آئے اور بلند مراتب پر فائز ہوئے۔ ایک بزرگ آخر میں بانس بریلی کے قاضی مقرر ہوئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ چنانچہ خاندان کے سارے لوگ قاضی کہلانے لگے۔

قاضی عبدالجمیل نے اٹھارہ سال کی عمر تک مفتی عنایت اللہ سے علوم درسیہ کی تحصیل کی۔ اسی زمانے میں شاعری کا شوق بھی ہوا تو خط وکتابت کے ذریعے غالبؔ کی شاگردی اختیار کی۔ لیکن قاضی صاحب نے غالبؔ کو کبھی دیکھا نہیں تھا اور باوجود انتہائی ترغیب وتشویق کے غالبؔ بریلی نہ آسکے۔ بلکہ یوسف علی خان ناظم والی رامپور کے انتقال پر جب کلب علی خان مسند نشین ہوئے اور اس تقریب میں غالبؔ بھی تشریف لائے تو قاضی صاحب نے ایک بار انتہائی شوق وعقیدت سے گزارش کی۔ ''رام پور سے بریلی کچھ دور نہیں ہے۔ نمائش کا زمانہ ہے۔ تشریف لا کر مشتاق دید کو ممنون فرمائیے۔'' لیکن غالبؔ نے معذرت کر لی۔ اور قاضی صاحب ان کی ملاقات سے ناامید ہو گئے۔

قاضی صاحب کے اجداد بڑے مناصب جلیلہ پر رہے چنانچہ حکومت نے ان کے ساتھ بھی بڑی مراعات برتیں اور ان کو بھی عہدۂ قضا پر فائز کیا۔ ۱۸۹۸ء میں خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔ دو سال بعد ۲۰ رمئی ۱۹۰۰ء کو وفات پائی۔ غالبؔ کی ''دستنبو'' کا دوسرا ایڈیشن ان ہی کی نگرانی میں بریلی سے شائع ہوا تھا۔

(بزم غالبؔ۔ عبدالرؤف عروؔج، ص۔ ۱۲۷)

۵۶۔ خواجہ ظہیر الدین خاں بہادر

یہ غالبؔ کالپی کے رہنے والے اور نواب انور الدولہ سعد الدین خاں شفؔق کے قرابت دار تھے۔ شفؔق کے نام فارسی میں لکھے گئے تینوں خطوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ اُردو کے کسی خط میں ان کا نام نظر سے نہیں گزرا۔
(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر وصدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی۔ ہندوستان بحوالہ: خط مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

۵۷۔ نواب علی بہادر مسند نشین باندہ

اس خاندان کی تاریخ پیشوا باجی راؤ اول سے شروع ہوتی ہے۔ راجہ چھتر سال نے جب نواب محمد خان بنگش کی مہم سے گلو خلاصی حاصل کی تو اپنے محسن باجی راؤ کے اعزاز میں ایک شاندار دربار منعقد کیا۔ اسے بڑی جاگیر دی اور اپنے دونوں بیٹوں کا سرپرست اور محافظ قرار دیا۔ ساتھ ہی ایک حسین عورت مستانی نام کی تحفے میں پیش کی۔ یہ عورت اسلام کی پیرو تھی اور رقص وسرود کا پیشہ تھا اور اپنے

زمانے کی حسین ترین عورت شمار ہوتی تھی۔ باجی راؤ اس کو دیکھ کر ایسا دادہ وشیدا ہوا، کہ اس دن سے وہ اس کی سفر وحضر کی رفیق بن گئی۔ مستانی کے بطن سے جولڑکا پیدا ہوا وہ مسلمان بنایا گیا اور اس کا نام شمشیر بہادر رکھا گیا۔ باجی راؤ نے بندیل کھنڈ کی جائیداد سے باندہ شمشیر بہادر کو تحفے میں دے دیا۔ یہ شمشیر بہادر ہی علی بہادر کا باپ تھا۔ علی بہادر کے مرنے کے بعد ان کا ایک بیٹا ذوالفقار بہادر خان خاندان کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔ غالب جب اپنی پنشن کے سلسلے میں کلکتے گئے تو ذوالفقار بہادر خان نے باندے میں کئی ماہ تک نہ صرف ان کی میزبانی کی بلکہ مالی امداد بھی دی اور ان کے سفرخرچ کا انتظام بھی کیا۔ غالب کے ایک خط سے جو انھوں نے انورالدولہ سعدالدین خان شفق کو لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ غالب سے ان کی دور کی رشتہ داری بھی تھی۔

(تلامذہ غالب۔ مالک رام، ص۔۴۲۶)

۵۸۔ روح اللہ خان

ان کے بارے میں صرف اس قدر معلوم ہوسکا ہے کہ یہ کان پور کے رہنے والے تھے۔ مزید احوال زندگی دستیاب نہیں۔

۵۹۔ واجد علی خان بلگرامی

احوال زندگی دستیاب نہیں۔

۶۰۔ میر مہدی مجروحؔ

میر حسین فگارؔ کے بیٹے اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کا خاندان ولایتی تھا۔ شاہی میں مورچھ (مورچھل) جنبانی کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ میر فقیر اللہ فقیر جو شاہ عالم ثانی کے عہد میں درباری شاعر تھے ان کے جدِ امجد تھے۔ فگارؔ ان سے دوسری پشت میں تھے۔ مجروحؔ کی پیدائش ۱۸۳۳ء کے لگ بھگ ہوئی۔ شاہی زمانے کے اُردو بازار میں جسے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد مسمار کر دیا تھا' اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں پانی پت چلے گئے۔ یہاں غالبؔ کے ایک دوسرے شاگرد خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی محلہ انصار میں سکونت تھی۔ مجروحؔ ان ہی کے ایک مکان میں مقیم رہے۔ جب فساد فرو ہوا تو پانچ سال بعد دہلی چلے آئے۔ لیکن ''ہم نے یہ مانا رہیں دلّی میں پر کھائیں گے کیا'' ناچار تلاش روزگار میں نکلے۔ الور میں مہاراجہ شیودھیان سنگھ قدردان کمال و اہل کمال موجود تھے۔ پہلے نائب تحصیلدار رہے۔ لیکن ۱۸۷۳ء میں ان کی معزولی کے بعد وہاں سے نکلنا پڑا۔ خوش قسمتی سے سوائی رام سنگھ مہاراجہ جے پور نے دستگیری کی۔ یہ جے پور پہنچے اور نائب کوتوال شہر ہوگئے۔ لیکن ۱۸۸۰ء میں مہاراجہ کا انتقال ہوگیا اور انہیں واپس دلّی آنا پڑا۔ قسمت نے پھر یاوری کی اور نواب حامد علی خان والئ رام پور نے قدردانی کی اور اپنے پاس بلالیا۔ یوں ان کے آخری ایام آرام سے بسر ہوگئے۔

عقیدے کے لحاظ سے اثناعشری تھے۔ قدرتاً کربلا اور دوسرے مقامات مقدسہ کی زیارت کا شوق تھا لیکن خرابئ صحت کی بنا پر اکیلے سفر کر نہیں سکتے تھے۔ آخر نہ رہ سکے تو ایک ملازم کو لیا اور روانہ ہوگئے اور زیارت سے فارغ ہوکر واپس آئے۔ صحت جو پہلے سے خراب تھی اب اور خراب ہوگئی اور بینائی جو کمزور تھی اب زائل ہوگئی۔ اسی بے بسی اور تکلیف میں بروز جمعہ ۷ صفر ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۵۔ مئی

۱۹۰۳ء وفات پائی۔ اتفاق کی بات کہ وفات سے پہلے چند بار ''اغفرلی الٰہی'' کہا اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ یہی ''اغفرلی'' ان کی تاریخ وفات ہے۔ درگاہ قدم شریف دلی کے صدر دروازے کے باہر فصیل کے متصل جنوب میں ان کی قبر ہے۔ لوح مزار پر ان کے شاگرد نواب احمد سعید خان طالبؔ کا کہا ہوا یہ قطعہ درج ہے:

یادگار غالبؔ معجز بیاں　　میر مہدی سیّد والاتبار

بُد کلامش سربسر آہ و فغاں　　چوں تخلّص بود مجروحؔ فگار

کرد از دنیا چو آہنگ سفر　　گفت ''اِغفرلی الٰہی'' چند بار

طالبؔ دیگر سرنجاں فکر را　　سالِ فوتش خود در ''اغفرلی'' برآر

مجروحؔ غالبؔ کے محبوب شاگردوں میں تھے۔ مرزا کے بیسیوں خط ان کے نام ہیں۔ مرزا کی وفات پر انھوں نے جو مرثیہ لکھا وہ خاص پایے کی چیز ہے۔ ان کا دیوان ان کے جگری دوست میر افضل علی عرف میرن صاحب کی کوشش سے جولائی ۱۸۹۹ء میں مظہر معانی (۱۳۱۶ھ) کے نام سے پہلی بار چھپا۔ مجروحؔ کا کلام دلّی کی صاف ستھری نکھری ہوئی زبان میں ہے جس میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔

(تلامذہ غالبؔ۔ مالک رام، ص۔۴۷۴)

۶۱۔ مولوی عبدالوہاب لکھنوی

احوال زندگی دستیاب نہیں۔

۶۲۔ سلطان زادہ بشیرالدین توفیقؔ میسوری

۱۷۔ مئی ۱۷۹۹ء کو انگریزوں نے والیِ دکن نظام علی خان کی مدد سے ٹیپو سلطان کو شکست دی اور اس کے لڑکوں کو گرفتار کر کے قلعہ ویلور بھیج دیا جہاں ان کو سات لاکھ روپے سالانہ پنشن دی جانے لگی۔ اسی زمانے میں کچھ لوگوں نے بغاوت کر کے ٹیپو سلطان کے بارہ لڑکوں میں سے ایک لڑکے شکراللہ کو برسراقتدار لانا چاہا۔ انگریزوں نے یہ بغاوت پوری طاقت سے کچل دی اور شکراللہ اور ان کے بھائیوں کو ایک قافلے کی صورت میں کلکتہ روانہ کر دیا گیا۔ یہی شکراللہ شہزادہ بشیرالدین توفیقؔ کے والد تھے۔

شہزادہ بشیرالدین نے عربی اور فارسی کی تعلیم مولوی عبدالرحیم گورکھپوری سے حاصل کی۔ ان کو عربی اور فارسی کے عدوہ اُردو نظم ونثر پر بھی عبور تھا۔ وہ غالبؔ سے زبان وبیان، ورالفاظ کی صحت ودرستی کے بارے میں مشورہ کرتے تھے۔ اردوئے معلّی میں غالبؔ کے کئی خط ان کے نام ملتے ہیں جن سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے۔

شہزادہ بشیرالدین کا تخلص توفیقؔ تھا۔ ان کا سالِ وفات ۱۳۰۲ھ ہے۔

(بزمِ غالبؔ عبدالرؤف عروجؔ، ص۔۱۲۰

۶۳۔ گل محمد خان ناطق مکرانی

گل محمد ناطق مکران کے رہنے والے تھے۔ تعلیم وتربیت ٹھٹھہ میں ہوئی جو اُن دنوں ارباب کمال کا مسکن تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کو علوم متداولہ پر ہی عبور حاصل نہیں تھا بلکہ سینکڑوں شاعروں کے اشعار سنانے پر بھی قدرت تھی۔ اس کے علاوہ علم مجلسی میں بھی کوئی ان کے مقابل نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ان کے فضل وکمال کو دیکھتے ہوئے امیران سندھ نے ان کی بڑی قدر کی۔ والی حیدرآباد سندھ نے ان کا ایک روپیہ روز زینہ مقرر کر کے ان کا تخلص دلخوش تجویز کیا۔ اس وقت تک وہ تخلص کی جگہ اپنا نام ہی استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے یہ تخلص قبول کرلیا۔ ان ہی دنوں انہوں نے لکھنؤ کی دھوم سنی۔ وہ حیدرآباد (سندھ) سے لکھنؤ روانہ ہوگئے اور وہاں خود کو ناطق تخلص سے روشناس کرایا۔ نواب صدیق حسن خان نے ان کو موزونان زمان حال اور شاعران شیریں مقال میں بتایا ہے، وہ صراحت کی ہے کہ انھوں نے محمد علی شاہ، امجد علی شاہ اور دیگر امرائے لکھنؤ کے قصائد لکھے۔ ناطق اور غالب میں مراسلت تھی۔ غالب کی فارسی کی ایک مثنوی درد وداغ ناطق کی نظر سے گزری جس میں انہیں ایک مصرع ع خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد' نظر آیا تو انھوں نے اپنے خط میں انتہائی ادب سے غالب کی توجہ اس امر کی جانب دلائی کہ خوک (سؤر) کے تو پنجے نہیں سُم ہوتے ہیں۔ اس پر غالب نے اپنے خط میں انھیں جواب دیا ''کاش آپ کا خط کلیات کے طبع ہونے سے پہلے میرے پاس آجاتا تو میں اس مصرع میں ''پنجہ زدن'' کی جگہ ''بدنفسی'' لکھ دیتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں مجھے اس واقعے پر کوئی ملال نہیں ہے۔ اگر سہو ہوا ہے یا غلطی تو وہ پائے خنزیر میں ہوئی ہے، نہ دازِ سخن میں نہیں۔''

ناطق کا ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں انتقال ہوا۔ ان کے ایک ایک شاگرد جواہر سنگھ جوہر نے ایک مختصر سا دیوان ''جواہر معظم'' کے نام سے جمع کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ ان کی وفات کا سال ''گل محمد خان ناطق مکرانی'' سے برآمد ہوتا ہے۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۳۷۵)

۶۴۔ مولانا ابوالفضل محمد عباس بھوپالی

محمد عباس رفعت ۲۲۔ شوال ۱۲۴۱ھ (۳۰ مئی ۱۸۲۶ء) کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ عربی اپنے والد ماجد شیخ احمد شروانی سے اور فارسی شیخ علی حزیں کے شاگرد میر خیرات علی خان فیض آبادی سے پڑھی۔ چودہ برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ ایک زمانے تک ہندوستان کے مختلف شہروں مین پھرتے رہے۔ طبیعت سپاہ گری کی طرف مائل تھی۔ شہسواری، نیزہ بازی اور تفنگ اندازی کی مشق کی اور مہارت بہم پہنچائی۔ قسمت آزمائی کے لیے دکن گئے لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ دلی آئے۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں رسائی ہوئی۔ مرزائی اور خانی اور ابوالفضلِ دوراں کے خطاب عطا ہوئے۔ ان ہی دنوں میں غالب سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے اپنے فارسی کلام اور قصائد پر بالخصوص غالب سے اصلاح لی۔ لیکن یہاں بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور بھوپال پہنچے۔ وہاں نواب جہانگیر محمد خان شمشیر جنگ (نواب شاہجہاں بیگم والیۂ بھوپال کے والد) کی سرکار سے وابستہ ہوگئے۔ جب والا جاہ سید محمد صدیق حسن خان بہادر کا نکاح نواب شاہجہاں بیگم سے ہوا تو انھوں نے از راہ قدردانی اپنے پاس بلالیا اور یہ ریاست کے ملازموں میں شامل ہوگئے۔ محکمہ تنظیمات شاہجہانی یعنی قانون و تاریخ نویسی ان کے سپرد ہوا۔ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر رہوئی۔ تا آں کہ ۱۳۱۵ھ (۹۸۔۱۸۹۷ء) میں بھوپال ہی میں انتقال کیا۔

عربی اور فارسی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ ادب، علم کلام اور تاریخ میں وحید عصر تھے۔ فارسی نظم ونثر پر بھی کما حقہٗ قادر تھے۔ چھوٹی بڑی چونسٹھ کتابیں تصنیف کیں۔ نہ معلوم کس بات پر دل برداشتہ ہو کر شعر کی بیاض تالاب میں ڈال دی اور شعر گوئی سے توبہ کر لی۔ اکثر فارسی ہی میں کہتے تھے۔

(تلامذہ غالب۔ مالک رام، ص۔ ۲۰۹)

۶۵۔ مولوی محمد حبیب اللہ منشی نواب مختار الملک والی حیدرآباد المتخلص بہ ذکا و بے باک

یہ خاندان دراصل بیجاپور کا رہنے والا تھا۔ وہاں سے ان کے اجداد کرناٹک چلے گئے اور مصطفےٰ علی خان جاگیردار کے ملازموں میں شامل ہو گئے۔ ذکا کے دادا حافظ محمد میران کا سلسلۂ ملازمت اودگیر میں تھا لیکن ان کے تینوں بیٹے بشمولیت حبیب اللہ ذکا کے اپنی ننہال نیلور ہی میں پیدا ہوئے۔ ذکا ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء۔ ۱۸۲۹ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی محمد رحمت اللہ رسا سے حاصل کی۔ پھر علوم متداولہ دوسرے اساتذۂ وقت سے پڑھے۔ فارسی پر پوری قدرت حاصل کی۔ عربی بھی بقدر ضرورت جانتے تھے۔ فارسی نظم ونثر خوب لکھتے تھے۔

شاعری کا شوق کم عمری ہی میں ہوا۔ شروع میں میر مہدی ثاقب سے اصلاح لیتے رہے۔ اس کے بعد سید مرتضیٰ بینش سے مشورہ سخن کیا اور ان صاحب کمال استادوں کی تربیت سے بہت جلد ترقی کر کے کرناٹک کے مشاہیر شعرا میں شمار ہونے لگے۔ لیکن جلد ہی حاسدوں اور تنگ نظر شاعروں کی چپقلشوں سے بددل ہو کر حیدرآباد چلے گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال تھی۔ یہاں وہ سید محمد عباس (والد نواب مہدی نواز جنگ) اور عبدالوہاب صاحب کے ذریعے مختار الملک کی سرکار تک پہنچ گئے اور ان کے کاتب خصوصی مقرر ہوئے۔ ان دنوں حیدرآباد میں حافظ میر شمس الدین فیض کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ بھی ان سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن جب ۱۸۶۲ء میں غالب کا شہرہ سنا تو ان سے اصلاح لینے لگے۔ چنانچہ اپنے اشعار میں کہا ہے:

آں کہ در حضرت او خامہ بہ عرضِ ادب است
شاہِ سردانِ سخن، غالبِ عالی نسب است

قائل ہوں میں غالب کی ذکا طرز سخن کا
ایسا کوئی دلّی میں سخن ور نہ ہوا تھا

مدتوں نواب مختار الملک کے میر منشی رہنے کے بعد تعلقہ دار درجہ سوم مقرر ہوئے لیکن نواب صاحب نے ان کا جانا گوارا نہ کیا اور ان سے اپنی پیشی کا کام لیتے رہے۔ وفات سے پہلے ناگر کرنول میں تعلقہ دار تھے۔ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ء۔ ۱۸۷۵ء) میں بعارضۂ فالج انتقال کیا۔ ۴۷ برس کی عمر پائی۔

(تلامذۂ غالب۔ مالک رام، ص۔ ۱۸۰)

٦٦۔ سلطان محمد بہادر

احوال زندگی دستیاب نہیں۔

٦٧۔ منشی جواہر سنگھ جوہر

جواہر سنگھ جوہر غالب کے دوست رائے چھج مل کھتری کے بڑے صاحبزادے تھے۔ غالب نے ان کو شاعری نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے دنیا کا حصول ممکن ہے نہ دین کا۔ بہتر ہے کہ آہنگِ نوکری بلند کرو اور کسی ریاست کے متوسل ہو جاؤ۔ شادی کے بعد شاید جواہر سنگھ کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنے والدین پر بوجھ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی اور بیوی بچوں کو اپنے والد کے پاس دہلی ہی میں چھوڑ کر اکبر آباد (آگرے) چلے گئے۔ وہاں اتفاق سے غالب کے دیرینہ دوست مولوی سراج الدین احمد بھی بہ کار سرکار موجود تھے۔ غالب نے جواہر سنگھ کو لکھا کہ وہ ان کو بجائے غالب تصور کریں اور ان سے ملتے رہیں تاکہ ہر قسم کی آسودگی ممکن ہو۔ لیکن جواہر سنگھ جوہر نے غالب کی نصیحت کو درخورِ اعتنا نہ جانا جس کے نتیجے میں ان کو کوئی روزگار میسر نہ آسکا۔ بالآخر وہ سوداگری کے ارادے سے پشاور چلے گئے جہاں ان کو کاروبار بھی مل گیا اور ان کی صحت بھی درست ہو گئی لیکن وہ اس کو برقرار نہیں رکھ سکے۔ چنانچہ رائے چھج مل کھتری نے غالب سے خواہش کی کہ جواہر سنگھ کو الور میں ملازم کرا دیں۔

اس وقت الور کے دیوان منشی فضل اللہ خان تھے۔ غالب نے ایک خط دے کر جواہر سنگھ کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ ان کی یہ کوشش سودمند ہوئی یا نہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ مالک رام کے بیان کے مطابق جواہر سنگھ جوہر انگریزی عمل داری میں تحصیلدار تھے۔ مرزا عسکری نے بھی ۱۸٦۴ء میں ان کو ببّ گڑھ کا تحصیلدار بتایا ہے۔ تذکرہ گلستانِ سخن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف فارسی میں شعر کہتے تھے۔ جواہر سنگھ جوہر کے چند اشعار مختلف تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔

(بزمِ غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۱۳۰)

٦٨۔ دوتن از فرزانگان پنجاب

ان دو فرزانوں سے مرزا محمد خان اور مولانا مفتی برکت اللہ مراد ہیں۔ ان لوگوں کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبہ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان۔ بحوالہ: خط مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

٦٩۔ آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی

آغا محمد حسین شیرازی المتخلص بہ ناخدا کا مولد شیراز تھا، جہاں انہوں نے حبیب قاآنی اور مرزا کوچک اصفہانی کی صحبت میں تحصیل علم کی اور سفیر ایران کی حیثیت سے کلکتہ پہنچے اور انتہائی شان و شوکت کے ساتھ سات سال تک وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد تجارت کی غرض سے چین، ہند، پنجاب، سندھ کی سیاحت کی اور میر صاحبان تاپور کی ملاقات سے بہرہ ور ہوئے۔ نواب علی حسن خان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آغا محمد حسین شیرازی نے ان کے تذکرے میں شمولیت کے لیے اپنے اشعار خود لکھ کر بھیجے تھے اور بتایا تھا

کہ مختلف اصناف میں انھوں نے پچاس ہزار اشعار کہے ہیں۔ مخدوم ابراہیم خلیل ٹھٹھوی کے بیان کے مطابق ان کا دیوان ان کی زندگی ہی میں مرتب ہو چکا تھا لیکن چھپنے کی نوبت نہ آئی۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۳۷۳)

۷۰۔ میر غلام بابا خان بہادر

نواب میر غلام بابا خان عرف چھوٹے صاحب سورت کے رئیس تھے۔ ان کے جدِ اعلیٰ میر جمال الدین عرف خواجہ دانا ترکستان سے اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے تھے۔ اسی خاندانِ عالی شان میں میر غلام بابا خان ۱۸۳۴ء مطابق ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ خان بہادر اور سی آئی۔ ای کا خطاب پایا اور ۱۲۔ شوال ۱۳۱۰ھ (۱۹۔ اپریل ۱۸۹۳ء) کو فوت ہوئے۔ نواب صاحب بڑے خلیق، حلیم، سلیم، متواضع اور متحمل مزاج بزرگ تھے۔ غالب کے ساتھ روابط میاں داد خان سیاح کی وساطت سے پیدا ہوئے جو میر غلام بابا خان کے مصاحب بن گئے تھے۔

(خطوط غالب۔ غلام رسول مہر ص۔ ۳۴۹)

۷۱۔ منشی نول کشور مالک مطبع اودھ اخبار

منشی نول کشور ۳۔ جنوری ۱۸۳۶ء کو ضلع متھرا کے ایک گاؤں رھیڑا میں پیدا ہوئے لیکن ان کا اصل وطن سا سنی ضلع علی گڑھ تھا۔ پہلے وطن میں تعلیم پائی پھر تکمیلِ علوم کے لیے آگرے چلے گئے۔ ان کے دادا منشی بال مکند ضلع آگرہ کے خزانچی تھے۔ والد منشی جمنا پرشاد تحصیلدار رہے۔ بڑے بھائی رائے مکھی لال سب جج تھے۔ منشی نول کشور کو ابتدا ہی سے اخبار نویسی کا شوق تھا۔ انھوں نے پہلے خود آگرے سے ''سفیر ہند'' نام کا ایک اخبار جاری کیا۔ کچھ دنوں بعد ان کے بھائی نے ان کو منشی ہرسکھ رائے مالک کوہ نور پریس کے پاس لاہور بھیج دیا کہ پریس کے کاروبار کو سمجھیں اور سیکھیں۔ ۱۸۵۸ء میں وہ لکھنؤ چلے گئے جہاں انہوں نے مطبع قائم کیا اور اودھ اخبار کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا۔ یہ اخبار بانوے (۹۲) برس کے بعد ۱۹۵۰ء میں اس وقت بند ہوا جب ورثا میں جائیداد تقسیم ہوئی۔

منشی جی نے رفتہ رفتہ مطبع کو ترقی دی اور علوم والسنہ مشرقی کی بے حساب کتابیں چھاپیں۔ ان میں فارسی، عربی، اردو اور سنسکرت کی کتابیں شامل ہیں۔ قرآن کریم کی طباعت کا انتظام کیا تو ایک کمرہ اس کے لیے مخصوص کیا گیا جس میں تمام کارکن باوضو رہا کرتے تھے۔ حفاظ کی ایک جماعت کے ذمہ صحت کا انتظام تھا۔ پھر اس مطبع کی شاخیں کان پور، لاہور، اجمیر اور جبل پور میں قائم کی گئیں۔ پھر کاغذ کا ایک کارخانہ بھی لگایا۔ سینکڑوں بیواؤں یتیموں اور نادار طلبہ کے لیے وظائف کا انتظام کیا۔ کئی شفاخانے بنوائے۔ آگرہ کالج کے لیے بیس ہزار کے خرچ سے ایک ہوسٹل بنوایا۔ سر سید مرحوم کی تحریک کے لیے دس ہزار روپے نقد اور بیس ہزار روپے کی کتابیں پیش کیں۔ اس کے علاوہ بھی خیراتی کاموں میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا۔ اردو فارسی اور عربی کی نایاب کتابیں آج ان ہی کی بدولت محفوظ ہیں۔ فارسی و عربی کی سینکڑوں نایاب کتابیں اُردو میں ترجمہ کرا کر چھاپیں اور ان کے دم قدم سے اودھ اخبار اُردو ادیبوں کی اہم تربیت گاہ بن گیا۔ ۱۹ فروری ۱۸۹۵ء کو منشی صاحب نے انسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ منشی

جی ایک بار دہلی گئے تو غالب سے بھی ملاقات کی۔

(خطوط غالب۔غلام رسول مہر ص۔۵۰۹)

غالب اور منشی نول کشور میں دوستانہ روابط کب قائم ہوئے کہا نہیں جا سکتا۔البتہ اودھ اخبار کی فائلوں سے پتہ چلتا ہے کہ غالب کی کتابوں کے اشتہارات اعلانات اور غزلیں اس میں شائع ہوا کرتی تھیں۔مزید یہ کہ غالب کے خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اودھ اخبار کے اعزازی خریداروں میں تھے۔

(بزم غالب۔عبدالروف عروج ص۔۳۹۴)

۷۷۔نواب علاٗ الدین خان بہادر علائی

نواب علاٗ الدین علائی نواب امین الدین احمد خان والی لوہارو کے صاحبزادے تھے۔ان کی تاریخ پیدائش ۲۵۔اپریل ۱۸۳۲ء اور مولد دہلی ہے۔ان کی تعلیم وتربیت کی نگرانی غالب نے کی جس کی رو سے انھوں نے بہت جلد ترکی،عربی اور فارسی میں ملکہ پیدا کر لیا اور اردو اور فارسی میں شعر بھی کہنے لگے۔غالب نے ان کے لیے نسیمی تخلص تجویز کیا لیکن ان کے خیال میں اس کی تصحیف پشمی ہو سکتی تھی،اس لیے انھوں نے اس کو قبول نہ کیا۔

غالب نواب علاٗ الدین احمد خان کو بہت چاہتے تھے۔ایک سند بھی لکھ کر دی تھی جس کے ذریعے ان کو اپنے بعد فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا تھا۔سند کے الفاظ یہ ہیں:

> ''میں نے دبستانِ فارسی کا تم کو جانشین قرار دے کر ایک سجل لکھ دیا ہے۔اب جو چار کم اسی برس کی عمر ہوئی ہے اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا مہینوں کی نہ رہی،شاید بارہ مہینے جس کو ایک برس کہتے ہیں اور جیوں ورنہ دو چار مہینے چھے سات ہفتے،دس بیس دن کی بات رہ گئی ہے۔اپنے ثبات حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھے دیتا ہوں کہ فن اردو میں نظماً اور نثراً تم میرے جانشین ہو۔چاہیے کہ میرے جاننے والے جیسا مجھ کو جانتے تھے ویسا تم کو جانیں اور جیسا مجھ کو مانتے تھے ویسا تم کو مانیں۔''

جب نواب امین الدین احمد خان کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور وہ لوہارو کا انتظام کرنے کے اہل نہیں رہے تو اہل خانہ نے علاٗ الدین احمد خان کو ان کا جانشین تسلیم کرتے ہوئے گدی پر بٹھا دیا۔''ریاست خداداد'' اس واقعہ کی تاریخ ہے۔اس طرح ۱۵۔اگست ۱۸۷۴ء کو وائسرائے لارڈ بروک نے علائی کو فخر الدولہ دلاور الملک اور رستم جنگ کے خاندانی خطابات اور اختیارات تفویض کر دیے۔

علائی کو اپنی زندگی میں کبھی انتظامی امور سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ان کی شاہ خرچیوں کے نتیجے میں ریاست کی مالی اور اقتصادی حالت روز بروز تباہ ہوتی چلی گئی۔چنانچہ جب ریاست پر ایک لاکھ سے زیادہ کا قرض چڑھ گیا تو حکومت انگریزی نے دخیل ہو کر علائی کو ریاست سے بے دخل کر دیا اور ان کی جگہ ان کے صاحبزادے سر امیر الدین خان سربراہ بنا دیئے گئے۔

علاٗ الدین احمد خان کو لکھنے پڑھنے کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔وہ جب دہلی میں اپنے مکان واقع بلی ماراں میں رہتے

تھے تو کبھی کبھی جلسۂ شطرنج ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے لوہارو میں فخر المطابع کے نام سے ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کیا تھا جہاں سے علمی وادبی کتابیں شائع ہوا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی کوئی علمی یادگار چھوڑی اور نہ اپنا دیوان چھپوایا۔ ان کی تاریخ وفات ۳۱۔ اکتوبر ۱۸۸۴ء ہے۔

(بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۲۸۱)

۷۳۔ میر ولایت علی صاحب مخاطب بہ مشرف الدولہ

احوال زندگی دستیاب نہیں۔

۷۴۔ میر تفضّل حسین خاں

میر تفضّل حسین خاں محفوظ علی خاں کے بیٹے اور برکت علی خاں کے بھانجے تھے جن کا مولد خیر آباد تھا۔ انہوں نے علوم درسیہ کی تکمیل دہلی میں کی اور ٹونک جا کر نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک کے ملازم ہو گئے جس پر ان کو بہ عہدۂ سفارت اجمیر میں سر اختر لونی کے پاس متعین کیا گیا۔

مولوی عبدالقادر رامپوری نے اپنے روزنامچے میں تفضّل حسین خان کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے "تفضّل حسین خان ذہن روشن اور طبع رسا رکھتے ہیں اور اسی کے زور پر ہر جگہ راستہ نکال لیتے ہیں۔ تحریر و تقریر اور سخن فہمی کا بھی ان کو ملکہ ہے۔ چونکہ وہ عاقبت اندیش نہیں ہیں اس لیے جتنا کچھ پاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ خرچ کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں کینہ، رشک، فریب اور مردم آزاری سے انھیں سخت نفرت ہے۔ یہی نفرت بعض اوقات ان کے لیے بری اور دوسرے کے لیے اچھی ہو جاتی ہے۔"

تفضّل حسین خان اور غالب میں دہلی ہی سے محبت اور یگانگت تھی۔ وہ جب نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک کے سفیر مقرر ہوئے تو غالب کو ان سے امید بندھی کہ دربار ٹونک میں ان کے ذریعے ان کا اعزاز بڑھ جائے گا۔ اس بنا پر انھوں نے ۱۲۶۱ھ میں عرفی کی زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ لیکن نواب نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ غالب نے کچھ دنوں تو انتظار کیا لیکن جب ۱۸۴۵ء میں مطبع دارالسلام دہلی میں ان کے دیوان فارسی کی طباعت شروع ہوئی تو تفضّل حسین خان کو لکھا "نواب ٹونک نے مجھ کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور میری مدح گوئی کو نگاہ میں نہ لائے۔ اس لیے میں نے طے کر لیا ہے کہ میں بھی بے حوصلگی سے کام لوں اور اس قصیدے:

ای ذاتِ تو جامع صفتِ عدل و کرم را
وی بر شرف ذات تو اجماع امم را

کو قلم زد کر دوں، دیوان میں درج نہ کروں۔ نواب نے میرا نام اپنے دربار میں پسند نہیں کیا میں بھی نواب کا نام اپنے دیوان میں پسند نہیں کروں گا۔"

تفضّل حسین خان کی خواہش تھی کہ ریاست کے خزانے سے غالب کو قصیدے کے صلے کے طور پر پانچ چھ سو روپے دیے

جائیں لیکن وہ جیتے جی اس خواہش میں کامیاب نہ ہوئے۔ البتہ جب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں ان کا انتقال ہوگیا تو والیِ ٹونک نے غالب کو پانچ سو روپے سکہ مادھوری مرحمت کر کے ان کی خواہش پوری کردی اور ان کے صاحبزادے احمد حسین خان کو ان کی جگہ سفارت پر مامور کیا جو اُردو کے مشہور شاعر سید افتخار حسین مضطر خیرآبادی کے والد تھے۔

(بزمِ غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۱۱۷)

۷۵۔ [۱] جانی بانکے لال وکیل راج بھرت پور

جانی بانکے رائے رند کے حالات نہیں ملتے ہیں۔ وہ غالب کے شاگرد بھی تھے اور محسن بھی۔ غالب کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھرت پور میں سرکاری وکیل تھے۔ انہوں نے ہرگوپال تفتہ کو وہاں ملازمت دلوائی تھی۔ جن دنوں غالب تاریخ تیموریہ کا پہلا حصہ مہرِ نیمروز لکھ رہے تھے، ایک انگریز جارج جوزف کے یہاں ان کی جانی بانکے رائے رند سے ملاقات ہوئی تھی۔ جانی بانکے رائے رند منشی نبی بخش حقیر کے بھی دوست تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ نبی بخش حقیر کے پاس غالب کی نثر ہے تو انہوں نے ان سے منگوائی اور غالبؔ ان ہی کی وساطت سے اپنے کچھ اشعار غالب کے پاس بغرضِ اصلاح بھیجے۔ غالب ان کی غزلوں پر اصلاح دینے کے علاوہ ان کو اپنی نثر کا خواہش مند پاکر ان کے لیے بھی مہرِ نیمروز کے مسودے کی ایک نقل تیار کرانے لگے۔

غالب اور رند کے درمیان حد درجہ موانست تھی۔ ان ہی کی خواہش اور اصرار پر غالب نے اپنے اردو دیوان کا ایک نسخہ بہت تکلف سے لکھوایا اور ان کے ذریعے مہاراجہ جے پور کے ملاحظے میں پیش کیا۔ مہاراجہ جے پور نے اس ضمن میں جتنے انعامات دیے وہ سب بانکے رائے رند نے غالب کو بھجوائے اور ایسے دور میں مالی امداد بہم پہنچائی جب وہ شدید مالی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ ۱۲۷۱ھ میں بانکے رائے رند سخت مصائب سے دوچار رہے۔ جوان داماد مرگیا۔ بیٹی بیوہ ہوگئی۔ ان صدموں کی وہ زیادہ تاب نہ لاسکے اور ۱۲۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

تفتہ کے دیوان دوم میں جو کہ کوہ نور پریس لاہور سے ۱۸۵۷ء میں چھپا بانکے رائے رند کا ایک طویل اور دردناک مرثیہ موجود ہے۔ اس مرثیے میں تفتہ نے ان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندو ہونے کے باوجود اسلام کے دلدادہ تھے۔ اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ایک لڑکی کے علاوہ ان کی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ نہ معلوم مالک رام نے ان کو لاولد کیوں لکھ دیا ہے۔ جبکہ غالب نے ایک خط میں ان کی بیٹی کے بیوہ ہوجانے کی اطلاع دی ہے۔ بانکے رائے رند کا کلام نایاب ہے۔

(بزمِ غالب۔ عبدالرؤف عروج، ص۔ ۱۷۶)

۷۶۔ شاہ صاحب

شاہ صاحب اس خط کے لکھے جانے سے پہلے دہلی آئے تھے اور قلعہ معلیٰ میں مقیم رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بادشاہوں، شاہزادوں، اور نوابوں کے ہاں رسائی حاصل تھی۔ وہ غالباً لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ اس خط میں غالب نے دربارِ اودھ سے

۱۔ جناب وزیر الحسن عابدی نے کہ باغ و دور کی دریافت کا سہرا ان کے سر ہے، اس کا نام مانکے... ہی لکھا ہے۔ زیرِ نظر اقتباس چونکہ عبدالرؤف عروج کی بزمِ غالب سے لیا گیا ہے اور انہوں نے بانکے رائے لکھا ہے، مرتب کے لیے اس میں تحریف کرنا ممکن نہ تھا کہ بات دو مشاہیرِ ادب کے درمیان آپڑی ہے۔ (مترجم و مرتب)

کاربرآری کے لیے انھیں بطور واسطہ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ غالبؔ کا یہ بیان کہ "ہستیٔ اس حاکسمر و ہستیٔ آں رندۂ اغبار روزگار مرہون بت اسم است" اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ غالباً غالبؔ کی طرح ان کے نام کا جزو ثانی بھی لفظ اللہ تھا۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبہ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔
وارانسی ہندوستان۔ بحوالہ: خط مورخہ ۱۲۔ مئی ۲۰۰۷)

۷۷۔ قطب الدولہ قطب علی خان بہادر

قطب علی خان کو واجد علی شاہ نے "غلام یداللہ خان، قطب الدولہ، مفتاح الملک مونس دل پذیر، محمد قطب علی خان بہادر مصاحب خاص سلطان العالم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ، کے نام سے یاد کیا ہے۔ قطب علی خان تاریخ اودھ میں قطب الدولہ کے نام سے مشہور ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؔ نے ان کو دہلی کا "گویا" بتایا ہے جو درست نہیں۔ واجد علی شاہ کی خود نوشت "محل خانہ شاہی" میں مندرج ہے کہ وہ شہر بریلی کے قوم راجپوت سے تھے اور راجہ جگت دیو کی نسل سے تھے۔ اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ واجد علی شاہ نے اپنے زمانہ ولی عہدی میں ان سے ستار بجانا سیکھا تھا اور وہ استاد کی حیثیت سے شاگرد کے مزاج میں حد درجہ دخیل تھے۔

واجد علی شاہ نے تخت نشین ہونے پر علی نقی خان کو خلعت وزارت دیا۔ اس کے ساتھ ہی قطب الدولہ اور دوسرے مصاحبوں کی بھی بن آئی۔ تاریخ بوستان اودھ کے مؤلف کے مطابق قطب الدولہ اور دوسرے مصاحبوں کی منزلت اس قدر بڑھ گئی کہ علی نقی خان کا بس نام ہی رہ گیا۔ چنانچہ یہ صورت علی نقی خان کو قابل قبول نہ تھی اور اس لیے انھوں نے ان کو راستے سے ہٹانے کی کوشش شروع کر دی۔ نتیجے کے طور پر واجد علی شاہ کا ان پر عتاب نازل ہوا اور ان کے حکم پر قطب علی خان کو اصطبل میں بند کر دیا گیا اور پھر جلاوطن کر کے کانپور بھیج دیا گیا جہاں وہ واجد علی شاہ کی جلاوطنی تک رہے۔ بعد میں لکھنؤ آ کر نواب ممتاز الدولہ کی ملازمت کر لی۔ لیکن کچھ عرصے بعد رام پور چلے گئے اور بقیہ زندگی وہیں گزار دی۔

قیصر التواریخ کے مؤلف نے قطب الدولہ کو باکمال ستار نواز اور زبردست موسیقی داں بتانے کے علاوہ ان کے ذوق علم و ادب کی بھی تعریف کی ہے۔ واجد علی شاہ بھی ان کو ستار میں شہرۂ آفاق، وبے بدل شاعر، فارسی داں، عربی داں اور معنی فہم بتاتے ہیں۔ انھوں نے بیشتر شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی ہی نہیں کی تھی بلکہ ان کو بارگاہ سلطانی تک پہنچا کر ان کے لیے وسائل معاش بھی فراہم کئے تھے۔ غالبؔ اور واجد علی شاہ کے درمیان مدّاح و ممدوح کا رشتہ قائم کرنے میں قطب الدولہ کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔
(بزم غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ، ص۔ ۳۲۷)

۷۸۔نواب مظفر مرزا سیف الدین حیدر خان بہادر

سیف الدین حیدر خان نام ورعرف مظفر مرزا تھا۔ وہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر نامی کے بیٹے اور ناظر حسین مرزا کے بڑے بھائی تھے۔ ان کی شادی شاہی سواروں کے افسر شمس الدولہ بخشی الممالک بخشی محمود خان کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن کا نام عالیہ بیگم تھا۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی ناکام ہوئی اور انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر قبضہ کرلیا تو ناظر حسن مرزا نے بہادر شاہ ظفر کے ہمراہ اپنے خاندان کے ساتھ صفدر جنگ کے مقبرے میں پناہ لی۔ پھر بعض دوستوں کے مشورے پر چپ چاپ شہر سے نکل گئے۔ سیف الدین حیدر خان کو اس کا علم نہ تھا۔ ان کو بے حد تشویش ہوئی لیکن جب ان کا ملنا ناممکن نظر آیا تو کسی نہ کسی صورت الور پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن انگریزوں کو معلوم ہو گیا چنانچہ بے سروسامانی کی حالت میں گوڑ گاؤں لائے گئے جہاں بغاوت کے جرم میں کسی تفتیش یا مقدمے کے بغیر ان کو گولی ماردی گئی۔ اس سانحے کا علم غالبؔ کو ان کے بھانجے یوسف مرزا کے خط سے ہوا جس پر جون ۱۸۵۹ء میں غالبؔ نے تعزیت کے طور پر یوسف مرزا کو لکھا: ''بزرگوں کا مرنا ہی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے۔ ہاں مظفر الدولہ کا غم منجملہ واقعاتِ کربلائے معلّیٰ ہے''

(بزم غالبؔ۔عبدالرؤف عروجؔ،ص۔۳۵۱)

۷۹۔منشی ہیرا سنگھ دردؔ

ہیرا سنگھ دردؔ رائے چھج مل کھتری کے صاحبزادے اور جواہر سنگھ جوہرؔ کے چھوٹے بھائی تھے۔ چونکہ ان کے بھائی غالبؔ کے دوست اور شاگرد تھے انھوں نے بھی غالب ہی سے اصلاح لی۔ ہیرا سنگھ دبستاں نشینی کے زمانے سے غالبؔ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کے اوقات کا بڑا حصہ غالبؔ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اگر وہ کبھی نہ آتے تو غالبؔ فکرمند ہو جاتے۔ غالبؔ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۹ء میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ وران ہی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیوی ۱۸۵۴ء میں مر گئی۔ جواہر سنگھ جوہرؔ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جوہرؔ نے ان کی ملازمت کے لیے کوشش کی تھی اور رہتک میں ملازم کرادیا تھا لیکن رہتک میں ان کا دل نہیں لگا۔ چنانچہ انھوں نے غالبؔ کو لکھا کہ اگر وہ پیارے لال آشوبؔ سے سفارش حاصل کر سکیں تو ان کا تبادلہ ممکن ہے۔ اس کے جواب میں غالبؔ نے ان کو لکھا کہ مدرسے کے ملاقے میں تو نوکر نہیں ہو جو پیارے لال بابو کو تمہاری بدلی کا اختیار ہو۔ ان کا کلام اور مزید حالات دستیاب نہیں۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان ہی کی خواہش پر غالبؔ نے اپنی نظم ونثر فارسی کا آخری مجموعہ ''سبد باغ دودر'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔

(بزم غالبؔ۔عبدالرؤف عروجؔ،ص۔۱۵۵)

۸۰۔ مرزا احمد بیگ خان طپاںؔ

مرزا احمد بیگ طپاںؔ، مرزا جان طپشؔ کے شاگرد اور دہلی کے باشندے تھے۔ عبدالغفور خان نساخؔ نے ان کے والد کا نام عطاء اللہ خان بتایا ہے جو درست نہیں۔ مولوی عبدالقادر رامپوری نے ڈھاکہ سے کلکتہ پہنچ کر طپاںؔ سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے ان کے والد کا نام مرزا ہادی خاں لکھا ہے۔ غالبؔ نے ان کے لیے "مرزا احمد بیگ خاں ابن مرزا ہادی بیگ خاں برادر زن مہین برادر نواب احمد بخش خاں" لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان لوہارو سے ان کی رشتہ داری تھی۔

جب دہلی اہل کمال پر تنگ ہوگئی اور وہاں کے رہنے والوں نے دور دراز کے علاقوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو مرزا احمد بیگ طپاںؔ بھی کلکتہ چلے گئے۔ عبدالغفور نساخؔ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صدر دیوانی کلکتہ میں مختار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اس کی تائید غالبؔ کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں وہ اپنے مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں کلکتہ آئے تھے، مرزا احمد بیگ خاں طپاںؔ کا تقرر مختار صدر دیوانی کلکتہ کی حیثیت سے عمل میں آیا تھا۔ غالبؔ کو ان سے اس امر کی بھی شکایت رہی تھی کہ انھوں نے زینت بخش پیش گاہ صدر عدالت ہونے کے بعد ایک مرتبہ بھی ان کو یاد نہیں کیا۔ مرزا احمد بیگ خاں طپاںؔ جب کلکتہ سے اُکتا گئے اور دہلی آنے کا ارادہ کیا تو غالبؔ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ کلکتہ کو غنیمت جانیں چونکہ دہلی میں وہاں کی سی فراغت اور آسودگی ممکن نہیں۔

غالبؔ نے کلکتہ کے قیام کے دوران اعظم الدولہ سرورؔ کے تذکرے کے لیے مرزا احمد بیگ طپاںؔ کے حالات اور کلام حاصل کیا تھا لیکن اعظم الدولہ سرورؔ نے اسے کسی وجہ سے اپنے تذکرے میں شامل نہیں کیا۔ جب مصطفی خاں شیفتہؔ اپنا تذکرہ گلشنِ بے خار مرتب کرنے لگے تو غالبؔ نے ان کو (اس طرح) تاکید کی۔

"مرزا احمد بیگ طپاںؔ سے میری ملاقات کلکتہ میں ہوئی تھی۔ وہ اُردو میں شعر کہتے تھے۔ اور مرزا جان طپشؔ کے شاگرد تھے۔ کلکتہ کے قیام کے دوران جب میں نے ان کو بتایا کہ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرورؔ اُردو شاعروں کا تذکرہ مرتب کر رہے تو طپاںؔ نے مجھے اپنا منتخب کلام عنایت کیا تھا تا کہ میں اسے دلی لیتا جاؤں اور سرورؔ کے حوالے کر دوں۔ سرورؔ کے ذہن سے یہ بات نکل گئی اور وہ اوراق ان کے تذکرہ میں شامل ہونے سے رہ گئے۔ افسوس ہے کہ مجھے خود بھی ان کا کوئی شعر یاد نہیں رہا' آپ زحمت فرما کر ان اوراق کو سرورؔ مرحوم کے فرزندوں سے حاصل کر کے شاملِ تذکرہ کر لیں۔"

گلشنِ بے خار میں مرزا احمد بیگ طپاںؔ کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب مصطفی خاں شیفتہؔ کو اعظم الدولہ سرورؔ کے صاحبزادوں سے مرزا احمد بیگ طپاںؔ کے حالات اور کلام حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ مرزا احمد بیگ خان طپاںؔ نے ۱۸۳۴ء میں انتقال کیا۔ دیوان ان نساخؔ کے بیان کے مطابق ایک دیوان ان کی یادگار تھا۔

(سخن شعرا ص۔ ۳۰۲، کلیاتِ نثرِ غالب ص۔ ۱۳۳، ص۔ ۱۰۹۔ علم و عمل ص۔ ۱۴۴' متفرقاتِ غالبؔ۔ ص۔ ۵۷، ص۔ ۷۰)

۸۱۔خواجہ فیض الدین حیدر شائق جہانگیری

معزز خاندان کے فرد خواجہ خلیل اللہ خان کشمیری کے بیٹے اور جہانگیر نگر (ڈھاکہ) کے رہنے والے تھے۔ سر عبدالغنی سے بھی رشتہ داری تھی۔ غالب دلّی اور کلکتے بھی آئے تھے۔ اور ممکن ہے کہ غالب سے ان کے قیام کلکتہ کے دوران ملاقات بھی ہوئی ہو۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ایک مختصر دیوان یادگار چھوڑا تھا جواب نہیں ملتا۔ خطوط کا ایک مجموعہ بھی قلمی صورت میں موجود ہے۔

(تذکرۂ غالب۔ مالک رام، ص۔۳۱۳)

۸۲۔خواجہ فخر اللہ

''مآثرِ غالب'' کے خطوط میں ڈھاکا کے خواجہ خاندان کے کئی حضرات کا ذکر آیا ہے۔ ان کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ بظاہر یہ ریاست حیدرآباد سے وابستہ تھے۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر وصدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان، بحوالہ: خط مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

۸۳۔مرزا ابوالقاسم خاں

مرزا ابوالقاسم خاں کا پورا نام معہ خطاب، مصلح الدولہ سید ابوالقاسم خاں تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ عبدالغفور نسآخ کے بیان کے مطابق ان کا سلسلۂ نسب امیر تیمور تک پہنچتا ہے۔ بینی نرائن کے بقول وہ دہلی کے خاندان بادشاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ غالب نے ایک شعر میں ان کو ''دردؔ کی یادگار'' کہا ہے۔ دردؔ کے خاندان سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ شاید انہوں نے دردؔ سے اصلاح لی ہو۔ اس سلسلہ میں بھی وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ ان کے حالات میں تذکرہ نویسوں کے بیانات بہت مختصر اور بڑی حد تک نا تمام ہیں۔ ان سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ مرزا ابوالقاسم خاں نے کب اور کیوں دہلی سے ہجرت کی۔

مولوی عبدالقادر رام پوری نے اپنے قیام کلکتہ کے دوران مرزا ابوالقاسم خاں کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ مرزا ابوالقاسم خاں نے دہلی سے نکلنے کے بعد کچھ دنوں لکھنؤ میں قیام کیا، پھر تلاشِ معاش میں کلکتہ پہنچے۔ لیکن وہاں بھی لیاقت کے مطابق معاش کی صورت پیدا نہیں ہو سکی۔ جن دنوں غالب کا قیام کلکتہ میں تھا مرزا ابوالقاسم خاں اور غالب میں موانست پیدا ہو گئی تھی۔ غالب نے ان کے نام جتنے بھی خطوط لکھے ہیں، ان میں بعض گھریلو باتوں کا تذکرہ ہے اور بس۔ ایک مرتبہ غالب نے مرزا ابوالقاسم خاں کو مسہل پینے کا مشورہ دیا۔ مسہل سے مرزا ابوالقاسم خاں کو فائدہ ہوا تو یہ مختصر قطعہ کہہ کر غالب کو بھیجا۔

اے مسیحِ زمان تو می دانی	بہ جنابت[1] ارادتے کہ مراست
بوعلی کے رسد بہ تشخیصت	کے فلاطون مثالِ تو داناست
می سزد گر بگویمت بقراط	ور فلاطون بخوانمت زیباست
مسہلے دادی و بفرمودی	بہ عمل آر بے گمان کہ شفاست
زاں عمل دور شد مرض بالکل	گر بگویم توئی مسیح بجاست

غالبؔ نے اس قطعہ کے جواب میں فوراً ایک قطعہ کہا اور انہیں ارسال کیا۔

بہادر شاہ ظفر کے روزنامچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالقاسم خاں کلکتہ سے دہلی آ کر وقائع نگار سلطانی ہو گئے تھے اور انھوں نے ہیضہ کی وبا میں ۱۲۔ دسمبر ۱۸۳۵ء کو انتقال کیا۔

(دیوان جہاں۔ ص۔ ۳۴۷، متفرقات ص۔ ۵۰، ص۔ ۱۰۷، علم و عمل ص۔ ۱۴۴، سخن شعرا ص۔ ۳۰۸، بہادر شاہ ظفر کا روزنامچہ)

۸۴۔ جام جہاں نما

مطبوعہ فارسی صحافت کا آغاز ''مراۃ الاخبار'' سے ہوتا ہے جسے راجہ رام موہن رائے نے ۲۰۔ اپریل ۱۸۲۲ء کو جاری کیا تھا۔ یہ اخبار نہ صرف برِعظیم پاک و ہند کا پہلا اخبار تھا بلکہ ایران کو شامل کر کے پوری فارسی صحافت میں اس اخبار کو اولیت حاصل ہے۔ (ایران میں سب سے پہلا اخبار محمد شاہ قاچار کے عہدِ حکومت میں ۱۸۳۷ء میں صالح شیرازی کی زیرادارت نکلا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ برِعظیم میں فارسی صحافت پندرہ سال پہلے شروع ہو چکی تھی)۔ فارسی کا دوسرا اخبار ''جام جہاں نما'' کے نام سے ہری ہردت نے ۱۶۔ مئی ۱۸۲۲ء کو جاری کیا۔ اس اخبار کے ابتدائی چھ شمارے اُردو میں نکلے تھے۔ بعد میں اس کی زبان فارسی کر دی گئی۔ ہری ہردت نے جو کلکتے کے ایک ممتاز بنگالی ہندو صحافی تھے' سدا سکھ لال کو، اپنے اخبار کا مدیر مقرر کیا تھا۔ اخبار کی ناشر کلکتے ہی کی ایک انگریز تجارتی کوٹھی ولیم ہاپکنس اینڈ پرس کمپنی تھی۔ یہ اخبار کلکتے اور اس کے گرد و نواح میں بسنے والی انگریز آبادی کے لیے نکالا گیا تھا جو سرکاری زبان فارسی سیکھنا چاہتی تھی۔ جام جہاں نما کے سرنامے پر کمپنی کی سرکاری مہر بھی پابندی سے چھپا کرتی تھی اور یہ بدعت انگریزی اخبارات نے بہت پہلے شروع کی تھی۔ جام جہاں نما میں مہر کی اشاعت (ایسٹ انڈیا) کمپنی بہادر سے امدادِ مراعات کے حصول کے لیے تھی۔ ولیم بینٹنگ William Banting کے دور میں شعبۂ فارسی کے سیکرٹری مسٹر اسٹرلنگ نے دیسی اخبارات کے بارے میں جو رپورٹ تیار کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کو سرکاری امداد بھی ملتی تھی۔ یہ سرکاری امداد حکومت نے ۱۸۲۸ء میں تخفیف اخراجات کے سبب بند کر دی اور ۳۰ دسمبر ۱۸۲۸ء کو جب اخبار کا اپنا چھاپہ خانہ قائم ہو گیا تو سرکاری مہر کا نشان بھی پیشانی سے غائب ہو گیا۔

جامِ جہاں نما میں عموماً خبریں ہی ہوتی تھیں۔ سیاسی' اقتصادی اور عام دلچسپی کے مضامین کی طباعت کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔

۱۔ لفظ ''جنابت'' کے استعمال سے مرزا قاسم کے مبلغِ علم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (پرتو روہیلہ)

کبھی کبھی کسی نئی کتاب کا اشتہار چھپ جاتا۔ کبھی کبھی اخبار کے اندرونی صفحے پر کوئی غزل چھپ جاتی۔ اورنگزیب کی حکومت کا احوال چھپنا شروع ہوا اور ایک سال تک چھپتا رہا۔ اسی طرح ''الف لیلہ'' کا ترجمہ ۳۰ جنوری ۱۸۳۸ء سے چھپنے لگا مگر معلوم کس وجہ سے ایک ماہ بعد بند ہو گیا۔ عبدالستار صدیقی کے بیان کے مطابق ''جام جہاں نما'' ۱۸ مارچ ۱۸۴۵ء تک نکلتا رہا۔ لیکن اختر شہنشاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۸۸ء میں بھی شائع ہو رہا تھا۔ البتہ اس وقت مالک منشی غلام حسین اور مہتمم مصور حسین تھے۔

(اُردو صحافت انیسویں صدی میں۔ مصنفہ ڈاکٹر طاہر مسعود ص۔ ۱۰۰)

(آہنگ پنجم)

بنامِ نامیٔ نوّاب سیّد علی اکبر خان متولّیِ امام باڑہ ہوگلی بندر۔

خط ۔ ۱

قبلہ' خدا پرستان سلامت ۔ ممدوح از ستایش مستغنی و مادح درستان نارسا ۔ غلو در عرضِ نیاز فضولی و ابرام در شرحِ شوق بد نما ۔ چہ گویم تا آبروئے خموشی نریزد و چہ نویسم تا داغِ کوتہ قلمی برخیزد ۔ ہمانا این عبودیت نامہ را قماش را سلام ۔ روستائی است و دائرہ' ہر حرفش را پرداز کاسہ' گدائی ۔ لختے شکم بندہ ام و قدرے ناتوان ۔ ہم آرائش خوان خویم و ہم آسایشِ جان ۔ خردوران دانند کہ این ہر دو صفت بہ انبہ در است و اہلِ کلکتہ بر آنند کہ قلمرو انبہ ہوگلی بندر است ۔ آرے انبہ از ہوگلی و گل از گلشن، ایثار از جناب و سپاس از من ۔ شوق می سگالد کہ ہر آئینہ تاپایانِ فصل دوسہ بار بخاطرِ ولیٔ نعمت خواہم گذشت و ازمی نالد کہ حاشا بدین مایہ برخورداری خرسند نخواہم گشت۔

فرد: گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ اے ساقی
بدہ نوشینہ داروئے کہ ہم آتش ہم آبستے

نخلِ مراد ہم باروَر بد و ہم سایہ گستر ۔ آن بہ آرایشِ دامانِ نگاہ و این بفرقِ غالبؔ ہوا خواہ۔

خط ۔ ۲

اسد اللہ نامہ سیاہ کہ ازرحمت گسستہ امید و درین دو روزہ پندارِ پیدائی ، اسیرِ زحمت جاوید ست ، بعرضِ خدّامِ والا مقامِ نوابِ ہمایون القاب' قبلہ' اہلِ دل و کعبہ' اربابِ ایمان' می رساند اگر نہ وسعتِ حوصلہ' حلم ٰ ۔ بزرگان در نظر باشد بندگانِ کم خدمت را باینہمہ شرمساری روئے سخن کجا و نیروئے عرضِ مدّعا کو ۔ آرے می بگرم کہ دریا آلودگی از قطرہ می شوید و سپہر بر خاکروبہ ہا می تند۔ بزرگن چون از خوردان خطا بینند ، چرا در پیشِ خود عذر نخواہند و بارِ خجلت از دل بر ندارند ۔ ہیہات دل از غصّہ صد جا در گرو است و خاطر با ہزار اندیشہ در جنگ ۔ روز از شب و دیدہ از دل نشناسم و نفس از نالہ و اشک از نگاہ باز ندانم و چرا چنین نباشد کہ بہ آنہمہ شورانہ کہ من در سفال داشتم سونشِ الماسے بر آن افزودہ اند ۔ تفصیلِ این اجمال آنکہ برادر والاقدر ستودہ سیر نوّاب امین الدین خان بہادر ابن فخر الدولہ دلاور

الـملك سواب احـمد بخش خان بهادر رستم حنگ درایں رور گاراں که رورم ار شب سه تر است 'محمل عزم بجانب کلکته رانده و من چوں نقشِ قدم ہمدریں حرابه حاك بسر مانده - ار رنج فراق ایـن یـگـانه' آفاق اگر سحں رانم - به ہرار سفینه انجام نه پدیرد - شوق حگر تشنۂ این نوازش است کـه چـون بـرادر صـاحـب والا مناقب بسرا پردۂ قرب جا یا بداز تفقّد و عنیات آں قدر دربارۂ ایشاں سبذوں گـردد کـه بـهرہ' بس باقی نماند - دردِ دل شنیدن و طریقِ چاره نشان دادن و ار عم - تنهائی سلـول نگداشتن و بتدبیر ہائے سود مند آموز گار گشتن آنچه بخویشتن دیده ام لحتے بسامان تر و فراواں تـر ار بـهر ایـن والا تبـار مـی حـواہم و بدین سپارش ہم بر حویش منّت می نـهم - زیاده نیار است و بس۔

خط ۔ ۳

۱

مآثرِ غالب

سپهر آستـانـا! مشورِ سرافرازیٔ غالبؔ رسیده و سوادش تونیاے چشم خرد گردید۔ بعد دوسه رور آں چه به خطر خواہد گزشت، محرمِ رنگ و بوے اعلاں خواہد گشت۔

امـروز جـنـاب خـدایـگـانی نواب محمد سهدی علی خں بهادر رونق افزاے کدورت کدۂ خـاکسـار انـد۔ زہے سں و خوشاس! به حدستِ خواجه صاحبِ مشفق حواجه مستقیم صاحب سلامِ نیاز رسیده و به پزیرفتن بهره ور گردیده باد۔

از اسد الله
(دورانِ قیامِ کلکته)

خط ۔ ۴

۱

نامه ہائے فارسیٔ غالبؔ

اعلیٰ حضرت نواب صاحب قبله و کعبۂ کونین مد ظله العالی!

جبیـں را بـه ہـوائـے آستـں سجده ریز، و نفس را به دوقِ گزارش سپاس غم خواری رسرمه خیز، سـاخـتـه' مـعروض می دارد۔ یکم حمادی الاوّل رورِ ادینه به سرمنرل باندا رسیده، و ہماں روز

(پر) تو فروغانیٔ نامه، خاورستانِ مقصودِ گردیده۔ یگانه داور جهان آفرین را نماز گزاردم و سپاس باریٔ تحت بلند بجائے آوردم....... بے کسم نه گزاشته اند و حاصین درگاه خود را به دلجوئی من گماشته۔ یا رب سلامت باشند و دیر بمانند۔

...... دراز و ہنگامۂ بیم و اُمید اندیشه گزار(۱) است، جز این که تماشائی خویشتن باشم چه می توانم کرد۔ صدور حکم......بزم فرمان روائے دہلی و بے داور ماندن بزم آن دادگاه، چون عیان است، حاجت به بیان نیست۔ حالیا ...... که فرانسس ہاکنس بہادر، جاه سندی از حکام اربعه دایر سایر به دہلی رسیده و آرایش دیوان داده بخشیده است..... شکار دوست و بی پروا خرام افتاده است۔ نه داد خواہان نه می پرداز و سرنه سر کار ہائے امروز به فردا می اندازد۔

وائے اگر...... به دہلی رسیده باشم، مصداق مضمون

ع: تا توبه من می رسی من به خدا می رسم

گردیده باشم۔ سگالش می رفت که از، جاده..... خود را به سرس افگنم تاچون فراتران در رسند به دامان پیوندم، و گرد آن کاروان باشم، و به دہلی نه رسم مگر...... گروہِ پر شکوه خرد خرد فتوی نه داد۔ ناچار خواہی نه خواہی به وطن می روم اما دل تنگ و باچرخ وستاره در جنگ۔ چنان که روز شنبه نہم این ماه، بند از پائے راه پیما خواہند کشود، و اگرپیام اجل در نه رسید، پایان ماه بدان دیار رسیده خواہم بود۔

ہوسے از سینه بے حواست می جوشد۔ چون گدائے اخلاق کریمان و ریزه چین مایدۂ الطاف بزرگ نم و گدا ار دریوره عار ندارد، از فضولی نمی برآیم و به عرض می رسایم۔ فیض رسانم! تا اگر ممکن باشد و اسباب فراہم تواند آمد سپارش نامۂ از عماید این قوم دربب خاکسار، بنام نامی مسٹر فرانسس ہاکنس صاحب بہادر، صاحب رسیدنٹ دہلی به فرستند۔ ہر چند حکم صدر، عیار کامل دارد اما مقصود از سپارش نامه، متوجه گشتن داور، استغنا پیشه است، بحال داد خواہِ گم نام۔ و حصول این مطلب منحصر در دو اتفاق است۔ یکے بہم رسیدن صاحبے که با مسٹر ہاکنس بہادر آشنا باشد و معہذا از دوستان یا از دوستِ دوستان جناب عالی بود۔ به یقین می دانم و عقیدۂ من راسخ و اُمیدمن قوی است که اگر چنین خواہد بود، از جانب ملازمان(۲) دریں باب تغافل نخواہد رفت۔ اما در صورت حصول این گران مایه رقم، طریق فرستادن و تا به من رسانیدنش، ہمیں است که به باندۂ بُدیل کھنڈ، و نه والا حدمت مولوی

۱۔ مخ: گذار

۲۔ مخ ملازمان

صاحب قبله و کعبه، حضرت مولوی محمد علی خان صاحب برسد، مدعیه اعالی، از انجا سهل نه می خواهد رسید۔ زیاده حد ادب ندید۔ نیّر بنده پروری از اُفق برتری، ابداً جلوه گر باد۔ عرضداشت اسد الله از مقام باندا، مرقومه ششم جمادی الاوّل روز چهار شنبه۔

خط۔ ۵

۲

نقل رقعه که جناب محمد اسد الله خان صاحب عُرف مرزا نوشه به جناب نواب سید علی اکبر خان بهادر طباطبائی در خصوص فرمایش انبه، مفوّضهٔ خامهٔ ندرت نگار فرمودند و بوبهدا۔

قبلهٔ محرمان آفاق سلامت!

ممدوح از ستایش مستغنی و مادح در بیان نارسا [علو در(۱)]عرض نبر فضولی و ابرام در اظهار شوق بد نما، چه باید گفت تا آبروئے خموشی نه ریزد، چه توان نوشت تاداغ کوته قلمی بر خیرد۔ بهمان که این عبودیت نامه قماش سلام روسنائی دارد، و دایرهٔ ہر حرفش، پردار کاسهٔ گدائی۔ تحتے شکم بنده ام و قدرے ناتوان، ہم آرایش خوان خویم، وہم آسایش جان۔ خرد پژوہان دانند که این ہر دو صفت به انبه اندر است۔ و اہل کلکته برآنند که قلمرو انبه ہوگلی بندر است۔ آرے انبه از ہوگلی و گل از گلشن، ایثار از جناب و سپاس از من۔ شوق می سگالد که ہر آئینه تا پایان فصل دوسه بار به خاطر خداوند نعمت خواہم گرشت(۲)و آز می نالد که حاشا بدین مایه تمتع خرسند نه خواہم گشت۔

گلویم تشنهٔ و جان و دل افسرده اے ساقی(۳)
بده نوشینه داروئے که ہم آتش ہم آب استے

نخل مراد (ہم) (۴) بارور (بادا وہم سایه گستر، آن(۵) ثمر افشان دامان نگاه، و این به فرق در ویشان ہوا خواه۔

کم از آنم کُه درِ معذرتم باید زد
بیش از آنی که دہی خجلتِ تقصیر مرا

۱۔ نثر: ۹۶ ۲۔ مخ: گذشت ۳۔ نظم: ۲۲۷ ۴۔ نثر: ۹۶ ۵۔ نثر: ۹۶

خطّے که در تهنیتِ شادیٔ منشی احمد حسن به منشی محمد حسن نگاشته شد

خط ـ ۱

حضرت سلامت می دانید کو غالبِ صافی مشرب را چون دیگران دلے بساختگی آشنا و زبانے به تکلّف زمزمه سرا نیست ـ زبانش را دلے داده اند که از آزادگی فرجام ' آرایش گفتار ندارد و دلش را زبانے بخشیده اند که از سادگی تبِ رنگ آمیزیِ افسانه و افسون نبرد و اگر نه اینچنین بودے من دانم و دل که دریں چشم روشنی که پیش آوردۂ دولت و ساز کردہ' اقبال است از اقسامِ سخن چها بکار رفتے ـ هم درود دیوار روزگار را سر جوشِ بهار اندودمے و هم گوشته و کنار گیتی را بفروغ نیّر بحت چراغان نمودمے ـ نثار از طرّۂ حور و پود از بالِ پری آوردمے و نوآئین نمطے در بہ ہفته بدار همایون انجمن گستردمے ـ ہر طرف بساطِ محفلِ میوه و گُل از طوبی فشاندمے و زہرا را برامشگری و رضوان را بمهمانی خواندمے ـ گاه از اشتلم رشک زیبائی ' آئینے که به شبستان نظم بستمے سپهر درخشان را از شعاعِ آبگینه در جگر شکستمے و گاه از نشاطِ میخانہ' دوقے که از رگ رزستانِ نثر کشادمے باده پیمایانِ طرب را کوثر و تسنیم بگلو سردادمے ـ در چشم خیاسم سپهر گوشہ' از دل پریزادِ معنی گرمِ بال افشانی است همان گردے که از حاشیه بُسطِ این برم سیرونند سرمہ' سیمانی است ـ بنام ایرد آرایش ایں برم طوی گرد عم از دل شوی را بارم و رونق ایں ہنگامہ' مینو نار نامه را ستایم ـ اکنون پدید آمد که زہره مشق رامش حاصه از سپهر گرسی کدام محفل سی کرد و مشتری متاع سعادت ویژه از برائے صرفِ کدام رور سی اندوحت ـ سپهر آئینه بامّید مشاہدۂ جمالِ که می ردود و چرخ گوہرین پروین بتمائے نثارِ که نگه سی داشت ـ ار چه بود که آفتاب ساختنِ یاقوت این ہمه حونِ جگر سی حورد و چه در سر داشت که ابر بگرد آوردنِ مروارید ایں مایه قطره سی زد ـ اندیشه بسرا پائے این گمان نه پیچد که آنچه من گویم آنست که گفته باشم بلکه سخن در فراوانی دستگاه دوق سی رود و ار روشنی که حاصہ' طبعِ سخنور است نشان داده سی شود تا دیده ور ان فرارسد و مخدومِ من که چشم و چراغ ان قدسی گروه است وارسد که نگه داشتن اندازۂ سخن که آزادگی را ایمان است و ادب را زیور باہمه جوشے که در دل می رد زبان را بگفتار دستوری بداد و ازلبِ خیر طلب جز زمزمۂ دعائے که

مفتاح باب تہنیت و کلیدِ در خجستگی ہماں تواند بود نه پسندید - با رب این کتخدائی از سارگری بخودانه کاروائی اررانی باد و نویدِ شادمانی ہائے تاره و فیروزی ہائے بے اندازه رسند - برادر عالیقدر از جان گرامی تر میرزا علی بخش خان بہادر به تقدیمِ مراسمِ خُتّت سلام نیاز می رسانند و در گزارشِ شیوۂ چشم روشنی و عرضِ مراسمِ تہنیت با نامه نگار ہمزبا نند۔

خط - ۲

امید گاہا شبا ہنگام است و من بادلِ نژند پیش چراغے که نورش از حجره به ایوان نمیرسد نگارشِ این ارادت نامه پیش گرفته ام - ست از بخت که نارسائیِ رائے و سستیِ بختِ من مخدومِ مرا در نظر است و بدین دریعه اگر خود به لطف و کرم نیررم ، استحقاقِ ترحّم از من سلب نتوان کرد - آرے نیکان را بر بدان و خردوران را بر بے دانشان دل به درد می آید - بخشودنِ تونگران بر تہیدستان و گرایشِ پرشکان بر رنجوران ہم ازیں عالم است - سخن بے پرده سرایم و نشتن را به پایۂ گفتن رسانم - پیش ازیں نامه بنامِ خانِ والا شان سبحان علی خان و عرض داشتے به حضور والائے حضرت وزارت پناہی بیك قصیدۂ مدحیۂ شاه رقم کرده ، مجموعِ اوراق پیشِ وکیلِ راجه صاحبِ اشفاق مـنقب راجه صاحب رام صاحب فرستاده ام ، و آن خواسته ام که آن نگارستان آرزوئے محال به نظرِ خان صاحبِ علی مناصب گذشته به حضرتِ دستورِ اعظم رسد - بو که این قصیده به برمِ خسروی خوانده شود و نامه نگار از مائدۂ جودِ خسروِ اوده زله بر بندد - تا امروز که از اربعین کامل گذشت ہیچگونه اران نیرنگ و افسون اثرے پدیدار نگشت - لا جرم چوں گدائے نابینا که حزبه مدد گریٔ عصا کش ره نتواند برید' درماندۂ بیم واامیدِ ردّ و قبولم - امروز که چارشنبه سیردہمِ ماه ترسیانست و شبے که به قاعدۂ اہلِ تنجیمِ شب چار شنبه و به لسانِ شرع شب پنجشنبه نامیده شود رسیده - خلۂ خیال در دل این آشوب انگیخت که به راجه صاحب رام صاحب عرض کرده شود که به لکھنو وکیلِ خود را نویسند تا آن نامه و آن عرضداشت که در نوردِ آن به قصیده آبستن است به والا خدمتِ شما رساند۔ ذوقِ آرزو طبی آنچناں بیتابم کرد که تا امداد شکیبا نتوانستم بود - به شب نامه نگاشتم و ہم به شب بخدمت راجه صاحب فرستادم - امید که چوں وکیلِ راجه صاحب این ضراعت نامه را به نگشته ہائے که بر شمرده آمد ، به ملازمان باز دہد بحرِ کرم به جوش آید و تفقد صرفِ غالبؔ نوازی گردد - دیگر ندانم و اگر دانم نگویم که چها باید کرد - این قدر می گویم که مرا به پاسخِ این نامه باید

نواخت و این ہم از بے حوصلگی و دراز نفسی من است ، ورنہ باور دارم کہ حسنِ کنکے در کشایشِ عقدۂ راز دریغ نخواہد رفت و جوابِ نامہ چنانکہ دل را نویدِ آرامش دہد خواہد رسید ، والسلام بالوف الاحترام ۔

خط ۔ ۳

قبلۂ حاجات ، غالبؔ کہ نو آموزِ شیوۂ گدائی است یك چند بہ حکمِ حیا بہ خموشی ساخت ۔ اکنون کہ خوش گلبانگِ تہنیت مہرِ سکوت از دہن برداشت خواستہ و بیخواستہ آنچہ در دلست از لب فرومی ریزد ۔ نخست آنچہ سر خوش صہبائے گفتار تواند بود ، رنگ رنگ چشم روشنی و گونا گوں سار کباد ۔ ہر چند ہمتِ من بدیں مایہ ترقی و خرسندی ندارد ، مخدومِ خود را جاہمند تر ازین می خواہم و فطرت و ارزشِ حضرت بہ پایہ ہائے بلند تر ازیں جایگاہ سزاوار می نگرم ، لیکن چون بہ گوشِ ہوشم دمیدہ اند کہ این پیش آمدِ اقبال تمہید آرایش بساطِ دولتہائے بے اندازہ تواند بودو این جنبش کوکبِ بخت درِ گنجینۂ امید ہائے تازہ را مفتاحے تواند کرد ۔ ہر آیینہ نشاطِ فراوان را در دل جا دادہ چشم بمشاہدۂ بہارِ حدیقۂ جاہ و جلال مخدومِ کشادۂ دل بہ شادمانی بستہ ام ۔ یا رب کہ ہمچنیں باد و این تہنیت مستلزمِ تہنیت ہائے دیگر شواد ۔ پس از سر انجام یافتنِ ذریعۂ امیدواری و بجا آمدنِ مراسمِ سپاس گزاری خاطر نشان حضرتِ کعبۂ آمال باد کہ فرستادنِ قصیدۂ مدیحہ جامعۂ مدح شاہ ووزیر بسا گرانمایہ عزیمت ہارا شامل است ۔ چہ بے سروسامانی مانعِ کامجوئی و مدعا طلبی افتادہ ۔ را ہے کہ در نظر است بے راد نتوان بریدو تا جادہ نتوان پیمود بہ منزل نتوان رسید ۔ دست پیش ہر کس بہ گدیہ دراز و کارِ خود از خریۂ خود چون خودے بساز نتوان کرد ۔ لاجرم خواستہ ام کہ حلقۂ درین دستور حرد بجنبانم ۔ بو کہ مرا بہ جائزۂ بادخوانی و صلۂ مدح گستری این مایہ سامان فراز آید کہ خود را گرد آوردہ بہ کدکتہ توانم برد و کارے توانم کرد ۔ وقت از دست میرود و ہنگامِ کار می گذرد ۔ اگو درین نزدیکی تقریبے اندیشیدہ قصیدہ گزراندہ و حالِ سائل گزاردہ شود ، موہبتے است سترگ و بخشایشے است عظیم ۔ زیادہ زیادہ۔

خط ۔ ۴

۱

مآثر غالب

جنابِ عالی! چون امروز دربند فراہم آوردنِ فرمایشِ ملازمان مانده ام، اگر به خدمت نه رسیدم ہم از حاضر ام۔ امید که اجزاے خطیِ نواب سید عالم علی خان صاحب رقم کنید و به من فریسید۔ به شرط بقاے حیات، فردا ہنگامِ نیم روز به خدمت می رسم۔ زیاده نیاز۔

اسداللہ

(عشرۂ اول ماہ رمضان ۱۲۴۸ھ مطابق ۲۲ تا ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

خط ۔ ۵

۲

قبلۂ حاجات! چون رفتن جناب به راہِ گڑگانوا (کذا) اتفاق نیفتادو دانستم که جناب را اشتیاق دیوان فقیر بیش از بیش است ، ناچار التجا به نواب صاحب قبله و کعبه مبارز الدوله نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر کردم و دیوانے که جنابِ ممدوح براے خود به شوقِ تمام نویسانیده بودند، به گدائی طلبیدم۔ ایزد تعالی نواب صاحب راسلامت دارد که بخلافِ ذوقِ خود روا داشته، آن اجزا به من بخشیدند، چنان که آن اجزا به خدمت فرستاده می شود۔ به احتیاط نگاه بایدداشت و به حیدر آباد رسیده جلد اجزا مرتب باید ساخت۔ زیاده نیاز۔

اسد اللہ

(عشرۂ اولِ ماہ رمضان ۱۲۴۸ھ مطابق ۲۲ تا ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

خط ۔ ۶

۳

خواجهٔ جمیل المناقب، رفیع الشان ، مخدوم و مطاع بنده جناب خواجه محمد حسن صاحب راد سجده، قبلهٔ من! ہر چند مطلبے که زبانِ گوہر فشان به گوشم دمیده است،بدان

نیررد کہ نامہ را بداں تواں اراست و سخن را در شرحِ آں در ار تواں کرد و عبارت رنگیں کردن و سزہ بے سزہ استعارات در عبرت صرف ساختن ار مطلب بار ماندن و مکتوب الیہ را در پیچ و تاب انداختن است، لیکن اگر فرماں بجا نیارم ، خاطر ملول گردد۔ بہ ہر حال سطرے چند سادہ و ہموار رقم می گردد۔ وہو ھذا:

پیش ازیں دو قطعہ عرض داشت ار لکنؤ (کذا) یکے بہ فور ور ودرر آں دیار ویکے حین روانگی ار آں معمورہ بہ حضور مکرمت ظہور ارسال یافتہ۔ اغلب کہ بہ نظر ربوبیت اثر گرشتہ، شارحِ کوائف مندرجہ گشتہ باشد۔ بالحمد عبودیت کیش بہ رہ نمائی اقبالِ خدایگانی بہ استقبال دولت ہاے مستقلہ بہ دارالخلافت شاہجہاں آباد رسیدہ و ار رنج سفر ڈاک آرمیدہ در صددِ آنست کہ سازو برگِ سفر ترتیب دادہ رہ گراے منزلِ مقصود گردد و ار عالم نیکو بندگی و ہوا خواہی آں چہ مکنونِ ضمیر فدویت تخمیر است، بہ ظہور آرد۔ باقی حالاتِ ضروری العرض بہ اظہار برادر صاحب قبلہ خواجہ فخرالدین صاحب جلی راے عالم آراے خواہد گردید۔زیادہ حدِ ادب۔ نیر دولت و اقبال ار مشرقِ جاہ و جلال بہ فروغِ جاوید تابندہ و درخشندہ باد۔ فقط۔

اسد اللہ مکرّر عرض می کند کہ مطلب مختصر است و حرفِ مختصر را طول بے جا دادن از عیوب عبارت ست امّادر افزائشِ القاب برادر صاحب خود اختیار دارند۔ اگر یك دو لفظ بیفزایند، زیاں ندارد۔ والسلام والاکرام۔

(عشرۂ اوّل ماہِ رمضان ۱۲۴۸ھ مطابق ۲۲ تا ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

نامه که از دہلی بنامِ میرزا علی بخش خان بہادر رقم شد

خط ۔ ۱

فرد: کارِ برادر بہ برادر نکوست
بہ ز برادر نتوان یافت دوست

ہر چند شیوۂ من نیست در گفتنِ اندوه دراز نفسی کردن و شنونده را دل بدرد آوردن ، لیکن چون شما ہم برادرید و ہم دوست ، ناچار بشما می گویم که یکچند با سیدِ نواب صاحب ساختم و از تابِ آتشِ انتظار گداختم ۔ نشسته ام بعذابے که محرم برندان نشیند و می سم آنچه کافر بجہنم بیند ۔ به فیرور پور از بہرِ آن نیامده بودم که بزم به دہلی باید آمد ۔ نواب صاحب مرا بلطفِ زبانی فریفتند و بکرشمۂ ستمے که بالتفات می مانست ار راه برد ند ۔ تاکجا شکیب و ررم و خود را بہ ہیچ شادسان دارم ۔ ار درو دیوارِ شاہجہان آباد بلا می بارد ، روزم از تیر گی چرا شب نشود ۔ حاشا که چون من شیشه دلے دریں سنگباران تواند بود ۔ میر امام علی را ب عرضداشت بخدمت نواب فرستاده ام ۔ رنہار با من زمانه ساری و با نواب محابا مکنید و چنان کنید که چون عرضداشت خوانده شود ، شماہم در انجمن باشید تا نگارش را بگرارش نیرو دہید و میر امام علی را بسخن دلیری بخشید ۔ در طلبِ مدّعا آنمایه گرم خون نیستم که خواہشِ من جگر گوشۂ ابرامے باشد ۔ یران می گفتند که تو به نواب نمی گرائی و دردِ دل باوے نمی گوئی، ورنه از کجا که نواب بچاره بر نخیرد و کارہا را روائی ندہد۔ اینہا که می کنم ار بہرِ رباں بندیِ این اداناشناسان است ۔ خدا را طرحِ آن افگنید که میر امام علی زود بر گردند و بمن پیوند ند تا دوستانِ ناصح را خیر باد گویم و بسرو برگے که دارم بمشرق پویم ، والسلام

خط ۔ ۲

برادر صاحب مہربان گرامی تراز جان سلامت ، مداری خان می رسدو نامه را می رساند ۔ آنچه از کالائے نروائے من در آنجا بشد بوے سپارند و نیز آنچه نردِ منّا حقه بردار و دیعت است ہم نام گرفته بدہا نند ۔ شنیده می شود که نوابؔ به دہلی می آیند۔ از صدق و کذبِ این خبر رقم کنید و

نیز آگهی دہید کہ شمانیز ہمپئے نواب می رسید یا نہ - من آن می خواہم کہ اگر خبر عزیمت نواب دروغ نبوده باشد خود به فیروز پور رسم و شرف قدمبوس عم عالیمقدار و مسرت دیدار شما دریابم - عمر و دولت روز افزون باد

خط - ۳

والا برادرِ خجستہ اختر کہ با اینہمہ دوری چشمِ دلش سوئے من نگران است درین بد کہ غالب راہرو را روزگار بادیہ نوردی سر آمد و رختِ سفر بسر منزل کلکتہ کشودہ شد - چہ کلکتہ ، جہانے از ہر گونہ کالا مالا مال - جز چارۂ مرگ ہر چہ گوئی پیشِ ہنر و دانش سہل و جز بخت ہر چہ خواہی ببازارش فراوان - فرود آمدن جائے من کاشانہ ایست بہ شملا بازار کہ آن را روزِ ورود ہمان ہنگامِ ورود بے زحمتِ جستجو یافتہ ام - بالجملہ ایزدی نوازش ہست از خوابِ خوش برخاستہ و روے ناشستہ بدرگاہ آمدہ رادر چشم و دلِ فرماندہان جاے داد و در انجمن پایہ از خواہش برتر بخشید - مستر اندرو استرلنگ نامی از اعیان کونسل دردِ دل درد مند شنوے و بخستگی بندِ غم مرہم نہے بر بے کسی ہائے من بخشودہ است - ہر چند دل کہ عمرے بہ ناامیدی خوی کردہ است یکسرہ پیوندِ آزرمِ دیرین آمیزش نتواند گسیخت ، لیکن اگر این جوانمردِ توانادل بجدوئے تأثیرِ کام بخشی میانۂ من و یاس طرحِ جدائی جاوید افگند ، شگفت نیست - میر فضل مولیٰ خان نام یارے داشتم او را ناگرفت در عرضِ راہ بہ مرشد آباد یافتم -در نوردِ گفتگو ہا و پرس و جوہائے کہ رفت از خامہ گذاشتن فخر الدولہ بہادر بمن خبرداد و بر بہ کلکتہ مرزا افضل بیگ و دیگران بر گفتند- آوخ کہ چراغِ روشن این دود مان مرد و شبستانِ آرزوہا تیرہ و تار شد - از جانبِ شما اندیشہ ناکم و دانم کہ آنچہ شمارا پیش آید دلخواہ نباشد- ناکسان را روز بازار خواہد بود و فرومایگان را گرمیِ ہنگامہ -زود اکہ انجمن از ہم پاشد و پراگندۂ چند گرد آیند ، دولت رو گرداند و آسودگی بر خیزد -زینہار ہوش مندی را کار باید بست و ہموارہ بخود نگران باید بود - دیگر آن خواہم کہ در نگارشِ پاسخِ این نامہ درنگ روا مدارید و ہرچہ در آنجا ازین گیتی آشوبِ ماتم پدید آمدہ باشد برنگارید -

عمرِ دراز و بختِ سازگارو دانشِ سود مند روزی باد-

خط - ۴

جان برادر، سخن را از فراوانی برروئے ہم افتادن است و گره در گره گردیدن و من آن می خواہم که اندک گویم و سود بسیار دہد و شنونده آنرا زود در یابد و این بسیچ روائی پذیر نیست مگر آنکه گوینده در آن کوشد که نشتش از گفتن انمایه دور تر نرود که سر این ہر دو رشته باہمدگر نتوان یافت۔

رسائے گوش ہمی دارید و فرارسید که چه می گویم و ارین گفتن چه می خواہم و شمارا در برابر آن چه می باید کر دو اندازۂ آن بایست تا کجاست - پنہان نماند که از جاه مندان این دیار نواب علی اکبر خان بزرگیست گرانمایه و بلند پایه و دانشمند و نکوئی پسند - چون دانسته است که بالا دستان کونسل آرای کار مرا که داد خواه آمده ام به فرمان روائے دہلی سپرده اند و خود اورا با منشی التفات حسین خان دیرینه رسم و راہِ مہر و وفائے ہست - سپارشنامه اندرین باز نوشته رقم کرده است و من آنرا به نوردِ نامۂ خود به لاله ہیرا لال وکیل فرستاده ام و خبر یافته ام که آن نامه منظر گاہِ قبول شار گذشت۔ بسیچ یکدلی تازه و پیمان کارسازی استوار گشت و نیز در آغاز کار کرنیل ہنری املاک در سران سپاہِ انگریزی چون ماه درستر گی نافرونی فروغ نامور و صاحب رسیدنتِ دہلی را نجائے برادر است از بہر من سخنہائے سودمند نشته است چنانچه ہم بفر به فرمان گیرائی آن نفسہائے گرم حاکم را بجنبِ داد خواه گرایش و التفاتش بحالِ وکیل در افزایش است - وقت است که رپورتِ مقدمۂ من از محکمۂ رسیدنتی دہلی بالِ روائی کشاید - لاجرم شمارا باید به منشی التفات حسین خان سر رشتۂ گفتگو وا کردن و رنگ آن ریختن که تقریباً ذکرِ سپارشنامۂ کرنیل ہنری املاک بہادر به صاحب رسیدنت بہادر درمیان آورند تا گل مدعا شادمانی پذیرد و ارزشِ من بلطف در ضمیرِ حاکم تره گردد و دیگر آنچه درستي فرجام کار را شاید، شما که اندران ہنگامه جا دارید نیک وا رسیده باشید۔ زیاده ازین چه گویم که یگانگی دودلی و محبت منی و توئی برنتابد۔

والسلام والا کرام

بنام مولوی محمد صدر الدین خان بہادر صدر الصدور

خط - ۱

قبلۂ حاجات، امروز پس از گذشتنِ نیمه روز که ہنگامِ گزاردن فریضۂ ظہر فراز آمده بود چون دولت سجود قدسی آستان رسیدستم و چون در دولت کده فراز بود، حلقۂ بردر زدستم - پیش ازانکه حلقۂ در از جنبش آرامد، یکے از حلقه بگوشان آن سلسله که باش خواجه تاشی و باسعادت بمقدمشی داشت بردر آمد و نوا برآورد که شمعِ افشانِ دیوان ظالعم روشن است و وجود مسعود سہیلِ آن یمن - ناچار از خود رفتم و پس از دیرے خود را به عمکده ہمچنان آرزو مند یافتم- ہمانا آن پرستار دران برآمدن کامِ دلِ دشمن بود و من درین بر گشتن بخت خویشتن-

خط - ۲

قبلۂ حاجات، اگر این بندۂ اندك شنو بسیار گوئے رود گستاخ و پُریشیمان را حقِ بندگی نیست، ازکجا که بر این بے بضاعتی نتوان بخشود-

فرد: گوئی وفا ندارد اثر، ہم به من گرای
زین سادگی که دل به اثر بسته ایم ما

شورِ کرشمۂ تفقدِمخدوم به روائی کار مشفقی مرزا اسد بیگ زخم سانِ آن دور باش که به پاسخِ سپارشِ اقبال نشان مرزا زین العابدین خان به من رسیده بود به نمك انباشت و بادِ دامن رشك، آتشِ یاس را شعله ور کرد- ہنوز این جراحت به پنبۂ مرہمے در خور چاره پذیری و این آتش به دمِ آبے آمدۂ زود میری ست - سخن کوتاه، ہر گونه عنایت که در آن کار سازی به کار رفته باقي آن در حقِ مکرمی مرزا فاضل بیگ صرف گردد- اگرچه آن صرف از اسراف بجائے رسد که بہرۂ از بہرِ من نماند- عمر و دولت ز حساب افزون باد-

مکاتبه در جوابِ خطِ نوّاب مصطفیٰ خان بہادر

خط ۔ ۱

سبحان اللّٰه صیادان عنقا شکار که عارفِ حقیقت ذات اند آگہی را این دانه بدام افگنده اند که ہیچ چیز بے افاضۂ وجودِ مطلق رنگ ہستی نپذیرد و ہرچه فروغِ ہستی آنرا فرو گیرد جوہرے گردد فروزنده و نورانی که برقِ پیدائی از سیمائے وے آشکارا تابد و تیرگیٔ نیستی بہیچگونه دروے راه نیابد و چون چنین است از چیست که ازین دو صفت که ہیچی و ناتمامی گفته شود۔ نخستین را سر و بن پیدا نیست و دومین باندازۂ دستگاہِ کرم از گنجینۂ فیض نمود بہره رُبا نیست۔ آنرا ورق از انگارۂ نمایش ساده و این را از پیدائی ہمان نقشِ نیمرخ درکار ۔ اگر فیضِ ہستی عام است و چنانکه وا نموده اند تمام است، بایستے 'ہیچی' نشاطِ ہمگی بر گرفتے و ناتمامی به تمامی نام برآوردے ۔ بالجمله سر رشتۂ خیال از دیر باز گرانبار زحمتِ عقدۂ این تامل بود و میانۂ من و خرد درین پرده ہا سخنہا می رفت ، تا سپیده دمے از شگستن روزنۂ بروئے دل کشودند۔ نیّرِ آگہی بدر خشید و اندران روشنائی سرِ این رشته افتاد که ہیچی در اصلِ وجود پایۂ ہمگی داشت چون ہمه آن را بمن باز گرد انیدند، فرجامِ ہست و بود برخاست و ازوے جز ہیچ نماند ۔ ہمچنین تمامی در نفسِ خویشتن تمام بوده است ۔ چون بسیارے بمن ازان رسید ، از آنچه بود بکاست و به تمامی انگشت نما شد۔

یارب چه شگرف کسم که در ہیچی ہمه ام و در ناتمامی تمام۔ در سبکی گرانم و در برشنگی خام۔ دل درد مند است و چہره خوی ۔ زبان خود پسند است و راز گوی ۔ مگر از سر راز گوی سر حیرم و سنگریزه ہا از رہگذارِ اندیشه بر چینم تا سخن را پای بسنگ نخورد۔ درد خود ازین جانگدار ترچه خواہد بود که تا دکانم را در کشاده بود و رنگ رنگ متاعِ سخن بروئے ہم نہاده، کس از مشتریان حلقه بردر نزد و سودائے خریداری از ہیچ دل سربر نزد ۔ چون دکان را کالا و زبان را حرف ہای جگر آلا نماند ، روزگار گرانمایه خریدارے پدید آورد که نقدِ رائجِ سخن خود را بہائے گفتار نا سرۂ من می دہد و گوہر را به پلّۂ بیعانگی حرف می نہد ۔ ہر چند نه آنست که اگر سخن برابر سحر گداردمے و آوار بر آواز افگندمے ، شرمسار نبودمے ، لیکن اداشناس داند که این خجلت ازان شرمندگی افزون تر است ، چنانکه در انجمن گوہرین طیلسانان برہنه تن از حشم پوش زبون تر ۔ ہان و ہان ، اے خریدارِ دکانِ بیرونق از فراوانیِ مسرتِ ورودِ مسعودِ ہمایون نامه چه

گویم که مرا با اینکه نکوئی خواه خویشم بر من برشک آورد - حوصلۂ مرا که فرسودۂ غمهائے دیرم گنجائی اینمایه شادی کو و اندیشۂ مرا که دل شکستۂ دورباشِ یا رانم فرحمِ پذیرائی اینهمه قبول کجا - روزگار را از آزارِ خویش چگونه پشیمان گیرمے که این چنین شادی را حود در پذیرمے و دوستان را تا کجا قدر ناشناس پندارمے که از شما این قدر ستایش دربارۂ خویش -ور دارمے - حقّا که نه آسان است ستوده شدن بزبان شیوه بیانان و دشوار تر از آنست اندازه نمائی بنداره دانان - قصه ، سردِ چهل ساله حگر کاوی آنست که فراہم آوردم و بر فرقِ فرقدان سائے افشاندم - اکنون آنم بدان روانی و آنشم بدان گرمی نیست - گوئی پس از سُختنِ آن گنج گنجدان رفته و از سخن ہر چه ازلِ آوردِ من بود گفته شد۔

بخاطر نگذرد که غالبؔ بساختگی سخن دراز می کند۔ اینک من و اینک دفترِ اشعار۔ جز آن غزل که مصرع و مقطع آن شنودستید ہیچ زمینے بخاطر نگذشته و غزل رقم پذیر نگشته - آن گذشته بنظر می گذرد و رقم پذیرفته رقم پذیر می گردد - یا رب اندیشۂ آسمان گرائے را بدین زمین سر فرود آید - غزلے بگلدستگیِ رنگ و بو گراید۔

غزل

من بسه وفا مُردم و رقیب بدر زد
نیمه لبش انگبین و نیمه تبرزد

در نمکش بین و اعتمادِ نفوذش
گر به مے افگند، ہم بزخمِ جگر زد

زان بتِ نازک چه جائے دعوئے خونست دست،
وے و دامنے که او به کمر زد

کیست دریں خانه کز خطوطِ شعاعی
بهر نفس ریزه‌ہا به روزنِ در زد

غیرتِ پروانه ہم به روز مبارک
ناله چه آتش ببالِ مرغِ سحر زد

دعوئے او را بود دلیلِ بدیہی
خندۂ دندان نما به حسنِ گہر زد

لشکرِ ہوشم بزورِ مے نه شکستے
غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

برگِ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم
ہرچه ز طبعِ زمانه بیہدہ سرزد

شاخ چه بالد، گر ارمغانِ گل آورد
تاک چه نازد اگر صلائے ثمرزد

کام نه بخشیدۂ گنه چه شماری
غالبؔ مسکین به التفات نیرزد

خط ۔ ۲

حضرت سلامت ، من که مرا زبان درستایش بیقرار است و اندیشه درسگالشِ گستاخ ، امید که در آں پایه به زمرۂ خوشامد گویاں شمردہ نشوم و بدیں مایه جرأت بزه مند ۔ بنامیزد تذکرۂ ترتیب یافته و مجموعۂ فراہم آمدہ که پیشطاقِ بلند نامی را نقش و نگار است و نہالِ نکوسرانجامی را برگ و بار ۔ رہروِ نظر چوں به بیداریٔ کنارِ ناپیدائیِ ذوقِ سخن گم تماشا بردارد، توشۂ به ازیں بر کمر نتواند بست۔ خضر با آنہمه جگر تشنگی که سکندر داشت لبش به رشحۂ آبے تر نتوانست کرد و آں آب از دریا بخشیدں بود ۔ شما گروہے را از دور و نزدیک به سحرِ زندگانیٔ جاوید بخشیدید و ایں لحتے از عمر بکارِ دیگراں کردن است ۔ جاوداں زندہ باشید که سخنگویاں از شما زندۂ جاوید شدند و ہمگناں را به نکوئی نام برآمد ۔ بارے گہر سفتنِ خامه و گوہریں نگشتنِ نامه در ردیفِ الف بنگارشِ اشعارِ پرویں نثار حضرت آزردہ ارچه روست ۔ ہر چند ذکرِ خدامِ نرجیس مقدم در جریدۂ ایں فن نه سزاوارِ شأنِ فضیلت باشد ، لیکن اگر بمقتضائے فرطِ محبت جرأتے بکار می رفت گناہے نبود و در تلافیِ آں به پوزش نیاز نمی افتاد و ہم در ردیفِ الف

در بابِ گزارش حالِ حضرتِ آشوب فرونشانندهٔ کشاکشِ خیالم، یعنی بدانستنِ نامه نگار آشوب از اعیانِ ساداتِ این دیار و نامش میر امداد علی و نامِ پدرش میر روشن علی خان است و درین نسخه به امداد علی بیگ مذکور شده۔ چشمِ آن دارم که اندرین نسخه به امداد علی بیگ مذکور شده۔ چشمِ آن دارم که اندرین هر دو باب به دلنشین پاسخ نشاط اندوزم۔ هر چار جزوِ تذکره به والا خدمت باز می رسد۔ چون تحریر کران پذیرد و این اجزا را شیرازه بسته آید ثمن بار مرحمت گردد، والسلام۔

خط۔ ۳

مخلص سوارا نامه سرفراز کرد و آنهمه سربزرگی و کوچک دلی شرمسارم ساخت۔ بے سبب چه پالغز و کدام دستیاری و کورهنمائی۔ اگر خطائے بود در نگرش بود، نه در گزارش۔ بے آنکه سخن گفتمے، هر گاه مسوده از نظر گذشتے، تیرگیٔ آن سوادروشن گشتے بالجمله امرے بود که تعلق به نظرثانی داشت و دوباره نگرستنی می خواست و قطع نظر از آنچه من میگویم هنگامه بیش ازین نیست که سیانحیگری کرده ام و وکالتِ میر امداد علی خان بجاں آورده۔ اگر منتے ست بر آن بزرگوار است، نه بر ملازمان۔

گرایشِ اندیشهٔ وفا پیشه به سنجیدنِ زمزمهٔ تقریظ پارهٔ بفرمانِ سهر است و لختے سهوائے دل۔ همانا این آرزو دارم که به پردهٔ این تقریب ستایشے که از دیر باز در خاطر است گزارده آید و چون چنین است، دانم که از سر انجامِ این خدمت باز نمانم۔ امید که چون ملازمان از جهانگیر آباد باز آیند، تحریر بپایان و نامه بعنوان رسیده باشد۔ هر چند میبایست که پیش از آنکه مطاع به جهانگیر آباد خرامد، این کار بپیستگی انجامد و درین دو روزه فرصت نگاشتنِ یك دو ورق اینهمه دشوار نیز نبود، لیکن درین روزها دلے برجائے و زبانے سخن سرائے ندارم۔ عوائق انبوه است و دامنِ اندیشه زیرِ کوه۔ برادرِ بجان برابر سررا علی بخش خان بهادر رنجور از جے پور آمده به کاشانهٔ نامه نگار طرحِ اقامت کرده۔ دیگر در احتثی گفتگوها روئے داده و درباب معاشِ شاملهٔ جاگیر نواب احمد بخش خان مرحوم گونه پیچ و تابے افتاده۔ اوقات به بیمار داری صائع و دل به چارهٔ کالیوه و خامه به معامله نگاری مرهون۔

اجزائے تذکره باز پس میفرستم و سخنے میگویم تا حقِ وفائے یکے از احباب که روانش به

بسو آسوده باد، بگردن نماند۔ مرزا احمد بیگ خان ابن ہادی بیگ خان را بہ کلکتہ دریافتم کہ ریختہ میگفت و نیاز تخلص میکرد و آدابِ سخن پیوندی از مرزا جان تپش فرا گرفتہ بود و این گزیدہ مرد۔ کہ ثناپیش بر شمردم برادرزن مہین برادر نواب احمد بخش مرحوم بود۔لاجرم بہ من در مہر پیشگی دل با زبان یکے داشت و مراسمِ یگانگی بجاسی آورد۔ در فنِ کلام سادہ گوئے بود و بہ کلکتہ جاہ مسدانہ میزیست۔ چار سال است کہ بہ اَسارِ جا خراسیدہ۔ بہ ہنگامیکہ من بہ کلکتہ بودم، چون از من شنود کہ اعظم الدولہ نواب میر محمد خان سرورؔ تخلص تذکرۂ ریختہ گویان انشا میکند، جزوے از نتائجِ طبعِ خود بہ من میدہد تا چون بہ دہلی رسم بہ نامہ گرد آور یعنی نواب میر محمد خانِ سرور بدہم۔ من ہمچنان میکنم و چون اعظم الدولہ بہ دیدنِ من می آید، آن سفینہ پیش میکشم و پیامِ آشنا میگزارم۔ گوئی سرورِؔ مرحوم سخنم فراموش و لب از ذکرِ آن آرزومند خاموش کرد۔ آوخ کہ مرا خود از کلامش بیتے بہ ضمیر نیست، اگر التفاتِ ملازمان اوراقِ اشعارِ مرحومی مرزا احمد بیگ خان کہ از من بہ سرورؔ رسیدہ است، از نوّاب مصطفی خان یا نوّاب احمد خان، گرامی فرزندانِ آن سخن گستر بکف آید و نامِ احمد بیگم خان درین فروہیدہ جریدہ ثابت گردد، منّت برمن خواہد بود، والسلام۔

خط۔ ۴

فرد: مُردم ز فرطِ ذوق و تسلّی نمیشوم
یارب کجا برم لبِ خنجر ستائے را

سحر گاہیکہ دلم از دردِ شنہ چنانکہ سوسنِ سپہرپیشہ از رنجِ ہمسایہ در آزار باشد بیقرار بود و دستم از اشتلمِ بیتابیِ دل رعشہ دار، فرخندہ سروشے از در در آمد و بہ سپردنِ بہار سامان نامہ گل بہ جیب تمنا ریخت، ہر چند نامہ سپار بس امید را کیمیا ودیدۂ جان را توتیا آورد وتارک اقبال را افسر و پیکر آرزو را زیور بخشید، لیکن ازآنجا کہ آن قدسی مفاوضہ از شعر و غزل چون نامہ اعمال زاہد از ذکر می و شاہد سادہ بود، دل سوداردہ بدان نیاسود و خمارم بدان یک دوجرعۂ صہبا نشکست۔ گفتم ہے ہے، نہ مژدۂ دیدارے کہ دل بہ نشاطِ آن توان بستن و نہ کرشمۂ غزلے کہ لب بہ زمزمۂ آن توان کشودن۔ہر چند دراز نفسی خواہش در آغازِ حال بخروشم آوردہ بود و میخواست کہ خواہی نخواہی غبارِ نالہ بہ پردۂ گوشِ الہام نیوش فشاندام

دور اندیشیِ فطرت با خودم در ستیزه افگند و پس ازان که برافتادنِ پرده از روئے کر و آشکارا گشتنِ رازِ نارسائیِ فهم و ناتمامیِ دانشِ من بر همنفسان خطر نشانِ من شد، مرا از آهنگ عربده باز آورد و مُهرِ خموشی بر دہان نہاد و بفتوایِ شیوۂ آزادی ہم بدین مایه شادی که دربے از فراموش گشتگان نیَم و گاه گاه به آمدنِ رسول و رسیدنِ مکتوب ازرم خرسندم کرد، بدنۂ که ستدۂ گفتار را شکر و شکوه که خوانِ دوستی را نمك است پیشکش۔

درنگے که درنگارشِ پاسخ از من بمیان آمد، اگر از ترکِ ادب نیندیشم، میتوانم گفت که مرا بدین جرم نتوان گرفت ۔ ہمان دردِ شانه که ورودِ والا نمیقه بر اثر آن بوده است سخت گرانپائے آمد و کمابیش دو ہفته به رنجِ روز افزون گرفتارم داشت ۔ چون آن روان فرسار خمت به تن ساند و دست از کشا کشِ بندِ گران باز رست، قلم به جنبش و ورق به کشایش آمد و شکر یاد آورد و شکوۂ فرو گذاشت به دلِ ساده و زبان رنگ آمیز گزارده شد۔ امید که ازین بعد زود نه دیر نه انشائے غزل شادم فرمایند و رونکوتاہی نہادن روز فراق اندرین موسم که خسروِ انجم به اسد جائے دارد، بفرستند ۔ دولت و اقبال روز افزون باد۔

خط ۔ ۵

فرد: سیر نجد از تحمّلِ ما بر جفائے خویش
ہان شکوۂ که خاطرِ دلدار نازك است

جنابِ نواب صاحب برانگیختنِ رسمِ نامه و پیام که مرا در گفتار بلرزه می افگند چون به کردار آمد، ہر آئینه پرسیدنی دارد و باز گفتنی میخواہد ۔ اگر بے پروائی ست نمی بایست، و اگر شکیب آزمائی ست نه بدین اندازه روا بود ۔ اگر آنست که از من کسی به التفات نیرزم، ناکستان را پذیرفتن از چیست و اگر این تغافل ہائے بے محابا فراموشیہائے جانگرا از عالمِ مکافات به مثل است، مرا که بیره مندم به گله نواختن و ساز پوزشِ مرا به نوا نیاوردن گناهِ کیست ۔ کدام نامه ازان سوئے رسید و کدام باد ازان سوئے وزید که پاسخِ آن نگذارده آمد و جان به رہگذارِ این فشانده نشد۔

من خود از فراوانیِ اندوه و ملال که درین روزہابه من روئے آورده بدان سان ستوہم و به ہوائے دم نفس زدن و به ادائے خاص سخن گفتن آنچنان برمن گرانست که اگر نگه دیده به

مشاہدۂ نامہ فروغ پدیر گشتے و دن بہ نشاطِ چامہ زمرمہ سنج آمدے تا اندیشہ را از گرداب حون سوئے کشان بدر نیاوردمے و حود را بزور بر سخن سرائی نبستمے' نہ سپاسِ نظارہ افروری منشور توانستمے خواند و نہ ستایشِ دلنوازیِ غزل توانستمے سرود۔

فرد: چو نویسم بہ تو در نامہ کز انبوہیِ غم
نیست ممکن کہ روانی ز عبارت نرود

داستانِ درماندگی حز بہ گفتن راست نیاید و نوشتن آشوبِ این ہنگامہ را برتابد۔ یا رب زود باشد کہ بندِ دوری از ہم گسلد و دل بہ پیوندِ ہمزبانی آرامش پذیرد۔

خط ۔ ۲

فرد: بے تو گر زیستہ ام سختیِ این درد بسنج
بگذر از مرگ کہ وابستہ بہ ہنگامے ہست

آباد بران شیوائیِ شیوۂ کہ تا زبانش بہ دہن حنند، نخست سپاسِ توانائیِ سخن گزارد کہ سرانجامِ ہر گونہ سپاس گزاری در گروِ آنست ۔ کیست کہ این دل کشا پیہ را بہ بلندی نپرستد و برین ایزدی بخشش آفرین نفرستد۔ بنگر کہ این ہوائے شگفت آورِ نیرنگ نمئے راچہ نیروداده اند کہ چون نفرسارِ جنبشے کہ در نہادِ اوست فرزانگان را دل از جائے برانگیزد، ہم زبان را بہ گفتار آرد و ہم خامہ را بہ رفتار، و شگفت تر ان کہ نرم نرم وزیدنِ این باد را آئینے بدان استواری داده و اندازه بدان سازگاری نہاده اند کہ درین دو روشِ بیگانہ کہ مرزبان و خامہ راست اندیشہ را پیوندِ ہنجار از ہم نگسلد و ہمان یک گونہ خواہش ازین ہر دو پرده پدید آید و این خود رخشانیِ رنگے است کہ چون چشم برروئے سخن کشایند ناگاہ بہ نخستین نگاہ این را بنگرند و ہر گاہ ازین پرده بگذرند ، جہانے یابند جہان جہان آرزو را روزِ بازار و گونہ گون آگہی راگرمیِ ہنگامہ ، دلداد گان را بہ رامش رام گردان ۔ ماتم زدگان را بہ مویہ گره کشائے ، چنگ را بہ نوا مایہ سپار و چامہ را بہ دمِ بلند آوارگی بخش ، شگفتگیِ گلہائے بہاری را آوازو شادمانیِ مرغانِ شاخساری را خروش ۔

کوتاہیِ سخن ، گونۂ سخن از دل زاید و دل بہ سخن نگراید ، مگر بہ مہر و فرجام فرہ سندی پیدائیِ مہر پرستش است در خوشنودی و گلہ در شکر آب ۔ چون مرا دوستے است بے

پروا کہ ہیچگہ ہم ار ناز نپرسد و اگر من نیاز نیرم، نیار نار نپرسد ۔ این شیوه را حر فراموشی و بیگانگی چه نام نہم و چگونہ بہ مرگِ سپہر سیاه نپوشم ۔ امرور کہ آرزوئے ہمرہ نی بر دل زور آورد و اندوہِ درونی بہ پارسیِ ناآمیختہ بہ تازی نگاشتہ آمد بہمن روز است از اردی بہشت کہ دریں روزگار باندارۂ رفتار ستارۂ روز بہ زبانِ ترسا بیست و دومِ اپریلش توان گفت تا بینم کہ چہ مانہ از روزگار زندگی سپری شود ، تا چشمِ نگراں بہ دیدنِ نگاریں نامہ فروغ پذیرد ۔ شبہا روشن تر از روز و روزہا خجستہ تراز نو روز باد۔

خط ۔ ۷

جنابِ عالی دوسہ روز است کہ ذوقِ ہمزبانی را جگر تشنۂ نامہ نگری و اندیشہ را بہ کمین بہانہ شماری مینگرم ۔ دست با قلم در آویزش گستاخ و قلم با صفحہ در روانی دل تنگ ۔ شوق از دل چون سائلِ مبرم از کریم وایہ جوئے و دل از شوق چون کریمِ مفلس از سائل شرمسار و شگفتہ تر آنکہ من خود با حواہش در شکر آیم و باسگالش دمساز ۔ چہ کم دریں ستیزہ جانبِ آرزو نتوان گرفت و بہ ہیچ حیلہ براندیشہ فیروزی نتوان یافت ۔ آں از سکسری ہمہ در بندِ سخن گفتن است و این را خود از سنجیدگی در سحر سخن است ۔ سرمایۂ نگارش اگر بیخواست دست بہم ندہد ، پیداست کہ پدید آوردن و گرد کردنِ آن باندارۂ نیرویِ کس نیست۔ کیستم تا بہ آفریدنِ آنچہ نیافریدہ اند ہمت بر گمارم ۔ آنچہ بہ دیدن ارزانی است بیداد تموز ست و گرمیٔ سپہر عیاذاً باللہ اگر فصلے ازان نبشتہ شود ، خامہ چون خسِ کبریت بر افرورد و خود را و نامہ را بہمدگر سوزد ۔ گرفتم تاہنگامیکہ دوسہ سطر نگشتہ باشم نامہ و خامہ را بہ آب دیدہ از سوختن نگہ داشتہ باشم ، دل بہ حالِ نامہ بر میسوزد کہ چون بیچارہ را آتش در نہاد افتد و نفسش بر لب و رفتارش بہ پائے بگدازد، این را چہ چارہ توان کرد و یزدان را چہ جواب توان داد ۔

آنچہ بہ شنیدن از مغانیست آمیزشِ روسیان است با خسرو ایران و گرایشِ این ہر دو گروہ سوئے ہندوستان۔ چون این وایہ گویہ دیوِ افسانہ بیش نیست ، خرد سد آن خوشتر کہ زبان را بدین گفتار

دستوری ندہد و برین آوارہ دل ننہد ۔ہنگامۂ گرم و سردِ روزگاران برطرف و آوازۂ صلح و جنگ شہریاران پیشکش نامہ از جانبِ دوست نرسیدہ کہ سپاس گزار یاد آوری توان بود ۔ عرائے روشناسِ نظر نشدہ کہ آنرا بہ گران ارزی توان ستود۔

پروا کہ ہیچگاہم از نار نپرسد و اگر من نیار نیارم، نیار بار نپرسد - این شیوه را حز فراموشی و بیگانگی چه نام نہم و چگونه به مرگِ مہر سیاه نپوشم - امروز که آرزوئے ہمزبانی بر دل زور آورد و اندوهِ درونی به پارسئ ناآمیخته به تازی نگاشته آمد بهمن روز است از اردی بهشت که دریں روزگار باندازهٔ رفتار ستارهٔ روز به زبانِ ترسا بیست و دوم اپریلش توان گفت با نمم که چه مایه از روزگار زندگی سپری شود، تا چشمِ نگراں به دیدنِ نگارین نامه فروغ پذیرد - شبها روشن تر از روز و روزہا خجسته تراز نو روز باد-

خط - ۷

جناب عالی دوسه روز است که ذوقِ ہمزبانی را جگر تشنهٔ نامه نگاری و اندیشه را به کمین بہانه شماری مینگرم - دست با قلم در آویزش گستاخ و قلم با صفحه در روانی دل تنگ - شوق از دل چون سائلِ مبرم از کریم وایه جوئے و دل از شوق چون کریمِ مفلس از سائل شرمسار و شگفته تر آنکه من خود با خواہش در شکر آیم و باسگالش دمساز - چه کنم دریں ستیزه جانبِ آرزو نتوان گرفت و به ہیچ حیله براندیشه فیروزی نتواں یافت - آں از سکسری ہمه در بندِ سخن گفتن است و این را خود از سنجیدگی در سخن سخن است - سرمایهٔ نگارش اگر بیخواست دست بہم ندہد، پیداست که پدیدآوردن و گرد کردنِ آن باندازهٔ نیروی کس نیست- کستم تا به آفریدنِ آنچه نیافریده اند ہمت بر گمارم - آنچه به دیدن ارزانی است بیداد تموز ست و گرمیٔ مہر عیاذاً بالله اگر فصلے ازاں نبشته شود، خامه چون خسِ کبریت بر افروزد و خود را و نامه را ہمدگر سوزد - گرفتم تاہنگامیکه دوسه سطر نگاشته باشم نامه و خامه را به آبِ دیده از سوختن نگه داشته باشم، دل به حالِ نامه بر میسوزد که چون بیچاره را آتش در نہاد افتد و تفش بر لب و رفتارش به پائے بگدازد، این را چه چاره توان کرد و یزدان را چه جواب توان داد-

آنچه به شنیدن ارزانیست آمیزشِ روسیان است با خسرو ایران و گرایشِ این ہر دو گروه سوئے ہندوستان- چون این وایه گویه دیوِ افسانه بیش نیست، خرد مند آن خوشتر که زبان را بدین گفتار

دستوری ندہد و برین آوازه دل ننهد -ہنگامهٔ گرم و سردِ روزگاران برطرف و آوازهٔ صلح و جنگ شہریاران پیشکش نامه از جانبِ دوست نرسیده که سپاس گزار یاد آوری توان بود- عرضے روشناسِ نظر نشده که آنرا به گران ارزی توان ستود-

نہالِ انبہ را روزگارِ ثمر افشانی سپری نگشتہ کہ بہ شکوہ سرے داشتہ باشم - مرا خود غزلے بخاطر نگذشتہ کہ بہ نگاشتنِ آں جگر برہگذار نگہ باشم - گفتگوئے سہر ووف را زبان نامحرم است و داستانِ اشتیاق را بیان نارسا - لاجرم لب ازین ہر دو زمزمہ خاموش است و گہ فروش پیش ازین کہ یاد آوردہ شود فراموش-

خط - ۸

ولی نعمتِ طوطیانِ شکر خا سلامت ، ہنوز گل افشانیِ گلبنِ التفات شش جہت را بہ غالیہ بیزی بوئے گل فراگرفتہ بود ، یعنی نشاطِ ورودِ بہاریں صحیفہ از دل بدر نرفتہ بود کہ نخلِ برومندِ تفقد افشاندنِ بار آغاز کرد و رسیدنِ ہشت سبد انبہ درِ روضہ ہائے فردوس بروئے آرزو باز کرد- زہے انبہ ہائے پاکیزۂ شیریں از بروں سو بہ شیر شستہ و از دروں سو بہ شکر انباشتہ ، بہ تازگی آب از چشمۂ خضر و باد از دمِ مسیح خوردہ و بہ شیرینی گوئے از شکر و دل از خرد بردہ - بہ پاکیزگی گوہرِ آبروئے خانوادۂ ابروہوا و بہ دل آویزی پیکرِ چشم و چراغ دودۂ برگ و نوا- ابرِ نیسان تا ازین گران ارز ثمر دست مزدِ عرق ریزیِ سعی نجست، دفتر از حسابِ زیاں زدگیہایِ روزگارِ گہر سازی نتوانست شست - انگور اگر در ریشگی دانستے کہ آب گشتن و بادۂ ناب گشتن دیگر است و چاشنیِ خدا آفریدِ این شیرۂ پاک دیگر ، ہرگز آب نخوردے و بار نیاوردے تا دریں ساختگی بہ مردم دردِ سر ندادے - نیشکر اگر در آغازِ کار وارسیدے کہ بہ گونہ گون فشار در آمدن و بہ سعیِ دیگراں بہ صورتِ تنگِ شکر برآمدن دیگر است و گوارائیِ ازل آوردِ این میوۂ نغز دیگر ، ہرگز سر از خاک برنکردے و ساندارۂ درازیِ بالائیِ خود بہ خاک فرو رفتے تا دریں نموداری بہ ابلہی انگشت نما نشدے - انچہ خامۂ شکرفشاں بداں رفتہ کہ ازین ثمر ہائے پیشرس یک نیمہ پختہ و نیمۂ دیگر ہنوز خام است ، سبحان اللہ اگر میوۂ طوبی در پختگی بدیں رنگ و در خامی اینچنین غالیہ فام است ، من ضامن کہ بہشتیان بہ بادۂ طہور نگرایند و سبز پوشانِ آن روضہ نتوانند کہ دل از ہیچکس ربایند - گفتم آنچہ بہ پختگی زرد گردیدہ کرشمہ کار سازیِ عنایت است کہ کارِ بینوایاں بہ فردا نگذاشت و آنچہ پیش از رسیدن رسیدہ اشارہ بہ خونگرمیِ ذوق است کہ درنگ در دلجوئی روا نداشت - دل گفت ہمانہ آنچہ بہ پختگی زرد گردد ، نہایتِ شوق است کہ من بداں خرسندم و خرسندیِ من فروان باد و آنچہ پیش از رسیدن رسد ، مژدۂ وصل است کہ من بداں آرزو مندم کہ دوست مرا بر زبان باد-

خط - ۹

رباعی

اے شمع بزمِ ماتمِ قاتل چگونہ ای
غم را نشانِ گرمیِ محفل چگونہ ای
ای گوہرِ دلِ تو بجانے خریدہ دوست
با دوستان چگونہ و بے دل چگونہ ای

بدانچہ دیدہ ام امید گاہِ من و بدانچہ اکنون می شنوم امید گاہ من۔ امید کہ ہمین فرخندہ منش کہ شکیبائیش گویند دل را بہ توانائی ببالاند و از رمیدگی کہ سراب جائے دلدادگی ست بہ آرامیدگی کہ تکیہ گاہِ آزادی ست رساند۔ درفشارِ این اندوہ کہ می بایست دل بہ پرسش از بی ہرسو تراویدے و مرا بہ آہنگِ غم گساری حز درآں انجمن جائے نبودے۔ گرایشِ من بدیدارِ حز بہ یک بار نبودہ است۔ ہمانا ہم از فرو سریِ خود ہراسیدمے و ہم از کوچک دلیِ دوست اندیشہ ناکستمے چہ مرا اروارستگی ہم دل نرم است و ہم زبان درشت و دوست را در دلبستگی ہم خوے نازک بود و ہم بندِ غم گران مباد۔ نگریستن گریستن بار آوردے و آبروئے کرانۂ روی من درمیان انجمن فرو ریختے و اگر دل از جان نہ رفتے، ہر آئینہ زبان بہ پند جنبیدے و آن حسش بہ دلِ دوست گران آمدے۔ لا جرم من کہ بہ خوردنِ غمِ دوست دست از جان شستمے و ہر چہ در دل داشتمے گفتمے، پیشِ خود شرم ساری کشیدمے و دوستان را بیدرد کسے بودمے۔ روز ہا اندرین آویزہ گذشت و شبہا درین سگالش روز گشت تاچاشتگاہے بہ ہمایون کدہ رسیدہ و از آستان نشینان شنیدہ شد کہ بندگان بہ جہانگیر آباد رفتہ و لختے خود را ازان پریشانی گرد گرفتہ اند۔ گفتم یزدان مہربان باد و در را بہ اندیشۂ درست نیرو دہاد۔ بآنکہ این شنودہ ام دل از کشاکش نمی رہد، و ہمچنان در سینہ می تپد۔ آرے از اندازہ شناسی ست کہ سخن را درازی نمی دہم، و بدین آرزو کوتہ میکنم کہ چون پاسخِ نامہ بنو یسند آنگونہ گفتار بہ نگارش اندر آرند کہ ہر چہ در دل است ازان پردہ فرو ریزد، بلکہ پردہ خود ازمیان بر خیزد، تابنگرم کہ شمارا در غمِ من چہ باید کرد و مارا در غمِ شما چگونہ می باید زیست۔ بختِ ساز گار و دلِ دانا و دانشِ سود مند روزی باد۔ نگاشتۂ دوسی روز از ماہِ روزہ۔

خط ۔ ۱۰

فرد: ترسم رہم بہ کعبۂ اسلامیان فتد
گم کردہ ام بہ وادیِ شوقِ تو راہ را

آتشِ حس پوش بلکه چراغِ خاموش که صورتیان اسد اللهِ روسیاهش نامند، ار دوست بدان شادمانست که برگشتن از کعبه اگر تر گشتن بار نیاورده باشد' نویدِ استواریِ پیوندِ یکدلی حواہد بود، و از خویشتن بدان در آزار که چون رنج کعبه روی را در اانتقامِ خستگیِ حویش به شمار آورده است، ہر آئینه سرمایهٔ احر و ثوابی که اندیشهٔ کعبه رو فراہم گاہِ آنست به تاراج رفته باشد - ہر بند سرا دریں افسردگی که رشكِ التفاتِ دوست به دیگران و اندوهِ نیرزیدن حویش بدان منشاء است، سرنامه نگاری نبود، لیکن چون عمریست که بدیں بیتِ ابو الفیضِ فیضیؔ رسرسه سی سنجم و بدیں ہوس نشاط می اندوزم که چون پائے دوست از گردِ راه بآب دیده فرو شویم و حواہم که بذلۂ چند به ہنجارِ چشم روشنی گویم، ہمیں دو مصرع فیضیؔ دو دلِ پروازِ طائرِ آوازِ من باشد۔

فرد: حاجیِ بادیه پیما، زکجا می آئی
خبرے داری اگر از رهِ مقصود بیار

اکنون جنئے آنست که ار شادیِ این بار آمدن که چون اران به برگشتن تعسر رفته، لاحرم فراوانست، ناگاه حان دہم - ناچار دلِ حامه را رشتۂ سازِ آن زمزمه اندیشید و خود را دلستۂ لحن و صوت نپسندید، والسلام -

خط ۔ ۱۱

حواحه' ننوشته حوان، ناگفته دان را ار بندۂ ساده، دل بوفا نهاده، بے میانحبگریِ کلك و زبان صد ہزار آفرین که به نوشتنِ پاسخِ نامۂ نانوشته براتِ شادمانیِ خاطرِ غمناك نوشت - بیزبانی سن و نهفته دانیِ دوست تماشا دارد، ورنه سادگیِ ورق این ہمه رنگ رنگ اندیشیدن نداشت - ہمانا آن نامۂ ساده از سادگی به نامۂ کردار نویسِ یمینِ من مانا، ساده ازان رو بود که چون نگارش به گزارشِ اندوهِ انتظار وفا نتواست کرد، ورقے ساده بآئینه داریِ چشمِ سفید فرستاده و گفتنی را

نا گفته شرح داده آمد، بی حود آنست که آنچه سرا در نوشتنِ راز از رگِ خامه فرو ریخت نامه بر را در سریدنِ راه از روئے نامه فرو ریخت ۔ بارے سخنِ ناگفته بارِ دل است ۔ عذرِ یك گونه بے ادبی به صد رنگ می نواں خواست ۔ آنچه به دل گذرد ، به رباں چون نگویم ۔ ہیہات توجیهِ سادگي ورق از حرف و نقطه به کندنِ دل از حال و خط می نابست کرد ، نه به دوختنِ چشم بر روئے ساده ۔

فرد: گمانِ زیست بود بر منت ز بیدردی
بداست مرگ ، ولے بد تر از گمانِ تو نیست

دانم که این قدر خود به خاطر داشته باشد که نامۂ نانوشته به اراں نامه که نگاشته باشد ، و آئینِ عزل نگاری در آں نگارش فرو گذاشته باشند ۔ نگویم که غرلِ نگفته اند و اگر اں گہر سفته اند ، از من نہفته اند ۔ می گویم و صد ره می توانم گفت که بر من ستم روا داشتند و از آمدنِ خود ننگ شتند۔ من که روائیِ خواہشِ دوست ، اگر ہمه آزارِ من ناشد ، خشنودم دارد ، ہم در آزارِ حویش افزودم و بدین ننوشتن آن دریافتم که دیر می آیند ۔ خدایا چنانکه گمانِ دوست دربارۂ من غلط بود ، گمانِ من نیز دربارۂ دوست غلط باد۔

خط ۔ ۱۲

جاں را ار تں سپاس و خواجه را از بنده نیایش ۔ روزِ آدینه چون شب شد ، نزمِ سحر آراستند ، اراں رو که غزلِ نگفته بودم ، از شرمِ تہی دستی سر در پیش داشتم و رفتن به انجمن مضمونے بود که ہر گز به خاطر نمی گذشت ۔ والا جاه نواب ضیاء الدین خاں سلمه الله تعالی دو فرشته برمن گماشت ، زین العابدین خانِ عارف و غلام حسین حانِ محو، یعنی این ہر دو ابرام پیشه شامگاه به خلوت کدۂ تنہائيِ من آمدند و فیل آوردند و بدانسان که شیررا چوں شکار کنند بر فیل بار کنند مرا به انجمن بردند ۔ دیدارِ مخدومِ معظم و صدرِ اعظم مولوی محمد صدر الدین حاں بہ‌در تلافی رنج راه کرد ۔ بارے صرفۂ رہروان دراں بود که مولانا سحبی قدم رنجه نفرموده بودند۔ غزلِ مولانا صہبائی در رسینِ طرحی دوسه بیتِ دلنشین داشت ۔ بالجمله چو غزل خوانی سرآمد ۔ 'گریبا نم نمی آید' و 'دامانم نمی آید'، در بحرِ ہرجِ مثمنِ سالم طرح کردند ۔ از یراں سده سیررا ریس العابدین خانِ عارف و حواہر سنگھ جوہر در رسینِ طرح دو غزل خوانده نقشِ نغر گونی به کرسی نشاندند ۔ من به غزلے که ہم در آن روز گفته بودم زمزمه سرائے آمدم۔

غزل

صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم
چہرہ آغشتہ بہ خوناب جگر بنمایم

نامہ نگار اسد اللہ ، نگاشتۂ پنجشنبہ، بست و سوم مارچ ، ہنگامِ نمازِ عصر کہ ابر قطرہ فشان بود و ہوا تگرگ بار۔

خط۔ ۱۳

شدم کہ رسیدن نامہ بہ رسیدنِ چامہ آگہم کرد و گرمی ہنگامی افزود۔ دی کہ ناہید روز بود ، شامگاہ بہ بزمِ حضرت آزردہ بار یافتم۔پیش از آن کہ از مدعا سخن رانم اثر رنجوری از ناصیۂ مخدوم آشکار یافتم۔ نزلہ و زکام داشتند۔ ہمانا رندہ داشتن شبہا بدین روز نشندہ بود۔ بالحملہ بہ مشاعرہ نخرا میدند و رہی را دستوری دادد۔ در انجمن ریختہ گویان بسیار گرد آمدہ بودند۔ غزلہائے دراز خواندند۔ تابہ کاشانہ آیم و پہلو بہ بستر نہم نیمۂ از شب گذشتہ بود ، بالجملہ در نوردِ غزل خوانی چون نوبت بہ من رسید ، نخست 'ملک نخواست' و 'فلک نخواست' سرودم ، آنگاہ غزلِ طرحی خواندم۔

غزل

چہ عیش از وعدہ چون باور ز عنوانم نمی آید
بنوعے گفت می آیم کہ می دانم نمی آید

نہان نمند کہ اقبال نشان محمد ضیاء الدین خان بہادر مصرع عرفی صد سال می توان بہ تمنا گریستن'طرح فرمودہ اند۔ دریں رسیں صالت آملی قصیدۂ دارد و عرفی شیرازی دو غزل تا غالب بینوا را بہ کدام رمزمہ در خروش آرند، والسلام والا کرام۔

خط۔ ۱۴

امید گاہ ، دی آدینہ روز بود و بویدِ بزمِ سخن سامعہ افروز۔ شامگاہ ہمان دو فرخ سروش از در در آمدند و مرا بہ انجمن بردند و میر نظام الدین ممنون و مولوی امام بخش صہبائی چون

رنجور بودند نیمدند۔ کس به حضرت آزرده فرستاده شد ۔ اگرچه دیر آمدند ، امام آمدند ، ودلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند ۔ بنده را در زمینِ 'گریستن ' نگارشِ قصیده افتاده بود ۔ آن می سنجیدم کـه ایں ورق را چون براتِ نا مقبول بار برم و ریحته گویا ن را دردِ سر ندہم ۔ از آمدنِ حضرت آزرده دل به خود بالیـد و زبان به زمزمه دستوری یافت ۔ سحابی نیز با خوانده حاضر بود و در زمینِ ' گریستن ' غزلے انشا کرده۔ چون قصیدهٔ مرا شنود خجل شد و از گفتهٔ خود سخنے خوانده در گذشت۔ امروز در بندِ آن بودم که قصیده برورقے نویسم ، و به پرستارانِ درِ دولت کده فرستم۔ تا نیمروز فرصتِ نگارش دست بہم نداد ۔ ہنگامِ نمازِ پیشین بود که سحابیؔ و فتاحؔ بہم آمدند ۔ آنرا گریه در آستین و ایں را گلدسته در دست ۔ برید فرخنده نامه به من سپرد و رفت و ابر باریدن آغاز کرد۔ ابرقطره میر یخت و من از روئے نامه گہر می چیدم ۔ تا این که کعبه ام از آب و دامنم از گوہرِ نـایاب پرشد ۔ زہے غزل و خوشا غزل ۔ پایهٔ این زمین را به آسمان برده اند ، و سخن را به نوازشِ زمینیان از آسمان فرود آورده ۔ سخن سرودن حقِ شماست ۔ اگر آبروئے ستودن داشته باشیم ، بر خود ناز میتوانیم کرد۔ زیاده زیاده۔

(۱۵)

رشکِ طالبؔ و فخرِ غالبؔ سلامت ،

قصیدهٔ ' گریستن ' باآنکه از دلم به زبان رسیده و از زبانم بدر تراویده ، و ہمچنان در دل جـادارد ، به مشاہدهٔ غزلے که امروز به من رسید ، ہم از دل رفت و ہم از نظر افتاد۔زہے غزل و خوشا غزل ۔ اگرچه نارسا بیان و کج مج زبانم ، امّا اگر ہر بیت را جداگانه به یك قصیده ستایم میتوانم ۔ آه ازین مقطع و داد ازین مقطع ۔ زبانِ ستایشِ این مقطع کراست ۔ با آن که در سخن ہوا خواه و آفرین گوئے شماستم ، مرا برشما به رشك آورد ۔ خاودار مانید که پیکرِ سخن را جانید ۔ درین مشاعره که گذشت خاكِ زمین گیرِ من غبارِ چشمِ ریخته گویان نگشت ۔ غزلِ خود یك ہفته پیش از روزِ غزل خوانی گفته به خدمتِ حضرتِ آزرده دام بقاء ہٗ فرستاده ام و سرِ آن داشتم که چون به نامه کامیاب گردم ، و آن را پاسخ نگار شوم در نگارش ہمان غزل سرمایهٔ من باشد ۔ امروز که والا نامه رسید و ہمین دم به پاسخ نگاری نشستم ، و تا ورق به پایان نرسید نان نخورد م ۔

فرد: دیدم آن ہنگامہ بیجا خوفِ محشر داشتم
خود ہمان شور است کاندر زیست در سر داشتم

والسلام۔

خط ۔ ۱۶

ہان خواجۂ بے پروا　　من بنده که غمت کم
ور غصه جگر چاکم　　خواہم سخنے گفتن

*

آن روز که سیر فتند　　آن نامه فرستادند
کز دیدنِ آن خون شد　　دل تا جگر از انده

*

گفتم چه کنم غالبؔ　　چون کار دگر گون شد
می بایدم اینک رفت　　تا عذرِ سخن خواہم

*

چون گرد و غبارے بود　　رفتن نتوانستم
آن روز به شام آمد　　لا بلکه سیه تر شد

*

سر بسته به بلیں بر　　چون غمزدگان خفتم
ہے ہے چه تواند خفت　　آن خسته که غمخوارش
سر رحم نمك پے شد　　ور دیدۂ بیدارش
شورابه روان باشد

*

چون از افقِ شرقی
خورشیدِ درخشنده　　ناگاه سرے بر زد
آتش به جہان در زد　　مرغِ سحری پر زد
رفتم به جگر کاوی　　وآن رازِ نہانی را
از دل به زبان دادم
در خلوتِ تنہائی

بے پرده چو همرازان — نے آمد و ہمدم شد
چندانکه دم اندر نے — از مهر دمیدم من
چون من به نوا آمد — وان ناله که برلب بود
از باطنِ نے سرزد
آن دم که نفس بانے
زین گونه کشاکش کرد — یك کاغذِ ننوشته
بودست بدستم در
چون ناله نمودے داشت
برصفحه نشانها ماند — زان شعله که دودے داشت
عمنامهٔ رازستے
گفتم مگر این صفحه
باید که فروپیچم — فهرستِ نیازستے
زی خواجه روان سازم — وانگه به نشان مندی
کوتاه کنم گفتن
آن نامه که من گفتم — خُسجَّابِ درِ والا
بردند و روان کردند
هرچند در اندیشه — پیدا ست که خوش باشد
باخواجگی استغنا — با این همه خوش نبود
پوزش نه پذیرفتن
دیروز سحرگاهان — روشن گهر آن نیّر
کش روح وروان دانم — بل خوشتر ازان دانم
دیوانِ نظامی را — آورد به سوئے من
زینگونه نواها بود — در پردهٔ گفتارش
کز ذوق به هنجارش — این زمزمه سر کردم
والا گهر اکبر خان — خوانند سلام از من

خط ـ ۱۷

فرد: بودش از شکوہ خَطر، ورنہ سرے داشت بہ من
بہ مزارم اگر از مہر بیاید، چہ عجب

بسکہ ہنگامِ نگارش از دیدہ اشك فرو ریخت، ونامہ نم برداشت، ہم سواد ناحوانا ماند، و ہم نوردِ صحیفہ دشوار کشائے ـ لاجرم اینچنین مکتوب را پاسخ اگر دیر رسد دور نیست ـ اللّٰہ اللّٰہ چہ مایہ از یارانِ وطن رمیدہ اند، تا از دہلی بہ جہانگیر آباد و از آنجا بہ لکھنؤ رسیدہ اند ـ یا رب مشاہدہٴ یارانِ پری دیدار و مشاعرهٔ شاعران جادو گفتارِ تلافیِ رنج راہ کناد و اگر حز اینہا حواہشے داشتہ باشد، نیر روائی پذیر باد۔ سر آمدنِ روزگارِ بار نامۂ مشفقی غلام علی خان آزردہ کرد و پدیدار نمودنِ سرِ آن رشتہ برمن، تا بدانم کہ فرجامِ کار چیست، آزردہ ترم دارد ـ درین روزگار کہ سخن را برمن و مرا بر سخن بہ زنجیر نتوان بست، بہ دلے کہ دانی نداشتم و بزبانے کہ گوئی گفتار نداشت، دو رباعی گفتہ ام ـ بہ چشم داشتِ آنکہ پسندند ہم درین ورق می نویسم۔

رباعیات:

کس را نبود رخے بدینسان کہ تراست
پاکیزہ تنے بہ خوبیِ جان کہ تراست
گفتی کہ ز ہیچ فتنہ پروا نکنم
آہ از غمِ چشمِ بدِ خوبان کہ تراست

***

اے دوست بسوئے این فروماندہ بیا
از کوچۂ غیر راہ گرداندہ بیا
گفتی کہ مرا مخوان کہ من مرگِ توام
بسر گفتۂ خویش باش و ناخواندہ بیا

والسلام مع الاکرام۔

خط بنام میر اعظم علی مدرسِ مدرسۂ اکبر آباد

خط ۔ ۱

امروز شرارۂ بہ داغم زدہ اند
نشتر بہ رگِ صبر و فراغم ردہ اند
از کثرتِ شور عطسہ مغزم ریش است
تا عطرِ چہ فتنہ بہ دماغم زدہ اند!

جنبشِ خامۂ عیسوی ہنگامۂ مطاعِ مکرم مخدومِ اعظم را نازم کہ بہ احیائے ہوسہائے مردہ ساحتِ حاطر را عرصۂ محشر ساحت و بازارِ رستحیز گرم کرد ۔ حار حارِ دیرین آرروہا سر از دل بدر آورد ۔ بیاد آمد کہ پیش ازین مرا ہم در گیتی وطنے و از مہربانان پُرسشِ انجمنے بودہ است ۔ چون نشترِ پرسش بہ مغزِ اندیشہ فرو بردہ اند، خون چکانیِ نواہا تماشا کردنی است ۔ درازیِ زمانِ فراق کہ بہ گمانِ مخدوم شانزدہ سال است و بدانستِ نامہ نگار کم از ست سال نیست ۔ سر تیز کزلکے بودہ است کہ نقشِ آسایش از صفحۂ خاطر بداں ستردہ اند ۔ آعازِ ورود بہ دہلی کہ دردِ بادۂ غفلتے بہ قدح داشتم ، لختے از عمر بہ پیمودنِ جادۂ کام روائیِ ہوس گذشت و بیراہہ خرامیدہ شد تا از سرمستی بگردید و اندران بیخودی پائے مصطبہ پیمای بہ کوے فرو رفت۔لاجرم درہم شکستہ سراپای و گرد اندودہ سر و روی بر خاستم۔ ہنگامۂ دیوانگیِ برادر یك طرف و عوغائے وام حواہان یکسو۔ آشوبے پدید آمد کہ نفس راہِ لب و نگاہ روزنۂ چشم فراموش کرد و گیتی بدین روشنیِ روشنان در نظر تیرہ و تارشد۔

بالسے ار سحن دوحتہ و چشمے از خویش فروبستہ جہان جہان شکستگی و عالم عالم خستگی باخود گرفتم و از بیدادِ روزگار نالان و سینہ بر دمِ تیغ مالان بہ کلکتہ رسیدم ۔ فرماندہان سرـررگی و کوچك دلی کردند و دل را نیرو بخشیدند۔ آنہمہ بخشایش کہ مشاہدہ رفت امیدِ کشایش آورد و دوقِ آوارگی و ہوائے بیابان مرگے کہ مرا از دہلی بدر اوردہ بود بدل نماند و ہوسِ آتش خانہ ہائے یردو میحانہ ہائے شیراز کہ دل را بسویِ خود می کشید و مرا بہ پارس می خواند ، ار ضمیر بدر جست ۔ دو سال دران بقعہ مجاور بودم ۔ چون گورنر جنرل آہنگِ ہندوستان کرد پیشاپیش دویدم و بہ دہلی رسیدم ۔ روزگار برگشت و کارِ ساختہ شدہ صورتِ تباہی گرفت۔

اکنون ششمین سال است که خانمان به باد دادو و دل به مرگِ ناگاه نهاده، بکنجے نشسته ام و درِ آمیزش بروئے بیگانه و آشنا بسته - من اگر باینهمه رنج و اندوه که پارۂ ازان باز گفتم در نگارشِ نامه سپارشِ پیام کاہل قلم و کوتاه دم باشم و بزرگانِ وطن را بیاد نیارم در عالمِ انصاف بزه مند نیستم - امّا گرانمایگانِ جہان مہرو وفا که دراین روزہائے دراز از دور افتادگان نپرسند و ار مرگ و حیاتِ دوستان باز نجویند، اگر گفتگو بمیان آید و سمندِ شکوه عنان برعنان تازد، گوئے دعوی چگونه خواہند برد و قطعِ نظراز حریفِ آب دندان که منم خدائی توانا را چه حواب خواہند داد -

فرد: کس از اہلِ وطن غمخوارِ من نیست
مرا در دہر پنداری وطن نیست

مخدوم می فرمایا که اینك از گورنمنٹ و عدالتِ دیوانی انجمنے در آگره فراہم می آید ، ہمانا راهِ این سگالش سپرده است که مگر غالبؔ داد خواه بدین دادگاه روئے خواہد آورد و کارِ فروستهٔ او را ازینجا کشا یش خواہد بود - حاشا ثم حاشا ، این جمیعت جز بر پریشاني من نفزاید و مرا بدین ہنگامه کار نباشد - چه عدالتِ دیوانی بابِ تظلّمے که مراست نیست و سرِمحکمۂ گورنمنٹ ہمان خودرائے دردمند کُش است که فگارِ دشنۂ بیدادِاویم،

ع: روزم سیاه کردۂ چشمِ سیاهِ اوست

یا رب بروز من نشیناد و آنچه من ازوے دیده ام او خود از روزگار نبیناد - سخن کوته ، دل جزبامیدِ مرگ نشکیبد و از دہر نکوئی در حقِ خود گمان ندارد - این است پارۂ از دردِ دلِ هزار پارۂ غالبؔ بیچاره- دیدارِ فرحت بارِ سعادت مندِ ازلی مخدوم زاده میر وزیر علی دیده و دل را روشن کرد- زمانِ کودکي ایشان یاد کردم و پیریِ ایشان از درگاهِ ایزدی بدعا خواستم - امید که به والا پایه ہا رسند و جامعِ گفتار و کردار گردند-

والسلام بالوف الاحترام

به مولوی کرم حسین خان سفیرِ شاہِ اود

خط ۔ ا

قبلۂ حاجات ، نویدِ قبول که برادر صاحبِ مشفق فخر الدوله نواب امین الدین احمد حان بهادر فرستاده ولولۂ گزارشِ سپاس در ضمیر افگند و صلائے سرِ مائده کرم حوصلۂ آزِ گدا را فراخی بخشید ۔ لاجرم در طلبِ تفقد ابرام می رود و بدر یوزه گری نام بفضولی بر آورده می شود۔ قبله و کعبۂ مرا خاطر نشان باد که آنچه من در صلۂ نگارشِ ایں قطعه دست مزدِ حویش می سنجم روشناسیِ حسرو است و تشریفِ قبولی و نویدِ التفات و عطیۂ فتوح ، امام کشائشِ طلسمِ این مدعا در گروِ آنست که پایه و مقامِ ستایش گر بحضرتِ ممدوح برشمرده شود تا باندازۂ ارزشِ وے عطا تواند کرد۔ ورنه پیداست که جائزۂ با د خوانان تاچه قدر است و آبروئے مدح گستران تا کجا۔ اندیشه فتویٰ می دہد و حرد باورمی کند که پیدائیِ این مراتب باندازۂ گفتارِ سحان علی خان صاحب باشد ، چه ایشان آبروئے خاکساری ہائے سائل در نظر ندارند و حز شاعرِ صله جوئے نشمارند۔ اگر محدومِ مرا سرِ بیکس نوازیست، قطعه را در نوردِ عرضداشتِ شاہی فرو پیچند و آنچه به حالِ نامه نگار در خورِ دانند کما بیش رقم فرمایند تاہم به نظرِ سلطان گرامی گردیده باشم و ہم به برگ و نوا رسیده ۔ انصاف بالای طاعت است ۔ اگر چه پایۂ فرماندہِ اود بالا تر از آنست که چون منے لب به ستایش تواند کشود و لیکن من ہم درین شیوه که عبارت از ثناخوانی و سخن فروشی است ننگِ دودمانِ خویشم و از خجلتِ نا کسی سردرپیش، چنانکه عرفی فرماید،

فرد: ز دودمانِ اصیلم ہمین دہم بس یاد
که شرمِ این سخنم خوی ز چهره بیرون داد

بالحمله سپاس از بخت دارم که مرجعِ من صاحبِ خُلقِ عظیم و مرا اندرین آرزو کار با کریم است ۔ مولوی کرم حسین خان بہادر با اسد الله جز کرم نکند و از قدردانی و قدر افزائی آنچه باید کرد ہیچ کم نکند۔

مکتوب بنامِ سبحان علی خان

خط ۔ ا

رباعی

اے آنکہ ہما اسیرِ دامت باشد
صافِ مئے خسروی بجامت باشد
تسبیح بہ ہر اسمِ الٰہی کہ بود
آغاز ز ابتدائے نامت باشد

مرا کہ پیكِ خیال در بدر است و سر رشتۂ گفتار گرہ در گرہ ' دلے با ہزار غصہ در ستیز و لبے با ہزار زمزمہ در خروش ، بمقتضائے فطرت پیمانۂ آفرینش را دُرد‌م و باعتبارِ حالت ناصیۂ بینش را داغ ۔ والائیِ ہمتِ خود را سپاسم کہ درین آشفتگی حزبآستانِ سپہر نشانِ قہرمانِ اود سرفرود نیامد و فرّخیِ طالعِ خویشتن را ستایم کہ درین جستجو خاطر جز بالتفاتِ خان رفیع الشان پیوندِ منّت پذیری نگرفت ۔ خارِ این آرزو بدامنِ دل آویختہ و شورِ این تمناً غوغائے رستخیز از نہاد بر انگیختہ کہ این عرضداشت بفروغِ نگاہِ قبولِ آصفِ ثانی مشرقستان گردد و این قصیدہ بہ بزمِ مینو مثالِ سلیمانی خواندہ شود ، تا مرا کہ سخن پیوندِ ستایش نگارم بہ جائزہ حسروی رخِ امتیاز افروزش پدیرد و آنگاہ صلۂ بدان گرانمایگی کہ ہم بدہرم بلند نامی دہد و ہم در نظرِ خویشم گرامی کند۔ خرد می سگالد کہ این آرزوہائے دشوار و این حواہشہائے ناروا را چہ مایہ دورباشِ یأس در برابراست ۔ اما ہم درین سگالش دل بدین اندیشہ نیرو می پدیرد کہ خانِ ارسطو تدبیر را برگِ چارہ فراوان است و شاہ و وزیر را دستِ بخشش دراز ۔ آرے پر توِ مہر ار چارمین سپہر روئے درہ ہائے رمین بہ عارہ افروزد وقطرۂ باران ازاوج ہوا بہ مغز ریشۂ نہالہائے خاك نشین فرورود۔ دانم کہ اندرین تگ و دو بہ رہرِ و تشنہ لبِ خفتہ خردے مانم کہ پرویر نے نگوشۂ چادرے نندد و آنرا بہ چاہ فروہلد و خواہد کہ آب از چہ بہ غربال کشد۔ ہر چند نظار گیانِ بے پرواہ را بمشاہدۂ ایں روش لب از خندہ فراہم نیاید و ار دردِ دلِ آن تفتہ جگر حسابے برنگیر ند ، اسافتوت منشان کہ غمگساری و اندوہ ربائی شیوۂ ایشان است بخشایش آورندوہ ربائی شیوۂ ایشاں است بخشایش آورند و بہ دلو و رسنش دریابند۔ و انمو دنِ این مثال کہ آئینۂ صورت نمائے حال است پردہ کشائیِ

اسرارِ مدعا را کفایت کناد و لب تشنۂ سادہ لوح از خان صاحبِ والا مناقب حزنہ ترحمّ و تفقّد سزا وار باد۔

خط ۔ ۲

بامیزد بدین نازش کہ نامہ بسوئے کہ میفرستم و درین میانہ روئے سخنم باکیست ، اگر آن مایہ بر خویشتن بالم کہ بہ زمین و آسمان در نگنجم ، حادارد ، چنانچہ ظہوؔری فرماید ،

فرد: گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرّۂ آفتابِ تابانیم

ہر چند سخن گفتن بہ بزرگان سر بزرگی بار آرد و دل را بانوہیٔ نشاط ببالاید ، زبان با دل ازین شادمانی در تہنیت گفتن است و دل از زبان بدیں سر خوشی بہ سپاس پذیرفتن ، لیکن چون کار ناز کست و سر رشتہ نا پدیدار ، بیان ہم در سر آغاز رنگِ شیوائی یافتہ و ہزاہز در اندیشہ و روارو در ہوش افتادہ تا آوازۂ پیدائی ۔ گفتار بر چہ آہنگ خیزد و سخن درین کشاکش ار کدام پردہ سر بیرون آرد ۔ نگارین زبانان عنوانِ نامہ را بہ ستایش آرایند ۔ اگر من از شوخی بدیں شیوہ گرایم، حردار شرم لب گزد کہ زنہار اندازۂ کمالِ حضرتِ ممدوح ندانی و بندگانِ محدوم را بسزا ستودن نتوانی ۔ اررشِ آن داعیہ بہ ارسطو زیبا و شایستگیِ این دعوی بہ بو علی سزاوار ۔ سادہ ضمیران نیروئے خامہ بہ حرفِ شوق آزمایند ۔ اگر من از گستاخی بدین روش پیش آیم ، ادب بانگ برمن زند کہ حالا والائیِ تمنائے زمین بوسیدن برنتابی و رخصتِ آزروئے گردِ سر گردیدن نیابی ۔ آن منصبِ خطیر بہ عطارد ارزانی و این پایۂ بلند بہ مشتری مبارک۔

ہار و ہان چون منے را این مایہ آبرو بس باشد و اگر از حق نگذرم ، آزرو نیز برین نفراید کہ بہ پیش گاہِ قبول قلندرانہ سوئے بر کشیدہ گدایانہ شیألِلّٰہ گویان و وایہ حویان پیش دویدہ باشم ۔ ریزش آبروئے سائل کہ از فرطِ لطافت پردۂ ہیچ گوش نحراشد بران سامعہ گرانی نکناد و مشامِ آگھی بوئے کبابے کہ بینوایان را ار جگر خیزد عطسہ ریزِ بخشایش باد ۔

خط - ۳

قبلۂ حاجاتِ سخنوران و کعبۂ آمالِ ثنا گستران سلامت ، دیرست که قصیده و عرضداشت بدان حضرت رسیده و ہم اینقدر شنیده ام ہمین شنیدن نعل در آتشم دارد که آن ابیات نه ہمایون انجمنِ وزیر اعظم خوانده شد - دیگر ندانسته ام که نیر التفات فروغِ نظر تا کجا گسترد و کشایشِ کار آن قصیده ، را ا تا بارگاهِ شہریار بکدام دستور برد - ہر چند نقدم را سیمائے روائی و سخنم را ضائعِ رسائی نیست ، لیکن چنانکه از خانِ والا شان تا وزیرِ آصف نظیر خطوۂ افزون نمود ازانجا تا شاهِ سلیمان بارگاه نیر البته قدمے بیش نباشد- چون به سرگرمیِ گرامی تفقّد این قدر کِ ر ساخته شد، چرا ساخته تر نگردد و گفتار یکه تا دستور رسیده است چرا به پادشاه نرسد - قدردانا ، عیارِ آزادی و سبکروحیِ من ہم ازین نامه میتوان گرفت که چون گفتنی فراوان بود سخن کوته کردم و شعورِ تمنائے صله و آشوبِ تقاضائے جائزه و در خواهِ اجرائے عطائے وزیر توقعِ حصولِ مرحمتِ خسرو ہمه درہم سرشتم و رنگہا باہم امیخته شگرف نقشے به رہگذارِ نظره بستم تا چون فرزانه داور و دانش پیشه مربیِ دیده ور بدین ورق نگرد ، دریابد که رہی را چہا در دلست۔

فرد: فصلے از بابِ شکستِ رنگ انشا کرده ام
میتوان رازِ درونم خواند از سیمائے من

خط به شیخ امام بخش ناسخ

خط - ۱

مکرما مطاعا، از نیاز و تسلیم آنچه بتقدیم می رسد ہمان قدر است که نامه و خامه آنرا برتابد و از شوق و آرزو ہرچه گزارش می پذیرد، خود آنمایه تواند بود که در کلک و ورق گنجد۔ بتاریخ دومِ اگست منتخبِ دیوان ریخته در موسین جامه پیچیده سبیلِ ڈاکِ انگریزی بوالاخدمتِ رفعت درجت فرستاده شد و تا امروز که بست و ششمِ جمادی الاول و ندانم چندم ماهِ انگریزیست بالجمله این قدر بخاطر دارم که دو ماه است نویدِ رسیدنِ آن نرسیده۔ بارہا ہوائے این جنون بسر پیچید که ہنگامه بر انگیزم و با کار پردازانِ ڈاک آویزم ۔ این اندیشه عنانِ خواہش گرفت که این گروه کفیلِ رساندن کاغذ و کتاب است نه وکیلِ حصولِ پاسخ و جواب ۔ اگر کوته قلمی از جنابِ مخدوم است اہلِ ڈاک را چه گناه و آویزش را چه اثر ۔ خدارا به منتظران پرداختن است و بنامه آوردن و نویدِ وصول و بشارتِ قبول فرستادن، والسلام والاکرام۔

خط - ۲

قبله و کعبه ، درین ہنگام که فروماندگی از اندازه گزشته و دل به افسردگی خوے گرفته است ندانم چه سینگارم و چه می نگرم که درین نگرستن نگه از ناز بدیده در نمیگنجد و درین نگارش خامه از شادی در بنان میرقصد ۔ بخت را به رسائی ستایم و پندارم که به طورِ معنی رسیده ام۔ خود را به گرانمایگی آفرین گویم و انگارم که موسیٰ را بایدِ بیضا دیده ام۔ اگر مخدومِ مرابگرفتنِ عیارِ این دعوی حیرتے روبدہد و اینما به بالاحوانی و خود نمائی از من عجب آید، گویم ہں آن انصاف ۔ سخن بکنایه میرانم نه بگزاف ۔ موسیٰ اشاره به سیدّی مکرّمی میر موسی خان است و یدِ بیضا عبارت از دیوانِ فروغانی عنوان ۔ زہے دیوان که مدادش از دودۂ چراغِ طورست و غلافش از دیبایِ حلۂ حور۔ قلزمِ معنی را سفینه است و جواہرِ مضمون را گنجینه۔ چون نکوئی خواہِ نامه گرد آور و ہوادارِ نگارندۂ این پیکرم ، شادم که این نامه دومین نقش است ازان خامه۔ اگر آن نخستین نامه دل پذیر نبودے ، مراین را بگیتی نظیر نبودے ۔ آرے ہر متاعے را که به کیائی نام برآید گزندِ چشم رخمش از ہمه بیشتر آید ۔ سبحان اللّٰه سخن به روزگارِ مخدوم بپایۂ بلند رسید و اردو را رونقِ دیگر پدید آمد۔

این که نا رسیدنِ نامۂ من بخاطرِ عاطر جائے گرفت و شکوۂ آن بزبانِ قلم رفت مرا آبرو افزود و ارزشِ مرا در نظرم جلوہ گر ساخت - خوشاسن که در آن به چشم و دلم جائے باشد و چون نامۂ من نرسد به آرزو ارزد - گردِ سرِ این نوازش گردم و بر این پرستش جان بر افشانم - خاطر نشان باد که ہجوم غمہائے دہر آسیمه سرم دارد ، ورنه دل را از یاد فراموشی و لب را از سپاس خاموشی نیست - با اینہمه در عرضِ این مدت دوباره ناصیۂ قلم را سجده ریز کرده ام ، لیکن چون در آن ہر دوباره نامه در ڈاکِ ہندوستانی فرستادستم و این سر رشته را آن مایه استواری نیست که دل بدان توان بست، لاجرم در رسیدن و نا رسیدنِ آن عرایض دو دل بودم - اکنون که کاریکروے شد و پرده از پیشِ نظر برخاست و بنا رسیدن و ارسیده آمد ، عہده کردم که ازین بعد نامه جز در ڈاک انگریزی نفرستم و درین نوبت خود این عریضه را به آورندۂ دیوان یعنی حضرت میر موسی جان سپرده ام ، تا اگر نرسد مرا در گیرو دارِ شکوه گریز گاہے و برد عوئے خویش گواہے بوده باشد - غزلیکه درین روزہا بتازگی در روشِ تازه گفته ام بعدِ عذر خواہیِ تقصیرِ کوته قلمی بر حاشیۂ مکتوب می نگارم و چشمِ آن دارم که داغِ محرومیِ قبول نبیند و از دیده به دل جا گزینند۔

غزل

رفتم که کہنگی ز تماشا بر افگنم
در بزمِ رنگ و بو نمطے دیگر افگنم

در وجدِ اہلِ صومعه ذوقِ نظاره نیست
ناہید را به زمزمه از منظر افگنم

معشوقه را ز ناله بد انسان کنم حزین
کز لاغری ز ساعدِ او زیور افگنم

ہنگامه راجحیمِ جنون برجگر زنم
اندیشه را ہوائے فسون در سر افگنم

نخلم که ہم بجائے رطب طوطی آورم
ابرم که ہم بروئے زمین گوہر افگنم

بـا دیـریـان ز شـکـوهٔ بیدادِ اہـلِ دین
سهمرے ز خـویشتـن بـه دلِ کـافر افگـنم

ضـعـفـم بـه کـعبـه مـرتبهٔ قربِ خـاص داد
سـجّـاده گستـری تـو و مـن بستر افگـنم

تـا بـاده تـلـخ تـر شـود و سینـه ریـش تـر
بـگـدازم آبـگـیـنـه و در سـاغـر افگـنم

راہے ز کُـنـجِ دیـر بـه مینو کشوده ام
از خُـم کـشـم پیـالـه و در کـوثر افگـنم

مـنـصـورِ فـرقـهٔ عـلـیؑ اللـهیـان منم
آوازهٔ انـا اسـد الـلّـه در افـگـنم

ارزنـده گـوہرے چـو مـن اندر زمـانه نیست
خـود را بـخـاکِ رہـگـذرِ حیـدرؓ افگـنم

غـالـبؔ بـه طـرحِ منقبتِ عـاشقـانهٔ
رفتـم کـه کـهنگی ز تـمـاشا بـر افگـنم

خط ـ ۳

حضرت سلامت ، قدسی صحیفهٔ تفقّد رقم به جنبشِ نسیمِ ورود' بوئے یکدلی و ہمدردی به مشامِ آگہی زد۔ چار ماه است که نامه نگار به کنجے نشسته درِ آمد شد به روئے خویش و بیگانه بسته است ـ اگرچه به زندان اندر نیم، اما خورد و خفتِ من به زندانیان مانَد۔ آنچه درین چند روز از رنج و آشوب دیده ام ، کافر باشم ، اگر ہیچ کافر بصد ساله عقوبتِ جهنم یك نیمه ازان تواند دید، چنانچه عرفی فرماید،

میخواہم کہ ایں خیرہ سرِبے آزرم زود تر بہ بادافراہ گرفتار و از سرفرازی بہ پایۂ دار آید و دانم کہ ہمتّم ظفریاب و دعایم مستجاب است - دی کہ دو شنبہ ہفدہمِ صفر بود حا کمے از حکّامِ ستۂ مقامِ الہ آباد بدین دیار رسیدہ - ہمانا از جانبِ نواب گورنر جنرل بہادر بدان مأمور است کہ خلاصۂ تحقیقاتِ حکامِ دہلی را بہ امعانِ نظر بنگرد و بعدِ ثبوتِ جرم تعزیر پایہ بہ پایہ قرار دادہ کار را یکسو کند و پیداست کہ کران پذیرفتنِ این ہنگامہ را افزون تر ازیك ماہ نکشد - این بود خلاصۂ جوابے کہ تعلق بسوالِ ملازمان داشت - آنچہ در باب پاسخِ مکتوب من بہ زبان گوہر فشانِ سبحان علی خان رقم پذیرفتہ است ، نہ چنانست بلکہ حق آنست کہ خان والا شأن بہ گمنامان نپرداخت و التفات بہ خاکساران ننگِ پایۂ خود شناخت ، ورنہ بشرطِ تامّل پنہان نمی تواند ماند کہ مقصودِ من ہمہ آن بود کہ قطعہ بہ نظرِ بندگانِ خسروِ سپہر آستان گذرد و لختے از خاکساری و بے اعتباریِ من گفتہ شود و اینہا خود اینقدر دشوار نبود - سبحان الله و الحمد الله،

فرد: حریفِ منّتِ احباب نیستم غالبؔ
خوشم کہ کارِ من از سعیِ چارہ گر گذرد

کاتبے کہ از بہارِ عجم نسخہ ہا میگیرد و بہ زر میفروشد در نظر نیست و نہ از ہیچکس شنودہ ام کہ دردہلی اینچنین کسے ہست - آرے شہر معمور است - یك دو نسخہ از بہار عجم اگر یافتہ شود ، شگفت نیست - بہ اربابِ این فن میگویم تا نسخۂ کہ صحیح و خوش خط باشد بجویند و بیارند- ہمینکہ دست بہم میدہد فرستادہ میشود ، والسلام-

خط - ۴

قبلۂ حاجات ، درنگے کہ در نگارشِ ضراعت نامہ روے دادہ بر افسردگیِ شوق محمول نشود - چہ کنم ، ہمت بہ کارے شگرف آویختہ بود و نظر منظرے بلند را دیدبانی ہمیکرد ، تاآنکہ ہنگام سر آمد و ہر کردار کیفرے کہ بایست یافت - مرزبانِ میوات مانندِ کریم خان سرہنگ خویش بہ حلق آویختہ شد و بر اثرش بہ عدم آباد رفت-

ع: ہر کسے آن درود ، عاقبتِ کار کہ کشت

تفقّد نامہ در ڈاكِ انگریزی رسید و مرا بہ شگفت زار افگند، چہ مخدوم میفرماید غالب رو سیاہ خود را فرا یاد خدّام ندادہ - حاشا کہ چنین نیست - باہمۂ کشا کشِ خاطر و توزعِ ضمیر و

تفرقۂ اوقات نامہ ہا ارسال یافتہ - غایتِ ما فی الباب این کہ فرستادنِ نامہ چندانکہ زود زود نبود ہم در ڈاکِ ہندوستانی واقع شدہ - امید کہ زین پس بزہ مند ناشم و رفتہ را در آیندہ تلافی کنم - باقی ماجرائے این دیار آنکہ جاگیر دارِ فیروز پور بہ چاتو کشتہ شد و جاگیرِ وے و ہر چہ بہ جاگیر پیوند داشت ، بہ سرکار ضبط گردید ، اما ہنوز حکمے کہ حاویِ جمیع مراتب و جامع ہمگی قواعد تواند بود ، صدور نیافتہ - ہمانا پس از آنکہ این ماجرا بہ صدرِ کلکتہ خواہد رسید ، فرمانہا اندرین باب امضا پذیر خواہد شد - من کہ از میانۂ آن جاگیر بحکمِ سرکارِ انگریزی زرے می یافتم ، بنگرم ایں فرماندہان با من چہ میکنند- ہنوز از منتظران آثارِ یاوریِ بختم- صاف ترک این کہ آنچہ جاگیردارِ فیروز پور بہ من میداد از مقدارِ بایست کمتر بودہ و بدان قدر از سرکار قانع نیستم - بالجملہ سخنے است پیچ در پیچ و کارے ست گرہ در گرہ - آنچہ بہ پیدائی خواہد رسید گزاردہ و نگاشتہ خواہد شد ، زیادہ زیادہ-

خط - ۵

۱

متفرقاتِ غالب

سبحان اللّٰہ!

متاعِ مرا بایں ہمہ ناروائی خریداری و مرا بایں ہمہ ناکسی غم خواری ہست - چہ کنم ' تا سپاس عنایت ناگزاردہ نماند ! ہما ناہم در ایں سگالش بے خواست بر زبان برآید کہ "جان فدایش بادا" غیرت در چشمک زنی و ہمت در جان گدازی ' چہ جانی کہ جوان مردان از دشمن دریغ نہ دارند' اگر بپاے دوستی فشاندہ باشم ' پیداست کہ چہ مایہ حقّ وفا بہ تقدیم رساندہ باشم -

قبلہ و قبلہ گاہِ غالبِ دردمند سلامت'

مشکین رقم صحیفہ مشام آرزو راغالیہ سا و چہرۂ آبرو را پردہ کشا آمد- خامۂ مخدوم بہ گلبانگِ التفات پردۂ چند از پرسشِ روداد' سخن را درد و مقام نشست ہمدمی بخشید - نخست در معرض استفسار کمیت زرڈگری و آں گاہ بزہ نمونۂ سفر دکن - نہفتہ مباد آن چہ کہ در عبودیت نامۂ پیشین از ایں عالم گفتہ شدہ بود' سیرابی بیان داشت ' ورنہ مرا کہ با کشاکش

تقاضا حو کرده، سدتّی درار در سخمصۂ قرص بسر برده ام، ازیں ہنگامہ بردل بندی و گزندی نیست۔ و خود ایں سایہ زر کہ ار سن بدارانقصا حواستہ سی شود، بداں نمی ارزد کہ حاطرم را پراگندگی دہد، چہ ار پنج ہزار فزون تر نیست ۔ بہائے زیور و پیرایۂ شبستان بدیں و ما تواند کرد۔ آں چہ کہ مرا سی باید داد، از چہل ہزار افروں تر و از پنحاہ ہزار کمتر است۔ حاشا کہ بدیں وجہ آرزوے اجرا گرد دل گردد، یا خود منسب حالم بودہ باشدا مگر ایں قدر از دست بہم دہد، تا نشینم و مشت مشت بر مدعیان افشانم و خود را ازیں بلا کہ دنیاش نامند، برکراں کشیدہ قلندر گردم و گیتی را سراسر گردم ۔ ایں کہ لختے از عمر تلف نمودم و مدح شاہ اودہ سرودم، آرائش بساط ایں تمنا بود و در یوزۂ دست گاہ ایں ہوس ۔چوں کار ساختہ نہ شد و زمزمۂ من بدلہاے سخت شاہاں فرود نیامد، روی گرداندم و برخود دریغ خوردم ۔ اکنوں من کجا و سفرِ دکن کجا! سی سال در رنگ وبودمی و نی بسر رفت ۔ اکنوں دل را بدینہا گرایشی نماندہ و داعیہ رہائی، از بندِ تن پدید آمدہ ۔ ہمہ آں می خواہم کہ یك بارہ مرزبوم ایران را بہ پیمایم و آتش کدہ ہاے شیراز را بنگرم۔ و اگر پاے عمر بہ سنگ نیاید، فرجام کار بہ نجف اشرف برسم و مزار آں را کہ از کیش آبایم بدر آورد و بے خود بحود کشید، بنگرم، مستانہ جان دہم و سر بہ بالینِ فنانہم ۔

غالبؔ، روشِ مردمِ آزاد جدا است
رفتارِ اسیرانِ رہ و زاد جداست
ما ترك مراد را ارم می دانیم
واں باغچۂ حبطیٔ شدّاد جداست

انصاف بالائے طاعت است ۔ عزیمت سفرے گسستن بندِ وام امضا پذیر نیست، و چوں ایں بند گسستہ و ایں سنگ از راہ برخاستہ شد، حیف باشد کہ جز راہ نجف پویم و واے بر من اگر جز وی حویم۔ چند و لال زمزمۂ مارا چہ داند و ہنجارِ مارا کہ دریابد ۔ پیرے، حرفے، ہیچ مدانے، کج مج زبانے، آں کہ در پارسی قتیلؔ را باوستادی گیرد، غالبؔ را چہ می کند، و آں کہ در اردو نصیرؔ را ستاید، نا سخؔ را چہ می کند! و خود عمرش از ہشتاد متحاوز است، تا او میرسم، او بہ جہنم میرسد۔

عرضداشت بجوابِ شقّۂ صاحب عالم
میرزا محمد سلیمان شکوہِ بہادر

خط - ۱

به موقفِ عرضِ ایستادگانِ حضورِ فیض گنجورِ حضرتِ صاحب عالم و عالمیان ، شاہزادۂ کیوان ایوان ، شمعِ فروزندۂ دودمانِ گورگانی شایستۂ اورنگِ سلیمانی دام اقباله و زاد جلاله می رساند۔

بال افشانیِ ذرّه به پیشگاهِ مهرِ جهان آرا و سجده ریزیِ قطره به بساطِ دریا ' آئینه زادیٔ این نمایش و پرده کشائی این گرایش است که اگر فیضِ ورودِ ہمایون توقیعِ جهان مطاع جهانیان مطیع، جانها در کالبدِ ہوا خواه ندمیدے سپاس این ہمه ذره نواری و رہی پروری چگونه گزارده شدے ، چه پیداست که ہر قالب را روانے بیش نداده اند و رونمایِ عنوانِ این والا منشور به یك جان سر انجام نتوان کرد - انصاف بالائے طاعت است ، این مبالغه که در افشاندنِ جان بکار رفت نیر خاطر را خرسندی نمی بحشد - چه ، اینهمه جانها دمیده' فیضِ جنبشِ خسروی بوده است -

به سرانجامِ کارے که فرمان رفته است ہم به خاك پائے عرش پیمائے سوگند که اگر دلے برجائے و حاطرے خودگرائے داشتمے ، پاازسر ساختمے و درین وادی به سر تاختمے - خان صاحب مشفق سید قاسم علی خان مشاہده کرده اند که خانه زاد را باغم و اندوه چه مایه آویزش بوده است و خود چه بیشتر ازین خواہد بود که پا در رکابم و فردائے نگارشِ این عرضداشت گام سنجِ بادیۂ آوارگی میشوم و اتفاق چنان افتاده است که مرجع نیز در شہر نیست ، بلکه خود مقامے معین ندارد - ہر روز به جائے و ہر شب به سرائے ست - سید قاسم علی خان با وصفِ منع خانه زاد را ہے دراز بریدند و تا پانی پت رسیده و حاکم را نیافته باز گردیدند- طریقے چند درسگالشِ چاره به حانصاحبِ موصوف نشان داده شد است - اغلب که اگر بدان ہنجار ره سپر خواہند شد، کارہائے خسروانی را به فرجام خواہند رسانید - زیاده حدِ ادب - نیرِّ دولت و اقبالِ خداداد جاودانی فروغ باد۔

رقعه بنامِ حکیم احسن اللّٰه خان

خط ۔ ۱

درد سند نوازا نسیمِ ورودِ مشکین رقم نامه غنچهٔ این راز را پرده کشاے و شمیمِ این نوید را عالیه سائے آمد که روزگار به کزلکِ مَدّطولِ زمانِ فراق ' نقشِ بے اعتبار بہایِ من ار صفحهٔ خاطرِ احباب نسترده و ترکتازِ صرصرِ بیدادِ جدائی خاکسار بہائے مرا از یادِ عزیزان نبرده است۔

در معرضِ طلبِ نثر فرومانده تر از آن میزبانِ بیدستگاہم که ناگرفت مہمانِ عزیزش از راه در رسد و بیچاره بسا به گردِ سراپائے سرمایهٔ خویشتن بگردد تا شوربائے دود پختے و نانِ کشکینے فراز آرد ۔ من و ایمانِ من که به گرد آوردنِ نثرِ پراگنده نپرداخته و خود را درین کشاکش نیند اخته ام، چه پیداست که فرو ریختهٔ کلکِ این کس نقشے ست نژند یا رقمے ست فرہمند ۔ در صورتِ اول چه لازم است حود را به ہیچ فروختن و وبالِ نظارهٔ آیند گان به سلم خریدن و در شقِّ ثانی اندیشه می سنجد که رفتگان چه برده اند و گذشتگان چه یافته که مارا آرزوئے آن وایه بیتاب دارد ۔ انصف بالائے طاعت ست ۔به دعوئ گاہے که توانائی قتیلؔ را به فروہیدگیِ فرہنگ مسلّم داشته و لوائے نورالعینِ واقفؔ به شیوائیِ شیوه بر افراشته باشند، باکه باید گفت که نتائجِ طبعِ ما کجائی ست و مارا چه مایه لذّت درین جگر خائی ست ۔ سطرے چند که به دیباچگیِ دیوانِ ریحته کسوتِ حرف و رقم پوشیده و دودِ سودائے که به آرایشِ سفینهٔ موسوم به گلِ رعنا ار سویدا حوشیده است ارمغان میفرستم و ار شرمِ تنگ مایگی آب می گردم ، والسلام۔

به الف بیگ نام دوستے درباب تسمیۂ پسرش

خط نمبر ا

مہربان روے مہربانی جوے ، سلامت ۔ بار آوردنِ نہالِ امید در پیرانہ سری با خجستگی و فرخندگی قرین باد ۔ آنچہ دربارۂ نام نہادنِ آن نوبیکرِ پریرو 'روی بہ من آوردہ و مرا اندرین کار شایستۂ خطاب اندیشیدہ آمد بے زحمتِ فکر نامے بہ خاطر پر تو انداختہ و قطعۂ در آن خصوص ازدل بہ زبان رسیدہ است ، چنانکہ از زبان بہ قلم سپردہ میشود ۔ یارب این اسمِ لطیف بر مسمی مبارک آید و آن سعادتمند ہم در حیاتِ شما بہ عمرِ شما رسد و پس از شما نیز سالہاي دراز بماند۔

قطعہ

چون اَلف بیگ در کہن سالی
پسرے یافت سر بسر غمزہ
نامِ او ہمزہ بیگ کرد ، بلے
الف منحنی بود ہمزہ

یارانِ انجمن شمارا بسیار یاد مکینند ۔ گاہے سرے بہ این ویرانہ ہم میتوان کشید۔

خط به مولوی نور الحسن

خط ۔ ۱

فرد: جان برسرِ مکتوبِ تو از شوق فشاندن
از عہدۂ تحریرِ جوابم بدر آورد

ندانم عیدِ کدام آرزو و نو روزِ کدامین رنگ و بوست که کلید میکدۂ سخن از سر گرفت و در این شیره خانۂ روحانی را کشایشے تاره در گرفت۔ سر گرمیِ شوقِ تمشا دل را چه قدر از جا برانگیخت که اینهمه افسردگی به دستم ، پیوند آمیزشِ سرو زانو بایدم گسیحت ۔دیده سوادِ نامۂ گرامی نگرد که نگه سید مستانه در سر میغلطد۔ سخن در شرحِ ادائے نگارشِ که میرود که لب از شیرینیِ بیان به یك دیگر می چسپد۔ گرانمایگی ہائے جنابِ مولوی نور الحسن را نازم که نظاره بر اثر حولانِ قلمش در سنبل درودنست و اندیشه به ذوقِ لطافتِ رقمش در باده پالودن۔

اے آنکه منشورِ سعادت از دیوانِ ارل بامِ نامیِ شما و غالبؔ وفا پیشه ہم به دل و ہم به رباں به دعایِ نیکسر انجامیِ شماست، ورودِ خجستگی رقم صحیفۂ شادمانی که نگارش اندازۂ گزارشِ آن بر نتابد ارزانی داشت و نشاط مندی ہائے روزگارِ خاك نشینیِ کلکتہٗ بر دل تاره کرد۔ نیرو بخششیِ نواز شہائے پدرِ بزرگوارِ شما و روزافرونیِ فرزانگیہائے شما و گرم خونیِ دلربائی ہائے حضرتِ مولوی سراج الدین احمد ہنور خاطر نشان است و جاودان دلنشین خواہد بود۔

پدید آمد که خاطرِ عاطر را بحانبِ نثر گرایشے و ہنگامۂ این گفتار را در آنجا آرایشے ہست ۔ بارے ہم دل به پسندیده شغلے نهاده آمد و ہم اندرین فن گزیده روشے پیش گرفته ۔ دم سردیِ شما به دانش آموزی آنچه دیروز به کلکته دیده ام ید میکنم و خون گرمیِ شما در حرد اندوزی آنچه امروز می نگرم خود را بدین شاد میکنم ۔ ہمانا در اندیشه نہالے به رہگذر دارم، بدان زودی که ثمر از شاح افتد نخلے شده ورطب بار آورده که ثمر ازشاح افتد نخلے شده و رطب بار آورده۔ نے نے ہنگامۂ یوسفے در نظر دارم بدان حوبی که دل از فرشته رباید ار بندِ حجاب بدر آمده و ہر ہفت کرده ۔ حواسته آید که مسودۂ نثر در ہر ماه به من فرستید و من آنرا نگرسته و نشستِ ہر کرشمه و انگیر ہر بذله را سایستگی بر آراسته به شما فرستم ۔ صاحبِ من ، مگر ندانسته اید که گفتار حز به گفتار سره نگردد و سخن به سحن شناخته نشود۔ ہر چند ارادتِ شما دریعۂ

سعادتِ من و خرسندیِ شما موجب رضا مندیِ من است ، لیکن تحریر درمیان نگنجد ، و بمیانجی گریِ خامه کار برنیاید ۔ آرے نگارش یکدست است و گفتار لخت لخت ۔ ستردنِ یك لفظ از میانه و آوردنِ لفظِ دیگر بجائے آن بر نشانه۔ دانا شناسد که چه بارِ گفتگو و چه قدر پرس و جو آرد و حقّ این پرسش بتوان گزارد ۔ دیگر درین نزدیکی به ہم زبانیِ یکے از برادران که در برادران از وے عزیز ترے نیست سخنہایِ پراگندۂ مرا که عبارت از نثراست گرد آورده و صورتِ سفینه داده است ۔ زین پس آن مجموعۂ پریشانے را پیشِ شما میفرستم تا دستمایۂ سگالش در سخن و باز نمایندۂ اندازۂ نکوئیِ فن تواند بود ۔ داغم از بے پروائیِ شما که از نشانِ دولت سرائے خود جز احاطۂ خانساماں ہیچ سمتے و جہتے وا ننموده اید ۔ ہر چند آن احاطه در آن دیار بلند آوازگی داشته باشد و بریدانِ ڈاك انگریزی جاده شناسِ آن سر منزل باشند ، لیکن مرا از وسوسه ناکی دل بدین استواری نمی شکیبد۔ ہر آئینه میخواہم که تا پاسخِ این نامه نفرستید و نشانے که عنوانِ مکتوب را برآن نگار توان بست ، برمن نکشائید ، کتاب به شما نفرستم ۔ منّت ایزد را که رسیدنِ نامۂ شما ذریعۂ آن آمد که از نشاطِ سلامتِ ذاتِ قدسی صفاتِ قبله و کعبۂ خود بهره ور شدم ۔ امید که این سجده ہائے نیاز که از فرقِ قلم سیر یزد بطرفِ بساطِ قبول عرض کرده آید و ہم به جنابِ مولوی عبدالقادر صاحب که به بیعتِ غائبانه خدامِ ایشا ن را از ارادتمندانم آدابِ عبودیت گزارده شود۔

باکریم خان صاحب چه گویم که چه باید گفت ۔ شوق را اندازه پدیدار نیست ۔ لاجرم به فرستادنِ حسرت آلوده سلامے قناعت کردم ۔

ہے ہے ، آوازِ آن به پرده وفا دشمن و به جلوه دوستِ صادق گل محمد خانِ ناطق که تا رفت ارمن برید و به نامه یاد نیاورد و پس ار آنکه عمرے به نگرانی آسیمه سرم داشت به سبیلِ اتفاق نه ار روئے اشتیاق سلامے خشك فرستاد و لاجوردی غمزۂ به دلجوئی من گماشت ۔ خواہم که سلامش باشکارا ہمچناں بسويِ وے بگردانند و پنہان از وے فرجامِ ماند و بودِ او را به من رقم فرمایند تا بدانم که چه در سر دارد و روزگارش چگونه میگذرد۔

دلنشینیِ آوازۂ کمالاتِ خدّامِ برجیس مقام حضرت مولانا اکبر علی شیرازی دلم ازدست برده و مہر آن بزرگوار از راهِ گوش به دلم فرود آورده ۔ شوقے را که از گفتار زاید و محبتے که از دیدار خیزد ہرگز برابر نتوان کرد ، چه دیدار پرستان را دیده کامیاب است و دل آرزومند و گفتار

مشتاقان را دیده ودل ہر دو در بند ـ اگر خود را به شایستگیِ ارزشِ التفات مسلّم داشتمے ، نامه ہزار گونه آز و آرزو به سلازسانش نگاشتمے ـ چون مرا سر و برگِ تمنائے قبول نداده اند، لاجَرم صرفه در آنست که آبروئے خاکساری نگاہدارم و گمنامیِ خود را بھرزه رسوا نکم ـ غزلے ار فکرہائے تازه ہم درین ورق مینگارم ، و از شما بدین تفقّد امیدوارم که ویژه از بہرِ این کار بدان والا گہر پیوند یدو غزل را پیشِ بار یافتگانِ بزمِ والایش برخوانید و عرضه دارید که ہندوستانی بدین ہنجار در پارسی زبان سخن میسراید ـ اگر آنچه میگوید در خورِ آفرین است ، دستوریے تا دیگر از کلک و ورق کام ستان و به خیالِ نغز گفتاری شادمان باشد ، ورنه دور باشے تا بعد ازین گردِ این آرزو نگردد و ہرزه خونِ جگر نخورد۔

غزل

بیا که قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا به گردشِ رطلِ گران بگرادانیم

ز چشم و دل به تماشا تمتّع اندوزیم
زجان و تن به مدارا زبان بگردانیم

به گوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم
به کوچه بر سرِ ره پاسبان بگردانیم

اگر ز شحنه بود گیر و دار، نندیشیم
وگر ز شاه رسد ارمغان، بگردانیم

اگر کلیم شود ہمزبان ، سخن نه کنیم
وگر خلیل شود میہمان ، بگردانیم

گل افگنیم و گلابے به ره گذر پاشیم
مے آوریم و قدح درمیان بگرادانیم

ندیم و مطرب و ساقی از انجمن رانیم
به کار و بار زنے کاردان بگردانیم

گہے بہ لابہ سخن با ادا در آمیزیم
گہے بہ بوسہ زبان در دہان بگردانیم

نہیم شرم بہ یکسو و باہم آویزیم
بہ شوخیٔ کہ رخِ اختران بگردانیم

ز جوشِ سینہ سحر را نفس فرو بندیم
بلائے گرمیٔ روز از جہان بگردانیم

بہ وہمِ شب ہمہ را در غلط بیندازیم
ز نیمہ رہ رمہ را باشبان بگردانیم

بہ جنگ باج ستانانِ شاخساری را
تہی سبد ز درِ گلستان بگردانیم

بہ صلح بال فشانانِ صبحگاہی را
ز شاخسار سوئے آشیان بگردانیم

ز حیدریمؑ من و تو زما عجب نبود
گر آفتاب سوئے خاوران بگردانیم

بہ من وصالِ تو باور نمی کند غالبؔ
بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم

بنامِ نامیِ مولوی حافظ محمد فضل حق صاحب

خط ـ ۱

قبلہ و کعبہ ، اگر نہ این بودے کہ لالہ ہیرا لال را ہوائے دیدنِ عتقادر سر و ناگاہ شامگاہے کہ پنجشنبہ بست و پنجمِ ربیع الاول بود بہ نشیمنِ تنہائیِ من گزر فتادے آن در گرفتنِ آتش گردا گردِ والا کاشانہ و سوختنِ خانہ و رختِ ہمسایگاں از ہر کرانہ و نرسیدنِ آسیبے بہ سلازمان در آن میانہ ار کجا شنودے و اگر نشنودمے ہر آئینہ ہم حقِ دوستانۂ پرسش کہ شیوۂ عمحواری و اندوہ ربائی ست نا گزاردہ ماندے وہم ایزدی نیایش کہ لازمۂ حق شناسی و سپاس گزاری ست بتقدیم نرسیدے ـ ہان اے وفا دشمن ، بیگانگن کامیابِ پیام و نامہ و آشنایان جگر تشنۂ رشحۂ خامہ۔

فرد: وائے بر من کہ رقیب از تو بہ من بنماید

نامۂ واشدۂ مہر بہ عنوان زدۂ

ہمانا سوزندہ آور سرگرمیِ شوق از من فرا گرفتہ بود کہ بیتابانہ گردِ سر گردید و اندران اشتلم زبانہ و شرارہ در خویشتن نگہداشت ـ ہیہات ، من کجاو اینہمہ دعوئے بلند ار کجا! خود نمائیہا گمانِ تاثیرِ مہر ووفاست کہ مرا بدین رنگ ہرزہ لائے و یافہ سرائے دارد، ورنہ آنرا کہ از شعلۂ آہِ جگر سوختگان دامن سوزد ، عجب نیست ، اگر آتشِ افروختہ پیرا من نسوزد و شکوہ پیشکش و پیعارہ برطرف ، خدائے توانا را شکر گویم کہ بلائے بے زینہار از بندگانِ خویش بگرداند تا بے صبران را دیدہ و دیدہ وران را سرمہ بہ دست افتد۔ کرشمۂ نیروئے جبرئیل و معجزۂ آسودگیِ خلیل را در نظر ہا تازہ کرد۔ یا رب ، این شگونِ سلامت کہ رنگا رنگ فرّخی دارد خجستہ تر از آن باد کہ شمارۂ آنرا ہنجارِ گزارشے در ضمیر توان آورد ـ اگر دانستمے کہ پیشِ حود شرمساری نحواہم کشید و مرا اندریں محال طلبی بر من زبانِ طعنہ دراز نخواہد شد ، از آن مخدومِ بے عنایت پاسخِ این نامہ و تفصیلِ این ہنگامہ درحواستمے و پرسیدمے کہ در آن ہنگام کہ آتش زبانہ زد و نگہ نہ سراغِ تیرگیِ دودے و تابشِ نمودے فرار سید ، شما چہ می کردید و نورِ چشمِ مردمی و فررانگی مولوی عبدالحق کجا بود و پس از آنکہ رستخیز در ہمسایہ آشکارا شد و ہراہز در انجمن افتاد، سراسیمگیِ درونیِ پرستاران و بیتابیِ برونیِ ہواداران چہ قیامت آورد و این ہمہ آشوب

چه مایه در کشید و فرجامِ کار که مژدهٔ ایمنی دادند، بر کار خانهٔ دواب و بنهٔ بارگیان که اینها راحز به اطراف کاشانه محل نیست و بیشتر از ینها طعمهٔ آتش، بلکه افروزریهٔ آتش است، چه گذشت ، لیکن چون ارزشِ التفات از من سلب کرده و مرا نیك در دل فرود آورده اند که حالیاً در آن گوشهٔ خاطرم جائے نمانده، ہرچه گفته ام بطریقِ آرزوست، نه بسبیل سوال، والسلام والاکرام۔

خط - ۲

سبحان اللّٰه با آنکه از فرامش گشتگانم و دانم که دوست مرا به دو جو، بلکه به نیم خس برنگیرد، ہر گاه به ساز دادنِ آہنگِ گله روئے آرم و سنجم که این پرده را بے پرده میتوانم سرود و از قہرمانِ اندیشهٔ دور باشے درمیان نیست، ہر آئینه بدین شادمانی که دستوریِ دل به دراز نفسی نوید آبروئے دارد و ہنوزم با دوست روئے سخنے ست،، آنچنان برخویشتن میبالم که غمِ جانگدارِ فراموشی فراموش و لب از زمرمه که دل در بندِ سرودن آنست خاموش میگردد۔

فرد: از خویشتن به ذوقِ جفا با تو ساختیم
با ما دگر مساز که ما با تو ساختیم

دریں روزہا ہوائے آن درسر افتاد که بیتے چند در توحید مجیباً لعرفی گفته آید - چون کوششِ اندیشه به جائے رسید که نه عرفی را محل ماند و نه مرا جائے، ناگزیر آن ابیات را بر کسے عرضه میدارم که چون منے صد و عرفی صد ہزار را به سخن پرورش تواند کرد و پایهٔ ہریك به ہریك تواند نمود، والسلام۔

قصیده

اے ز وہمِ غیر غوغا در جہان انداخته
گفته خود حرفے و خود را در گمان انداخته
دیده بیرون و درون از خویشتن پُر، وانگہے
پردهٔ رسمِ پرستش درمیان انداخته

عرضداشت بحضورِ شاه اوده از جانب مبارزالدوله نوابّ حسام الدین حیدر خان بہادر

خط ـ ۱

به موقفِ عرضِ حضرتِ قدر قدرت سلطانِ سپهر آستان فرشته پاسبان ستاره سپاه ثریا بارگاه خلّد اللّه ملکه' و سلطانه' میرساند۔ والائي رتبۂ اورنگِ جهانباني .که نمونۂ سریرِ سلیمانی ست برتر از آنست که پایۂ آنرا به آرروئے بوسه نگار توان بست یا در اندیشه راهِ حواهشِ گرد سر گردید نے نه سراپائے آن توان کشود۔ لاجَرم بگوشۂ بساطِ آن خجسته بارگاه که یا رب پیوسته مشرقِ آفتابِ سیمائے خسروی و مشتری را دستور العملِ روائي آثارِ ہمایون پرتوی بد' جانے که به فروغِ خردِ نوراني و بهین گوہرِ گنجینۂ یزدانی ست بسبیلِ نثار می افشاند وبه رسمۂ تهنیتِ حلوس و دعائے دوامِ دولت خود را باجهانیان ہمزبان و حهان را با خویش آئین گوئے میگرداند۔ ہمانا رورگار را اقبالے که ار ازل انتظارِ پیش آمدِ آن داشت به فرخنده ترین ساعتے از در در آمد و تختِ سلطنت را گزین آرزوئے که از دیر باز در دل بود به دلپذیر ترین صورتے برآمد و زهِ آفتاب را به مشاہدۂ آثارِ شادمانی دیده سر روے ہم کشودن است و خار و گل را به رخ افروزئے نشاطِ کامرانی دل ار ہمدگر ربودن ـ بہار تا دم بدم گلهائے تازه به نظر گاهِ حسروی ریزد، غنچه از شتاب زدگی ہم در شرّاح رنگِ شگفتن می پذیرد و سحاب ت رود رود گہرہاي آبدار بر فرقِ شہریار افشاند، قطره ہم در ہوا صورتِ گوہر می گیرد ـ ہر چند جائیکه فرزانگي کیخسرو و توانائي بهرام و فیروز بختي اسکندر و عشرت گزیني پرویز سرہنگان را به یغما رسد و خاتم از برجیس و تیغ از مریخ و تاج از مہر و نگین از ناہید ، بندگان را به پیشکش آید ـ دیگران را چه رہره که خود را در آں موقف بشمار آرند و زمینیان را کدام پایه که به آوردنِ نذر آبے بر روئے کار آرند ، لیکن از آنجا که عقیدت در ہر رنگ جگر تشنۂ ذوقِ اظہار است کمترینِ خانه زادان به فرستادنِ نذر و استدعائے عطیۂ قبول بے اختیار است ـ حقّا که ربودنِ تیر گي سایه از مہر صدقۂ ہنگامۂ درخشانی و پذیرفتنِ قطره از بحر زکوةِ گنجینۂ روانی نیست۔

یا رب آوازۂ دوامِ سلطنت جاودان بلندی گرائے و گوشۂ پرچمِ لواي جہانداری آسمان فرسائے باد۔

خط۔۲

به موقف عرضِ حاضرانِ بارگاهِ ارم کارگاهِ حضرت قدر قدرت، فرشته پاسبان ، خسروِ انجم انجمن، سپهر آستان ، خلّدالله ملکه و سلطانه' می رساند۔ آرایشِ پذیرفتیِ عنوانِ صحیفۂ شهریاری و جهانبانی به اسمِ همایونِ حضرت فلکِ رفعت، سلیمانِ ثانی برتر از آنست که والائی و فرّخیِ آن در ضمیرِ سخن گستران تواند گذاشت ـ همانا پایۂ سریرِ سلطنت که جاودان اوج گرائے و سپهرسائے بود اکنون بدانجا رسیده که نه از آسمان بلکه از هفت آسمان تواند گذشت قدسیان که پیوسته فلك ثوابت رابه اَنجمِ آئیں می بستند ، اینك در آن فروزنده انجمن به چشم روشنی گوئیِ جهد اگر نشستند روشنانِ چرخ روزگارے دراز به آینه ردائی بسر بردند تا امروز جلوۂ تمثالِ شاهدِ مدعا در نظر آوردند۔ ابرِ نیسان را درین دور عرقِ شرمِ نارواییِ گوهر بر جبین نماند که این دیرین اندوخته ہ را بتقریبِ نذر جلوس بپائے شهریار دریا دل افشانده و مهردرخشان را تافتیِ دست مزد یاقوت ساری درین عهد صورت بست که به ترصیعِ سریرِ عرش نظیر نقشِ تمنّائے جگر گوشۂ معدن به کرسی نشست ـ به خستگیِ اینِ جلوسِ سعادت مانوس آسمان را بر زمین سنّتے و زمین را در نظرِ آسمان شوکتے ست که زمین از گرانیِ بارِ احسان از جانمی تواند جنبید و آسمان از مهابتِ شکوه بر زمین یکجا نمیتواند ایستاد ـ هنگامِ دمیدنِ صبح مرا داست و هنگام درخشیدنِ نیر اقبال ـ گلبنِ دولت در گل افشانی است و نسیمِ نصرت در غالیه سائی ـ چتر را سرِ آسمان سازی ست و علم را پایۂ پروین فشانی ـ دهر با اهلِ دهرِ صلائے عیشِ دوام در داده و اهلِ دهر از دهر شادمانیِ جاوید گرفته۔ نذرے که صدره جبینِ عجز بر آستانِ سپهر توامأن توان سود تا در حضرتِ والایِ سلطانی شایستۂ قبول تواند بود ، از کمترینِ خانه زادان بنظر گاهِ التفاتِ خاقفی میگذرد ـ به عطائے عطیۂ قبول که عیارِ نقدِ آبروست دریوزه گرِ آبرویِ روائی آرزوست ـ اساسِ کوکبِ سلطنتِ خدا داد جاودانی و سمندِ اقبال با رخشِ عزم ـ حضرتِ صاحب الزمانؑ مشرف به شرفِ همعنانی باد۔

خط بنامِ مولوی سراج الدین احمد

خط ـ ا

مخلص نوارا ، خستگانِ بندِ غمِ دوری اگر دم زنند ، به ساختگی ، نام بر آورده و به توانائی انگشت نما شده باشند۔ دردِ دل این قوم آرایشِ گفتار برنتابد و فراوانی عبارت درین حلقه نگنجد ۔ لاجرم مرا که یکے ازایشانم خامه سرہونِ مدعا نگاری خوشتر ، تا بعد از آنکه خود را به سحر آزموده باشم به نارسائیِ اندیشه و کوتاہیِ بیان پیشِ خود شرمسار نبوده باشم۔

فرا یادِ خاطرِ عاطر خواہد بود که نامه بنامِ نامیِ مکرمی مولوی نور الحسن سلمه الله تعالیٰ فرستاده به ملازمانِ زحمتِ آن داده ام که این را به لکھنؤ فرستند و دانم که ہمچنیں شده باشد، لیکن چون از لکھنؤ نویدِ وصولی نرسیده ، تاب این اندیشه ام سیگدارد که مبادا آن نامه به مکتوب الیه نرسیده و او را به خاطر گذشته باشد که غالبِ آشفته سرِ وفا ندارد ، حقِ دیرین صحبت نگاه نداشت و در ایثارِ جنبشِ کلک تنگدلی کرد ـ چه شود ، اگر پاسخِ آن به تقاضا از لکھنؤ بطلبید و به فرستادنِ آن مرا از بندِ تشویش بدر آرید۔

دیگر از دیر باز میخواہم و وعده نیز ہمین است که ہر چه از نظم و نثر فراہم آمده است روشناسِ نظر گاہِ قبول گردانم ـ از آن میانه منتخب دیوانِ ریخته به بندگانِ والا شانِ مخدومِ مکرّم و مطاعِ معظّم حضرتِ مولوی غلام امام شہید مدظله' العالی می سپرم که رسیدِ آنرا روشے ایمن ترو روشن تر ازین نمود و دیوانِ فارسی و مجموعهٔ نثر بعد ازین خواہد رسید ، لیکن در تمامیِ سفینهٔ نثر سخن است ، چه آن وابسته به تفقّدست که از جانبِ مخدوم باید و آن تفقّد که در خیال نقش بسته ام جز این نیست که از نگاشته ہائے من آنچه در نظرِ آن والا گہر است به من باز رسد تا آن نیز بسبیلِ انتخاب و التقاط در آن جریده جایابد۔ چون فرستادنِ این مایه کاغذ در ڈاک صرفِ بیہده دارد ، آن خواہم که خواجه تاشانِ من نگران باشند و ہر گاه یکے را از رہروان روئے بدیں دیار بینند، آن اوراق به وے دہند تا به من رساند ـ دیگر جز اینکه تا زنده ام بنده ام چه گویم که جائے مہر در دل است نه بر زبان ـ شبہا به روشنائیِ روز و روز ہا به فرّخیِ نو روز باد۔

خط۔۲

مخلص نوازا، خجستگیِ این روزگار را ستایم و خود را بدین پیش آمدنِ اقبال چشم روشنی گویم که در عرضِ دو ہفتہ دوبارہ دیدہ بہ سوادِ نامہ روشن شد۔ نخستین مکتوب نامۂ مولوی نور الحسن ہدیہ آورد از حالاتِ سکون و حرکتِ لشکر گورنر خبر باز داد و دومین نامہ رازے کہ از گرانمایگی با جان برابر و دستور العمل را دستور العمل بود، آشکارا کرد۔ حاودان سانید کہ پیکرِ مردمی را جانید۔ فرمان بجائے آوردم و منّت بر خود نہادم۔ عرضداشتے باسمِ سامیِ مخدومِ ستودہ صفات حضرتِ قاضی القضاۃ میرسد۔ چون کشادہ عنوان است، بخوانید و بحضرتِ مکتوب الیہ رسانید و ہرچہ از آن لبِ جان بخش فرو ریزد، مرا از آن بیاگاہانید۔ اگرچہ من خود از گناہے کہ از من بوجود آمدہ بدان سزاوار نیم کہ رشحۂ خامۂ مخدوم آبروئے من گردد، لیکن اگر بہ محضِ مرحمت پاسخِ این پوزش نامہ باز دہند، آنرا بہ من بفرستید، تا حرزِ بازوئے اندیشہ ساختہ آید، والسلام والا کرام۔

خط۔۳

صاحبِ من، زمانے دراز گذشت کہ دیدہ بہ سوادِ گوہر بن نامہ توتیائی نگشت۔ ازین پیش آنچہ بحکمِ بیکس نوازی نبشتہ آید ہنوز نقشِ نگینِ ضمیر است۔ ویژہ ہم دران باب خار خارے دارم کہ محاسبِ خیال روزگارِ رسیدنِ پاسخ را از روئے شمارِ منزل بہ پایان برد و ہنوز رنگے از بہار پدیدار نیست۔ ماجرائے من این است کہ از دادکدۂ این خلاف آباد خود را بہ یک سو کشیدہ نقشِ دیوار خمکدۂ خویش گردیدہ ام۔ شمعِ امیدے در بزمِ خیال افروختہ و چشم بہ دادگری ہائے فرماندہانِ صدر دو ختہ دارم۔ چہ گویم کہ حکّام اطراف چہ ہنجارہا سر کردہ اند و چہ روشہا پیش گرفتند۔ اگر روزگارے ہم بدین نہج خواہد گذشت، خانمانہا غرقۂ سیلِ فنا خواہد گشت، خاصہ اندرین دیار کہ عمائد غمازی و نمامی اختیار کردہ اندو حکام گوش بہ گفتگوئے این مردم نہادہ عالمے بر عرض و مال لرزان است۔ خستگان را مرہم نوازشے جز بہ دارو کدۂ صدر نشان ندادہ اند، چہ دران بارگاہ حیف و میل را روائی نیست ورنہ ہر سو غبارِ فتنہ بلند و آتش بیداد تیز ست۔ امروز کہ بست و ہفتمِ رجب و دوازدہمِ جنوری ست، حام جہان نما آئینہ شہودِ این خبر گردید کہ در کلکتہ و با شایع ست۔ بہ نگرانیہایِ من فرارسیدہ نویدِ عافیتِ خود و منتسبانِ خود و مجموعِ احبا در ہر ماہ یک بار سیفر ستادہ باشند زیادہ عمر باد و سزۂ عمر۔

خط - ۴

قبلۂ دیدہ و دل سلامت ،حیرتے داشتم کہ بہ مرگ ناگہ در گذشتنِ امیر جوان دولت جوان سال یعنی مستر اندرو استرلنگ ستودہ خصال برائے چیست و کار پردارانِ والا کدۂ قضا ازین سانحۂ سترگ کدام نتیجہ منظور دادند - حالیا حالی شد کہ بہ سیلابِ فنادادنِ بنائے امیدوارِ غالبؔ رمیدہ بخت می خواستندو آن صورت نمی بست ، الا بہ ظہورِ این طوفان ہوش ربا۔ فرماندہِ این خراب آباد کہ فرانسس ہاکنس بہادرش نامند با والیِ فیروز پور پیمانِ یکدلی بست و رپورٹے چنانکہ خواست ، بہ صدر فرستاد - ہر چند پردہ داران در پردہ بازم دادند و لختے ازان راز بہ من باز گفتند ، مرا دل از جائے نرفت - گفتم استرلنگِ حق پرستِ حق شناس کسے ست کہ سر رشتۂ ہر کار بہ دستِ اوست - بہ چارہ گری خواہد نشست - قضا برمن خندید و طرح آن افگند کہ پیش آزانکہ رپورٹ بہ صدر رسد ، امید گاہِ مرا اجل فرو رسید و چشم جہان بینش فرو بستہ شد - دیگر نمی دانم کہ درآن ہنگامہ بر سرآن کاغذ پارہ ہا کہ فرستادۂ این داورِ بیگنہ کش بود چہ گدشت - این قدر دانم کہ صاحب سکرٹر بہادر مرا نزدِ خود خواند و گفت تجویزِ فرانسس ہاکنس بہادردربارۂ پرورشِ شما بصدر منظور افتاد و فرمانِ منظوری عزِ صدور یافت - گفتم آیا صاحب رزیڈنٹ بہادر چہ تجویز کردہ اند - گفت قاعدۂ سابق را در مستقبل برقرار داشتہ اند۔ بخودفرو رفتم و از حیرت جنون کردم و بدل گفتم - یارب این بندۂ خدا چہ می فرماید، کا مُرا نشستے ازین خوشتر می بایست - من و خدا کہ نبودنِ مسٹر اسٹرلنگ را بفرجامِ کار ہا سرمایۂ فرومانگی می شمردم ، اما صدورِ این حکم از صدر در ہیچ حال مظنون نبود۔

اساً درِ چارہ از شش سو فراز وچرخ و ستارہ رابا خویشتن ناسازمی بینم - برمن است کہ عرضداشتِ انگریزی بنام بندگان دارا دربانِ نوآب گورنر جنرل بہادر بہ ڈاک فرستم و حال خودرا سوبموئے دران برگزارم و برشماست کہ مبادیٔ تظلّم مرا در گوشِ صاحب سکرٹر مال بدمیدتا نامرادے را بیاد آورد وخستۂ را بشنا سد -

فرد: بردل نازک دلدار گرانی مکنار
خواہش ما کہ جگر گوشۂ ابرامے ہست

خط ۔۵

والئ من و مولائے من،

ہفتدہمِ رمضان بود کہ برادرِ ریا پیشۂ کج اندیشہ افضل بیگ رونق بحش کاشانۂ خویش گردید ۔ از آنجا کہ سر بزرگی و عاجز نواری خوئے اوست شام روز ورود بدیدن من آمد و سرم را بہ سپہر رساند ۔ مژدہ می دہم شمارا کہ مرزا افضل بیگ خطاب خانی و مقرب الدولگی یافت و حالیاً مقرب الدولہ افضل بیگ خان بہادر نقش نگین اوست۔امّا از روور ورودِ حویش بیمار و معارضۂ تپ و سرفہ و سعال گرفتار است ۔ رگِ باسلیق زدہ و مسہل آشامیدہ، تالختے سبکدوش برآسدہ ۔ سخن کوتاہ ، آنچہ من فرومندۂ آنم اینست کہ دو روز پیش از ورودِ مقرب الدولہ بہادر کہ بیاشں گذشت، فرماندہِ دہلی ، وکیل سر ربانِ میوات را نردِ حود خواند و کاعد گذر اندۂ وے بہ وے بار داد و گفت جعلی است ۔ مہر و دستحطِ ایں کاعد ثابت نشد و سرجان سالکم بہادر این را بہ دیدہ وری پذیرفت ۔ اکنوں مرا گرہے چند بہ سرِ رشتۂ خیال افتادہ ، یکے از دیگرے سخت تر و محکم تر ۔نحست اینکہ سرحان مالکم ، چنانکہ ایں نامہ، فارسیِ بے نام و نشان را باور داشت ، رپورٹِ انگریزی را کہ جگر گوشۂ دفترِ سرکاری ست ، نیز غلط وا نمودہ است یا نہ ۔ دوم اینکہ ہر گاہ ایں خطِ فارسی نمیتواند کہ مصمونِ رپورٹ انگریزی را ناسح افتد ، بدین زودی چرا باز آمد ۔ بایستے کہ مقابلۂ ایں ہر دو تحریر بمیان آمدے ، تا کار یك روشدے ۔ سوم اینکہ ہر گاہ حط فارسی بہ مدعی علیہ کہ این نقشِ تازہ بہ روئے کار آوردۂ اوست ، باز دادند بہ مدعی چرانہ گفتند کہ زرِ مندرحۂ این را باید ستد و دیگر نباید حروشید۔ طرفگی دریں است کہ مرزا افصل بیگ کہ تارہ از اردوئے گیہان پویِ گورنری رسیدہ و خود را ازین راز بیخبر نمیداند نیر سخنے نگفتہ است کہ مرا ار تفرقہ وارہاند و حاطرم را فارغ گرداند۔ ناچار از شما می حواہم کہ تا توانید رارھا بدانید و بمن باز گوئید ، تا دانم کہ چہ بایدم کرد ، زیادہ زیادہ۔

خط ۔۶

مولائے من،

چہ گویم کہ از بخت چہ قدر گلہ مند و از ہجومِ اندوہ چہ مایہ نژندم ۔ سہ ماہ است کہ مخدومی مرزا احمد بیگ خان و مررا ابو القاسم خان ترکِ مہر و وفا گرفتند ۔راہِ بے

آزرسی رفتند - نامه از آنسو میرسد نه پیام - روزے داؤد بیگ نزدِ من آمد، و تقریباً حکایت کرد که مولوی سراج الدین احمد به کانپور رسیدند- گفتم وائے به کلکّته کسے نماند که مرا چاره گری و رہنمائی تواند کرد و از آنچه در آن ہنگامه رو نماید به من تواند نبشت - خیالے داشتم که مرزا ابو القاسم خان وعده دادند که چون کرنیل ہنری املاك را فرجامِ رنجوری بر خیزد ، سپارش نامۂ بنامِ باکنس صاحب ازوے بکف آرند و به من رسانند- ہم درین روزہا یکے ازسترگانِ فرنگ به من گفت که کرنیل ہنری املاك از جہان رفت - وائے به روزگارِ من که درین دیارِ بے فرمانروا سر به سنگ میزنم و جان بناکامی میدہم - عدو حه مند و مالدار و من تہیدست و تنہا -خلقے سرِ آزارِ من دارد و گروہے تشنۂ خونِ منست - خدا را اگر نه کانپور و از آنجا به لکھنؤ رسیده ، به عشرتکدۂ خویش آرمیده اید ، سطرے چند از اوضاعِ دادگاہِ کلکته به من رقم فرمائید ، تا جان بیارامد و دل بشکیبد، والسلام-

خط - ۷

حائیے که الطف اجزائیے آن به تحلیل رفته و کدورتے چون درد از باده و خاکستر از آتش و امانده است ، اگر بپائے دوست افشانم ، ترسم که پائے نازنینش رنجه گردد و اگر آمادۂ این نثار نگردم ، در عالمِ مہر شرمسار بوده باشم - یا رب چه کنم تا حقِ محبت گزارده و سپاسِ مہربانی بجائے آورده باشم - مشاہدۂ صفوت نامه دیده را آئینه دارِ جلوۂ شاہدِ آرزو ساخت و علم عالم اسرار در نظر آورد - اغلب که چون این نامه که من در نگارشِ پاسخِ آنم روان شده باشد ، نامۂ دیگر از من به شما رسیده باشد- سخن اینست که بار گرانی دارد - خدایا ، دوشِ ہمت ندزدید و کریمانه این بار را کشید و دانم که ہمچنین کنید ، چه از کریمان و گرانمایگانید - حالِ آن دادکده و اوضاعِ آن محکمه در نظر دارم - حقا که راست میگوئید، لیکن ماتم زده را دل جز بمویه نیارامد و خسته جز مرہم نخواہد - بخدا اگر جارج سوینٹن مہربان گردد و در ظہورِ حق حقیقی کوشد ، بکامِ دل رسیدنِ من آسانست و اگر این قدر خود میدانم که رای وے در این داوری راجع به استحقاقِ من است ، و این خود از تنك ظرفیہائے من است که خود را پیشِ شما سپارش میکنم ، ورنه در معنی کارِ من کارِ شماست و اگر کارِ خود را کار شما نمیدانستم ، چگونه این رازِ سترگ درمیان می نہادم - ہر نامه که از من میرسیده باشد ، بعدِ خواندن و به مولانا نمودن میدریده و به آب و آتش می افگنده باشید - ہمت کار ہا دارید ، والسلام-

خط ۔۸

قبلۂ من،

رسیدنِ دلکشا نامہ روان را بہ نویدِ تازگی بنواخت و درون را بہ نورِ آگہی بر افروخت ۔ دانستم بیکس نیم و کسے دارم ۔ سلامت باشید ، و جاوید بمانید ، ازجانبِ شما و بے رونقیٔ کارخانہ گونہ ملالے بہ دل راہ یافتہ ۔ ایزدِ بخشایش گر شمارا کہ ار نیکوانید ، نیک نگاہ دارد و در ہر گونہ انقلاب کہ روے دہد بہ ترقّیِ تازہ رساند ۔ خوش و ناخوش دہر را وقعے ننہادہ ، روے با خلق و دل بحدا باید داشت ۔ من و خدا ہر گاہ برشما و حالہائے شما نظر می افتد ، دل می سوزد۔ خاصہ وقتیکہ رنجِ ایں سفر و مصارفِ راہ می سنجم۔ با این ہمہ خدائے را شکر گویم کہ بہ آرامشکدہ رسیدید و رنجِ راہ سر آمد۔

مضامینِ گرامیٔ مفاوضہ سربسر خاطر نشان شد ۔ دربارۂ خویشم گمان آنست کہ ناکم نباشم و بہ داد رسم ، چہ طالبِ ظہورِ حقِ حقیقیم و این چنین کسے را محروم نگذارند۔

آنچہ از جانبِ مخدومی مرزا احمد بیگ خان مرقوم بود ، آویزۂ گوشِ ہوش گردید ۔ بہ عظمت و جلالِ ایزدی سوگند ، کہ ہر گز امرے کہ موجبِ پراگندگیِ دل باشد ، ازجانبِ مرزا صاحب گمان نکردہ ام ، مگر این قدر دانستہ ام کہ چون بہ کلکتّہ نیستم ، فلانے در قفائے من با مرزا صاحب ہنگامۂ ہم زبانی گرم کردہ بہ خلوت و انجمن حکایتے چند مطابقِ مقصودِ خویش بمیان آوردہ باشد و مرزا صاحب سخنہائے او را باور داشتہ ۔ اگر ہیچ نباشد، این مایہ حود انگاشتہ باشد کہ مدعی استحقاقے دارد و و اسد اللّٰہ حیف میکند و می خواہد کہ حق پوشد و در اتلافِ حقوق کوشد ۔ چون صفحۂ ضمیر م را بدیں اندیشہ نگر ستند ، دندان بہ جگر نہادم و بدین شعرِ استاد زمزمہ سرا شدم۔

فرد: دل بر جفا نہم کہ بجز صبر چارہ نیست
اکنون کہ دوست جانبِ دشمن گرفتہ است

للّٰہ الحمد کہ سادہ دل و راست گفتارم آفریدہ اند ۔ ہر چہ در دل داشتم بہ زبان بار گفتم ۔ حالیا اگر بہ کیشِ مہر و وفا بزہ مند باشم ، نہیبِ تعریزے و اگر شائستۂ بخشایشے برآیم ، نویدِ عفوِ تقصیرے ، والسلام ۔

خط ۔ ۹

این نیایش نامه ایست از غمدیده اسد بجنابِ مولوی سراج الدین احمد ۔ عنوان گزارش مدّعا این که نگارش نامه به جنبشِ نسیمِ ورود حبیب و کرام به گل انباشت ۔ درنگ در نگارش پاسخ از تن پروائی نبود ۔ میخواستم که سرمایهٔ تحریرے دست بهم دهد و برقِ آگاهی از پرده بدرجشد۔ اکنون که جادهٔ مدّعا طلبی بپایان رسید ، خامه در نامه نگاری به سر شگفتن آغاز کرد و شوق هنگامهٔ پاسخ نگاری ساز کرد۔

فیض رسانا ، نامی نامهٔ شما از صحت وجودِ فایض الجودِ قبله و کعبه حضرت مولوی خلیل الدین خان آگهم ساخت ۔ حقّا که پژوهندهٔ این نوید بودم ۔ از من آدابِ زمین بوس رسانند و عذرِ کوتہ قلمیها باز خواهند ۔ امید که در عرضِ یك دو هفته بخود آیم و خود را بذریعهٔ تحریر فرا یادِ خاطرِ عاطرِ شان دهم۔

دیگر آنچه مرا از گردشِ سپهر و ستاره پیش آمد ، اینست که به روزِ چارم از مئی که چارشنبه بود و با یازدهمِ ذی قعده تطابق داشت ، رپورٹِ مقدمهٔ من ازین داوری گاه به صدر روان شد ۔ هے هے ، چه رپورٹ و کو مقدمه ، رپورٹے چون موئے زنگیان خم اندر خم ، رپورٹے چون حالِ دلبستگان در هم ، رپورٹے فتویِ خون یك جهان آرزو و رپورٹے فرمانِ ریزشِ آبرو۔

از آنجا که فرمانده شهر را در آغاز برخود مهربان شناختمے ، شرم می آید که سخن دراز کنم و شکوه سر کنم ، لیکن این قدر خود هست که اگر بنائے امیدم را استواری پایهٔ تحریرِ صدر نبودے ، پیشدستانِ این محکمه رخنه در بنیانِ مرادم افگنده بودند و حاکم را برس دگرگون ساخته ۔ کوتاهیِ سخن ، تا امروز رنگ و بوئے کار اینست ، تا فردا چه پیش آید و ازین پرده چه رخ نماید؟

خط ۔ ۱۰

مطاع غالب و مخدومِ غالب و قبلهٔ غالب ، اگر نه اندوه سترگ سد بر دلم نهاده بودے ، من دانم و دل که در شکوه چه روشها ایجاد و در گله چه عربده ها بنیاد کردمے ۔ صرفهٔ شما در ناکسیِ من است ، ورنه اگر تاب و توان داشتمے ، آن قدر باشما در آویختمے که شما را دامن و گریبان به زیان رفتے و مرا سر و رو شکستے ۔ آخر از خدا نترسید و از روئے داد بسنجید که کارِ من

و شما بدان رسد که روزگار ہا بگذرد و به نامه یاد نکردم ۔ گفتم که در بندِ گزارشِ اندوہے تره ام

ع: شکوه کجا به خاطرِ ناشاد میرسد

اگرچه اندریں ورق گنجائیِ ایں دو سطر نبر نبود ،لیکن اندیشه بران پیچید که مبادا دوست ادانشناس من مرا از خود خرسند داند و بدیں گمان از تلافی فارغ نشد و من زبان زدۂ جاوید و گسسته امید باشم۔

بجمله بدین نامه نگاری مدعائے اصلی بدیں رنگ است که برادر صاحب مشفق نواب امین الدین احمد خان بہادر ابنِ فخر الدوله دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ را بہماں موجِ بلا که زورقم شکسته بود ، خانه به سیلابِ فنا داد، خونِ وفا یم به گردن که دریں سفر ہمپایش باز ماندم۔

فرد: روئے سیاہِ خویش ز خودہم نہفته ایم
شمعِ خموشِ کُلبۂ تارِ خودیم ما

واماندگی و بیچارگیِ من از ینجا توان سنجیده که دندان بر جگر نہم و امین الدین احمد خان بہادر را در سفر تنہا گذارم ۔ اگر قاضیِ محبت بدیں جرم به نطعم نشاند و به تیغ بیدریغ خونم ریزد ، سزاوارم و لطف در اینست که ہر چند دریں باب به گفتار گرایم و ہنگامۂ پوزش آرایم ، شرمساری پیشتر گردد و خجلت افزاید، مگر سراج الدین احمد به تلافی برخیزد، تا از گرانیِ تشویر سبکدوش گردم و گرد خجلت از چہره بر افشانم ، یعنی کمر به غمخواری و خجلت از چہره برافشانم ، یعنی کمر به غمخواری و رہرو سواری استوار بندید و خود را دوستِ دیرینۂ امین الدین خان دانسته آنچناں چاره سازی و سگالش گری بجائے آرید که درد بند دور از جانمن اسدالله رو سیاه را فراموش کند و شمارا بجائے او داند و نیز به برادرِ والا قدر سلمه الله تعالی گفته شده است که چون به کلکته رسد و شمارا در یابد ، داند که اسد الله پیش از من به کلکته رسیده است۔

قطعِ نظر ازیں مدارج که بر شمردم ، آخر خدائے ہست و دادے ہست ۔ افسانۂ ناکامی و ستم کشیِ ایں فروغِ ناصیۂ سعادت یعنی امین الدین احمد خان چاره را دل بگذارد و ایں را آب گرداند ۔ زیاده ازیں آنچه نویسم ، خبر از ساختگی می دہد و من از ساختگی گریزانم۔ الله بس ، ماسوای ہوس ۔

خط - ۱۱

فرد: رسید نہائے منقار ہما بر استخوان غالب
پس از عمرے بیادم داد رسم و راہ پیکاں را

روزگارے دراز در پیچ و تاب انتظار کوتہی گزید تا گوہریں نامہ پیرایۂ گردن گوش تمنا گردید - نازم ایں ہمہ سادہ پُرکاری و خویشتن نگہداری کہ خود را شرمسار روا نمودید، و عذر بدتر از گناہ آوردید - بہر تقدیر،

ع: عمرت دراز باد کہ این ہم غنیمت است

اغلب کہ برادر صاحب والا مناقب فخر الدولہ نواب امین الدین احمد خان بہادر رسیدہ باشند و شمارا دیدہ - نامہ بنامِ نامیِ شان در نوردِایں ورق می رسد، بید رسانند و مرا از فرود آمدن جایِ شان خبر داد - جدا کنند کہ بکاشانۂ شان فرود آمدہ باشند و شیوۂ تکلف شرعی نداشتہ - بینگرید کہ چوں ترا یعنی نامہ نگار را با نوّاب امین الدین خان محبّتے ہست، ہر آئینہ مدارج پاس وفا بتقدیم رسانیدہ خواہد شد - سرت گردم، معاملۂ من و او نہ آنچنانست کہ لفظ مودّت و محبّت درمیاں تواند گنجید، چہ ایں الفاظ افادۂ معنیِ دوئی میکند و میانۂ من و وے دوئی نیست - لاجرم ہر چہ با وے خواہید کرد، بامن خواہد بود - حالِ اخلافِ مرزا احمد مرحوم پدید آمد حیف کہ بعد از مرزا آن انتظام نماند و فرزندانش در خردی یتیم شدند - خدایِ توانا آن گروہ را توفیقِ یکدلی بخشد - زیادہ ازین، چہ نویسم کہ نوشتن را شاید - اگر آرزوئے دیدار است، پایانش کو و اگر اندوہِ روزگار است، تابِ گزارشِ آن کرا - نگشتۂ چہاردہمِ اکتوبر ۱۸۳۴ ع-

خط - ۱۲

صاحبِ من، دیدہ بمشاہدۂ آئینۂ سکندر فروغانی گردید و صفائے عبارتش گہر بہ رشتۂ نظارہ کشید - بیانہائے خوش و خبرہائے مختصر و نکتہ ہائے دل پسند و رقمہائے نظر فریب دارد - فرمانِ شما بر جان و دل رواست، و مرا در روائیِ ایں اوراق کوشش فراوان - مردمِ ایں دیار بسکہ از با معتمدیِ اخبارِ جامِ جہاں نما ممنون اند، ذوقے درست بہ اخبار ندارند - انصاف بالائے طاعت، کم اتفاق می افتد کہ صاحب جام جہاں نما دریں ہفتہ خبرے نگارد کہ در ہفتۂ دیگر خود مکذّبِ آن نگردد - دریک ہفتہ جنگ اہلیِ سرکار با والیِ لاہور پیش از رسیدنِ موسمِ زمستان بہ سلکِ

تحریر سکنند و بعد از دو ہفته می نویسد که آن خبر دروغ بوده است ۔ دریك ہفته خبر می دہد که مسجدِ قلعهٔ اکبر آباد و روضهٔ تاج محل بدین بہا فروخته شد۔ باز بعد از دو ہفته رقم می کند که فرمانروایان کونسل این بیع و شری روا نداشتند۔ بہر حال امروز که یك شنبه، چارمِ ستمبر است ، نامهٔ نامی با اوراق اخبار بمن رسیده است ۔ سالارالدوله نوّاب حسام الدین حیدرخان بہادر و فخر الدوله نوّاب امین الدین خان بہادر دیدند و خریداریِ این را نپسندیدند۔ زین پس ہر که از اعیانِ دیار ہرچه به من خواہد فرمود، به شما عرض خواہم کرد، والسلام۔

خط ۔۱۳

جناب عالی،

امروز که آدینه روزِ سیزدہم از اپریل است ، فرصت نامه نگاری یافته ام و عذرِ تقصیرِ خویش میخواہم ۔ نہفته مباد که لارڈ ولیم کونڈش بنٹنگ بہادر بروزِ بست و ششم از مارچ بدین دیار رسیده به کوٹھیِ رسیڈنٹی فرود آمد و بعد از دو روز لشکر و سرارِ لشکر را رشتهٔ جمعیت از ہم گسست و مردم را به رفتن دستوری داد ۔ ازاں جمله خیامِ خاصه به شملا رواں شد ۔ صاحبان سکرٹر ہا ہمه جا در شہر رخت اقامت افگندند ۔ مولوی محمد محسن و مولوی سید محمد دو شبا روز عمکدهٔ راقم را آرامشگه داشته کاشانه در خورِ گنجائیِ خویش به ہمسایگیِ کوٹھیِ رسڈنٹی بکرایه گرفتد ودر آنجافرود آمدند ۔ شاه دہلی با نوابِ عالی جناب نه پیوستنِ رفتنِ صاحب سکرٹر بہادر ہمپائے صاحب رسیڈنٹ بہادر به بارگاهِ خسروی و رسیدنِ مختارانِ شاہی بحضورِ گورنری صورت بست ۔

پنجم اپریل صلائے بار دادند و گروہا گروه مردم پایه بپایه زمین بوسیدند۔ رسمِ منع نظم از میان برخاسته بودو نیز پرسشے به سزا قرار نیافته ۔ ہر کس خواست نذر گذرانید و ہر کس خواست بجاں کورنش بجای آورد ۔ نخستین بار نواب فیض محمّد خان مرزبانِ جھجّر با برادر و پسر خود سعادتِ بار اندوخته ، یك صد و یك اشرفی پیش کشیده و بقبولِ نذر و عطائے خاتم الماسِ نگین چہرهٔ نشاط افروخته ۔ دومین بار از جاگیرداران دگر بود ، مثلِ نواب امین الدینخان و اکبر علی خان و دوندے خان ، زین پس امرائے شاہی و عمائدِ شہر و وکلائے اطراف و کار گزاران دفتر ہائے سرکار۔ ہویدا باد که درین ہنگامه میر حامد علی خان دامادِ اعتماد الدوله میر فضل علی خان نیز ملازمت حاصل ساخته و بست اشرفی نذر کرده و به یافتنِ انگشتری آبرو یافته۔ دیگر چه

نویسم که مقصود جز این قدر اظہار نبوده است۔

خط ۔ ۱۴

سرت گردم ، بد نخواہی گفت که اسد اللّہ داد خواه مرا از دیوانگی ستوه آورده است ۔ حدا را از نالہ و فغان درد سداں بباید رنجید ،ویژه چوں من درد مندے که از بندگاں تست۔ نامۂ منشی حسن علی صاحب رسید و شرمسارم کرد ۔پاسخش میفرستم تا خاطر شاں جمع گردد و دانند که دیگر آں آشفته سر زحمتے نخواہد داد ۔ در حقیقت ایں تدبیر ہوسے و طمعے بیش نبود ۔ کار بداں عرضی انگریزی ست که من به شما فرستاده ام ۔ در رسیدنِ آں نه دل تواں کوشید ، چه اگر آں عرضداشت پذیر فته شد ، البته کار رونق خواہد گرفت ، ورنه من و نه کسی خواہید ۔ اللّہ بس ، ماسوی ہوس ۔ نگاشتۂ پنجمِ جنوری ، روزِ شنبه وقتِ شب پیشِ چراغ در عالمِ سرخوشیِ دماغ۔

خط ۔ ۱۵

قبلۂ حاجات ، گوهر آگین نامۂ دلنواز پس از روز گارے دراز رسید و دیده و دل را فروغ و فراغ بخشید ۔ نارسیدنِ نامه به افسردگیِ شوقم حمل گردید ۔ چرا نه سرگِ من حمل نگردید ، از ادا شنا سیہائے شما خرسند بودمے و شما را اہلِ دل و دانشور شمردمے ۔ من و ایمانِ من که ریشۂ مہر شما به مغزِ دل و دیده و محبت شما بجاں در آمیخته ۔ تا زنده ام ، بنده ام ۔ وفا آئینِ من است و مودّت دینِ من ست اگر در نگارش نامه درنگے روے دہد ، بر فراموشی محمول نشود ۔ دردہا در دل و ہنگامه ہا در نظر و تفرقه ہا در خاطر و سوداہا در سر ، چه گویم چه میکنم و روز و شب چگونه بسر می برم ۔ نامۂ موسومۂ چمن داس اخبار نویس و نامۂ موسومۂ نواب فتح الله بیگ خاں بہادر جا بجا رسانده و آنچه بر تر اراں نتواں گفت ، گفته شد ۔ سلامت مانید که مرا نجات دادید ۔ سبکدوش گشتم و از کشاکش وارستم ۔ اکنوں چمنا داس داند و نواب فتح الله بیگ خاں وے داند و شیخ علیم اللّہ۔ زیں پس من درمیانه و نوکِ تقاضا را از ہر سو نشانه بستم ۔ زیده جز اندوهِ دل و شکوۂ بخت و فراوانیِ مہر و استواریِ وفا چه سرایم ، والسلام بالوف الاحترام۔

خط ۔ ۱۶

قبلۂ حاجات ،داغم از نارسائیِ بخت که نیروئے سرانجام پویه که ازدیر بار گردِدل سگردد دست سهم میدہد ، و توانائیِ سر کردنِ شیوه که خاطر از یك عمر در گروِ آنست روئے نمی نماید ، چه نسه سگار را آں در سر است که رخت از ورطۂ آمیزش بر کنار کشد و آزادانه به فراخنائے گیتی نگردد۔

می سنجیدم که آغازِ زمستانِ افسردگی را پایان و ماندگی را فرجام پدید خواہد آمد ۔ خواہی نخواہی ازیں دامگاه بدر خواہم جست و سر به صحرا خواہم نہاد۔ عقدۂ کر کشایش نیافت و این عزیمت امضا نپذیرفت۔

فرد: نومیدئ ما گردشِ ایّام ندارد
روزے که سیه شد سحر و شام ندارد

آه که از گمانِ خویش منفعل و از انتخابِ خویشتن شرمسارم۔

در مجمعِ احبابِ کلکتّه خاطر جز به مولوی سراج الدین احمد قرار نگرفت و سودِ را جز ضمیرِ منیرش جلوه گاه دیگر نیافت ۔ اکنون کما بیش یکسال است که مرا یاد نیاورده و فراموشی را عذرے نخواسته۔ امروز که بست و ہشتمِ دسمبر انجامِ سالِ ہزار و ہشتصد و سی وسه عیسوی ست ، دل از دردِ بے خبری بهم برآمد ۔ ناگزیر نامه نگار گشتم و خودرا بر خاطرِ خطیرِ مخدوم عرضه دادم ۔ اگر به نامه یاد آیم، دشوار است که در پیرہن گنجم ۔ داستانِ شکوۂ فراموشی کوتاه باد۔

خط ۔ ۱۷

عمرِ من جانِ من ، پس از رسیدنِ گرامی نامه در بندِ آں بودم که پاسخ گزار شوم و ماجرائے خود شرح دہم ۔ ناگہان دی که دوشنبه پانزدہمِ ذی الحجه بود ، آوازه در افتاد که مجموعۂ مکارمِ اخلاق را شیرازۂ وجود از ہم گسیخت ۔ شمعِ ایوانِ سروری مرد و نہالِ باغِ آگہی را برگ و بار فروریخت ۔ دستگیرِ درماندگان را دست از کار رفت و گره کشایِ بسته کاراں را بے به ناخن شکست ۔ حـ کم ندہیں ، چگونه گویم و اگر من نگویم کیست که نمیداند که مسٹر اندرو اسٹرلنگ مرد و از گیتی جز نامِ نیك با خود نبرد ۔ کاش روئینِ گداخته به روزنۂ گوشم ریختندے ، تا نشنودمے که چه شد ۔ اکنون امیدِ غم خواری از که بایدم داشت و دل را به خیالِ گردش چشمِ

کہ تسکین داد۔ رپورٹے کہ فرانسس ہاکنس بہادر در خصوصِ دادخواہی من بہ صدر فرستادہ است، چگویم کہ چہ مایہ امید کاہ و اندوہ فزای بودہ است ۔ تکیہ بر کرسازیِ ان چابک خرامِ بیدائے فساداشتم۔ اکنون از شش سو فلک بکامِ دشمن است۔زینہار در پاسخِ این نامہ درنگ روا مدارید و بنویسید کہ آن والا گہر را چہ روئیداد و آن گلبنِ روضۂ سرمدی را کدام تند باد از پائے افگند و پس از وے سرانجامِ دفتر کدہ چہ شد و حیثش کہ گرفت ۔ اللہ بس ما سوی ہوس۔

خط ۔ ۱۸

قبلہ و کعبہ، والا نامہ رسید و نویدِ فراق دائمیِ مرزا احمد بیگ رسانید ۔ چہ مایہ سنگین دل و سخت جانم کہ نامہ کہ در تعزیت دوست انشا میکنم و اجزائے وجودم از ہم نمیریزد۔ میگفت کہ بہ دہلی می آیم ۔ وعدہ فراموشِ بے مروّت راہ گرداند و ناقہ سرِ منزل دیگر راند ۔ گرفتم کہ خاطرِ دوستان عزیز نداشت، چرا بہ حالِ خردسالانِ خود نپرداخت و سایہ از سرِ شان بر گرفت ۔ وائے بے یاریِ یارانِ وے و دریغائے پدریِ پسرانِ وے ۔ ہر چند از مرگ نتوان نالید و گسستنِ تار و پودِ پندارِ ہستی را چارہ نتوان کرد، لیکن انصاف بالائے طاعت است، ہنوز ہنگم مردنِ مرزا احمد نبود ۔ چرا آن قدر صبر نکرد کہ بہ کلکتہ رسیدمے و روئے نضرہ فروزش دیگر بارہ دیدمے۔ چرا آنمایہ درنگ نورزید کہ حامد علی جوان گشتے و کارہا باندازۂ دانشِ وے رواں گشتے۔ حیف کہ مہین پسرش خرد سال است و باشد کہ بہ حقیقتِ سرمایۂ پدرِ دانا و بہ گرد آوردنِ رہزنے پراگندہ توان نشد و باشد کہ چون آن سرمایہ بہ چنگ ارد، بہ باد دہد و بر فرودستانِ خود ستم کند و کہین برادران را ناکام گذارد ۔ ہر آئینہ دریں حال امینے باید ہوش مند و حق شناس کہ گردِ چارہ برآید و غم خواریِ بے پدر ماندگان نماید ۔ للّٰہ در من قال:

فرد: مـــرا بـــاشـــد ااز دردِ طـــفـــلان خـــبـــر
کـــہ در طـــفـــلـــی از ســـر بـــرفـــتـــم پـــدر

واللّٰہ کہ تیمارِ ان بیچارگان عینِ فرض و فرضِ عین است، ہم برشما و ہم بر مرزا ابوالقاسم خان ۔ بے کسیٔ این جمعہ در نظر باید داشت و غفلت نباید بود ۔ وللّٰہ لا یضیع اجرا المحسنین۔

خط ۔ ۱۹

ہان و ہان ابں نامہ ایست ، از اسد اللہ درد مند بسوئے آن یارِ خود پسند کہ پرسش از دوستاں دریغ دارد و دور افتادگاں را بہ نامہ بیاد نیاورد ۔ شگفتی ننگر کہ دوست بداں ناپروائی و من آنمایہ ہوسناک کہ نامہ سیفرستم و آررو میکنم کہ رور رسیدنِ این نامہ پاسخ نگاشتہ شود و ہم آنروز و اگر بیگاہ شدہ باشد ، فردائے آن بدین سو فرستادہ آید۔

ع: زہے تصوّرِ باطل زہے خیالِ محال

صاحبِ من این دشوار طلبی نہ از فصولی و فرون سری ست بلکہ کشایشِ گرہے چند کہ در سر رشتۂ خیال افتادہ بیتابم دارد و آنرا از شما میخواہم ۔

پیش ازیں میشنودیم و ہمین ہم بایست کہ نواب گورنر جنرل بہادر چنانکہ آئین است حراسش کنان و داددہاں سی آیند و بہ دہلی می رسند و ازینجا میگذرند و باخترِ سوی این دیار را سی پیمایند و قربِ تحویل آفتاب بہ حمل بہ کوہستان برمیشوند و تابستان در آنجا بسرمی برند و دریں پویہ ہر گونہ مردم از ہر دیار ملازمت میکنند وہ ہر یك را بہ تقاضائے وقت کارہا سرہ میگردد و ناگہ آوارہ در افتاد کہ چالشِ کوکبۂ گورنری تا الہ آباد خواہد بود و بس و دریں سخن مردم دو گروہ اند ۔ برخے برآنند کہ نوابِ والا جناب از الہ آباد بہ کلکتہ می رود و بعضے را عقیدہ آنکہ بہ الہ آباد درنگ میفرماید و دوسہ ماہ اندراں بقعہ می آساید ۔ مرا ازیں کشاکش دل از جائے رفتہ و اندیشہ پریشانی گرفتہ ۔ چو سرِ ایں رشتہ پدیدار و گفتارِ ہیچکس در اندیشہ استوار نیست ، در دل آوردہ ام کہ شما اندراں ہنگامہ جا دارید و بہر حال موکبِ فروغانی کوکب تا الہ آباد رسیدہ باشد ۔ استہ ایں عزیمت کہ از عالم راز ہائے نہانی ست ، برشما آشکارا شدہ باشد۔ زینہار بے سرو دل نگذرید و ہر چہ ازین عالم دانستہ باشید ، بہ من بر نگارید ، والسلام ۔

خط ۔ ۲۰

قبلۂ حاجات ، ہر چند ورودِ نامی نامہ رواں درتنم دمید ، امار آتشِ سودائے جواہراں مرزا احمد مرحوم آبے نزد ۔ حامد علی بحالِ عمہ ہائے خود کہ عاشق اویند ، چرا نمی پردازد و خیر طلباں را بہ سلامے خشك نمی نوازد ۔ عجب اینکہ چون شما اورا یعنی حامد علی را بہ سعادت مندی میستائید، ہر آئینہ مرا باوے بدگمان نباید بود و سعادتمند باید شمرد و سنگ دلی و دل

آزاری را از اثارِ رشد و سعادت باید دانست ، فرمان چنین است که ہر چه غالبؔ خونین نفس از دردِ دل فرو ریزد ، نامه را بدان نگار بندد ، تا مخدوم نگہے به تماشا آب دہد - سخن این است که نفس در بادیه پیمائی درنگ ندارد - فراوان خون خورده و جہان جہان پارۂ دل به دامن شمرده میشود - اگر خواہم که ہمۂ آن را به ورق اندر آرم ، نامه از دراری به کلکته رسد ، ورقم انجام گرائے نگردد - اما چون مخدومِ مرا به ناله ہاي زارِ من سرے ہست ، عہد کرده ام که در ہر نامه یك دو چامه یعنی غزل می نگاشته باشم تا بجائے آورده باشم فرموده آید که نامه را به اخبار آن مرز و بوم باید آراست - چه گویم آنچه نتوان گفت - گویند در ایسکه نادر بر ایران دست یافت و آن فرخنده بوم را به ستم ویران کرد مزاج دانانِ روزگار و اندازه شناسانِ کیفر و پاداش گفتند که تا در صورتِ معقوله کردار ہاي ماست ، چنانکه گفتند :

ع: زشتي اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

ہمچنین درین روزگار بفرمانِ آسیعی داور یعنی حاکمِ حقیقی خوہائے بد و طمع ہئے خام و ہوسہائے تباہِ مرا در قالب ریخته ، پس از آنکه به آتشِ غضب گداخته اند ، بصورتِ سردِ میانه بالائے بزرگ شکم ساخته اندو آن صورت نخست زہرِ بلا برمن ریخت و دود از نہادم برانگیخت و ازاں پس در ہندوستان میگرددو ویران و آباد و کوه و دشت می پیماید - مرحله به مرحله ، منزل به منزل آتشِ بیداد بلند ، وسالِ جانِ خلق برشعلۂ آن آتش سپنداست ، مگر ابرِ رحمتے از جانبِ محیط پدید آید و برین سرزمین که ہندش نامند فروبارد ، ورنه فرو نشستنِ این آتشِ بے زینہار محال - بالجمله این حریست برای معنی یابنِ رمزجوئے ، اما به مذاقِ صورتِ صورت پرستان آشکارا گوئے نیز وانموده میشود - نهفته ساد که لارڈ کونڈش بنٹنگ بہادر سوسین نوبت به دہلی نزولِ اجلال فرموده ، نویدِ بار داد - مرزبانان و سشاہره خواران و بزرگان و مالدارانِ شہر رفتند و نشستند و عطر و پان یافتند - غالبؔ مستمند که کشتۂ صورتِ معقولۂ اعمالِ خودست ، درین ہنگامه جاگرم نکرد و به بارگه نرسید - چشم براہِ پدید آمدنِ ابرِ رحمت از جانبِ محیط که اشاره به ورودِ نواب گورنر جنرل بہادرِ جدید است دارد ، والسلام و الاکرام۔

خط - ۲۱

زینہار - صد زینہار ، اے مولوی سراج الدین بترس از خدای جہان آفرین که چون قیامت قائم گردد ، و آفریدگار بدادنشیند من گریان و مویه کنان در آن ہنگامه آیم و در تو آویزم

و گویم که این آنکس است که یك عمر مرا به محبت فریفت و دلم برد ۔ چون من از سادگی بروف تکیه کردم و این را از دوستان برگزیدم ، نفس کج باخت و به من بیوفائی کرد ۔ خدارا بگو که آنرمان چه جواب خواهی داد و چه عذر پیش خواهی آورد ۔ وای برمن که روزگار با گذرد و خبر نداشته باشم که سراج الدین احمد کجاست و چه حال دارد ۔ اگر جفا بپداش وفاست ، بسم اللّه ہر قدر توانی ، بیفزائے که اینجا مہر و وفا فراوان است ، لا جرم جفا نیز باید که فراوان باشد و اگر خود این تغافل بباد افراه جرمے دیگر است ، نخست گناہِ مرا خاطر نشانِ من باید کرد و انگاه انتقام باید کشید تا شکوه در سخن نگنجد و مرا زہرۂ گفتار نباشد ۔ منم که معاشِ من از گونا گون رنج و رنگ رنگ عذاب بمعادِ کفر ماند۔ خون در جگر و آتش در دل و خار در پیرہن و خاك برسر ۔ ہیچ کافر بدین روزگار گرفتار مباد ، و ہیچ دشمن این خواری مبیناد۔ راست به تنہا روے مانم که در صحرائے پیش به گِل فرو رود و ہر چند خواہد که بالا جہد نتواند و فرود نیز رود ۔

والا قدر نواب امین الدین احمد خاں بہادر که گیتی را به رویش دیدمے و حالش را زندگی دانستمے ، به کلکته راہگرا شد ۔ دیگر زندگی از بہرِ که خواہم و دل را به دیدار که شاد من دارم ۔ واماندگی من از اینجا توان سنجید که نتوانستم ہمپائیش کردن و روا داشتم او را تنہا گذاشتن ۔ میگفت که در کلکته یکے از دوستانِ خود به من نشان ده ، تا چون بدان دیار برسم ، مرا بجائے تو باشد و غمخواری نماید ۔ گفتم حاشا که جز از مولوی سراج الدین احمد این کار برنیاید و دلم جز به وے نشکیبد ، چنانکه نامه بنامِ نامیِ شما نوشته به وے سپرده ام ۔ امید که چون شمارا دریابد ، آنمایه مہربانی کنید که اندوہِ تنہائی از دلش بر خیزد و شمارا بجائے من شناسد ، والسلام۔

خط ۔ ۲۲

دیروز که یاز دہمِ اکتوبر و چارمِ جمادی الاولی بود قدسی صحیفه نگاشتهٔ بست و نہم ستمبر بیك لفافهٔ اوراقِ آئینهٔ سکندر رسید ۔ اما اوراقِ اخبار را دران لفافه ہر چند بیشتر جستم ، کمتر یافتم۔ تنہا ورقِ اشتہار بود و دیگر ہیچ ۔ دانستم که ہنگامِ فرو پیچیدنِ نامه ، نوردیدنِ اوراق از یاد رفت ۔ بہر حال سخن اینست که مرا سعی در رواجِ این اخبار بیش از آنست که گفته آید ، اما بدین زودی برین مراد چیره نتوان شد ۔ چه اندرین روزہا آوازۂ آمد آمدِ بہین داور و کلانے اطراف را از جا برده ۔ برخے بسوئے گمرُندگانِ خود رفته و گروہے را روئے در رفتن ست ۔ نه این

آشوب فرونشیند و این پرده از پیشِ نظرہا بر نخیزد ، مقصود روائی نگیرد ۔ کارِ من به داد گہِ دہلی چنانکه دانسته باشید ، تباہی گزید ۔ حالیا برآن سرم که اگر مرگ امان دہد ،بار بدان در رسم و دردِ دل بدان زمزمه فروزیزم که مرغانِ ہوا و ماہیانِ دریا را برخود بگریانم۔

ہیہات اگر معاشِ من ہمین پنجہزار روپیۂ سالانه ، ہم بدین تفریق از روئے دفتر سرکار که ساده لوحان آنرا معدلت آثار گویند ، ثابت شده بود ، بایستے که صاحبانِ صدر مرا از پیش راندندیے و گفتندیے که ہرزه مخروش۔ آنچه تو بازیافته وا نمودۂ ، یافتنی ازان افرونتر نیست و قرارداد نیز ہمانست ۔ لاجرم دیوانه بودمے ، اگر بدین کشور بار آمدمے ، و بیك قبیلۂ که خویشان وبرادرانِ منند به ستیزه برخاستمے و به باطل ستیزی نام بر آوردمے ۔ کوتاہیِ سخن ، بر انگیختنِ منشی نصر اللّٰه بمیانجی گری و طلبِ اعانت از جارج سوینٹن بہادر ہدایتے و رعایت داشت که آنرا جز من کسے نداند ، اما چه کنم که کار برگشت ۔ خدارا بنگر و به دردِ دلِ من وارس ۔ کولبرگ به توسطِ کرنیل ہنری اسلاك برمن مہربان شود و رپورٹے که خوشتر ازان نتوان اندیشید، بصدر فرستد و جوابیکه سود مند تر ازان نتوان سنجید از صدر حاصل نماند ۔ ہنوز آن جواب در راه باشد که کولبرگ معزول گردد ۔ ہاکنس که بجائے کولبرگ نشیند آنچه برہم زدنِ ہنگامۂ سلطنتی را بس باشد ، از بہرِ من به صدر نویسد ۔ و من در آن داوری از مسٹر اسٹرلنگ چشمِ یاوری داشته باشم ۔ ہنوز آن رپورٹ به صدر نرسیده باشد که مسٹر اسٹرلنگ رہروِ راہِ عدم گردیده باشد ۔ چون از ہمه بگسلم و به دامنِ جارج سوینٹن آویزم ، گرم از جا برخیزد ، و دامن بر شعلِ جہانبانی افشاند ۔ سبحان اللّٰه ، معزول نگردد مگر کولبرگ ۔ بمرگِ ناگاه نمیرد مگر اسٹرلنگ ، به ولایت نرود مگرجارج سوینٹن۔ در خورِ این صدمه ہایِ جانکاه نباشد، مگر اسد اللّٰه داد خواه ۔ اکنون مصلحت در آن می بینم که ازین داوری قطعِ نظر فرمایند و وکالت نامۂ من که نزد منشی نصر اللّٰه صاحب است ، باز ستانند و از ہم بدرند، و بگذرند ۔ اللّٰه بس ماسوی ہوس۔

خط ۔ ۲۳

والیِ من و مولائے من ، یکشنبه ، دوم جمادی الثانی بختیِ سعیِ آوارگی در زاویۂ دہلی پائے به دامن کشید ۔نازم آئینِ غمخواری و جان پروریِ نکوئیئے که درین سفر دیده روشناسِ کفِ پای آنان گشته که وطن را به مذاقِ منِ آشفته مشربِ تلخ تر از غربت ساخته ۔ رسیدن به دہلی تلافیِ اندوہِ ہجرانِ کلکتّه نکرد ، تابه شادی چه رسد ۔ ہر که از اہلِ نظر مرا نگرد ، ہر گز نداند که

این رہرو به منزل رسیده ، نه وطن آرمیده ایست ، بلکه پندارد درد سدے ست و از وطن دور افتاده ،تازه به داغ غربت مبتلا و چگونه چنین نباشد - کسے که مولوی سراج الدین احمد و مرزا احمد بیگ خان و مرزا ابو القاسم خان و آغا محمد حسین را از کف داده باشد - طرفه اینکه در عرضِ این سه سال که مرا به بیرون گردی و صحرانوردی گذشت ، رسم و راهِ اعیانِ دہلی برگشته و مہر و وفا درنہادِ یاران نمانده - از دوستان یکدل گروہے به آغاز جز خرامیده و سرخوشانِ بزم اُنس جرعهٔ فنا چشیده- گرانمایگان و صاحبدلان در زوایای خمول فرورفته ، و سفلگان و سفیہان را روزگار برونئے کار آورده حالِ دادگاه از داد خواہان تباه تر و روزِ مردم از چشمِ سوفیان سیاه تر - تا رسیده ام ہر سو دویده ام و آزرم درہیچ طینت ندیده ام -

حاکمِ معزول بخود مشغول و منصوب شہر آشوبِ آن امیدوارِ بار آمدنِ آبِ رفته به جوئے و این باوجودِ اندیشهٔ زوالِ دولت دیوسار و اہرمن خوئے ، اما ہرچه ازین عالم است عامّان را به زبان است و خاصان را به گمان - سرِ رشته بر ہیچکس پدیدار نیست -

نامهٔ نامی که در باندا به من رسیده و جوابش از ہمان منزل مرقوم گردیده سطرے از نہضتِ لوائے جہان کشائے گورنری داشت- ہنوز آنچنان بروی کار نیامده - ہمانا آن فرمان روائی نیافته باشد ، چه حزوِ اعظم کونسل میخواہد که اربابِ کونسل را با دفترِ آن محکمه به ہند با خود آورد و اعیانِ آن کده بدین رائے یکدل و یکزبان نیستند- امید که بے خبرم نگذارند و ہرچه درین باب دانسته باشند برنگارند- دولت روز افزون باد -

خط - ۲۴

قبلهٔ حاجات ، دلنواز نامه پس از عمرے رسید و عمرے دیگر بخشید ، تا عمرِ به اندوه سپری شده را تلافی تواند کرد ، اما شاد کردنِ دلے که نہادش به غم سرشته باشند نه آسانست - ہم که چون نامهٔ شما رسیدے مستانه از جائے برجستمے و جہان جہان نشاط اندوختمے - اینک تا چشم به سوادِ این صحیفه دوچار شد ، گیتی در نظرم تیره و تار شد -نخست آنچه بنظر در آمد خبرِ آشوب خبرے بود که دل تا جگر خون کرد ، یعنی از جہان رفتنِ جواہرِ عزیز شما - ہے ہے این مخدومهٔ مرحومه ہمانست که تا در کلکته خبرِ رنجوریِ وے شنوده بودیم دل از دست رفته بود و سراسیمگی سراپائے خاطر را فرو گرفته - در نظر دارم که از مردنش بر شما چه فیست گذشته

باشد۔ توان ایزد پاك شمارا شکیب عطا فرماید و تنومندیِ دل و توفیق ثبات ارزانی دارد ، و این سانحه را در روز نسهٔ عمر شما خاتمهٔ مکاره مقطعِ مصائب گرداند ۔ آشکارا شد که مخدوم مرا ازعلاقهٔ نره خوشنودی نیست۔ ہر آئینه انکشافِ این معنی غبار ملال بر دل فرو ریخت ۔ خدارا دتنگ نتوان شدو کلکته را غنیمت باید پنداشت ۔ شہرستانے بدین نزدگی در گیتی کجاست؟ خاك نشیمیِ آن دیار از اورنگ آرائیِ مرز بومِ دیگر خوشتر۔ من و خدا که اگر منبلِ نبودمے و طوقِ ناموسِ عیال بگردن نداشتمے ، دامن بر ہرچه ہست افشاندمے و خود را دراں بقعه رساندمے ۔ تا زیستمے ، در آن مینو کده بودمے و از رنجِ ہوا ہائے ناخوش آسودمے ۔ زہے ہواہایِ سرد و خوش آب ہای گوارا ، فرخا باده ہایِ ناب و خرما ثمرہایِ پیشرس ۔

فرد: ہمه گر میوهٔ فردوس بخوانست باشد
غالب آن انبهٔ بنگاله فراموش مباد

ہم از نگارشِ مخدوم پدید آمد که قبله جان و دل مرزا احمد بیگ خان از دردِ پہلو زحمت کشیده و بحسن تدبیرِ جنابِ سید واجد علی خان روئے افاقت دیده اند۔ للّه الحمد وللّه الشکر ، نامهٔ موسومهٔ شان میرسد ، باید رسانید واز جانبِ من بسیار باید پرسید ، والسلام۔

خط ۔ ۲۵

امروز که روزِ سی ویکم است از جنوری و نافِ ہفته یعنی سه شنبه ہنگامِ نیمروز این ورق نگاشتهٔ کلکِ اسد اللّه داد خواه میگردد ، امید که بنظرگاهِ قبلهٔ دلہا و کعبهٔ جانہا حضرت مولوی سراج الدین احمد فروغ قبول یابد و نیّرِ التفاتے بسرا پائے ذرّهٔ بے دست و پا تابد۔ گمنامے را نامور ساختن و ہیچے را ہمه پنداشتن عنایتے است سترگ و مرحمتے بزرگ ، خاصه که آن سترگ عنایت بے ابرامِ داعی روئے نماید ، و آن بزرگ مرحمت بے استدعائے سائل بظہور آید ۔ نگرنده اگر دیدهٔ حق بین دارد، بنگرد که واجب تعالیٰ شانہ' اجزائے ممکنه را که در کتم عدم متواری بوده اند ، به محض عنایت پیرایهٔ وجود بخشید و برآن معدومات بدان عطیّه منّت ننهاده۔ حقّا که اگر تأملے بسزا کرده شود ، رقم گشتنِ قطعهٔ تاریخ در آئینهٔ سکندر ازین عالم خبر میدہد و چون ناخواسته این چنین نوازش بمن آمد ہر آئینه روائی خواہش را چگونه' چشم توان داشت ۔ لاجرم در گزارش مدّعا فصلے بمیان ننهاده ، آرزو را سر انجام گفتگو داده میشود۔ نهفته مباد که بی

تمیزی و قدر ناشسی حکام رنگِ آن ریحت که فاضلِ بینظیر و المعی یگنه مولوی حافظ محمد فصل حق ار سر رشته داریِ عدالت استعفا کرده حود را از ننگِ دعا و ار ہاند۔ حقّ که اگر ار پایۂ عـلم و فصل و دانش و کُنش مولوی فصل حق آسمایه نکاہند که ار صد یك و اسند ، و بار آن پایه را بـه سر رشته داری عـدالتِ دیوانی سنجند ، ہمور این عـهده دون مرتبۂ وے خواہد بود ۔ بالجمله بـعد ازیں استـعـفا نواب فیص محمد حان پانصد روپیه ماہانه برائے مصارفِ حدّامِ مخدوسی معیّن کرد و نزدِ حود حواند ۔ رورے که مولوی فصل حق ازین دیار میرفت چه گویم که بر اہلِ این دیار چه میرفت ۔ ولیعهد حسروِ دہلی صاحبِ عالم سرزا ابو ظفر بہادر سولانا را تا پدرود کندسوئے خود طـلبـد ، و دوشالۂ ملبوسِ خـاص بدوشِ وے نہـد و آب در دیده گرداند ، و فرمود که ہر گه شما میگوئید که من رحصت می شوم ، سرا جز این که پذیرم گزیر نیست ، اما ایزدِ دانا داند که لفظِ وداع از دل بـزبـان نمیرسد ، الاـصد ہزار جَرِ ثقیل ۔ تا اینجا سخنِ ولیعهد بہادر است و غالبِ مستہام ار شما میخـواہـد کـه واقعِ تودیعِ مولوی فصل حق و اندوہناکیِ ولیعهد بہادر و بدرد آمـدنِ دلهـایِ اہلِ شهر به عبارتے روشن و بیانے دلآویز در آئینۂ سکندر به قالبِ طبع در آرید و مرا درین تفقّد منّت پذیر انگارید، والسلام۔

خط ۔ ۲۶

مخلص نوازا ، عمر ہاست که به ورودِ دلنواز نامه جانے تازه نیافته ام و لطف و عتاب آئینه دارانِ التفـات اند، و بمذاقِ اربابِ مودّت از ہمدگر گواراتر ، امّا آنچه من می نگرم تغافل است، و این را بـر نتـوان تـافـت، سگر بادلے چون کوه و من این ندارم ۔ لا جَرم آن نتوانم ۔ آیا میدانید که بر من دریـن روز گاران چه گذشت و حارِ حشکم با کداسین شعله روکش گشت۔ اگرچه شما ار شنیدن فارغید ، اما من از گفتن فراغ ندارم ، چنانکه گفته اند۔

ع: کـس بشـنـود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

رور شـنبـه دہم ار مـئی بـود و وقت بر افروختنِ شمع و چراغ که چپراسیِ سر رشتۂ اجنٹیِ دہـلی رسید و نامۂ سہریِ ولیم فریزر بہادر به من داد ۔ چون نمرانِ نظر سنجیدم ، گران تر از آن بود کـه آنـرا بلك نـامـه تـوان انگـاشـت ۔ بـارے ار ہم کشودم و دیدم که نامۂ سہریِ مسٹر ولیم جی مکناٹن صاحب بہادر در نورد آنست ۔ مضمونش این که کواغذِ منتظمه مثلِ مقدمه از نظرِ نواب معلی القاب مکرّر گذشت ، و فرمان صادر شد که تجویزِ ہا کسی صاحب منظور و مہر و دستخطِ

کاغد گدرانندهٔ سر ربانِ میوات اصلی ، و بدوسستِ مندرجهٔ دفترِ سرکار نامصرّح و نامکمّل ۔ فقط۔ للّٰه در من قال:

ع: در خـانـدانِ کسـریٰ ایـن عـدل و داد بـاشـد

شبے کـه ایں شگرف نـامـه بـه بـس رسید بامدادان سـامعه گرا گردید که مولوی محمد محسن به حرمِ خفیه نویسي مأحوذ شده اند ، تا رفته رفته کار بدانجا رسید که حربها بو قمون شد۔ دهـدوـان حسـدپیشهٔ نـاجوانمرد چون مرا مخلص صادق الولائے مولوی محمد محسن دانسـتند ، رنگِ آں ریختـنـد کـه در هر روز دوبـاره یا سه بار پراگنده گوئے نزدِ من آید ، و دروغے چند یکے ار دیگرے زهره گدارتر بیان نماید ، تا بعد ار دو هفته برسن سلیك صاحب که عهدهٔ سکرٹری اجنٹ دهلی دارد ، شنودم که جرمے و برهٔ چنان که در سر آغاز داوری محتمل بود ، فرجامِ کار بر مولوی محسن ثابت نشد ۔ لا جرم لارڈ صاحب به ناخوشنودی از خود جدا کردند ، و معزول ساختند ، و رخصتِ انـصراف بـه وطـن دادنـد ۔ هـم دل از انـدوهِ خود سوختـه و هم جگر ار درد دوست برشتهٔ رنـدگـانی کـردم و چشمـے بـه ره باز داشتم تا به روزِ بست و دومِ جون مولانا از شمله رسیدند و به ساحلِ دریـا بـه زورقـے کـه خاص از بهرِ شان پیش ار ورودِ شان آماده بود ، فرود آمدند۔ رفتم و آن مجموعهٔ مهر و وفا را دریافتم ۔ آشکاراشد که ایں بزرگ را یاد آورد ۔ رخصتے با سره پیش آمده ۔ هم دو سـاله سـبیلِ پیشگی یافته و هم پروانهٔ راهداری از دفتر به چنگ آورده۔ بالجمله آن جان پیکرِ مردمی را پدرود کـردم ، و سـفینـه را لنگر بر گرفت و مرا از بحرانِ وے و نامرادیِ خویش سترگ اندوہے در گرفت ۔ خدایش نگهبان باد و مرا در غمِ دل صبر کرامت کناد ، والسلام ۔

خط ۔ ۲۷

چهار مـاه اسـت کـه از نـا رسیدن فروغانی نامه روزم سیاه است۔ کافر باشم ، اگر گمان بے التفـاتی رود ، بـا بـے مهری مـظـنـون خـاطر شود ۔ همه در آن کشاکشم که نا رسیدن نامه را چه اندیشم ۔ نه جرم از من و نه تغافل از دوست ، و نه فتنه در ڈاك و نه اندیشه در راه۔ ایں همه یکسو ، ار روئے انصاف ، اگر از بهرِ شما عذرِ کثرت اشغالِ سرکاری تراشیده آید ، جا دارد ۔ خدارا برائے مکرمی مرزا احمد بیگ خان چه عذر اندیشم و نارسیدنِ نامهٔ شان را پیشِ خود چه جواب سگالم ۔ گونـا گوں اندیشه ها و رنگا رنگ و سوسه ها به خاطر میگذرد و دلِ سودا زده بیتابم دارد ۔ حرسندم

بدان کہ مرزا صاحب مرا فراموش کردہ باشند ، لیکن تندرست و دلخوش باشند ۔ خدائے کہ میرانیکس آفریدہ و شمارا غمخوارِ من ساختہ است ، میتواند کہ شمارا بر سرِ مہر آورد تا سطرے چند از رگِ کلک فرو ریزید و بہ من فرستید و چہ خوش باشد کہ این آرزو بزود ترین ہنگام برآید و ہنوز مدتِ رسیدن این نامہ بہ پایان نرسیدہ باشد کہ نامہ سپار از دردر آید و گرامی مفاوضہ بہ من سپارد ۔ فرجام داد خواہیِ من جز این قدر نیست کہ لارڈ کونڈش بینٹنگ بہادر کواعذ مقدمۂ مرا از دفترِ دہلی باخود برد ۔ کار پردازانِ دفتر گورنری میگفتند کہ داد نامہ ہائے پیشین از دفتر کلکتہ نیز طلب فرمودہ است تا بمشاہدۂ آن مجموعہ حکمِ اخیر تواند داد ۔ باہمہ دل کہ آئینہ دار راز ست مرا نوید دارد و نظر بتفرقہ کہ در قوانینِ حکومت روئے دادہ و بہ حکمِ کشا کشے کہ در سر رشتۂ کارِ من افتادہ ، اگر فی المثال دربارۂ من حکمِ قتل صادر گردد ، بعید نمیدانم، و اگر بالفرض یک نیمہ از جاگیرِ فلانے بہ من بخشیدہ شود ، شگفت نمی پندارم ۔ چون عدلِ حقیقی نیست ، ہر چہ باشد گو باش ، والسلام۔

خط ـ ۲۸

از اسد اللّٰہ نامہ سیاہ بہ والا خدمتِ مخدوم معظمّ حضرتِ مولوی سراج الدین احمد سلامے کہ زمین تا آسمان شکوہ بارد و پیامے کہ شنوندہ بہ خشم آرد پذیرفتہ باد ۔ اگر بنائے تغافل بر مصلحتے ست، ، شاد باشید کہ از من بجہید ۔ اگر این دیوانگی از بیگانگی است ، بیہات چہ مایہ بے مہرو و زود گسلید ۔بارے اگر نامہ نگاشتن نتوانید ، اینقدر خود کنید کہ نویدِ آمد اسدِ فرمانروائے آنسو آنچہ بشنوید در آئینۂ سکندر بانطباع آورید ، تا فی الجملہ در مستقل امیدوار باشم و امیدِ من دریں مقام باشد کہ بیجا نباشد ۔ زمانِ فرومردنِ شمع و چراغ وہنگام بردمیدنِ ستارۂ روز نزدیک است ۔ انچہ بر پرتوِ شمع و چراغ وہنگام بردمیدنِ ستارۂ روزنزدیک است ۔ آنچہ بر پرتوِ شمع و چراغ نیافتہ اند ، اگر بہ روشنائیِ روز دریابند ، شگفت نیست ۔ نویدے کہ در بابِ فرستادنِ غزلہائے تازہ ازین پیش بہ من دادہ اید ہنوز بر جان و دل روانست ۔ تا ریشِ دل در خونابہ فشانی بود و ناخنِ فکر پیشۂ جگر کاوی داشت ، ہیچ نامۂ مرا بے غزل ندیدہ اید ۔ اکنون کہ بخودم آویز شبہیِ رنگرنگ است قافیۂ سخن سنجی تنگ است ۔ ہم کہ اگر از روزگار نہ ستمبر ، بلکہ اندک آسایش یافتے ، بہ نیروئے فکر پنجۂ اربابِ فن بر تافتمے ۔ سخن کوتاہ ، با این ہمہ دل افسردگی ہرچہ از قسمِ شعر بہ زبان خواہد گذشت ، بمیانجیگریِ خامہ

روشن‌س نگاهِ التفات خواهد گشت - یا رب، مخدوم من از خوئے خویش که نام دگرش تغافل است پشیمان شود، والسلام-

خط - ۲۹

مولائے من، دریں روزہا که غم روزگار برمن سخت تر از آنست که اگر خواہم لختے ازاں برنگارم، خامه روائی تواند گرفت- نشسته کسے از در در آمد و نامی نامه به من داد - حق که مشاهدهٔ عنوانِ صحیفه مرا بداں فرصت که مگر چرخ را از کجروئ پائے اررد و ستاره آئین ناسازگاری گذاشت - من بداں شاد که روزگر در ایثارِ عطیّهٔ نشاط ناس تنگدل نیست و سپهررا آن در سر که دل را به بندِ غم خسته تر کند - وارسیدم که مخدومِ مرا دل از روزگر خوش نیست - ہر آئینه بار اندوه گرانی کرد و دل را نگرانی افزود و اندیشه را پراگندگی روز افرون مبارک و خاطر را تشویشِ دمادم ارزانی-چون شما را خود آں خوئے نیست که نامه زود زود نویسید و غالب را اغلب یاد آورید، چه کم ت فرحامِ کدر را دانسته باشم و ہر چه در آنجا روئے دہد، مرا در نظر باشد - ہاں اے ساده پُرکارِ خویشتن نگہدار، نامهٔ دوست را تا آنکه رسیده باشد نا رسیده شمردن و بیچاره را به شکنجهٔ شکوه ہائے بیجا تنگ آوردن رسمِ کدامیں کشور و شیوهٔ کدام مردم است؟ پیش ازیں ورقے به پاسخ فرمانِ حضرت آلِ حسن صاحب و جوابِ خطابِ حضرتِ قاضی محمد صدق خانصاحب نگارش پذیرفته و بسسِ ڈاک روانی یافته - ایں نامه که گزارندهٔ پاسخِ آنم سطرے از سپاسِ ورودِ آن نداشت وسراسر از گلهٔ کوته فهمی من پُر بود، مرا ہنوز آن خامه که در تسوید آن صفحه فرسوده بود ہمچناں فرسوده و شمرا زبان به سرزنش تیز و لب به شکوه گستاخ - زہے ستم ظریفی و خوشا حق شناسی - والا گہر جناب محمد حمید الدین خانصاحب که بخدمت میرسند و نامهٔ من میرسانند، اگر بحائے من شمرده شوند، حدادرد- نہفته مماند که ایشاں از عمائدِ روزگار و رؤسائے والا تبار اند - نیاگانِ ایشاں خسروانِ ہند را سرورانِ جہمند بوده اند و سرت سر شبحوپور و مضافات انرا بفرمانِ فرماندہانِ عہد فرمانروائی کرده اند و به صلهٔ جانفشانی و نکوہیدگی خطاہائے خانی و نوآبی یافته - مہین برادرِ ایشان جناب محمد نجف صاحب که به دہلی دیار مانده و بود اختیار کرده اند بمن در مہر دل بازماں یکے دارند و دریں افسردگی که من دارم، اگر مرا نشاطے وانبساطے ہست، بدیدارِ ایشن است - چوں ناس از رفتنِ برادر خود به انه آباد و منشئے خصوصیت اضداد سخن کردند و پیش از آنکه از جانبِ شن خواہش رود، مرا

خود در دل افتاد کہ با شما عہدِ وفا تازہ کنم و ہر گونہ تفقّد و التفاتی کہ درین مایہ مدت بگنجینۂ ضمیر مخدوم خاصہ از مہرِ من فراہم شدہ است و مرا ہم فہرستی در خیال ترتیب یافتہ ـ ہمہ از مہر این بزرگوار والاتبار در خواہم۔ دردِ دل شنودن و بہ چارہ رہ نمودن و اندوہِ تنہائی از دل بردن و کار ایشان را کار من دانستن و جز اینہا از لطف و کرم آنچہ در حوصلۂ وقت گنجد بکار میتوان برد ـ نسخۂ پنج آہنگ کہ خامۂ لا ابالی پوئی بطلبِ آن جنبندہ نیز پس از روزے چند خواہد رسید ، بشرطِ آنکہ بر نگرانیِ من بخشایش آرند و مرا از حال خود بیخبر نگذارند۔ یارب ، بخت و دولت بفرمان باد و سپہر جز بکامِ شما مگرداد ـ

خط ـ ۳۰

فرد: ہر نسیمے کہ ز کوئے تو بہ خاکم گذرد
یـادم از ولـولـۂ عـمـرِ سبکتـاز دہـد

رسیدن مہر افزا نامہ دل برد و جان بخشید ـ اگرچہ آنجان بامن نماند و ہم بر سرِ آن نامہ بہ فشاندن رفت ، لیکن سپاسِ دلربائی و جان بخشی باقیست ـ امید کہ تا جان بخشیدۂ یزدان در تن است ، گزاردہ آید ـ مخدوم من در رسیدنِ نامۂ پیشین دو دل چراست ؟ ہنوزم نشاطِ ورودِ آن نمیقہ در دل و سواد سطور آن صحیفہ در نظر جادارد ـ چون فرمان چنان بود کہ غالب خویشتن نشناس سخنے از رسم وراہ سترگانِ پارس برگوید ، و کتابے از آن گروہ نشان دہد کہ راز آن دیرین کیش و سازِ این باستانی رسن از آن اوراق توان یافت ـ ناچار داشتن من اندازۂ سرانجامِ پاسخ آن توقیع برنتافت۔

فرد: زمن کز بیخودی در وصل رنگ از بوئے نشناسم
بہـر یک شیـوہ نـازش باز میخواہـد جوابـش را

چون دو بارہ گفتند کہ خواہش چنین است نا چار مہرِ خاموشی از دہان و پردۂ شرمِ نادانی از میان برداشتہ میگویم کہ روائی این خواہش از ہیچکس چشم نتوان داشت ، و خود را بہ بندِ این پژوہش خستہ نتوان کرد و نگارندۂ دبستان مذاہب با این ہمہ لاف دانش روئی آنچہ میگوید نہ ہمہ است و نہ ہمہ برجائے خودست ـ پارسیانے کہ در سورت و بمبئی آشیان دارند ، زینہار گمان نبری کہ از آن گروہ جز نام نشان دارند ـ آن پویہ و آن ہنجار و آن نگارش و آن گفتار ندانند و جز تخمہ و نژاد از روئے شیوہ بہ پارسیان نمانند۔

پرستان از گرانمایگی روزگار و برگزیدگی دادار بوده اند و به روزگار فرمانروائی خویش دانشهای سود مند و کنش های خرد پسند داشتند - کشایش راه از حراسش هفت سپهر و نمایش اندازهٔ گردش ماه و سپهر، پدید آوردن رخشنده گهرها از ته خاک و بدر کشیدن بادهٔ تب از رگ تاک، پژوهش اسباب خستگی و رنجوری و گزارش احکام پزشکی و چاره گری و پرده کشائی فهرست اسرار احکام پزشکی و چاره گری و پرده کشائی فهرست اسرار کمائی و فرساندهی و رصدگهی تقویم آثار بندگی و فرمانبری، عنوان به یک دیگربستن رنگ رنگ کهربا و هنجار سره کردن گونه گون هنرها، دارو گیاها فرا خورِ هر درد به کار اندر آوردن و پرندگان هوا و درندگانِ دشت را به شکار اندر آوردن، کوتاهي سخن، والائي اندازِ هر گونه بینش و پیدائي اندازهٔ کمالِ آفرینش همه در آئینه اندیشهٔ این فرزانگان روی نموده و انگیزش بایستگي گفتار و کردار که اکنون به اندکے از آن بسیار نزند از مغزِ دانش این فرهنگیان بوده است - گنجینهٔ خسروانِ پارس را از هر علم دفترے بود و هر دفتر از گرانمایگي گنج گوهرے - چون دولت از آن طایفه روئے برتافت و سکندر ابن فیلقوس برابرِ آن دست یافت، کتب خانهٔ خسروی بتاراج رفت - اما آنچه پراگنده بود، و گمنامان به هر گوشنه و کنار داشتند بر جا ماند، تا برور گار پیروزیِ تازیان در آن کشش و کوشش از هر جا گرد آمد و بفرمان خلیفه افروزینهٔ گلخنِ گرمابهٔ های بغداد شد - همانا احکام آذرپرستی هم به آذر بدر گشت - زبان آورانِ عرب فارسی را به تازی آمیختند و زبانے تازه بر انگیختند - اکنون کیست که بدان زبانِ کهن سخنِ درست تواند گفت و از آن دیرین آئین به راستی خبر تواند داد - پژوهندهٔ این راز را کامِ دل برنیاید و من ضامن که هر چه پس از فراوان جستجو فراهم آرد، نه آنچنان باشد که دل برآن توان نهاد -

از من به مخدوم و مطاعِ من جنابِ مولوی سید آلِ حسن سلام رسانند و گفتهٔ مرا باز گویند، و سگ شتهٔ مرا بنمایند - دیگر آنچه کلک مشکبار بدان رفته که منتخبے از گفتار دروای خود برانگارم و لختے از ماجرائے خود برگزارم، اندیشه را به لب گزیدن و خرد را به شگفت زار افگند -

فرد: چه گویم از دل و جانے که در بساطِ من است
ستم رسیده یکے، نا امیدوار یکے

از چه بدان ارزم و مرا این پایه از کجا باشد که ستودگان مرا ستایند و گفتار مرا در تذکرهٔ

شعراً خادہند۔ ار فرخام فرہ سندیِ ہستی و سرو برگِ پیدائی کہ نزدِ آشکارا بینان زود زوال و بہ والا بکت گریساں نودِ بی بود است ، آنچہ بہ بس دادہ اند زبانے ست بافہ سرائے و خامہ ایست بیہودہ پوئے۔ بس ہم ار بے مایگی چوں کودکان کہ درم ار سفال سرند و بہ گنجینہ داری نازند ، سرودۂ رباں و پیمودۂ خامہ را پارہ پارہ بہم بستہ و ریزہ ریزہ یکجا کردہ بہ گمان ہم آوری کہ دل ار باب اندوہ ناروائی آں خونست ، دیوانے ترتیب دادہ جا بجا بخطر گاہِ التفاتِ یاران فرستادہ ام ۔ بزرگے کہ بہ پرسش غالب مستمند روئے آرند، سوادِ بر عزیے کہ خواہند ار آں اوراق بردارند ۔ انصاف بالای صاعت، انتخاب و اسقاط اشعار خوانہ بہ رائے نامہ گرد آور است ، نہ بہ اشارہ و ایمائے سخنور ، خاصہ جائے کہ نامہ گرد آور چشم و چراغِ دودماں سخن باشد ، و مہر و ماہِ آسمانِ ہنر یعنی صاحبدلِ دیدہ ور حضرتِ قاضی محمد صادق خانِ اختر آنکہ فرود آمدنِ سخن از آسمان بہ ذوقِ پیوندِ اندیشہ والائے اوست و سجدہ ریز خراسیدنِ خامہ در نگارش بہ سپاسِ آشنائیِ بنانِ گوہر آمائے او۔ شدہ بہ شادمانی سخنے کہ ار بہرِ خواندنش بر گزیند، و نازم بہ نازشِ گفتارے کہ از بہرِ گرد آوردنش بر چیند، اما اگر گرارشِ حالِ سخنور ہوس است خود این مایہ بس است کہ چون در جریدۂ آں فن ار من سخن رانند، سخن را در ستایشِ من بدینگونہ بہ کرسی نشانند کہ از بیکسان روزگار و بیکسانِ دہلی دیر مسلمان رادہ ایست کافر ماجرا و گبریست مسلمان نما کہ از غلط نمائی غالب تخلص میکند و بدین رنگ ژاژ می خاید۔

فرد: خرسندیِ غالب نبواد زین ہمہ گفتن
یك بار بفرمائے کہ ای ہیچکسِ ما

پنہاں نماند کہ در اصل آفرینش کہ ار دودۂ روز فرور فتگن و حلقہ بحت برگشتگانِ ستم رسیدہ و روئے بہی نادیدہ کسم ۔ ارائش سخن پیشکش ، ترك نژادم و اسب من بہ افراسیاب و پشنگ می پیوندد ، و بزرگان من ار آنجا کہ با سلجوقیان پیوند ہم گوہری داشتند ، بعہد دولت ایشان رایت سروری و سپہبدی افراشتند ۔بعد سپری شدن روزگار جاہمندیِ آں گروہ چوں بہ بی روائی و بی نوائی روی آورد جمعے را ذوقِ رہزنی و عدرگری از جائے برد و طائفۂ را کشورزی پیشہ گشت ۔ بیگی مرا بہ توران زمین شہر سمرقند آرامشگاہ شد۔ ار آن میانہ نیای من ار پدر خود رنجیدہ آہنگ ہند کرد و بہ لاہور ہمرہی معین الملك گرید ۔ چون بساطِ دولت معین الملك در نوشتند بہ دہلی آمد و با ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خان بہادر پیوست۔ زان پس پدرم

عبداللّه بیگ خان به شاہجہان آباد به وجود آمد و من به اکبر آباد۔ چون پنج سال از عمر من گذشت، پدر از سرم سایه بر گرفت۔ عم من، نصر اللّه بیگ خان چون خواست که مرا به نر پرورد، گاہِ مرگش فرار آمد۔ کمابیش پنج سال پس از گذشتن برادر پئے مہین برادر برداشت و ہمرا دریں خرابه جا تنہا گذاشت و این حادثه که مرا نشانهٔ جانگداری و گردون را کمینه بری بود، در سالِ ہزار و ہشتصد و شش عیسوی به ہنگام ہنگامهٔ لشکر آرائی و کشور کشئی صمصام الدوله جرنیل لارڈ لیک صاحب بہادر بروئے کار آمد۔ چون عمّ مرحوم از دوستان دولت این فرنگ و با انبوہی چار صد سوار به رکاب صمصام الدوله با سر کشان سر گرم جنگ بود و ہم از بخشش ہائے سرکارِ انگریزی دو پرگنهٔ سیر حاصل از مضافاتِ اکبر آباد به جاگیر داشت، سپه سالارِ سرکارِ انگشتبه به خوشہائے آفتاب کلهٔ تار گدایان را چراغ و ما بے نوایان را به عوض جاگیر به مشاہرهٔ از جارِ جار جستجوئے وجهِ معاش فراغ بخشید۔ تا امروز که شمارهٔ نفس شماریِ زندگانی به چهل و چار میرسد، بدان راتبه خود سندم و بدان مایه قانع۔ در سخن زیرورش یافتگانِ سدۂ فیضم و سوا و معنی را به فروغِ گوہر خویش روشن کرده ام۔ از ہیچ آفریده حقِ آموزگاریم به گردن و بارِ منّت رہنمائیم بردوش نیست۔

رباعی

غالب به گهر ز دودهٔ زاد شمم
زانرو به صفائے دمِ تیغست دمم
چون رفت سپہبدی، زدم چنگ به شعر
شد تیرِ شکستهٔ نیاگان قلمم

نامه به پایان رسید و شرم پراگنده گوئی و دراز نفسی بر من اشتلم کرد۔ دیده وران دانند که گفتنی فراوان بود و افسانه پریشان، تاکجا اندک گفتمے و گفتار را از درازی نگاه داشتمے۔ مرا در آنچه رفت، گناہے نیست، و اگر خود گناه است، دوست کریم است و کرم عذر خواه۔ والسلام بالوف الاحترام۔

خط - ۳۱

۱

مآثر غالب

امید گاہا! صحبتِ دیروزه گردِ ملالے برضمیر نیفشانده و خارِ غم به پیراہن نه ریخته که مرا دل و دماغِ سخن سازی باشد- حاشا، ہرچه گفته ام، از عالمِ خدعه و ریا نه بوده و ہر چه می گویم از بابِ نفاق و مدارا نیست- ملخصِ کلام ایں که ملازمان را میل آں می بینم که عنتِ شوریده سال چعدِ ویرانۂ شمه نرار نه باشدو برسر دیوار قصر جلال ما اشیاں نه دوستدارے ایں عنایت جزایں دو امر نیست: یکے شوقِ مفرط به دوام صحبت من و دیگر گونه ترحّمے بر اندوه غربتِ من- اگر آنست معاف و اگر اینست انصاف، که ہر گه باوجود ایں بُعدِ مسافت موردایں عتاب و خطابم، در حالتِ قرب چه گونه به صیانتِ نفسِ خود توانم پرداخت- به اندیشه ہے دورو دراز فرورفته من و ایمانِ من که اردرار نفسی سفہا شکوه سنج نیم امّا از نانصافیِ ثقہا چو ں گویم که شکایت نه دارم- نخست به زبان ہا افتاد که فلانے قتیل را نه سرامی گوید، عالمے برمن شوریدو انجمن سامن معارض گردید- یکے را به روے من اوردند و مرا صیدِ زبوں وادئ سخن شمردند- چوں دیدند که صرفے نه بستیم و رونقِ بازار خویش نه گزاف شکستیم، فراہم شدند و فیل و رخ را طرح داده، بساطِ شطرنجِ پُرخاش را وقفِ رفتار پیاده ساختند و مہرۂ مرا نه ششدر انداختند- سنت ایزدرا که آں چه من ازداورانِ دہر خویم، مشروط به سلیقۂ سخنوری نیست - ازیں عربده ام چه باك وازیں ہنگامه ام چه زیاں:

ع: آوازِ سگاں کم نه کند رزقِ گدارا

امّا چوں پرواز صعوہا نه بال عقاب است، وروانی جوئے ہا به پشت گرمی محیط دلم ازیں وادی سر اشفت و خاطرم خیلے غم گیں گردید، جبیں به خاكِ عجز سودم، نه پریر فتند- راه پورش و اعتذار پیمودم، مرحبائے نه گفتند- نه حیرتم که بزرگانِ انجمن را کدام خدمتِ شائسته نجا آرم تادر خورِ تحسین شده باشم- ایں ہمه خوناابۂ دل است که بے خواست از لب و کام می ترا ودورنگے از حوصۂ مدعا ندارد- آں که اینك محتاج به اظہارِ آنم، ایں است که اختر شناسان را کلیه ایست که می گویند نظرِ عداوتِ سعود چنداں ضرر نداردو نظرِ مودتِ نحوس نفع نمی

رسانند۔ به عظمت و جلالِ ذاتِ اقدسِ الٰہی که شمار احیلے پاکیزہ گوہر و نیک نہاد یافته ام و مرزا افضل بیگ، اگر ازیں نسبتِ اضافی که به ظاہر دارند، قطع نظر فرمایند، پس نظر به کریم النفسی و نیك نہادیٔ شما و یگانگی و ہمرادی مرزا صاحب، عداوتِ شمارا بہتر از مؤدب بزرگان این دیار می دانم۔ حال آن که عداوت راچه گنجائی و خصومت راچه محل۔ زیرا که عنتے درمیانه نیست و عداوت خود از اعراض است نه [از] جواہر۔ مگر، ہاں ہاں، ازیں جزانه برخستن و به سایۂ دیوارِ رافت ملازمان بسترِ افتادگی بیراستن احتمالِ رنجشے دارد و ہم آزردگی به دامن اندیشه می سپارد۔ آزردگی شمارا چاره می توانم کرد، وعتب شمارا به خود گواراسی توانم ساخت، امّا بیم آنست که اگر بدان طائفه نزدیك خواہم شدچه رنج ہا که نخواہم کشیده و چه نادیدنی ہا که نخواہم دید۔ حقّا که:

ع: آزارِ دوست خوشتر از مہرِ دشمن است

ہر گاه این کلیه ثابت و ساحتِ ضمیر ہم دگرار گردو غبار بیگانگی رُفت و روب یافت، سخن از مدعامی سرایم و پرده از رُوے کار بر گشایم که اگر ہم جنگيِ من به خیل دوامِ صحبت است، آن خود صورت نه خواہد بست۔ چه پگه وقتِ رفتن به دفتر خانه و به پگاه، یعنی آخر روز باز آمدن به کاشانه۔ شب از براے آرامش و استراحت است، نه از بہر حرف و حکایت، و اگر خود ہمه سعی در غم خواری و دل جوئی من است، چشمے به حال من باید گشود که درچه کارم وچه در سر دارم۔ ہم چوشمعے برسرِ خاره گرے و سپندے به رُوے پارۂ اخگرے نشسته ام و نوید فرصتے نه دارم، تا کاتبان دفتر تقدیر برسرم چه نوشته اندوخ کم رانه خون چه سه آرزو ہا سرشته۔ کمکته ستیہے سفرِ آوار گیم نیست ندانم کدام کوه و بیابان پیمودنی ست وقدم درچه ره گزرہا فرسودنی۔ اگر دوسه ماه به سایۂ دیوار شما آسودم، چه سود:

ع: مرا ببیں که چه روزِ سیاه در پیش است

بالجمله رحمتے به ازیں نیست که مرا در کنجِ این خرابه تنہا وا گزار ندو بے کسے را به غربت جان داده و به خاك سپرده انگارند:

دوست غم خواری میں میری سعی فرماویں گے کیا
زخم کے بھرنے تلك ناخن نه بڑھ جاویں گے کیا

الله بس، ماسوا ہوس۔ فقط

(صفر تا ربیع الثانی ۱۲۴۴ھ مطابق اگست تا اکتوبر ۱۸۲۸ء)

خط - ۳۲

۱

متفرقاتِ غالب

والی من و مولاے من'

بکم جمادی الثانیه روز یکشنبه بختی سعی آوارگی در زاویهٔ دہلی پے بداس کشید۔ نازم انیس غم خواری و جان پروری نکوئی کہ دریں سفر دیدہ روشن کف پاے آثار گشتہ کہ وطن را بہ مذاق من شوریدہ مشرب تلخ تر از غربت ساختہ است۔ باللہ و اللہ ثم تاللہ کہ رسیدن بہ دہلی ہرگز تلافی اندوہ ہجران کلکتہ نہ کرد' تا بہ شادی چہ رسد! بحال ساہے گرفتارم کہ ہر کہ از اہل نظر مرا بہ بیند' نداند کہ ایں رہرو بمنزل رسیدہ است' بلکہ پندارد' دردمندیست تازہ از وطن بغربت افتادہ۔ آرے' چنینیم و چگونہ چنیں نباشد کہ مولوی سراج الدین احمد و مرزا احمد بیگ خان و مرزا ابوالقاسم خان را از کف دادہ باشد۔ وائے بر من و روزگار من! طرفگی ایں کہ در عرض ایں سہ سال رسم و راہ اعیان دہلی برگشتہ و نام مہرووفا در نہاد یاران نماندہ۔ از دوستان موافق گروہی بہ آغوش خاک خرامیدہ و سرخوشان بزمِ انس جرعهٔ فنا چشیدہ۔ گران سنگان و صاحب دلان درزوایاے خمول خزیدہ۔ و سفلگان و سفیہان رونقِ عرصهٔ دارو گیر گردیدہ۔ حال دادگاہ از داد خواہان تباہ تر و روزہاے مردم از چشم بیوفایان سیاہ تر۔ یکی از آن جماعه منم کہ تا رسیدہ ام' بہر سو دویدہ ام و اثر آرزم در ہیچ صیغت ندیدہ ام۔ معزول بجود مشغول و منصوب شہر آشوب۔ عجب ایں کہ آن امیدوارِ اعادهٔ شوکت زائلہ است و ایں بیمنت فناے سطوت حاصلہ۔ نامهٔ نامی کہ درماندہ بہ من رسیدہ بود' سطری از اخبار نہضت رایات جہان کشاے صاحبان حسن ونشان داشت۔ ہنوز آن چنان روئے کار نیامدہ۔ ہمانا کہ آن حکم نفاذ نیافتہ باشد۔ می خواستم عرض داشتی بداور مظلوم پرور نبشتن و بہ شما فرستادن۔ چوں ندانم سراپردهٔ بارگاہش رونق افزاے کدام مرز و بوم است' نقش ایں آرزو را در دل گداختہ ام۔ وہم خلِ عرض داشتی کہ از باندا فرستادہ بودم' ندانم کہ بروچہ گزشت و مرا در دل داد رجاے چہ مقدار است۔ ناچار بہ شما درد سر می دہم کہ خدا را بیکسیہاے مرا در نظر آوردہ حال عرض داشت مرسلہ از باندا و طریق گزشتن وی بہ نظر داور و مقدار توجہ وی بسوے من آن چہ از انداز و ادا پدید آمدہ باشد رقم فرمایند۔ اگر ملفوف عنایت نامهٔ مرزا صاحب بہ فرستند' آسان تر' و اگر خواہند کہ

حداگ نه به فرستند ' عنوان رافت نامه را بصغراے این رقم بیارایند که "این خط به دہلی در حویلی نواب عبدالرحمن حاں بمصلعۂ اسد به رسد" -حداے گنا 'چوں ہرزه رقم نامۂ من ار نقوش ولولۂ شوق ساده است ' افسرده دل از حودم ندانند ' بلك این سکنوبی است که در حوش پراگندگی و آشفتگی به شما نشنته ام تا حال من بر شما محهول نماند-پس از آں که حود را گرد آورده و نفس راست کرده حواہم زیست ' بیر نام ہے عاشقانۂ من آں مایه حواہد رسید که دفتر دفتر کاغد پاره فراہم خواہد شد- والسلام خیر ختام -

(پنج آہنگ : ۱۴۵)

خط - ۳۳

۲

والی و مولاے من '

امروز که ہشتمِ شوّال و روزِ آدینه است ' وقت چاشت مہربانی نامه در رسید و صلائے شادمانی بخشید وحاطر را از غم وارہانید - چوں سرنامه بار کردم ' دیدم آں چه به چشم تصور می دیدم - حداے من با من است- به بینم چه می شود دوپہر کام که می گردد- جواب نامۂ نامی را موقوف بر انکشاف حقائق و طلبی مرزا غلام عباس خن داشته ام - پس از یك ہفته خواہم نوشت آں چه باید نوشت - خاطر جمع دارند بندۂ خود پندارند - این چند سطر که به شما می نویسم ' حاص از براے دیدنِ شماست - بکس منمائید ' حود بگرید و از اندوه من آگاه شوید- نخست از ماجرائے داد خواہیِ خویشتن گویم ' تا نہفتگی ہا آشکار شود- سبحان اللّٰه چه بے تاَمّل از رگِ کلکم فروریخت که از ماجراے داد خواہیِ خویشتن گویم! به حیرتم که چه گویم از ماجرائے که حود نیز نمی دانم- مختصر مفید' به دہلی رسیدم و از حکّام استدعاے اجراے حکم صدر کردم - پدید آمد که ہیچ حکم از صدر نه رسیده است - ہماناں کاغد گم شده بود و به باد رفته- حاکم رحمت کرد و به صدر نبشت - مثنّی باز آمد - حاکم آں را دید و خط به شمس الدین احمد خاں نبشت و حالِ متعلّقان نصر اللّٰه بیگ خاں بازجست- مدعیٰ علیه جواب فرستاده که به موجب پروانۂ مہری جرنیل لارڈلیك بہادر پہنج ہزار روپیه سالانه بداں گروه می دہم- حاکم اصل سند براے ملاحظه طلبید- چوں رسید' نقلش به دفتر داشت و اصل به فرستنده باز داد- نقلِ آں نقل به من عنایت شد- حواب آں ہرچه به دانش خداداد من پسندیده نمود' نوشتم و به محکمۂ

فرستادم- دیگرحز این قدر نه دانم که حال چیست و ماجرا چه معنی دارد- فلاں بیگ به مقتضاے طمع من کمر به کینم استوار بسته اند و در نظر خلق اعانت خواہر و کود کانش را سرمایۂ توہین و تسویل قرارداده اند - من مردِ حق جوے حق پرستم ' راست می گویم و حق می جویم - نه عدوے شمس الدین خاں صاحبم و نه دشمنِ خواجه حاجی و پسرانش - شمس الدین خاں برادر زن من است و خواجه حاجی پسر یارگیر جدِّ من و پسرانش از دو پشت خانه زاد و از سه پشت نمک خوارِمن - از احمد بخش خاں که برادر زن عمّ من و برادرِ پدرِ زن من بود ' دو شکایت داشتم و دارم: یکی تقلیل مقدار وجه پرورش بے وقوع جرم و گناه' دوم شمول خواجه حاجی بے ثبوت وجه استحقاق ' و مجموعِ عرائضِ من ازیں ہر دو شکوه سریز است - شمس الدین خاں سندی به تعداد پنج ہزار روپیه سالانه به محکمه گرانده و مرا ہیچ ازیں معارضه پروانیست - فلاں بیگ رراه فتنه انگیری و خلاف نمائی دشنهر گویم رانده و مرا ہیچ ازیں عربده محابانیست- پشت گرمیٔ من اولاً به امیدِ عدل و دادِ اہالی سرکار است و ثانیاً به اعتمادِ حق گوئی خویش - والله یفعل ما یشاء و یحکم مایرید - کارہا بخدا سپرده ام و از ہجوم اعدا باك ندارم - سر موے از تنِ ابراہیم در آتش نمرود نه سوخت و گردِ فتوری از انبوه سحرۂ فرعون براندامِ موسیٰ نه نشست - مرا چه ضرور است با خداے توانا بدگمان بودن و از فتنه انگیزی اعدا ہراسان بودن!

حال خامه گراشنِ کرنیل اسلاك صاحب پیش ازورود گرامی نامه به زبان یکے از صاحبان والا شان شنوده ام - براے مخدومی میرزا ابوالقاسم خاں صاحب و مشفقی آقا محمد حسن صاحب سخت غمین بوده ام - خدا کند' در وصیّت نامه امری مندرج باشد که براے این صاحبان کفایت کند! افسوس' از حالِ مخدومی نواب مہدی علی خان بہادر خبرم نیست 'من خود ازین سراسیمگی ہا ' که از یمین ویسار در شکنجۂ بیم و خطرم کشیده اند' مجال نامه نگاری نیافته ام ' ونواب صاحب را کجا دماغ یاد آوردن خاکساران است - ہمین دم در حین تحریر این سطور میرزا داؤد بیگ رسیدند و نامۂ مرقومۂ ۲۸ رمضان رسانیدند- چون جواب آن مجموع مراتب بطریق کشف پیش از ورودش نگارش یافته است ' به پاسخِ تاره التفات نکردم -فلاں بیگ حال مرا پرسیده اند - خوشحال من که خدا را توانا و دانا میدانم و انبیا را مرسل من الله و حسین را بندۂ حق و طالبِ حق و برگزیدۂ حق می شناسم و یزید را ظالم و نا انصاف و فسق می شمارم! زیاده زیاده است -

خط - ۳۴

۳

والی من و مولاے من'

ہفت دہمِ شوّال و یازدہمِ اپریل' روز یکشنبه دمِ صبح وقتی که باد بہاری دروزیدن و غنچه در شگفتن و گل در دریدن بود' دل کش نامه رسید و جیب و کنارم به گل انباشت و مسرّت و رودش سراسر سرمایهٔ نشاط توانگر ساخت۔ به خدا که رسیدن این نامه از حوصلهٔ تمناے من افزون بود' چه خود من از سراسیمگی ہرزه عنوان نامهٔ به کانپور فرستاده بودم ۔نه نشانِ دولت کده در نظر داشتم و نه زمان و ورود شما می دانستم۔ الحمدہ تامکتوب شما را نگریستم ' صدبار بلك بیش ' بر سر وچشم نهادم و جان بر فرقِ فرقداں ساے شما نثار کردم۔ ہم مرا از تفرقهٔ رسیدن و نرسیدن نامهٔ من نجات دادیدوہم مرا از تردّد حرکت و سکون خود وا رہانیدید۔ برسلامت حال شما سپاس به جے آوردم و خداے را ثنا ہے بے اندازه گفتم۔ حقًا که از خوباں روز گارید ۔ سلامت باشید۔ انصاف بالاے صنعت ۔ میرزا احمد بیگ خاں عالم مہر و جہاں وفایند ۔ دو سه ماه از حال من چشم پوشیده بودند و از تحریر دست باز کشیده ۔ ہفتهٔ می گردد که دو تا نامه از آں جانب رسید۔ عذر کوته قلمیہا خواسته بودند' و حالہا به تحریر در آورده ۔ ازیں سو نیز پاسخہا رواں شده ۔ به تقریب اطلاع باز گفته شد۔ جان من ' ماجرا ایں است که مرا از آغاز تظلّم از احمد بخش خاں دو شکایت است . یکی تقلیل مقدار وجه پرورش و دوم شمول خواجه حاجی ۔ اکنوں که کار به دادار۔( )[1] افتاد ' بالفرض اگر ہمه پنج ہزار روپیه وجه پرورش متعلّقاں نصر اللّٰہ بیگ خاں قرار خواہد یافت ' مرا خود شکوهٔ شمول حاجی خواہد بود ۔ به خدا که فلاں بیگ در پۓ آزار من است و اعانت خواہر زادگان را دست آویزستم ساخته است آخر روے بود و روز گاری که فلاں بیگ و شوہر خواہرش ہر دو در رسالهٔ نصر اللّٰہ بیگ بے چاره نوکر بودند ۔ اینہا از سه پشت نمك پروردهٔ آباے منند و آں کفر غدار پس از مردن عمّ من پراگندهٔ چند را که فلاں بیگ از آناں بود با خود گرد کرده نقد و جنس و اسپ و فیل و خیمه و خرگاه عمّ مرا پاك خورد۔حالا برخے براے سیرابی بیاں و سختی جہت پرکن صفحهٔ حال اصل مقدمه شرح میدہم که جانِ من بلکه

۱-صحیح لفظ 'دادار' یا 'داور' ہے - اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

خوش تراز خان س ن به دہلی رسیدم و از حکام مستدعی اجرائے حکم صدر شدم' پدید آمد که نقل رپورٹ کولبرك صاحب موجود است و نشان حکم صدر در دفتر پدید نیست۔ حاکم حواہی از راہِ توجه ' حواہی موافق ضابطه ' حواہی برائے اثبات صدق و کذب دعوی من به صدر نشست ۔ چوں راست گفته بودم ' مثنی از صدر رسید۔حاکم حصه به مدعی علیه نوشت ۔ مدعی علیه سندی به مہر جرنیل لیك صاحب مشتمل بر تعدادِ پنج ہزار روپیه سالانه فرستاد و گفت "به موجب ایں سند پنج ہزار روپیه به خویشان نصر اللّٰه بیگ خان می دہم"۔ حاکم نقل آں سند به من داد وار من جواب طلبید ۔ من جواب آن سند به محکمه رسانیدم ۔ فی الحقیقة آں سند جعلی است و من جعلیت آں سند را بدلائل ثابت کرده ام۔ از آں جمله یکی اینست که نقل آں سند از دہلی تا کلکته در ہیچ کدام دفتر کده نیست ۔خلاف حق دادگه است که حاکم در آمیزش بسته و باعتکاف نشسته است ۔ کارہا درہم و جانہا برہم۔ اہل دفتر سوگند می خورند که جز پروانه ہائے ماہواری ہیچ گونه تحریر دست نزده ایم ۔ و مشاہده نیز گواه ایں معنی است ۔ حاکم کجا ' تا ہوئے رسم و جانہ در گویم !تا که حاکم بار می داد ' می رفتم و می نشستم ۔ چوں ذوق شعر وسخن داشت ' اغلب اوقات سخن ازیں عالم می رفت و مطلب ہم گفته می شد ۔ در آں روزہا موقع ایں راز نه بود' چه مفسده سر به شورش برداشته بود۔ چگونه پیش از مرگ واویلا کردمی ؟ ایدوں که گردفتنه بند شد' مراچه که ہیچ کس را به داور راه نیست ۔ گویند' حاکم آں می خواہد که اگر سرانویدِ استقلال از صدر رسد' به کارہا گرایم ۔ باید دید ایں تفرقه کے برخیزد و حاکم مستقل دریں میانه که باشد ۔ ماجرائے داد خواہی غالبؔ بلاکش اینست که به سبیل ایجاز و اختصار گفته شد۔

خط ۔۳۵

۴

جانی که الطف اجرائے آں به تحلیل رفته و کدورتی چوں دُرد از باده و خاکستر از آتش وا مانده است ' اگر به پائے دوست افشانم ' ترسم که پائے نازنینش رنجه گردد و اگر آماده ایں نثار نگردم ' در عالم وداد شرم سار باشم ' چه کنم تا حقِ محبت گزارده و سپاسِ عنایت بجا آورده باشم؟ مشاہدۂ صفوت نامۂ حُجّت رقم دیده را آئینه دار جلوۂ شاہد مدعا ساخت و عالم علم اسرار درنظر آورد: اعجب که بعدِ ارسال ایں ہمایوں صحیفه نامۂ دیگر از اسداللّٰه به نظر گزشته

باشد۔ سخن این است که بار گرانی دارم اگر دوش ہمت به دردند و کریمانه این بار گران را کشیدن توانند ' و دانم که چنین کنید 'چه از کرمتان روز گردید' حال آن داد کده و اوضاع اعیان آن گرامی محکمه درنظر دارم ۔ حقًا که ہم چنین است که رقم کرده اند۔ اما دردمند چه کند' اگر ننالد؟ ماتم زده جز مویه چه داند و مجروح جز مرہم چه جوید؟حال پرنسپ صاحب میدانم که بدین معامله علاقه نه دارند۔ لیکن چون از من و کرمِ پرهٔ آگہند و در عہد حکومت خود مرا پیش نواب معلی القاب به جلالت قدر و اشاعت استحقاق ستوده اند' دوستانه مکتوبی نوشته ام ۔خدایا' این قدر به ظہور آید که نامهٔ مرا فرو گیرد و وکیل مرا بوکالت نه پریرد۔ آن گه کارہا انست و امید ہا فراوان' خدا را سعی باید کرد۔ و این خود ارتنگ ظرفی من است که خود را پیش شما سفارش می کنم 'ورنه در حقیقت کارمن کارشماست ۔ و انصاف بلائے طاعت ' اگر کار خود را کار شما نمی دانستمی ' چه گونه این سترگ رازہا به شما می نہادم و خود را سراسر به شما می سپردم! رعایت این معنی باید داشت که ہر نامهٔ که ازمن برسد' آنرابه خوانید و به مولانا به نمائید و از ہم بدرید و به آب و آتش افگنید ۔ مطلب قدیم یا به دوشی (۱) جدید پیرایه اظہار داده نزد منشی صاحب فرستاده ام ۔ آن را بنگرید و به سنجیده و به مع کارہا وارسید۔

(پنج آہنگ : ۱۳۳)

خط ۔ ۳۶

۵

قبلهٔ حاجات'

دی روز که پانردہم اکتوبر بود ' قدسی صحیفه مکتوبهٔ بست و نہم ستمبر با یك ورق آئینهٔ سکندر رسید۔ اما در آن لفافه اوراق اخبار را ہر چند جستم کمتر یافتم ۔ تنہا ورق اشتہار بود ' دیگر ہیچ گفتم " مخدوم فرستادن ورقی کافی شمرده باشند "۔ چون نامه کشودم و جادهٔ سطورش به پے نگاه پیمودم ' دیدم که مخدوم اوراق اخبار را بالا ستیعاب در لفافه نشان می دہند و آن خود درین لفافه وجود ندارد۔ دانستم ہنگام پیچیدن نامه نور دیدن تمام اوراق از یاد رفته باشد۔ بایٔ حال دیده به مشاہدهٔ ورق آئینه سکندر نورانی گردید و روانی عبارتش نظره را به گوہر کشید۔ بنا بہائے خوش و خبرہائے دل کش ۔ مردم این دیر بسکه از نعمتمٔ اخبار جام جہان

ا ۔ درست " به روشی جدید" معلوم ہوتا ہے ۔ اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

نمامعول اند 'دوفی در سب باحبار نه دارند۔ باحمله که مراسعی در رواج ایں اوراق سش ار آں است
که گفته آید' امّاعجاناً بر ایں مراد حیره نه تواں شد۔ احوی صحب قبله طوع حاطر حریدار اوراق
اند' بلك با س پیماں یك دبی بسته سعی در رواج احبار دارند۔ مع ہدا بریں مابه کوشش فانع
نسبتم ۔وثیقه ہاے دگراں نیر حواہم فرستاد۔ ارحال سعامه آں چه نگاشتۂ کلك تفقد صرار بود'
جہلِ مرابه پیرایۂ علم آراست' اماّ نگرانی بایں قدر آگہی از دل برنه خاست۔

خط ۔ ۳۷

۲

قبلۂ من'

رسانۂ درار گزشته وسی گررد که به سواد گوہریں نمه دیده توتیائی نگشته ۔ ازیں پیش
آں چه به حکم نوازی نوارش کرده اید' نقشِ نگیںِ ضمیر است۔ حاصه ہم در آں ب خار حاری
دارم که محسب خیال مدّت رسیدں پاسح رابه پاناں برد و ہنور رنگی ار آں بہار پدید نیست ۔
ماجراے س ابنست که ار داد کدۂ ایں حلاف آبد حود را به یکسو کشیده نقش دیوار عم حانۂ
خویش گردیده ام ۔ شمع امیدی در برم حیال افروحته و چشم به داد گریہاے حکام صدر دوحته
دارم۔چه گویم که حکم اطراف چه ہنجارہا سر کرده اند و چه شیوه ہا پیش گرفته! اگر روزگارے
ہم بدیں نہج حواہد گزشت' خنمانہا غرقۂ سیلاب فنا حواہد گشت۔ حاصه اندریں دیار که
عمدۂ روزگار عمری و نماسی احبیر کرده اند و حکم گوش رغبت بدیں مردم داده عاسمے بر عرض
و سال حود بررال است۔ خستگاں را مرہم نوارش حز به داروکدۂ صدر نشں نه داده اند' چه در ایں بارگه
حیف و بسل را رواج نیست' ورنه ہر سو عدر فتنه بلند و آتش بیداد تیر است۔ امرور که ۲ حنوری
ست' حام حہاں نما آئینه شہود ایں حبر گردید که در اں ناحیت و به شائع است س که حبر حواه
و دعا گوے دوستانم 'چه گویم که چه قدر در اضطراب افتاده ام ۔امید آں دارم که چه رودتر به
دادگریہاے من فرا رسید و نوید عافیت خودو دیگر متسبں و مخصصاں حوبش به فرستبد' بحاطر
مشوّش را ذریعۂ تسکینی خواہد بود۔ چون بدیہی است که ملازمان از راه شفقت و تفقّد پارۂ از
حالِ سرانجام کار ایں ستم رده نگرش حواہد فرمود' در استدعا ابرام نه کردم' تامه رار نفسی و
حسره سری ستمسف نمایدم شد۔ مخفی مباد که رودی در نگارش پاسخ ایں نامه حاں به سرده و

آب به تشنه بخشیدنست نست و کورنش من به ہزار رنگ خم تسلیم به جناب مولوی صاحب قبله عرض داشتنی و سلام و شوق دیدار صد گونه مودّت و وداد به خدمتِ آغا صاحب گزارش کردنی است ۔ فقط

(پنج آہنگ: ۱۲۹)

خط ۔ ۳۸

۷

بر ضمیرِ منیر قبلۂ ارباب صفا پوشیده مباد که پس از روزگاری به ورودِنامه شادمان گشته سپاس عنایت به اندازۂ طاقت گزارده ام ' و دل را به سرمایۂ امید محتشم ساخته بالجمله ناسازی سراج مولوی صاحب قبله در تاب و تبم افگنده دود از نہادِ صبر و شکیب بر انگیخته است۔ شما و عمّ بزرگوار شما از گران مایگان دہر و نیکوان روزگارایدـ یارب' سلامت باشید و دیر به مانید و جاوید گردید و از دہر نیکوئی ہا به بینید و بپایه ہاے بلند رسید ۔ یاد می کنم آن مہربانی ہاے شما که مرا به گونه گون پرسش و نوازش نواختید و غمِ غربت و اندوه تنہائی از دلم ربودید۔ تا از شما دور افتادم ' روے راحت نه دیدم و بوے وفا نه شمیدم ۔ خدا را ' اگرچه بدان نیرزم که نامه زود زود باید نوشت ' اما لطف گاه گاه دریغ نباید داشت۔ دریں ہنگام که دل به طرفِ حضرت مولوی صاحب نگران و مژدۂ صحت و خوبی جویانست ' فرمان داده اید که غالبؔ مغلوب مزخرفات خود را به نظرِ اعتبار اثر در آرد۔ جان پرورا 'کجا آن روزگاران که دست نوازش بردوشِ کلکِ رقّاص کشیدمی و به نیروے فکر پنجۂ ارباب فن برتافتمی ۔ حالیا با خودم آویز شہاے رنگ رنگ و قافیۂ سخن سنجی تنگ است۔ با این ہمه آتشم بے دود نیست ۔ریشِ دل درخون به فشانی است و ناخن فکر سرگرمِ جگر کاوی ۔ غزلی چند که از تارگیِ اندیشه خبر می دہد' متوقع اصلاح رقم می گردد۔

خط ۔ ۳۹

۸

این پوزش نامه ایست از غم دیده اسد به جناب فیض مآب والیِ ولایتِ معنی ' مولوی سراج الدین صاحب۔ عنوان گزارشِ مدعا این که نگارش نامه به حسنِ نسیم ورود' حیب و کنارم

را حه(۱) گس اپنشت۔ و رنگ و نگرش پاسخ لاابالانه نبود-می حواستم که سرمایۂ تحریری دست بهم دہد و برق آگاہی ار پردہ بدر حشد۔ ایدون ' که حادۂ بدعا طلبی بپایاں رسید' حامه بفرق شتافتن آعار کردو شوق ہنگامۂ پاسخ نگاری ساز کرد- فیض رسانا، نامۂ نامی شما از صحت وحودفائض الحود حصرت مولوی محمد حسن الدین خاں آگہم ساخت۔ و حق که پژوہندۂ ایں خبر و حویندۂ ایں نوید بودم- ار من آداب زمیں بوس رسانند و عدرِ کوته قلمیہا بار حواہند۔ امید که در عرضِ یك دو ہفته به خود آیم و حود را به ذریعۂ تحریر درایاد حاطرِ عاطرِ شان دہم۔ دیگر بمدر آن مشکیں صحیفه دعا گوے حود را مژدۂ ایمائے سر انحام خدمت استفتاداده اید و وثیقۂ که ذریعۂ استفتا تواند بود' نه فرستاده اید' اگرچه خود نیر ار نفرستادن اں کاعذ و وعدۂ ارسال آں در روزگار آیندہ اشعار فرموده اید- بہر رنگ ار منتظراں ایماے سرانحام حدمتم تواں دانست -مرا آنچه ار گردشِ سپہر و ستاره پیش آمد' ایں ست که بتاریخ چارم مئی که با یازدہم دیقعده تطابق داشت 'رپوٹ مقدمۂ من به صدر رواں شد -ہی' ہی چه رپوٹ وکو مقدمه ! رپوٹی چوں طرّه حوباں خم اندر حم و چوں حالِ دل ستگاں درہم- از آں جا که در آغار داور را بر خویش مہرباں شناخته ام' شرمم باد' اگر سخن درار کنم و نوائے شکوه ساز کنم- اگر بناے امیدم را استواری پایۂ تحریر صدر نبودی 'اعیاں ایں دادگاه رحنه در بنیانِ وحودم افگنده بودند' و زہر ہلاہل به ساغر مرادم کرده - انصاف بالاے طاعت' بایں ہمه ناساری زمانۂ غدّار' مذاق تحریر رپوٹ آں قدرہا ناگوار ہم نیست - غایت ما فی الباب ایں که بر آوردن نہال مراد روزے چند دیر حواہد کشید- منت ایرد را که عاقبت بحیر است -دیگر' مدعیِ ناانصاف که به کلکته درغیبتِ من گردِ فتنه بر انگیخته و صرح بے محادله ریخته است' نه دانم چه ربونی در کارِ حوِیشتن دید وچه جواب زہره گداز ار بارگاہ یافت که حالیا به حواہر رادگں حود نشسته است که من ار فکر کار شما غافل نیستم' اما شما را باید که نخست رحوع بسر رشتۂ رسیڈنٹی دہلی آورید و صفحۂ چوں روے حود سیاه کنید و بدرگاه رسانید تا مراسرمایۂ آویزش به صدر تواند بود و بس- نگارش ایں یك دو سطر محض به تقریب آگاہانیدن شماست والسلام -

(پنج آہنگ : ۱۳۳)

۱- " جیب و کنارم را به گل انباشت" درست معلوم ہوتا ہے- اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے-

خط - ۴۰

۹

دل سوار نامه پس از عمرے رسید و عمری دیگر بخشید ' تا عمر به اندوه سپری شده را تلافی تواند کرد۔ امآ شاد کردن دلی که نهادش به غم سرشته باشد'نه آسان است۔ منم که چون نامۂ شمارسیدی ' مستانه از جایر جستمی و جهان جهان نشاط اندوختمی ۔ ایبك تا چشم به سواد آں صحیفه دوچار گشتۂ جهاں در نظرم' تیره و تار گشت۔ نخست' آنچه در نظرم جلوه کرد' خاطر آشوب خبرے بود که دل تا جگر خوں ساخت یعنی از جهاں ' رفتن خواہر عزیز ۔ از آں گروه نیم که چوں از دوست جدائی روے دہد' رسم و راهش از یاد برند و معاملات فراموش کنند. ایں مخدومۂ مرحومه ہمانست که تادر کلکته خبر ناسازیش رسیده بود ' دلِ شما از دست رفته و سراسیمگی سراپاے خاطر را فرو گرفته۔ در نظر دارم که مردنش بردشمنان شما چه قیامت گزشته باشد۔ توان ایرد پاك شما را صبر عطا فرماید و تنومندی دل و توفیق رضا ارزانی دارد و ایں سانحه را در روزنامۂ عمر شما خاتمۂ مکاره و مقطع مصائب گرداند۔ وا رسیدم که جناب مولوی صاحب قبله معارضۂ بواسیر رنج ہا کشیده اند' اما بفضل ایزدی راحت ازاں رحمت یافته اند۔ بیکس نوازیهاے آں قبلۂ نیکوان در نظر دارم' دعا گوے حضرت اویم ۔ کورنش من باید رسانید و ایں بیت از جانب من عرض باید داشت ۔

گرچه دورم از بساط قرب' ہمّت دور نیست
بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوانِ شما

آشکار شد که مخدوم مرا از علاقۂ تازه خوشنودی نیست ۔ ہر آئینه انکشاف ایں معنی صحراصحرا غبار ملال برخاطر ریخت ۔ خدا را' دل تنگ نتواں شد و کلکته را غنیمت باید دانست ۔ شهری بدیں پاکیز گی و بهارستانی بدیں خرمی در گیتی کجاست ! خاك نشینئ آں دیار از اورنگ آرائی مرزبوم دیگر خوش تر۔ من و خداے من که اگر متاہّل نبودمی و طوقِ ناموس عیال بگردن نه داشتمی ' دامن بر ہر چه ہست افشاندمی و خود را بداں بقعه رساندمی۔ تازیستمی ' در آں مینو کده بودمی و از رنج ہواہاے ناخوش ہندوستان آسودمی ! رہے ہواہاے سرد و خوشاآب ہاے گوارا! فرّحا باده ہاے ناب و خرما ثمرہاے پیش رس ! چنانچه غالبؔ دہلوی گوید .

همه گر میوهٔ فردوس به خوانت باشد
غالبؔ، آن انبهٔ بنگاله فراموش مباد!

(پنج آہنگ : ۱۴۲)

خط ـ ۴۱

۱۰

عمر من و جان من،

پس از رسیدن گرامیٔ نامه، در بند آن بودم که پاسخ گزار شوم و ماجراے خود را شرح دهم۔دی که پانزدهم ذی الحجه روز دو شنبه بود، خبر رسید که مجموعه مکارم اخلاق را شیرازهٔ وجود از هم گسیخت ـ خاك بدهنم ' مستر اسٹرلنگ جان بجان آفرین باز داد۔ کاش روئین گداخته در روزنهٔ گوشم ریختندی و این خبر سامعه کوب نه رساندندی! اکنون اسید غم خواری از که بایدم داشت و دل را به خیال گردش چشم که تسکین داد؟ رپوٹے که جناب مسٹر فرانسس ہاکنس بهادر در مقدمهٔ این کشتنی و سوختنی به صدر فرستاده اند، چه گویم که چه قدرہا امید کاه و اندوه فزاے بوده است! تکیه بر کارسازی ہاے آن چابك خرام بیداے فنا داشتم ـ گردِفتنه که مدّعی ناانصاف در ره گزرِ مقصود من بر انگیخته است، چه گویم که چه مایه نظاره خراش و اندام فرساے بوده است! در پناهِ سایهٔ دستِ حمایتش آسوده می زیستم ـ اکنون از ہر دو سو فلك به کام دشمن است ـ کو مقدمه و کدام رپوٹ!

از من خسته چه پرسی که چه حال است ترا؟
حالِ من، حالِ سگان، این چه سوال است ترا؟

خداے را، در پاسخ این نامهٔ درنگ روا ندارید و حالها مفصل رقم فرمائید که آن والا گهر را چه روے داد و آن نونهالِ حدیقه مرد می را کدام تند باد از پاے افگند، و پس از وی سرانجام دفتر کده چه شد و جایش که گرفت؟ آیا ہماں سیمن ' فریزر بهادر به سکرتری کونسل عالیه پائے ثبات افشردند یا دیگری را بروے کار آوردند؟ دیگر آں چه ازیں عالم بر شما پدید آمده باشد، کوته قلمی مکُنید و ہرچه زودتر به نویسید۔ اگرچه نامی نامه خبر از ترقی که در حال خیر اشتمال مخدومی جناب مولوی خلیل الدین خاں صاحب پدید آمد، داده و درہاے فردوس بر روے تمنا

کشاده است ' اما به خدا که سرو برگ آنم نیست که لفظی به لفظی به پیوندم و گلدستهٔ تهنیتی فرابندم ۔والسّلام و ہوخیر الکلام ۔

(پنج آہنگ: ۱۳۹)

خط ۔ ۴۲

۱۱

قبلهٔ من '

بارہا بہ خاطر می گزرد کہ مگر مولانا سراج الدین احمد به کلکته رفتند' ورنه ایں قدر از من بیگانه گشتن و در عرض ایں ما یه مدّت به نامه(۱) نیاوردن چه امکان داشت۔باز می گویم که اگر در واقع چنین است ' چه بود که مرا آگہی ندادند؟ گاہے بدل می خلد که رعایت خاطر احباب فرموده اند و از من و حال من قطع نظر نموده ۔ من و خدا که دل دریں معرکه سی ایستد و خاطر ایں اندیشه فتوی نمی دہد! متانت طبع و استقامت ضمیر و استواری عہد و صدق دعوی شما مرا ازیں وسوسه باز می دارد۔ بالجمله حیرت زدهٔ اوضاع روزگارستم و کُشتهٔ گردش لیل و نہار۔ عرض داشت موسومه جناب مستطاب مولانا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب در نورد نامهٔ موسومهٔ شما به شما فرستادم ۔ امید آنم بود که جوابے دل نو از ترازنسیم بہار خواہد رسید و طبع را خرّمی خواہدبخشید آنہم نه شد میّسر و سوداے خام شد۔ قطعِ نظر از کامیابی و ناکامی خویش حیرانِ بیربطی اوضاع دہرم و ہیچ نمی(۲) سہمم که قاعده ہا چرا برگشت و رسم ہا ازچه واژگون شد۔ از دو ماه می شنوم که مارٹن دہلی ہنوز گردے از مقدمش پدید نیست ۔ عمایدِ قوم حکام نیز خبر ندارند که آں صاحب مجہول الحال کجاست ' و در آمدنش درنگ چراست ۔ دیگر خبر ندارم که بعد مردن مسٹر استرلنگ بر دفتر خانه چه گزشت ۔ ایں قدر منقّح شده است که ہنوز سیمن فریزر بہادر کار سکرتری می کنند و بس۔ خبر است که جناب نواب گورنر جنرل بہادر در ماه اکتوبر به ہندوستان می آیند۔ سال گزشته رست خیز عجبے در اشخاصِ

---

۱ – لفظ " نامهٔ" کے بعد متن میں "یاد" رہ گیا ہے ۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

۲– درست "ہیچ نمی فہمم" معلوم ہوتا ہے ۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

عمله و منتسبان دفتر دیده ام - بلك ہمدران ہنگامه من ہم زورق بطوفان بلا افگنده ام - ہنوز خبر مقدم جناب نواب معلی القاب بورم نمی آید- کاش در زمرۂ داد خواہان محسوب نبود می' تا فارغ ازیں کشاکش ریستمی و حوش و ناخوش را یك دست دانستمی - چه کنم که دل از عربده تنگ است و دستم زیر سنگ - از جملۂ اخبار وحشت انگیز یکے ایں است که بعض ثقات می گویند که جناب نواب گورنر بہادر پریوٹ کونسلی قرار داده اند و رام سوہن رائے یکی از اجزاے آں کونسل است - اگر چنیں است بر حال خودم خوں باید گریست - شما نیز ازیں پرده خبری دارید - ہمه تن چشم حیرتم ' خاصه در مقدمه خویشتن که مبادی آں بچه رنگ استوار بود و حالیا چه پیش آمد! گرفتم که نبودنِ اسٹرلنگ بہادر طرحِ این نادرستی ریخت- آخر مجموع صاحبان کونسل ہماں بودند که آغاز کارمرا پرواز(۱)روائی داده اند- بدسعایتی که حاکم دہلی دربارۂ من کرد' چرا حکمِ سابق را فراموش کردند؟ للّٰه در قائل :

نا کامی و کامیابی ما سہل است
اما ز ادائے بے روش می رنجیم

نادر تر از ہرچه گمان کرده شود ایں ست که امرے که باعث تذلیل و تخریب فلاں بیگ شده بود' یعنی رشوت ستانی حالیا در عہد کسیے که من کشتۂ اویم ' آں قدرہا رواج دارد و که نه گفت و بیان نه گنجد- حیرتم است که نواب گورنر بہادر چرا بدیں سو توجه نمی فرمایند و خلق خدا را از چنگ ایں ظالم نجات نمی دہند - دیگر داغ گرمیِ این اتفاقم که احباب کلکته مثل نواب علی اکبر خاں و مولوی ولایت حسن صاحب ورائے رتن سنگھ سیما جناب مرزا احمد بیگ خاں از دو ماه سطرے بنامِ من ننوشته اند- حالیا چه کنم و قطع نظر اعانت خبر از که جویم وچه گونه دریابم که حالِ آں ناحیه چیست؟ زور من به شما می رسد و شما را نه امروز بلکه از نخستین روز صاحبِ دل و روشن رواں شناخته ام- برائے خدا و بحق مودّتی که میانۂ من و شماست ' رحم آورید و اجمالاً حالہا آں چه بر شما مکشوف باشد بر نگارید تا خاطرِ شکسته به تسکین گراید! والسّلام-

---

۱- " پروانۂ روائی " درست معلوم ہوتا ہے - اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے-

خط ۔ ۴۳

۱۲ا

قبلۂ دیدہ و دل سلامت'

حیرتے داشتم کہ بہ مرگِ ناگاہِ در گزشتنِ امیر جوان دولت' جوان سال برائے چیست و کارپردازان والا کدۂ قضا و قدر ازیں سانحۂ سترگ کدام نتیجہ منظور دارند: حالیا حالی شد کہ بہ سیلاب فنا دادن بنائے امیدواریٔ غالبؔ شوریدہ بخت می خواستند' و آں صورت نمی بست' الا بہ ظہور ایں طوفانِ ہوش ربا۔توضیح ایں ابہام آں کہ فرماندہ ایں خراب آباد کہ مسٹر فرانسس ہاکنس بہادرش نامند' با جاگیر دار فیروز پور عقدِ موافقت و مرافقت بستہ' خواست کہ سرا بہ کشتن دہند۔ رپوٹے چنانکہ خواست بہ صدر فرستاد۔ می سنجیدم کہ مرجع کار داورِ فرشتہ خوے حق شناس است ۔ بچارہ گری خواہد نشست و اصلاح حال رپوٹ خواہد کرد۔ قضا را' اتفاق چناں افتاد کہ پنج روز بعد از رسیدِ رپوٹ امید گہ مرا اجل در رسید و چشم جہاں بینش فروبستہ شد۔ نہ دانم بر سر رپوٹ چہ آمد۔ یادخواہد بود کہ فرومستمسات روز وداع بداور سپردہ آمدہ بودم و گزشتن آنرا بہ معیت رپوٹ می خواستم۔ آنہم ہم چناں مطمورہ نشین زاویۂ عدم ماند ۔چہ دانم کہ در آنجا بحث بدبامی چہ کرد! ایں جا صاحب اسٹنٹ رسیڈنٹ مراطبید و گفت کہ مسٹر فرانسس ہاکنس صاحب بہادر رسیڈنٹ دہلی می فرمایند کہ تجویز کردیم و حکم دادیم کہ متعلقان نصر اللہ بیگ خان پنج ہزار روپیہ سالانہ موافق سند گرانیدۂ جاگیر دار فیروزپور' چناں چہ در ماضی یافتہ آمدہ اند' در مستقبل می یافتہ باشند۔ فرورفتم و از حیرت جنون کردم کہ ایں بندۂ خدا چہ می فرماید۔ایں پنج ہزار روپیہ را من خود بہ کونسل نشان دادہ و ازیں مقدار ناخوشنودی خود ظاہر ساختہ طالب فیصلۂ جدید بودم ام۔ تجویز کونسل را چہ شد و فرماندہان صدر را چہ پیش آمد؟ دہ ہزار روپیہ مندرجۂ تحریر کرنیل مالکم صاحب کہ برد؟ من و خدا! اکنوں از شش جہت در چارہ جوئی فرار و عالمی را بہ خویشتن ناسازمی بینم ۔ خواستہ ام کہ عرض داشت بنام نامی نواب گورنر جنرل بہادر بخدمت سیمن فریزر بہادر بہ فرستم' تا ترجمۂ آں بہ کونسل بگذرد و صاحبان صدر حال مرادریابند۔ اما دریں امر عنایتی از جناب مولوی صاحب و قبلہ باید' تا کارروان گردد۔ چوں می ترسم کہ در آں انجمن نیز بے دردی جگر تشنۂ خون من است' امید کہ خدمتِ حضرت مولانا از جانب خود بعرض رسانند کہ اسد اللہ واجب الرحم است و استعداد علاسی و

خدمت گزاری دارد۔ علی الرغم عدوسعی در آن باید فرمود که عرض داشت وی مترجم بخط انگریزی گردیده به اجلاس کونسل بگذرد' بلکہ مبادی حال اورا پارۂ بگوش صاحب سکرتر باید دمید' تا نامرادی را بیاد آرند و خستۂ را به شناسند ۔ فقط

(پنج آہنگ : ۱۳۰)

خط ۔ ۴۴

۱۳

قبلۂ من '

تا شنودم که به کلکته رسیدید 'خدایے را شکر گفتم و سپاس ایزدی بجا آوردم ۔ صفایے عقیدت خودم را نازم که نرسیدن مودت نامه را بر بیگانگی و فراموشی گمان نه کرده ام و شما را معاف داشته ام۔ گزشتن داد نامۂ من به پیش گاه کونسل و طلب شدن اصل سند گزرانیدۂ جاگیر دار فیروز پور یا دیگر حالات بر ضمیر منیر پرتوِ اعلان افگنده باشد بلکه رسیدن آں سند و اندازۂ تجویز داد گران نیز پیش از رسیدن ایں نامه به لمعۂ نگاه ملا زمان سامی فروغ آگین بوده باشد۔ از ادراک انتهاض نواب گورنر بهادر بتاریخ یازدہم اکتوبر به ہندوستان و خرامیدن پرنسپ صاحب به صیغۂ سکرتری به رکاب نصرت انتساب حیرتے چند روداده است که سر انگشت توجه ملازمان کشایش ایں عقده ہا پردازد ۔ نخست ایں که به تِواتر پرتو ایں خبر به نگاه کافۂ انام نور آگین شد که دفتر خانۂ فارسی با دفتر انگریزی توام گردید و خداوندی ایں ہر دو کده به مسٹر سوئنٹین بهادر قرار یافت ۔ دریں صورت جناب سیمن فریزر بهادر را چه پیش آمد و وجودِ با جودش رونق کدامین بارگاه شد۔ دیگر ایں که یکے از صاحبان والاشان می گفت که کرنل املاک صاحب از جهاں رفت۔ وایے بر حال مرزا ابوالقاسم خاں و آغا محمد حسین ! بیش از ہمه وایے به روزگار من که در کلکته فلاں بیگ به آتش افروزی سرگرم و من دریں دیار ' بے فرمانروا سربه سنگ میزنم و جان بنا کامی میدہم ! کس فغانِ مرا می نشنود' چه گویم که از بخت خود چه قدر گله مندم و از ہجوم اندوه چه مایه نژندم ! خلقے سرِ آزار من دارد و عالمے تشنۂ خوں من است ۔ خدا را ' اگر به کانپور رسیده و به عشرت کدۂ خویش آرمیده اید' حال کلکته مفصل برنگارید اوالسلام

خط ۔۴۵

۱۴

قبلۂ من،

رسیدن دل کشا نامه روان را به نویدِ تازگی بنواخت و درون را بنورِ آگاهی بر افروخت ۔ دانستم که بیکس نیم و کسے دارم ۔ یارب سلامت باشید و جاوید به مانیدا از جانبِ ملازمان و بے رونقیٔ کارخانه ہا گونه ملالی به خاطر راه یافت ۔ ایزدبخشایش گر شما را که از نیکوان روزگارید، به پایه ہائے بلند رساند و در ہر گونه انقلاب که روے دہد، به ترقیٔ تازه فائز گرداندا امید که ملازمان خوش و ناخوش دہر را وقعی نہاده، روئے با خلق و دل با خدا دارند۔ من و خدا که ہر گاه نظر بر کثرت مصارفِ جناب و حالات زمانه می افتد، دل براے شما می سوزد ۔ خاصه وقتے که ہرج و مرج این سفر که شما کرده اید، به نظر می سنجم۔ اما خداے را شکر می کنم که ہم عنانِ عافیت به آرامیش کده رسیدند و رنج راه به سر آمد ۔ دیگر حالات مندرجۂ عنایت نامه سر به سر خاطر نشان شد۔ دربارۂ خویشم گمان آنست که محروم نباشم و بد اد رسم ، چه طالبِ ظہور حقِ حقیقی ام و دیگر ہیچ۔ ہر قدر تحقیقات میرود ، ملایمِ مقصود و موافق تمناے من است ۔ به خاطر خواہد بود که در آغازِ کار دفتر سرکار را گواه گرفته ام ، و حکام صدر چٹھیٔ جناب، مالکم صاحب بہادر را ہمر رشتۂ رسیڈنٹی دہلی فرستاده اند و مقدار وجهِ پرورش مرا حواله بر آں تحریر داشته اند۔ ہر آئینه دانسته میشود که چوں صاحبان صدر سند مرسلۂ مدعی علیه را نزد مالکم صاحب بہادر فرستاده اند ، چٹھی مذکور را نیز به معیّت آں سند فرستاده باشند۔ و ہر گاه حال چنیں است ، مژده مرا که داغم به مرہم و دردم بدرمان رسید۔دریں جا مشہور است که مالکم صاحب بہادر به ولایت رفتند۔ہمانا ہنوز رفته باشند۔ آں چه از جانب قبله و کعبه مرزا احمد بیگ صاحب مرقوم بود، آویزۂ گوش ہوش گردید۔ جناب عالی، حال ازمن نه پرسیدن و حکم موافق دعوی مرزا صاحب دادن مقدمه از یك جانب تجویز کردن است ۔ و ایں معنی منافیٔ قانون محبت است ۔نخست آں عرض کنم که مرزا صاحب را چه قدر می خواہم و چه ہیٔ فہمم ، و پس از آں منشاء شکسته دلی خویش شرح دہم۔ خداے من بہتر می داند و ہمرا به عظمت و جلال او تعالیٰ شانه، سوگند است که من بے تصنّع و بے تکلّف مرزا احمد بیگ خاں را مثل نصر الله

بیگ خاں از آباے خود می شمارم و ہرگز پیش میرزا درمیانۂ خود و حامد علی فرق نمی کنم و ہرگز امرے کہ موجب توہم خاطر باشد' ازجانب مرزا صاحب پیرامون خیالم نگردیده۔ ایں قدر دانسته ام که ہرگه من به کلکته نیستم' در غیبت من فلاں بیگ به حلوت و انجمن مطابق مقصود خویش سخنہا گفته باشد' و گایندۂ خواہرِ خویش یعنی حاجی فلاں را درمیانۂ احباب به بہاے گراں فروخته باشد و او را در نظرِ مردم به گراں مائیگی ستوده باشد۔ و مرزا صاحب حکایت ہاے بے اصل اورا باور داشته' اگر ہیچ نه باشد' ایں قدر خود گمان کرده اند که خواهه حاجی فلاں استحقاقی دارد و اسد اللّٰه حیف می کند و می خواہد که حق به پوشد و در اتلاف حقوق کوشد۔ حال آں که واللّٰه باللّٰه ثم تاللّٰه چنیں نیست' بلك حق ایں است که حالِ حاجی فلاں و فلاں بیگ سراسر نه گفته ام و مصلحت مرا ار گفتن ایں افسانه ہا باز داشته است' ورنه حاجی فلاں به خندان نصر الله بیگ آں کرده است که یزید به آلِ رسول۔ تنہا من نمی گویم عالمے گواہِ ایں دعویٰ است۔ از دہلی تااکبر آباد صد ہزار کس دریں جز و زماں موجوداند که می دانند آں چه که من می گویم۔ قصۂ مختصر' با ایں ہمه گمانہا که از جانبِ فلاں بیگ داشتم' دلم ازمرزا صاحب نه رمیده بود۔ اما چوں آں فلاں بیگ رشوتے (۱) از خواہر زادگاں خود براے خویشتن نویسانید و در کونسل عبارِ فتنه بر انگیخت و مرا ایں معنی دریں دیار از خارج کشوف شد' گفتم چه اسکاں دارد که مرزا صاحب بدیں معاملات عالم نباشد و باوجود علم چرا آگہم نکردند۔ سخت ناامید وار شدم و گفتم :

دل بر جفا نہم که بجز صبر چاره نیست
اکنوں که دوست جانبِ دشمن گرفته است

للّٰه الحمد' مرد صادق القولم و دلم با زباں در ہر گفتار موافق است۔ ہم پایۂ محبت و ولاے خود را با میرزا صاحب آں چه بوده است راست عرض کرده و ہم شکوه که در ضمیر داشتم بہ گمانی که بودہے کم و کاست شرح دادم۔ حالیا اگر به کیشِ مہر ووفا بزه کار و مجرم باشم تعریرے و اگر شئستۂ رحمتی برایم نوید عفو تقصیری۔ حال من سراسر به حدمت مرزا صاحب گزارده عرض می تواں کرد که واللّٰه شما را عمِّ حقیقی و بزرگ معنوی خویشتن میدانم' و گلۂ من از دیر رسیِ نامه نیست' بلکه آشفتۂ آں خیال و فرورفته آں گمانم۔ و بخدا که ہرگاه در نفسِ

۱ به لفظ غور طلب ہے۔ سیاق و سباق 'سفارش' کے مفہوم کا مقتضی ہے۔ اردو ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

شکایت نظر خواہند فرمود' یک دلی و صاف باطنی و پاک طینتیِ من بیشتر از بیشتر جلوہ گر خواہد شد۔ زیادہ نیاز

(پنج آہنگ: ۱۳۳)

خط۔۴۶

۱۵

سر تا پائے من فدائے سرتا پاے شما باد'

روزہاست کہ دل نواز نامہا نمی رسد و مرا شکستہ دل دارد۔ بارے نواب ہمایوں القاب بدیں نقعہ رسید و مرا از شکنجۂ فرماندہ ن دگر وا رہانید۔تفصیل ایں ماجرا در نامۂ موسومۂ احمد بیگ خاں صاحب کہ در آں نورد نیز روئے سخن بہ طرف شماست' نگارش رفتہ۔ غالب کہ حالی رائے عالی شدہ باشد۔ اما آں چہ نبشتہ شدہ است' ژاژ است و آں چہ نبشتہ می شود' راست ست۔ آں چہ رقم گشتہ است' اخبار است' و آں چہ رقم می گردد' استخبار۔ پیداست کہ کار افتادِ آسیمہ سر بہ اخبار نہ شکیبد وہمہ در استخبار آویزد۔ التفات نواب جہانیاں مآب حبر از توجہ اعیان کونسل می داد۔ہمانا کہ اگر حق من بہ کونسل عالیہ ثابت نبودے' جزو اعظم کونسل بہ سویم از مہر نہ دیدی' و بحال زارم ایں مایہ نہ پرداختی۔ خدا را' سعی در آں فرمایند کہ راز ہا دریابند و مرا بیا گاہنند۔ آخر ترتیبِ کاغذ و روانگیِ آں بہ لشکر از آں عالم نیست کہ بر متنفّس پوشیدہ تواند بود۔ شنیدہ می شود کہ لشکر بہ جے پور نہ خواہد رفت و یک دست بہ اجمیرخواہد شتافت۔ صافترک ایں کہ گویند گورنر بنیٔ در آں جا می رسد و ایں دو تا بندہ اخترِ سپہر جہان داری در آنجا قرآں گردیدہ قوانین مجورۂ جدیدہ را بہ امعان نظر خواہد دید و باتفاق ہمدیگر اجراے آں بندوبست خواہند فرمود۔

خط۔۴۷

۱۶

سلامت باشید و دیر بہ مانید'

محسن من اگر بہ ازاے ہر عنایت محمدتی بہ تقدیم رسد و فراخور ہر مہربانی سپاسی

سرانجام داده آید' سخن ہیچ گاہ منقطع نا(۱) نشود و مآرب دیگر را گنجایش اظہار نماند۔ لاجرم این گفت گو را از کام و زبان بدل و جان سپرده ام' وخود را از شما دانسته ام۔ عمرِ من و جان من' به عمر خود و جانِ شما که مقصود من ازیں ناله فرسائ و عربده آرائی ظهور حقِ حقیقی است ' نه گرد آوردن زخارف دنیوی ۔ انصاف بالاے طاعت ' وثیقهٔ از جیبِ قبا بر نیاورده ام و دست آویزی شاملِ دادنامه به کونسل نه گزرانیده ام ۔ حالا برآن سرم که اگر حکام چشم از حق به پوشند ' گدایانه بدان در رسم و درد دل بدان زمزمه فرو ریزم که مرغان ہوا و ماہیان دریار را بر خود بگریانم۔ انموذجے از خبرہاے ہرزه بطریق تفنّن رقم می گردد که نوابِ معلی القاب. کو اغذمقدمهٔ مرا از سررشتهٔ رسیڈنٹی با خود برده کواغذی را که در سررشتهٔ صدر فراہم بوده است ہم ازان سر رشته طلب کرده اند ۔ فرموده بودند که بعد از رسیدن کواغذ از کلکته و ترتیب مثل حکمی مناسب داده نقل آن حکم که از سررشتهٔ خاص به داد خواه فرستاده خواہد شد و ظہور ایں ہمه مراتب بتاریخ دہم دسمبر بوده است ۔ تا امروز که پانزدہم مارچ است ' رنگے ازیں پرده نه دمیده است که بیرون توان داد وخبرے از لشکر نه رسیده است که باز توان گفت۔ یارانی که در لشکر اند ایں قدر ہم نه کرده اند که خبر رسیدن کو اغذ و ترتیب مثل دادندی ' چه جاے آں که مژدهٔ قبول و نوید توقع فرستادندی۔ اخبار پراگندهٔ ایں‌مرزبوم آں که بارلس بہادر سپه سالار به دہلی رسید و بیرون کشمیری دروازه بمیدانی که خیمه گاه نواب گورنر بہادر شده بود ' فرود آمد و دہم مارچ روز شنبه ایں سه کس به ملازمت شاه دہلی رفتند۔ بارلس بہادر سپه سالار ممدوح و مایم مارٹین بہادر رسیڈنٹ دہلی و ولیم فریزر بہادر کمشنر دہلی ۔ از آں جمله سپه سالار به عطائے خلعت و ماہی مراتب و نوبت وغیره لوازم سپه سالاری مباہے شد' و محتشم الدوله سیف الملوك خان عالم خان بہادرسپه سالار سراڈوارڈ بارلس بہادر شجاعت جنگ خطاب یافت ۔ و فرداے آں که یك شنبه بود ' به میرٹھ رفت ۔ دیگر ولیم مایم مارٹین بہادر خلعت شش پارچه و عطرو پان به طریق رخصت یافت و پدر ود شد۔ دیروز یکشنبه وقت شام در ڈاك پالکی نشست و به اندور خرامید۔ گویند به اجنٹی اندور مامور گشته۔

دیگر ولیم فریزر بہادر صاحب کمشنر دہلی به عطاے خلعت مفتخر و به خطاب مدبر الدوله انتظام الملك صفوت یار خان ولیم فریزر بہادر صلابت جنگ مخاطب شد۔ گویند رسیڈنٹی دہلی به کمشنری دہلی مفوض گردید۔ اکنوں ایں دو کارہم بدیں یك صاحب عالی

---

۱ - متن میں " منقطع نه نشود " ہے جبکه درست " منقطع نه شود " ہے ۔ اردو ترجمه اسیٰ قیاس پر کیا گیا ہے۔

شان تعلق دارد۔ عمله رسیڈنٹی بدستور است۔ تخفیف و تفریق تا دم تحریر به میان نیامده۔ شهرت دارد که تعلق راجه ها به صاحبے قرار یافت که در اجمیراست ' آں ہم به روشے که شنوند گان در آن امر فرو مانندند ۔ یعنی مهاراجه را متعلق به اجمیر نشان می دہند و از باقی ماند گان برخیے را به دہلی نام می برند و جماعت آنانند که مردم در حال شان مترو دانند' نه متعلق به دہلی می دانند و به بجانب اجمیرمی رانند۔ دیگر خبر است که نواب عالی جناب بتاریخ چهاردہم مارج در متھرا رسیده امروز پانزدہم مارج ہمدران بقعه آرمیده اند' و فردا که شانزدہم مارج است کوچ می کنند و منزل به منزل می خرامند' و بتاریخ بست و چهارم مارج به دہلی می رسند ۔ نه دانم ازیں باز آمدن مقصود چیست گویند دریں وہله به شاه دہلی خواہند پیوست و غبار ملال طرفین فروخواہد نشست۔ دیگر گویند که نواب عالی جناب دو سه روز به دہلی قیام خواہند ورزید و به داد بے انتظامی ملك خواہند رسید وبناہاے تازه خواہند نهاد و حکم ہاے مناسب خواہند داد و قاعده ہائے جدید برائے راجستان قرار خواہد یافت وجاگیرداران عهد جرنیل لارڈلیك بهادر به شکنجۀ محاسبه کشیده خواہند شد۔ باشد که دریں میانه خونِ خوابیدۀ من نیز بیدار گردد و کارِ داد خواہی من به ہنجار گردد۔

خط ۔۴۸

۱۷

نیم جانے که دارم فداے سراپاے شما باد'

دو تا نامه در ڈاك پئے ہم فرستادم۔ در نخستین ورق بناے تدبیری نهاده دردومین صحیفه آن اساس را استواری داده ام۔ چوں کارہا به شما سپرده ام و چاره را از من تواناتر و کاررا از من داناتر اید ' ؤاژچه خایم و ہرزه چه سرایم ؟ یارب ' رائے که من زده ام و سررشته که من تافته ام' خرد روشن و اندیشۀ درست شما نیز آن را به خجستگی به پذیرد۔ جنابِ من' امروز آدینه سیزدہم اپریل است فرصت نامه فرسائی و انصرافِ کاغذ و روشنائی و مهلت انشا آرائی به خود یافته ام که به تحریرِ سخن صفحه پرکن سرقلم را به درد می آرم و روئے صفحه را سیاه می کنم ۔مخفی مباد که نواب معلی القاب بتاریخ ۲۶ مارج دریں دیار رسیده درونِ شهر به کوٹھی رسیڈنٹی فرود آمده اند' و بعد دو روز لشکر و بازار لشکر را رشتۀ جمعیت ازہم گسسته' مردم رارخصت

انصراف داده اند۔ مولوی محسن صاحب دو شبانه روز غم کدهٔ راقم را آرامشگاه داشته' کاشانهٔ در خورِ گنجائے خویش به جوارِ کوٹھی رسیڈنٹی به کرایه گرفته اند و در آن جا فرود آمده اند۔ حال سن این که از اہلِ دفتر پدید آمد که پرنسپ صاحب بہادر حسب الحکم حضور کاغذ مقدمهٔ غالبؔ مستہام بر یک دیگر اندوخت و شیرازهٔ جمعیت بست۔ امّا ہنوز آن اوراق گلدستهٔ طاقِ فراموشی است۔

خط۔ ۴۹

۱۸

قبلهٔ حاجات و کعبهٔ متمنّیات سلامت'

والا نامه رسید و خبرِ فراقِ دائمیِ مرزا احمد رسانید۔ سبحان اللّٰه' چه مایه سنگین دل و سخت جانم که نامه در تعزیت مرزا احمد انشا می کنم و اجزائے وجودم از ہم نمی ریزد۔ می گفت که به دہلی می آیم۔ وعده فراموش' بے مروّت راه گرداند و نقه بسرِ منزل دیگر راند۔ گرفتم خاطرِ دوستان عزیز نه داشت۔ چرا به خوردِ سالان خود نه پرداخت و سایه از سرشان بر گرفت؟ وائے بے یاریٔ یارانِ وے! دریغائے پدریٔ پسرانِ وے! ہر چند از مرگ نتوان نالید و گسستن تار و پودِ پردهٔ ہستی را چاره نتوان کرد' اما انصاف بالائے طاعت' ہنوز ہنگام مردن مرزا احمد بیگ مغفور نبود۔ چرا این قدر صبر نه کرد که به کلکته رسیدمی و روئے نظاره فروزش را دگر بار دیدمی۔ چرا آن مایه توقف نورزید که حامد علی جوان گشتی و کارہا به اندازهٔ دانش وے روان گشتی؟ ویحک' این چه ژاژ است که می خایم و این چه داستانست که می سرایم! "اذا جاء اجلهم لایستاخرون ساعةً ولایستقدمون" من و ایمانِ من که بے ربطیٔ اوضاعِ سرکار آن مرحوم باوجود این ہمه بعدِ مسافت پیشِ نظر دارم و می نگرم که حامد علی خان خردسال است و باشد که به حقیقت سرمایهٔ پدر دانت و به فراہم آوردنِ رقم ہائے پراگنده توان نباشد۔ و باشد که چون آن سرمایه به چنگ آرد بر فرودستانِ خود ستم کند و برادران را ناکام وضائع گزارد۔ ہر آئینه در این حال امینی باید ہوش مند و حق شناس که گرد چاره برآید و غم خواری بے پدر ماندگان به عہدهٔ خود فرا گیرد و به ہنجار عدل و امانت در این وادی گام زند و ہیچ کس از احباب متکفل این مجموع مراتب نه تواند گردید الّا آن که به میرزازی مرحوم از خویشاوندان و یگانگان باشد۔ گمان دارم که منشی امیر

صاحب از مہر تعہّد و تکفّل سزاواراند' چه با مادر حامد علی خان گونه قرابت سببی دارند- چنانچه بر شما پوشیده نیست ' میرزای مرحوم دانش مند و کرشمه کسی بوده است - غالب که معتمدی را وصی ساخته و کارش به کف کفایت امینی سپرده نشد- خدا را نظر بے کسیٔ این جماعت در نظر باید داشت و غفلت نباید نمود والله که غم خواری باز ماندگان احمد بیگ خان عینِ فرض و فرض عین است ہم بر شما وہم بر مرزا ابوالقاسم خان- ایزدِ توانابوالدۂ حامد علی خان را شفا کرامت فرماید و بر سر پسران بے پدر سلامت داراد!نه حکیم قاسم خان و خواہران مرزا احمد بیگ خان چار و ناچار خبر فرستاده شد-در صورتِ بیماری کدام رسم عیادت بجاے آورده اند که دریں حال مدارج تعزیت به تقدیم خواہند رسانید- حقاً که مہر و آزرم در نہاد مردم دہلی نیست نامۂ که مشعر ناسازی مزاج میرزا به من فرستاده بودند' جوابش رقم کردم و خود نزدِ حکیم صادق علی خان رفتم و نامۂ موسومۂ شما سپردم و گفتم که چوں شما نامۂ به میرزا بفرستید ' ایں نامه را ہمدران نامه فرو پیچیده رواں کنید-پس از روزے چند عند الاستفسار پدید آمد که حکیم صاحب به خواہر میرزا حالِ بیماری میرزا ہم نه گفته اند تا به پرسش و عیادت چه رسد و چوں خود نامۂ به میرزا نه فرستاده اند' مکتوب مفوّضۂ شما را که بنام سامی شما بود که می پرسد- به خوں تپیده و از بیم ایں که شما ایں روسیاه را کوته قلم و بے پروا خواہید انگاشت بر خود لرزیده' می خواستم که ورقی دیگر چوں روے خود سیاه کنم و جداگانه به شما بفرستم که ناگاه بتاریخ یازدہم شوّال روز پنجشنبه وقت صبح که از بستر خواب بدرجسته ہم چناں روے ناشسته نشسته بودم' برید ڈاک رسید و نامۂ شما به من داد-دلم ازہیبت ورود آں نامه خود بخود به لرزید - گویا در ضمیرم افگندند که میرزا احمد مرد- ترساں ترساں نامه را کشودم و دیدم آں چہدانسته بودم - الله بس ' ماسواہوس ! بسامے خدمت مرزا ابوالقاسم صاحب سلامی که غم دیده به غم دیده رساند پیامے که ماتم زده به ماتم زده فرستد ' می تواں رسانید و کریم خاں صاحب را سلام باید گفت و از جانب من بعد سلامِ بسیار باید پرسید- پس از اظہار سوز و گداز خاطر که آنہم از آثارِ بے صبری و مقتضیات بشری است' سخن در حالِ روزگار رانده می شود- بعد از شرح غم مرگ افسانۂ اندوہِ زندگی گفته می شود - سبحان الله ' عمر مستعجل و مرگ در کمیں و فرصت موہوم و بقا اندك و دل پر از ہوس و سر پراز ہوا و ما از اجل غافل !

الله الله الله ! محرره پانزدہم مارچ روز پنجشنبه -

(پنج آہنگ : ۱۴۰)

خط ـ ۵۰

۱۹

جانِ من فدایے شما،

از شما آں می خواہم کہ حال حامد علی خاں و دیگر فرزندان مرزا احمد بیگ مغفور رقم کنید۔ حامد علی خاں نامۂ بمن فرستادہ است کہ جز نالہ و فریاد ہیچ گونہ حال خود و والدۂ خود ننگاشتہ۔ و طرفہ ایں کہ مرا بہ خاں صاحب مخدوم و مظہرِ اشفاق یاد آوردہ و القابے کہ مرزا می نگاشت بہ تحریر در آوردہ۔ ہیہات! ع" عرفی چہ نشستۂ کہ یاران رفتند "۔ بجانِ عزیزت کہ دنیا بر دلم سردودلم بر فقیر(۱) و سیاحت گرم گشتہ است ـ بہ کمین انم کہ چوں ایں داوری قطع گردد، یك بارہ از بندجہم و بے سرو پا گردِ عالم بر آیم و تازیم تماشائے آثارِ صنع الٰہی باشم ـ

ہر لحظہ دل بہ سوے بیابان کشد مرا
آب و ہواے شہر بمن سازگار نیست

اللّٰہ موجود، ماسوا معدوم!

خط ـ ۵۱

۲۰

ملاذا مطاعا،

روز شانزدہم بود از ماہ مئی ووقت برافروختن شمع و چراغ کہ چپراسیٔ رسید و نامہ، اجنٹ بہادر بمن داد۔ چوں بہ میزانِ نظر سنجیدم، گراں ترازاں بود کہ آں را شاہنامہ توان گفت ـ بارے عنوانش ازہم کشودم و دیدم کہ نامۂ جناب ولیم بہادر در نورد آنست ـ مضمونِ نامہ اجنٹ بہادر ایں کہ خط صاحب سکرتر بہادر ہمراہی حضور میرسد، شارحِ کیفیت انفصال مقدمہ خواہد گردید۔ مضمون خط صاحب سکرتر بہادر ایں کہ تجویز ہاکنس صاحب منظور :مہر و دستخط کاغذ گزرانیدۂ جاگیر دار فیروزپور نا مصرح و ناممکل: للّٰہ در قائل ؟ ع" در

---

۱ ـ " دلم بر سیر و سیاحت گرم گشتہ است " درست معلوم ہوتا ہے ـ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

خاندان کسریٰ ایں عدل و داد باشد" ـ شبے کہ ایں شگرف نامہ بمن رسید' بامدادِ آں سامعہ گزا گردید کہ مولوی ظاہر علی بجرم خفیہ نویسی ماخوذ و تا زمان تجویز باداش محبوس شدہ اند۔ تا رفتہ رفتہ کار بداں رسید کہ اخبار بوقلمون گردید۔ دہلویانِ خسد پیشہ چوں مَرا مخلصِ صادق الولاے مولوی دانستند' رنگ آں ریختند کہ در ہر روزے دو بار سہ بار پرا گندہ گوے نزد من آید و آں چہ خواہد از پیش خود بترا شد و بیان نماید۔ بعد از دو ہفتہ پدید آمد کہ لارڈ صاحب نظر بہ ناخوشنودی خویش از خود جدا کردند و معزول ساختند و رخصت انصراف بوطن دادند۔ہم دل از اندوہِ خود سوختہ و ہم جگر از درد دوست برشتہ ۔ والسلام بہ منشی نصر اللّٰہ بعد سلام باید گفت کہ انشاء اللہ العظیم ' اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح نقشِ نگین شما می گردد۔

(پنج آہنگ : ۱۴۸)

خط ـ ۵۲

۲۱

قبلۂ بندہ '

عمرہاست کہ بوروددل نواز نامہ جانی تازہ نیافتہ ام۔ ندانم بکدامین جرم مردود آں نگاہ حق شناس شدہ ام ۔ لطف و عتاب آئینہ داران التفات اند و بہ مذاق ارباب مودّت از ہمد گر گوار اتر ۔ اما ایں کہ ملازمان نسبت بخویشتن مشاہدہ می گردد' تغافل است و متحمل جفاے تغافل نتواں شد الا بادلی چوں کوہ و من ایں عطیہ از قسام ازل نیافتہ ام۔ نہ دانستہ اید کہ بر من دریں روزگار آں چہ گزشتہ و خارِ خشکم با کدامین شعلۂ سوزان روکش گشتہ است۔ اگرچہ شما از شنیدن فارغ اید' امّا من از گفتن فراغ ندارم ع" بشنود ور نشنود من گفتگوئے می کنم "۔ دیدۂ دیدار طلب در ہواے دیدن در پزیدن و دل بے تاب از تلواسۂ مہاجرت در تپیدن ۔ شوق دیدار را چہ گویم؟ مردم دیدہ بہ پاے قلم افتد از شوق کہ مرا نقطۂ حرف کن و در نامہ نویس۔ از روزے کہ آں مہربان رونق افزاے آں صوبِ صواب شدہ اند ' محروم القسمتان مواصلت را در ہاویۂ مفارقت گزاشتہ اند۔ شکرِ احسانات سامی چہ گویم ' کہ ہر روز در محفل تصورم قدم رنجہ نمودہ ' و از ندامت خود چہ نویسم ' کہ گاہے بہرہ اندوز مجلسِ خیال گرامی نبودہ :

شرمندهٔ احسانِ توام کز سرِ الطاف
ہر روز قدم رنجه نمائی به خیالم
من عذر ز تقصیرِ خود' اے خواجه' چه گویم'
گاہے به خیالت نه رسم' واے به حالم!

زیاده شوق است و بس-

(پنج آہنگ: ۱۴۷)

خط بنامِ رائے چھجمل کھتری

خط ـ ۱

جنابِ من ، ہر چند میخواہم کہ به ناله زحمتِ صداعِ یاران نپسندم ، اما دردِ دل به جوش آورده است و ہر قدرمی حوشم که داسِ جهدِ آوارگی به کمر بزنم ، دستِ قدرت زیر سنگ آمده است ـ چه ناله ہا که ازبیمِ رسوائی از دل تا زبان نا رسیده خون می گردد و چه خونہا که از دردِ بیکسی به کسوتِ اشك از چشم بیرون میرود ـ چارۂ رنجِ بیدلی معدوم و پایانِ کار ہم نامعلوم ـ پیداست که از قفس جستۂ به دام افتاده را چه حل خواهد بود و از دست نے به ناخن فرو رفتۂ کدام عقده خواهد کشود ـ جلائے وطن و عزمِ سفر و آلامِ غربت مصیبتے ست که نصیبِ ہیچ آفریده مباد ـ وائے برنگون طالعیہا و رسیده بختیہائے کسے که اینہارا به آرزو خواہد و نتواند ـ ہرچند در وطن نیم ، اما قربِ وطن نیز قیامت است ـ ہنوز با اہلِ کاشانه راهِ نامه و پیام واست ـ ہر چه دیده می شد ، آشوبِ چشم بود و ہر چه شنیده می شود ، زحمتِ گوش است ـ نیم جانے که ازان ورطه برون آورده ام ، و دیعتِ خاكِ فیروز پور است که مرا این ہمه افتِ اضطراری اتفاق فتاد و مرگے که منش به ہزار آرزو از خدا میخواہم ، مگر ہم درین سرزمین موعود است که اینقدر درنگ در افتادگیہا رو داد ـ

ہر چه از اخبارِ معاودتِ نواب شنیده می شود راہے به حرفِ مدعائے من ندارد ، چه سرسر آن افسانۂ نکبتِ الوریان و آرایشِ صفوفِ قتال و واژگون گشتنِ کارہائے اعداو درست آمدن فالِ خیر سگالانِ دولت فحریه است ـ کلمۂ مختصرے که نوّاب صاحب درین قدر عرصه رونق افزائے فیروز پور خواہند گشت از کسے شنیده نمی شود و دلِ مضطر تسلی نمی پذیرد ـ دوستانے که در رکابِ نوّاب صاحب اند و ازان جمله آن مہربان که به صفتِ اسد نوازی و غالب پروری بیشتر از بیشتر متّصف اند ، و امانده گانِ سنگنائے اضطراب را به سلامے یاد نمی فرمایند به ابلاغ اخبار معاودت چه رسد ـ طاقت ستم کشی سپری گشت و انتظار از حد گذشت ـ به مردے مانم که در کارزار سجردِ مقابلۂ حریف پیش رحم کاری برداشته باشد که اگر گریزد ، نیارد گریخت ، و اگر خود را بر جائے دارد ، نتواند ایستاد ، چنانکه عرفی فرماید ـ

فرد: سرا زمانهٔ طنّاز دست بسته و تیغ
زند به فرقم و گوید که ہان سرے میخار

خدارا کرم نمایند و از تعیّنِ زمانِ معاودت رقم فرمایند که طبعِ موحّش از خود ہم بیزار است و دل مشوش بیقرار ـ باشد که بدین بہانه درس تسکینے خواند و مراد خود را بیش ازین نرنجاند ـ زیاده ازین زیاده است و بس ـ

خط ـ ۲

کرم فرمائے من ، مطلب بیشمار و مدعا بسیار و حوصلهٔ وقت تنك وظرفِ گفتگو تنگ ، مختصر سفید ـ محّررِ این سطور را ابرامِ دوستی ست در مادهٔ سفارشِ دوستے ـ به خیالِ دل نگرانی ہائے آں مشفق در تحریر خیانتے میرود و دو سه سطر ماحرائے غالبے رقمزدهٔ کلكِ بدایع نگار میشود ـ

بتاریخِ پنجمِ ذیقعد روزِ آدینه سرِ شام سوادِ مہربانی نامهٔ تفقّد رقم جلوه بر بینش افروخت ـ ہر چه مرقوم بود ، قدرِ اعتبارِ اتحاد متاعِ روئے دستِ مضمونش بود و بس ـ جواب نامه جز اینقدر نمی توانم نوشت که انشاء اللّٰه العظیم ہم دریں ہفته جوابے ، چنانکه دل میخواہد از نوكِ خامه بروں تراویدنی ست ، بلکه یقین است که ورودِ آں نامهٔ موعود که در ڈاك فرستاده خواہد شد به ورودِ صحیفهٔ ہذا مقّدم نشیند ـ

آدم برسرِ مطلب ـ میرزا صاحب عظیم المناقب امجد علی خاں که به رہنمونی این رقیمه کسبِ مسرتِ ملاقات سامی خواہند کرد از محتشم زادگانِ این دیار و ستم رسیدگانِ روزگار اند و سفرِ این بزرگوار چون سفرِ راقمِ عدو کام اضطراری ست ـ از من در خواسته اند که مکتوبے به یکے از یارانِ وطن بر نگارم که ذریعهٔ شناسائی ایشاں گردد ـ من که ترك سرا جیبهٔ عزیزاں نکوسیدانم و استغنافروشی یاران را عمرے خریدار بوده ام ، بخود فرو رفته ام و می ترسم که اگر مکتوب ایه مراسم دلجوئی و غمخواری به تقدیم نرساند ، چه خجالتها که از خودم باید کشید ـ به ہر رنگ چاره جز آں ندیدم که به خدمتِ آں بنده گردنده برسد ـ به دادِ تنهائی و غریبی شان باید رسید که شما را نیز دوستے غریب در سفر است ـ نگویم که این کنید و آن کنید ، اینقدر ہا دانم که ازو مرّوت ہا چنان کنید که سزاوار باشد ـ زیاده فضولی ست و بس ـ

خط ۔۳

سر رائیے سپہر اقتضائے رائے صاحب رأفت گرائے پنہاں مباد کہ دورنگیے کہ در نگارش پاسخِ رأفت نامہ رفت، تغافلِ انشاء ان نبود، چہ در زمانے کہ تمیمہ ورود بغتہ متردد بیں اسفر والاقدست بودم و سر آن داشتم کہ اگر نقش مدعا رسا نشیند و ہوس رنگ وقوع گزیند بے نامِ سکونیے حاوی طلب رقم کنم، اما ہنگامہ ناریہائے حیال برہم خورد و بخت رمندہ بوری نکرد و مبادیِ مقدمہ سراسر طرازِ دلفریبی داشت، لیکن در اواسط کار بہنجار نبود۔

منّت ایزد را کہ اواخر نادیدہ ماند، ورنہ چہا بایستے دید۔ خلاصۂ گفتگو اینکہ اعیان سرکارِ لکھنؤ بامن گرم خو شیدند۔ انچہ درباب ملازمت قراریافت، خلافِ آئین خویشتن داری و ننگِ شیوۂ خاکساری بود۔ تفصیلِ این اجمال و توضیحِ ایں ابہام جز بہ تقریر ادا نتوان کرد و از وفورِ بے ربطی آنرا بہ دامِ تحریر نتوان آورد۔ کوتہیِ سخن، ہر چہ در آن بلاد از کرم پیشگی و فیض رسانیِ این گدا طبعِ سلطان صورت یعنی معتمد الدولہ آغا میر شنیدہ می شد۔ بخدا کہ حال برعکس است۔ در ابتدائے دولت ہر کرا آلت حصولِ مدعائے خود دید، بروے بپیچید۔ لا حرم یک دو کس بہ ہر رنگ متمتع گشتند و اکنون کہ از استحکامِ اساسِ دولتِ خود خاطرش جمع است، در بند جمعِ زر افتادہ است۔ جملۂ خاندانہائے قدیمِ لکھنؤ از بیدادِ ایں بے رحم بہ سیلابِ فنا رسیدہ و بز پروردگارِ ایں دیار آوارۂ جہاتِ گیتی گردیدہ و او خود از تردستی و اسرافِ خود پشیمان شدہ ازین شیوہ برگشتہ و تر گشتہ۔ بالجملہ بازار بیداد گرم است۔ مہاجنان و ساہو کاران و تاجران پنہان زر و مالِ خود را بہ کانپور میر سانند و ایمن نیند۔ ہر کہ بود گریخت و ہر کہ ہست در بندِ گریختن است۔ چون حالِ ایں دیار بدیں رنگ ہست، آن خوشتر کہ سخن از خود گویم۔

بتاریخ بست و ششمِ ذیقعدہ روزِ جمعہ از آن ستم آباد برآمدم و بتاریخ بست و سہم در دارالسرور کانپور رسیدم و اینجا دوسہ مقام گزیدہ رہگرائے باندا میشوم۔ در آنجا چند روز آرمیدہ اگر خدا بخواہد و مرگ امان بدہد، بہ کلکتہ میرسم عاصم عالمِ آوارگی را پدرفتار و بپائے جوش در صحرائے آتش گرم رفتار شدہ ام۔ اگر کار بمدعا شد، زہے من و خوشا من و اگر دستم بہ دامنِ مقصود نرسید کو من و کجا من۔ ایامِ شادمانی بکام و جمعیتِ خاطر مستدام باد۔

خط ۔۴

رائے صاحب مشفقِ شفیق غمخوارِ واماندگاں و یاد آورگاں سلامت ۔ چه نویسم که از متاعِ سو شتیمہا پر تہیدست افتادہ ام ۔ اگر از داخلیات گفته آید ہماں رنجِ معدہ و اسعاست و ہمان برودتِ جگر و حرارت قلب و ضعفِ قواء ۔ اگر از خارجیات سخن رانده شود تاره بیش ازین نیست که

قطعه

مغلوبِ سطوتِ غمِ دل غالبِ حزین
کاندر تنش ز ضعف توان گفت جان نبود
گویند زنده تا به بنارس رسیده است
مارا برین گیاهِ ضعیف این گمان نبود

بالجمله ماضی معلوم و مستقبل مجهول ، چه توان نوشت وچه باید گفت ۔ خدا کند آینده حالے در خورِ تحریر رو دہد که به دوستانِ دوستی پیشه و یارانِ دشمنی اندیشۀ وطن برنگارم تا آن را خرسندی ببفزاید و اینان را دل و غصه فرو کاہد ۔ سه قطعه مکتوب ملفوف است۔ یکے به جنابِ معززالدوله نواب حسام الدین حیدر خان بہادر و یکے بخدمتِ جنابِ مولوی فضل حق و یکے به غم خانۀ بد تر از ویرانۀ غالبِ ناکام رسانند و مخلصِ خود رامنونِ عنیت گردانند۔ زیاده ازین زیاده است۔

خط ۔۵

رائے صاحبِ مشفق و مکرم مظہرِ بے التفاقی ہائے فراوان سلامت ، شرمندۀ وہمِ غلط کارِ خویشم و از ننگِ نا کسی سرِ خجلت در پیش ۔ بخدا که ہر گاه تأمل میرود و سگالش کرده میشود که آیا شفیقِ من از اربابِ وطن کیست بمجردِ تأمل حضرت به ضمیر می آیند و بس ۔ مرا درمستقبل به جناب کارہا و مطلب ہاست ۔ اول شاعر و دردے چه معنی دارد ۔ ہر گاه که درسدیِ صرفِ تحریر تغافل می فرمانید رحمت سرانجامِ کارہائے سترگ کجا خواہند کشید یا بفرمائید تا نقشِ توقعِ دوستی و مہربانی از لوحِ خاطر زدوده کارہای خود را مرجعے دیگر داده شود ، ورنه شود ،ائید ، و بدلجوئی بیکسان گرائید ۔ بمجردِ ورودِ کلکته مکتوبے بتوسّطِ راجه سوہن لال

صاحب فرستاده ام - نمیتوانم گفت که هنوز نرسیده است ، چه نامهٔ که باوے معیت در ترسیل داشت بمکتوب الیه رسیده و جوابش دیروز نزدِ من آمد - آرے رسید و گلدستهٔ طاقِ نسیان گردید۔ اینك مکتوبے بے لفافه درلفّ خطِ غمخدنه سیر سد - راقم را تا ایں زماں حالے که در حورِ تحریر باشد روئے نداده۔

باشما التماس اینست که زحمتے کشند و لختے از اوقاتِ خویشتن ضائع سازند و حالاتِ سرکارِ فخر الدوله بهادر بعدِ وقوعَ این حادثه بشرح و بسط چنانچه از حشویات نیز قطع نظر ن نموده هر چه نه معلوم باشد ، بلکه هر چه مجهول بود آنرا نیز معلوم ساخته برنگارند و حالِ دربارِ رزیڈنٹی و اسامي اهلکارانِ جدید و قدیم ووضعِ ارتباطِ حاکم جدید با تره مسندنشینِ میوات مفصل رقم فرمایند که هر آئینه مرا در ضمنِ آن نظر هاست ، نه این که از جنابِ طالبِ افسانه باشم و بس۔

دقیقهٔ دیگر است و از استفسارِ آن چاره ندارم ، یعنی اگر بنده را درپیچ و خمِ استغاثه حاجت بدان افتد که در دارالخلافت وکیلے از جانبِ خود قرار باید داد ، صاحب این زحمت گوارا خواهند کرد یا نے - هر چه درین مادّه مضمرِ ضمیر باشد بے تکلف باید نوشت ، اسرائے فرستادنِ نامه دو طریق است ، یکے بتوسطِ راجه سوہن لال نزدِ مرزا افضل بیگ فرستادن و یکے بے شرکتِ غیر در سر رشتهٔ ڈاك ارسال داشتن و عنوانش بدین رنگ نوشتن که در کلکته قریبِ چیت بازار در شمله بازار نزدیكِ تالابِ گرو در حویلیِ مرزا علی سوداگر به اسد اللّٰه خانِ غالب برسد -

خط - ۲

نپندارم که همچو پابستگانِ رسم و راهِ دهر دست ونامه نگاری می آلایم - حاش ثم حاشا ، تابِ ایں مایه دوری ندارم - اینك رائے چهجمل را روبروئے خویش می بینم و از هر در در سخن پیوسته ام - علاقهٔ سفارتِ زیب النساء بیگم صاحب مبارك باد ، و مقدمهٔ ترقیّاتِ مستقبله شواد - کاش مقدار مشاهره نیز شنیدمے تا باندازهٔ آن سپاس بجا آوردمے -

از شادیِ جواهر سنگه طوّل عمره' فراغ یافتند - خوشا مسرت و زهے شدی - حانے آنست که هم مبارکباد گویم و هم تهنیت جویم - افزایندهٔ عمر و بخشایندهٔ دولت آن قدر فرصت دهد که ماو شما بزمِ کتخدائیِ فرزندانِ جواهر سنگه را میزبانی توانیم کرد - لطیفه'

خاطر رسیده - بشنو و سرسری مدار - چون در عبث من اتفاق اعتقادِ این برم صرف افتد، مرا محروم از نشاط نخواهی گذاشت و رزے در وجهِ دعوت من جدا ساخته نگه خواهی داشت - اگر زنده به دہلی رسیدم ، عشرت از من است ، ورنه زر از تست -

بر عنوانِ مکتوب کلمۂ 'نواب' را جزوِ اعظم ساختن ، یعنی چه و حرفِ پایانِ اسم رقم کردن چرا ؟ سگِ دنیا را به اسد اللّهی شهرت دادن چه کم است که نوابی و سیرائی برسر ہم نہد افزود۔

اے که گفتی فلانی روشِ حکیمانه دارد و دنیا را کار آگاہانه سگرارد ، با اینهمه اندوہها کی جنده ام در گرفت و عنانِ ضبطِ خویش از کفم بدر رفت - ندانی که براسپان باد رفتار برنشستن و گروه گروه مردم را پیشاپیش دوانیدن ، تن را به لباسِ رنگ رنگ بر آراستن و معده را به الوان خوردنیها ممتلی گردانیدن، شهوت از اندازه بیرون راندن و غبار معصیت برفرق افشاندن از حکمت نیاید و پزشکی را نشاید۔

کار دانشوران چیست ؟ دور از آبادی درین کوہے نشستن و از شش جہت در بروئے خلائق بستن ، تن را به ریاضت فرسودن و جان را به بخردی پالودن - ہر که حکیمِ خرد گزین است کار و بارش اینست - بے برگ و نوائی از شکنجۂ گویا گون حسرت بدر جسته به فراخنائے سرخوشی رسیده است - از کجا که آزاده رو باشد و باطبع کریم بود! مہور اوعیۂ منی از رواجِ غلیظۂ صالحۂ کندیه ممتلی دارد ، ہر آئینه نفرمن باد است - روزے چند باش تا سگری گره برکیسۂ زر زنان و در حسرتِ زر تف کرده زاری کنان - اینکه فلان و بہمان را از نزدِ خویشتن را نده است ، حق که روئے در مصلحتے نداشت و ہرچه کرد از بیخردی و ابلہی کرد ، چه اگر دانا بودے و خردے داشتے ، آنان را که رانده است نراندے و کارہا از آنان گرفتے و اینان را که باخود دریک پیرہن جا داده است چون غبار از دامن فشاندے و ہرگز بہوای اینان نرفتے - کودکی و بیخاصی ورزید ، مگر در ایام صاحبزادگی وولیعہدی از آنان دمے برداشت و بااینان لختے رام بود - از آنان دل بدین خیرگی خالی کردن و در دام اینان بدین کوری در آمدن به فتوای دانش است ، نه بفرمان بینش - حکیم کرا می گوئی و کرم پیشه کرا میخوانی ؟ برابنمایه لغزش شناسائے نابخردی خویشتن نگشتن و چون منِ فسرده دلِ فرسوده روان را در آن ہنگامه یاد آوردن ، بلکه بیاد قناعت نکردن و بے پرده بسوئے آن دیو مردم خواندن کدام آئینِ دیده وری ست و کدام شیوۂ خرد گستری؟ چون سخن درین باب بسیار است، نامه به دعا ختم میکنم - دیده را بینشے درست و دل را دانشے سود مند روزی باد۔

خط ۔ ۷

۱

باغ دو در

مهاراج ما چوں منے که جز محبت کیش دیگر ندارم عتاب چرا و خشم از چه راه؟ گفته فرستاده اند که به الور میروم و باز بتودیع نیامده اند۔ لاحول ولا قوۃ الا بالله بشنوید دیهرور آخر روز چنانکه خوئے منست بخانه نوّاب امین الدین خان میرفتم' در عرض راه خواجه رحمت صاحب را یافتم۔ چون مدت ہاست که میر حیراتی صاحب مراں خواجه صاحب ملاقات داده اند' سلام علیک میان آمد۔ لختے ایستادیم و خبر مزاج ہمدگر پرسیدیم' از حال دیوان و راجه پرسش کردم۔ گفت که خلاف سهلی روے داده بود' رفع شد۔ گفتم اکنون ماجرا چیست؟ گفت ہمه خوشی و خوشنودی۔ تا اینجا سخن از زبان خواجه رحمت بود۔ من بشما میگویم که زنہار گمان نکنند که این نگارش از باب مناظره است و من بر عقیدۀ خویش دلیل می آورم' بلکه خبر دادن محض است نخواستم که معلوم من بر شما مجهول ماند۔ برائے خدا اگر بالفرض از من آزرده اند' خطائے مرا بیا مرزند و از حرم من در گذر ند و تشریف آورند که خلاصه درین مقدمه سخن بسیار است۔ زیاده زیاده۔ اسدالله به اقبال نشان جواہر سنگھ دعا برسد باید که ایشان پیش پدر بزرگوار خود شفیع من شوند۔

بنامِ نامیِ مولوی ولایت حسن خان

به پوزشِ جرمِ کاهلِ قلمی و مبارکبادِ حصولِ منصبِ قاضی القضاتی۔

خط ۔ ا

فرد: شبگیرِ مرا روشنیِ اخترِ من بس
در راهِ ادب حسنِ طلب رہبرِ من بس

آئینِ آمیزه فرهنگِ این کهن کارگاه که ایزدی دستن است آنست که هر گاه خداوند از بندهٔ برنجد ، اگر آن بنده بگفتر و کردار دل آویز و به روے و خوے سهر انگیز است ، هم خواجه را دل بدوریِ وے کمتر شکیبد و هم نزدیکنِ خواجه را پیوندِ نشاط از خاطر بریده گردد ، آمرزش از درون سوئے بهانه جوئے آید و سپارش از برون سو شایسته گوے۔ لاجرم این چنین بندهٔ روشن روش را بندِ حرمانِ جاوید بردل ننهد و پس از یک دو روزه جدائی که گوشمالِ ادب آموزی ست ، دیگر به بزمِ انس بارد هند ۔ اما کم خرد بندهٔ که بسیار گوئی و دشوار جوئی شیوهٔ او بود ، نه در نکوبند گیش پیهٔ و نه ار شایستگیش مایهٔ ۔ هر آئینه نیم گن ہے که ار وے سر زند از بود و نابودش در گذرند و هیچ گاه چه در آشکارا و چه در نهفت نامش نبرند۔ آرے من آن بندهٔ زشت خوے ناساز بختم که تا از انجمن بدر رفتم ، خواجه از غوغائے شباروزی باز رست و همدمان را اندوهِ ننگِ همدمی از سار برخاست ۔ نه خیالِ مرا در ضمیرِ خواجه گذارے و نه نامِ مرا گردِ لبِ شفاعت نوایان طوافے۔ با اینهمه تا کسی به توفیقِ این دیده وری شدم که شناسائیِ بادافراهِ کردارِ خودم بخشیده اند و گله هائے بیجا را به خاطر راه نداده ۔ هرگز نبوده است که درین درونی آویزش از ملازمان شکوه اندیش بوده باشم۔ چون از خیرگیِ ابرام دامنِ مقصود سخت در آویخته و از فزون سریِ خواهش آبرویِ گفتار به نابایست ریخته بودم ، هر آئینه شرمساری برمن هجوم آورده و بیخودی مرا درهم فشرده بود که هر گه به عریضه نویسی بایستے نشست' دستم از بیتابیِ دل آنچنان بلرزه در افتادے که عذربائے بخاطر آورده پیش از آنکه بهنجارِ طبیعی از قلم به ورق فروریزم بیخواست از قلم فروریختے و اندیشه را سرمایهٔ مدعا نگاری و پوزش گزاری بکف نماندے۔

فرد: زینکه دیدی بجحیمم طلبِ رحم خطاست
سخنے چند ز غمهائے نهانی بشنو

نیك یاد دارم کشاکش هر گاه دل از سهر بحوش آمدے و ذوقِ آگهی در اندیشه اشتم کردے و از مکرمی میر سید علی پرسشِ حالِ خجستگی فال بکار رفتے ، با آن همه ذوقِ طلب و آن مایه حگر تشنگی دریافت اگر رسیدنِ ذمهٔ نامی باز شنودمے ، سوزنده آتشے ار رشك در نهادِ من افتادے و بوئے کباب از جگر برخاستے -

هنوز آویزهٔ محبت و فطرت را آتشِ هنگامه تیز بود و ستیزهٔ سهر و خرد گرمیِ بازارِ رستخیز داشت که سپهر برسر گشتگیهایِ من بخشود و بخت به کارسزی سر ار حوابِ گران برداشت - از خبرِ ورودِ سوکبِ فروغانی کوکبِ گورنری به اله آباد ارغنونے ساز کردند و آن فیروزیِ ساز را به سرغوله ریزیِ نوائے مبارکبادِ ترقیِ جاهِ مخدوم بلند آهنگ ساختند- نشاطِ زمزمه در من اثر کرده مرا که با خویشتن در افتاده بودم از من بدر آورد -شوقِ بهانه طلب بتقریبِ ادائے مراسمِ تهنیت از بندِ حجاب بر آمد و دلِ شرم زده که خودرا افسرده و مرا نژند داشتے از سرمستیِ طرب به رقص اندر آمد - شاهدِ ارادت که برقعِ حیا به رخ فرو هشته بود چون تار رو پودِ آن پرده از هم گسسته یفت، باندازهٔ کشاده روئی آهنگِ پابوس از سر گرفت و بهنجارِ چشم روشنی گوئی ترنمِ شادی بر گرفت - عطایے تشریفِ قاضی القضاتی از پیشگاهِ گورنری که از روے فرمدهی شهریاری و کشور خدیوی ست بافر خندگی و همایونی قرین و این منصبِ والا که ترقی طلبان را غایتِ معراجِ کمال است بامِ مرادِ خدامِ مخدوم را به تحسینِ والا پایگی دلنشین باد - امید که ازین پس جرمِ کوته قلمی که به عذرِ دراز نفسی بوده است بر خاطرِ عاطر گذر نکند و اسد اللّٰهِ نامه سیاه به افاضهٔ تابشِ نیّرِ قبول روسپیدِ جاوید آید - نگاشتهٔ یکم جنوری ۱۸۳۸ عیسوی-

خط - ۲

بیکسار امید گاها ، غربت زدگان ملاذا ، والا نامهٔ تفقد رقم مع سه قطعه نوٹ دو صد روپیه وصول آورده شرمسارِ ناکسیهائے خود و سپاسگزارِ دلنوازیهائے جناب گردانید - ایما رفته بود که فرستادنِ کاغذِ زر بایمائے حضرت مولوی محمد علی خان است - از آنجا که جنابِ قبله گاهی در عنایت نامهٔ خویش حرفے ازین عالم به من ننگاشته اند، شگرفے حیرتے روئے داد و

بلعجب سگالشے پدید آمد - پذیرفتنِ عطیّہ روان و خرد را سرمایۂ تیرگی و ردِّ عطائے بزرگان بیحیائی و خیرگی ست - ناچار ہرسہ قطعہ با خود نگاشتہ ام - تا بخدمت نرسم و ماجرائے خویش سرسر نگزارم و طرزِ تحریرِ جنابِ قبلہ گاہی کہ مشعرِ کیفیتِ این عطاست نبینم و حالہا در نیابم ، روانم نیاساید و وحشتم از دل نرود - بامداد روزِ یکشنبہ بملازمت میرسم ، انشاء اللّٰہ العظیم -

خط - ۳

قبلۂ حاجات ، ہر چند دشوار است بہجران زیستن و دانم کہ بے دوست نتوان زیستن ، لیکن بند ارادت از جانبِ خویش بدان اندازہ استوار می نگرم کہ اگر بفرضِ محال صد سال و صد ہزار سال بہ فراقم گذرد ، خاطر را ہمان بسویِ وفا گرایش و مہر را ہمان روے در افزایش خواہد بود - امید کہ ہم بدین شمار تفقّد و التفات از آن طرف نیز روز افزون باشد - صداقت پیشہ حافظ کریم بخش کہ بہ لاہور رفتہ بود ، سر آغازِ این ماہ بہ دہلی باز آمد - و شبے بہ کاروانسرائے آرمیدہ ، بامدادان بہ آہنگِ راہ باد کردار از دریا گذشت - چون شاہدرہ کہ خاور سوئے دہلی بہ سہ کروہے واقع است رسیدہ ، حافظ قادر بخش مہین برادرِ خود را کہ از باندا بہ بوندیلکھنڈ می آمد بہ راہ دریافت ، و ہمپائے وے واژگون خرامیدہ بشہر باز آمد - ہر چند بیچارہ سر آن داشت کہ دوسہ روز بہ شادمانیِ دیدارِ برادر آسودہ اورا بہ وطن پدرود کند ، و خود بہ الہ آباد پوید ، مہین برادرش نگذاشت و خواہی نخواہی او راباخویشتن برد ، مسکین از دردِ دوریِ آن آستان می نالید و می گفت کہ من این رہ نہ بہ پایِ خویش می روم ، بہ کمندم بستہ اند و بہ بندم می برند - دیگر می فرمود کہ مصحفے از بہرِ مولوی سعادت حسین ہدیہ آوردہ ام و باز می برم و چون برمیگردم باخود می آورم- دیگر یک روپیہ مسکوک بہ سکۂ گرو گوبند کہ بہ فرمانِ والیِ لاہور در آن مرز بوم روائی دارد ، بہ من سپردہ و ازمن آن خواستہ کہ این را بہ الہ آباد فرستم ، تا بہ مشاہدۂ سکۂ جدید نظّارگیان را دل بشگفد - من کہ نامہ نگارم گفتۂ او را برنگاشتم و روپیہ را بہ نوردِ نامہ فرو پیچیدم و نامہ را بڈاک فرستادم - کارکنانِ آن کدہ نامہ را بہ سوئے من برگرداندند و فرستادنِ نامہ کہ بہ دینار آبستنی باشد نپذیرفتند - ناچار آن شگرف پیکر را ازورق برآوردہ نامہ را از سر انشا کردم ، و آنرا نردِ خود نگاہداشتم ، تاچون رہروے را روی بدان دیار بینم ، بہ وے سپارم - امید کہ چو قبلۂ جان و دل حضرت مولوی سراج الدین احمد بدان ہمایون انجمن آیند ، این نامہ بنظرگاہِ شان نیز در آید ، تا از حافظ بہ و داغ و از غالب بہ نیر تسلّی شوند- پس از انجامیدنِ نامہ ذوقِ ہمزبانی نازم بہ سخن می آورد- نہفتہ مباد کہ درین روز باتنے چند از خاصان نواب ذوالفقار بہادر از باندا بدین

دیر رسیده بپاسِ دیرین آشنائی به خانۂ من آمدند و چون در نوردِ ہر گونه گفتگو حالِ سید نور الدین علیخان پرسیده شد ، نبودنِ ماندگنِ مولوی محمد علی خان مغفور به باندا و پدید آمدنِ ستیره و پرخاش درمیانۂ ہم بدانگونه باز گفتند که مرا دل غمگین و خاطر اندوہگین شد - لاحرم تسکینِ بیتابیِ دل در آن اندیشیده ام که به جنبشِ خامۂ عطارد ہنگامۂ حضرتِ مخدومی بدین ماجرا فرارسم و منشاء ناسازگاریِ آن گروه و فرجامِ کارِ مخدوم زادۂ بے پدر مانده بار دانم - دولت و اقبال پیش کار و چرخ و ستاره مددگار باد-

بنامِ شیخ امیر اللّٰہ سرّور تخلص

خط ۔ ۱

حضرت سلامت ، رسیدنِ دلنواز نامہ دل را تنو مند و شاخِ آرزو را برومند ساخت ۔ گلہ از نارسیدنِ پاسخِ نامہ ہائے خویش میکنند و از خدا شرم ندارند ۔ من خود از جانبِ شما نگرانی داشتم کہ کجائید و چہ در سر دارید ۔ بارے پردہ از روئے کار شما بر گرفتم و دانستم کہ یکچند مرا فراموش کردہ بودید ، ناگاہ ورودِ جنابِ مولانا تراب علی صاحب بدان بقعہ اتفاق افتاد ۔ شنیدید کہ فلانی از سخت جانی ہنوز زندہ است ۔ مہرِ کہن بجنبید کہ بہ نامہ یاد آورید ، از فراموشیِ روزگارِ گدشتہ اندیشہ کردید ۔ لاجرم دورغے چند برہم بافتید و آن را دیبائے دیباچۂ نامہ ساختید ۔ بہر حال دیر بمانید و از دہر جز نکویی نبینید ۔ دیباچہ ہائے بلند رسید ۔

از حالِ من پرسیدہ اید ۔ چہ گویم کہ بہ گفتن نیرزد ، چنانکہ گفتہ اند۔

فرد: شکستہ دل تر ازان ساغرِ بلورینم
کہ درمیانۂ خارا کنی ز دور رہا

خیرہ سر و آشفتہ رائے نہ زبانِ سخن و نہ دل از سراسیمگی برجائے ۔ چہار سال میگذرد کہ مقدمۂ من باجلاسِ کونسل در پیش است و دلم از تفرقۂ بیم و امید ریش ۔ حکمے کہ قطعِ خصوصت تواند کرد ، برنیامدہ و ہنگامِ بپایان رسیدنِ تیرہ شبِ نا امیدی در نیامدہ ۔ حالیاً برآن سرم کہ جزوِ اعظمِ کونسل اشرف الاسرا لارڈ ولیم کونڈش بنٹنگ بہادر درین دیار در آید ۔ بہ دامنش در آویزم و داد خواہم و استدعایِ صدورِ حکمِ اخیر کنم۔

گروہے برآنند کہ نوابِ عالیجناب بہ دہلی نخواہد آمد ، وہم ازان رہگذر ہا بہ اجمیر خواہد رفت ، اگر ہمچنین است بدا من و روزگارِ من و آوخ از دوریِ راہ و درازیِ کارِ من ۔ خواستہ اید کہ نتائجِ طبع والائے شما بنگرم و از تراویدہ ہائے کام و زبانِ خود بہ شما ارمغانے بفرستم ۔ فرصت آن کجا و دماغِ این کو ۔ آمد آمدِ نواب گورنر و دریوزۂ اخبار از ہر در' ترتیبِ افرادِ مقدمہ و تمہیدِ نگرشِ حال سنجیدنِ اندیشہ ہائے رنگ رنگ و سگالیدنِ اندازِ بیان ۔ آن مایہ دستیاری و غمخواری چشم از کسے ندارم کہ چون ورقے انشا کردہ باشم ، نقلِ آن تواند برداشت یا چون دفترے از بہرِ نگرستن پریشان کنم ، آن اوراقِ پراگندہ را فراہم تواند کرد۔ بہ ہر

رنگ چند روزِ دگر معاف دارید تا زمنے که به سن پیوندید ۔ گاه گاه به نامه زنگ زدائی آئینهٔ وداد باشید ۔ اوراقِ اشعار به نظرِ احمالی نگرسته ام و از جمعهٔ بزرگنے که در آن افراد مذکور اند مرزا حیدر علی افصح را فردِ کامل دیده ام ۔ روشے پسندیده و طرزے گزیده دارد و ہمیں است شیوهٔ مکرمی شیخ امام بحشِ ناسخ و خواجه حیدر علی آتش و دیگر تازه خیالانِ لکھنئو ۔ غزلے از آں بزرگوار مخمس کرده اید ، اماندانم که در حسنِ مطلع تصرّفِ شماست یا سہوِ کاتب ، چه در رکنِ اخیر مصرعِ اول که باصطلاحِ عروضیان آنرا 'عجز' نامند ، زحفے بے مزه واقع شده که بر صاحبِ طبعِ سلیم نہفته نمی ماند ۔ ندانم دراصلِ مصرع اینچنین خواہد بود ،فرد

فرد: نہ خریدار کا حصہ ہوں نہ حق بائع کا
میں وہ دانہ ہوں کہ گر جائے کف میزاں سے

والسلام

بنام نامی مومن خان صاحب

خط ـ ۱

فروغِ طالعِ گفتار ، سلامت ، دوش اندیشۂ دیوانگی پیشه باروشنانِ سپهر سر رشتے که به پرخاش انجامد آغاز کرد و تیغِ دو دمۂ چارسین مصرع این رباعی درمیانۂ آن هفت فرورنده پیکر نهاد،

رباعی

آنـم کـه بـه پیمـانـۂ مـن سـاقـیِ دهـر
ریـزد همـه دُردِ درد و تـلـخـابـۂ زهـر
بـگـذر ز سـعـادت و نحوسـت کـه مـرا
نـاهید بـه غـمـزه کُشـت و مـریخ بـه قـهـر

با آنکه هنوزم لب از تلخیِ این مویه زهر فشانست ، دل از سادگی در بند آنست که نگارشِ تقویمِ این سال کران پذیرفته باشد ، منش نیز بنگرم تا به رور افزونیِ شکوهِ خسرو انجم خود را چشم روشنی گویم ـ زهے نادانِ هوس شیوه که من باشم وبه شرفِ خورشید خرسند گردم ـ حقّا که دل نهادنِ من به آثارِ نو روزی بچشمد اشتِ فَرخی و فیروزی از روئے مثال نه واگویۂ آن کنیز کم خردِ خردسال ماند که چون شبِ عیدش نشاطے تازه درگرفت و به زمزمۂ عید آمد و عید آمد، نوائے شادی بر گرفت ، خاتون گفت تن زن که اگر عید است ور رمضان نو و همان سه سوخته نان ـ سخن کوتاه ، نامه میفرستم و میگویم یا رب نامه بر از آن در تهیدست بر نگردد که هر آئینه اندران صورت قطعِ نظر از دم سردیِ ذوق، اندوهِ عکسِ مدّعا به من روئے خواهد داد ، پاسِ ادب نگاه نداشتن و آستانِ دوست راسپهر نپنداشتن ـ

والسلام ـ

خطوط بنامِ مولوی محمد علی خان صدر امینِ باندا بوند یلکھنڈ

خط - ۱

قبلۂ خدا پرستان و کعبۂ حق پژوہان ، سلامت ، خود را فرا یادِ خاطرِ خطیر دادن از لوازمِ حصولِ سعادت انگاشته، گزارشِ مرامِ نیاز را تقریبِ کامیابی میشمارد - حاملِ مکتوب که وجودش محضِ حسنِ اتفاق است گواهِ این معنی است که نامه در چه عالم به تحریر آورده ام - بهر حال روزِ پنجشنبه در موڈه رسیده تا یکشنبه به آرامش گرائید - دوشنبه کوسِ رحیل کوفته شبے به روستا بسر برده ، به شنبه در چلّه تارا رسید - للّٰه الحمد که رحمتِ صداع و حمی از ساحتِ طبع رخت بربست - خاطر قرینِ جمعیت دارند - امشب در چلّه تارا رسیده ، بامدادان اگر حیات باقیست ، بسیجِ راهِ فتحپور کرده خواهد شد - زیاده حدِّ ادب-

خط - ۲

قبلۂ جان و دل ، سلامت ، آداب و کورنشر بجاآورده به عرضِ حال می گراید - للّٰه الحمد که رحمتِ صداع و حمی هم از باندا اثرے در طبع نگذاشته - ضعف اگر باقیست ، تردّدے نیست، چه این رفیقے ست که از وطن به همر ہی بسته است - هم پایۂ حق گراریش قویست ، هم سایۂ وفا داریش کارفرمائے مرضِ ثانوی - بالجمله دو شنبه از موڈه بر آمدم - گردونکے که درین ملک به 'لڑھا' موسوم است برائے بار کشیدن یافتم - چون از من ضعیف الخلقت تر افتاده بود ، از آهسته خرام بلکه محرام دوازده کروه راه نتوانست برید و از موڈه تا چله تارا نرسید تا چارشبے به دہے اتفاقِ سبیت افتاد - سه شنبه آخرِ شب روان شدم - من خود دوپهر روز برآمده ، به کاروانسرائے چلّه تارا رسیدم و آن هیچ مخرام تا ساعتے از شب نگذشت به من نپیوست - همان‌زمان مکتوبے در سوادِ ظلمتِ لیل که هنوز ملازمان چراغ نیفروخته بودند 'رقم کردم - چون میرزا مغل صاحب به سندا فرموده بودند، که عریضۂ موسومۂ جنابِ مولوی به تهانه دارِ چلّه تارا حواله باید کرد که او خواهد رساند، اتفاقاً آخرِ روز بلکه اولِ شب به کاروانسرائے چلّه تارا در انتظار گردونك و ایستادگانِ راه نشسته بودم که ناگه تهانه دار به کاروانسرائے رسید و هرسو خراسیدن آغاز کرد - دربابِ ارسالِ نامه از وے اعانت جستم-

اگرچه پذیرفت ، اما پذیرفتنی سخت سفیهانه ، چنانکه طبع ابا کرد و گوارا نشد

مکتوب به وے دادن ۔رہروے مجہول الاحوال چوں نامِ جنب از من شنود ، نامه به جز از من طلب کرد ۔ ہمان سطرے چند که عجالتاً به تاریکی نشسته بودم به وے سپردم ۔ غالب که از نظر خواہد گذشت ۔ اما این عبودیت نامه که گردون بار حاملِ آنست ، اگر نخواہد رسید، زمین رسیدنِ او به باندا با ہنگامِ ورودِ عاصی به کلکته مقارن خواہدافتاد ، چه در کم ازین عرصه از چنه تارا به باندا رسیدنش باشد که ممکن نباشد واللّٰه علی کل شئی قدیر ۔ خلاصهٔ تحریر اینکه آخر از بیدادِ گردونِ دون ستوه آمده خود را به دریا انداخته ام ، یعنی ہم از ین مقام کشتی بکرایه گرفته و آدم و متاع ہمه دروے گنجیده و بسم اللّٰه مجریہا و مرسیہا برخوانده سفینه در رودِ جمن رانده ام ۔ منظور اینکه به اله آباد رسیده توقفے که در بنارس می خواستم کرد ہم درین بقعه کار بندم و روزے چند آسایشے کرده بیحتاج به امضأ رسانده رہگرا شوم و دیگر جز مرشد آبادِ بنگاله در ہیچ جا توقف نگزینم ۔ حالِ سفرِ دریا نیز درین دوسه روز پنہان نخواہد ماند ۔ کشتیبانان گویند که در عرصهٔ سه روز به اله آباد رسیده خواہد شد ۔ میتوان دید۔ اینک روزِ چہارشنبه قریبِ نیم روز در کشتی نشسته دل باخدا نه با نخدا بسته ام ۔ زیاده حدِّ ادب۔

خط ۔۳

بجنابِ مولوی صاحب قبله و کعبهٔ دو جہان مُدّظلّه العالی ، بعدِ گزارشِ آداب و تسلیم معروض اینکه للّٰه الحمد که ہنوز سررشتهٔ فیضانِ تجلّیِ رحمانی از مشتِ خاکِ تیرهٔ من منقطع نگردیده ، نوازشِ رقم نامهٔ عطوفت طراز به عزِّ وصولِ خود سرم را به سپہرِ برین رسانید و مسرت یاد آوریہا کفِ حاکم را بہشتِ شادمانی گردانید ۔ شکرِ عنایت از بن ہر مو زبان میروباند ، اما گفتن با اینہمه داستان را بپایان نمیرساند ۔ امروز که آدینه بقولِ جمعے نہمِ ماه و نه اظہارِ گروہے دہم است در بندِ بستنِ رختِ سفرم۔ اگر شب بخیر گذشت و وجودِ موہوم راجع به عدمیتِ اصلیِ جماد نگشت ، فردا روزِ شنبه از بنارس می پویم ۔ نہفته نماناد که ناخدایان ناخدا شناس بنارس درباب کشتی مضایقه کردند ، چه به ہر که برخوردم تا کلکته کم از صد روپیه نطلبید و تا پٹنه افزون از بست روپیه خواست ۔ ناچار ہمان اسپ سواره و تا بدان نفعه ، صحرا خواہم پیمود ، و ہنوز ہوائے کشتی از سر بدر نرفته در پٹنه نیز جستجو خواہم نمود ۔ دیگر ہر چه جز سپاس نفقد

و شکر ترحمِ گفته آید ، از عالمِ ہرزہ درائی ست ۔ یزدان سلامت دارد و اجر لطفے کہ حلصاللّٰہ بے سوابق معرفت در حق ہمچو منِ ہیچ میرز کہ ہم در ناکسی قرینہ ندارد و ہم در بیکسی ہمال ، بذل فرمودہ اند و میفرمایند درودِ گیتی بدہد ۔ زیادہ حدِ ادب۔

خط ۔۴

جنابِ مولوی صاحب قبلہ و کعبہ ، مدظلہ العالی ، روز گار یست کہ نفس از سوزِ فراقِ آن قبلۂ راستان شعلہ خیز ، و جبین بہ ہوائے آن آستان سجدہ ریزست ۔ وائے کہ سینہ من و آبے کہ آتشِ خطرناکِ شوق بدان فرو توان نشاند نہ ہفتہ دریا حائل است و از سنگِ آن درگاہ کہ مُہر نمر عمودیتش توان گردانید دوری باندازۂ بُعدِ کعبہ حاصل ۔ عطوفت رقم نامہ در ایّام حاک نشینی بپای ساربس حشم تخت را نورے و بختِ چشم را عروجے بخشیدہ بود ۔ سعادت تحریر جواب آنرا از جملۂ مغتنمات فرصت انگاشتہ و ورقے بخدمت خدام ذوی الاحترام نگاشتہ ، ہم براہ حشکی عزم عظیم آباد کرد ۔ بالجملہ بدستیریِ میامن توجہ انفاس بزرگان چون گرد کہ بہاد باد پرد در ہر گام از خاروخارہ سینہ بر دمِ تیغ مالان ، گاہ ارشدت برد لیالی افسردہ و رنجور و گاہ از سختیِ گردش ایّام ستم رسیدہ و نالان ، روز سہ شنبہ چہارمِ شعبان پرۂ از روز برآمدہ ، بہ کلکتہ رسید ۔ غریب نوازیہائے وہّابِ بے منّت را نازم کہ در چنین دیار خانہ چنان کہ باید و ہر گونہ آسایش را بکار آید ، ہم او را باندازۂ فراغِ خاطر آزادگان قصئے و ہم اندرونے مانند دہن از دنبۂ صدف بیت الخلائے ، در گوشۂ صحن پر از آب شیرین چاہے و بر طرفِ بام درخور اہل تنعمّ آرامگاہ بے بے آنکہ جستجوئے رود یا گفتگوئے شود بے زحمت و بے منّت بکرایۂ دہ روپیۂ ماہانہ بہمرسید و ادم و چاروا را تکیہ گہِ آرامش گردید ۔ دو روز از رنجِ راہ آسودہ منشور لامع النور را مشعل راہ مدّعا ساختم و در کشتی نشستہ آہنگِ ہوگلی بندر کردم ۔ لطف ملاقات نوّاب علی اکبر خان طباطبائی اگر گویم کہ مرا از بخت عجب آمد رواست و اگر گویم کہ مرا برس بہ رشک اورد نیز جا دارد۔ بخدائے کہ خرد آفریدہ و خردور برگزیدہ کہ بدین گرانمایگی و صاحبدلی در بنگالہ دیگرے نخواہد بود ۔ یارب این گوہرِ گرامی از کدام کان است و این گرامی گوہر از کدامی دود مان ؟ بارے چون نخستین صحبت بود ، بہ چارہ و مصلحت پرسی درد سرندادم و دوسہ ساعت

نشسته به غمکده بار آمدم- آوخ که درین روزہا نواب را به حکّامِ ہوگلی بندر در خصوص زمینے که وقفِ امام باڑہ است معارضه بلکه محادله در پیش و دل سر گرم فکر کار خویش است - لله در قائل:

فرد: ہمه را ماتمی حسرتِ دنیا دیدم
چون به حسرتکدۀ گبرو مسلمان رفتم

روزگارفرمانبر و بخت فرمان پذیر باد -

خط ـ ۵

قبله گاہاہے کسان پناہا، شگرفيِ آثارِ رحمت الهی ست که آب و ہوائے کلکته با من نیك در ساخته - درین بقعه آسوده تر از آنم که دروطن بوده ام -

رباعي

ہر پردۀ زندگی نوائے دارد
ہر گوشۀ از دہر فضائے دارد
ہر چند یبوست از دماغم یکسر
بنگاله شگرف آب و ہوائے دارد

سیمیں فریرر اسسٹنٹ سکرٹر را دریافتم - ملاقاتے شایسته روداد و استقبال و مشایعت و معانقه و عطائے عطر و پان بمیان آمد - طرزِ ملاقاتِ این ستوده خوئے خرسند و توانا دم کرد - عرضداشتِ موسومۀ نواب گورنر جنرل بہادر چنانکه رسمِ این داد گاه است، به صاحب سکرٹر بہادر سپرده آمد - ہم دران صحبت صاحب سکرٹر بہادر آنرا به پاٹن صاحب سپرد، تا آنرا به انگریزی نقل کند - دیگرے امیرے است بارائے و فرہنگ موسوم به اندرو اسٹرلنگ که قوسِ عروجي کونسل را نقطۀ بدایت و قوسِ نزولي آنرا نقطۀ نہایت است - چون سرمایۀ علم و آگہی داردو سخن را می فہمد و به لطفِ سخن وا میرسد، در مدحِ وے قصیدۀ مشتمل بر پنجاه و پنج بیت انشا کردم و در آخرِ قصیده لختے از حالِ خویشتن نگاشتم - از حسنِ اتفاق نه به سعيِ کسے ملازمتش به روشے گزیده و آئینے پسندیده دست بہم داد - اعتبارِ خاکساریہايِ من افزود و عیارِ امیدواریہ‌ی من کامل بر آمد - قصیده گذراندم و پارۀ بر خواندم، محظوظ شد و دلجوئیہا

کرد و وعدهٔ یاریگری داد - پوشیده نماند که اسٹرلنگ بہادر عہدهٔ چیف سکرٹری دارد و منجملهٔ اجرائے کونسل بشمار می آید - سیمین فریزر صاحب پیش کار و پیش دست این فرزانه داوراست - ہر گاه دوسه مقدمه از بہر رجوع به کونسل فراہم میشود ، فریزر صاحب اسم و رسم دادخواہان به وے عرضه میدارد و وے فراخور بایست ہرکس بسوی خود می خواہد و در مقدمهٔ ہریک تأملے سسرا آورده شنیدنی و ناشنیدنی از ہم جدا میکند - از آنمیانه عرائضِ ناشنیدنی به گدرانندگان بر میگردد و شنیدنی به کونسل میگذرد - بارے به ہوس شادمانم که داد نامهٔ من پذیرفتنی و به کونسل گذشتنی سنجیده شد ، تا در آن انجمن چه روئے دہد و فرمان فرماندہان دربارهٔ من چه باشد - زیاده حدِّ آداب۔

خط ۔۲

از جگر تشنه به دریا سرود
وز تنِ بیجان به مسیحا درود
از شبِ دیجور به نیّر سلام
وز لبِ مخمور به صہبا پیام
از دلِ افگار به مرہم سپاس
وز منِ ره جوے به خضرً التماس

ده روز بر دو ماه گذشته که سوادِ والا نامه سرمهٔ چشمِ نگران نگشته - عرضداشت نگشتهٔ غرّهٔ ذیحجه و عریضه مرقومِ ہشتمِ ماهِ مذکور که در نوردِ مراسلهٔ مخدومی جناب مولوی سید ولایت حسن صاحب سمتِ ترسیل یافته چون گویم که تلف گشت و به نظرِ ربوبیت اثر نگذشت - کاش طرازِ تغافل بر دامنِ التفاتِ حضرتِ قبله گاہی توانستمے بست تا دل از پراگندگی وارستے - روزے از کثرتِ اضطراب بخدمتِ جنابِ احوی مطاعی حضرت مولوی سید ولایت حسن شتافتم - چون از رسیدنِ نامه پژوہش رفت ، پدید آمد که مخدوم نیز ہمچو من چشمے براه دارد - اگرچه درد نا یافت دوا نیافت ، اما سپاسِ ایزدی بجا آورده شد که مرا به داغ دوزخ تابِ رشك نسوخت- کوتاہیِ سخن ، ہر چه از عالم فراہم آمده بود ، در آن ہر دو عریضه به احمالے که بر تفصیل چربد ، معروضِ رائے جہان آرای گشته - تازه اینکه عرضداشت به کونسل گذشت و فرمان صادر گشت که ضابطه مقتضی آنست که نخست زمزمهٔ تظلّم به گوشِ

رزیڈنٹ دہلی دیده اید۔ گفتم که سرو برگ سفر و تاب و توان سعاودتم نیست۔ فرمان پذیم که خود اینجا باشد و وکالتاً به رسیڈنٹی دہلی گراید، به دوستے از دوستان وطن کتابے فرستادم و اعانتے جستم، وے بیکس نوازی کرد و خود کارفرما شد و وکیلے قرار داد و به من نشست۔ من و کالت نامه بنام وکیل نوشته و ہر گونه کاغذے که فرستادنی بود، ضمیمهٔ آن ساخته در نورد نامهٔ موسومهٔ آن دوست کارفرما که بر من از من مہربان تر و در کر ساری و داد جوابی از من خورده دان ترست در نوردیده به دہلی فرستاده ام

ع: تا درمیانه خواستهٔ کردگار چیست

الله بس ماسوی ہوس۔

خط ۔۷

قبله گاہا، آنچه پس از عرض تسلیمات به عرضِ بیان تواند آمد اینست که ہمائے والا نامه به سرم سایه گستر گشت و مرا در قلمرو شادمانی جہانبانی داد۔ رہے به نمِ روانی رأفت نامه بر غبارِ اندیشه فرونشاندن و دل را به امن آبادِ جمعیت رساندن۔ من و خدا که ہنگم تحریر عبودیت نامه سکه ذوق حضور از ضمیرم میجوشد، ہر گر رعایتِ آداب و القاب را گنجائی نمی ماند، چه من آن سحوابم که۔ نشستن کم از گفتن نباشد۔ ہر آئینه بسا باشد که بیان از پر کار افتد۔ نه تقدّم و تأخّر مدعا در نظر دارم و نه از دراریِ سحر اندیشم و نشیب و فراز وادی گفتگو مستانه طے میکنم و عنان گسیخته میروم۔ خاطر ہمه گرفتار آنست که حالہا برای مشکلکشائ قبله گہی پنہان نماند۔ ازین پیش به دو ہفته روز پنجشنبه پگه جناب مولوی سید حسین صاحب از در درآمدند و به تودیع پرداختند که اینک برسرِ راہم و به تقریب دوره عزمِ سفر دارم۔ تا در عمکده مشایعت بجائے آوردم و بخدا سپردم و دیگر ہم درین روز ہا نامه از دہلی رسید و کاشف این مدّعا گردید که کاغذ فرستادهٔ من رسید و دست کارفرما آنرا پذیرفت و وکالت نامه به وکیل داد۔ ہنوز وکالتش از قوه به فعل نیامده بود که روشن الدوله سر اڈوارڈ کولبرك صاحب بہادر فرمانروائے دہلی به ہنجارِ دوره دل نہضت کشاد۔ ہر آئینه انتظار بار گزیدنش در پیش و این درنگ که بے خواست درمیان آمده بجائے خویش است۔ دیگر از اخبار این دیار آنکه ولیم بیلی صاحب که اعظم اجرائے کونسل است و بروزگارِ پیشین وپس پرسیڈنٹ نیز بود و حالیا به ملك برہما رفته است و لارڈ ولیم کونڈش بنٹنك که اکنون طغرائے گورنری نقشِ نگینِ اوست به مانده

که شکار گاہے است شرق رویۂ کلکتہ به سیر و شکار حرامیده - صاحب حلق عمیم مولوی محمد الکریم میر منشی دفتر کدۂ فارسی رخصتِ ہشت ماہ گرفته براہِ دریا به لکھنئو روئے آورد باشد که تا عظیم اباد رسیده باشد - از نوادرِ حالات اینکه سحوران و نکته رسان این بقعه پس از ورودِ خاکسار بزم سخنے آراسته بودند - در ہر ماہِ شمسی انگریزی روز یکشنبۂ نخستین سخن گویان در مدرسۂ سرکار کمپنی فراہم شد ندے و غزلہایِ ہندی و فارسی خواندندے - ناگاہ گرانمایه مردے که از ہرات به سفرت رسیده است ، در آن انجمن میرسد و اشعار مرا شنوده به بانگِ بلند می ستاید و بر کلامِ نادره گویان این قلمرو تبسم ہائے زیر لبی میفرماید - چون طبائع بالذات مفتون خود نمائیست ہمگنان حسد می برند و کلانان انجمن و فرزانگان فن بر دو بیتِ من اعتراض نا درست بر آورده آنرا شہرت میدہند ، و بے آنکه زبان به پاسخ آشنا شود از دانشوران که مخدومی و ملاذی نواب علی اکبر خان و مکرّمی و مطاعی مولوی محمد حسین از آنانند جواب ہامی یا بند و پسِ زانوے خاموشی می نشینند ، چنانچه ہم به فرمانِ این دو بزرگوار مثنوی انشا کرده ام و بعداز اظہار عجز و انکسارِ خویش جواب ہائے اعتراض در آن ابیات موزون ساخته و آن مثنوی پسندیدۂ طبع عالمے افتاده است - انشأ اللّٰہ العظیم زین بعد عریضۂ که به والا خدمت خواہد رسید ورقے از آن ابیات در نوردِ آن خواہد بود-

خط ـ۸

حضرتِ قبله گہی ولی نعمتی را ، مدظله العالی ، گردِ سر میگردد و جان به خاکِ پا می افشانم و نمیدانم چه عرضه دارم و از پردۂ کدام ، رقم - سر بر آرم - نه سپاسِ یاد آوری گران پذیرد ، نه شکر قدر دانی افزائی باندازۂ تحریر - پر پرور جناب منشی عاشق علی خان بہادر کتابتے به من فرستادند - چون عنوانش به شگافتن رسید نورے از آن پرده بدرخشید - چون وارسیدم،سوادِ مکتوب حضرت بود که به جان ممدوح در اشعارِ خاکساری این مشت غبار جلوۂ رقم داشت - بالجمله سالار مان شان بدین ننگِ آفرینش نوشته بودند که وقتے قرار داده و مرا بیاگاہان تا سرت از سپہر بگذرانم و نور ورودِ خویش به کدورت کده ات بر افشانم - پاسخ نیوزش گزار دم و روزِ دگر خود به بساط بوس رسیدم - جنابِ ممدوحی سخن به مذاقِ اہلِ وحدتِ وجود میرانند و ازین نمد کلاہے دارند - مرا که از شیوۂ اخلاقِ شمع و چراغِ انجمن مولوی سید ولایت حسین و طرزِ

احتلاط مهر سپهرِ معنی آشنائی نواب علی اکبر حانِ طباطبائی منّت حدام قبله گاہی بر دل و حان و به ارایِ ہر گونه لطفے که از صحبتِ ایں بزرگان برمیداشتم ہدا بس بر که اسرامکه بر ردن بود۔ ایدون آبروئے دیگر افرود و شوکتے تازه روئے نمودِ حقا که اگر در بورد ایں آوارگی به شما نرسیدے ، حستگیِ مرا مرہم و شکستگیِ مرا مومیائی از کحا پدید آمدے۔ اگر سررشتۂ انصاف از کف ندہم ، دانم که از عہدۂ سپاسِ میر کرم علی که مرا به حالکِ آن آستان رہنمونی کرده اند ، و بدان سر منزل خضرِ راہم گردیده ، بیرون آمدن نتوانم۔ چه جائے آنکه مدحِ ملازمں گویم۔ حاشا ثم حاشا۔

ع: خاموشی از ثنائے توحّدِ ثنائے تست

مخفی نماند که ایں عریضه برورِ ششم از ماهِ شعبان رقم کرده ہما نرور به توسطِ میر صفات علی خان صاحب به لاله کانجی مل فرستاده آمد۔ یزدان توفیق به مکتوب حود فروپیچیدں و به ںندا فرستادنش عطا دارد۔

خط۔ ۹

۱

نامه ہائے فارسی غالب

فرمانروائے کشورِ آگہی، ملاذومطاعِ رہی سلامت!

بعد تقدیم ستایش و تسلیم نیایش، معروض ایںکه میر صاحب شفیق میر کرم علی صاحب اغبِ اوقات عذرِ قدم رنجه فرسائی مخدوم از جانب مخدوم ادامی فرسایند، و ایں ناستوده صورت، و نکوہیده معنی را، بربانِ گہر فشان جناب می ستایند .... برآن پائے دردناك ترار دل ، رحمت حرام نوان پسندید، یادر تصوّر نیر متحمل صدمۂ ایں قیامت .... بس است که چون مں ننگ آفرینش را در صدر برم قبول می نشانند، وایں چنین کح مح ربان ہیچ (مدان) ..... می دانند۔ چه نه سپاسی ست، در عرص ایں مباہات، برخودنه بالیدن، وچه حق نشناسی ست، درتلافی .... دیده بر کفِ پا، نه مالیدن۔ ایں که دیر دیر بخدمت می رسم ، نه از آنست، که شوق سلسله جنباں نبشد،بلکه نارسائی، دلیل نارسائی ست، ووامانده گی،عذر حواهِ وامانده گی۔

وفور ناتوانی سراپائے مراصد شکنے ، چون بستر بیمار، برروے ہمی چیدہ است۔ و پیکر ناتوان من، از ہجوم افتادگی ، صورت دیبا گردیدہ۔ تر گی این کہ دریں خشک سال ، طاقت تاریخ سفر برابر گشت، و کام ناکام ، چون عمر خویش، ناخوش گزشت۔ بس کہ اضمحلال افعال طبیعی، منجر بہ سکوت قوائے نفسانی ست دل راز ہوای شعر ملال، ددماغ را از فکر سخن سر گرانی ست۔ پیش ازیں کہ بحکم ہوائے دل فریفتۂ کار خانہ ہائے رنگ و (بو) وبے پروا خرام فراخی ہائے آرزو، بودم ، سیہ مستانہ رحیق شعلہ بہ پیمانہ می بودم ۔

یاد باد آن روز گاران کا عتبارے دا شیتم

آہ آتشناك و چشم اِشکبارے دا شیتم

اکنون آں شرر کاری شوق کجا کہ نفس را از شعلۂ درون معزون نہ دارد، و آن جوش (بہار) اندیشہ کو، کہ لالہ و گل از نقابِ کفِ خاکم سر برآرد۔ این کہ ہنوز برقے از جیب خیال، در درخشیدن است، برافرو ختن چراغے ست، وقتِ خموش گردیدن۔ بالجملہ تحسین این چنین فکرِ نارسا، وستایش این چنین رندے سروپا، تمہید مراسم رَافت است، وتکمیل مراتب عنایت۔ آری ، ہیچ را بہمہ پر رفتن، وبدرا نیک خطاب فرمودن ، آئین غریب نوازی ست ، وار نوازش غریبے ست۔

دو مسودۂ نثر کہ سعئی تحریر ہریکے را بہ تقریبے جدا گانہ ، کسوت پیوندِ حرف و رقم کشیدہ است، از نظر خواہد گزشت، و پرتوِ (نگاہ قبول) ، منشور سرفرازئی راقم خواہد گشت۔ سواد نخستین نامہ ایست شرحش این کہ درمبادی بسیج سفر مشرق، بہ فیروز پور کہ جاگیر عمّو صاحب قبلہ فخرالدولہ دلاورالملک نواب احمد بخش خان بہادر رُستم جنگ است، بخدمت عم ممدوح گزرانیدہ بودم۔ فخر العلما مولوی محمد فضل حق نام، دوستے در دارالخلافت تمکّن داشت کہ من از فرط استعجال فرصت تودیع نیافتہ ....پدرود ناشدہ ، بہ منزل مقصود شتافتہ بودم، ودر آنجا رسیدہ پوزش نامہ بخدمت کثیرالافادتش نگاشتم و درآں (صنعت) تعطیل مرعی داشتم۔ و ہُوالہذا۔

عالم اعلم، و علم عمل، عالم عامل، وعامل عادل (درعلم، و در عمل سمر [1])،دام اکرامہ' آسودہ عالم عالم درد دل، اسد اللہ، سلام معمول الاسلام ادا کردہ، احرام درس اسرار مدعا دارد۔

۱۔ نثر (کمیاب) نثر غالب کپور، ۱۸۵۷ء، ۶۳

دردِ عدم وداع ہمدگر اگر صد عمر در گرد درد و ملالم دارد، رواـ امّا واللّٰہ کہ کماں گم کردۂ حواس (و سراسر وہم و ہراس)[۱] آمدہ امـ اگر دلِ مولا گلہ آلود گردد، داد رواـ ہر گاہ آدم عہدِ کرد گار را سہو کردو عمر در سرو کار لہو کرد، روح را در ہوس مسرور کرد و دل را در حرص کاسل، درمعاملۂ دہر کم طالع آمدـ ودرا سرمعا دکاہلـ دل آگہ را ادراک مصالح کار سہل و مردم گمراہ را، اصلاح حال، محالـ ملک العلاّم اگہ،ودم در د آلود گواہ، کہ الحال دل و داد محمل، وداع حرص و ہوا کردہ، و گردِ ملال سرا در محوطۂ درد عمر کاہ، در آوردہـ واللّٰہ عہد کردم کہ اگر مُردم گردِ لہوو ہوس کم گردم سالکاً واصلاًـ

(سکرسامصاعا)[۲] الحال کہ محرر، دردلاور الملک را دامگہِ ورود کردہ، طمع دارد کہ اعلام حال سابہو کار مکرّر کردہ،وطرح سود و اصل (وام) اورا، در احاطۂ سدِّاطلاع در آوردہ راحلہ رادر سرحلہ سردہدـ مگر دلِ والۂ عدو کام در صحرا وارہدـ امّا عمّ کامگار دروہم وہراس مکروحسد اعدا، ودردعدم محاصل سرکار الور و ملال در آمد گرما سرگرم و سوگوار، و گم کردۂ ارامـ اورا سہر کو کہ کس را دل دہد وہمم در اصلاح حال کس گمارد، و مرا دل اسودۂ رام ، وطور ارام، کو، کہ سرصداع آلودہ را در کوہسار واسالم و دل را درطمع امداد کار سالہا در ورطہ طول امل دارمـ حاصل الامر،دل در وداع گمۂ طالع و سرور کلاہ احاطۂ کرم کرد گر در آوردہ احرام صحرا دارم کہ گرد کردار، و صر صر وار، آوارۂ عالم گردمـ اگر طالع مسعود (کہ لوحِ طلسم مُراد دارد)[۳] مدد کرد و عُروس مدعا سر، در دام ارادۂ محرّر (دعا گو)[۴] در آورد، ہواالمراد، واّلا لا (محالہ)[۵] در گام اوّل رہرو راہِ عدمم، و درسلسلۂ اہل کار عار دودۂ آدمـ الملک اللّٰہ والحکم للّٰہـ محررہـ

صر صرِ صد دمِ سرد، آمد دل ، ہمہ درد و (ہمہ) گرد امد د
گہ کرم کامِ دل ما گردد گہ درم دامِ دل ما گردد
ہوسِ طرّۂ طرار اُو را حرصِ وصل و سر دلدار اُورا
سادہ دل گردِ ہوسہا گردد کہ عسل، دام مگسہا گردد

معاملۂ سوداگر وہد الحرام، دل گرم سہر، سراسر کرم مولا را درمادہ (کذا) اسد کم طالع سرد کردہ و کلام ہمدم صمصام حسد اعلام سراسر الام (أ)[۶] و، گرہ ملال در دل و داد آمدہ والا

۱ـ نثر (کلیات) نثر غالب کنپور، ۱۸۵۷ء: ۶۳ ۲ـ ایضاً ۶۳ـ۶۴ ۳ـ ایضاً ۴ـ ایضاً ۵ـ ایضاً ۶ـ ایضاً

در اورده۔ سامول کہ گرد ملال ہوا گردد،و سسئول کہ گرہ دل وا گردد کہ دل گرہ در گرہ دام سدع گردد۔ ملک الودود (طول عمر و دوام)[1] مآل کمس اسلام وصلاح حال عطا داراد۔ والسلام والاکرام۔

دوّمیں مسودہ ایست کہ در لکھنؤ، بہ تکلیف سبحان علی خان ومیر نیار حسین خان، و دیگر دوستان حدید.......... عرضداشت، برائے معتمد الدولہ بہ تحریر آمدہ است۔ ہر چند اکابر آں سرکار، تقریب یار فروشیہا برانگیختہ رنگ تعارف تحصور امیر ممدوح ریختند، و ملازمت قرار یافت، اما چون درباب معانقہ وقت نخستین ملازمت،از آں طرف.......... سخنہا رفت، آں سعامۂ دہنی ،درخارج صورت وجود بہ گرفت۔ چہ بندہ را دل ار فکر اُمور مرجوعہ ریش و سفری درار وسطسی دُشوار در پیش۔ مستغنیانہ پاس ناموس خاکساری ، ورزیدم، و داس ار اختلاط آں نو دولتان بی مدارا (ن) برچید۔ اگرچہ نقش آں ہوس ار سینہ محو است۔ اماّ رقم اں درسفینہ باقی است۔ چنانچہ رقم زدِ کلکِ ہزیان نگار می گردد۔

مطرح مراحم ملک الودود، و کمگر طالع مسعود، مطلع مہر عطا و کرم' سلالۂ دودۂ آدم ، دام عطاوَہ' ، ومدّ علاؤہ'!

دعا گو محمد اسد اللہ ، مراسم مدح ادا کردہ، و سر کلاوہ دردِ دل، واکردہ در ساحل اطلاع حال، طمع حصول گوہرِ امان دارد۔ دردوا لم روح مرا سحر آسا سراسر در دام دم سرد در اوردہ، وصعود دور سردا دل و الہ را دم صوس کردہ۔ دل کم حوصلہ عالم عالم دردو الم را صلا در دادہ، ووہم و ہراس دل اوارہ را صحرا صحرا گرد ملال سر داداہ۔ سامعہ، مردود اصطکاک در در آمد کرہا، ولاسسہ محروم مس ساعدِ مُسعد مدّعا۔ در عالم، رسم (و راہ) رحم و کرم معدوم ہمہ دعا گو را سوال درہا، عار ، وہم حال ہمم اہل دہر معد [illegible] کس در ہوس دوا۔ ہر سو کہ دود، سر صُداع آلودہ، در کوہسار واسالد۔ مگر در سرحدِ سرکار اودہ معمار عدل و داد،سراسر دہررا گمدہ ارم کردہ، و امطر عطا و کرم سر احرار عالم را در دام حُصول مدّعا اوردہ۔ ارادہ کردم کہ در درگاہ دارالسلام آس رسم و عطر گل مُراد در حُقّۂ ہوس واماںم۔ حاصل الامر الم سہام ہوس در دل، و دود اوہام (سودا[2]) در سر آلام راہِ دور ، گوارا کردم (و راحلہ را در مرحلہ رہ گرا)[3]

۱۔ایضا ۲۔ نثر ٦٦۔ ۳۔ ایضاً

[illegible] اسعد که ہمراہ صالع رسا سہم دو صد گروہ را سرکردہ در (اودہ) سلالۂ سلسلۂ (آل محمد را [illegible] ام که ورود کردم۔ گو که در عرصۂ عصر در گروہِ اہل کمال' گرد کردارم، امّا مدّاح سرک [illegible] مدارم'[2]) و (عالم[3]) عالم گوہر مدح، درسلک سطور دارم۔ دل سداد سحمں، طرح [illegible] کردہ، و کلک عصارد، گرد آوردہ (کلک عطارد کردار، دہ[6]) مصرع سادہ در احاطہ دام مسطر، در آوردہ۔ محررہ

اکــرم اہـلِ کــرم اسـعـدِ اولاد رسـول
داورِ داد رس و ســـرور عـــالـــم آرا
درِ او مَـصـدرِ عـدل و کـرم و سوروِ سـرور
دل اُو مـطـلـع عـلـم و عـمـل و مہر و عـطـا
عـدل را راہ، درِ در گہــہ اُو کــردہ طـلـوع
مُـلك را گــردِ رہِ عـســکــر اُو دادہ لـوا
گــر دود گــرد سُـم ادہـم اُو در عــالـم
ہـر مسِ دہـر طلا گـردد، وہر صعوہ ہما
در اُو آمــدہ در گـــاہِ مــلـوك عـــالـــم
کـــہ گـدا آمـدہ کـاوس و دُعــا گـو دارا

[illegible] اد گرا روحـم در سلاسل آلام درآمدہ، و کارد ہا، رو در دل کردۂ دل درد محرم دوا محروم طمع مرہم دارد، که گرد کساد حال

مراد [illegible] مسول که سرکار سحر حلال و گوہر کمال مرا درسلک مطالعہ علم آرا در ارد، که [illegible] طالع ماہ وسگس ہمسر ہُما گردد۔ ملك الودود (احکم الحکام و صمد العلام)[5] سرو سرگروہ اہل کرم عمدۂ اُمرا مدارالمہام والاہمم را۔ عمر دوام اساس، وامر عالم مطاع و حکم حدو [illegible] (حدوس)[1] دل آسودہ وطالع مسعود عطادارد۔ (محرر اسد الله محررہ دوم محرم الحرام)[7]

۱۔ ایضاً ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ نثر: ۲۶۔ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً ۷۔ ایضاً

مخدوما و مکرما!

من دانم و دل کہ بدین حُسن اتفاق چه قدر شادمانی می کنم۔ یعنی دُعای بی اثرار طرزِ قبول سگ نه که چون نالهٔ دلهائے سبداد این هوس راه بحق نمی برد۔ اینک در حمیمهٔ این عبودیت نامه تشریف قبول یافت۔ هم نقش مدّعای حاطر مشتاق، به کرسی نشست، و هم رحمت تفرقهٔ وفاق و نفاق ار میان برخاست۔ اُمید که آثار این دُعای بری ار ریا عاید به روزگار خجسته آثار جناب سامیٔ مدظله باد۔

خط۔ ۱۰

۲

قبلهٔ قبله پرستان، و کعبهٔ حق پژوهان، سلامت!

خود را فراسادِ خاطر خطیر دادن، ار لوازم حصول وجود سعادت، انگاشته، گزارش مراسم نیار را تقریب حصول مدعا، می سازد۔ خامی مکتوب که وجودش (محض حُسن اتفاق است، گواه این)(۱) معنی است که نامه درچه عالم به تحریر آورده ام۔ بهرحال روز پنجشنبه، درمودهٔ رسید (تا یکشنبه به آرامش)(۲) گرائید۔ دو شنبه کوس رحیل کوفته شبے به روستابسر برده سه شنبه در چه نرا، رسید۔ (للّه الحمد که رحمت صداع و حمی)(۳) ار ساحت طبع، رخت بربسته است۔ خاطر عاصر قرین جمعیت دارند۔ اینست (درچلّه تارا بوده، بامدادان) (۴) اگر حیات باقی است، پسیج راه فتحپور خواهد شد۔

۱۔ نثر ۶۴۔ ۲۔ ایضا ۳۔ ایضا ۴۔ ایضا

خط ۔ ۱۱

۳

قبلۂ حان و دل، سلامت!

اداب کورنش سحا، اورده، به عرض حال خود، می گراید۔ المحد للّٰہ که رحمت (صداع وحمی) (۱)ہم ار مقام بانده، درطبع اثری ار حود نه گزاشته، صعف اگر باقی است، نردد نیست ۔ چه ایں رفیقے ست، که (از وطن)(۲) کمر، به سرافقت س رار، بسته است، ہم پایۂ حق گراریش، قوی ست، وہم سایۂ وفاداریش، کارفرمای مزاح ثانوی۔ آه ازیں گردونك موسوم به لڑھیں که ار س صعیف الحلقت تر، افتاده است۔ دو شنبه ار مودہا، (موده) برآمدم ۔ چه ترا، دوارده کروه فاصله داشت۔ ان اہسته خرام بکه محرام، دریك رور، ایں قدر راه، نه تو توانست برید۔ ناچار شبے، در دہے، اتفق مبیت اُفتاد۔ سه شسه آحر شب، روان شدیم۔ س حود، دوپہر رور، برامده، درسرای چه نارا، رسیدم، و ان ہیچ محرام، ساعتی از شب گرشته، رسید۔ ہماں رماں، سکتوبے درسواد صلمت لیل، که ہور سلارسان رہی، چراغ نیفرو حته بودند، رقم زدم۔ قطع نظر ار مقراص و آرایش عنوان، عذرِ ناتمامی تحریر قبول باد۔

خلاصه ماجرا، ایں که آخر از بیدادِ گردون دون، ستوه آمده، خودرا به دریا، انداختم، یعنی ہم اریں مقام، کشتی به کرایه گرفتم، واسپ و ادم و متاع، ہمه دروے گنجیدم، و بسم اللّٰہ محریہاد مرسہا(۳)

برحوانده، سفینه در رودِ حمن رانده ام۔ منظور ایں که به اله آباد، رسیده' توقفی را که درسارس، می حواستم کرد، ہم دریں بقعه، کاربندم و روزی چند، آسایشی کرده مایحتاج به امضاء رسا نیده، ره گرا شوم، ودیگر حُر مُرشد آباد بگانه درہیچ حا، توقف نه گزینم۔حال سفر کشتی بردریں دوسه رور مجہول بحواہد ماند۔ کشتی بناں می گویند کو اینك روز سوم در انه آباد رسیده حواہد شد۔ اینده می توان دید۔ غرض که روز چہار شنبه، قریب دوپہر، درکشتی نشسته، دل باحدا، نه با ناخدا (بسته ام)(۴)

۱۔ نثر: ۱۶۴۔ ۲۔ ایضاً ۳۔ مغ: ملاذمان ۴۔نثر ۱۶۵

مرزا سغل صاحب فرموده بودند که مکتوب موسومهٔ ملازمان جناب مفتی صاحب، به تهانه دار چلّه تارا حواله باید کرد، که (اوخواہد)(۱) رسنید۔ اتفاقاً آخرِ روز، در کاروان سرای چلّه تارا، درانتظار گردونك اسپ و واماندگان راه، نشسته بودم (که نگه تهانه دار)(۲) این خرابه، در سرایے در رسید، و خرامان خرامان، ہر سو گشتن آغاز کرد۔ درباب ارسال نامه، اروے، اعنت حستم، (اگرچه پریرفت)(۳) اما پریرفتنی (۴) سخت سفیہانه، چنانکه طبع ابا کرد، و گوارا نه شد، مکتوب به او دادن۔ رہروے مجہول الاحوال (چون نم حناب) (۵) شنند، نامه، به عحزاز س طلب کرد، سطری چند، عحالتهٔ، درتاریکی، نوشته، تسیمش کردم۔ عالب که از نطر خواہد گرشت۔اما عبودیت نامهٔ ہدا که گردون بانِ مذکور، حامل ان است اگر رود حواہد رسید، رمان رسیدن اُو، باہنگام ورود عاصی، به کلکته، مُقارن حواہد اُفتاد۔ چه در کم ازیں عرصه ار چلّه تارا به بنداء رسیدنش باشد که ممکن نه باشد۔ والله علی کل شئی قدیر۔ بحدمت جناب شاه علام رکرب(۷) صاحب، وخان صاحب عمیم الاحسان، انعم احمد حان صاحب، و جناب محمد صالح علی حان، المشتهر، به مرزائی صاحب، سلامہای نبار افشانِ اشتیاق بار پر رفته باد(۸)۔

خط ۔ ۱۲

۴

مُشتمل بر ہجو اله آباد، وصفت بنارس

ایں شکایت نامهٔ آوارگی ہائے من است
قصهٔ دردِ جدائی ہا، جُدا خواہم نوشت

قبلهٔ رواں و حرد، و کعبهٔ جسم و جان اسد، سلامت! پس از ادائے مراسم گرد سر گردیدن و گزارش مراتب تمنائے قدم بوسیدن، معروض این که اگر دو روز پیش ازیں (از)، حاضران، غائب بوده ایم، اکنون (از) غائبان، حاضریم ۔ بسکه درعالم خیال، ہر لمحه، در آن انجمن، جادارم۔ ایںك دل اردوق ہمکلامیِ جناب به حوش، و لب از شوق ہرزه نوائی در خروش آمده است۔ ناچار گریبان تحریر، به دریدن، و خونابهٔ گفتگو، به چکیدن، می دہم۔ (دیوانه) ام، ہرچه گویم، معافم و درد مندم، ہرچه نویسم، مرفوع القلم۔ شاعری موقوف، و تکلف برطرف، از واردات عالمی، آنچه بابِ اظہار، و بایستهٔ گفتار ہست، این است:

۱۔ ایضاً ۱۶۵ ۲۔ ایضا ۱۶۵ ۳۔ نثر ۱۶۴ ۴۔ مخ بذیرفتنی ۵۔ نثر ۱۶۵ ۷۔ مخ: ذکریا ۸۔ مخ: پذرفته

مغلوبِ سطوتِ شرکا، غالبِ حزیں
کاندرتنش، زضعف، توان گفت، جان نہ بود
گویند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است
مارا بہ ایں گیاہِ ضعیف ایں گمان نہ بود

آنچہ تا منزل چلّہ تارا، گزشت(۱) در دو عرضداشت، کہ یکے............. گرددن بان، و یکی بہ سفارت شحصی ناآشنائے مجہول الاحوال، مرسل گردیدہ است، بہ تحریر رسیدہ۔ حوش آں کہ یکی ار آں........ نارسائی طالع، بہ سرم قبول گہ رسیدہ باشد۔سہر رنگ، ار آں معبر کشتی بہ کرایہ گرفتم، و بآدم و چاروا در آں، نشستہ........ از پیچ و تاب ریح معدہ و امعاد رکشا کش، و دل از....... حرارت عربسۂ حمی، بر اتش رور ہفتم، بہ ویرانہ.......... ورود اُفتاد۔آہ آرالہ اباد، و لعنت حدا برآں حرابہ باد، کہ نہ دروے دوائے در حورِ بیمار، وبہ متاعے، شائستہ، مردم سرم، .... سردو رسش ناپیدا و سہرو آررم، ار صع پیرو حوانش گم۔ سوادش سرمایۂ روسیاہیِ افاق و خراب آبادش، مرر (کذا) دو منرمہ... . . چہ ناانصافی ست، این وادئی ہوںناک را شہر نامیدن، وچہ بے حیائی ست، آدم زاد را دریں دامگاہ غول آرسیدن۔ صحن جہنم بدین........ ہوسش، مقابل می نہند، پُرار اتش است و ہوائے زمہریر، ازیں اندوہ، کہ بہ صرصر آن، برودت کدہ اش، نسبت می دہند، حبسی ناحوش۔ چون شنیدہ است کہ بدان رانہ نیکار، می بحشند حود را، بہ ہزار اُمید واری، بلکہ بصد ہرار خواری، در پہلوئے بنارس، انداحتہ است و گنگ را، بطریق شفاعت، سویش رواں ساحتہ۔ ہر چند بہ سوئے ایں روسیہ نگریستن برضع نارک بنارس، گراں است، امابدیں پشت گرمی، دلش آب می حورد کہ پائے گنگ درمیان است۔ بحدا کہ اگر بازگشت ار کلکتہ، منحصر درراہ الہ آباد باشد، بہ ترک وطن گویم، وراہ معاودت، (نہ پویم)۔ بالحمدلہ، بعد سہ روز، در آں دیو لاخ، بہ خرم صدان بر سردارے، رندانی بودہ، رور دگر چوں سہل کرایہ، پیدا شد، سحر گاہان، (برساحل گنگ) رسیدہ، زود، چون بدار اب گزشتم(۲) وبہپئے شوق، سوئے بنارس، گرم پو یہ گشتم۔ رور ورود بنارس بادے۔ جانفزا و نسیمے......... آسا، ار جہت مشرق، وزید، و جانم رانواں، و دیم را رواں بحشید۔ اعجار آں نسیمِ ہوا غبارم را، چوں علم فتح، برافرشت واہتزاز آن نسیم اثر ضعف درمن نہ گزاشت۔ خوشا، سواد بنارس کہ اگر ار فرط دل نشینی سویدائے عشمش حوانم حسب و حتدا، اطراف آں معمورہ، کہ اگر ار حوش سرہ

۱۔ مع گذشت ۲۔ مع گشت

و گل، بهشت روئے رمینش، دانم رواست۔ هوایش..... حدمت حان در ک [illegible]
دره حاکش را، چون حوهر آہن ربا، سصب پیکان حار، ار پاے را روان کشیدن۔ [illegible]
پایش، نه سودے، در نطر ما، ایں قدر گرامی نه بودے، و حورشید، اگر بردیوار و درش [illegible]
(بدین گونه، فروران) و تابناك، نگشتے۔ بعرص (کذا؟) روانی ہجر طوفان حردش [illegible]
ساکنان ملاء اعلی، سیلابی است، و به جلوه گاه پری چهرگان (سره رنگ) [illegible]
ماہتابی۔ اگر ار کثرت عمارت، قف تاقافش سحن رانم، سراسر در [illegible]
از...... سبزه و گل اطرافش، فصلے فرو

خوانم بیابان در بیابان، بهارستان:

تعالی الله بنارس چشم بد دور
(بهشت خرّم(۱) و فردوس معمور
خس و خارش گلستان است گوئی
غبارش جوہرِ حان است گوئی
سروش پائے تختِ بُت پرستان
سراپایش زیارت گاهِ مستان
بنارس را کسے گفته که چین است
ز موج گنگ چینش برجبین است
بخوش پرکاری طرز وجودش
نه دہلی می رسد ہر دم درو دش
بنارس را تو گوئی دید در خواب
که می گردد ز نهرش در دہن آب
حسودش گفتن آئین ادب نیست
ولیکن غبطه گر باشد عجب نیست
فرنگستانِ حُسنِ بے نقاب است
رخاکش ذرّه ذرّه آفتاب است

۱۔ مخ. گذشتم

بُتانش را ہیولیٰ(۱) شعلۂ طور
سراپا نور ایزد چشمِ بد دور
میان [illegible] رك و دلهے توان
ز نادانی بکار خویش دانا
تبسم بسکه در دلها طبیعی است
دہن ہا رشك گلهائے ربیعی است
بند افتاده تمکین بنارس
بود بر اوج اُو، اندیشه نارس

بحکم وفورِ دل فریبیِ این تماشا گاه، غم غربتم از دل فراموش است، و به ہجوم نشاط نغمۂ ناقوس این صنم کده، دل از اہتزار، در خروش۔ ذوق آن قدر سرمست بادۂ تماشا گشت که بے خودانه دامن سریادِ وطن، افشانده، و کیفیت نظارۂ این چمن، حدّیے، دل را فرو گرفت، که دہلی را، جز بر طاق نسیان، جانه ماند........ ..این مقدمۂ سترگ در پیش، و دل از بیم شماتت اعدا ریش نه بودے، بے محابا، ترك دین کردمے، وسبحه بگسستمے، وقشقه فرو کشیدمے، و زنّار، فرو بستمے، تا بدین وضع، چندان، بر کنار گنگ، نشستمے، که گرد آلائش ہستی از خود، فرو شستمے، وچون قطره، به دریا پیوستمے۔ به مجرّد ورود این ارم آباد، بے این که چارۂ کرده شود، باد اروئے خورده شود، رحمت تشویش عوارض جدیده از میان بر خاسته بلکه دعوی می توانم کرد، که پارۂ اصل مرض نیز کم شده است۔ ہرچه از برکت معمول فراہم آورده می شود، علّت وجود آن، حزم و احتیاط استقبال است، ورنه ایدون، نه تلافی ماضی، منظور است، نه رعایتِ حال۔

قبله گاہا، به خاطر اقدس نه گزرد که غالبؔ، از خیره سری، و پریشان نظری، در بنارس، ہمچو مگس به عسل و خردر وحل، فرو مانده باشد۔ حاشا ثم حاشا، چون من فلك زده را، سرو برگ اقامت کجا، و دل و دماغ تماشا کو، مگر ضرورت گرد آوردن بعضی داروہا، که حاجت بدان، اکثر است، فراہم کردن پارۂ از رخت سفر، که زمستان را، درخواست، اتفاق قیام اُفتاد۔ پنج روز در سرائے نبرنگ آباد، که در عُرف عام، به سرائ نورنگ آباد، مشہور است، بی حاصلی گزشت۔ (و بعد از آن مکانے) درہمین محلّه، متصل ہمان کروان سرا، پیدا گشت۔ درآن کاشانۂ سنگ و بار از گور بجیل، رخت سفر، کشاده ایم و پہلو به بستر اُفتادگی نہاده۔ ہر چند، ہم

۱۔ مخ: ہمیولا

سرشتن نشانات........ رقعه بر رقعه دو حتی صلسانِ آوارگی سهلیے سی حواہد۔ لاافر کم از چہار ہفته، دریں .... این ہفته ، به غفلت بسر رفته، نیز درہمان ایام محسوب خواہد گشت۔ہنور درمیانۂ دشت و دریا، مشوش (درمیان آب) و آشیم گاہ، به حاطر می رسد، که تا حصیم آید ، به حشکی ، باید پوئید، واز آنجا کشتی به کرایه باید گرفت، و گاہ، دل (ہوا می کند) که ہم اریں حد به راه دریا، بایدرفت۔ اکنون، از جناب ، چشم آن دارم، که، به عمحواریٔ آوارگی دشت بلا پردارند، و (سوارش نامۂ) عجالتهٔ ، در ڈاک انگریری رواں سارند، چنانکه حالاتِ مزاح اقدس،از عبارتش، به تفصیل جلوۂ ظہور دہد..... علی الرغم در آغازِ صحیفه خیر و عافیتے مرقوم باشد۔ چه عالم الغیب و الشہادت آگاه است که دل، اغلب (اوقات) بجانب محدوم نگران می باشد۔

انشاء اللّٰه العزیز عریضۂ که به پاسخ آن گرامی منشور سعادت رقم کرده (شود) حاوی تاریخ رور رحیل ، و تعین وضع وطریق سبیل خواہد بود۔ ہر چند، درباب استدعای نامه ابرامم بیش از بیش است، اما دل از شرم گمنامی وہیچ کسی ، به ہرار دشمه ریش است۔ چه در زاویۂ که فرود آمده ام، کلبۂ پیره زنے ست، که است که خودش به روغن چراغ محتاج است، و خرابه اش فارغ از پرس و جو، چوں ده ویران ۔ از بیمِ حراج ، نه بزارِ نامی در پہلو یش، نه قصر محتشمے در برابرش۔ عنوان نامه به چه نام و نشان، پیرایۂ قبول یابد، و نامه بر، اگر خود،پیک جبل باشد، آخر به کدام.......... در ہوائے سراغش، شتابد۔ مخدومی، مکتوب را، با مکتوب الیه، بخدا سپرده برعنوانش، بدیں طغرائے رقم خواہند کشید، که در محلۂ نورنگ آباد، عقب سرائے نورنگ آباد،قریب حویلی گوسی خانساماں ، درحویلی متھالی و میاں رمضان، به مطالعۂ اسد الله، غریب الوطن ، تاره وارد، برسد۔ باشد که قاصدانِ ڈاک انگریزی، چون تیر دُعائے مستجاب مہدف، غلط نه کنند۔عذر ہذیاں سرائے ، وپریشان نوائے ، در صدر عریضه، معروض است۔ اکنوں اگر بار فصلی از آں باب ، خوانده شود،آں عذر بدتر از گناه را بار، دفترے درار تر، ازیں طومار، برائے اعادۂ معذرت فضول،درکار خواہد بود۔

پیشانیٔ عفو تُرا پُرچیں نه سازد جرم ما
آئینه کے برہم خورد اززشتیٔ تمثالہا

عمر و دولت، به فضائے عرصۂ جاوید،........... به عشرت کدۂ حیات ابدی، تواماں، باد۔ بخدمت حضرت شاه محمد زکریا صاحب، و خان صاحب.... . . . .. و مرزائی صاحب، نیاز مند یہا، و آرزو مند یہا، بہره یاب رنگ قبول باد۔

خط ۔ ۱۳

۵

جناب فیض مآب ، قبلۂ و کعبۂ نشأتین، مدظله العالیٰ

روز گارے ست که نفس ، از سوزِ فراق آن قبلۂ راستان شعله خیز، وجبینِ خیال ، به ہوای آن آستان، سجده ریز است۔ وائے که سینۂ من و آہی ، که آتش خطرناك شوق ، بدان فرد نوان نشاید، ہفت دریے، حائل است، وازسنگِ آن درگاه، که مُہرِ نمازِ عبودیتش، توان گرداید، دوری به اندازۂ بعد کعبه۔ حاصل عطوفت (رقم نامه) در ایام خاك نشینی دئے بنارس ، چشم بخت رانورے، و بخت چشم را، عروجے ، بخشیده بود۔ سعادت تحریر جواب آن را از جمله مُغتنمات فرصت انگاشته،و ورقے به خدمتِ خدّام ذوی الاحترام، نگاشته،ہمراه خشکی عزم عصیم اباد کرد۔ بالحمده به دستیاری میامن توجه فیض انفس بزرگان چون گرد راه در کو و بیابان، افتان و خیزان، در ہر گام از خار و خاره، بردم تیغ سالی گه از شدت پر دسہ، (کذا) افسرده و رُنجور، و گاه ، از ناآلم گردش ایام ستم رسیدۂ و نالان، روز چہار شنبه چہارم شعبان، پارۂ از روز برآمده، در کلکته رسید۔ غربت نواز بہی وہاب بے منّت را،نازم، که در چنین مقام، خانۂ چنان که باید ، وہر گونه راحت و آسائش را، بکار آید ہم اورا، به مقدار حاضر آزاد گان فضائے ، وہم اندرونے مسددبن از دُنیا ضلعن سب احلائے، ہم در گوشۂ صحن، پُراز آب شیرین چاہے ، وہم نه صرف بمش ، درخور اہل سعم، آرامگاہی ، بی آنکه ، جستجو رود، بگفتگوئے شود، بے زحمت، و بے منّت، به کرایه شش(۱) روپیه ماہانه بہم رسید۔ و آدم و چار وارا، تکیه گاه راحت، گردید۔ دو روز (از رنج راه اسوده)(۲) منشور لامع النور، را مشعل راه مدّعا ، ساختم، و در کشتی نشسته، آہنگ ہو گلی بندر کردم۔ بدر نواب صاحب (علی اکبر خان)(۳) نخست،روبه سوئے اوایے که ضریح جناب سید الشہدا، علیه التحیته و الثناء دروبود، آوردم۔ وزیا(رت)........... چون به گوشۂ بساط قرب مخدومی رسیدم، ازفرط عنایت، برخاستند،وا... .. ... در انتظار تو، روز ہا گزشت۔ چون از کیفیت منشاء انتظار،پُرسیده شد، این معنی گل............... نواب صاحب، رسانده اند،وبے ذریعۂ ملاقات صوری، روشناس معنوی، گردانیده۔ روز ملاقات....... درمیان ببند۔ دو سه

۱۔ نثر دو روپیه: ۱۶۲ ۲۔ ایضاً : ۱۶۲ ۳۔ ایضاً ۱۶۲

ساعت، نشسته برخاستم، و به غم کده، معاودت کردم۔ بعد دو روز که دوباره، صبت اُفتاد، دو روز، ویك شب محبت بپا ماند، و پُرس و جوہا، به میان آمد۔ حال مقدمه مفصل گفته........ دن بہ داده اند که بدان خُرسند توان گشت، و نا اُمیدی نیز نه بخشیده اند که از سرِ این کار توان گزشت۔

جہان بی مہرو گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو ہای سنائی خنده می آید

آشفتگی سخت نزند، باید دید که درین روزہا، نواب صاحب ممدوح را با کلکٹر(۲) بو گلی، در خصوص زمینے که وقفِ امام باره است، مُعارضه بلکه مجادله در پیش است، و دل، سرگرم فکرِ اُمور خویش۔ این حرف (نه) تنہا، نواب صاحب گفته اند، بلکه از خارج، متوالی و متواتر مسموع گشته:

ہم را ماتمیٔ حسرت دُنیا دیدم
چون به عشرتکدۀ گبر و مسلمان رفتم

مرگ نواب (احمد بخش خان)(۲) بہادر، به سمع اقدس، رسیده باشد۔ شگرف اتفاق و طرفه ماجرا است۔ ہر چند، انعدام پیکرِ عُنصری نواب نفس (مقدمه را) چندانکه سود ندارد، زیان ہم ندارد۔ اما از خود رفته این دو کیفیت باشم۔ یکی آن که، ہمے که در مستقبل داشتم، ہم اندون، برای من، خالی گشت، یعنی، دست به گدائی، پیش برادران کردن۔دیگر آن که سترَے که بعد از فتح، متصور بود باطل شد، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن، و در انجمن ہا، بدان بر کردن۔

خطا بخش عیب پوش من، سلامت۔

بندۀ تازه خریدۀ جناب را، در فضای سخن، دو لغزش، واقع گشته۔ یکی آن که غزلے که از بنارس فرستاده ام و مطلع آن، این است۔

اے بصدسۀ آہے، بر دلت زما بارے
این قدر گران نه بود،نالۀ زبیمارے

اُمید که جناب، سرمطلع مذکور را محوِ فرموده،این مطلع را، بدل ما یتحلل آن دو مصرع، سازند، دوم این که قصیدۀ که در مدح آغا میر گفته ام، حداسی داند، که برای خاندان من، طرفه

۱۔ نثر: حکام ۱۶۷ ۲۔ ایضاً ۱۶۷

داع بدنام است۔ و لطف این که آن یک صدوده شعر را، از صفحہ، حك ساختن، نه می تو انم.......... چون نواب مُرشد آباد، نیز سید زاده است، این قصیده را، به نام وے، شهرت دهم، گو به ملازمتش نارسیده۔ .. لیکن ، مداح بودن همیون جه را، ترس ناگوار نیست۔ توقع که فرمانی که اشعار موضح اسم ممدوح را.......... از قصیده را به کس، نه نمانند، و عیب خُردان را، چون بزرگان، بپوشند۔ و نوازش نامه که .... عنوانش باید که چنین باشد۔ شهر کلکته، قریب چیت بازار، در شمله(۱) بازار نزدیک تلاب .. .. به مطالعهٔ اسد، برسد۔ زیاده جُز آرزوی قدم بوسی، چه عرضه دارد۔ محمد اسد الله۔

خط ۔ ۱۴

۲

قبله و قبله گاه من سلامت!

تکلفات رسمیه از عالم آداب و کورنش و تسلیم به مذاق صرافت عبودیت گوارا نه دیده ، و به کم بساطتِ اخلاص در خور نیافته ، فرزندانه و خردانه بندگی بجا می آرد، و عرضه می دارد۔ ورود عنایت نامه..... حسب الارشاد جناب، رفتنِ فقیر به مزارِ کثیر الانوار جناب اقصی القصبات، باشد که به ملاحظه مکتوب اسمی میر کرم علی صاحب مجهول به مانده باشد۔ در رنگ درنگارش عرضداشت نه از روی تساہل بود بلکه در کمین آن بودم که حالی در خورِ تحریر، رو دهد..... ذوقِ قدم بوسی سرمایهٔ حرف و رقم باشد۔ قبله گاہا بعدِ رسیدن گرامی نامه، عرضداشت جناب بیگم صاحبه و قبله........ در انثالی به رہنمائی دوستی به در دولت سرای مخدومی مرحومی رسیدم۔ نخست بر مزار رفتم و فاتحه خواندم و به یاد عهد......... لختے بریے کسیٔ خویشتن گریستم۔ عریضه را بذریعه محرمے به حرم سرا فرستادم۔ مولوی غلام علی صاحب نم صاحبے .... رسیدند و فقیر را درون حرم سرا بُرده پس پرده نشانیدند۔ جناب بیگم صاحبه قبله بے توسط، خود از راهِ عنایت.......... (به سخن) آمده پارهٔ از حال جناب مستفسر گردیدند و نحیے از منشاء آوارگیٔ فقیر پرسیدند و فرمودند که حواہر زاد من مولوی ولایت حسن حاضر نیست۔ ہر گاه خواہد آمد نزد تو خواہد رسید۔ و فرود آمدن جائے از بہر تو درین عمارت کده انتخاب خواہد کرد۔ بازار شمله دور از شهر و بار گاه حکام است۔ پس از آن فقیر را اتفاق

۱۔ مخ: سملبا

رفتن به در دولت جناب محدوحه و ممدوحه نیفتده- سیر ولایت حسن هنوز از دوره بر نه گشته اند- معتمدے سحرگاهان تقریباً حکایت می کرد که امروز مولوی ولایت حسن به کلکته خواهد رسید، و امروز چهار دهم شوال است و ناف هفته یعنی روز سه شنبه- فقیر پارهٔ بهم رسانیدن نقل کواغذرا خصوصاً و دفتر سرکار را عموماً در مقدمهٔ خود، به استشهاد قرار گرفته عرضداشتے مشتمل برماجرائے بیست سه و توضیح حاصل عضم حویش، و خلاصهٔ داد، رقم کرده دی روز که سیردهم ماه روز دو شنبه بود، و آن روز دربار است چه مجموع سفراو وکلا و اهل بار، در آن روز حاضر شده، به ملازمت فریزر صاحب نام صحبی از صاحبان عالی شان که این درگاه را نوّاب بلکه خود بمنزلهٔ باب بیست، می رسند- عهده اش این که اُوسین داد خواهان است و داد گران، بلکه میانِ مجموع اهل حالات و صاحبان کونسل واسطه است- هرگونه عرایض که می رسد، نخست نرد اوسی رسد و او عرایض را در زبان انگریزی ترجمه ساخته به صاحبان کونسل می رساند- بالحمد فقیر نیز معه قطعهٔ عرضداشت موسومه نواب گورنر حاضر شد،بعدِ اطلاع اجازت بار یافته به ملازمت(۱) رسید- فریزر صاحب بر خاستند و مُعانقه فرمودند- مجملاً حال خویش شرح دادم- چون نام عمّ خویش نصرالله بیگ خان بُردم، فرمودند آرے می دانیم- نصرالله بیگ خان راء تو اور اکیستی گفتم برادر زادهٔ حقیقیِ اویم- مختصر مفید، هرچه وقت اقتضا کرد، گفتم- فرمودند عرضی برای نواب گورنر آوردهٔ من آن قطعه را از گریبان قبا بر آوردم و گزرا نیدم(۲)- باری عذر عدم ارجاع بخدمتِ رزیڈنٹ قبول اُفتد- چه اگر این چنین نه بودے عرضی پذرفته نه شدے - بلکه فریزر صاحب ممدوح، صاحب این اختیار اندر که هر مقدمه را که در خورِ کونسل نه دانند،مدعی المقدمه را خود جواب دهند- بهرحال چون عقبهٔ نخستین که گریوهٔ خطرناك و پالعزِ سهم ناك بود، به فضل الهی بخیر گرشت(۳) و عرضی من منظور گشت- وقتِ رخصت عطر دان و پاندان طلبیده عطرو پان از دست خود (عطا) کردندو تمام قدار کرسی برخاسته سلام فقیر گرفتند- اکنون تماشائی نیرنگ تقدیرم تاچه........ که هرگز گمان آن نه داشتم بلکه وقوع آن را از عالم احیای اموات می دانستم پیش از ..... ایزد توانا به من رو آورده و مغز جانم را به بوی نشاط، عنبر آگین گردانید- فی الحقیقت ..... نگارستن مطلب به است- توضیح این الهم و تفصیل این اجمال این که مرزا یوسف........ سرشار داشت- سراپا برهنه و عُریان بودن و مثل اهل قطرب در هیچ جانیا سودن، نه مادر را مادر (گفتن) .... خواندن روز بیست و هفتم رمضان

۱- مخ: ملازمت ۲- مخ: گزرانیدم ۳- مخ: گذشت

کتابتی از دہلی رسید - چون سرنامہ بہ شگافتم، بہ مجرد نظر پارۂ کاغذی در...... بحص برادر مسست-چون بہ تامل بگرستم دیدم کہ مکتوبی است کہ حودش نوشتہ و القب و آداب را...... ..... ہوشمندی ضبطہ بود، رعایت کردہ- ار شدی برحستم و بہ رقص اُفتادم و گریۂ شادی برس ہحوم آوردہ، رار رار بگریستم.......... چون بہ حود آمدم، حود را گرد آوردم و بہ دیدن خط خانگی پرداختم- مرقوم بوَد کہ بعد شما شور سودائے مرزا یوسف.......... چنانکہ مابہمہ ترسیدیم و رور و شب ما ار نالۂ فریاد و زدو کشت او ناخوش گشت- فلیانے ار فسانان سرکار شاہی بدریعہ سابکی ار حدمۂ محل سہم رسید و متوحہ چارہ گردید- آں حنوں را از آثار سحر نشان داد و سراعہا بیاں کرد- چنانچہ بیرون چار دیوارِ شہر، بہ کافتن پئے درختے و حستن بلک چیہے اشرت کرد-چون کافتم ہرچہ اُو گفتہ بود، یافتیم-بالجملہ مرزا یوسف را دو بہرہ افاقت در معالجۂ مدت پنج ماہ دست داد- چنانکہ حامہ پوشیدن وستر عورت کردن وار بوں و بوار، احترار داشتن و نان برسیدہ حوردن ورن و دُختر و مادر را رن و دُختر و پدر دانستن ملکۂ اُو گشتہ است- ہم این معنی ار روئے حط خانگی معلوم شد وہم مکتوبِ او دلیل و گواہ ہوشمندیہای او شد- بابہ صحت اورا گرامی تر ار رندہ گشتن پدر مُردہ دانستہ ام- امید کہ جناب نیر بہ عرض فقیر اُورا فررند حود شمردہ مسرور شوند و دُعا کنند تا بقیہ بے حودی نیر رفع گردد و مر کرم علی صاحب را ار کیفیت این ماجرا آ گہی دہند-

گر کسے شکرِ حق فزون گوید
شکرِ توفیق شکر چون گوید

خط - ۱۵

۷

قبلہ گاہا- بیکسان پناہا!

دہ روزہ بر دو ماہ فزون گذشتہ کہ سواد والا نامہ سُرمۂ چشم منتظر بہ گشتہ، عرضداشت.......... و عریضہ محررہ ہشتم شہر مذکور کہ در لف مراسلۂ مخدومی جناب مولوی ولایت حسن صاحب سمت ترسیل یافتہ- چون گویا کہ.......... تف گست و یکی ار

آں بہ نظر رسوبست اثر نہ گرشت(۱) ۔ کاش صرار گمں تغافل برداس اسف مخدوسی توانستمے . . . ار انفسم وارستمے و دل ار کشا کش تفرقۂ اوہام ستوہ بیمدے ۔ (ہوتے) از کثرت اضطرار بہ حدمت سولوی ولایت حسں (شافتم و) ار رسیدں حواب گرامی بمہ استشعاری رفت۔ معلوم شد کہ مخدوم سمدوح نیز ہمچو من چشمے بہ راہِ نمہ بر، ۔ارند۔ اگرچہ دردِ ن دریافت، حالاتِ حدایگانی ،دوا نفت، اما سپاس ایزدی بجا آوردہ شد کہ مرا بہ داغ دوزخ تب رشك نہ سوحت۔ کوتاہی سحں .... . ہرچہ ار ہر عالم فراہم آمدہ بود در آں ہر دو عریضہ بہ احمے کہ برتفصیل سرید (کذا) معروص رائے جہاں آرائے گشتہ۔ حاتمہ باب مدارح مدّعا ایں بود کہ عرصیٔ مں بہ کونسل گزشتہ(۲)است و ہنوز حوابے بہ رسیدہ۔ تازہ ایں کہ بہ عنایت الٰہی صاحبں کونسل مقدمہ سرا پز رفتند، اما گفتند کہ ضابطہ اقتضائے آں دارد کہ نحست، رسرۂ نظلم بہ گوش رسیدنت دہلی ریحتہ شود۔ عرصہ داشتم کہ مرو برگ سفر و تاب و توان معاودتم؛ نیست۔ فرماں دادند کہ حود اینجا باشد و وکالۂ بہ رسیدنڈی دہلی رحوع آرد۔ بہ دوستے ار دوستاں وطن کتابتے فرستادم و اروے اعانتے حستم۔ وے بے کسں سواری کردو حود کار فرماشدو وکیے قرار داد و بہ مں نوشت۔ اکنون مُختارنامہ بہ نام وے نوشتہ و ہر گونہ کعدے کہ فرستادنی بود، ضمیمۂ آں ساختہ در عریضۂ موسومۂ آں دوستِ کارفرما کہ برس از مں سہرباں ترو در اُمور داد خواہی از من قاعدہ داں تراست ، در نور دیدہ بہ شاہجہان آباد فرستادہ ام۔

تا در میانہ خواستۂ کرد گار چیست

انچہ نظر بر اسباب ظاہر کہ اہل بینش بداں قال می زنندو ناقص نگہاں سرانا گردِ ان می تنند، بشارت ار نکوئی عواقب اُمور می دہد۔ دو لطیفۂ شگرف و دو دقیقۂ ژرف ست۔ یکی آں کہ تحریر معتمدیں دارالخلافت موضح ایں معنی است کہ پسر احمد بخش حاں کہ بعد ار پدر بہ جانش نشستہ رندانہ و .... زیستنی دارد، شوریدگئی وضعش بردِ حکّام و اہل القوم، ناستودہ است، و شہریاں نیز ار اختلاط وے نفور بودہ...... و تلاش بہ پ مردی اسیری ار اُمرای کلکتہ تحریر صحبی ار صاحبں عالی شاں بہ نام نامی کول بروك صاحب...... افتاد چنانکہ یاد گر کنست ب، بہ دہلی ارسال یافت۔ اساسے نشۂ ار ماندم کہ دوسے ار (التفات) حسیں حاں کہ سنتی کول بروك صاحب است دریں دیار، نیافتم۔ نہفتہ مماناد کہ التفات حسین خان ... .. ایں مولوی عرسز اسلہ نام بزرگی است۔ اگر احیاناً با جناب آشنا باشد، مکتوبے بہ نام نامش، بوشتہ ، حاشا کہ (نرد بندہ) بہ فرستند، بلکہ بہ دہلی پیش مکتوب الیہ رواں سرند۔ مبنی بر این کہ مقدمۂ اسد اللہ خان

۔ مح گذشت ۲۔ مح گذشتہ

عُرف مرزا نوشه که به توسط (پنڈت)ہیرا لعل وکیل، به کچہری رسید ندے، شاه جہان آباد رسیده است، مقدمهٔ این جانب است، و در عالمے که جناب قبله گہی با التفات حسین خان مذکور، اشنا نه باشند، خطے از جناب حکیم سلامت علی خان صاحب بنام وی طلبیده به فرستند۔ اما برای خدا خط نزد من نه رسد، که ازیں جو از گونه فرستادن، مہلتے در رسیدن می خواہد۔ بنده محض اُمید وارِ اشعار ترسیل مکتوب مطلوب است وبس۔ به خاطر می گرشت(۱) که سطری چندار خان کثیر الاختلاف خود...... اما از آن جا که در عریضهٔ سابق لختی از آں باب مرقوم بودو آن عریضه به خلاف عرائض دیگر، جواب نیافت یا آن که جواب یافت، بہر کیف مدّعا یکے است، ہر آئینه درین صحیفه قلم انداز کرده شد۔ لیکن مکتوبے موسومه مرزا امیر بیگ خاں نواب ذوالفقار بہادر دام اقباله' ہم چناں عنوان کشاده سفوف عبودیت نامه است۔ اُمید که سراپائے آں گرشته و نیک خوانده به مکتوب الیه رسنند زیاده جز نیز چه عرضه دارد۔ محمد اسد اللہ۔

خط۔ ۱۶

۸

قبله گاہا!

بتاریخ بست و نہم ذی قعده روز آدینه، پسے از روز برآمده بود که ورودِ ربوبت نامه فرقم را در سایهٔ بال ہما......نخست سپاس عنایت تقدیم رسانیدم و سپس از آن به کرامت و خرقِ عادت جناب مستطاب،ایمان آوردم...... که واقعه ہا برسرہم گرد آمده اندو دل از دردِ بیکسی و وحشت تنہائی خوں گشتهٔ چنگ استبداد...... و مکروه ومرغوب ہرچه ہست، برضمیر مربی، عرضه باید داد، و معہذا از تقاعد رسیدن جواب عرضداشت، اندیشناك............ بشارت نامه در رسید و عقد ہا از خاطرم بکشود۔اینك آن را کشودم و پس از اتمام مطالعه........مقطع آن سعدت نامه مطلع این عرضداشت گردید۔ چوں مدّعا وافر بود و نه می دانستم که درین..........خواہد یافت یانه، لہذا از تکلفتِ رسمیه که عبارت از القاب و آداب است دست باز کشیده...... پرسیده و نا پرسیده، شرح می دہم۔ نخست از خں جناب بیگم صاحبه و قبله مولوی ولایت

۱۔ صحیح گذشت

حسن صاحب می رسانم که بستم، رمضان وقت دوپهر بود که مکتوبِ نخستین جناب گرفته به رهنمائی دوستے در آنجا رسیده بودم۔ بعد فاتحه خوانی...... در نشیمن از آں عمارت کده نشستم۔ سردسے چند از متوسلان آں درِ دولت فراہم آمدند و پُرس و جوئی بجا آوردند۔ ہر چند (گفتم) که از بیگانگانم ونیز بنده درین سفر به جناب مولوی محمد علی خان صاحب بهم رسانیده ام، نمی پر رفتند و سراار اقربائے واجزائے جناب دانسته گما نهائے دعوی و خصومت می اندیشید ند، تامولوی غلام علی نامی برادر زادهٔ بیگم صاحبه از اندورن آمد...... سخن در آمدند۔ ہرچه گفتند، یکی از آں مفهوم کتب و تردد در ارسال آن بود، سوءِ که نامی خواہیم بفرستم و بُرنده بهم نمی رسد۔ بنده ہرچه در جواب گفت بے تکلف به تغیّر بعض الفاظ ترجمهٔ این فقره بود که درین نامه از کلک مشکین رقم تراویده است۔ مرا زحمت چیست اگر جناب طریقِ تحصیل کتب خواہند نوشت گرفته باخود خواہم داشت و حین معاودت به خدمت خواہم رسانید۔ اما دانم که آن مردم کتب را یکیک تسلیم نخواہند کرد۔ مولوی ولایت حسن در اوایل شعبان از دوره رسیده اند و تارور تحریرہم درین بقعه قیام دارند۔ انشاءاللّٰه تعالیٰ مکتوب جناب به خدمت بیگم صاحبه رسانیده و کلمه مندرجه را مکرر گوش گزار(۱) کرده خواہند شد۔ فقط نواب صاحب والا مناقب نواب علی اکبر خان در ہوگلی تشریف دارند۔ بنده سه بار درہوگلی رفته و لذّتہا از صحبتِ آں بزرگ برداشته نوبتے در کلکته تشریف آورده بود ندو به کلبهٔ احزان نیز پرتو ورود افگنده - کافر باشم اگر از دہلی تا کلکته امیرے معمرے به این لطافت طبع و نزاکت ادا و حسن بیان و فہم درست و شرب صاحب دیده باشم۔ ہم مہذّب است و ہم مہذِّب۔ اما مولوی محمد علی خان نیست که چون من فرومانده رابه کار آید۔ خدا یش نگہبان و یاور باد که طرفه مرد باہمه و بی ہمه ایست۔ شگرفے آثارِ رحمت الہٰی آں که سپاس از آب و ہوائے کلکته دارم و باطن نیک درساخته است۔ درشدت، ایام تابستان آب نارجیل تازه به اضافهٔ قندونبات سود مند افتاد۔ واکنون که برشگن است مرتکب بدان نیستم۔ بالجمله از عوارض بدنی شکوهٔ نیست بلکه در این دیار آسوده تراز دہلی بنده ام..... افضل بیگ نام یارے از یاران و معاشران وہم صحبتان راقم به صیغهٔ وکالت از جانب اکبر شاه (ثانی) درین دیار رسیده بود و بامُنشی عبدالکریم آشنا ویار گردیده بلکه اینك به منشی عبدالکریم بمنحانه است........ از آنجا که افضل بیگ برادرزنِ خواجه حاجی است و خواجه حاجی آں کس است که احمد بخش خان اورا.......عم من و انموده شریك ساخته

۱۔ مخ: گذار

اندوفی الحقیقت حزوثانی مقدمه من تظلم و قوع شرکت اُوہست۔ افضل بیگ ....مقدر نامن عدا و تهئے نهنی ور رید، و مرادر مجمع اہل تسنن به رقص و غنوو در امسمه به نصوف و الحد و رندقه..... اما به حدا، ہر رحمه که بکارم می افگند برائے من رور نۂ نحنئے می شد۔ حه گویم که وقت ملاقات فریزر صاحب درباب آن..... چه رنگینی ہا ار مولوی عبدالکریم سرزده بود۔ اما اعجز علی ابن ابی طالب را، نازم که فریزر صاحب، باس در ملاقات.......... و مُشایعت، بجا آورد، و معانقه و عطرو پان را که اعم واضعف ازآن است که می پرسد۔ چون از صرر ملاقت فریرر (صاحب) خرسند و قوی دل گشتم وہم در صحبت نحست عرض داشت موسومۂ نواب ....رزیڈنٹ دہلی مسموع شدو عرضئ من موافق رسم ایں دادگاه به نائب صاحب نام صاحبے تفویض شد که عهده اش ہمیں است که .. ..داد حواہاں را ار پارسی به انگریری نقل می کنند و به فریرر صاحب می دہد تا فریزر صاحب به اصل مقابله کرده به پیش کونسل می رسانند۔چنانچه دو شنبۂ رفته که من برائے ملاقات فریرر صاحب رفته بودم۔ صاحب موصوف بعد از ادائے تعظیم و پرسش مزاج، بے آن که من در باب عرضی سخنے برلب آورده باشم، کاغذے مرقوم بخط انگریزی به من نمود و گفت که ایں عرضئ شما است، از مقابله فراغ یافته ایم۔ اکنون به خدمت صاحبان کونسل خواہد رسید۔ خاطر..... که حق شما، برسر کار ثابت است واہالئ سرکار در رسانیدن حق محابانه دارند۔ نهفته نه ماند که برای گزارش عرایض. . دو روز از ہفته مقرر است ۔ پنجشنبه و آدینه، امروز جمعه است۔ شاید عرضئ من بحضور صاحبان کونسل رسیده باشد، انشاء الله درملاقات این دو شنبه آشکرا خواہد شد۔ اندر واسترلنگ صاحب نام امیرے است که قوس عروجئ کونسل را (نقطۂ)(۱) بدایت است وقوس نزولی اوراقصۂ نهایت۔ شنیدم که سرمایۂ علم و آگہی دارد و سخن را می فهمد و به لطف......... وامی رسد۔ در مدح وے قصیدۂ انشا کردم، مشتمل برپنجاه و پنج شعر، ودر آخر آن قصیده لختی ار حں حویشتن رقم کردم۔ ار حسں اتفاق نه به سعی کسے ملارمتش(۲) به روش گزیده و آئیں پسندیده،میسر امد۔ اعتبار خاکسری ہای من افزود و کامیابی ..... قصیده گزرانیدم و پارۂ ار آن برحواندم۔ محظوط شدو دل حوئی ہاکرد و وعده ہا داد و کدخدائی مقدمۂ مرا..... گویا به اعتقاد من حامی وسری من است۔ ہنوز باوے ملاقات دیگر دست بہم نه داد۔ فردا دو شنبه است..... احازت بار دہد بهتر، ورنه به تقریب عید ملاقات بدیہی است۔ پوشیده نه ماند که این کس منجملۂ صاحبان.. .... .

۱۔ نثر: ۱۶۷ ۲۔ مح: ملازمتش

فریزر صاحب پیش کار و پیش دست اویند۔ ہرگاہ دوسہ مقدمہ برائے رجوع کونسل فراہم می شود و فریزر صاحب ..... خواہان بہ وے عرضہ می دارند و اُوبہ آن مدعیان، فراخورِ اندازہ و مقدار ہریک ملاقات می کند .... بہ ہریک تاملے بہ سزا کردہ قابل سماعت، و ناشائستۂ شنیدن، را ازہم جدا می کند و عیار ہر صاحب مُعاملہ در ملاقات.......... می کرد۔ بہررنگ تا این جا، در مقدمۂ فقیر، نوید برنوید و امید در اُمید است۔ فقط از مہربانی ہای افضل مذکور عقدۂ دیگر...... ... افتادہ بود،آن نیز بہ عنایت ایزدی بہ سہل ترین وجہے کشودہ شد، یعنی از چنانکہ مرا درسنیان رافضی و درشیعان صوفی.....قرار دادہ بود، ہم چنان در شعرا آوازہ در افگند کہ این اسد اسدہ غالبؔ تخلص، قتیلؔ را ناسزامی گوید، و سخوران کلکتہ را وقعتے (نمی دہد)۔ ہمہ را برمن شورانید و خلقی را بامن مُعارض گردانید۔ یکی از اقربائے مولوی عبدالکریم خاصتہً از بہر تذلیل و تخریب من انجمنے بنا نہادہ و مشاعرہ قرار دادہ رقعہ ہا بہ شعرائے کلکتہ نوشت و سراسر دعوت کرد۔ ریختہ گویان را مصرع ریختہ و پارسی گویان را مصرع پارسی فرستاد و فقیر را ہر دو مصرع داد۔ چنانکہ یکشنبۂ گزشتہ ہشتم ماہ جون روز مشاعرہ بود۔ من ہم رفتم و غزلہائے طرحی ہر دو زبان خواندم۔بہ عنایت ایزدی خاص و عام متلذّذ گشتند و گروہے از اہل انصاف گفتند کہ ہر کہ را این پایہ فصاحت باشد، قتیلؔ چہ بلا است ، بل اگر برگذشتگان دگرچون اسیرؔو بیدلؔ و امثال این ہا انباز کنند،می رسدش و می زیبدش۔ خدائے را نازم کہ ہنگامۂ را کہ برائے رسوائی و بے آبروئی من موضوع بود، باعث شہرت و اظہار کمال من گردانید۔ خاطر عاطر از رہگذر جمع باشد کہ ہم از آب و ہوائے کلکتہ خوشنودم 1، وہم از وضع بندئی مقدمہ اُمیدوارِ ہزاران راحت شود۔ اگرچہ ناتوانم خدائے من قوی است۔ باللہ اگر آغاز مقدمہ، مُبشر و مشعر حُسن خاتمہ نہ بودے، امروز جائے من بہ حیدر آباد بودے یا بہ دیارے از دیارہائے عجم۔ چہ ہرگز در کلکتہ آب نہ خوردمے و اسپ و متاع فروختہ قلندرانہ دامن آوارگی گرفتمے۔ قوت اُمید نیروے اقامت بخشیدہ است۔ اما سخنے چند در نفس اقامت دارم و صفحۂ دیگر موضح آن است۔

مخفی نہ خواہد بود کہ فقیر بہ چہ مایہ بی سروسامانی از وطن برآمدہ خانہ را پاک رُفتہ و سرتربت وطن و اہل وطن گفتہ چون در باندا رسیدم دو ہزار روپیہ از نواب وام خواستم. ... داد۔ باخود اندیشیدم کہ علتؔ این ہم غنیمت است، بگیرو برو،اگر مقدمہ ات بہ کلکتہ نہ خواہد شنید.......... و نعل و اژون زدہ رخت قلندری بہ برخواہی کرد، و سرتا سر آفاق خواہی گردید۔ بہر رنگ .....بودہ پارۂ از بایستنی ہای زمستان گرد آوردم و بادیہ فرسایان، بہ کلکتہ رسیدم۔روز ورود چون .. .. شش صد بود ، شعبان و رمضان و شوال و ذی قعد گزشت 1۔ اینک ذی الحجہ

رسیده است، اگر (سلائے) ار فلك نه رسد تا دو ماه دیگر ار فکر روزی فارغم۔ توقع سوہوبے به دستگیری ہائے نواب داشتم۔ آثرے .... چه ہر گاه سمه به حنب فرستاده ام ، اوّل مکتوبے به حدمت نواب و دیگر احوان و احباب حدا حدا..... اگر نه حدمت پنج عریضه رسیده است در آں انجمن نیز پنج عریضه رسیده است' اما صدائے برنه خاسته وکس جواب .... تا ایں جا که میر کرم علی ــ آن ہمه گرم حوشی و کوچك .... پسخے نه فرستاده اند۔ به حاطر سگرشت(۲) که ار نواب اعانت می حُستم و ہرار روپیه دیگر وام می حواستم۔ امّا وحشت روے دادو توقع را وجود موہوم گشت۔اُمید که رحمتے (کشیده) وحہدے فرموده میر کرم علی را نه خلوت به نشسند و نه شگفند، وراز ہا دریا سند و عیرہا نه ستاند تا صہر شود که نواب و اہں......... ناسں چه گونه اند۔ ار نواب و مقربانش نیر مقدمه را پنہاں نه گراشته(۳) ام بکه در ہر عریضه و در ہر صحیفه نوشته ام که ..... نوائے نواب عالی حنب، کوہے را کہے مقابل گشته است، دست ار اعانت من نه حواہی کشید که اینك نه پشت گرمی..... عدو مال تو، داد ار نہاد احمد بخش حاں و ہوا حواہش برمی آرم، ہر گر لطفی نه کرده و لانعمی نه گفته، ایں ح عریب .... و فروسانده۔ شگرف، از دوستئی دوستاں دل بر کنده و به دام حصومت اعدا فرو افتاده حاصل ایں... .... آن که حاں سرکار نواب ار مىر کرم علی و دیگر ار ہر که توانند و ار ہرچه حواہند دریافته رود اشعار فرمیند و منشاء حوابِ یکے ار آن مکاتیب نیر مجہول نه گرا(۴) رند که فرصت دو ماه آں قدر ہا نیست۔ناچار ہم از ایں حا ویرانه خودرا..... آن وادی راه برم۔ انتظارِ حواب والا سمه دارم و دیگر ہس۔ ہرچند دو مه را رور اں و شباں سپر است۔ اہل توکل .... اگر ہمه در وعدۂ قتل، یك شب درمیاں باشد نه می ترسند۔ اما بشریت اقتضائے حدائے دارد که آدمی راگه در تصوّر ماضی افگندو گه صورِمستقبه را برضمیرش ارتسام می دہد۔ ورنه درحقیقت ماصی و مستقبل حرحال نیست، وحال حود نقطه ایست موہوم که ار گردش فلك فرض کرده اندوہم چنان گردش فلك نیز کیفیتے ست ار عالم وہم و حیل، لاموحود.. .... ولاموثر فی الوحود، الا الله۔

۱۔ مخ: گذشت ۲۔ مخ: گذشت ۳۔ مخ: نه گذاشته ۴۔ مخ: مگذار

خط۔ ۱۷

۹

حضرت قبله گاہی ولی نعمی مد ظله العالی!

اگر سپاس مُنعم گزار دمے ، طاقت کجا، واگر شکوۂ بحت سرایمے ، زہرہ کو۔ سپاس از آنکه بے کسم (کدا) و شکوه ازیں که ناکسم، آفریده اند۔ چه گویم که چه دند انہا می فشردم، وچه خونہا که می خوردم۔ گاه به تصوّر تفرقۂ اوقات مخدوم درتعب، و گه از بی حوصله گی ہا شکوۂ تغافل برلب، گاه از نارسیدن دلنواز نامه ہاز فراموشی گمان کرده دل خون کردن، و گه به توہّم شکستِ رنگ صحت مزاج مخدومی قیامت برخود آوردن، تا این که نسیم نوید دادی و زید و خزانم بہار سامان گردید۔ بست و نہم ربیع الاول روز پنجشنبه(۱) پاسے از روز برآمده بود که آدم مولوی صحب رفیع المناقب جناب مولوی ولایت حسن صاحب در رسید و مکتوبے از جناب و کتابتے از حضرت ممدوح به من رسانید۔ نخست عنوان والانامه کشادم و سوادش را تو تیائے چشم بحث ساختم۔ مستاحل ہا حالی و مجہوم ہا معدوم شد۔ ازیں که سلامت و صحت ذات مخدومی و دیگر برادران و عزیزان جلوۂ اعلان یافت نیرش ہائے ابردی به تقدیم رسید۔ اما از عوارض خارج لختے دلِ حیر طلب غمگین گردید۔ بارے چوں نگاه به کتابتِ مولوی صاحب ممدوح آشنا شد، مرقوم بود که سرِ قطعه دو صد روپیه که دریں دیارش نوٹ نامند بحسب ارشاد جناب قبله مرسل است، سترگ حیرتی رو داد، وشگرف بخود فرورفتگی پیش آمد۔ نه از آں که صنع از قبول احسان جناب،(ابا کند) بل ازین ره گزر(۲) که اگر این معامله حسب الحکم جناب است، از چیست که درنامه به سر اشعارے نه رفته، وشقّ ثانی خود بدیہی است، چه ہرگز قرینه اقتضائے آں نه دارد، که تواں دانست که این امر بے ایمائے جناب واقع شده۔ پس اگر ایمائے جناب است، از دو حال بیرون نیست .... جناب مولوی ولایت حسن صاحب به پرورش من مامور شده اند، یا این که جناب کاغذ زری خواه ہنڈوی، خواه نوٹ .... پیش مخدومی فرستاده اند۔ اما شقّ اول اگر بدین عنوان است۔ که ہرچه از جناب ممدوح رسیده، برمن....... قرض است، خواه من ادا کنم، خواه قبله ان را برگزارند(۳)۔ منافاتے به خاکساری نه دارد، و پذرفتن ان.. . . .

۱۔ مخ: آدینه ۲۔ مخ: ره گزر ۳۔ مخ۔ برگزارند

شقِ ثانی، ہر چند حضرت پریشانی کاروبار اجره، و زیان کشیدن کارپرداران حضور، در ان معامله . . . . ضمیر را پراگنده می کند۔ لیکن چون حاجت خود را قوی تر، و خود را در مانده تر می نگرم، در قبول آن .... اگرچه دانم که به حسب اقتضائے وقت و در پیچ و تاب تقاضائے سرکار و عوارض این چنین ہنگامہ ہا، فرستادن زر نه آسان بود۔اما حق این که اگر می رسید، بر من مشکل تر از ان بود که نوانم گفت۔ بر بیگانه و مردم بے مہر، گدائی ننگ و گرسنه زیستن........ مخفی نماند که تا زمانے که بین السفر والاقامت، متردد بودم، اسپ را جدا نه کرده بودم۔ چون نگریستم که روز گاری........ دربایید به کلکته جاك بیخت، و معهذا، زرے بابد و فرصتے، تا حاصر از رنج تیمار دواب بیا ساید، اسپ فروختم، دربہائے وے یکصدو پنجاه روپیه دست بہم داد۔ سائیس را، راندم و خدمت گار را جواب دادم۔ سه خدمت گار و یك کہار ایدون بسر مانده، و من نیز اگر غلط نه کنم، بجای خود نیمه آدم به شمار توانم آمد۔ چه می نوعی من افق مرتبه درشا روز، دوباره تنور معده می تابند ....بالجمله بعد بیع فرس، پنج بے صرف گشته، صدے باقی بود که منشورِ سعادت رسید، واندوه خطر زدود۔ چه می سگالیدم که رسیتن رسیده، گو تکلف نه توان کرد، اما ژندهٔ و گولی و گلیمی، ناچار می باید۔ دستگرئی جناب، آسوده ساخت و از اضطرار رہنید۔ اکنون بہائے اسپ در سازو برگ سرما و بسر بردن بر چہار ہفته ربیع الثانی خرج خواہد شد۔ و دو صد روپیه حال از غرّه جمادی الاوّل تا غرّه رمضان، انشاء الله وفا خواہند کرد چه باخود به ہمه جہت پنجه روپیه ماہانه صرف قرار داده ام۔ بوك درین پیچ ماه گشود کار پدید آید، و مقدمه به جانب انفصال گراید۔ دراواسط مقدمه، سرکار نیز، چنانکه می دانند، زری به وام از من مضایقه نه خواہد کرد۔

خدایگانا، امروز روز چہل و دوم است که کواغذِ مقدمه روانهٔ دہلی کرده ام، ہنوز جوابے نه رسیده که خبرے توانم نوشت۔ نه گویم که مکتوب نه رسید که درین ڈاك، نامه تلف نه می شود۔ نه می دانم که مکتوب الیه بردر تغافل ردو پاسخ نه فرستاد۔ چه از ہمدمان و یکدلان است، درانتظار آن خواہد بود که ہر گاه مقدمه را بدایتی پدید آید و سررشته بکف اُفتد، مرا بیاگہند۔ مامول که به جواب عرضداشت ہدا رود یاد فرمایند، و علمے به مجہول ارزانی فرمایند۔ مکتوبے برائے میر کرم علی ملفوف است، ملازمان (۱) زحمت کشند و میر صاحب را به طلبند و ساکتب را، چنانکه میر صاحب را طاقت دخل فکر الہامی خویش باقی نه ماند، به گوش ہوش

۱۔ مخ: ملادمان

شان فرو ریز ند، و جواب واکشیده، ہم درلف گرامی نامه به فرستند۔ به برادران و عزیزان و نور چشمان، ماوحب ملتمس است۔ پزرفته باد۔

۱۸

۱۰

.....خدا که ہنگام تحریر عبودیت نامه ہابسکه ذوقِ حضور ازضمیرم می جوشد، ہرگز رعیتِ القاب و آداب. .. .. سس د شد که بیان نیر از پرکار اُفتد، چه می حواہم که نوشتن کم از گفتن نباشد، نه تقدیم و تاحیر. .... و نه از درازئی سخن می اندیشم۔ نشیب و فراز گفتگو را مستانه طی می کنم و درین وادی عنان گسیخته .... ہمه گرفتار آن است۔ حالے که دارم سرائے حضرت قبله گاہی مجہوم نه ماند۔ پیش ازین به سر ہفته روز پنجشنبه پگه، جناب مولوی ولایت حسن صاحب از در آمدند و به تودیع ہم پرداختند که ایلك برسر راہم، و به تقریب دوره ارادۂ سفر دارم.......... به جُسر خواہم رفت تا درِ غمکده، مشایعت بجا آوردم و به خدا سپردم۔ بامن وقت رفتن گفتند که میر صفات علی خان .... از احباب و جانشین و وکیل من است' طریقۂ ارسال مکتبات راہم بلد حواہد بود۔ پس از روزے چند که شوق .... ورود نوازش نامه بے تابم کرد کس نزد صاحب مسوق الذکر فرستادم و حال صحائف باندا در جستم، پسخ رسید.......... که آرے دی روز خطے از باندا آمده بود، به جُسر فرستاده شد۔ دل گواہی داد که منشور سعادت سرفرازی عاتّ نیز در نورد آن ملاطفه حواہد بود۔ کام ناکام تن به انتظار دادم و نفس شمردن گرفتم۔ تا امروز که سه شنبه ہفدہم جمادی الاوّل است۔ آدم میر صفات علی خان رسید و مکتوب مولوی ولایت حسن رسانید۔ عنوانش معنئ دوبینے بود، یعنی تاشگافتم سواد بخشش نامه در نظر جلوه کرد۔ چون اندیشه طواف حرف و رفمش جائے آورد بیش نه گشتن مقدمه در دہلی به تارگی، دل را شورش کده ساخت۔ اکنون فکر حصول از شش سو پا به دامن کشیده سخن در نفس مقدمه می راند۔ ہنگامے که از پیش گاه ارباب اربعۂ کونسل، مامور به رفتن دارالخلافت شدم، تظلّم پیش مُنعم بُردم وفصلے از ناتوانی و بے سروسامانی بر ۰ خواندم۔پوشیده نه ماند امیرے ہست دارائے و فرہنگ جناب مسٹر اندرو استرنگ که فوس

عروجِ کونسل را باب الاعظم است و قوس نزولی آن را نقطۂ نہایت - ہم داد نامہ ہی داد خواہان بہ داوران وہم فرمان کشور خدایان بہ تطمّین، اوسی رسانند- با من سرّے دارد، و برحال رازم سطرے- چونلہ ام شنید، ترحّم کرد و فرمود اگر نہ توانی رفت، مرو' اما مقدمہ را نفرست-مرا ازین حکایات تاملے روے داد- حال آن کہ تاملّ من از بیکسی ہاے خویش بود- داور سنجید کہ مگر ہم بے توجہئ حاکم دہلی دارد- گرد دام برآمد و گفت چہ می اندیشی وچہ بہ خود فرومی روی،مقدمۂ تو قابل سمعت است صاحب رزیڈنٹ بہادر خواہند شنید- والبتہ خواہند شنید و چرانہ خواہند شنیددل- شوریدہ بیا سود و وحشت زا یل گردید-

بخانہ آمدم ، و تصویر معاملات دوستان دہلی پیش نظر (آوردم .... مستمند نواری) از کہ آید و کار فرمائی وکیل را کہ شاید، چون مدعی ، قطع نظر از امارت و شوکت کہ آن امر آخر.......... اشرف رؤسای دہلی است، برگروہی گمان آن رفت کہ اگرچہ از سطوتِ عدو.......... نظر بروجود مراتب ہم وطنی و الفت آبای بی پردہ طرف شدن و پردۂ آزرم از رُخ بر (داشتن).......... خاصہ از بہر چون من بخت نژندی با آن چنان جاہ مندی- دیگر از فرقۂ توہم آن در ضمیر گرشت(۱) کہ.......... مبادا، بعدو در پیوندند و تباہیِ کارِ مرا، دست مایۂ عقیدت سازند، چہ این چنین در عالم کون و فساد.......... رفتہ رفتہ قرعہ بہ نام مولوی فضل حق اُفتاد- نہفتہ نہ ماند کہ مولوی فضل حق ابن مولوی فضل امام از (اخلاف) مُنشی برکت علی خان مرحوم است- حالیہ خودش سررشتہ داری دیوانی و فوجداری ضلع خاص دہلی بہ دہلی.......... و ایزدش زندہ داراد و بہ پایہ ہی بلند رساناد کہ اورا مخاطب صحیح قرار دادم و برگزیدم وبہ وے بنوشتم کہ اگر.......... اندرین بود، و رنج چارہ سازی ہای بیکسان توانی کشید، بہ فرماے تاخود را بہ تو سپارم- چون از اخوان الصفا بود، بے سخن در .... بلکہ وکیلی قرار دادہ مرا بیاگاہانید-

بالحمد من کواغذِ مقدمہ بعرضئ دستخطی کونسل و خطِ صاحب سکرتر کونسل کہ محتوی ایماے شمول رزیڈنٹ درمبادئ مقدمہ بود، برای استواری بنائے مقدمہ وچٹھی صاحب عالی شان، بہ نام کول بروک صاحب و خطِ مخدومی نواب علی اکبر خان بہادر موسوم منشی انتقات حسین خان، این مجموع کاغذ پارہ ہا را در ورقے در نور دیدہ خود بہ ڈاک کدہ رفتم

۱- سخ گرشت

و صاحب ڈاک و ابنای ڈاک را بر جمیع آن کواغذ گواہ گرفتہ و سرنامہ را در حضور ایشاں بہ لاک فروبستہ، چوں وزن آن لفافہ گرفتہ شد بہ دہ روپیہ برابر آمد۔ محصول ڈاک انگریزی برائے روانگی دہلی ' یک روپیہ سنگ، بہ یک روپیہ می رسد۔ دہ روپیہ محصول ڈاک سر بسر گزاردم و رسیدِ ڈاک گرفتہ با خود آوردم و آن روز، روز سہ شنبہ و چہار دہم صفر بود۔ ہنوز مدتِ رسیدن آن مراسلہ سپری نہ گشتہ بود کہ خطے از مولوی فضل حق رسید، مشتمل بدیں کہ مختار نامۂ مہریِ خویشتن بے دستخط رجسٹری نہ باید فرستاد، حال آنکہ کہ مختار نامہ کہ در آں کارنامہ سمت ترسیل یافتہ بود، صرافِ دستخط رجسٹری نہ داشت۔ ہم در آں روزی قطعۂ کاغذ، اسٹامپ گرفتہ و مختارنامہ نوشتہ بہ طراز رجسٹری رسانیدہ از پئے آں نامہ، بے اہمال، رواں کردم۔ چوں کہ روز روانگی این قطعہ چہارم ربیع الاوّل روز یک شنبہ(۱) است، تا امروز کہ ہفدہم یا ہیژدہم جمادی الاوّل است، خبرے از آں سہ و اثرے از آں ہنگامہ پدید نیست،تا ایں زماں ہفت قطعہ از پی ہم رواں کردہ ام........ نیامدہ حال کار فرسا وچارہ گر این است کہ بدین دراز نفسی و شوریدہ بیانی چوں گرسنہ (کذا) شدہ ماجرائے خانہ......... رفتہ ایں کہ برادرے ست دیوانہ و از خرد بیگانہ کہ حساب تحملش اگر بیش از خود نہ توانم گفت الشہ ہمچو من.......... دیگر سہ زن بردہ نشین پاشکستہ، یکے شوہر نہ دارد و دویمیں را شوہرے ست کہ اُو خود برادر زن ... . دریں مقدمہ اعتراض من بہ شمول خواجہ حاجی جزو اعظم ترکیب مقدمہ است، ہر آئینہ از وے وحشتے دارم .... چنین جاہا بہ فتوائے خرد است نہ بہ دستوری وہم۔ اما شوی سیومیں، سید نسب، از سادات دہلی کہ دانشمندی.......... وبہ حلف اقرار کند کہ ایں کس از اہل جنّت است۔ آدم از خاک و سید از نور است۔ آدمیت از سیّدان دور است۔ چون عیار سگ‌لش کار نہ داشت، اور را مامور۔بدان داشتہ ام کہ پارۂ از اخبار مقدمہ.......... نوشتہ باشدو گاہ گاہ بلکہ اکثر نزد مولوی فضل حق می رفتہ باشد۔ قربان جدِّ امجدش کہ دریں سہ ماہ جزیک مکتوب نہ فرستادہ و در آن نیز نویدے از کار نہ دادہ۔ قبلہ گاہا، چہ گویم ، از چہ آہنگ نالم۔ خدا را بنگرند و داد بیکسی ہئے من دہند کہ ہرگاہ خاطر از رہ گزر رسیدن و نہ رسیدن کواغذ مقدمہ پراگندہ می گردد۔ اندیشہ و استنباط سنجہ اثر می اُفتد، یعنی ناخود (می سنجم) کہ جز از ڈاک انگریزی تلف نہ می شود، و نو کہ نہ مہرگاہ صاحب ڈاک رسانیدہ فرستادۂ پارچہ باش کہ بکی نیست۔ دیگر ایں کہ اگر ان

۱۔ مع دو شنبہ

لفافه در راه تف گشتے و به مکتوب الیه نه رسیدے، باہمه کاہل قلمی ہا نارسیدنش سی نوشتند۔ بالجمله داغم از بی خبری ہاے خویش که بر رسیدن و ضیع ناگشتن کواغذ نیز حکم نه توان کرد الّا به قرایں و علامات - از سه ماه صورتِ دیوار غمکدۂ خویشم، نه محرمے که رازِ دل با او توان گفت۔ خود دیوانه و خود ناصح ، خود بیمار و خود طبیب۔ در ہفته یك روز به ملازمتِ منعم که در صدر معرف وے بوده ام ، سی رفتم - اکنون از آن حرکت نیز وامانده ام - چه اگر بروم و دادار از حال مقدمه پُرسد چون گویم که به دہلی نه فرستاده ام ، و اگر گویم که فرستادام، چون وے از چگونگی باز جوید چه جواب سرانجام دہم۔ به ہر رنگ و للّه الحمد که کارفرما نه آں چناں است که بروے توان شورید و اندیشه ہاے دور دراز باید کرد۔ گونه شکایتے که ہست از تغافل ہائے اُوست۔ دانم که در بند آن خواہد بود، که ہر گاه مقدمه را بدایتے پدید آید، برنگارم۔ و خطِ مُنشی محمد حسن صاحب لامحاله تاریخے یك ماه پیش از امروز خواہد بود۔ اگر بعد تحریر ایں قطعه مقدمه درپیش گردیده باشد، عجب نیست - زیاده تسلیم۔

خط - ۱۹

—

۱۱

حضرت قبله گاہی ولی نعمی مدظله العالی!

بعد تمہیدِ مراتب تسلیم که سعادتِ دو گیتی در گرد آن است، به عرض می رساند، گوہر........ عنبرین ختامه به توسطِ اخوی مکرمی حضرت مولوی و[illegible] حسن [illegible] کشائے کمنست ورود گردید۔ [illegible] ہمچنان فرمان دادن اہالی صدر در آن باب .... اما ولولۂ شوق آرسیده نه گزاشت، و محبت سرگرم تحریرم ساخت۔ خدابگانه در خصوص مقدمه .... فضولی و گستاخی رفت۔ اما من و ایمان من که حقفان منشاء آن بود، چه سودائے آن بسرم........ امتحاناً کم از آنچه در ہنڈوی مرقوم است وانماید، وچون من ان را باور دارم، مرا در صاحب بودن ہنڈو[illegible] بر آن داشت که خود به بازار رفتم و دوسه جا پژوہش کردم بانام مکتوب اسه و شمار زر مستح و مشخص شد........ مخدومی مولوی ولایت حسن سپردم و چنان که در عریضه سابق معروض گشت، زر به کف آوردم۔ سخن این است که مرا........ گران مایگی چہار صد ہزار [illegible] ر

نظر است۔ چه من ناظر آن کیفیت وجدانی ام که سراپای دل را فرو گرفته و منشاء........ این عطاسی گردد۔ خاصه با آن که حق خدمتے نه دارم، سیّمادر عالمے که خود به پیچ و تاب خسارهٔ اجاره و رنج و تعب دام،........ و مطالبهٔ عوام پراگنده خاطر خواہندبود۔ حقّا که نه کافرِ نعتمم' نه نه خورد۔ آنچه از هر جانب سپاس می کنند، می دانم، و سبب پرسش طالع آوارگی ہائے خویشم که مرا در عرض این سفر منعمے و خداوندے دست بہم داد که سکرست ہائے اُوجُر رحمت ایزدی سشه به، نه دارد۔ ہم از این جاست که فارغ از تب و تاب ادائے سپاسم۔ می دانم که پدران را در پروردن پسران ہرگز بر آنان منّتے نیست زیرا که افضهٔ نفس رحمانی است که در آن پرده تکمیل مراتب وجود سی کنند۔ چون بے خواست سررشته سخن بدین جا رسید' ملتمس که از دیر باز در سینه نہان است از کرم و لب فرو می ریزم و در قبول آن ہزار رنگ ابرام دارم۔ مرا در مدت العمر خویشتن دو حادثه‌ٔ [illegible] بدر خواندگی افتاده است۔ یکی سر [illegible] علی خان مغفور و دیگر [illegible] مکرمت [illegible] حق که ہر دو [illegible] اثر عطوفت پدری به اسم [illegible] کردم۔ جناب مغفور نیز پس از روزی چند، شیوهٔ تحریر برگردانده ودر القاب سہیم و انبازِ اخوی مخدومی میر وارث علی خان ساخته بودند، ایدون از جناب چشم دارم که بدین القاب یاد نه شده باشم و به خطابے که سزائے [illegible] ولایت [illegible] و دیگر عزیزان موضوع است، سرفراز گردم۔ [illegible] که کیمیائے سعادت این است...... یاد می کنم که اگر سپس ازین رسم و راه تحریر، ہم برین آئین خواہد بود، ولم بـه دردِ بیکسی خواہد گداخت و خیلے .... فسرده خاطر خواہم شد

خرسندئی غالبؔ نه بود زین ہمه گفتن
یکبار بفرمائے که ای ہیچ کس ما

حال استغنائے برادران من .... التفات نواب صاحب، نه حال این آوارهٔ رنج و محن آشکار شد۔ منّت ایزد را که به من نیز لختے........ ارزانی داشته اند۔

قبله گاہا۔ فرمان ده دہلی که در مکتوب اسمی من اشاره به اطلاع ثانی صدر......... ست که مقدمهٔ مرا در نظرش استواری پدید آمد و کواغذ عہد جرنیل لیک صاحب انچه که در دفتر [illegible] نه بود، از صدر طلبید و اجازت تحقیقات این مقدمه به تجدید از صاحبان کونسل [illegible] .... [illegible] که از ترجمهٔ آن معنی، زودو شتاب برمی خیزد .... و کواغذ عہد جرنیل صاحب فرستادند۔ و این معنی مرابه یك .... بسیار معلوم گشته، چنان که نقل رپورٹ فرمان ده دہلی با حکمے که ازین جا صادر گشته، بجنسه به کف آورده ام۔ و داورِ داد گستر مسٹر انڈر

واپسین بیگ بهادر نیز آنچه گفتند بو به بو بوده است۔ بلکه از انداز بیان حدس و حق پژوه، چنین می تراود که گوی زمان رسیدن نوبت شنوی نیز قریب است۔ خلاصه گفتنی که به وجوه متواتر و .... پرده کشا گردیده این است که بعد رحلت عمّ مرحوم، بست هزار روپیه سالانه در وجه پرورش بازماندگان و نوکری سوارانش بر احمد بخش خان بار گردیده۔ و آن زری ست که به طریق وجه استمراری یا به سبیل خراج گزاری(۱) ادائے آن بر احمد بخش خان واجب و لازم(۲) بود۔ بالجمله ده هزار روپیه سالانه در وجه تنخواه پنجاه سوار است و ده هزار روپیه سالانه کفاف معیشت میراث خوار۔ آنچه من(۳) هزار روپیه سالانه گمان داشتم غلط برآمد و اگر کم از آن به خاطرم می گذشت آن هم باطل بود۔ از انداز و ادا، دریافته می شود که حکام به طرف وجه نوکری سواران التفات نه دارند و پرداختن نه دارد چه نه رضائے خود، آن وجه را نه سرکار نذر داده ام۔ گوئیا اہلی سرکار سواران منظور دارند۔ جوابی از احمد بخش خان و جوابی از نصرالله بیگ خان۔ اما این ده هزار روپیه نقد است، در مستقبل و مصدق قوانین سرکار، حصول باقیات سنین ماضیه نیز بدیهی ست۔ ہمانا که تحقیقات منحصر برین دو جُزو خواهد بود۔ یکی باریافت من و شرکائے من از جاگیر احمد بخش خان، و این معنی روشن تر از روز است۔ که نه من کم از آنچه یافته ام نشان داده ام، ونه مدعیٰ علیه بیش از آن چه داده است و اتواند نمود۔ ودوم حال قرابتِ و استحقاق شخصی که احمد بخش خان اُورا از ماشمرده و انباز ما ساخته و این نیز کنجلك نه دارد۔ چه من در عرض مراتب دے ہرگز حیف و سبل روانه داشته ام۔ و شیوهٔ راستی را ملتزم بوده ۔ اما به بینم که رائے رزیڈنٹ درین باب چه اقتضامی کند .... به خواجه حاجی و پسر انش رسید۔ اگر در وجهِ پرورش مجرابه خواهد شد، ہفت ہزار روپیه سالانه ..... تا امروز می باید و بالفرض اگر به رعایت تحریر سرکار، گوہمه خلاف نمائی احمد بخش خان (است) ، نیز محسوب گشت، پنج ہزار روپیه سالانه ، من ابتدائے ۱۸۰۶ء لغایت ۱۸۲۱ء به ذمهٔ خصم واجب الادا...... ہمه مشتاق جزو ثانی مقدمهٔ خویشم که عبارت از اخراج بیگ نگار است۔ و دانم که چون ثانئ سعی من ..... و خداترسی نیست، درین عریده نیز ظفر از من خواهد بود۔ به ہر رنگ جناب قبله گاہی، درمقدمهٔ معلوم۔ این جا.......ہنوز در جنبش کاروان کونسل دو سه ماه درنگ است و کار فدوی بدین آب و رنگ، به حول وقوت الہٰی ....سامان فراغ و خوش دلی به ہم رسد۔ متعاقب آنچه رو خواهد داد به عرض رسانده خواهد شد۔

۱۔ متن گزاری ۲۔ متن لازم ۳۔ اغلباً می گذشت

معروض رائے اشرف قبلہ گاہی آن کہ، بسکہ خامہ بہ تحریر فرسودم جواب نامۂ میر کرم علی نہ توانستم نوشت و معہذا......... آن بہ ظہور آمد، جواب باسکوت منافاتے نہ داردو سکوت ریں نہ بی رساند۔ اُمید کہ آیندہ طریق ارسال نمیق ایم گرشتہ باشد۔ مولوی ولایت حسن، این جا نیستند، نامہ چرا بہرۂ عنوان شود، و از کجا بہ کجا رود۔ ہمان نشان شملہ بازارو گول تلاب و حویلی میر احمد کافی است۔ چہ سابق نیز اتفاق تا رسیدن مکتوب نیفتادہ۔ ہمچو اینون کہ بریدان و کلابان ذات سرا در شناختہ اند۔ اگر بعد دو سہ روز خبرے از عدم آمد دہی می رسد، ہمان روز عریضۂ دیگر متعاقب عریضہ ہذا سمت ترسیل خواہد یافت۔ مرجو کہ رسیدن این عرصداشت از میر کرم علی نہفتہ باشد کہ مبادا شکایت طراز آیند۔ اگر جناب باقی است، آیندہ مکتوبے برای شان در لف عریضہ ملازمان(۱) فرستادہ خواہد شد۔ عصر است و بس جواب نوازش نامہ روز ورودِ نوازش نامہ نوشتہ شد و آن ہفدہم یا ہیجدہم جمادی الاولی است و روز (چہار شنبہ)(۲) ہمے از روز بر آمدہ۔ فاصلۂ کہ در خواندن عنایت نامہ و تحریر عریضہ واقع شد، عرصۂ خوردن نان بود۔

خط - ۲۰

۱۲

اُنچہ پس از عرض تسلیمات ، بہ معرضِ بیان باید آورد نخست این است کہ روز گارے گرشتہ(۳) کہ ہمائے والا نامہ بہ سرم سایہ گستر نہ گشتہ۔از روز ورود کلکتہ، خو کردۂ آنم کہ در ہر ماہ دو بار، دیدہ بہ سوادِ عنبرین رقمہا، روشن می کنم۔ ہرگاہ دو ماہ بگررد (۴) و نامہ نہ رسد، چگونہ عنان صبر، از کف نہ دہم، و بہ دام انتظار نہ نہم۔ خاصہ وقتے کہ ہم از جنس حالات مزاج مُبارک و نوید طی ہای عافیت، خبر خاری باشد، وہم از حسب کشا کش معدمۂ اجارۂ دہ ہائے سرکار و ماجرائے مکارہ آن پیچ و تابے در خاطر بود۔اُمید کہ توجہے فرمودہ......... یافت نامہ، غبارِ اندیشہ ہائے مرا، فرو نشانند و دل رمیدہ را بہ امن آباد جمعیت رسانند۔ حال اینجا آنچہ بہ گزارد...... خط از دہلی رسیدہ، کاشف این مدّعا گردیدہ، کہ کواغذِ مرسلۂ من رسید، و دوست کارفرما، آن را.......... ہنوز وکالتش از قوہ بہ فعل نیامدہ بود، کہ سفر بربست و بہ عزم دورہ بال نہضت..... انتظار بر گردیدنش درپیش است۔ علت توقعے کہ نابودن حاکم، واقع شدہ بہ دور برس مجہول۔ اما انتظارے کہ (بود) بجائے خویش است۔ ہر چند از پنج ماہ بہ سلام صاحب سکرتر نہ رفتہ بودم۔ اما چون یوم عید یوم الاکبر رسید، ناچار رفتم....... و کرم و زبانی نرم

۱- نخ ملازمان ۲- ایضاً سہ شنبہ ۳- نخ گرشتہ ۴- ایضاً نگدرد

شکایت کرده و وعده گرفت که بعد ہفته عشره به ملازمت(۱)می رسیده باشم- من خود از خدا می خواستم،........... نرفته بودم از شرم ناآشنائی حالِ مقدمه بود- بالجمله سخنے چند، درنفس مقدمه راند- به انداز و ادا دریافته می شود که اہالی کونسل . ... زیر فائده سرکار که در ضمن مشاہره پنجاه سوار که به حساب ہزار روپیه ماہانه، وجه بست و چہار سال به سه لك روپیه می رسد- چوںکرم ک.و ک.و مقدمه بہند (کذا)چوں در عالم اسباب سررشتهٔ ہر کرد. رسی بر بسته است- به حول و قوه الہی ہرگاه وقت دمیدن سپیدهٔ صبح مُراد خواہد رسید، نیر کسیی از اُفق بری صالع خواہد دمید- روانگیِ جناب مُنشی ولایت حسن صاحب به عزم دوره، جای رائے عالم آرائے خواہد بود- دیگر این که ولیم(۲) می صاحب که اعصم و ارفع صاحبان کونسل اند، و درایّام پیشین به رُتبهٔ گورنر(جنرلی) نیز رسیده به ملك برہما رفته اند، و جناب مَنك صاحب که حالیا صعرائیے گورنر (جنرلی) نقش نگین شان است، به مانده که شکار گاہے است شرق روبه کلکته، به سیرو شکار خرامیده اند- خبر است که وعدهٔ دو ہفته کرده رفته اندو ہفته بررفتن شان گزشته(۳)- دیگر این که مولوی عبدالکریم صاحب، میر منشی دفتر خانهٔ فارسی، رخصت ہشت ماه گرفته به سفر دریا به لکھنؤ رفته اند، چنانکه باشد که تا عظیم آباد رسیده باشند-

از نوادر حالات آن که سخن فہمان و نکته رسان این دیار، پس از ورودِ خاکسار، بزم سخنی ترتیب داده بودند که در ہر ماه شمسی انگریزی یکشنبهٔ نخستین، سخن گویاں و سخن فہمان در مدرسهٔ سرکار کمپنی فراہم شد ندے، و غزلہا خواندندے و شنیدندے- ناگاه سفیرے که از طرفِ بادشاهِ ہرات، حرّسہا الله تعالیٰ عن الآفات، رسیده است، در آن انجمن حاضر گردید، و اشعار پارسی گویاں این گرامی بقعه شنید- سراسیمه بلند به سود و گفت، قدر این کلام را در ہندوستاں که خواہد دانست، آنچه تومی گوئی، درخور آن است که فصحائے ایران بشنوند و حظ بردارند- دیگر روبه جماعت کرده گفت، یاران این شخص درمیان شما مغتنم است و قطع نظر از شعر وشاعری، عالم زبان پارسی است- چون طبائع، بالذات مفتون خودنمائی است، حسد بُردند و کلاسان انجمن و گران سنگان (بردوبیت من)(۲) اعتراض نادر ست بر آورده آن را به نام بعضے از سفہا شہرت دادند- جوابہا یافتند و پس به زانوئے خموشی نشستند- (مخدومی و ملاذی نواب علی اکبر خان)(۳) دام اقباله، درین داوری باس ہمزبان بوده اند، و شورنده گان را به

۱- ایضاً ملاذمت ۲- مح: جان بیلی ۳- ایضاً گزشته

خط ـ ۲۲

۱۴

قبله گاہا!

روز ہا گزشته و روز گار ہا سپری گردیده، که سوادِ والانامۀ توتیائے چشم مشتاق ، نمی رساند، و سبب عنایت، عطر نوبدے، به مشام جان، به می افشاند۔ دو عرضداشت که یکے محملاً و دومی مفصلاً صرار و قائع دہلی درجیب و آستین داشت چون گویم که .... واگر دانم رسید، چگونه قرار دہم که حضرت قبله گہی پاسخ نه نوشتند۔ بہر رنگ، ہمدرین پیچتاب بو قلمونئ اندیشه .... از دست رفت و زورق صبر، لنگر خود داری گسیخت۔ حق خدا که دیر رسیدن ربوبیت نامه از جانب......... ہمایون عُنصر، کرامت مظہر، به تب و تابم می افگند۔ ورنه کشته گرن نسیم را ، رہرۂ شکایت کجا، و سرمایۂ فصونی......... اقتضئے آن می کند که نگرانی حاطر خیر طلب ، به تحویل وجدانِ ضمیر لوح محفوظ نظیر، سپرده، پارۂ از......... زند۔

حدا یگانا، پیش ازین ولیم(۱) بیلی صاحب، که اعظم و ارفع احرائے کونسر اند بجانب ملک برہما. ......جناب لارڈ بنٹك صاحب گورنر (حنرل) ہم در آن عرصه بتقریب سیرو شکایت شرق رویه کلکته خرامیده۔ چنانکه ہفته .... که ولیم(۲) بنی صاحب به کلکته داحل شده اند و نواب گورنر (جنرل) بہادر نیز، بشنو که امروز بیایند۔ دیروز معتمدے حکایت (کرد) که به اچانك رسیده اند۔

دیگر راجه اودوت نراین سنگھ راجۂ بنارس ، به جمعیتے جاه مندانه درین معموره رسیده است۔ گرچه به زبان ہا افگنده که من به حگناتھ می روم، اماقی الحقیقت آن است که درین ولا صاحبان صدر، برائے عمداریٔ وے قانونے جدید .... آئینے شدند، انداع فرموده اند۔ ہمانا راجه بدان راضی نیست، و راضی نه بودنش بجائے خود است، چه ماحصل آن قانون، به بد رفتن سطوت سرورسی و فرمان روائی اوست، به ستلم رسیده است۔ حال آن که فرمان، برنخواہد گشت، و کار دیگر گون نخواہد شد۔

۲۔ مع جان۔ ۳۔ مع جن

دیگر خبر است که درماہِ اگست نہضت رایاتِ گورنر (جنرل) بجمیع اعیان کونسل و اشخاص دفتر خانه، به صوب ہندوستان به عمل خواہد آمد۔ و کلا و سفراواہل داد ہمگنان، دُنباله رو این موکب خواہند بود۔ مژدهٔ داد خواہان آن نواحی را که لکد کوب رزیڈنٹ و ایجنٹ نه خواہند ماند۔ خاصه کسی که سینه بردم تیغ سلان و در نحرو برنالان گرد این کاروان خواہند بود۔

دیگر از اخبار غربت زدگی ہائے غالبؔ رسیده بخت آن که شنیده می شد که آخر جنوری، ریزیڈنٹ به دہلی معاودت خواہد کرد۔ اکنون که آخر جنوری بردار اوائل فروری رفت، لامحاله به دہلی رسیده باشد، و مقدمهٔ من پیش گردیده باشد۔ ببینم که دریں پنج شش ماه چه دست بہم می دہد۔ آخر ہمچنان به نظر می آید که به مقتضائے قصهٔ زمین بر سرزمین، حکم اخیر در ہمچنیں مقدمات، ہمدران مقامات بکار آید، و غلط نمائی حکام ہر بقعه را گنجائی نماند۔ چنانکه جناب صاحب سکرتر که باننده اتفاقے ہرچه تمام دارند، به سبیل مطایبه می گفتند که ایک شمع مردمان را، از حیف وسل رزیڈنٹ ایمنی است۔ جناب لارڈ صاحب درہرمقدمه به نفس خود فراخواہند رسید' ستم ہا فردشسته و بیداد ہا برانداخته خواہد شد۔

دیگر از اخبار این بلده آن است که مخدومی و مکرمی مولوی ولایت حسن صاحب اردوره در این جاآمده، سه چہار روز آرمیده، باز رفتند۔ ظاہرا ضرورتے داعی بوده باشد، ورنه چه امکان داشت که غم کدهٔ راقم را به پرتو ورودِ خود فروغانی نه می ساختند و من بنده را خبر بعد از رفتن جناب مخدوم رسید ورنه چه ممکن بود که به سر نه شتافتمے و در نیافتمے۔

دریں سوانح و وقایع، آنچه سیرابیٔ سخن را بکار آید و تحریر را گرامی نماید، مدح اخلاق .... حقیقی نواب سید علی اکبر خان طباطبائی است۔ مدظلهٔ و دام اقبالهٔ۔ واللہ به خدائے که خرد آفریده وخرد (در برگزیده که بدین گران مایگی)(۱) و صاحب دلی در بنگاله دیگرے نیست۔ ہر گاه حال ظاہر و باطن این ستودهٔ آفرید گار را بصورت ...... بحیرت فرو می روم که این گوہر گرامی از کدام کان است، و این گرامی گوہر از کدام دودمان۔ این ...... و به شفقتے می پردازد که شرح آن به زبان نه توان کرد۔ ہرگاه از ہوگلی می آید، نه می شود که به ورود خود، سرم را......... این دیار از راه حسد بامن در افتاده بودند۔ نواب علی اکبر خان در آن داوری بامن یاری

۱۔نثر: ۱۶۷

ہا کردہ و یاوری ہا نمودہ۔ اکنون .... کہیں دُختر جنب ممدوح در پیش است۔ بمن فرمودہ رفتہ اند کہ ہر گاہ بطلبم بہ ہوگلی خواہی رسید، و ہفتۂ باما خواہی بود۔ چشم براہ....... . سلت نامہ ام۔ ظاہرا ہنوز تاریخ مقرر نہ شدہ۔ دو رقعہ جنب نواب صاحب ممدوح بہ من سدہ بوششند۔ در نورد عرضداشت........ تا از نظر ملازمان گزردو آئینۂ خاکسار نواز یہائے نواب شود۔

خط ۔ ۲۳

۱۵

قبلہ گاہا!

شگرفی چند دست بہم دادہ کہ اگر بہ خامہ نہ سپردہ آید دل از خار خار نیا ساید۔ بالجملہ در...... وانچہ گزشتہ است می گزارم(۱)۔ روز سہ شنبہ بست و ہفتم رجب عرضداشتے بہ حدمت فرستادہ........ بر نہ گشتہ بود کہ بریدی از بریدان ڈاک رسید و ربوبیت رقم نامۂ والا رسانید۔ کف حث . .... درس (کدا) بی عمی ار سر گرفت . تا عنوان ان منشور سعدت کسودہ شد، نظارہ فروز رقمے موسومہ مخدومی......... دام شوکتہ' کہ در نظر حلوہ کرد۔ چون می دانستم کہ جناب ممدوح تشریف آوردہ بودند و باز رفتند، ناگزیر نیاز نامہ........ جناب میر صفات علی خان صاحب رقم زدہ، و ان گرامی نامہ را دروے نور دیدۂ بہ ملارسے(۲) دادم، بہ اسی(۳)، بہ خدمتِ میر صاحب موصوف..... ہنوز بُرندۂ آن نامہ مُعاودت نہ کردہ بود، کہ ادم مخدومی ملاذی جناب مولوی ولایت حسن صاحب رسید، و منشور سرفراز (ی) ..... نوک خامہ جناب ولی نعمی درنوردِ عنایت نامہ جناب ممدوحی بہ من رسانید و جانم بہ کالبد شوق در دمید۔ نوازش نامۂ جناب .... قبلہ مرقومہ بست ونہم جنوری، کتابتے بود کہ ملفوف مکتوب لالہ کانجی مل، سمت ترسیل یافتہ بود۔ بندۂ حوددر تفقد نامۂ از این عبارت کہ .... عرضداشت از جانب نو رسید، یکے را حواب پیش ازین فرستادہ ام، حیرتے برداشتہ بودم کہ کدام پسح بہ من رسیدہ اکنون پردہ از روئے کار بر افتاد کہ این ہمان عنایت نامۂ موعوداست۔ ناچے بہ ہر حال چون درد فتم کہ جناب مولوی صاحب از دورۂ مکرر امدہ اند، تلافیِ ناکامی روز گار گرشتہ(۴) کردم و ۔

۱۔مح گدارم ۲۔مح بہ ملاذمی ۳۔ مح اثالی ۴۔ مح گرشتہ

سرشت قسم۔ چنانکه اینك که دو ساعت نجومی از روز باقی مانده باشد، به دولت خانهٔ جناب مولوی صاحب ممدوح از خوش نشینان بساطِ حضورم، و این عرضداشت ہم در حضور مخدومی نگ شته، به جناب سپرده ام تافردا در نوردِ کتابت خویش فرو پیچیده به باندابه فرستند و پیامے که برائے نواب صاحب قبله نواب علی اکبر خان است، دام اقبالهٔ ہرگه اتفاق ملاقات که آں به تقریب شدی و شرکت در ان محفل، رودمتصور است، خواہد اُفتاد، تحویل سامعهٔ سلارمان(۱) مخدومی داشته خواہد شد۔ زیاده جز تسلیم چه عرضه دارد محمد اسد الله معروضه چهارم فروری روز چهار شنبه۔

خط۔ ۲۴

۱۶

حضرت قبله گاہی، ولی نعمی مدظله العالی!

گرد سرمی گردد، و جان به خاك آن کف پاء می افشاند، ونه می داند،چه عرضه دارد، واز سرده کرام رقم، سربر ارد، به سپاس یاد اوری، نهایت پربر، و به شُکر قدر افزائی به انداز تحریر پر پرور، جناب منشی عاشق علی خان بہادر، کتابتے به من فرستادند۔ چوں عنوانش، به شگافتن رسید، نورے از ان سرده به درخشید۔ چوں نیك نگرستم، سواد مکتوب خدایگانی بود، که به جان ممدوح، در اشعار خاکساریہای این مُشت غبار، جلوه رقم داشت۔ بالجملهٔ سلازمان شان بدین ننگ آفرینش، نوشته بودند، که وقتی قرار ده و مرا بیا گاہن، تاسرت، از سپهر، بگررانم(۲) و نورو (رود(۳))، خویش، به کدورت کده ات، برافشانم۔ پاسخ به پوزش گزاردم، و روز دیگر خود، به بساط بوس رسیدم۔ ہر چند درآمد دفتر خانه تعرفی به جناب ممدوح .... به دولت خانهٔ قبله و کعبه، نواب علی اکبر خان، اتفاق معانقه نیز افتاده بود، اما ایدون......... نقش موالات، به کرسی نشست۔ شموذ احلاق شمع و چراغ انجمن مولوی ولایت حسن، و طرز رسائی مذاق سهر سپهر (معنی اشنا نواب علی اکبر خان(۴) ضطائی بست حدام قبله گاہی بر دل و جان،و نه از آن که ہر گو به لطفے، که از صحبت ایں، (برمی داشتم، ہذا من برکة البرامکه)(۵) برزباں بود، ایدوں، ابروئے دیگر برافرود، و شوکتے تازه، روے نمود۔ حق خدا که اگر در نوردِ این اوارگی به شما نه

۱۔ مج ملادمان ۲۔ مج بگذرانم ۳۔ بتر ۱۷۰ ۴۔بتر۱۷۰۔ ۵۔ بتر ۷۱۔

رسیدے خستگی مرا مرہم و شکستگی مرا مومیائی ، از کجا پدید آمدے۔اگر سر رشتہ انصاف از کف نہ دہم ، دانم کہ از عہدۂ سپاس(میر کرم علی کہ)(۱) مرا، بہ حالِ آں آسمں، رہ نمونی، کردہ اند، و بدان سر منزل، خضر راہم گردہ،بیروں آمدن،نہ توانم،چہ جای (آن کہ مدح ملازمان گویم)(۲) حاشا وثم حاشا۔

خاموشی از ثنائے تو حدِّ ثنائے تُست

حالے کہ در خور نگارش بود، در عرائض سابق........ خویش،ہر یک از نظر خواہد گرشت(۳)، و آئینہ دار شیوۂ تسلیم خواہد شد۔ درین جرو رس، حرایں کہ حمۂ نیر، بہ صفحہ....... بہم نہ دارد، و پردہ از روے' کارے، برنیفتادہ۔جواب تفقد نامۂ میر احمد علی خان صاحب بہ پس ایں معنی، کہ در مورد شقّۂ حضور (معفوف بودہ) سمت ارسال یافت ،بہ عنایت خواجہ بشن سں، بخدمت مکتوب الیہ، رسیدہ باد۔ برضمیر مُنیر خدّام عالی مقام' مخفی مباد کہ ایں عریضہ،بتاریخ ششم شعبان، روز چہار شنبہ(۴) رقم کردۂ ہماں روز، بتوسط میر صفدر علی خان، بخدمت لالہ کانجی مل، باندوی، فرستادہ آمد۔ خدا توفیق بہ مکتوب فروپیچیدن، و فرستادنش، عطادارد۔

خط ۔ ۲۵

۱۷

حضرتِ قبلہ گاہی، ولی نعمی،مدظلہ العالی!

کورنش بجا آرد، و عرضہ می دارد، کہ پیش ازیں عرائض سمت ارسال یافتہ دانم کہ ہر یک، بہ زبان خویش،از نظر، گزشتہ(۵) آئینہ دار صور مدعا گردیدہ باشد۔ تتمۂ حالے کہ تعلق بداں اوراق دارد،ایں کہ چون جناب مُنشی عاشق علی خان صاحب بہادر مرا، نوید قدوم خویش دادند، خود پیشی جُستم،و برشتافتم۔ عنایت ہا فرمودند۔ ہدا س برکت البرامکہ گویان، برخاستم، وبہ کدورتِ خانۂ خویش رسیدم۔ پس از چند روز، روز یکشنبہ، ناگاہ بے آں کہ مرا آگہی دادہ باشند، ہنگامے کہ من بہ خانہ، نہ بودم، جناب ممدوح در رسیدند۔ چوں باز آمدم و شنیدم، آب گردیدم، و براہِ تلافی، قطرہ زدم، و بخدمت شان رسیدم۔ نواب علی اکبر خان بہادر، بہ ہوگلی، تشریف دارند، وعدہ بود کہ ترا خواہم........ یاد نہ کردہ اند، گزارش(۶) حسب قبلہ

۱۔نثر ۱۷۱۔ ۲۔نثر ۱۷۱۔ ۳۔ مع گرشت ۴۔ مع سہ شنبہ ۵۔مع گرشتہ ۶۔ مع گرارش

گاہی، وابستہ بہ زبان حضوراست۔ غالبؔ کہ پس از فراغِ اُمور شادی .... مولوی ولایت حسن صاحب مکرر، بہ دورہ، رفتہ اند۔ صحبتے دست دادہ بود، در نورد گفتگوسی فرمودند، کہ...... وبرخویش، سنت نہادہ شد۔

پیش ازیں، معروض رائے سلارس(۱)، گشنہ، کہ راجۂ بنارس جناب ممدوح حتے سحر، بہ مذاق اہل وجدت وجود..... از ... .ملازمت نواب گورنر جنرل بہادر، استدعا کرد، پر رفتہ شد، و بار عام، قرار یافت...... درمیان، نماند، کس خبر نیافت، یعنی بروز آدینہ، سیزدہم(۲) فروری، چون وقت برخاستن عمدۂ صاحب...... سکریتر کہ من از بندگان اُویم، بہ نائب میر مُنشی، کہ در غیبت میر منشی، کاروائی، می کند ...... اہل بار، صلا باید زد، کہ روز دو شنبہ کہ روز بار است، بہ وقت معین، خود را، بردربارگاہ، رسانند۔ در آن میان شنبہ، کتابتے مُشعر این ماجرا، بہ من فرستاد۔ فردائے آن شب کہ شنبہ بود، خودرا، بہ ملازمت صاحب، رساندم، و تمنائے ملازمت کردم۔ از غایت تفقد، پررفت و عنایتے، بہ سزا فرمودہ، نام مرا در صف اصحاب الیمین، ......ہم بر کرسی اعتبار، نشاندند و از حُسن اتفاقات، آن کہ نمبر ۱، از راجہ بھوپ سنگھ جانشین راجہ کلیان سنگھ عظیم آبادی (نمبر۲) از پدر اوست، ونمبر۳ از سفیر شاہ دہلی، و چہارم از سفیر شاہ اودھ، و پنجم از وکیل ہمایون جاہ نواب مُرشد آباد، و ششم از وکیل جودھ پور، و ہفتم از وکیل جیپور، وہشتم از وکیل راجہ نیپال است، و نہم از قبلہ و کعبۂ من، جناب اکبر علی خان بہادر، دام اقبالہ، و دہم از بندہ قرار یافت۔ شرح این مسرت کہ مرا در انجمن بار بہ پہلوئے کسے جا دادہ اند، کہ وے را، از مجموعۂ اعیان بنگالہ، برگزیدہ ام، تا کجا بہ تحریر آید۔ لیکن آوخ کہ نواب از ہوگلی نیامد، و معذرتے گفتہ فرستاد۔ مختصر مقصد۔ چون عنایت منعم دربارۂ خود، بیش از بیش دیدم، خلعت آرزو کردم۔ حتے سخود فرو رفت، و سر برداشت، و بہ زبان دلفریب گفت۔ اے فلانے این وقت، گنجائش آن نہ داشت، نام کسے، در جریدۂ اہل در، افزودہ شود۔ دل ترا، خستہ ایم، و خاطر ترا، رعایت کردہ و این ہم، نہ می گویم کہ خلعت نہ می توانم دہانند۔ اما درین وقت، کفیل گران مایگئ خلعت، نہ توان شد۔ و خود بنگر کہ عمّ تو کہ از متوسلان و سرداران سرکار بود، گاہے، در این سررشتہ خلعت، نیافتہ ۔ و بعد تقرر جاگیر، بہ دہ ماہ در

۱۔ مخ: ملادمان ۲۔ مخ: چہاردہم

گزشته(۱)۔ اکنون حال ترا، به شرح و بسط، به کونسل، عرضه داشتن، و خنعتے، در خور نام سر[illegible] گرفتن صورت [illegible] می بندد۔ حال آن که نو امرے شگرف به [illegible] شکیبا شو۔ تا وقت رخصت فراز رسد، آن زبان، خلعت گران مایهٔ باضمیمهٔ خطاب بهادری، که تمنا کردهٔ برای تو از پیشگاهِ جناب لارد صاحب، گرفته خواهد شد۔ چون سخن چنین با مزه بود، خموشی گزیدم۔

بالجمله بروزِ دو شنبه به بار گاه، رسیدم۔ چون لمبر نهم که از علی اکبر خان است' خالی بود ..... ہمچنان، واگزاشته۔ بر کُرسیٔ دہم، نشستم۔ چون نواب گورنر (جنرل) بهادر در رسیدند، و ابن...... به سن رسیده، دو اشرفی نذر پیش بُردم، علی الرسم، معاف کرده، توقف نمودند، و نیز مندی ہای مرا...... پرورش و عنایت داده، و عطر و پان، بدست خود، عنایت فرمودند۔ اما امرے دیگر، مرا به ظهور....... دہلی و سفیر شاه اوده، وکیل نواب مُرشد آباد، چون شوق موکلان خود بیان کردند...... اضلاع، می رسم، و ہمد گر را می بینم۔ و پیش ازین، زبان زد عوام، بود که درماه اگست، نواب گورنر (جنرل) مع کونسل ہا...... و مجموع افراد عملهٔ کونسل، به ہندوستان۔ خواہند رفت۔ اکنون ثابت شد، که آن عریمت مقرر است........ که کونسل، ہم عنان می رود، یاہم درین جامی باشد، در شقّ نخستین، مرا ز افتان و خیزان، به سر باید دو یدر و در [illegible] آئینه، ہمین حا، خواہم بود۔ رقعه جناب مولوی فضل حق صاحب که در خط خانگی، از دہلی رسیده است..........: عرض داشت می رسد۔ خبر از کیفیتِ ماجرا، خواہد داد۔ زیده حدّ ادب۔ معروضه ہفدہم فروری، مطابق دواز دہم(۳)شعبان روز سه شنبه۔

خط ۔ ۲۶

۱۸

حضرت قبله گاہی، ولی نعمی، مدظله العالی!

بعد کورنش معروض است که عبودیت نامجات، پیهم رسیده، آئینه دار وقائع [illegible]

[illegible] ہی ہنئے صاحب سکرنر، و [illegible] نواب گورنر [illegible]

۱۔ مخ گزشته ۲۔ مخ گذاشته ۳۔ مخ سردہم

اظہار، آمد۔ تازہ این است که دیروز، که سیوم رمضان و روز دو شنبه بود خطے، از زاویہ نشینان وطن، رسید۔ می نوشتند که بتاریخ پنجم شعبان «مقدمہ» شما، داخل کواغذ مسل(۱) گردید۔ ہر چند، این مفہوم را، نیك نہ فہمیدہ ام۔ اما برگزشتن عرضداشت صلاے می زند۔ غالب که درین ہفتہ، ، مکتوبے از جانب کار فرما، یا کتابتے از صرفِ وکیل، در رسد، و از ہرچہ ہست، بیاگاہاند۔

دیگر این که، نواب صاحب قبلہ و کعبہ سید علی اکبر خان بہادر، از کاروبارِ شادی، فراغ یافتند۔ چون روز بار لارد صاحب نیز مدند، و خانے شان در پہلوی خویش خالی یافتم' عریضۂ به ہو گلی، فرستادم، وجویای حال سوابغ گشتم۔ ہم از تحریر ممدوحی، پدید آمد که بیمار اند، و طبع ناساز دارند۔ به عیادت رفتم، و پنج روز و شب، در ہو گلی، بسر بُردم۔ چنانکه دیروز، برگر دیدہ، به زاویۂ ناکامیِ خویشتن، رسیدم، و آدمے که در غیبت، پاسبان کاشانه بود، مکتوب دہلی، به من داد۔ ماکتبش ہمان که درصدر، رقم شد۔ و نواب صاحب را، عارضۂ ریگ گردہ، بہم رسیدہ بود۔ اتا زود، فرصت یافتند۔ ظاہرا ...... اندك بود، که .... دفع گردید۔ ایدون از حوش نشینان چار بالش صحت و عافیت اند۔ خاطر اقدس، قرین جمعیت باد....... سربسر گزار دہ شد۔

درمقدمۂ بہگوان داس، گفتند که ماپیش ازین، درباقمه ایم که رر، ہمان قدر. . (بہگوا) نداس، رسانید، و موسوی صاحب، یعنی، آن قبلہ سہو، در تحریر فرمودہ بودند۔ اتفاد زبان بیع کتب.... . . رنگیے از معاملہ داشت۔ فراغ خود و ملازمان خاب اندران دیدہ، که زحمت تحریر، برانس ممدوحی. . . . . . روا داشتم چنانکه رقعۂ مرقوم، به دستخط خود شان، درنورد عرضداشت، به نظر، خواہد گزشت(۲)۔

پارۂ از اوہام مستقبله، آن که خبر است که در فصل برشگال، که آب دریا، به روانی زند، نواب گورنر (جنرل)، با مجموع افراد کونسل و اشخاص عمده، به ہندوستان گرایند، و تاسه سال سمیع میرٹھ که در جوار دہلی است، دارالسلطنت، قرار باید۔ درین صورت، وابستگان کونسل، جوابی، کلا جوابی ایل داد، ہمه ہم سفر و ہمپئے این دفعه، خواہند بود۔ مرا که تاب اقامت نیست، سروبرگ سفر، کجا۔ کاش مقدمه را صورتے پدید آمده بودے تا برسبیل قرض، از سرکار احسنی خواستمے، با خود ان بودے که حضرت قبله گاہی، درپیچتاب اجاره، فرونه مانده بودندے، تاکار من رونق و بہا، گرفتے، و درین باب سگالشی نه رفتے۔ اکنون که، نه ان است و نه این، مین جگر به دامن است، وحی در آستین۔ کاش نواب ذوالفقار بہادر، توفیق آن یابد، که ہزار روپیه دیگر از ایس کرس بدہانند، به خاطر، می رسد که عرضداشتے، حاوی این استدعا، خدمت

[illegible]

نواب، رقم کنم، و آن را، درلف عریضه، به خدمت جناب بفرستم، و جناب قبله، آن را دیده، مرزا اوزبك حان، برادر کوچك سرزا سغل بیگ را که ہمچناں برادر، وقوت....... نزد خود، طلبیده، سث سهمانند، و برسرآں، آرند، که دُرستی ایں مقدمه به عمل آورد- قبله گہ، ابں پیش ار سرگ واوبلا، برائے آں است، که در آں رستخبر، ببش ار چهارماه، فرصت نه مانده، و گروہے که، حاجت منڈِ آنا نم، سخت بی پرواء افتاده اند-

دیگر از اندوہِ تہی دستی، حال آن که رمضان رسیده، و توشه سپری گردیده- اگر ملازمت(۱) لارد صاحب، درشعبان واقع نه می شد، رمضان حوش می گزشت(۲) اما، وحه ننعُم رمضان،به یغمائے انعام عمله، و خدمۂ سکریٹری و گورنر (حنرل) رفت- ہرچند، به فراح دستی، وکشاده دلی، نه بود، لیکن قلّت مایه، باآں ہنر مغبون ساخت- بالجمله، نحست سیۂ باید، که مصرفِ ایں چهار، پنج مابه اقاست گردد، و ایں را ہماں قدر که پیشتر عنایت شده است، کفایت خواہد کرد- امید که آں فرستاده آید- و دربابِ اُحروی، تاملّی، به سزاء فرموده شود- زیاده، حز تسلیم، چه عرضه دارد- روسیاه اسد الله، معروضه چهارم رمضان روز سه شنبه-

خط - ۲۷

۱۹

حضرت قبله گاہی، ولی نعمی،مدظله العالی!

چون سرا، سودائے آن در سراست که در غیبت از حاضران به شمار آیم- ہر آئینه.......یك پرده نازك تر از گفتن ساخته ام، وہرچه از ہر عالم روی دہد، به عرض می رسانم- عایت ایں که.......می زنم، چنانکه آں بزم بر آراستن نواب گورنر (حنرل) و به ملازمت(۳) رسیدں بنده، از حاکسار نوازیہا، مُنشی عاشق علی خان بہادر، پس از آں به ہو گلی رفتں، و نامه در حواب پیام سالارمار(۴) جناب نواب...... رسیدن توشه، وناامیدی ار ہر گوشه، حبر نہضت رایتِ عزم اعیان کونسل، به جانب ہندوستان، و .... ار قحطِ ساز و سامان، باضمیمۂ تدبیرے که به حکم طمع حام، در صمیر گزشت(۵)، در عرضداشته ہائے ستواتر، رقم زده ام- اُمید که ہر یك.........از ہر سو رسیده، زنگ زدائے مرأت آگہی گردیده باشد-

---

۱- مخ: ملاذمت ۲- مخ: گذشت ۳- مخ: ملاذمت ۴- مخ: ملاذمان ۵- مخ: گذشت

امروز کہ روز پنجشنبہ، سیزدہم رمضان است، ہم ایدون کہ......مکتوبی از جانبِ پاشکستگان وطن رسید، اگرچہ نویسانندگان آن ورق را، مداو آ گہی خامہ، و نویسندہ را، طرز .... مدّعا ناتمام است۔ اما این قدر دانستہ می شود، کہ مقدمہ دران داوری گاہ، روبکار گشت۔ و فرماندہ، کار پردازان خود را بحدست مامورساحت۔ یقین است کہ دراند رور (کذا) کتابتے، از وکیل یا منشورے از کرفرس در رسد، و آئینہ وار سراپائے مدّعا گردد۔ اما ... . حضرت قبلہ گہی را دریں مقدمہ بیش از خویش بلکہ بیش از بیش، متوجہ شناختہ ام، ان رقم ناتمام را نیز فرافرستادم۔

سخفی نہ ماناد کہ رزیڈنٹ(۱) دوم شعبان بہ دہلی رسیدہ است، و پنجم شعبان، دادنامۂ من بہ دادگاہ گرشتہ(۲)، و صحیفۂ کہ اینک می رسد، مرقومۂ بست و نہم شعبان است۔ مصلحت آن می بینم کہ جناب، دوستانہ و مشتاقانہ، مکتوبے بہ منشی محمد حسن صاحب بفرستند، و از حال مقدمہ استخبارے فرمایند۔ چہ کارفرمائے من بحتے کاہل قلم افتادہ است، و خط دیرمی نویسد۔ من و ایمن من کہ ایں ہم، از آثارِ غرور یکدی ہائے اُو است۔ ورنہ نقد ولائے اورا، برہب بہ عیار امتحان رسیدہ ام۔ بجملہ شادم کہ مقدمہ را بدایتی پدید آمدہ، وسلسلۂ آغاز بہ جُنبیدن رسیدہ۔

دیگر بہ ہر رنگ عافیت بپا است۔ دوش غزلی فکر کردہ ام، چون مطلعِ آن صحتے داشت؛ طرازِ خاتمۂ عبودیت نامہ گردیدہ۔

لذّت عِشقم ز فیضِ بے نوائی حاصل است
آن چنان تنگ است دستِ من کہ پنداری دل است

راقم اسد اللہ معروضہ ۱۳/ رمضان روز پنجشنبہ۔

خط عمّۂ من کہ از دہلی رسیدہ و در نورد عریضہ می رسد، پس از خواندن چاک خواہند زد و بہ آب و آتش خواہند سپرد۔

۱۔ مخ:رسیدنت ۔ مخ: گذشتہ

خط ـ ۲۸

۲۰

حضرت ولی نعمی مدظله العالی!

بعدِ تسلیم و کورنش عرضه می دارد، قطعه ہنڈوی چون بعد تفتیش شاه جوگ برآمد، به مخدومی مولوی ولایت صاحب سپرده دو صد روپیه به توسّط سلارمان(۱) حضرت شان پس از مجرا دادن وجه متی چهل روز (به معر) ض وصول در آورده شد۔ خاطرِ عاطرہر آئینه قرین جمعیت باد۔ شقّه کشائے رایت عزم اہالی کونسل...... روز شنبه بست و ہفتم شوّال پگاه، مخدومی جناب منشی عاشق علی خان بہادر، به کدورت کدهٔ راقم رسیدند.......نامهٔ سلام به نام خویشتن دیدند۔ آوخ که جنابِ ممدوح، دامن برشغل سفارت افشاندند و استعفا ....قبول افتاده۔ باشد که از دو ہفته به بارگاه نه می خرامند۔ ہمانا به طورِ خود درین تر دماغ اقامت اند....... و اوراق سفارت را شیرازه فرو ریخت۔ در نوردِ گفتگو می فرمودند که منشی محمد حسن به سرکار....... بہار خویش نادیده به دہلی رسیده اند، وبه خدمت مرجوعهٔ خویشتن مامور،اطلاعاً به عرض رسایند...... که یکشنبه بست و ہشتم شوّال بود مکتوب وکیل از دہلی رسید۔ نوارش نامه مہری جناب رسیدنڈ.......نامه احقر دروے پیچیده، و ہزار گونه تمنا در نوردِ لفظ و معنیش سرروئے ہم چیده۔ ار آنجا که فرستادن اصل حلاف قاعدهٔ کار آگہی است که مبادا کدام وقت حاجت به وجود آن صحیفه اُفتد، عبارتِ آن را ہو به ہو درین جریده نقل می کند و ہوہذا۔

خانصاحب مہربان سلامت!

بعدِ شوق ملاقات واضح باد که خط آن مہربان در خصوص اظہار مطالبت بادیگر کاغذات مصحوب پنڈت ہیرا لعل وصول نموده مندرجه چہرهٔ ایضاح کشود۔ مہربانا! درین مقدمه به حضور اہالیان صدر حُسن ترقیم یافت، بعدِ ورودِ جوابش، به آن مہربان سمتِ تسطیر خواہد یافت مرقوم ہفدہم اپریل ۔

بالجمله نیمهٔ آن روز و سراسر شب به خرسندی سرآورده، روز دو شنبه که روز بار و کلاست و ہمچو ما پراگندگان را کمتر دران رور قرب ملازمت(۲) دست بہم می دہد، بادل پرآرزو به دفتر خانه رسیدم۔ پس از برہم خوردن بزم اہل بار چون خداوند بارگاه به نشیمن خاص

۱۔ مح ملادمن ۲۔ مح نگدرو

رفت، طالب بار شدم و به خدمت پیوستم۔ نامۂ جناب رسیدنٹ به نظر در آوردم، دیدند و پیش از آن که من پُرسم' فرمودند که آری کولبرک صاحب، در مقدمۂ شمااطّلاعی به صدر کرده بود، و ارس حے حواب با صواب یافته۔ به خاطر نه گررد که لفظِ با صواب از عالم سیرابیٔ تحریر است، بلکه خود نرا دیدۂ زبن گُهر فشانِ داور بوده است۔ دیگر می فرمودند که صاحب رزیڈنٹ، نگاه عنایتے به سوئے شما دارد، و قریب آن است که تحقیقت و تشخیصات دعاویٔ شمابه عمل آورده به صدر رپورٹ کند۔ بالجمله سخن برین ختم شد۔ سلام کردم وبه خانه باز آمدم۔ دی روز که سه شنبه سی أم شوال بود از سحر تا نیمه روز جواب خطِ وکیل و مکتوبِ فرو ماندگان وطن و پاسخ تفقد نامۂ حاکم، کتابتی در ادائے ...... بخدمت مُنشی صاحب رسیدنت تحریر کرده آخر روز به سر رشته ڈاك فرستادم۔ چون دست ار کار رفته بود............ چون کشته عرضداشت به حضور حضرت قبله گاہی نه توانم نوشت۔ امرور که چهار شنبه غرّہ' (دی قعده) ..... به عنوان اظهار، رقم کرده فرستاده آمد۔ زیاده جزتسلیم چه عرضه دارد۔ به خدمت عزیزان... ماوجبات رسیده باد۔

خط ۔ ۲۹

۲۱

حضرت ولی نعمی مدظله العالی!

جبینے به خیالِ آن آستان سجده ریز و نفسے به ہوائے آن قبلۂ راستان شعله خیز....... عرضه می دارد که عبودیت نامه که در جواب والا نامه، به روز غرّۂ ذی الحجه ارسال یافته، چنانکه امرور که ہشتم ماه است، ہفتۂ برآن .... کعبۂ مقصود گزشت(۱)۔ دی روز مولوی صاحب جلیل المناقب مولوی ولایت حسن به اقامت کدۂ خاکسار پرتو...... افگنده درو دیوارِ غمخانه را مطلع انوار سعادت ساختند۔ به خدا که ملاقات این بزرگوار صورت و معنی را غنیمت دانستم و سپاس نوازش ہائے جناب بجا آوردم بیش از آن که توانستم۔ ہنوز حالے دیگر که تره در خور تحریر باشد دست بهم نداده۔ اما شگرف حیرتے که جلوه بر بینش فروخته است، این است که شقۂ حضور لامع النور نواب معلّی القاب ذوالفقار بهادر دام شوکته' محتوی برپاسخ قطعۂ عرضداشت، ناگاه چوں دولتِ غیر مترقبه، در رسیده است، و خاکسار یهائے مرا آبروئے دیگر بخشیده۔ به ہر حال مکتوب مرسله غرّه ذی الحجه آئینه دار نقوش مدعا خواہد شدو آنچه از حکم صاحبان کونسل و مایتعلق بہا، رو خواہد داد در عریضۂ مستقبل به عرض خواہد رسید۔

۱۔ مع گذشت

خط - ۳۰

۲۲

حضرت قبله گاہی، ولی نعمی مدظله العالی!

پس از گردِ سر گردیدن چشم از خجلت به پشت پاسی دوزد و ناله از بیم زیر لب سی درود- چه مایه بے کسم که مرا در عرضِ مراسم پورش، حود شفیع حویشتن باید بود- حدارا برتیغ کسی ہائے عالب رہبر ابه نوش رحمے به حق حدائے که نرو نیاز آفریدۂ اوست، که نادیده به سوادِ والا نامه آشنا گشته،القاب قبله سهحوران سلامت، نشترے به معز حان فرو بُرده، که مدت العمر ہر گاه یاد خواہد آمد، دل از سهم صلائے ہجر، چوں برگ بید خواہد لرزید- عرضداشتے که در نوردِ نامهٔ احوی مکرمی مولوی ولایت حسن صاحب به نظر خواہد گزشت(۱) پرده کشائے سور سینهٔ من حواہد گشت- اگر به فرزندی بر نه سی دارند، علامے حریده انگارند- و حوابی نه حوابی به تلافی "قبلهٔ سهحوران سلامت" القابے، که دست آوبر نازش اس ننگ آفرینش تواندبود، رقم فرمایند- ع

گر تو مرا نه خواہی من خویش را به سوزم
جائے که آب نه بود روزے که باد باشد

ہم در آن عریضه سجمیے از حال .... رده ام، در عرض این مدّت لختے به نیروئے درو پارۂ به سعی نصر، نقل رپورٹ فرمان دہ دہلی باضمیمۂ حکم .... به کف آورده ام و در نورد این عرضداشت به والا حدمت سی فرستم- چون از رقم ہائے صحیفه....... مرادف به آب شستن یا به آتش افگندن شاد- مکتوب وکیل ہنوز از دہلی نه رسیده که خبرے تازه.. ...... اما مضمون صحیفه، راز نشان سی دہد که درنگ درود مکتوب وکیل، مشعر است نه سدر- ہفتهٔ گزشت که از...... وہمدوی از اکبر آباد رسید- چوں وا رسیدم، چهار صدو ہفتاد و پنچ روپیه بود، زر به معرض وصول آمد و پ سبح به اکبر آبادفرستادم- ہنوز از عطائے ملازمان حضرت قبله گاہی سر پارۂ باقی است و کامیابی خود را پیش از خراشش کاروان کونسل اُمید وار...... بندگان خداوند نعمت، از جانب من خاطر قرین جمعیت دارند که حالت اضطرار آن قدر نیست که خوابی ...

۱- سج گدشت

ابرام...... کنم و دست به گدیه پیش اہابی برم نواب قرار نمایم۔ اُمید که دیگر بدان جمعه دریں باب سخن نه رانند۔ امّا محرم پرده این راز نکودانند۔

منشی عاشق علی خان بتاریخ یکم ذی الحجه از کلکته براه دریا رفتند، و جہت سفر بر من مجہول است۔ حکیم ظفر علی خان نامے، از اشرافِ فیض آباد، بحثیٔ شاں به عہدۂ صدرت از لکھنؤ رسیده است۔ مولوی عبدالکریم که به رخصتِ ہشت ماه به لکھنؤ رفته بودند، برگشته اندوتا عظیم آباد رسیده۔ غالب که پایان این ماه به کلکته رسد۔ منشی محمد حسن به دہلی رسیده به کار خویشتن پاسر خ و به عہدۂ خویش قیم اند۔ نواب علی اکبر خان بہادر، فارغ از کشاکش حکام که ربں پیش بود۔ مسند آرای تا ...... در ہوگلی بدر اند و اعلب و اکثر به ارسال انبه، نویدِ پرورش می رسانند۔ زیاده حد ادب ۔ عرضداشت اسد الله۔

خط ۔ ۳۱

۲۳

قبله خوانم یا پیمبر یا خدا یا کعبه ات
اصطلاحِ شوق بسیار ست و من دیوانه ام

حضرت قبله گاہی ولی نعمی مد ظله العالی!

...... جلوۂ خورشید بر ذرّه فرض آمد و رعایتِ آدابِ مُحیط بر قطره واجب۔ ذرّه چون خودرا به نورِ خورشید موجود...... آئینه داری حیرت کرده و گوئے سپاس گزاری(۱) از میدان بُرد، قطره چون سطوتِ محیط وا رسید، از سراسیمگی خود را گم کرد و دماغ........ رسانید۔ من نیز چون آشنئے مذاق شیوۂ اہلِ فنایم درعرض مراتب عبودیت کم خویش گرفتم ...... مُدعا رفتم۔ ربوبیت رقم نامه رسید، و آب رفته به جوئے و رنگ پریده، به روئے، بر آورده۔ می خواستم درب ...... و وکیل به زبان ہائے خویش گردیدن، اما ادب عنان تقاضا گرفت و تسلیم از فضولی بزداشت...... از غزلہائے خویشتن به آئینه داری تمنا ی شوق نظر، می گررانم(۲) و در می گررم

خرسندیٔ غالبؔ نه بود این ہمه گفتن
یکبار بفرمائے که اے ہیچ کس ما

۱۔ مخ: گذاری ۲۔ مخ: گررانم

نامۂ موسومه اخوی مکرمی مخدومی حضرت مولوی ولایت حسن به خدمت رفعت درجات مکتوب الیه .... رسا نیده شد۔ اما مکتوب موسومه ملازمان(۱) نواب صاحب قبله همچنان نزد من است۔ چه دو روز پیش از ورود همایون نامه .... از هو گلی به سرفرازی راقم رسیده بود۔ رگِ هر سطرش ابریشم ساز این نوا که نواب صاحب قبله، بعد غرّه محرم الحرام به کلکته تشریف ورود خواهند بخشید۔ چون امروز نهم محرم است غالب که هم درین هفته مرا سعادتِ پا بوس جناب ممدوحی.......دهد، و گرامی صحیفه دست آویز بلندی اعتبارم گردد۔

حال دیاری که من از خاك نشینان اُویم، این است که آوارۂ خراسش کونسل به سوئے....... معموله محیط، اما اختلاف در مدت است نه درحرکت۔ مخدومی واجب التعظیم جناب مولوی عبدالکریم از سفر باز آمده اند وبه آرایش بساط دفتر خانه سرگرم و چون به لطف، خاکساری های من فرا رسیده و رونقے در طالع کارم به مستقبل دیده اند، دامن پرده کشائے مراسم رفق و آزرم۔ اخوی مخدومی مطاعی حضرت مولوی ولایت حسن روزے تقریباً می فرمودند که بعد از انقضائے عشرۂ محرم آهنگِ جاده پیمای دوره دارم۔

ظاهرا شیوع فتنه قوانین جدیده هنوز فرصتے می خواهد۔ صدر نشینے که هنوز فرمان رواست، نه دانم که چه دردِ سر دارد و چهاسی کند۔ شنیده می شود که هم انجمنیان وی از گریز پهای وی ستوه اند و در مخالفتش بایك دیگر گروه۔ لطیفه ازین پرده سر زده است، چون بے مزه نیست رقم می گردد۔ گویند اهل سعایت با ارباب درایت به کونسل رسانیدند که فرمان دهان اطراف به طریق نذر درّه آورده وا ارمغان که از اقسام رشوت است، هزار ها و صد هزار ها از گوشه و کنارها می ستانند۔ فرمان شدوبه طرف داران هر مرزو بوم فرستاده آمد که رسم نذر و پیش کش باطل و ارمغان درّه آورده، گوهمه سبدے از فواکهه و طبقے از نبات باشد، موقوف و مردود۔ فکر سلیم در می یابد که بدین نهیب منع رشوت ستانی حکام نه تو ان کرد۔ این عربده را بیش از بازیچه نه توان دانست۔ همت بلندان این قوم و خود پسندان این گروه، که به حکم همت بلندی جز تواضع از خلق نه خواستندے، و به مقتضائے خود پسندی خودرا ممتاز شناختندے، از تلخئ این حکم رو درهم کشیده اند وبهم برآمده، وبه اعتقاد فقیر حق به جانب آنان است۔ چه این حکم چارۂ درد رعیت نه گردد و هیبتی به حال حکام رسانید۔

۱۔ مخ: ملاذمان

بالجمله چون قهرمان رفت، رسم نذر بر اُفتاد، چنان که درین بارگه رسم ان بود که مجموعه و کلاہمگیِ اہل بار، در سالے سه بار ، که عبارت از عیدین و روزِ بزرگ است، .... داد گرمستر اندرواسترلنگ بہادر نذر پیش می کشید ند، اگرچه پررفته نه می شد، اما نغزرسمی و نیکو.......به عمل نیامد۔ غالبؔ آشفته نوا، چون پرداز کار چنین دید، رباعی رقم زد و به نظر داور گزرانید(۱) .... شہد محبت پیچیده بود و ممدوح مذاق برین شیوه دارد۔ چه گویم که چہاریشۂ شگفتگی در نہادش ...... از جبین چون ماہش دمانید، لب به تبسم و نگه به سہر، و زبان به ستایش، اندود و گفت که زہے نذر مخلصان صادق....... نه منع می توان کردو نه معاف و ہو ہذا۔

سر تا سر دہر باغ وبستان تو باد
صد رنگِ گلِ (طرب به دامان تو باد)(۲)
عید است و بہار خوش دلی ہا دارد
جان من و صد چومن به قربان تو باد

حال تظلمّے که جان و دلم رہین...... تقاضائے اُوست، غالب که از فحوائے عرضداشتِ سرقوسۂ رور عید ضمیر مُنیر ہویدا شده باشد۔ حیرتم در آن است که....... سراسر سلایم طبع سایل است و مضمون .... و معہذا حالیا در عرض مراتبِ داد خواہی جز تشخیص استحقاق حواجه حاجی، و تحقیق مقدار باریافت متعلقان نصرالله بیگ حان عقدۂ دیگر در سر رشته کارنیست۔ چه پیش آمد که فرمان ده دہلی ہنوز بدین مقدمه نه پرداحته۔ محفی نه ماند که حکم..... نقل آن حرف به حرف به والا خدمت حضرت قبله گاہی فرستاده ام، در اواسط ماه اپریل به حانب دہلی بال نفاد کشوده۔ چنان که پندارم ، پایان اپریل به رسیڈنٹ دہلی رسیده باشد۔ تا ایں زمان که میانۂ جولائی(۳) ست ار آن ساز صدائے برنحاست .... اُنچه از تحریر وکیل پدید آمده است، تا ہفتم ذی الحجه که دہم جون بود، حاکم پرسش نه کرده و بس۔ نه دانم در عرض ایں ماه که....... ذی الحجه تا ہشتم محرم سپری شده باز پُرسی به میان آمده ، یا ہنوز داور به خواب و داد خواه در اضطراب است۔ اگرچه مرا ازیں تہی دستی ایمنی است و آب و ہوای این بُقعه باس سار گار تراز آب وہوائے وطن است، امّا مذاق رپورٹ فرمان ده دہلی و عیار حکم صدر

۱۔مخ: گذرانید ۱۔ نظم: ۱۱۹ ۲۔ مخ: جلائی

مقتضیٔ درنگ نیست۔

اُمید کہ حضرت قبلہ گہی مکتوبے بہ جناب مُنشی محمد حسن رقم فرمایند و خبر بر خوہند کہ آیا بہ وصف آن کہ صاحب رسیڈنٹ بہادر، درمکتوب خویش اسد اللہ اُمید وار حکم صدر ساختہ و حکم صدر .... من کل الوجوہ مطابق تمنائے سابق صادر شدہ، و آن را سہ ماہ گرشتہ، درنگ از چہ راہ اَست، و تانّی از چہ روست۔ قبلہ گاہا۔ مدّعائے فدوی از این استحضار آن است کہ اگر دانم کہ وکیل من لا ابالی ست، بہ کار فرمای وے، کہ مرا چون من و کار مرا...... از من است، آگہی دہم تا وکیل را بہ جنبش ابروئے و گردش چشمے، بر انگیز اند۔ و اگر فی الواقع حاکم محاسبی کند، شکوہ پیش او بُردہ...... از صدر تمنا کنم۔ زیرا کہ سہ ماہ مدت معتاد بر انتظار است، منقضی شد۔ اُمید کہ روز ورود این عرضداشت .... فرستادہ آید۔ پایان صحیفہ سطرے کہ اشعار تفقد سلارمان(۱) جناب نواب مستغنی عن الالقاب داشت....... بہ زبان شن بہ حالم پر داختہ، و شقّہ مُشعرِ رسیدن عرائض من، بہ عبارتے کہ در عُرف اہل تحریر آن را شوقیہ....... فرستادہ اند، چون طراز مطلبے بہ دامن نہ داشت، وارسیدہ ام کہ جواب است۔ انتہ بس و ماسویٰ ہوس۔

تاریخ بنائے امام بارہ کہ در جوار مزار کثیر الانوار جناب مستطاب حضرت اقضی القضات علیہ الرحمت و الغفران ....یافتہ

چون شد بہ صحن مدفن خان بزرگوار
طرح امام بارۂ عالی سپہر سا
رضوان زخلد نور برآن بام (ودر)(۲) فشاند
تا گشت خشت و سنگ چو آئینہ رونما
رحمت پیٔ بساط در آن بزم تعزیت
آورد اطلس سیہ از سایۂ ہما
رفتم نیاز مند بہ پیش سروش فیض
گفتم کہ پردہ از رُخ تاریخ بر کشا
درِ تعزیت سرائے بزد نالہ و بگفت
این است ساز نغمۂ تاریخ این بنا

۱۔ مخ: ملاذمان ۲۔ نظم: ۲۷۵

چون عدد لفظ "تعزیت سرائے" بفزایند ۱۲۴۴ می شود۔
قطعۂ تاریخ مسجدے کہ ہم در صحن آن امام باڑہ است۔

صحن امام باڑہ و مسجد ہر آن کہ دید
در کربلا زیارت بیت الحرام کرد
مفتیٔ عقل از پیٔ تاریخ آن بنا
ایما بہ سوئے من زرہ احترام کرد
گفتم بوے بدیہہ خوشا خانۂ خدا
شد خشمگمین دمے کہ نظر در کلام کرد
خاشاك رفت و پائے ادب در شکنجہ ریخت
ایہام را بہ تخربہ معنی تمام کرد

ہر گاہ از اعداد لفظ خوشاخانۂ خدا، عدد لفظ "خاشاك" کم کنند ۱۲۴۶ می ماند وچون دو عددِ بائے "ادب" کہ ریختن پائے ادب اودۂ آن می کند و ہوا المطلوب بہ عزیزان، ماو جب رسیدہ باد۔ معروضہ نہم محرم، روز شنبہ۔

خط ـ ۳۲

۲۴

قبلہ گاہا!

بسا فتنہ کہ سر از کمین برزدو بسا عقدہ کہ در کار اُفتاد، باخردِ روشن (عرفت ربّی) بفسخ العزایم وا رسید۔ اما من دانم و دل کہ چہ قدر ہا سپاس گزار(۱) بازی بخت .... می آید، مکروہ طبع ہوس پیشہ این است، دریا بہ وجود خویش موجی دارد، خس پندارد کہ ...... این واقعہ تفصیل می خواہد و راقم در آن نیز شیوۂ ایجاز مرعی خواہد داشت (نامہ اے از)دہلی بہ نام، ہیچ میرز رسید، و داور آن فرمود کہ من بہ جنب قبلہ گاہی اشعار آن کردم۔ و پس از آن نقل نہ طریق آخر بہ کف افتاد۔ در انتظار آن بودم کہ اینك رپورٹ ثانوی از دہلی می رسد و حقا کہ انتظار .... اما خلاف مقصود، روے دادو رپورٹ تا امروز نہ رسید، و از تحریر اعیان وطن معلوم شد کہ...... کہ

۱۔ مغ: گذار

تاہفتم ذی الحجه مطابق بود، بازپُرسی به میان نیامده ، حال برمن بدگر دید، تارفته رفته پد ید آمد که نه حاکم...... ورزیده است' ونه وکیل داد خواه کوته نفسی کرده نه حکم سرکار مقتضی درنگ بود بلکه چشم زخمے، به حال ...... رسیده- خصمانش بروے تهمتے چند بسته اندو وے بالفعل به اُمور مرجوعه نه می پردازد- و تارسان تکمیل مراتب تحقیق ہم چنین حواہد بود که اگر پاك و بے گناه برآمد اعادهٔ جاه و دست گاہش روے حواہد داد ورنه دیگرے بحایش حواہد رسید وتا امروز کاریك رو نه گشته است-

یکم اگست حال روز شنبه جناب لارڈ صاحب، بار عام دادند و صحرائیان را، صلا ردند، ہمگنان رفتند و من ہم رفتم و به نمبر دہم بعد نواب علی اکبر خان بہادر به دستور حنایتم-این ملازمت وداعی بود یعنی مقرر آن خبر جنبش نواب معلی القاب سوئے ہندوستان منع شد- درماهِ ستمبر که بعد ازین ماه به ہفده ہژده روز می آید، دفتر خانه به راه دریا روان خواہد شد و آخر اکتوبر جناب لارڈ صاحب یا به ڈاك یا به جہاز دُخانی نہضت حواہند فرمود- مخفی نه ماند که جہاز دُخانی از مخترعات این فرقه است، و تیز می رود چنان که بارہا جہاز ہائے دخانی از کلکته تا اله آباد به دو ہفته رسیده اند- بالجمله چون کار بدین جا رسید اندیشیدم که درین دو سه ماه مدت، رسیدن رپورٹ از دہلی طمع نه توان کرد- مرا نه باید به کلکته آرمید، و بیدپس این قضیه روان گردید، معہذا رضائے داور...... بود به ہر رنگ از داور وداع گردیدم، و کشتی ہم رسانیده، وتاساحل بانده قرارش دادم- خواسته ام ...... برسم و از آن جا دہلی به خشکی قدم زنم- عبارت مختصرفردا که روز شنبه چہار دہم صفر و پانزدهم اگست ...... خواہم گزید، و روان حواہم شد- غایت این که اگر مانعی روئے داد، یکشنبه یا دو شنبه نیز روز رحیل......درنگ منظور نیست، چنین که امروز که آدینه است پارهٔ از متاع من به کشتی نیز رسیده است...... و ب

حضرت نواب علی اکبر خان بہادر، صحیفه به پاسخ والا نامه داده اند، اما عنوانش از حرف...... ہمانا چون دانستند که در نورد مکتوب دیگر خواہد رفت سادگیٔ عنوان مُخل مطلب نه شناختند...... باقی است- در عرصهٔ دو ماه به باندا می رسم و جان به خاكِ پائے قبله گاہی بر می افشانم، اگر عنایت نامه درین روز ہا (ترسیل یافته) است، یا قبل از ورود این عریضه روان حواہد شد' لامحالا موافق قاعدهٔ ڈاك باز به خدمت خواہد رسید ....(ورود) این عرضداشت خود ملازمان(۱) جناب از تحریر دست باز خواہند کشید- به عزیزان ماو حب رسیده باد-

---

۱- مخ: ملاذمان

نیز این کـه اگـر در غیبـت مـن مـکتوبـے از دہلی یا نامۂ از کلکته، خواہی موسومۂ من و حـواہی مـوسـومـه مـلازمان(۱) جناب عالی در رسد، بعد ملاحظه محفوظ و مضبوط ماند که ہمان قرار داد این بی قرار ہمین است۔ نهفته نماناد که مکتوبِ دہلی از جانب اخوی مکرمی مولوی مـحـمـد فضل حق خواہد بود، و مکتوب کلکته از جانب مخدومی مولوی سراج الدین احمد که برادر زادۂ مـولـوی عـبـدالـکریم اند۔ و در شمار اعیان و اشخاص دفتر حانه فارسی خود نیز شامل۔ اصل این که بدین بزرگ به گفتگو التماس کرده ام که اگر امری تازه روے دہد، نامه از طرف خود، خـواہی بـه نـام مـن و خـواہی به نام ملازمان مولوی صاحب قبله و کعبه مولوی محمد علی حان صـاحـب نـوشته به باندا باید فرستاد، وہم چنین به خدمت مولوی فضل حق نگرش یافته مقصود ایـن کـه چـون بـه بـانـدا رسـم، حال ہر دو گریوه، بے تعبِ انتظار، برمن پدید آید۔ به تقریب اطلاع عرض داشته آمد۔ اُمید که اگر مکتوب یکے از ہر دو بزرگوار بنام نامی در رسد جواب آن به کتب صرور بر نـگـارنـد کـه مـن ازیـن ہر دو کس یکی را به تقریر ویکی را به تحریر، آرزو مند معرفت و آگـہی دار مودت جناب قبله گاہی ساخته ام۔

خط ۔ ۳۳

۲۵

مربّیِ بیکسان سلامت!

بـعـد تـسـلـیم مـعـروض این که بہم نه رسیدن آدم از مقتضیات بیکسی ہائے غالبؔ ست۔ جـنـاب مـخـدومـی درین باب تردد نه فرمایند۔ بالجمله متاعے که دربار من است باشد که شائستۂ قبول دُزد نه بـاشد، بدین مایه با کشتی از ہمرہان خُرسند و از رہزنان ایمنم، تشویش از جانب بار بردار است و بس۔ چه نواب صاحب والا مناقب نیز در رحیل...... افتاده اند کو جہت مخالف بـاشـد، پیداست که درین موقعه استعانت و استعارت بار بردار ...... سـاختن است۔ مامول که به شـخـصـے از خـواجـه تاشان راقم یعنی به بندۂ از بندگان درِ دولت به کوتوالی چبوتره رفته به شحنۂ شہر که براقم نا آشنا است، از جانب جناب...... که اگر تا بنارس قرار یابد خوشتر، ورنه تا اله آباد فرسـان رسـانـد۔ چه با خود بسیچیده ام که اگر ہم ...... فـردا بـامـداد آہنگ راه نماید، که مشہور

۱۔ مخ: ملاذمان

ست کـه سفر بروز پنجشنبه میمنت دارد، ورنه فردا رختی از رختها .... بـه دولـتِ خانه فرستاده صبح آدینه به شرف پابوس رسیده ره گرا خواهم شد۔ مکاتبت ...... که امرور عنایت خواهد شد، التماس خصوصی است۔ نسخهٔ تاریخ بداؤنی و رسالهٔ تصوف می رسد۔ زیاده جز نیاز مند (ی)... ...محمد اسدُ الله۔

خط ـ ۳۴

۲۶

حضرت قبله گاہی مدظله العالی!

سکنوبے برائے روانگی کلکته می رسد۔ یکے از خواجه تشان من فرمان رود که این راکدهٔ ڈاک برساند، و محصول سربسر گزارده، رسید به ستاند۔ شبانه غالب که جذبهٔ شوق سرا به پی بوس خواهند رسانید۔ زیاده تسلیم، گوی اله آباد، چون طاقتِ من درین مرحله تمام شد۔

خط ـ ۳۵

۲۷

قبله گاہا، بیکسان پناہا!

صبح در ہنگامه و نیمروز به فرسودن خامه گزشت۔(۱) حیف، که دیده روشنس آن کف پا نه گشت۔ آخر روز نویدِ بساط بوس حضرت نواب است، و شمم ب خویش وعدهٔ آشنا سیدن وہن الجروع ب نمك اب۔ فردا ب مداد اگر زنده از رخت خواب بدر جَستم به پابوس خواهم رسید۔ مکتوبِ موعود می رسد، پروار ناز کش داده ام، چون آدم من حال شنس و قاعده دان ڈاک کده نیست، اُمید که نامه را سراپا نگرسته، آدمی به ہمپئی حامل آن صحیفه گمارند، تا خط به ڈاك رساند، و محصول سراسر به دہاند، ورسید چنان که رسم است، به ستاند۔ زیاده تسلیم۔ اسد الله۔

۱۔ مج: گذشت

خط ۔ ۳۶

۲۸

جوہر جانِ گرامی، خدائے خاك پائے حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی باد مدظلہ العالی!

یکم جمادی الثانی روز یك شنبہ، کودك بہ دلبستان و قیدی بہ زندان، و غالب مُستہام بہ وطن رسیدند۔ بداند کہ کوتہ قلمی از کم خدمتی است، بلکہ اندیشہ در کمین آن بود کہ بعد رفعِ کسل و دُرستی حواس، نقد حرف و رقم بہ پائے نگاہ ملازمان(۱) حضرت قبلہ گاہی فشاندہ شود۔

خدا یگانا، حال داد گاہ دہلی این است کہ آن جا روز مردم از چشم بے وقیان سیاہ تر۔ حاکم مغرور معتکفِ زاویۂ خمول، و فرمان دہِ جان لا اُبالی و مزاج نامضمئن۔ نہ اورا دست کشادہ(۲) و نہ این را استقلال تمام دادہ۔ آن بہ اعادۂ جاہ اُمیدوار، واین را از بیم سرعت زوال دولت حال پریشانی۔ ہرچہ ازین عالم است، خصمان را بہ گمان است وعدس را بہ زبان۔ ورنہ سر این رشتہ سرپیچ کس پدیدار نیست۔ بالجملہ...... کہ عقدۂ کار بہ دست کس نیست۔ آوازۂ آمد آمد داوران بالا نشین دلی می داد و پشتی گرم می کرد، اکنون شنند .... کہ پیش تران قافلہ را کہ تا بنارس رسیدہ بودند، فرمان رجعت رسید۔ ہمگنان برگشتند و بہ پابی تخت رفتند۔ و نہضت..... بہ سال دگر اُفتاد۔

من بندہ کہ درین جا رسیدم، ہرزہ ہر سو دویدم و فرمان دہان را دیدم، قصیدہ بہ خدمت مسٹر فرانسس (ہاکنس صاحب) گزشت، ومطبوع طبع نکتہ دانش گشت۔ انجمنیان با من حکایت کردند کہ این داور فریدون فر، تا امروز بہ ہیچ یك از اعیان دہلی، التفات و اختلاط نہ کردہ۔ آری خلاف واقع نیست۔چہ روز نخستین ملازمت(۳)، تا یك ساعت نجومی(۴) بہ خواندن قصیدہ، و پرسیدن اخبار کلکتہ و بار جستنِ وجہ تظلّم، منقضت ماند۔ مختصر مفید بہ زعم خویشتن سخن فہم است۔ چہ خوش بودے اگر لختے معاملہ فہم و ادا شناس نیز بودے۔ نہ دانم صاحب چہ در سر دارد۔ درماہ اپریل ۱۸۲۹ء رپورٹ مقدمۂ من از دہلی بہ صدر رسید، دہم در آن ماہ جوابش صادر گردید۔ اتفاق چنان اُفتاد کہ رسیدن حکم صدر، و ہنگامۂ معزولی حاکم و پرسشِ

۱۔ مخ: ملازمان ۲۔ مخ: کشادہ کشادہ ۳۔ مخ: ملازمان ۴۔ مخ: نجومی ہا

شیرازۂ اوراقِ دفتر، ہماں در یک جزوِ زمان واقع شد۔ رسیدگیٔ محبت سن در آن پراگندگی، خاص ہماں صفحہ را بی نام و نشان ساخت کہ طراز کامیابی غالب سیہ روز داشت۔ اہل دفتر، بہ فرمان داور، دفتر ہا جُستند و ورق ہا گردانید ند، و آن ورق دست بہم نہ داد۔ صاحب سکرتر رسیدنسی دہلی بہ من می گفت کہ حالیا درین مقدمہ بہ صدر نشتہ ایم، و مثنّٰی آن حکم از صدر طلبیدہ.......... تاوقت کار در رسد و گم گردیدہ فراز آید۔

این است خلاصۂ پراگندگی ہائے حال غالبؔ شوریدہ بخت کہ بہ دامان نامۂ ہذا از رگِ خامہ ریختہ آمد۔ نخستین برقے کہ بہ مجرّدِ ورود، بر نظارہ ریخت، مشاہدۂ روش ماند و بود برادر بود، سلمہ، اللّٰہ تعالیٰ، کہ از شدّتِ علالت تازہ بہ کالبد رسیدہ و ہر قطرۂ خون در تنش از جوش سودا، سویدا گردیدہ۔ حالے کہ بے دانشان اوراصحیح خیال کردہ بودند، حاشا کہ افاقت بودہ باشد۔ ہماناکہ رنگے از فنون جنون بود۔ عبارت مختصر پیش ازیں در صحیفۂ حقیر بہ تحریر یافت۔ اندیشہ می سنجید کہ اگر این حال زایل گردد و مرض بہ صحت مبدّل شود، چہ شگفت و ایدون کہ حال ظاہری مریض خبر می دہد، و فطرت شفائے بیمار را نہ می پزیرد، بہ عین الیقین دانستہ ام کہ مرزا یوسف تا خواہد زیست، بیمار خواہد بود و بس۔

دیگر دودی کہ از رہ گرر اندیشہ برخاست معاینۂ تب و تاب ہنگامۂ بی ربطیٔ حکم است، چنان کہ در صحیفہ معروض شد۔ وائے برمن کہ بخت، مرا بہ دیار ہای خوش آب و ہوای ایران نہ رسانید۔ ہی، آن آتشکدۂ ہائے یزد.....میخانہ ہائے شیراز۔ گرفتم کہ بدان بہارستان نہ رسیدم، جنت البلاد بنگالہ چہ کم بود کہ بایستی بدین خارزارم آمد..... درین غولستان آرمید۔ للہ دُرّ قائل

غالبؔ چوز(۱) دامگہ بدر جستم من
آخر زچہ بودہ این چنین برگشتن
باید کہ کنم ہزار نفرین بر خویش
امّا (بہ زبان) (۲) جادۂ را وطن

قبلہ گاہا، چون ہنوز از کثرتِ آشوبِ پریشانی، نگارش عریضہ، بخدمت نواب ہمایون القاب و دیگر احباب اتفاق نیفتادہ، اُمید کہ رسیدن ایں عریضۂ مجہول ماند، تابہ شکنجۂ شکایتم نہ کشند۔ زیادہ حد ادب، بہ عزیزان ما وحب رسیدہ باد۔ معروضہ پنزدہم جمادی الثانی ۱۲۴۵ ہجری۔

۱۔ مح: چون زین ۲۔ نظم: ۲۸۷

خط - ۳۷

۲۹

حضرت قبله گاہی ولی نعمی مدظله العالی!

چون مضامین ادائے آداب نیاز، و تقدیم مراسم تسلیم دست فرسودهٔ نامه نگران روز گار است، و شوقم بدین مایهٔ خدمت از خویش خُرسندی نه دارد، ہر آئینه گرد سرمی گردم، و جان به خاك آن کف پاسی فشانم۔ دیگر کارہا به دست آفرید گار سپہروانجم است، وسررشته اختیار در نوردِ عبودیت گم۔ بتاریخ چہارم جنوری روز دو شنبه، مکتوبِ فرمان ده دہلی به نام جاگیر دار فیروز پور بال روانی کشود۔ چون مکتوب الیه درین دیار بود، نامه بیگاه رسید۔ للّٰه الحمد که در پرس و جو کشاده شد۔ خلاصهٔ تحریر داور ہم بدان الفاظ نگارش می یابد، و ہو ہذا:

"چون برای تحقیقاتِ مقدمه دعوی محمد اسد الله خان حکم صدر، عالی قدر، اصدار یافته، نقل عرضی خان مرقوم ملفوف رقیمهٔ ہذا گشته حوالهٔ قلم محبت رقم می گردد که به فحوای مضمونش وا رسیده جواب شرح وار آن به زودی ارسال دارند فقط۔"

ہمانا که ہنوز اجزائے حکم صدر از رسیدندسی(۱) به عمل نیامده اما فرمان ده را درین عربده استواریٔ بنائے دُرستی کار کسے نیست و نه رعایتِ مدعا علیه' چه آن داور فریدون فرحیف و سل در نہاد نه دارد۔ و حُسن اتفاق این که از اہل دفتر ہم کسے روشناس من نیست۔ و ساحرائے برگردیدن دفتر خانه از بنارس و به سال دیگر اُفتادن قرعه عرم سہین داور، که روشناس این حقیر است، حاجت به اظہار چون منے نه دارد۔ بالجمله اکنون اندوه من از ره گرر نارسیدن منشور حضرت ولی نعمی از حد گزشته۔اُمید که درین دو سه روز، پروانهٔ بحالی از آن حضرت در رسد، و مرا از کشا کش(۲) باز رہاند۔

قصیده که در مدح خدام جناب ناظم الملك مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر بیست جنگ از رگ کلك فرد ریخته است، رقم می گردد ع

یافت آئینهٔ بخت توز دولت پرداز

جلوه ہا ساز کن ای دہلی و بر خویش بناز

۱۔ مع رسیدنی ۲۔ مع کشایش

گل بر افشان به گریبان چو حریفِ سرمست
جلوه گر شو به نظر ہمچو عروسِ طنّاز
وقت آن است کہ پائیز تو گردو نو روز
وقت آن است کز انجام تو بالد آغاز
جوش آہنگ ہزار است ترا (بانگ سرود)(۱)
موج نیرنگ بہار است (ترا رشتۂ ساز)(۲)
سیر گاہے ست در اطراف تو گوئی کشمیر
روستائے ست ز اقصائے تو گوئی شیراز
گرد سر گردہ است آن بقعہ کہ گردرہِ تست
خاطر آویز تر از طرّۂ مشکین ایاز
چشم بد دور کہ ہر جادہ بہ صحرائے تو گشت
ہمچو گلدستۂ نقش قدم شاہدِ ناز
(فرصتت باد کہ آرایش ایوان تو شد
داور عادل ظالم کش مظلوم نواز)(۳)
.... سر حیال چمن کوئے اُو
بستہ بر دامن نظارہ ز فردوس (طراز)(۴)
آن کہ بر خاکِ درش چرخ پئ عرض سجود
شب و روز از مہ و خورشید بود ناصیہ ساز
آن کہ در ہند بہ یُمن اثر معدلتش
آشیان ساختہ کنجشك ز سر پنجۂ باز
آن کہ باشد بہ رہ فیض در مکرمتش
چون در آئینہ پیوستہ بروئے ہمہ باز
بہ سلامش نہ خمیدہ است ز صدجا، گر چرخ
از چہ شد دائرہ بر دائرہ ساسد پیاز

۱۔ نظم: ۵۸۲ ۲۔ نظم: ۵۸۲ ۳۔ نظم: ۵۸۳ ۴۔ مخ: براز

نم یك رشحهٔ فیض است کہ تاریخت فرد
دردلش رائے شد و برلبِ عیسیٰ اعجاز

استوا یافت زمانش به زمین بسکہ ز عدل
سایه بر شخص نه چربید به پہنا و دراز

بسکہ دل گشت زِ فیض اثر تربیتش
شیشه را نیست به ہنگام شکستن آواز

عزم وے در روش عربده با چرخ سهیم
رائے وے در اثر جلوه به خورشید(۱) انبار

بر رخ از تاب رخش فرّ سعادت پیدا
در ره از گرد رہش خیل ہُما در پرواز

اے کہ برنامۂ نام تو ز دیوان قضا
بسته انداز اثر دولتِ جاوید طراز

این رقم ہا کہ فرو ریخته ام از رگ کلك
باشد آرایش تقریب، پئ عرض نیاز

ورنه اندازهٔ ہر بے سرو پائے نه بود
کہ به انداز ثنائے تو نماید تگ و تاز

بنده ام لیك درین مرحله مهمان توام
کرده ام طے به اُمید تو رہِ دور و دراز

گر نه آوازهٔ عدلت شدے آہنگ حدی(۲)
ناقهٔ من زره سعی نه گردیدے باز

نالهٔ زار من از شدّت جور شرکا است
نه ز دیوانگی و خیرگی و شوخی و آز

۱- سح حرشبد ۲- خ. ىدى

بر رُخ من درِ رزقے کہ کُشاید داور
حیف باشد کہ کند خصم بد اندیش فراز
بست سال است کہ بایك دگر آویختہ ایم
من و غاصب چو سر رشتۂ شمع و دم گاز
او ز خون خوارگیٔ خویش در انداز غضب
من زبے چارگیٔ خویش در آداب نیاز
آہ از عربدہ پردازیٔ بخت سر کش
داد از خانہ براندازی چرخِ کج باز

نامه بنامِ نامیِ نواب محمدّ علی خان بہادر عرف میرزا حیدر صاحب

خط ۔ ۱

فرد: صبح سر مستانه پیرِ خانقه را در زدم
او سخن سر کرد از حق، من دم از حیدر زدم

ہمانا حضرتِ نوابِ عالیجنابِ معلّی القاب که قبلۂ حاجاتِ آزادگانند و کعبۂ آمالِ دور افتادگان باغِ امید بے دستگاہان را بادِ بہار اند ، و کشتِ آرزو ہایِ ہوا خواہان را ابرِ دریا بار شنوده باشند که درین روزگار به دہلی دیار آزادۂ آشفته سرے ، نے نے آشفته نوا سخنورے ہست که پیوسته ازبہرِ رنگین کردنِ نواہائے آشفته خونِ دل را می آشامد و در خونابه آشامی ، نه در رنگین نوائی خود را غالؔب می نامد۔

فرد: غالبِ نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسداللّٰہم و ہم اسداللّٰہیم

اگر گویند که پیشِ بزرگن شناساگرِ خویش بودن از گستاخی و فزونسری ست ، گویم من و یزدان که اگرچه شناساگری ست ، لیکن نه آرزوئے خود نمائی ، بلکه از راہِ پوزش گستری ست ۔ خود از دیر باز روشناسِ اعیانِ این خاندان ہستم و به نشان مندیِ داغِ بندگی از روشناسانم ۔ چون رویداد چنین است ، بر آینه در طلبِ تفقّد سخن میرود تا پدید آید که بامن چه باید کرد ۔ لختے از سرگذشت گفته میشود ۔

به سر آغازِ سالِ گذشته در مدحِ شاہِ انجم سپاہِ سپہر بارگاه حضرتِ سلطانِ عالم قصیدۂ انشا کردم و عرضداشتے در نثر نیز رقم زدم و آن قصیده و عرضداشت به قطب الدوله فرستادم ۔ قطب الدوله مردمی کرد و قصیده و عرضداشت به نظرِ جہانیانِ دارا دربان در آورد۔ مولانا ضمیر سلمه اللّٰه تعالیٰ به فرمانِ گیتی خدیو آن نظم و نثر را بادائے که پنداری گہرہای شہوار بر بساطِ بزم افشاندند ، به پیشگاهِ سریرِ سپہر نظیر خواندند ۔ پسندیدۂ طبعِ بلندِ شہریار افتاد و به قطب الدوله فرمان رفت و ہنگامِ دگر عرضداشت را دوباره به نظر گذراند، تا منّت برجانِ سائل نہیم و به جایزه فرمان دہیم ۔ از آنجا که چشمِ بد در کمین بود و بخت را ناوک در کمان ، ناگاه انجمن برہم خورد و کار قطب الدوله از پرکار افتاد، و بیچاره آن قصیده و آن عرضداشت را ہمچنان

بسوئے من بر گرداند و آنچه از من به وے رسیده بود، به من باز رساند۔

ہمیدون بہ رہنمائیِ بحتِ فرّخ و گره کشائیِ اندیشهٔ درست آن ہر دو ورق را که از روے پیوندِ یکدیگر بہ کفِ افسوس ساند، به ہمایون خدمت می فرستم ۔ دانم که کارسازی آیین است و خسته نوازی شیوه۔ لاجرم شیوهٔ خسته نوازی فرو نخواہند گذاشت و خودرا در آیینِ کار سازی رنجه نخواہند داشت ۔ بحتم یاوری کرد و خردم رہبری که در معرضِ چاره حوئی بدان حضرت روئیآوردم ۔

حواہش آنست که قصیده و عرضداشت به نظر گہِ حاقن برند و گدشتنِ این اوراق در آں ہنگام و وعده صدورِ حکمِ نوارش به ہنگامِ دگر به گزارش در آورند۔ صه ار خسرو حہنستاں ستانند و بہ گدائے حسروستائیرسانند ۔ ہے ہے، چه می گویم! آفتاب را که آمورد که تیرگی را چوں تواں ردود و نسیم را کہ گوید که غنچه را چساں تواں کشود ۔ سپس عذرِ پریشانیِ گفتار میحواہم، و نامه را می نوردم و نگارش را به دعا انجام می دہم ۔ نیّرِ دولت و اقبال جاودانی فروغ و ابدی ضیاء باد۔

بنام میجر خان جاکوب بہادر

خط ـ ۱

قطعه

ای نشانهائے خرد از تو ہویداتر از آن
که سرود از لب و آب از گہر و تاب ز مہر
ہم ز روئے تو نمودار توانائی رائے
ہم ز خوئے تو پدیدار دل آرائی مہر

مہربانی نامه که رسیدن به وے نازد و خواندن ازوے بخود بالد به پیروزی رسید ، و به شادمانی خوانده شد ـ به ہر کشایش که از ہر نوردش برانگیخته آمد گوہرے چند به دامانِ نگاه فروریخته آمد ـ جنبشِ خامۂ آگہی ہنگامه در آن پرده این آہنگ داشت که چون دیوانِ حافظ به کوششِ بسیار از نادرستی برآورده روے و موے آن شاہدِ روحانی را غازه کاری و شانه زنی کرده ایم ـ خواہیم که غالبِ سنگ از گہر نشناس از درّ و یاقوتِ سخن نو آئین پیرایه بربندد ، تا به علاقۂ دیباچگی در سرِ آغاز بدان پیوندد و نیز فرمان چنانست که خود ہر چه اندرآں باب فرموده اند و از ہرچه نوشتۂ دیگرآں برآں کتاب افزوده اند ہمه را به گفتار شمرم و در آں دیباچه بر نگارم ـ مخلص نوازا ، ہرچه را من ندیده باشم و بدان قدر که به من رسیده باشد سراسر نفہمیده باشم ، چگونه نشانہای درست توانم داد و چون بجا نیاوردنِ فرمانِ دوست نازیبا بود ، و مرا دل به گفتار شکیبا ، ناچار از دیباچه نگاری باز ماندم و به آئینِ تقریظ سخن راندم ـ به لغتِ عربی عبارتے را تقریظ نام نہند که کتاب را بدان انجام دہند ـ چون گفته آمد که آنچه من نبشته ام تقریظ است نه دیباچه ہر آئینه آن در خور که به پایان قدسی صحیفه جا گیرد و خود ان کرمفرما دیباچه بنویسند که ہم شمارۂ دیگر نگاشته ہ و ہم ذکرِ این تقریظ در آن دیباچه نگارش پذیرد ـ امید که از دوستانِ وفا دارم شناسند و به نوشتنِ نامه و فرستادنِ اشعارِ طبعزادِ خویش در افزودنِ مہر کوشند ـ بخت از خرد پرده کشاے و خرد به بخت رہنمائے باد ـ

خط ۔ ۲

امیدگاہِ مخلصان را از من کہ بندۂ محبت و خانہ زادِ وفایم بہ مقابلۂ یکبارہ یاد آوری صدرہ سپاس و بہ یاد آوریِ یک گونہ بندہ پروری ہزار گونہ ستایش ۔ دلنواز نامہ در ڈاک بہ من رسیدہ و کالبدِ شوق را جان گردیدہ ۔ چون پس ازان طالع یار حان صاحب نامۂ دیگر بہ من سپردند گوئی برآن جان توان افزودند ۔ آبروئے خامۂ مشکین رقم در آن ہر دو پردہ بدین اشارہ جنبش داشت کہ خورنق رونق شارستانے و ارم آرام نشینے بہ گوالیار طرح افگندہ اند و تاریخِ تعمیرِ آن را از نامہ نگار آرزو کردہ ۔ بہ محبت کہ دینِ منست سوگند کہ ہیچگاہ دل بہ فنِّ تاریخ و معّما ننہادہ ام و صنعت را بر معنی نگزیدہ ، لیکن چون رضائے خاطرِ عاطر در آنست کہ کلکِ من درنگارش این راہ رود و رگِ اندیشۂ من بدین ہنجار جنبد ، قلم را چہ اندازہ کہ درین راہ بہ سر نشتابد و فکر را چہ زہرہ کہ جز بدین روش گراید ۔ قطعۂ مشتمل بر ہفت بیت ہم درین ورق مینویسم ۔ اگر بپسندند ، از عنایت چہ شگفت ، و اگر بپذیرند ، از محبت چہ عجب۔

قطعہ

جان جا کوب آن امیرِ نامور

دستِ وے آرایشِ تیغ و نگین

ساخت زانسان منظرے کز دیدنش

حور گفت احسنت و رضوان آفرین

در بلندی افسرِ فرقِ سپہر

در صفا گلگونۂ روئے زمین

بایدش گفتن گلستانِ ارم

زیبدش خواندن نگارستانِ چین

خود سہ اشکوب و ہر اشکوبش دراوج

در نظر باشد سپہرِ ہفتمین

غالبِ جادو دمِ نازک خیال

کش بود اندیشہ معنی آفرین

گفت تاریخِ بنایِ این مکان
آسمانی پایه کاخِ دلنشین

والسلام والاکرام۔

خط۔۳

فرد: حق نہ آنست کہ از رفتنِ باطل برود
نرود مہرِ تو از دل خود اگر دل برود

مہر انگیز نامہ کہ لختے گلہ آمیز ہم بود، تا رسید دل را مژدۂ زندگی و جان را نویدِ فرخندگی داد۔ از نارسیدنِ نامہ ہائے من گلہ سنجیدن چگونہ گویم کہ نا روا بود، اما اینقدر خود می توانم گفت کہ اگر نامہ زانسو رسیدے و پاسخ ننگاشتمے، شکوہ بجا بود۔ درویشِ دل ریشِ وفا کیشم۔ جز راستی نجویم و جز راست نگویم۔ آئینِ من نیست گمنامیِ خود را بہ یادِنام آوران دادن و بندِ زحمتِ یاد آوریِ خویش بر دلِ دیگران نہادن و ہمچنان شیوۂ من مبادا در پاسِ وفا سستی روا داشتن و پاسخِ نامۂ دوست نہ نگاشتن۔ آزردہ نیم، بہ دلجوئیِ من خود را زحمت ندہند و بہ دفعِ این رنج از خویشتن ہم بر من منّت نہند۔مادۂ تاریخِ چاہ فرستادن و مرا بسر انجامِ قطعہ فرمان دادن از نوازش خبر داد۔ ہمانا نخواستند کہ غمزدۂ بحود فروماندہ را در فکرِ مادۂ تاریخ دل بہم برآید و حق اینست کہ مادۂ تاریخِ نیز نہ آنچنا نست کہ حقِّ ستایشِ آن توان گزارد یا برابرِ آن فکر توان کرد۔ قطعہ می رسد، بنگرند و از جرمِ ناکردۂ من در گذرند۔

قطعہ

آن میجرِ فرزانہ کہ موسوم بہ جان ست
و آنراست دمِ دانش و والائیِ دریافت
فرمود پئے کندنِ چاہے کہ در آنست
آبے کہ سکندر بہ ہوس جُست و خِضَر یافت

حود چشمۂ فیض ابدی گفت بہ غالب
بنوشت و چو آن دل شدہ زین نکتہ خبر یافت
ستود و درین قطعہ در آورد ہمان وقت
تاریخ دگر نیز بہ امعانِ نظر یافت
'خرشید زمین' گفت و درین زمزمہ 'دل' بست
وین تعمیہ را خوبتر از گنجِ گہر یافت

خط ۔ ۴

رباعی

این نامہ کہ راحتِ دل ریش آورد
سرمایۂ آبروئے درویش آورد
در ہر بنِ مو دمید جانے ، یعنی
سامانِ نثارِ خویش با خویش آورد

نشاط بحشی رسیدنِ روان آسا نامہ را نازم کہ ہم دمیدنِ صبح است و ہم و زیدنِ نسیم وہم شگفتنِ گل۔ اگر حنبشِ خامہ را درین سپاس گراری بہ چمیدنِ سرو عنط کنم ، چہ عجب و اگر ار صریرِ کلک بہ گمانِ خروشِ بلبل افتم ، چہ شگفت۔ آرے چون صبح زود نسیم و زد و گل شگفد ، سرو چرا نچمد و بلبل چون نخروشد ۔ میر نواب را بہ رساندنِ نامہ برمں منّتے است کہ ابر را بر خاک و بہار را بر تاک نباشد و دور و نزدیک ار ہوادارانم و گویا و خاموش از سپاس گرارانم ۔فرماں چنانست کہ نسحہ از حیالاتِ پراگندہ کہ دیوانش نسند بہ گندستگیِ آں انجمں ، ہمانا مشتِ حسے بہ چمن ، بار فرستم۔ فروماندگیِ من درین معرض آن سنجد و داد من درین سراسیمگی آں دہد کہ بہ پئیشکستہ برفتار آید و بہ زبانِ الکن بہ گفتار گراید ۔ گفتۂ مرا آں اررش کجا کہ بہ توقیعِ قبولِ امضا تواند پدیرفت۔ اگر نفرستم ، شرمندگی و اگر فرستم ، شرمندگی افرونتر ۔ سحن کوتاہ ، آنچہ من دارم ور ق در ورقِ مسّودہ بے سر و بن است ۔ کاتبے کہ درست تواند نیشت و حقِ پیوندِ عبارت نگہ تواند داشت ، میجویم ۔ چون دست بہم مبدہد ، آن اوراق بہ وے سپرم ، تا نسحہ بردارد و بہ من باز سپارد ۔ امید کہ ہر گاہ این نگارش انجام گرای شود ،

خواہی بہ دستِ میر نواب صاحب و خواہی بہ سبیلِ ڈاک بہ ہمیون حدمت برسد ۔ حطر ازین رہگذر جمع باد ۔

خط ۔ ۵

فرد: اے کہ بہر نامۂ نامِ توز دیوانِ ازل
بستہ اند از اثرِ دولتِ جاوید طراز

شادی رسیدنِ اندوہ ربا نامہ کہ دیرور بہ من رسیدہ نہ آنچنان است کہ تا فردائے قیامت ہر روز ہر دل رار نو نگردد۔ سبحان اللہ ، نہ کسے بلکہ تا کسے را کہ قطعِ نظر از آن کہ بہ پرسش نیرزد، خود از پاداشِ گناہے کہ از وے سرزدہ است بر خویشتن لرزد و بہ مہرورزی و مہربانی اندوہ ربودن و دل جستن و بہ زلالِ روانیِ نامہ سیاہی از روئے گنہگار فروشستن، نہ تنہا ہمین ، بلکہ کریمانہ نواختن و بہ گلۂ کمِ خدمتی شرمسار نہ ساختن ، من دانم ودل کہ چہ شگرف بخششیش است ۔ آنکہ در بارۂ سیدالاخبار دادِ نگرش دادہ اند ، منتے دیگر برمن نہادہ اند ۔نہان مماناد کہ نقشِ مطبعِ سید الاخبر انگیختۂ طبعِ یکے از دوستانِ روحانیِ منست۔ ہمان کارفرمائے این نو آئین کدہ آن سی سگالد کہ درین کارگہ نقش ہائے بدیع انگیزد و فروریختہ ہائے خامۂ غالبِ بینوارا بہ قالبِ انطباع فرو ریزد ۔ از آنجملہ دیوانِ ریختہ کہ در ب تماشی تمام است ،عجب نیست کہ ہم درین ماہ بہ تمامی و آنگاہ بہ نظر گاہِ سامی رسد ۔ ہمچنین پنج آہنگ و دیوانِ فارسی کہ طرازشِ ہریکے وابستہ بہ فراہم آمدنِ درخواستہائیخریدارانست بہ ہنگامِ خود پیہم بہ حدمت خواہد رسید و اوراقِ اخبار خود درہر ہفتہ میرسد و این رشتہ را بیم گسستن نیست ۔ کارپردازانِ مطبع نامِ سامی را آرایشِ عنوانِ فہرستِ خریداران ساختند۔ و مرا از نظر یافتگان والا نظر شناختند ۔دیگر ہم ازین مشکین رقم نمیقۂ کہ پاسخ نگارِ آنم پدید آمد کہ آن قطعہ کہ در چشم روشنیِ تولدِ شہزادہ نگاشتہ بہ بارگاہِ سپہر کارگاہِ خسروی فرستادہ بودم ، از اوراقِ زبدۃ الاخبار خواندہ اند چنانکہ در ستایشِ آن سخن راندہ اند ، مرا ہم حیرت و ہم مسرت افزود جاودان مانند کہ سخن رس و سخند انند ،والسلام والاکرام ۔

خط - ۲

۱

باغِ دو در

فرخنده خو سرورا! پری روز که سه شنبه بست و ہشتم فروری بود' نامه بگرامی خدمت در ڈاک فرستاده شد و قطعات و تاریخ درست و ہموار ساخته و آنچه درست بود ہمچنان گذاشته۔ ورقے که فرستاده بودند ہمان ورق در نوردِ نامه فرو پیچیده است' بہنگام خودار نظر خواہد گذشت۔ غزلہا ہنوز به پر کار اندیشه تیز گرد نپیموده ام۔ ہمانا پس از روزے چند خواہم نگریست۔این نامه که می نگارم ویژه از بہردو کار است' یکی این که قصیده که درین بار پیش کش نواب گورنر جنرل بہادر کرده ام مطلع آن اینست۔

اے برتر از سپہر بلند آستان تو
تو پاسبان ملک و ملک پاسبان تو

مشتمل بر سه مطلع و چہل بیت است و نیک یادم نمانده که درین کلیّات که بخدمت فرستاده در شمار قصاید مرقوم است یا نه - اگر باشد نوید آگہی فرستند ورنه از اوراق سید الاخبار بدیوان نقل کنند۔ دیگر اینکه رسانندۂ این نامه لاله ہیرا لال از شرفائے این دیار و خوبان روزگار اند۔ عمرے برفاقتِ حکیم کاظم علی خان بسر برده' زان پس که به مقتضائے حب الوطنی بدهلی رسیده انداز بیدستگہی فرومانده۔ فرجام کار خوش و ناخوش خود را بگوالیار رسانده اند۔ خط خوانا دارندو آئین کتابت دارند۔اگر بکار آیند ایشان رانزد خود نگہدار ندو کار کتابت ار ایشان گیرند و نیز اگر امکان گنجائی داشته باشد در زمرۂ متصدیان بسرکار کرنیل صاحب والا مناقب یابسر کار جاہمندی دیگر جا دهند و برنامه نگار سپاس نہندو اگر این ہر دو صورت ظہور نه گیرد ایشان را بعطائے راد و راحله بنوازند و کار ایشان بدانگونه سازند که از گوالیار تا بڑوده توانند رفت و آقائے قدیم خود را توانند دید۔ ہمانا این ہر سه صورت که گفته آمد ناممکن و دشوار نیست و بوگری یک متصدی در گوالیار و رفتن یک مسکین تا بڑوده آنقدرها کار نیست که در گزارش تکلّف کنم و خود را ار سپرش نگاه دارم' خاصه درین محل که موڈت روحانیست و بیگانگی مفقود۔ والسلام نامه نگار اسد الله روسیاه نگاشته دوم مارچ سنه ۱۸۴۳ء روز پنجشنبه که منسوب بسعد اکبر است۔

خط به میان نوروز علی خان بہادر

خط - ۱

فرد: ای به دل نزدیك و دور از دیده ، گفتارم به تست
از توام بـا دل بود گفتار و پندارم بـه تست

اداشناسانِ فرجام رازِ آفرینش بدین اندیشه شناساور اند که کردارِ دیده دید نست و پیشهٔ دل سهر ورزیدن - زبانرا در گزارشِ شوق میانجیگری دل آئین است و خامه را در سپارشِ راز دستوریِ زبان شیوه- ہر آئینه تا دیده کارِ خود ار پیش نبرد دل از پیشهٔ حود برنخورد و تا ربان به گفتار گهر سار نیاید ، خامه را ہنگامِ گہر شماری فراز نیاید - اینجا که دیده رویِ دوست ندیده و دل به سہر گرفتارست ، زبان با دوستے سخن نگفته ، و خامه را پیام نگارست - ہم دیده را بر دل رشك است و ہم زبان را به خامه - کش مرا دامن زیرِ سنگ و بند بر پائینبودے و پیش از نامهٔ خود به دوست رسیدمے تا به عصه خون خوردن و بر نامهٔ خود حسدبردن روئیندادے ، بلکه ازیں ستیزه که دیده را بادل و زبان را با قلم است ، نیز بمیان نیامدے -پیش ایں که ملازمانِ مکرمی مطفر الدوله نواب سیف الدین خان بہادر از لکهنئو رسیده بودند به واگویهٔ اشتیاقِ آن مجموعهٔ اخلاق افسونِ نازشے برمن دسیده بودند - اکنون که خدامِ مخدومی منشی محمد حسن خان از کانپور باز آمدند به نسیمِ عنبر شمیمِ نفس پرده کشائے شاہدِ این راز آمدند که خانصاحب عظیم المناقب نوروز علی خان بہادر مرا بران داشته اند که چون به دہلی باز رسم ، گفتارِ پراگندهٔ غالب ہرزه نوا گِرد آرم و آنرا گزین ره آورد انگارم - لاجرم بدین یك آوازه که دوباره درافتاد ہم به دهر نامی گشتم و ہم در نظرِ خویشتن گرامی گشتم - آرے تنك شرابِ خمخانهٔ عشقم ، به یك حرعهٔ صہبائے التفت مستی س از اندازه میگذرد - سلك خیزِ پرستشِ صنم کدهٔ حسنم، استقبالِ نیم نگاهِ ناز ار خودم سی برد -ہیہات چون من به اندوهِ بیکسی درساخته و خود را ناکس شناحته از در دلہا رانده و به کُنجِ گمنامی و امانده ، چه توان گفت که به شنیدن ارزد و چه داند نوشت که نگرستن را شاید - ہر چه از کلکم فرو ریزد و به تکلف ازان نسخه بر سازند- اگر نظر به پاکیِ آب و

آب افگندنش روا نبوده، بے سخن در خورِ آنست کہ بہ آبش اندازند۔

یزدان داند کہ ہرگز از آزادگی در بندِ آن نبودہ ام کہ رنج خامہ و آمہ مکرر شدہ باشد وہرچہ نوشتہ بشم آبرا باز نویسم، لیکن یکے از برادران بہ خواہش خود بہ برفرمان من عمر خود بہ فراہم آوردنِ نثرِ من بستہ کردہ و ورقے چند چون نامۂ کردارِ من سیہ کردہ است ۔ آن اوراق ازان گرامی برادر بپسیح خواستم و صحیح نویسے را برآن داشتم کہ ہرچہ زودتر ازین نگارش را بہ پایان رساند ۔ ہرچند می بایست کہ کاغذِ کتب رنگین و نقش و نگارِ اوراق زرین بودے، لیکن چون مخدوم ممدوح را پائیدر رکاب و روئیہ راہ بود، فرصتے دست بہم نداد کہ بہ رنگ آمیزی و نقش انگیزی وفا تواند کرد ۔ بالجملہ بہ صورتِ مشتِ خسے بہ سنبلستان و کفِ گلے بہ گلستان بفرستم و بہ معنی مزدِ چہل و چہار سالۂ نفس سوختن و سرمایۂ بہائے عمر بہ ہیچ فروختن است کہ بہ پائے نگاہِ آن صاحبدلِ دیدہ ور میریزیم، تا بعد ازین محبت چہ اقتضا فرماید و نگارش پے در پے از ہر دو سو تا کجا مہر افزاید ۔ یا رب نام نامی شما بہ نمایشِ اثر نوروزی و کشایشِ اسرارِ فیروزی تاریخ ظہورِ شوکتِ نوبہاران باد و توقیع روز افزونی دولت روزگاران والسلام والاکرام۔

خط۔ ۲

(مشتمل بر روانگیِ پنج آہنگ)

مشتاقان امید گاہا، مخلصان پناہا، کاشانۂ دل را کہ گنج خانۂ رازست از چشم و گوش دو در بہ روئے یک دگر پیوستہ باز ست ۔ لا جرم ہرچہ از آثارِ حسن در نمود آید، مہرش از راہِ دیدہ بہ دل فرود آید ۔ اما ہر کجا محملِ این قدسی مہمان را زود تر آرند ہم از دریچۂ گوش بہ نہانخانۂ دل در آرند ۔ بالجملہ ہر کجا روئے نکوئے و خوئے خوش است، دل را بہ طلبگاری نعل در آتش است ۔ صورت پرستان تا بہ چشم نبینند بہ دل مہر نگزینند و معنی شناسان تا آوازہ بشنوند، ہم بہ مہر گروند ۔ اگرچہ ہر جا بہ دیدن داد محبت توان داد جاہا بہ شنیدن نیز دل بہ وفا توان نہاد ۔ بہ چون گرمیِ اخلاص افرین گوئے خویشم کہ بہ شنیدن جگر تشنۂ دیدار گشتہ ام و بہ رسائیِ اندار

سپاس گزارِ بختم که با این ہمہ دوری بہ خاطرِ دوست گذشتہ ام۔ ستودہ شدن من بہ سخن کہ در آن سخن است نہ بہ تقاضائے خوبیِ گفتار نہ بہ فرمانِ ارزشِ من است۔ خواستند کہ آوازۂ کرم درمیان نبود، تا بارِ منّتِ یاد آوری گران نبود۔ بہ مشاہدۂ این گرایش کہ ازان سو بودہ است، با خودم از افزون طلبی این گفتگو بودہ است کہ چون ذوقِ گفتار داشتند چرا بہ نامہ نگار ننگشتند، تا منّت بر جان و دل نہادمے و نگاشتہ ہائے خود را زود تر ازین فرستادمے۔ با آنکہ دانستند کہ مرا شایستۂ خطاب نداستند و ننگ پرسش چون منے کشیدن نتوانستند، مرا خود دل از مہر بہ جوش و لب از ذوق در خروش آمد۔ شرطِ رضا جوئیِ دوست و حقِ غمخواریِ خویش بجا آوردم، و مجموعۂ نثر با نامۂ کہ بجایِ من تواند بود بہ مکرمی جناب منشی مخدوم حسن خان سپردم۔ چون پویۂ راہرو ہمان منزل بہ منزل است، رسیدنِ سفینۂ نثر جز بہ دو ہفتہ مشکل است۔ بسکہ ذوقِ روشناسیم، از دیر باز نگران داشت، ہوائے دلِ آزادہ ام بر ان داشت کہ نامۂ دیگر را بہ سر رشتۂ ڈاکِ انگریزی چون کاغذ باد بالِ پرواز دہم، تادوست را کہ ہنوز اندازۂ مہر و وفائے من ندانستہ است خبر بار دہم۔ امید کہ چون آن سفینہ و آن نامہ بدان مخلص نواز رسد، دل افروز پاسخے از آن سو بہ من در رسد، بلکہ اگر مروت دلجوئیِ خستگان روا دارد، نگرشِ جواب این ورق نیز در عالم وداد جا دارد۔ ہر چند از ناموران نیستم، پوشیدہ از پیم آوران نیستم۔ بریدان ڈاکِ انگریزی، بسکہ نامہ از ہر دیار می آورند بہ جادۂ کاشانۂ خاکسار شناساورانہ۔ اگر فرستند و بہ عنوان نویسند کہ این مکتوب بہ دہلی بہ اسد اللہ برسد، دشوار نیست کہ آن نامہ بدین نامہ سیاہ برسد، والسلام خیر ختام۔

خط۔ ۳

۱

باغِ دو در

عالی جاہا مخلصان امید گاہا! دیر است کہ بہ نامہ نامور نہ ساختہ اند۔ دوتا نامہ بواسطۂ حسین مرزا بہ مظفر الدولہ بہادر روان داشتہ آمد و کتابتے بدستِ میر احمد حسین فرستادہ شد۔

میر احمد حسین خود در آن شہر رسید و شرفِ پابوس شما دریافت و ہمی نبشت که رسیدم و نامه رساندم۔ مظفرالدوله بہادر چون گویم که نامه ہائے من بشما نداد و به رورن دیوار ہائے کاشانه نہاد۔ یارب اینہمه بی التفاتی از چه راهگرر است۔ یا خود آن بود که عیاث الدوله و دیگر احبّ حال شما ار من میپر سیدند یا خود از ناسازی روزگر طرح آن افتاد که س ار هر در دریوره حبر سکنم۔ یك ' ہے احمد حسین حال آنفرخنده خوے رقم کرده و بہم بر آمدن دیده و دل را چاره گر آمده۔ ہمانا کمتر بخدمت میر سدو جگر تشنه التفت است۔ پندارم به وے نپرداحته و او را به عطوفت بزرگانه ننواخته اند۔ بوے نپرداختن و او راننواختن نیز ازآن خبر میدهد که دل از من بر کنده و مهر ار من برداشته اند۔ بیمهریٔ شما خاصه درین روزگار که سخت غمینم و پیداست که غمزده غمخواری بیشتر خواهد جانگزاتر از آنست که توان گفت۔ بارے بخود آیند و لختے به عمزدگان گرایند۔ بیش ازین جگر تشنه پاسخ نامه نمیتوانم زیست۔ اگر مشفقی منشی احمد سلمه' اللّه تعالیٰ ار حاضران انجمن نه بود میر احمد حسین را فرمان دهندت سطرے چند ار جانب شما بمن نویسد و اگر او نیز نمی آید حسبتہً للّه حود زحمت کشند و دو کلمه به جنبش بنان گہر فشان خویشتن به نگارش آورند۔ بو که آن نگشته حرز دفع اندوه تواند بود' باللّه العظیم حالیاً به دهلی درآن گونه پیچتابم که ماهی در آتش و سمندر درآب۔

شعر

ہر لحظه دل بسوئے بیابان کشد مرا
آب وه ہوائے شہر بمن سازگار نیست

ہیچ صاحبدولتے در هند نیست که ارین گروه بیشکوه بگسلم و خود رااداس دوست وے بندم ـ چه کنم دستمایه من سخن است و اینر ادرین قلمرو کسی بجوئے نمیحرد۔ گوئی ہمه عمر باد میپیمودم۔ دریغ ار روزگارے که درمشق سخن گذشت۔ کاش از نخست نه رمزمه و سرود دل بستمی و چنگ و چغانه زدن آموختمی ـ ہیہات چه میگویم مگر درینطائفه که بمردِ نوانان میخورند بے نوایان نیستند اگر بمثل سرود سرائی نیز پیشه داشتمے ہم ار نکبتیان آن فرقه بودمے' چنانکه اکنون سخن را کس خواستار نیست نوای مرا نیز کسی خریدار نبودے و عمرم همچنین

به ناکامی و تیره سرانجامی گذشتے۔ روزے یکے از ہمنفسان را دل برمن و کاروبار من سوخت' اندوہ من خورد و گفت حیف کہ ترا در عہد اکبر و شاہجہان بہ گیتی نفوستادند۔ گفتم من و یزدان اگر دران خجستہ روزگار بودمے' ہمچنین خستہ و خوار بودمے۔ خورش من از خوان دہرجز خون نبودے و دستگاہ من ازین دو روپیہ روزینہ افزون نبودے۔ سخن کوتہ از امروز با خویش عہد کردہ ام کہ در ہفتہ یک نامہ بسبیل ڈاک انگریزی بشما فرستم و محصول بر شما حوالت کنم تا از رسیدن نامہ خاطر فراہم باشد۔ بنگرم تا چند ستوہ نمی آئید و پاسخ رقم نمی فرمائید والسلام۔ از اسد اللہ نگاشتہ و فرستادہ دو شنبہ ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۳۵ء۔

به امین الدوله آغا علی خان

خط - ۱

نواب عالی جناب معلی القاب را به تازگیٔ تماشا نوید که جگرپاره ہائے از رگِ کلک فرو ریخته فراہم آورده ام و بدان دلکش انجمن به گلدستگی میفرستم - ظریفان را به مشاہدۂ این بو العجبی، اگر از خنده در چشم آب بگردد، چه شگفت - آرے این چنین گلدستۂ بے رنگ و بو بدان بزم کجا در خور- سبحان الله، خریدار بدان دیده وری که بینش را به سر و چشمش سو گند، و فروشنده را آن کالا که اگر به ہیچ برابر نهند، بر ہیچ ستم رفته باشد - با این ہمه سنگسار ملامتم نتوان کرد و به شکنجۂ سرزنشم رنجه نتوان داشت، چه این گستاخی به فرمانِ محبت است، و این بے ادبی به تقاضای روزگار - آرے، روزگار را اینچنین پیش آمد ہا فراوانست و محبت را اینگونه خود نمائی بسیار - مور پائے ملخ به سلیمان برده و اعرابی آب شور به سلطان - ذره اگر ہیچی خود را شناختے، خود را روکشِ مہر نساختے و پروانه اگر رسوائی آمرزش بال خود را به شعلۂ شمع دریافتے، روئیر انجمن برنتافتے - بلبل که بر گل سراید اگر نه محبت عذر خواہستے مرغ را با بہار چه نسبت و کاه که به کہربا گراید، اگر نه جذبۂ مہر درمیانستے، خس را با کہربا چه پیوند - اگر گویند که جز به میانجیگریِ دیده دل نتوان داد و بدیده روشناس نتوان شد، گویم سخنوران آوازۂ ہمزبانی و علاقۂ ہمنفسی را پرستند، نه چون صورت پرستان دل را بردر دیده بگدائی فرستند - لا جرم اندیشه از دیرباز مرا برآن داشتے و این خواہش گاه گاه از دل سر بر زدے که چون استغنای جناب مانعِ مسکین نوازی ست خوشتر آن باشد که نخست خود دلیری کنم و به نامه خود را بر خاطرِ عاطر عرضه دہم تا این که درین روزہا جان صاحبِ مہربان خوشوقت علی خان را به کانپور خرامش اتفاق افتاد - چو در آن محفل از باریافتگان و مرا از دوستان مہربان اند، نامه به ایشان سپردم، تا چون برسند و برسانند من نیز به پردۂ گفتارِ خویش بسرا پردۂ قرب جا یافته باشم و پردۂ بیگانگی از میان برخاسته باشد -

غبارِ راهِ کاروان و گردِ نمناکِ گذرگاهِ سیل یعنی منتخبِ دیوانِ ریخته که ورقے چند بیش نیست، از جانبِ خاکسار ہدیۂ آن بارگاه است و زبانِ نیاز بدینگونه عذر خواه که چون از

ہر دو سو دلہا را بہ مہر گرایش و محبت را بہ نامہ و پیام افزایش روے خواہد داد ، دیوان فارسی نیز بہ نظر گاہِ اسفات خواہد گذشت ۔ حالیاً غزلے ہم ازآن اوراق نگشتہ می شود ، تا از سور دروں نامہ نگار خبر تواند داد ۔

غزل

حق کہ حق است سمیع است فلانی بشنو
بشنو گر تو خداوندِ جہانی ، بشنو
لن ترانی بہ جوابِ ارنی چند و چرا
من نہ آنم بشناس و تو نہ آنی بشنو
سوئے خود خوان و بہ خلوتگہِ خاصم جا دہ
آنچہ دانی بشمار آنچہ ندانی بشنو
پردۂ چند بہ آہنگِ نکیسا بسرای
غزلے چند بہ ہنجارِ فلانی بشنو
لختے آئینہ برابر نہ و صورت بنگر
پارۂ گوش بہ من دار و معانی بشنو
ہرچہ سنجم بہ توز اندیشۂ پیری بپذیر
ہرچہ گویم بہ تو از عیشِ جوانی بشنو
داستانِ من و بیداریٔ شب ہایِ فراق
تا نخسپی و بہ پاسم ننشانی بشنو
چارہ جو نیستم و نیز فضولی نکنم
من و اندوہِ تو چند انکہ توانی بشنو
زین کہ دیدی بہ جحیمم ، طلبِ رحم خطاست
سخنے چند ز غم ہایِ نہانی بشنو
نامہ در نیمۂ رہ بود کہ غالب جان داد
ورق از ہم در و این مژدہ زبانی بشنو

یا رب بساطِ آں خجستہ بزم ہموارہ گذر گاہِ بہاران باد و پیوستہ نظر گہ امیدواراں ، والسلام والاکرام ۔

بنامِ نامی میر سید علی خان بہادر عرف حضرت جی

خط - ۱

فرد: در دل بہ تمنّائے قدمبوسِ تو شورے ست
شوقت چہ نمک دادہ مذاقِ ادبم را

حال بہ پائے قبلۂ راستاں افشاندن بہ دل گذرانم - اگر گستاخی نبود ، کعبۂ رہرواں را گردِ سر گردیدن آرزو کنم - اگر ادب دستوری دہد رسیدنِ نامہ ہایِ دلآویز و شنیدنِ نکتہ ہایِ مہر انگیز کہ مرا بہ خجستگیِ بختِ من امیدواری میدہد ، برمن خجستہ تر باد - چوں در ان چشم و دم جا دادہ اند ، اگر از اوج گرائی سرم بہ سپہر ساید ، بجاست و اگر از خودنمائی جز خودم در نظر نیاید ، رواست - طالع بر خان صاحب بہ شمارۂ عنایتہائے آن محیطِ کرم بیخود از خودم ربودہ اند، و ارادتِ مرا چندانکہ بہ شمار در نگنجد بر افزودہ - کیستم تا بدین التفات ارزم و مرا در نکوئی این پایہ باشد کہ کس مرا تواند ستودہ و آرزومندِ دیدنِ من تواند بود و آنگاہ این چنین گرانمایہ ووالا پایہ کسے کہ گوہرش آبروئے ہفت دریاست ، و گلش رنگ و بوئے ہشت گلشن - شبلی با این ہمہ قطعِ نظر ہا از ماسوی اللّٰہ در صومعہ بہ تمنائے قدومش چشم براہ و منصور با این ہمہ ترانۂ انا الحق در ہنگامہ بہ آرزوئے گفتارش گوش بر آواز - سبحان اللّٰہ ، آنکہ تجلیِ طور بہ پروانگیِ شمعِ جمالش ارزد بامن ارنی گوست ، و آنکہ دیدارش تابِ ہر نظر نبود از من دیدار جوست - چہ کنم عمرے ست کہ ہمتِ من بہ کارے آویختہ و سرگرمیِ ذوق مطلبے شرر بہ پیراہنم ریختہ است - و آن خود کارے ست نازک و مطلبے ست دشوار کہ ازین پیش سالے چند بہ محکمہ ریذیڈنسیِ دہلی در کشاکش ماندہ و روزگارے دراز در انجمنِ فرماندہان کلکتہ پیچ و تاب خوردہ - اکنوں دو سال است کہ آن داوری بہ کشورِ لندن رفتہ و در آن داد گاہ سنجیدہ میشود ، تا پاسخے از ان کشور و فرمانے از ان دادگاہ در نرسد ، نتوانم بر جنبید و از دہلی بدر رفت - اگر خواہم کہ پارۂ از حقیقت آن داوری بہ عرض رسانم ، گویندہ را سر رشتۂ سخن از درازی گم شود و شنوندہ را گوہر راز بہ کف نیاید ، بالجملہ چشمم براہے و دلم بجائے ست و دریں کشمکش کہ درون و بیرون مرا درہم دارد سفر نیارم کرد ، اما دانم کہ روزگار انتظار سر آمدہ و ہنگام کشودِ کار در آمدہ - بر آنم و ہمہ این می سنجم کہ چون حکمِ قطعِ خصومت از ولایت رسد ، زان پس جز آن مایہ مدت کہ بہ انجام ضروریاتِ سفر وفا تواند کرد ، بہ دہلی نیارامم و روئیہ گوالیار نہم و

اگر روند گی سپاسی روند ، من سر پوسم ۔ امید که به پرورش بافتگی و زبهٔ زبان سندهٔ مبتس حضور فرسن شود که به اوقاتِ حص مرا و کار مرا در حبل آورده ہمّت بدال گمارند که برودی کرس سره گردد ، و سراد از در در آید، ب پئے ره پیمائے س به حراسش کشد پذیرد و حدهٔ راه گوالبار پئے سپرِ من گردد ۔

نهفته مباد که پس از رسیدنِ طالع یار خان صاحب به سه روز منشورے که سراسر رقمِ سحتِ رنگ و بیرنگی داشت، در ڈاك به س رسیده و ہمت را تعویذِ بازو گردیده است و ہمچنیں امیدوارم که روزے چند پیش از رسیدنِ این عرضداشت سید امنت علی صحب رسیدن آدابِ نیر رابه سوقف قبول و عرلهہائے فارسی را به منظرِ التفات رسانده باشد ۔ دریں بزدیکی سیحر صاحبِ عنایت فرما سیحر حن حاکوب صحب بهادر دو ت نامه به مضمونِ طلب تاریخ تعمیر دولت کده به س فرستاده اند ۔ ورقے به جوابِ آن ہر دو مکتوب که مشتمل بر قطعهٔ تاریخ است در نوردِ ایں پوزشنامه فرستاده می شود و چوں کشاده عنوانست سینوان خواند ، و به مکتوب الیه رساند۔ مکرمی مصعی حبِ حکیم رضی الدین خاں صاحب که مرا به لطف و تفقد می نوازند و دریں غمردگی شادیِ س به دیدارِ ایشان است ، سلامِ نیر می رسانند و چوں من از دیدار طلبانند۔ زیاده حدِ ادب ۔

رقعه بخدمتِ مبارز الدوله ممتاز الملک
حسام الدین حیدر خان بهادر

خط ۔ ۱

حضرت قبلۂ حاجات ، مدظله العالی ، برادرم حسین مرزا سخنے چند از زبانِ من گزارده باشد ۔ هنوز آن افسانه ناتمام است ۔ تاس به ملازمت نرسم و مفصل نگویم ، نتوان پذیرفت ۔ دیگر لاله ہری چند صاحب نامۂ نواب امین الدین خان صاحب موسومۂ کرنیل اسکنر صاحب بهادر دارند ۔ چه خوش باشد که بهمراهِ حضور به خدمتِ کرنیل صاحب رسند و آن نامه بگذرانند و به یمنِ حسنِ زبان گهر فشان حضور به کامِ دل رسند ۔ لاله صاحب به من می فرمایند که تو نیز بهمراه باش و من خود را هیچکاره می بینم ۔ امید که این کار به حسنِ التفاتِ ملازمان سرانجام پذیرد ۔ زیاده حدِّ ادب۔

خط ۔ ۲

حضرت نواب صاحب ، قبله و کعبۂ دو جهان ، مدظله العالی ، لاله ہری چند صاحب به سپاسِ کرمهائے بے اندازه عذب البیان و نامه نگار درین وادی با ایشان همزبان ۔ هر گونه مکرمتے که دربارۂ ایشان به ظهور میرسد ، و خواهد رسید منّتِ آن بر من است و خواهد بود ۔ همانا که ایشان از ناسازیِ روزگار ستوه آمده سرِ آن دارند که در دنیا طلبی به مراتبِ بلند عروج نمایند ۔ لاجرم تمنّائے ملازمان را نردبان پایۂ بامِ رفعتِ جاه شناخته و سپارش و گزارش نامه نگار را ذریعۂ ذریعۂ حصولِ التفاتِ جنابِ عالی انگاشته اند۔ چه خوش باشد که روئے ایشان شرمسار نباشم ۔ زیاده حدّ ادب۔

خط ۔ ۳

قبلۂ حاجات مدظله العالی ، چون بندگانِ کم حدت که از شرمساری سرپیش افگنند بحود فروسی روم و باصد گونه خضوع عرض میکنم که طبعم به فکرِ نثر نمیگراید و پاسخ نگاریِ این نامه ازمن نمی آید ۔ زیرا که اگر خواهم که به هنجارِ خاصهٔ خود سخن رانم این چیستانها بدان ستایش و این مکتوب بدان جواب نیرزد ۔ جواب این نامه چنانکه این نامه است سرسری باید نه پهلوی و دری و اگر خواهم که روش بگردانم ، هر آئینه ناموسِ سخنوری مرا زیان دارد و

چون حال چنیں است ، امید که ملازمان نیز بندهٔ خودرا درین کشاکش نپسندند ، خاصه وقتے که خدمتے شایسته بجائیآورده و نه پذیرفتن فرمان را به خوشتریں نمطے تلافی کرده باشم و آن اینست که چهار رباعی در مدح خوابیکه شاه والا نظر دیده است برنددسی گرر اسه وایں اندیشیده نذر ام که ایں چهار رباعی بر ورقے رر اندوده ، چنانکه به بازار ہی می فروشند ، نگذشته در نامهٔ موسومه طفر الدوله به طفر الدوله فرستده آید و ایشان بحضور شاه عرضه دارند که سارزالدوله در سپاسِ یاد آوری و عطائے مثنوی کورنش بجا آورده ، این چهار رباعی در چشم روشنیِ رؤیای صادقه فرستاده آمده

قبله گاہ ، دریں صورت نوازش خسروی را سپاس ادا میگردد و خواہی نخواہی سخن تا شاه می رسد ، جوابِ نامهٔ فتح علی خان و ستایشِ کتابِ چیستن خود چه قدر کار است که از خامه نگاران عامه صورت نبندد و ہذا :

رباعی

بر دل از دیده فتحِ باب است این خواب
بارانِ امید را سحاب است این خواب
زنهار گمان مبر که خواب است این خواب
تعبیرِ ولائے بوترابؑ است این خواب

رباعی

بینائیِ چشمِ مهر و ماه است این خواب
پیرایهٔ پیکرِ نگاه است این خواب
بر صحّتِ ذاتِ شه گواه است این خواب
بیداریِ بختِ پادشاه است این خواب

رباعی

این خواب که روشناسِ روزش گویند
چون صبحِ مراد دلفروزش گویند
زان رو که به روز دیده خسرو چه عجب
گر خسروِ ملکِ نیمروزش گویند

رباعی

خوابی که فروغ دین ازو جلوه گرست
در روز نصیب شب روشن گهرست
پیداست که دیدن چنین خواب به روز
تعجیل نتیجهٔ دعای سحرست

زیاده حدّ ادب ، از اسد اللہ بدستگاه ۔

خط ۔۴

قبله و کعبهٔ دو جہان سلامت ، دوباربدر آمدین رسید و ازجنب ملازمان دو غزل از من طلبید۔ در نخستین و بہ گفتم مگر گوینده غلط کرده است و مثنوی را غزل دانسته ۔ پاسخش ہم بریں قاعده گزاردم ۔ رفت و باز آمد و گفت آنچه در کرّت اوّل گفته بود ۔ گفتم من و ایمان من که پیمان به فرستادن دو غزل نشسته ام ۔ اینک پس از رفتنش بعد از کدوکاو اندیشه ہائے فراخ و تاب و توان دادن سررشتهٔ خیال ہائے دراز بخاطر گذشت که ہمانا حضرت نواب صاحب قبله دو شعر فروده اند و گزارنده غزل می سنجد۔ می سنجد و ہو ہذا :

یاد باد آن ذوق کاندر قطع صحرائے جنون
خود عصائے بود ، گردر پائے خارے داشتم
اتفاق سفر افتاده به پیری غالب
آنچه از پائینیامد ز عصامی آید

ابیات

تا سر خار کدامین دشت در جان می خلد
کز ہجوم ذوق می خارد کف پایم ہنوز
نم اشکے چو به خاکم بفشانی از مہر
خاك بالد به خود و مہر گیا خیزد ازو
بسکه لبریز است زاندوه تو سر تا پائے من
ناله میروید چو خار ماہی از اعضائے من
خیز کہ راز درون در جگر نے دمیم

نـالـۂ خـود را زخـویـش دادِ شنیدنِ دہیم
ز سـعـیِ ہـرزہ بـہ بیحـاصلـی عـلـم گشتیم
چـو بـاد بیـد پـدیـد آمـد از امسالـۂ مـا

دست بستہ عرض میکنم کہ مقصود من از تحریرِ این ابیات نہ آنست کہ مشتمل بر مضامین عصاتصور کردہ باشم ، اماچون اندریں ہنگام اوراقِ مسوّداتِ خودم در نظر بود ، شعرے چند کہ پارۂ سست و ملایمت بہ مدّعا داشت ، عجلتۂ انتخب کردہ شد ۔ زیادہ حدِّ ادب ، راقم محمد اسد اللّٰہ۔

خط ۔ ۵

خداوندِ نعمت سلامت ، جوہریِ عرضِ جوہرے ارز می گردد ۔ آبروئے عہدِ وفا برد ۔ ہر چند چوں منے را سزد بہ ملازمان رحمتِ بیحساب دادن و پا از جادۂ ادب فراتر نہادن، اما چہ کنم کہ چارۂ جرِ ابرام ندارم ۔ بیکسی عذر خواہِ گستاخی ہائے منست ۔ ایدون صرفۂ خویشتن در آن می نگرم کہ ملازمان کس فرستادہ اندرحیت و ہیرا لال را بحضور بخوانند و در انجمن بنشانند و آنگہ مرا یاد فرمایند ، تا بیاند و سرِ کلاوۂ گفتگو بکشایم ۔ آنچہ گفتہ آید ، ماحصلِ آنہمہ حرف و سخن ایں باشد کہ اسد اللّٰہ وام پرستِ شما و سررشتۂ توانائیش بہ دستِ شما ست ۔ حالیاً از اندوہِ تنگدستی دل ریش و درماندہ بہ کارِ خویش است ۔ دستش گیرید و بہ یک ہزار روپیۂ دیگر بہ کارش آئید ۔ سعیِ شما ضایع نخواہد رفت و سود مند خواہد بود ۔ ہم ہم برائے ایں بیچارہ وہم برائے شما۔ چہ خوش باشد کہ امر و عیارِ این اتفاق نیز گرفتہ آید تا ہر چہ پسِ ایں پردہ نہانست روئیماید زیادہ حدّ ادب ۔ دریوزہ گر اسد اللّٰہ۔

خط ۔ ۶

جنابِ نواب صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہان مدظلہ العالی ، آدابِ کورنش بجا آوردہ معروض میدارد ۔ بندہ امروز آہنگِ ملاقاتِ یکے از صاحبانِ انگریزی دارد ، لیکن از آنجا کہ مسکنشبیرونِ شہر در چھاؤنی قریبِ باغِ محلدار خان است ، رہی از سطوتِ آفتابِ مُرداد خیلے ہراسان است ۔ اگر پینس عنایت گردد ، در سایۂ عطوفتِ گرامی راہگرائے مدّعا میتواں گردید ۔ مگر التماس اینکہ وقتِ ملاقات دوپہر روز بر آمدہ قرار یافتہ است ۔ بہ کہاران فرماں رود کہ ہر گاہ آدمِ فلانی بیاید ، پینس بہ ہمپائے اوبرند ، چہ آن وقت آن جناب در خوابِ راحت خواہند بود ۔ زیادہ جز تسلیم چہ عرضہ دارد ۔ فقیر محمد اسد اللّٰہ۔

بنام یوسف میرزا

خط ـ ۱

نور دیدهٔ غالبِ آشفته نوا یوسف میرزا که چه گویم از رفتنش برمن چه رفت فرا رسیده باشند که بهره ره بربسته و رنج رهروی کشیدند۔ حذّهٔ ماحدهٔ خود را به فرح آباد نیافته باشند ـ بارے سعادتے که در غمگساری وخدستگزاريِ خانِ فرّخ فال اندوختہ اند، مغبِ ایشانست ـ میر مهدی که به جے پور رفته اند ، و یارِ عزیز یوسف علیخاں که دربنارس جادارند سلام سه به شما ارمغان می فرستند۔ کاش بیئید تا آنهمه که نزد من فراهم است از من بستانید ـ نامهٔ شما به من رسیده است و این که من می نویسم ، پاسخِ آنست۔ زنهار با مردمِ آن شهر میامیزید و طرح ستره مریزید ـ گفتارِ موزون که آں را شعر نامند ، در هر دل جائے و در هر دیده رنگے دیگر و سخن سرایاں را هر زمزمه جنبشے دیگر و هر ساز آهنگے دیگر دارد ـ از دیده و دانستِ دیگران چشم پوشند و در افزونيِ آگاهیِ خویش کوشند ـ اسد اللّٰه۔

رقعه به ذوالفقار الدین حیدرخان عرف حسین میرزا

خط - ۱

عنایت فرمائے من، دوستِ ہم عمر و ہم سبق شما رقعهٔ مختصرے به نامِ شما فرستاده است و به نامهٔ که مرا نوشته است ہم دریں باب یعنی در طلب کتب فراوان ابرام کرده - من خود رقعهٔ دوستِ شمارا نزدِ شما میفرستم، مناسب آنست که کتب و اگر در آں باب عذرے باشد، جواب ارسال دارید تا ہر چه فرستاده باشد، فرستاده آید لیکن ہم امروز که فردا رونده می رود- فیض پر پروره، مقدمِ شما مژدهٔ نکوئی داد و مرا از بندِ تپ رہائی بخشید - دیروز و شب فارغ بوده ام، اگر امروز ہمچو دیروز خواہد گذشت، از ظهورِ تپ به صورتِ نوبه نیز ایمنی روی خواہد داد، والسلام -

منشی التفات حسین خان

خط ۔ ۱

اسد اللّٰہ آسیمه سرِ آشفته رائیکه نبشتن از گفتن نداند به والا خدمتِ مخدومِ معظّم و مطاعِ مکرم عرضه می دهد هنرے و کمالے که دریعۂ التفاتِ والا نگہبان تواند بود ، کرا و حقِ خدمتے که دستاویزِ دریوزۂ مکرمتے توان ساخت کجا ، مگر برتہیدستیِ من بحشند و بر ساده دلیہایِ من بخشایند که متاعِ شفقت را که سرمایۂ بحر و کان بیعانۂ آن تواند بود ، به ہیچ خریداری میکنم ۔ آمدم تا گره از رشتۂ گفتار کشایم و سخن صاف ترك سرایم ۔ بافرمانروائے شهر مطلبے دارم و دانم که این فرمانروا تا محرکے و مقربے نبود به دردِ دلِ سائل نمیرسد، چه یك تنه به کار ہائے بسیار پر داختن و تنہا کارِ جہانے ساختن ہمین آشوب می آورد ۔ بالجمله مرا در عرضِ این مدّعا روئے سخن به ملازمانِ مخدوم است ۔ اسید که لختے این اندوه نامه را که موشّح به نامِ نامیِ دادرس است بنگرند و ہم ازین وقت در اندیشه گردِ آن برآیند که کدام روش پیش باید آورد تـ طالب به مطلوب رسد۔ میر امام علی که با این نامه به خدمت میرسند مأمور اند بدینگونه که اگر منشی صاحب ارشاد کنند نامۂ موسومۂ حاکم را به ملازمان سپرده بیایند و اگر این ہنجار به آئین نباشد ہم به میر امام علی فرمان شود تا فردا ہنگامِ نیمرور به دارالانشا رسیده نامه به میں جی گری جماعه دار به داور رسانند ، بایّ حال قبولِ این التماس و نجاتِ من وابسته به چاره ساری و غمخواریِ خدّامِ عالی مقام است ، ورنه مکتوب الیه را دانم که چه مایه دیرفہم و نارس است ، والسلام والاکرام۔

بنام میاں محمد نجف خان صاحب

خط ۔ ۱

از و اماندگی به رسیدنِ درودے و از دردِ دل به شنیدن سرودے، از غبار به دامن نمایشے و از کاه به کهربا گرایشے ، از زخم به مرہم پیامے و از رنجور به پزشك سلامے ، از مخمور به ساقی بیانے و از من به دوست داستانے تا ذوقِ ہمزبانی بر دل اشتلم کرد چشمه چشمه گفتار از لب به تراوش آورد ۔ چندانکه روانِ گویا را به سخن نعل در آتش است ، اندیشه فروماندۂ این کشاکش است که این خواہش چگونه۔ روائی می تواند گزید و سخن تا دوست چون تواند رسید ، مگر خامه به دستگیریِ شوق برخیزد ، و اندیشه را به پیوندِ خویش استواری بخشد' تا گوہر کشانِ گنجینۂ راز ارسیمِ دوریِ راه باز رہند و ہرچه از بہرِ فرستادن گرِد آورده اند بدین رہروِ چالاك دہند ۔ بارے کلكِ فرمان پذیرِ امانت گزار را آفرین گویم که نویدِ بازیگری داد و به نیروبخشیِ اندیشه و کامروائیِ شوق کمر بست ۔ چون آئین چنانست که ہر چند به امینان سپرند ہمه را در فهرست یك یك شمرند ۔ لا جرم گزارده می آید که سپردۂ زبان به خامه و فرو ریختۂ قلم به نامه نخست آرزوئے دیدار است که پیرایۂ عنوانِ گفتار است و آنگاه سپاس و درودِ دوتا نامۂ دل افروز که ہریك جہانِ تمنا را چرخ و انجم و بوستانِ آرزو را و باران توان بود و دیگر بسطِ پوزش آراستن است و عذرِ کوته قلمی خواستن ۔ ننگاشتنِ پاسخ از فراموشی و بیگانگی نیست که مرا بدین جرم توان گرفت ۔ چه کنم غمِ روزگار آنچنان درہم نفشرده که دل را به اندازۂ یك واشد در سینه جاتواند بود۔ اگر نفس است در سینه خونست و اگر نکته است در دیده غبار۔

مثنوی

ز ناسازی و ناتوانی بہم
دم اندر کشاکش ز پیوندِ دم
ز بس تیرگی ہائے روزِ سیاه
نگه خورده آسیبِ دوش از پگاه

تن از سایۂ خون بہ بیم اندرون
دل از غم بہ پہلو دو نیم اندرون

سلامِ مکرمی جنابِ محمد حمید الدین سلمہ اللّٰہ تعالیٰ مرا دل افرورتر از آنست کہ تشنہ را زلال و گدارا وایہ و خستہ را دارو - امید کہ دوست کام باشند و مرا از دوستانِ دیدار جویشمارند ، والسلام -

بنام نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر

خط ۔ ۱

فرد: غـرقـۂ بـحـریـم مـارا در دیـارِ مـا مـپـرس
لـقـمـۂ کـام نـهـنگیم از مـزارِ مـا مـپـرس

خجستگی خوے فرزانه برادر را از من آفرین و خداوندِ آن خوئے را از ایزد آن بخشایش که بحـت وے از خـوئے وے حجسته تر باد۔ فرستادنِ نامه و باز خواستِ پاسخ ازان خوش تر، نه بدان اندیشه کـه ہـر دورا به دلپذیری یکسان شمرده باشم، بلکه این بیدردی است و آن مـهربانی ۔ آن دلبری سـت و ایـن جانستانی ۔ ہر چند ساز گاری این خواہش به گوارائیِ ستمهایِ دلبران مَاند، امـا مـرا خـود از آسـودگـی کـار ازان در گـذشـتـه کـه نیرو به کشیدنِ ناز وفا توان کرد ۔ اے روشنیِ چشمِ مردمی، ازین پیش که خرامِ کلکِ مرا در نگارش آن ہنجار بود که پیش ازانکه دیگران نگرند نـگـارنـد را خود دل از دست رفتے ۔ ازان روی بود که پیش ازانکه دیگران نگرند نگارنده را خود دل از دسـت رفتے ۔ ازان روئیبود کـه دمـادم فـرخ سـروشـانِ راز از فـرازین گیتی بـه نهاخانۂ دل فرود آمدندے و جنبشِ بالِ آن بوقلمون بالان به انگیختنِ گونه گون نقشـها سر تا سرِ نشیمن اذین بستے ۔ چـون میانۂ دل و زبان جز اندیشه حجابے نیست و آن پرده تنگ بود ہر آئینه ہر چه به درون سو روی دادے، نـگـرنـده آنرا از برون سو نگرستے ۔ اکنون که آن دلکشائیش نیست، این خوشنما نما یش ار کـجـا بـشد ۔ نے نے، شباب شبے بود و ضمیر شبستان و خیال شب باز و گرمیِ نظم و نثر ہنگامه ۔ اکـنـون کـه صبـح پیری در دمیدن است نبینی مگر شمع و چراغِ انجمن فرو مرده و ہنگامۂ شب بازیِ خیال برہم خورده ۔

فرد: نـه رقـصِ پـیـکـران بـر بـسـاط
نـه غـوغـائـے رامشـگـران در ربـاط

آنچه درین ناخوش ہنگام از قسمِ گفتار به زبان رود، گلهائے پژمردۂ شبانه از روئے بساطِ بر چیده چیدن و گلدسته بستن است ۔ رنگے که افروزشِ نگاه آورد کو؟ بوئے که آرامشِ روان دہد کجا؟ یارانِ بزم ویژه غیاث الدوله نوآب رضی الدین حسین خان بـهادر سلامـها می رسانند و من نیز به ہمدمانِ شما خاصه به خواجه محمد علی خان سلام میرسانم۔

خط ـ ۲

برادر ، اشک و آہِ غالبِ نامراد یعنی آب و ہوائے اکبر آباد به شما ساز گار باد ـ ہر چند از ہم دوریم ، اما اندیشهٔ فرزانگی پیشه به سختیِ اندازهٔ یکدلی بدان پایه فرود آورده اند که دوری نزدیکِ آن نتوان گردید ـ گرفتم که خود از من دور تر رفته اید ، اما چون ہنوزم در وصنید ، ہمانا که نزدیکِ منید ـ شادم که شوقِ دور اندیش دیده و دل را درین سفر باً شما فرستاد ، تاہم دریں غربت دادِ شادمانیِ دیدارِ وطن نیز توانم داد ، و زینهار اکبر آباد را به چشمِ کم ننگرید ، و از رہگذر ہائے آن دیار الحفیظ گویو الامان سرایگذرند که آن آبادچهٔ ویران و آن ویرانهٔ آباد باری گاه ہمچون سِ مجنونے و ہنوز آن بقعه را در ہر کفِ خاک چشمهٔ خونے ست ـ روز گارے بود که در آن سر زمین جز سپهر گیا نرستے و ہیچ نهال جز دل بار نیاوردے ـ نسیمِ صبح در آن گلکده به ستانه وریدن دلہارا آن سایه از جا بر انگیختے که رندان را ہوائے صبوحی از سرو پارسایان را تبِ نماز از ضمیر فروریختے ـ ہر چند ہر ذرّهٔ خاکِ آن گلزمین را از تن پیامے بود دلنشین و ہر برگِ آن گلستان را از جان درودے بود خاطر نشان ، اما تازگیِ وقتِ شما را در نظر داشته در دوپرده پرسش انگیخته بود و چشم براہِ آن داشت که کے نویسند و دریغ که ہیچگاه ننوشتند که رخشِ سنگین دعائے مرا به کدام ادا پذیرفت و دریا به پاسخِ سلامِ من به زبانِ موج چه گفت ـ حالیاً از ہمدمان شما به اقبال نشان میرزا زین العابدین خان دعا می رسانم ، و به میر کرم علی صاحب سلام ، والسلام خیر ختام۔

خط به جوابِ خطِ جناب جمس طامسین صاحب
سیکرٹری بہادر نواب گورنر اکبر آباد

خط - ۱

به جنابِ شوکت نصابِ عالی مناقب والا شان امید گاهِ خیر اندیشان و قدر افزائے نیاز کیشان زاد افضالهٔ، آدابِ نیایش به اندازهٔ ستایش بجا می آرد و به نیروئے فرّخی این ذریعه عرصه میدارد منشورِ لامع النور به اضافهٔ فرِ فروغ ورود سپهرِ تمنّا را رخشانی نیّر آورد و بساطِ آرزو را غلطانی گوهر هم - عنوانش از نظر فروری منتظران را اندوه ربائی وهم مضمونش از دلنشینی آرزومندان را امیدفزای - تا چشم به سرمهٔ سوادِ آن همایون نامه به نورِ بینش افروختم، به مشاهدهٔ جلوهٔ تمثالِ این آگهی خرسندی اندوختم که هنوز شبِ انتظار را سحر ندمیده و حکمِ مقدمه از داد گاهِ ولایت نرسیده است -

فرد: تا خود پس از رسیدنِ قاصد چه رو دهد
خوش می کنم دلے به امیدِ خبر هنوز

بالجمله سپاس گزارِ آنم که چون منے را که ارزشِ لطف و کرم نداشت، خجستگی خوئے فرزانه داورِ فریاد دادرس محرومِ رشحهٔ قلم نداشت - هر چند از حالتِ وجودم ذره ذره شاد کامِ تردستی ساقی است، لیکن از بسکه به پایانِ سموم خیزِ مدعاطلبی جگر سوختهٔ تمورِ ناکامیم، تشنگی زلالِ التفات هنوز باقی ست - توقیعِ وقیعِ بارگاهِ گیتی پناهِ گورنری کلکته که از من نزدِ سلازمان مانده بود، از سوردِ ایی قدسی معاوضه باز به من روئینمود - یارب آن ذاتِ ملکی صفاتِ ملکوتی آیات را جهانگیر و جهانداریِ جاودان و اسبابِ مدّعا بخشی و بنده پروری فراوان باد - عریضه نگارِ هوا خواه، اسد اللّٰه۔

خط - ۲

به خدمت کثیر البرکت صاحب والا گہر عالی نطرِ بنده پرور، عیارافزائے سخنوران و امیدگاهِ ثناگستران راد افضاله، به رو دادن توفیق مدحتگری که عنوانِ صحیفهٔ نام آوری ست به خجستگی بختِ خویش مسپارد و سروئے این خجستگی را که عبارت از فروغِ طالعِ سخنوری ست دستمایهٔ گزارشِ مدّعا میسپارد - روزے که رہرو جادهٔ بندگی به فرقِ فرقدان پاداشت، یعنی درآن ہمایون انجمن که معبر افاضل است، جداشت - علی الرغمِ روزگار به فرحیِ دیدار دمادم دل به شادمانی نہادے و خود را به ارزشِ التفات و سخن را به حسنِ قبول مژده دادے تا به مشاہدهٔ آن نواز شہائے امید افزا افسونِ آرزو در نہاد شوق فرجامِ اثر گرفت، به چشم داشتِ افزائشِ آبرو به خواہشِ رشحهٔ قلمے سادرت رفت - ہر چند از مقامِ ناشناسی زمزمهٔ تمنا ساز داد، اما ادب که پرده سنجِ قانونِ حسنِ طلب است، ہم ازان پرده آواز داد که مدحِ ناگفته آفرین خواستن و بندگی ناکرده پاداش آرزو داشتن، آن کدام آئین است و این کدام دستور - ہر آئنه اندیشه را ہوائے آن در سر افتاد که خود را خموش نپسندد و به آہنگ ستایش دلکشا پردهٔ بر سازِ سخن بندد - جگر پالائے غم و جان گدازیِ یأس و ناسازگاریِ منش و اشفتگیِ رائیو تنگیِ دل و پراگندگیِ اندیشه و تیرگیِ ہوش، اگر یکے ازین ہمه سخنورے را به سختی فراگیرد و نفسِ ناطقه که زندهٔ جاودانی و شمعِ آسمانی ست، در پیکرِ آن ستم زده فرومیرد - پس که این ہمه را ہمه و جز این دیگر غمہائے ہر دمه دارم، چگونه دادِ گفتار توانم داد و چسان مدّعا به سزا توانم گفت - ناچار به قصیده راه نبرده غزلے به ره آورد آورده ام - برضمیرِ معجز جمر داورِ دادپیشهٔ شناسااندیشه به شرط تأمل نہان نخواہد ماند که به دستے که به ہر سر انگشتش نے در بنِ ناخن نہان است، خواہشِ خامه را در نگارشِ غزل چه عنواست - اگر ازین نوایان برگے به گلبنے پذیرند، چه شگفت و اگر از نالهٔ غمزدگان نشاطِ زمزمه گیرند، چه عجب! مرا خود ازین پس ناله به لب شکستن است و دل به امیدواریِ پاسخ بستن تا رأفت و عطوفت چه اقتضا فرماید و ازین پرده که پردهٔ سازِ ستایش است چه رخ نماید۔

غزل

تا بسویم نظرِ لطفِ جمسِ طابسن است
سزه ام گلبن و خارم گل و خاکم چمن است

اے کہ تا نامِ تو آرایشِ عنوان بخشید
صفحۂ نام بہ شادابیِ برگِ چمن است

کلکم از تازگیِ مدحِ تو دربارۂ خویش
شارحِ انبتہ اللّٰہ نباتاً حسن است

گوہر افشانیِ مدحِ تو بہ جنبش آورد
خامہ ام را کہ کلیدِ در گنجِ سخن است

ہر دم ازرائے منیرِ تو کند کسبِ ضیا
مہرِ تابان کہ فروزندۂ این انجمن است

بہ خیالِ تو بہ مہتاب شکیبم کہ مگر
عکسِ روئے تو درین آینہ پرتوفگن است

راست گفتارم و یزدان نسپندد جزراست
حرفِ ناراست سرودن روشِ اہرمن است

آنچنان گشتہ یکے دل بہ زبانم کہ مرا
میتوان گفت کہ لختے ز دل اندر دہن است

راستی اینکہ دمِ مہر و وفائے تو بہ دل
باہم آمیختہ مانندِ روان با بدن است

دوری از دیدہ اگر روئیدہد دور نۂ
رانکہ پیوستہ ترا در دلِ رارم وصن است

داد را گرچہ ہُمایم بہ ہمایون سحمی
لیک در دہر مرا طالعِ زاغ و زغن است

حر سه اندوہِ دل و رنجِ تنم نفزاید
ناله ہر چند زِ اندوہِ دل و رنج تن است
سینه می سوزد ازان اشك که در دامن نیست
به جگر می خلد آن خار که در پیرہن است
بیکسیہائے من از صورتِ حالم دریاب
مرده ام بر سرِ راہ و کفِ خاکم کفن است
حیف باشد که دلم مرده و پرسش نکنی
به جہان پرسشِ ماتم زده رسمِ کہن است
چشم دارم که فرستی به جوابِ غزلم
آن رضا نامه که از لطفِ تو مطلوبِ من است
غالبؔ خسته به جان جائیبر آن در دارد
گر به تن معتکفِ گوشۂ بیت الحزَن است

آئینۂ صیقل طلب و خستۂ مرہم جویو گدائے وایه خواہ، نامه نگار اسد اللّٰہ۔

خط ۔۳

بحضورِ وافر السرورِ نوابِ عالیجناب داورِ فریدون فرِ سلطان شوکت شاہ نشان عصرد پیشکار کسوان پاسبان دام اقبالهٔ، وزاد اجلاله، آدابِ بندگی که سرمایهٔ بازندگی ست به عنوان تہنیت بجاسی آرد و والائي پایۂ فرمانروائي خداوندِ ہنر پسند را اوجِ کوکب بختِ خویشتن می شمارد ۔ بنده را دلنشین است و نشگفت که خداوند را نیز خاطر نشین باشد، که در آن روز دمرور که به سرا پردۂ قرب دوباره راہ یافته بود، به ہمدمي طالعِ خجسته و سازگاری اختر مسعود توفیق گزارش این گفتار یافته بود که سطرے چند به توقیعِ خشنودی از رگِ کلك گہربار فروریزند و آن حرز کامیابی را به گردن بحتِ عریضه نگار فرا آویزند، با چون نقش جہان داوری و گوہری به کرسی نشیند، بندۂ فرمان پذیر نقش تمنائے فسون در آئینۂ آن نگارش کرسی نشین ستند بہمن از فرط عطوفت و رأفت بدین پاسخ سائل را ابرو و دل را نیرو بخشنده بودند که ہر گاہ ارزوئے بندۂ توقیع خوشروائی خواہد گرفت، در روائي ارزوئے توقیعِ خوشنودی مضائقه دریغ نخواہد

رفت۔ خدا آگاہ است و بندہ خود گواہ کہ آن وعدہ بہ گریز ادا پذیرفت و مکرمتی بہ ظہور آمد کہ سپاس آن بہ ہزار زبان نتوان گفت کہ در آن ہنگام کہ تازہ بہ زمین بوس رسیدہ بود و حقِ بندگی بر آن آستانِ سپہر نشان نداشت از ہمہ نوازش مشاہدہ کرد ۔ اکنون کہ دیرین بندۂ آن درگاہ و خاک نشین آن سر راہ است ، ہر آئینہ بدان آرزو کہ ہر روز بہ تشریفی ارجمند وار و ہر دم بخششی را خواستگر باشد ، آرایش یافتن و بندۂ گورنری اکبر آباد بہ وجودِ ہمایون از آن رو کہ نشانِ قبولِ دعائی سحر گاہی من است بر رخِ آرزو درِ دولت کشود۔ از آن راہ کہ آن دیار مسقط الرأسِ من است و سر زمینی من نیز ہم در آن سر زمین بود ، امیدواری افزود۔ بندۂ خاص الاخلاص بودم ، رعیتِ خاص شدم ۔ در بندگی بہ عنایت استظہار داشتم ، در رعیت گری بہ رعایت سزاوار آمدم ۔ بہ شادیِ آوازۂ این نوید کہ بر زبانہا افتادہ ، اگر صد ہزار گنجِ گہر داشتمی بر فرقِ خلق افشاندمی و نشۂ خوشیِ بادۂ این نشاط کہ دل را روئیدادہ ، اگر از خردہ گیران نترسیدمی خود را جم و پرویز خواندمی ۔ زمینیان دعویِ این شادی از وقت پذیرند، و سپہریان غیرِ این شادمانی آن ساعت گیرند کہ نہالِ تمنایِ ہوا خواہان گلفشان گردد و اگر آید بہ وزیدنِ نسیمِ بہاری یعنی رسیدنِ موکبِ شہریاری گلستان گردد و من کہ سبہ مست مشوقم بہ عندلیبیِ بہارستانِ اقبال بیخود ارخانیم خیزم ، و بہ گزارشِ حرفِ تہنیت ہزار رنگ زمزمہ از ساز نطقفرو ریزم۔

قطعہ

ہوا عنبر فشانست و ابر گوہر بار
جلوسِ گل بہ سریرِ چمن مبارک باد
رباب نغمہ نوازست و نے ترانہ فروش
خروش زمزمہ در انجمن مبارک باد
بہ بزمِ نغمۂ چنگ و رباب ارزانی
بہ باغ جلوۂ سرو و سمن مبارک باد
بعہا کہ بہ کاشانۂ کمال برند
فروغ طالع اربابِ فن مبارک باد

ز بادہ ہا کہ بہ میخانۂ خیال کشند
طلوعِ نشّۂ اہلِ سخن مبارک باد
فضائے آگرہ جولانگہِ مسیح دمے ست
ز من بہ ہمنفسان وطن مبارک باد
چہ حرفِ ہمنفسان،فرّخی زبختِ منست
زبختِ فرخِ من ہم بہ من مبارک باد
بہ من کہ خستہ و رنجور بودہ ام عمرے
نشاطِ خاطر و نیروئے تن مبارک باد
ہزار بار فزون گفتم و کم است ہنوز
گورنری بہ حمس ٹمسن مبارک باد

بہ اعتمادِ کرمِ خداوند کہ ذریعۂ ارجمندی ست در عرضِ این مدّعا مبادرت می رود کہ از شرفِ پاسخِ این تہنیت نامہ ناکام نمانم، تا بہ رسیدنِ عرضداشت فرارسیدہ اندازۂ ارزشِ خود باز دانم۔ نیّرِ دولت و اقبال سرچشمۂ فروغِ بے زوال باد۔

بنام شمس الامراء نائبِ والیِ حیدر آباد

خط - ۱

رباعی

والا نظرا، سرا، گرامی گہرا
کز فیضِ تو یافت رونق این کہنہ سرا
یا رب چہ کسی کہ لفظِ شمس الامراء
جزوی ست ز اجزائی رقمِ نامِ ترا

به موقفِ عرضِ بارگاهِ ارم کارگاهِ بندگانِ فرشته پاسبانِ حضرتِ فلک رفعت نواب ہمیون القاب قبلۂ اہلِ عالم نائبِ وزیرِاعظم دام اقباله و زاد افضاله می رساند - یزدانِ فیروزی بخشِ توانائی ده را سپاس که به این ہمه دوری مہجور نیست و اگر خود را از نزدیکان شمارد، دور نیست - برہانِ دعوی این که مخدوم و مطاعِ محمّدینِ آفاق مولانا عبدالرّزاق که شریفِ مدینه و صورتِ صدق و صفا را آئینه اند، گذشتنِ ذکرِ خاکسار به برمِ خاوند بہر ذکر کرده اند، ہمه دانی و فیض رسانیِ نواب خدایگانی باغائب و حاضر و دور و نزدیک یکسان است - زہی پس آئینه را به صیقل مژده و گدا را به گنجینه نوید - درد را به دوا واشارت و آرزو را به روائی امید - ہمانا بخت را خوابِ گران سرآمد و دولت به دلجوئی از در در آمد - برضمیرِ منیر که آئینۂ رازہائی نہانست نہان نماند که شعر و سخن را ب نہاد کمترین پیوند روحانی ست و خامه از بدوِ فطرت در گہر افشانی - در آغاز ریخته گفتی و به اردو زبان غزل سرای بودی تا به پارسی زبان ذوقِ سخن یافت، ازان وادی عنانِ اندیشه برتافت - دیوانِ مختصری از ریخته فراہم آورد و آنرا گلدستۂ طاقِ نسیان کرد - کم بیش سی سال است که اندیشه پارسی سگال است - تا آن که از بیمِ شیروانِ سپہر در این کاروانسرای ہزار در گوہرِ شہوارِ آبرو را پاسبان است و گردندگی جوئی نسار گار زمانه را سگران، به ذوقِ سخنی ادائی رقصِ قلم سرمست است و به شادابی نوائی سخن تردست - درین سپیده دم که بختِ غنوده به چشمِ نیم باز در من نگرست، و بلبل طبع به تقاضائی زمزمه بال فرو کوفت، خدا را نیایش و خداوند را ستایش سر داده آمد - بستن دل در لوامعِ سحری دری به روئی دل کشاد تا در آن روشنی قصیدۂ مشتمل بر شصت و ہفت بیت پیوندِ نگارش پذیرفت -

چه قصیده ، از سینهٔ که تابِ غم در آں آتش افروخت نیم سوخته آہے و از خرمنے که برق آن را پاک سوخت دود اندوده گیاہے - فرّخاخت عریضه نگر که سهدستمایهٔ چشم داشت قبول روزے چند دل به شادمانی نهد و درین تنهائی دادِ ہمدمی خویش دہد۔

فرد

فرد: به التفات نیرزم ، در آرزو چه نزاع
نشاطِ خاطرِ مفلس ز کیمیا طلبی ست

چنانکه ہوس می سنجد و آرزو میسگالد ، اگر بنده پرور را دل به پرسش گرم نگردد و سژه از مهر نم سرون نهد ، پندارم آن آهِ نیم سوخته را شعله فرو نُرد و آں گیاهِ دود اندود را باد بُرد - اے مدح سرائی ست ، نه معرکه آرائی ، عرضِ بندگی ست نه لافِ ارزندگی - کر با بحثِ کارسر است - با زبانِ دراز ذریعهٔ سائل دعائے دولت است به دعویِ خدمت۔

قصیده

اے مظهرِ کُل در ازل آثارِ کرم را
منّت به سرِ لوحِ اسمِ تو قلم را
شمس الامرا کز شرفِ نسبتِ نامش
خور قبله بُد اورنگ نشینانِ عجم را

یا رب عنوانِ صحیفهٔ امارتِ خدایگانی از دفترِ قضا به توقیعِ بقائے جاودانی رقم پذیر باد۔

عرضداشت بنامِ نامیِ نواب مختار الملک نائبِ والیِ حیدر آباد

خط۔ ۱

به عزِ عرضِ حضرت فلک رفعت نواب معلّی القاب آن ارسطوئے اسکندر مرتبه آن آصفِ سپهر کوکبه آن نظام الملکِ ملک شاه شکوه که قبلهٔ حاجتِ مستمندان و کعبهٔ آمال سخنوران‌اند میرساند۔

اگر در سر آغازِ عرضداشت معذرت صورت نپذیرد میدانست که دیگر این نگارش را محلّے و موقعے دست بهم نخواهد داد۔ ناچار پیش از آن که در دل گفته شود سخن در این بهی رود که عریضه نگار درویشِ گوشه نشینے بیش نیست۔ اگر در سخن گستری بلند آوازه باشد، گو باش۔ بر آئینه خرد می سنجد که فرستادن نامه بے آن که روشناسِ آستان نشینانِ آن درگاه شده باشم جسارت خواهد بود و این جسارت جز تضعیفِ خویش ثمر نخواهد بخشید۔ اگر مشتبه شده نبودے که بندگان حاجتِ خود از خدا می خواهند و آن گستاخی و بے ادبی نیست، نتوانستمے عریضه نگاشتن و پاسخ چشم داشتن۔ بلے، بندگان هم از خدا می خواهند و هم از خداوند۔ سررشتهٔ ردّ و قبولِ دعا و مدّعا بدستِ خداوند است، تا کرا رانند و کرا خوانند۔

داد از تلخيِ زهرِ این غم و تیزیِ دشنهٔ این اندوه، قصیدهٔ مدحیه فرستاده باشم و ندانسته باشم که مطبوعِ طبعِ اقدس افتاد یا نه۔ این خود سخنے بود که در سراسیمگی به زبان رفت۔ هنوز این نیز ندانسته ام که به نظرگاهِ خداوندگار گذشت یا خود آن عریضه در عرض راه تلف گشت۔ ناوک پیکان نام گاه گه خطا میکند و چون تیرِ تخش به هوا میرود، گفتارِ مرا بخت زبون و مدح مرا ارزش صله کجاست۔ همین قدر التفات خشنودم که دبیرانِ همایون دفتر توقیعے به نامِ من نویسند تا از رسیدنِ آن قصیده و عرضداشت آگهی یافته به رسائيِ طالع و بلندیِ اختر خویش فخر می کرده باشم:

تا چرخ کشَد محملِ برجیس، بقا باد
نوّابِ فلک محملِ برجیس شیم را

خط به منشی فضل اللّٰه خان برادرِ منشی امین اللّٰه خان دیوانِ راجه الور

خط - ۱

فرد: تنگ است دلم حوصلۂ راز ندارد
آه از نئے تیرِ تو که آواز ندارد

ابرِ بهار اگر به کشایشِ فراوانیِ دستگاه همه گوہرِ شاہوار آفریند، کشتِ کشاورز سرسری و باغ کدیور شادابی از کجا یابد - ہمچنیں پرتوِ مهر اگر در نمایشِ نیروئے تصرّف جز به مغز خاک راه نبرد، دانه را در خوشه و میوه را بر شاخ که پرورد- لاجرم خامه که سیاحیِ بے زبان است و زبندانِ رازدانان، اگر جز بدله نداند نگاشت، گزارشِ ما فی الضمیرِ سخنور از که چشم توان داشت؟ آزاد گاں را عنوانِ نامه ساده خوشتر تا آں صحیفه صبحِ صادقِ جہانِ مهر ووفا تواند بود، و دلداد گاں را آغازِ نگارش به حرفِ مدّعا درخور، تا به حذفِ زوائد که اینجا بمنزلۂ نفیِ ماسواست، اثباتِ حقیقتِ اخلاص تواند نمود و ہمانا من که جز راستی به دلم ننشیند و جز راست به زباں نگذرد، دریں انزوا که ہم بدم بر دل است، و ہم به زباں، شنوده ام که عرضداشتے از جانبِ من به نظرگاهِ انتخابِ راجۂ سلطان نشان و گذرانده را در آں ہنگام سپرشے به سزاو ستایشے به آئین بر زبان گذشته است - اگرچه از گذرانندۂ عرضداشت یعنی مطاعی منشی امین اللّٰه خان سپاس پذیرفتم و بر آں ستایش که به فرمانِ مهرو مهربانی بود، آفریں گفتم، لیکن به شگفتی فرو ماندم که عرضداشتے که من ننوشته باشم، تا به مطاع که رساند و مخدوم کرم پیشه بے آں که من گفته باشم، چگونه در آں انجمن از من سخن راند - من خود به شنیدنِ این آفرین بر خود نفریں و جیب و دامن به خونۂ چشم رنگیں کرده ام که ہیہات قدرِ دوست نشناختم و دیده روشناسِ کفِ پایش نساختم - کاش غالبِ بینوا خود حوصلۂ بندگی خود از دوست درخواستے تا منّتِ غمخواری ازیں عریضه سپار ناشناس که ہنوزش ندانسته ام که کیست از میان برخاستے - یارب آں فرشته که مرا ہنجارے که من ندانم کے از من برد ہنجارِ من در نگارش از کجا آورد - چه سر کردن این سره روش اندازۂ مثلِ نیست و در ایں که من نمی گویم ہیچ گونه شک نیست - بارے از خواہم که حضرت آں عرضداشت را نگرند و به سراپائے آں ورق گذرند و چوں پدید آید که سوادش این چنیں نیست،

دانند که نگاشتهٔ کلکِ غالبِ اندوهگین نیست - بر آینه از والا برادرِ خویشتن پرسند که این نوشتهٔ نوشته و این فرستادهٔ نا فرستاده را نزدِ شما که آورده است - صاحبِ من حکایت است نه شکایت ، تکلّم است نه تظلّم - رسیدنِ کاغذ نفرستاده نزدِ منشی امین اللّه خان حییے آب می برد و شگرفی این واقعه از سر ہوش و از دل تاب می برد - خدا را از بندِ اندوہم بر آرند و نه کشفِ این راز ہمت بر گمارند - ہم آن نامۂ بو العجب ہنگامه را بر خوانند و ہم برادر خود در پرسش سحر رانند و نیز دمے که نوردِ آن ورق از ہم کشایند ، خدمِ خاتمه را نه گوشۂ چشم مشاہده فرمایند ، اما پس ازان که نه پر کارِ اندیشۂ تیز گردِ زودیاب سیر نگرستن و پرسیدن به پایاں نرسد - بر آئینه آن باید که بے آن که درنگ دربارِ گنجد ، پاسخِ نامه نگاشته و صورتِ واقعه شرح داده آید ، والسلام -

خط - ۲

فرد: شادم که گردشے به سزا کرد روزگار
بے بادہ کامِ عیش روا کرد روزگار

دریں خجسته دور و فرّخ روزگار که ساقیِ دہر به تردستی انگشت نماست ، و آمالِ بزم به سرمستی روشناس شبنم افشانیِ نسیم ورودِ نامۂ نامیِ گرامی برادر ہمایون نظر به بستا نسرائیِ محبت رخ سبزه را نکوئی و گل را تازہ روئی افزود - ہمنا این زلالِ مشکبو که ارمغان فرستاده اند و نامش عرقِ کیوڑہ نہاده اند رحیقے ست به رایحه رواں آسای و نه جرعه خرد فرسائے - نه رحیقے که فرخ سروش از بوئے آن گریزد و آشامیدنش رنگِ تردامنی ریزد - روان پرور عرقے ست از گل خوشبوی به آذر کشیده - گوئی موجِ آبے ست از شعلۂ آتش سر کشیده - خوشا آبے که اگر به فرض موج زن گردد خضر را به مشاہدۂ آن آب درد ہن گردد - عرق می گویم و سبکه ازین گفتن خجلم ، ہمان از جبین فرو می ریزد - نه عرق ، بلکه زبدۂ اجزایِ گلِ کادی ست که فرعش اصلِ شادی ست - تا گل بود ، صورتِ شہپر داشت - پنداری ہوایِ پرواز در سر داشت - آب و آتش را بر آن پیکرِ نازک گماشتند ، و بال را به تفِ آتش گداختند ، بوئے را به زنجیرِ موجِ آب نگاه داشتند - اگر باده ہوش خیز بودے و ماء الورد تلخ نبودے ، دانستمے که شراب است با گلاب آمیخته ، و اگر خَویِ چہرۂ زیب طبعتان به حور و آشام در حورستے ، پنداشتمے عرق است از عارض حور و رخسارِ پری فرو ریخته - آن مئے سر جوش که جم به جام می زد و آن یاقوتِ سیّال که پرویز به پیمانه می پیمود ، گو مستی آور خرد ربای باش ، نشاط انگیز تر ازین عرق نخواہد بود - با

ابسہمہ ازین عرق داد کہ اگرچہ تشنہ لبی را لختے چارہ گر آمد ، اما ار حگر تفگی ہیچ نکاست ۔ ن کام گرمی رگِ اندیشہ و بیتابیِ دل سہر پیشہ ہمچنان برخاست ۔ پس ار سپہسگراری ارمغان ہم دریں نامہ ار والا نامۂ احوی شفیقی دیوان امین اللہ حان طال بقاؤہ و راد علاؤہ سحں می رود و رشحۂ ایں خامہ را نارم کہ باآنکہ نمك کمتر داشت ، تشگی افزون کرد و نم را کہ پیوستہ ار سحن پُر و ار نوا حالی ست ، بہ شور آورد ۔ ہر کس داند کہ ہمہ کس را اندوہ حود از دشمن باند نہفت ۔ آہ از من کہ من غمِ دل بادوست نیز نمی توانم گفت ۔ چوں در بار می گویند کہ نگوی ، دیگر چہ گویم ، مگر ناگفتہ نمی دانند کہ روز زود گذر است و روزگار پُر خطر ۔ ہر آینہ کارہائے نازك درنگ برنتابد ۔ اکنوں کہ سخن بدین پایہ فرود آمد ، بہ زمرمۂ یکے ار ابیاتِ درد مندانہ عدر درازیِ سخن می خواہم ۔

بیت

بر دلِ نازكِ دلدار گرانی مکناد
خواہشِ ما کہ جگر گوشۂ ابرائے ہست

حضرتِ والدہ صاحبہ قبلہ دعا می فرستند و شادمانیِ قبولِ دعا ہم بہ دعا میخواہند ۔

خط ۔ ۳

۱

باغِ دو در

مخلص نوازا غمزدگان رامہر اندوہ گدازا ! ایں در کہ مشفقی رائے چھحمل را بدھلی گذارو گذر بزندان گمنامی نامہ نگار افتاد' ت ار ہر در سحن راندند' فصلے ار سپاس حجستگی کوئے آن فرزانۂ یگانہ فروحواندند۔ مرا خود اندیشۂ تنومندی گرفت و بر دعوئے حویش برہانے دیگر دست بہم داد۔ ہمانا رائے جی حکایت سیکر دند کہ حان کالہ مروت محمد فصل اللہ حان بمن سرے و برحال زارم نظرے دارند' بچشم داشتِ آررو مند نواری و کارسازیِ ایشان حوابر سنگھ را بحود سپرم۔ گفتم می بایست کہ اینمعنی بفرمان آں طرف صورت بستے ۔ گفتند روے سوادنامۂ فررندم کہ بنام من بود دیدہ اندو روش تحریر و استعداد اوراپسندیدہ اند' بلکہ فرمودہ اند

کہ چون این سرمایۂ استعدادے و روش سوادے ہست' چرا بسوئے حود نمیخوانید۔ نہن مبد کہ اقبال نشان جواہر سنگھ بہرہ ار دانش دارد و سلیقہ سخن شناسی از من فرا گرفتہ' چنانکہ فرزند رائے حی است' نور دیدہ' من نیز ہست و بیشتربدید ارش شاد مانم۔ہرچند حدائی وے از حویش نمی حواستم' اما چون رائے حی چنیں گفتند بامیّد ناموری و تونگریٔ وے بفراق رضا دادم و بہ بہ از خودیے سپردہ ہم برخود و ہم بروے منّت نہادم۔ بالحملہ در ینمحل در گزارش سپاس احلاق برائے حی ہمزبان و در صورت درست نشستن نقش مدعائے نور چشم منشی جواہر سنگھ شریک عـب ایشانم۔ بیش دریں بارہ سخن نتوان راند و نیّر را درحشنی و دریا را روانی نتوان آموخت۔

ع: کـہ خـواجـہ خـود روش بـنـدہ پـروری داند

والسلام بالوف الاحترام

بنامِ مظفر حسین خان

خط - ۱

نظم

اے کہ گفتی کہ در سخن باشد
حاصلِ جنبشِ زبان گفتن
تا ندانی کہ رازِ دل بادوست
جز بہ گفتن نمیتوان گفتن
خامہ را نیز در گزارشِ شوق
ہست دستے بہ داستان گفتن
گر قلم ور زبان، ترانہ یکیست
این نوشتن شمار و آن گفتن
بہ قلم ساز میدہم گفتار
تا نگنجد درین میان گفتن
زانکہ دانم کزین خروش، لبم
ریش گردد ز الامان گفتن
مشکل افتادہ است درد فراق
با مظفر حسین خان گفتن

ہر چند دانم کہ اندازہ دانان اختلاطِ زیادہ بر آشنائی نپسندند، و اداشناسان در نوردِ بیگانگی بہ دل کشائی مہر دل نبندند، لیکن چہ کنم کہ شیوۂ من نیست در وفا آئین نو نہادن و چون تنک مایگان بہ معاملہ دو جا دل گرو نہادن - ہے ہے درین سخن کہ در بیخودی بہ زبانِ من رفت ترس و کار و بارِ من خردہ نتوان گرفت - دلِ غمزدہ داشتم کہ اعتقاد الدولہ نوروز علی خان برد و پنہان از من بہ یکے از دیرین دوستانِ خویش سپرد - شگرف کاریِ محبت را نازم کہ شمعِ انجمنِ وصال نفروختہ بہ داغِ فراق اندر نشانم و گیرائیِ فسونِ اعتقاد الدولہ را میرم کہ بہ بزمِ قُرب نارسیدہ در نوحہ باشما ہمرہم - کاش گفتارِ آن فریبندہ نشنودمے و غم نامہ کہ بہ نامِ نامش بود

نخوانده بودمے ـ اکنون نشترِ غم به رگِ جان سرگرمِ کاوش است و چشمه چشمه خونِ دل از دیده در تراوش ـ چگونه خود را از زاری نگهدارم و دل را به کدام حیله از گرداب خون بدر آرم ـ به روزگارِ جوانی روئیدِ مونبسیاه تر داشتم و شورِ سودائے پری چهرگان درسر ـ سراسر زهرِ آبِ این بلا به ساغر ریخته اند و رهگذارِ جنازهٔ دوست غبار از نهادِ شکیبم برانگیخته ـ روزهائے روشن به ماتمِ دلدار پلاس نشین و کبود پوش بوده ام و شبهائے سیه به خلوتِ غم پروانهٔ شمعِ خموش بوده ام ـ هم خواسته که وقتِ وداع از رشک به خدایش نتوان سپرد، چه بیداد است، تنِ نازنینش را به خاک سپردن و محبوبهٔ که از بیمِ چشم زخمِ نرگس به گلگشتِ چمنش نتوان برد، چه ستم است نعشِ او را به گورستان بُردن ـ

فرد: خاک خون باد که در معرضِ آثارِ وجود
زلف و رخ در کشد و سنبل و گل بار دهد

صیاد دام گسسته، صیدِ از بند بدر جَسته را به آسودگی چه پیوند و گلچین گل از دست دادهٔ گلبن از پا فتاده را به خرّمی چه آمیزش ـ تن دادنِ شاهد به همدمیِ عاشق اگرچه پس از یک عمر جانفشانی ست، دلدادگان دانند که چه مایه مهرورزی و مهربانی ست ـ خوشا معشوقهٔ وفاسگال که تلافی را از بایست پایه برتر نهاده باشد و از هر که به غمزه دل برده هم به مهرش جان داده باشد ـ با این همه که غمِ مرگِ دوست جانگزاست و اندوهِ جدائیِ جاوید جگر پالا، چون داد انست که راستان از راست نرنجند، خواهم که هم درین جانگزائی و جگر پالائی با خویشتن نسنجند که داروئے بهِ ساختن این خستگی کجاست و نیروئے پنجه برتافتنِ مرگ کرا ـ خدا را درین سموم خیز وادی دور نروند و خود را درین جگر گداز غمزدگی به شکیب آموزگار شوند ـ هان و هان اے دیده ور سرمایهٔ عشقبازان و دستگاهِ هنگامه گرم سازان همین دل است که گاہے آنرا به تب کمر دهند و گاہے از چینِ گیسو بند بر پایش نهند ـ تن مرده را تب کمر کدام که دلے را از جائے برانگیزد و چینِ گیسو کجا که خاطرے بدان آویزد ـ ترسم که این غمِ ناروا در دیدهٔ جان غبار آرد، و رفته رفته سر رگِ دل بار آرد ـ بلبل که به عشقبازی رسواست بر هر گلے که بشگفد زمزمه خواسته است و پروانه که به هنگامه گرم سازی انگشت نماست، بهر شمعے که رخ بر افروزد، بال فشانده است ـ اے شمعِ فروزنده در انجمن بسیارست و گلِ شگفته به چمن انبوه ـ پروانه را از مُردنِ یک شمع چه غم و بلبل را از ریختنِ یک گل چه اندوه؟ دلدادهٔ تماشائے رنگ و بو باشد

، نه فروبستهٔ سد یك آررو و حوش آن که در بزمِ شوق آہنگِ نشاط ار سر گیرند و فریبا نگارے که ہم حال رفته بحث سواند اورد ، و ہم حود نواند بُرد در بر گیرند ، تا بکوری چشم دشمن شادمانی گرای آیند و بدین بیت که ہم از نامه نگار است سرود سرای آیند :

فرد: برما غمِ تیمارِ دلِ زار سر آمد
دیوانهٔ مارا صنمِ سلسله موبرد

صاحب من ، من ویردان که آنچه گفته ام دلسوزی ست نه بد آموری ۔ اعتقد الدوله که از من در ابرام حواہشِ نامه نگاری بحل باد ، مرا برآن آورد که نامه باسمِ سامی از حانب خود انش کنم تا اندارهٔ دانش خویش در اندازه ناشناسی پیدا کنم ۔ دلِ ساده که پیوسته به مہر رہنموں و ار غمِ بیگانه و آشنا حونست ، اندوه گسارانه بجوش آمد و کلکِ لا ابالی پوئے را اندران حوشش بے راہبه برفتار آورد ۔ اگرچه صریر خامه در اندررسرائی سازگر نیاید ، نامه رانا خوانده گرارند، و ار نگارنده در گذرند ۔ رنجِ دل و آزارِ حاطرِ نازکِ خود را از آثارِ مہربانی کار فرما شمرند و کر مرا بعنوان فرمان پذیری نگرند ۔ دلے که به ہر اندیشه توانا و اندیشهٔ که به چگونگیٔ بود و نابود دان باشد روزی باد ۔ نامه نگار اسد اللّٰہ نامه سیاه۔

خط ۔ ۲

یا رب ، ورودِ فرزانهٔ فرح فرہنگ فرحنده نشان به دیارِ رشکِ فرحارِ کلکته که اگر فردوس نتوان گفت ارم است البته فرح ترارآن باد ، که رنجِ راه و آشوبِ ناسازیِ آب و ہوا در برابر آں فرخی نمایش تواند کرد ۔ راں پس که نقشِ دل نشینِ رسیدنِ دوبار درآئینهٔ گیتی نما دیده شد به زبانِ دلربا بیانِ مشفقی اعتماد الدوله بہادر شنیده شد که در آن نامه که از کلکته بداں والا مقام نشسته اند ، به من که از دعا گویانم ، نیز سلام نشسته اند ۔ حبہے اندازِ یاد آوردن و زہے انداز ار دل بردن ! بارے چون به کلکته رسیده اند چه حوش باشد که دلنواری و کارسازی را اساسے استوار نہند ولا ابالی حرام عرصهٔ سخنوری یوسفِ کنعانِ معنی گستری به قلم علابه سائیو نه نفس عطر فشان شیوا رساں روشندلاں مکرمی امیر حسن خانِ بسمل را باس آشتی دہند ۔ رنگار ائینه گران نشین نیست که لب به زدودن توان سود و حوشدلی درسیانهٔ ہم روئیتواں نمود ۔ بو امیران را رگِ گردن اررانی تا بداں دریعه انگشت نما تواند شد و بدین زحمه سازِ شہرتے به نوا تواند اورد۔

س که دیرین دستان سنج این کهن دیرم و نوائے سازِ س دریں گنبد کبود پیچیده است ، اگر ہر ره در حروش آیم ، چوں چنگ گوش تاب را شایم و اگر بفغاں از سرحامه بگذرم، چوں دف به سیلی در حورم۔ حشا که درفنِ سحن حنگجوئے باشم ۔ یزداں داند که آں گفتار که اراں سو به سیده سقی و اریں سودر تلافی ہمیں آمد نه پسندیده ام و دانم کروان نه پسندند که سحن را که گراں ارز و متاع عالم قدس است از سبکسری به نابایست صرف کنند۔

بد دارنده که به اندراں ناروا نگارش خامه در بنانِ س بود و نه خود آں با سرا گزارش به فرمانِ من بود ۔ مہرو وفائے من با منشی عاشق علی خانِ مغفور آن سیحواہد که تا امیر حسن خن را از حاں دوست تر ندارم ، حود را از حق گزاراں نشمارم ۔ ندانم این حوان سردِ تندخوئے ناسارگار منش را چه در سر افتاد که با من که پیرِ غمزدۂ گوشه نشینم بدین بے مہری در افتاد۔

فرد: بداں معاملہ او بیدماغ و من بیدل
خوش آنکه معذرتے صرفِ ہرستم گردد

بآنکه عذر ار آں سو می بایست ، پورش اریں سو گزارده آمد، تا آزادگان دانند که دلِ ما حستۂ رحمِ کین نیست و ما را حُر مہر و محبت آئین نیست ۔ امید که آزادگی و مردی دریغ ندارند و ار گذشته در گذشته حونے حود و حطائے دوستن در گزارند و السلام بالوف الاحترام۔

خط بنامِ مولوی محمد خلیل الدین بہادر

خط - ۱

فرخ گہرا فرخندہ نگاہا کہتران را سہیں اسد گاہ، ہر چند سیاروزِ روشن بہ شب تار رسیدہ، بسا تیرہ شب را فروغانیِ سحر دمید گونہی سحر، روزگارے بدان دراری سپری گشت کہ چون آن اجزائے رسنی را حلقہ حلقہ بہم در آورند، سلسلۂ شمارِ سنین از آحاد تواند گذشت کہ نہ آزین سو مطربِ بیزے ترانہ ساز ست و نہ ازان سو سازِ نوائے بلند آواز۔ نفسِ ہمنفس گداختۂ خجلتِ کم خدمتیِ خویشم و ہم جگر سوختۂ تابِ بے پروائیِ دوست۔ شرمساری را آن پایہ کہ ہر گاہ اندیشہ بہ آشکار اساسِ نگارش نہد خویِ شرم سطر سطر از صفحہ بہ شستن دہد۔ بیمناکی آن مایہ کہ بیم سپیچ رقم سنجی لرزہ بر اندام آنچنان زور آورد کہ خامہ را از دست و دست را از کار برد، لیکن با این ہمہ دلِ آزرم جوئیدان خورسنداست کہ چون طولِ زمان را بدراریِ حبل المتینِ امید پیمود، آن سر آمد۔ ازین لحنے باز آمد کہ در مہرورزی چنگ بدان تو ان زد۔ آوخ کہ ہیچ گہ نپرسیدن کہ برس از چرخِ گردندہ چہ رفت و ستارہ چہ پیشم آوردو این کہ نہ مردہ ام بہ کدام حیلہ از مرگ امان خواستہ و بہ کدام آرزو دل بستہ ام۔

بہ عہدِ لارڈ بینٹنگ راستی روائی نگرفت و فیروزی بہ دشمن روزی شد۔ تا لارڈ اکلنڈ از لندن آید و ایوان گورنری را بہ وجودِ خویش آراید، روزگارے ورق گرداند و ہنجارِ داوری، چنانکہ بود، بماند۔ والیِ فیروز پور ازمیان رفت و ولایت فیروز پور حکمِ قلمروِ سرکاری گرفت۔ خواہندہ را بہ اندازۂ دیرین بر یافت۔ بر کلکٹری دہلی برات و از دریوزۂ در دولت ہم چشمان نجات دادند۔ گورنمنٹ را مدعی علیہ و صاحبانِ کورٹ آف ڈریکٹر را داور قرار دادہ ام و داور را بمیانجگیریِ گورنمنٹ بہ ولایت فرستادم۔ روزگارِ فرمانروائیِ لارڈ آکلنڈ کران پذیرفت و ہیچ کس از دادگاہِ بزرگ خبرے بہ من باز نگفت۔ چون لارڈ اِلنبرا بہادر آبروے گورنری افزود، جفاہائے رفتہ پیشش برشمردم و ندانم از ابلہی بود یا از کار آگہی کہ عرضداشتے انگریزی بہ نامِ نامیِ سلطان انگلینڈ کہ درین روز ہا ملکۂ نفیس شکوہ سلیمان منش است بہ داورِ فرخندہ گہر فرستادم و فرستادنش بہ درگاہِ خسروی آرزو کردم۔ خواہشِ من روائی پذیرفت و نامۂ امیر الامرا سکرٹر بہادر نگاشۂ پنجم اگست سنۂ ۱۸۴۸ھ در مقام الہ آباد بہ من رسید۔ می نویسد کہ فرمان چنانست کہ این عرضداشت بہ شمول کاغذ ملک کہ بہ پایان ماہ بہ سفینۂ ڈاک خواہد رفت بہ

ولایت فرستاده شود۔

تا اینجا سخن از سرگذشت بود تا در سرنوشت چیست و زین پس چها بر سرِ سودا زده گذرد۔ دریں گوشه نشینی که زاویۂ خلوت جانگداز من از دود دل چون گور کافر تاریک است چشم بدان سیاه کرده ام که شه انجم سپاه اوده را ثنا گویم و به چشم داشت خشره از خوان نوالش بهره جویم، اما این کار بر نتواند آمد و این نقش درست نتواند نشست، تا خو برور گر داننده و سخن به کرسی نشاننده در میان نباشد۔ نے غلط گفتم اندازه دانا انبوه اند و شناسان بسیار۔ اینجا صاحب دلے باید بر سخنور مهربان و از درد دل آن بیچاره آگه و به اندازه کسائی و ارزش وے دانا، تا گزارشے به سزا تواند کرد و سخنور را به سخن و سخن را به سخنور تواند ستود و فرو ریختۂ دست و زبان خسرو ستایش شعورا به گدائے ستایش سرائی تواند رسانید۔ معهذا شرط است که هیچ گونه بیگانگی و خویشتن نگاهداری در کار نباشد و گزارندۂ سخن را پذیرفتن سپاس ازان گرانمایه دشوار نباشد۔ اندیشه که سرانجام هر کار را پرکار و جان هر کار گردنده سرانجامِ هر کار است، این چنین نگۂ فرزانه و آشنائے جوهر جوهر شناسان، این همه استواری پیوند یک دلی که لختے ازان گفته آمد، جز آن معنی مهر و مروت نشان نمی [illegible] آنست که اگر بنظرے دلنوازی دل نهند و [illegible] گدائی ستمئے فزوجاه است، سطر انتخاب فرستم، [illegible] ائیے که سزاوار دانند به پیش گاهِ جهانیان رسانند، والسلام بالوف الاحترام۔

نامه به نامِ مہا راؤ راجه بنے سنگھ بہادر فرمانروائے الور در رسیدِ گلِ کیوڑه

خط ۔ ۱

برضمیرِ منیر و رائے رأفت اقتضائے مہاراجۂ فریدون فرِ سکندر جاه بعد از شرحِ مدارجِ سپاس یاد آوری که ہر اینه نوعے از انواعِ مہر گستری ست ، مشہود میگرداند. خجستگی ورسیدنِ فردوسی نسیم و شادمانی رسیدنِ گلهایِ قدسی شمیم نه آنچنانست که اندیشۂ سخنوران توانا گفتار اندازۂ گزارش آں تواند دانست ۔ صریرِ خامه را دریں مقام بدانگونه نشاط زمزمۂ شادی داده اند که پندارم این نئے بے نوا رامنصب عندلیبی گلہائے کادی داده اند ۔ رہے گل کادی که به گفتن گل و نه دیدن گلدسته و ہر گل ازاں گلدسته بے آن که به رشته بندند بہم پیوسته ، نه گلدسته ، بلکه نامۂ پیچیدۂ بہشتیاں به رسیبان فرستاده اند و در آں نامه از صفائے وقت و خوبی مسکن خویش خبر داده اند ۔ به تازگی منشور بیداربختی بالین و بستر به جبین و به تازگی توقیع سرسری حرف دعوی نازنیناں ۔ والائی وجودش بر گوشۂ دستار بدخشش تر کلاه کیقبادی در سر انداخته و زیبائی شہودش در موقف انظار اسطور فرد فہرست متاعِ حسّت روشن نظر ساخته ۔ لیس شاید گم گشتۂ کنعاں اگر از حریر برگ این گل بودے پیر گوشه نشیں را به بوئے پیرہن چشم روشنی اعادۂ نور بصر رو ننمودے ۔

مثنوی

خوشا کادی و بوئے جان پرورش

ز خود تر پروازِ بو شہپرش

شمیمِ روان پرورش داده اند،

وگر صورت شہپرش داده اند،

ازان روست کاین گل به نشرِ شمیم

به رسانست منت پرست نسیم

تو گوئی بهارانِ فرخنده خوی
که رشتم رنگ است و قسّام بوی

پئے تازه گلهائے اُردی بهشت
براتِ روان بخشی بو نوشت

شمیمے کزان تازه گردد دماغ
فزون آمد از طرفِ گلهای باغ

نگهداشت آن مایهٔ دلفروز
به کادی بخشید اندر تموز

تموز از دمش نوبهاران شده
شرفنامهٔ روزگاران شده

اگر حور را رختِ شادی بود
ز اکسونِ گلهایِ کادی بود

شمال و صبا پیشکارش به باغ
گل از شبنم آئینه دارش به باغ

بدین ارمغانے که فرّخ دم است
چنین تازه برگے درینجا کم است

بدانسان که جان راست از تن سپاس
فرستنده را باد از من سپاس

بود تا که زیبِ بساطِ سپهر
ز نسرینِ ماه و گلِ سرخ مهر

بر آن گل که آرد به گلزار باد
بهاراجه را وقفِ دستار باد

خط بنامِ امیر حسن خان

خط ۔ ۱

فرد: داغم ز سوزِ غم کہ خجل داردم ز خلق
بوئیکہ تن ز سوختنِ استخوان دہد

ہمانا گدائے راہ نشین پارۂ خویشتن آرائیو لختے خود نمائبافدہ است ۔ گداریدت دلق کہن را از پلاس فرسودہ پینۂ چند بریکدیگر دورد و روے دژم را از سوئے ژولیدہ حلقۂ چند بالائے ہم فرود آویزد ۔ گوئی اسرور گہرریزہ پاشي نئے قلم بہ ہوائے طرف بساط بزم ارم رشک کسے ست کہ گران ارز گہرہایِ شہوار در گنجینۂ ضمیرِ منیرش بسے است ۔ بر آئینہ سود سن در عدر گنہ خواستن است ، نہ بسط دعوی آراستن ۔ مگر نوابِ خجستہ القاب فرزانۂ سپہر آستانہ برجیس پایہ و خدام فرخ فرجامِ سخن سرای سروش نوائے روح الامین سرشتہ بر تواسخ سنوا بخشایند و از در این باز پرس در نیایند کہ چون دستگہِ آرایش گفتار و صد کاروان متاع سخن در[illegible] همہ نیرو از کجا آورد کہ در سخن پیوندی دوستان سخن [illegible] ورد ۔

فرد: زنّار دین نبود ختم گدا ، دریاب
کہ خود چہ زہر بود کان تو نگین دارم

اگر دل دوست جوئیدر خوش است ، و گر زبان دوست ستائیدر خروش ، آئین من بدین ہر دو رنگ گدارشِ ہستی ست ، نہ بہ ریوو نیرنگ نازشِ مستی ۔ پیش از ینم دلے بود خستۂ بندِ غم و روانے فرسودۂ ورزشِ راز تانہ نمودِ بے بود خویشم شناس کردند ، پندارِ پیدائی نماند و گمانِ ہستی برخاست ۔ دلے کہ گوئی نداشتم از ہم پاشید و ندے کہ پندارم نبود ، فرو ریخت ۔ لا جرم آن روان افسردو آن ورزش سرآمد ۔ روزگارے ست کہ خاکم بے غبارست و آتشم بے دود ۔ نہ زبان را بہ نکتہ بہائے جگر آلا کارے و نہ روان را بہ اندیشہ ہائے خونا بہ پالا سرے و سنہ بہ سہر سامان صحیفہ ، رقمزدۂ کلکے کہ بہ رفتار تدرو را خرامش آموزد و بہ صریر ہزار را آرامش ، ہر نقشے کہ از سواد ورقش بر صفحۂ نمود نشستہ اعتماد الدولہ را منشور فیروزی و ہر بدے کہ از کشاد نوردش در عرصۂ شہود خاستہ ، غالب را نسیم نوروزی بود بہ دلربائی انداز ورود و دمے کہ

اعتقاد الدوله به بردن آن برخود نازد، برس سدن زبن پیغاره دراز کردے۔ ندانم از سینۂ بے کینۂ من یا از دستِ توانا شستش در ربود۔ تشنه، پیداست که به آشام ہر جرعۂ که آتش نشنند و به ہنگام تشنگی آتش نشد، شکسد۔ خوشا من و فرّخا من که به زلالِ حضرم از دن تف و تب بردد۔ اینک منم پیوندِ آمیزشِ سر و زانو گسسته و از سرخوشی ہوس را خیر باد و خود را دستت مریزاد، گویان به نامه نگاری نشسته۔ جماعتے از قدسیان به یمین و یسار من چشم روشنی گویے و صفۂ از حوران بر در و بامِ کلبۂ من رقّص، به کوریِ چشمِ دشمنانے که سحر سدان و سحر چین و ہنوز چون چشم بد در کمین اند، جامِ باده پیاپے به گردش جرعه ربرد۔ به روشنیِ روئے دوستانے که سر اشنائی نوا و دردِ بیگانگی دوا از ایشان نفت، خطِ پیانه دمادم به تپش نظر فرو ریرد۔ از داند که ہم از یزدان ہمیشه از خواستمے که این گنبد گردنده تلخیے به رغم عدو گردد، تا کار من بدوست دریں شگرف اویزش که ہست و نیست، یکرو گردد که زیں پس به بندِ مہر بندۂ وفادار و به فن سحر مخلص ہوا دار انگرند و به یقین پندارند که فلانے را زبان بادل یکے و زبان و دلش ہر دو با ماست۔ من خود زندگی از بہرِ آن خواہم که مگر در ہمۂ عمر آزارِ خاطرِ مبارک را به پورش تلافی توانم کرد و سر بنده از بندگانِ دوست روائیِ این خواہش دوست دارد که نامۂ مرا در نورد نامۂ اعتبار به شکنجه و روانِ مرا در بندِ دشوار کشند رشک رنجه روا ندارند۔ اعتقاد الدوله نستم که بدیں زبونی تن در دہم۔ عذر ندانستنِ مسکن و منزل مسموع نیست با اینہمه گمنامی و ہیچ کسی روشناس اعیانِ ڈاکم۔ نامۂ مرا نامِ شہر و نامِ من که ہم دریں شہرم سرعنوان بس است۔ افقِ عرشیِ صفحه مشرقِ نیّرِ آرزوست که به تقریبِ گزارشِ آدابِ زمین بوس ہمیں نگارش را به نظرگاه خاور اشتہ بنده نواز رہی پرور و مخدوم والا سار عالی گہر مولوی محمد مسیح الدین خان بہادر گذرانند و به دو فقره نمر گزاردن مرا از بدعت ہیئتِ حسنۂ کشیِ یگانگی دانند تحت ازل آورد به فرّخی ابد پیوند باد۔

خط ۔ ۲

خاقانی پایه صاحبا و خسروی سرمایه مطاعا، نامۂ نامیِ نام آور چون دولتِ دلخواه که ناگاه رسد، ہم ناگاه رسید و ہم دلخواه آمد۔ ہمانا دادِ اندازه شناسیِ شکیب دادند و مُزد انتظار پیش از انتظار فرستادند۔ زہے مشکبار نامۂ بہار کارنامه۔

فرد: از روئے نگار دلکشا تر

بدین ارزش اگر خود را نازم و بدین شادی اگر بخت را ستایم ، ہم من به نازش ارزم و ہم بخت به ستایش ۔ انکه درین نامه خود را به سخن ستوده اند ، گوئی با من از مہر ہمزبان بوده اند۔ بس و ایمن من از آنچه گفتند و گویند برتر اند و به ستایشے که برتر ازان در اندیشه نگذرد در خور۔ پیکر ہنر را جانند و زمین نظم را آسمان ۔ اگر میدانِ سخن را شہسوار اند ، به فرمان بری غاشیه بر دوشیم ، و اگر دیارِ ہنر را خداوند گار ، ما به بندگی حلقه در گوشیم ۔از چیست که در نگارشِ این نامه ، با انکه فراوان مہربانی فرموده اند،جرعهٔ التفات بر غالبِ تشنه جگر بدان ادا نپیموده اند که چون سگالش مغزِ سخن را کاود ، از الفاظ ہمه مہر و محبت تراود۔

فرد: نگاهِ ناز به دل سر نداده چشمهٔ نوش
ہنوز عیش به اندزهٔ شکر خند است

امید که درین راه بے پروا نروند و بامن که دینِ محبت دارم ، ہم بہر گردند ۔از دستِ این نگارش خود ازان روئیانم که ترسم گفتار بد آموز به دل جا گرفته و ہنوز آزار از خار برون نرفته باشد ۔ یارب چنین مباد و دوست را از من خبرمہر و وفا دلنشین مباد ۔

ابیات

به تو ام زنده و نادیده سرا پای ترا
به گمانم ز سراپایِ تو کان جانِ منست
شرطِ اسلام بود ورزشِ ایمان بالغیب
ای تو غائب ز نظر مہرِ تو ایمانِ منست

ربنها نابہم غزل سرای و دلها بیکدگر ، مہر گرامی باد ۔ از اسد اللّٰہ نامه سیاه نگاشتهٔ بست و دومِ جولائی ۱۸۴۴ء ۔

به نواب حشمت جنگ بهادر

خط - ۱

یزدان فیروزی آفرین فیروزگر حضرت نوّاب جم جاهِ انجم سپه، سلطان شوکت سلیمان حشمت مظفر را به افاضهٔ فروزهٔ فرخي فرهنگ و فیروزيِ بخت نصرت و نصیر باد - دیر است که والائي نهاد و فرهٔ فرزانگی و خجستگي خوی و فراوانی دانش و فروزاني اندیشه و فرخندگي گفتار و فروغ بلنديِ رائے فرتاب ضیا افزون تر از آن که به پیمانهٔ هوش تواند گنجید از کردار گزاران راست گفتار می شنود و همه آن می بسیجد که اگر بخت همرهی کند راه بر دران دلکشا انجمن گشوده و سخنهائے دل افروز از زبان گهر فشان شنوده آید - برخاطرِ عاطر راه یافتگان شد روان قرب که به ناصیه سائي طرف بساط آن بارگه آفتاب کارگاه مسعود ند، نهان نماند که نخستین بار که دولت به من روئیاورد، آن بود که دوست دیرینهٔ من میر کرم علی صاحب از فرخ آبادِ فرّخی سواد آمدند و لختے از آنچه در سر آغازِ این صفحه نشسته آمد، به من باز گفتند - چه گویم که آن شنیدن چه ولوله در نهاد افگند، و چه مایه جگر تشنگي دوباره شنیدن داد - تا گاه روزگار بر آرزومندیهائے من بخشود - مگرمی میر علی بخش صاحب را به کلبهٔ احزان آورد - دوسه بار که باهم نشستیم و سخن سرائے شدیم، سرتاسرِ صحبت از من پرسش بود و از سید صاحب تحسین - از سید صاحب دعا بود و از من آمین - زین پس هوائے گردِ سر گردیدن روے به روز افزونی نهاد و آرزوئے زمین بوسیدن بر دلِ مستمند زور آورد - این بار که مشفقی امداد علی خان بهادر را به دهلی گذار افتاد، ندانم به نیروئے جاذبهٔ روحاني من یا به فرمان خوبی و بزرگيِ خویش به قدوم خودم نواختند و زمین کاشانهٔ مرا از نقش پئے ره پیمائے رشک گلزار ارم ساختند - بسا گرانمایه سخنها به میان رفت و بسا نهفته رازها از دل به زبان آمد - هم در آن راز گوئی جان رازدان را به زبان گذشت که حضرت نواب عالیجناب معلّی القاب را نام غالب اغلب بر زبان میگذرد، و گفتار این آشفته نوا در آن بزم خوانده می شود - بر آئینه، گهے نام خود را به نام آوری می ستایم که بر آن زبان معجربیان گذشت و گہے بر گفتارِ خودم حسد می برم که پیش از من روشناس آن انجمن گشت - همانا از دیرباز گاه گاه این آرزو از دل سر برزدے که عریضه نگار گردم و سرمایهٔ چهل سال جگر کاوی خویش یعنی مجموعهٔ اشعارِ فارسی به والا حضرت فرستم، اما دور باشِ شکوهِ سروری در دل خلیدے، و جرأت به ورزشِ اینچنیں گستاخی وفا نه کردے - اکنون

چون شنید که گدا روشناسِ شاه است و دانست که شاهان از عرضِ گدا نرنجند، این عرضداشت که ندارم حظّ بندگیست رقم کرد و بر آن شقه که فهرستِ داعیهٔ سینه تواند بود، به خان صاحب جمیل المناقب سپرد تا چون برسند، ارمغان درویش به سلطان رسانند - بود که درویش نوازی صورتِ وقوع گیرد و ارمغان به مرحلهٔ تلافی پذیرد - نیّرِ دولت و اقبال سرچشمهٔ فروغِ بی زوال باد -

بنامِ نامیِ جناب مجتہد العلماء حضرت مولوی سید محمد صاحب دامت برکاتہ'

خط - ۱

بہ عزِّ عرضِ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت خداوندِ داد پسندِ فریاد رس می رساند : گردِ سر گردیدن و رسیں بوسیدن و رخ بہ خاکِ رہ مالیدن پیشکش - پس از روان داشتنِ تعزیت نامہ کہ دل را بر اخگرِ تافتہ در داشتہ باشم ، تا آن دوسہ سطر نگاشتہ باشم ، سہ شنبہ یازدہم ماہ صفر توقیعِ خدایگانی و پنجشنبہ سیز دہمِ ماہ عطیۂ سلطانی تشریف ورود ارزانی داشت - از روانیِ خوی شرم ہربنِ موئیلت جوئے ست - لا جرم آن کہ دراین چنین آب شناور باشد و نزدیک است کہ آبش بہ تہ فرو برد ، چگونہ از سپاسگزاری دم زند - گرفتم کہ سخن آرائی خود نمائی ست نہ اجر چشمے و دلے دارم - در این چنین ناخوش ہنگام کہ دیدہ بہ ماتمِ مردمِ دیدہ سیہ پوش و شہر از آشوبِ ستیزِ کفر و اسلام پر خروش باشد ، بندہ پروردن و بدان خوبی کہ در حوصلۂ امکان نگنجد ، کار رانسرہ کردن ، اگر معجزۂ امامت و نیروئے ولایت نیست ، دگر چیست ؟ رہے در عمرد گی غمزدائی و در فروبستگی گرہ کشائی - درّ من قال -

ع: خاموشی از ثنائے تو حدِّ ثنایِ تست

قطعۂ تاریخِ تعمیرِ نمونۂ کربلا کہ بنایِ آن بر مدحِ بانی ست در نورد این عرضداشت پذیرندۂ روانی ست۔

خط - ۲

عرضداشتِ اسد اللّٰہِ نامہ سیہ بہ نظرگاہِ سروشان گذرگاہِ خداوندِ خرد مند دین پرور داد گستر و فرزانۂ یگانۂ ہما سایۂ ہمایون پایہ، منظرِ آگہی را خواجہ ، عرش و فرش و کشور معنی را شہریارِ فہم و حلم ، دانش آموزِ بینش افروز، مرتضوی گہر مصطفوی اثر حضرتِ فلک رفعت سلطانِ عالم کہ بہ تخمہ و گہر قبلۂ راستانند و بہ عزّ و شرف آسمان آستان -

ابیات

سید محمد آنکه جبینش ز نور حق
چون مه ز تابِ مهر منّور لبالب است
گر علم کوکب است، ضمیرش بود سپهر
ور دین بود سپهر دلِ خواجه کوکب است

گلدستهٔ سلامے که در نوردِ نامهٔ مکرمی مولوی حافظ عبدالصمد سلمه اللّٰہ تعالیٰ نهار سودت ازان پرده رخ نمود، نخست درخشندگیِ جواہر نگه افزود - پس از آنکه از روئے سفینه به سر زده آمد، چشمکے چند از سرمستی بر افسر زده آمد۔

فرد: آید به چشم روشنیِ ذرّه آفتاب
برہر زمین که طرح کنی نقشِ پائے را

من از شادی این سلام بدان دریوزه گر مانا که به یغمائے ہفت گنجینهٔ پرویزش صلا زده شد و فرهٔ ایزدی در آن کارسازی که اورنگِ پرویزش صلا زده باشد و فرهٔ ایزدی در آن کارسازی که اورنگ سلیمان نیز ہم ازین گدا باشد - ناری، رود نه دیر، در آن قدسی صحیفه که به نامِ نامی نواب فرخ القاب مظفر الدوله سید سیف الدین حیدر خان بهادر صل نقوهٔ نگاشتهٔ کلک سحر نگار است نگریسته شد که توقیعِ سرفرازی روائی گرفت و ہوش افزا پرسشے نگریسته شد که توقیعِ سرفرازی روائی گرفت و ہوش افزا پرسشے دربارهٔ این ننگِ آفرینش بکار رفت - ہم خواجه را در زمرهٔ نزدیکان از دور زمین بوسیدم و ہم خود را به نازش خجستگی سرنوشت گرد سر گردیدم۔ اکنون اگر مرگ امان دہد، من و زمزمهٔ تهنیت از زبانِ مهر و ماه شنفتن و خود را به ہمزبانیِ روشانِ سپهر آفرین گفتن۔

دانم که حوصله بر نشاط تنگی کند و دلِ سودازده این مایه گرمیِ بازار برنتابد - اگر به شادی نمیرم، در زندگی از خوردن غمِ چشم زخم گریز نیست - لاجرم درین گوشهٔ بے توشه لب از اِن یکاد خوانی دمادم فگار است، و دست از سپندسوزیِ پیاپے در آزار - داد آنست که اگر این پرسش به اندازِ باز پرس بودے، ہم راهِ سخن بر من فروبستے و لرزه پیکرِ مرا خود درہم شکستے چون از روئے مهر و آزرم است، چرا نگویم و اگر نگویم ہم از بی پرسش ستم رود و در ہر انجمن گفته شود که فلانے در گناه دلیر است و در پورش ناپروا - زبانِ سخن سرای الله گهر سفتن است به

ساز آہنگ ناسرا گفتن - نمیگویم که بدگفتن گناه نیست و ہمیگویم که گناهِ سخن پذیرفتن فرمانِ شاه نیست ، تا درین ناخوش ہنگام و ناروا ہنگامه دیگر چه فرمان رود -

راست می گویم و یزدان نه پسندد جز راست
حرفِ ناراست سرودن روشِ اہرمن است

در نگارش مثنوی مضمون از خسرو ست و لفظ از من، چنانکه در رامش زخمه از معنی و صدا از تار و شگفت که با این ہمه ہمه از زبانِ من نبود و دیگران مصرعے چند افزوده باشند. اکنون گاهِ آنست که بساطِ شرم در نوردم و به ہنجارِ غزل نواسنج گردم تا پدید آید که خاک نشین کنجِ ناکامی در تهِ کلاه نمد چه شور در سر دارد و به گرانباریِ پیراہن و گلیم در ہوائے سخن پروارش تا کجا ست۔

یارب نیّرِ ذات ملکی صفات تا طلوعِ افتابِ روزِ رستخیز در جهان افروزی و نیم پرتو از ان ہمه روشنی به غالب سیه روز روزی باد۔

عرضداشت به نواب امداد حسین خان بہادر

وزیرِ شاہِ اودہ

خط ـ ۱

به والا حضرتِ فلک رفعت جنابِ مستطاب ہمایون القاب صاحب السیف والقلم قبلهٔ عالم و اہل عالم دام اقباله ، عرضه می دارد ـ ار دیر بار آوازهٔ والائی نہاد ، فرخندگی رائے و خجستگی خوی و رسائی اندیشه و روائی فرمان آصف جم نشان پیشتر از اینچه زین گفت می شنود و ہمگی سگالش در آن می رود که چه باید کرد تا روشناس نگاهِ التفات توان شد و خود را به پیش آمد اقبال چشم روشنی توان گفت ـ بارے چون گرایش راست بود ، کشایش درست آمد ـ دل سودارده را ار غیب تقد این اندیشه به حسب ریختند که به داماں گویائے خموش یعنی خامه که سپہر سخن را سروش است آویزد ، تا آن ہمه سجده ہائے نیاز که در جبہه با خطِ سرنوشت توأم است ، به نقل و تحویل بر گوشهٔ بساط ان بارگاهِ ارم کارگاه فروریزد ـ ار انجا که سخنوری شیوه و ستایشگری آئین است ـ ہم به مدحِ دلکش راهِ سخن کشود و در گہر سنجی ار قصیده به قطعه دل بست ـ فراوانیِ ذوقِ ستایش را نازم که اگرچه دلکش قطعه که نظمش در پیدائی راز و پرده کشائی ارزو کار نثر تواند کرد ، انجام یافت ـ و در ان نظم مان به نثر ذکر قصیدهٔ مدحِ سنجان دارادربان به میان آمد ـ جگر تشنگیِ ذوق گزارش بافیمانده و قطعهٔ دیگر در روانی چون زلال ار رگ کلک براوش یافت ، چنانکه ہر دو قطعه در نوردِ این عرضداشت ار نظر می گذارد . و ہمان مورم و آن خواہم که به دستگیری آصف به سلیمان رسم ـ گداہم و ان پسندم که به پامردی ارسطو به سکندر پیوندم ـ اکنون که سخن بدین جا رسیده ، خواست که حدِ ادب نگه دارد و مور را به آصف و گدا را به ارسطو و خود را به خداوند سپارد ـ تا دولت و اقبال که سر چشمهٔ فروغ بے زوال است ، ابدی فروغ و جاودانی ضیا باد ـ

بنامِ انور الدوله نواب محمد سعد الدین خان بہادر شفقؔ تخلص

خط ـ ۱

سبحان اللّٰه ہر پرده آنچه ازو نوائے دارد و ہر سر ازو ہوائے، ہم خامه را به رفتار آورد و ہم زبان را به گفتار، ہمین سخن است و درین سخن نیست و ہر آینه به والائي پایۂ آن فرزانۂ خجسته فر فرو رسد که سخن از بہر کسب شرف و افزوني ارزش ازان نگریزد که خویشتن را از وابستگان دامن دولتش گیرد ـ ہمانا در دهرِ قضا سکۂ این سترگ دولت جاوید فرار به نام نامی عمدۂ دولتیان روزگار فرخ گہر فرخنده تبار حضرتِ فلك رفعت نوابِ ہمایون القاب توقیعِ روائي داشت که امروز به پیشکاری بخت ازل آورد و توانائي خرد خدا افرید قلمرو اندیشه زیر نگین دارند و گنج گوہر معنی در آستین ـ زہے کشورِ سخن را فرمان روا دادبخشۂ فتوّت اندیشه که به فرسنگی انگشت غالبؔ راه نشین را ہم دران خرابه که نشیمن اوست، گام بگذاشته و سفینۂ از نظم و نثر که دوائر الفاظش را عنان ثابته کوثر و سلسبیل و تسنیم توان گفت، به سوئے وے روان داشته اند ـ در ستایش آن شگرفِ نظم و نثر که خراجِ نطق بر گردنِ کلیم نهد و مالش رشك و تسبیح دہد کس چه سخن تواند سرود، و اگر ہمه به چشمداشتِ بلند نامي خویش در سخن شناسی ستایش گ باید بود، انگیزِ ادا و نشستت کرشمه و فریبِ معنی و استواری پیوند و رسائي انداز و دلربائي روش و روان بخشي آہنگ و شیوائی و دلآویزي ہنجار را به کدام زبان توان ستود، ویژه در بابِ این سحر بِه آئین که در تخمیس غزلِ این آشفته نوا به کار رفت، اگر نه ازان ترسم که نکته چینان گفتار مرا خوشامد شناسند، من دانم و دل که چه گفته شود و سخن از درازی به کجا رسد ـ

فرد: عاجزم چون درثنائے دوست با رشکم چه کار

می روم از خویش تا گیرد عطارد جائے من

فیضِ ورودِ منشور رأفتِ قبلۂ دو جہانے نوابِ خدایگانے دیده را جلا و دل را صفا داد ـ نے دیده و دل را چشمِ روشنی گوی ہم ساخت ـ اگر نه نظاره گواہستے و مشاہده شاہد که قطره ہا محیط سایست و ذره ہا آفتاب اندائے شور شگفتي این کار دیده و دل بہم بر زدے و مرا از فراواني شادی من در سر من و جان در تن نگنجیدے ـ ہمه سد که نبئے ہمه نگر بر کیے بود از نژاد افراسیاب و پشنگ از ترکستان به ہند روئے آورد لاہور در دوست معین الملك را نکبه گه و آرامش جائے

ساخت۔ از آں رو کہ ایں دودہ و آن خاندان یکے ست۔ خود را ازیں در پروردۂ ایں دولت ابد پیوند می شمرد، با ایں ہمہ چوں خوئے آنست و برنگرندۂ نگارستان سحر حلال یعنی مجموعۂ جمال ایں خوبہ چکار مقال پیداست کہ احوال و احباب را کہ با من ہمچشم و ہمسراند آفریں گویم۔ اگر در مدح ولی نعمت قدیم بیتے چند گفتہ باشم، ذریعۂ روشناسی و عرض اخلاص تواند بود، نہ دستاویز وایہ طلبی و گدائی۔

فرد: در فنِ سخن معتقدِ حسنِ قبولم
بر چشم نویسند برات صدۂ ما

بخت ازل آورد بہ فرّخیِ ابد پیوند باد

نامہ بہ نامِ انور الدولہ نواب سعد الدین بہادر شفقؔ تخلص

خط ۔ ۲

بنا سپرد بے نیازیہائے یزدانِ بے مانند و ہمتا را نازم کہ ارنی گوئے طور را کہ بہ آوازۂ لن ترانی ترانہ فراموش نکرد و بداں دوربش پند نپدیرفت بہ بخیۂ مدّ تشدید خرّ موسی صعقا سب خوابش فرو دوختند و پروانۂ را کہ بہ ہوائے چراغ بال و پر رد از آتش نشکوہید، ہم در آتش سوختند و آنگاہ بہ ذرّہ کہ از ہمہ ہستی پذیر فتگاں کم تر است و بامن کہ از ذرہ کمترم چہ سپرود۔ آنرا کہ ذرّہ خوانند پرتو خورشید از شش سوئینا گرفت فراگرفت و این را کہ غالبؔ نامند نظارۂ سپہر سپہر شعاع نواب عالیجاہ قدسی القاب شفق تخلص انور الدلہ خطاب۔ ہمانا بہ ہر صورت کہ نگری عین آفتاب کہ بہ عنوان نامۂ صبح بہار ہنگامہ ناگاہ نظر فروز آمد۔ اگر دریں رخ افروزی و فروغ اندوزی داغ ہمچشمی ذرّہ جانگداز ہستے، حاکم بہ دہن، خود رادر ارزش از خداوند بد بختا افزوں تر گرفتے۔ ایںک در عالمِ خیال کہ آں خود جہانے دیگر و آن جہان را زمیں و آسمان دیگر است سوئے آن سرچشمۂ نور روے می آورم و بیخودانہ بدین بیت زمزمہ می سنجم۔

بیت

آید بہ چشم روشنیِ ذرّہ آفتاب
بر ہر زمین کہ طرح کنی نقشِ پائیرا

گفتگوئے ذرّہ و آفتاب پیشکش از ہم کشودن نورد آن ورق که پروین و پرن از طرف عنوانش فرو سی ریخت نگارستانے به نظر در آورد که چینیان را، تا از رشک خون گریند، به تماشا صلا زدم - چشم بد دور و دیدۂ حاسد کور، ہمدران ہر دو مخمس که پندارم دُر سفته اند و ہم در آن غزل که گفته اند نقشے کشیده اند که به مشاہدۂ نظر فریبی آن نقش نوآئین ار سنگ مسی کاغذ نوشته شد و سنگ لوشته توسم پارسه - گذشتن ان اورنگ ہمایون بمرگاه جمشید سکندرِ دارا دربان و ہرچه در آن انجمن به فرخّی گذشت ار روئے نگارش ارسطو جاہے مخلصان اسمد گہبے نواب معظم الالقاب احترام الدوله بہادر که به اسم سامی، معنی حافظ اسم الدین است به طرز صرف افرائی ترانه ہویدائی خواہد گرفت - بلند آوارگي خامۂ صور ہنگامۂ سخن پیوند فریمد دمندۂ جان در تن لفظ و زدایندۂ زنگ از آئینۂ معنی به فروزۂ فروزش ہمنفس مسیح و به آمیزۂ آمیزش ہمزبان شفقّ مولانا سید امجد علی قلقؔ نه انجنانست که دل را اگر پژمرده بلکه مرده باشد به سماع از جا بر نه انگیزد - انصاف بالائے طاعت است، کارِ صنعتِ لفظ از پیشینیان پیش برده اند و رنگے تازه بروی لفظ و معنی آورده - جاودان باشند که دربین دو سرمایۂ نازش ہندوستان اند-

پس از انجامیدنِ سره گفتار ہائے دلنشین خونے که در جگر جوش میزند از رگِ کلک فرو میریزم تا دیده وران ہم از دور بنگرند که نامه نگار را مژه خونفشان است و دل درد سنده ار دیر باز سرد ساز سرائی اردو ندارم - ہمانا ار رضا جوئی شہریار سلیمان مشکار است که گاه گاه رنگِ ریخته ریختن ویژه به فرمانِ بانوئے بلقیس پرستار است در ریخته بدین ردیفِ نارواِ دل اویختن، مگر در مقطعِ غزل سرپسته بوئے زده باشم - ار یکے که گمان کمانے که نداشت داشت پیداست که روئے سخن سوئے اوست در مقطعِ غزلے که سرود به ہنجار سره گام دو دانست که گفتارِ مرا پاسخ سازد و من به سیه مستی این ته جرعه که فرو ریختۂ خامۂ من است-

ہر چه در گفتار فخر تست آن ننگِ من است

سربه سخن فرو نیاوردم و قطعِ نظر را دلیلِ قطعِ امتیاز شمردم - آه از من که مرا زبان زده و سوخته خرمن آفریدند نه به آئین نیاگان خویش سلطان سنجر وار کلاه و کمرے و نه به فرہنگ فرزانگان پیش توسلی است علم و ہنرے - گفتم درویش باشم و ازادانه ره سپرم - ذوقِ سخن که ازل آورده بود رہزنی کرد و مرا بدان فریفت که آئینه زدودن و صورتِ معنی نمودن نیز کارِ نمایان

است۔ سر لشکری و دانشوری خود نیست ۔ صوفیگری نگدار و به سخن گستری روئبار ۔ ناگریر ہمچناں کردم و سفینه در بحرِ شعر که سراب است روان کردم ۔ قلم علَمْ شد و سیر ہئے شکستۂ انا قلم ، با حود به رورگار دیده ورے نبود یا بود و به من نپرداخت ۔ ہمانا در تیرگی رورگار من اندارۂ شگرفی کار من کس شناخت ۔ فرجامِ کار اکنون که دندان فروریخت و گوش گراں گشت ، سوئیسپیداست و روئے پر آژنگ ۔ دست به لرره اندر است و پائے در رکاب ۔ ارا ن ہمه سودا که در سربود حان کندنی و نان خوردنی به من ماند و بس ۔ تا ار آنکه امرور کاشته ام فردا چه دروم۔

فرد: دوش بر من عرض کردند آنچه در کونین بود
زان ہمه کالائے رنگا رنگ دل برداشتم

دل سودازده ار اندوه بہم برآمد و در پردۂ سازِ رباعی راهِ برون شدِ آہنگے کشوده است که تیزیِ آن آہنگ زخمه بر تارِ رگ جان میزند و روان را ہمی به فغان آورد۔

رباعی

اے کرده به آرایشِ گفتار بسیچ
در زلفِ سخن کشوده راهِ خم و پیچ
عالم که تو چیزِ دیگرش می دانی
دامے ست بسیطِ منبسط دیگر ہیچ

داغم که دریں شادمانی فرا صحیفه که جبینِ قلم در نگرشِ پاسخ آں به سجده میفرسایم ، نام نامی فرخ گہر خواجه ظہیر الدین خان بہادر بر زبانِ قلم نرفت ۔ ہر چند من ار ادب نگوہم و لیکن نپندارند که بر من ستم برفت ۔ چون گفتنی ہا گفته شد و گردِ اندوه ار ساحت دل رفته شد و سادۂ جاه و جلال بندگانِ آصف نشان صاحب السیف و القلم حضرتِ وربراعظم در نظر آورده رمین ببوسم و چشم دارم که رمین بوس مرا به حضرتِ آسمان رفعت رسانند ۔ دیگر بداں ستودۂ ناسور سلام و پیشگاه قبلۂ چشم و دل نواب سید محمد خان بہادر بندگی میفرستم و ہمچنیں ار مہر مکرمی مولانا سید امجد علی صاحب نیار ارمغان است و برائے شفیقی حافظ نظام الدین صاحب سلام ره آورد ۔ رسائی ہا ارزانی باد ،والسلام بالوف الاحترام۔

خط ۔ ۳

فرد: اگـر نـه بهـرِ من از بهرِ خود عـزیـزم دار
کـه بنـده خـوبـیِ او خوبیِ خداوند اسـت

در حصرتِ نوابِ اسلامیان مآب فررانگاں پناہ کہ سجدۂ من ننگِ سنگِ آن آستانست راہِ سخن کشودن نه آسانست ۔ کاش ماہ خورشید یا بحت فیروز و دولت جاوید بودے تا ناگزیر به بندگی بی پذیرفتند یا بهرِ حود از خواجه نوازشِ نهانیٔ گمان داشتمے تا میتوانستمے گفت که پرسشِ زبانی اگر نیست ، گو مباش ۔ چون نمی پرسند چون گویم که چرا؟ آرے از چون و چرا دم زدن آئینِ بندگی نیست ۔ بارے ایقدر خود میخواہم که اگر دستوری دہند ، بپرسم که این دل را ار دردِ شکستگی و آزارِ خستگی لبالب و این زبان را که از عذرِ گناه ناکرده پُرست کجا برم ۔

ہیہات در بیخودی کدام سخن از دہنم جست که جبینِ مرا به داغِ دعویِ بیگنہی طراز بست ۔ ہمان گنا ہے ہست و ندانسته ام که چیست و من آنرا از سادگی نه از شوخ چشمی به گناہِ ناکرده تعبیر میکنم ۔ امید که برین بے خرد بلکه بیخود بنده که میخواہد به خوش سخنی کار را از پیش برد و به زور در دلِ خواجه جا کند ببخشایند و اگر گنا ہے ہست آنرا ، ورنه ہمین جرمِ دعویِ بیگنہی را که من خود بدان معترفم ببخشند۔

در حضرتِ نوابِ قدسی خطاب سید محمد خان بہادر به آئینِ بندگان بندگی و به نظر گاہِ خواجه ظہیر الدین خان بہادر ہمچو دیدار طلبان تمّنائے وصال و بحضورِ جنابِ میر امجد علی صاحب ارادتمندانه نیاز و بخدمتِ منشی نادر حسین حان صاحب ہاشمی مانندِ مشتاقان سلام و بجنابِ حافظ نظام الدین صاحب مثلِ نااسیدان شکوۂ فراموشی عرضه میدارم ، تا بهره از ہرسوئیو ایه ار ہر در چه رسد ۔ بخت ہوادار ، دولت پرستار و غالب به پرسش سزاوار باد ۔ نگاشته و روان داشتۂ سه شنبه ہفتمِ محرم ۱۲۷۰ھ و یازدہمِ اکتوبر ۱۸۵۳ء۔

خط ۔ ۴

فرد: ازان سرمایۂ خوبی به وصلم کامِ دل جستن
بدان ماند که مورے خرمنے را در کمین باشد

نشتنِ نامه بنامِ نامیِ آن سرورِ نام آور و فرزانۂ روشن گهر هم بر ورق و خامه سپاس نهادن است و هم خود را افزونیِ آبرو دادن ۔ به رسیدنِ همایون نامه که همانا همائے اوجِ سعادت را نقطه و خطش دانه و دام است ، اگر من که از روئے ارزش بدین خحستگی در خورستم بر خویشتن ناز نکرده باشم ، هر آئینه اهر من پرست و کافر هستم ۔ سرچشمۂ نورِ درخشنده هور نزدیك و دور بخشندۂ سور است ، ورنه کلبۂ گدا از تنگی و تاری به سویدایِ دلِ مور ماند ۔ بدان کے ارزد که مهرِ جهان آرا در آن تنگنا عرضِ جوهرِ تابندگی تواند داد۔

غالبِ سیه روز را که هیچ کس از ننگ نامش به نفرین نبرد همی ستایند و من همی نگرم که ستایش هم بدانسوئیر میگردد ۔ آرے نکوهیده را ستودن از ستودگیِ منش و خویِ خویشتان دارد ۔ درآن بار که فرستادنِ نسخۂ پنج آهنگ را بجا آوردنِ فرمان دانست ۔ ید ندارم چه رویداد که نبشتنِ نامه و نهادنِ آن در کتاب نتوانست ۔ همانا دانسته باشم که منشورِ رأفت جز این کتاب جواب ندارد ۔ با اینهمه آن گناهِ تنکمایه دار و گیرے داشت ۔ چون نپرسیدند و توقیعِ خوشنودی نگاشتند ، دانستم که بخشیدند و دیوانه را مرفوع القلم پنداشتند از مخدومِ مکرّم جنابِ نادر حسین خان که هم در آن نامه که پاسخِ آن در سرِ آن کتاب رفت به من سلام نشته اند شرمسارم و و به سرزنش سراوار ۔ نے نے اگر پاسخِ آن نامه نگاشتمے و جوابِ سلام فرو گذاشتمے بره مند بودمے ۔ چشمداشت آنکه پوزش پذیرفته شود ۔ خواهم که دریں بار سلامِ من برآن ستوده خویِ فروهیده فرهنگ گفته شود ۔ راستی این که دلدادۂ آن انجمن و اهلِ انجمنم ۔ بو که بر آرزو مندیِ من بخشایند و بدان برم ره نمایند ۔ ورق کران پذیرفت و داستانِ شوق باقی ست ۔ چرخ و ستاره فرمان پذیرباد ۔

خط ـ ۵

فرد: باخیلِ سور می رسی از ره خوش است فال
قاصد بگو کزان لبِ نوشین پیام چیست

مہر می تابد و ذرّه فروغ ہمی پذیرد ـ ابر می بارد و گیا ہمی بالد ـ چون التفاتِ حضرتِ نوابِ حاودان کامیاب که در پر تو گستری سہر اند و در رایگان بحشی ابر بامن ارین دست است و ذره مہر را نتوان ستود و گیا ابر را آفرین نیا رد گفت ـ من که درہیچی از ذرّه کمترم و در حواری از گیا بیشتر ، بخشنده را بدین بحشش چگونه ثنا توانم خواند ـ حاشا که بادِ این پندار در سر داشته باشم ـ مرا خود سخن در آنست که سپاسِ سرہنگان ڈاکِ و آنگاه سپاسِ این مہر بانیہائے پیاپے توانم گزارد۔

روزے گرامی نامه آوردند و روزے دو قصیده و دو مخمس و یك غلط نامه و دیروز سه نسخه مثنوی و یك رسالۂ مولدِ ہمایون و چہل و پنج تنگ تبرزد ـ خوشا تبرزد که بدان ارزد که اگر حلاوتِ آنرا با شیرینیِ جان سنجیده باشم ارزیده باشم ـ پلّۂ حیات از سبکی به ہوا استاده و پلۂ نبات از گرانی به زمین نشسته ـ پندارم آن مایه شیرینی درین شکر انباشته اند که برشیرین و شکر از شیرینی حز نام نگداشته اند ـ اگر شاہدِ ارمنی که کارفرمائے کوہکن بود این مشاہده می نمود، از ذوق آنچناں آتش در دہان میگشت که بے جنبش تیشه و کوششِ فرہاد پیشِ چشمش جوئے شیرموجزن میگشت۔ اگر آں حباب که در بہشت بروی وے انگبین است اینچنین است که جز به تبر نشکند نشگفت که ہمین است۔ آنان که گنجیدنِ دریا در کوزه نه آسان دانند آن جوئیرا در تنگنائے این قالب چگونه روان دانند ـ صرفه در آنست که بند بند از شیرین سخنی بگسلم و در ستایشِ نبات شیوۂ آرایشِ گفتار فروہلم ـ اندیشۂ سر انجامِ سخنے که در شیرین از شکر بیش است ہنوز پیش است ـ

یا رب ، چشم روشنیِ شادیِ کتحدائیِ چشم و چراغِ دودۂ مردمی فروزان گہر فروزنده احتر خواجه منیر الدین حان بہادر به کدام دستگاه ساز دہم۔ نه حمشیدم و نه پرویز نه سہرم و نه ماه ـ آں خود انجمنے ست که دارا در آنجا سرہنگ است و سکندر پیشکار ـ کیوان دیدبان است و ناہید چامه سرائے ـ چون منے را به اندازِ تماشا بار کحا و به تقریبِ تہنیت تاب گفتار کحا۔ چه حویم جز این که گویم که این شادی و شادمانی خحسته و فرّخ و این خجستگی و فرّخی روز

افزون باد۔

نامۂ نامی با آں کارنامۂ جادو کلامی یعنی مثنوی گرامی به خدمتِ وزارت پناہی مخلصان امید گاہی احترام الدوله بہادر رسنده و چون لختی خوانده آمد در انجمن از ہر سو صدائے آفرین خاست ۔ حضرتِ گیہان خدیو را اگرچه فیروزی فروزۂ تندرستی ہست ، از سرا پرده کمتر برون میخرامند و بیشتر در مشکوئیشاہی بر چار بالشِ عزّو ناز می آرامند ۔ بندگان را بار بدانسان که ہمی دادند نمید ہند و گوش به گفتار بداں ذوق که ہمی نہادند نمی نہند۔

منکه ہر سحر ناصیه بر آستان سودن آئینِ من است مثنوی و قصاید و ہر دو مخمس پیوسته طرازِ جیب و آستینِ من است تا کدام روز گذرانده آید و کدام ہنگام خوانده آید۔ چون این ہمه گفتار گران پذیرفت، اکنون گاہِ آنست که به ورزشِ شیوۂ گستاخی جراُتِ خویش و حلمِ خواجه آزمایم ۔

آه ازین نامه که نه از قبلۂ و کعبه نوابِ سید محمد خان بہادر نشنے آورد و نه از خواجه ظہیر الدین خان بہادر حرفے و نه از مولانا میر امجد علی صاحب حکایتے و داد ازعنوان که پنداشتم فرد فہرست محلاّت شہراست و بند جمع و خرجِ خانۂ ہمسایگان ۔ اگرچه میدانم که کارافزائی نگرش به تہدید و تہدیدِ مشفقی حافظ محمد بخش صاحب است ، لیکن نمی دانم که اندر آں نامه ہا که پیش ازین داشته اند جز نامِ شہر و نامِ من ہیچ نشان ننگنشته ۔ کدامین نامه گم شد که درین بار این ہمه نگر به کار رفت۔ انبوہیِ نشانہائیمسکن آنگاه رواست که مکتوب الیه از فرومایگان و در ناموری پائے نامِ ہمسایگان باشد ۔ مرا از پیادگانِ ڈاک تا پوسٹماسٹر ہمه میدانند ۔ سی سالست که خانه و کاشانه فروخته کو بکو میگردم و مقامے معیّن ندارم ۔ ہر جا که ہمی روم ، دوسه سال یا کمتر یا بیشتر می آسایم ۔ پیادۂ ڈاک ہمانجا میرسد و نامه ہامی رسند۔ از بہرِ نام وننگِ خودم جنگ نیست ۔ فرسودنِ خامه و آزردنِ بنانِ گہر فشاں در نشتنِ سر نامه برمن گران است ۔ بیش ازین جز ثنائے حضرت و دعائے دولت چه نویسم که آں حرزِ جان است و این وردِ زبان ۔ به خدمتِ شفیقی منشی نادر حسین خان صاحب سپاس میگزارم و سلام عرضه میدارم ۔ دانستم که دیدنِ غالب را طالب اند۔ حاشا که این داعیه تنہا از آنسو باشد ۔ اگر بسیار فروتنی کنم ، گویم که شریکِ غالب اند۔

خط به نامِ منشی هر گوپال تفته

خط - ۱

فرد: میرسد گر به خویشتن نازد
غالب از خویش خاکسار تر است

دریں ہنگام که روزِ سیاهِ عمرم را شب است و دانی که روزِ سیاه را چگونه تیره شبے تواند بود از تاریکی تنگدل بودمے و از تنهائی با خویشتن در جنگ - جز دلِ سودا زدۂ من که چون مرا تنها نگرستے بیچاره ناچار بر بیکسیِ من سوختے- ظلمت کدۂ من چراغ نداشت - بر من بخشودند و کسے را سوئے من فرستادند که خستگیهائے مرا مرهم آورد و دردِ مرد به همدمی چاره گر آمد و شبم را هزار اختر فروزنده در کنار نهاد - همانا از نطق خویشتن شمعے برا فروخت که بهروشنیِ آں شمع فروزاں صفائے گوهر گفتار خویش را که که در هجومِ تیرگیِ بختِ من از چشمِ من نهان بودے آشکار دیدم- هان ، اے تفتهٔ شیوه بیانِ نو آئین نوا،این فرزانۂ یگانه یعنی منشی نبی بخشِ فروغانی گوهرِ فروهیده فرهنگ را در دیده وری به کدام پایه جا داده اند - باآنکه سخن می گویم و سخن گفتن می دانم ، تا این بزرگوار را ندیدم ، نفهمیدم که فهمیدنِ سخن چیست و سخن فهم کرا توان گفت - در افسانه ها دیده ام که خداوندِ هستی بخش حسن را دو نیمه کرد - یك پاره ازآن به یوسف بخشید و یك پاره بر جهانیان افشاند - نشگفت که فهمِ سخن و ذوقِ معنی را نیز همچنیں دو لخت کرده ، لختے به ستوده خوئیداده نیمۂ دیگر به دیگران ارزانی داشته باشند - گو چرخِ گردنده به کامِ من مگرد و بختِ غنوده سر از خوابِ گران بر مدار که من به نشاطِ همدمیِ این دوست از دشمنیِ روزگار فارغم و بدین دولت از دنیا قانع - جائے شما سبز ، روز و شب گرمیِ هنگامۂ صحبت است و صحبتے نیست که شما را یاد نیاوریم و گلۂ هجرانِ شما با همد گر نسرائیم- دیروز که آدینۂ پانزدهمِ ربیع الاول و نهمِ فروری بود نامۂ شما رسید و پدید امد که حالیاً از اکبر آباد به متهرا و از متهرا به کول رسیده اید - ازان دو هزار بیت که خود نوشته اید که در اکبر آباد گفته ام ، ماهم در اوراقِ اخبارِ اکبر آباد غزلے مشاهده کرده ایم ، خوش گفته اند و به را هے که ماهی خواستیم رفته اند - منشی صاحب نیز این نامه که بنامِ من بود ، خواندند و به پیامے که ویژه ایشانرا بود ، فرا رسیدند و از من خواستند که چوں نامۂ شما را پاسخ گزارم ، ورقے که نشته باشم به ایشاں سپارم ، تا در مکتوبِ خود فرو پیچند و بسوئے شما روان دارند - فرمان پذیرفتم

و ہمچنین کردم و امروز که شنبه فردائے روزِ ورودِ نامی نامه بوده است ، این نامه به مخدوم سپردم۔ اگر زود رسد ، از مخدوم سپاس نپذیرند و اگر دیررسد بر من خشم گیرند ، که چرا نامه به ایشان دادم و خود به ڈاک نفرستادم ۔ عمر و دولت روز افزون باد ۔ نامه نگر، اسد اللّٰه ، شنبه ۱۰ فروری ۱۸۴۹ء۔

خط ۔ ۲

۱

باغ دو در

مشفق من لاله ہرگوپال تفتهؔ از جانب اسداللّٰه از خود رفته بعد سلام این زحمت در پذیرند که خاطر از چند روز جویائے دیوان محمد حسین نظیریؔ و جمال الدین عرفیؔ است و چنان مسموع شده که این ہر دو نسخه آن کرم فرما دارند' لاجرم خواہش آنست که ہر دو نسخه یعنی دیوان نظیریؔ و عرفیؔ ہمین دم به نامه سپار بسپارند و اگر احیاناً ایں وقت ارسال آن مجموعه ہا اتفاق نیفتد فردا بامدادان که نزد من آیندباخودآورند و بنده را دریں خواہش سبرم شناسند۔ زیاده زیاده۔

خط ۔ ۳

۲

والا جاہا خاقانی دستگاہا' نثر و نظمے که فرستاده بودند دیده را روشنی افزود۔ دیوان شما کسوتِ انطباع در بر کرد و طراز انجام یافت۔ اکنوں آنچه میگویند چه خواہند کرد مگر نقشے دیگر انگیزندوطرح دیوان ثانی ریزند۔ بحیرتم که ملول چرائید کدام حلقه دام است که آہنگ گسستن آن دارند خدمتے نیست' زحمتے نیست' صحبتے ہست' عشرتے ہست ۔ چنانکه خواہند باشد از صبح تا شام و از شام تا بام سخن سگالند و غزل گویند و مے خورند و آزاد ریند۔ لکھنؤ را مرده شو برد ۔ خوشامد گفتن آئین من نیست' راست میگویم که در لکھنؤ چون خودے نه خواہند یافت۔ غزلیات را دیدم و پسندیدم و ہر جا آنچه بخاطر گذشت رقم زدم۔ امید که

بپسندند و بدان دل بندند۔ فصلے که از التفات و تفقّد آن محیط فضل و کرم که بابو جانی بانکے لال اسم سامی اوست نگاشته اند' برمن درپردۂ مہر ستمے بزرگ رواداشته اند۔ ہے اے تفتہ جان من و جان تو' اینهمه یار فروشیها و سخت کوشیهائے تست۔ ہر چند من ازان گروہم که در داد و ستد محابا ندارم۔ نه درستدن حیا و رزم و نه در دادن منّت نهم امّا تو خود بگوے که در پذیرفتن مزدِ خدمتهائے ناکرده شرمسار چون نباشم۔ ہمچون کسیکه در آب فرورفته باشد و نفس نتواند زدوسخن نتواند کرد' من نیز در جوش عرقِ شرم مجال سخن گفتن ندارم۔ کاش بابو صاحب این شیوه با من نورزند و بدانچه رفت بس کنند۔ درین پنجاه و پنج سال این چنین معامله با کسم نیفتاده است و این گونه منّت ہائے پے در پے از کس نپذیرفته ام۔ دیروز که پنجشنبه ۲۳/ اکتوبر بود نامه شما با نامه بابو صاحب رسید۔ یك شبانروز اشعار شمار انگرستم و امرور که آدینه بست و چارم است پاسخ نبشتم فردا که شنبه ۲۵ ماه است یا پس فردا که ۲۶ خواہد بود به ڈاك روان خواہم داشت و جواب آن نامه دیگر که شما از روانئ آن خبر داده ایدپس ازان فرستاده خواہد شد که ازبھرتپور یا از آگره نامه بمن خواہند فرستاد۔ دیگر چه گویم که گفتنی بیش ازین نیست۔ از اسد اللّٰه نگاشته جمعه ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۱ء۔

خط ۔ ۴

۳

سخنص نوازا' دیر است که از روئے نگارش منشی نبی بخش طال بقوه' روے آوردن شما به اکبر آباد و گرمی ہنگامۂ انطباع دیوان و نام آورئ شما به پیش دستئ وکیل راجه شاه نشان مہاراجه بلونت سنگھ بہادر دریافته چشم براه آن داشتم که این حکایت بزبان خامۂ شما شنوده آید۔ پریرور سرہنگِ ڈاك آمد و شادی افزا نامه اورد۔ انجام پذیرفتن انطباع سفینه اشعار برما وشما حجسته و ہمایون باد۔ ہمانا شما را از یاد رفت که در ہنگام تماشائے دیوان شما گفته ام که مرزا عبدالقادر بیدؔل چون دیوان غزلیات ساز داده است طرح آن ریخته است که در ہر زمین دو غزل انشا کندو آن ہر دو غزل را که در یك ردیف و قافیه باشد غزلے دیگر از زمین دیگر درمیان داده بر صفحه نقش زندو از بائے بسم اللّٰه تا تائے تمت ہم بدین ہنجار ره سپرده است۔ چه خوش

باشد کہ دیوان شما نیز ہمین روش داشتہ باشد۔ گوئی ہمان شد کہ ما خواستہ بودیم۔ گفتار شمارا رونق افزود و مارا مسرّت۔ دیگر این علاقہ را کہ بیخواست بہم دادہ است گرامی دانند و منافئ آزادگی و قلندری نشمارند و خلوت در انجمن و غربت در وطن شیوہ را ہروانست۔ چون من نیز بہ نوکرئ شاہ تن در دادہ و فرمان سرانجام خدمت پذیر فتدام، خودرا فرّخ گہر فرخندہ خصال جانی بانکے لال را بخانہ حوزف حرج کہ دوست دیرین من است دیدہ ام و ہم در صحبت نخستین روشناسی بہ مہر ورزی انجامیدہ۔ ہنوز آن روئے زیبا و خوئے خوش و گفتار نغزار یادم نہ رفتہ است۔ بدین تفقّد کہ باشما ورزیدہ اند، و قدرِ شما شناختہ اندمرا منّت پذیر و سپاس گزار خویشتن ساختہ اند۔ ازان رو کہ برہمن اندو دانشورو من بزرگزاد گان ہر گروہ و فرزانگان ہر قوم را دوست دارم، از جانب من لفظے کہ ترجمۂ آن پالگی تواند بود عرضہ دارند۔ والابرادر ستودہ خوے شیواشیوہ منشی نبی بخش کہ یزدان یاورش باد ہنگامے کہ بہ مرسان میرفت بمن اررفتن حود خبر دادہ است و از مرسان بمیانجیگرئ گرامی پور خویشتن منشی عبدالطیف نامہ فرستادہ است، چنانکہ دیروز پاسخ آن نگاشتہ ایم۔ وہ بہ علی گڑھ نزد منشی عبدالطیف ظل، عمرہ روان داشتہ ایم۔ این روشن گہر گرامی دودمان حکیم وارث علی خان کہ ذکرے تقریباً برزبان کلک گہر فشان شمار رفت با شما گویم کہ کیست۔ غالبؔ آوارہ بے نام و نشان را بمنزلہ حقیقی برادر است و باجان برابر بلکہ از جان گرامی عزیز تر۔ از یك استاد فیض اندوختہ ایم و دریك دبستان دانش آموختہ۔ اگر ہزار سال گزردوبہم نہ پیوندیم و بہ نامہ وپیام ہمدگر را یادنہ کنیم یگانگی فراموش خواہد بودودل ار مہر ہمچنان بہ جوش۔ آرزودارم کہ این نامہ رابوے نمایند واز من سلام گویند تاچہ فرمایند۔ ہان اے تفتہؔ نطیرؔی نظر فغانی نوادرین رور ہا والا حاہ نواب محمد حسن حان بہادر کہ جنریل صاحب گفتہ میشوند بسبیل ڈاك درین شہر آمدہ اندوچون بدین حضرت پیرومرشدمیان کالیصاحب داست برکانہ تشریف آوردہ اند سرانیز بہ دیدار حود شادمان کردہ اندو بامن ار شما سخن راندہ و شمارا بسخن وری ستودہ اند۔ ار آنجا کہ بہ چھاونی فرود آمدہ بودند وراہ دور بودو من رنجور دیدار آن فرخ تبار جز دو بار روزی نہ شد و حسرت ہمسختنی و ہم انجمنی در دل ماند۔ والسلام از اسد اللّٰہ نگاشتہ یکشنبہ ۱۷ نومبر ۱۸۵۰ء۔

خط ۔۵

۴

خامۂ دوزبان که با اسد اللّٰہ ہمزبان است' ہم از زبان آن دردمند بدینگونه حرف میزند که چون مہر بیش ازبیش است و گله کم از کم' ہر آئینه آن خوشتر که سخن در مدعا رودو آنچه بگفتن ارزد نبشته شود۔ درین ہنگام که ابر قطره فشان است و باد لا ابالی پوی و مرادر شب و روز جز آشامیدن باده کار دیگر نیست' سه نامه شما پی ہم رسید۔ نخستین نگارش را پاسخ سار داده به آگره روان داشتم چنانکه درسفینه ڈاك نشان نمودار است و آن دوشنبه روز است ست و دوم مارچ' بود که ملا زمان بابو صاحب آنراکه دارند و چون شما را درپیوند بشما سپرند۔ سومین نامه که حرز جان نامه نگار و اگر این اشارت رادر نیابی گویم که نامه گرامی برادر فرخنده آثار در نورد آن بود دل را از جابرانگیخت و کلكِ شگافته سررابه فروریختن راز ہائے نہان گماشت۔ بارے آگہی میتوان اندوخت و سوادِ نامۂ مرا از راہِ مردمك چشم به سویدائے دل فرود میتوان آورد۔ "بیش از بیش" و "کم از کم" نه آنچنانست که تادر کلام جامیؔ و اسیرؔ ننگریم مسلّم نداریم۔ گفتاریست پسندیده سخنے است ولآویز بلکه اگر بیشتر ازبیش کمتر از کم نبشته باشیم برخود خندیده باشیم۔ مارا سخن در آنست که در محل جواز تسویه یا بمقام منع تسویه "کمتر" میتوان نبشت نه "کم"۔ جامی تسویه منظور ندارد بلکه میفرماید "کم از صد غم" یعنی نودونه نبود۔ آرے درینجا که این عبارت ہندی را خواہیم که فارسی کنیم مثلاً چاند کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کم ہے' باید که بدین سان نویسیم روشنی ماه از فروغ مہر کم تراست' چشم ما از رخنۂ دیوار کمتر نیست' قس علی ھذا۔ جمع الجمع را نپسندیم و درین محل نه گفتار صائبؔ دل ننہدیم۔ مرا نه تہذیب خوش کار است نه به عیب جوئی بزرگان۔ "حور" جمع حورا است و لغتِ عربیست پارسیان "حوران" به الف و نون آورند' اما نه آنست که جمع الجمع درمیان آید بلکه این فرزانگان "حور" را مفرد قرار داده اندواساس جمع بر الف و نون نہاده اند۔ مانیز براثر ایشان میرویم و ایمچنین میگوئیم۔ ہمانابرین شیوه اجماع اسم دیده ایم۔ در لفظِ غریب پیروی نتوان کرد۔ مطلع که رندگی باو جانفشنی باقافیه داشت' اگرچه از صفحه سترده ایم' اما مطلعے دیگر در برابر آن نبشته ایم که روح ظہوریؔ را راحت افزاید۔

رایگـان اسـت زنـدگـانـی ہـا
میتـوان کـرد جـانفشـانـی ہـا
کـس چـہ نـاز د بـہ جاں فشانی ہا

از ہر دو مصرع ہر کدام کہ پسندند مصرع ثانی قرار دھند و بر سگلش مطلع دیگر دل ننهند و "بیش از بیش" و "کم از کم" و محل بایست "کم" و "کمتر" را نیك بفهمند و ورق در نوردند۔ صحت وسلاست و سکون و حرکت شفیقی مکرمی بابو صاحب والا قدر ننویسند و بار آمدن خویش از اندیشه ہائے ناروا خاطر نشان من کنند۔ بعد رحلت کالے صاحب در و دیوار آن کاشانه باس نساخت۔ در کوچه بلّیماران نشیمنے برگزیده ام' امید که نعش مراہم از در این کلبه بیرون آورند۔ نگاشته صبح چار شنبه' بست و چارم مارچ ۱۸۵۲ء از اسد اللّٰه نامه سیاه۔

خط۔۲

۵

ہان و ہان تا از ہم دوریم و به نامه طرحِ گفتگو میریزیم اگر گاہے پاسخ نامه از سوے من دیر رسد بر مرگ من محول نگردد' چه آن زمزمه را آہنگے خواہد بود که ہمه را بگوش خوردو نیز گمان رنجوری برمن نرود که من از سستی تن فرسوده نشوم و از کار باز نمانم ۔ دانش آنست که چون این روے دهد' آن سنجیده که غالبؔ را کار افتاده است۔ آه ازین عید که برمن از محرّم ناخوشتر گذشت ۔ دو روز پیش از آنکه بشام ماه نوبینند و بامداد عید کنند' شه را منش بر گشت و تپے سوزنده و اسهالے ہولناك عارض شد۔ تا کجا گویم که درمیانه چها رفت۔ تا امروز که دهم شوال و ہجدہم جولائی است بیم و امیدراہمان آویزه و ہواخواہان راہمچنان روان فرسائی است۔ گرمی از رگ بیرون نمی رودو شکم نمی بندد۔ ہر روز صبح به قلعه ہمی روم ۔ گاہے نان از خانهٔ شاہزادگان به دریوزه میخورم وشامگاه به غمکده می آیم و روزے که ہنگام نیمروز نان به کاشانه میخورم' پایان روز باز میروم۔ تا امروز کاروبار این است۔ فرداندانم چه پیش آید۔ اشعار شما نه سرسری بلکه به دیده وری نگرسته باز میفرستم۔ پریرور نامهٔ دوست جانی که حاودان درکامرانی بداز سر منزل سروہی رسید۔ بر بارگی ڈاك سوار است و به بھرتپور ہمیرود۔ بمن مینویسد که

سود من ازین رهروی دیدار تفتہ و ہم نشینیٔ اوست۔ این روشنگہر شمارابدان اندازہ دوست دارد کہ اگر من از اہل دنیا بودمے' آتش رشك سراپائے مراسوختے۔ یارب جوداں ماندوو برشما ارہرچہ گویم مہربان ترباد۔ خشم ہا فروخوریدو رنجہا بر کنار نہید۔ آبروچہ چیز است کہ بپائے دوست و آنگہ این چنین دوست نتوان افشاند۔ بلبل بہ سودائے گل از سر زنش خارباك نداردو پروانہ در ہوائے شمع از سوختن نہراسد۔ عاشقی کہ رقیب نداشتہ باشد نانش بے نمك است و شرابش بے کیف۔ دیگر حزاین کہ از عمر و دولت برخوردار باشندچگویم ۔ از اسد اللّٰہ نگاشتہ نیمروز دو شنبہ دہم شوال ہژدہ۔ جولائی۔

خط ۔ ۷

۲

جان من ' نامۂ شما کہ بنام منشی ہر گوبند سنگھ بودبرندہ سوئے مکتوب الیہ بردوباز آورد ہماناسوئے گنگ روے آوردہ بودند۔ دوسہ روزنگاہ داشتہ باز فرستادہ شد' چنانکہ رسید۔ نشگفت کہ آن سعادت نشان گہی یافتہ باشند۔ گرہے در دل داشتم تا برپائے رہ پیمائے شماچہ میرفتہ باشد۔ سروروان شما آزادانہ کے خرامد۔ نامۂ شما کہ این بار رسید گرہے دیگر برآن آفزود کہ آنرا جزشما دیگرے نتواند کشود۔ یارب این چہ نبشتہ اند کہ اگر فلانے شیوۂ خودبرمیگرداند پیش وے میروندورنہ از غالبؔ مصلحت میپرسند۔ اکنون باید کہ زودنہ دیر نامہ دیگرسوے من روان دارند و ار رہروی پاے و آرامش و خرامش آنما یہ کہ از بہر دانستن بس باشد برنگارندوسر آن رشتہ درہم فروپیچیدہ کہ مرادر آزار داردسر من بکشایند زنہار درنگ نورزند و ہر چہ ہست زود بنویسند۔ دیگر شما را از آنچہ ہنوز برشما آشکار نیست خبرمیدہیم۔ برصریر خامہ گوش دارید تا این بیزباں چہ سراید۔ یکے از دوستاں یکرنگ از جے پور بمن نوشت کہ راجہ جوان دولت حوان سال گفتار ترا ہرچہ ار روئے اخبار سلطانی بوے رسیدہ است عریر میداردو ترامیخواہد۔ بدل گفتم از من کہ دریں باب ار دوستان و بیگانگان مضائقہ نمی کنم باوالیٔ جے پور چرادریغ رود۔ نخست بہ بابو صاحب نگاشتم کہ میخواہم دیوان ریختہ بایك عرضداشت شوقیہ ار معن راجہ سلطاں نشان کردن۔ چون مرجعٔ مرزبانان راجستان یکیست یعنی اجمیر لاجرم آشنا ئیہا میانہ ہم شگفت نیست۔ اگر وکیل ریاست جے پور رابر آن می توانید آورد کہ ارمعان مرانہ پیشگاہ مہاراجہ

رسـانـد' من آنحروے باورقے که نامه نام دارد بشمافرستم- چوں بابو صاحب پذیرفتند' آں نسخه را ـلوح و حدول و حلد چناں که به پیشکش ارزد اراستم اگر نه دریں ہفته درہفته آینده به سبیل ڈاک اجمیر به نظر گاہ بابو صاحب میفرستم قصیده نه سروده ام' ہمیں کتابیست و نامه عمر و دولت ار شمار افزون باد- اسد اللّٰه-

خط - ۸

۷

اگـر جـاں بیوفـانبودے گـفتمے که جان من و اگر دردهر آبروے داشتمے گفتمے که آبروے من- چون ازینها ہیچ نتوانگفت ناچار میگویم کـه ہاں ای تفتهٔ راز داری بمن میاموز' من خوداندریں شیوه ہمتا ندارم- چه خوش میسر اید آن نو آئین صفیرمرزا حلال اسیر- شعر-

امـــانـــت دار رازم عـــالـــمـــے را
بـــقـــدر بیـــزبـــانـــی ہـــوش دارم

پری روز کـه آدیـنـه ہـفـدهم دسمبر بوددیوان ریخته باعرضداشت موسومهٔ راحه سلطان نشاں در اجمیر بخدمت بابو صاحب روان داشته شد' تا کی رسدو پس از رسیدن چه روی دهد- در آرایـش آن اوراق تـنگدلی نکرده ام و مشت زرے بصرف آورده ہم کتاب زرنگار است وہم جزدان نـظر فریـب- چوں بابو صاحب از سر آغاز بشما آگـہی داده اند شما نیرپرسش کنید' تا بشماچه نـویسـنـد- یـارب پـائـے شما به رفتار آمده و فرجام فروماندگی برخاسته باشد- مارا به آگـہی میتوان نواخت والسلام از اسد الله نگاشته صبح یکشنبه ۱۹ دسمبر ۱۸۵۲ء-

خط - ۹

۸

جـان مـن' اوراقِ اشـعـار بانـامه که مـہر سر دفتر میرزایان بپایان داشت رسید- من از بیدادِ تـموز در آزارو حـامـه بتفریـب تـہنیت عیددر مدح شاه گرم رفتار- اگر در اصلاح درنگ رودحشم نگیر ند- نامه را پس از نگرستن بسوے شما بر میگردانم- دوباره عطیه جانی حی سخن جز اینقدر

نیست که اگر توانند دران کوشند که پیش از عید بمن رسیده باشد مصرع۔

پس ازان کہ عید نبودبہ چہ کار خواہد آمد

نگاشتہ جمعہ نوزدهم رمضان ۱۲۸۰ھ

خط۔ ۱۰

۹

صاحبِ من' ہر دو نامہ پے ہم رسید۔ار آنمیاں نامہ دوسین اینوفت برات وردو آورد۔ نہان نماناد کہ امروز سہ شنبہ چہارم جنوری آغاز سال نو عیسوی است۔ ساعتے برنیم روز گدشتہ باشد کہ سرھنگِ ڈاك آمدو نامہ شماو نامہ بابو صاحب آورد۔ بندغم گسست و آرامش صورت بست۔ ہمیں قدر میخواستم کہ رسیدن پارسل بدانم۔ نامہ شما از ورقیکہ در نورد داشت دلم رابہم برزد۔این ستودہ خوے باشما مہرے می وررد کہ اینما یہ مردمی در بنی آدم نتوان یافت تا خود ایں جوانمرد ارروشنان سپہراست یا از سروشان ایزدی بارگاہ۔ اگربجاے شماس بودمے' دریں دریغ نداشتمے' درآرو مضائقہ نکردمے تاحان چہ ارح داشتہ باشد۔ ورق راپس از خواندن درورقے سادہ فرو سیچیچم واین رقعہ را درمیان می نہم و عنوان بنام شمار میطرازم و سوے شما سیفر ستم۔ امید کہ از شما نسبت بآن آزادہ مردان بکاررود کہ حقّ محبت بگردن شما نماند والسلام۔
از اسد اللّٰہ۔

خط۔ ۱۱

۱۰

فرے سہرورز آررم گستر راکہ حریدار کالائے نارواۓ منند' نادانم اگر ندانم کہ دیرینہ آشنای منند۔ شناساگرئ سپرا بفتہ نہ آنچناں است کہ شناساوری پیکر نبنددودلہا ار دوسوئے باہم نپیوسدد۔ نوآئیں نگرشے کہ دستنوے نام آوردر گیرندہ بہ گرارش پانردہ ماھہ حادرا ست رسیدہ نشد یا حواہد رسید۔ این نامہ حردۂ جان وریزۂ روان منست۔ ہرچہ در حوبی این حواہد افرود' سپاس بے اندارہ برس حواہد بود۔ من خوداز حوبی ہمین سپیدی و درحشانئ کاغد و روشنائی ومشلک سائئ سیّاهی وبرنگشتں سخن ار ہنجار ودگر گون نگردبدں گفتر میدانم و دگر

ہیچ' تاان والا پایہ چہ دانند و نعری این نگارش را بکدام پایہ رسانند۔ امید کہ چنان شود کہ اگر بہ لندن رودپر کار کشایان وہنزمندان فرنگ این را بہ شایستگی ستایند کہ ہر آئنہ کام س و نام شماست۔ دیر زیستن و شاد زیستن ارزانی باد۔ از غالبؔ یکشنبہ بست و نہم اگست ۱۸۵۸ء۔

خط۔ ۱۲

۱۱

غالبؔ از خود رفتہ بہ تفتہؔ سلام میفرستد۔ رند والا جاہ بالغ نظر بمن نبشت کہ نامہ بنام راول شیوسنگھ می باید نگاشت۔ بدل گفتم آیاچہ نویسم و مطلوب چہ باشد۔ مہر خطابی درنامہ فروپیچیدم و سوئے دوست روان داشتم تا آنچہ خواہد بنویسد و مہر زندو کارراروائی و نامہ را روانی دھد۔ ہمدرین ہفتہ نامہ از آنسوے رسید و رسیدن نگین مہر پدید آمد۔ ہنوز پاسخ آن نگارش رقم نزدہ ام و در بند آنم کہ چون مہر بکار آرندوبسوئے من بر گردانند و از آغاز کار خبر دھند پاسخ طراز گردم۔ مینوشتند کہ جواب نامہ ہائے من از کول دیر میرسدونگران میباشم۔ از اسد اللہ نگاشتہ ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۵۳ء۔

خط بنامِ منشی نبی بخش صاحب سر رشته دارِ فوجداریِ ضلع علی گڑھ کول

خط - ۱

فرد: گفتنی نیست که بر غالبِ ناکام چه رفت
سیتوان گفت که این بنده خداوند نداشت

اندیشه گواه است و مشاهده شاهد که کاستن از بهرِ آراستن است ، و زدودن از برائے نمودن - سرو را چون بیرایند ، بپیر ایند ، و باده را تا بپیمایند ، به پالایند - نے پاره تا به بریدن پرۀ اران به خردگی نرود ، صورتِ قلم نتوان داد و کاغذ را تا به دریدن لحت لخت نشود ، نامه نام نتوان نهاد - آرے در کارگاہِ کون و فساد ہیچ فساد بے کون و ہیچ کون بے فسد نیست - از خاکم آفریدند و به سپهر بردند و چندے ہم بدان پایه نگه داشتند ، و سپس بر زمین زدند ، تا پیکرم چنان به خاك نقش بست که آن نقش به ہیچ کزلك از حاك نتوان سترد - گوئی درین کون و فساد که ناگاه روئیداد ، مرا بُردند ، و خستۀ را بجائے من آوردند که مرگ ار زیستن و حنده از گریستن نشناسد - یا رب این پیکر که به حاك نقش بست و این نقش که ازان پیکر به حاك نشست ، رود باشد که از روئے حاك تهِ خاك سپرند - درین روزگار که از بندِ ستم رستگار و به بندِ عم گرفتارم ، سحنورِ حادوبیانِ ار حود رفته ، منشی ہر گوپال تفته را به سرم گدار افتاد - شنیدم که آن لطف گستر که به وطن رفته بودند ، اینك آمده اند - عجب آمد که به نامه ننواختند - ہمانا ہمنشینی و ہم ربانی من با تفتہ ہم زبانی و ہم نشینی حویش بامن شناختند و حقا که چنیں است - دوش یکے ار شاہرادگانِ تمرخانیان بزمِ سخن آراسته بود ، و سخن سنجان را به عرل حوانی حوانده ، مرا که به گفتنِ ریختہ سرے نمانده ، اگرچه دل به سگالِش نبسته بودم ، امّا روزے که شب بدان انجمن بیست رفت ، خاصه ہنگامے که سواره ره میبردم ، بیتے چند بے حواست ار دلِ عمرده سر بر رد ، چندانکه به شما می فرستم ، و می خواہم که ہم دریں زمین عزلے گفته ، به مں فرستند- ار اسد اللّٰه نگاشتۀ سه شنبه ، ۱۲ ربیع الاول و ۲۱ فروری ہنگام نیمروز -

خط ۔ ۲

۱

باغ دو در

صبح است، پرده ہائے ایوان فروہشته و در سقف آتشی افروخته و من بر کنار سقل نشسته و دست بر آتش داشته، جور سوے پرده بالا زده اند، و پرتو سپهر جهانتاب زاویه را فرو گرفته۔ گفتم درین وقت که خوش است تا که سخن توان کرد۔ ناگاه در دل ریختند که گرامی برادرے داری در کول و سپهر پیشه یارے همدران شهر، صریر خامه بگوش حق نیوش آن دو روشن گهر فرو دم و بربان نئے بینوایا آنان سخن گوے۔ گفتم پسخ از کجا یابم۔ گفتند دو سه روز گوش بر آواز دارت چه شنوی۔ دو ورق را که بهم پیوسته بود از هم جدا کردم، ورقے رابنام شما و ورقے رابه اسم سامی تفتہؔ نگاشتم و به ڈاک روان داشتم۔ الله الله للجنون فنون۔

کمی کردن بینش در چشمِ حق نگر آن والا برادر اندوه بر دل افزون کرد۔ آنانکه جام از جم و نگین ازسلیمان برده اندهمان که در بردن تیر دستند، ذره نبرند و سرمایه به یغما نبرند، نیاسایند۔ کاروان مارا همین شنیدن و دیدن و گفتن و رفتن متاع است، چراتاراج نرود۔ یکے را گوش گران است تاہمنشین چه سراید۔ یکے راچشم نگران است تا که می آید۔ یکے را پائے رفتن از کار رفته و یکے رانیروئے رفتار رفته۔ غارت زدگان روزگاریم ۔ داد از که خواهیم و داوری کجا بریم۔ غالبؔ فلك زده حدّادب نگاه نداشت و در غزلے بدیں هنجار فغان برداشت۔ شعر

سپهر را تو بتاراج ما گماشته ای
نه هر چه دز دز ما برد در خزانهٔ تست

شکیب ورزند و داروئیکه دماغ رانیرو فزائے و سرمه که تیرگی زدائے باشد بکار دارند و اندوه نخورند۔ از خوردن اندوه کارے برنمی آید۔ این نیروهائے درونی و بیرونی سرر نخریده ایم، رایگان بخشیده اند۔ اگر ببرند، ستم نیست۔ از اسد اللّٰه نگاشته یکشنبه نوز دهم دسمبر ۱۸۵۲ء۔

خط به نامِ میر احمد حسین میکشؔ تخلص

خط ـ ا

برضمیر منیرِ خردمندِ ستوده خویمیر احمد حسین میکشؔ که ہر آئینۂ راز ہائے نہانست پیش ازان که گویم نہان مماناد ، نہان نمانده باشد ، که این دلِ غمزده که از دردِ دوری به خون می تپد ، چون می تپد ـ یاد آورند که رفتنِ ایشان به پٹودی روا نداشته بودیم و باور دارند که ماندنِ ایشان در آنجا روا نداریم ـ آخر نه درین شہر گوشه و توشه داشتند؟ شغلِ وکالتِ عدالتِ دیوانی چرا گذاشتند ؟ درین فرخنده ہنگام امیرِ سلطان شکوه نصیرالدوله معین الملک تجمّل حسین خان بہادر حشمت جنگ که وساده نشینِ ایالتِ فرخ آباد است ، ہمانا به روشنی فروغے که در گوہرِ اوست ، گہرفشانیِ کلکِ مرا نگرسته و به من رویآورده ، ورودِ من به فرخ آباد آرزو کرده ـ ہر چند گوشه نشینی و نامرادی آئینِ من است ، اما به مشاہدۂ مہرے که این والاجاه با من می ورزد ، آہنگِ آن دارم که پائے خوابیده را به رفتار آورم و از دہلی به فرّخ آباد پویم و شمارا با خویشتن برم ـ چه خوش باشد که پیوندِ اقامتِ پٹودی که نه بر اندازۂ ارزشِ شماست نگسلید و ہم درین ہفته به من پیوندید۔

فرد: ہلاکِ شیوۂ تمکین مخواه مستان را
عنان گسسته تر از بادِ نوبہار بیا

توفیقِ کار آگہی رفیق باد۔

خط ـ ۲

ا

باغ دو در

برخوردار اقبال نشان میر احمد حسین از اسد الله دعاء خوانند و به یقین دانند که از جانب شماسخت نگرانی داشتم۔ ہرگاه که سعادت و اقبال نشان میرسہدی نزد من می آمدند به

ہمزبانی یکدگر گفتگوئے شمامیرفت- پیشتر از شما میرنجیدم که از رامپور چراخط نوشتند- بارے امروز که سه شنبه ۱۳ شوّال است چاشتگاه میرمہدی صاحب آمدند و نامۂ شما بمن دادند- دررامپور بمشاہرہ بست روپیه قناعت نکردن و از آنجابه بریلی رسیدن و در آنجابه بستر رنجوری افتادن و بعدِ آشامیدن داروہائے مسہل از مرض نجات یافتن و حالیا آمادۂ سفر لکھنؤ بودن ہمه حالی شد- یزدان نگہبان شما باد- بعد یك ہفته نامۂ دیگر به اعتقاد الدوله نوروز علی خان بہادر نوشته خواہد شد خاطر جمع دارند امّا خاطر نشین شما باشد که اعتقادالدوله گوشه نشین محض است باشاه و مقربان بارگاه صحبتے نه دارد- بحیرتم که چه میتواند کردو کدام کار را سر انجام میتواند داد- نظر بر خدا دارند- ہان در عالم اسباب از قطب الدّوله بالاتر ذریعه نیست- اگر تقدیر موافق تدبیر خواہد بود کار از وے خواہد کشود- بالجمله از جانبِ من در نگارش کوته قلمی بمیان نخواہد آمد- والسلام نگاشته ۱۳ شوال' روز سه شنبه وقت چاشت- خواجه غلام معین الدین خان یکتا سلام میرسانند-

خط- ۳

۲

عزیز تر از جان سعادت نشان میر احمد حسین سلمه الله تعالیٰ از اسد اللّٰه سلام خوانند و در یاد خوددانند- دلکشا نامه رسید و شادمان کرد- بارے در آغاز سفر بجاے رسیده اند- نواب صاحب ہمتے عالی دارند و قدر شرفا نگاه میدارند- امروز ذاتِ ایشان از مغتنمات است- صلاح ما ہمین است که ترکِ رفاقت نواب صاحب نکنند و رفاقت این امیر بی نظیر را یاوریٔ بخت و قسمت انگارند وہوائے سفر ہائے دور و دراز از سربرون کرده بهر مواجب و مشاہرہ که نواب صاحب از راه عنایت مقرر کنند قناعت نمایند و ہمواره نویسان حالات خود باشند- زیاده جز دعا چه نگارش رود- نگاشته پنجشنبه ۲۹ جون ۱۸۴۸ء' اسداللّٰه-

خط - ۴

۳

نور دیدئه عالت طال عمره، کار بپایان رسید۔ حوصله را کار باید فرمودوبه بدروشیهائے این قوم رنجه نبایدشد۔ مهرِ بیگم صاحب برحاشیه کاغذ ثبت کرده میفرستم۔ چنانکه آئین است مختارنامه بنام نامی میر تفضّل حسین حان صاحب بباید نبشت و زر ار خزانه چنانکه رسم است باید گرفت و به فیض علی پس از شمردن باید سپرد۔ اسداللّٰه۔

خط - ۵

۴

اقبالنشانا، نامۂ مسرّت که درشمار سومین بود رسید۔ رقعۂ موسومه ناطر جی فرستاده شد۔ نحستین نامه راہنور پاسخ نفرستاده اند۔ درین باره گناه از جانب من نیست۔ آنچه بسبیل حسر نگاشتۂ شما بود خاطر غمرده را شادمان کردو آنچه بمن بطریق احکام مرقوم بود بفهم من نیامد و دل سودازده را لختے پراگنده ساخت۔ دیوان فارسی من ار دہلی تا مدراس و حیدر آباد و از لاہور تا ہرات و شیراز رسیده۔ قصیده مدح شه جنت آرامگاه دران مندرح است و عالمے آنرانگرسته۔ ایں ننگ برخود کے روادارم که آنرابنام دیگرے نامور کنم۔ سیم و رر و لعل و گہر نیست که دستم بداں نرسد، سخن است و از مبدأ فیّاض گنح درگنج بمن عطاشده۔ خاطر حمع دارند و ہمین که جواب نامۂ شاه صاحب بمن رسید، قصیده تازه و قطعه تازه را نزد خود رسیده پندارند، اما شرط آنست که خلاف بمن ننویسند و آنچه من گویم ہمچنان بعمل آرند۔ فی الحال کار اینست که عرضداشت موسومۂ شاہصاحب را بشاهصاحب رسانده طرح آں افگنند که شاہصاحب آں رابه نواب صاحب نموده و عبارتِ آنرا حاطر نشان او شان ساحته احازتِ فرستادن قصیده گیرند ت من آن قصیده را بشمافرستم و دل خوش دارند که قطعه مدح نواب نیزبا آن خواہد بود۔ سعی دران نباید کرد که شاه مرا سوئے خود خواند۔ ہمه تن در آن باید کوشید که صله حاصل گردد۔ سپس اگر شاه طلبگار من خواهد بود، ررے دیگر از بہر زادِ راه خواہد فرستاد، ورنه

من در صورتے کہ بار گران قرض برمن نبود گوشه و توشه' که دارم برآن قانعم۔ مجمل مرا درین چنین موقع مفصل می انگاشته باشند و انشاء اللّٰه باخدا پیمان بسته ام که جزراست نگویم۔ راستی ہمین است که نوشتم۔ جاه و دستگاهِ نموداری و خود آرائی نمیخواہم' راحتے و فراغتے مطلوب منست و بس و حصول آن راحت و فراغت درادائے قرض منحصر است و ادائے قرض در آنقدر که من صله خویش از شاه اود می سنجم متصور' اللّٰه بس ما سواهوس۔

خط۔ ۶

۵

دل و جان من فدائے تو باد۔ نامه رسید و حالها حالی شد۔ روز دو شبه ۱۳ نومبر سنه ۱۸۴۸ء هنڈوی بست و یك روپیه و دوازده آنه فرستاده ام۔ غالب که رسیده باشد۔ نامه بوساطت مظفر الدّوله سوے نوروز علی خان بهادر روان داشته و درباره شما سخنے چند نگاشته ام۔ فی الحال نامه بنام قطب الدوله که قطعه مشتمل بربست و ہفت بیت نیر در نورد آن است میفرستم۔ ازاین که نامه کشاده عنوان نیست ملول نشوند۔ شیوهٔ من از مردم دنیا جداست۔ ہم در نظم و ہم در نثر از ا بهر شما آنها نوشته ام که من دانم و خدائے من۔ بارے این نامه را ببرند و به قطب الدّوله دهند و عرض کنند که فلانے ہمچنین عنوان بسته فرستاده است۔ چون در حضور شما کشاده شودو خوانده بشنوند و بنگرند که چه سحر بیانی کرده ام و چه نوشته ام۔ بخدمتِ شاه صاحب بندگی رسانند و عرضه دارند که فرمان بجائے آورده ام و نامه و قطعه به قطب الدّوله فرستاده ام۔ حالیا مدد از شما میخواہم و بس۔ جواب از قطب الدّوله حاصل کرده زودارسال دارند تا قصیدهٔ مدحیه شاه فرستاده شود۔ اسد اللّٰه۔

خط۔ ۷

۶

سعادت نشانا' نامه شمار رسید و رسیدن نامه و قطعه بنظر گاه مرجع خاطر نشان من شده۔ حالیا چنانکه آن اقبال آثار نشسته اند چشم براه آن نامه دارم که در نوردِ آن بجواب نامهٔ من باشد از

جانب مرجع۔ از سرانجام ابیات قصیدہ خاطر فراہم دارند کہ دران کار درنگ روے نخواہد داد' اما چنانکہ پیش ازین نوشتہ ام می باید نوشت کہ اورنگ نشیں حال چون اسلاف خویش تا چہل روز ماتم میگیرد یا ہمان سیزدہ روز - دیگر دل میخواست کہ آنچہ وقتِ خواندہ شدن نامہ وقطعہ در آن انجمن روے دادہ و برزبان مرجع و ندیمانش گذشتہ باشد می نوشتند۔ افسوس کہ ننوشتند بلکہ خوداز جانب خودنیز ننوشتند و دادِ نگارش من ندادند کہ در نظم و نثر یعنی ہم در قطعہ و ہم در نامہ ذکر شمابچہ عنوان نبشتہ ام۔ بہرحال امرور کہ آدینہ چارم محرم است مخدومی و مولائی سید اکبر علی بدیدن من آمدہ بودند۔ گفتند کہ فردا کتابتے بہ فلانے میفرستم۔ من نیز این دوسہ سطر نگاشتہ بہ سید ستودہ خوے سپردم تا در نوردِنامہ خود فروپیچند و بشما فرستند والسلام - اسد اللہ۔

خط ۔ ۸

ے

جانا فرہنگ دانا روز ہاست کہ نامہ بمارسیدہ و ما پاسخ ہنوز ننوشتہ ایم۔ چہ نویسیم کہ کار بپایان رسیدہ و گفتنی و نوشتنی نماندہ۔ یزدان برعمر و دولت شما فزاید۔ کارراسرہ کردید' بجائے رسیدید و رساندید کہ می بایست' اما باقضا ستیزہ نتوان کرد۔ پادشاہ مجنون و سلطنت درہم' کارہا تباہ' شماچہ کنید و قطب الدّولہ چہ کند' اگر والی عہد نمیمرد نیز کار بہنجار نبود۔ کس قصیدہ پیش دیوانہ چون بردوباوے چہ گوید کہ ایں چیست۔ گرفتم کہ اینہم شد و قصیدہ در نظرش در آوردند و خواندن آغاز کردند' خندید و سر جنباند و کاغذ از دست خوانندہ گرفت و بدندان خائیدو برزمین انداخت' یا شنید و بکارے دیگر روے آوردو در خصوص مدعائے سایل حرفے نہ زد۔ بالفرض والتسلیم پس از شنیدن قصیدہ از آنجا کہ للجنون فنون مثلی است حکیمانہ بفرستادن خلعتے یا بخشیدن ہزار اشرفی فرمان داد' فرمانش کہ میبردوخلعت کہ می فرستدوزر کہ بخشد و کارپردازان سلطنت بحکم دیوانہ ررچرادہند و خلعت چون فرستند۔ اگر شاہ مجنون است وزیر خود دیوانہ نیست۔ بالجملہ این ہمہ دانستہ ام و از نیرنگ قضا بخود فروماندہ۔ ہر چند آن عزیز بدان نظر کہ دل شکستہ و غمگین نگردم نوید امیدواری میدہند و آنچہ واقع است نہان میداند اما اینچنین راز ہای بزرگ کی نہان میماند۔

چون آفتاب نیمروز روشن است که شاه اود مجنون محض است - وزیر به کجدار و مریز روز گار بسرمی برد- مدعا از تحریر این سطور آن که ازین علاقه قطع کرده ام هرگز هیچ گونه شائبه توقع باقی نمانده است- ار بهرِ شما اندیشه ناکم و نیز ار بهر قطب الدّوله غمگینم و هیچ نمی دانم که پایان صحبت چه حواهد بود- اکنون از امیدواری و ناامیدی من یکسو شده حال سلطان و ماجرائے سلطنت و آنچه بر قطب الدّوله و دیگر ندمائے شاه می رود آنچه در حق خود اندیشیده باشیدراست راست بے کم و کاست بمن نویسید - من خود بموجب این مصرع-

گذشتم از سر مطلب تمام شد مطلب

بخت خود را آرسودم و خود این سوسین نوبت است- نخستین بار نصیرالدین حیدر مدح شـید و زربخشید' روشن الدوله و منشی محمد حسن پاك خوردند و پشیزے بمن نرسید - دومین بار امجد علی شاه سرابدندیمی پذیرفت و فرمان داد که پنجهزار بنام صله و پنجهرار به طریق زادِ داه همگی ده هزار روپیه فرستاده شود و فلانے درینجا طلبیده شود- هنور این حکم امضانه پدیر فته نود که سرطان برآوردو دو هفته صاحبِ فراش ماند و بمرد- این بار حود آنچه روے داد شما نیك می دانید انا لله و انا الیه راجعون-

عرضیٔ ظفری بیگم نگاشتهٔ کلك میر مهدی که میر امام الدین بمن داده است در نورد این ورق میرسد' بخوانند و بدانند امرائو بیگم روجهٔ بادشاه میر امام الدین را جواب داد- بیچاره فرواندهٔ کشا کش روز گار است و پرورش دختر بروے دشوار- والدعا ار اسد اللّٰه نوشتهٔ پنجشنبه پنجم جولائی مطابق سیزدهم شعبان جواب طلب-

خط - ۹

۸

اقبالنشانا' بحساب متعارفه رسمیه روزها و بشمار نگرانی حاطر من سالها گذشته که نامه شمانرسیده- رور سه شنبه بست و سوم جنوری بود که پارسل کتاب تاریخ یمینی نعد ادائے محصول در ڈاك روان داشته ام - تا امروز که یك شنبه چهارم فروری است از رسیدنش خبر نه یافته ام- مدت سیزده روز اندك نیست که رسیدن کتاب از دهلی به لکهنؤ و ورسیدن نامه ار لکهنؤ به دهلی درین مایه مدت صورت نتواند گرفت- ثانیاً بشما نوشته بودم که حال حامد علی

خان باید نبشت ۔ اینجادر بارۂ آن بیچاره سخنها میرود۔ یزدان از بندوزندانش نگه دارد۔ اینها ہمه یك طرف' آوارۂ رنجوریٔ شاه اود نه آنچنان بلند است که خود را از اضطراب نگه توانم داشت۔ خاصه وقتے که شمانیز نوشته باشید که شاه بیمار است۔ درین صورت چون از ہر سوشنوم که بیمار است چرا مضطرب نشوم۔ با این ہمه منشافراوانیٔ قلق و اضطراب نه رسیدن نامه شما است که در پیچ و تابم افگنده است۔ نخست ار جانب شما که مبادا بیمار شده باشید' سپس از جانب شاه که مبادا چنانکه مشهور است' رنجوریش دراز کشیده باشد۔ بعد از ینها در بابِ کتاب نیز اندیشه دارم که مباد نرسیده باشد۔ ازبهر خدا این چه روش است۔ دستوری داده ام که نامه بیرنگ می فرستاده باشید۔ ارشما جزیك فرد کاغذ چه میرود۔ می سنحم که شاه بیمار است و کارہا درهم و شما را از فرطِ محبت دل نمیخواہد که خبر ناامیدی بمن نویسید۔ ہے ہے نمیدانید که بلابهتر ار بیم بلاست۔ جانا من غمزده محروم ازلم و به ناامیدی خوے کرده ام' از فوتِ مطلوب آنقدر غمیں نمی شوم که کار من بهلاك انجامد۔ زنہار محابا نکنند و ہرچه روے داده باشد اگر خوش است و اگر ناخوش بنویسندو زود نویسند و پر زود نویسند۔ حال خود و رسیدن کتاب و حال شاه و حال حامد علی خان۔ از حال شما مقصود آنست که چون خیریت شما دریابم' دل ازتفرقه وا رهد و شکیبائی روے دهد۔ از کتاب آن میحواہم که اگر رسیده است فهوالمراد' ورنه از سهتمم ڈاك که آشنا است بازپرس بمیان آرم و حال ار بهر آن می پرسم که فرار سم که بخت من در چه کر است و از حال حامد علی خان محض اطلاع مطلوب است که علم شے به از جهل شے والدعا' از اسد اللّٰه مرسله یکشنبه چهارم فروری سنه ۱۸۴۹ء ۔ جواب طلب۔

خط ۔ ۱۰

۹

نامۂ شما رسید و رنجوری شاه' دل گدا را بدرد آورد۔ یارب به عطیه صحتش بنواز و کار مں اروے به سامان ساز۔ آنچه درباره میر امام الدین نوشته بودند' مسلّم که چنین باشد اما 'بربّ کعبه که درین دوبار که نزدِ من آمده ہرگز شمارانا سرا نگفته' ہمانا دانسته باشد که من بدِشما نمیتوانم شنود۔ تاریخ یمینی عحالتهٔ بهرقیمت که دست بهم داد خریده در مومین جامه پیچیده بعدادائے محصول بشمار فرستاده ام۔ از تصرّف کار پرداراں عمله پرمت شاہی محفوظ باد۔ بے تکلف از جانب حود به خدمت راجه امداد علی خان بهادر پیشکش کنند و نام من نبرند۔ راجه

سراچه داند که من کیستم' بیهده از من بروے سپاس چرا نهند' ممنون خودش سازند که ناموری شما بلند نامی منست و بس۔ به استماع رنجوری شاه از قصیده دلسر دشده ام تا دیگر چه روے دهد و انجام کار چه باشد۔ بخت بدمرا به سعی و کوشش نکونتوان کرد۔ من طالع بد خود را نیک می شناسم و پنجاه سه سالست که تماشائی ناخجستگیهائے اینم۔ یزدان در عمر و دولت شما بیفزاید و نتیجهٔ سعیٔ شما را بروزگار من عاید گرداند۔ پنج آهنگ نوشته میشود۔ چون تمام نوشته میشود آن نیز همچنان فرستاده میشود۔ مخفی نماند که من این تاریخ یمینی و پنج آهنگ بشمامیدهم' راحه و منشی راشناسم خود بهر رنگ بهر که خواهید و مناسب دانید بدهید۔ خبر رسیدن کتاب و غسل صحت شاه و حال قصیده زود میباید نوشت و این نیز میباید نوشت که باوجود این همه مهربانی هائے نواب از چه راست که تا امروز بهر شما کارے و خدمتے معیّن نشده' عمر به بیکاری میگذرد ۔ صرف از کجا میکنید و نان از کجا میخورید و در مستقبل امیدواری چیست۔ دیگر حال حامد علی خان مفصل میباید نوشت و نیز احوال شاه سمن خان پسر علی محمد خان رساله دار که در لکهنؤ رسیده از منتسبان رضی الدوله است دریافته رقم میتوان کردوالدعا از اسد اللّٰه نگاشته روز یکشنبه ۲۵ صفر ۱۲۶۵ه مطابق ۲۱ جنوری سنه ۱۸۴۹ء۔ فردا که دو شنبه بست و ششم صفر و بست و دوم جنوری است به ڈاک فرستاده خواهد شدانشاالله العزیز العظیم۔

خط۔ ۱۱

۱۰

صاحب من' دلنواز نامه رسید و اندرزهائے سودمند دلنشین شد۔ نامه بنام نامی نواب مظفر الدّوله بهادر میر سدو رقعه معین الدوله یعنی حسین مرزا که موسوسهٔ من است نیز با آن نامه میفرستم۔ نشان مسکن مظفرالدّوله از روئے آن رقعه خاطر نشان خویش کنند و بجویند و چون بیابند نامه سپرده کتاب بستانند و به شیخصاحب رسانند و هر گاه شیخصاحب بار دهند بسبیل ڈاک سوئے من روان دارند۔ نامه نامی نواب مسرت فزائے خاطر غمناک شد۔ آغاز خوش است۔ یارب انجام نیز خوش باد۔ آهنگِ گفتن قصیده دارم و گفتن آغاز کرده ام۔ از سه روز آتش تب در نهادِ من زده اند و این کشا کش از فکر باز داشته ۔ بهر تقدیر آخر این ماه یا اول صفر قصیده

بر کاعد مذہب و مطلا بخدمت شما خواہد رسید۔ فکر قطعه نیر دارم۔ اگر حدا میحواہد' بعد از انجام پذیر فتن فکر قصیده فکر آنهم میکنم' خاطر جمع دارند' نامه موسومه ناظر جی فرستاده شد۔ ہماں رور خود آمدند و خط نواب از من حواستند۔ گفتم ار کجا دانستید که نواب نامه بمن فرستاده است۔ گفتنداز روے نگارش میکش ۔ بارے آن نامه پیش ایشان نہادم' حواندند و باز بمن دادند۔ حالی آرایش قلمدان سنست۔ پدید آمد که شاه جی التفات کمتر میکنند۔ بارے ار درویشن دعا کهیست خود کار حود را به نیروئے دانش خداداد سر انحام دهند و ار خدا امید وار باشند۔ ہر چند تا بستم صفر رسم عراداری شایع است' اما باشد که ہمدریں مدت سررشته بچنگ آید، ورنه اگر حیات باقیست بستم صفر نیر دور نیست۔ آررومند آن ماندم که دانستمے سرجع به لطف سحن وارسید و قطعه را که سوائے مدح فصلی از گزارش مدعا نیرداشت نکدام ربان ستود۔ حیف که سخن فہم در عالم نیست۔ پشیمانم که به نورور علی حن خط چرانوشتم ۔ من خود میدانستم که جواب چه خواہد بود' لیکن بپاس خاطر شمانوشتم۔

شعر

(۱)خدا گر بحکمت ببندد درے
گشاید به بخشایش خود درے (کذا)

بنگرند تا خواہش الهی چیست۔ امید که کامیابی به شما روی دہد و یردان شما را بپایه بلند رساند والدّعا' از اسد اللّٰه نگاشته شنبه ۱۲ محرم الحرام سنه ۱۲۶۵ هجری۔

خط ۔ ۱۲

۱۱

باآنکه هیچ مطلب ممکن روانشد
دل خوش نمیکنیم مگر از محال ہا

ازروزے که لکهنؤ آراسشگاه شما است و حوداز روئے نگارش ہائے شما پدید آمده که شمارا

۱۔ کلیات سعدی از محمد علی فروغی ۱۳۶۵ه شمسی تهران۔ میں یہ شعر اس طرح لکھا گیا ہے۔

خدا گر بحکمت به بندد درے — کشاید به فضل و کرم دیگرے
برحمت کشاید درِ دیگرے

باقطب الدّوله که از ندیمان خاص سلطان است قربے و انسے دست بهم داده است در دل میسنجیدم و میگفتم که

ع: باشد کـه ہمین بیضـه بر آرد پر و بال

سخن کوتاه ہوسہائے رنگ رنگ داشتم و یقین من بود که میر احمد حسین که بمنزلۂ فرزند مست و سیمائے سعادت دارد عجب نیست که قطب الدّوله رابران آورد که ذکر س باشاه اود کند و منشور طلب از پیشگاهِ خسروی بمن فرستند تامن به لکھنؤ رسم و شاه رادریابم' روزگار ناکامی سرآید امّا نازم به بخت و قسمت خویشتن که آن ہنگامه خیال برهم خورد و آنه ہمه امیدواری به یاس مبدل شد و چگونه چنین نبود که اقبال نشان میر مہدی نامه موسومه خود که نگاشتۂ شما بودبمن نمودند۔ یااللّه تا آن نامه را دیده ام از خود رمیده ام و بفکر ہائے دور و دراز افتاده ام۔ آخر این چه خواہد بود که شمارا ناکام از لکھنؤ میباید رفت۔ برائے حدادل غمزده صبر و قرار بهم زده اچاره گرشو و ترا بخدائے تواناو ارواح ائمه اطهار علیهم السلام حال خود راست راست بمن نبویس۔ آنچه در نامه میر مهدی نوشته سراسر خلاف آنست که در اندیشه داشتم و در تصوّر میگذشت و عجب که گاہے بمن ازین حالات ننوشتی۔ اکنون ہم بجان تو سو گند که تا نامه دیگر از تو بنام من نرسد و حال ترا سربسر ندانم که چیست دلم آرام نگیرد۔ للّه زود باش و نامه بسوئے من روان دارو حال خود موے بموے برنگار۔ع

اے بسـا آرزو کـه خـاک شـده

دیگر جز اظهار حزن و ملال و طلب تفصیل حال چه نویسد۔ اسداللّه نامه سیاه۔

خط ۔ ۱۳

۱۲

جانا سعادت نشانا لفظ و معنی نامه نبشتن ہنوز در دیده و دل جا داشت که نامۂ دیگر رسید ۔ از آنجا که اندران نامه که پیش ازین رسیده است نوشته بودند که تامن نامه دیگر نفرستم' پاسخ نباید نوشت اکنون که دستوریٔ پاسخ نگاشتن رسید مینویسم۔ نهان مماناد که حرون لفظ عربی و املائے آن به حائے حطّی است۔ اگر در قصیده "بهائے" ہوزرقم گشته است' گنه از جانب کاتب است' نه از جانب من۔ ہر آئینه باید که باصلاح این لفظ کو شند۔ لعب ہم بحرکتِ کسری عین جائز است و هم بسکون عین روا' کذافی الصراح۔

آرمیدن شما بسایۂ دیوار مشفقی قطب الدّولہ بہادر ہم برشما مبارک بادوہم بر من ۔ زنہار ازین جوانمرد صاحبدل دوری نگزینند و دولت ہم ازین در جویند۔ آنکہ اینمایہ غمخواری میکنند شما را ضایع نخواہد گذاشت۔ نامہ میر مہدی بہ میر مہدی و نامہ میر امام الدین بہ میر امام الدین رسانده شد۔ من خود امروز این نامہ بشما انشاء میکنم و نگاہ میدارم اگر نامہ از آن ہردو تن بمن میرسدھم در نورد این ورق میفرستم' ورنہ فردا تنہا ہمین ورق رابہ ڈاك روان میدارم۔ خبرہائے ناخوش از شاہ اودہ سامعہ گزابود۔ جاودان مانید کہ دلم رابہ جای آوردید۔ برخاستن فرجام رنجوری و تہیۂ غسل صحت بتعین روز پنجشنبہ کہ یارب ہمچنین باد نوشتید' لیکن آن ننوشتید کہ دل نیروپذیر دو خاطر بامید گراید۔ جشن غسل صحت ازبہر گذشتن قصیده مدح پاکیزه تقریبی است۔ چہ خوش باشد کہ این نامہ کہ من امروز مینویسم و فردا روان خواہد شد بشمارسیده باشد کہ قصیده من بہ شاہ بلکہ عطیہ شاہ بمن رسیده باشد۔ للہ در من قال ۔

جہان بیمہرو گیتی دشمن و دلدار مستغنی

مرا بر آرزو ہائے ثنائی خنده می آید

میخواستم نامہ بنام نامی قطب الدولہ بہادر نوشتن و بشمافرستادن و از شما آن خواستن کہ این را بہ نواب صاحب دہید و براین نامہ بنائے گفتگو نہید' لیکن اندیشیدم کہ این فضولیست۔ شما خودوقت کار در نظر داریدو غافل نیستید و نواب صاحب در بذل تفقّد مضایقہ نمیفرمایند۔

کارساز ما بفکر کار ما

فکر مادر کار ما آزار ما

بارے اگر مناسب دانندسلام من بہ نواب صاحب رسانند' بلکہ اگر توانند و جاباشد این نامہ رابنظر گاہ شان گزرانند۔ آنچہ از مہربانی و مہرورزی مشفقی منشی محمد یحیی علی خان نسبت بخویشتن رقم کرده اند، محبت آن فرخنده گہر در دلم جا کرد۔ آنکہ شما را چون من عزیز دارد' من چون عزیزش ندارم۔ شفقتے کہ برشمامیکنند منتے است کہ برمن مینہند۔ ہم از نوشتۂ شما پدید آمد کہ یحیی تخلص میکنند و سخن میگویند۔ سلام من بایشان و کلام ایشان بمن باید رساند۔ از اسد اللّہ' نوشتہ سہ شنبہ ۱۰ ربیع الاوّل ۲ مارچ جواب طلب ۔ چون دیروز تا شام بلکہ تا اینوقت کہ چہار شنبہ صحدم است خطے از ہیچ جانب نرسید۔ من این خط راروان میکنم و بہ شما اطلاع میدہم کہ اکنون از غم روزگار ستوه آمده ام زنہار درنگ نکنندو قطب

الدّولہ رابرآن آورند کہ ہم دربزم جشن غسل صحت کارما سر انجام دهند و شمارا خود آن باید کہ جواب ایں نامہ زود نویسید۔ چہار شنبہ یازدہم ربیع الثانی و ہفتم مارچ روانہ کردہ شد۔

خط ـ ۱۴

۱۳

سعادت نشان ما' بشنوید و مضمونہائے بن مکتوب را بضمیر فراگیرید بلکہ خود ایں مکتوب را نزد خودنگہ داریدتا آنچہ از دل رفتہ باشد باز بہ نگرستن ورق یاد آورید۔ نخست بن سخن گفتہ میشود کہ نامہ شما رسیدہ بود' رقعۂ کہ بنام ناظر صاحب بود بہ ناظر صاحب فرستادہ شد۔ مولوی اکرام الدّیں از جہان رفتند و جہان جہان حسرت با خود بردند۔ تا اینجا انچہ نوشتہ ام برائے اطلاع محض است' ورنہ این حکایت ہا بکار نیاید۔ اکنون گوش ہوش بمن دارید کہ سخنہائے سودمند میگویم۔

جان من قصیدہ میرسد' خود بخوانند و بہ نواب صاحب رسانند و در آن کوشند کہ بنظر شاہ گذرد وصلہ حاصل شود۔ یقین دارم کہ از حسن سعی شما و عنایت نواب صاحب تا شاہ خواہد رسید۔ بار چہ خواہدشد؟ مردم میگویند کہ لامحالہ حکم عطائے صلہ' اگر صادر خواہد شد' بنام وزیر صادر خواہد شد و بے وزیر کار ازپیش نخواہد رفت۔ دریںصورت می اندیشم کہ کار برہم خواہدشد۔ چارئہ ایں کار ہمین قدر میباید کرد کہ این وسوسہ را بر نواب صاحب ظاہر باید کردو از طرفِ من باید گفت کہ فلانے میگوید کہ من گدائے یك درم و جز قطب الدّولہ دیگرے را نمیشناسم۔ لاجرم قطب الدّولہ را باید کہ مرا محتاج دیگرے نگذارند و قصیدہ را خود پیش کنند و صلہ خود بستانند و خودبمن رسانند۔ چون ایں نقش درست نشیند و حاجت بوزیر نیفتد و محض بمہربانئ نواب قطب الدّولہ چنانکہ گفتہ ام مقصود حاصل شود' چون آں مقصود زراست خود بیندیشند کہ زر از لکھنؤ بمن چگونہ خواہند فرستاد' مگر بسبیل ہنڈوی خواہند فرستاد' شہر بیگانہ و مردم شہر عیّار پیشہ و شمارا با ساہو کاران شہر شناسائی نہ۔ مبادا قباحتے روے دہد۔ ناچار داروے این درد آنست کہ چون حکم عطائے زر حاصل شود' بخدمتِ نواب صاحب عرضہ دارند کہ من مسافرم و طریق حصول ہنڈوی نمیدانم۔ حضرت کدام ساہو کار معتمد و متوسل خود را بحضور خود طلبیدہ زر بوے دہند و ہنڈوی از وے نویسانده درنامۂ خود

ملفوف ساخته ہم بمن عنایت کنند تا من آن نامه رابه اسد ا لله خان ارسال دارم' امّا اینجا یك سخن باقیست یعنی آنچه برائے شماقرار داده ام' چگونه بشمادهم و این امر حوالۂ رضائے شماست۔ من میخواہم که از پنجہزار روپیه پانصد روپیه بشمادهم۔ اگر رضائے شما باشد ہمدریجا بگیرند و اگر رضائے شما در آن نبود که این معنی بر قطب الدّوله ظاہر شود بنویسید تا بعد از رسیدن مجموع از ہنڈوی پانصد روپیه از ینجا بشمافرستم۔ درصورت اوّل خطّے مہری جداگانه بشما ارسال دارم و شما آن خط موسومه خود را بنظر نواب صاحب در آورده پان صد روپیه نزد خود دارید و هنڈوی چار ہزار و پانصد روپیه چنانکه نوشته ام از نوابصاحب گرفته سوئے من روان کنید و بشما میگویم که اگر صلاح شما این خواہد بود' من در خط شما این نخواہم نوشت که پانصد روپیه بشما دادم۔ این خواہم نوشت که پانصد روپیه را فلاں فلاں جنس خریده از عقب ارسال خواہند داشت۔ جواب این سوال زودباید نوشت و بس۔ اما وسوسۂ دیگر از ہمه جان سوزتر است یعنی من در شہر قرضدارم و ڈگری داران ہستند اگر خبر خواہند یافت ڈگری ہاپیش کرده به حکم عدالت زر از من خواہند بردو سعی من وشمارایگان خواہد رفت و این زخم رابه دو مرہم حاجت است۔ یکے اینکه ہنڈوی بنام شما نه باشد صرف شاه جوگ باشد دوم آنکه سعادت آثارچنانکه اطلاع فرستادن خط قطب الدّوله به دوستان خود نگاشته بودند اینخبر را به هیچ کس ننویسند و چنان کنند که جزمن و شمادیگرے نداند که چه شدو کار به کجا انجامید سبحان اللّٰه سبحان اللّٰه۔

جہان بیمہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو ہائے تنائی خنده می آید

جان من دیروز که دو شنبه ۲۲ دسمبر و روز عید نصارابوداین ورق راتا بیت نوشته در صندوقچه نگہداشته بودم۔ امروز که سه شنبه ۲۳ دسمبر است بر تخت ہا که زیر دیوار گسترده اند در آفتاب نشسته بودم که ناگاه آن کودك که گاه گاه ہمپائے شما نزد من می آمد از در در آمد و گفت که پدرم بر دراستاده است و بار می طلبد۔ گفتم مانع کیست بیایند۔ رفت و باخود آورد۔ چون نشستند پرسیدم اسم شریف؟ گفتند میر امام الدین۔ گفتم چگونه قدم رنجه فرمودید؟ گفتند پرسش حال میر احمد حسین دارم۔ گفتم که میر احمد حسین از یجابه رامپور واز آنجا به بریلی رسید و در آنجا رنجور شد۔ دیگر ازوے خبرندارم که چه شد و کجا رفت و حالیاً کجاست بلکه از مرگ و حیاتش بیخبرم۔ گفت شنیده ام به لکھنؤ رسیده و در آنجا زن کرده' زنے مالدار که

دو صد و پنجاه روپیه ماہانه از سرکار شاه اود سی یابد بعقد نکاح در آورده۔ گفتم واللّه باللّه ثم تاللّه ازین واقعه ہیچ جرم نیست و سوگند من حق بود که این خرافات نشنوده بودم۔ بارے از بهر فریب دادن آن مرد ساده گفتم که اگر احمد حسین به لکھنؤ رسیده بودے چه امکان داشت که بمن ننوشتے' چه جائے آنکه به لکھنؤ رسید و زن کرد و صیدے فربه گرفت و مرا خبر نه کرد۔ بیچاره دو دل فروماند وندانست که حق چیست۔ سپس ازوے پرسیدم که ظفری بیگم خوش است۔ گفت خوش است وایستادن و بپاے خود ره رفتن نه می تواند و میگوید که پدرم راست گوے ہست و شما ہمه دروغ گوے۔ مراسہر بجنبید۔ یك قوتی انگور و چہار رنگتره و یك انار ولایتی بدان کودك دادم و گفتم این به ظفری بیگم دهی و خواہر خود را از من دعا رسانی۔ گرفت و رفت و پدرش نیز باوے رفت۔ من با خود را از من دعا رسانی۔ گرفت و رفت وپدرش نیز باوی رفت۔ من با خود وعده دارم که اگر دستم رسد بجائے' صدی با ظفری بیگم و مادرش فرستم و گویم که تاآز شوی تو خبرے رسدبدین زر خوشنودباش۔

نامه بپایان رسید و سودائے دل ہمچنان جوش میز ند ناچار نوشته را مکرر مینویسم که این ہمه اندیشه ہائے من استوار است و ہیچك وسوسه بیجانیست۔ بارے بعد رسیدن این قصیده فکر ہاے بجا کنید و اطراف و جوانب کارہارا نگرید و بسنجید که چه می باید کرد۔ بهر مضمونے که منظور باشد بنویسید تا بدان مضمون خط بنام شما بلکه اگر حاجت باشد بنام قطب الدوله نوشته بشماارسال دارم و نیز بعدِ رسیدن قصیده حال ہا بمن باید نشت که چون نوابصاحب قصیده را دیدند چه گفتند و چون پیش شاه گذراندند شاه چه گفت۔ بالجمله این ہمه حال ہا میباید نوشت و بعد نوشتن این حالات درباب صله انچه رائے شما اقتضا کند' بمن رقم باید کردتا به ہمان مضمون خط بنام شما یا بنام نواب صاحب نوشته بفرستم و آن نیز بخاطر باید داشت که بدهلی بر هیچکس ظاہر نگردد' بلکه خوشتر آنست که بمجرّد رسیدن قصیده یك خط مشتمل بررسیدن قصیده فوراً روانه کنند تا دلم بیاساید۔ وزان پس حال گذشتن آن به شاه و حقیقت صدور حکم شاه و آن که سراچه میباید کردو خط بنام شمایا بنام نوّاب صاحب می باید نوشت و بکدام مضمون میباید نوشت' ہمه نوشته می باید فرستادو بهر سخنے که من نوشته ام فرا رسیده و اندیشه ہائے دقیق به کار برده' جوابے که سراسر صلاح و عین صواب باشدرقم می باید کرد۔ آغاز کار به خوبی و خوشی قرین بوده است و فی الحقیقت کارے بزرگ کرده اید۔ اگر بجائے شماروح الامین را فی المثل برین کار داشتمے' خوشترو بهتر ازیں نتوانستے کرد۔ اما ہوشیار و خبردار باشند که انجم

نیز ہم بدین خوشی و خوبی باشد کہ آغاز بودہ است۔ مبادا در انجام کار لغزش پائے روئے دھد یا غفلتے واقع بشود وکار ساختہ شدہ دگرگون گردد۔

باللّٰہ آخر عمر منست و سخت درماندہ و حیرانم۔ لختے بدین علاقہ امیدوار شدہ ام وھم برتوقع شما زندگی می کنم۔ فرزندان خدمت پدر پیر بسیار کردہ اند۔ اگر از حسن تردّد شما این کار سرانجام خواھد یافت و صلۂ شاہ اود چنانکہ جز من و شما دیگری نداند بمن خواھد رسید' گوئی ازیں پس ہر قدر عمر من کہ باقیست درسایہ احسان احسان شما خوش خواہد گذشت۔ حالیا ازین قرض کہ بار آن دوش فرسائے منست سخت ستوھم۔ چو این بار گران از دوش خواہد افتاد دیگر بہ تنخواہِ انگریزی کہ بمن می رسد قانع خواھم بود۔ بنان خشک قناعت کردہ اوقاتِ زندگی مستعار بسر خواھم کردو دیگر وامِ نخواھم گرفت بلکہ اگر توفیق همرہی خواہد کرد و بقدرزادِ راہ باقی حواھد ماند عزم کعبہ و مدینہ و نجف خواھم کرد۔

شعر

یارب این آرزوئے من چہ خوش ست
تو بدین آرزو مرا برسان
والدعا

بنام شیخ بخش الدین مارہروی

خط۔ ۱

یزدان کہ از رازِ دلِ ہر ذرہ آگہ است ، بہ راستیِ گفتارِ من کہ از ذرّہ کمترم گواہ کہ ت بہ زبانِ دلنشین بینِ شما شنودہ ام کہ حضرتِ برجیس رفعت علّامی مخدوم الانامی جناب معلیٰ القاب صاحبِ عالم ظل بقاءۂ و رادعلاؤہ کہ سارہرہ را بہ خجستگیِ وجودِ مسعودِ ایشان شرفے بخشودہ اند کہ اگر بہ مثل بغداد را ترکِ صورتِ نوعی ممکن بودے ہر آئینہ بہ پیکرِ انسان برآمدے و گردِ آن بقعۂ مقدس حاجیانہ بہ طواف در آمدے ۔ بہ گفتارِ غالبِ بے نوا سرے دارند ۔ بر طالعِ خویشتن می نازم و ہم از گفتارِ خویش بر خویش سپاس می نہم کہ بدین ذریعہ روشناسِ نگہِ قبولِ مقبلے و نشانمند بندگیِ صاحبدلے شدہ ام ۔ اگرچہ دو ورق کہ طرازِ چند غزل و اند رباعی داشت از سہر فرستادن بہ شما فرستادہ ام ، لیکن دل بدان مایہ خدمت کہ محقّر بود ، نیاسود ۔ دیوانے منجمدۂ دیوانہائے منطبعہ پس از فراوان جستجو بہ کف آوردہ بہ ڈاک فرستادم ۔ کارپردازانِ ڈاک فرستادنِ آن نپذیرفتند و بازگرد اندند۔ ناچار بہ شما می فرستم ، تا بہ نہ ہر ہنگام کہ توانید بدان آئین کہ در خور دانید ، روان دارید و در بدلِ این تفقد منّت پذیرِ خودم انگارید ، والسلام مع الاکرام۔

خط به نامِ نواب عبداللّٰہ خان بہادر صدر الصدورِ میرٹھ

خط ۔ ۱

به والا خدمتِ فلك رفعت نوابِ ہمایون خطاب فرخنده القاب که قبلۂ حاجاتِ خیر اندیشان اند و کعبۂ آمال درویشان ، اسد اللهِ نامه سیاه را رخصت گرد سر گردیدن و فرصت خاك ره بوسیدن ارزانی شد ، تا پس از آن که به پیشگاه قرب آبروئے سر و به دعوی بندگی اقبالِ قبول از روزگار یافته باشد ، سپاسِ یاد آوردی و رہی پروری تواند گزارد۔

فروغِ ورودِ منشورِ رأفت روشنانِ چرخ را چشم روشنی گوئے من و مرا چون شمعِ فروزنده چشم و چراغِ انجمن ساخت۔ بدین پرتو التفات که بر من تافت و بدین روائی که نقدم از دہر یافت ، اگر ذرّه ہائے به مہر روشناس را ہمنفسے و قطره ہائے به محیط آشنا راہمچشم کسے توانم بود ، جادارد ۔ خدّامِ بلند مقام که سرانجامِ قصیده به قصدِ نام آوری از غالبِ بے نوا چشم داشته اند، مگر آن فرسوده روانِ افسرده دل را که ہنوز نمرده است ، زنده پنداشته اند۔

فرد: گمانِ زیست بود بر منت زبیدردی
بداست مرگ ولے بدتر از گمانِ تونیست

کاش کشایشِ این کار چون صنعتِ نقّاشی و گلدسته بندی تنہا به کوشش دست و بازو صورت بستے ، تا چشم از خستگیِ دل پوشیدمے و فرمان پذیرانه در پردازشِ کار کوشیدمے۔ چه کنم ، چون سرِ این رشته در دست دل است ۔ تا دل برجائے نباشد زبان سحر سرائے نباشد ۔ دیده وران صاحبدل دانند که چه قدرہا دیده و دل بہم آمیخته شود ، تا نقشے بدان شگرفی که بالغ نظران پسندند ، انگیخته شود ۔ این دلِ شکستۂ بہم پیوسته که در سینۂ من و ہمانا دشمنِ دیرینۂ من است ، زنہار به کارِ سخن گستری نیاید و معنی آفرینی را نشاید۔

ابیات

در پیکرم ز درد و دریغ است جان و مال
در بسترم ز خاره و خار است پود و تار
کاشانۂ مرا در و دیوار شعله خیز
ہمسایۂ مرا سر و دستار پرُشرار

چشم کشوده اند به کردار ہائے من
زاینده نا امیدم و از رفته شرمسار

اگر داند که فلانے با اینهمه پریشانی سخن گفتن می تواند و من نیز دانم که میتوانم در مدح ستدگر سپهر آستان امیر المسلمین قبلهٔ دنیا و دین سرور سلطان نشان نواب محمد سعید خان بہادر بفسانه خوانی سخن نرانم، با اگر درین گیتی لعل و گهر سود برده باشم خود در ان گیتی دین و ایمان زیان نکرده باشم - امید که دربارهٔ گرایش بدین ستایش نظماً و نثراً نامه نگار را اموات شمارند و به دعائے سلامت ایمان که حسنِ خجستگیِ انجام ہمان تواند بود، یاد آرند - دولت و اقبال روز افزون باد-

بنام میرزا اسفند یار بیگ خان دیوانِ مہاراجہ الور

خط ۔ ۱

فرد: لوحش اللّٰہ گہر افشانیِ نالِ قلمم
یارب ، آبشخورِ این ابر کدامی دریاست

ہمائے ہمایوں حامہ را در عرصِ سوادِ ابں نگارش کہ ہمانا سایہ گسترے ست بر ورق سحں منت ایثارِ عطیۂ تحورے است۔ گرارندۂ سحن را کہ گوشہ بہ سپہر چون نسابد ۔ سدیۂ مرحمت این ابر کہ بحائے قطرہ گہر می بارد با کشت آرروئے ہوا حاہں بہ آں کردہ است کہ اگر ہرحوشہ را صدفے پر ار مروارید اندیشند، حرد حردہ تواند گرفت۔ و سادہ دیوانے بہ وحود ہمایون اینچنین فرزانۂ یگانۂ حق شناسِ حق گرار خجستہ نر از آنست کہ حقِ ستایش ایں حجستگی بہ سحن گزاردہ آید۔ اگر بہ وفورِ سرمستیِ سرور و انبساط بیخود نشوم و سخن را اندارۂ بدست نگاہ دارم می توانم گفت ایں تہنیت نہ خواحہ راست ، بلکہ مہاراحہ راست ۔ اقبال را بہ رور افزونی نوید و دولت را بہ فراوانی مژدہ ۔ توانگران را بہ ایمنی بشارت و تہدستان را بہ بخشش صلا ۔ داد گیری را رورِ بارار حواہد بود و خردوری را گرمیِ ہنگامہ ۔ بیابانہا حیابانہا حواہد شد و دمنہا چمنہا ۔ مرا کہ گوشہ نشبنم و چوں چشمِ بد ارآں فرح انجمن دور با کشور و اہلِ کشور چہ کار و از آبادیِ ملک و آسودگیِ حلق چہ سحن؟ چرا کمِ حویش ار دہر حویم و خود را چشم روشنی نگویم؟ آحر نہ ار دیرین بندگانِ آں دولتم و ار کہن خاک نشینانِ آں درگہ۔ نشگفت کہ چوں اساسِ کار بہ آئینِ دانش و داد نہند ، گوشہ و توشۂ دیرینۂ من بہ من در دہند ۔ کوتاہیِ سحن ، حواجہ را دوست و اقبال و جاہ و حلال مبارک باد و چرخِ گردندہ حز بکامِ وے کہ حواہد مگرداد ، والسلام بالوف الاحترام ار درویش ، بے دستگاہ اسد اللّٰہ نگاشتۂ ہفدہی ؟؟ ۱۲۶۶ھ روز شنبہ۔

بنام منشی رحمت اللّٰہ خان

خط ۔ ۱

سر آغاز نامہ بہ نام ایزدِ فرہنگ آفرین فرزانہ برگزین کہ دستش کمالش را موبدان آذر برزین کودکان برزن اند و عنقائے جہانِ جلالش را ستارہ ہائے بلند آسمان دانہ ہائے ارزن، ہوش در سر و نگہ در چشم آفریدۂ اوست، و دانش ہائے بہ سزا و بینش ہئے خرد و بینش ہائے خرد افزا بر گزیدۂ او ۔ از سپاس گزاریِ دادار بہ صحیفہ طرازی می گرایم و نامہ را بہ نگارشِ پاسخ نامۂ دوست می آرایم ۔

ہمانا بزمِ انسِ فرزانۂ یگانہ در اندیشہ میگذرانم و خود را با خواجہ ہمنشین و ہم سخن اندیشیدہ بہ زبان خامہ کہ ہمچون دلِ نگارندۂ نامہ دو نیم است، داستانِ دردِ دل خود میخوانم ۔ حیف کہ خواہش دوست روائی نیافت و خدمتے کہ خواستند سرانجام نپذیرفت ۔ روائی یافتن خواہش و سرانجام پذیرفتنِ خدمت آن میخواست کہ خامہ بیراہہ پوید، و بہ فروغ گوہرِ شب چراغِ سخن بہ ظلمت کدہ راہ جوید ۔ انصاف بالائِ طاعت است ۔ چہ مایہ سخن ریزہ ہائے پراگندہ گرد باید آورد تا بہ پارسی زبان ویژہ در نثر و اسوخت توان نبشت ۔ از پہلوانان پہلوی گوئی ہیچکس را ندیدہ ام کہ بدین روش زور آزمودہ و بدین ہنجار سخن سرودہ باشد ۔ ملاّ وحشی کہ از سخن پیوندان خراسان است، در جریدۂ نظم مسدّسے دارد کہ مردم آنرا واسوخت نامند و ہر چند بر حافظۂ خودم اعتماد نیست، امّا نشگفت کہ این بیت ہم ازان مسدّس باشد :

بیت

تو نہ آنی کہ غمِ عاشقِ زارت باشد\
ور شود خاک بر آن خاک گذارت باشد

حسبۃ للّٰہ دلان دیدہ ور فراہم آیند و اسوخت ملاّ را با واسوختہائے اردو زبان لکھنؤ سنجند ۔ حاش کہ فارسی باہندی در شورانگیزی و ذوق افزائی برابر تواند بود ۔ شأن پہلوی و پارسی بلند تر ازاں است کہ بدین پایہ فرودش آورند ۔ کرشمہ ہائے لولیان ہند و شورشہای دلدادگان این طایفہ جز بہ زبانِ این صیفہ گزارش نپذیرد و این گونہ ترّہات در نوردِ گفتار پرسی زبان صورت قبول نگیرد ۔ تنے چند از ریختہ گویان دہلی و لکھنؤ طرحِ تازہ ریختہ اند و در تغزل از

زبان زنان نواهائے دل آهنج انگیخته - سرایندگانِ آن پرده سرمست سیحراسد و اینچنین شعر را ریختی همی نامند - آهنگِ گفتنِ واسوخت در زبانِ دری بدان ماند که دریں خجسته زبان ریختی گویند - درازیِ سخن پیشکش، واسوخت در فارسی نتوان گفت در نثر خود امکان ندارد و در نظم ذوقِ اردو زبان ندارد - نامه برین پوزش انجام می پذیرد که غالبِ بے برگ و نوا شرمسار است، و از خواجه به پذیرفتنِ پوزش امیدوار، والسلام بالوف الاحترام -

بنامِ آغا بزرگِ شیرازی وفا تخلص نگاشته شد

خط - ۱

رباعی

صبح شد خیز که رودادِ اثر بنمایم
چهره آغشته به خونابِ جگر بنمایم
پنبه یکسو نهم از داغ که رخشد چون روز
آخرے نیست شبم را که سحر بنمایم

امروز سپیده دم که گرمیِ هنگامۂ درخشیدنِ روز است ، نظرگاهِ التفاتِ مخدوم در خیال آورده ام و هم در خیال از دور زمین می بوسم - اگر سنجند که دیوانه آئینِ ادب فروگذاشت و در نامه نگاری شوخ چشمی کرد ، واعجبا ، نے نے وفا نپسند دو آزرم روا ندارد که این چنین خواجۂ سر بزرگ کوچک دل چنان پندارد - چرا نه سنجند که بر آئینه فراوانیِ آرزو بریں داشته باشد و نامه به رهمنونی و گرمخوییِ میرزا خاور فرخ گهر نگاشته درار نامیِ قصدۂ دن و زبان از حدیثِ شوق ملا مال است - اگر همه از دل به زبان پیستے سپرد ، نیز بر نشستمے و نیروئے نطق به شمارِ گهر هائے راز وف نکردے - همیدون که باید نخست از دل به زبان دادن و آنگاه از زبان به شگف خامه در آوردن و سپس از خامه به روئے ورق فروریختن - ایں سه گونه اشتلم را چگونه تاب و توانم آورد - دانم همین خوش است که دیده از دیدار بهره گیرد و دل به راستیِ همزبانی آرایش پذیرد-

دریں روزگار که سیرِ شهر آرامش گاه است و راه کوتاه ، اگر از جنابِ بے بست حاك نشینان گذرند و فروماندگیِ تنگنائے اندوه را به پرسش دریابند دور نیست - یا رب این آرزو نوائیپذیر باد - عمرے ست که نئے بینوا در بیانِ غالب بهره سرا چون شاخِ گل از نسیم ، نے نے غلط گفتم ، چنانکه بید از باد می رقصد هر چند ندانم ایں لا ابالی پوئیدر رقص کدام ره می سپرد ، اتب به فریبِ تلنگِ سحر سنجی دل از دست می برد - خویشتن را نازم که باینهمه پیوند که بدِ قلم را به رگِ جان منسے فریب نخورده ام و بر خود گمانِ فرزانگی نبرده - آرے ، چون منے را این پایه دانش نه بس باشد که خود را نادان دانمے بارزش خود ازین فروتر چه تواند بود که فرو هیده فرهنگان را نامِ من بر زبان گذرد و دانند که فلانے از سخن گسترانست

خلیجم ، ولے نورِ چشمِ محیطم
غریبم ، ولے روشناسِ جہانم
بہ مضمارِ دعوی خداوندِ رَخشم
در اقلیم معنی جہان پہلوانم
گرفتم کہ از تخمِ افراسیابم
گرفتم کہ از نسلِ سلجوقیانم
دل و دستِ تیغ آزمائی ندارم
رہ و رسمِ کشور کشائی ندارم
چہل سال توقیعِ معنی نبشتم
سزد گر نویسند صاحب قرانم

بہ چشم داشت ایثارِ عطیّۂ قبول و آوازۂ نویدِ وصول سہ عرل ارمغاں می فرستم - چوں آراسشجائے خواجہ در نظر نیست ، نامہ بہ میرزا خاور می سپرم ، والسلام۔

خط باسمِ سامیِ مولوی رجب علی خان بہادر

خط ۔ ۱

ولی نعمت سلامت ، به رسیدنِ این پرند و پروینِ پرن مانند که شعاعِ مہر و پرتوِ ماه بہم تافته اند تا بفته اند پنداشتم که آیهٔ رحمت برمن از بالا فرود آمد ۔ لا جرم سرِ سوداردهٔ پرشور در سجود آمد ۔ ہمانا از نور آگین ردا که این ہمه تیرگی ردا است پرتوِ شمعِ دامانِ آلِ عبا ست ۔ ہر چند دجله دجله خویِ شرم از ہر بنِ مو تراود و صفهٔ اندیشه سعرِ دل کاود که ہر گاه یك ورق ازین سو ارمغان رسد ، از آنسو گرانمایه طیلسان رسد ، لیکن ازان رو که این ہمه بخشش از مہر نشان سپهبد و حبر ازان سپهبد که رازے درین پرده نهفته اند و به بندگیِ نیاگان خودم پذیرفته اند ۔ جائے آنست که ہم امروز سپاس گزار باشم و ہم به فرّخیِ فرجامِ فردا امیدوار ۔ منت پذیر فتن از ترك و تاجیك ننگ است ۔ بر احسنِ اولادِ خداوند که خواجگانند بنده پرور و پادشاہنند گیتی بخش چرا برنتابم؟ نه آخر ہر گره را کشایش و ہر گونه کم روائی از خداوند میخواہم خداوندزاده ، ونیز آنکه کرم شیوهٔ اوست و بخشیدن بروے گران نیست ، اگر ہمه گنجِ گهر به من فرستد ، سپاس برمن چرا گرانی کند؟ گفتارِ سپاس اگرچه به حقیقتِ ایمن انجامید گران نمی پذیرد ۔ ہر آئینهٔ در آئینه خیال ہیچ چاره جز تسلیم صورت نمی گیرد ، والسلام مع الاکرام۔

خط ۔ ۲

خدائے داد گر را سپاس و بختِ خداداد را آفرین که خواجهٔ ما خسته نواز و رہی پروراست ،با بستگانِ کمند سرے دارد و به آویختگان فتراك نظرے

فرد: خود پیشِ خود کفیلِ گرفتاریِ من است
ہر دم به پرسشِ دلِ مایوس می رسد

آہنگِ آنست که نامه به نگارش ساز داده آید و ہنوز ندانسته ام که زخمه برین تار به چه ہنجار روان توان کرد و از پرندِ مشکفامِ سخن کدام نورد از ہم باید کشود۔

یا رب آن نیایش نامه که در ماهِ مارچ سال یك ہزار و ہشتصد و پنجاه و یكِ عیسوی روان داشته ام تا برچ سالِ دگر کجا رسد؟ نه نامه ہرزه عنوان و نه فرستنده که عبارت از مولانا محمد باقر

است ناپروا۔ ہمانا آن نامه خودار فراوانیِ بارِ مضامینِ شوق بر بر ندگان آں مایه گرانی کرد که آن به سنگ رویِ گرانمایگان یعنی بریدانِ ڈاکِ انگریزی را ہے به صول دو صد کروه جر به عرضِ یکسال نتوانستند برید۔ بارے گلۂ دیررسیدنِ عرضداشت آنچناں دلنشین نیست که سپاسِ زود رسیدنِ این منشورِ عطوفت که ہمیدون پاسخ نگارِ آنم آنرا از یاد نبرد۔ داد آنست که در نگرانی نیر درِ گلۂ گرانی نداشت۔ اگر گاہے ناگاہے در اندیشه گذشته باشد که خدامِ مخدوم پاسخ چرا ننشتند، خود را برآن فریفته باشم که چوں نگارشِ من در گزارشِ روحانی ارمغانے یعنی تفسیرِ سورۂ ہل اتیٰ بود، ہر آئینه جواب نداشت۔ این بار از میرزا جاور نیز سپاس پذیرفتم که به سخن دلیری کرد و بنده را پیشِ خواجه نام بردتا یاد آوردند و به روان داشتنِ نامه روان پرور اند۔ فرمان رفته است که جزوے از تاریخِ تاجدارانِ تمرخانیه به نظرگاهِ آن والیِ ولایتِ ولائے مرتضوی فرستم۔ ذره پرورا مہر گسترا، آن سواد جزوے چند بیش نیست بعدِ حمد و نعت و منقبت و مدحِ والیِ عصر و سبب تالیف کتاب که آئین نامه طرازانِ ہنگمه آراست از کشور کشایان تا نصیر الدین سلطان ہمایون سخن رانده ام ۔باقیِ داستان به فرداست، امید که اگر مرگ امان دہد، بندۂ فرمان پذیر به زود فرستادنِ آن اجزاء از بندگی و فرمان پذیری نشان دہد۔ اوراقِ تفسیر سوره والفجر در سرآغازِ این ماه نظر فروز آمد و سوادِ آں بیاض از راهِ مردمک دیده به سویدائے دل فرورفت۔ نشگفت که فصلے از آن باب در ورقے جداگانه رقم پذیرد و غازۂ عارضِ نامۂ اعمالِ من گردد۔

خط ۔ ۳

۱

باغ دو در

سپاسے کزان نامه نامی شود　　　سخن در گزارش گرامی شود

ہم از آفریدگار و ہم از خواجه مرتضوی تبار بجامی آرم۔ نخست فرخنده دولتی و خجسته حالی که بمن روداده در خشیدن نیّر اقبال بود از افقِ خاور یعنی نظر فروز گشتن منشور رافت از طرف عنوان نامه سعادت نشان منشی جواہر سنگھ جوہرؔ، سپس رسیدن آں طیلسان بہار

تـوامان کـه از رنگ سبز و سرخ و کنارهٔ زرین سبزه زاریست کـه پیراس آن رو بروئے ارغوان کـشته انـد۔ پرتـوئـے و کـشـکـهـائـے مـهر جـهانتاب براطراف آن سر تا سر دیده۔ کـیـش ساری را پدیر فتار و کـعـبـه را پـرسـتـار نبـاشـم اگـر بـه تشریفِ بارگاه گورنری کـه بارہا یافته ام و به پیرایـن ملبوس خاصه سـلـطـان دهـلـی کـه یـکـسـوبـت از سهر بمن فرستاده اینمایه شدمانیم روداده باشد که رسیدن این رسردیـن ردا۔ ایـن نـه خـلعـت شاہانست که آزادگان بدان دل ننهند و فررانگان نتازند۔ این شرف افزاتشریفے از خـلـعـتـخـانـهٔ آل عبا کـه ہـم سـرفرازئ صورت است و ہم روسپیدئ معنی' ہم سرسبزئ عیانی است وہم تاره روئئ نهانی۔ امرور که سه شنبه بست و ششم دسمبر است سیمه از روز سپری شده بودو شکیب نتوانستم ورزید و خود را از خودنمائی نگه نتوانستم داشت۔ دردم آدم بـه بـازار فرستادم و ابریشم سبز طلبیدم و فرمان دادم تا ہر دو پره راـہم دوزند۔ رفتند و آوردندو دو ختـنـد و نوردیدند و بمن سپردند۔ آئینه پیش رو نهادم و بسر پیچیدم و کله برآسمان فگندم و بہم بـدیـنـصورت کـه گفتم به نامه نگاری روے آوردم۔ یزدان داناست که تاچنین نکردم خوش درون فرو نه نشسـت و فـرحـام بیتـابی دل بـرنـخـاسـت۔ آنکه دروالا نامه رقمرده کلک اعجاز طراز بود که طیـلسـان نـاخـواستـه فرستاده میشود' اگر از بنده گستاخی بحل فرمایند برهنے می توانم آورد که نـاخـواسـتـه گـفـتن درسیان نگـنجد۔ آرے اگرچه به آشکارا از منشی جواہر سنگھ خواسته بودم و رسیـدن آنـرا از خدا میخواستم ہر آئینه خواہشے که مرا با خدا بود حضرت که از نزدیکان خدایند اگـر پیـش از اظـهـار سـعـادت آثـار مـوصـوف بـدان وارسیـده باشند و از درگاهِ ایزدی به روائی آن خـواہش فرمان یافته باشند چه شگفت بیتے از استاد بخاطر داشتم بمناسبت مقام بخامه میسپرم تا بر مخدوم عرضه دارد' درین قال

شعر

کـرد ظـرفِ خـواہـش مـا کـوتـهـی　　　قـطـرهٔ آبـے زدریـا خـواسـتـم

والسلام به الوف الاحترام از بنده درگاه اسد الله ۲۶ دسمبر' ۱۸۴۸ء۔

خط - ۴

۲

آرسطو جاہا، سکندر سپاہا، نصیریار نصیراحمدیاں دستگیرا، بدیدن روئے بندہ فرا رسیدہ باشد که غالبؔ اندوہے جانگداز دارد۔

شعر

زین که دیدی به جحیمم طلبِ رحم خطاست
سخنے چند ز غمہائے نہانی بشنو

سخن بسیار است، بسیارے ازان فروگذاشته آید تا در صورتِ دردے که زندگی در گرو درمان پذیرفتن آنست عرضه داشته آید۔ عمّ مرا در سرکار انگریزی جاہے و دستگاہے و ملکے و سپاہے بود۔ بمن چنانکه پس از گذشتن سیل زمین نمناک ماند ازان ہمه آثار ثروت آبروئے ماند و بس۔ در انجمن گورنری بصف اصحاب یمین نشستگہے شایسته یافتمے و قصیده نذر کردمے وہم بدان نذر نه بصلۂ مدح گستری بلکه به رعایتِ رئیس زادگی و سروری خلعت ہفت پارچه با جیغه و سرپیچ و مالائے مروارید یافتمے و بفرمان گورنمنٹ نذر خلعت برس معاف بودے۔ اکنون در فردِ فہرست دربار لاہور مشاہده رفت که مرا از صف رئیس زادگان برون رانده در جرگۂ رعایا نشانده اندوتوقیع پنجاه روپیه زروہفتاد و پنج روپیه خلعت رقم فرموده۔ ہر آئینه بشگفتی فرومانده ام و تغییر صورت قدیم که آن نه کاستن بلکه ہیئتے دیگر که ہیچ گونه بشکل نخستین نماند، آراستن است۔ شگفت چون نبود؟ خون در دل جوش زدتظلّم بدرگاه فرمانده پنجاب بردم و عرضه داشتم که اگر این عقوبت مکافاتِ گناہے است باید که من آن گناه را بدانم و اگر نه چنین است در پستی نمانم و برسر آن پایه که داشتم باز روم۔ جناب معلی القاب منٹگمری صاحب بہادر چه اندیشند و چه فرمان دہند۔ از گزارش روداد مراد من از آن حضرت آنست که اگر درین باره عنایتے تواند گنجید عنایتے ورنه ہدایتی۔ زیاده حد آدب۔ غالبؔ داد طلب۔

بنام عابد علی خان

خط - ۱

خانِ آگاه دلِ ہمہ دان و نم آوریدند نامِ دلنشین نشان - ہمانا فرزانهٔ فروزنده فرہنگِ شیوا شیوهٔ روشن روشِ ہمایون روان را به دانش آفرین گفتن حود را به داد ستودنست روبداد این فرحی حداداد ار روئے داد آنست که پیش ازیں باور نداشتمے و دشوار پنداشتمے که ازین پس خامه در دستِ کس بدیں ہنجار جنبد۔ اکنون که دلکشا نامه را نورد از ہم کشوده آمد خراشِ کلک سیه مست دل از دست برد - و اندازهٔ نگارش مژدهٔ یگانگی و ہمزبانی آورد - گرایش اندیشهٔ آن یکے از دور بسوئے ایں دیگرے ، ویژه در آن گونه که از شیوه ہائے آشکاری و انگیزه ہائے آز و آرزو نشان نبود - نشان آنست که این دو روانِ آزاده در فرازیں گیتی ہمدمِ یکدیگر و در روانِ گرد ہمسایهٔ ہم بوده اند - اگر دریں جہان مرایں دو پیکر را آمیزش دست بہم ندہد ، گو مده اگر روشناسی درمیان نبشد ، گو مباش۔ بارے چوں خود ہم دریں نامه ہمی نویسند که از دیر باز ترا می شناسیم و به نیرو بخشیِ این وانمودِ ہمه سود ، خودم گستاخ و به سخنمدلیر ساخته اند - نمی شکوہم و ہمیگویم که دیر یاد آورندو اندریں نورد برمن ستم رفت - ستمے دیگر آنکه از بہرِ فرستادنِ نگارشہایِ خویشتن دستوری می جویند۔ گوئی نمی دانند که آرزومندانِ ناتوانادلِ ناشکیباسنش این مایه درنگ که در آمد شدِ دو نامه از دو سوئے روئیدہد ، نبر برنتابد، در روشگریِ آئینهٔ گفتار به آئینِ زدودنِ زنگار - از خود به ناچیزکی خشنود نخواہم شد و اندریں کار ہم از کارفرما که آن فرخ گہر اند و ہم از کارگزار که ہر آئینه من خواہم بود ، سپاس خواہم پذیرفت - ہر روز از فراوانیِ شادی به خجستگیِ نوروز و جامِ باده مرغِ دست آموز باد - از اسدالله نگاشتهٔ پنجشنبه ہفتمِ اپریل ۱۸۵۳ء۔

بنام قاضی عبدالجمیل بریلوی

خط - ۱

فرزانۂ شیوا شیوۂ روشن برگزیدۂ ربّ جلیل حضرتِ مولوی عبدالجمیل که این نمودِ بے سود و اسم بے مسمیٰ یعنی غالبِ بے برگ و نوا را یاد آورده اند، همانادودمانِ خوبی را چشم و چراغ اند و گلزارِ نکوئی را صبح و نسیم۔ دلکشا نامۂ مهر پیوند در گیرنده به غزلے چند به ورودِ خویش نه درے بروئے دل کشود که شبدانِ راز از آں راه به نهانخانۂ ضمیر در نیایند۔ خواهش حکو اصلاح مهر افزود چندانکه دیده بدان سواد دو ختم، نازیبا صورتے به نظر در نیامد۔ هنجار و روش خود از نیروهاندرونی ست - آرے نئے خامه در بنانِ هر کس خرامے دیگر دارد - آموزش را درین پرده ره نیست و اگر گویند هست، هر آئینه میتوانم گفت که نیست، مگر به همنشینی و بهمربانی آموزگار و بسر بردنِ روزگار در سره گردنِ گفتار - چون صحت صورت ندارد و گفته آمد که هر چه به هر نمط گفته اند نه غلط گفته اند - می باید حلقه بر دل زد و همّت از سدهء فیّاض دریوزه کرد - به کثرتِ مشق و فراوانیِ ورزش و پیرویِ راهروانِ کشایشهائے روئیخواهد نمود و اندیشه را دستگاه و گفتار را سرمایه خواهد افزود - دانش و کنش یاری دهِ یکدیگر باد - از اسداللّٰه نگاشتۂ شنبه، بست و هشتمِ صفر ۱۲۶۹ هجری۔

بنامِ خواجه ظهیر الدین خان بہادر

خط ۔ ۱

یزدان را سپاس که خواجه رہی پرور است و ازان رو که بنده را خواجه پرست آفریده اند، اگر در گزارش ایزدی سپاس خواجه را با خویشتن ہمزبان خواہم نیز در خور است ۔ با آنکه در آشنائی و مہرافزائی حکایت بے شکایت نمك ندارد ، چون خود به نگارش خامه نفرسوده باشم ، نسزد که از دوست گله سنج بوده باشم ۔ گفتارِ من در نامهٔ پیشین با عالیجاہی انور الدوله بہادر آن بود که از مخصصان پناہی خواجه ظہیر الدین خان بہادر و امید گاہی نواب سید محمد خان بہادر چرا سخن نه رانند۔ بارے رسیدنِ مکرّمی حافظ نظام الدین آنہمه گردِ ملال از پیشگاهِ دل رفت و کشیشِ نوردِ صفوت نامه در آن ساحت بساطِ انبساط گسترد روزگارِ نگرانی سرآمد و دولتے که دل میخواست از در در آمد۔

چشم دارم که به نظرگاهِ عطوفتِ نوابِ فرخ القاب از جانبِ من زمین بوسند و به پاسخِ سلامے که به من نشته اند بندگی عرضه دارند۔ دیده بکف پائے عرش پیمائے سودن و فرویختهٔ کلكِ گہربار ہم از ربنِ پروین نشان شودن آرزو دارم ۔ والاجاهِ عالیشان خواجه معین الدین خان بہادر را گردِ سر گردم که بندهٔ برادرِ خویشتن را بندهٔ خویشتن پنداشتند ۔ امید که منشی بسوئے مہر رہنمون و مہر از ہر دو سو روز افزون باشد ۔ منت می پرستم و سلامے که در فروتنی از بندگی گذرد میفرستم ۔ فرخ اخترِ فرخنده گہر خواجه عبداللّٰه خان بہادر که اگرچه از روئے نگرش پدید نیامد که کیستند ، اماّ از گزارشِ حافظ صاحب ہویدائی گرفت که بوستانِ جاه را خرامنده سرو اند و آسمانِ دولت را تابنده ماه ۔ نامه نگار را به ثناخوانی و دعا گوئی پذیرند و اگر به تلافیِ سلامے که فرستاده اند جان برافشانم ، بریں بے صنعتی و کم خدمتی خرده نگیرند ۔ دولت بر پاینده و روزہائے خوش پیاپے آینده باد ۔ نامه نگار اسد اللّٰه۔

بنام نواب علی بہادر مسندنشینِ بانده

خط - ۱

ـہ حـضـور سوفور السرور حماب ہمیوں القاب سواب صـحـبِ حمیل المناقب عطیم الشان فـدرم فیص و محیط احسار دام اقبانه، که ہر آئینه امید گاہِ گوشه نشینانند- نئے حامۂ بے برگ و نوا را نہ نوا می آورم ، اما اس رارِ دارِ بے ربانان در بندِ نوردِ این نواسنجی ہمچون نالِ خویش به پیچ اندر اسـب و ار مں کـه کـارفرمـايِ وہم سراسیمه تر است - ہمانا فراواني آہنگ و اسوہيِ رار در پرده دری اسـت ، ورنـه سـار را کـه نـه ہر زحمه رسرمه فرو ریختن حوبي اوسـت چه باك از نواگستری سـت - سی سـحم که چوں وسـادۂ سروری را به وجودِ مسعودِ حویش رونق افزوده اند از آنجا که روشناس ار خاندانم و اگر فروتنی نکنم ، میتوانم گفت که از یگانگانم - مرا سی بایست که آئینِ وف نگاه داشتمے و نامه در تہنیت نگشتمے - از من آن نشد و یزدان داند که آں نه از ناسازی و بے پـروائـی سـود ، بـلکه حود را ناچیز پنداشتم و زحمتِ ندیمانِ بزمِ انس روا نداشتم - اکنون که بحرِ عـصوفت موجرد و این ہمه گـہرہائیشاہوار بکـبه فرو ریخت، به حیرتم که در عذرِ کوتاہيِ ہمّتِ خـویـش سـحں رانم یا دراز دستيِ عطائے آں والي ولایتِ سہر و ولا را سپاس گزارم - ہم غم ار دل سردند و ہـم در ربـودنـد- ہم اندوه کاستند و ہم امید افزودند- بارے پاسخ آن جانفرا نامه و دلکشا صـحـفه که حوشِ جیحوں و ریزشِ لآلی عبارت ار ورودِ آنست سار میدہم و به ہر جنبشے که حامه را در آن منشورِ رأفت رویداده است بـہمدمی دمِ تسلیم نشان باز میدہم-

اوراق اشـعـار را کـه گـوئـی فـردِ فـہرستِ گنج خـنۂ معنی بود بورد از ہم کشودم و ہر دو مـخـمـس و مسـدس و عرلیات را فرو حواندم- زہے لطفِ طبع و جّدتِ ذہں و سلاست فکر و حسنِ بیاں - ہر گـاه در اعـر چنین بوده اند بشرطِ دوام وررش و التزامِ مشق حقّ که در اندك مایه مدّت علم یکتائی حواہبد افراشت - فرس بحای اوردم و آں شاہدانِ معنوی را به حکّ و اصلاح ارایش کـردم - اگر بژوہش اس رار و محرميِ پردۂ ایں سر آرزو دارند ، از ریخته گویاں گفتارِ میرؔ و میرزا و ار رمـرمـۂ پـارسـی گـویـاں کـلام صـائـب و عرفی و نظیری و حزیں در نظر داشته باشد ، نه در نظر داشتنی کـه سواد ورق ار دیـده بـه دل فرود نیایـد ، بلکه ہمه کوششِ در ان رود که حوہرِ لفظ را بشناسند و فروغ معنی را بنگرند و سره را ار نا سره جدا کنند - نسخۂ پنج آہنگ که اگر نه از من بـودے گـفـتـمے فـارسـی را قـانـونے است حرد پسند - بسا نکته ہائے ژرف در ان بکار رفته است و

فراوان ترکیب ہائے شگرف و لغتہائے نغز به نگارش در آمده:

راســت میـگـویـم و امید کـه بـاور دارنـد

دیوانِ فارسی و دیوانِ ریختہ و دیگر از نظم و نثر ہر چه فروریختۂ کلک ابالی حرام من است ، کافر بشم اگر یک ورق نزدِ من بجود نسخه از آن من باشد - ہمدماں مسوده ہا بردند و فراہم کردند و جا بجا به کالبدِ صنع فرو ریختند و آب را سودا گران بردند و به شہرہائے دور دست فروختند - به پذیرفتن فرمان مردم را سو بسو گماشتم - رفتند و جستند - دیوانِ فارسی و دیوان ریخته فراچنگ نیامد ، مگر نسخۂ از پنج آہنگ یافته شد ، چنانکه آن را شرمسارانه به عالیخدمت رواں داشته ام - دیگر ہر چه دست بہم خواہد داد ، رواں داشته خواہد شد - ہر چند از دیر باز به گفتنِ ریخته نمیگرایم و به پارسی زبان سخن میسرایم ، لیکن چون رضایِ خاطرِ حضرتِ ظلّ الہی در آنست که این گونه گفتار بداں حضرت فلك رفعت ارمغان می برده باشم ، ناچار گاه گاه ریخته ہمی گویم - سوادِ غزلے چند که ہنوز از کفم بدر نرفته بر میدارم و در نوردِ این نیایش نامه فرو می پیچم - بنگرند و دل بداں نهند که خامه را اینچنیں گفتار و زمزمۂ این ہنجار پدید آید - خامه عبیرِ جوہرِ اخلاص میگیرد و نامه به دعا پایان می پذیرد - یا رب حضرتِ نوابِ عالیجناب را که نظر گاهِ روشنانِ سپہرانـد ہیچگاه گزندِ چشم زخمِ روزگار مرساد و چراغِ این دولتِ خداداد تا دمِ صبحِ قیامت روشن باد-

بنام روح اللّٰہ خان

خط ـ ۱

بناسپرد ورق که چون سوادِ آنرا بنگرند و نورد ازہم کشایند در یابند که تمنّا را مردمِ چشم است و آرزو را جگر گوشه۔ نخست بخدمتِ خدّامِ مخدومِ خادم نواز ،

رباعی

آن پیکرِ اتحاد را تاب و توان
و آن کالبدِ وداد را روح و روان
نے نے به نفَس زنده کنِ ہمنَفسان
آن ہمنَفسِ مسیح روح اللّٰه خان

سلامے که گلگونهٔ رخِ پیام تواند بود ، ارمغان میفرستم و سپس پاسخِ نامهٔ مخدوم زادهٔ شیوا شیوهٔ روشن روش ، آن بخوبیِ خوے و به خجستگیِ سرشت نهمین بهشت و به فرتابِ دانش و فروغ گهر ہشتمین اختر اررش فزائے نام و نشان مولوی حافظ غیاث الدین خان طال بقاوه ، و راد علاوهٔ ، میگذارم ۔ یارب این ستوده خوے را چه در ضمیر گذشت که نامِ چون منے کے رنج خاطرِ ساجاتیانم و ننگِ رسرهٔ خراباتیان بر زبانِ کلکِ دلاویز صریر گذشت ۔ اینکه در نامهٔ حویش غالبِ گمنام را که درنکوہیدگی نام آور است ، به فروہیدگی ستوده اند۔ اگر غلط نکنم ، ار غلط نمانمائیہیِ فرزانهٔ یگنه میر قاسم علی خان صاحب خواہد بود که ذرّه را به حورشیدی ستوده ىشىند و قطره را دجله وا نموده ۔من که دوستاں را دوستِ وفا پیشه ام از دیر بار دریں اندیشه ام که محدومیِ رہی پرور خواجهٔ فرخنده فر کجاست ۔ نه رسیدنِ ایں خامه که در نوردِ نامهٔ شفیقی وحید الدوله بہدر رسید ، نیز نداستم که نیّر ورودِ سید صاحبِ غالب ستایه سر زمینِ کانپور تافته است یا خود ایں نامه که از جانبِ شماست از شارستانِ لکھنؤ روانی یافته دلِ سودا زده ار کشاکش نرست و نگرانی بجا ماند ۔ چون به زبانِ خامه در فرستادنِ نامه راهِ سخن کشوده اند ، چرا چنیں نکنند که عنوانِ نامه به نامِ من نگارند و ہم از آنجا در ڈاك روان دارند و آن نشانہائے روشں که مرا برعنوان می باید نشست برسن بر شمارند ۔ باریبدیں یك کرشمه که محبت در کارِ من کرد و بدیں فسوں که نوائے خامهٔ شما برس دمید ہم دیده دیدار حویآمده است و ہم زبان آفرین گوئے۔ در قمروِ شادی و شادمانی فرمانروا باشند ، والسلام مع الاکرام۔

بنام میر واجد علی خان بلگرامی

خط ۔ ۱

مصطفوی گہرا، در پردۂ سلامے که می فرستم حود یه ہمایون انجمن می رسم و می گویم که اگر تکرار دور تخلی رواستے اندیشه از رسیدنِ دومیں نامه ہمین خواستے ۔ بارے آں حرز رواں آسایے تواں فزا رسید و در بُنِ ہرموئے تن جداگانه جانے دمید ۔ سالغه نپندارند اگر درین بار نیز ہماں دشوار پسندی بکار میرفت، خواہش کارفرمائی نمیگرفت و من از شرم آب گشتمے و خود را از سر گذشتمے ۔ چون کار بر کار گراران آسان کردند، آفرین گفتم و سپاس پدیرفتم ۔ گدشتِ نظم و نثر به پیشگاهِ حداوندِ افسروگاه و ہرچه بهنگامِ گذراندن در شناساگری گفته آمد و در شنیدن ار شنار از شناسا و ری بر زبانِ معجز بیان رفت خود از عبارتِ توقیع و بشارتِ ارمغان پیداست ۔ ہبره حروشی در خدمت فروشی آئینِ آزادگان نیست ۔ یزدان جر داد نپسندد و داد آنست که غالب نه تنها درین کار کوشش کرد، بلکه احترام الدوله بهادر شریکِ غالب است ۔ نے نے از سن به دستورِ فرزانه رساندں و ازاں یگانه به شهنشاه گذراندن ۔ خواہشِ من حز نکوئی نیست و کیست که نکوئی نخواہد و ہمانا آن میخواہم که دانا دلِ ہمه دان و دیده ور ہمه بین موالانا ظهیر الدین نامۂ بنامِ نامیِ ستودۂ نام آور بدانسان که فرزانگان را سزد بر نگارند و در نوردِ صحیفه که شمارا به پاسخِ ایں نگارش به مں میاید نوشت سوئے من رواں دارند ۔ سوادِ این نظم نامنتظم که برین دو ورق در نظر ہا سیاہی میکند اگر نه در حورِ آنست که خدّامِ مولانا را از نظر گذرد، لیکن اگر حکایتِ من قل بجائے حود بگذارند و برعایتِ ماقال گدرانند، جدارد۔

بنام میر مہدی

خط ـ ۱

نور چشمِ جہان بینِ من که جہان را ـ به رویش دیدہ از من به آفرین خوشنود باد ـ فرستادنِ مرد انتظار پیش ازان که نگرانی بر دل گرانی کند ، شادی افزود و ہمانا حقِ آرزم دیدۂ دیدار جوی نگاه داشتند و از سوادِ نامه سرمه ارمغان فرستادند ـ خوبیِ شہرِ جیپور و شیوائیِ شیوۂ والیِ شہر دل نه چنان از جا بر انگیخت که اگر بیخود بدانسوی نشتابم ، خود را از سرزنشِ خویش نگاه توانم داشت ـ اینچنین گہربایِ گرانمایه از معدن آفرینش نه رودرود می خیزد ـ سپہرِ جہتاب را در ہروی پای تا زانو سوده گردد تا بدین آب و رنگ گوہرے پیکر پذیرد ـ ہمانا چون دو ہزار سال بر فرمان روائیِ بکرماجیت گذشت ، مہاراجه رام سنگھ بہادر آفریدند تا جہانیان بدین دیدن بدان شنیدن گروند و دانند که سیرِ چرخ و انجم بیکار نیست ـ یزدانِ دادگر اینچنین فرماندهِ حق شناسِ حق پژوه را زندگیِ جاوید بخشید و میر احمد حسین و میرزا قربان بیگ نامۂ شمارا خواندند و به ذوقِ شربتِ ہفتصد من نبات ہر دو تن را آب در دہن گشت ـ سخن از بادۂ ناب نبود ورنه سرانیز دل از جارفتے ـ فرمانِ شما بجا می آرم و ہفت بیت که پر یروز بنظرگاهِ خاقانِ سپہر آستان گذرانده ام بر حاشیۂ مکتوب می نگارم ، والسلام ـ

خط ـ ۲

نزدیکان را نشاط و دوران را بشارت که شاه فرمانِ داد و حاجت روائیبار گاهِ سخن گستران را ایوانِ نظارت نشان داد که روز آدینه بست و پنجمِ فروری بدان خجسته نشیمن بیائید و جامِ سخن بریکدگر پیمائید ـ

گروہے از شاہزادگانِ بابریه و تنے چند از آزادگانِ شہر فراہم آمدند ـ جا بر مردم تنگی کرد ـ گوئی پیکر اندر پیکر ہمی خزید نخست سلطان الشعرا شیخ ابراہیم ذوق زخمه بر تار زد و غزل سلطان را بدان نوا برخواند که زہره از سپہر فرود آمد ـ سپس شاہزاده یوسف دیدارِ ہمایون آثار میرزا خضر سلطان بہادر غزلِ طرح بدان لحن سرود که پنداری پروین بر بساطِ بزم افشاند ـ میرزا حیدر شکوه و میرزا نور الدین و میرزا عالی بختِ عامی را

سازِ سخن بلند آہنگ شد۔

غالب آشفته نوا که بر پهلوئے علی حاداشت ده بیت از خویشتن خواند ۔ محوی نام امردے از بے اشمنِ حمکدۀ صہبائی نشید مستانه رد ۔ میرزا حاجی شہرت کما بیش ہفتاد بیت در زمین طرح بر سامعۀ انجمن نشینان عرضه داد ۔ من به بہانۀ آب تحتن از برم بیرون آمدم و راه عمکده گرفتم ۔ درِ دکانها کشوده بود و چراغها روشن ۔ ہمانا نیمه از شب نگذشته بود که بر بوریائے بینوائیدور جام دادِ روانی داد ۔ باده آشامیدم و ختم بسداد به ارک ہمایون روے آوردم ۔ ہر چہارم سلطان زاده که نام نامی آنان بر زبانِ قلم رفت زمزمۀ شبانه تازه کردند۔ من نیز غزل دوباره خواندم ۔ از ہمدمان شنیده شد که شب در ہنگامه سر آمد و نزدیک به دمیدن سپیدۀ سحر بر شکست ۔ گویند سلطان الشعرا پایانِ انجمن دو غزل از خویشتن سرود ، اما نه در طرح ۔

امروز بست و یک روز در نوروز باقیست تا بلبلِ طبع مرا به کدام نوا در خروش آورند ۔ در نامۀ شما سخنے که دل را از حاثیر انگیرد نبود و این خود غلط است که اجمٹ به جے پور ہمی آید ۔ آرے نمی آید ۔ از گوالیار به اجمیر می رسد و ہم در آن بقعه می آساید ۔ دو غزل پیشین وسومین این غزل ، شمارا که سمع میکنند که پیشِ راجه نخوانند؟ چرا نخوانند اگر توانند ، بخوانند، بلکه این کاغذ که من فرستم بگذرانند ۔ نے نے ، برادر ، این رائینه نکوست ۔ بمیانجیگریِ راول روشناس مس شده ام ۔ ہر آئینه نباید که ہیچ نگارش از جانبِ من جز به توسطِ وے بگذرد۔شما از پیشِ خود نیز اگر نگذرانید ، خوشتر ۔ شنونده سخنور نیست ، سخن رس نیست ، سخن دان نیست که به شنیدنِ سخنِ نغز دلش از شادی ببالد و از شما سپاس پذیرد و ارمغان را گرامی دارد ۔ مرا خود اند کے خون در سینه گرم شده بود ، ناگه از جوش فرونشست۔

خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

غزلها را خود نگاه دارید و گوش را به پژوہشِ راز گمارید و آنچه بشنوید و بنگرید ، بمن نگارید ۔ جان لارنس که کلکٹر و مجسٹریٹ دہلی دیار بود ، کہین برادرِ این ہنری لارنس است که توقیعِ اجنٹی راجستان دارد و ہمیدون در قلمروِ لاہور کمشنر است و فرمان روائے بزرگ است۔ این را از که پرسم ـجہانے داند و من نیز ہمی دانم ۔ بیا برادر ، ہمه را بگذار و از ہمه بگذر و غزلِ طرح بنگر۔

بنامِ مولوی عبدالوہّاب لکھنوی

خط ۔ ۱

بخدمتِ خدّام پس از پذیرفتنِ سپاسِ یاد آوری سخن در آن می رود که از آنجا که به سرزمینِ اگرہ پانہادہ اند و آن خاک مسقط الرأسِ من است ۔ اگر گویم که ہم ازینجا سر بدان پائیسودہ ام ، جا دارد ۔ خواہش آنست که ہنگامِ روئے آوردن سوئے لکھنؤ سازِ نوازش به جنبشِ زخمۂ خامه دگرره به نوا آیدوپس از رسیدن بدان خجسته شہر ہرگاه به درگاہِ خداوند گرایند ، نخستخود را در من محو کنند و چون ہمه من شده باشند ، خواجه را گردِ سر گردندو زمین بوسند و پیامِ گدا در حضرتِ سلطان العلماً بدین سان بر گرارند که این دل نام قطرۂ خونِ خامِ تواترِ پرسشہایِ اندوہ اندوز بر نتافت ۔ ناگزیر به نشتنِ قطعه که مصرعِ چارمینش اینست ۔

آمده سالِ رحلتش "داغِ جگر گداز ، ہائے"

رخِ صفحه را به خونِ جگر اندوده و نیز آن خواہم که ہرگونه که خداوند را نگرند و ہر چه از زبانِ خداوند شنوند ، بزبانِ خامه بمن باز گویند ۔ نواب محمد علی خان بہادر را به فرزانگی و یگانگی می ستایم و به مشاہدۂ سلامے که از روئے نگارشِ مخدوم پدید آمد که به دستِ چپ و ازان رو که دل ہم درین پہلوست ، گوئی از تہِ دل نگاشته اند ۔ برآن بنانِ پروین فشان روان میفشانم ۔ گویند در گُردانِ عرب دلاورے بود طاہر نام که در کارزار ہر دو دست یکسان تیغ می زد ۔ آنرا دوالیمینین می خواندند ۔ ہر آئینه آن دوالیمینینِ سیف بود و نواب که به ہر دو دست ہر گونه خط می نویسند دوالیمینینِ قلم اند ۔ یا رب مشفقی مرزا حاتم علی مہؔر را چه در دل فرود آمد که پس ازآن که در نامه و پیام باز بستند، پیانِ این ورق را به دستخطِ خویش از سلام طراز بستند ۔ حسنِ اخلاق توان گفت ۔ آرے ، حسنِ اتفاق است که در آن انجمن بودند ۔ چون شنودند که نامه سوئے که میرود ، گفتند چه به ازین که ماہم سلامے نشته باشیم ۔ ناچار منِ بیچاره را باچنین دلے که از گله لبریز است ازان نگزیرد که سلامِ مہر از راہِ مہر ہم سوئے مہر بر گردانم تا رسمِ السلام علیکم و علیکم السلام بجا آورده باشم ۔

بنامِ سلطان زاده بشیر الدینِ میسوری

خط - ۱

رباعی

عشق است زخس سرخ گل و نسرین را
از تیرگی سہا معہ و پروین را
وزمن کہ گدائے کوچۂ میکدہ ام
جم مرتبہ شہزادہ بشیر الدین را

مورِ کفِ دستِ سلیمان یعنی بندہ کہ نظر کردۂ سلطانِ بلند آستانست بہ رسیدنِ نویدِ وصول و بشارتِ قبول در بندِ آنست کہ روزگار را چہ مایہ آفرین گوید و بخت را چہ قدر ستاید زبانِ سپاسگزاریِ سلطان کراست ؟ ورودِ شرف افزا نامہ بفتادنِ سایۂ شہپرِ ہما ماند کہ چون منِ غمزدہ را فرمان روائے مصرِ شادمانی ساخت - ہمانا ، چنانکہ سایۂ ہمائے ہمایون نشانِ قہرمانیِ مرحلۂ آب و گل است ، این سوادِ سویدا مداد طغرائے دارائیِ قلمروِ جان و دل است - ورقِ اشعار خود ابرے بود دربار دریا دریا در در بار کہ بدان اندازہ مروارید بارید کہ جامۂ چشم صورتِ گنجینۂ گوہرِ معنی گرفت - داد آنست کہ اگر دانشوران دادِ سخن دہند ، شہسواریِ میدانِ سخن سلطان راست ، تاغاشیہ بردوش کہ نہند ! نامہ نگار خود از دیر باز سرِ سخن سنجی ندارد - نہ گہر در ترازوست و نہ زور در بازو - شصت و شش مرحلہ از مسیرِ عمرِ سبکسیر پیمودہ آمد-پنجاہ سال ہنگامِ سہروری و عشقبازی با نکو محضرانِ دہلی گرم داشتہ آمد تا درین مدت چہ مایہ دوستانِ یکدل فراہم آمدہ بشند - ناگاہ چرخِ تیز گردان پیوند ہائے روحانی را بدانسان برید کہ خون از رگِ جان فروچکد - ازان بے مہر عزیزان کہ ہمہ را نیارم شمرد ، دریں تیز بارانِ حوادث و نا سزا کارزار نماندند مگر خستۂ چند - اینک من و بہ داغِ کشتگان نژند زیستن و بر حالِ خستگانِ خود گریستن - خستۂ دہرہ دہرم و ساتمدارِ شہر و اہلِ شہر و از نقشہائے پیشیں در نثر سہ ارتنگ است ، پنج آہنگ ، مہرِ نیمروز و دستنبو - دوتا روشناسِ نظرِ آن والا منظر شدہ - سومین نیز نشگفت کہ در آنجا رسیدہ باشد و اگر نرسیدہ است پس از یافتِ آگہی میتوانم فرستاد - نظمِ

اردو سفینۂ افروں نیست ۔ کلّیات اردو آں حود بداں نیرزد کہ پیش فارساں مصمار فارس آنرا نام توان برد ۔ دیگر کلیات فارسی ، بحاطر حطیر حطور نکند کہ کلیاتِ فارسی ما داریم ، چہ اگر خواہد بود ہماں دیوانِ منطبعہ خواہد بود کہ یك نیمہ از کلیات است ۔

کوتاہیِ سحن ، دستنبوئیا گر ہست ، ہمیں گلدستۂ بے رنگ و بو یعنی محموعۂ نطم فارسی و اگر نیست ، ہر دو نسحہ یکحا فرستادہ شود ۔ چشم براہم تا چہ فرماں رود ۔ ہے ہے ، در معرضِ طلبِ کلپترہ ہائے فقیر حرف پرسشِ مقدارِ قیمت چرا بر زبان قلم رفت ؟ ہنجارِ نوازش نیار مسدانِ بے نوا نہ اینست ۔ بے سرمایہ ام ، نہ فرومایہ ۔ ۔ سخنورم ۔ نہ سودا گر ۔ مونیہ پوشم ، نہ کتاب فروش۔ پدیرندۂ عطایم نہ گیرندۂ بہا ۔ ہر چہ آزاد گن فرستند ، ندرست و ہر چہ شاہزاد گاں نہ آزاد گاں بخشند ، تبرک ۔ بیع و شری نیست ، چون و چرا نیست ۔ ہر چہ فرستادہ ام ، ارمغان ہست و ہر چہ خواہم فرستاد ارمغان حواہد بود ۔ شبہا شب عید و روزہا روز نورور باد۔

بنام گل محمد خان ناطق مکرانی

خط - ۱

از غالب ہرزه سرا به ناطقِ رنگین نوا سلام - ہمان از خمار به نشئهٔ و از سراب به دجله و از ہیچ به ہمه و از نیست به ہست تسلیم - رسیدنِ سحر انگیز نامه بر بس فرّح و آن فرّحی را در گزارش اندازه ناپدیدار - فرستادنِ نامه سوئے من پنداری مرده را گل بر مزار افشاندنست - لا جرم نشاطِ ورودِ نامه را آن تازگی سنجند که روانهائے از تن گسسته را در آن پاینده گیتی از ارمغانهائے روحانی روے دہد - نه آن غالبم که دمادم سخن سرودمے و پیوسته در بندِ آرایشِ گفتار بودمے - نه آن غالبم که اگر نه شراب از آب افزون خوردمے، از غم خون گریستمے و از غصّه خون خوردمے، بلکه آن غالبم که تنم از دل خسته تر است و دل از پیمانِ دلربایان شکسته تر - چشم از رمد به پیمانهٔ پر خون من و تن از داغ به سروِ چراغان مشابه - درد را بهر بنده جداگانه پیوند - خون را بهر پارهٔ جگر جوشش دیگر - بالجمله سر آغازِ پائیز پار بود که نخلِ زندگی رابر گریز روئینمود - نه ماه که مدتِ بهم پیوستنِ اجزایِ آخشیجی پیکر است، در ناسازگاری و رنجوری گذشت و درین روزگار تن از بستر چون صورت از دیبا ہیچگاه جدا نگشت - گفتم مگر روز فرو رفت و روزگار سر آمد - ناگاه از آن قلزمِ خون به ساحل آوردند و نه زنده و نه مرده، ہمچنان فرو گذاشته -

ع: مردار بود ہر آنکه او را نکشند

اینجا ہمدمان نقشے نه بخواستِ من انگیخته اند و مجموعِ گفتار مرا از قصیده و قطعه و غزل و مثنوی به کالبد انطباع ریخته اند- ہر گه انطباع به انجام میرسد، یك نسخه بهرِ شما میفرستم تأملے که بدان ناقدِ نقدِ سخن رو داده است حق است، نخست عبارتِ قدسی معاوضه نقل کنم - سپس پاسخ بر طرازم - مخدوم می نویسد که دریك شعرِ مثنوی درد و داغ کتب لفظے بصورتِ پنجه به قلم داده است - آیا این چه لفظ است، اگر نفس الامر پنجه باشد، پس خوك سم دارد نه پنجه و اگر اطلاقِ سم و پنجه به یك محل روا باشد و نزدِ شعرا جائز الاستعمال، پس اعلام باید فرمود تا پے به حقیقتِ آن برده باشم- غالبِ خونین نفس سراید،

فرد: راست میگویم و یزدان نپسندد جز راست

حرفِ نا راست سرودن روشِ اہرمن است

به تیزیِ دمِ ذوالفقار و به فروغِ گوہرِ حیدرِ کَرار سوگند که ہیئتِ پائے خوك در نظرم نسوده است۔ اگر چه این نوعِ آفرنیش را در ویرانه و خرابه ہا بسیار دیده ام، اما ژرف نگہی بکار نبرده ام۔ گمانِ من آن بود که خوك ہمچون سگ و گربه پاے دارد۔ اکنون از رویِ نوشتۂ شما در نظر جلوه کرد که خوك سم دارد و پنجه ندارد۔ کاش نامۂ شما پیش ازآن که کلیات نقشِ انطباع پذیرد، بمن رسیدے تا درین مصرع

ع: خــوك شــد و پــنجــه زدن ســاز کــرد

بجایِ پنجه زدن به لفسی نهشتمے۔ دانم که مرا ارین واقعه غمیں نتوان بود۔ اگر سہو رفته است ور غلط، در حقیقت پایِ خوك رفته است نه در ہنجارِ سخن۔ ناشناسا بودنِ سخنور از چگونگیِ پائے خوك مرا در زبان ندارد۔ ہر چند ذوقِ ہمزبانی نمیگزارد که کلك و ورق از کف نہم و نامه انجام دہم، چون گفتنی بپایان رسید، ناچار ورق در نور دیده آمد، والسلام۔

بنام مولانا محمد عباس بهوپالی

خط ـ ۱

والا یزدانِ ہست و بود را آفرین که گماشتنِ و خشور و فرستادنِ منشور از آلائے اوست [illegible] و آورندهٔ گرامی منشور ہمانا ہمایون وخشور را که پس از وے ازان ده و دو پیره وخشور [illegible] آن گروه را خداوند دو نام انبازی دارد به ہر ہنگام ہریکے بجائے اوست بے اندازه [illegible] اگر درین پرده دنی سوئے کلک و کاغذ گرایش میرود ، بیمنِ توانائی آن نیایش و نیروفزائی [illegible] میرود ـ غالبِ سخن گزار را بسا دوستانند که سوادِ مردمِ چشم گذرگاهِ آنان نشده و [illegible] همهٔ سویدائے دل میهانند ـ نیرنگِ روزگارِ دو رنگ نگرستن و به سرشکیکه در شدت خنده [illegible] چشم کشاید گرستن دارد ـ حاشا که این چنین پست پایهٔ بلند نام که خود از فروماندگی خاک [illegible] شهر باشد و بمیانجیگریِ نامه و خامه روشناسِ اعیانِ دهر باشد جزمن در دهر توان یافت ـ [illegible] اثر به پارسی زبان آئینِ من نیست ـ نامه ها یکدست به اردو نبشته میشود ـ اینك [illegible] روشن گهر فرخ اثر حق پرستِ حق شناس مولانا محمد عباس که ہم از آن گروهِ پر شکوه [illegible] که ناس به زبانِ قلم راهِ سخن کشوده اند از بهوپال فرمان فرستد که غالبِ فرسوده روان در [illegible] زبان نام آن ہمه دان نامه نویسد ـ یارب این فرمان چون بجائے آرم و در نامه چه نویسم ـ بارے [illegible] جامه لفظے چند که اگر به خواندن ارزد به ستودن نیرزد بر روئے ورق فرو ریخت ، تا آن ورق [illegible] سوئے کار فرما روان داشته آمد ـ چشمداشت آنکه برگِ سبز از درویش به تحفگی پذیرفته آید۔

بنام مولوی محمد حبیب اللّٰه منشیِ نواب مختار الملک نائب والیُ حیدر آباد

خط ـ ۱

بزدان را به بخشندگی سپاس و بخت را به فرّخی آفرین و اردو را به روائی نوید ـ ہمانا امید افزا نامه یافته ام که پندارم فردِ فہرستِ کاالائے آلائے است که از فراز سناں بروئِ زمین زی من فرو فرستاده اند ، یا گنجنامهٔ گران ارز گنجے است که در ن آغاز روز بنامِ من از سپہر شُہربرآں نہاده اند ـ ہر آئینه بدیں رو نیز شادمانم که رنگارنگ متاع سعادت در راه است و ہنگامِ پدید امدنِ گنجینهٔ مراد نزدیك ـ ہر چند نامه نه منشورِ خدایگانست ، نازشِ من به فروغ مندی این نشانست که نامِ چون منِ گوشه نشینے دورِ خوش بینے در آں ہمایون دفتر نشسته آمد ـ

فرد: غالب به خود ببال که گشتیم روشناس
در دفترِ وزیر نوشتند نامِ ما

شگفته آور روداد ے ست گفتنی و بدین مایه گرایش که از دور بر صریر خامه گوش نہند سپاس پذیرفتنی ـ در ماهِ گذشته که به فضائے عمر فزایِ سال اگست پیشاپیش و صفر از پس ہمی گذشت ، منتخبِ دیوانِ ریخته که تازه به کالبدِ انطباعش فروریخته اند، در موسیں خامه نہاده به نظر گاه روشنان گذرگاهِ حضرتِ فلك رفعت آصف سلیمان منز[illegible] ورودِ سامی صحیفه بر اثرِ ارسالِ پارسل اتفاق افتاد، در اندیشه ہمی سنجم که مگر ایں نگارش حسب الحکمِ پیشگاهِ وزارت بوده است و نمیان نیامدنِ سخن از رسیدِ سفینهٔ اردو و خواہش مجموعهٔ نظمِ فارسی در گیرنده بدین اشارت بوده است که ایں بکار نیاید ، پیشکش آں باید ـ

ع: زہے تصوّرِ باطل زہے خیالِ محال

ماهِ نیم ماه می خواہند ـ آن خود اسمے است که مسمّٰی ندارد ـ چون از سرنوشت گردن نتوان پیچید، سرگذشت باز گویم ـ ہر گاه یك نیمه از پرتوستان انجاسید و سپہرِ نیمروز نام یافت ، تا نقش راست کرده آید ، لختے درنگ و رزیده شد ـ ناگاه کار فرما را روز فرورفت و روزگار سر آمد و دولتِ دیرینهٔ ترکمانانِ فراچاربه سپری گشت ـ ماهِ نیم ماه ہمچون ماهِ ست و ہشت شبه نا

پدیدار و نمِ وے بہ عنوانِ بے نشانی در مہرِ نیمروز آشکار شد - ہستی ناپذیرفتہ را چون پذیرفتم - ہر آئینہ چون پنج آہنگ و مہرِ نیمروز و دستنبو دارند، آنچہ اکنون فرستم ہمان مجموعۂ نظم پارسی تواند بود کہ جامہ گرد آورد خود ہیچ گاہ نداشت و شہریار ان ہر چہ داشتند درین رستخیز نمونہ آشوب بہ یغما رفت - پس از تباہی این شہر آراستہ و فرونشستن آن گردِ برخاستہ یکے از جاہمندان کہ نامہ نگار را از خویشان و نداندست گردِ پژوہش برآمد - چون ژندۂ پارہ پارہ بہم دوختہ قریبِ پنجاہ جزو فراز آورد - اینک در بندِ آنم کہ بہ بندِ انطباعش در آورند کہ درین صورت متاع فراوان و خواستاران را یافتنِ آن آسان خواہد بود - اگر نقش ننشست نغز و درست - نویسندۂ سیحویہ ت او بر نگارد و رہی روان دارد - دست مزدِ کاتب مصرفِ انطباعِ کتاب نیست کہ برمن گران باشد و دستم بدان نرسد - بارے بودنِ خواجہ از نامور نشانمندان ملازمت وزیرِ ارسطو نظیر سکندر ہمتا خود از روئے نگارشِ سراسر آرشِ نامی نامہ کہ بنامِ خود از من بہ نشانِ دفترِ نوابِ مختار الملک خواستہ اند پیدائی گرفت - امید کہ درویش نوازی را پایہ فرا تر نہند و راز جوئیرا آگہی دہند کہ پیوندِ خواجہ با دفترِ وزارت بہ علاقۂ کدام منصب و گوہرِ فروزندہ از کدام معدنست تا بہ الفاظیکہ با اسمِ سامی از روئیبایست فراخور افتد دانا شدہ باشم و سررشتۂ اضافات را در تہاخانۂ صفت گم نکنم - دیگر آن خواہم کہ رسیدن و نارسیدن دیوانِ اردو باز دانم و نیز دانم کہ طلبِ کلّیاتِ فارسی چنانکہ گمان بردہ ام بفرمانِ حضرتِ نوابِ معلی القاب است یا ہمین از جانبِ جنابِ صحیفہ طراز - در ہر دو صورت فرمان پذیری آئینِ خواہد بود ، والسلام بالوف الاحترام - سہ شنبہ ، یازدہمِ ربیع الاوّل ۱۲۷۸ ہجریِ نبوی-

عرضداشت به اسمِ سامیِ اشرفِ شاہزادگان میسوریه اعلیٰ حضرت سلطان محمد بہادر

خط۔ ۱

رباعی

سبحان اللّٰه، شانِ اعلیٰ حضرت　　باشد فلک آستانِ اعلیٰ حضرت
خواہم که برآن عتبه، نہم روئے نیاز　　در زمرۂ بندگانِ اعلیٰ حضرت

ازآن رو که آغازِ نگارش به تسبیحِ اسمِ مقدّسِ باری ست، ہر آئینه ایں نیایش نامه دریعه ہزار گونه امیدواری ست۔ از جملۂ چشم داشت ہا یکے آنکه بر فلك زده سخنور بخشایند و عتب نفرمایند که چرا اندازۂ ادب نگاه نداشت و چوں روشناس ما نیست، بکدام جرأت عریضه نگاشت۔ ہمان ورقے چند ارمدادِ دود دل به سواد آورده بود۔ والانظرے را از سپهرِ نظارۂ آں ہمی حست۔ خرد نظرگاهِ خدایگانِ ہمه داں نشاں داد و گفت اگر تابِ بردنِ پیشکش نیست سرِ رشتۂ نام میتواں فرستاد۔ گرمخوئی شوق و رہنموئی خرد افزود۔ فرستندۂ ارمغاں ہم از دور زمیں بوسید و جبین بر آستان سود۔

فرد: شادم که توئی تا به تو ہنگامه کنم گرم
ورنه ز کجا یافتمے قیصر و جم را

روشں ترك ایں که در ده سالگی اثرِ موروني طبع پیدائی گرفت تا لختے سرمایۂ دید و دانستۂ فرار آمد۔ زبن انداز گزارش و کلك آئینِ نگارش یافت۔ اکنون که عمر گذراں به هفتاد رسید، چناں بخاطرِ ناشاد رسید که مسوّده ہائے پنجاه ساله تحریر فراہم کردم و باوجود و عدمِ استطاعت مصارف طبع بکالبدِ سبیلِ پارسل ارسال داشته ام۔ روزِ روانگیِ عرضداشت و پارسل یکے ست۔ دانم که نامه نخست خواہد رسید و پارسل سپس۔ اگر پس از رسیدنِ نامه و پارسل آگہی نیدورم و در رسیدن و نارسیدن دو دل دشم، وائے برمن و برروزگارِ من۔ اینکه آشکارا پاسخ نمی طلبم از ادبست۔ نے نے خواہشِ جوابِ نیایش نامه بعنوانِ حسن طلب است۔ چاربالشِ عزّ و جاه به یمن وجودِ مسعودِ خدایگانی در پایه برتر از اورنگِ سلیمانی باد۔

بنامِ منشی جواهر سنگھ جوهر

خط - ا

امروز خونگرمی مهر رگے را کہ از دل رستہ و بہ اناس پیوستہ است می جساند تا بہ [illegible] رفتار آورد - همانا از پویہ قلم آن خواستہ باشد کہ هر چہ در دل است بروئے ورق فروریزد - فرارسند و دریابد کہ نامہ ہائے شما پیهم رسیدہ - پاسخِ آنها نیز ہم چنان پیهم بہ پدرِبزرگوارِ شما سپردہ شد - این نامہ کہ امروز می نگارم و می حواہم کہ بسبیلِ ڈاک روان دارم، بپاسخ دو صحیفۂ بز پسین است نگاشتۂ ۲۲ نوسر و رقم زدۂ ۲۱ نومبر کہ ہر دو بهنگام حویش بمن رسید - نخستین چون شوقیہ بود، حواب نخواہد دو مین را پاسخ اینست کہ رقعہ مهریِ کامگارِ اقبال آثار مرزا عباس طال بقاوہ رسید . شادمان سخت - حالِ وے بہ بزرگان گفتہ شد تا شادمان شوند، اگر هنوز بہ وزیر آباد نرفتہ باشد دعائے من و همگان بہ وے رسانند و این نامہ بوے نمایند، تا حوابِ نامۂ حویش یافتہ باشد - دیگر آن نامہ کہ بنامِ رائے چهجمل بود سمہ اللّٰہ تعالی روزِ ورودِ نامۂ شما بدان ستودہ حوی فرستادہ آمد - شامگاہ سوئے من آمد و هیرا سنگھ را مُدّعُمرہ، باخود آورد - نامۂ شما را کہ بنامِ من بود پیش از رسیدنش چاك کردہ بودم چون دیدن آن آرزو کرد انچہ من دیدہ بودم اگرچہ نہ فهمیدہ بودم و بخاطر داشتم بوے باز گفتم - روز دویم ورقے بپاسخِ نامۂ شما بمن فرستاد - امروز آنرا درین ورق فرو می پیچم و بہ ڈاك میفرستم - درین هنگامہ کہ دران مرز و بوم شیوع یافتہ، از بهرِ شما و عباس بیگ نگرانی میرود - یزدان حافظ و ناصر شما ہر دو تن باد- فرایادِ شما خواهد بود کہ کلهے از پوستِ بّرہ داشتم - حالیاً آنرا کرم حورد و سرم بے کلاہ ماند، اگرچہ کہ نمی حویم اما لنگِ ابریشمی چنانکہ در پشاور و ملتان سازند و اعیانِ ان قلمرو بسر پیچند می خواہم -اما لنگے کہ رنگهائے شوخ برنیانہ نداشتہ باشد و حاشیہ سرخ نبود و معهذا پرادرہایِ نازك و طرارہایِ نغز داشتہ باشد و تارہایِ زر و سیم را دران صرف نکردہ باشد و ابریشم سیاہ و سبز و کبود و زرد دربافتن آن بکار رفتہ باشد و علت کہ دران دیار این چنین متاع رود و آسان بہ دست آید، بحویند و بهم رسانند وسوئے من در ڈاك روان دارند و قیمتِ آن بردارند، تا بہ نخواہند نوشت نخواہم ستد - ہدیہ و ارمغان آنست کہ نا حواستہ فرستند و آنچہ

حواستهٔ کسے باشد ہدیه نمی تواند بود - از گفتارِ من آن نسنجند که ہدیه ار شما نپذیرم ، لا ، ،
لنگ را خریدارم و ہرچه ناخواسته باشد آنرا پذ رفتار - بہر حال در فرستادنِ لنگ درنگ ، در
نگاشتن قیمت تکلف نکنند و نیز سلامِ من بشوقِ تمام بخدمتِ سیّدی و مولائی مولوی رجب
علی خان بہادر سلمه اللّٰه تعالیٰ رسانند والدعاءُ نگاشتهٔ صبحِ آدینه یکمِ دسمبر ۱۸۴۸ ع چہارم
محرم الحرام ۱۲۵۱ ہجری-

خط - ۲

چشم و چراغِ دودهٔ سردسی و مردمِ دیدهٔ من منشی جواهر سنگھ جوہر را رور افزونی
دولت روزی باد - دیرست که مارا یاد نکرده اند و ما جگرِ تشنه و خود را به زلال حرفے که از کلکِ
نامه موسومهٔ رائے چھجمل تراود تسکین میدہم - کار مکرمی مولوی میر اکبر علی صاحب
ساخته باشند چون بسیر نوشته ایم دیگر چه نویسم - نبشته ایم که اینان را بجائے من دید دانست
و دانسته ایم که دانسته باشند - درین قلمرو که شما را فرمانده ساخته اند ، بزرگی دیگر است که
او را بہر آئینه گرامی باید داشت و باوے چندانکه در حوصلهٔ وقت گنجد نکوئی باید کرد که
ہمانا آن بزرگ مفتی علام حیدر نامدارد و آموزگار مرزبان زادهٔ بے پدرست - دیگر فرووده
کسائی و رسائی او را از میر اکبر علی صاحب میتوان پرسید- مسوّدهٔ روزنامهٔ روداد اورنگ
نشیان چعتائیه بدست ہیرا سنگھ روان داشته ایم و ہنوز از رسیدنش نشان نیافته ایم - اگر رسیده
است بنویسید ورنه از ہیرا سنگھ بار پرس کنند والدعا از اسد اللّٰه جمعه یازدہم جون ۱۸۵۲ ء-

خط - ۳

جانِ من ،

نامهٔ شما دیر است تا به من رسیده است ، پاسخ جو نبو دورنه دریں روزِ سیاه نیز نشتنِ
نامه دریغ نداشتمے - از روزِ عید بلکه از شب عید خاقان رنجور است و تا امرور که یك شنبه
بست و سومِ شوال است ہمان شدتِ تپ و فواق و اسہال است تا دیگر چه رو نماید و بر من که
در سایهٔ دیوارش غنوده ام چه رود - قصیدهٔ تہنیتِ عید ہم حوانده نشد تا به انطباع چه رسد - ہیرا
سنگھ فرمانِ شما بجا آوردو در بندِ ساحتنِ زین و ستام است و اما حرکات کو دکانهٔ وے ہمشا

دارد ـ میگوید که سرمایۂ من که آں نیز عطیۂ سپہر براد راست بیش از ده و دو روپیه نیست و صرفِ ساختن زین افرونتر ازیں است ، میتوانم وام گرفت ، امّا چون ماہِ شوال بپایان رسد مشاہرۂ آموزگار ار کجا دہم؟ گفتم چوں زین ساخته شود ، فردِ حساب بفرست ، برادرت زر مندرجه و آنچه از بہرِ تو قرار داده است خواہد فرستاد ـ ازاسد اللّٰه ـ

خط ـ ۴

۱

باغِ دو در

سعادت و اقبال نشانا' ہم بخت خود را آفرین گویم و ہم شمارا به سعادت منشی و مہرورزی ستایم که کلك شما بنام من جنبید۔ در نبشتن نامه دیر میکنیدو ہم این درویش و ہم پدر خودرا نگران میداریدو دانم که بخدست مولانا کمتر میر سید و ندانسته اید که من شمارا به اوشان سپرده ام۔ ہر آینه شما را باید مولانا رابجائے من شناختن و بار خود بر اوشان انداختن۔ نه اینجا اغلب اوقات نزد من می بودیدواز خانه و کارہائے خانه خبر نداشتیدو حاصل صحبت من نبود مگر سلیقه شعر که آں نه بکار دنیا آیدو نه به کار دین۔ باسولانا چرانه پیوندید تا دانش اندوزید و کار آسوزید و در کارگزاری بجائے و در گیتی ببرگ و نوائے رسید۔ از حال میجر صاحب آنچه تواں نوشت اینست که از دانه و دام فریبندگاں قلعه تا امروز ایشان رانگاه داشته ام۔ لختے خود ہم بمشاہده روشہائے این قوم رسیده دل شده اند و آنچه گمان کرده اید که زمین ہا طرح میشود' میجر صاحب و محمد ضیاء الدین احمد خان بہادر غزلہا میگویند' حاشاثم حاشا۔ ع چوں باد زبانے که باشعار بجنبد۔

میجر صاحب ایں فرود آمدن جائے را گذاشتند و کوٹھی فیض طلب خان بکرایه گرفتند و در آنجا سکونت ورزیدند۔ من خوداز روز یکه شما رفته اید رنجورم۔ دردے در شانه پدید آمدوریش از اعضا سربرزد۔ ہم درد گرانپائے بود وہم زخم دیر بہم آئے۔ سه ماه صاحب فراش بودم و تسترل نوّاب امیں الدیں احمد خان بہادر و حرمسرائے خویش نمیرفتم۔ اکنوں که آں درد زوال پذیرفت و آن زخم به شد' خون من در پیرانه سری جوش ردو پیکرِ من چون سطح سپہر مجدر شد۔ از سر تاپا لکّه ہائے سرخ سوزنده پدید آمد۔ بفرمان حکیم امام الدیں خاں رگ باسلیق زده

ام و آب شاہتره سبر مروق سی آشامم تا سعد اریں چه روئے دهد و فرحام کار چه شود۔ دریں رنحوری سروبرگ سخن سرائی کحا بود۔ آری یک قصیده در ستایش سوی صدرالدین حن بہ‌در گفته ام' چنانکه نقل آں بهمدرین اوراق بخدمت حضرت مولانا فرستاده ام' ار حضرت مسنعار ستانند و نقل بردارند۔ دیوان فارسی د رمطبع منشی نورالدین احمد منطبع مبشود و نوبت انطبع تا قصائد رسیده است۔ یک جلد ار بهر شما حواهم خرید۔ مکتوب شما بمرزاریں العابدین حاں بہ‌در داده شد۔ اینوقت چاشتگاه است' رور پنحشنبه' چارم ربیع الاول و سیزدهم سارچ' والدشما رائے چهحمل صاحب سلّمه' به پہلوئے من نشسته اندو من دانشاں حرف میزنم و ایں ورق مینویسم۔ ہم ایشان و ہم مادر شماد ہم برادر شما ہم زن شما ہمه تندرست اند، خیر یتها حاصل والدعا۔

خط ۔ ۵

۲

سعادت و اقبال نشان رائے حواهر سنگھ جوہر از عمر و دولت برحوردار باشد و نامه نگر را ہمواره دریا دحودانگار ندوار حود راضی و حوشنود شناسند و نامه راکه بمن ار اکبر آبد فرستده انداز فرط مهر برچشم نہاده ام و این که پسخ آن در نورد نامه موسومه مولانا فرستاده ام ہمانا مدعای من انست که ایشان راز را دریا بند و دانند که میانه من و مولانا دوئی نیست و اسد الله صورت مولوی[1] سراح دین احمد از بهر عم خواریٔ من در اکبر آبد موحود است۔ بالله انچه مراسی پنداشتند مولانا را پدارندو بهر گونه دلحوئی که از من چشم داشتند بعینه ار یشاں چشم دارند دیگر خاطر نشان شماد که رائے چهحمل پدر شما عاشق شما است و ار ہجر شما اندوهگیں۔ اغلب اوقات بمن می پیوندندو از شما سحن می راند۔ حدائی شمار سهر آں گزیده است که آئیں کار آموزید و از رور گار تجربه ہا اندوزید۔ به بنحار گزارش کرہا وارسید و چوں کار گزار شده باشید بپایه ہائے بلند فرار سید۔ اگر این جامعیت و جمعیت در آنجا دست بهم ندهدو رور در مسبعه ت نکنند' دراں شهر سپنید و بوطن بار ائید۔ ہیچگاه بر پدر پیر سرد نر ن نیستید۔ در باز آمدن سبکساری و شرمساری نیست۔ از حال مشفقی خانصاحب پرسیده اید' یاد آورید که سحتے رنجور شده بودند۔ حالیا نکوشده اند۔ پریروز که شنبه بود بگرمابه رفتند و

۱۔ اغلاط نامه طبع دوہم کے مطابق درست "سراح الدین احمد" ہے۔

سروش شسنند و از رنج تن رستند۔ کاری را که پیش نظر دارند ہیچ سروش پیدا نیست و نہ اعتقاد بنده آن کار خود بے سروش است۔ بہرحال انچه روے خواہد داد و ہر چه پیش خواہد آمد شما خواہیم نوشت۔ خط رای چهجمل موسومه شمابے عنوان با این نامه که از سوئے من است سر سد' سر خواسد۔ دیگر برشما پیداست که اعتقاد اندوہ نورور علی خان خواجه سرائے را جزو دوست بردارم۔ سمبر از راه در با نه اکبر آباد رفته و تااسرور از ہیچمقام نامه و پیام نفرستنده' سخت دل تنگم۔ باید که در شہر بجویند اگر بکنپور خرامیده باشد بمن خبر دهندو اگر در انجا باشد بوے بپیوندند و از من سلام رسانندو حال مزاج و احوال عزم وے ومدت وے در اکبر آباد دریافته بمن نویسند درین خواہش مرامبرم دانندو جواب این نامه زود فرستند والدعا۔

خط۔ ۲

۳

سعادت و اقبال نشان رائے جواہر سنگھ راجرج یوور و بخت فرمانبرباد۔ نامه که بپاسخ ہزار نامه من بودرسیده و تلافی آزار خاطر غمدیدهٔ من کرد۔

ع: عمرت دراز باد کـه اینهم غنیمت است

بارے از روئے نگارش شما پدید آمد که ہوائے سوداگری بسر نماند۔ اگر پدر شماشما را سوداگر نخواست' خواہش آن پیر جہاندیده نه بیجاست۔ آرے تا سرمایه نبود سوداراست نبیدو سود دست بہم ندهد۔ به دولاب گردش دکان چشم داشتن کشتی بر خشت راندن است۔ یزدان را سپاس گویند که رفته رفته بجائے رسیده اند که نشگفت اگر به برگ و نوائی رسند۔ این فرزانه یگانه یعنی مولوی سید رجب علی خان که جانبا امید گاه شماست کسیدمردمی را جانست۔ رشته دانش از کف نگذارند و خودرا وکر خود راہوے سپارند۔ نوشتنید که پارهٔ از نظم و نثر مبتوان فرستاد۔ این سخن دو محل دارد۔ یاخود آنست که مجموعه نظم مطبعه مطبع منشی نورالدین احمد آنجا رسیده است و آنچه جز آن گفته باشم می خواہید۔ بمن اگر چنین است باور دارید که پس از انطباع آن اوراق جز قصیده تہنیت فتح پنجاب ہیچ نگفته ام و اگر آنست که آن دیوان را کس دران دیار نبرده است می بایست که آن مجموعه میخواستند نه اشعار پراگنده۔ بہرحال اگر بنویسند یک جلد دیوان بشمار فرستم تا آنرا از جانب من به ہمایون

خدمت حضرت مولانا پیش کشند و نقش ارادت مرا بکرسی نشانند۔ نامه شمه‌سوسه افال نشان مرزا زین العابدین خان بهادر نرد منست۔ مکتوب الیه همپنے نواب علی محمد خان به جهجر رفته است۔ هرگاه نامه نوے خواهم نبشت مکتوب شمه‌نیز خواهم فرستاد۔ خیر وسلامت حضرت مولوی گل شاه صاحب سلمه الله تعالی ار تحریر شما آشکار شد۔ حق که برمن منّت عظیم نهاده و ار دوست حرم داده اید۔ از جانب من بسیار پرسیدو سلام من رسانیدونیاز مند یهای مراعرضه دارید۔ حالیا در لکهنؤ روز و شبے دیگر است۔ شاهے که من اورا ستایشگر بودم و دوست من ساوے روئے سخن داشت ناگهان مُرد۔ پسرش که بجای وے اورنگ نشین است آشفته سروتباه رائے کسے است به برکندن بنائے پرستش جاهائے هنود فرمان داد۔ لاجرم فتنه بپاراد۔ اوباش شهر وریش را بدار گرفتند و دو سه تیغ زدند و خستند و همچنان خسته گذاشتند۔ حزنا مطربان نمیگراید و خردے استوار و رائے روشن ندارد۔ روزگارے دراز باید تا آشوب فرونشیند وایمنی پدید آید و راجه جوالا پرشادو اعتقاد الدوله نورور علی خان کار از سر گیرند و سلسله بجنبانند و فرمان طلب بنام من فرستند۔

بے خانه رسید گان ضمیم

پیغام خوش از دیارِ ما نیست

مردن شاهزاده شاهرخ رابسبیل استبعادواستعجاب نوشتن یعنی چه۔ مگر ندانست شما مرگ رابرخسروان و خسروزادگان دست نیست۔ نے شاهرخ هنگام باز گشتن ار شکار چون نزدیک میرت رسید به تخمه رنجور شدو همدران ناحیت مرد۔ جناره را بشهر آوردند و در گلاری باغ پائین مزار مادرش بخاکش سپردند۔ عجب دارم ار شما که بمن نامه نبشتیدو ننشتید که چون من بشمانامه فرستم برسر نامه چه نشان نویسم۔ این در این ورق را به پدرِ شمارائے چهجمل سیدهم تادر نوردنامه خود بشمافرستند۔ زین پس آن خواهم که نشان فرودآمدن جائے خود بنویسند تا نامه من بواسطه دیگرے بشمار سنده باشد۔ دیگر درین تب و تابم که عنوان نامه راچون نامهٔ اعمال من سیه چرا کردند و عرف و تخلص و چاه و گذر ار شهر چه نوشتند۔ آیا نمیدانند که نگ شته بئے فارسی و انگریزی درهر سه دوچهار بار بمن از هر سوے میرسدو آنراجز این که در دہلی به اسد الله برسد رقمی دیگر نمی باشد۔ اگرچه برعم شمافرومایه و گمنام باشم و حرف عرف بے که دارم نبرزم' اما دیگران به زعم شمانمورم شمارند' خاصه بربدان ڈاک که جاده شناس راوبه من اند۔ نامه اگر تنها به نام من باشد می خوانند اورد۔ پس ار انجامیدن این گفگو که تعلق بپاسخ نگارش

شماداشت، سحر دران سیرود که زنهار اندیشه دیگر را بدل راه ندهند و خود را دران دیر سهر در نسر ندوشرف روزگر خود دران سنجند که دامن حضرت مولوی معنوی داست برکنه محکم گیرند۔ للّه ایں بزرگوار یگنه روزگار در جوانمردی و مردمی آیتے از آیت پروردگار است۔ حیف که ورقے از گفتار شهوارش یمں ارمغان نفرستادید۔ شمارا بجان من سوگند که چون این نامه بشما رسد، پس ازاں که خوانده باشید در آستین نهید و بنظرگاه آن والا نظر یعنی مولوی سید رجب علی حان بهادر برید و سلام من با جهان جهان شوق و عالم عالم آررو بار گوئید و ایں ورق را بنظرگاه التفات آں مخدوم قدسی صفت در آورید و آں خواهید که سرتا سر فروخوانند تا پایه سں درارادت و عبودیت باز دانند۔ هله هان جواهر سنگهه در دل نگذرانی که غالبؔ حوشامد گوئے و دنیدار است۔ میدانی که من در فقر غنی و در تهیدستی تونگرم۔ چرخ و ستاره را سپاس نپذیرم و شه شهزاده را خوشامد نگویم۔ تاتونوشته ای مولوی سید رجب علی خں بهادر آئیں حیدر پرستی و حیدر ستائی دارد، گوئی سراندست وے فروختی و دلم راسور سهر وے افروختی۔ دانی که سن بندۂ علی اس ابیطالبم عدیه الصلوة والسلام و هر که رامی شنوم که بنده اوست خداوندِ خودش میدانم و تن به بند گیش می دهم۔ شعر

کنم از نبی روے در بوتراب
به مه بنگرم جلوۂ آفتاب
زیزدان نشاطسم بحیدر بود
زقلزم بـه جو آب خوشتر بود
نبی را پذیرم به پیمان او
خدا را پرستم به ایمان او
مرا مایه گر دل و گر جان بود
از و دانم ار خود ز یزدان بود

از اسد الله نگاشتۂ سه شنبه ۲۷ اپریل سنه ۱۸۴۷ء، حواب طلب۔

خط - ۷

۴

جانِ من و جانانِ من، روزے بود که نامه بمن رسید که نگارش از شمابود و مہر از من - گفتم سبحان الله شگرفے آثار یگانگی و اتحاد که نامه ہم بنام من است و ہم به مہر من - شعر

خود کوزه و خود کوزه گر و خود گل کوزه، خود رندِ سبو کش
خود بر سر آن کوزه خریدار برآمد، بشکست و روان شد

بجان توائے جوہر فرخنده گوہر که چون آن ورق بمن رسید و من دراں وقت تنہا بودم مشاہدۂ نقش خاتم خویش مرا به وجد آورد - بالجمله چشم براه نگیں مہر داشتم - دیروز که سه شنبه و بیست و دوم اکتوبر بود رسید - ہمانا مہر کن در کشمیر نماند -

ع: مجلس چو بر شکست تماشا بمارسید

پس از پژوہش پدید آمد که قریب صد کس از ہوسناکان دہلی نگین ہا فرستاده و در کشمیر کنداننده اند و ہمه شرمسار و پشیمان شده اند - حالیا آن سعادت نشان را باید که دردسر نکشند و مہر دیگر بکندن ندہند - امروز درین فن نظیر بدرالدین بگیتی نیست - چون او بدنوشت' پندارم که خوبئ سرنوشت منست - بارے ازیں نامه که نگین مہر در نورد آن بود پدید آمد که می آیند و زود می آیند - ببیند و دادِ دیدۂ دیدار طلب دہند - دی عجب اتفاق افتاد - آخر روز بود و چون ہیرا سنگھ خوئے آں دارد که ہر روز ہر گه از دبستان میخیزد سوئے من می آید و یکدو ساعت می نشیند' دی روز نیز آمده بود' اندک نشست ورفت - رفتن وے ہمان آمدن سرہنگ ڈاک ہمان - چون ورق از ہم شگافتم' مہر خود و نامه موسومه رائے جی یافتم - گفتم کاش ہیرا سنگھ نرفته بودے تا نامه بوے دادمے و اوبی برد - بادل درین گفتگو بودم که رائے چھحمل از پیش و رام دیال بقچه در بغل از پس او دردر آمد - مہر در صندوقچه نگهداشته و نامه موسومه خود را دریده بودم و نامه موسومه بوی در کف داشتم - نہان نماند که دوست دیرینه من چھحمل در ہفته دوسه بار نزد من می آید و بسیار می نشیند - میانه من و وے اگر خلاف و نزاعے بوددر قمار بودو چون آن صحبت برہم خورد مہر و محبت محض ماند و بس - کوتاہی سخن نامه بوے دادم' خواند و شادشد و گفت که ورود این نامه درین روز ہا مناسب افتاد و مرا بکار آمد - گفتم یعنی

چه- گفت ما درن جواہر سنگھ دختر خودرا به امروہه صبیده است و تاب فراقش نداشتم و نپذیر فس خواہش آن جمعه را وجہے نمی یافتم- اکنون این خط رابه امروهه سفر سنم و میونیسم که چون شوی وے سوے وے می اید' ہر آئینه نمی توانم اورا به امروهه فرستادن - تا اینجا سخنے است که لاله چهجمل بمن گفت-

دیرور که آمده بود دو گونه شال دربر آورده بود- یکی را انتخاب کردم و از بهر شما پسندیدم- ہمانا یك قسم قماش پیش ازین بشمافرستاده است آن نیز پسندیدۂ من است- از روزے که شما برائے واسکٹ و شال دریز نبشته اید' بیچاره ہر روز سوبسو میگردد و میجوید - وائے که فرنگی بی مرد- این واسکٹ ہودیگر گونه گون قم شہا اوسی آوردو سی فروخت- پسرش سترواگرچه قدم بر قدم پدر می پوداتت آنہا که او می آورد آوردن نمی تواند- اکنون که آن نور چشم خود می آیدو زمستان بسیار بقست' فرصت خریداری ایچنین احساس ارزانیست- امروز که چہر شنبه سست و سوم اکتوبر و ہنگام صبح است این ورق می نوشتم و سر آن داشتم که بڈاك فرستم که ناگه ہیرا سنگھ دوان دوان آمدو فرمان رایصاحب آورد که اگر نامه بنام جواہر سنگھ نبشته باشی بمن فرست تا در نامه خود فروپیچم و روان کنم- ہمچنیں کردم و این ورق رائے آن که معنون کنم به ہیرا سنگھ سپردم- یزدان پدر شمراتوفیق آن دهد که ہم امروز بڈاك روان داردو الدعا- از اسد الله -

مطلبے را فراموش کرده بودم پس از انجامیدن نگارش بتحریر آن میگرایم- شما بارہا مینویسید که از تاریخ سلاطین تیموریه ہرچه رقم پذیرفته باشد بشما فرستاده شود- حال من این نوشتن کتاب محض نیست' جگر کاوی و خونابه پالائی است- تا امروز حمدو نعت و مدح وشماوسبب تالیف کتاب و حال امیر تیمور سراسر و حال ببر اندکے که ہنوز ناتمام است نوشته شده است- دستور من انست که بر کاغذ پاره ہا مسوده کرده آن مسوده راکتابے که فرستندۂ شما است صاف میکنم و از بهر شمانگه میدارم- کہل فہمم' رنجورم' بیدل و بیدماغم' دیر دیر مینویسم' اندك اندك می نویسم' گه گاه مینویسم- بہر رنگ آنچه مینویسم از برای شمادر کتاب شما ذخیره میکنم - بیائیدو بنگریدو برخورید-

خط ـ ۸

۵

اقبال نشان نامہ نگاشتہ دوار دھم فروری رسید و نقش نگیں شما بہ مشاہدہ رفت۔ معنی انحادی کہ از عبارت اینمصراع پیداست بر شما پنہان نخواہد بود' سابر دعوی شما دریں اتحاد مسلّم داشتہ ایم۔ امید کہ در فن سخن بپایہ بلند رسند و بدین نام نامور گردند آنکہ شگفت داشتن حویش از نرسیدن پاسخ منشور حضرت مولانا مدظلہ العالی نشستہ اند مرا در شگفت افگند۔ دریں روزہائے فرح دو طیلسان و یك شال رومال و دو توقیع وقیع از جانب ولیِ نعمت نمن رسیدہ و من آن ہر سہ ارمغان و ہر دو مفاوضہ راجدا جدا سپاس گزاردہ و پاسخ نگشتہ ام۔ امید کہ ہر یك بہنگام خوش نظر گہ التفات خواجہ بندہ نواز گذشتہ باشد۔ از شما آں خواہم کہ بند گیہائے مرا عرضہ داریدو ایں نامہ را کہ بنام شماست از نظر فیض اثر مولانا گذرانیدو ا منت پذیری ہائے مرا مجدداً خاطر نشان گردانید۔ پس از روزے چند بہ عرضداشت جداگانہ ناصیۂ قلم را سجدہ ریز خواہم کرد۔ بجان سست سوگند کہ تہاون نہ ورزی و ایں ورق رافروغ نگاہِ سیدی و مولائی سلمہ اللہ تعالی مشرقستان گردانی۔ رائے چھجمل کہ با جمعے از اعوان و احباب بہ امروھہ خراسیدہ اندھنوز معاودت نہ کردہ اند امید کہ ہمدریں ہفتہ بہ فرحی و خجستگی باز آیند۔ کتخدائی ہیرا سنگھ برشما مبارك باد خدائے را سپاس کہ ہنگامۂ شورش اوباش سر آمد و جہانیان را فیروزی روے نمود۔ جارو حس کہ باقیست نیز زود رفتہ می شودو ملك بے خس و خار سگردد۔ اغلب کہ بعد از فرونشستن این غبار آفتِ شما شمارا دستوری دھدورویئے آوردن شما بدیں سوئے صورت بندد و مارا دیدار شما روزی شود۔ میر احمد حسین کہ ہمسوائے شماست و سبکش تخلص می کند بہ لکھنؤ رفتہ است در ہر نامہ کہ نمی مبغر ستد بشما سلام سینویسد۔ عث اندوہ حکیم رضی الدین حسین خان بہادر التزام ہر شنبہ قدم رنجہ فرمائی ندارند' گاہ گاہ می آیند۔ چوں شمارا میپرسند' سلام و نیز شما عرضہ میدارم۔ از نقل مکان نرم نرہم خوردو آں جمیعت احباب نماند۔ شنیدہ باشند کہ دارا بخت شہزادہ ولیعہدِ بہادر شاہ بود، جامہ گذاشت۔ حالیا خسروٓ دھلی میخواہد کہ جواں بخت کہیں پورخود راکہ از بطن زینت محل بیگم بنت صمصام الدولہ احمد قلی خاںٓ است بہ ولایتِ عہد بردارد و فتح الملك المعروف نمرزا

فخرو سر دلیل اینکه ولداکبر سلطان است ار بهر خویش مدعیٔ ولی عهدی است۔ ہنوز کاریکسو نشده و از گورمنٹ فرمانے درین خصوص نرسیده۔

ع: تا یار کرا خواهد و میلش به که باشد

ہاں و ہاں سر کہ بنگارش اخبار خامه فرسای شده ام ازاں سعدت آثار مکفوت بمثل سبخواہم۔ احسار عوص اخبار آررو دارم۔ باید که نخست حیر و عافیت مخدوم من و ہر چه بعد ار مشاہده این ورق ار دعا و سلام برزبان گہر فشان گذردبمن نویسند۔ سپس حال خود و عزم آمدن خویش چنانکه مظنون مست برنگارندو ثالثاً لختے از سحرائے آن ناحیت که دربارهٔ مولراج چه فرمانست و شیر سنگھ و چتر سنگھ راچه می کنند و استیلائے افاغنه را چگونه چاره گری خواہند کرد رقم نمایند والدعاء ار اسد اللّٰه نگاشتهٔ سه شنبه ستم فروری ۱۸۴۹ء حواب طلب۔

خط - ۹

۲

سعادت نشانا' نامهٔ رقمزدهٔ بستم فروری و نامهٔ نگاشتهٔ ۲۵ فروری پے ہم رسید۔ آن پیش از آمدن رائے چھجمل از امروہه و این بعد ورودوے به دو روز۔ چون من آنرانیز نگاه داشته بودم، ہر دو نامه را به رائے جی نمودم' خواندند و برسلامت شماشکر گفتند۔ لنگ در ڈاکخانه امانت داشته بودند۔ بعدِ رسیدن رائے جی از ڈاك به اوشان و ازوشان بمن رسید۔ چون در خور من نبود' سوئے شمابر گرداندم' یعنی به والدشما بازدادم۔ حالیا دریں باب ہیچ فکر نکنند' نه زر میخواہم و نه لنگ۔ فرمن من بجائے آرندورنہار خلاف آنچه اکنون میںویسم نکنند' یعنی نگران باشند چون راه ملتان کشوده شود و لنگہائے آن شہر بلاہور آید یك لنگ که ہرگز پودو تار ابریشمین و زریں نداشته باشدو ہمیں به ریسمان که آنرادر لسان ہند سوت گویند بافته باشند' اما کناره ہائے سیاه یا کبود براطراف و حصہئے ریزه که ان نیز سیاه و کبودورزد بشددر میان داشته بشد و تنك و نرم و سبك بود' چنانکه پیران و قلندران را زیبد' خریده بہر من خواہی فرستد' اما نه زود۔ ہرگه نغرو دخواه و ارزاں دست بہم دہد۔ الحال یك لنگ از منجمله دو لنگ عطیه مولانا و یك لنگ بخشیده حضرت کاںیصاحب دارم و بسرمی پیچم۔ و از عطائے مولانا یك لنگ بہر آن گفتم که طیلسان زریں رابه حرم سرا بخشیده ام۔ باللّٰه اگر زر یا لنگ زریں گرانبہا خواہی فرستاد' نخواہم

ستد۔ ظفر انگلیسیان به ہوا حواہان آن فرقه مبارك و غم شکست سکھ به واقعه صدمن ارزانی۔
من ازیں ہر دو گروه نیم۔ بارے شمارس کرم کردید که این خبر نبشتید۔ بیصرفه سرایان احبار
انگریزی بور نمیداشتند و با نیروے نگارش شماسشت بردهن آنان زدم۔ پانزده بیت را دیدم سه
تارا خط کشیدم ودوازده نگه داشتم۔ بیت آخر را مقطع قرار دادم و مصرع ثانی آنرا ہنجار برگر
دادم۔ در مصرع اول "شب و روز" و در مصرع ثانی "مہر و ماه" از محسنات کلام است۔ از اسد
الله نگاشته شبِ جمعه که صبح دوم مارچ است والدعا۔

خط۔ ۱۰

ے

سعادت و اقبال نشانا جانا' نامه شما و منشور عطوفت مولانا در نورد آن ہمی رسید و مرا
به رسیدن عطیه امیدوار ساخته و من پاسخ آن نامه نبشته در ڈاک بیرنگ بشما روان داشته ام۔
امروز سه شنبه ۲۶ دسمبر است۔ دولت موعود یعنی طیلسان بمن رسید و نامه با آن نبودو برید
ڈاك نیز از من چیزے نخواست۔ چون نگاشته روئے عنوانش نگر ستم پوسٹپڈ بود۔ باری ازاں
رو که میدانستم درین کیسه چیست انعامے به آورنده دادم و آنرا کشودم و ردا دیدم و از خود
رفتم و برخود بالیدم وہمان دم آن ہر دوپاره راباہم پیوند دادم و برسر بستم۔ آشکار باد که من لنگ
از بہر آن خواہم که سر پیچم و معمّم خراسم۔ چون دهلویاں بردوش نمی فگنم ۔ بارے جواب نامه
مولانا و سپاس عطیه انشا کردم و این نامه که بنام نامیٔ شماست' ہم در نورداین ورق پیچیدم و به
حضرت مخدوم روان داشتم۔ حال عباس بیگ از تحریر شما پدید آمد و خوشم کرد۔ سرتی گری
ہائے حضرت مولانا ست۔ یزداں این بزرگوار والاتبر را سلامت دارد۔ بشما مینویسم که
متسنسان شما ہمگان خوش و خرّم اند' در آفتاب دلو بزم آرائی کدخدائی ہیرا سنگھ خواہد شد۔
از اسد اللّٰه ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ء ع روز سه شنبه۔

خط۔ ۱۱

۸

اقبال‌نشانا مسرت افزا نامه نگاشته ۱۳ دسمبر به ورود خویش خوشنودم کرد و بر آمدن نسخهٔ مولانا از نورد آن ورق به خشنودیٔ من افزود۔ پدید آمد که مولانا هدیه فرستاده اند۔ آن هدیه را عطیهٔ ایزدی و توقیع سرفرازی خویش پنداشته ام۔ مردم پیش شاهان و شاهزادگان ناصیه بر زمین می نهند و به خلعتے که ازان فرقه یابند کلاه گوشه را بسپهر میسایند۔ سکه بندهٔ مرتضی علی هاشم علیه التحیة والثناء چون از بندهٔ اولادِ آنحضرت ارمغانی بمن رسد چون برخویشتن نه نازم۔ پاسخ نامه مولانا هنوز ننگاشته ام و سر آن دارم که چون ذریعهٔ نازش من بمن رسد، پاسخ نگارم و از رسیدن عطیه و سپاس عطیه دران نامه سخن رانم۔ هان اے عزیز تر از جان این چه ماجراست که حضرت درنامه دو طیلسان یعنی دولنگ می نویسند و شمایکی رامی نمائید۔ چون نامه را کاتب خود آنحضرت بوده اند، سهو کاتب نیز نتوان گفت۔ همانا حضرت چنانکه نبشته اند دو طیلسان داده اند شما یکی رافی الحال فرستاده دومین رانگاهداشته اید تا پس از روزے چند بنام خویشتن فرستید و از بار سرانجام فرمایش من سبکدوش شوید۔ پس از مطائبه که از روئے محبت و مسرت است گفته میشود که درنامهٔ شما مندرج بود که پلندهٔ بنگ امروز فرستاده ام و آن سیزدهم دسمبر بود تا امروز که بست و سوم دسمبر است بمن نرسیده و خود آن اقبال آثار نبشته اند که در عرضِ پانزده روز خواهد رسید۔ یا رب رفتار ڈاک انگریزی راچه شد که از لاهور بدهلی در دو هفته رسد۔ مگر ششماهه راه است؟ مظفر الدوله پرسش کتابے از لکهنؤ فرستاده اند در سه روز از لکهنؤ بدهلی رسیده است و دورے این هر دو بقعه یعنی لاهور و لکهنؤ برابر است۔ عمداً نامه اگر آن طیلسان به رهروی که منزل بمنزل پوید میدادند، لامحاله در دسمبر ۱۸۴۹ء یعنی زمستان سال آینده برسد۔ بهرحال این مسئله جواب میخواهد۔ والدین شما و برادر شما و منتسبن شما همگی بخیر و عافیت اند۔ از اسد الله مرسله شنبه ۲۳ دسمبر سنه ۱۸۴۸ء۔

خط ۔ ۱۲

۹

نور دیده و سرور سینۂ غالبؔ منشی جواہر سنگھ از عمر و دولت برخوردار باشند۔ نامہ رسید ولنگ رسید و غزل رسید۔ نامہ از خوبی و خوشیٔ شما و رسیدن مہر نیمروز آگہی داد۔ ہر آئینہ بہ نامہ خوشنودم، بوسیدم و بچشم سودم۔ لنگ و غزل ہر دو چناں کہ بودن و نبودن ہر یک یکسان۔ من لنگ از بہر آن جویم کہ بسر پیچم۔ خود انصاف کنند کہ اینرا بسر تواں پیچد۔ بارے ہیچکارہ ہم نیست۔ در شبہائے تابستان بہ رخت خواب چادر است و در روز ہائے زمستان نگر سایہ لنگ۔ دستار اگر نباشد گوسپش' غزل خود ہیچ است۔ لنگ دگر فرستندو غزل دگر گویندوالدعا۔ از اسد اللہ نگاشتہ سہ شنبہ بستم مارچ ۱۸۵۵ء۔

خط ۔ ۱۳

۱۰

سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ از عمر و دولت بر خوردار باشند۔ دی امروز نامہ مژدۂ ورود آوردر شتیٔ آب و ہوا و درشتی نہاد کوہستانیان ہم از پیش میدانم' چراکہ آن عزیز تر از جان مکرر نبشتہ اند۔ یزدان نگہدارباد۔ ہیرا سنگھ دیوان عرفیؔ مرحوم ہم بداں آئیں کہ مہر نیمروز فرستادہ بود میفرستد' بہنگام خویش خواہد رسید۔ مولوی رجب علی خان را دوبارہ بدھلی گذار افتد۔ نخست آمدند و چند روز آرمیدندو بسوئے جودھ پور کہ صاحب اجنٹ بہادر راجستاں در آنجابود رفتند۔ چوں برگشتند' باز بدھلی رسیدند و روزے چند آبخورد کردہ بسوئے وطن رفتند۔ کس ندانست کہ چرا رفتہ بودند و چگونہ باز آمدند۔ ہمانا پسر بزرگ ایشان در سررشتہ ایجنٹی راجستان نوکر است' بہر دیدن وے رفتہ باشند و کہین پسر خویش و برادر کو چک خویش رادر وہلۂ نخستین باخودبردہ بودند۔ درباز گشت آں ہر دو تن ہمرہ نبودند۔ ہمانا بہ صاحب ایجنٹ بہادر سپرد آمدہ باشند' تاہر یکے رابکارے گمارد۔ زیادہ جز آرزوئے دیدار چہ نویسد۔ از اسد اللہ نگاشتہ روز شنبہ ۱۲ مئی سنہ ۱۸۵۵ء۔

خط - ۱۴

۱۱

جان من در آں ہنگام سر نگرانی از اندازہ گذشت و دل آگہی جوے بود۔ ہیرا سنگھ نامۂ شما کہ بنام خودش بود آوردو بمن نمود۔ پدید آمد کہ بہ پشاور رسیدہ اند و آب و ہوائے شہر سازگار افتادہ است۔ یزدان تندرست داردو کارے بہ ازان کار و پایہ برتر ازاں پایہ کہ داشتند میسر گرداناد۔ دیوان عارفؔ بہ رایصاحب سپردہ آمد۔ والاجاہ ضیاء الدین خان زر نہ طلبیدہ اندو ہرگاہ طلب خواہند کرد دادہ خواہد شد۔ اینقدر زودی چرا اگر دانستمے کہ زود ہمی باید ادا کرد فرمان شمارا کار بستمے و یازدہ روپیہ فرستادمے۔ چوں تقاضانیست زودی چہ ضرور است۔ مردم خانۂ شما ہمدرینجا ہستند' بہ اسروھہ نرفتہ اند۔ ہیرا سنگھ میگفت کہ تندرستی و خوشنودی حاصل است۔ مُردن زن ہیرا سنگھ شنیدہ باشند۔ حیف کہ جواں بنکہ میتوان گفت کہ در طفلی مردوہیرا سنگھ بے مونس ماند۔ می بینم کہ اندوھگین است۔ از شما میخواہم کہ جواب این نامہ زود بنویسید و حال خود مفصل دران نامہ درج کنید و این نیز برنگارید کہ مقدمہ قرض و دیگر نالشہائے ہرزہ سراسر انفصال یافت یا ہنوز گردے ازان لشکر و آتشے ازان کاروان باقیست والدعا۔ از اسداللّٰہ روان داشتہ شنبہ ۶ مئی سنہ ۱۸۵۴ء۔

خط - ۱۵

۱۲

از اسد اللّٰہ دعا خوانند و با آنکہ فراموشش کردہ اند در یاد خود دانند۔ از نگاشتہ ہائے شما کہ بہ رائے جی میرسد چنان می تراود کہ ہوائے سوداگری در سر دارند۔ مبادا در ہوس سود سرمایہ باد دہند۔ من اینرانمی پسندم و شمارامانعم' آہنگِ نوکری کنید و دست در دامن صاحب دولتے زنیدتا بجائے رسید۔ زنہار اوقات تلف نکنید۔ حال لکھنؤ بر شمانہاں نیست۔ اگرچہ اسحد علی شاہ مردو مرا در آغاز یاس روے دادہ بود' اما بز رنگ برروئے کار آمد و دانستہ شد کہ نو رور علی خان را بادشاہ نو رسم و راہے بہ از آنست کہ باشاہ متوفی بود۔ بمن مینویسد

که رود است که منشور طلب فرستم - سخن کوتاه' ازیں نوشتن آں میخواہم که ہمه بآں گرائید که در آنجانوکر شویدو گوش بر صدا باشید تا شمارا کی می طلبم۔ العقل تکفیه الاشاره۔

خط - ۱۶

۱۳

کامگار سعادت آثار اقبال نشان منشی جواہرؔ سنگھ جوہر دعا خوانند و دعا گوئے خود دانند۔ نامه ہائے شما که بنام رائے چھجمل میر سدمینگرم برسلامت حال شما سپاس کردگار بجامی آورم۔ دیروز شامگاه قرة العین ہیرا سنگھ نامۂ شما که موسومۂ پدر شما بود آورد' خواندم و صریر کلک شمارا زمزمۂ گلۂ خویشتن یافتم۔ جانا! ہیچ نامه را پاسخ نگزارده نگذاشته ام و ا مینویسید که نامه ہا رواں داشته ام و فلانے جواب ننوشته۔ خود بفرمائے که نامه ہائے نارسیده را پاسخ چگونه تواں نگاشت۔ آرے آں سفینه که از رسیدنش خبر نداده ام بمن رسیده است ومن ندانسته ام که مرا چه می باید نوشت و باجان این سیفنه چه می باید کرد۔ اگر دیباچه یا تقریظ میخواستند' می بایست که نخست آنچه منظور بوددران اوراق رقم میکردند' آنگاه سوئے من رواں میداشتند تا آنرا نگرستمے و درخور آں نثرے فراہم آوردمے - چوں چناں نکردند اکنوں خوداین کنند که باز بمن نویسند که چه نویسم۔ ہرگاه درا انجمن سیدی و مولائی بار یابند از من کورنش و تسلیم عرضه دارند۔ از اسد الله نگاشته پنجشنبه ۱۳ اگست ۱۸۴۹ء۔

بنام دوتن از فرزانگانِ پنجاب

خط - ۱

آن یکے سپہر مردمی را مہر و آن دیگرے ماه یعنی ہمایون پایہ مرزا محمد خان و ہما سایہ مولانا مفتی برکت اللہ کہ ستایش گرِ غالبِ آشفتہ نوا بوده اند ہمانا خود را بہ صفتِ درویش نوازی ستوده اند۔ خریداریِ دکانِ بے رونق کارِ نیکویانست ہر چند صفاتِ حسنۂ انسان را از روئے شمار اندازه پدیدار نیست ، اما عدل و بدل را سرآمدِ نکوئی ها شمرده اند چنانکہ فردوسی فرماید:

ع: تو داد و دہش کن فریدون توئی

حضرات دربارۂ قاطعِ برہان و منکرِ آن شیوۂ داد و دہش ورزیده اند و از راستی و درستیِ سخن و دہش بخشیدن تسکین بہ منِ فقیر۔ تا بہ گیتی خواہد زیست ثنا خوان شما و دعا گوئے نور نظر منشی جواہر سنگھ جوہر کہ ہر آئینہ باعث روشناسیِ من با عزیزان است خواہد بود۔
دو شنبہ بستمِ ذی قعده ۱۲۸۱ھ غالب۔

بنام آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی

خط - ۱

نخستین حدیقۂ تحقیق — آبیارِ گل و نهال و گیاه
ناخدائے سفینۂ معنی — آن محمد حسینِ والا جاه
سوئے من ناگرفت روے آورد — بر سرم گل ز نامه زد ناگاه
رندی و راستی شعارِ من ست — سومنم لا اله الا الله
به ستودن اگرچه شدم کرد — من همان ناکسم، سخن کوتاه
من که سی رنجم از نگه که مرا — در نظر نیست غیرِ روز سیاه

ویژه در آرزوی دیدنِ اوست
که نگه داشتم به دیده نگاه

قلمروِ مهر و وفا را دادپیشه داور آغائے نام آور که سخن در ستایش این تهو کش یا هوسرائیسروده است - همانا خود را ازروئے انصاف به شیوۂ خسته نوازی و درویش ستائی ستوده است- یاد آوری را قدر دانی آنگاه پنداشته باشم که بر خود گمان کمالے داشته باشم - از آنجا که از عز و جاه بهره و از علم و هنر نشان ندارم، هر آئینه ازان نگریزد که سپاسِ قدر افزائی بجا آرم - نگارش خواجه دربارۂ نکوئیِ قاطع برهان نامه نگار را بشگفت زار افگند، چه این سواد نا مقبول طبعِ دانشمندان هند افتاده است - دعویِ مرا مسلم نمی دارند و گفتار مرا نمی پسندند و ازآن میان یکے که دررور آزمائی و مردم گزائی شیرِ شرزه و مارِ گرزه را ماند بی هنرے خیره سرے از پارسی نه آگهے و از تازی بیخبرے - چشمش چنان فرو گرفت که همچون دیوانگان کف برلب آورد و ازآن کف بدانسان که تگرگ از ابر بارد بچۂ چند فروریخت - خواجه سنجیده باشد که چه گفتم و این گفتن چه خواستم - فرومایۂ کتابے نوشت و در آن فرد کاس نامه جامع برهان قاطع را که یکے از عوامِ دکن است بهمه دانی نام گرفت و غالب راکه جز زبانداني فرزانگانِ پارس کسبے ندارد به زبان خامه به یاد دشنام گرفت - سالعه بپندارند و چنان اندیشند که چون مختاران در ستیره کف بر کف زنند و از قومِ هنود در موسم هولی سوقیان به چنگو دائره دف زنند چه گویند بمان گفت بلکه لختے باسرا تر ازان گفت - حیف که گیتی را به داوریگاهِ سخن چون سرعلیِ شیر

محتسبے و چون مولوی حاسی مفتیے نیست تا این آدم پیکرِ دیو سار باد افراہِ نکوہشِ بیجا و کیفرِ نفرینِ ناروا یافتے ۔ ناچار بدینمایه خوشنودی که ہر گاه ہوشمندانِ سخندان این نگرشِ بی آرش را خواہند نگریست ساد بروتِ آن شعرار شعر نشناس موجبِ ریش خندوے خواہد بود، خود را تسلی دادم ۔ گنهٔ دشمن پیشکش ار دوست ہمه آن سی خواہم که چون رسمِ نامه نگری از ہر دو سو بمیان آمد، دیگر این سلسله از ہم نگسلد و آمد و رفت نفس آسا متواتر و متوالی ماند ۔ منشهایِ یکدگر مہر گرای و مہرِ درمیانه ہم جاوید پایے باد۔

بنامِ نامیِ میر غلام باباخان صاحب بہادر

خط ۔ ۱

عالیجا ہا والا پایگاہا

ورود قدسی صحیفه دل را توان و تن را روان افرود۔اللّٰہ اللّٰہ حریداران دکنھئیے بے رونق چنیں می باشند که درویشے دلریشے اندوہگینے گوشه نشینے رابه نمه یاد آورند ۔ بے سپهر سپهر در پرتو گستری تنش ار درهٔ خاك دریغ ندارد و ابر بهار که گل و لاله و ریحن را پرورد ۔شوره زار نرگسستان نارد ۔ امید که سپس در فهرستِ مخصصانِ خالص الاخلاص نامِ من نشته شود ۔سیّاحِ جهانگرد را بندِ گران برپائے زمیں پیماینهاده اند ۔ چنان کنند که دوشِ وے ریرِ بار تیمار عیان نفرساید و از بندِ اندوه آزاد باشد ۔ دانم که ہم چنیں خواہدبود ۔ فراوانیِ محبت بریں داشت ، والسلام بالوف الاحترام ۔

روز افزونیِ مہر را طالب ، فلك زده غالب ، ۱۲ ، شنبه ہفتمِ مئی ۱۸۶۴ء فقط ۔

اڑا جاؤں ، کیادیوانہ ہوں ۔ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں آپ کی عنایت سے بزرگوں کی دعا سے خوش و خرّم ہوں اور اپنی عزت اور آبرو سے بسر کرتا ہوں ۔ خدا ایك وقت تم کو یہاں لاوے تو سب حال کھل جاوے ۔زیادہ کہنا زیادہ ہے ۔ فقط۔

نامه بنام نامی
منشی نولکشور صاحب مالکِ مطبعِ اوده اخبار

خط ـ ۱

بنامیزد امروز سخن میگویم باکسے که دیده رویش نادیده است و دل به سهرش گرویده، دیده دیدار جویِ اوست و روے دل به سوے او ـ برسر سواد این نامه که از دوست به من رسید، میان مردم چشم و سویدائے دل سنزه روے داد ـ آن همی خواست که همه او را باشد و این می جست تا همه برباید ـ من درمیان آمدم و از پرخاش بر داشتم تا هر یکے بهره بر گرفت و آشتی پدید آمد ـ دیده را فروغ مبارك و دل را فراغ ارزانی ـ

در پارسی زبان بسا سخن گفته ام و بهم نامه ها نگاشته ـ اکنون که دل از ناتوانی سگالش بر نمی تابد، کار بر خود آسان کرده ام و هرچه می باید نبشت در اردو مینویسم ـ گوئی گفتار در نامه فروسی پیچم و سهرِ دوست می فرستم ـ حاشا که در اُردو زبان نیز سخن آرائی و خود نمائی آئین باشد ـ آنچه به نزدیکان توان گفت، به دوران نوشته میشود ـ مدّعا همان گزارشِ مدّعا ست و دگر هیچ ـ اینك فرمانِ شما پذیرفتم، و در نامه به پارسی آمیخته به تازی سخن گفتم ـ

سه نسخه در نثر دارم پنج آهنگ و سهرِ نیمروز و دستنبو ـ نشگفت که در لکهنئو نیز مردم این نامه ها شناسی داشته باشد ـ اگر ذوقِ نگریستنِ نگرش پارسی دارند، چرا این سوادها را فراهم نیآرند ـ مرا خود هنگامِ آنست که با کافور و کفن کار افتد ـ شصت و پنج سال زیستم و پنجاه سال سخن گفتم ـ آخر هر آغاز را انجامے هست ـ رسیدنِ اوده اخبار ازاں سو در هر ماه چهار بار و رسیدنِ زر ازیں سو در هر سال دوبار، اگر منظور دارند، منظور است ـ به افضل نشان، میان داد خان سیاح دعا میفرستم و به دوستے گفته ام تا به پارسی غزلے چند نوشته دهد ـ همینکه همی آرد به سوئے شما رواں می دارم ـ نگاشته و رواں داشتهٔ چهارم شنبه ۱۸ ماه جولائی ۱۸۶۰ء ـ

باغِ دو در

نامه بنام نواب علاؤالدین احمد خان بهادر

خط۔ ۱

جانشین عالیؔ را از غالبؔ دعا۔ نامهٔ شما و پیام والا برادر رسید۔ ہے ہے چه مایه بیدرد و بدگمانست که سخن نمی پذیرد و میداند که سخن میتوانم گفت۔ خرنیست' خرس نیست' آدم است۔ جاہل نیست' عالم است۔ کودک نیست' جوانست که یارب به پیری رسد۔ آنکه پائے ندارد' گام چون زند۔ آنکه دست ندارد کار چسان کند۔ آنکه دل و دماغش نمانده باشد سخن چگونه سنجد۔ خواہد گفت که دل چرانیست' دماغ چرا نیست۔ اے ستمگر با پارسا دل ہست اما نوَند' دماغ ہست' اما دژم آنکه در پیکر من دل و دماغ آفریده است' نیروئے اندیشه و درخشانیٔ فکر و ذوق چامه سرائی و ہنجارِ قافیه پیمائی از من باز گرفت چنانکه ہندیان گویند۔

داتا کے تین گن' دے' نه دے' دے کے چھین لے

کوتاہی سخن' غزلے ہمدرین زمین در دیوان منطبعه دارم که در کلکتّه گفته ام۔ نقل آن بخدمت میفرستم از نظر غلط نگر برادر گذرانند۔

غزل

سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دهیم
رنگ شوائے خونِ گرم تا به پریدن دهیم
عرصهٔ شوق ترا مشتِ غباریم ما
تن چو بریزد زہم ہم به تپیدن دهیم
جلوه غلط کرده اند' رخ بکشا' تا زمہر
ذرّه و پروانه را مژدهٔ دیدن دهیم
سبزه ما در عدم تشنهٔ برق بلاست
در ره سیل بہار شرح دمیدن دهیم
بو که بمستی زنیم بر سر دستار گل
تا مئے گلفام را مرد رسیدن دهیم

بـر اثـر کـوهـکـن نـالـه فـرسـتـاده ایـم
تـا جـگـر سـنـگ را ذوق دریـدن دهـیـم
شیـوه تسـلیـم مـا بـوده تـواضـع طـلـب
در خـم مـحـراب تیغ تـن بـخـمـیـدن دهـیـم
دامـن از آلـودگـی سـخـت گـران گشتـه اسـت
وه کـه در آرد زپـا، بـه کـه بـچـیـدن دهیـم
خیـز کـه راز درون در جـگـر نـی دمیـم
نـالـهٔ خـود را ز خـویـش دادِ شـنیـدن دهیم
غـالـبؔ از اوراق مـا نـقـش ظـهـوری دمیـد
سـرمـهٔ حیـرت کشیـم دیـده بـدیـدن دهیـم

خط ـ ۲

دانشهائے بسزا و اندیشه ہائے رسارا به فرگاه تنگبار والا یزداں بار نداده اندو حرا ینمایه آگہی که ہمه از وست یا ہمه اوست در دید و دانست بررویئے ہیچ دانشمندِ دیده ور نکشاده اند۔ حرد که آفریده نخستین باشد سزد که ہمه داں و ہمه بیں باشد ۔ بر آئینه ہر چه پس از وے به پیشگاهِ پیدائی شتاند ایں توانا سروش چگونگی آنرا پدیدار تواند ساحت۔ سحن در آنست که آں ہست و بود راکه پیش از وے بوده است چگونه تواند شناخت۔ چون حرد فرو مانده تر از ماست، ماکه حر اندك بخشئے ار خرد نیافته ایم درد انستں حرد آفرین چوں فرو نمائیم۔ ہمانا این نه بس باشد که خدارا آفریدگار و حردرادر آفرینش با سحن که پرتوے از شیدستان حرد تواند بود ہمدم و ہمر از دانیم، گوہرِ خرد را به ترازوے سحن سنجیم و نوائے سخن را بہنجار خرد آہنجیم۔ اگر گفتار است وردانش است، ہمه ایزدی فره و آمیغی ارزانش است۔ با این ہمه ار دربایست ہائے ایں کار آموختن فرہنگ است از آموزگار و به پیروی راه داں پیمودن را گفتار۔اے ندیم ہاں بنگر برادر زاده نامور روشندل روشن گہر میرزا علاؤالدین حاں بہادر به فرتاب خرد حداداد راه سخں برہنمائی من رفت و در پیریؔ من برنائی حویش به بزمستاں سحں جائے من ار من گرفت۔ اینك چنانکه در حویشاوندی و یگانگی مردم چشم حہاں بیں من است برچ ربالش ہنر سدی و فررانگی جانشیں من است۔ آئیں گفتار به تنومندی اندیشه آن نوجواں نوو گرویدگں سرا نمہر وے دل در گروباد غالبؔ۔

از اسدالله گم کرده راه۔ معروض بخدمت میر ولایت علی صاحب المخاطب به مشرف الدّوله بهادر

خط ۔ ۱

نفرین خدائے برس که رسیں بوس شاہزاده ماه لقا و آسہم نمانحیگری شما آررو کردم و ہر چند دانم که دانشوراں دانند که فروغ گوہر رخشندۂ من که افتاب ایردی بخشش است بدین فروگذاشت که ار سوے پایه ناشناسں بمیاں آمد از آنچه بود نه کست، امّا ادائے که نه بهنجار باشد چگونه سنش سازگار باشد۔ نه خود این بار پادشاہزاده را دیده ام بلکه ریں پیش دوبار بداں ہمایوں نشیمن رسیده ام۔ در ہر دوبار رود خوانده اندو دیر نشانده اندو افروده اند۔ حاشا که دریں بار روشں شاہزاده حرکت طبعی باشد۔ ہمنا پیش اراں که من آیم قرار داد چناں بود که یکپس در پاسبانسم نشانند و تشاہزاده را بلهوبقدرۂ صندوقچه مشعول نکنند مرا به پیشگه نخوانند و چوں روبروئے رسم حضرت صاحب عالم اساس دلنوازی ننهد و مرا نه نشستن دستوری ندهد، گوئی شہزاده ور قیست ساده بدست طرّاحاں و رنگ آمیزاں افتاده، ناظر خہائے رنگ رنگ افگنند و نقشهائے گونا گوں رنند۔ کوتاہی سخن، تقریب دیگر است و تخریب دیگر۔ ماشمارا مقرّب میخواستیم نه مخرّب۔

ع: خود غلط بود آنچه ماپنداشتیم

ہیہات به رسیں بوس شہزاده روے آوردن و آنگه ار شما پاس وفا چشم داشتن۔ ما فرمانروا پرستانیم و ناں ار کفِ تیغ آزمائے کشور کشایاں ستانیم۔ مرا بازاویه نشیں چه خویشی و با گلستگاں چه پیوند۔ نداند که ازین نبشتن آں خواہم که نه تلافی گرایند بلکه مقصودس ہمه آنست که ندانند که غالبؔ نمیداند۔ والسلام۔

خطوط بنام تفضل حسین خان صاحب مرحوم

خط۔ ۱

حضرت سلامت' رافت نامه که از جیپور بال روانی کشوده بود بدلفریبی و امید افزائی نه تنها غم از دل بلکه دل از من ربود۔ چون جیپور' آرمشگاه مخدوم نیست درنگارش پسخ درنگ ورزیدم۔ اکنون که بیش از دو هفته سپری گشت سنجیدم که از جیپور باجمیر رسیده باشند۔ نامه باجمیر میفرستم و محصول برملازمان برات میکنم۔ همانا عقیده جمهور آنست که کار گزاران ڈاک در رسانیدن نامه بیرنگ به توقع حصول محصول اهتمام بیشتر میکنند۔ بنده پرور صاحبا پیش ازین همه از خویش خجل بودم که حاجتمندی راستودم و کف دریوزه پیش کردم حالیا از شما شرمسارم که بار بار زحمت میکشند۔ اهل فرنگ سپارش گدایان گوارا میکند۔ گفتید و گفتید و از نگارش شناسی سزاود که هنوز به گفتن احتیاج بقیست۔ اگر مراد آنست که من منّت پذیر باشم و سپس گزار باشم به یزدان دادگر سوگند که هم منت پزیرم و هم سپاس گذار و چرا سپاس نه گزارم و چرامنّت نه پذیرم که از لطف و تفقد آنچه میبایست بتقدیم رسید۔ یاددارم که اندرین نامه که پاسخ آن میطرازم نگشته قلم تفقد رقم بود که حکم تفضّلی از زبان نواب صاحب شنوده اند' وزین پس تحریکے میکنند تا آن حکم به امصار رسد۔ گوئی امضائے آن حکم موقوف تحریک است' لاجرم دل آشفته آرمید۔ سخن اینست که مرا اندرین روز ہا ضرورتے روداده که به اکبر آباد می باید رفت و بالفٹنٹ گورنر بہادر که آشنائے دیرینه و مربّی و غمخوارِ منست درد دل باید گفت۔ همه نگران آنم که یك دو باران بارد و ہوا سرد و خاك خنك گردد تا روے براه آورم و به آگره پویم و اینکه من گفتم لامحاله در عرض یك ماه صورت میگیرد۔ درین صورت چه خوش باشد که هم درین چهار هفته هر گونه پاسخے که بمن رسیدنی است رسیده باشد تاهم آن نامه مهریٔ بالک صاحب نزد خود داشته باشم و هم ازاں وسوسه و اندیشه فارغ باشم که نامه شما در دہلی رسد و سربداں ڈاك مرا نبینند و سوئے شما بر گردانند۔ چون عطوفت و رافت راپایه ازاں برتر نهاده اند که در اندیشه بدان توان رسید و خواہم که آغاز را بانجام رسانند و ہمدرین ماه کار راتمام گردانند۔ مرزا علی بخش خان سلام میرسانند و فخرالدین کورنش عرضه میدارد۔ بخدمت مشفقی

مکرمی سید ارشاد حسین سلام میرسانم و عذر کوته قلمی میخواهم و نگارش نامه را بوقت دگر می اندازم والسلام مع الاکرام وہم چون ضروری است جواب طلب۔

خط ۔ ۲

بخدمت وافرالمسرت حضرت اخوان پناہی مطاع امید گاہی دام بقاوہ' بہ زبان خامہ کہ ترجمان دل و میانجیٔ شوق است حرف میزند۔ ا ازین پیش مشفقی طالع یار خان نامۂ نامی بمن دادہ و من ہمان روز(پاسخ) آن نشتہ وہم بدان ستودہ خوے سپردہ ام و پس از دوسہ روز خبر یافتہ ام کہ صرصر نامی اربریدان ملازم سرکاری آن نامہ را برد۔ بارے این روزے چند کہ طالع یار خان رادر شہر اتفاق اقامت افتادہ خوش گذشت کہ چون گہ گاہ بہم مینشستیم از محامد اخلاق آن یگانہ آفاق حکایت میانہ ہم میرفت۔ اینک ہفتہ بیش نگذشتہ باشد کہ مکرمی قاضی فصیح الدین بداونی را از آگرہ بدھلی گزار افتاد۔ چون شمارا دیدہ بود و ہم ازان انجمن می آمدورودشمااز تونک بمتھراو متھرا بہ اکبر آباد بمن باز گفت۔ این فرخندہ آئین رانیز چون خود ثناخوان و در ستایش شما باخویش ہمزبان یافتم۔ امروز سومی روز است کہ از من پدرودشد وسلامے از مابردتاشما رساند و اغلب کہ حضرت نیز زود نہ دیر از آگرہ بہ تونک رھگرائے شوندوچون بدان خجستہ منزل رسند این نامہ کہ تحویل طالع یار خان است از نظر گررد۔ نہفتہ مماناد کہ این بار طالع یار خان کہ دوست دیرینہ مست درگرانے بردوش من نہد۔ بپارسی ترجمہ کردن ہندی عبارتے را کہ برگزارشِ آئین پیچھائے بانک مشتمل بوداز من خواست و سرانجام این خدمت را دریعۂ خوشنودیٔ خاطر خطیر حضرت نواب معلی القاب عالی جناب وانمود۔ چون رلّہ خوارِ خوان خود آن والا جاہ بودم و سپاس سپاس سپاس گزارد' توسن خامہ را دران گذرگاہِ تنگ بجولان آوردم و سفینہ کہ دیباچہ و خاتمہ نیز دارد ترتیب دادہ بہ کارفرما سپردم و عرضداشتے بران افزودم تا روایی آرروی ورود توقیع رابہانہ تواند بود۔ دادِ خوبیٔ عنوان دیباچہ از شمااولاً و از مطاعی و مخدومی مولوی ظہور الدین علی دامت برکاتہ ثانیاً میخواہم کہ تابنگرندودریابند کہ ممدوح رادران دیباچہ بکدامی زبان و درستایش فنّ بانک کہ حقیقت آن پیداست کہ چیست' سخن را بکدام پایہ بردہ ام و باآینہمہ چہ در دیباچہ چہ در جریدہ' نوی طرزِ نگارش و نوآئینیٔ ہنجار گزارش از دست نرفتہ و گفتار ہمچنان برروش خاصہ خویش برجائے ماندہ است۔ باآینہمہ کہ گفتم دانم کہ نثرش

مں در سحر طراری آن زمان رواست و داد حانگدازی حویش آنوقت یافته باشم که بندگان رفیع الشان نواب سلطان نشان گفتار مرا پسندند۔ چوں سحں بدینجا رسیدو مدعی سراسر گزارده آمد خامه از کف می نہم و نامه را فرومی پیچم۔ عمر فراوان بادو دولت روزافزون۔

خط ۔ ۳

قبلۂ جان و دل سلامت' عذرِ تقصیر خویش میحواہم و تکیه بر کرم دوست کرده سحں میگرایم بخدا که نور خرد در دل و حان و گنج سخن در کام و زباں نہادۂ اوست که از حصرت خشنودم و چنانکه بوجود آفرید گار ظن دارم این نیز میدانم که حصرت رادر روائی آرزوئے من سعیٔ فراواں است وچون کار بر نیاید و شنونده گوش بگفتار و دل بکردار ننہد حصرت چه کنند و چگونه کام دل من از دگرے برور ستانند و دریں محل مراسی بایست که از مقصود قطع نظر کردمے و دیگر بدوست درد سر ندادمے و یزدان داند قطع نظر کرده ام و از کردۂ حویش پشیمان شده۔ زنہار زنہار ازیں نامه آن ندانند که غالبؔ کوانديشه گدائیست ابرام پیشه' بلکه ایں مشتمل برسوالیست که جواب آن میخواہم ہکدا اگرچه از حلائق کمتریں و مردے گوشه نشینم لیکن سرانیز در فرقۂ بے نوایان و زمرۂ بے سروپایاں آبروئے داده اند۔ گدایم اما از گدایاں بارگاه روشناس شاہم ۔ اگر در مدح اورنگ آرائے دهلی گہر سفته ام منشور رافتی بمں داده است و اگر گورنر حنرل راستوده ام خوشنودیٔ نامه ہا بمں فرستاده' چنانکه یك توقیع ابو ظفر سراح الدین بهادر بادشاه و یك مکتوب انگریزی حمس طامس گورنر اکبر آباد پیش خودم ہست۔ ہر چند ملاطفات ایں فرمان روایان سلطان نشان که بنام من رسیده بسیار است اما ازاں ہمه آں نامه ہا را ذکر کرده ام که در خصوصِ رسیدن قصیده واظہار رضا مندی و ابراز مہربانی است۔ آه از نواب عالی جناب که تحسیں را به تحسین تلافی نه نمودونامه بپاسخ عرضداشت ننوشت حاشا که از نارسیدن صله و عطیه و جایزه نالم۔ آرے از نارسیدن نامه ملولم و ملال مں دریںمقام بیجانیست و باوجود اینکه ملولم گله نمی سنجم۔ اینکه گفتم حکایت است نه شکایت و مقصود ازیں حکایت آنست که دریں روزہا دیوان فارسیٔ من که کم و بیش ہفت ہزار بیت دارد منطبع می شودو غالب که در عرض دو ماه بپایان رسد۔ قرار داده ام که یك حلد بسبیل ہدیه بوالا

خدمت نیز خواہم فرستاد تاچون مجموعه نثر دارند سفینه نظم نیز داشته باشد۔ من آں می خواہم که چون نواب مرا وقعی ننهادو ستایشم را به شگفتگی نپذیرفت' من ہم بے حوصلگی کنم و این قصیده را خط کشم و در دیوان ننویسم و چون نواب نام مرا در دفتر خویش نپسندیدند من نام نامیش را بدیوان خود نپسندم۔ حضرت اندرین باب چه میفرمایند۔چشم داشت آنکه زود نه دیر به جواب این سوال شادو از بندِ تفرقه آزاد کنند۔ بیش از یک ہفته در انتظار جواب نپسندند زیرا که نوبتِ انطباع دیوان زود است که تا این قصیده نا مقبول برسد۔ ہیہات که خونِ جگر خوردن من رایگان رفت۔ چراسودائے ستایش این بزرگوارم در سرافتاد۔ نه جائزۂ دام و درمے که آن رابہائے گوہرِ سخن توانم دانست و نه صلۂ لطف و کرمے که خود را بدان شکیبا توانم کرد۔ در عنوان نامه گفته ام و بپایانِ ورق باز گویم که بندۂ خودم انگارندو از خودم خوشدل شناسند و گفتار مرا ازروئے انصاف در نظر سنجند و از من نرنجند۔ جواب این نامه زود رقم فرمایندوالسلام مع الاکرام از اسد الله نگاشته یکم ربیع الاوّل سنه ۱۲۶۱ھ۔

خط ـ ۴

داغم ز سوزِ غم که خجل داردم ز خلق
بوئے که تن ز سوختن استخوان دهد

سبحان الله عمریست که قبله را در کعبه با حجر الاسود بوسۂ گستاخ میسنجم و گوش برصدا دارم که کے شنوم که از کعبه بر گشتند' عیاذاً بالله از سفر حجر باز آمدند۔ بربّ کعبه تاوقتیکه طالع یار جان راندیده و ازیشان نشنیده ام که خان عالی شان بوطن رفته بودند و پس از ہفت ماه باز امدند و حالیا نه باجمیر بلکه به تونک جا دارند ہمان می دانستم که گفتم۔ بارے ہم بشنیدن آگہی اندوختم وہم برسیدن نامه رخ شادی افروختم۔ بسکه لب تشنۂ ذوق ہمزبانیم پیداست که چون دو تن از ہم دور باشند جزبزبان خامه باہم حرف نتوانند زد۔ بنامۂ نامی خواندم' به نامه نگاری نشستم۔ نامه مینویسم و دانم که تا این نگارش گران نپذیر دنیا سیم۔ لیکن ہر دم این اندیشه جان میگزد که حضرت در تونک اندوسید ارشاد حسین خان بسفر۔ نامه که نوشته می شود کجافرستاده آید۔ اندیشیده ام که ہم از طالع یار حال پرسم و نامه برہنمائی این مردراه دان

فرستم۔ آنکه نوازش کرده اند و از سر گذشت پرسیده اندبشنوند۔ شحنه عدو بودو مجسٹریٹ بامن نا آشنا' فتنه در کمین بودو بخت نارسا' مجسٹریٹ با آنکه شحنه رافرمان روا ستے' در حبس من شحنه را فرمان بردو توقیع گرفتاری من نوشت و ششش جج با آنکه بامن دوستی داشت پیوسته بامن مهر وروز و مهربان بودو باریب در بزم بے مهم پیمود' چشم پوشیده و به تغافل رد۔ داوری بصدر بردند۔ هیچکس نشنید و بمان فرمان بیداد بجا ماند۔ ندانم چه روے داد که چون همه سعد سپری شد' مجسٹریٹ را دل بهم برآمد و خود از صدر نسخ حکم خویش و رستگاری من خواست' خواهش وے پذیرفتند۔ بلکه او را بدین خواهش ثنا گفتند۔ گویند سکه نکویان قوم آن جیره بریعنی مجسٹریٹ بیدادگر را ملامت کردند و پایه آزادی و خاکساری مرا در نظرش جلوه دادند بدین رنگ که رہائی من از خویش خواست عذر خواست و دگر هم پورشها و دلجوئی ها کردو من خودازآن روکه هر صفت و هر فعل و هر امر را از کردگار می نگرم و سترده کردگر روا بود۔ از آنچه رفت آزادم و بدانچه رفت شادم امّا چون آرزو منافی آئین بندگی نیست (شعر)

عشق است و صد هزار تمنا مرا چه جرم
گر خواهشے کند دل شیدا مرا چه جرم

خواهم سپس در جهان نباشم و اگر باشم در هندوستان نه باشم' روم است و مصر است و ایران است و بغداد است' وگرنه خود کعبه پناه آزادگان و سنگِ آستانۂ رحمته اللعالمین تکیه گاه دلدادگان بس است۔ کی بود آب که ازبند فرومندگی که خود ازان بند که رفت روان فرساتر است برون جهم و سرزیے در سطر نیاورده سر بصحرا نهم' آنست آنچه برما رفت ایست آنچه میخواهم ۔ والسلام

خط ـ ۵

یارب این فردوسی نسیم که مشام جان را بغالیه اندود ناگه از کجا وزید۔ پیش ازین جنبش خامه در پردۂ ساز نگارش نامه این نوا داشت که آهنگ حجاز دارند۔ بارے آنشدو قبله بکعبه نرفتند سپس از روے تحریرِ گرامی برادر سید ارشد حسین خان روداد بیماری بولنک آشکار شد۔ چون در پرسش خون گرمی بکار رفت پدید آمد که یزدان توانا آن بلا رابگرداند و

رنج و بیم نماند۔ دریں ہنگام طبع یار خاں از ٹونک آمدند' گفتند کہ حضرت بوطن رفتند و ہنگام رفتن گفتہ اند کہ دیر خواہم آمد۔ بالجملہ دریں روزگار کہ مخدوم را در خبر آمد و ستودہ برادر راکوہ آبو گماں کردمے و بدل اندیشیدمے کہ خیر آباد خود جدہ ڈاک انگریزی ندارد و اگر نامہ بآں فرستم' جز آنکہ نام کوہ نبشتہ باشم نشانے دیگر نیز باید و آنرا نمی دانم۔ روزے بودفرح و دل افروز کہ سرہنگ نیز گم ڈاک از در آمد و نامہ کہ از دارالخیر احمیر باں روانی کشودہ بودار سعاں سر کرد۔ ہم دل سودازدہ آرام یافت وہم خاریں تفرقہ از بیخ و بن بر کندہ شد۔ نازم بدیں سخن سازی کہ سوبستند خواستہ بودیم از دہلی با جمیر رویم۔ اینقدر نمی سگالند کہ شنوندہ خواہد گفت چرا ایں راہ نسپردند و نیامدن را جزنیامدن تفسیرے و تاویلے نیست۔ آفریں برروان خسروؔ دہلی کہ چہ خوش می سراید۔

ع: پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

لختے از حال شہر و دیار می‌نویسم۔ روداد من نیز دریں سوز و ساز در نظر خواہد گذشت۔ والا برادر فرخ اختر محمد ضیاء الدین خاں بہادر چنانکہ در ہر سال میرود دو ہفتہ سگذرد کہ بشملہ رفت۔ دلربا برادر علی بخش خاں بہادر ترک ماند و بود شہر کرد و در عرب سرا کہ آبادچہ ایست در جوار مقبرۂ حضرت سلطان المشائخ اقامت ورزید۔ امین الدین خاں خود از بیگانگاں است۔ ایں دو تن کہ بامن ہمدمی داشتند جائے ایشان خالیست۔ ہمدریں گوشہ نشینی کہ آئین منست خسرو کیخسرو فر کہ جاوداں ماناد بپایہ سریر عرش نظیرم خواند و خلعت و خطاب ارزانی داشت و بہ نگارش آثارِ جہانبانی نیاگان خویش گماشت۔ بدل گفتم کہ ہان غالبؔ آشفتہ سرناموس سخن گستری نگہدار و ہر چند افسانہ سرائی بہ شیوہ آزادگاں است زباں پیغارہ بر خود دراز مگر داں۔ مبدأفیّاض بہرہ از خواہش افزونتر بخشید و حمد و نعت مدح سلطان و خطاب رسیں نوس و سبب نسب و حالاتِ صاحبقران امیر تیمور تا بورو حضرت ظہیرالدین بابر و حضرت نصیرالدین ہمایوں بروشے کہ دست فرسود پیشینیان ہست نبشتہ آمد۔ این مجموع ہشت جزو کاغذاست کہ مرقع تصویر پریزادگان معنی است۔ حالیا وقایع سلطنت پنجاہ و یک سالہ خاقان اکبر می باید نوشت۔ تاچہ روے دہد و خامہ در کفم چون جنبد۔ برادر روشن گہر سید ارشاد حسین خاں سلام خوانند و ازاں راہ کہ من آن نامہ را کہ در تہنیت خطاب رقم فرمودہ بودند پاسخ

نگراردم شرمسارم دانند۔ در آن روزہا دیوانگی بران داشته بود که در شب و روز یکدم از نگارش راز و سگالش ہنجار سخن نیاسودے ہمگی ہمت به ترتیب کتاب که عبارت از حمد و نعت مدح است آویخته بودوالسلام بالوف الاحترام۔

خط۔۲

روان پرور صاحبا از آنجا که در گرر گاہِ تنگ این ہر دو حمزه بهم میرود' ماراکه راہروان جاده ایم، نیز در نامه سخنی از شادی و غم می رود و شادی خود ازین فرونتر چه خواہد بود که پس از چہار ده سال تیره شب من از ماه چہار دهٔ فروغ پذیرفت۔ گوئی نگارنده جام جم خود از زبان من گفته (شعر)

اوحدّی شصت سال سختی دید
تا شبے روئے نیک بختی دید

دانسته باشند که ازیں گفتن چه می خواہم۔ ہمانا نه یك دریا بلکه ہفت دریائے جہان علم و ہنر نه یك اختر بلکه ہفت اختر سپہر فضل و کمال' نه ہفت دریا نه ہفت اختر' از ہرچه گویم به روانی بیش و به روشنی بیشتر مولانا بالفضل اولینا مولوی حافظ محمد فضل حق المخاطب به امیر الدّوله بہادر رابه بدھنی گزار افتاد و غالب حق پرست را علی الرغم معتزله و اشاعره ہمدرین گیتی رویت حق روے داد۔ پندارم تجلّی حق بصورتِ برق بود که خواجه بیش از دو ہفته در شہر نه‌رسید۔ فردا که سه شنبه سوم ربیع الثانی است برامپور ہمیرود۔ غم که در سر آغاز نامه نشان داده ام حزین نیست که غم داشتم که از دو عمّه دیگر وسه عمّ نامور و یك پدر و یك جدّه و یك بی بادگر بلکه مرا بجائے آں ہشت بزرگوار نوُداز جہان رفت و از رفتنش بر من آن رفت که برجگر از دشته نرودوبر خس از آتش۔ امروز چاشتگه بامولینا ہم انجمن و ہم سخن بودم۔ مولوی شاه محمد ذمی که منش نمی شناختم و چون پس از رفتن وے از مولینا پژوہش خواہد رفت' خواہم دانست که کیست' سخن در آمدو گفت به تونك می روم۔ گفتم نامه از من می تواں برد۔ گفت دستم برعنان است و پایم درر کاب۔ گفتم خوش باشد۔ سلامے بوے سپردم بو که برساند۔ نامۀ دوست جانی بابو بانکے لال طال بقاؤه' از دوره فرمن روائی راجستان

خبرداد۔ غالب کہ خواجہ رانیز جادہ پیمائی ارار دھد و این نامہ کہ شاہ محمد برد من ندانم کی رسدو کجارسد۔ ہم از شاہ محمد پدید آمد کہ گرامی برادر میر ارشاد حسین و سعادت اثر میر احمد حسین طال عمرہ' بشما پیوستند و بازو پیوندند۔ فرّخی دیدار برادر و پسر بشما ارزانی و این فرّخی رافر فراوانی باد۔ من نیز از دور بہ برادر سلام و بہ برادر زادگان دعا میفرستم۔ مخدوم زادگان فتح پور مطلب خودرا از من جواب میجویند تا بپژوہندگان چہ گویم کہ پیش ازین خواجہ را از نظر گذشت اندیشہ ہائے ضمیر مرا فہرستے است کافی' دیگر چہ سرایم والسلام مع الاکرام اسد اللہ' دوم ربیع الثانی و دوم جنوری سنہ ۱۸۵۴ء۔

خط۔ ۷

ای بفروغِ فرہنگ و فرّخی خو کہ فرہ ایزدی است پیش از آنکہ دیدہ روشناس دیدار گردددل از من بردہ و ای بہ فرتاب دل نشینی روش و فرجام روان بخشی ادا درین خامشی زبانم را بگفتار و کلکم را برفتار آوردہ! از رسیدن این دلنواز نامہ کہ ناگاہ بمن رسیدہ بروائی توقیع قبول خویش فراز سیدم۔ ہمانا خواہش پاسخ نامہ از جانب دوست بدانم فریفت کہ یک روزِ نگارش راز آئینے دارم کہ فرزانگان دیدہ ور آنرا پسندند۔ فروتنی پیشکش' پیش ازین ہم در گزارش سخن دستے و درنگارش نکتہ دستگہے بود۔ کاش اندوہے کہ بردلم نہادہ اند گران نبودے تا ہمیدون خامہ بدستان سنجی ہمان جادہ توانستمے پیمود۔ ہیہات این کلک خرامندۂ رقّاص کہ تا بروائی روش ورزش نوانشط اندوختے کبک دری را خرامش و مرغ سحری را رامش آموختے درین رنجوری ناتوانی کہ بمن روے آوردہ' آنچنان از پویہ فروماند و بدانسان صدا گم کرد کہ اگر گاہے دوسہ سطر نشتہ شود' پنداری خامہ خودنیست' ہمان سخن است کہ بعصرہ سرود۔ روان خواجہ نظیرّی شاد' گوئی از زبان من گفتہ است۔

نہ باگلم نظرے نے بصوتم آہنگے
شکستہ بالم و صیاد در کمین دارم

سلامے کہ برادر خجستہ گہر مرزا علی بخش خان بہادر فرستادہ اند۔ بدان ستودہ خوے رسانندہ آمد۔ سلام راسلام پاسخ میگزار دو آرزوئے دیدار عرضہ میداردو و سرور دیدہ و دل غلام

فخرالدین خان خود اینجانیست۔ جستجوئے روزی به قلمرو پنجابش برده۔ پرپرور نامه از وے رسیده است' سپاس یاوری بخت میگزار دو در ناحیت قصور که قطعهٔ ہم ازان کشور است کار سرشته داری عدالتِ فوجداری میکند۔ به ہمایون خدمت چشم و چراغ دودهٔ مردمی سید ارشد حسین صاحب سلام میرسانم و باخویشتن در جنگم که چون خود این نامه روان میداشتم چراورقے جداگانه بنام نامی مخدوم ننگاشتم۔ آرے ہماں فروماندگی که در سر آغاز این نگارش از جفائے آن سخن رانده ام عذر خواه است و بس ۔ از اسد اللّٰه۔

بنام جانی بانکے لال وکیل راج بھرتپور

خط - ۱

یزداں کہ دریا آفرید و نقش موج از آب انگیخت داند کہ براین دل نام قطرہ چون چہ بیدادمی رود۔ ہگنہ بیناں بر آنند ومن نیز برآنم کہ قطرہ عین دریا است' امنہ آنست کہ روانیٔ دریا با قطرہ آشتیم سکند' در صورت گرداب برخویشتن چون نہ پیچد و درپیکرحبابِ نفس چون نبارد۔ بااینہمہ از دادنتواں گذشت۔ دریا رادر آں روانی کہ دارد بہ آزار قطرہ گرایش نیست۔ ہمیرودتا چہ شود۔ خوش گفت آنکہ گفت۔ شعر

دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ این کشاکش با اوست

سخن ہائے مہر انگیز کہ از صریر خامہ بگوش ہوش خوردہ' اندوہ از دل بدر برد۔ نامہ خستگیٔ جگر راپنبۂ مرہم آمدوسواد نامہ شکستگی دل را مومیائی ارزانی داشت۔ مرگ راچہ چارہ تواں جست و از پس مردہ تا کے خون گریست۔ من خوداز آں می نالم کہ آزاد نمیتوانم زیست۔ پندارم آفرینش سرا صورت آنست کہ گناہگارے را بند گراں بر پا نہادہ اندوبہ زندان فرستادہ۔ من کجا و بند وپیوند و عم زن و فرزند کجا' چنانکہ در غزلے میسر ایم۔ شعر

بہ بند زحمت فرزند و زن چہ میکشیم
ازین نخواستہ غمہائے ناگوار چہ حظ

آئین تسلیم نہ آنست کہ اگر سیلی از دستِ دوست خورند گرہ برابر و فگنند یا اگر مثل سنگ باردسر دردند۔ یزداں را سپاس کہ اگرچہ غم بسیار دادہ است لیکن دوستان غمخوار دادہ است۔ یارب این گرانمایگاں کہ با چون منے کہ بہ ہیچ نیرزم مہر می ورزند کیستند و اینان رااز کدام گوہر آفریدہ۔ از روئے این نگارش کہ پاسخ آں مینگارم پدید آمد کہ در حرصِ نکماہ بہ کوہ آبو میروند۔ کاش دہلی در راہ بودے تا دوست بیدار گہ گاہ بما رونمودی۔ روز گار آرامش شمہ و مصوری و آبو دلکش است کہ سر آبد و فرزانگاں فرنگ ازین نشیمن بہرود اند و روزے چند بہ جایگہ خویش آسودہ بہنجار دورہ رہ پیمائی از سر گیرند۔ ازین گزارش کم آنست کہ شمراچہ

تموزوچه رستن اعنی اوقت عمر گرامی در سفر میگدرد اگر گاہی ناگہی اریں سو گورمہ گنہی نخواہد بود۔ ار فراوانی دوق ہمرہی است که زبان ار حامه وام میگیرم و سحر بی سرایه ورنه استہ که گفم حرد سحد که صرورتے نداشت۔ اندیشه چوں راه سحر کشوده بفت، آنچه ار آروآرزوی دیدار در دل فراہم آمده بود، نگه نتوانست داشت و بیتابانه بروں ریخت۔ نگارش راندعا انجام بمند بہ، بہار گلشن ہستی جوداں و بہارستاں عزّوناز بے حزاں بداند اللہ۔

بنام نامی شاہ صاحب

خط ۔ ۱

شعر

اگرچه نیك نیم خاكِ پائے نیكانم
عجب كه تشنه بمانم سفال ریحانم

بجناب شاه صاحب قبله و کعبه دوجهان رجوع آورده مستمندانه ناصیه برزمین می سایم و عرضه میدارم۔ آه ازان روزگار که باآنهمه خجستگی که داشت بخت مرا خجسته نکرد۔ همنا سخن دران میرود که حضرت روزے بلکه هفتے چند در قلعهٔ این شهر جا داشتند و من سوخته اختر به پابوس نرسیدم۔ هر چند در معرضِ این محرومی هرقدر حیف خورده شود بجائے خود است' لیکن چون در پردهٔ آفرینش به عنوان اندیشه نظر میکنم منکشوف میگردد که اگر در عالم اعیان ثابته که محلّ نزول فیض قدس است هستیٔ این خاکسار و هستی آن زبدهٔ اعیان روزگار مربوط بیك اسم است۔ هر آئینه اگرچه بصورت روشناس نباشم از روئے معنی هیچگونه بیگانگی درمیان نیست۔ امید که تفقّد دریغ نه فرمایند و حال مرا زین عرضداشت مجملاً و اظهار سعادت و افضل نشان میر احمد حسین جان عمره مفصلاً دریافته مرهم به خستگیهائے دل ریش این درویش شوند۔

واقعه این است که از عهد اورنگ نشینی فردوسی منزل نصیرالدین حیدر بادشاه اوده به صیغه صبه مدح رتبه خوار خوان عطائے آن سلطنتم۔ قصیدهٔ من بوساطت روشن الدوله بهادر پیشگاه سلطان گذشته و پنجهزار روپیه مرحمت گشته۔ در روزگار سریر آرائی محمد علی شاه دریغه نیافتم و دروقتِ فرمانروائیٔ حضرت امجد علی شاه آنچه از ناسازگاری روزگار بر من رفت میر احمد حسین که ازان آگهند عرض خواهند رسانید۔ حالیاً آن میخواهم که اگر نوّاب صاحب والا مناقب رفیع الشان قطب الدوله نواب قطب علی خان بهادر دام اقباله' سرپّی گریٔ من فرمایند قصیده را نزد برخوردار میر احمد حسین فرستم تا آن سعادت نشان اوّل به نظر کیمیااثر حضرت گذراند و پس ازان بخدمت والائے نوّاب صاحب رساند و نوّاب صاحب به آئینے شایسته بنظرگاه خاقان دارا دربان گذرانند و خلل ثناگستری و سخنوریٔ من و نوازش و بخشش فردوس سریر عرض

خسرو سپهر بارگاه رسید۔ اگر بخت نارسائی کند و عطیه بقدر جاه و دستگاه شاه نباشد، بارے هم بدان مایه بخشش که از عهدِ فردوس منزل معمول است قناعت نتوانم کرد۔ حاشا در فرستادن قصیده مدح شاه و قطعهٔ ستایش حضرت والا بهمّت نواب صاحب قطب الدوله بهادر از جانب من درنگ نیست۔ بمن که حضرت جواب این عرضداشت مشتمل بر قبول التماس فقیر به سید صاحب خواهند داد و آن رافت نامه بمن خواهد بعالی بخدمت خواهد رسید۔
عرضداشت اسد اللّٰه نگاشته دوشنبه نهمِ ذی الحجه ۱۲۶۴ھ۔

نامه بنام نامیٔ قطب الدوله بهادر

خط۔ ۱

به بهمایون خدمت جناب نوابصاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان امیدگاهِ مخلصان دام بقاوہ' و زاد علاوہ' بعد اهدائے هدیهٔ سلام مسنون الاسلام و تمنائے مواصلت وافر المسرت به گزارش مدعا میگراید۔ روز گارے دراز سپری شده که قصیده و عرضداشت بخدمت عالی روان داشته و بهزار آرزو آن خواسته که این نظم و نثر رابنظر ربوبیت اثر حضرت قدر قدرت ظل الٰهی خلدالله ملکه و سلطانه' گزرانند۔ همانا آهنگ آن داشت که چون به عطیه شاهی کامیاب گردد به عتبات عالیات روے آورد۔ آه از ناسازیٔ طالع نامه نگار که هنوز رنگے از آن بهار پدیدار نیست۔ دستِ کرم حضرت شاهنشاهی ابر رحمتے است که برخار و گل یکسان بارد۔ آنجا که ناخواسته معدن لعل و گهر می بخشند' محرومیٔ سایل بعدِ سوال چه معنی دارد۔ سخن در ینست که آن والا مناقب بدین درویش نپرداخته و قصیده و عرضداشت را روشناس نگاه التفات حضرت خدیو آفاق نساخته اند۔ وقت میگررد' قافله میرود' همرهان بنده بسفر آماده' و برفتن مستعجل و من همچنان از تهیدستی و بے نوائی پابه گل۔ خدا رابرین گوشه نشین اندوهگیں ببخشایند و قصیده و عرضداشت را بحضور فیضگنجور گزرانند و هر عطیه که بدان فرمان رود بے آنکه درنگ بمیان رود بدین گدائے امیدوار ارسال دارند۔ زیاده ازیں جزدعائے دوام دولت حضرت ظلّ سبحانی که دمدم وردزبانست چه عرضه دارد نامه نگار هوا خواه اسد الله نگاشتهٔ روز شنبه هژدهم ذیقعده سنه ۱۲۶۵ بمطابق ششم اکتوبر سنه ۱۸۴۹ء۔

خط۔ ۲

بخدمتِ وافر المسرّت نواب صاحب جمیل المناقب رفیع الشان امیدگاهِ آرزو مندان دام بقاوہ' و زاد علاوہ' بعد اهدائے هدیه سلام که سنّت سنیه حضرت خیرالانام است' نخست سپاس آن رافت و عطوفت که برمن برخوردار کامگار میر احمد حسین طال عمرہ' و زاد قدرہ' مبذول است و در حقیقت خود را امور دان میدانم بجائے می آرم و سپس به نگارش سطرے چند که آئینهٔ صورت نمائے حال نامه نگار تواند بود مبادرت میکنم۔

برضمیر منیر که به فروغ خرد خداداد روشن است هویدا باد که این سیّد زاده ستوده خوے را با کمترین پیوند روحانی است۔ پدر والا گهرش میر کرّار حسین سلمه الله تعالی از عمائد سادات والا تبار و روشناس شاه شهریار وار جانب فرماندهان انگلستیه منصب به اشراف انوکلا است۔ پسر را بنار و نعمت پرورده' علم و ادب آموخته و منشور وکالت عدالت از پیشگه حکم بنام وے حاصل ساخته۔ این والا همّت بلند اندیشه را بدان کار سرفرود نیامد و خود را زیره خوار خوان نوال شاه سپهر بارگه ابوظفر خلد الله ملکه و سلطانه' خواست۔ ازاں روکه راز خود از من نهان نداشتے و جز به رضاے من کار نکردے' آهنگ خود را بمن سرود۔ همّتش را آفرین گفتم و کامیابی وے از حق به دعا خواستم و چون خود را عهد حضرت فردوس منزل ستایش گر روزله خوار آن دوست جاوید طراز بودم' حق ستایش گزاردم و قصیده انشا کردم و بوے فرستادم۔ از انجا که بخت همره بود و دوست یاور و اقبال رهنما میر احمد حسین آرزو مند ستوده دامن آن والا جاه بچنگ آمد۔ ستاره چشم روشنی گفت و چرخ گردنده پوزش گزار آمد۔ خاطرم از تفرقه آسوده غم از دل رخت بربست۔ انجام کارے که آغازش این باشد پیداست که جز فرّخی و خجستگی نخواهد بود۔ بالجمله دو گونه آرزو گردِ دل میگردد و از مدح سرائی و قصیده طرازی مقصود همین است که اگر رحمت یعنی ان عالی همت که عمرے بانتقد پناه اندو جهانے را امید گاه' فرزانگی و مردانگی فرمایند و اقبال نشان میر احمد حسین موصوف را بمحضر گاه گیهان خدیو برند و حقیقت حال را بدان آئینه که در خور باشد گزارش کرده آن هر دو آرزو را روائی بخشند یعنی هم این فرخنده خوے فرّخ تبار درسلک سلازمان و بندگان سلطان فریدون فردارا دربان منسلک گردد و عمر خود را که یارب دراز باد بهما نجا بسر برد و هم این تهیدست بے نوا را سبیل جایزه سرمایه فراز آید تابرگ سفر ساخته فراز بسوئے دشت نجف بسر شتابد۔ از آنجا که صوفی آئین درویشی نیست و معهذا بزرگان گفته اند۔

ع: که خواجه خود روش بنده پروری داند'

بیش ازیں زحمت نمی دهم و نامه را بدعا ختم میکنم چرخ فرمان برو ستاره فرمان پذیر باد۔ نامه نگار هوا خواه اسد الله نگاشته پنجشنبه یکم رجب ۱۲۶۵ هجری مطابق ۲۴ مئی ۱۸۴۹ء۔

بنام دوستے

بنام نواب مظفر الدوله ناصر الملک مرزا سیف الدین حیدر خان سیف جنگ

خط۔ ا

خامه که گویائے خموش است بزبان غالبِ آشفته نواحرف میزند۔ گفتار این سیربان نوک ست بیدلان شنیدن دارد۔ رافت نسه ورود آوردو حادثه نگاه شوق فروریخته کلک نواب حجسته القاب را از روئے ورق در دل فرود آورد۔ دوباره رسیدن تحفته الحدایق گره در ابروی مخدوم نسندارد۔ چه ارسال آن اوراق دو روز پیش از رسیدن فرمانِ منع صورت بسته است۔ اکنون روانی فرمانِ منع آن اخبارا از روانی باز داشت فرمان داده اند که رقم دیگر از اخبار بهر فرستادن گزین باید کرد۔ رهی پرورا حر ابن احبار که تحفته الحدایق نام دارد و شرفِ قبول نیافت، چهار گانه اخبار دیگر در شهر مسطبع میگردد، سراج الاخبار در مطبع سلطانی و دهلی اردو احبار در مطبع سوی محمد باقر سلمه الله تعالی و قران السعدین در مطبع مدرسه سرکار انگریزی و چون این سه گانه نگارش در گذرند همان سید الاخبار است، بارها نرد من دیده و به شما خوانده اند۔ اریبهر کدام را که پسندند روان داشته آید۔ نامهٔ موسومه حکیم احسن الله خان به معتمدی سپردم تابهردو به مکتوب الیه سپرد۔ هنوز پشخے ازان سونر سیده۔ هرگاه میرسد، [1] رسیدن همان خواهد بودو سوی شمافرستادن همان۔ نامه که بنامِ مغل علی خان بود خود بدان نامور سپردم۔ زود نه دیر جواب نوشت و او رامن حوالت کرد، چنانکه در نوردِ این ورق بنظر میگذرد۔ غیاث الدوله حکیم رضی الدین حسن خان چه گویم که چه می گویندو [2] چه قدر شمارا یاد می کنند۔ روزے نیست که ساعتے چند ذکر خیر شما بزبان نگذرد۔ روزے که نامهٔ شما میرسد، همان روز بست سلام شما بدان والا جاه میگویم نا شمرده سلام هابمن سپرده اند تا هر گه که نامه بشما نویسم بگارش را بدان سلام انجام دهم۔ میر کرم علی صاحب نیز سلام میرسانند از اسد الله نگاشته سه شنبه پانزدهم مئی و فرستاده چهار شنبه شانزدهم ماه مذکور سنه ۱۸۴۹ عیسوی۔

ا۔ طبع دوم میں لفظ "رسیدن" چھپنے سے رہ گیا ہے۔ (مترجم و مرتّب)

۲۔ طبع دوم میں لفظ "چه" چھپنے سے رہ گیا ہے۔ (مترجم و مرتّب)

بنام منشی ہیرا سنگھ صاحب

خط۔ ۱

سعادت و اقبال نشان منشی ہیرا سنگھ صاحب سلمہ اللّٰہ تعالی بعد سلام و آرزوئے دیدار باور کنند و یقین دانند کہ دل بسوے شما نگرانست۔ آی چہ روے داد کہ چہار روز برابر گذشت و تشریف نیاوردند۔ اگر گناہے کردہ ام گنہ مرا بخشند و اگر نیامدن را وجہے دیگر است مرا ازاں خبر دہند و اگر ایں چنین نیست' بیایند و بار غم از دلم بردارند۔ والسلام اسد اللّٰہ بیگناہ و روسیاہ و عذر خواہ۔

مآثرِ غالب

بنام مرزا احمد بیگ تپاں

خط ۔ ۱

جنابِ مستطاب فیض مآب مرزا احمد بیگ خان صاحب مدِ ظله العالی، معروض این که رقعۂ بنده موسومه جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب، ملفوفِ عریضۂ نیاز ہدا، می رسد، توقع که رقعه دعوتِ شادی از طرف خود به اسمِ مرزا اکبر بیگ صاحب نوشته، در رقعه موسومۂ سراج الدین صاحب ملفوف ساخته، به آدمِ من بد ہند بگویند که رفته به مہدی باغ برسانند۔ چون کہار که حاملِ عبودیت نامه است، بہره از خردنداشت، دانستم بدین ہمه پیچتاب (کذا) مدعا چنان که باید، فرانخواہد رسید۔ ناچار رقعه موسومۂ مولوی سراج الدن احمد صاحب درنوردِ عریضه فرستاده شرحِ آن به جناب رقم ردم و کہار راماموربه تقدیمِ احکم جناب ساختم۔ فقط۔

رقعه بنام مولوی صاحب برائے آنست که کہار خانۂ مرزا اکبر بیگ صاحب نمی داند۔

(نگاشته: مابینِ ۴، ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۹، ۲۳ فروری ۱۸۲۸ء)

خط ۔ ۲

عاجر نوازا! والانامه رسیده حال حالی گردید۔ من آن نه می خواستم (۱) که این رسم به محفل ادا کنم، زیرا که در شہرِ خویش چنین ندیده ام که در شادیِ بسم الله محافل و مجالس به دست طفل چیزے دہند۔ آرے، به تقریبِ ختنه این چنین به عمل می آید، لیکن در شادیِ مکتب نشینی دورسم دردیارِ خویشتن دیده ام۔ یکے آن که ملّاے که طفل راسورۂ "اقرأ باسم ربك"، به خواندن می دہد، اعمام و اخوان طفل چیزے به ملّا می دہند فقط۔ دوم این که خوانہے میوه یا نقد به طریق شگون تہنیت می فرستند فقط۔ پس ہر گاه رسمِ نذرملّا درین دیار نیست، آن را چرا باید کرد، مگر ارسالِ میوه و نبات به خانه که رسم برادریست۔ چون مسافرم و اسباب و آلات نه دارم، ہر آئینه نقد آن چه به ضمیرم خواہد گزشت، خواہم فرستاد، و معذرت ہائے جناب در آن باب نه خواہم شنید ۔ فقط۔

طلبِ اشخاص معلومه اگر به خاطرمی رسید، زشت نه بود۔ من ہم مصلحةً نوشته ام، ابرام و مبالغه ندارم۔ اگر مناسب دانند رقعهٔ که صبح به توسط خان صاحب مخدوم به خدمت رسیده است، این زمان به دستِ آدم خویش به خدمت مولوی صاحب مخدوم جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب بفرستندورقعهٔ از طرف خود بنویسند که اسد اللّٰہ غالبؔ این چنین به من نوشته است، صلاح صاحب چیست؟ بنگریم تا مولوی صاحب ممدوح چه می فرمایند، واین قدر ہم موقوف به رضائے جنا بست، اگر به خاطر بگزرد، فبہاورنه:

صلاحِ ماہمه آنست کاں صلاح شماست

زبدہ نیاز ۔ اسد اللہ اسد

(نگاشته: مابین ۴ و ۸ شعبان ۱۲۴۳ ھ مطابق ۱۹ و ۲۳ فروری ۱۸۲۸ء)

خط ۔ ۳

جنابِ رافت انتساب مخدومی و مشفقی مرزا احمد بیگ خان صاحب دام مجدہٗ۔ مخدوم من! شبِ شادیٔ نور چشم محمد علی خان اتفق آں افتاد که چوں نیمے از شب سپری گشت، به خانهٔ خویش آمدم، لیکن چو خود را مہمان نه می شمردم و تکلف درمیان نه بود، به تودیع نه پرداختم و بے خبر برخاستم، بل که مخدومی جناب ابوالقسم خان صاحب خبر دارند۔ بالجمله آں دو پاسِ شب در غنودن بسر برده، پگه برخواستم و به ہو گلی رفتم و دو روز و دو شب در آں جا آرمیده (۳) دیروز، که دو شنبه بود، آخرروز به کاشانه باز آمدم۔ مخدومی نواب علی اکبر خاں سلام گفته اندو تہنیت رسانیده اند ۔ این بوداخبارِ آوارگی ہائے شوق که گفته شد۔

امیدوارِ آنم که از صحت و عافیت مزاج خود و صاحبزادہا آگہی بخشند۔ نیاز ست و بس۔ اسد الله

(نگشته: شنبه، ۱۱ شعبان ۱۲۴۳ ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۸۲۸ء)

خط ـ ۴

نوازش نامہ ورود نمود و آبروے خاکساری بنام افزود ـ ہر سہ مقطع را ارواحِ ثلاثۂ کالبد دعوی ساختہ بہ احتیاط نگہ داشتہ ام ـ بہ خاطر می گزرد کہ روزے چند صبر باید کرد و در محفل مشاعرہ آیندہ بہ بانگِ بلند باید خواند، تا اہلِ انجمن بشنوند و رسوائی معترض و گران سنگئ معترض بر ہمہ آشکارہ گردد۔ دیگر از سپاسِ عنایتِ جناب و تشکر تفقّداتِ جنابِ مستطاب مرزا ابوالقاسم خان صاحب چہ عرضہ دارم کہ از حوصلہ کام و زبان بیش (است) ، ناچار آن را حوالہ بہ دل و جان کردہ ام ـ آداب و تسلیم و عرضِ سپاس از جانبِ این حقیر حق شناس بہ خدمت عرضہ دارند۔ فقط۔

(نگاشتہ مابین یکشنبہ ۶ جولائی ۱۸۲۸ء مطابق ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ
ویکشنبہ ۱۳۔ اگست ۱۸۲۸ء مطابق ۲۱ محرم ۱۲۴۴ھ)

خط ـ ۵

قبلہ من! ندانم از سادہ لوحی ہائے من است یا در واقع نیز ہم چنین است کہ ملازمان و خدمت گزاران سامی را ملازم و خدمت گارِ خویشتن می دانم۔ سہ روز است کہ ہر روز آدمِ من می رسد و جانو را تاکید می کند، و ہرروز تا شام انتظارش می کشم۔ نیچہ ہا از ہم فرو ریختہ۔ نزدمن آدم کہ این کار سرانجام دہد۔ بت کہار و دو خدمت گار با خود دارم، از دیار و اہلِ دیار بیگانہ۔ ستم است اگر درین تنہائی و بے کسی شما نیز چارہ ساز و غمخوارِ من نشید ـ گرفتم کہ جانو عذر پیش خواہد آورد کہ نیچہ بندر انیافتم۔ مرانیچہ بند در کار نیست، جانو را بفرمائند تا نیچہ ہا (کہ) کشیدہ، نزد من بیاید، تا نیچہ ہا بہ وے سپارم و بہ طریقے کہ درستی منظور دارم، بہ وے بفہمانم تا کار رواں گردد۔ امروز این وقت سوارہ بہ انالی می روم، اگر وقت مساعد شد، سرِشب بہ ملازمت خواہم رسید، بہ ہر حال فردا بامداداں جانو نزدِ من بیاید۔ زیادہ حدِ ادب۔

اسد اللہ خان۔ فقط۔

(مابین یکم و ۹ صفر ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۳ و ۲۱۔ اگست ۱۸۲۸ء)

خط ۔ ۶

شکوۂ بے پروائی ہائے خدمت گارِ سرکار بیش از آنست کہ بہ تحریر آیدو بہ تقریر گنجد، ناچار نچہ بندرا بہ حانوو حنورا بہ خدا سپردم ۔ فقط۔

نخست حیر و عافیت نورانعین محمد علی صل اللہ عمرۂ نفرستند کہ حاں بسر امد و دل بیا ساید، پس اراں رقعۂ موسومہ حود را سرتاسر بہ تامل ننگرندو سراپاے آں نگر رندوانگاہ در بیاضِ خویش نقل کردہ اصل مکتوب را ارہم بدرند، و بہ آب و آتش دہند۔ ریادہ نیار ۔ فقط۔

(صفر ۱۲۴۴ء مطابق اگست ۱۸۲۸ء)

خط ۔ ۷

حناب مررا صاحب والا مناقب، ستودہ شیم، مجمع لطف و کرم راد عنایتہ' پس ار اعلانِ التزامِ شیوۂ تسلیم معروض ایں کہ مجموعۂ نثرے کہ فرستادہ بودند، از نظر گزشت، و بادیدہ بہ سوادِ آں بیاض اشنا گشت، حیرتے چند روے داد کہ توضیح آں ضرور افتاد، لیکن ار آنجا کہ دماغ ہنگامہ و عزمِ تحریر داوری نامہ نہ داریم، شرط کردہ ایم کہ دریں صفحہ بہ آرایش عبارت نہ گرائیم و متصدیٔ جوابِ اعتراضات نہ شویم، بہر کہ نسبد، بداند کہ مارا التفات بہ جواب دردے در مقابلہ نیست۔ مختصر مفید، درآں اوراق مرقوم دیدہ ایم کہ ایں مصرع:

ع: نگاہش از درازی ہائے مژگاں برنمی آید

وہم چنیں ایں شعر:

کردم آں نالہ کہ تاشب اثرے باز نہ داد

بے معنی است ۔ انتہیٰ کلامہ' ۔ ہیہمات از "درازی ہاے مژگاں" چہ معنی داردو "کردم آں نالہ" یعنی چہ؟ بد کاغذے کہ در مشاعرہ بہ دستخط بندہ گزشتہ است، نیک بنگرند کہ مطلع اینست:

نہ از نازست کز چشمِ وے آساں برنمی آید
نگاہش با درازی ہاے مژگاں برنمی آید

امّا شعر اینست:

آه ازاں نالہ کہ تاشب اثرے باز نہ داد

بہ ہم آہنگیِ مرغانِ سحر خواں زدۂ

مدعا ایں کہ شعر را غلط دانند، امّا غلط نہ خوانند:

دیگر ہم درآں صحیفہ مندرج بودست کہ "گذاشتن و پذیرفتن بہ زاے "ہوّز" نوشتن غلطی املااست۔" نکتہ شناسا! غلطی املا وقتے می تواں گفت کہ [نویسندہ] دانا ندان نبشد و سہو در تحریر افتد۔ حال آں کہ تحقیق ما برای ما کافی و در نفسِ خویش تمام است۔ اگر بپزیرند، از شادی نہ بالیم و اگرخُردہ گیرنداز اندوہ نہ نالیم۔ طرزِ تحریر را غلطیِ املا گفتن غلط است۔ آرے اگر غلطی تحریر گویند، خصومتے نیست۔ بالجملہ غلطیِ املا آنست کہ مثلاً "ولدالحرام" را کسے بہ ہاے "ہوّز" انشا کندو "ثلث" را بہ ہر دو سینِ سہملہ بنو یسد، یا ہم چنیں "اعتراض" را بہ زاے "ہوّز" نگارد" وضبط "رابہ تائے" قرشت" رقم زندہ و قس علیٰ ہذا۔

حقِ خدا کہ مطلب از تحریرِ ایں عریضہ عرضِ شکایت نیست ، چناں کہ خود در صدرِ نامہ شرح دادہ ایم۔ خامہ فرسائی در ہواے آنست کہ فرار سید گاں وارسند و دربابند گاں دریابند۔ اللہ بس ماسواہوس۔ راقم ننگِ آفرینش اسد اللہ۔ فقط۔

(اگست ۱۸۲۸ء مطابق صفر ۱۲۴۴ھ)

خط - ۸

پشت پناہِ بےکسی ہاے من! دلم بہ حالِ محمد علی خاں و برادرش (۵) نگراںست' امید کہ دریں شرور فرصتے یافتہ باشند، بہ فرستادنِ نویدِ عافیتے جان در تنم دمند واز پیچ و تشویش نجات بخشند۔ فقط۔

(صفر ۱۲۴۴ھ مطابق اگست ۱۸۲۸ء)

خط - ۹

مخدوم و مطاع من! سلامت - امروز کہار براے آب آوردن بہ لعل ڈگی رفتہ۔ چوں صبح دم است، ہر دو آدم دیگر دست بہ کارے زدہ اند، ناچار کودک کہار را بہ دریعۂ عبودیت نامہ بہ آستاں بوس فرستادہ است۔ چہ خوش باشد کہ ملازمے از ملازمانِ در دوست با اوراقِ "جامِ جہاں

نُما" ہمپاے کودك کہار نامی برسد کہ حں رزیڈنٹ (کدا) دہلی اراں اوراق دریافتہ ہم چناں بہ حدمت بار فرسنم، واگر ہم بہ دستِ کودك کہار خواہند فرستاد، آں ہم چنداں موہم بیم و بك نہ خواہد بود۔ زیادہ نیاز ۔ فقط۔

امید کـہ زحمتِ دست و قلم کشیدہ، مژدۂ خشنودی مزاج رقم فرمایند کہ دل شوریدہ بیارامدو جانِ ہواپیشہ بیاساید۔ والسلام خیر ختام۔

اسد اللہ ۔ فقط

(جنوری ۱۸۲۹ء مطابق رجب ۱۲۴۴ھ)

خط ۔ ۱۰

والا قدرا! اوراقِ "جامِ جہاں نما" رسید۔ مدعابہ حالِ صاحب رزیڈنڈ (کذا) دہلی ریسدنی بود' معلوم شد کہ ہنوز در الورست۔ اگر از آں جا بہ جانب جے پور وحودہ پوررفت، (زمانے) دراز باید، تا معاودت نماید، و اگر از آں جا برگردو، ہر آئینہ رود تردرستی کار متصوراست۔ بالجملہ آں اوراق را دیدہ، ہم چناں بہ حاملِ نوازش نامہ سپردہ شد۔ دوشالہ نیز بہ دستِ وے فرستادہ آمد، خواہد رسید۔ زیادہ نیاز۔

چہ تماشاست کہ اجزاے "گلِ رعنا' نہ مرا بہ یاد آمدو نہ حناب فرستادند و اینك نیرعد تحریرِ عریضۂ ہذا بہ خاطر گزشت۔

اسد اللہ

(جنوری ۱۸۲۹ء مطابق رحب ۱۲۴۴ھ)

خط ۔ ۱۱

بہ عینِ عنایتِ مخدومی و مطاعی و ملاذی جناب مرزا احمد بیگ صاحب دام لطفہ، مقروں باد! بہ عزّ عرض می رساند، امرور بہ وقتے (ے) کہ می بابست، نخست بہ دفتر خانہ رسیدہ و از آں جا بہ بارگاہ رفتہ شرف ملازمت جناب لارڈ (کذا) صاحب بہم رسانیدہ شد۔ امرور نیرچوں روزِ گرشتہ بہ پس حاطر جناب مرزا افصل بیگ صاحب و حضرت مولوی سراح الدین احمد صاحب ہم دریں حالتفاق میت افتادہ است۔ ان شاء اللہ تعالی فردا نانیمۂ رور (بہ) کلمۂ ازان خویش رسیدہ خواہد شد۔

دو شالہ برائے محفل، کہ رقعہ اش رسیدہ است، داشتہ شد و دستار، چوں حاجت بداں نبود، بہ خدمت فرستادہ آمد۔ زیادہ جز تسلیم چہ برگزارد۔

محمد اسد اللہ

(مرقومہ دو شنبہ، ۱۲ شعبان ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۸۲۹ء)

خط۔ ۱۲

مخدوم عطا عادام مجدہ! حالِ تقرّرِ بزم طرب ہنوز حالی نہ گشت، امید کہ از کیفیتِ زمان و مکان آگاہ باشند۔ دیروز کتابتِ مخدومی نواب علی اکبر خان کہ دلم صیدِ نوازش ہائے اوست، از ہوگلی رسیدہ است۔ بیمار اندومرا برائے عیادت طلبیدہ اند۔ می خواہم کہ روم و ہفتہ در آں جا باشم۔ ہمانا کہ از برائے آں می پرسم کہ اگر چہار شنبۂ حال کہ پس از پنج روزمی آید، روزِ انعقادِ انجمن قرار یافتہ باشد، دررفتن درنگ کنم و بعد از چہار شنبہ روم و احیاناً اگر محفل آرائی درماہِ رمضان قرار یافتہ باشد، زود بروم و تاہنگامِ کارباز آیم۔ امید کہ ازیں عالم (انچہ) مکنونِ ضمیر منیر باشد، بہ اظہارِ آں شادمان و آرمیدہ دل سازند۔ زیادہ نیاز۔

اسد اللہ

(نگاشتۂ جمعہ ۲۳ شعبان ۱۲۴۴ھ مطابق ۷ فروری ۱۸۲۹ء)

خط۔ ۱۳

جنابِ فیض ماب حضرت مرزا احمد بیگ خاں صاحب دامِ اشفاقہ! عالی جنابا! مکتوب موسومہ خواجہ فیض الدین حیدر صاحب می رسد۔ امید کہ درنوردِ قائم جناب بہ جہانگیر نگر رواں شود۔ ملتمس آں کہ عزیزے از راہِ دور با(۹) آں کہ توفیر محبتّے بہ میاں نیست، مہربانی نامہ فرستادہ، اگر جواب نخواہد رسید، بربے دماغیٔ راقم گمان خواہد کرد۔ ہمانا کہ من آں می خواہم کہ جناب خاص از برائے ایں مکتوب کتابتے سر انجام دادہ، رواں فرمایند کہ منت برمن خواہد بود۔ زیادہ نیاز۔

اسد اللہ خاں

(نگاشتہ یک شنبہ ۲ رمضان ۱۲۴۴ھ مطابق ۸ مارچ ۱۸۲۹ء)

خط - ۱۴

قبلهٔ من! نوازش نامه جان را به نوید عنایت بنواخت، ورسیدنِ دستار سرفراز ساخت۔ مرقوم بود که امروز به محفل باید رسید۔ خواهم رفت، امّا به شرطِ آن که جناب آخرِ روز انتظارِ ورودِ من کشند، چه ہر گاه ساعتے ازروز باقی خواہد ماند۔ سرقدم خواہم ساخت (۱۰) وبدان محله رسیده نخست سعادتِ پابوسیِ حکیم صاحب خواہم اندوخت و پس از آن به ملازمتِ جنابِ رسیده به معیّتِ ملازمان به انجمن خواہم رسید۔

آن که دربابِ محاوره استشعار فرمودهٔ اند، حال ایسست که "قدم از سر ساختن" و "سررا قدم ساختن" و "سرقدم[ساختن"(۱۱)] افادهٔ معنی متحدمی کند،ودر کلامِ اہلِ زبان بدین ہر سه شیوه به نظرِ راقم رسیده است۔ اما این قدرمی دانم که به مذاقِ اہلِ ہند "قدم از سر ساختن" به سببِ سہولیتِ (کذا) استخراجِ معنیٔ ملائم تر خواہد بود۔ فقط۔

جوابِ فقرهٔ که در وسطِ عنایت نامه مرقوم بود، مجمل اینست که آن جزو واحد را دو بہره نشاید کردو شمارِ آن عنایت رامکرّر نتوان ساخت۔ سعی در آن باید کرد که ہرچه مطلوبست، پیش از عید یك مشت به من برسد۔ دیگر تفصیلِ این را بعدالملاقات تحویلِ سامعه خواہم ساخت ۔ زیاده نیاز۔

اسد الله

(مرقومهٔ چہار شنبه، ۲۶ رمضان ۱۲۴۴ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۲۹ء)

خط - ۱۵

قبلهٔ من! دوشالهٔ سبز که پریشب از ملازمان آورده بودم، اینك به دستِ کہاری رسد، رسیده باد۔ دیگر، نیاز نامه موسومهٔ جناب فیض الدین حیدر صاحب سلمهم الله تعالی مرسل است۔ به توجّه ملازمے از ملازمانِ جنابِ سامی از نظرِ مکتوب الیه گزشته باد۔ دیگر آن که وعده داشتم که ہر گاه به بلاے نزله زکام مبتلا خواہم شد، چاشنی گیر مذاقِ بر شعشاء که بالفعل به "برش" معروف است، خواہم شد۔ اینك آن نزله و آن زکام، امید که به قدر یك توله از آن مرکّب عنایت شود، تادو سه روز به اکل آن مبادرت نمایم(۱۲) زیاده نیاز۔

اسد الله

(محررهٔ ششم صفر، روز آدینه، ۱۲۴۵ھ مطابق ۷۔ اگست ۱۸۲۹ء)

خط - ۱۶

مخدوما، اتفاق چناں افتاد که بنده را دوسه روز دیگر در کلکته باید بود۔ فردا روزِ رحیل نیست، یقین اگر مانعے رو ندہد، به روز پنج شنبه به زورق خواہم نشست۔ چوں دیدم که ہنوز فرصتم باقیست، امروز به خدمت نه رسیدم ورفتن به جا ہاے معلومه موقوف داشتم۔ ان شاء الله العظیم به روزیك شنبه باہم دگر تودیع به میاں خواہد آمد۔ زیاده نیاز۔ امید که از حالِ مرزا غلام حسین اطلاع بخشند۔ دیگر از روانگیِ مکتوبِ ڈھاک نیا گاہنند۔ دیوانِ ظہوری علیه الرحمه اغلب که به خواجه مستقیم صاحب رسیده باشد۔ والسلام والاکرام۔ فقط۔

(مرقومه روزِ شنبه، چہاردہم صفر ۱۲۴۵ھ و پانزدہم اگست ۱۸۲۹ء)

خط - ۱۷

قبلهٔ من! عنایت نامه رسیده و حل حالی گردید۔ بنده رادر طعامِ امروزه دو عذرِ صریح است۔ یك ایں که به شب ندرت به اکلِ غذا نمی کنم ہرگز، دوم امروز روزیك شنبه است، از اکلِ لحم اجتناب دارم و اگرچنیں بنودے' برطرف مائده می نشتم و استخواں ریزه کبابے می خوردم - امید که به ہر صورت معاف دارند، مگر براے بنده قدرے از اولوش (کذا) نگاه دارند۔ فردا به وقتِ صبح به خدمت رسیده و چیزے خورده رخصت خواہم شدو به دریارفته به زورق خواہم نشست وروانه خواہم شد۔ امروز حاضر شدنِ من به ہیچ نوع ممکن نیست، زیاده بندگی۔ مولانا سراج الدین احمد صاحب سلام می رسانند۔ فقط۔

(نگاشته یك شنبه ۱۵ صفر ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۲۹ء)

خط - ۱۸

مخدومی مکرمی جناب مرزا صاحب ، مکرم مناقب زاد عنایته' سخنِ لطیف به خاطر رسیده است، خواستم که به خدمت رسیده به معیتِ جناب به دولت خانهٔ راؤ صاحب والامناقب، راؤ شیوراؤ صاحب حاضر شوم لیکن تامل عناں گیر شوق گردید که خلوتے، چناں که باید ، دریں ہر دو حامیسر نه خواہد آمد، لہٰذا معروض می دارد که رقعه ہٰذا را به خدمتِ راؤ

صاحب رسانیده و جناب شان را از استدعاے من آگاہا نیده، خواه آخرِروز، خواه اول شب، جناب سامی وراؤ صاحب به کُلبۂ احزانِ راقم قدم رنجه فرمایند۔ دریں باب تغافل به سیان نیاید۔ زیاده جزنیازچه گزارد۔

عاصی اسد اللہ

(دورانِ قیام کلکته)

خط۔ ۱۹

عالی جناہا۔ دام لطفه' کہار به ذریعۂ عبودیت نامه به خدمت می رسد۔ امید که به رحم علی بفرمایند که دستار از دستار بند به کہار ووجہِ دست مُرداز کہار به دستار بند بدہند۔ زیاده نیاز است نیاز۔

اسد اللہ

(دورانِ قیام کلکته)

خط۔ ۲۰

مخدومِ من، سلامت! ہفته ہاست که چشم از دیدن و گوش از شنیدن محروم است۔ پوشیده نما ند که جناب مولانا سراج الدین احمد مد ظلّه' العالی چنگ به دامنِ استبداد در زده، سرا با خویش درہنگامۂ برحو تالاب برده بودند۔ گمان ہا داشتم که جنابِ مخدومی نیز به تقریبِ سیرو تماشا آمده باشند۔ ہر چند من و مولاں دریں آرزو پردۂ انبوہِ خلق ار ہم شگافتیم، ار گردِ راہِ ملازماں اثرے نیافتیم۔ بالجمله لختے از واماندگی ہائے خویش در عتا بم که چرابه خدمت نرسیدم و ہم چناں پارۂ از تغافل و استغناے جناب' درصد ہزار گو نه پیچ و تابم که دریں ده دوازده روز خبرم نه گرفتند که فلانے راچه پیش آمدو کجا رفت۔ به ہر رنگ سلامت باشند ودیر بمانند۔ فقط۔

فقط اسد اللہ

(دورانِ قیامِ کلکته)

خط۔ ۲۱

قبله' من! سپاسِ ایں ہمه مہربانی که پس از عمرے به یادم آورده اید، جزبه سیری کردن

عمرے نتواں کرد دانم کہ از عمر اند کے ماندہ است ، ہر آئینہ آں سپاس را (کہ) از گزاردنِ آن قطعِ نظر نتواں کردہ۔ از کام و زباں بدرمی کشم و بہ مغزول و جان می افگنم تا [نا] گزار دہ نمانند و بے یاریِ کام و زبان ادا کردہ شود۔ بے کساں را یادمی آورید و رُوسیہاں را بہ نامہ شادمی کنید۔ یا رب! دیر بما نند۔ ازدرون و بیرون ، یعنی ہم بہ دل و[ہم بہ] زبان بہ فرزندانِ ارحمندان (کذا) دعا رسیدہ باد۔ فقط۔

(ہشتم شوال وروزِ آدینہ ، ۱۲۴۵ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۸۳۰ء کے بعد)

خط۔ ۲۲

تنت بہ نازِ طبیبان نیازمند مباد
وجودِ نازکت آزردۂ گزند مباد

قبلہ و کعبہ! روزے چند ازیں پیش قدسی صحیفہ بہ توسط حکیم صادق علی خاں بہ من رسیدہ است۔ ہنوز پاسخ نگزاردہ بودم کہ امروز چہارم ستمبر و ندانم چندم ربیع الاوّل است ، نامہ از نردِ قبلۂ نیکواں ، مولوی سراج الدین احمد رسید [و] انکشافِ حالِ ناسازی مزاج سارک اندوہ ناکم ساخت۔ چوں ہم در آں دل کش رقیمہ طرازِ [حرف] و رقم داشت کہ حالیا بہ حسنِ تدبیر قبۂ صورت و معنی حضرت حکیم احد علی پارۂ افاقتے و امیدِ فراغتے دست بہم دادہ است۔ واللہ کہ ہم بہ قدرِ آں افاقت مراہم از ہجوم الم فرصتے بودہ است۔ برائے خدااز من رار نظر قطع نخواہید کردورود نویدِ صحت حواہید فرستاد کہ زیں سپس در انتظار ورودِ نامہ روز خواہم شمرد۔

درنامۂ کہ حکیم صادق علی خاں بہ من رسانیدہ اند، انقطاعِ علاقۂ ہو گلی و عزمِ انقطاعِ علاقۂ جہانگیر نگر و ملال ار کلکتہ و احرامِ دارالحلافت دہلی مرقوم بود۔ ہر چند ورودِ ملازماں بہ دہلی سرسایۂ جہاں جہاں طرب ست ،امّا ملول بودن ار کلکتہ چہ غضب است؟ واللہ دہلی شایستگیِ آں ندارد کہ آرادۂ در وے خاک نشیں تواند بود۔ حاص و عامِ ایں بقعہ بے سبب آزار و مردودِ ایں تیرہ بوم مردہ خوار۔ بہ خاطر دارم کہ چوں ایں داوری بہ پایاں رسد، بہ بہانہ ازیں شہر بر آیم و کلکتہ را دریابم۔ بہ عریر از جاناں دعاے طولِ عمرو افزونیِ دولت مقروں ںد فقط۔

(نگاشتۂ ۴ ستمبر ۱۸۳۰ء مطابق ۱۵ ربیع الاوّل ۱۲۴۶ھ)

خط ۔ ۲۳

قبلۂ من! فرمانِ شما برجان و دلم روان است۔ به ہرچه گوئید ، به سر شتابم و به فرق پویم، اما شما از شیوہ ہاے مردمِ دہلی آگاہ نیستید۔ چندان که جہد درادراکِ حالات می کنم، مردم از من می ترسند واز شما بدگمان می شوند [ومی پندارند که] مرزا احمد بیگ خان اسد اللّٰه را از جانبِ خود برآن گماشته اند که رفته رفته در مجموعِ امور دخل و تصرف کند۔ خداے را خود را بدنام و مرزا رسوا مکنید۔ مردِ خرد مند را باید که اگر فی نفس الامر درپے امرے باشد، خود را چنان فارغ ولاابالی وانماید که کس از رازش آگه نگردد، نه که مثلِ شما صاف دل و فارغ بال گردد که باوصف بے طمعی و آزادی خود را در نظرِ مردم "آخذو طمّاع" قرار دہد۔ مدّعا اینست که مرزین گروه، یعنی حکما گمانِ مصادقت مکنیدو جمله [را] از خودمتوحش و از مخلصانِ خود بیم ناک انگرید۔ اگر عزمِ رسیدن این دیار دارید، خموش باشید ہرگاه که خواہید آمد، به چشمِ خود خواہید دید۔

از حالِ مخدومی نواب مہدی علی خان خبرم نیست ۔ من ازین سراسیمگی که ازیمین، یسار در شکنجۂ بیم وخطرم کشیده اند، مجالِ نامه نگاری نیافته ام ۔ نواب صاحب را کجا دماغِ یاد آوردنِ خاکساران است۔

اسد اللہ، فقط

(ربیع الثانی ۱۲۴۶ھ مطابق ستمبر، اکتوبر ۱۸۳۰ء)

خط ۔ ۲۴

دل به درد آمدگان را از ناله وفریادمنع نتوان کردو ستم زدگان را از سینه کوبی باز نتوان داشت۔ مرا که دل از بے مہری شما به درد آمده است، از ناله و فریاد چاره نیست۔ وچون به دردِ تغافل جان داده، درماتم، وف نشسته ام، سینه خواہم کوفت ، اگرچه سنگِ خاره نیست۔ منم که چون دو ہفته گرشتے و کتابتے از جانبِ شما و مولوی سراج الدین احمد نرسیدے، جگر را به دندان گرفتمے واز خود رفتمے۔ ہمان شمائید و ہمان مولوی سراج الدین احمد وہمان این دردمندِ اندوه گین۔ شش ماه است که برحاشیه مکتوبِ دیگران ہم به سلام یاد نه کرده اید، تابه نامه و پیام چه رسد۔ نارسیدن نامه از جانب من نه از آنست که در ترکِ وداد پیرو شما بوده باشم، و نه از

آں روست که من آں قدر در غم و اندوه فرورفته باشم که یارائے نفس کشیدن و حرف زدن نداشته باشم۔ سپاس گزارِ خدائے داد گرم که بااین تنِ لاغر دلم را فربہی و تنومندی بخشیده است که اگر فی المثل دو عالم برہم خورد، از حالِ خویش بر نگردم، وبا این ہمه در وفداری آں مایه ثابت قدمم که [اگر] سر برود، پایم از خطِ جادۂ مؤدت نه لغزد۔ برے خدارا نگوئید که شمارا چه دردل گزشت و مولوی سراج الدین راچه پیش آمد؟ مگر دانسته بودند که رجوعِ اسد اللّٰہ باس معلول آنست که [من] از اعیانِ دفترِ کونسلم، یعنی از روزے که زینت بخشِ پیشگاہ صدر عدالت شده اند، گاہے نه شده که مرا بیاد آرند۔ فقط۔

(جمعه، ۲۵ صفر ۱۲۴۷ھ مطابق ۵۔ اگست ۱۸۳۱ء)

خط ۔ ۲۵

۱

متفرقاتِ غالب

دل به درد آمدگن را از ناله و فریاد منع نه تواں کرد و ماتمزدگان را از سینه کوبی باز نتواں داشت۔ مرا که دل از بے مہری شما بدرد آمده است، از ناله و فریاد چاره نیست، وچوں بدردِ تغافل جان داده، در ماتم وفا نشسته ام، سینه خواہم کوفت، اگرچه سنگ خاره نیست۔ منم که چوں دو ہفته گزشتی و کتابتی از جانب شما و مولوی سراج الدین احمد نه رسیدے، جگر نه دندان گرفتمی و از خود رفتمی ۔ ہماں شمائید و ہماں مولوی سراج الدین وہماں این دردمندِ اند وہ گیں۔ ششماه است بر حاشیۂ مکتوبِ دگراں بسلامے یاد نه کرده اید، تا به نامه و پیام چه رسد۔ نا رسیدنِ نامه از جانب من نه از آں **وست(۱) که در ترك و داد پیر و شما بوده باشم، ونه از** آں روست که من آں قدر در غم و اندوه فرورفته باشم که یارائے نفس کشیدن و حرف زدن نه داشته باشم ۔ سپاس گزار خدائے دادگرم که نه این تن لاغردلم را فربہی و تنومندی بخشیده است که اگر فی، المثل دو عالم برہم خورَد، از حالِ خویش برنگردم، و نه این ہمه در وفاداری آں مایه ثابت قدمم که اگر سر برود، پایم از خطِ جادۂ مودّت نه لغزد۔ برے خدا را به گوئید که شما را چه دردل گزشت و مولوی سراج الدین را چه پیش آمد۔ مگر دانسته بودند که رجوع اسداللّٰہ با

۱ – " نه ازاں روست " درست معلوم ہوتا ہے ۔ اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

من معلول آنست که من از اعیان دفتر کونسلم ' یعنی از روزیکه رینت بخش پیشگاه صدر عدالت شده اند ' گاہے نه شده است که مرا بیاد آرند یا بنامهٔ بنوازند۔ عجب تر از ہرچه ہست آن که شما را چه بر آن داشت که از پرسش من رو بگردانید۔ خوب است که فلاں بیگ زنده نیست ' ورنه خونہا خوردمی ' ہم خود از شما رنجیدمی و ہم شما را از خود آزردمی۔ امّا ایں معنی تنہا برائے شما بودے و جناب مولانا سراج الدین احمد را دریں داورے بر کناره داشتمی ۔ قطع نظر از مراتب شکر و شکایت انصاف شرط است که ہر گه ماه ہا بگررد و از اخبار(۲) اخبارِ شمع نور چشمان بے خبر باشم ' چه گونه نرنجم و چساں گله مند نباشم ۔ امروز تازه حالے به مشاہدۂ اوراقِ جامِ جہاں‌نما روے داده که صبر بر آن بے آبروے نتوانستم کرد۔ غالب که شما ہم در آن اوراق نگرسته باشید۔ والله بالله ثم تالله ' آن چه از حال من مسکین در آن ورق مندرج است ' ہمه کِذب و بہتان و گزاف است۔ خواجه رحمت نام ولدالزنائے از سادھوبچه گانِ بریلی که مرد ساحرِ فتنه پرداز است ' شمس الدین خان را به افسون و افسانه رامِ خود ساخته و آن چناں در دلش فرورفته است که شمس الدین خان را از حلقۂ فرمائش راه برون شد نمانده است ۔ گویند گاں را به زرو افسون فریفته ہر خبری که می خواہد به اطراف میفرستد۔خلاصه ایں که خطّے موسومۂ جناب رائے سدا سکھ صاحب در نوردِ ایں نامه می رسد و ہم چناں عنوان کشاده است ' امید که نخست آن را خود به خوانند ' آنگه به رائے صاحب به سپارند ۔ ہر چه ہست به خواندن مکتوب موسومه رائے صاحب ورقعۂ که لفیف اوست ' سمت وضوح خواہد یافت ۔

حضرت اکبر شاه از روز رحلت فلاں بیگ به انواع عوارض مبتلا بود۔ پرے روز که چہار شنبۂ آخری صفر بود ' غسل صحت کرده اند ۔ اما ناتوانند و دماغِ شنیدن ملتمسات نه دارند ۔ مطلبے که مکنون ضمیر حضرت مخدومی است ' به اعتقاد بنده ممکن الوقوع نیست ۔ چه کلید عقل سوہن لال است ' و او یکے را از برادران خود می خواہد که به سفارت قرار دہد ' و مدعاے خودش نیز به حصول نمی رسد ' تا به گفتگوے غیر چه رسد۔ امید که بخدمت مولوی سراج الدین احمد صاحب آداب تسلیم رسانند۔ و اگر ممکن باشد و دشوار نبود ' دو سه سطر بدستخط خود شان بر کاغذے نویسانیده در نامۂ خود فروپیچیده رواں کنند۔ہی ہی ' چه می گویم ! خود از کجا دانستم که جناب مرزا صاحب بمن نامۂ خواہند نوشت که در آن نامه مکتوب حضرت مولوی صاحب در نوردیده شود۔

۲– متن میں ایک اخبار زائد معلوم ہوتا ہے۔

خط ـ ۲۶

۲

قبلۂ من '

شکوه پایان نه داشت و گله کران پزیر نبود- رفتم و به روز گار در ساختم - تازه این که فرمسندۂ دہلی مرا طلب کرد و بزبان گہر فشان فرمود که فرسندہان صدر قرار داده اند که متعلقان نصر الله بیگ خاں ہمیں یابند وہم چنیں یابنددر مستقبل که در ماضی یافته اند- ہر چند وقوع این امرِ مکروه مستوجب ہزار گونه اندوه و ملال است ' اما بخدا که دلِ آزادۂ من به ہیچ سومایل نیست ' واز عدمِ حصول مقصود نه رنجیده ام لیکن غم اینم می کشد که این چنیں اتفاق در کونسل کم افتاده باشد که تجویز سابق را بدیں گونه برہم زنند - آرے فرمانده دہلی در آغاز بر من مہربان بود و آخر آخر سعادت (۱) اعدا کار گر افتاد و جانب دشمن گرفت و با من سر گرداں شد-سند گررانیدۂ عدو را برا حالی(۲) صدر به صحت و متانت جلوه داد و جوابے که من داده بودم و دو ورقه چوں نامۂ اعمال ستم گراں سیاه به محکمه رسانیده بودم ' شامل رپوٹ نه فرستاد و مقدمۂ من از یك جانب به کونسل تجویز شد-رنجم ضایع گردید و کرم تباه- منّت خدایے را که نامرادی و ناکامی بر من آسان است اما برخے از خنده عوام و ملامت خواص آزار میکشم و آنہم می گزرد-

ـ در طور گر امروز ز موسٰے اثرے نیست
فرد است که از طور ہم آثار نماند

امید که پارۂ از رنج بر خود گوارا کنند و بر من شفقتے چند فرمایند- نخست این که مکتوب موسومۂ راے سدا سکھ صاحب را سراسر به تامل بنگرند و به مکتوب الیه رسانند و سعی فرمایند که قطعه به قالب طبع در آید و شہرت گیرد و به زبانہا افتد- دیگر نامۂ نامزدِ جناب سفارت پناہی نیز سراپا نگرسته به نظر شاں بگزرانند و در طلب پاسخ چنداں ابرام نفرمایند- اگر بدست آید' در نوردِ عنایت نامه بفرستند- دیگر از آں مخدوم توقع آں دارم که لختے از حال

۱- سیاق و سباق سے - یہاں " سعایت" درست معلوم ہوتا ہے - اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے-

۲- " براہائی صدر" درست معلوم ہوتا ہے - اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے-

کونسل رقم کنند۔ گویند کہ ولیم بیلی صاحب بولایت وشکف صاحب بہ بمبئ میروند و براے دہلی حاکمے دیگر قرار یافتہ است۔ ازیں عالم ہرچہ پدید آید' بہ فقیر برنگارند و براے خدا در نگارش جواب نامہ مساہلت نفرمایند۔ نیمۂ محصول ڈاک بسرکاران این دیار دادہ و نیمۂ بر آنجا حوالہ کردہ شد۔ روزِ روانگیِ ایں نامہ سہ شنبہ و دوازدہم شوال۔

خط ۔ ۲۷

۳

کعبۂ من'

فرمان شما بر جان و دلم روانست ۔ بہرچہ گوئید' بسر شتابم و بہ فرق پویم۔ امّا از شیوہ ہاے مردم دہلی آگہ نیستید۔چنداں کہ جہد در ادراک حالات می کنم' مردم از من میرمند' بلکہ از شما بدگمان می شوند و می پندارند کہ مرزا احمد بیگ خاں اسد اللّٰہ را از جانب خود برآں گماشتہ اند کہ رفتہ رفتہ در مجموع امور دخل و تصرف کند۔ خدا را خود را بدنام و سرارسوا مکنید۔ خردمند را باید کہ اگر فی نفس الامر در پئے امرے باشد' خود را چناں فارغ ولا ابالی وانماید کہ کس از رازش آگاہ نہ گردد' نہ کہ مثلِ شماصاف دل و فارغ بال گردد۔ و با وصف بے طمعی و آزادی خود را در نظرِ مردم اخاّذ و طمّاع قرار دہد ۔ مدعا ایں کہ بریں گروہ گمانِ مصادقت نکنید و جملہ را از خود متوحّش و از مخلصان خود بیمناک انگارید۔ اگر شما را عزمِ رسیدن ایں دیار است' خوش باشید ہرگاہ کہ خواہید آمد' براے العین خواہید دید۔

خط ۔ ۲۸

۴

تنت بنازِ طبیباں نیازمند مباد
وجودِ نازکت آزردۂ گزند مباد

قبلہ و کعبہ'

روزے چندازیں پیش قدسی صحیفہ بتوسط حکیم صادق علی خاں صاحب بمن

رسید۔ہنوز پاسخ نہ گزاردہ بودم کہ امروز چہارم ستمبر و ندانم چندم ربیع الاوّل است ' نامۂ از نزد قبلۂ صورت و معنی مولانا سراج الدین احمد صاحب رسید و بہ انکشافِ حال ناسازی مزاجِ مبارك اندوہ ناکم ساخت ۔چون ہمدر آن دل کش رقیمہ طرازِ حرف و رقم داشت کہ حالیا بہ حسن تدبیر قبلۂ نیکواں حضرت سید احمد علی خان پارۂ افاقتی و امید فراغتی دست بہم داد' واللہ کہ ہم بقدرِ آں افاقت مراہم از ہجوم الم فرصتی بودہ است ۔ براے خدا ار منِ زار نظر قطع نہ خواہید کرد و زود نویدِ صحت خواہید فرستاد کہ زیں سپس در انتظارِ و رودِ نامہ روز خواہم شمرد۔ در نامۂ کہ حکیم صادق علی خاں بمن رسانیدہ اند' انقطاعِ علاقۂ ہوگلی و عزم انفکاكِ سررشتۂ جہانگیر نگر و ملال از کلکتہ و احرام دارالخلافت دہلی مرقوم بود۔ہر چند ورود ملازمان بہ دہلی سرمایۂ جہان جہاں طرب است ' اما ملول بودن از کلکتہ چہ غضب است واللہ کہ دہلی شایشتگیٔ آں ندارد کہ آزادۂ در وے خاك نشین تواند بود۔ خاص و عام ایں بقعہ بے سبب آزار و مرد و زن ایں تیرہ بوم مردم خوار۔ بخاطر دارم کہ چوں ایں داورے بپایاں رسد 'بہ بہانہ ازیں شہر برآیم و کلکتہ را دریابم ۔ حالے کہ دارم از روے عرضۂ موسومۂ جناب مولوی سراح الدین احمد صاحب سمت انکشاف تواند یافت ۔

بخدمت مخدومۂ معظمہ کورنش و بہ عزیز ازجانان دعائے طولِ عمر و افزونیٔ دولت ۔

خط ۔ ۲۹

۵

قبلۂ حاجات و کعبۂ متمنیات ' مدظلہ العالیٰ !

جانی کہ از دشمن دریغ نتوان داشت 'اگر بپاے دوست افشاندہ شود ' پیداست کہ چہ مایہ حقِّ محبت گزاردہ آید۔ بارے بہررنگ بر سر سحر میتواں آمد وسپاسے کہ بہ اندازۂ جان و دل است ' از کام و زبان فرو ریخت۔ فیض ورود قدسی صحیفہ در نظر خویشم گرامی ساخت۔دانستم کہ اگرچہ ناکسم آفریدہ اند' امّا بیکس نگراشتہ و برگزیدگان ازل را بہ غم

خواریٔ مس گماشته۔ہر چند خاطرم جمع بود که ہر گاہ مرشد زادۂ والاتبار مرتضوی نہاد' نقشِ سجدۂ آستانِ قبلۂ و کعبه کونین' حضرت مولوی کرم حسین ' از جبینم خواہد نگریست ' سرم از خاك خواہد برداشت و مرا ضائع نه خواہد گزاشت۔ اما انصاف بالاے طاعت ' اگر به استدعا ایں سپارش زحمت اوقات صفات نه دادمی و فی المثل صد عبودیت نامه پے ہم فرستادمی ' نه پاسخ یکے ازاں چشمم روشن نه گشتی و خیالم یك رہ بخاطر عاطرنه گزشتی - حال تقرر پنشن پیش ازیں حالیٔ ضمیر عقیدت تخمیر شده است۔ حیرت ایں معنی گریباں گیر دل و داماں کش خاطر فاتر است که ایدون قبلۂ و کعبۂ مرا در کلکته اقامت از چه راه راست(۱) ' مانع نوازش اہل وطن کیست ' ووجه التزامِ دوام اقامت در آں دیار چیست بارے امید از یگانه ایزدِ جہاں آفریں آنست که ہر جاباشند خلقے را راه نما وجہانی را پیشوا باشند۔

بر زمینے که نشانِ کف پاے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

بعد از ورود سہین داوردریں معموره آں چه روے خواہد داد بطریق عرض حال بوالا خدمت مخدوم بے کس نواز گزارده خواہد شد۔

---

۱ – " از چه راه است " درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

خط ۔ ۳۰

۲

قبلۂ من '

سپاسِ ایں ہمہ مہربانی که پس ار عمرے بیادم آورده اید' جز به سپری کردن عمرے نتواں گزارد و دانم که از عمرم اند کی مانده است ہر آئنه آں سپاس را که از گزاردن آں قطع نظر نتواں کرد' از کام و زباں بدر می کشم و به مغزِدل و جاں می افگنم تا ناگزارده نماند و بے یارئے کام وربان ادا کرده شود۔ بے کساں را یاد می آورید و روسیاہاں را بنامه شاد می کنید۔ یارب ' بسیار به سانید! دریں نامه که حالیا در بندِ نوشتنِ جواب اویم ' سرقوم بود که فلانی می فرماید که به خاص از برائے اسد اللّٰہ ملك از بہر فرزند خواجه حاجی خاں مرحوم سعی در برآمدنِ کار خواہم کرد۔ مرا خنده در گرفت و حیرت از خودم برد که قطعِ نظر ار استحقاق و عدم استحقاق او ' خواجه حاجی را خواجه حاجی خاں مرحوم به کدام تمسك و کدام علاقه تواں گفت۔ احمد بخش خاں با آں که برائے خواجه حاجی پدرے کرد و اورا از ناکسے رسانید' پیوسته خواجه حاجی به نشست و خواجه حاجی گفت۔ اینك مخاطب به خطاب خانی کردن ما ' ناد مشانه ایں نقل است که سنیٔ متعصّب در انجمن جا داشت ۔ ناگاه یکے از آں مجمع نامِ مبارك مرتضوی گرفت و گفت : " علیه السلام "۔آں متعصّب به شورید' امادم نزد و سرِ کلاوۂ سخن را بجائے رسانید که دکر ابن ملجم بمیان آمد۔ چوں ناسش برد' گفت : " رضی اللّٰہ عنه" ۔ اہل بزم منعش کردند که قاتلِ علی ابں ابی طالب را رضی اللّٰہ عنه مگو۔ آں متعصب روے درہم کشید و گفت : " ویحك! ہر گاه علی را که قاتل عثمان است ' علیه السلام گویند' اگر من نیز ابن ملجم را که کشندۂ مرتضی است ' رضی اللّٰہ عنه گفته باشم ماخوذ نخواہم بود" تّم کلامه ۔ آمدم به مدعا طرازی۔ نامۂ موسومۂ مرزا عباس خاں رسانیده شد۔ از جانب اندرون به اندرون بندگی و از دردن و برون یعنی ہم بدل و ہم به زباں بفرزنداں ارجمند دعاہا رسیده باد!

بنام خواجه فیض الدین حیدر شائق جہانگیر نگری

خط۔ ۱

باہمہ خرسندی از وے شکوہا دارم ہمی
تا نداند صیدِ پرسش ہائے پنہانی مرا

سہرِ مجسم و لطفِ مصور، سلامت! ہماناکہ بہ اشراقِ ضمیر فرار سیدہ اند کہ فلانے راشکوۂ استغنا دفتر دفتر است و اندوہِ بے مہری داستان داستان، ازیں جاست کہ نامہ فرستادہ اند و نویدِ حوش دلی دادہ۔ مانیزلب ار شکوہ فروبستہ ایم و ربان بہ ستائشِ سہربانی گشادہ۔ خرسندیٔ خاکسار ان کوے محبت وابستہ بہ سعی نیم نگاہیست و شادمانیٔ وارستگانِ عالمِ الفت بہ بند پرسشِ گاہ گاہے۔ مکرمی حناب مولوی سراح الدین احمد صاحب بہ ہم زبانیٔ مشفقی آغا محمد حسین فضلے دراستعذارِ عدم تودیع از جانب جناب تحوین سامعہ فرمودہ اند۔ حقّ حدا کہ در نوردہر گونہ گرارشِ دل راندان ترانہ ہم آواز یافتہ ام، چہ نیك دانستہ ام کہ تغافلے بہ عمدرُو ننمودہ وصداع مانعِ وداع بود، سل کہ دریں داوری سعارض باخویشتنم کہ چرا فرصت ار کف دادم و وقتِ وداع درنیافتم۔ کاش، دوستے در جہانگیر نگر داشتمے تاوکیلِ بے زبانی ہاے من گردیدے و ا زجانبِ من بساطِ پوزش گستردے۔ چہ خوش باشد کہ رحم بربے کسی ہاے من فرمایندو ہم حود از جانبِ من معذرت حواہِ حویشتن باشند۔ والسلام و الاکرام۔ فقط محمد اسد اللّٰہ ۲ از رمضان۔

(۲ رمضان ۱۲۴۴ھ مطابق ۸ مارچ ۱۸۲۹ء)

خط۔ ۲

خاکسارنوازا! گوہریں نامۂ پیرایۂ ورود یافت و سلامتِ حال سامی بیایش گروسپاس گرارِ ایردی ساحت۔ نالۂ سپندو بے قراریٔ سپند از اجلّہ بدیہات ست و انکر در بدیہات گنجائی ندارد۔ ہر کرابے قراریٔ سپند باور نیست، گوبیا ومشتے سپند بہ روے آتش ریزت بنگری چہ گونہ سی جہد۔ آرے، بے قراریٔ سپند مثل بے قراریٔ سیماب بالذات نیست و معلول اثرِ حرارت نار

است۔ ہرگاہ قائل در مصرعہ نخستیں شعارے جانبِ نار کردہ باشد چناں کہ گوید.

تـــا دیـــدم رُوے آتشیـــنــــش

بے تامل مصرع ثانی درست و جائز ورواخواہد بود:

مـــانـــنـدِ سپـنـد بیـقـــرام

امّا، آں دو مصرع دیگر راباز گویم:

مـــانـنـدِ سپـنـد بـر شـرارم

سپـنـد بـراحـگـر صورتے پردار دو برشرار حالی از تکلف نیست واگر "پُرشرار" گوید، خلافِ واقع خـواہد بود، زیرا کہ سپند بہ مجرد احساسِ اثر حرارتے از اخگر برسی جہد و حوراسی برد۔ آں مایۂ تمکیں ار کجا آرد کہ طرفِ شرار گردو۔ اما:

مثـلِ سیـمـــاب بـے قـــرارم

مـصرع در نفسِ حویش بے عیب است، لیکن یہ مصرعِ اوّل ربط نہ دارد، زیرا کہ سیماب بے وجودِ آتش نیز بے تاب است، وایں مصرع:

تـــا دیـــدم رُوے آتشیـــنــــش

درمـقـابـل چیزے می حواہد کہ اورابہ محردّ قرب نار حالتے رُوے دہد کہ پیش ار قربِ نار نـداشتہ ـباشد۔ ہر آئینہ دریں صورت مشبہ بہ حزسپند و پروانہ وباروت و خارو حس و امثال و نظائرِ اینہا تحویر نتواں کردو اگر گویند کہ سیماب نیردر قربِ نار حالتے تازہ بہم رساند، گویم مسلم ، امّا وحہِ تشبیہ بے قراری ست، و آں در سیماب دائمی ست بایّ حال۔ اگر مصرع اولی ایں ست:

دیـــدم تـــا رُوے آتشیـــنــــش

مصرعۂ ثانی بہ قیدِ قافیۂ "بے قرار" گرم ازیں نخواہد بود:

مـــانـــنـدِ سپـنـد بـے قـرارم

فقط۔

مطلعِ غزل جناب:

مسیـح زمـــانســـت و جـــانِ منســت ایں

ہـمـــا نـــا کـــہ روح وروانِ مـنـســت ایں

بسیارِ نـغـز و بے عیب ، امّا اگر بجاے "زماں" لفظِ "جہاں" آرند لطیف نراز اوّل ست ، چہ

لفظِ "جہاں" بالفظِ "جاں" ملائم و مناسب تراز لفظ "زماں" است، فتامل۔

ہمیں خوں بہا بس بود بعدِ قتلم
چو گوئی کہ از کشتگانِ منست ایں

ایں بیت بسیار با مزہ مربوط، امّا "چو گوئی" لفظِ سامعہ آزارست و معنی دور از کارمی دہد۔ چرا بے تکلف نہ می فرمایند:

بفرما کہ از کشتگانِ منست ایں

نہ پرسید گاہے زحالِ درونم
وفائے بتِ بدگمانِ منست ایں

اگر از عالمِ الفاظ قدم فکر فرا تر نہادہ پارۂ بحالِ معنی نگر بستند، ایں بیت در رتبہ پہلو بہ ابیات نازک خیالانِ گزشتہ می زدو ما آں را بہ عبارتے صاف عرض می کنیم۔

مشفقا! حاصل معنی جزایں نیست کہ یار بے وفا ست و گاہے حالِ مرا نہ می پرسد، پس لفظ "بدگمان" کہ صفتِ "بت" واقع شدہ، از عالمِ حشو قبیح خواہد بود، زیرا کہ ہرگز دخل در معنیٰ ندارد۔ چرانہ می گویند:

ادائے بتِ بدگمانِ منست ایں

حاصل معنی ایں کہ بت بس بدگماں نست و می داند کہ من عاشقِ صادق نیستم و خودرا بہ مکرو تکلف رنجورواسی نمایم، لہٰذا حالِ درونم نہ می پرسدوایں ناپرسیدن ادائے بدگمانی اوست۔ حقّ خدا کہ ایں بیت در تہ داری و استواری عالمے دارد کہ صاحبِ طبع سلیم آں رادانند۔ چہار شعرِ دیگر معِ مقطع ،اگر راست گویم ، ہرگزنگاہ نتواں داشت و ستم بر کاغذ نتواں کرد۔ بہ اریں جو یندودیگرفرمایند:

ہرچہ ازاں نام و نشانش دہند
چوں نہ پسندد، بہ ازانش دہند

والسلام والاکرام۔ راقم اسد اللّٰہ

محررہ ششم صفر، روزِ آدینہ ، بعد ورودو الانامہ بہ دو ساعت۔ فقط۔

(جمعہ ۶ صفر ۱۲۴۵ھ مطابق ۷/ اگست ۱۸۲۹ء)

بنام خواجه فخرالله صاحب

خط ۔ ۱

یا اسد الله الغالب۔ به والا خدمتِ رفعات درجت، خواجه صاحب جمیل المناقب، عظیم الشان، مخدوم و مطاعِ نبار سدان، جناب خواجه فخرالله صاحب زاد مجده و علاوه مصور و مقبول باد۔

قبلهٔ حاجات! در آغازِ نامه دوست رانه گران مایگی ستودن یاد خوان و افسانه گوے بودن است۔ این زمزمه به سخن سازان مبارک و در موردِ نگارش سرگزشت حرف شوق نبشتن نقاب به رُوے شاہد راز فرو ہشتن است، این شیوه به پرده سرایان ارزانی - گزین رو شے که نامه نگاری را شاید، است که نشتن از گفتن آں مایه دور تر نرود که سرایں ہر دو رشته باہم و گرنتوان یافت و نقشِ یکے در آئینه دیگرے نتوان یافت۔ بالجمله به جرم ایں که دیده را آئینه دار جلوهٔ شاہد مدعا خواستمے چه روز ہاے سیه که ندید ستم و (نه) بدافراه ایں که پنجه را شانهٔ زلف بلاے مراد نقش بستمے - چه بلاہا که از دہر نکشید ستم۔ از بیدادِ سطوت عدونلان وسینه بردم تیغ سلان به کنکه رقص و عمرے دراز دراں سبو کدهٔ فراخ در کشا کش بیم و امید دل تنگ زیستن و انگه چوں دعے نامستجاب سر گردیدن و چوں بلاے ناخوانده ووبے ناگہاں به وطن رسیدن و آمیزش حکام ستم پیشه بادشمن و گم گشتن سر رشته کار از دست و رسیدنِ آبگینه تدبیر بر سنگ و مرور فرس سبازیزه [ہا] درپاے و مُردن سستر اندرو استر سنگ به مرگ ناگہاں در آغاز داوری ورفتن مولوی محمد محسن از سینه درہنگام پایان سخن و عارض گشتنِ ایں چنیں اعراض روبه بر جوہر صحت جان و آب گشتن کرہا در کشا کش امواجِ طوفان - ایں گونه حوادث اگر خواہمے که براستقصا بر گزارمے و سراسر عرصه دار مے، به صد صفحه کران نپزیرد، و به ہزار نامه انجام گرائے نگردد۔ مخدومی خواجه محمد حسن صاحب نیر گیٔ روز سیاہِ نامه نگار دیده اندوغربت من در وطن تماشا کرده اند۔ دل از آمیزش بے وفایان فرنگ بہم برآمده روان از اختلاط ایں تری درونان شبدرنگ ازرده۔ جانب بزاں سرم که اگر کسے از جاه مندان ہندوستان به من پرداز دو به ہنجار اندازهٔ نگه داری و قانون پایه شناسی مرا به سوے خود خواند، دل به پنجاب صرهٔ دن آور گرد ربش سندسے ورحت سفر به سایهٔ دیوار قصر والایش کش مے، ورنه قلندرانه از سر ایں نیره خا کدان برخیزمے و گرد جہاں گردمے و سراسر آفاق پیما یمے - دل به طوفِ آتش کدہاے یزدمی کشد و

دیده تماشاے مے خانه ہاے شیرازمی جوید۔ چناں که شوقم دریں پرده بدیں آہنگِ فراواں زمزمه ہادارد۔

غالبؔ از ہندوستاں بگریز، فرصت مفتِ تُست
در نجف مُردن خوش است و در صفاہاں زیستن

سطرے چند به صنعتِ تعطیں از رگِ کلک فرو ترا ویده ، و دل از ہوس پاکی شهید، جلوهٔ ایں آرزو گردیده است که عنوان ایں ورق به لمحهٔ نگاہِ معلّی القاب ، سیدِ عالم و قبلهٔ اہلِ عالمِ خاورستاں گردداگر از کزلك مدِ طولِ زمانِ فراق حرفِ وفاار صفحهٔ خاطر نسترده، وصرصرِ استغنا خاکساری ہاے غالبِ مستہام از یاد نه برده باشد، ہمت دریغ نبا ید داشت۔ والسلام والاکرام۔

ار اسد الله

نگاشتهٔ دہم رمضان ۱۲۴۸ھ

(۱۰ رمضان ۱۲۴۸ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۸۳۳ء)

متفرقاتِ غالب

بنام مرزا ابوالقاسم خان

خط ۔ ۱

معروض رایِ بیضاضیاے آن کہ تفقّد رقم نامہ با ثمرہے خوشگوار رسید۔ ایرد بخشایشگر باین مسافر نوازی سلامت دارد! دی رور آغا صاحب بہ فقیر خانہ تشریف آوردہ بودند۔ حالِ ناسازیٔ مزاج والدۂ خویش می گفتند۔ آخر رور من ہم بہ امام بارہ رفتم و رسم عیادت بجا آوردم ۔ باللّٰہ از اثرہاے محبّتی کہ بدان مخدوم دارم چہ شرح دہم ' کہ از این معاملہ چہ مایہ پریشان خاطرم ۔ اگرچہ دعاے ہمچو منِ سیہ کار و نہ روزگار چہ قدر و کدام مقدار ' اما وفورِ محبت آسودہ نمی گزارد و زمزمۂ دعا از لبم می رویاند ۔ امید کہ چون سادہ از آلایش ریاست ' مقبول جہان آفرین افتد و اثرے بار دہد ۔ صاحبِ من ' درین ہم چنین ہنگام کہ خود پژمردہ و جناب خانم صاحبہ دل افسردہ باشند ' سعی و ابرام در بابِ رقم معلومہ چہ می بایست ۔ آرے از آثارِ شیوۂ کرم است کہ خود دردمند بودن و بداد دردمندان رسیدن ۔ از دست شکستہ خردغ چہ آید! سلامت باشند و دیر بہ مانند ۔ زیادہ زیادہ ۔

خط ۔ ۲

بہ عرضِ ریزہ خواران ظرفِ سماط جود و نوال میرساند کہ کلّہ باجہ رسید و کام جان را بموج تسنم شور انگیزِ خوںن فرو غلتانید۔ہم دماغ را قوّت افزودوہم دست و پ را نیروداد۔ مغزش بہ لطافتِ خمیر' مایۂ افزائشِ قواے نفسانی ' نی نی غلط کردم ' مادّۂ روغن چراغ زندگانی۔ کیفیت روانی شور بایش رافمِ معدہ آفرین خوان' و شمارِ لذت علتانی کف بایش اا معاسبحہ گردان ۔ نان تا عبارِ شوکت شور بایش شناخت' در نخستین حملہ از بے جگری سپر انداخت و زبان تا بہ سپاسِ لذت روانیش ( ) موج آب حیاتش از سر گزشت ۔ بہرحلوۂ نظر فریبِ استخوانش ہمہ مجنون و بر حسنِ برشتہ مغزش خرد مفتون ۔ نیزی مذاقِ نمکش چون اداے عتابِ خوبان

گدوسوز' و صدای شکست استخوانش مانند نغمۂ چنگ و رباب سامعه افروز ـ می خواستم سخنے دراز کردن و پس از ستائش نعمت سپاس منعم ساز کردن که ناگه کلّه از ناز چشمک رد و زبان بر کشود و بسر خود سوگند داد که اینک قسم از کف بگزار و لطافت مغز قلم دریاب ـ چون خاطرش عزیز و قسمتش غلیظ بود' چارۂ جز تسلیم نه دیدم۔

خط ـ ۳

قبلۂ من'

گرچه استدعاے قدوم از بزرگان بے ادبی است ' امّا می بینم که خرشید برخرابه می تابد و منّت ندارد۔ ابر برحس و خار می باردو ننگ حود نمی شمارد۔ بدیں پشت گرمیها ہوس کرده می آید که امرور یك دو ساعت از روز باقی مانده به خشت کدۂ راقم نزول اجلال فرمایند و مرزا صاحب را با خود آرند۔ فقط

خط ـ ۴

مخدوم و مطاع من سلامت!

وی روز تبرّکی که فرستاده بودند رسید و در دو عالم سر فراز گردانید۔ صاحب نذرت زمانِ ظهور خویشتن سلامت دارد و به اعلی مراتبِ صورت و معنی رساند! زیاده حز تسلیم چه عرضه دارد۔

خط ـ ۵

مخدوم و ملاذ من'

بنده به خانه نبودم ـ چوں باز آمدم ' خوانِ نعمت آماده یافتم و سپاسِ منعم آوردم ـ اللّٰه تعالیٰ ناپں نوارش بسیار سلامت داردا در امروز فردا اگر روعن بیدانجیر مرحمت گردد' خوش تر از الوان نعمائے گیتی است ـ

زیاده نیاز۔

---

۱ "روانیش" کے بعد بظاہر متن میں "شناخت" کے مقابلے کا لفظ رہ گیا ہے۔ چنانچہ اردو ترجمہ "پرداخت" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔

خط ۔ ۶

قبلۂ جان و دل سلامت !

گرد سرمی گردم و جان بخاك آں کف پا می فشارم۔ سبحن اللّٰہ 'حاذبۂ شوق را نازم که امروز بامداداں سر از خواب برداشته بسیح آں داشتم که کتابتی در شکوۂ تعافل بملازماں بنویسم۔ ہنور آن حطره در ضمیر راسخ نه شده بود که والانامه بفریاد رسید و سرا از بند اندوه وارہانید ۔ للّٰه الحمد که سزاح مبارك به صحت مقرون است۔ جہاں آفریں ہمواره مسند نشین بزم عافیت دارد! بوتلِ روغنِ بیدانجیر سرمایۂ روشنیٔ چراغ زندگنی گردید ایزد تعلی بایں خسته نواری و بیکس پروری سلامت دارد! امروز بسبب ہجوم ابرو باراں به استعمال ایں روعں سبادرت نه کردم۔ بعد یك دو روز ہرگاه سرِ شیشه خواہم کشود' بر مضمونِ "نصفٌ لی و نصفٌ لك" عمل خواہم نمود۔ زیاده جز دعاے دوامِ دولت و اقبال چه عرضه دارد۔

خط ۔ ۷

قبلۂ جان و دل سلامت !

بامداداں که قطعۂ در جواب والانامه انشا کرده ام (۱)' آدم حضور گواہست که در چه سراسیمگی به چه زودے رقم زده ام۔ حاشا که جواب قطعه'(۲) جناب را نمی ارزد۔ گویا غرض از تحریر آن قطعه رسیدِ دال و آچار بود و دیگر ہیچ۔ امید که آں را به آب بشویند یا نه آتش بسوزند' چه آں را بے اعانتِ فکر بدستیاریٔ خامه نگاشته ام۔ مبادا' سقمی داشته باشد و بدست معاندین افتد۔ جناب را بسید الشہد علیه السلام سوگند که آں را بیکس(۳) نه نمایند و از ہم به گزرانند۔ قطعۂ که دریں ورق مرقوم است (۴)' جواب قطعۂ مرقومۂ آن مخدوم است۔ ہر که خواہد بنگرد' سحبانیست ۔ شبِ رفته من نیر مسہلی از روغنِ بیدِانجیر و نملك آب آشامیده بودم۔ اماّ طبع را نپذیرفت و رفع قبض نه شد۔ امروز به طور خود ترکیبی که بر فعلِ مسہل شبانه موید باشد به عمل آورده بودم۔ بخدا که اگر ایں گریوه ہا در راه نه داشتمی ' قطعه را خود متاع روے دست اخلاص ساحته به ملازمت رسیدمی ۔ اگر سرگ اماں داد' دریں دو سه روز به سعادت پابوس رسیده خواہد شد۔

۱- قطعه غالب به قاسم ۲- قطعه قاسم به غالب ۳-"بکسی نه نمایند" درست معلوم ہوتا ہے ۔ اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔ ۴- قطعه غالب بجواب قاسم

خط ۔ ۸

بعزِّ التماس میرساند که پریشب جاے ملازمان در بزم طرب سبز بود۔ چون نیامد نهـ وجهی داشت' ناچار به سحر ساخته شد۔ تمام تفرقهٔ خاطر که از جنب بیمار دار بها بود' به جمعیت مبدل شد یا هنوز از ان تشویش اثری باقیست۔ امید که نویدِ عافیتی بفرستند و آرمیدگی ببخشند ۔ قبلهٔ من' این عرضه رقم کرده در بند آن بودم که بخدمت بفرستم که ناگاه عنایت نامهٔ جناب رسید۔ بهمان اعجاز فرمودند۔ حق که از نوید عافیت با مسرت فراوان اندوختم۔ الله تعالی شما را خرّم و شاد و از برعم آزاد دارد' و جناب مرزا محمد حسین تعقل نفرموده اند۔ مگر از رنجوریهاے پریشب به کوٹھی نرفته اند۔اگر فردا چنهئیے به رسید' حسب الامرے جناب تقاضا به عمل خواهد آمد۔ و آداب عطاے انبه مقبول بادا۔

خط ۔ ۹

معروض میدارد که نوازش نامه مع نان خورش بهے روان پرور ذائقه نوار رسید و به سپاس نعمت بر زبان گرداند۔ منعمِ حقیقی اجر پرورش عزت زدگان ارزانی دارد۔ پردهٔ از حال من این که روز پنجشنبه وقت شب ناگهان شنیدم که بروز دو شنبه جناب نواب گورنر بهادر دربار عام خواهند داد۔چون من از تباره واردانم' بخود فرورفتم و بامداد پگاه به دفتر خانه رفتم۔ با جناب استرلنگ صاحب بهادر صورت ملاقات نه بست ۔ ناچار باز آمدم و شب در بیم و امید بسر برده روز شنبه باز رفتم۔از راهِ عنایت حکمِ ملازمت دادند۔ براے خلعت عرض کردم ۔ فرمودند که وقتِ رخصتِ شما بخوبی خواهد شد ۔چون یك شنبه رسید' آخرِ روز از غم کده برخاسته به مکان مولوی سراج الدین احمد صاحب رفتم و شب در آن جا بسر آوردم و روز دو شنبه هم از آنجا سوار شده نخست بدفتر خانه رفتم و از آنجا به بارگه گیتی پناه رسیدم۔ ملازمت میسر آمد و عصر و پان سرحمت شد۔ چون بر گردیدم یاران نه گزاشتند که بخانه باز آیم ۔ شب هم در ان جا بسر شد ۔

ع۔ درویش هر کجا که شب آید سراے اوست

امروز صبح از آن جا سوار شده بخانهٔ دوستی که در اثناے راه بود رسیده به کلبهٔ احزان وقتے رسیدم که ملازم جناب نوازش نامه بر سردست انتظار من می کشید۔ جواب آن منشور

سعادت رقم ردم و پارۂ ار احوال حودم نگراردم۔ مرا نیز کاغذ مطلوب بود۔ کہاررا نہ معیت آدم حصور نہ سرار فرستادم' تا کاغذ نوے دہندہ خود نیر ان چہ نہ آوردن ماسوراست بیارد۔می حواستم ایں وقت نخدمت رسیدن ۔ اما تحریر حطوط صروری ۰انه ' د۔ اگر سنعی تازه برنخاست' نقش آرزوبم برلوح مراد خواہد نشست یعنی سرشام ملازمت سوابہ رسید۔ زیادہ نیاز۔

خط ۔ ۱۰

قبلۂ بندہ'

ہر گاہ نوازش نامہ می رسد' مرا در مادۂ بہم رسانیدن القاب و آداب چہ گویم کہ چہ رسودگی ہرو میدہد۔ آرے ہر گاہ محیط قطرہ را بدیں رنگ ستاید' ار قطرہ بحز دست و پاگم کردن چہ اید و حئیکہ افتاب ذرّہ را بدیں گونہ دل گرمی بہ بوازد' ار ذرّہ بعیر ازیں کہ رنگ نپشی ربر د چہ حیزد۔ حق ایں است کہ حرف حرف حبر ار حوشِ محبت می دهد۔ در تلافیٔ ایں چنیں عنایات و کرم از ہیچ کساں حز گردِ سر گردیدن و قرباں شدن چہ آید۔ جہاں آفریں بایں ترحم و تفقد سلامت دارد! امرور ننمہ رور چشمم بہ خیال بارو روانم بہ صرب دمسار مند کہ ابنك محدوم ار در میرسد وشم عربتم را بامداد پدید می آید۔ ایں وقت سرداشتم کہ کس بفرستم و حبر سراج عالی حویم کہ عنایت نامہ رسید و تسکین نخشید۔ فردا تا نیمۂ اول روز تکلیف نہ خواہند فرمود کہ بندہ جاے حواہم رفت و نعد از دوپہر تا شام نقش دیوار عم کدۂ حویش خواہم بود۔ زیادہ تسلیم است و بس۔ کمتر از ہیچ' اسداللہ۔

خط ۔ ۱۱

مخدوم بندہ پرور سلامت'

آہ از محرومیٔ دی روزہ کہ ہم عنان کاروانِ آرزو بدرِ دولت سرا رسیدم و وا رسیدم کہ ملازماں سوارہ بجائے حرامیدہ اند۔ برے حرسندیٔ دیدرِ قرۃ العینِ سعادت' محمد مرا تلافیٔ رنجِ دل کرد ۔ ایردش در سایۂ رافت محدومی زندہ دارد! نفسے چند بخدمت حناب تپاںؔ نشستہ نہ سوے سہدی باغ رفتم ۔ شبگہے کہ بہ کلبۂ احزاں رسیدم' شنیدم کہ آفتاب بر ایں حرابہ تافتہ بود و درہ ام روشناسِ پرتوِ قبولی نہ شد۔ حسرت بہ حسرت افرودو اندوہ بر اندوہ رو نمود۔ پارۂ ار

خویشتن رفتم و لختے گریہ بکر دل کردم۔ ضمیر صفوت تخمیر مخدومی دلاسایم داد و این آمد و شد ہم دیگر را از عالم آثار وحدت حقیقی و محبت معنوی وا نمود۔ برخے تسکین اندوختم و بخود آمدم ۔ امید کہ محبت در افزائش و کرم سرگرم بخشایش باد ! فقط ۔

خط ۔ ۱۲

بعزّ التماس امید گاہ بیکسان' خان صاحب جلیل المناقب عمیم الامتنان میرساند کہ اگر دانستمی کہ از گزارشِ بیدادِ طولِ زمان فراق 'در زمرۂ تقاضائیان مدعا طلب شمردہ نہ خواہم شد' چہ گریبا نہ‌درید می وازد اد(۱) زہرہ گداز دوری بچہ غوغا نالیدمی ۔ اما منّت ایزد را کہ طبعِ حق پرست و حق شناس آن امید گاہِ مخلصان' معیرِ عیار و داد و نقادِ نقودِ صدق و سداد است 'ہر آئینہ از پردہ بدر می آیم و زمزمۂ شوق فارغ از بیم و ہراس سپسر ایم۔ مجمل این کہ تبِ فراق و توانِ صدمات اشتیاق باقی نیست ۔ بارہا کس فرستادم و دو سہ نوبت خود نیز از بیتابئ دل بدرد وست سرا رسیدم۔ از ہر کہ پرسیدم' ہمیں جواب شنیدم کہ ہنوز تشریف نیاوردہ اند۔ خدا را' اگر در آمدن تامّلے و توقّفے باشد' بیاگاہانند تا مضطرب و سراسیمہ نباشم۔و اگر در دو سہ روز توانند آمد' نویدی بخشند تا اندوہ از دل برخیزد۔ نہ پندارند کہ غالبؔ درکار خود عجول یا در باب مدعا فضول است۔ حاشا کہ چنیں نیست ! بل شوق دیدار منشاء این دراز نفسیہاست ۔ آرے این قدر ہست کہ از درماندگیہا چشم طمعی بر بیکس نوازیہاے جناب سامی دوختہ و شمع ہوسی در نہانخانۂ خیال برافروختہ ام و میدانم کہ بیش از من خون گرم چارہ سازیہاے منند۔ چہ دانم کہ این قدر تنگرِ اقامت در آن جا فروانداختن خاصہ از بہرِ دست گیری و بہم سازئ من باشد۔ ہر چند این مجموع مراتب چنانکہ باید خاطر نشان و دل نشیں است ' اما دل از بے حوصلگیہا بجوش و لب از ہرزہ نوائیہا بہ خروش می آید۔ مامول کہ عذرِ بے اختیاریہاے شوق بہ پزیرند و برخردان خردہ نگیرند۔ والسلام والاکرام !

---

۱ - عبارت یہاں ' درد' کی مقتضی ہے - ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے -

خط ـ ۱۳

مخدومِ صورت و معنی سلامت '

پایانِ صحبتِ مشاعره بخاطر بود نکتۂ چندتحویل سامعه جناب ساختن و دل را از اندوه پرداختن۔ امّا ہلاکِ شیوۂ عزمِ جوا نناۂ جنابم که ار حلقۂ بزم به آئینے بدر خرامیدند که تودیع به عمل نیامد' ت به تسلیم چه رسد۔ ناچار ایدون حامۂ نیاز رقم را وکیلِ گزارش مدعا ساخته مکتوبی بنام نامیِ آغا صاحب رقم زده در نوردِ عرض داشت فرستده است۔ مترصّد که سر تا پاے آں نه گرسته(۱) به مکتوب الیه به سپرند۔ می بایست که ہرچه به آغا صاحب نگشته ام بخدمت آں مخدوم عرضه داشتمی۔ اما مصلحت اقتضائے ایں معنی کرد ۔ بهر رنگ کار به عنایت است و باقی بہانه ۔

خط ـ ۱۴

قبلۂ من '

بخدا که ہر دم خیالِ ناسازیِ مزاجِ آقا محمد حسین دلم را رنجه دارد۔خدائے توانا آں گوہرِ قلزم مروّت یعنی آقا صاحب را سلامت دارد و تندرستی بخشد۔ اگرچه بنده را در ہر گلی بندر به سبب تفرقه و رمیدن ملّاحان کلکته و از کف رفتن آں سفینه و جستجوے زورقی دیگر پنج روز اتفاق اقامت افتاد و مکتوبی خاص از بہرِ استخبارِ تندرستیِ آقا صاحب معرفت متصدیِ سرکارنواب صاحب بنام نامیِ جناب رقم کرده فرستادم ۔ امّ چوں در آں پنج روز جوابش نه رسید' دلم شوره تر گشت ۔ خداوندا' صحتش بخشیده باشی' ہر نفس وردِ زبان من است۔ اندازِ غم خواری که از ملازمان جناب در حقِّ خویش دیده ام' نه چندانست که اندکی ار بسیار آں شرح توانم داد۔ بخدا' به پشتگرمیِ اخلاقِ شما داغ فراق دہلی بر دلم سرد بود۔ شکر است و صد ہزار شکر که در غربت یك گراں مایه از اربابِ وطن یافتم ۔ امّ حیف که دیگر امیدِ وصال نیست ۔ جنب مرزا صاحب وعده دادند که به دہلی خواہم رسید۔ باشد که اتفاق افتد۔ لیکں د ستم بدامن گرنه خواہد رسید۔ آه از من وائے به روزگار من ! امروز که به روز سه شنبه است ' در مرشد آباد و کشتی میجویم ۔امید که ہمیں یك دو روز براه دریا رواں گردم ۔ الله بس ' ماسوا ہوس !

---

۱ – ظاہر ہے درست "نگریسته" ہے ۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے ۔

خط ـ ۱۵

مخدومِ من!

توقف در ہوگلی اگرچه اختیاری نبود، اما انتظار جوابِ مکتوبی که بتوسط وکیل نواب علی اکبر خان بخدمت فرستاده بودم، سر جوشِ نشئهٔ کیفیتِ انتظارم داشت ـ و حقّا که از آن نامه جز استخبار آغا محمد حسین صاحب امری دیگر نبود۔ چون در آن پنج روزه درنگ پاسخ نه رسید و کشتی دست بهم داد، دل تنگ براه افتادم ـ بخدا در ہیچ سر منزل از حالِ آغا محمد حسین فارغ نبوده ام و ہنوز آن کشاکش ہمچنانست۔ نیاز نامه از مرشد آباد در نوردِ عرضهٔ موسومهٔ جناب میرزا احمد بیگ خان دام مجده ارسال یافته ـ خوش باشد، اگر رسیده باشد۔ خدا را، در جوابِ این نامه سطری چند بر پارهٔ کاغذی رقم کرده ہمان در نوردِ مکتوب مخدومیمرزا احمد بیگ خان بفرستند که آن صحیفه در باندا بمن خواہد رسید و سرمایهٔ آرامشِ جان مُستمند خواہد بود۔ بخدمت آغا صاحب سلامِ شوق، امّا نه بدان معنی که نه زبان بگویند، بلك این صفحه را نشان به نمایند، که در حقیقت این مکتوب نخست برائے ملازمان جناب والاست و پس از آن ہم چنان برائے بندگان حضرتِ آغا۔ دو قطعه نکردن نامه بهوای سبك باریٔ کاغذ است۔ و انصاف بالائے طاعت، مضمون نیز جز عرض مراسم سلام و دعاگوئی و شیوهٔ خیر طلبی نیست ـ حالِ خاکسار این که امروز از ساحل نشینان معبرِ عظیم آبادم و فردا از ره گرایان سرِ منزل مراد۔ خدا بمامنم رساند و شبم را سحر گرداند! والسلام۔

خط ـ ۱۶

قبلهٔ من!

نویدِ صحت یافتن آغاصاحب دلم را تازه وروانم را شاد کرد۔ خدایش زنده دارد و بمدارج بلند رساند۔ واللّه مرا از ته دل به آغا محبتی است! ہر چند اظہار مہر و وفا شعار من نیست، اما زبان را چه کنم که جز بحرف حق نمی جنبد۔ با ملازمان سامی دعوی مہر و محبت بے ادبی است۔ من و خدائے من که شما در کلکته غمِ غریبی و اندوہ بے کسی از دلم ربوده بودید۔ می دانستم که کلکته دہلی است و غربت وطن، زندان گلستان است و بیابان چمن۔ بزرگ

سید و مربیٔ جان و تید۔ بالجمله روزِ آدینه که غرّهٔ جمادی نخست بود' به باندا رسیدم ۔ و روز شنبه از این جایگاه روان خواهم شد۔ کولبرک صاحب رسیڈنٹ دہلی از عہدہ معزول و فرانسس ہاکنس صاحب بفرماندہیٔ دہلی منصوب اند۔ گویند مردیست رحیم القلب سلیم الطبع ۔ امّا حیف که سایل بسیر و شکار افتاده و بے پروا واقع شده' گوش بفریاد مظلومان نمی نہد' و دادِ ستم زدگان زود نمی دہد۔ ہر چند در مقدمهٔ من حکمِ صدر محکم است' اما از جناب ملازمان شما و آغا صاحب چشم آن دارم که نخست دریابند و وا رسند که مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر که پیش ازیں حاکم اول صاحبان دائر و سائر بودند و حالیا از بریلی به دہلی رسید' رسیڈنٹی دہلی می کنند' با جناب کرنیل صاحب رابطهٔ مودتی دارند یا نه۔ اگر باہم آشنا نباشند خیر' و اگر دوستی درمیانه باشد' جناب سامی و آغا صاحب بخدمت خانم صاحبه از جانب من آداب رسانیده و بیکسی ہائے مرا یاد دہانیده چنان کنند که سپارش نامه به کف آید که ہم حکم سرکار و ہم تحریر کرنیل صاحب باہم آمیخته ذریعهٔ حصول التفات و وصول بسر منزل نجات گردد۔ اگرچه من به کلکته نیم' اما بودن جناب و آغا صاحب می باید۔ و زمانِ بودن من نیز کار وابسته به مہربانیٔ ملازمان بود و بس بلك اگر در عرض این تمنا حاجت بدان افتد که برائے کرنیل صاحب نیاز نامهٔ از جانب من باید داد' اجازت است که عرضه از جانب من به القاب و آداب شایسته نبشته به گذرانند۔ بلك میدانم حاجت بدین مایه ابرام نه خواہد بود۔ بخدمت آغا صاحب سلامے بصد شوق و پیامی به ہزار آرزو معروض است۔ اگرچه مرض رفع شد' لیکن جوانی نباید کرد و احتیاط نباید گزاشت ۔ مضمون صدر به ضمیر فرا باید گرفت و بیکسی ہایم یاد باید داشت ۔ در آغار کار کوشش به سزا فرموده اید ۔ حالیا که عقده را ہنگام کشایش فرار آمده' توجہی به نمائید۔و بخدمت خانم صاحبه و قبله بندگی رسیده باد۔ اگر خدا خواست و ہاکنس صاحب آشنائے کرنیل صاحب برآمد وچٹھی به کف افتاد' عنایت نامه جداگانه به دہلی به فرستند معنون بدین عبارت که "به دہلی در کہاری باؤلی قریبِ دیوان خانهٔ نواب نوازش خان در حویلیٔ نواب عبدالرحمن خان به مطالعه اسد برسد"۔

خط ـ ۱۷

قبلۂ من '

اگر وثوقِ اسید عفو نبودی ' دل به نگارش نامه باوی (۱) نمی دارد۔ گرفتم که ملازمان جرم مرا بخشیدند و خط نسخ بر خطاے سر کشیدند' خود را در نظرِ خویشتن چه گونه گرامی گردانم ؟

ع: اگر گناه به بخشند ' شرمساری ہست

اینکه در واقعۂ نور چشم محمد مرزا سطر تعزیتی از رگِ کلکم نه دمیده ' بیشترم خوار و نژند دارند! اما من و خدا که روزے چند در فکرِ تاریخ و روزہائے دراز بر پریشانئ خودم سپری شد و ہنوز نه تاریخ مردنِ محمد مرزا سر انجام یافته و نه نقش اسیدِ زیستم درست نشسته۔ درماندۂ این دیار خان و مان مرا به سیلاب فنا داد و رنج و محنتم ضایع و حق مرا تلف کرد۔ اگرچه مرہم این خستگی و مومیائ این شکستگی درداروخانۂ صاحبان صدر ہست ' اما چون منی را باز ن در آن دادگاه رسیدن دشوار۔ میشنوم که نواب گورنر بہادر به ہند می آیند ۔ به بینم که من گرد آن سپه بدیده می کشم ' یا حالِ من حولان گاه آن موکب علیامی شود ۔ حضرت سلامت ' از بے تمیزی و ناانصافئ این حاکم شکستگئ در کارم افتاده است که شرح آن بصد ہزار زبان نتوان کرد۔ قطع نظر از کامیابی و ناکامی ' طعنۂ خواص و خندۂ عوام را به شور آورده و در خونِ دلم رستخیز قیامت افگنده است ۔ مقصود ازین نامه ہزار آن است که اگر در نامه نگاری درنگی روی دہد' به بے وفائی متّہم نباشم۔ زیاده نیاز۔

خط ـ ۱۸

بنده نواز ا'

عمریست که خبر از حالِ شما ندارم ۔ چه گویم که چه مایه در خون می تپم و چه قدر جان می کنم ' مرا خود روز سیاہی پیش آمده است که از فرط آسیمه سری شب از روز و سرار پا نمی شناسم۔ فرصت بخود پرداختنی کجا و سرو برگ سیه سختی کرا! می دانم که از واقعه محمد

ا ۔ درست " یاری نمی داد" معلوم ہوتا ہے ۔ اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

مرزا مشغول و از ناسازی روزگار بخود مشغولید۔ خدای شما را شاد واز بندِ غم آزاد دارد! درین روزہا از روے اخبار پدید آمدہ است کہ فضاے کلکتہ جولانگاہ ہوای وبائی است۔ سخت پریشان شدہ ام ۔ خدائے را، بہ ہمہ بے دماغی و دل تنگی بر من مہربان باید شدو دو ' سہ سطر از عافیت خود باید نگاشت و تندرستی و خورسندی حکیم صاحب را ضمیمۂ آں باید ساخت و پس از آں کہ این مراتب را در تحریر تفصیلی وافی دادہ آید، از حالِ ماند و بود خویشتن مجملی رقم تواں کرد کہ خاطرم بصد رنگ بہ شما نگراں است ۔

والسلام علی من اتبع الہدی۔

خط ۔ ۱۹

قبلۂ من!

بحیرتم کہ کدام جرم سترگ از من بوجود آمدہ کہ سزاوارِ این ہمہ عقوبت گردیدم ۔ جنب سامی خود گاہی بنامۂ یادم نفرمودہ اند و جواب نیازنامہ ہاے من نفرستادہ۔ مرزا احمد بیگ خاں را چہ شد کہ سہ ماہ گزشت و مکتوبی از آں جانب نظارہ افروز نگشت۔ من بہ دہی بہ روزسیاہی کہ دشمن نیز مبیناد ' در ماندہ و مہربانان کلکتہ یك قلم رخ التفات ازمن گرداندہ۔ فلاں بیگ کہ لختی ازوے و حال وے بگوش شما رساندہ ام، سپہر را بکام خود دیدہ، ورقِ آشتی برگرداندہ و نامۂ بے وفائی برخواندہ است۔ پیمانِ یاری شکستہ و کمر بہ قتلم بستہ۔ ندانم مگر فرمانِ او بر خاص و عام کلکتہ رواست کہ جملہ یاراں بہ تبعّیت وے برخاستہ اند و در عتاب افزودہ و در مہر کاستہ اند ۔ بخدا از نرسیدن نامۂ مرزا احمد بیگ خاں برنج اندرم ۔ مہربانی را چہ شد و دوستی کجا رفت ؟ ایدون کہ صریح دانستم کہ مرزا صاحب بپاس ربطِ فلاں بیگ طریقۂ فرستادن نامہ و پیام بامن مسدود کردند ' من نیز خود را از تحریرمکاتبات بہ کنارہ کشیدہ ام ۔ و بجناب چہ گویم' کہ از روز نخست رسم و راہ نامہ و پیام سر نکردہ اند۔ ناچار بہ مقتضاے گمانی کہ بر عنایاتِ شما داشتم 'این عرض داشت بخدمت فرستادم ۔ اگرچہ می دانم کہ پاسخ نخواہد رسید، اماہنوزم بر شما نیم گمانی است و گنجایش امتحانی ۔ زیادہ زیادہ ۔

بخدمت آغا صاحب ناسهربان آداب خاکسارانه و نیازہای درویشانه قبول باد' بشرطیکه در صورت پذیرفتن آداب نماز ازیں ووسساه از جانب فلاں سگ احتمال رنجش نباشد۔ والسلام خیرختام۔

خط ۔ ۲۰

ستایش و نیایش و کورنش و تسلیم' ایں ہمه تمهید تقاضے فرستادن (۱) عبودیت نامۂ (غالبؔ) دہلویست ۔ اگر فرستاده اند سپاس بر سپاس' و گرنه مکرر التماس ۔

---

۱ - ایسا معلوم ہوتا ہے متن میں "عبودیت نامه" سے قبل لفظ نسخ [illegible] ہو گیا ہے - اردو ترجمه اسی قیاس پر کیا گیا ہے -

غالبؔ رح کے غیر مدوّن فارسی مکتوبات

اردو ترجمے، فارسی متن
اور
حواشی کے ساتھ

مترجم و مرتب
پرتوؔ روہیلہ

انتساب

سیّد نواب حیدر نقوی، ڈاکٹر زاہد منیر عامر
اور
علامہ ضیاء حسین ضیاء
کے نام

فہرست

۱۷	حکیم امام الدین خان	''جنوں بریلوی سے منسوب غالب کا یک فارسی خط'' ڈاکٹر سید حنیف نقوی مباحث لاہور، کتابی سلسلہ ا جنوری تا جولائی ۲۰۱۲	۱	۸۶۸	۹٦۰
۱۸	مولوی مفتی سید احمد خان	خط ۷۔ از شاہ محمد دلدار علی مذاقؔ بدیونی مشمولہ آئینہ دلدار۔ مرتبہ محمد ابرار علی صدیقی۔ طبع دوم کراچی ۱۹۵٦ء	۱	۸٦۹	۹٦۰
ضمائم					
۱۹	ضمیمہ ۱ بہ نامہ نامور سازان، مشاہدہ	مشتاق احمد تجاروی، ہفت روزہ ہماری زبان، نئی دہلی، شمارہ ۲۲۔۲۸ فروری ۲۰۰۸۔ ڈاکٹر حنیف نقوی، غالب کے تین فارسی خطوط مطبوعہ ماہنامہ آجکل نئی دہلی، مارچ ۲۰۱۱	۱	۹۰۵	۹٦۵
۲۰	ضمیمہ ۲ کرم گستر بندہ پرور، دیروز	مشتاق احمد تجاروی، ''مرزا غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی خط، ماہنامہ آجکل نئی دہلی، فروری ۲۰۰٦ پروفیسر حنیف نقوی، ماہنامہ آجکل نئی دہلی، فروری ۲۰۰۸	۱	۹۰٦	۹٦٦
۲۱	ضمیمہ ۳ یزدان آرزو بخش، آرزو بخشے را	''جنوں بریلوی سے منسوب غالب کا ایک فارسی خط'' ڈاکٹر سید حنیف نقوی مباحث، لاہور، کتابی سلسلہ ا جنوری تا جولائی ۲۰۱۲	۱	۹۰۷	۹٦۷
۲۲	ضمیمہ ۴ در دل بہ تمنائے قدم بوس تو.	پنج آہنگ مطبوعات مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹٦۹	۱	۹۰۸	۹٦۸
۲۳	ضمیمہ ۵ عکس مکتوب غالب شمارہ ۱٦		۱	-	۹۷۰
۲۴	ضمیمہ ٦: عکس مکتوب غالب شمارہ ۲۰		۱	-	۹۷۱
۲۵	ضمیمہ ۷: عکس مکتوب غالب		۱	-	۹۷۲

دیباچہ

غالب ہمارے ادب کے ان خوش قسمت انسانوں میں ہے کہ جس کی بلند معیار شاعری، جس کے تخلیقی اسلوبِ نثر وشعر، ور جس کے مزاج کی منفرد صفت کی دل آویزی نے نہ صرف ایک دنیا کو اپنی جانب متوجہ کیا بلکہ اس کے ان اوصاف کے باعث، کچھ اس سے محبت وعقیدت کے طفیل اور کچھ تاریخ ادب کے تقاضوں کے تحت، اس کی ذات وصفات سے وابستہ ہر ہر چیز کو ایک اہم ماخذ اور ایک تبرک سمجھ کر تلاش و یکجا کرنے کی ایک ضرورت اس کی زندگی ہی میں اس طرح قائم ہوئی کہ اس نے ایک مستقل روایت کی صورت اختیار کر لی۔ اس روایت کا ثمر ہی ہے کہ غالب کے کلام کو یکجا کرنے کے جذبے کے ذیل میں، اگرچہ خود غالب کی زندگی ہی میں، اس کے کلام کو یکجا شائع کرنے کی مختلف سمتوں سے ہونے والی کوششوں کے سبب، اس کا بہت کم کلام غیر مدوّن رہا، اور جو غیر مدوّن رہا، اس کے چاہنے والوں اور ضرورت مند محققوں کی جستجو کے نتیجے میں حال حال تک جمع وترتیب کے عمل سے گزرتا رہا اور سلیقے واہتمام سے ترتیب پاتا رہا۔ چناں چہ اب اس کا امکان کم ہے کہ اس کا غیر مطبوعہ اور غیر مدوّن کلام کہیں موجود ہو اور دستیاب ہو۔ اگرچہ اس کا کلیات، فارسی و اردو دونوں، خاصی مکمل شکل میں مرتب ہو چکے ہیں لیکن ان کے حالیہ مرتبہ ومحققہ نسخوں کے باوجود کچھ تخلیقات اب تک غیر مدوّن رہ گئی ہیں، جو کسی محقق کی خاص توجہ کے سبب یقیناً تدوین وترتیب کے عمل سے اپنے وقت پر ضرور گزریں گی۔

یہی صورت اس کی ذات سے متعلق دستاویزات اور اس کے خطوط کی بھی ہے جو اس کی زندگی میں، چاہے جیسا بھی منظم اہتمام اس کی جانب سے یا کسی جانب سے روا رکھا جاتا، یہ امکان کم ہی تھا کہ سب کچھ، یا بہت کچھ، اس کی شاعری کی طرح، اس کی زندگی میں جمع ہو جاتا یا بعد میں ایسے اسباب کسی فرد یا ادارے کو فراہم ہوتے کہ یہ سب کچھ جمع ومرتب ہو جاتے۔ اس لیے اب تک اس کے غیر مدوّن دستاویزات اور خطوط دریافت ہو رہے ہیں اور سامنے آ رہے ہیں۔ ایک اطلاع ہے کہ غالب نے ملکہ وکٹوریہ کو اپنے ذاتی معاملات پر مشتمل کچھ خطوط تحریر کیے تھے جو کسی کے علم میں نہ تھے۔ یہ خطوط حال میں لندن میں دریافت ہوئے ہیں اور اب انھیں ہمارے دوست اور معروف اسکالر محمد سلیم قریشی، مقیم لندن، اشاعت کے لیے مرتب کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ معلوم نہیں کب تک جاری رہے۔

غالب کے اردو اور فارسی خطوط کے متعدد مجموعے مرتب ہو چکے ہیں جو ہمارے فضل محققین کی غالب سے نسبت وانسیت اور ان کی تلاش وجستجو کے قابلِ قدر اور وقیع مظاہر ہیں۔ اس ضمن میں متعدد فاضل محققین نے مختلف وقتوں میں اپنی اپنی دل چسپی اور اپنے اپنے دائرے کی حد تک دادِ تحقیق دی ہے۔ ان سب میں فضل گرامی پرتو روہیلہ صاحب کا کام فارسی خطوط پر ایک تخصیصی نوعیت کا حامل ہے۔ یہ کام منفرد بھی ہے اور وقیع بھی۔ بیک نظر دیکھ جائے تو اس تعلق سے انھوں نے غالب کے تمام دستیاب فارسی خطوط کو، جو مختلف محققینِ غالب نے یکجا کر کے اپنی اپنی تالیفات میں شامل کیے تھے یا مقالات کی صورت میں متعارف کرائے تھے، ان تالیفات ومقالات سے اخذ کر کے ان کا ایک 'کلیات' مرتب کیا تھا، لیکن انھوں نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ فارسی کے اس دورِ زوال میں، کہ اب اسے پڑھنے، سمجھنے والے اور اس کی مدد سے غالب فہمی کے حقیقی تقاضے پورے کرنے والے نہ رہے، ایسے سب ہی افراد کے لیے، اور ان سب کے لیے بھی، جو غالب کے خطوط کے مطالب سے، اپنے مطالعے کو مکمل کرنا چاہتے ہیں، ان سارے خطوط کا اردو ترجمہ کرنے کا ایک بے حد دشوار اور گراں کام

کیا اور فارسی کے سارے مدوّن خطوط کو یکجا کر کے ان کا ترجمہ کیا اور ایک ''کلیاتِ مکتوباتِ فارسی غالب'' مرتب کر کے شائع کیا جو غالبیات میں ایک بے مثال کارنامہ ہے اور ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک بے حد وقیع اور پُرشکوہ کارنامہ ہے جو غالب کے مطالعے کے لیے بطور ماخذ غالبیات کے سارے ذخیرے میں اپنی نوعیت اور اہمیت کے باعث ایک یادگار کے طور پر شمار ہوتا رہے گا۔

اس مرحلے سے گزرنے کے بعد روہیلہ صاحب نے اب ایک اور عذاب میں خود کو مبتلا کیا ہے۔ یہ عذاب اس سابقہ عذاب سے کم نہ تھا بلکہ کچھ زیادہ ہی شدید اور صبر آزما تھا لیکن وہ اس سے بھی سرخ روئی سے گزرے ہیں اور زیرِ نظر مجموعے کی صورت میں غالب کے ان سارے فارسی خطوط کو بھی یکجا اور جمع و مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا جو اب تک غیر مدوّن تھے اور کسی مجموعے میں شامل نہ ہوئے تھے۔ یہ کام، مذکورہ کلیات کی جمع و ترتیب سے زیادہ مشکل اور دشوار گزار تھا۔ پچھلا کلیات تو ایک لحاظ سے جما جمایا سا تھا کہ چند معروف مجموعوں سے غالب کے خطوط کو نکال کر وہ کلیات مرتب کیا گیا تھا۔ یہاں ایسا نہ تھا۔ اس زیرِ نظر مجموعے میں جتنے خطوط شامل ہیں یہ مجموعوں میں نہیں بلکہ مختلف رسائل اور دور افتادہ، بالعموم غیر معروف، کتابوں میں ادھر اُدھر شائع ہوتے رہے اور یکجا نہ تھے۔ ان غیر مدون خطوط کے بارے میں معلومات کس طرح حاصل ہوں گی؟ یہ کب کب اور کن کن رسالوں یا کتابوں میں شائع ہوئے؟ وہ رسالے یا کتابیں کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی؟ یہ بہت بڑے مسائل تھے، جن سے روہیلہ صاحب کو گزرنا پڑا ہے۔ اس جستجو اور تلاش اور ان خطوط کی نقول کے حصول میں انھیں جن مشکلات اور دشواریوں سے گزرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ صرف ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جو ایسے مراحل سے گزرتے رہتے ہیں۔ یہ مراحل بھی بالآخر روہیلہ صاحب نے کامیابی سے طے کیے کہ ان کا نتیجہ ممکنہ تمام دستیاب غیر مدون خطوط اور ان کے تراجم کی صورت میں اب ہمارے سامنے ہے۔

ترجمہ روہیلہ صاحب کے لیے اب کوئی مسئلہ نہیں۔ غالب کی لفظیات اور اسالیب ان کے لیے اب کوئی اجنبیت نہیں رکھتے۔ غالب کے خطوط کی اتنی بڑی تعداد کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے جو روانی اور فطری سلاست اب ان کے تراجم میں نظر آ رہی ہے وہ ایک زمانے کی ان کی مشق کا ثمر ہے۔ پھر ان تراجم کی متواتر مشق نے ان میں وہ مشاقی بھی پیدا کر دی ہے جو غالب کے خیالات، الفاظ کے حقیقی مفہوم اور اخذِ مطالب تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ غالب کی روح مطمئن رہتی ہوگی کہ ایک دیانت دار اور لائق مترجم اسے میسر آیا ہے جو اس کی ترجمانی کا فریضہ عمدگی اور صحت کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔

غالبیات میں توجہ اور دلچسپی کسی دور میں کم نہیں ہوئی۔ غالب کا عہد، اس کی شخصیت و شاعری اور اس کے معاصرین آئندہ بھی ادب کے قارئین اور مؤرخین کے لیے مطالعے کے نئے نئے موضوعات و عنوانات سامنے لاتے رہیں گے۔ اس عمل میں جن وسائل اور مآخذ سے استفادہ لازم رہا کرے گا ان میں غالب کے خطوط ضرور شامل ہوں گے جو چاہے فارسی خطوط ہوں یا اردو خطوط۔ اس اعتبار سے روہیلہ صاحب کی کاوشیں اور تراجم غالبیات کے ایک لازمے کی حیثیت سے ہمیشہ باقی رہیں گی۔ زیرِ نظر مجموعہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ یہ ان خطوط تک رسائی دیتا ہے جو منتشر اور بکھرے ہوئے بلکہ کچھ گم شدہ اور دور افتادہ تھے؛ اب وہ سب روہیلہ صاحب کی محنت و جستجو کے باعث ہماری رسائی میں ہیں۔ اس لحاظ سے غالب کے چاہنے والوں اور اس پر کام کرتے رہنے والوں کی ایک دنیا ان کی ممنون و شکر گزار رہے گی۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل
کراچی

دسمبر ۲۰۱۲ء

واحد متکلم

''غالبؔ اور غمگینؔ کے فارسی مکتوبات کو مرتب کرتے وقت ایک موہوم سا خیال ذہن پر کوندے کی طرح لپکا کہ غالبؔ کے ان فارسی خطوط کو جو ہندو پاک کے بڑے بڑے ثقہ ادبی مجلّوں میں جابجا بکھرے پڑے ہیں اور بڑے تواتر کے ساتھ طویل وقفوں کے بعد اب بھی کبھی کبھی کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جیالے ادبی محقق کی کاوش کے طور پر ایسے ہی ثقہ ادبی مجلّوں میں رونما ہوتے رہے ہیں، یکجا کیوں نہ کر دیا جائے۔ مذکورہ کتاب کی طباعت کے بعد تو یہ ''خیال گزران'' دامن گیر ہی نہیں گریبان گیر ہو گیا۔ اپنے مشفق کرم فرماؤں سے مشورہ کیا تو انہوں نے اس خیال کی تائید میں ایسی حوصلہ افزائی اور عاجلانہ و مشفقانہ معاونت کا مظاہرہ کیا کہ چند ماہ ہی کی کاوش سے ایک بڑا وقیع مجموعہ تیار ہو گیا۔ اب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ غالبؔ کے تمام فارسی مکتوبات جو موتیوں کی طرح ہندو پاک کے کونے کھدروں میں صاحبانِ علم و ادب کی نظر سے دور پڑے تھے اس مجموعے میں یکجا کر دیے گئے ہیں، لیکن اس قدر ضرور کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم میری دانست میں، اب غالبؔ کے وہ سارے فارسی خطوط جو کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی طباعت پذیر ہو چکے تھے اس مجموعے میں شامل ہیں۔ آئندہ جو خطوط منصۂ شہود پر آئیں گے وہ یقیناً محققین کی ریاضی کاوشوں کا نتیجہ ہوں گے اور یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کا احاطہ اس وقت کسی صورت ممکن نہیں۔

غالبؔ سے متعلق حقیر سے حقیر کام بھی بے انتہا حساس اور نازک ہوتا ہے اور وہ اس لیے کہ غالبؔ دنیائے ادب میں ہر شخص کا محبوب ترین شاعر ہے۔ چنانچہ متخصصین کا تو ذکر ہی کیا ہے عام ادب کا قاری بھی غالبؔ کے بارے میں اتنا علم و ادراک رکھتا ہے کہ معمولی سا سہو بھی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اور اس پیش کش کی ثقاہت و صحت کے ثبوت میں، تمام مکتوبات کو ان کے مآخذ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے کہ اس خزینۂ زر کے لیے اس کے مآخذ ہی وہ کسوٹی ہیں جو قارئین کی نظر میں میری اس کاوش کی قبولیت کی ضمانت ہیں۔

فہرستِ مکتوبات میں آپ دیکھیں گے کہ شمارہ ۱ تا ۱۸ تمام مکتوبات مشاہیرِ ادب کی کاوشوں سے منصۂ شہود پر آئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ وہ تمام مشاہیرِ اردو ادب میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ وہ تمام مآخذ بھی کہ جہاں سے انہوں نے یہ مکاتیب حاصل کیے ہیں اتنے ہی مستند و معتبر ہیں۔ اس لیے ان تمام خطوط میں جو تعداد میں ۳۹ بنتے ہیں کاتبان و مکتوب الیہم دونوں کی جانب سے مستند ہیں۔ البتہ چند مکتوبات ایسے ہیں جن میں مکتوب لیہ متنازع فیہ شخصیت ہے۔ ان میں یا تو متخصصین نکتہ رس کا کسی شخص کے بارے میں اتفاق نہیں ہے یا متفقہ طور پر مکتوب الیہ غیر متشخص قرار دیا گیا ہے۔ ان ہی اسباب سے ان خطوط کو ضمائم میں رکھا گیا ہے اور ان ہی وجوہات کی بنا پر ان مکاتیب کے حواشی طویل و عریض ہیں۔ اسی لیے ان مکتوبات کا مختصر تذکرہ یہاں پر بھی ضروری ہے۔

ان خطوط میں ایک خط ''کرم گستر بندہ پرور دیروز .... مرا با چنیں کسی کار نیست۔ والسلام مع الاکرام۔'' سب سے پہلے ماہنامہ آجکل نئی دہلی فروری ۲۰۰۶ میں ''مرزا غالبؔ کا ایک غیر مطبوعہ فارسی خط؟'' کے عنوان اور مضمون نگار مشتاق احمد تجاروی کے نام سے طبع ہوا۔ اس خط کے طویل حواشی میں مشتاق احمد تجاروی صاحب نے معتمد الدولہ آغا میر کے بیٹے نواب سید باقر علی خان کو اس خط کا مکتوب

الیہ قرار دیا لیکن دو سال بعد فروری ۲۰۰۸ کے ماہنامہ آجکل نئی دہلی میں پروفیسر حنیف نقوی نے اپنے طویل مقالے میں مشتاق تجاروی کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے اپنے دلائل سے یہ ثابت کیا کہ ''ہمارا یہ خیال ہے کہ یہی مولوی امداد علی، مدد، دخیرآبادی غالب کے اس خط کے مکتوب الیہ ہیں۔'' قارئین کی دلچسپی کے لیے اس خط کے حواشی میں دونوں عمائدین ادب کے دلائل یکجا کر دیے گئے ہیں۔

بالکل اسی طرح غالب کا ایک دوسرا خط ''بنامہ ناموَر ساز گمناماں ضعف یکسر فروغ می خواہد۔'' ہفت روزہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی شمارہ ۲۲ تا ۲۸ فروری ۲۰۰۸ میں ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی کا ایک مضمون بہ عنوان ''مرزا غالب کا ایک فارسی خط منیر شکوہ آبادی کے نام'' شائع ہوا۔ اس مقالے میں مضمون نگار نے یہ ثابت کیا کہ یہ خط منیر شکوہ آبادی کے نام ہے اور نواب رحمت اللہ خان شروانی کے کتب خانے واقع علیگڑھ کے ایک قلمی نسخے سے لیا گیا ہے لیکن اس کے جواب میں ڈاکٹر حنیف نقوی نے اپنے مضمون ''غالب کے تین فارسی خط'' مطبوعہ ماہنامہ آجکل نئی دہلی مارچ ۲۰۱۱ میں یہ ثابت کیا کہ ''اس خط میں ایسا کوئی قرینہ نہیں جس سے یہ اندازہ کیا جا سکے کہ اس کے مکتوب الیہ منیر شکوہ آبادی ہو سکتے ہیں۔ البتہ پادری فنڈر صاحب کے خط کے (جو رقعات منیر میں شامل ہے) عنوان کی درستی میں زیادہ سے زیادہ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مکتوب الیہ اس مجموعہ خطوط کے مرتب کا ہم وطن یعنی لکھنؤ کا باشندہ یا اس کا کوئی بیرونی دوست ہو سکتا ہے۔ (البتہ) اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ یہ خط غالب ہی کا لکھا ہوا ہے۔''

مندرجہ بالا خطوط کی طرح غالب کے دو فارسی خطوط اور بھی ہیں جو بوجوہ متنازع رہے ہیں۔ یہ دونوں خطوط تا حال عبدالجمیل جنون بریلوی کے نام سے منسوب رہے ہیں لیکن حال ہی میں ڈاکٹر حنیف نقوی نے اپنے مقالے مطبوعہ مباحث، لاہور جنوری تا جون ۲۰۱۲ میں اپنے مسکت دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان دونوں خطوط کے مکتوب الیہ جنون بریلوی ہرگز نہیں۔ مزید مستند و ناقابل تردید دلائل سے انہوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ ان میں سے ایک حکیم امام الدین خان کے نام ہے۔ یہ خط فاضل مضمون نگار کے دلائل کے ساتھ زیر نظر کتاب میں شامل ہے۔ البتہ دوسرے خط کے متعلق جو اس طرح شروع ہوتا ہے ''یزداں آرزو بخش آرزومند بخشائے را'' وہ کہتے ہیں ''دوسرے خط کے بارے میں بہ شرط فرصت آئندہ کسی وقت غور کیا جائے گا'' چونکہ اس خط کا مکتوب الیہ تا حال متنازع ہے اس لیے اس خط کو بھی معہ اس کے ترجمے کے ضمیمہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

غالب کا ایک خط جو غمگین کے نام ہے اور پنج آہنگ میں طبع ہو چکا ہے ضمیمہ میں شامل ہے یہ خط اس پیشکش میں کہ جو خالصتاً غالب کے پراگندہ خطوط پر مشتمل ہے اس وجہ سے شامل کر لیا گیا ہے کہ یہ غالب اور غمگین کے ایک فقید المثال مکالمے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کو دوسرے خطوط سے علیحدہ کرنا اس فکری علمی ترتیب میں جو ان خطوط میں نظر آتی ہے خلل ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ دوسرے یہ کہ غالب کے اس خط سے جو پہلے ہی پنج آہنگ میں شامل ہے اِس میں متن کے بیسیوں اختلافات ہیں۔

اس سے پیشتر کہ یہ تحریر اختتام کو پہنچے لازم ہے کہ میں اپنے ان محسنان گرامی قدر کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں جن کی عاجدانہ و مشفقانہ تائید کے بغیر اس کاوش کی تکمیل ناممکن تھی۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر معین الدین عقیل (کراچی)، ڈاکٹر حنیف نقوی (وارانسی)، ڈاکٹر مشتاق تجاروی (دہلی) اور مہر الٰہی ندیم صاحب (علی گڑھ) کا فرداً فرداً اپنے قلب کی گہرائیوں سے ممنون ہوں کہ انہوں نے ہر ہر لمحے ہر مشکل میں میری مدد کی۔ خدا ان علم دوست، خیر پرور، خلوص شعار ہستیوں کو جزائے خیر دے اور دنیا و عقبیٰ کی مسرتوں سے نوازے۔

پرتو روہیلہ

باسمہ

واحد متکلم
طبع دوم

جنوری ۲۰۱۳ء میں غالب کے غیر مدوّن مکتوبات کی طباعت مکمل ہوئی۔ بحمداللہ غالب کے پرستاروں نے میری اس کاوش کو بھی بے انتہا پذیرائی عطا کی، جس نے مجھے اطمینان سکون تو ضرور دیا لیکن ساتھ ہی ذہن میں ایک نئی خلش پیدا کر دی اور وہ یہ کہ ان تمام مدون و غیر مدوّن مکتوبات کو یکجا کر کے ایک مجلّے میں شائع کر دیا جائے کہ بظاہر غالب کے فارسی مکتوبات کے ضمن میں یہی اس کا واحد منطقی انجام بھی تھا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے حوصلہ دیا اور راستے کی گوناگوں رکاوٹیں دور ہوتی گئیں اور بالآخر وہ منصوبہ جو محض ایک خیال کی طرح پیدا ہو کر رفتہ رفتہ خلش بن گیا تھا حقیقت بن گیا۔ چنانچہ اب غالب کے تمام مدون مکتوبات (تعداد ۳۴۱) اور غیر مدوّن جو تعداد میں چوالیس (۴۴) ہیں، اک مجلد میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ غیر مدوّن مکتوبات بمطابق فہرست مشمولہ تعداد میں چوالیس ہیں۔ ان خطوط میں اب ایک اور خط شامل کیا جا رہا ہے جو غالب نے ۱۸۴۷ء مولوی رجب علی خان ارسطو جاہ کو لکھا تھا۔ غیر مدوّن مکتوبات کی جمع آوری میں جن گرامیانِ ادب نے میری مدد کی تھی ان میں ڈاکٹر حنیف نقوی (مرحوم) سرِ فہرست تھے۔ مولوی رجب علی خان ارسطو جاہ کا یہ خط بھی ان ہی کا عطا کردہ تھا لیکن غیر مدوّن مکتوبات کی طباعت کے وقت کاغذات کے طومار میں کہیں دب جانے کے سبب مطبوعہ کتاب میں شامل نہ ہو سکا تھا۔ چنانچہ اس کو اب شامل کیا جا رہا ہے کلیات مکتوبات، فارسی غالب (پہلا ایڈیشن ۲۰۰۸ء) میں مولوی رجب علی ارسطو جاہ کے چار خطوط میں شامل ہو کر اب ان کے نام خطوط کی تعداد پانچ (۵) ہو جاتی ہے۔

غیر مدوّن مکتوبات میں سرسید علی غمگین عرف حضرت جی کے کل دس (۱۰) خطوط شامل ہیں۔ ان دس میں وہ ایک خط بھی شامل ہے جو کلیات مکتوبات فارسی غالب میں پہلے سے موجود تھا۔ ان دس خطوط میں اس کو اس لیے شامل کر لیا گیا تھا کہ وہ غالب اور غمگین کے ایک انتہائی اہم مکالمے کا حصہ تھا اور اس کی عدم شمولیت سے مکالمہ مجروح ہوتا تھا۔ گویا غیر مدوّن مکتوبات میں اصلاً صرف تینتالیس (۴۳) مکتوبات تھے جو پہلی بار پیش کیے جا رہے تھے۔ چنانچہ غالب کے تمام مکتوبات کی تعداد اب اس طرح بنتی ہے:

۱۔	کلیات مکتوبات فارسی غالب	۳۴۱	
۲۔	غیر مدون مکتوبات	۴۳	= ۱ - ۴۴
۳۔	نو دریافت مکتوب	۱	
		۳۸۵	

شکر ہے غالب کے فارسی مکتوبات کا یہ کام جو ۹۷-۱۹۹۶ء میں شروع ہوا تھا آج وسط ۲۰۱۵ء میں مکمل ہوگیا۔ گویا اب کم از کم ادبی دنیا میں غالبؔ کے فارسی مکتوبات میں کوئی ایسا مکتوب نہیں جس کی تدوین نہ ہوگئی ہو اور جس کا اردو ترجمہ نہ ہوگیا ہو۔ اللہ کا یہ ایک ایسا احسانِ عظیم ہے جس کی سپاس گزاری میرے لیے ممکن نہیں۔ اپنی فطری سیمابیت سے بخوبی آگاہ ہونے کے سبب مجھے حیرت اس امر پر ہے کہ یہ پہاڑ جیسا کام جس کے لیے انتہائی صبر، تحمل اور ثابت قدمی کی ضرورت تھی میرے ہاتھوں کس طرح مکمل ہوگیا حق تو یہ ہے کہ اس کے لیے "ماتوفیقی الا باللہ" ہی کہنا پڑتا ہے۔

اس عظیم منصوبے کی تکمیل میں قدم قدم پر مجھے عزیزان گرامی محمد صادق اور شہزاد احمد کی بے مثل معاونت حاصل رہی جس کے لیے میں ان کا سپاس گزار ہی نہیں ان کے لیے ہمہ تن دُعا گو بھی ہوں۔

پرتوؔ روہیلہ
ستارہ، امتیاز

غالبؔ کے فارسی خطوط

(اُردو ترجمہ)

غالبؔ کے خطوط غمگینؔ کے نام

خط۔۱

قبلہ حاجات، پہلے تو سید امانت علی کے، خدا ان کو سلامت رکھے، دید رہی نے دل کو شادمانی سے مالامال کر دیا اور دوسرے، نظر کو بھی روشنی عطا کی۔ چونکہ (وہ) بزم قدسی کے بار پانے والوں میں ہیں، میں نے ان کا طواف کیا اور پھر ان کے کف پا چومے۔ اس فرمانِ معرفت کے مطالعہ نے کہ جو (جناب کے) گرامی نامہ سے عبارت ہے، روشنی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ سید صاحب اور فقیر صاحب کے ذریعہ ارسال کردہ غزل بھی ملی۔ اس کے ساتھ دوسرا پروانہ لے کر ایک اور شخص بھی آ پہنچا۔ (میں) خوش ہوگیا اور رباعیات کے دیوان کے باعث تو یہ شادمانی اور بھی بڑھ گئی۔ بھلا میرے پاس وہ نقد علم کہاں کہ ان مطالب عالیہ کو سمجھ سکوں اور میں اس لائق کہاں کہ میری خاطر (علم و حکمت کے) یہ موتی رشتۂ تحریر میں پروئے جائیں اور اس پر یہ کرم مستزاد کہ (جناب عالی) خود اپنے غلام سے استفسار کریں کہ اگر تو اجازت دے تو دیباچے کو تیرے نام منسوب کر دوں۔ یہ پرسش بجائے خود ایسا نداز کرم ہے کہ زبان کو اس کی سپاس گزاری کی تاب نہیں۔ اسے (میرے) مرکز خاطر میں یادہ گوئی کر رہا ہوں۔ اگر (جناب کا) حکم یہی ہے تو میں (صرف اس قدر) عرض کروں گا کہ اس تحریر میں میرے نام کی شمولیت نہ صرف میرے لیے بلکہ میرے اجداد کے لئے بھی ابدی افتخار کا سرمایہ ہوگی لیکن (یہ ملحوظ رہے کہ) اپنے اس غلام کی تعریف و توصیف اس تحریر میں حد سے زیادہ نہ کی جائے اور (صرف) اپنا کم ترین خادم ظاہر کریں کہ بہرطور اس صورت سے بھی (جناب عالی کے) خادموں کا مطلب ادا ہو جائے گا اور مجھ ننگ وجود کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ اس کا منتظر ہوں کہ دیوان رباعیات مجھ تک کب پہنچتا ہے اور میں اس سے کب مستفید ہوتا ہوں۔

حکم (جناب عالی) ہے کہ اس صحیفہ کو غیروں کی آنکھ سے محفوظ رکھوں تو ویسا ہی کروں گا۔ لیکن غیر کہاں ہے؟ اس معروضے کے بعد کہ یقیناً آپ کی مرضی کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا، دوسری بات کرتا ہوں کہ جناب کے ذوق اور میرے اعتبار میں اضافہ ہو۔ اس فقیر کے اشعار میں سے ایک شعر جناب نے انتخاب کر کے اس تحریر میں شامل کیا ہے۔

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

میں (جناب کا) فرمانبردار ہوں لیکن اس ضمن میں عقل کا فرمان یہ ہے کہ ہر دیکھنے والا ان الفاظ کے دیکھنے سے معنی کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ (لہٰذا) ہر وہ شخص کہ اس کے معنی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے غیر نہیں ہوا چونکہ اس عالم میں دیر و حرم کی کوئی تفریق نہیں۔ یہ دلچسپ باتیں کہ گستاخانہ عرض کی گئیں ہیں ملحوظ خاطر و ذہن نشین ہوں۔ زیادہ حد ادب، نامہ نگار، اسداللہ، روز تحریر نامہ، دسویں ذی الحجہ بوقت شام، مشفقی سید حیدر علی صاحب بمطابق اپنے کہنے کے تا حال پہنچ چکے ہوں گے۔ سید پیر علی صاحب بھی تہ دل سے سلام کہتے ہیں اور جناب کو بھی مشتاق تصور کرتے ہیں۔

خط۔۲

قبلہ وکعبہ حضرت پیرو مرشد برحق، خدا ان کے سائے کو دوام بخشے۔

ستائیسویں محرم جمعہ کے دن شام کے وقت اپنے غم خانے میں اکیلا بیٹھا تھا اور میرے علاوہ اس محفل میں کوئی دوسرا موجود نہ تھا کہ یکایک معرفت کی بجلی چمکی اور جمعہ نامی قاصد دروازے سے داخل ہوا اور ایک مکتوب کہ جس کو صحیفۂ (مرقعۂ) وحدت کہنا بجا ہوگا میرے حوالے کیا اور مجھے دوبارہ بے خود کردیا۔ میں نے کہا ہائے افسوس میرے کام میں ایک دوسری گرہ پڑگئی اور خطرناک مقام آگیا۔ چونکہ میں نے خود اس پہلے خط کو جو بذریعہ ڈاک مجھے ملا بازوئے فکر کا تعویذ بنایا ہے اور اس گرمیٔ گفتار سے پانی میں شکر کی مانند تحلیل ہو چکا ہوں۔ ہر چند چاہیے تو یہ تھا کہ اس مکتوب مقدس کے جواب کے لیے دیدہ و دل کی آمیزش کرتا اور طرح طرح سے معذرت کی بات چھیڑتا لیکن خدا جانتا ہے کہ میں اپنی جسارت پر اس قدر نادم تھا کہ کسی صورت معذرت نہ کرسکتا تھا اور نہ ہی اس فرمانِ سعید کا کوئی جواب ہی بن آتا تھا۔ اس بار کہ دوسرا خط بھی آپہنچا تو اس شرمساری پر بے قراری کا اور اضافہ ہوگیا اور چاروناچار مجھے بات کرنے پر مجبور کردیا۔ ہائے ہائے اس عبودیت نامے میں کہ جس میں میں نے یاوہ گوئی اور سرکشی کرتے ہوئے ''عین'' اور ''غیر'' کی بات کی ہے، ابتدائے سخن سے پیشتر ہی اپنی گستاخی کی معذرت چاہی ہے اور عرض کیا ہے۔ یہ غیر کہاں ہے کہ الفاظ ایک لطیفہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ورنہ بات وہی ہے جو آپ سمجھتے ہیں اور میں بھی وہی رائے رکھتا ہوں۔ خدا کی قسم (جناب کے) قلمِ ہدایت رقم نے ان دو مکاتیب میں جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے، بجا، برحق و محمود ہے اور اس ننگ وجود کی رائے بھی اس سے مختلف نہیں لیکن اب کیا کروں کہ وقت نکل چکا ہے اور بات غیر ارادی طور پر منہ سے باہر آچکی ہے۔

یقیناً یہ پیرو مرشد کا ذوقِ التفات اور شوقِ آمد دیوانِ رباعیات ہی تھا کہ جس نے مجھے اپنی جگہ بہ ڈال اور ایسا بے خود کردیا اور اس بے خودی ہی میں میرے منہ سے وہ بات نکل گئی۔ ان ساری باتوں کے باوجود آپ سے ہرگز یہ پوشیدہ نہ ہوگا کہ وہ بات نہ بطور دعویٰ تھی اور نہ ہی بانداز سرکشی۔ میں تو یہ جانتا تھا کہ اس لطیفے سے ذوق (سخن) ابھرے (لیکن) اس نے الٹا مجھے دام اضطراب میں ڈال دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ع یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ منزل دور شد

ترجمہ: ع میں ایک لحظہ غافل ہوا اور اپنی منزل سے ایک صدی (کے برابر) دوری ہوگئی۔

میں دکھ کی آگ میں اس لیے جل رہا ہوں کہ جب کہ پہلا خط خصوصاً رشد و ہدایت کے مضمون پر مبنی تھا دوسرا خط ناراضی کی خبر دے رہا ہے اور میں ناتوانی کے سبب برداشت کی طاقت نہیں رکھتا جس طرح کہ شاعر نے کہا ہے۔

ے ماتنک ظرفاں حریف ایں قدر سختی نہ ایم
دانۂ اشکیم مارا گردشِ چشم آسیاست

ترجمہ ہم کم ظرف لوگ زیادہ سختی برداشت نہیں کرسکتے۔ ہم تو دانہ اشک ہیں آنکھیں پھیرنا ہی ہمارے لیے چکی (میں پسنے) کے

مترادف ہے۔

(دیوانِ) رباعیات کے ارسال نہ کرنے کا شہرہ تو ''دور باش'' کی وہ پکار ہے جو دل کو خون اور روح کو فرسودہ کئے دیتی ہے۔ مجھے اپنی جان وایمان کی قسم، اس روز سے کہ آپ کا وعدہ گرامی خاطر نشین ہے، کونسا دن ہے کہ (میں) دیوانِ رباعیات کے پہنچنے کا انتظار نہیں کرتا اور دل کو اس خیال سے نہیں بہلاتا اور کون شخص ہے جو نہ جانتا ہو کہ امیدواری کے بعد ناامیدی کس قدر جاں سوز ہوتی ہے۔ مجبور اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ حقیر تصور کرتے ہوئے دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ چونکہ جناب عالی رباعیات کا مسودہ تیار کر چکے ہیں، لازمی اب آپ کو کوئی شخص چاہیے کہ اس کی نقل کر سکے اور وہ شخص کہ یہ کام کر سکے چاہیے کہ خوش خط ہو اور درست لکھ سکے۔ چونکہ میرا خط بھی بُرا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ (میں) دوسروں کے مقابلے میں زیادہ صحیح لکھ سکوں، امید اس امر کی رکھتا ہوں کہ یہ خدمت میرے سپرد کردی جائے اور (مسودہ کے) وہ اجزا مجھے بھیج دیے جائیں کہ ان کو نقل کر کے (جناب کی) خدمت میں، رساں کردوں اور اپنے اوپر احسان کروں۔ اس ہی خط میں یہ بھی تحریر ہے کہ فراست وذکاوت میں تم تفضل حسین خان کے مرتبے پر پہنچ گئے ہو۔ تو اس ضمن میں یہ عرض ہے کہ تفضل حسین خان ایک شخص تھا، مختلف علوم کا ماہر طب ونجوم وہیئت وہندسہ کا فاضل تھا اور ہر قسم کے علم (کے موضوع) پر بات کر سکتا تھا۔ بھلا میں کہ محض ناقص فارسی جانتا ہوں اس کے مرتبے پر کس طرح پہنچ سکتا ہوں۔ مجھے اپنی غزل کا ایک مطلع، درحسنِ مطلع یاد آ گیا ہے اس کو مقام کی مناسبت کے مطابق اس خط میں تحریر کررہا ہوں۔

دولت بہ غلط نبود از سعی پشیماں شو
کافر نہ توانی شد ناچار مسلماں شو

ترجمہ نیک بختی وکامرانی سے کبھی بھول چوک نہیں ہوتی۔ (لہٰذا، اس ضمن میں) تو اپنی مساعی پر خود ہی نادم ہوجا۔ (اور چونکہ) کافر ہونے کی تجھ میں صلاحیت نہیں ناچار مسلمان ہوجا۔

ے زیں ہرزہ رواں گشتن قلزم نتوانی * گشت
جوئی بہ خیاباں رو سیلی بہ بیاباں شو

ترجمہ اس آوارہ گردی سے تو قلزم تو بن نہیں سکتا۔ سو اگر تو ایک نہر ہے تو خیابان میں بہہ اور اگر سیلاب ہے تو بیاباں کی راہ لے۔

قبلہ وکعبہ خدا نہ کرے کہ کبھی یہ حقیقت میری نظر سے اوجھل ہو کہ میں حقیر لوگوں میں سے ہوں اور وہ خس وخار ہوں جس کی کوئی قیمت نہ ہو اور جو کسی کام نہ آئے۔ اسلام کو مجھ سے شرم اور کفر کو مجھ سے عار آئے۔ جس طرح کہ شاعر کہتا ہے۔

ے براہ اوچہ دربازیم نے دینے نہ دنیائے
دلے داریم و اندوہ بے سرے داریم و سودائے

ترجمہ ہم کس چیز کو داؤ پر لگائیں کہ (ہمارے پاس تو) نہ دین ہے اور نہ دنیا۔ ہمارے پاس تو ایک دل ہے اور اس ہی کا ہمیں غم ہے اور ایک سر ہے اور (اس ہی کے سبب) ایک سودا۔

نہ خرد روشن، نہ عقل درست، نہ بخت سعید۔ میں تو صرف اس بات کو جانتا ہوں کہ (قدرت نے) مجھے بے رنگی پر رچھا کر تھوڑا ہے

خود کر دیا ہے۔ ''صورت پرستوں'' کے عقیدہ کے مطابق مجھے انقسام وجود پر یقین نہیں۔ وہ اس لیے کہ وجود یک اکائی ہے اور ہرگز تقسیم نہیں ہو سکتی نہ ہی تغیر و تبدل اس میں راہ پا سکتا ہے اور وجود کے مقابل صرف عدم ہی ہو سکتا ہے۔

؎ عقل در اثبات وحدت خیرہ می گردد چرا
ہر چہ جز ہستی ست ہیچ و ہرچہ جز حق باطل است

ترجمہ: عقل وحدت کے اثبات میں کیوں چندھیانے لگتی ہے! ہستی کے سوا ہر چیز ہیچ ہے اور حق کے سوا باقی سب، باطل ہے۔

؎ ماہمہ عینِ خودیم اما خود از وہمِ دوئی
درمیانِ ما و غالبؔ ما و غالبؔ حائل است

ترجمہ: ہم اپنے آپ کا ''عین'' ہیں لیکن دوئی کے وہم کے سبب ہمارے اور غالبؔ کے درمیان ہم اور غالبؔ آ پڑے ہیں۔

غرضیکہ ہر قسم کے ذکر و فکر و (جذبۂ) اشتیاق کے بعد، اس خاکسار کے دل کو تو حضرت محی الدین ابن عربی کے ایک فقرہ نے موہ لیا ہے اور وہ ہے ''الحق محسوس'' و ''الحق معقول'' اور مخلوق عام زمین سے آسمان تک (ہے) اور احدیت کی کیفیت کے عدوہ جو بھی تصور کریں وہ سارا کا سارا تعلق محض ہے۔ اس نکتہ کو بیدلؔ نے کیا عمدہ بیان کیا ہے۔

ما خیالات عالم غیبیم گفتگوئے جہانِ لاریبیم

ترجمہ: ہم عالم غیب کے خیالات ہیں۔ (اور) جہان لاریب کی گفتگو ہیں۔

کثرت آمد دلیل یکتائی کہ خیال وراست تنہائی

ترجمہ: کثرت (ہی) احدیت کی دلیل ہے چونکہ خیال ماسوا تنہائی ہے۔

اس خادم کا تو یہی ایمان ہے اور اس کے عدوہ جو بھی ہے وہ وہم و وسواس ہے اور اس عالم کی نبوت، ولایت، حشر نشر، عذاب ثواب، جو کچھ بھی گنائیں سب برحق ہے اور ان سب پر خادم کا ایمان پختہ ہے۔ سبحان اللہ جناب عالی کہ عارف حق ہیں، توجہ قلبی کے اثر سے جناب سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ اعجاز نما کلمہ غیر ارادی طور پر یاد آ گیا۔ حضرت فرماتے ہیں۔ ماشامت الاعیان رائحۃ الوجود۔ یعنی اعیانِ ثابتہ نے وجود کی خوشبو نہیں سونگھی ہے۔ ایک دو اپنے کہے ہوئے اشعار میں سے تحریر کرتا ہوں۔

چوں پردۂ شب باز مصور بخیال است
ایں کارگہِ وہم زپیدائی اشیا

ترجمہ یہ کارخانہ وہم و گماں کہ شے کی نمود پر مبنی ہے اس طرح ہے جیسے کسی شب بیدار تماشا گر کا خیال ہو۔

؎ اندیشہ دو صد گل کدہ گل بردہ بہ دامن
اماّ ہمہ از نقش و نگارِ پرِ عنقا

ترجمہ۔ فکر نے دو سو گلستانوں کے پھول اپنے دامن میں بھر لئے لیکن یہ سارے پھول پر عنقا کے نقش و نگار سے عبارت تھے۔

؎ آئینہ بہ پیش نظر و جلوہ فراواں
دل پُر ہوس و صاحب خلوت کدہ تنہا

ترجمہ آئینہ نظر کے سامنے ہے اور جلوؤں کی فراوانی ہے۔ دل پر ہوس مسلط ہے اور خواجہ خلوت تنہا ہے۔

ہر چند کہ آپ جیسے مرشدِ قدسی صفت کے سامنے ان امور کا بیان دریا کو ایک گھڑا اور گلستان کو ایک برگ گل لے جانے کے مصداق ہے لیکن اس دردمند کا مقصود اپنے عقیدہ کا اظہار ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ اس عقیدے سے کسی چیز کی نفی نہیں ہوتی بلکہ وہ سب کو کیفیت واحد میں قبول کرتا ہے، وہ کفر ہو کہ اسلام یا اس کے علاوہ ہمہ یعنی کُل تصور کے طور پر موجود ہے لیکن وہ تصور نہیں جو ہم نے کر رکھا ہے بلکہ اس تصور سے وہ تصور مراد ہے کہ جو کیفیت واحد کے لیے مخصوص ہے، وراس مقام پر دریا دموج اور آفتاب ونور کی تشبیہ انتہائی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ میر صاحب مشفق سید امانت علی صاحب کہ جناب عالی کے تربیت یافتگان میں سے ہیں اکثر رات کو مجھ پر نوازش کرتے ہیں اور جب خلوت میسر آتی ہے تو راز کی باتیں ہوتی ہیں۔ دو تین دن ہوئے ہوں گے کہ بات بے رنگی کے دائرہ میں جا پہنچی۔ یہ روسیاہ چونکہ ان دنوں بے رنگی (ہی) کے نظارے میں مبتلا ہے میں نے اس باب میں مبالغے سے کام لیتے ہوئے کہا کہ اس سے بلند اور کوئی درجہ نہیں۔ میر سید امانت علی صاحب نے فرمایا کہ اس درجے کا ادراک بھی ایک درجہ ہے۔ میں نے کہا تسلیم۔ لیکن یہ کہنے کی بات نہیں۔ یہ ایک امر ہے کہ افراطِ استغراق میں خود بخود حاصل ہو جاتا ہے اور اس درجہ کے حصول کا طریقہ وہی مشاہدہ بے رنگی میں عمدگی توجہ ہے، نہ یہ کہ اس کی خاطر (اس کے مشاہدہ سے) قطعِ نظر کر لیں۔ ورنہ دوسری صورت میں تو یہ عام لوگوں کی روش کا اتباع ہو جائے گا جہاں لوگوں کے گروہ اس سے غافل ہیں جب کہ لوگوں کی اس کیفیت سے غفلت ان کو اس زبانی کیفیت کے وجد تک نہیں پہنچاتی۔ ع کوئی سمجھے تب ہمہ اوست اور نہ سمجھے تب بھی ہمہ اوست۔

خدارا اس نکتہ پر توجہ فرمائیں اور اس قدر ارتکازِ نظر ارزانی کریں کہ اس عقیدت مند کی مساعی فکر بے رنگی کی منزل سے آگے بڑھ جائیں تاکہ رفتہ رفتہ معدوم و مستغرق ہو جاؤں۔ ور (اس طرح) رنگ سے بے رنگی و استہلاک میں مستغرق ہو کر معدوم محض ہو جاؤں۔ چونکہ جناب عالی نے رباعیات کے نہ بھیجنے پر جائز سرزنش فرمائی (تھی)، ناچار حیرت زدہ ہو کر میں نے بھی اپنے دل کی ساری پریشان خیالی بیان کر دی۔ اگر میرا جرم قابلِ معافی ہے تو مجھے میری خطا کی معافی کی خوش خبری سے نوازیں کہ ازسرنو مسلمان ہو جاؤں اور رحمت حق پر تجدید ایمان کروں۔ اللہ بس ماسوا ہوس۔ تحریر کردہ اٹھائیسویں محرم (1255ھ 1841ء) بروز ہفتہ بوقت چاشت۔ منجانب اسد اللہ روسیاہ۔ میر صاحب مشفق سید حیدر علی صاحب سلام کہتے ہیں اور بعد اظہار عجز و انکسار بحضور پیر و مرشد فرماتے ہیں کہ میری خطا بخش دی جائے۔ فقط

>>☆<<

خط ۔ ۳

حضرت پیر و مرشد برحق (آپ کو خدا) سلامت (رکھے)۔ طالع یار خاں صاحب کے پہنچنے کے بعد میں نے ایک عریضہ

بتاریخ چودہ ربیع الاول بروز منگل انگریزی ڈاک سے روانہ کیا اور میجر جان جاکوب صاحب کے نام کا خط بھی جمعہ کے دن سترہ ربیع الاول کو جناب کا مکتوب گرامی اور آں جناب کا فرمان ہدایت پہنچا، اور مجھے عزت بخشی۔ رباعی کے مضمون کی تازگی نے مجھے بے خود کردیا۔ خدا کی قسم کسی شاعر کا خیال اس نکتہ تک نہیں پہنچا اور کسی کی اس مضمون تک رسائی نہیں ہوئی۔ زاہدوں کی پیشانی کے داغ کو نیے قشقہ سے تشبیہ دینا پاکیزہ و تازہ دلکش (خیال) ہے۔

کر ظن نہ کچھ اس شراب رمّانی پر
مت کبر کر اپنے زہد نفسانی پر
گر کفر دوئی نہیں تجھے اے زاہد
قشقہ یہ کبود کیوں ہے پیشانی پر

لیکن ان جملوں نے کہ "ہم نے تو پیار و محبت لکھا اور تم اس کو عتاب سمجھے۔ تمہیں مجھ سے کوئی دینی غرض ہے اور نہ دنیوی۔ تو پھر میں عتاب کیوں کروں۔ فقط"۔ دل کو افسردہ اور مجھے نا امید کردیا اور چار و ناچار مجھے اس بات پر آمادہ کردیا کہ بات کو طوالت دی جائے اور جو کچھ کہ دل میں ہے (کھل کر) کہہ ڈالوں۔ قبلہ و کعبہ، راستی میرا مسلک ہے اور محبت میرا دین۔ راستی کو ایمان اور جھوٹ کو کفر تصور کرتا ہوں اور اس بیان پر خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ جناب عالی سے میری عقیدت و محبت ناقابل بیان ہے۔ جناب کی مجھ سے ناراضی کا خیال بھی کبھی نہیں آیا اور نہ ہی میں نے کبھی آپ سے شکایتاً کوئی بات کی ہے لیکن اتفاقاً لفظِ عتاب زبان پر آ گیا ہے۔ (دراصل) عتاب سے میرا مقصد عنایت تھا چونکہ کوئی شخص کسی غیر سے ناراض نہیں ہوتا اور تاوقتیکہ اس کو اپنا نہ جان لے خفگی نہیں کرتا۔ جناب عالی تو مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہوئے اور میں تو ان لوگوں میں سے ہوں کہ اگر بفرضِ محال، آپ مجھ سے ناراض بھی ہوں تو میں اس قدر ناز و فخر کروں کہ کوئی دوسرا عنایت پر نہ کرے۔ یہ اس لیے کہ عتاب و عنایت دونوں محبت کا نتیجہ ہیں اور محبت پیشہ لوگوں پر دونوں صورتوں میں شکرانہ محبت لازم ہے۔ البتہ آپ نے دینی اور دنیوی اغراض کی جو بات کی ہے تو خدا کا شکر ہے کہ اس عاجز کا قرطاس خاطر ان دونوں نقوش سے پاک ہے۔ محبت کے سوا نہ میرا کوئی دین ہے اور نہ دنیا۔ باوجود اس کے کہ میں ایک حقیر، بے حیثیت اور نادان انسان ہوں لیکن اس قدر ضرور سمجھتا ہوں کہ وجود صرف ایک وحدت ہے اور اس کی تقسیم ناممکن ہے۔ بے شک اگر کوئی دین اور دنیا بنا بھی لوں تو شرک الوجود کا مرتکب ٹھہروں گا جو انواع شرک میں بدترین ہے۔ اس مکتوب نگار کی فہم کے مطابق دین بھی دنیا کی طرح ایک نقش موہوم (ہے) اور (ظاہر ہے) کہ وہم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ے زاہدا ساماں پرستاں راضی اند از ما کہ ما
خود شریکِ ہیچ کس در ہر دو عالم نیستیم

ترجمہ: اے زاہد، ظاہر پرست ہم سے اس بات پر متفق ہیں کہ ہم دونوں عالم میں سے کسی کے شریک نہیں ہیں۔

ے دشمنی خیزد ز شرکت، تا بہ قصدِ دوستی
عاقبت گم کردہ و دنیا طلب ہم نیستیم

ترجمہ۔ دشمنی تو شرکت سے پیدا ہوتی ہے کہ دوستی کے ارادے میں ہماری عاقبت بھی ہاتھ سے جاتی ہے اور ہم دنیا طلب بھی نہیں ہیں۔

دین طلبوں کو دین مبارک اور دنیا پرستوں کو دنیا نصیب ہو۔ ہم ہیں اور دنیا و عاقبت کی روسیاہی کہ نیستی محض سے عبارت ہے۔ جو کچھ جناب کے قلمِ مشکین رقم نے ''ماشامت الاعیان رائحۃ الوجود'' کے ضمن میں تحریر کیا ہے (کہ) حق حق، عینِ حق اور محض حق ہے (تو اس بارے میں) جناب کے خاک پا کی قسم کھا کر (عرض کرتا ہوں کہ) اس روسیاہ کا عقیدہ بھی اس کے خلاف ہے یہ میں نے غلط لکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعیان ثابتہ خالق کی خلق پر موقوف نہیں۔ اعیانِ ثابتہ کا وجودِ مطلق کے ساتھ ہی تعلق ہے، جو خطوط شعاع کا آفتاب کے ساتھ اور نقوشِ امواج کا دریا کے ساتھ۔ بے شک (چونکہ) وجود واحد ہے (اس لیے) وجودِ اعیان ثابتہ بھی محض وجود واجب ہے یعنی حق تعالیٰ جل شانہ۔ اور یہ جو امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اعیانِ (ثابتہ) نے بوئے وجود نہیں سونگھی ہے تو وجود، ہستی موہوم سے عبارت ہے یعنی پیدائی ونمائش۔ اور یہ تو مسلمہ (حقیقت) ہے کہ واجب پر تغیر روا نہیں۔ پس اس سے امام کا مقصود یہ ہے کہ اعیانِ ثابتہ کبھی بھی نمائش واہی نہیں اعتباری ہیں۔ اعیانِ ثابتہ سے لے کر صور محشر تک جو مظاہر و مناظر ہیں مستند طور پر باطل ہیں اور ان میں (حقیقاً) کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک ہی حالت میں ہیں۔ مثلاً اجزائے آفرینش میں سے ایک جز (یعنی) ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ پشت پدر سے شکم مادر میں پہنچا اور نو ماہ بعد زمین پر وارد ہوا اور چند سال دودھ پیا، پھر بولنا شروع کیا اور ہر قسم کی باتیں کیں اور زید نام پایا۔ جب جوان ہوا تو دانشوری کی شہرت پائی، علم سیکھا، لوگوں کو راہ راست دکھائی اور ستر سال اس طرح زندگانی کی، بالآخر بیمار ہوا اور مر گیا اور لوگوں نے اس کو دفن کر کے اس کے مزار پر ایک بلند گنبد کھڑا کر دیا اور اب اُس کی زیارت کرتے ہیں اور ہر شخص جو مانگتا ہے اس مزار سے پاتا ہے۔ غرضیکہ یہ ساری اور ہزارہا اسی قسم کی باتیں جو تصور کی جا سکتی ہیں اور جو ہم کہتے ہیں۔ یہ سارے توہمات ظاہراً یکسر بے بنیاد ہیں۔ نطفہ کی پیوستگی کے دن سے دفن کیے جانے تک وہی عینِ ثابتہ زید ہے کہ جو وجودِ مطلق میں ثابت ہے (جس نے) قطعاً نمائش قبول کی اور نہ ہی فنا پذیر ہو۔ (اور آئندہ بھی) نہ ظاہر ہوگا ورنہ پنہاں رہے گا اور یہ پیدا ہونا، رہنا، بولنا، سننا، زندہ رہنا اور مرنا یہ سب زید کی عینِ ثابتہ کی حقیقت ہے جو ہمیشہ سے اس میں موجود ہے اور رہے گی۔ اور یہ مثال جو دی گئی صرف نوع بشر پر ہی منطبق نہیں ہوتی بلکہ ستاروں، آسمانوں، عرش، کرسی، شجر، حجر حتیٰ کہ زمان و مکان کا بھی یہی حال ہے۔ (درحقیقت) آسمان نہیں، یہ فلک کا عینِ ثابتہ ہے اپنی حقیقتِ گردش اور ذاتِ واحد الوجود میں (اپنے) ارتکاز کے ساتھ۔ یہ آفتاب نہیں، آفتاب کا عینِ ثابتہ ہے جو اپنی تمام چمک دمک کے ساتھ ذاتِ احدی میں جلوہ گر ہے۔ وقت نہیں ہے بلکہ عینِ ثابتۂ وقت ہے مکان کی صورت اور یہ اس ہی کے اعتبارات ہیں جو آج اور کل کی صورت میں وجودِ مطلق میں شامل ہیں (جب کہ) ازل سے ابد تک ایک ہی لمحۂ واحد ہے اور تحت الثریٰ سے لے کر عرش کی بلندی تک وہی ایک مکانِ واحد ہے اور ذات واجب کا ثبوت بدیہی بھی ہے اور حقیقی بھی لیکن چونکہ ذات واجب تغیر وتبدل سے مصؤن ومحفوظ ہے اس لئے ر زناً اعیانِ ثابتہ بھی نمود واہی میں وجود پذیر نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کو زوال لاحق ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ اعیانِ ثابتہ کا موجود نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ تغیر پذیر نہیں ہیں اور ذات (احدیت) سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے اور ہمیشہ اپنے آپ سے اپنے آپ پر روشن ہوتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو کیا ضرورت ہے کہ اعیان کو ممکنات کے معنی میں شمار کریں۔ دراصل اعیان سے اعیانِ ثابتہ ہی مراد ہوتے ہیں اور وجود سے مراد نمائش، محل پسندی، تبدل اور تنزل ہوتا ہے اور اگر وجود سے وجود

مطلق مراد لیں تو البتہ اس صورت میں اعیان کو ممکنات ہی کے معنی میں سمجھ سکیں گے اور (ان کو) ہرگز اعیانِ ثابتہ نہیں کہیں گے چونکہ اس صورت میں انکارِ وجودِ واجب لازم ہو جاتا ہے۔ خدا اس عقیدے سے محفوظ رکھے۔ اب جو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے تو بہتر ہے کہ میں مشاہدۂ بے رنگی کے ضمن میں بھی اپنا حال عرض کردوں کہ کاندھوں کا بوجھ ذرا ہلکا ہو جائے۔ اے خداوند میں نے ہوس سے آنکھیں موند لی ہیں اور بے رنگی سے دل لگالیا۔ (اور اب) یہی بحث اعیانِ ثابتہ کہ جس پر گفتگو ہوئی مطمح نظر ہے اور یہی میری کوشش ہے کہ اپنی عینِ عدمیت پر لوٹ جاؤں اور جلد سے جلد (اپنے مقصود) کو پالوں (لیکن) بغیر ریاضت کے۔

ع   دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

ترجمہ: جانو تب ہمہ اوست اور نہ جانو ہمہ اوست

البتہ فی الوقت یہ کیفیت ہے کہ میرا وہم تھوڑا تھوڑا باقی ہے جو کبھی کبھی مجھے گمراہ کرتا ہے لیکن اس نگاہِ کرم کی برکت کے سبب کہ جو پیرومرشد مجھ پر رکھتے ہیں امید رکھتا ہوں کہ ان وسوسوں سے پاک ہو جاؤں گا اور راہِ فنا میں خاک ہو جاؤں گا۔ قبلہ وکعبۂ حق گزارش تحریراً ادا نہیں ہوسکتا اور تحریر تقریر کا مرتبہ نہیں حاصل کرسکتی۔ اس دن کا آرزومند ہوں جب جنابِ عالی کی قدم بوسی سے مشرف ہوں گا اور اپنے دردِ دل کو زبان سے بیان کروں گا اور جناب کا ارشاد اپنے گوشِ ہوش سے سماعت کروں گا۔

یہ جو آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تصوف کے باب میں بھی تیری جانب سے پورا اطمینان حاصل ہو گیا تو (عرض یہ ہے کہ) جنابِ عالی میں سپاہی بچہ، بے علم و بے سواد (ہوں)۔ میرے باپ دادا صحرانشین ترکوں میں سے تھے۔ بس اتنا ہے کہ میں ایک دو مصرعے موزوں کر لیتا ہوں اور ہر صنف میں کچھ نغز گوئی کر لیتا ہوں۔ مجھے تصوف سے کیا واسطہ اور درویشی سے میرا کیا رشتہ لیکن فی الوقت اس سے زیادہ (ہرگز) نہیں کہ واحدیتِ وجود اور عدمیتِ اشیا کو (مشیّت نے) میرے ضمیر میں ڈال دیا ہو اور الحق محسوسٌ والحق معقولٌ کو میرا عقیدہ بنا دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہی یکتا ہے اور اس کے عدد وہ اور کوئی نہیں۔ دوسرے میری حوصلہ مندی، کوشش، ریاضت، دولت و مال سب کا انحصار ایک دو پیمانہ ہائے شراب پر ہے کہ رات کو پی لیتا ہوں اور مست (ہوکر) سو جاتا ہوں۔ (اس سے زیادہ) میں نہ دین کو سمجھتا ہوں نہ دنیا کو۔ اللہ بس ما سوا ہوس۔ خداوند نعمت خدا آپ کو سلامت رکھے۔ گرمیاں میرے عزمِ سفر میں مانع نہیں، کام نہ ہونا بھی مانع نہیں خرقہ جسم پر ڈال لوں گا۔ ورروانہ ہو جاؤں گا لیکن میرا مقدمہ ولایت گیا ہوا ہے اور پورے دو سال ہو چکے ہیں تو اس کی امید لگی رہتی ہے کہ آج یا کل یا پھر زیادہ سے زیادہ ہفتے بعد، دو ہفتے، ایک ماہ، دو ماہ بعد ولایت سے اس کا فیصلہ پہنچ جائے گا اور پھر اسکے پہنچنے کی دیر نہ ہوگی کہ میں گوالیر روانہ ہو جاؤں گا۔ پیرومرشد خریدے ہوئے غلام کو آزاد نہیں کریں گے چونکہ وفادار ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں کہ کہنے کے لائق ہو۔

منجانب اسداللہ۔ محررہ 18 ربیع الاول (1255)، بروز ہفتہ بوقت نیم روز

>>☆<<

خط۔۴

در دل ز تمنائے قدمبوس تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاق ادبم را

ترجمہ: میرے دل میں تیری قدمبوسی کے سبب ایک ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ تیرے شوق نے میرے ذوق ادب کو کیسا نمک چکھا دیا ہے۔

قبلہ راستاں کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کرنے کا خیال آتا ہے۔ اگر گستاخی نہ ہو تو قبلہ سالکاں کے گرد طواف کرنے کی آرزو کروں۔ اگر ادب اجازت دے (تو) دلکش خطوط کا وروداور محبت آمیز نکات کی سماعت کہ جو مجھے اپنی خوش بختی کی امید دلاتی ہے، مجھے بیش سے بیشتر مبارک ہوں چونکہ جناب عالی نے اپنے قصبِ نظر میں مجھے جگہ دی ہے اگر اس عروج پسندی پر میر سر آسمان سے جا لگے تو بجا ہے اور اگر اس خودنمائی میں مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آئے تو جائز۔ اس دریائے کرم وسخاوت کی نوازشات کے شمار میں طالع یار خان مجھ سے بڑھ گئے ہیں اور میری عقیدت میں ناقابل حساب اضافہ کر دیا ہے۔ بھلا میں اس التفات کے لائق کہاں اور نکوکاری میں میرا وہ مرتبہ کہاں کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے دیدار کا تمنائی ہو اور وہ بھی ایسا عالی مرتبہ اور بلند پایہ شخص کہ جس کی فطرت سات سمندروں کی آبرو ہو اور جس کا پھول آٹھ گلستانوں کے لیے رنگ وبو۔ شبلی ماسوائے اللہ کے سارے قطعِ تعلق کے باوجود عبادت گاہ میں اس کے قدموں کی تمنا میں چشم براہ ہے اور منصور اس اناالحق کی پکار کے شوروغوغا میں اس کی بات سننے کی آرزو میں گوش برآواز ہے۔

سبحان اللہ۔ وہ (شخص) کہ جس کی شمعِ جمال کی پروانگی پر تجلی طور بھی فخر کرتی ہے، مجھ سے طلبِ جلوہ کر رہا ہے اور وہ کہ کوئی نظر جس کے نظارے کی تاب نہیں رکھتی میرے دیدار کی طالب ہے۔ کیا کروں ایک طویل مدت سے میری ہمت ایک مہم میں الجھی ہوئی ہے اور ایک مقصد کے ذوق کی تب وتاب نے میرے پیراہن میں چنگاری ڈال رکھی ہے اور وہ بذاتِ خود (ایک) نازک کام ہے اور دشوار مقصد ہے کہ جو اس سے پہلے کئی سال سے ریزیڈنسی دہلی میں کش مکش میں ہے اور ایک طویل مدت سے کلکتہ کی کونسل آف گورنر میں پڑا پیچ وتاب کھا رہا ہے۔ اب دو سال ہوئے ہیں کہ وہ مقدمہ ملک لندن گیا ہے اور وہاں عدالت میں زیرِغور ہے۔ جب تک کہ اس دیار سے کوئی جواب اور اس عدالت سے کوئی حکم نامہ نہیں آ جاتا، اس جگہ سے حرکت کرنا اور دہلی سے باہر جانا ممکن نہیں۔ میں چاہتا تھا کہ اس مقدمے کے بارے میں کچھ احوال جناب کی خدمت میں پہنچاتا لیکن اگر میں اس میں لگ جاتا تو طوالت کے سبب موضوعِ سخن ہی کھو جاتا اور گوہرِ مقصود بھی سامع کے ہاتھ نہ آتا۔ قصہ مختصر منتظر بھی ہوں اور مطمئن بھی (لیکن) اس کشمکش میں کہ جس کے سبب اندر اور باہر سے انتشار کا شکار ہوں، سفر کا یارا نہیں۔ لیکن سمجھتا ہوں کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو آئیں اور مقصد کی گرہ کھلنے ہی والی ہے۔ ارادہ یہ ہے اور اس بات کو پوری طور پر سمجھتا بھی ہوں کہ جب ولایت سے نزاع کے اختتام کا حکم آ جائے گا تو اس کے بعد سوائے اس تھوڑے وقت کے کہ جو ضرورتِ سفر میں لگے (مزید) دہلی میں نہیں ٹھہروں گا اور (سیدھا) عازمِ گوالیار ہو جاؤں گا۔ اگر چلنے والے پیروں سے چلتے ہیں میں سر کے بل چلوں گا۔ امیدوار ہوں کہ جناب عالی اپنے پرورش یافتگاں اور خوانِ فیض کے پارہ چینوں کو ہدایت فرمائیں گے کہ خاص وقت پر مجھے اور میرے کام کو خیال میں لا کر اس پر توجہ فرمائیں کہ میرا کام جلد ہی ہو جائے اور میری آرزو برآئے کہ میرے پائے

راہ پیا کو کشادگی نصیب ہو اور میں گوالیار کا راستہ پکڑوں۔
پوشیدہ نہ رہے کہ طالع یار خان کے پہنچنے کے تین دن بعد جناب کا حکم نامہ کہ سراسر رنگ و بیرنگی کی تحریر سے پُر تھا، مجھے بذریعہ ڈاک ملا اور (وہ) میری ہمت کے بازو کا تعویذ بن گیا ہے۔اسی طرح مجھے یہ امید بھی ہے کہ اس عرض داشت کے پہنچنے سے چند دن پہلے ہی سید امانت علی صاحب حاضر ہو کر آپ کی درگاہِ قبول میں میرا سلام نیاز اور نظر کرم میں فارسی کی غزلیں پہنچ چکے ہوں گے۔اس تھوڑے عرصے میں میجر صاحب کرم فرما میجر جان جاکوب صاحب بہادر دو خطوط دولت خانے کی تعمیر کی تاریخ کی طلبی کے لیے مجھے ارسال کر چکے ہیں۔ان دونوں خطوط کے جواب میں ایک خط کہ جو دو قطعات تاریخ پر مشتمل ہے اس معافی نامے کے ساتھ ہی ارسال کر رہا ہوں۔مطالعہ کے بعد مکتوب الیہ کو دے دیا جائے۔زیادہ حدادب، از اسد اللہ۔محررہ چودھویں ربیع الاول 1255 ھ۔حیدر علی صاحب اور میر امانت علی صاحب کی خدمت میں سلام نیاز پہنچے۔مکرمی حکیم رضی الدین حسن خان صاحب کہ جو مجھے لطف و کرم سے نوازتے ہیں اور جن کی ملاقات ہی اس دکھ میں میری خوشی (کا سامان) ہے سلام نیاز کہتے ہیں اور میری طرح ہی دیدار کے متمنی ہیں۔

......>>☆<<........

خط۔۵

جناب ہادی، خدا آپ کو سلامت رکھے۔سترہ ربیع الاول کو جمعہ کے بعد ایک قاصد دروازے سے داخل ہوا اور (جناب کا) گرامی نامہ مجھے دیا۔جب اس سے پوچھا گیا کہ تو کون ہے اور کب جا رہا ہے تو بتایا کہ نواب شاہ جی کے نوکروں میں رہا ہوں اور دو تین دن میں گوالیار جا رہا ہوں۔خاکسار نے دوسرے دن کہ ہفتے کا دن اور ربیع الاول کی اٹھارہ تاریخ تھی خط لکھنے کو قلم سنبھالا، اور اس مکتوب میں دردِ دل بیان کیا۔آج تک کہ اتوار کا دن اور مہینہ کی ستائیس تاریخ ہے وہ خط میرے پاس جوں کا توں دھرا ہے لیکن نامہ بر غائب ہے۔اس وقت کہ دن کا ایک پہر باقی ہے انگریزی ڈاک کے محکمہ کا ایک ہرکارہ اتفاقاً آ پہنچا اور جناب کا حکم نامہ اور جان صاحب کا خط کہ دونوں تیئیس تاریخ کے لکھے ہوئے تھے مجھے دکھائے۔یقیناً دونوں خط دونوں جگہوں سے اس ہی خط کے جواب میں تھے جس میں قطعہ تاریخ لکھ گیا تھا۔قصہ مختصر اس مبارک مکتوب کے ورود نے چونکہ شوق کو تازگی بخشی اور دل کو انگیخت ملی میں نے دل میں کہا بھلا آدمی کا انتظار کیوں کیا جائے۔بہتر تو یہ ہے کہ خط لکھوں اور ڈاک سے بھیج دوں۔ہر چند کہ یہ خط بھی آج ہی لکھ رہا ہوں لیکن ڈاک کا وقت نکل گیا ہے اور سارا دن گزر چکا ہے۔(لہٰذا) یہ عرض داشت اب کل ہی روانہ ہوگی۔اس سے پیشتر کے دو تحریر کردہ خطوط بھی اس ہی خط کے ساتھ بھیجے جا رہے ہیں اور گزارش یہ ہے کہ اور بھی زیادہ محبت سے ان کا مطالعہ کریں اور چونکہ (اب) حکم یہ ہے کہ خط میں سوائے اشتیاق کے کوئی دوسرا مضمون نہیں ہوگا، میں نے بھی اس آئین کو قبول کیا ہے اور یہی بہتر جانا ہے کہ (ان نجی) خطوط میں وحدت و کثرت داخل نہ ہوں اور ان کو بالمشافہ ملاقات کے وقت کے سپرد کر دیا جائے اور انشاءاللہ یہ مقصد بھی جلد ہی پورا ہوگا۔جس طرح پہلے خط میں عرض کر ہی چکا ہوں جان صاحب قلندر کے مکان کی تاریخ جو جناب نے نکالی ہے کیا بتاؤں کتنی عمدہ ہے اور دوسری خوبی اس میں یہ کہ درویشانہ گفتگو کی تمکینی بھی

موجود ہے جب کہ (عموماً) ان چیزوں کی گنجائش تاریخ میں مشکل ہی ہوا کرتی ہے۔ اگر چہ میری خواہش یہ ہے کہ ان دو خطوط میں تحریر کے آخر میں نوشتۂ سابق جو تحریر ہے اس کو تہِ دل سے مان لیا جائے۔ زیادہ ادب۔ سید صاحب محبت آثار میر حیدر علی صاحب و میر امانت علی صاحب کو اسد اللہ روسیاہ کی جانب سے یہ معروض ہو کہ ہم نے بھی آپ کی جماعت میں شامل ہو کر آپ کے ساتھ خواجہ تاشی اختیار کر لی ہے اور آپ کے آقا کو خط غدمی لکھ دیا ہے۔ امید ہے کہ آپ پر گراں نہ گزرے اور آپ کے سلسلے میں ہماری شمولیت آپ کے لیے باعثِ ننگ و عار نہ ہو۔ پیرو مرشد کی خدمت میں دوبارہ عرض ہے کہ چونکہ بوقت شب، حباب کا جمع ہونا معمول ہے اور میں یہ خط اسی وقت لکھ بھی رہا ہوں اور تمام بھی کروں گا لازمی جناب عالی کا پیغام حاجی یار خان کی خدمت میں رات کے وقت پہنچا دوں گا (اور) عالی جناب حکیم رضی الدین حسن خان صاحب کو رباعی بھی اس ہی وقت پڑھ کر سنا دوں گا۔ (ان کے) جوابات اگلے مکتوب میں لکھے جائیں گے۔ 28 ربیع الاول 1255ھ

..>>☆<<..

خط۔۶

قبلہ و کعبہ یگانہ۔ حدیث کے مطابق حقیقت واحدہ کے ماننے والے کسی چیز کو موجود نہیں مانتے۔ رخ نیاز جس طرف بھی کریں اس جماعت کی آنکھ اس ہی بنیادی حقیقت پر کھلی ہے اور لا موثر فی الوجود، موجود الا اللہ یعنی نہیں ہے کوئی کارفرما وجود میں سوائے اللہ کے اور نہیں ہے کوئی موجود سوائے اللہ کے، بھی اس ہی سوز و گداز سے عبارت ہے۔ بمحالہ کتنی ہی عاجزی کا اظہار کروں ثنائے ایزدی ہی ہے کہ اس پردہ میں بجا رہا ہوں۔ کافر ہوں اگر میرا شکوہ کبھی غیر (اللہ) سے ہوا ہو یا خود اس شکر و سپاس و شکوے اور سفید و سیاہ کا نگاہ حق بیں میں کوئی وجود ہو۔ جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے۔

ے دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایک کشاکش ہا اوست

ترجمہ: سمندر اپنے وجود (ہی) میں موج رکھتا ہے۔ تنکا سمجھتا ہے کہ یہ کشاکش اس کے ساتھ ہے۔

حق تو یہ ہے کہ ہم جو کچھ بھی دیکھتے ہیں، دیکھنے پر مجبور ہیں یا پھر دیکھے ہوئے ہی کی شرح کر رہے ہیں۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نے ہر چیز کو اس کی ضد سے پہچانا ہے۔ دن کو رات سے، گرمی کو سردی سے، پست کو بلند سے اور روشن کو تاریک سے۔ ضمیر مشکیں میں یہ نہ آئے کہ یہ بات میں خصوصاً خدا تعالیٰ کی کبریائی کے ضمن میں کہہ رہا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اس بارگاہ میں تو نہ ضد کو کوئی بار ہے اور نہ مثل ہی کا کوئی مظہر ہے بلکہ اس اصول کی نمود کا مقصد یہ ہے کہ پندار ہستی کے مقام پر ہم سب اس تنگنائی کے عاجزوں میں ہیں۔ جو کچھ بھی تصور میں آئے لامحالہ اس کی ضد ہی ہوگی اور وہ (یعنی اس کی ضد یا مقابل) حق نہیں بلکہ باطل ہے۔ اور مقابل وجود نہیں بلکہ عدم

ہے۔اور یہ تقابل بھی اندازِ کلام میں تقاضائے سبقت کے مطابق ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ باطل کا حق کے ساتھ اور عدم کا وجود کے ساتھ کیا مقابلہ۔غرضیکہ مقابل حق نہیں بلکہ باطل ہے مقابل ہست نہیں بلکہ نیست ہے۔پس ہستی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ نیستی ہے ور جو کچھ بھی غیر موجود ہے وہ عدم ہے۔ کل شیء ھالک الا وجھہ ۔ ہر چیز فنا پذیر ہے سوائے اس کے چہرے کے۔اس لیے کہ کلام میں (بھی وہ) بغیر حروف و آواز موجود ہے۔اس مقام کا اشارہ اور ھالک کے بھی وہ معنی نہیں کہ کوئی سمجھے کہ ان مظاہر بے بود کو بالآخر فنا ہونا ہے بلکہ اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ سب معدوم ہیں۔لیکن حدذات (احد) میں فنا ہوگئے ہیں اور یہ صورت ایسی نہیں کہ جس کے ثبوت ونفی کے لیے کسی دانشمند کے اقرار،ور کسی ناسمجھ کے انکار کی ضرورت ہو۔چونکہ عارف کہتا ہے۔''گر جانتے ہو تب ہمہ اوست اور نہیں جانتے تب ہمہ اوست''۔

خدا جناب عالی کو سلامت رکھے۔صوفیہ کی باتوں سے تو دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔اگر ان ساری کتابوں کو جمع کیا جائے تو کاغذ کے ڈھیر لگ جائیں لیکن ان سارے مکالمات کی اصل کو دل نہیں مانتا اور ان کا ماحصل دل نشین نہیں ہوتا اور جب تک دل ابتدا ہی سے نرم نہ ہو اور یہ رمز یہ کسی کے دل میں نہ بیٹھے تو (یہ سب اس کے لئے) ہیچ صحرا کے مرگ ناکامی کے مترادف ہے اور اس کا کسی صورت حصول مدعا ممکن نہیں اور اس نے اعمال تسخیر و [1] کشف جمع نہیں کئے اور اس کی عمران ملمع کاری کی باتوں میں بیکار گزر گئی اور جس کسی کو اس مرحلے پر آگہی مل گئی اور اس کے ذہن میں یہ افکار بحق بہست تہ نشین ہو گئے تو پھر وہ آلودگی سے معری رہا اور رند پارسا بن گیا۔میں نے اپنی تمام نادانی اور بے علمی کے باوجود کہ نہ ہی علم سے بہرہ ور ہوں اور نہ ہی عمل میں کامیاب،دنیا کے پیمانہ کی تیجھٹ اور خاندان بنی آدم کے لیے عار ہوں اس مرحلے پر بھی ٹھوکر کھائی ہے اور اس منزل پر پہنچتے پہنچتے [2]۔اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ دنیا والے کیا کہتے ہیں،ور معرفت پر بحث کرنے سے ان کا مطلب کیا ہے۔وہ جو جناب نے دیوان کے دیباچہ کی نثر کا حکم فرمایا ہے تو مجھ جیسے کی یہ استعداد کہاں کہ ایسے نکات کی تشریح پر توجہ دے سکوں۔لبتہ اتنا ہے کہ جو کچھ کہوں گا میری فکر (اپنے) دائرے سے باہر نہیں جائے گی اور میرا قلب کہ وسوسوں کا شکار ہے بجز حقیقی عدمیت پر راجع ہونے کے (کسی دوسری صورت سے) تسکین نہیں پائے گا۔جو کچھ کہ میرا مطمح نظر ہے وہ مدارجِ کمال میں سے نہیں۔لیکن کس طرح کہوں کہ جب سے لواحقات دنیا نے دل میں گھر کرلیا ہے مجھے کیسا لطف آرہا ہے اور شہد کے کیسے کیسے چشمے میرے روئیں روئیں سے پھوٹ رہے ہیں۔میں خود ہی اپنی ہوائی دلسبیل ہوں ور ہر سانس میں ایک قدح (مے) کے ساتھ سوکوثر پی جاتا ہوں۔ان باتوں کی چونکہ انتہا نہیں اس لیے مجبوراً حقیقت پسندی کی طرف آتا ہوں اور کھلے بندوں مستانہ وار حکایت ختم کرتا ہوں۔

---

[1] متن میں کچھ لفاظ لکھے جانے سے رہ گئے ہیں۔خالی جگہ پر نقطے ڈال دیے گئے ہیں اور خوانا الفاظ کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔[2] متن ناخوانا ہے اس لیے پورا جملہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

[3] متن میں گریبان کی جگہ دامن ہے۔تنگی دل میں ہاتھ دامن کی طرف نہیں گریبان کی طرف بڑھتا ہے۔(مترجم)

بندہ نواز۔ ان دنوں جناب کے دو مکتوب پہنچے اور انہوں نے مجھے میری اپنی نظر میں آبرو بخشی افسردگی و کسمندی نے مہلت نہ دی کہ جواب دیا اور خط تحریر کیا جائے (لیکن) اب کہ مضراب پرستش کی زخمہ زنی کی آواز تیز تر ہو گئی ہے تو نغمہ ہائے پوشیدۂ زیرِ سب بھی سر نکالتے ہیں۔ سب سے پہلے تو نوازش و کرم کا سپاس جناب کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور پھر یہ عرض ہے کہ مخدوم مکرم و مطاع معظم سید بدرالدین علی خان صاحب المعروف بہ فقیر صاحب کہ اسد اللہ کا دل ان کی قید مہر و وفا میں ہے اکثر اوقات از راہ لطف و نوازش میرے غمکدہ پر تشریف لاتے ہیں۔ جناب کے ارشادِ گرامی کے مطابق چونکہ میں نے ان کی دلداری کی اور ان سے ہمدردی کا اظہار کیا تو مجھے تو وہ بہت درد آشنا، شکستہ دل، ناامید، خونیں جگر، بھائی کی موت سے بھی دل پر سینکڑوں زخم کھائے اور اپنی بے بسی سے اپنا ہاتھ اپنے گریبان (لے) کی طرف بڑھائے ہوئے (انسان نظر آئے)۔ کبھی وطن چھوڑنے کا ولولہ کبھی غربت ہمیشگی کا الزام ان کی زبان پر ہوتا اور کبھی ترکِ سپاس کے ذوق کے گداز سے مغزِ سخن سے دھوئیں اٹھا دیتے۔ سچ تو یہ ہے کہ زندان غم کا عاجز کیا کرے اور دردِ تنہائی کا گرفتار کس طرح افسردہ نہ ہو چونکہ میں بھی ان کی خاطر خواہ مدد نہیں کر سکتا ہر گھڑی ان کے دکھ پر افسوس کرتا ہوں اور ان کی ذات کی سلامتی و حالات کی درستی کی خدا سے دعا کرتا ہوں۔ غرضے کہ ہزار گونہ یقین دہانیوں کے بعد میں نے فقیر صاحب کو جناب کے مہر زدہ مختار نامہ کی طلب پر راضی کر لیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسٹامپ معہ مسودۂ ہبہ نامہ و مختار نامہ جناب کی خدمت میں ارسال کر دیں۔ ن کاغذات کے پہنچنے پر اپنی مہر لگا کر عنایت کی جا سکتی ہے اور یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ آں جناب کے بیے اپنے فرزندوں میں سے فقیر صاحب بھی کسی طرح کم نہیں۔ بے شک اس بے چارے کو شفقت پدری سے محروم نہیں کرنا چاہیے. در خاص طور پر تو اس قسم کی مخلوق کے حق میں تو یہ آثار ربوبیت کے مظاہر میں شمار کئے جانے کے رق ہے۔ اس سے زیادہ سوائے اس کے کہ ہیچ ہوں بلکہ نہیں ہوں اور کیا لکھوں۔ محررہ غرہ ربیع الثانی بروز پیر 1200ھ

>>☆<<

خط۔ ۷

قبلۂ دیدہ و دل خدا آپ کو سلامت رکھے۔ میں جانتا ہوں اور میرا دل کہ گرامی نامہ کے ورود کے فیض نے میرا کیا حال کیا۔ (بھڑکتی) آگ پر (گویا) پانی ڈال دیا اور چراغ آگہی روشن کر دیا۔ بے شک اس صحیفہ پاک نے ایک (ایسی) شمع دکھا دی جس پر روح کی پروانگی کی آرزو کروں۔ کیا کروں وقت کم ہے، در باتیں بہت۔ جمعہ کا دن ہے۔ ستائیسویں شعبان اور صبح کا وقت ہے ور میں تا حال جن (جھگڑوں) میں مبتلا ہوں ان سے فراغ نہ پا سکا ہوں اور آدمی روانگی سفر پر کمر کسے میرے سامنے بیٹھا ہے۔ (جناب کے) دیوانِ فیض آثار میں جو کچھ میں نے دیکھا کافر ہوں جو مجھے مثنوی مولوی روم میں یا دوسری تصوف کی کتابوں میں نظر آیا ہو۔ خصوصاً رباعیات میں کہ ہر کوزہ میں ایک دریا اور ہر ذرے میں ایک آفتاب (سمایا) ہوا ہے اور اگر زندگی باقی ہے تو رباعیات کا حال اس کے بعد تحریر کیا جائے گا۔ اتنا ضرور خاطر نشین ہو جائے کہ ہم نے بھی اس ہی مسلک سے، ور اس ہی عقیدے کے ساتھ دل لگایا ہے۔ اب یہ تو اختتام پر ہی معلوم ہوگا کہ کس پردے سے باہر سر نکالتے ہیں اور کس قبیل میں ہمارا شمار ہوتا ہے۔ دیوان تازہ مخدومی مکرمی سید بدرالدین علی خان

معروف بہ فقیر صاحب کے حوالے کیا گیا اور اس سے سابقہ دیوان لے کر جناب کے ملازم کو واپس دے دیا گیا ہے۔ یہ خط اتنی جلدی میں کہ نا قابل تصور ہے، لکھا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (جناب کے) نوازش نامہ کا جواب میں نے تا حال نہیں لکھا۔ زیادہ حد ادب، مشفقی میر حیدر علی صاحب کو سدم کے بعد معلوم ہو کہ پیر علی صاحب ان دنوں دہلی آئے تھے۔ ان کو، ایک مدت کے بعد میں نے دیکھ وہ آج ہی آگرے روانہ ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تقریباً ایک ماہ آگرے میں گزار کر گوالیار جائیں گے۔ (یہ بات) احد عا لکھی گئی۔ عرضداشت۔ اسداللہ روسیاہ۔ فقط

>>☆<<

خط۔۸

خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنے شوق کا ممنون ہوں کہ اس نے مجھے ایسے دل میں جگہ دی ہے کہ جب تک ستر پانیوں سے پنا منہ اور زبان نہ دھولوں اس کا نام لینے کے لائق نہیں۔ نیک بختی کے ستارہ کی روشنی، چمنِ فادت کی بہار، بے کراں نوازشات کا منبع، خدا کی رحمت کے حصول کا ذریعہ، نورالانوار کا فروغ یافتہ، ہدایتِ ابدی اور راہ یابیِ ازلی کے ذریعہ مقامِ جمع الجمع کے راہ یافتہ، مرشدی ومولائی ومخدومی حضرت میر سید علی نے چونکہ مجھ جیسے (حقیر) پر نوازش کی اور قیمتی (الفاظ) خطاب سے یاد کیا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سورج کوڑے کرکٹ پر بھی چمکتا ہے اور بادل خس وخار کو بھی محروم نہیں کرتا۔ صحیفۂ قدسی کے ورود کے فیض نے آگہی کے جسم میں زندگیاں پھونک دیں اور دیوانِ معجز بیان میرے لیے بلندیِ منزلت کی سند بن گیا۔ واہ رے میری قسمت کہ میرا نام ان کے قلم سے تحریر ہوا اور کیا کہنے میرے نصیب کے کہ کلام قدسی مجھے پہنچے۔ غزلیں ایک معیار کی، نکات ہموار، مضامین عارفانہ، پنی جان وایمان کی قسم کہ یہ زبان [1] میں (ایسا) کو نساحب نظر ہوں اور معنی کے ایسے طلسمات تو میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھے۔ ان اوراق کی سیاہی نے (ایسا) سرمہ سلیمانی میری آنکھوں میں لگا دیا کہ میری نظر جلوہ ہائے بے رنگ سے آشنا ہو گئی۔ خستگانِ صورت کو کیا معلوم کہ گفتار کے یہ موتی کس عالمِ (بالا) کے ہیں اور یہ گرد کس قافلۂ (آسمانی) سے اٹھ رہی ہے۔ قبلہ وکعبہ خدا کرے اس قدر محفوظ خاطر رہے کہ ہر چند کہ اس ہی شہر میں کہ جس کا نام دہلی ہے ایک رات آپ کی قدم بوسی سے شرف یاب ہو چکا ہوں اور اس کو اپنی نجات کا ذریعہ (بھی) تصور کرتا ہوں لیکن اس بات پر مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس وقت میرے کانوں کو سماعت اور چشم ادراک کو بینائی نصیب نہیں تھی کہ اس بات کے بارے میں جواب دل میں کھٹک رہی ہے اور جس سے (اب) میرا ذہن دست وگریبان ہے، چند باتیں پوچھ لیتا اور مقصد آگاہی کو ترقی دیتا۔ آتشِ شوق بھی بھڑک اٹھتی اور چراغِ شناخت بھی نورفشاں ہو جاتا۔ ہر چند عقل یہ سوچتی ہے اور اس ہی پر میرا یقین ہے کہ ہستی صرف واحد ہے لیکن اکثر وہ مظاہر بے بود جو خودی کے بھرے ہوئے نقوش ہیں دل میں گھر کر لیتے ہیں اور دل خوش اور ناخوش ہی سے ٹکراتا ہے۔

---

[1] متن میں بے ربط و بے معنی الفاظ ہیں چنانچہ ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

خدارااس نیم سوختہ پرایک ایسی نظر ڈالیں کہ مکمل جل جائے اور دھواں، چنگاری اور خاک سب نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ مجھے علم ہے کہ میری آرزوؤں کی میرے حوصلہ، رزش کے مطابق سمائی ممکن نہیں لیکن میں نے سن رکھا ہے کہ کیمیا سے تانبا بھی سونا ہو جاتا ہے۔اس سے زیادہ کیا عرض کروں چونکہ نامہ بر پابہ رکاب ہے اور مکرمی سید بدرالدین علی خان بے چین۔انشاءاللہ العظیم اس کے بعد نیز نامے خدمت عالی میں پہنچیں گے۔ مشفقی سید حیدرعلی سلام کہتے ہیں اور (آپ کو بھی) مشتاق تصور کرتے ہیں۔نوشتہ اسداللہ۔ پچیسویں ذی الحجہ رات کے وقت چراغ کی روشنی میں لکھا گیا۔(۱۲۵۵ھ۔۱۸۴۱ء)

>>☆<<

خط۔۹

حضرت پیرومرشد برحق خداتعالیٰ آپ کے سایہ کو دوام بخشے۔

بہت سے دن راتوں میں اور راتیں دنوں میں تبدیل ہو گئیں تب کہیں میری نیک بختی کی صبح افق اقبال سے طلوع ہوئی اور فرمانِ نورافشاں جان کے بازو کا تعویذ بنا۔طالع یار خان کا خط اور حکیم قطب الدین خان کا خط دونوں طالع یار خان کے سپرد کر دیے گئے اور جناب کا حکم بھی پہنچا دیا گیا۔وہ خط کہ جو بنام گرامی فقیر صاحب تھا وہ ان کی خدمت میں پہنچ گیا۔غالباً آج یا کل میرے پاس آئیں گے تو جناب کا پیغام زبانی بھی دے دوں گا۔ میں رشک سے مرا جا رہا ہوں کہ دوسرے لوگ گوالیر کے سفر کے ارادے کر رہے ہیں لیکن میرے لیے تاحال اس فیصلہ کی گھڑی نہیں آئی کہ جال سے باہر نکل سکوں۔خدا کرے کہ جلد ہی میری مراد پوری ہو اور حکم و بیت کے انتظار کی گھڑیاں اور وقت فراق تمام ہو۔ان ہی دنوں میں احباب میں غزل کے لیے ایک طرح طے ہوئی تھی اس زمین میں دس اشعار ہوئے تھے۔بامید اصلاح اس خط میں تحریر کی جاتی ہے۔

ے در وصل دل آزاریٔ اغیار ندانم
دانند کہ من دیدہ ز دیدار ندانم

ترجمہ: میں وصل میں اغیار کی دل آزاری کا متحمل نہیں۔لوگوں کو معلوم ہے کہ میں دیدار کو آنکھ سے علیحدہ نہیں سمجھتا۔

زیادہ حد ادب منجانب اسداللہ۔محررہ اٹھارہ جب ۱۲۵۵ھ ۱۸۴۱ء۔

اسی دن سید حیدرعلی صاحب کا خط (پہنچا) اور سید امانت علی صاحب سلامِ نیاز کہتے اور مشتاق تصور کرتے ہیں۔

ع بندۂ شاہِ شما ایم و ثنا خوان شما

ترجمہ: ہم آپ کے بادشاہ کے غلام اور ثناگر ہیں۔

مکرمی جناب حکیم رضی الدین حسن خان حضرت صاحب کی جناب عالی میں مراسم تسلیم و آداب پہنچاتے ہیں۔ فقط

>>☆<<

خط۔۱۰

رباعیات کے ضمن میں بات کی جاتی ہے۔ خدایا کہیں میرا بیان پیرومرشد کے مزاج کے خلاف نہ ہو۔ تین رباعیات کا کہ جو شروع میں لکھی گئی تھیں، یہ مضمون تھا کہ حضرت علیؑ خلیفہ تھے لیکن میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں علیؑ کو امام مانتا ہوں اور دوسروں کو خلیفہ۔ خلافت سلطنت اور ریاست کے مترادف ہے۔ عربی میں سردار یا حاکم کو خلیفہ کہتے ہیں اگر چہ اس کے لغوی معنی نیابت کے ہیں۔ غرضیکہ علیؑ نبی کے بعد بلا فصل امام ہیں اور امامت ایک امر منجانب اللہ ہے اور علیؑ ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی اور عثمانؓ کے عہد خلافت میں بھی امام ہیں اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرت علیؓ، عثمانؓ کے بعد خلیفہ ہوئے غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام برحق (علیؓ) مرتضی جب رسول کے بعد امام ہوئے تو (انہوں نے) ابوبکرؓ صدیق کو خلیفہ بنا دیا، ور امور قضا ان کے سپرد کیے تا کہ مسلمانوں کے درمیان دشمنی کا ازالہ کیا جا سکے اور وہ مسلمانوں پر فرمانروا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے عمرؓ کو منتخب کیا اور ان کے بعد عثمانؓ کو خلافت دی۔ ان تینوں اشخاص نے تن برضائے منصف سپرد کیا اور نبی و امام کی اطاعت قبول کر لی لیکن عثمانؓ کے بعد مسلمانوں میں عہدۂ قضا کے لائق کوئی شخص نہ پایا گیا اور جو اس کی آرزو کرتا تھا وہ بھی اس لائق نہ تھا۔ مجبوراً امام وقت نے قضا کا عہدہ اپنے ہاتھ میں لے لیا (اور) اپنی توجہ مسلمانوں کی دشمنیوں کے ازالے پر مبذول کر دی۔ بادشاہ اگر قاضی کے فرائض انجام دے تو اس کو قاضی نہیں کہتے۔ غرض یہ کہ علیؓ امام ہیں عہد ثلاثہ میں (بھی)۔ عثمانؓ کے بعد خلافت بنی امیہ میں منتقل ہوگئی۔ دوسری جماعت سے آلِ عباس کو پہنچی اور ان دونوں جماعتوں نے (سابقہ) تینوں خلفا کے برخلاف مظالم کیے، خون ریزیاں کیں اور علیؓ اور ان کی اولاد کی امامت کو مٹا دیا اور اماموں کو قتل کر ڈالا۔ اسد اللہ۔

......>>☆<<..........

بنام نوّاب یوسف علی خان، نوّاب رامپور

خط۔۱

عالی جناب، مبارک القاب، دنیا کو بامراد کرنے اور دنیا میں بامراد ہونے والے ہمہ تن مسرت نواب کے حضور میں، خدا ان کو ہمیشہ سلامت رکھے اور ان کے القاب کو قبولیت بخشے (معروض ہے) کہ قلم کی سجدہ گزاری اور اس عریضہ نگار کی معذرت طلبی دونوں (آج) یک جا ہوگئے ہیں۔ بے شک سکندر کی جیسی درگاہ و دارا کی جیسی بارگاہ ہمیشہ پیش نظر ہے جہاں دوری کے باوجود مقربین کی طرح (وہ بھی) سلام پیش کر رہا ہے اس امر کا تشکر بھی حد سے زیادہ ہے کہ ذرے کی آفتاب سے شناسائی اور قطرے کی دریا سے قرابت کے طور پر (اس) فقیر کی (بھی) بادشاہ سے کوئی اجنبیت نہیں۔ اُس زمانے میں جو نوبہار سے زیادہ رنگین تھا جب ذات بابرکات کی سعادت کے دبدبے سے (میرا) تکیہ بھی بے نقش آسمان سے برابری کا دم بھرتا تھا جناب کی تخت نشینی پر ایک قطعہ تاریخ اسی شناسائی کی توانائی و روح پروری کی بدولت تشکیل پذیر ہو کر ارسال خدمت ہوا تھا۔ اب کہ خداوند سلطنتِ دانش نے اس الہام آسا نورِ بصیرت کے حامل ہم نشین مشتری، عمل کی آب و تاب بڑھانے والے عقلِ فعّال کے ہمدم امیر الدولہ مولوی حافظ محمد فضل حق خان بہادر کے ذریعے اس فرماں بردار کو حکم بھیجا کہ اے غالب! عبودیت کے

لیے کمر کس لے اور محبوبان، فکار کی آرائش میں حق خدمت کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ ہو جا (تو) اندیشۂ محبت کیش نے (تعمیل میں) کوئی تامل نہیں کیا اور آج ہی کہ مولانا کے خط کے ورود کا دوسرا دن ہے یہ معروضہ جو عبودیت نامے کا حکم رکھتا ہے، روانہ کر دیا گیا۔ توقع یہ ہے کہ راستے کی درازی درمیان میں تفرقہ انداز نہ ہوگی، در آئندہ میں جناب کے پیش خدمتوں اور ریاست کے دعا گوؤں میں شمار کیا جاؤں گا۔ زیادہ حدِ ادب۔ مقسوم از آپ کے اقبالِ جاودانہ کی روز افزوں ترقی میں کوشاں رہے۔ آپ کے بہی خواہ اسداللہ کی عرضداشت جو بروز بدھ ۲۸ جنوری ۱۸۵۷ء تحریر اور ارسال کی گئی۔

(مہر نجم الدولہ دبیر الملک، اسداللہ خان بہادر نظام جنگ ۱۲۶۷)

..... ☆☆☆ ....

خط۔۲

خورشید آثار جناب نواب بلند القاب، سدا کامیاب، صاحبِ نعمت، نشانِ رحمت، خدا ان کے اقبال کو دوام بخشے، کے حضور میں (یہ بندہ) سپاس گزار ہے اور طلب گارِ معذرت بھی (اور) جناب کی آسمان جیسی بلند وسیع بارگاہ کو (اپنا) قبلۂ حاجات تصور کرتا ہے اور بطورِ سرگذشت یہ روداد پیش کرتا ہے۔ جنوری کی ۲۷ تاریخ بروز منگل مولانا (فضل حق خیر آبادی) کا، کہ اپنے فضائل کے باعث (ان کو) اولنا کہنا زیادہ درست ہوگا، ایک خط مجھے ملا۔ بدھ کے دن ۲۸ جنوری کو میں نے عریضہ روانہ کیا۔ جب دو ہفتے گزر گئے اور ڈاک کے نئے نظام کے تحت جواب نہیں ملا تو میں نے سوچا شاید میرا خط پہنچ نہیں سکا۔ اب کل کہ بدھ کا دن اور گیارہ فروری ۱۸۵۷ء تھی، دن چڑھے میں نے تعمیل حکم میں ایک قصیدہ ارسال کر دیا۔ شام کے وقت ڈاک کا ہرکارہ جناب کا نوازش نامہ لے آیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے لگایا، لختِ ہائے جان اس پر نچھاور کیے۔ اب جو لفافہ کھولا تو اس میں ایک خزینۂ اسرار یعنی جناب کے اشعار آبدار پر مبنی دو اوراق کے ساتھ دو سو پچاس روپے کی ایک ہنڈوی بھی نکلی۔ یہ اشعار میرے لیے ایک دستاویز قرار پائے اور ہنڈوی کی وصولی عمل میں لائی گئی۔ کرم، بندہ پروری کے لیے بہانے ڈھونڈتا ہے ورنہ اس افتتاح کے لیے شیرینی کی ضرورت نہ تھی۔ (یوں تو) اہل کرم نمک سے بندہ پروری کرتے ہیں لیکن آپ جیسے منعم کا دستور شکر سے پرورش کرنے کا ہے۔ اس شکر کا شکر یہ میں نے جانِ شیریں کے لیے چھوڑ دیا اور یہ خط بہ ہمہ عجلت اس لیے لکھا کہ عطیے کی رسید سے آگاہی ہو جائے۔ اشعار اپنے وقت پر پہنچیں گے اور (انشاءاللہ) یہ تعلق خاطر کبھی نہ ٹوٹے گا۔ زیادہ حدِ ادب دولت و اقبال کا آفتاب فروغ بے زوال کا سرچشمہ ہو۔

..........☆☆☆..........

خط۔۳

جناب نواب صاحب والاصفات، عالی شان بحرِکرم و دریائے احسان، خدا ان کو کامیاب و کامران کرے اور ان کے ملک کو دوام بخشے، کی بلند مرتبہ خدمتِ عالی میں (یہ بندہ) آدابِ بندگی بجا لاتا ہے اور فدویانہ عرض کرتا ہے کہ نمک حرام فوج سیہ رو کے ظلم و ستم کے زمانے میں سلسلۂ ڈاک درہم برہم ہوگیا (تو) مجبوراً پیام رسانی کے لیے نامہ بر پر ہی بات آٹھہری۔ اور اب ان دنوں میں جب حاکمانِ انصاف کے احکامات کی ترسیل اور خطوط کا آنا جانا کھل گیا ہے، ڈاک ہی سے ایک خط بھیج دیا گیا۔ اور جواب کے نہ آنے پر یہ تصور کرلیا گیا کہ شاید عبودیت نامہ پہنچا ہی نہیں یا یہ کہ شدتِ احتیاط ہی جواب کی تحریر میں مانع ہوئی۔ بہر حال میرے دل میں یہ آیا کہ اس بار تو اس طرح کھل کر بات کی جائے کہ میری ساری سرگذشت (آپ پر) ظاہر ہو جائے اور درمیان کوئی پردہ باقی نہ رہے۔

رائے جہاں آرا پر واضح ہو کہ میں سرکارِ انگریز کا دیرینہ نمک خوار ہوں۔ اور سال ۱۸۰۶ء کی ابتدا ہی سے کہ جب میری عمر، دس سال بھی نہیں تھی اپنے سگے چچا نصراللہ خان کی جاگیر کے عوض، جنہوں نے چار سو سواروں کی جمعیت کے رسالے کے ساتھ جنرل لارڈ لیک بہادر کی فتح ہندوستان میں کارہائے نمایاں کیے اور سونک سونسا کا پرگنہ اپنی مدتِ حیات کے لیے بطور جاگیر حاصل کیا اور اسی اثنا میں قضائے ناگہانی سے وفات پائی۔ جنرل لارڈ لیک بہادر کے حکم کے مطابق اور حکومت کی منظوری سے ایک خاص رقم میرے عمِ سبحی نواب احمد بخش خان کی جاگیر میں میری کفالت کے لیے من جملہ اس رقمِ استمراری سرکاری کے جو نواب احمد بخش کے ذمہ مستقل طور پر واجب الادا تھی، ادا کرنی قرار پائی۔ جب احمد بخش خان کا جانشین اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا اور جاگیر بحق سرکار ضبط ہوگئی تو یہ مقرر کردہ رقم کلکٹر دہلی کے خزانے سے، اب ہ مئی سے ادا کیے جانے کا فیصلہ ہوا۔ جب کہ آخر اپریل سنہ ۱۸۵۷ء تک یہ رقم دہلی کلکٹری ہی سے وصول کرتا رہا ہوں۔ اب ماہ مئی سے جو صورت حال ہے وہ ظاہر ہے۔

میرا تعلق بہادر شاہ ظفر سے صرف اسی قدر تھا کہ سات آٹھ سال سلاطین تیموریہ کی تاریخ نویسی میں، اور دو تین سال بادشاہ کے اشعار کی اصلاح میں مصروف رہا۔ اس ہنگامے میں میں نے کنارہ کشی اختیار کی اور اس خوف سے کہ اگر قطعاً ترکِ تعلق کرتا ہوں تو خدانخواستہ میرا گھر بار برباد ہو جائے اور میری جان بھی ہلاکت میں پڑے، اندرونی طور پر بیگانہ اور ظاہراً آشنا رہا۔ جب شہر دہلی پر انگریز فوج کا قبضہ ہوگیا تو تمام جاگیردار اور پنشن دار شہر سے نکل گئے۔ چنانچہ وہ سب تا حال جنگلوں اور پہاڑوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ میں اپنی جگہ سے نہ ہلا اور اسی طرح ایک گوشہ پکڑے بیٹھا رہا۔ اب اس (حالیہ) بندوبست میں کہ جو خاص طور پر مجرموں کی سزا دہی کے لیے ہے اور تحقیقاتِ جرم بھی قلعے کے دفتر اور مخبروں کی شہادتوں پر کی جارہی ہے، کسی طرح بھی میرا دامن آلودہ نہیں پایا گیا اور نہ ہی کسی قسم کی پکڑ دھکڑ اور تحقیق و تفتیش کا سامنا ہوا۔ حکامِ دلی میری موجودگی سے آگاہ ہیں۔ اب چونکہ کسی قسم کی باز پرس نہیں ہو رہی اس لیے لامحالہ محفوظ ہوں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں خود ہی پیش قدمی کرتا اور حکام سے ملاقات کرتا رہتا۔ لیکن اس ضمن میں مضائقہ یہ ہے کہ موجودہ حکام میں سے کسی سے میری شناسائی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ابھی اس بات کا بھی موقع محل نظر نہیں آتا کہ میں خود خط لکھوں

اور کسی سے ملاقات کی خواہش کروں۔حق تو یہ ہے کہ اس فتنہ آشوب میں میں نے (حکومت وقت کی) کوئی خدمت نہیں کی لیکن مقام شکر ہے کہ میری یہ کوتاہی حقیقت میں میری بے دست و پائی کے سبب ہے اور میری بے گناہی ہی میری نقد خلوص واخلاص کا وسیلہ ہے۔

اگر چہ میری پرسش احوال جناب والا صفت کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ میں نے خود ہی سب کچھ کہہ ڈالا اور اب انتہائی مضطرب ہوں کہ جناب ہمایوں اقدس خدا ہمیشہ سلامت رکھے' کی صحت وعافیت مجھے کس طرح ملے۔اسی گوشے میں کہ میرا مسکن ہے، میں نے سنا ہے کہ والا شان زین العابدین خان شہر میں وارد ہوئے ہیں۔اب انہیں تو نہیں معلوم کہ مرحوم نواب عبداللہ خان بہادر سے میری نیاز مندی، اصغر علی خان مرحوم سے میری محبت اور نواب عبدالرحمن خان بہادر سے میری الفت ودوستی کس قدر اور کس پائے کی تھی کہ ان کے دل میں یہ خیال آتا کہ اس فقیر گوشہ نشین کو بھی ملتا چلوں۔جن پیروں سے چل سکتا وہ اب میرے پاس نہیں اور گھر سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔یہ خط لکھ کر میں نے جناب کے ملازموں کو اس وجہ سے زحمت دی ہے کہ اگر خط نہ لکھنا محض احتیاط کے باعث ہے تو واضح ہو کہ یہ (آپ کی مجھ پر) نوازش میں کمی اور خود پر غیر ضروری پابندی (برد ل) ہے امید ہے کہ جناب نوازش نامہ کی سیاہی سے مجھے فروغ نظر کا موقع دیں گے۔رہی شعر وسخن کی بات تو ہر صورت مجھے یقین ہے کہ ایسے فتنہ وآشوب میں دل اس کام کی طرف کس طرح مائل ہو سکتا ہے سلطنت قائم دائم اور فیروزی مسرت افزا ہو۔منجانب اسداللہ غالب۔جمعرات ۱۴، جنوری ۱۸۵۸ء کو تحریر ور وار سال کیا گیا۔

(پس نوشت:) جناب کے دبیران خاص نے پچھلے خط پر اس خستہ دل درویش کی جھونپڑی کا پتہ ''عقب مسجد جامع'' لکھا ہے جب کہ میں سات آٹھ سال سے محلہ بلی ماراں میں رہ رہا ہوں۔آئندہ یہ پتا لکھا جائے۔فقط

☆☆☆

خط۔۴

آسمان جیسے بلند پایہ نواب کے حضور (جو) اعلیٰ خطابات کے حامل، ستاروں کے ہم نشین، آفتاب شوکت، بے نواؤں کو سخاوت سے مالدار اور کمزوروں کو طاقت ور بنا دینے والے عزت وتربیت میں تاج داروں کے ہم پلہ (وسعت) سلطنت و (کثرت) فوج میں بادشاہوں کے شریک، عقلمندی میں (بڑے بڑے) دانش وروں کو غلام بنالینے والے مردانگی میں دردوں کی (شہرت) کی بساط لپیٹ کران کے کاندھے پر رکھ دینے والے ہیں اور وہ سب کچھ جوش تعریف کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور بازوئے ہمت کے اختیار میں ہے تاکہ اس کی قوت سے بات کو صلابت بہم ہو۔

بے شک (اب) آسمان اور ستاروں کے رازوں کی بات کی جاتی ہے اور بعض کی مبارکی اور میمونی کی بابت کچھ کہا جاتا ہے۔یہ ہفتے کے بیچ کا دن کہ حق گو دور قدیم میں اس کو بہرام روز کہتے تھے اور آج کل اس کو سہ شنبہ (منگل) کہتے ہیں مبارک دن ہے۔خاص طور پر اس مبارک سال میں کہ ماہ فروردین کا دوسرا دن ہے اور مارچ کی پہلی تاریخ ہے اور ماہ شوال کی دوسری۔تو اس ضمن میں پہلی بات

تو یہ کہ اس بادشاہ صفت سردار نے غسل کر کے حمام کو عزت بخشی مبارک باد بعد ازاں یہ کہ غالب سخن سرا کو جو آپ کا خیر اندیش و دعا گو ہے اس کو بھی مبارک باد۔

اسی زمانے میں ستاروں کا بادشاہ جس کو آفتاب کہتے ہیں برج حمل میں اور بلندی کے لحاظ سے سب سے پہلا سیارہ جو زحل کہلاتا ہے برج میزان میں، سعد اکبر (یعنی مشتری) برج قوس میں اور سعد اصغر (یعنی زہرہ) برج ثور میں ہے۔ گویا وہ دونوں مبارک ستارے بیت اشرف میں خوش وخرم اور یہ دو اپنے اپنے گھروں میں شاد وآباد ہیں۔ میرے خیال کے مطابق ایران کے بادشاہوں اور عرب کے سلاطنوں میں سے کسی کو اپنی تخت نشینی کے لیے بھی ایسی خوش ساعتی نصیب نہیں ہوئی جو اس ولی نعمت کو غسل صحت کے لیے مقدور ہوئی۔ عقل نے جب میری بات سنی تو آنکھ کا اشارہ کیا اور بڑے طنزیہ لہجے میں کہا ''اے (وہ شخص) کہ جو ستاروں کی (محفل میں) روشنی کے لحاظ سے آفتاب کا ہمسر ہے یہ بچوں کی طرح رات کو اڑتے ہوئے جگنوؤں کی روشنی میں کیوں کھویا ہوا ہے۔ حلقۂ اختر شناسی سے باہر نکل اور روحانی احکام کے مکتب سے حکمت ایمانی کا ایک نکتہ سن لے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اس سردار تخت نشین، سلطان نشان کو (قدرت کی طرف سے) عمر جاودانی، کامگاری مدامی روحانی ودیعت ہوئی ہیں۔ میں نے جواب میں کہا۔ بے دلیل بات میں جان نہیں ہوتی۔ مجھے بے خبر نہ جان اور اگر تیرے پاس (اپنی بات کے ثبوت میں) کوئی دلیل ہو تو پیش کر۔ (جواباً) اس نے کہا (بھلا) اس سے زیادہ محکم اور اس سے زیادہ عاقلانہ دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ جب دوسرے جہاں میں مخلوق خدا کو دوسری زندگی عطا کی جائے گی تو موت کا خوف ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا اور صور کے پھونکے جانے کے ساتھ ہی فنا کی نیند سے بیدار ہونے والوں کو اس جہاں میں ہمیشگی مل جائے گی۔ تو (اب تو خود ہی غور کر کہ) نواب گرامی کی ایسی ہولناک بیماری سے صحت یابی کیا اس حقیقت کے مترادف نہیں کہ ان کو دوبارہ زندگی ملی ہے! پس (ثابت ہوا) کہ اب دوسری زندگی کے تقاضوں میں بھلا تغیر کیوں ہوگا۔ اور جس طرح اُس جہاں میں دوسری زندگی پانے والے ہمیشہ زندہ رہیں گے اس جہاں میں دوبارہ زندگی پانے والوں کو زندگانی جاوید کیوں نہ ملے گی اور یہ عمر عزیز جو خداوند کو عطا ہوئی ہے تو یہ عمر خضر والیاس نہیں کہ ایک کی ریگِ صحرا کے شمار میں اور دوسرے کی دریا کے پانیوں کی پیمائش میں ہی بسر ہوتی ہے۔ انشاء اللہ العظیم جناب عالی دنیا کے قیام تک محفل میں پرویز اور جنگ میں رستم کی طرح دشمن فنا، دوست نواز، گفتگو میں اختر فشاں اور جود وسخا میں گوہر فشاں رہیں گے۔

قطعۂ تاریخ غسل صحت اور عقیدۂ تہنیت جو اس (خط) سے پیشتر ارسال کر چکا ہوں ایک شاعرانہ نظم ہے جب کہ یہ نثر ایک عارفانہ تحریر ہے جس میں نقل اور عقل سلیم کی رو سے قانون حکمت وشریعت کا مترجح ہے۔ خدا اس نئی زندگی کو ہمیشگی عطا کرے اور مسرت ہائے بے پایاں اس حیاتِ ثانی کی خدمت گزار ہوں۔ چہارشنبہ (بدھ) ۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ھ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء۔ (مہر غالب ۱۲۷۸)

☆☆☆

بنام محمد مصطفیٰ خان شیفتہ

خط۔۱

جنابِ عالی، کل کی گرمی میں، جس سے رگوں میں خون جل رہا تھا۔ اور ہڈیوں میں مغز پگھلا جاتا تھا، پیاس کی شدت اتنی وسیع تھی کہ سمندر نے جب تک اپنے تئیں آگ سے نکال کر پانی میں نہ ڈال دیا ہوگا چین نہ پایا ہوگا۔ چونکہ میری عادت ہے کہ ایک ایک گھونٹ پانی پیتا رہتا ہوں، آپ کو ہروقت یاد کرتا رہا، پیاس سے اگر دن ایک بار تڑپا تو آپ کی یاد سے سو بار تملمایا۔

کسے در عاشقی ہم پیشہ راچوں من نمی خواہد
خورم گر آب شیریں بیادم کوہکن آید

ترجمہ۔ عاشقی میں کوئی بھی میری طرح اپنے ہم پیشہ کو پسند نہیں کرتا میں اگر آب شیریں بھی پیتا ہوں تو مجھے کوہکن یاد آجاتا ہے۔

بارے یہ بتایئے کہ دن کیسے گزرا اور رات کیوں کرگئی خاں صاحب نے کیا تجویز کیا ہے؟ آپ نے کل ور آج کون سی دوا پی ہے؟ دوسرے یہ کہ اگر میں زندہ رہا تو کل کہاروں کو بھیج دیجئے تا کہ مجھے لے جائیں۔ والسلام۔ از اسد اللہ۔

☆☆☆

خط۔۲

خداوندِ نعمت کے قربان جاؤں، جاں پروری کا شکریہ ادا کرتا ہوں عطیہ دانے والے نے پوچھنے پر کچھ اور بھی دیا۔ یعنی آپ کی صحت اور مزاجِ مبارک کی عافیت کا مژدہ سُنایا، جسے میں نے بطور استعارہ یوں ادا کیا ہے۔ کل جمعہ ہے، بادشاہ کے دربار میں جاؤں گا۔ اُمید ہے کہ واپسی میں آپ کی آستاں بوسی کروں گا۔ حضرت سید کی خدمت میں میرا اسلام پہنچادیں۔ والسلام۔ از اسد اللہ

☆☆☆

خط۔۳

قبلۂ من، چوں کہ آپ نے روزے اور نیند کو ملا لیا ہے، ور میں ان دونوں میں سے ایک کی بھی مقاومت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دونوں کا حریف بنوں، اسی لیے معذرت پیش کر رہا ہوں تا کہ آپ سمجھیں کہ اگر میں حاضر خدمت نہ ہوا تو کیوں نہ ہوا،

اور مجھے کس بات کا اندیشہ تھا۔ ہاں بندہ پرور، آج پانچوں دن ہے مسودۂ کتاب واپس کر دیں ور مجھے ممنون فرمائیں۔ کاش مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جب یہ مولانا کی نظر سے گزری تو انہوں نے کس عبارت دل آویز کو پسند فرمایا۔ اُمید ہے کہ مزاجِ مبارک کی کیفیت، خصوصاً اس شدت کی گرمی میں روزے کا حال، تحریر فرمائیں گے۔ شاید آپ نے حفظِ صحت کا حق ادا اور روزہ قضا کیا ہوگا۔ فقط۔ ازاسداللہ

☆☆☆

خط۔۴

بندگی بھیجتا ہوں اور خواجہ کی دولت واقبال کا دوام خدا سے چاہتا ہوں۔ میں نے شاید آپ کو لکھا ہو کہ امیر تیمور کی جہاں ستانی کی روداد تحریر کی جا چکی ہے۔ میں اسے خود دربار میں لے جا رہا ہوں۔ آپ نے مجھ پر خوردہ گیری کی ہے کہ فلاں مہینے میں تو سبزہ اور آبِ رواں کی سیر کے لئے گیا تھا۔ افسوس میرے ایسے انسان کو سیر وتماشے کا دماغ کہاں ہے؟ یا اللہ میں بھلا کب گیا تھا ہاں یہ ہوا کہ جب احترام اسدوسہ بہادر شہر میں تشریف لائے تو میں ان کے پاس گیا اور وہ مسودہ جو کم وبیش چار جزو تھے، ان کے حوالے کر آیا۔ آپ کو معلوم رہے کہ میں غم سے اجیرن اور زندگی سے بیزار ہوں۔ میں یہ کام بہت ہی بے دلی اور افسردگی کے ساتھ کر رہا ہوں۔ گویا توسنِ قلم کی باگیں میرے قبضے میں نہیں ہیں۔ وہ خود جدھر اور جیسے چاہتا ہے چلتا رہتا ہے۔ مزاجِ مبارک کا حال، جیسا مجھے گمان تھا وہی ہوا، خدا پرہیز کی توفیق اور پرہیز کے ذریعے تندرستی عطا فرمائے۔ نورچشم محمد علی خاں کو دعا۔

والسلام

☆☆☆

خط۔۵

اُمیدگاہِ اہلِ معنی سلامت، ریختہ تازگی فکر کے نتائج میں سے ہے اور فارسی کی غزلیں جن کی ابتداء ریختہ سے پہلے ہوئی تھی، آج رات کو تمام ہوئیں۔ خدارا اُن دونوں غزلوں میں یہ نہ بھولیئے کہ کس سے گفتگو ہے اور کیا کہا ہے؟ اب ان اشعار کی زینت اصلاح سے چاہتا ہوں۔ اور اس کے لئے منت قبول کروں گا۔ محض داد کا طلب گار نہیں ہوں آپ کی خوشی، تندرستی ورشادکامی کا مژدہ (بھی) سننا چاہتا ہوں۔ اور بس

☆☆☆

خط ـ ۶

بدھ کے دن، یعنی کل میں نے عرض کیا تھا کہ جمعہ کے دن مجھے دربار میں باریابی ملے گی اور ضعت وخطاب عطا کر کے اور نوکری کا فرمان صادر کر کے مجھے احسان مند کیا جائے گا۔ لیکن احترام الدولہ بہادر نے اس شعر کے مصداق

فرد است وعدۂ جنت و امروز شد نصیب
آرے خلاف وعدہ کریماں چنیں کنند

ترجمہ شعر جنت کا وعدہ تو کل کا تھا، مگر آج ہی نصیب ہوگئی جی ہاں کریم لوگ ایسی ہی وعدہ خلافی کیا کرتے ہیں!

چنانچہ آج ہی، کہ یہ بھی روزِ سعد اکبر ہے، مجھے شہنشاہ کے دربار میں بلایا اور خلعت وخطاب وفرمان سے سرفراز کیا۔ کل کوتوال شہر نے مجھے ''بدمعاش'' اور ''سرغنہ'' لکھا تھا، تو میرا کچھ نہ گھٹا تھا، آج بادشاہ دہلی نے 'نجم الدولہ' اور 'دبیر الملک' کا خطاب دیا ہے تو کچھ بڑھ نہیں گیا۔ اب فردائے قیامت میں دیکھنا ہے کہ مجھے کیا لکھا جاتا ہے، کس نام سے پکارا جاتا ہے اور وہاں میری کیا ارزش ہوتی ہے خدا کے لئے آیئے اور جلدی آیئے تاکہ آپ شاہی فرمان اور اس روسیاہ کی تحریر دیکھیں۔ والسلام الوف الاحترام۔

جمعرات ۲۳ شعبان و ۴ جولائی ۱۸۵۰ء

(بازنوشت) پوشیدہ نہ رہے کہ سرکار شاہ میں میرا تقرر اسی مہینے کی پہلی تاریخ سے اس خاندان کے اسلاف کی تاریخ لکھنے پر ہوا ہے۔ پچاس روپے تنخواہ ہوگی۔ اور زرتنخواہ کی وصولی سال میں دوبار ہوگی۔ فقط۔

☆☆☆

خط ـ ۷

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ آپ واپس تشریف لے آئے اور اپنے نورچشم کو دیکھ پائے، چوں کہ اب گرمی ختم ہو چکی ہے اور ہوا بھی کچھ ٹھنڈی ہوگئی ہے، اُمید ہے کہ آپ کے مزاج میں اب اعتدال آ گیا ہوگا اور جتنی گرمی گھٹتی جائے گی آپ کی صحت عود کرتی جائے گی۔ دو تین دن ہوئے کہ امیر تیمور گورگان کی روداد لکھ کر نمٹا ہوں۔ اب دو ہفتے تک آرام کروں گا۔ پھر ذرا دم لے کر بابر بادشاہ کا حال لکھا جائے گا۔ بخدا اس نثر میں نظم سے کچھ زیادہ ہی جانگداز کاوش کرنا پڑتی ہے۔ عید کے دن مولانا کی قدمبوسی نصیب ہوئی۔ انہوں نے نوازش فرمائی اور نثر کی تعریف کی۔ شاہ گردوں بارگاہ (ظفر) حضرت قطب الاقطاب کے مزار کی طرف (مہرولی) تشریف لے گئے ہیں اور احترام الدولہ بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگر موقع ملا تو میں بھی جاؤں گا اور دو تین دن رہ کر وہاں کا موسم اور ہوا کا رنگ دیکھوں گا۔ کیا تدبیر کروں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ آپ تک پہنچ جائے اور آگے جو کچھ لکھتا رہوں وہ ایک ایک ورق کر کے آپ کی نظر سے گزرتا رہے۔ چند ورق جو نواب فخر الدین خاں نے لکھے تھے وہ انہیں کے پاس ہیں اور جو کچھ ملتا رہتا ہے لکھتے رہتے ہیں تا آں کہ اُن اوراق نے کتاب کی صورت اختیار کر لی ہے۔

☆☆☆

خط۔۸

یا اللہ   یہ خط جولا اُبالی اور غلاموں سے بے نیاز آقا کی طرف سے میرے پاس پہنچا ہے اُس نے آخر میرے تردّد میں سے کیا گھٹایا اور آگہی میں کیا اضافہ کیا؟ بس یہ جانا کہ رامپور کب گئے اور چند روز وہاں انجمن آراہ رہ کر کب واپس آئے، اور دہلی کب آئیں گے۔ یہ سب باتیں ایک طرف۔حیف ہے مجھ پر جسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اب مزاج کا کیا حال ہے، وہ مرض جو پہلے تھا، اور خدا کرے اب تک دشمنوں کے حصے میں آ چکا ہو، اس کی کیا کیفیت ہے؟۔

(اس رنج نے مجھے بھی بہت دنوں تک آزار پہنچایا ہے۔اس لئے زیادہ تردّد ہے۔کیونکہ خدا کا فضل وکرم ہے اور آپ آسائش پسند واقع ہوئے ہیں، اللہ ہی نگہبانی کرنے والا ہے، جان وتن توانا اور عیش وعشرت مہیا ہیں۔بہر حال یہ بات کتابوں میں لکھی گئی۔اور تعریفِ دُعا پر منتہی ہوئی (یہاں سے عبارت مغشوش ہے اور مطلب صاف نہیں نکلتا)   ہاں اے خدا کیسے کہوں کہ بیدادگری یہی ہے جس کا نام میں نہیں لیتا   (عبارت مغشوش)   ہم تم اس شیوہ کے موجد اور اس ادا کے مخترع ہیں۔کیا میں اسی لائق ہوں کہ مجھے ایک لطیفہ اور چند باتوں پر (ٹرخا دیا جائے) آپ نے یہ نہ جانا کہ میں دیدار کا شدید پیاسا ہوں۔یہ نہ سمجھا کہ آپ کی مفصّل کیفیت معلوم کرنے کا جویا ہوں، یہ بھی دھیان نہ آیا کہ آپ کی جان وتن کا خیریت خواہ ہوں۔یہ نہ سوچا کہ غالبؔ سفرِ رامپور کی سرگذشت سُن کر آسودہ نہ ہوگا۔یہ نہ جانا کہ وہ دیدار کا وعدہ چاہتا ہے اور یہ بھی آپ نے نہ چاہا کہ غلام علی خاں کا کچھ حال لکھیں۔بخدا میں حیرت میں ڈوب گیا   ) بہر حال بندگی بے چارگی۔میں نے سب باتوں سے قطع نظر کی۔ہائے ایک شاعر ریختہ گو، معلوم نہیں کون ہے، کیا ہی اچھی بات کہہ گیا ہے

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

اس پر صلح کرتا ہوں کہ مجھے پہلے تو مزاجِ مقدّس کے حال سے پھر اپنے دہلی آنے کے ارادے سے آگاہی بخشیں۔زیادہ بندگی بے چارگی......لکھا ہوا، بدھ کی صبح، ۸ مئی ۱۸۵۰ء

☆☆☆

بنام منشی نبی بخش اکبرآبادی

خط۔۱

شفیقِ مکرم و مطاعِ معظم، درویش گوشہ نشین اسد اللہ حزیں سے بعد سلام معلوم فرمائیں اور پھر اپنے بھیجے ہوئے عنایت نامے کے پہنچنے کا اطمینان فرمائیں۔کل دلِ ستم زدہ کو خیال سے کچھ آویزش تھی اور آپ کا خط نہ آنے سے قدرے تشویش تھی۔ آج اسی وقت کہ دوپہر ہے، ڈاک کا ہرکارہ آیا اور آپ کا خط لایا۔ پڑھتے ہی جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ چونکہ کارپردازانِ ڈاک صبح کو دوکان کھولتے ہیں اور دوپہر کے بعد خطوط وصول نہیں کرتے۔اب لامحالہ یہ ورق جو آج لکھا ہے کل صبح کی ڈاک سے بھیجوں گا۔ بارے یہ کہ آپ نے میرا حال پوچھا ہے اور مجھ سے غزل طلب کی ہے۔ یقین کیجئے کہ دل ٹھکانے ہوتا ہے تو زبان بھی زمزمہ سنج ہوتی ہے۔اب تو دل اتنا بجھ گیا ہے گویا مرگیا، تو جوش کہاں سے آئے جولیوں کو جنبش ہو۔آپ نہیں دیکھتے کہ انہیں حکام کے ہاتھوں جو مجھے سرآنکھوں پر بٹھاتے تھے مجھ پر کیا بیتی اور میری زندگی کافروں کی عاقبت جیسی ہوگئی۔شاعری کی طرف دل کیا مائل ہو اور کیا بادیہ پیمائی کروں۔ دوتین روز ہوئے اپنے حال کی بے رونقی کا خیال کررہا تھا۔ایک شعر جس میں تخلص بھی ہے، بے ارادہ زبان پر جاری ہوگیا، بس تازہ ہے تو یہی ہے:

گفتن نیست کہ بر غالبؔ ناکام چہ رفت
می تواں گفت کہ ایں بندہ خداوند نداشت

ترجمہ شعر: بیان میں نہیں آسکتا کہ غالبؔ ناکام پر کیا گزرگئی بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس غلام کا کوئی آقا نہ تھا۔

آلامِ جسمانی بھی اگرچہ بہت ہیں لیکن اندوہِ رُوحانی اُن سے کہیں بڑھ گئے جو دل وجگر دونوں کو تباہ کررہے ہیں۔ (عربی: میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً خدا بندوں کے معاملات کو دیکھنے والا ہے) جلیل القدر تفتہ سمنہٗ کا حال نہیں معلوم کہاں ہیں۔اس شمعِ بزمِ سخن وری کی غزلیں تمہیں بھیج رہا ہوں اُن تک پہنچا دیجئے۔رباعیات اس کے بعد پہنچیں گی۔

عبدالقاہر اسد اللہ لکھا ہوا۔۱۶ستمبر ۱۸۴۸ء

بنام لالہ ہرگوپال تفتہ

خط۔۱

مہربانا، رافت نشانا، متاعِ کارخانۂ خیال کی فہرست یعنی اُس ندیم مثال (تفتہ) کا کلیات پہنچا۔ اور اس کے پہنچنے سے روح کو طمانیت ہوئی۔ بہت دنوں سے تمہارا منتظر تھا لیکن چونکہ تمہارے مسکن و مقام کا پتہ معلوم نہ تھا، خط نہ لکھ سکا۔ مگر تمہیں آخر کون مانع تھا جو تم نے خود نہ لکھا، اور اپنے احوال سے مجھے مطلع نہ کیا۔ بارے اس ملتفات نامے سے مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ تم خیریت سے ہو اور میرے لئے تمہارے دل میں جگہ ہے۔ کلیات دیکھ رہا ہوں اور میں نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے کہ شروع سے آخر تک اُسے دیکھوں اور حک و اصلاح میں قطعاً کوتاہی نہ کروں لیکن یہ کام جلدی نہ ہو سکے گا، اگر دیر ہو جائے تو ملول نہ ہونا۔ اب یہ کہ دیوانِ فارسی کی دو جلدیں ڈاک کا محصول ادا کرنے کے بعد بھیج رہا ہوں اور ایک خط بھی مشفقی منشی نبی بخش سررشتہ دار عدالتِ فوجداری کول (علی گڑھ) کے نام ہے۔ عجب نہیں کہ تمہاری منشی صاحب سے شناسائی ہو اور نہ بھی ہو تو اس تقریب سے ہو سکتی ہے۔ اُن کے پاس جاؤ اور جو خط ان کے نام کا ہے وہ اور ایک جلد دیوان، اپنے ساتھ لے جاؤ، اور یہ نامہ اور وہ کتاب انہیں دے دو۔ میں ان بزرگوار کو علیحدہ ڈاک سے بھی کتاب بھیج سکتا تھا لیکن یہی اچھا معلوم ہوا کہ تمہارے پاس بھیج دوں۔ بہت دنوں سے خجستگی خوئے و فرخی نہاد مکرمی منشی ظہور علی صاحب دام بقاءہٗ کا آوازہ سُن رہا ہوں اور اس صاحبِ دل دیدہ ور کے ارادت مندوں میں سے ہوں، اُمید ہے کہ تم میرا سلام نیاز و شوق ان کی خدمت میں پہنچا کر مجھے ممنون کرو گے اور سپہرِ سخن کے ماہِ دو ہفتہ یعنی لالہ ہرگوپال تفتہ تم سے یہ بھی چاہتا ہوں کہ اگرچہ جلد جلد نہ ہو سکے تو کبھی کبھی خط لکھ کر مجھے شاد کرتے رہا کرو۔ میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ماہ کے بعد تمہارے دیوان کے اجزاء تمہیں پارسل کے ذریعے بھیج دوں گا، اور رسم و راہِ نامہ نگاری اس درمیان میں نہیں ٹوٹے گی۔ از اسداللہ نامہ سیاہ نگاشتہ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۴۷ء

☆☆☆

بنام مولوی فضل اللہ

خط۔۱

حضرت سلامت، یہ محاکمہ جو درپیش ہے، بہت اہم ہے اور، تنِ تاخیر کی تاب نہیں لاسکتا۔ کچھ میر قاسم علی صاحب کو دلیر بنانا چاہیے اور کچھ خود آپ کو توجہ فرمانی چاہیے۔ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ مجھے یہ تاخیر بہت شاق گذر رہی ہے اور دل اس کے بوجھ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ والسّلام خیر ختام۔ اسداللہ۔

چونکہ نامہ بر منزلِ مقصود کونہیں پہچانتا۔اُمید ہے کہ غالبؔ کے خواجہ تاشوں میں سے کوئی ،یعنی حضرت مولوی صاحب قبلہ مولوی صدرالدین خاں کی خدمت کے حاضر باشوں میں سے کوئی عزیز،اس خط کو مخدومی و مکرمی موںوی فضل اللہ،(جو اسم با مسمّٰی ہیں مگر میرے لئے نہیں) کی خدمت میں پہنچا تو بھیجنے والے پر احسان کرے گا۔

☆☆☆

بنام سر سید احمد خان

خط۔۱

سیدِ عالی جناب،خدا آپ کو سلامت رکھے۔

جناب کے فرمانِ الفت آثار کے پہونچنے سے مجھے خوشی ہوئی۔لیکن جس کام کی تعمیل کا حکم دیا گیا ہے،اس سے رنجیدہ (ہوا)۔کسی (شاعر) کے ایک دوشعرے کر اس کلام پر اپنی طرف سے دو چار اشعار کا اضافہ کر دینا (بھلا) کون سا اصولِ سخن وری در اندازِ معنی پروری ہے۔خاص طور پر یہ دو اشعار کہ جن میں سوائے عربی کے بھاری بھر کم الفاظ کے کوئی نازک خیالی موجود نہیں۔اور مزید یہ کہ یہ ایک بحر میں کہے گئے ہیں کہ ایرانیوں میں سے بھی کسی نے اس بحر میں غزل نہیں کہی۔اس میں دو اشعار بڑھا کر چاہے اس کو مسدس نام دیں یا ترجیع بند کے نام سے پکاریں۔خصوصاً یہ اس لائق ہیں کہ بھکاری ان کو یاد کر لیں اور در در زے دروازے پُر سوز لے میں گاتے پھریں در خاتم المرسلین کا کوئی عاشق یہ اشعار سنکر بے خود ہو جائے اور کوئی اپنا گریبان پھاڑ ڈالے۔نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

مخدومی مولوی غلام امام شہید سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے اور اس سے بہتر نہیں کہا جا سکتا۔لیکن یہ شاعری در سخنوری نہیں ہے۔یہ کوئی دوسری چیز ہے جسے مجلسِ مولود شریف کہا جا سکتا ہے۔اس فقیر نے نعت اشرف المرسلین علیہ وآلہ اسلام میں قصیدے اور مثنویاں کہی ہیں۔ان تمام میں سے ایک مثنوی نقل کر کے ارسال کر رہا ہوں۔اس کو دیکھیں اور پڑھیں اور اس خادم سے ایسے اشعار کی کہ جو شیوۂ سخنوری کے خلاف ہوں آرزو نہ کریں اور مجھے اپنا خادم تصور کریں۔اور اپنے برادر بزرگ کی خدمت میں میرا سلام پہونچائیں۔والسلام۔از اسداللہ۔

☆☆☆

بنام جناب تامسین صاحب
سکرتر اعظم نواب گورنر جنرل بہادر

خط ۔ ۱

جناب والا! صاحب توصیف، دارائے مراتب بلند، عظیم الشان، خیر خواہوں کے عزت خواہ اور بے ہنروں کے مرکزِ امید، خدا آپ کے اقبال کو دوام بخشے اور آپ کی فضیلتوں میں اضافہ کرے۔ (یہ بندہ) کورنش وتسلیم کے، ظہار کے وسیلے سے عرض کرتا ہے بلکہ خود کیا عرض کرے کہ بندہ کا احوال عالی جناب سے پوشیدہ نہیں اور اس کی تاب بھی نہیں کہ اپنے آقا کی نگاہِ کرم کی راہ میں تحریر کی گرد اڑا سکے اور باوجود ے کہ دستورِ بندگی و خداوندی یہی ہے کہ بندے اپنا دردِ دل بیان (کیا) کریں اور آقاؤں کی تعریف و توصیف کرنا بھی ایک (مسلمہ) روش ہے۔ اس سے پیشتر ایک عرضی بزبان انگریزی سرکاری، جہانبانی وشہریاری جہاں پناہ کی جناب یعنی گورنری کے محکمۂ عالیہ میں ارسال کی جا چکی ہے لیکن چونکہ اس عرضداشت کا پہنچنا اور گورنری لشکر مبارک کا کوچ ایک ہی وقت میں واقع ہوا (اس سبب سے) گرمیِ ہنگامہ نے اُس عرضداشت کو جواب سے سرفراز ہونے کا شاید موقع نہ دیا۔ اس عبادت گاہِ عالمِ قدیم میں کہ جسے دنیا کہتے ہیں ایک جماعت دام ودرہم کی غلام ہے تو دوسری لطف وکرم کی۔ اُس خالق جہاں کا بے حد وبیکراں شکر ہے کہ بندہ دوسری جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر چند جانتا ہے کہ اس قسم کی تحریر درخور جواب نہیں اور ایسے خط کا جواب نہیں ہوتا یہ ساری باتیں خوب سمجھتا ہے (پھر بھی) دل میں یہ سوچتا ہے کہ ممکن ہے یہ عبودیت نامہ اس سرکاری ہدایت کی خاطر خواہ توجہ حاصل کر سکے اور یہ عریضہ نگار اُس حکمنامہ کے ورود سے کہ جو اس عرضداشت کے جواب میں تحریر کیا جائے اپنی جہاں بیں آنکھوں کو روشن کر سکے۔ زیادہ حدِّ ادب۔ جاہ وجلال ابدی کو طول اور فروغ حاصل ہو۔

بنام نواب مظفر الدولہ مرزا سیف الدین حیدر خاں
بہادر سیف جنگ

خط ۔ ۱

بندہ پرور۔ آج صبح کے وقت خیراتی خان نے مجھ سے کہا کہ نواب مظفر الدولہ بہادر سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کل سہ پہر نواب نوروز علی خان، قبلہ نواب صاحب (حنیف نقوی کے مطابق مبارز الدولہ مرزا حسام الدین حیدر) کے پاس آئینگے۔ اگر آپ بھی

آ جائیں تو بہت اچھا ہوگا۔ ہر چند کہ میں نے جواب بھی دیدیا اور جو چاہیے تھا وہ بھی اس سے کہہ دیا لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ خدا نہ کرے کہنے والا میری بات حسبِ حقیقت کہہ نہ سکے (سو) بات یہ ہے کہ میری خاک میں (اب) غبار اڑانے کی سکت نہیں۔ ہاں اگر نواب نوروز علی خان کو پریشاں حالوں سے ملاقات کا خیال ہو، تو اس فقیر کے گھر پر (کوئی) دربان نہیں۔ اس راہ میں جو قدم بھی اٹھائیں گے (میرے) دیدہ و دل پر ہوگا۔ والسلام و والاکرام۔ نامہ نگار۔ اسد اللہ

☆☆☆

بنام نواب معین الدولہ مرزا ذوالفقار الدین حیدر خان بہادر ذوالفقار جنگ

معروف بہ حسین مرزا و ناظر جی

خط۔۱

نواب عالی جناب معین الدولہ بہادر سلمہ تعالیٰ

کل جناب عالی کی خدمت میں ایک غریب الوطن سید کے بارے میں ایک عرضداشت پیش کی گئی تھی لیکن نتیجتاً پشیمانی حاصل ہوئی۔ یقیناً وہ بے چارہ تو یہ چاہتا تھا کہ آپ کے دامن دولت سے وابستہ ہو جائے اور آپ کے سایہ کرم میں آرام کرے۔ چونکہ اس کی گنجائش نہیں اور مجبوری ہے تو اس قدر تو (پھر بھی) ہو سکتا ہے کہ وہ محروم نہ رہے۔ قصہ مختصر نواب صاحب قبلہ اور آپ سے اس سید زادے کے حق میں جو کچھ بھی بن پڑے اس کا احسان مجھ پر اور اجر اُس خالق کل پر ہوگا۔ والسلام و الاکرام

☆☆☆

خط۔۲

مشفق من۔ جوش گفتار نے میرے منہ سے مہر خموشی توڑ دی ہے۔ اب آپ سے کیا کچھ کہوں اور کن کن آرزوؤں کی بر آوری چاہوں۔ میری بات پر دھیان دیجئے اور غور سے سنئے اور میرے کہے پر عمل کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ نہ سنیں اور نہ ہی عمل کریں۔ بات یہ ہے کہ شیخ مشتاق حسین کہ مشتاق تخلص کرتے، اردو غزل کہتے اور خوب کہتے ہیں اس خط کے واسطے سے آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں اور وہ چونکہ شاعر

ہیں مرثیہ بھی پڑھتے ہیں اور چونکہ اس شہر میں آئے ہوئے ہیں چاہتے ہیں کہ دو تین جگہ مرثیہ خوانی پر مامور ہو جائیں اور وہاں مرثیہ خوانی کیا کریں۔ لازمی آپ کو چاہیے کہ ان کو پہلے نواب صاحب قبلہ و کعبہ دو جہاں کی خدمت میں لے جائیں اور وہاں سے (مرثیہ خوانی کے) احکامات لیکر ان کو مطمئن کر دیں۔ یا (وہ خود ہی) اپنے آپ کو آپ کے امام باڑے کے وابستگان میں تصور کریں اور مرثیہ خوانی کے لئے تیار رہیں۔ اس کے بعد ان کو میرے مخدوم و برادر خورد مظفر الدولہ کے پاس لے جائیں اور ان سے عرض کریں کہ ان کو پیش گاہ اعتماد الدولہ نواب حامد علی خاں میں لے جائیں کہ وہاں سے بھی مرثیہ خوانی کے احکامات حاصل ہو جائیں اور ان دونوں جگہوں پر یہی خط کہ جناب عالی کے نام ہے دکھائیں، اور میری جانب سے جناب عالی کی خدمت میں بندگی اور نواب مظفر الدولہ کو سلام پہنچائیں۔

جب یہ دونوں کام پورے ہو جائیں اور نواب صاحب قبلہ ایک دو سوز سننے کے بعد آپ کو وہ احکامات دے دیں اور وہ مرثیہ خوانوں کے دستور کے مطابق، آپ کی سرکار میں ملازم ہو جائیں اور نواب مظفر الدولہ بہادر بھی ان کو اپنے ہمراہ لے جائیں یا بذریعہ تحریر منزل مقصود پر پہنچا دیں تو آپ خصوصیت سے ان پر (یہ) مہربانی کیجئے کہ اپنے ساتھ لے جا کر ضمیر الدولہ نواب احمد حسین خان بہادر عرف آغا حیدر سے تعارف کرادیں اور اسی امام باڑے میں مرثیہ خوانی کے لئے پختہ احکامات دلوادیں اور ہرگز ہرگز میری گزارش پر کوئی معذرت پیش نہ کریں۔ بلکہ اس کا (سارا)، احسان مجھ پر رکھیں اور اس کام کی تکمیل میں مددگار تصور کریں۔ خدا زندگی اور زندگی کی مسرتیں عطا کرے۔

......☆☆☆

بنام مولانا محمد عباس شوستری از بھوپال

خط۔۱

خداوندِ نعمت و نشانِ رحمت، خدا آپ کو سلامت رکھے۔ خدا کرے وہ تسلیمات و آداب و نیازات جو اس سے پیشتر جناب کے نامۂ مبارک کے جواب میں بعجز و نیاز ارسال کیے گئے تھے شرف قبولیت حاصل کریں۔ ان دنوں شہر (دہلی) میں دو دانشور باہم برسر پیکار ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہتا ہے کہ خالقِ کائنات، خاتم الانبیا حضرت محمد صلعم کا مثل پیدا کر سکتا ہے۔ ادھر دوسرا یہ فرماتا ہے کہ تخلیق خاتم الانبیا ممتنع بالذات ہے اور اس فدوی کا عقیدہ بھی چوں کہ یہی ہے اس لیے اسی موضوع پر میں نے کچھ اشعار کہے ہیں۔ امیدوار ہوں کہ یہ تحریر جناب کی نظر کی روشنی سے ضرور جلا پائے۔ زیادہ حد ادب۔

غالب کی جانب سے تحریر کردہ بتاریخ اکیسویں جمادی الاوّل ۱۲۷۳ھ۔

اے کہ گوئی توانا کرد گار

چوں محمد دیگرے آرد بکار

اے وہ شخص کہ جو کہتا ہے کہ خالق کائنات دوسرا احمدؐ پیدا کر سکتا ہے۔

با خداوندِ دو گیتی آفریں
ممتنع نبود ظہوری ایں چنیں

خالق دوعالم کے لیے ایسی تخلیق ناممکن نہیں۔

نغز گفتی نغز تر باید شنفت
آنکہ پندارے کہ ہست اندر نہفت

تو نے بہت اچھی بات کہی (لیکن) اس سے بہتر بات بھی سُنی چاہیے۔ جیسا کہ تیرا خیال ہے۔

گر چہ فخر (دودہ) آدم بود
ہم بقدرِ خاتمیت کم بود

(ایسی) تخلیق اگر چہ پھر بھی بنی آدم کے لیے باعث اعزاز ہوگی (لیکن) اس میں خاتمیت نہیں ہوگی۔

صورت آرائش عالم نگر
یک مہ و یک مہر و یک خاتم نگر

(اب) ترکیب تخلیقِ عالم پر نظر ڈالی جائے تو ایک چاند اور ایک سورج نظر آئینگے اور اس لیے خاتم بھی ایک (ہونا چاہیے)۔

ایں کہ می گویم جوابے بیش نیست
مہرومہ زاں جلوہ تابء بیش نیست

یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی تردید نہیں ہو سکتی۔ (کہ) جس طرح چاند اور سورج سے زیدہ روشن کرنے والی چیزیں نہیں ہو سکتیں۔

آنکہ مہر و ماہ و اختر آفرید
می تواند مہر دیگر آفرید

وہ جس نے چاند سورج اور ستارے پیدا کیے دوسرا سورج بھی پیدا کر سکتا ہے۔

گر دو مہر از سوء خاور آورد
کور باد آن کو نہ باور آورد

اگر مشرق سے وہ دو سورج طلوع کر دے (تو) اندھی ہو جائیں وہ آنکھیں جن کو اس کا یقین نہ آئے۔

قدرت حق بیش ازین ہم بودہ است
ہر چہ اندیشی کم از کم بودہ است

خدا کی قدرت تو اس سے بھی بڑھ کر ہے لیکن تیری فکر اُن (امکانات) پر پہنچ نہیں سکتی۔

لیک در یک عالم از روئے یقین
خود نمی گنجد دو ختم المرسلین

لیکن ایک عالم میں حقیقتاً دو ختم المرسلین کی گنجائش ہی نہیں۔

یک جہاں تاہست یک قائم بس است
قدرت حق را نہ یک عالم بس است

جب تک ایک عالم ہے (اس کے لیے) یک قائم ہی کافی ہے۔ ایک عالم کی تخلیق اُس کی، انتہائے قدرت نہیں۔

از دل ہر ذرہ آرد عالمے
تا بود ہر عالمے را خاتمے

(اگر وہ چاہے تو) ایک ذرّے سے ایک عالم پیدا کر سکتا ہے اس طرح کہ ہر عالم کا ایک خاتم ہو۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمتہ للعالمینی ہم بود

جہاں کہیں ایک عالم کا ہنگامہ ہوگا (وہاں) ایک رحمت العلمین بھی ہوگا۔

در یکے عالم دو خاتم را مجوے
صد ہزاراں عالم و خاتم بگوے

(لیکن) ایک عالم میں دو خاتم نہیں ہو سکتے۔ لاکھوں عالم ہونگے لیکن خاتم ایک ہی ہوگا۔

کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

عالم میں نئی تخلیقات بہتر ہیں یا ایک عالم میں دو خاتم بہتر ہیں۔

غالب ایں اندیشہ نپذیرم ہمی
خردہ ہم بر خویش می گیرم ہمی

غالبؔ مجھے یہ خیال قبول نہیں۔ میں خود اپنے آپ پر تنقید کرتا ہوں۔

اے کہ ختم المرسلین اش خواندہ ای
دائم از روے یقینش خواندہ ای

اے وہ شخص کہ (تو نے محمدؐ کو) ختم المرسلین کہا ہے تو میں سمجھتا ہوں اس پر تیرا یقین بھی ہوگا۔

ایں الف لامے کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست

.ن باتوں/خیلات کے لیے راست فکری ضروری ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے اس کے معنی بھی اسی کے مطابق نکالنے چاہئیں۔

منشأ ایجادِ ہر عالم یکے است
گر دو صد عالم بود خاتم یکے است

ہر عالم کی تخلیق کا مقصد ایک ہی ہے اگر دو سو عالم ہوں تب بھی خاتم ایک ہی ہوگا۔

خود ہمی گوئی کہ نورش اوّل است
از ہمہ عالم ظہورش اوّل است

اب تم خود ہی کہتے ہو کہ (تخلیق کائنات میں) اس کا نور سب سے پہلی چیز ہے اور کائنات کے وجود میں اس کا وجود اوّل تھا۔

اولیّت را بود شانے تمام
کے بہر فردے پذیرد انقسام

اولیت کی اپنی ہی شان ہوتی ہے۔ وہ ہر فرد کے لئے مختلف نہیں ہوتی۔

جوہر کل بر نتابد تثنیہ
در محمد رہ نیابد تثنیہ

جوہر کل ثنویت قبول نہیں کرتا۔ (اور اسی طرح) محمدؐ کی ذات بھی دوئی کی مانع ہے۔

تا نہ ورزی اندر امکاں ریو رنگ
حیزِ امکاں بود بر مثل تنگ

(میدانِ حدِ) امکاں میں جب تک تُو حیلہ اور فریب سے کام نہ لے۔ امکاں میں کسی مثل کی گنجائش نہیں۔

میم امکاں اندر احمد سرّ زیست
چوں ز امکاں بگزری دانی کہ چیست

اسم احمدؐ میں میم زندگی کا راز ہے۔ عالمِ امکاں سے باہر نکل کر اس کا ادراک ہو سکتا ہے۔

صانع عالم چنیں کرد اختیار
کش بعالم مثل نبود زینہار

خالق کائنات نے یہی (طریقہ) اختیار کیا ہے۔ کہ عالم میں اس کا مثیل ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ویں نہ عجز است اختیار است اے فقیہ
خواجہ بے ہمتا بود لاریب فیہ

اور یہ بات اے فقیہ عجز کے سبب نہیں۔ محمدؐ بے شک بے مثل ہیں۔

ہر کرا بے سایۂ بنہد خدا
ہیچو اوئی نقش کے بندد خدا

جس کسی کو خدا بے سایہ پیدا کرے۔ تو اولیں نقش کا مثیل کیونکر پیدا کرے گا۔

ہم گہر مہر منیرش چوں بود
سایہ چوں نبود نظیرش چوں بود

جب مہر منیر اس کا ہم صفت ہو اور اس کا سایہ نہ ہو (تو) اس کا مثیل کس طرح ہو سکتا ہے۔

منفرد اندر کمالِ ذاتی است
لا جرم مثلش مثالِ ذاتی است

وہ (محمدؐ) اپنی ذات کے کمال میں منفرد ہیں چنانچہ اپنی مثال بھی وہ آپ ہی ہیں۔

زیں عقیدت بر نہ گردم والسلام
نامہ را در می نوردم والسلام

میں اس عقیدے پر ہی قائم رہونگا اور اس پر ہی تہہ کرتا ہوں۔ (خط بند کرتا ہوں)

......☆☆☆......

بنام سید ابن حسین خان صاحب بہادر

ولد مجد الدولہ نیاز حسن خان بہادر شیر جنگ

خط۔۱

در گردِ نالہ وادیٔ دل رزم گاہِ کیست
خونے کہ می دود بہ شرائیں سپاہِ کیست

ترجمہ نالہ و فریاد کے غبار میں وادیٔ دل کس کی رزم گاہ بن گئی ہے۔ (اور) وہ خون جو شریانوں میں دوڑ رہا ہے کس کی سپاہ ہے۔

ہما کے پروں کی حرکت کی ہوا نے اچانک میرے سر پر سایہ فگن ہو کر یگانگت کے چہرے سے بیگانگی کا پردہ ہٹا دیا اور جذبِ دل نے اُس منقش خط کے دیدار ہی سے حیرت میں ڈال دیا کہ بھلا یہ دیرینہ محبت کی (سلسلہ) جنبانی کہاں سے ہو رہی ہے، در

سینہ میں جوش خون حد سے زیادہ کیونکر ہے۔ میں نے (دل میں) کہا (آپ کا یہ قلمی) رابطہ (میرے لیے) عالم بالا کی سوغات ہو گا۔

[illegible]

بارے خطِ پرنور کی کشائش اور قلم کے آثار خرم کے دیدار نے آگہی میں اضافہ کیا (اور ظاہر ہو گیا) کہ بلا شبہ ہمارے دلوں میں محبت ازلی کا عکس روشن ہے۔ تاہم عالم جسمانی میں بھی ہماری واقفیت نئی نہیں ہے۔

آشکارا ... بتو ... از ... خویش ... نشان ... باز ... دہم
گردست ... در ... گرو ... پرستش ... پنہان ... من ... است

میں تجھے صاف صاف اپنا پتہ بتائے دیتا ہوں۔ اگر تیرا دل میری پرستش پنہاں میں گرفتار ہے۔

مکتوب نگار، شاہ زمن کی فرمانروائی کے بعد، ور معتمد الدولہ کے عہد حکومت کے اختتام پر لکھنؤ گیا تھا اور وہاں کم وبیش پانچ ماہ بسر کیے تھے۔ رمضان بیگ ایک آزاد منش نے کہ جس پر میرے والد کا حق نمک واجب تھا اور جو اُن دنوں مجد الدولہ سید حسن خان کے خوانِ کرم کا ریزہ چین تھا، جب میرے آنے کا سنا تو مجھ سے ملنے آیا اور آشتی وتواضع کی انتہا کر دی۔ اور (اس طرح) صلح جوئی اور آشنا نوازی کے سبب اُس نام آور خوش خلق ور میرے درمیان محبت ہو گئی۔ یقیناً غالب بے نام ونشاں اگر اپنے آپ کو فروخت بھی کرے تو (اگر چہ) اب قیمتاً وہ گھاس کے تنکے کے برابر بھی نہیں (لیکن) دیرینہ محبت کرنے والوں میں ہے۔ خدا کی قسم جناب عالی نے فن تحریر میں (وہ) منتخب انداز اپنایا ہے اور اس انداز سے لکھا ہے کہ اگر اہل نظر پروین و پرن کو اس لیاقت پر (بطور رد نظر) سپند کی جگہ جلائیں تو بجا ہو گا۔ مجھے خود اپنی نظر لگ جانے کا اس قدر خوف ہے کہ ''این یکاد''[1] پڑھ پڑھ کر میرے ہونٹ زخمی ہو گئے ہیں اور خود اپنے آپ سے حسد کرنے لگا ہوں تو بھلا اس کا جواب کیا لکھا جا سکتا ہے، ور ان خیالات کے ہوتے ہوئے عرض بھی کیا کیا جائے۔ جناب کی حکمت و صلاح کی خواہش نے مجھے اپنے نوشتہ تقدیر پر نازاں کر دیا۔ مجال ہے جو کوئی اس پھول سے زیادہ رنگین نثر کے ایک حرف کی بھی (بقدر بایست) تعریف کر سکے۔ یہ رنگین (نثر) کہ اگر اس کے ایک حرف پر بھی کوئی انگلی رکھ دے تو سرانگشت (رنگین و) منقش ہو جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اپنے اجزائے خطابی سے خط میں کوئی ایسی نشانی نہیں چھوڑی جو پتہ کی زینت کے لیے کام آ سکتی۔ پس (میرے اس) خاتمۂ (خط) پر محبت کے ساتھ اپنی مہر لگا دیں کہ میری یہی آرزو ہے اور میری طرف سے دو سلام مع اکرام (قبول کریں)۔

☆☆☆

1۔ قرآن کی آیت جو رد نظر کے لیے عام طور پر پڑھی جاتی ہے۔

بنام وزیرالدولہ وزیر محمد خاں والیٔ ٹونک

خط۔۱

حمد و درود کے بعد نوابِ قدسی القاب، عظیم الشان، رفیع المکان، ولیٔ نعمت آیۂ رحمت، قبلۂ دنیا و دین، حضرت امیر المومنین، دام اقبالہ وزاد افضالہ کی درگاہِ وافر اسرور کے بار پانے والوں کی پیش گاہ میں عرض ہے کہ عریضہ نگار اگرچہ بہ ظاہر قربت کی نظر گاہ کے دور افتادگاں میں سے ہے لیکن حقیقتاً آپ کی ہمیشہ قائم رہنے والی اقبال مندی کے دامن سے وابستہ ہے (اور) اس قصیدہ سرائی کی جس کو جناب عالی کی خدمت میں شرف قبولیت ملا ہے اور جو (جناب کی) نظر معجز اثر میں محمود قرار پائی ہے ذریعۂ شناسائی تصور کرتا اور جناب کی محبت کے استحقاق اور الفت کی توقیر کی دعوی گاہ کی تعجب انگیز سند کا مالک ہے۔ ان ہی دنوں میں کہ جب خان صاحب مشفق و مہربان طالع یار خان اور سعادت مند و اقبال آثار اصغر یار خان اسلام آباد ٹونک سے اس شہر آئے تو انہوں نے مجھے اردو زبان میں لکھا ایک مسودہ دکھایا اور فرمایا کہ خداوند کی رضائے آسمان نسبت یہ چاہتی ہے کہ یہ عبارت اردو سے فارسی میں منتقل کر دی جائے تاکہ ایک دلکش نسخہ تیار ہو جائے۔ چونکہ حق پرستی و حق گزاری (میرا) دستور اور خداوندان نعمت کے حقوق کی رعایت احکامات دین میں سے ہے، مستقل اس فکر میں تھا کہ اگر موقع ملے تو کوئی خدمت بجا لاؤں تاکہ جناب عالی کی نوازش اور بخشش کی اپنے حتی المقدور تلافی کر سکوں۔ چونکہ حسن اتفاق کی برکات سے یہ تقریب سعید نکل آئی ہے (اس لئے) اتمام کار اور آرائش گفتار کی جرات کی۔ درود تمہید و توصیف کہ جو میرے قلب میں پوشیدہ تھی اس تحریر کے ضمن میں آپ کی خدمت میں پیش کی۔ ہرچند کہ یہ ایک مایۂ قلیل اور ہدیۂ حقیر ہے لیکن جب یہ سننے میں آتا ہے کہ خلیفہ نے ایک عرب بدو سے کھاری پانی، اور حضرت سلیمان نے چیونٹی سے ایک ٹڈی کا پیر، بطور تحفہ قبول کیا تھا (تو میں بھی) اپنے دل کو قبولیت کی خوش خبری سے خوش کیے لیتا ہوں۔ خالق تعالی میری زبان کو شیخی سے محفوظ رکھے۔ اور حق سے امیدوار رہوں کہ سوائے حق کے میرے دل میں کچھ نہ آئے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب جناب کی تعریفیں مشفقی طالع یار خان سے خصوصاً اور دوسروں سے عموماً سنا کرتا ہوں اور اس محبت کے مشاہدے سے بھی کہ جو میرے ضمن میں ظہور پذیر ہوئی ہے (تو) افسوس کرتا ہوں کہ لارڈ الن برا کے عہد فرمان روائی میں اطرافِ شہر دہلی آپ کے جاہ و جلال کے شامیانوں کا (خیمہ گاہ) تھا تو اس بد بخت کو قدم بوسی کی توفیق نہیں ہوئی۔ اب یہ سوچتا ہوں کہ اگر موت نے مہلت دی اور تاب و توانائی نے ساتھ دیا تو اس شہر سے ہجرت کی نیت سے نقل مکانی کر کے اپنی مٹھی بھر ہڈیوں کو اس درگاہ میں کہ جو درویشانِ بے نوا کی امیدوں کا مرکز ہے پہنچا دوں اور باقی عمر حضرت امیر المومنین کے حضور میں گزار دوں۔

خدا کرے دولت و اقبال کا آفتاب فروغ جاودانی کا سرچشمہ رہے۔ عرضداشت اسداللہ محررہ چوتھی ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ۔

......☆☆☆....

خط ۔۲

خیرخواہ اسداللہ کی عرضداشت خزینۂ فیض، جناب مستطاب، ہمایوں خطاب، قبلۂ دنیا و دیں حضرت امیرالمومنین دام اقبالہ کی خدمت میں اس دعا کی بنا پر کہ جو مرید کر سکتے ہیں اور اس (قدر) ستایش کے ضمن میں کہ جو شاعروں کے تخیل میں آ سکتی ہے، بے شک میں نے خود کو اس دولت جاوید طراز کے دامن سے وابستہ کر رکھا ہے اور وہ اس سبب کہ کسی دوسرے کام کا اہل نہیں اور کوئی عمدہ خدمت انجام نہیں دے سکتا، اس لئے ثناخوانی اور دعا گوئی پر قناعت کر کے اس کا التزام کیا ہے کہ ہر سال عیدالضحیٰ کی تہنیت کی تقریب پر ایک تحریر توصیفی میری طرف سے جناب کی نگاہ التفات سے روشناس ہوتی رہے۔ چنانچہ گذشتہ سال میں نے ایک قصیدہ کہ جس میں بیت اسم یہ ہے

صورت معنیٔ اسلام وزیر الدولہ
کہ دلش آئینۂ صورتِ ایماں آمد

روانہ کیا ہے اور اس سال یہ قطعہ بھیج رہا ہوں۔ زیادہ حد ادب۔ خدایا آفتاب اقبال آب و تاب میں آفتاب جہاں تاب کا مثیل ہو۔ محررہ بیسویں ذی قعدہ ۱۲۶۹ھ

قطعہ تہنیت

اے کہ بر نامِ توصد راہ جم و قیصر صد بار،
عرضہ دربارۂ کم ساختنِ باج نوشت

اے کہ تیرے نام پر جم و قیصر نے طرح طرح سے سینکڑوں بار درخواست بھیجی ہے کہ ان کا خراج کم کر دیا جائے۔

کفت فیضِ قلم را علم فتح شمرد
بر سرت بخت کلہ را گہریں تاج نوشت

تیرے ہاتھ میں فیض نے قلم کو فتح کا علم تصور کیا (اور) خوش بختی نے تیرے سر پر ٹوپی کو موتیوں کا تاج قرار دیا۔

خمِ ابروے ترا، چرخ مہِ نو دانست
روزِ بد خواہ ترا دھر شبِ داج نوشت

تیرے خم ابرو کو آسمان نے ماہ نو جانا، (اور) تیرے بدخواہ کے دن کو بھی زمانے نے شب تاریک قرار دیا۔

آں دقائق کہ بود در گروِ سہم الغیب
قلمِ تیر تو بر صفحہ آماج نوشت

وہ اسرار کہ جو غیبی تیروں میں چھپے ہوتے ہیں (ان کو) تیرے تیر کے قلم نے چاند ماری کے قرطاس پر لکھ دیا۔

تو نرفتی، و بنامِ تو خداوند کریم
رقمِ قافلہ سالاری حجاج نوشت

اگرچہ تو گیا نہیں لیکن خداوند کریم نے حجاج کی قافلہ سالاری تیرے نام لکھ دی۔

کاتب دهر، [illegible] بسرمایهٔ عمر تو فزود
[illegible] زایچهٔ خضر [illegible] هیلاج [illegible] نوشت

کاتب وقت نے وہ سب تیری عمر کے سرمایہ میں جوڑ دیا جو کچھ بھی کہ خضر کے زائچہ عمر میں لکھا گیا تھا۔

باد [illegible] فرخنده [illegible] فرخ [illegible] عید [illegible] اضحیٰ
[illegible] وانگہ [illegible] این قطعه [illegible] که [illegible] این بندهٔ محتاج [illegible] نوشت

تجھے عید اضحیٰ مبارک ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ قطعہ بھی جو اس بندہ محتاج نے لکھا ہے۔

☆☆☆

خط۔۳

خیر خواہ اسد اللہ کی عرضداشت مکرمت ظہور، جناب مستطاب نواب صاحب دونوں جہاں کے قبلہ و کعبہ فیض کے سمندر اور احسان کے دریا کے حضور میں۔

بے شک چونکہ عریضہ نگار کا مقصد ہر قسم کی نظم و نثر سے سوائے تمجید و توصیف کے اور کچھ نہیں، خدایا وہ روز دن افروز بھی دکھا کہ (میری) آنکھیں اس عرش آسا کف پا سے روشناس ہو جائیں اور قلم کا کام زبان سے ہو جائے۔ اگر وقت نے مساعدت اسباب سے دریغ نہ کیا تو ان جاڑوں میں کعبہ مقصود کے طواف کا احرام باندھونگا یعنی آستان نشینی کی زحمت دونگا۔ مرحومی میر تفضل حسین خان کو کہاں سے لاؤں کہ میرے عبودیت نامے کو بھی آپ کی نظر انور سے گزاریں اور (جناب کا) فرمان کرامت و پروانہ خوشنودی بھی مجھ کو پہنچائیں۔ میں جانتا ہوں کہ جب تک میں خود خدمت میں نہیں پہنچوں گا میرا کام بقدر بایست رواں نہیں ہوگا۔ اس بار مجموعہ عقل و انصاف شیخ اللہ داد کی زبانی بھی کچھ عرض کیا ہے۔ امید ہے کہ ساعت با توجہ سے شرف یاب ہوگا۔ زیادہ حد ادب۔ دولت و اقبال کی بہار جاوداں اور جاہ و جدل کا بہارستان بے خزاں رہے۔ محررہ یکم محرم ۱۲۷۱ھ

☆☆☆

بنام خداداد خان وولی داد خان صاحبان

خط۔۱

میرے مشفق و مہربان جناب خداداد خان اور ولی داد خان صاحبان کو بعد سلام کے معلوم ہو کہ چوں کہ دونوں صاحبان کا (میری) والدہ صاحبہ قبلہ و کعبہ جناب عزت النساء بیگم صاحبہ مدظلہ العالی سے حویلی کے رہن اور روزمرہ کے خراجات کے ضمن میں لین دین کا تعلق رہتا ہے اور بندہ بشر کو موت سے بھی فرار ممکن نہیں اور (اس لیے) تسلی بھی چاہیے، چنانچہ یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ جناب بیگم صاحبہ (خالق دو جہاں ان کو عمر دراز عطا فرمائے)

جو دونوں حویلیوں کی مالک کلی ہیں اور کوئی دوسرا شخص شریک و حصہ دار نہیں ۔اگر خدا نہ کرے اتفاقاً اس امر سے دوچار ہوتی ہیں کہ جس سے کسی انسان کو مفر نہیں، تو اس تمام املاک مملوکہ و مقبوضہ سے کہ جو اس گنہگار کے تصرف میں آئیگی سب سے پہلے صاحبان مذکور کا تمام قرض ادا کیا جائے گا۔ اور اگر بفرض محال وہ ساری املاک قرض کی ادائیگی کے لئے ناکافی ہوتی ہیں تو باقی قرض میں اپنی جیب سے ادا کروں گا۔لیکن چونکہ بیگم صاحبہ خود لکھنا پڑھنا جانتی ہیں، اس لیے یہ طے پایا کہ ہر وہ دستاویز جس پر ان کے دستخط نہیں ہوں گے قابلِ اعتبار نہیں ہوگی۔غرض یہ کہ صاحبان مذکور ہر وہ رقم کہ ممدوحہ صاحب کو بطور قرض دینگے، تو ایک تحریر پر ان کے دستخط لیکر (بطور ثبوت) اپنے پاس رکھیں گے۔(اور) ہر دستاویز جو ایسی ہو کہ قرض کی کچھ رقم ممدوحہ کے ذمے باقی رہ جائے، تو ممدوحہ کے ذمہ باقی ماندہ ساری کی ساری رقم (کا قرض) خواہ (ممدوحہ کی متروکہ) املاک سے ہو یا میری اپنی ذاتی جائیداد سے میرے ذمہ ہوگا اور اس ضمن میں کسی تردد کی ضرورت نہ ہوگی۔اور یہ خط جو میں نے اپنے قلم سے بقائمی ہوش وحواس، بغیر جبر واکراہ اپنی کلی رضامندی سے لکھا ہے ایک مکمل (قانونی) دستاویز تصور کیا جائے گا۔فقط تیسویں جنوری ۱۸۰۲ء کو لکھا گیا۔

مہر میرزا نوشہ عرف ۱۲۳۱ء اسد اللہ خاں

☆☆☆

بنام شیخ امیر اللہ سرور

خط۔ا

مجموعہ مہر ومحبت (خدا آپ کو) سلامت رکھے۔پیر کی صبح اگست کی تیرہ تاریخ کو انگریزی ڈاک کے ایک تیز رفتار قاصد نے آپ کا دلنواز خط ادا کر دیا تو عنوان خط سے مجھے معلوم ہوا کہ جناب عالی لکھنؤ میں مقیم ہیں۔آپ کی پریشانی سے دل سلگ اُٹھا۔لیکن اسی خط سے جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کسی صاحب دولت سے وابستہ ہو کر والا صفات مرزا محمد مسیح خان کی رفاقت میں لکھنؤ تشریف لے گئے ہیں تو پریشانی کا ازالہ ہوا اور افسردگی دور ہوئی۔آپ فرماتے ہیں کہ آپ نے دو خط مجھے بھیجے ہیں اور میں نے جواب نہیں دیا۔اے مہربان آپ کی ادا، نہ کردہ خدمت اگر صرف نظر ہو سکتی ہے تو میرا نا کردہ گناہ بھی معاف کیا جا سکتا ہے۔انصاف بالائے طاعت، اِن اندھیرے دنوں اور تاریک وقتوں میں جب نواب گورنر جنرل بہادر کی آمد کا چرچا ہے دروہ اس شہر میں دوسری بار آرہے ہیں، میں حیران و پریشان گلی گلی کوچے کوچے پھر رہا ہوں۔ظلم کی چھری نے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے اور دل کا ہر ٹکڑا (علیحدہ) مضطرب ہے۔اور مزید مشکل یہ کہ مقدمہ تاحال جاری ہے اور نا اُمیدی کی سیاہ رات کی صبح ہونے نہیں پاتی۔کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ اس مسئلے کا حل کون سی منزل پر ہے کہ پریشان نہ ہوتا اور اُمید وبیم کی کش مکش نہ ہوتی۔چلئے، باعث مسرت ہے کہ خوش قسمتی سے آپ لکھنؤ پہنچ گئے اور مرزا تقی ہوس وخواجہ حیدر علی آتش جیسے عالی مرتبت حضرات کی صحبت سے مستفید ہوئے۔افسوس مجھ پر کہ میں نے یہ پانچ ماہ لکھنؤ تو کٹی ٹولے میں خاک نشینی میں گزار دیے اور مجھے ان بلند مرتبہ لوگوں کی قدم بوسی کا شرف حاصل نہ ہوا۔جناب کی فرمائش کہ غالب سرگشتہ چند اردو غزلیں کہہ کر آپ کو ارسال کرے۔تو یقیناً آپ بھول

گئے کہ (ان دنوں) فارسی گوئی میرے ذہن پر طاری ہے۔ اردو غزل گوئی ترک ہو چکی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ (اردو غزلیں) لکھنؤ بھیجنا ایسا ہے جیسے چمن کو پھول اور صفہان کو سرمہ بھیجا جائے۔ خدا کی قسم اردو غزل گوئی ترک کر چکا ہوں ور سابقہ غزلوں سے، ان کو جو میرے ذوق شعری پر پوری اترتی ہیں، علیحدہ کر کے باقی سب پر قلم نسیخ پھیر دیا ہے۔ پھر بھی چونکہ آپ کی فرمائش عزیز ہے آٹھ غزلیں ارسال کر رہا ہوں۔ علی صفت مرزا تقی ہوسؔ اور خواجہ حیدر علی آتشؔ کی خدمتِ اقدس میں ان غزلوں کو پیش کر کے ان سے میری جانب سے اصلاح کی درخواست کریں اور اس بکواس کو دیکھ کر ان کی زبان گوہر فشاں سے جو کچھ بھی ادا ہو مجھے لکھ بھیجیں۔ والسلام ولاکرام۔ فقط

☆☆☆

بنام سید رجب علی ارسطو جاہ

خط۔۱

مولانا و سیدنا مخدومنا و مطاعنا خدا آپ کو سلامتی عطا کرے۔

اس سے پیشتر ایک عرضداشت جو آپ کے محبت نامے کی تکریم میں تھی ڈاک سے ارسال کر چکا ہوں۔ اُمید ہے نظر نور سے گزری ہو۔ ان دنوں یہاں ایک دوست نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں دہلی کی نئی اور پرانی عمارات کو ان کے نقشوں کے ساتھ (دکھایا ہے) ایسا لگتا ہے کہ ایک چمن آراستہ کر دیا ہو۔ اور اس کے باب چہارم میں 'جو کتاب کا آخری باب ہے' اس شہر کے شعرا کے اشعار بھی دیے ہیں۔ اپنی جامعیت کے سبب یہ کتاب مجھے پسند آئی۔ چنانچہ اس کتاب کا ایک نسخہ جو تین جلدوں پر مشتمل ہے مطبع سے خرید کر بطور تحفہ ارسال کر رہا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ یہ حقیر تحفہ شرف قبولیت پائے گا۔ اس کتاب کی رسید کے ساتھ سابقہ مکتوب کے جواب کا بھی اُمیدوار ہوں۔

والسلام۔ اسد اللہ غالب یک شنبہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۶۳ مطابق ۵ دسمبر ۱۸۴۷ عیسوی۔

بہ سبیل احتیاط اور یک رنگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ خط بیرنگ بھیج رہا ہوں۔ محصول ڈاک جناب کے ملازموں کے ذمہ ہے۔

☆☆☆

بنام حکیم امام الدین خان

خط۔۱

غالب خستہ جانِ خونیں دل کے قبلۂ جان و دل! خدا آپ کو سلامت رکھے۔

کل شام کو آپ کی بزمِ انس سے (اُٹھ کر سیدھا) اپنے گھر پہنچا اور رات میں آرام کے ساتھ سویا۔ نہ کوئی درد، نہ کسی قسم کی تکلیف، نہ حرارت، نہ ورم۔ صبح کو جب نیند سے بیدار ہو تو تالو، زبان اور منہ میں کڑواہٹ کا احساس ہوا اور سر کو وقفِ درد پایا۔ پہلے

عرق شیر شربتِ نیلوفر کے ساتھ پیا، دو گھنٹے کے بعد شیرۂ کاسنی و مغزِ تخمِ کدو شربت نیوفر کے ساتھ پیا اور آنکھوں اور کن پٹیوں کے گرد اگر دلیپ لگایا۔ اس وقت پھر شیرۂ کاہو و تخمِ خیارین شربت خانہ ساز کے ساتھ پیا ہے۔ اندرونی ورم کا وہی حال ہے جو تھا، البتہ آنکھوں اور کن پٹیوں کا درد پہلے کی بہ نسبت کچھ کم ہے۔ چوں کہ قربِ مکانی کے سبب مجھ مظلوم کے نالے بہ آسانی آپ تک پہنچ سکتے ہیں، اس لیے بہ غرضِ توجہ اطلاعاً عرض کیا گیا۔ زیادہ نیاز و بس۔

من جانب اسداللہ رنجور

☆☆☆

بنام مولوی مفتی سید احمد خان صاحب

خط۔۱

بخدمت مولوی مفتی سید احمد خان صاحب

بمقام شہر بریلی روہیل کھنڈ

(چاہتا ہوں کہ) سید اعلیٰ خاندان کے گرد طواف کروں (دفعِ بد کے لیے) اور ان کی جلوہ گاہ پر اپنا چہرہ ملوں، ور ہر چند کہ (اپنی) خط کی ندامت سے بات نہیں کر سکتا، اس ڈر سے کہ کہیں آہستہ آہستہ یہ رشتۂ محبت ہی ٹوٹ نہ جائے، پھر بھی بولنے پر مجبور ہوں۔ مکتوب گرامی کے ورود نے میرے (مردہ) جسم میں جان ڈال دی اور مجھے شادمان کر دیا۔ حضرت عبد المجید خان صاحب کے خط کی رسید، جس کے ساتھ جناب عالی کا نامۂ مقدس بھی تھا اور چند غزلیں بھی (یہ) میرے ذہن سے محو ہو گئے تھے۔ اب جو آپ کے خط کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا تو اُس کی تلاش کی اور اس صندوقچے کو ٹٹولا، جس میں سارے جواب طلب خطوط اور ہر قسم کے دوسرے کاغذات سنبھالتا ہوں۔ تو اس میں نظم و نثر کے مسودات کا وہ بے بہا خزانہ موجود نہ تھا۔ ایک ایک ورق الٹ پلٹ کے دیکھا لیکن مسودہ غزلیات نہ مل سکا۔ قصہ یہ ہے کہ ستاروں جیسی سپاہ رکھنے والے بادشاہ نے، خدا اس کے ملک و سلطنت کو ہمیشہ رکھے، نامہ نگار کو شاہان تیموریہ و فاتحان بابری کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا ہے اور میں تین ماہ سے یہ کام سرانجام دے رہا ہوں۔ اور (اس کام میں) میرا قلم دن رات متحرک ہے۔ تاریخی کتابوں اور اسلاف کے سوانح کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اور منتشر اوراق کے دفتر ہر جگہ پڑے ہیں۔ تاریخ کے گذشتہ واقعات میں (اہم کا) انتخاب کر کے ان کو ترتیب سے لکھنا، ور پھر اس مسودے سے دو مسودے تیار کرنا، ایک کو آقائے گرامی کو ارسال کرنا اور دوسرا اپنے پاس محفوظ رکھنا اور یہ سارے کام تن تنہا کرنا! کیا بتاؤں ان سارے کاموں نے مجھے کیسا پریشان کر رکھا ہے۔ نہ معلوم وہ خط اور غزلوں کا مسودہ کہاں گیا اور اس کا کیا ہوا۔ مختصر یہ کہ میری طرف سے یہ ایک معذرت ہے جو صرف ماضی ہی کے لیے نہیں آئندہ کے لیے بھی (ہے)۔

نثر نویسی نے (میرا) ایسا دامن دل پکڑا ہے کہ نظم کی (ساری) رغبت ختم ہو گئی ہے۔ میرے مشفق محمد دلدار علی صاحب مذاق میری فہم کے مطابق تو معنی آفرینی میں سلطان الشعرا محمد ابراہیم ذوق کے ہم پلہ ہیں اگر چہ وہ (کسرِ نفسی میں) اپنے آپ کو ان کا شاگرد

دیرینہ تصور کرتے ہیں۔ اب چونکہ وہ (محمد دلد رعلی صاحب مذاق) ہمدم وہم نشین تو اسی اعلی خاندان (محمد ابراہیم ذوق) کے ہیں تو ان سے شاعری میں مشورہ کرنے میں کیا مضائقہ۔ اور شاعری میں مشاورت کوئی باعث شرم بات بھی نہیں۔ نا سمجھ لوگوں نے (البتہ) استادی اور شاگردی میں بڑا فاصلہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن فدوی کی نظر میں ہم زبانی وہم نفسی میں کوئی فرق نہیں۔ یہ نامہ نگار تو اپنے شاگردوں کو اپنا ہمدم وہم راز (ہی) سمجھتا ہے اور کبھی ان کو (اپنے سے) کمتر نہیں گردانتا۔ (بھلا) استاد اپنے آپ کو برتر کیوں گردنے اور شاگرد اظہار عجز کس لیے کرے۔ اب اگر کوئی اپنے آپ کو (دوسرے سے) دو قدم آگے تصور کرتا ہے تو یہ تصور بھی اس کے اپنے لیے ہی ہے۔

حیرت اس امر پر ہے کہ (آپ کے خط میں) والا خاندان عبدالمجید خان کی طرف سے کوئی سلام و پیام نہ تھا۔ مجھے بھی علم نہ تھا کہ مخدوم کہاں ہیں اور ان کی گزر بسر کیسی ہو رہی ہے۔ فردوس آشیان قاضی فصیح الدین کی موت سے ان پر کیسی گزری ہوگی۔ خدا کی قسم قاضی فصیح الدین ایک پیارا وفا شعار دوست تھا۔ افسوس کہاں چلا گیا، اس کو کیا ہوگیا یہ اس کے مرنے کے دن نہیں تھے۔ مخدوم مرحوم کی عادت تھی کہ کبھی اپنے گھر میں چین سے نہ بیٹھتے، ہمیشہ سفر میں رہتے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے بارہا ان سے کہا کہ اس بادیہ پیمائی سے باز آجاؤ اور اللہ نے تمہیں جائے قرار و وسیلہ زیست دونوں سے نوازا ہے تو اپنے وطن میں آسائش سے رہو۔ تو مجھ سے کہا کہ مجھے سفر کی تنگی و ترشی ایک جگہ بیٹھنے نہیں دیتی اور آوارگی پر اکساتی ہے اور اسی بار کہ وہ ان سے میری آخری ملاقات تھی، مجھ سے کہنے لگے "اے زمیں کی مٹی اگر تو اڑتی ہے تو اڑ کر حیدرآباد کی طرف جا۔ میں تیرے ساتھ چلوں گا۔ اور پھر تو دیکھنا کہ تجھے کس بلندی پر پہنچاتا ہوں اور تجھے کس قیمت پر فروخت کرتا ہوں۔ میرے ساتھ چلی چل تو دیکھنا ہم کیا کیا ساز و سامان اور زر و جواہر جمع کرینگے افسوس افسوس۔ ع

عرفی چہ نشستہ ای کہ یاران رفتند

عرفی تو کیسا بیٹھا ہوا ہے، (تیرے) دوست تو (کب کے) جا چکے ہیں۔

یہ داستان الم تو بڑے بھاری دفتروں میں بھی نہ سما سکے گی اس ایک ورق میں کس طرح بیان کی جا سکتی ہے۔ اللہ اس کو بخشے اور فردوس بریں میں جگہ دے۔ مشفقی مولوی محمد دلدار علی صاحب مذاق سلمہ اللہ تعالی سلام کہہ رہے ہیں والسلام مع الاکرام۔

☆☆☆

حواشی

حضرت سید علی غمگینؒ

''(حضرت) سید علی دہلوی گوالیار کے ساکن تھے۔ ان کے والد کا نام سید محمد تھا جو دہلی کے گورنر شاہ نظام الدین احمد قادری (تلمیذ رنگین) کے بھتیجے تھے۔ غمگین کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب ان کی عمر بارہ سال تھی۔ ۲۵[1] برس کی عمر میں درویشی اختیار کی اور سید فتح علی رضوی سے بیعت ہوئے۔ اس کے بعد گوالیار سے پٹنے اور پٹنے سے گیا کا سفر کیا۔ گیا میں ان کو حضرت شاہ ابوالبرکات کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا جن کے مشورے سے دوبارہ برس تک پٹنے میں رہے، جہاں انہوں نے خواجہ ابوالحسین سے فیض باطنی حاصل کیا اور ان کے حلقہء ارادت میں شامل ہو گئے۔'' مکاشفات الاسرار میں حضرت غمگین نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ اس لیے دیباچہ اہمیت سے خالی نہیں۔ یہاں اس کے چند حصے نقل کئے جاتے ہیں۔

''مجملاً از احوال خود بعرض احباب صفوت انتساب می رساند کہ ایں فقیر ابن سید محمد بن احمد بن سید شاہ پیر بن سید محی الدین بن سید شیر محمد القادری کہ در برہان پور آسودہ اند و زیارت گاہ خلائق اند از اولاد سید محی الدین عبدالقادر جیلانی است ۔۔۔ وجدۂ فقیر بنت خواجہ الٰہی بن خواجہ بہاؤالدین بن خواجہ عبداللہ المشتہر بہ خواجہ خورد محقق ابن خواجہ باقی باللہ الحسنی المتخص بہ بیرنگ قدس اللہ اسرارہم است کہ در دہلی زیارت گاہ خلائق اند ۔۔۔ فقیر دوازدہ سالہ بود کہ والد بعالم بقا رحلت فرمودند۔ گاہ گاہ ایں خیال می آمد کہ از کسے دستِ حق بہ پیوندم و تعلیم راہ حق از وحاصل نمایم۔ چوں (بہ) عمر بست و پنج سالگی رسیدم بہ تحصیل علوم مشغولی ورزیدم و چنیکہ عمر بہ بست و نہ سالگی رسید شبے در خواب دیدم کہ شخصے می گوید کہ ترا عم تو سید شاہ نظام الدین احمد قادریؒ می طلبند''۔ اس خواب کی تعبیر حضرت فتح علی شاہ گردیزی نے بیان کی اور فرمایا ''کہ تعبیر ایں خواب ہمیں است، ترا مبارک باد، بروز جمعہ پیش ما آئی۔ پس روز جمعہ حسب ارشاد رسیدم و از دولتِ بیعت و طریقہ فائز گشتم''۔

''اس دیباچے سے حضرت غمگینؒ کی ادبی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ''از زمان سابق دیوانِ ریختہ گفتہ بودم آں را دور کردم الحال کہ عمر بہ شصت سالگی رسیدہ انچہ کہ واردات بر من غالب بودند موافق آں ہا دیوانِ دیگر در حالات واردات و ذوق و شوق حقیقی و مجازی خود ترتیب دادم و بعضے غزلیات مخصوصہ'' دیوان سابق دریں دیوان لاحق مندرج ساختم و چوں دیوان نو بہ اتمام رسید و واردات و غلبات و کیفیت بر دلم استیلا داشت، خواستم کہ برائے برادر دینی عزیز از جان اسداللہ خان مرزا نوشہ متخلص بہ غالب و اسد کہ دریں زمانہ در نظم و نثر نظیر خود ندارند ۔۔۔ ترتیب دہم''۔

---

1. پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب سے یہاں اشتباہ ہوا ہے۔ مکاشفات الاسرار کے دیباچے کے مطابق حضرت غمگین نے حضرت فتح علی شاہ گردیزی کی بیعت (۲۹) انتیس سال کی عمر میں کی چنانچہ درویشی اختیار کرنے کی عمر انتیس سال تھی (۲۵) پچیس سال نہیں۔ (مرتب و مترجم)

''حضرت غمگین نے مکاشفات الاسرار کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام ''مرأت حقیقت'' ہے۔ اس کے علاوہ ایک کتاب شغل واشغال میں بھی لکھی ہے جو ارشاد الحسنین کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ حضرت سید فتح علی گردیزی کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا نام ''جواہر نفسیہ'' ہے۔

''حضرت غمگین کے حالات ان کی تصنیفات کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے ملفوظات میں بھی ملتے ہیں۔ ''کیفیت العارفین'' میں لکھا ہے۔

''چوں حضرت قطب العاشقین (حضرت ابوالبرکات) ہجوم خدائق بہ خود دیدند ز آں زماں اکثر طالبان راہ راجہت تربیت یافتن باطن تفویض خلف ارشید خود حضرت خواجہ الوالحسن صاحب فرمودند۔ چنانچہ در آں روزہا سید علی شاہ (غمگین) از گوالیار طالب نعمت باطنیہ گشتہ بہ خدمت حضرت قطب العاشقین آمد تربیت یافتہ مشرف از خلافت از خواجہ ابوالحسن صاحب گردیدہ مراجعت بہ سمت گوالیار کردند۔۔۔''

''یہ ماخذ سوانح غمگین کے سلسلے میں ہم ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان سے نہ تو تاریخ ولادت معلوم ہوتی ہے ورنہ تاریخ وفات۔ غمگین اکادمی میں ایک وظیفے کی کتاب ہے۔ اس میں حافظ میاں عبدالرزاق میاں میرن علی المتخلص بہ رزاق کے قلم سے حضرت غمگین کی تاریخ ولادت یکم صفر ۱۱۶۷ھ (مطابق ۱۷۵۳ء) اور تاریخ وفات ۳ صفر ۱۲۶۸ھ (مطابق ۱۸۵۱ء) لکھی ہوئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو سابقہ بیانات کی رو سے ۹۲ سال کی عمر یعنی ۱۱۹۶ھ (مطابق ۱۷۸۲ء) میں بیعت ہوئے اور ان کی نئی زندگی کا آغاز ساٹھ سال کی عمر یعنی ۱۲۲۷ھ (مطابق ۱۸۱۲ء) میں ہوا۔

''غمگین کی وفات پر نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے ایک قطعہ تاریخ کہا ہے جس سے رزاق کی تصدیق ہوتی ہے۔

بہ عرفِ حضرت غمگیں تخلص شدہ سید علی فخرِ زمانی
بصورت سالکِ راہِ طریقت بمعنیٰ شاہ ملکِ کامرانی
بدیدہ محوِ دیدار خدا بود بدل آگہ ز اسرار نہانی

بطونش دیدہ کحل البصیرت ظہورش سرمہ چشم معانی
دلش چوں یافت ذوقِ رب ارنی خطاب آمد کہ تو در خود نمانی
بہ یک شنبہ سوم روز صفر شد کلیم آسا بزیر کوہ فانی
زدل آہے کشیدہ شیفتہ گفت بہ برد اورا صدائے لن ترانی''

۱۲۶۸ھ = (۱۸۵۱ء)''

''غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی رقعات حضرت غمگین کے نام''

اردوئے معلّے۔ غالب نمبر ۱۹۶۰ء شمارہ ۱۔ از پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

☆☆☆

نوابّ یوسف علی خانؒ

نواب محمد فیض اللہ خان کے زمانے میں رامپور نے بہت ترقی کی اور ان ہی کے عہد میں ریاست کا دارالحکومت رامپور قرار پایا۔ وہ بیس برس تک بڑی دبدبہ و حشمت کے ساتھ حکم رانی کر کے، ۱۷ جولائی ۱۷۹۴ء کو رامپور میں فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد نواب محمد علی خان تخت نشین ہوئے لیکن ان کے دشمنوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اس وقت تک رام پور کا علاقہ حکومت اودھ کے تحت تھا۔ نوبت کشت و خون تک پہنچی تو نواب آصف الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے باہم متصادم قوتوں کو شکست دے کر نواب محمد علی خان بہادر کے خورد سال فرزند احمد علی خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ ان کی نابالغی کی مدت کیلئے محمد نصر اللہ خان بہادر خلف نواب محمد عبد اللہ خان بہادر کو مدار المہام مقرر کر دیا۔

نواب احمد علی خان بہادر ۲۶ جولائی ۱۸۴۰ء کو وفات پا گئے لیکن چونکہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے ان کی وفات کے بعد انگریزوں نے نواب غلام محمد خان کے فرزند اکبر نواب محمد سعید خان کو بدایوں کی ڈپٹی کلکٹری سے بلا کر رام پور کی گدی پر بٹھا دیا۔ آپ نے آ کر از سر نو امن و امان قائم کیا۔ ریاست کی آمدنی بڑھائی۔ مختلف محکمے قائم کر کے لوگوں کو ایک متمدن حکومت کی برکتوں سے مالا مال کیا اور ریاست کا وقار بڑھایا اور یکم اپریل ۱۸۵۵ء کو بہ عارضۂ سل عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ امامیہ مذہب کے پیرو تھے۔ فارسی نثر عاری بھی خوب لکھتے تھے اور اس میں محمد حسن قتیل سے مشورہ کرتے تھے۔ اپنے پیچھے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔ صاحب تذکرہ نواب یوسف علی خان ناظم ان ہی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔

نواب یوسف علی خان منگل کے دن ۵ مارچ ۱۸۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد اس زمانے میں انگریزی علاقے میں مقیم تھے۔ ناظم زمانۂ طالب علمی میں دلی آئے۔ اور مرزا غالبؔ سے فارسی پڑھی۔ ان ہی ایام میں مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا فضل الحق خیر آبادی سے عربی اور دیگر علوم عقلیہ و منطق وغیرہ پڑھے۔ غالبؔ کے علاوہ انھوں نے (موءلف غیاث اللغات) خلیفہ غیاث الدین رامپوری سے بھی فارسی پڑھی تھی۔

ناظم کو جانشین ہوئے مشکل سے دو برس ہوئے تھے کہ مئی ۱۸۵۷ء میں غدر کا مشہور ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ریاست رامپور بھی نرغے میں آ گئی لیکن انہوں نے حزم و احتیاط سے کام لیتے ہوئے کسی شورش میں شرکت نہیں کی۔ بلکہ انگریزوں کی قابل قدر خدمات انجام دیں جس کے صلے میں گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے ۱۵ نومبر ۱۸۵۹ء کو فتح گڑھ کے دربار میں بیس ہزار روپے کا خلعت عطا کیا اور گیارہ کی جگہ تیرہ توپ کی سلامی عطا کی اور ساتھ ہی فرزند دل پذیر کا خطاب دیا۔ اس کے ساتھ ان کی مالی خدمات کے عوض انہیں جون ۱۸۶۰ء میں ۱۴۶ گاؤوں پر مبنی بریلی کا ایک علاقہ (علاقۂ جدید) بھی بطور جاگیر عطا کیا۔ اس عطیے پر نواب موصوف نے خود یہ قطعہ موزوں کیا۔

جب گورنمنٹ سے ہوا حاصل
ملک مجھ کو بصیغہ انعام

ناظم از روئے ہمت عالی
سال بخشش بے بخشش حکام

(۱۲۷۱+۵=۶-۲ھ)

غالب نے بھی اس عطیے کی تہنیت میں ایک قطعہ لکھا جو ان کے کلیات فارسی میں شامل ہے۔اس قطعے کے آخری تین اشعار یہ ہیں۔

نواب مہر، مُہر، منوچہر مہرا
حاصل جمال یوسف وقرب کلیم باد
چوں غنچہ کہ پہوئے گل بشگفد بباغ
ملک جدید شامل ملک قدیم باد
ہر دم تر، بہ خلوت راز و بہ بزم انس
روح الامین مصاحب و غالب ندیم باد

ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں (جولائی ۱۸۶۱ء) سٹار آف انڈیا (تمغۂ ستارۂ ہند) کا یک خاص عزاز قائم کیا گیا۔اس موقعہ پر، رڈ کیننگ گورنر جنرل اور وائسرائے نے بعض دوسرے والیان ریاست کے ساتھ نواب یوسف علی خان بہادر کو بھی نائٹ (Kn ght) کا خطاب اور تمغہ عطا کیا۔اس کے بعد سرجان ،رنس کے گورنر جنرل ہونے پر انہوں نے نواب یوسف علی خان کو اپنی مجلس واضع قوانین کا رکن مقرر کیا اور نواب صاحب کلکتہ تشریف لے گئے۔لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اور بیمار ہو جانے پر رامپور واپس آ،نا پڑا جہاں بیماری نے جلد ہی سرطان کی صورت اختیار کر لی اور طویل بیماری کے بعد ۲۱،اپریل ۱۸۶۵ء کو ن کا انتقال ہو گیا۔

ناظم نے فیروز النساء بیگم عرف نواب بہو بیگم سے نکاح کیا تھا جو ان کے چچا عبدالعلی خان صاحب کی صاحبزادی تھیں س بیوی سے ان کے تین بچے ہوئے ،یک ،ن کے جانشین نو،ب کلب علی خان بہادر خلد آشیاں اور دو صاحبزادیاں۔ان کے علاوہ تین لڑکے ور چار لڑکیاں متوعد بیگمات اور خواصوں کی اولاد یادگار چھوڑے۔

ناظم فروری ۱۸۵۷ء میں غالب کے شاگرد ہوئے۔اس سے پہلے کبھی شعر نہ کہا تھا۔دراصل یہ شعر گوئی غالب کی سرپرستی کا بہانہ بن گئی ناظم کا دیوان دو مرتبہ شائع ہوا پہلی بار ۱۲۷۸ھ اور دوسری ۱۲۸۶ھ میں۔پہلے دیوان میں سراسر غالب کا اصلاحی کلام ہے لیکن دوسرے میں اسیر کا دیکھا ہوا بھی موجود ہے جن سے وہ غالب کے بعد مشورہ کرتے رہے۔

(تلامذۂ غالب، مالک رام ص ۵۱۰-۵۱۵)

☆☆☆

شیفتہ و حسرتی ___ نواب محمد مصطفیٰ خان دہلوی

ان کے والد عظیم الدولہ، سرفراز الملک، نواب مرتضیٰ خان بہادر، مظفر جنگ بنگش تھے اور والدہ مشہور جرنیل محمد اسمٰعیل بیگ ہمدانی کی صاحبزادی اکبری بیگم تھیں۔ نواب محمد خان بنگش رئیس فرخ آباد اور نواب مرتضیٰ خان کا خاندان در اصل ایک ہی تھا۔ نواب مصطفیٰ خان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۲ء میں دلّی میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی دونوں میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اپنے زمانے کے مشاہیر سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانے کے رئیسوں کی عام روش کے مطابق ان کی ابتدائی زندگی بھی عام لغزشوں سے پاک نہ تھی لیکن بعد میں تمام منہیات سے توبہ کرلی اور ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۹ء حج بیت اللہ کی غرض سے حجاز تشریف لے گئے اور زیارت بیت اللہ سے مشرف ہو کر دو برس بعد ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۸۴۱ء واپس دلّی پہنچے۔

شیفتہ کے غالب سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ غالب کو ان پر ناز تھا اور ان کی رائے کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں

غالب بفنِ گفتگو نازد بایں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نہ کرد

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں۔

غالب ز حسرتی چہ سرایم کہ در غزل
چوں او تلاشِ معنی و مضموں نکردہ کس

وہ بلند پایہ نقادِ سخن تھے۔ اُردو شاعری کا مشہور فارسی تذکرہ ''گلشن بے خار'' اُنہیں کی تصنیف ہے۔ ان ہی کے بیٹے نقش بند خان کی تعلیم کے لیے حالی کا تقرر ہوا تھا۔ شیفتہ کا بعمر ۶۳ برس، اواخر ستمبر یا اوائل اکتوبر ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۶ھ انتقال ہوا''

تلامذۂ غالب۔ مالک رام

منشی نبی بخش حقیر

منشی نبی بخش حقیر کے آباؤ اجداد پنجاب کے ایک ایسے گھرانے سے تھے جس نے نامساعد حالات کی بنا پر ترک وطن کر کے اکبرآباد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ منشی نبی بخش حقیر کے والد شیخ حسین بخش یہیں پیدا ہوئے اور یہیں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اس وقت نظیر اکبر آبادی کی شہرت کا ستارہ ترقی پر تھا۔ ان کے تلامذہ میں شامل ہو کر پہلے بخشی اور پھر عاصی تخلص کیا۔

منشی نبی بخش حقیر کے تفصیلی حالات نہیں ملتے ہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی سرکاری ملازمت کا آغاز علی گڑھ کول میں عدالت فوجداری کی سررشتہ داری سے کیا۔

شاعری کا ذوق ان کو اپنے والد سے ملا تھا۔ چند ہی دنوں کی مشق کے بعد گلزار میں اسیر کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ غالب نے اپنے کئی خطوط میں ان کی سخن سنجی اور شعر فہمی کی تعریف کی ہے۔ غالباً کسی سرکاری کام پر ۱۸۴۷ء میں علیگڑھ سے دہلی آئے تو غالب ہی کے مکان پر قیام کیا۔ اس دوران شعر و سخن کی محفلیں بھی منعقد ہوتیں اور علم و ادب پر مذاکرے بھی۔ ان تمام چیزوں نے غالب کو بے حد متاثر کیا، چنانچہ انہوں نے منشی نبی بخش حقیر کے بارے میں ۱۰ فروری ۱۸۴۹ء کو ہرگوپال تفتہ کو لکھا۔

''میں حیران ہوں کہ اس فرزانہ یگانہ روزگار یعنی منشی نبی بخش حقیر کو کس درجہ کی سخن سنجی اور سخن فہمی عنایت ہوئی ہے۔ حالانکہ میں شعر کہتا ہوں، اور شعر کہنا جانتا ہوں مگر جب تک میں نے ان بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن سنجی کیا چیز ہے اور سخن سنج کس کو کہتے ہیں''

منشی نبی بخش حقیر کو بھی غالب سے بے حد مودت تھی۔ وہ آخر میں غالب ہی سے مشورہ کرنے لگے تھے۔ ۱۸۶۰ء سے کچھ پہلے ان کو طرح طرح کی بیماریوں نے گھیر لیا اور وہ ان ہی کا شکار ہو کر اکتوبر یا نومبر ۱۸۶۰ء میں چل بسے۔ پسماندگان میں دو بیٹے عبداللطیف اور نصیر الدین اور ایک لڑکی ذکیہ بیگم یادگار چھوڑی۔

غالب کو منشی نبی بخش حقیر کے مرنے کا سخت قلق ہوا۔ ہرگوپال تفتہ نے ان سے خواہش کی کہ وہ حقیر کے انتقال پر قطعہ تاریخ لکھیں۔ غالب نے ذیل کا قطعہ تاریخ لکھ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دی کہ میں تاریخ گوئی کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔

شیخ نبی بخش کہ با حسن خلق   داشت مذاق سخن و فہم تیز
مرگ ستم پیشہ امانش نہ داد   کیست کہ با مرگ بپیچد ستیز
سال وفاتش زپئے یادگار   بادل زار و مژہ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر   گفت مدہ طول و بگو رستخیز

غالب کا یہ قطعہ تاریخ اکبر آباد پہنچا تو اکثر افراد نے ناپسند کیا۔ منشی فخر الدین کو اس پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ ''رستخیز'' ایک لفظ ہے، اور ایک لفظ سے تاریخ نکالنا اچھی بات نہیں ہے۔ غالب کو اس اعتراض کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ مسترد کیا۔

''کیا قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔۔۔ انوری کے قصائد کو دیکھو، دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں، جن سے اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے، لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور واقعہ کے مناسب، اگر تاریخ ولادت اور تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نامستحسن تھا''

حقیر کا کلام عام دسترس سے دور ہے۔ اس کے متعلق کسی قسم کی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ ان کا جتنا کچھ کلام ملتا ہے، اس کا

انتخاب درج کیا جارہا ہے۔

سایۂ قصر ترا یاد آیا پھر ہمیں ظلِ ہما یاد آیا
زخم کے منہ میں بھر آیا پانی جب کہ پیکاں کا مزا یاد آیا
پھر گریباں کے اڑیں گے ٹکڑے پھر وہی چاک قبا یاد آیا
ید بیضا کا جو مذکور ہوا ان کا نقش کف پا یاد آیا

مجھ خفتہ بخت کا جو سنا ذکر سو گئے
احوال غم میں خواب کا افسانہ بن گیا
وے نگاہیں جن سے تھی مجھ کو تسلی کی اُمید
تشنۂ خوں آفت دل دشمن جاں ہو گئیں
شانے نے بل نکال دیے زلفِ یار کے
موذی کو اس نے زیر کیا مار مار کے
پھر جنوں آ کے ہوا دست و گریباں ہم سے
نہ گریباں ہی بچے اب کے نہ داماں ہم سے

بزم غالب۔عبدالرؤف عروج

.....☆☆☆.....

منشی ہرگوپال تفتہ سکندر آبادی

دلی سے ۴۰۔۴۵ میل شمال کی طرف ایک اچھا خاصا قصبہ سکندر آباد (ضلع بلند شہر) ہے جسے سکندر لودھی (۱۴۸۹۔۱۵۱۷ء) نے بسایا تھا۔اسی کے زمانے میں ایک بھٹناگر کایستھ خواجہ دیپ چند (خلف امر دیو) فیروز آباد (مضافاتِ آگرہ) سے نقلِ مکان کر کے یہاں بس گئے۔چنانچہ ان کے خاندان والوں کی آل آج تک ''فیروز آبادی'' کہلاتی ہے۔اس خاندان کو ۵۴۰ بیگہ پختہ معافی اور عہدۂ قانون گویی موروثی ملا تھا۔

خواجہ دیپ چند کی اولاد میں ایک صاحب موتی لال ہوئے۔ان کے آٹھ بیٹے تھے جن کی اولاد آٹھ گھرے کہلاتی ہے۔منشی ہرگوپال ان ہی موتی لال کے بیٹے تھے۔۱۷۹۹ء/۱۸۰۰ء (۱۲۱۴ھ) میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔فارسی کا شوق شروع سے تھا۔انگریزی محکمۂ بندوبست میں مدتوں قانون گو رہے۔لیکن شاعری کے شوق میں نوکری کو خیرباد کہہ دیا۔۱۸۵۰ء میں تھوڑے

عرصے کے لیے ریاستِ جے پور میں بھی ملازمت کا تعلق ہو گیا تھا۔ لیکن یہ کھکھیڑ بھی زیادہ دن تک نہ سہہ سکے اور جلد ہی مستعفی ہو گئے۔ کبرسنی میں ۲ ستمبر ۱۸۷۹ء (۱۵ رمضان ۱۲۹۶ھ) کو سکندر آباد میں بعارضۂ تپ وبائی وفات پائی۔ بدری کرشن فروغ نے تاریخ کہی

تلامذۂ غالب۔ مالک رام

☆☆☆

منشی فضل اللہ خان بہادر

یہ مولوی برکت اللہ خاں دہلوی کے صاحبزادے، اور منشی امین اللہ خاں عرف اللو جان، دیوان الور کے چھوٹے بھائی تھے۔ امین اللہ خان ۱۸۳۸ء راؤ بنے سنگھ کے زمانے میں الور کے دیوان مقرر ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ دو چھوٹے بھائیوں فضل اللہ خان اور انعام اللہ خاں کو بھی الور لے گئے تھے۔ فضل اللہ خان کو انھوں نے امور دیوانی کا ذمے دار بنایا تھا۔ ان لوگوں کو قیام الور کے دوران دوبار حریفوں کی سازش کا شکار ہونا پڑا۔ پہلی بار ۱۸۴۹ء میں تو جیسے تیسے معاملات سلجھ گئے۔ دوسری بار اگست ۱۸۵۷ء میں راجا شیودان سنگھ کے دورِ حکومت میں یہ اپنے دو عزیزوں کی جانیں گنوانے کے بعد کسی طرح وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اس ہنگامے میں مرنے والوں میں فضل اللہ خان کا ایک بیٹا محمد نصیر بھی شامل تھا۔ فضل اللہ خان کے ایک اور بیٹے بھی تھے جن کا نام تفضل حسین خاں تھا۔ یہ شاعر بھی تھے۔ کوکب تخلص کرتے تھے اور غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کی شادی حکیم نجف خاں کی بہن رحمت فاطمہ سے ہوئی تھی۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔ وارانسی۔ ہندوستان۔ بحوالہ خط مورخہ ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷)

سرسید احمد خان

''یہ خط سرسید احمد خان کے نام اس وقت لکھا گیا جب وہ فتح پور سیکری میں بہ حیثیت منصف تعینات تھے اور چونکہ مین پوری سے ان کا تبادلہ فتح پور سیکری کیلئے بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۸۴۲ء ہوا اور جہاں وہ ۱۸ فروری ۱۸۴۷ء تک رہے اس لیے یہ حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط ۱۰ جنوری ۱۸۴۲ء کے بعد ۸ فروری ۱۸۴۷ء تک کسی تاریخ کو لکھا گیا۔ خط کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ تاجدار مغلیہ کے دربار سے ان کو ''جوادالدولہ سید احمد خان بہادر عارف جنگ کا خطاب مل چکا تھا لیکن تا حال وہ ''سر'' نہیں ہوئے تھے۔ خط کی شان نزول یہ ہے کہ سرسید احمد خان نے غالب کو غلام امام شہید کے دو نعتیہ اشعار بھیج کر ان پر تضمین کرنے کی فرمائش کی تھی۔ غلام امام شہید الہ آباد کے رہنے والے اور محمد حسین قتیل کے شاگرد تھے۔ نواب محی الدولہ اور راجہ گردھاری پرشاد کی بے انتہا قدر و منزلت کے سبب حیدر آباد میں متمکن تھے جہاں مولود پڑھنے اور نعت گوئی کے سبب ان کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع

حلقہ تھا۔ غالب نے جنھیں محمد حسین قتیل سے کلکتہ کے قیام کے زمانے سے پرخاش تھی اور شہید سے اس لیے بیر تھا کہ حیدرآباد میں اُن کی انتہائی قدر و منزلت ہو رہی تھی، اس فرمائش کو اپنی کسرِ شان سمجھا اور جواب میں لکھ بھیجا کہ یہ اشعار ریختی شاعری اور سخنوری کے محیط سے باہر ہیں۔ ہاں البتہ اس لائق ضرور ہیں کہ بھکاری ان کو لہک لہک کر دروازے گاتے پھریں۔ ''نعت میں، میں نے بھی قصیدے، در مثنویاں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مثنوی ارسال کر رہا ہوں۔ اس کو دیکھیں اور پڑھیں اور اس خادم سے ایسے اشعار کی جو شیوۂ سخنوری کے خلاف ہوں آرزو نہ کریں۔''

یہ خط نثار احمد فاروقی کی ''تلاشِ غالب'' مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ ۱۹۹۹ء سے لیا گیا ہے۔ جس میں خط کے ماخذ کے بارے میں مندرجہ ذیل تحریر ملتی ہے۔ ''اس خط کا ماخذ ایک قلمی نسخہ ہے جس میں بہرِ دانش وغیرہ متعدد کتابیں ہیں۔ یہ (نسخہ) انجمنِ محمدیہ آگرے کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اُسی کے ایک سادہ ورق پر کسی نے غالب کا یہ خط نقل کر دیا ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک مہر بھی لگی ہوئی ہے (اصبح الدین ۱۲۶۷ھ) صاف پڑھا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خط غالب کی زندگی میں نقل ہوا ہے۔''

تلاشِ غالب۔ از نثار احمد فاروقی، غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی ۱۹۹۹

☆☆☆

جناب جمس تامسین صاحب سیکرٹری
بہادر نواب گورنر اکبرآباد

Thomason James ۱۸۲۲ء میں ہندوستان آیا اور صدر کورٹ کا رجسٹرار مقرر ہوا۔ ۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۲ء گورنمنٹ کا سیکرٹر رہا۔ ۱۸۳۲ء تا ۱۸۳۷ء ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اعظم گڑھ، ۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۱ء سیکرٹری گورنمنٹ بہ مقام آگرہ۔ ۱۸۴۱ء ممبر ریونیو بورڈ۔ ۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۳ء خارجہ سیکرٹری۔ دسمبر ۱۸۴۳ء تا ستمبر ۱۸۵۳ء صوبہ شمالی مغربی کا گورنر۔ ۲۹ ستمبر ۱۸۵۳ء بہ مقام بریلی وفات پائی۔

(بہ شکریہ ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی۔

وارانسی۔ ہندوستان، بحوالہ خط مورخہ ۱۲۔ مئی ۲۰۰۷)

نواب مظفرالدولہ مرزا سیف الدین حیدر خان

نواب مظفرالدولہ مرزا سیف الدین حیدر خاں بہادر سیف جنگ، مبارز الدولہ ممتاز الملک نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ کے فرزندِ اکبر تھے۔ یہ وہی حسام الدین حیدر ہیں جنہیں غالبؔ نے ''مثنوی چراغ دیر'' میں حرز بازوئے ایمان'' کہا ہے اور علامہ فضلِ حق خیر آبادی اور نواب امین الدین احمد خاں کے ساتھ ان تین ''اربابِ وطن'' میں شمار کیا ہے، جو دہلی میں ان کے ہمدرد و غم خوار تھے۔ حسام الدین حیدر، میر محمد امین، سعادت خاں برہان الملک صوبہ دار اودھ کے ہم جد اور اودھ کے رئیسوں میں سے تھے۔ جب ان کے والد مرزا غیاث الدین محمد نے شاہ عالم ثانی کے وزیر ذوالفقارالدولہ مرزا نجف خاں کی بیٹی سے دوسری شادی کر لی تو یہ سوتیلی ماں کے ناروا سلوک سے دل برداشتہ ہو کر دلّی چلے گئے۔ جہاں اکبر شاہ ثانی نے انہیں اپنے دربار میں مستقل عہدے کے علاوہ سات گاؤں بھی بطور جاگیر عطا کیے اور مبارز الدولہ ممتاز الملک حسام جنگ کے خطابات سے سرفراز کیا۔ دہلی میں شاہانِ اودھ کی املاک کا انتظام بھی ان ہی کے سپرد تھا۔ خود انہوں نے بلی ماران میں کئی عالی شان مکانات اپنی رہائش کے لیے بنوائے تھے۔ مختصر یہ کہ دہلی میں رئیسانہ شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے۔ اردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ نامیؔ تخلص تھا۔ غالبؔ نے ان کے دیوان کے لیے جو ہنوز غیر مطبوعہ[1] ہے، تقریظ لکھی تھی جو پنج آہنگ کے دوسرے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۸۵۳ء) اور بعد کے تمام ایڈیشنوں میں شامل ہے۔ مولوی کریم الدین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نامیؔ میر مستحسن خلیق کے شاگرد تھے اور ان کی وفات ۱۸۴۶ء میں ہوئی۔''

مولانا حالیؔ نے ''یادگارِ غالبؔ'' میں لکھا ہے کہ میر تقی میرؔ نے جو مرزا (غالبؔ) کے ہم وطن تھے، ان کے لڑکپن کے اشعار سن کر یہ کہا تھا کہ ''اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔'' اس واقعے کے سلسلے میں مولانا نے حاشیے میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مرزا کے اشعار ان کے بچپن کے دوست نواب حسام الدین حیدر خان مرحوم ولد ناظر حسین مرزا صاحب نے میر تقی میر کو دکھائے تھے۔ اس روایت کے اس جز سے کہ نواب حسام الدین حیدر، غالبؔ کے بچپن کے دوست تھے، اتفاق ممکن نہیں۔ کیوں کہ غالبؔ کا بچپن آگرے میں گزرا تھا اور نواب صاحب کے ایامِ طفلی بالیقین لکھنؤ میں بسر ہوئے ہوں گے۔ علاوہ بریں دونوں کی عمروں میں جو تفاوت تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ نواب صاحب کے فرزندِ اکبر بھی مرزا سے دو تین برس بڑے تھے۔ مرزا حسام الدین حیدر نے تین اولادیں اپنی یادگار چھوڑیں۔ مرزا سیف الدین حیدر سے دس برس چھوٹی ایک بہن قدسیہ سلطان تھیں۔ جن کے صاحبزادے یوسف، مرزا غالبؔ کے عزیز ترین دوستوں میں تھے، دوسرے بیٹے معین الدولہ، ذوالفقار الدین حیدر تھے جو اپنی بہن سے چار برس اور بھائی سے چودہ برس چھوٹے تھے۔ نو دریافت چار خطوں میں آخری دونوں خطوط ان ہی کے نام ہیں۔

---

[1] ''حسام الدین حیدر متخلص بہ نامی کا دیوان مکتبہ ادبستان سری نگر سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔'' بحوالہ خط سید حنیف نقوی مورخہ ۲ ستمبر ۲۰۱۲ء

مظفر الدولہ[1] مرزا سیف الدین حیدر خاں اور ان کی چھوٹی بہن اور بھائی کے درمیان مبینہ تفاوتِ عمر کے پیشِ نظر، اندازہ ہے کہ وہ ۱۲۰۹ھ/ ۹۵-۱۷۹۴ء کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے۔ مظفر الدولہ نے خاندانی جانداد کے سہارے تا عمر آزادانہ زندگی بسر کی اور کبھی کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا۔ ان کی عالی شان، وردسیع وعریض حویلی بلی ماراں میں مرزا غالب کے مکان سے پچھم کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر واقع تھی۔ ایامِ غدر میں جب وہ مع اپنے تمام افرادِ خاندان اور متعلقین کے بھرے پرے مکانات چھوڑ کر پناہ کی تلاش میں شہر سے باہر جا چکے تھے۔ ۱۷۔۱۸ نومبر کی درمیانی شب میں ان کے تمام ساز و سامان کو آگ لگا دی گئی۔ غالب اٹھتے ہوئے شعلوں اور پھیلتے ہوئے دھوئیں کا یہ منظر اپنے مکان کی چھت سے دیکھ رہے تھے۔ "دستنبو" میں انھوں نے یہ کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے

"دراں نیم شب فروغِ آتش فروزاں از فرازِ بام ہمی نگرستم و گرمیِ دود بچشم و رخِ من می رسید، زاں رو کہ دراں دم باد بریں می وزید، خاکستر بسراپائے من ہمی افتاد۔"

مظفر الدولہ نے اس ہنگامے میں الور کی راہ لی تھی جہاں کے راجہ سے اس کے دوستانہ روابط تھے۔ شورش فرو ہونے کے بعد جب گیر و دار کا سلسلہ شروع ہوا وہ الور سے گرفتار کر کے گوڑگاؤں لائے گئے۔ جہاں انگریز افسروں نے ضابطے کی کارروائی کے بغیر انہیں گولی مار کر شہید کر دیا۔ یہ واقعہ یکم جنوری ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں اس حادثۂ فاجعہ پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ "مظفر الدولہ کا غم مِن جملہ واقعاتِ کربلائے معلیٰ ہے۔ یہ داغ ماتم جیتے جی نہ مٹے گا۔"

دریافت شدہ خط میں اعتقاد الدولہ نوروز علی خاں کی دہلی میں موجودگی کا حوالہ اس کے زمانہ تحریر کے تعین کے سلسلے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ "پنج آہنگ" ہی میں موجود ان کے نام کے ایک خط میں جو یک واضح اشارے کے مطابق ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصلاً کان پور کے رہنے والے تھے اور کچھ ہی دن پہلے مظفر الدولہ نے لکھنؤ کے سفر سے واپسی پر غالب سے ان کا غائبانہ تعارف کرایا تھا۔ ایک اور خط موسومہ مظفر حسین خاں سے پتا چلتا ہے کہ اس کی تحریر سے پہلے اعتقاد الدولہ دہلی سے واپس جا چکے تھے۔ ان کی واپسی کو مکتوب الیہ سے مراسلت کی تقریب بتاتے ہوئے غالب نے لکھا ہے:

"دلِ غم زدہ داشتم کہ اعتقاد الدولہ نوروز علی خاں بردو پنہاں از من بیکے از دیرین دوستانِ خویش سپرد۔"

اس خط کی ابتدا سات اشعار پر مشتمل ایک قطعے سے ہوتی ہے جو کلیاتِ نظم فارسی کے قلمی نسخے مکتوبہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ/ ۴ جولائی ۱۸۳۸ء (مخزونہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ) میں حاشیے پر درج ہے۔ اور ایک اور نسخے مکتوبہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۲۵۷ھ/ ۲۹ دسمبر ۱۸۴۱ء (ایضاً مخزونہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ) میں شاملِ متن کر لیا گیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مظفر حسین خاں کے نام کا یہ خط ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء میں اعتقاد الدولہ سے غائبانہ تعارف کے بعد ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں کلیاتِ فارسی کے ثانی الذکر نسخے کے اہتمام سے قبل لکھا گیا تھا۔ اس پس منظر میں مظفر الدولہ کے نام کا زیرِ بحث خط حتمی طور پر ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء کی تحریر قرار پاتا ہے۔

مرزا غالب کے چار غیر مطبوعہ فارسی خطوط۔ ڈاکٹر حنیف احمد نقوی۔
مطبوعہ غالب۔ ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی۔ ۱۹۹۵ء۔

---

[1] "مظفر الدولہ کا سالِ ولادت ۱۲۲۰ھ ہے۔ اس لیے یہ اندازہ کہ وہ غالب سے دو تین سال بڑے تھے غلط قرار پایا۔ صحیح سالِ ولادت معلوم ہو جانے کے بعد ان کی بہن اور چھوٹے بھائی کی عمروں کے فرق کی بنا پر ان دونوں کے زمانۂ ولادت کے بارے میں اندازے غلط۔" بحوالہ خط سید حنیف نقوی مورخہ ۲ ستمبر ۲۰۰ء

معین الدین نواب ذوالفقارالدین حیدر خاں

معین الدین نواب ذوالفقار الدین حیدر خاں ذوالفقار جنگ معروف بہ حسین مرزا ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے تھے۔ غالبؔ کے خطوط میں ان کی عرفیت حسین مرزا کے علاوہ ''ناظر جی'' کے نام سے بکثرت ان کا ذکر آیا ہے۔ ناظر جی کے نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شادی ضمیر الدولہ جلیل الملک، افتخار الامراء احمد حسین نظارت خاں بہادر مستقیم جنگ کی صاحبزادی حسینی بیگم کے ساتھ ہوئی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو حسین مرزا ان کی جگہ شاہی نظارت کے منصب پر فائز ہوئے اور غدر کے زمانے تک اسی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ شاہی ملازم ہونے کی وجہ سے سقوطِ دہلی کے بعد ان کا عتاب میں آنا لازمی تھا۔ لہٰذا انہوں نے موقع پاکر پہلے صفدر جنگ کے مقبرے میں پناہ لی۔ بعدازاں نواب حامد علی خاں کی تحریک پر ان کے ساتھ نواح پانی پت میں واقع ان کے آبائی گاؤں برست چلے گئے۔ گھر سے دس ہزار روپے کی رقم ساتھ لے کر نکلے تھے۔ جب انگریز حکام کو برست میں ان کی موجودگی کا علم ہوا تو وارنٹ جاری کر کے ان کی گرفتاری کی کارروائی شروع کر دی گئی۔ لیکن اس حکم پر عمل درآمد سے قبل وہ چھپتے چھپاتے برست سے پانی پت پہنچ گئے۔ جہاں انصاریوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر انہیں گرفتاری سے محفوظ رکھا۔ پانی پت سے بھیس بدل کر وہ لکھنؤ پہنچے اور عام معافی کا اعلان ہونے کے وقت تک وہاں روپوش رہے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک لکھنؤ ہی میں رہ کر وہاں کے حکام سے ملتے اور پنشن کے اجرا کے لیے کوشش کرتے رہے۔ لیکن جب یہ مہم کامیاب نہیں ہوئی تو غالباً ۱۸۶۰ء کے اوائل میں دہلی چلے آئے۔ یہاں ان کی ساری جائداد بحق سرکار ضبط ہو چکی تھی۔ بے سروسامانی اور عسرت وتنگ دستی کے ان ایام میں لکھنؤ کے بعض عزیزوں اور نواب ضیاءالدین احمد خاں نے حتی المقدور ان کی دستگیری کی۔ ۱۸۶۲ء کے اوائل میں انہیں سرکار کی طرف سے رہنے کے لیے ایک مکان مل گیا تھا۔ لیکن مجموعی طور پر جو حالت تھی اس کا اندازہ نواب علاءالدین علائی کے نام غالبؔ کے ۱۶ فروری ۱۸۶۲ء کے ایک خط کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔

> ''ناظر حسین مرزا جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا اس کے پاس ایک پیسہ نہیں، ٹکے کی آمد نہیں، مکان اگرچہ رہنے کو مل گیا ہے، مگر دیکھیے چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے۔''

جب نواب مختار الملک وزیر اعظم حیدر آباد دہلی آئے تو شہر کے دوسرے رؤساء وعمائدین کے ساتھ حسین مرزا نے بھی ان سے ملاقات کی۔ مختار الملک ان سے مل کر بہت متاثر ہوئے اور انہیں مستقلاً حیدر آباد چلے آنے کی دعوت دی لیکن قبل اس کے کہ حسین مرزا ارادۂ سفر کریں ان کی علالت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ بیماری جنون کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی باقی زندگی اسی جنون کے عالم میں گزاری اور اسی حالت میں ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ/ ۶ مئی ۱۸۹۹ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ میر مجروحؔ نے اس موقع پر یہ قطعۂ تاریخ کہا:

حسین میرزا چوں مرد در ششِ رمضان
ازاں کہ بود ز نسلِ امیر خیبر گیر
پئے شمارۂ سالِ وفات رضواں گفت
بیا بکاخ جناں اے امیر ابن امیر

غالبؔ کے کلام نظم ونثر کی جمع وتدوین کے سلسلے میں بھی حسین مرزا کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ وہ نواب ضیاءالدین احمد خاں کے ساتھ غالبؔ کے ان دو قریب ترین دوستوں اور ارادت مندوں میں سے تھے جو بڑی پابندی اور دلچسپی کے ساتھ ان کی نگارشات کو یکجا کرنے کا کام کرتے رہتے تھے۔ غدر میں ان لوگوں کے مکانات لٹے تو غالبؔ کا کلام بھی اس تباہی اور دست برد کی زد میں آ کر برباد ہوگیا۔ غالبؔ نے مرزا حاتم علی مہر کے نام دسمبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں وقت کی اس چیرہ دستی کا ماتم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیاءالدین خاں اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا انہوں نے لکھ لیا۔ ان دونوں کے گھر لٹ گئے۔ ہزاروں روپے کے کتب خانے برباد ہوئے۔ اب میں اپنے کلام کو دیکھنے کو ترستا ہوں''۔..........

اسی زمانے کے ایک خط میں مرزا یوسف علی خاں عزیزؔ کو لکھتے ہیں:

''غدر میں میرا گھر نہیں لٹا مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ لٹتا۔ ہاں بھائی ضیاءالدین خاں صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی اور فارسی نظم ونثر مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی۔ نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا۔ اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں''۔

معین الدولہ کے نام کے یہ دونوں خطوط کس زمانے کے لکھے ہوئے ہیں اس کے تعین کا کوئی بہت واضح قرینہ موجود نہیں تاہم چونکہ اس مخطوطے کے آخری مکتوب موسومہ جیمس تامسن صاحب بہادر گورنر، اکبرآباد اور ان خطوں کے درمیان صرف دو خطوں کا فرق ہے اور ان سے پہلے کا خط موسومہ نواب مظفر الدولہ ازروئے شواہد ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء کا لکھا ہوا ہے، اس لیے اندازہ یہ ہے کہ یہ دونوں خط بھی تقریباً اسی زمانے میں لکھے گئے ہوں گے۔ دوسرے خط میں چونکہ از اوّل تا آخر عشرۂ محرم کے دوران مرثیہ خوانی موضوعِ گفتگو رہی ہے، اس بنا پر اسے ماہ ذی الحجہ کے اواخر کی تحریر ہونا چاہیے۔ محتاط اندازے کے مطابق ہم اسے ذی الحجہ ۱۲۵۷ھ/ جنوری، فروری ۱۸۴۲ء کی نگارش قرار دے سکتے ہیں۔

مرزا غالبؔ کے چار غیر مطبوعہ فارسی خطوط۔ ڈاکٹر حنیف احمد نقوی۔
مطبوعہ غالب۔ ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی۔ ۱۹۹۵ء۔

☆☆☆

شمس العلما مفتی سید محمد عباس لکھنوی

تجلیات مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کی تالیف ہے۔اس کا تاریخی نام تاریخ عباس (۱۳۴۴ھ) ضخامت ۴۴۸صفحات حصہ اوّل اور ۲۲۷صفحات حصہ دوم ہے۔ تاریخ طباعت معلوم نہیں ہوسکی اس کتاب میں غالبؔ کے معاصر اور مکتوب الیہہ مفتی محمد عباس کے احوال و آثار سے بحث کی گئی ہے۔اس کتاب کو چھپے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا مگر یہ نادرات میں آ گئی ہے اور بہت کم لائبریریوں میں ملتی ہے۔اس کا ایک نسخہ مخدومی مسعود صاحب مدظلہ کے کتاب خانے میں موجود ہے۔موصوف نے از راہ شفقت مجھے اس سے اقتباسات اور مفتی صاحب کے بارے میں معلومات عنایت فرمائیں۔

شمس العلما مفتی محمد عباس شوستری کا آبائی وطن ایران کا شہر شوستر تھا۔ان کے دادا عہد نواب آصف الدولہ میں شوستر سے لکھنو آئے۔اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔مفتی صاحب لکھنؤ میں سلخ ربیع الاول سنہ۱۲۲۴ھ کو پیدا ہوئے۔''خورشید کمال وادب'' تاریخ ولادت ہے۔لکھنؤ کے قابل ترین شیعہ اور سنی عالموں سے تمام رائج الوقت علوم کی تعلیم حاصل کی۔حیرت خیز رسائی ذہن، قوت حافظہ، اور کثرت مطالعہ کی بدولت چودہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔مطالعہ عمر بھر جاری رہا۔وہ عربی اور اسلامی علوم کے جید عالم اور عدیم المثال ادیب و شاعر تھے۔ان کے فضل و کمال کا شہرہ ہندوستان سے نکل کر ایران و عراق تک پہنچ گیا تھا۔ان کا ذہن جتنا تیز تھا قلم اتنا ہی رواں تھا۔عربی ہو یا فارسی نثر ہو یا نظم کتنے ہی دقیق علمی مسائل ہوں وہ قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے تھے اور اس میں ادبیت کی وہ شان ہوتی تھی جو کسی اور کے ہاں غور و فکر کے بعد بھی بہ مشکل پیدا ہوسکتی ہے۔ان کی بدیہہ گوئی کا یہ عالم تھا کہ ایک بزرگ نے مفتی صاحب سے کہا کہ آپ جو ہر کس و ناکس کی ولادت اور وفات اور معمولی واقعات کی تاریخیں کہا کرتے ہیں یہ آپ کے شایان شان نہیں ہے اور آپ کے وقت کا بے کار مصرف ہے۔ جواب میں فرمایا کہ لوگ مجھ سے اصرار کرتے ہیں جتنی دیر ان کے اصرار اور میرے انکار میں گزرے اتنے عرصے میں اگر میں تاریخ نظم کر دوں تو میرا کیا نقصان ہے۔عربی اور فارسی نثر و نظم میں ان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔مصنف تجلیات نے مختلف علوم میں ان کی ایک سو باسٹھ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔مفتی صاحب نے اسی برس کی عمر میں ۲۵ رجب سنہ۱۳۰۲ھ کو انتقال کیا۔

غالب اور مفتی صاحب

۱۲۷۹ھ میں مرزا اسد اللہ خان غالبؔ اور جناب مفتی صاحب مرحوم سے خط و کتابت شروع ہوئی۔چنانچہ ان کے کشکول میں سے ان مکاتیب کو پایا جن میں مرزا غالبؔ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط چسپاں تھے۔اس مقام پر میں ان خطوط کو نقل کرتا ہوں اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ غالبؔ مرحوم نے اپنی کتاب قاطع برہان مفتی صاحب قبلہ کے پاس روانہ کی جس کے لفافے کی عبارت یہ تھی'' در کان پور بمکان نواب باقر علی خان صاحب، موصول و بخدمت خدام مخدومی جناب مفتی میر عباس

صاحب زادمجدۂ مقبول و در بارۂ بخشیدن اطلاع رسیدن ارمغان عنایت مبذول باد۔'' مرسلہ چہارم اگست ۱۸۶۲ء اشامپ پیڈ غالب اسداللہ۔ مرزا غالب کی کتاب جب مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد جو خط مرزا صاحب کو لکھا وہ یہ ہے ''یا اسداللہ الغالب و مظہر العجائب۔ پس از اندام برائے اتحاف سراپا گوش۔'' اور اس کتاب کی رسید کی تاریخ نواب نورالدولہ لیث الملک محمد احسن خان بہادر محکم جنگ معروف نواب نادر مرزا صاحب نے نظم کی۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

چوں غالب شاعر مکرم	استاد سخنور ان عالم
آں غیرتِ صائب و نظیری	رشکِ عرفی و ظہوری
سحبان زمان در فصاحت	حسان عصر در بلاغت
در حضرت عالمِ محقق	آں فاضلِ کامل مدقق
گر جملہ بہ علم بیش باشد	علامۂ عصر خویش باشد
سید عباس اسم پاکش	وزنور سرشتہ جسم پاکش
تصنیف لطیف ارمغاں کرد	تحقیق خودش در و عیاں کرد
آمد بمیاں چو ذکرِ تاریخ	رقیم صفا بفکر تاریخ
از لجۂ فکرِ گوہرے ناب	شد تخرجہ ''ارمغان نایاب''

سہ ماہی اردو شمارہ ۲، ۱۹۶۹ء
غالبیہ سے چند نوادر از اکبر علی خان

☆☆☆

سید ابن حسین خان صاحب بہادر

ولد مجد الدولہ نیاز حسن خان بہادر شیر جنگ

''سید ابن حسن خاں، مجد الدولہ سید نیاز حسن خاں بہادر شیر جنگ کے لڑکے تھے۔ جو غالباً سلطنت اودھ میں کسی ممتاز عہدے پر متمکن تھے اور مجد الدولہ شیر جنگ کے خطابات بھی انہیں وہیں سے ملے ہونگے۔ کوئی دو سال ہوئے راقم نے ان کے دو فارسی مکتوب مرزا غالب کے نام اور غالب کا ایک مکتوب ان کے نام دریافت کیا ہے جو ان کی ایک غیر مطبوعہ فارسی کتاب برہان اودھ کے آخر میں درج ہے۔ ابن حسن خان کے دونوں مکتوب طویل ہیں۔ پہلا نو صفحوں کا ہے جس میں انہوں نے مرزا کو لکھا ہے کہ آپ کے کچھ اشعار

دیکھنے میں آئے جن سے جودت معانی، نجابت الفاظ، صلابت فکر، غرابت ترکیب، قدرت سخن، مہارت فن کا پتہ چلا، آپ کا سخن ہر سخن پر غالب اور آپ کے اشعار ہر طالب کا مطلوب۔ اس کے بعد مرزا کی تعریف و تحسین اس انداز میں شروع ہوگئی ہے کہ قصیدۂ نثر کا لطف آنے لگتا ہے۔ پھر طویل تمہید کے بعد حرف مطلب زبان پر لائے ہیں کہ میری تحریروں کو اپنی اصلاح سے مزین کیجئے اور مجھے اپنے سلسلۂ تلامذہ میں داخل کیجئے۔ مرزا غالب نے اس کے جواب میں فارسی ہی میں ایک خط لکھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تصنیف ''مہر نیمروز'' کا ایک نسخہ انہیں بھجوا دیا۔ خط میں انہوں نے اپنے ان تعلقات کا ذکر کیا جو ان کو مکتوب الیہ کے والد سے تھے اور قیام لکھنؤ کے دوران جو کرم اور مہربانی انہوں نے کی تھی اسے بیان کیا۔ اصل مقصد کے جواب میں لکھا کہ آپ کے کلام کی اصلاح میرے لیے باعث عز و ناز ہے اور آپ کی نثر تو پھول سے زیادہ رنگین ہے۔

''سید ابن حسن خان نے مرزا کے مکتوب اور تحفۂ مہر نیمروز کی رسید اور شکریے میں انہیں ایک خط لکھا۔ ابن حسن خان کے دونوں خطوط اور مرزا غالب کا نایاب خط یہی نہیں کہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے وجود کی بھی لوگوں کو اطلاع نہیں ہے۔ یہ تینوں خط پہلی مرتبہ ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

''مکتوب الیہ کے متعلق بہت سی باتیں تحقیق طلب ہیں، اب تک جو معلوم ہوئی ہیں ان میں بعض مختصر طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا تعلق بلگرام سے ہے لیکن قیام لکھنؤ کی مناسبت سے لکھنوی کہلاتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے عربی فارسی کی بہت اچھی واقفیت کا پتا چلتا ہے۔ تاریخ، شاعری اور مذہبیات ان کے خاص موضوعات معلوم ہوتے ہیں۔ ''برہان اودھ'' کے علاوہ جو فارسی میں اودھ کی تاریخ ہے ان کی کوئی اور تصنیف دیکھنے میں نہیں آئی شعر بھی کہتے تھے۔ برہان اودھ میں مقدمہ اور دوسرے مقامات پر اپنے فارسی اشعار نقل کئے ہیں جو اوسط درجے کے ہیں۔ مرزا غالب کے خطوط میں مجھے ان کا ذکر صرف ایک جگہ مل سکا جس سے قیام بلگرام کے علاوہ ان کی وارستہ مزاجی کا بھی پتا چلتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا ان کی شاعری اور ان کے علم کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ ورنہ کہ جب مرزا خود ''یک مشت استخواں بوسیدہ و ناتواں'' ہو گئے تھے ابن حسن خان جوان تھے۔ مرزا غالب لطیف احمد بلگرامی سے خدمتِ اصلاح شعر کی معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سید ابن حسن خاں وہاں موجود ہیں (میں) یہاں محض وجود بے جود، وہ تو میرے نزدیک علامہ ہیں اور جوان ہیں۔ میں ان کے نزدیک ایک مشتِ استخواں ہوں وہ بھی بوسیدہ اور ناتواں۔ اگر خان صاحب وارستۂ مزاج ہیں اور جوان ہیں تو سید غلام حسین قدر سہی۔ وہ تو میرے قدر دان بھی ہیں اور شاگرد بھی ہیں۔ اگر کچھ بھی اپنے دل و دماغ میں قوت پاتا تو اپنی طبیعت کو آپ سے اصلاً دریغ نہ کرتا ......''

''ابن حسن خاں کے لڑکے خورشید حسن بھی شاعر تھے اور ایک فارسی تحریر برہان (اودھ) سے متعلق اس کے آخر میں درج ہے۔ ارشد بلگرامی کے قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حسن خاں کا سال وفات ۱۲۸۵ھ ہے۔ بعض لوگوں نے ان کی خوش نویسی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ذخیرۂ احسن مارہروی میں نزہۃ اثنا عشر بر تحفۂ اثنا عشریہ (مصنفہ حکیم مرزا محمد بن عنایت احمد دہلوی) کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ اس کے کچھ اجزا کی کتابت ابن حسن خان نے بھی کی ہے اور ان کے قلم کا ایک حاشیہ بھی ان کے دستخط کے ساتھ درج ہے (ص ۶۹) اس

سے تو ان کی خوش نویسی کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہیں ہوئی.....

''غالب کے اس خط کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ان کی زمانۂ قیام لکھنؤ میں مدد ملتی ہے اور ایک گتھی جسے غالبیات کے ماہرین اب تک حل نہیں کر سکے تھے وہ سلجھتی ہوئی نظر آتی ہے اور اب تک کے محققین کا یہ خیال ہے کہ غالب کا قیام لکھنؤ میں ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ رہا یا یہ کہ وہ لکھنؤ سے ایک بار جا کر کانپور سے پھر واپس آئے، باطل ہو جاتا ہے۔

''غالب کے ایک فارسی خط بنام رائے چھجمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۴۲ھ (مئی ۱۸۲۷ء) بروز جمعہ لکھنؤ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ نہیں کھلتا کہ دلّی سے کب روانہ ہوئے اور لکھنؤ کب پہنچے۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے۔ ان کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عید شوال ۱۲۴۲ھ میں دہلی سے نکلے کچھ دن لکھنؤ میں رہے، پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ کان پور سے دوستوں کے اصرار پر لکھنؤ واپس آئے اور پھر ٹھہر کر کلکتہ کو روانہ ہوئے۔

''یہ ساری دقتیں دو امور کی وجہ سے ہیں۔ لکھنؤ آنے کی تاریخ اور زمانۂ قیام لکھنؤ کی مدت معلوم نہیں اور مرزا کی نثر تعطیل پر ۲ محرم الحرام کی تاریخ درج ہے جو انہوں نے دورانِ قیام لکھنؤ میں شاہ اودھ کو پیش کرنے کے لیے مرتب کی تھی۔

''راقم کی رائے میں نثر کی تاریخ کو زیادہ اہمیت نہ دینی چاہیے۔ وہ نثر صنعت تعطیل میں لکھی گئی ہے جس میں غیر منقوطہ حروف کا التزام ہوتا ہے اور انگریزی، ورعربی مہینوں میں محرم کے علاوہ کسی مہینے کا نام ایسا نہیں جس میں نقطے نہ ہوں اور تاریخوں میں دوم، پہلی تاریخ ہے جس میں نقطے نہیں۔ اس لیے غالب نے دوم محرم الحرام لکھ دیا۔ ظاہر ہے وہ فرضی تاریخ نثر لکھنے کی تھی نثر پیش کرنے کی نہیں۔ یوں بھی مرزا کی دستخطی تحریر تو ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ ممکن ہے کہ جو تحریر مرزا نے پیش کرنی چاہی ہو اس میں سرے سے کوئی تاریخ درج نہ ہو اور اس تاریخ کا اندراج انہوں نے اس نثر کی اشاعت پر کیا ہو۔

''اسی خط سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مرزا کا قیام لکھنؤ میں پانچ ماہ رہا۔ لکھنؤ چھوڑنے کی تاریخ معلوم ہے۔ ان کے لکھنؤ آنے کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ رجب ۱۲۴۲ھ میں لکھنؤ آئے ہوں گے.....

''مکتوب غالب پر تاریخ درج نہیں لیکن یہ خط مہر نیمروز کے ساتھ مکتوب الیہ کو بھیجا گیا تھا۔ قیاس غالب ہے کہ نسخۂ مطبوعہ بھیجا ہو گا۔ یہ کتاب ۲ ربیع الاوّل ۱۲۷۱ (۲۴ دسمبر ۱۸۵۴ء) سے پہلے چھپ گئی تھی۔ اس لیے اس خط کا زمانۂ تحریر اس کے کچھ بعد ہی سمجھنا چاہیے۔''

مختار الدین احمد آرزو

رسالہ اردو ادب۔ علی گڑھ جولائی تا دسمبر ۱۹۵۲

☆☆☆....

وزیرالدولہ وزیر محمد خاں والیٔ ٹونک

مرزا غالبؔ اپنی معاشی ضرورت سے والیانِ ریاست کے درباروں میں رسائی کے لیے برابر کوشش کرتے رہتے تھے اور اُن کے جو احباب مقربینِ بارگاہ ہوتے تھے اُن کے توسط سے اپنے معروضات اور مدحیہ شعر بھیجتے رہتے تھے۔ اُنہوں نے راجستھان کی ریاست ٹونک سے بھی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ تقریباً ۲۸۰۰ مربع میل میں پھیلی ہوئی چھوٹی سی ریاست، جو پانچ متفرق قصبوں میں بٹی ہوئی تھی، ۱۸۰۶ء میں نواب امیر خاں نے بزورِ شمشیر قائم کی تھی اور اُسے ۱۸۱۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک معاہدے کی رو سے تسلیم بھی کر لیا تھا۔ نواب امیر خاں سے تو غالبؔ کا کوئی ربط قائم نہیں ہو سکا کیوں کہ وہ بزم کے نہیں رزم کے آدمی تھے، اور غالبؔ بھی اس وقت تک شاعر کی حیثیت سے زیادہ نمایاں نہیں ہوئے تھے، البتہ اُن کے انتقال کے بعد ۱۸۳۴ء میں نواب وزیر محمد خاں مسند نشیں ہوئے اور اُن کو مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ء۔۱۸۳۷ء) نے بھی ایک شاہی فرمان کی رو سے نواب وزیرالدولہ خطاب عطا کیا، تو غالبؔ نے اُن سے ربط پیدا کرنا چاہا۔ یہ ایک علم دوست فرماں روا تھے۔ مومن خاں مومنؔ نے بھی اُن کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔

غالبؔ نے ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء سے پہلے کسی وقت میر تفضل حسین خاں کی معرفت سترہ شعار پر مشتمل ایک قصیدۂ تہنیت عرفیؔ شیرازی کی زمین میں کہہ کر بھیجا تھا (قصیدہ ۵۶۔ کلیاتِ نظم فارسی ص ۶۴۲) جس کا مطلع ہے

اے ذاتِ تو جامعِ، صفتِ عدل و کرم را
اے بر شرفِ ذاتِ تو، اجماعِ اُمم را

یہ قصیدہ کلیات (طبع ۱۸۴۵ء) میں موجود ہے لیکن بعد کو اسے غالبؔ نے نواب شمس الامراء (حیدرآباد) کے پاس بھی بھیجا تو بعض اشعار کا اضافہ کر دیا تھا۔ نسخہ خدا بخش میں یہ اضافہ شدہ اشعار موجود ہیں۔ وزیرالدولہ سے غالبؔ نے اپنا ربط باقی رکھا، اور عید الضحیٰ کے موقع پر سالانہ قصیدۂ تہنیت بھیجتے گئے۔ عیدالاضحیٰ ۱۲۶۷ھ (۶۔ اکتوبر ۱۸۵۱ء) کے موقع پر مبارک باد دیتے ہوئے انہوں نے ۴۵ شعروں کو جو قصیدہ (نمبر ۵۷ کلیاتِ نظم فارسی ص ۶۴۵) بھیجا اُس کا مطلع تھا:

عید اضحیٰ بسر آغازِ زمستان آمد
وقتِ آراستنِ حُجرہ و ایوان آمد

اس قصیدے کا صلہ ملنے میں تاخیر ہوئی تو ایک قطعہ (۱۷ اشعار) تقاضے کا بھیجا گیا:

آیا چہ بود کہ میر نوّاب — ننوشت جواب نامہ ام ہان
آن گونہ عریضۂ کہ دانی — درویش نوشتہ سوے سلطان

آن گونہ قصیدۂ کہ گوئی   از صفحہ دمیدہ سنبلستان
آن ہر دو رسید، نیست پیدا   زان سو اثرے بہ ہیچ عنوان
(باغ دودر قطعہ ۲۲)

اس میں آگے چل کر یہ کہا ہے کہ دراصل نواب صاحب نے دمشق سے دیبا، روم سے مخمل، عرق سے گھوڑے، دکن سے ہاتھی، نیشاپور سے فیروزے، اور بدخشاں سے یاقوت درآمد کرنے کا حکم دیا ہوگا اور ان چیزوں کے وہاں سے آنے میں دیر ہورہی ہے، یہ آجائیں تو مجھے عنایت فرمائی جائیں گی۔ مولانا حالی نے اسے ہجو ملیح کی مثال میں پیش کیا ہے یہ قطعہ سبد چین میں بھی شامل ہے۔ بہر حال اس تقاضے کے تیور بھانپ کر نواب وزیرالدولہ نے حکم دیا کہ پانچ سو روپے (۵۰۰) سکۂ مادھوی مرزا کو بطور صلہ دیے جائیں۔ یہ روپے مرزا کو ۱۴ صفر ۱۲۶۸ھ (۹ دسمبر ۱۸۵۱ء) کو وصول ہوئے اور غالب نے اپنے خط کے ساتھ اس کی رسید بھیجی۔ سید منظور الحسن برکاتی کا مضمون ''غالب کی ایک فیصلہ کن نادر تحریر'' (آج کل فروری ۱۹۵۵ء) اسی سے متعلق ہے اور اس کا عکس رسالہ ''غالب نما'' (جے پور) (۱۹۷۰ء) میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ نواب وزیرالدولہ محمد وزیر خاں نے ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں انتقال کیا اور اُن کے بیٹے نواب محمد علی خاں مسند آرا ہوئے۔ غالب نے اُن کی مسند نشینی پر بھی نو (۹) شعروں کی ایک مثنوی بطور تہنیت بھیجی (کلیات فارسی ص ۳۶۴ طبع نول کشور ۱۹۶۸ء) جس کا پہلا شعر یہ تھا:

درین سال نواب عالی جناب
بروے زمین غیرت آفتاب

اور آخری شعر میں مادۂ تاریخ نظم ہوا تھا:

کہ چون بخترِ نیک آمد بفال
ہم از ''اختر نیک'' پیدا ست سال ۱۲۸۱ھ

نواب محمد علی خاں بہت اولوالعزم اور جیالے فرماں روا تھے، انگریزوں کو خوف ہوا کہ نواب امیر خاں کی طرح یہ بھی میدان کارزار گرم نہ کر دیں، اِس لیے اُنہیں ایک قتل کے مقدمے میں ملوث کر کے معزول کر دیا (۲۰ ستمبر ۱۸۶۷ء) ریاست اُن کے بیٹے نواب ابراہیم علی خاں (۱۸۶۷۔۱۹۳۰ء) کو دے دی اور انہیں جلاوطن کر کے بنارس بھیج دیا۔ یہ باقی عمر وہیں رہے اور علمی مشاغل میں زندگی بسر کی۔ چنانچہ بخاری شریف کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں وہیں انتقال ہوا۔ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک جواب تین حصوں میں بٹ چکا ہے (مخطوطات کا ایک حصہ نیشنل میوزیم نئی دہلی میں، اور دوسرا ٹونک کے عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں، اور مطبوعات کا ذخیرہ ''سعیدیہ ڈسٹرکٹ لائبریری'' ٹونک میں پایا جاتا ہے) یہ زیادہ تر نواب محمد علی خاں ہی نے بنارس میں اپنے قیام کے دوران جمع کیا تھا۔ سیّد نجف علی جھجھری جنہوں نے معرکۂ قاطع برہان کے سلسلے میں اور غالب کی حمایت میں کتاب ''دافع ہذیان'' (اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۱ھ) لکھی تھی، بنارس میں نواب محمد علی خاں کے ساتھ تھے۔

۱۲۷۱ھ/۱۸۵۳ء میں مرزا غالب نے طالع یار خاں کے توسط سے اپنی کتاب ''مہرِ نیمروز'' کا ایک نسخہ نواب وزیر الدولہ کی خدمت میں بھیجا تھا جو ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۲۷۱ھ (۱۷ مارچ ۱۸۵۵ء) کو کتب خانے میں داخل کیا گیا تھا۔ اس نسخے کی تفصیلات سیّد جمیل الدین نے (نوائے ادب (بمبئی) جولائی ۱۹۵۱ء۔ جنوری ۱۹۵۲ء) میں شائع کر دی تھیں۔ اس طرح غالب نے ۱۲۷۴ھ (۱۸۸۸ء) میں اپنی تصنیف دستنبو کا ایک نسخہ نواب وزیرالدولہ کی نذر کیا اور اس پر اپنے قلم سے یہ اشعار لکھے

نذرِ نواب وزیرُ الدّولہ　　　　آن محیطِ کرم و دانش و داد
ہم بدین حیلہ مگر یاد آید　　　　غالبؔ خستہ کہ رفتست از یاد

اس نسخے کا تعارف بھی سیّد جمیل الدین شائع کرا چکے ہیں (نوائے ادب جولائی۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

یہاں مرزا غالب کے تین غیر مطبوعہ فارسی خطوط کا متن (اور اُس کے عکس) پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تینوں خطوط نواب وزیرالدولہ کے نام ہیں۔ ایک قطعہ تہنیت فارسی میں بھی ہے جو انہوں نے عیدالاضحیٰ کی مبارکباد کے طور پر بھیجا تھا۔ یہ سب ریاست ٹونک کے ''منشی خانے'' میں محفوظ تھے جو اب راجستھان، سٹیٹ آرکائوز میں ختم ہو چکا ہے۔ مجھے ان خطوط کے عکس مولانا محمد عمران خاں صاحب ٹونکی کی عنایت سے دست یاب ہوئے۔ اُن کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نوادرِ غالب۔ از نثار احمد فاروقی

غالب نامہ۔ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۳ء

.....☆☆☆.........

خداداد خان وولی داد خان صاحبان

غالب کا اصلی خط آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرۂ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے، میرزا نے آگرے کے دو صاحبان، خداداد خان اور ولی داد خان کے نام لکھا تھا، جن کے میرزا کی ننھیال اور ان کی والدہ سے لین دین کے تعلقات تھے۔ میرزا نے اسے لکھا بھی اسی سلسلے میں ہے۔ نواب صدر یار جنگ مرحوم کو یہ خط ان صاحب کے ورثہ سے ملا تھا۔

اس خط کے آخر میں جو تاریخ پائی جاتی ہے وہ بخط ہر ''ی م جنوری ۱۸۰۴ء'' ہے، لیکن ۱۸۰۴ء کا سال کسی عنوان ٹھیک نہیں ہوسکتا

۱۔ غالب کی پیدائش ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ کی ہے۔ ناممکن ہے کہ انہوں نے چھ برس کی عمر میں یہ خط لکھا ہو۔ یہ تحریر کسی چھ برس کے بچے کی نہیں ہوسکتی۔

۲۔ ۱۸۰۴ء میں وہ نابالغ تھے۔ اور کسی نابالغ کی کوئی تحریر قانونی دستاویز کے طور پر استعمال نہیں ہوسکتی۔ پس دونوں مکتوب الیہ اس

سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، جو ان کا مقصود تھا۔ قانونی پہلو سے اس کا عدم اور وجود برابر تھا۔

۳۔ اس خط کے آخر میں غالب کی جو مہر ثبت ہے، اس کے اندر ۱۲۳۱ھ کی تاریخ کندہ ہے، جو ۱۸۱۵۔۱۸۱۶ء کے مطابق ہے۔ ۱۸۰۴ء کے خط پر ۱۸۱۵۔۱۸۱۶ء کی تیار شدہ مہر کیونکر ثبت ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ خط ۱۸۰۴ء میں نہیں، بلکہ ۱۸۱۶ء میں یا اس کے بعد لکھا گیا ہوگا۔

بعض اصحاب نے کہا ہے کہ تاریخ ۱۸۲۴ء ہوگی، جو مرورِ زمانہ سے گھس پس کے ۱۸۰۴ء بن گئی ہے۔ اس کے لیے کوئی دلیل نہیں دی گئی، بس یہ دعویٰ کر دیا گیا کہ ۱۸۰۴ء غالباً اصل میں ۱۸۲۴ء تھا۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ۱۸۰۴ء ناممکن تھا کیونکہ کاتب کا اس کے لکھتے وقت بالغ ہونا لازم تھا، اس لیے انہوں نے اٹکل سے ۱۸۲۴ء کہہ دیا، حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ اوّل تو کوئی یہ بتائے کہ آخر یہ ۱۸۲۴ء ہی کیوں ہو، ۱۸۳۴ء کیوں نہیں۔ دوسرے یہ کہ اوپر خط کا عکس دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ۱۸۰۴ء میں جو صفر ہے، وہ کسی زمانے میں بھی صفر کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا، یہ اوّل یوم بھی صفر تھا، اور آج بھی صفر ہی ہے۔ یوں بھی یہ بعید از قیاس ہے کہ (۲) کا ہندسہ کسی صورت میں بدل کر (۰) بن جائے۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابلِ توجہ ہے، جس پر ۱۸۲۴ء کی تاریخ کے مجوزین نے غور نہیں کیا۔ اگر ہم غالب کی بڑی بہن کو نظر انداز بھی کر دیں، تو بھی غالب اپنی والدہ کے واحد وارث نہیں تھے، ان کے چھوٹے بھائی میرزا یوسف بھی موجود تھے۔ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ ان سے بھی اس خط پر دستخط لیے جاتے۔ اگر ۱۸۲۴ء میں یہ خط لکھا گیا تھا، تو اس وقت میرزا یوسف کی عمر تقریباً ۲۵ برس کی ہو گی، یعنی وہ عاقل و بالغ تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں قرض خواہ انہیں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، اس خط پر ان کے دستخط کی عدم موجودگی ہی سے یہ ثابت ہے کہ یہ ۱۸۲۴ء کا نہیں۔ میرزا یوسف ۱۸۲۵۔۱۸۲۶ء کے لگ بھگ پاگل ہو گئے تھے۔ لازماً یہ خط اس سے بعد کا ہوگا۔ چونکہ کسی فاتر العقل شخص کی کوئی تحریر قانونی پہلو سے قابلِ اعتنا نہیں ہوتی، اس لیے قرض خواہوں نے (اور غالب نے بھی) اس پر ان کے دستخط لینے کی ضرورت نہیں محسوس کی، اور اکیلے غالب ہی نے بڑا بیٹا در خاندان کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے یہ تحریر لکھ دی۔

میں اسے ۱۸۴۰ء کی تحریر مانتا ہوں، اور یہی میں نے ''ذکرِ غالب'' میں بھی لکھا ہے۔ بیشتر پرانی قلمی کتابوں اور تحریروں میں کتابت کا سال یوں لکھا ملتا ہے کہ سن کے ہندسوں کے دو ٹکڑے خاصے فاصلے سے لکھے گئے ہیں، اور سنہ کے نون کا نقطہ دونوں ٹکڑوں کے درمیان آ گیا ہے۔ مثلاً ۱۲۲۵ لکھنا ہے، تو اسے یوں لکھیں گے ۱۲۰۲۵۔ حسنِ اتفاق سے میرے پاس پنج آہنگ (غالب) کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس کا سالِ کتابت بھی ۱۸۴۰ء ہے، اور یوں لکھا ہے

۱۸۰۴ء۔ پس، زیرِ بحث خط کی تاریخ میں جو نقطہ (۱۸۰۴) میں ہے، یہ سنہ کی نون کا نقطہ ہے، نہ کہ تاریخ کا جزو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو (۴) کے ہندسے کے بعد مٹے ہوئے صفر کا مدھم سا نشان اب بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ میں نے جب یہ خط پہلی مرتبہ ۱۹۳۶ء میں دیکھا ہے، تو اس وقت یہ آخری صفر اتنا مخدوش نہیں تھا، جتنا اب ہے، بلکہ اس سے زیادہ

نمایاں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس خط کو ۱۸۴۰ء کا لکھا ہوا مانتا ہوں۔

فسانۂ غالب: مالک رام۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۷۷ء

☆☆☆

شیخ امیر اللہ سرور

جو خط اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، ''مراسلاتِ غالب' و حضرت سید علی غمگین'' کے قلمی نسخے سے لیا گیا ہے۔ خطوط کا یہ مجموعہ گذشتہ صدی کے ساتویں عشرے کے اواخر تک غمگین' اکادمی، فقیر منزل، گوالیار میں محفوظ تھا۔ ستمبر ۱۹۷۱ء سے قبل یہ کسی طرح وہاں سے مانٹریال (کناڈا) میں اردو کے استاد محمد عبدالرحمن بارکر کے ذاتی کتب خانے میں پہنچ گیا اور اب ان کے ذخیرۂ کتب کے ساتھ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ اینڈ سویلزیشن، کوالالمپور، ملیشیا کی لائبریری میں منتقل ہو چکا ہے۔ اس وقت اسی لائبریری سے پروفیسر معین الدین عقیل (کراچی) کی عنایت سے حاصل شدہ اس نسخے کا عکس ہمارے پیش نظر ہے۔ اس مجموعے میں غالب کے کل بارہ خطوط شامل ہیں۔ ان میں سے دس حضرت غمگین گوالیاری کے نام ہیں، جب کہ باقی دو مکتوب ''خط مرزا نوشہ بہ دوستانِ ساکنِ لکھنؤ'' کے زیرِ عنوان منقول ہیں۔ یہ عنوان اسی صورت میں پہلے اور دوسرے دونوں خطوں سے پہلے درج ہے۔ غمگین کے نام کے خطوط یا ان کے اقتباسات مختلف مضامین یا کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں لیکن باقی دو خطوں کا مختصر حوالہ بھی کسی جگہ کم از کم راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔ حتیٰ کہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے بھی جو اس مجموعے سے براہِ راست استفادہ کرنے والے معدودے چند افراد میں سے ایک ہیں، انہیں غور سے پڑھنا تک ضروری نہیں سمجھا۔ (اردوئے معلی، غالب نمبر، جلد اول، ص ۱۴۳) ان میں سے پہلا خط بہ صورتِ مطبوعہ ''پنج آہنگ'' میں موجود ہے۔ یہ شیخ امیر اللہ سرور کے نام ہے جو ''تلامذۂ غالب'' کے مطابق اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ دوسرا خط جواب تک طباعت سے روشناس نہیں اس وقت زیرِ نظر ہے۔

داخلی قرائینِ و شواہد کی رو سے اس خط کی تاریخِ تحریر دوشنبہ، ۱۳ اگست ۱۸۳۲ء ہے۔ مجموعے میں شامل اس سے پچھلا خط اس سے چند ماہ قبل لکھا گیا تھا۔ ان دونوں خطوں کے بعض لفظی و معنوی اشتراکات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مکتوب الیہ فردِ واحد ہے۔ مثلاً

۱۔ ان دونوں خطوں میں مکتوب الیہ کے خط کو ''دل نواز نامہ'' کہا گیا ہے۔

۲۔ پہلے خط کا آغاز ''حضرت سلامت'' سے اور دوسرے کا ''مجموعۂ مہر و وفا سلامت'' سے ہوا ہے۔

۳۔ غالب کے قیاس کے مطابق مکتوب الیہ خط لکھنے میں تساہل کا عادی ہے مگر اپنی خفت مٹانے کی غرض سے دروغ بافی سے کام لیتا ہے اور ان سے خطوں کے جواب نہ دینے کی شکایت کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ پہلے خط میں لکھتے ہیں.

''گلہ از نارسیدنِ پاسخِ نامہ ہائے خویش می کنید واز خدا شرم ندارید   دانستم کہ یک چند مرا فراموش کردہ بودید۔ ناگاہ شنیدید کہ فلانے از سخت جانی ہنوز زندہ است. مہر کہن بجنبید، خواستید کہ بہ نامہ یاد آورید، از فراموشی روزگارِ گزشتہ اندیشہ کردید۔ لاجرم دروغے چند باہم بافتید وآں را دیباچۂ دیباے نامہ ساختید۔۔۔''

اس خط میں یہی بات اس طرح کہی گئی ہے:

''می نویسید کہ دوتا نامہ فرستادیم و مرا بہ پاسخ یاد نیا وردی۔ مہربانا، خدمت ناگزاردۂ شما مجراست، جرمِ ناکردۂ، نیز تواں بخشید۔''

۴۔ پہلے خط میں گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنگ بہادر کے دہلی میں ورود کے انتظار کی بات کہی گئی ہے، دوسرے خط میں گورنر جنرل کی شہر میں مکرر آمد پر اپنی ''آسیمہ سری وسرگردانی'' کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ پچھلے خط کے بعض مندرجات سے مکتوب الیہ کے عارضی طور پر لکھنؤ میں مقیم ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے خط میں اپنے مربی وسرپرست نواب مرزا محمد مسیح خاں بہادر کی معیت میں ان کے لکھنؤ میں ورود اور قیام کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔

۶۔ پچھلے خط میں غالبؔ لکھتے ہیں. ''خواستہ اید کہ از   تراویدہ ہائے کام وزبانِ خود بہ شمار مغانے فرستم۔'' اس خط میں مکتوب الیہ کی اس فرمائش کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے ''فرمان دادہ اید کہ غالبؔ مستہام ریختۂ چند از رگِ کلک بر ورق فرو ریزد و بہ خدمت فرستد۔''

۷۔ پچھلے خط میں مرزا غالبؔ نے مکتوب الیہ کو مرزا حیدر علی افصح، شیخ امام بخش ناسخ، خواجہ حیدر علی آتشؔ اور ''دیگر تازہ خیالانِ لکھنؤ'' کی ''روشِ پسندیدہ وطرزِ گزیدہ'' کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ اس وقت تک ان شعرا میں سے مرزا محمد تقی ہوسؔ اور خواجہ حیدر علی آتشؔ کے فیضِ صحبت سے مستفید ہو چکے تھے۔

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس خط کے مکتوب الیہ بھی شیخ امیر اللہ سرورؔ ہی ہیں۔ غالبؔ کے اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے پہلی بار یہ اطلاع ملتی ہے کہ غالبؔ دہلی سے کلکتے جاتے ہوئے لکھنؤ میں بہ غرضِ مدح اپنے طویل قیام کے دوران چوک کے علاقے میں محلہ توئی ٹولہ (تھوئی ٹونہ) میں مقیم رہے تھے۔ اس خط میں انہوں نے اپنے اس قیام کی مدت پانچ ماہ بتائی ہے۔ اس سے قبل مقدمۂ پنشن کے عرضی دعوے میں بھی انہوں نے لکھنؤ میں پانچ مہینے سے کچھ اوپر بستر پر پڑے رہنے کا ذکر کیا ہے اور اس کے کئی برس بعد ابنِ حسن خاں کے نام کے ایک خط میں وہاں قیام کی مجموعی مدت ''کمابیش پنج ماہ'' قرار دی ہے۔ لیکن ہماری تحقیق کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ لکھنؤ میں ان کا یہ قیام تقریباً آٹھ ماہ (اواخر اکتوبر یا اوائل نومبر ۱۸۲۶ء تا ۲۱ جون ۱۸۲۷ء) کو محیط تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ پوری مدت تقریباً گوشہ گیری کے عالم میں گزاری۔ لکھنؤ جیسے مرکزِ شعر وادب میں رہتے ہوئے آتشؔ اور ہوسؔ جیسے اساتذۂ وقت سے ملاقات نہ کرنا یا ملاقات نہ ہونا ایسا غیر معمولی واقعہ ہے جو اس خط کی عدم موجودگی میں کسی طرح قابلِ اعتبار نہ ہوتا۔ اس سلسلے میں شیخ امام بخش ناسخ کا نام نہ آنے کا سبب یہ ہے کہ وہ اس زمانے میں سیاسی حالات کی ناسازگاری کی بناء پر لکھنؤ سے ترکِ سکونت کر کے الہ آباد میں فروکش تھے۔ بہر حال آتشؔ اور ہوسؔ کے سلسلے

میں غالب کے اس بیان سے ان کے جس غیر متوقع رویے کا اظہار ہوتا ہے، اس کی وجہ کوئی سیاسی مصلحت تھی یا محض ذاتی انا، یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے۔

ڈاکٹر حنیف نقوی، ''غالب کے تین فارسی خطوط'' ماہنامہ آجکل نئی دہلی ، مارچ ۲۰۱۱

سید رجب علی ارسطو جاہ

رجب علی، ارسطو جاہ (۱۲۲۱ھ تا ۱۲۸۶ھ)
(۱۸۰۲ء تا ۱۸۶۹ء)

اس خط کے بارے میں ڈاکٹر محمد حنیف نقوی اپنے مقالہ ''غالب کے تین فارسی خط مطبوعہ ماہ نامہ آجکل نئی دہلی مارچ ۲۰۱۱ میں یہ فرماتے ہیں۔

''اس سلسلے کا تیسرا خط جس کا تعارف مقصود ہے، مولانا غلام رسول مہر کی دریافت ہے۔ یہ بھی ابھی تک غالب کے فارسی خطوط کے کسی مجموعے میں جگہ نہیں پا سکا ہے۔ اس کے مکتوب الیہ مولوی رجب علی خان ارسطو جاہ اپنے زمانے کی ایک معروف شخصیت تھے مولانا مہر نے اس خط کا عکس اپنی کتاب غالب کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۶ میں ورق نمبر ۶۴ کے بالمقابل شائع کیا تھا۔ سو اتفاق سے اس اشاعت عام کے باوجود یہ خط مسعود حسن رضوی اور قاضی عبدالودود کی نظروں سے مستور رہا ورنہ اسے ''متفرقات غالب'' یا ''ماثر غالب'' میں شائع ہو جانا چاہیے تھا۔

اس خط کی پہلی اہمیت تو یہ ہے کہ یہ مولوی رجب علی خاں ارسطو جاہ کے نام غالب کا سب سے قدیم دریافت شدہ خط ہے، مزید برآں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان اس سے قبل بھی خط و کتابت کی راہ کشادہ تھی۔

دوسری اہمیت یہ ہے کہ اس سے سرسید کی تصنیف ''آثار الصنادید'' کے بارے میں غالب کی پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ ان کی مرتب کی ہوئی مشہور تاریخی کتاب ''آئین اکبری'' کو تقویم پارینہ اور مردہ پروری کی کوشش قرار دے کر اس کی افادیت سے انکار کر چکے تھے۔''

رجب علی کا نام ان لوگوں کی فہرست میں نمایاں نظر آتا ہے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی سعی انقلاب کو ناکام بنایا اور انگریزوں کا ساتھ دے کر قوم کشی اور وطن فروشی کی انتہائی مکروہ تصویر پیش کی۔ رجب علی ۱۸۰۶ء میں ضلع لدھیانہ کے ایک قصبہ تلونڈی میں پیدا ہوئے تھے۔ جب ان کی عمر دس برس کی ہوئی، ان کا خاندان وہاں سے جگراؤں منتقل ہو گیا۔ جس کے بعد ۱۸۱۸ء میں وہ حصولِ تعلیم کے لئے لاہور بھیجے گئے جہاں انہوں نے حکیم سید خیر شاہ لاہوری اور حکیم ملا مہدی خطائی سے مختلف علم و فنون میں استفادہ کیا۔ بعد ازاں ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج میں داخل ہو کر وہیں ریاضی کے مدرس ہو گئے، لیکن ان کی یہ مدرسی زیادہ دنوں نہیں چلی، انہوں نے مدرسی کو ترک کر کے

ہوشنگ آباد اور پھر بھوپال کا قصد کیا اور محکمہ فتاوی شریعہ میں ملازم ہو گئے۔۱۸۴۳ء میں اچانک بھوپال کا قیام ترک کر کے وطن کی راہ لی اور سردار فتح سنگھ کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے۔ اسی کے چہ رہ بعد ان کو جان رسل کلارک نے ،نبالہ میں اپنا منشی بنا لیا۔۱۸۵۳ء میں انگریزوں نے ان کی بہتر کارکردگی سے متاثر ہو کر جگر،ؤں کے کچھ علاقے بطور جاگیر دیے۔اسی دوران ہنری لارنس کے ساتھ راجپوتانہ کا بھی دورہ کیا۔غالب نے ۱۲مئی ۱۸۵۵ء کو منشی جواہر سنگھ کے نام ایک خط میں لکھا ہے۔

''مولوی رجب علی نے دہلی پہنچ کر کچھ دنوں قیام کیا، پھر جودھپور روانہ ہو گئے جہاں ایجنٹ راجستھان کے دفتر میں ان کا بڑا لڑکا ملازم ہے، روانہ ہوتے وقت ان کا چھوٹا لڑکا اور چھوٹا بھائی بھی ان کے ساتھ تھا، وہ واپس لوٹے تو دونوں ان کے ساتھ نہیں تھے۔غالباً ان کو یجنٹ راجستھان کے سپرد کر دیا ہے تاکہ ہر ایک کام سے لگ جائے۔''

رجب علی نے دہلی میں اس قیام کے دوران علم الکلام کے منتہی مولوی حیدر علی سے مولوی صدر ،لدین آزردہ کے بالمواجہ مناظرہ بھی کیا۔۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران ان کو کمانڈر انچیف کا میر منشی بنایا گیا۔ان کی خدمات کے صلہ میں ان کو پانچ ہزار روپے نقد اور ارسطو جاہ اور خان بہادر کے خطابات دیے گئے۔

غالب سرکار انگریزی میں علاقۂ ریاست دودمانی کے رکھنے کے مدعی تھے، دربار میں ان کے لئے داہنی صف میں دسواں نمبر سات پارچہ مع جیغہ سرپیچ اور مالائے مروارید خلعت مقرر تھا، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد ان کی پنشن تو جاری ہوگئی، لیکن یہ اعزاز ختم کر دیا گیا جس کی بحالی کے لئے انہوں نے مختلف انداز سے اپنی کوششیں شروع کیں۔ وہ جانتے تھے کہ رجب علی کو سرکار انگریزی میں اثر و رسوخ حاصل ہے اور وہ کمانڈر انچیف کے میر منشی کی حیثیت میں کام کر رہے ہیں، اگر انہوں نے ان کے سلسلہ میں کسی قسم کی سفارش کی تو اسے مسترد نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ ایک خط کے ذریعہ انکی اس جانب توجہ دلائی کہ اس مرتبہ پنجاب میں جو دربار ہوا ہے، اس میں ان کا نام رئیس زادوں کی فہرست سے نکال کر رعایا میں رکھا گیا ہے اور وہ خلعت و دربار کے اعزاز سے محروم ہو گئے ہیں۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے رجب علی سے یہ بھی درخواست کی کہ اگر وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لیں تو یہ ان کی عنایت ہوگی۔

رجب علی نے اس سلسلہ میں غالب کی کہاں تک مدد کی، اس سلسلہ میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔البتہ یہ ضرور ہے کہ ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو دربار و خلعت پھر سے جاری ہو گیا۔ان کے خلعت دوبارہ جاری ہونے سے دو سال پہلے، رجب علی مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لئے عراق اور عرب کے سفر پر روانہ ہو گئے۔وہاں سے واپس آنے کے چند سال بعد ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔

(بزمِ غالب۔عبدالرؤف عروج)

(تذکرۂ روسائے پنجاب ص ۳۳۹، بہادر شاہ ظفر ص ۲۴۹، سبد باغ دو در ص ۱۳۶)

☆☆☆

حکیم امام الدین خان

مجلہ نقوش، لاہور کے 'خطوط نمبر' کی جلد اول (شمارہ نمبر ۰۹، بابت اپریل، مئی ۱۹۶۸ء) کے صفحہ نمبر ۱ سے صفحہ نمبر ۲۰ تک اولاً بہ صورت عکس بعد ازاں صفحہ نمبر ۶۵ سے صفحہ نمبر ۷۵ تک صاف نستعلیق خط میں اٹھارہ نادر خطوط شائع ہوئے ہیں، جن میں سے چودہ اردو میں ہیں اور چار فارسی میں۔ ڈاکٹر وزیر الحسن عابدی نے ''۱۸ خطوط، ۱۶ غالب کے اور دو غالب کے نام'' کے عنوان سے صفحہ نمبر ۲۹ سے صفحہ ۳۲ تک اپنے تعارفی نوٹ میں ان خطوں کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں، ان کے مطابق ان میں سے چودہ خط غالب کی طرف سے قاضی عبد الجمیل جنون بریلوی کے نام، دو خط غالب ہی کی طرف سے مولوی نجف علی (اصلاً حکیم خدم نجف) کے نام اور دو نجف علی (اصلاً خدم نجف) کی طرف سے غالب کے نام ہیں۔ جنون کے نام کے چودہ خطوط میں سے گیارہ اردو میں ہیں اور تین فارسی میں۔ ان میں سے فارسی کے دو اور اردو کا ایک خط غیر مطبوعہ ہے۔ یہ تینوں خط پہلی بار 'نقوش' کے اس شمارے کے توسط سے منظر عام پر آئے۔ عابدی صاحب اپنی شہرت کے اعتبار سے برصغیر ہند و پاک کے ممتاز ترین فارسی دانوں، محققوں اور غالب شناسوں میں شمار کیے جاتے ہیں، لیکن اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے فارسی کے جن دو غیر مطبوعہ خطوط کو جنون سے منسوب کیا ہے، ان کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ اتنی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر وہ شخص بہ آسانی اس کا درک کر سکتا ہے جو فارسی کی تھوڑی بہت شد بد رکھنے کے علاوہ معاملات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنے اور ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فی الوقت ان میں سے نمبر ۹ پر درج صرف ایک خط کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ دوسرے خط کے بارے میں بہ شرط فرصت آئندہ کسی وقت غور کیا جائے گا۔

اس خط سے تین اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ پہلی یہ کہ مکتوب نگار نے ایک دن پہلے شام کے وقت مکتوب الیہ سے ان کے گھر پر ملاقات کی تھی۔

۲۔ دوسری یہ کہ مکتوب الیہ بہ اعتبار پیشہ طبیب تھے اور مکتوب نگار اس وقت ان کے زیر علاج تھے۔

۳۔ تیسری یہ کہ مکتوب الیہ کا مکان مکتوب نگار کے مکان سے اس قدر قریب تھا کہ اول مذکور ان کے کراہنے کی آواز بہ آسانی سن سکتے تھے۔

ظاہر ہے کہ غالب نہ تو جنون بریلوی سے جو دہلی سے ڈھائی سو کلومیٹر دور بریلی میں مقیم تھے، شام کے وقت ان کے گھر پر جا کر ملاقات کر سکتے تھے، نہ وہ طبیب تھے کہ بہ غرضِ علاج ان سے رجوع کی ضرورت پیش آتی اور نہ یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے گھر بیٹھے غالب کے کراہنے کی آواز سن لیتے، اس لیے وہ کسی بھی صورت میں اس خط کے مکتوب الیہ نہیں ہو سکتے۔ اس صراحت کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس خط کا مکتوب الیہ کون ہے؟ اس کا جواب بھی ہمیں غالب ہی کی تحریروں میں تلاش کرنا ہوگا۔

منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام ۳، مارچ ۱۸۴۵ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ان کے معالج حکیم امام الدین خاں تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''بہ فرمانِ حکیم امام الدین خاں رگِ باسلیق زدہ ام و آبِ شاہترۂ مروّق می آشامم۔''

آٹھ سال بعد منشی نبی بخش حقیر کے نام ۹/ مارچ ۱۸۵۳ء کے خط میں رقم طراز ہیں:

''حکیم امام الدین خاں سے اب رجوع نہیں کرتا۔ حکیم احسن اللہ خاں صاحب میرے چارہ گر ہیں۔''

اس اگلے ہفتے میں حقیر ہی کے نام مکتوب مورخہ ۱۷/ مارچ ۱۸۵۳ء میں مزید وضاحت فرماتے ہیں

''امام الدین خاں سے میرا اعتقاد، ان کی مجھ پر عنایت بہ دستور، لیکن حکیم احسن اللہ خاں صاحب سے ربط بڑھ گیا اور اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے اور یہ بھی پایۂ علم و عمل میں کسی سے کم نہیں ہیں۔''

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ غالبؔ ابتداء میں بہ غرضِ علاج حکیم امام الدین خاں سے رجوع کرتے تھے۔ بعد ازاں جب حکیم احسن اللہ خاں سے ربط ضبط بڑھا تو وہ ان کے معالج قرار پائے۔ اس لیے زیر بحث خط انہی دونوں طبیبوں میں سے کسی ایک کے نام ہو سکتا ہے۔ اس فیصلہ کن مرحلے پر غالبؔ کا یہ بیان کہ ''انہیں مکتوب الیہ سے قرب مکانی حاصل تھا'' کلیدی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں کا مکان محلّہ حوض قاضی میں سرکی والوں کے بازار میں تھا۔ اس کے علاوہ ان کی ایک حویلی شہر سے باہر مہرولی میں بھی تھی، جب کہ حکیم امام الدین خاں محلّہ بلی ماران میں رہتے تھے، جہاں غالبؔ نے اپنی زندگی کے آخری سولہ سترہ سال گزارے۔ اس طرح یہ بھی طے ہو جاتا ہے کہ اس کے مخاطب حکیم امام الدین خاں ہیں، حکیم احسن اللہ خاں نہیں۔ حکیم امام الدین خاں حکیم شریف خاں کے بیٹے تھے جن کی نسبت سے اطبائے دہلی کا یہ مشہور خاندان ''خاندانِ شریفی'' کہلاتا ہے۔ بلی ماران میں اس خاندان کی حویلیوں اور مکانات کا ایک طویل سلسلہ تھا جس کے کچھ نشانات اب بھی باقی ہیں۔ غالبؔ نے آخر عمر میں جو حویلی کرائے پر لی تھی، وہ اسی خاندان کے ایک فرد حکیم محمد حسن خاں کی ملکیت تھی۔ چنانچہ مرزا ہرگوپال تفتہ کو ۵/ دسمبر ۱۸۵۷ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''صاحب بندہ! میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرائے کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا بلکہ دیوار بہ دیوار ہیں گھر حکیموں کے۔''

علاء الدین خاں علائی کے نام کے ایک خط مورخہ ۱۵/ فروری ۱۸۶۲ء میں بھی انہوں نے حکیم محمود خاں کو جو حکیم امام الدین خاں کے حقیقی بھتیجے تھے، اپنا ''ہمسایۂ دیوار بہ دیوار'' لکھا ہے۔ اس طرح ''قرب مکانی'' کی کیفیت بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

ان بنیادی مسائل کے تصفیے کے بعد آخر میں یہ طے کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ یہ خط کس زمانے میں لکھا گیا ہے۔ اس کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ مرزا صاحب نے حکیم امام الدین خاں کے پڑوس میں قیام کس زمانے میں اختیار کیا اور حکیم احسن اللہ خاں سے رجوع کی ابتدا کب ہوئی؟

۹/ مارچ ۱۸۵۳ء کا ان کا یہ بیان ہمارے سامنے آ چکا ہے کہ ''اب میں حکیم امام الدین خاں سے رجوع نہیں کرتا، حکیم احسن اللہ خاں میرے چارہ گر ہیں۔'' اس اعتبار سے اس خط کا مارچ ۱۸۵۳ء سے پہلے لکھا جانا ایک طے شدہ امر ہے۔ غالبؔ اس سے کم و بیش ایک سال قبل ۱۸۵۲ء کے اوائل میں گلی قاسم جان میں واقع میاں کالے کی حویلی سے حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں منتقل ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۲/ مارچ ۱۸۵۲ء کے ایک خط میں مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:

''میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں۔ بلی ماروں کے محلے میں ایک حویلی کرائے کو لے کر اس میں رہتا ہوں۔''

اس کے صرف دو دن بعد تفتہ ہی کو فارسی میں لکھے ہوئے ایک خط میں مزید وضاحت کے ساتھ رقم طراز ہیں

''بعدِ رحلتِ کالے صاحب درو دیوارِ آں کاشانہ بامن نہ خست۔ درکوچۂ بلی ماراں نشیمنے برگزیدہ ام، امید کہ نعشِ مراہم از دراں کلبہ بیروں آورند۔''

کالے صاحب کا انتقال ۱۵/صفر ۱۲۶۸ھ مطابق ۹/دسمبر ۱۸۵۱ء کو ہوا تھا۔ اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرزا صاحب نے ۹/دسمبر ۱۸۵۱ء اور ۲۲ مارچ ۱۸۵۲ء کے درمیان کسی وقت حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں سکونت اختیار کی ہوگی۔ اس طرح یہ خط ۹/دسمبر ۱۸۵۱ء کے بعد اور ۹/مارچ ۱۸۵۳ء سے قبل کسی وقت لکھا گیا ہوگا۔ سرسری طور پر اسے ۱۸۵۲ء کی تحریر قرار دیا جاسکتا ہے۔

'نقوش' کے متذکرۂ صدر خطوط نمبر میں جناب کسری منہاس نے ''جنون و غالب'' کے زیرِ عنوان جنون کی ایسی پچیس غزلیں پیش کی ہیں جن کے بعض اشعار پر غالب کی اصلاحات درج ہیں۔ ان میں بیس غزلیں اردو کی ہیں اور پانچ فارسی کی۔ مضمون نگار موصوف کے مطابق یہ غزلیں ایک مجموعے کی صورت میں نیشنل میوزیم، کراچی میں محفوظ ہیں۔ غالب اور جنون نیز غالب اور مولوی نجف علی (اصلاً حکیم غلام نجف) کے درمیان مراسلت کے سلسلے کی متذکرۂ بالا اٹھارہ تحریروں میں سے بھی دو پر نیشنل میوزیم کے اندراج نمبر N.M 1965.10 اور N.M 1965 11 موجود ہیں۔ اس بنا پر قیاس یہ ہے کہ یہ تمام تحریریں میوزیم کو کسی ایک ہی شخص سے حاصل ہوئی ہوں گی۔ ان میں سے دو رقعات کا غالب بہ نام نجف علی (اصلاً حکیم غلام نجف خاں) اور دو کا مولوی نجف علی (اصلاً حکیم غلام نجف خاں) بہ نام غالب ہونا میوزیم کے کارپردازوں پر ظاہر ہو گیا، اس لیے انہیں چھوڑ کر باقی تمام تحریروں کو کسی غور و فکر کے بغیر غالب بہ نام جنون کے زیرِ عنوان درجِ فہرست کر دیا گیا۔ محترم وزیر الحسن عابدی نے بھی انھی فہرست سازوں کا اتباع فرمایا اور اس طرح حکیم امام الدین خاں کے نام کا یہ خط جنون بریلوی کے موسوم مکتوبات میں شامل ہو گیا۔

''جنون بریلوی سے منسوب غالب کا ایک فارسی خط''

از ڈاکٹر سید حنیف نقوی مطبوعہ مباحث لاہور۔ کتابی سلسلہ ۱۔ جنوری تا جون ۲۰۱۲

مولوی مفتی سید احمد خان صاحب

ان کا خاندان دراصل سنبھل کا رہنے والا تھا، لیکن انہوں نے نقلِ مکان کر کے پہلے بریلی میں اور بالآخر بدایوں میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ فاضل آدمی اور حاذق طبیب تھے۔ خدا نے حسنِ ظاہری و باطنی دونوں سے بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا۔ شجاعت میں بھی فرد تھے۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد انگریزی حکومت کی ملازمت کر لی تھی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے آغاز کے وقت وہ تحصیل دار تھے۔ شورش شروع ہوئی تو اپنے وطن بریلی آ گئے۔ اب انہوں نے کھلم کھلا سیاسی ہنگامے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا اور خان بہادر خان حافظ الملک حافظ رحمت خان کے پوتے کی قائم کردہ حکومت میں بریلی میں مفتی مقرر ہو گئے۔ جب دوبارہ انگریزی تسلط قائم ہو گیا تو یہ بھی گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور کالے پانی کی سزا ہو گئی۔ وہیں جزیرہ انڈمان میں انتقال ہوا۔ لاولد

رہے۔

غالب کے ایک دوسرے شاگرد قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی سے ان کی حقیقی بھانجی منسوب تھیں۔ممکن ہے یہ تعلق بھی غالب سے تلمذ کا ذریعہ ثابت ہوا ہو۔جنون کے نام ایک خط میں غالب نے اِن کا ذکر کیا ہے اور منشی نبی بخش حقیر کے ایک خط میں بھی ان کا نام "سخی گراں مایہ" کی حیثیت سے ہے۔صرف دو منظوم دعائیں جو انہوں نے حضرت رسول ﷺ کے حضور میں قیامِ انڈمان کے زمانے میں لکھی تھیں، ملتی ہیں، بقیہ کلام اسی ہنگامے میں ضائع ہوگیا۔ان دعاؤں کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

قسم ہے تجھے اے نسیم سحر مری بے کسی پر ذرا رحم کر
میسر نہیں کوئی پیغام بر مدینے میں ہووے جو تیرا گزر
تو میری طرف سے زمیں چوم کر یہ کہنا بدر گاہ خیر البشر

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

۲

اتنے میں تصور کو ذرا رحم جو آیا نقشے کئی تصویروں کے وہ سامنے لایا
اس غم میں کہ اس رشک قمر کو نہیں دیکھا نالے بھی کیے کیا کہ بہت خوب سا رویا
کہنے لگا یوسف ہیں یہ موسیٰ ہیں یہ عیسیٰ میں نے کہا ان میں سے کسی پر نہیں شیدا

دل کو مرے تسخیر کیا اُس عربی نے
مکی مدنی ہاشمی و مطلبی نے

تلامذۂ غالب۔ازمالک رام

ارسطو جاہ مولوی رجب علی کے نام

اے (میرے) رب، اس علم کو جو وظیفۂ یا علیؑ سے بہرہ یاب نہ ہو، سدا آہ وزاری ہی میں مبتلا رکھنا اور میرے ذکرِ یا علیؑ میں مشغول ہونٹوں کو نجف کے حلقہ آزادگاں کے علاوہ کسی (دوسرے) قبیلہ کی نغمہ سرائی نصیب نہ کرنا۔عرصے سے خواجۂ کرم پیشہ مبارک فطرتی، خوش خوئی، صائب الرائی اور ندرت فکر کا حد بیان سے زیادہ شہرہ سنتا رہا ہوں۔اور (آپ سے) حبّ علیؑ کے واسطے سے جو معنوی پیوستگی ہے، (اس کے سبب) ہمیشہ یہ سوچتا رہا ہوں کہ کسی نہ کسی طرح جناب سے شناسائی حاصل ہو جائے۔چونکہ طلب صادق تھی، سبیل

بھی پیدا ہوگئی۔ لالہ جواہر سنگھ نے بذریعہ تحریر مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ جناب عالی کو بھی کہ شاعر ہونے کے ساتھ شاعر نواز بھی ہیں غالبؔ آشفتہ نوا کے کلام سے وہی رغبت ہے جو ایک مہر جہاں تاب کو ایک ذرہ عاجز وحقیر سے ہوتی ہے۔ (چنانچہ) جناب کی بزم میں (میرے) مجموعہ اشعار کی ترسیل سے (تعلق کی) راہ کھل گئی۔ اور وفور شوق نے اس حد تک توقعات بڑھا دیں کہ شادمانی جواب خاطر نشین ہوگئی۔ دو ہفتے بعد اس سودائی دل میں یہ خیال آیا کہ اگر کتاب کا پہنچنا بہر طور پسند خاطر ہو تب بھی اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ اس تحفے کو جواہر سنگھ کو دکھائیں (اور کہیں) کہ یہ بیاض شعر تمہارے دوست کا تحفہ ہے اور وہ خوش خصال ان کا کہنا مجھے لکھ بھیجے۔ اگر التفات کی جگر تشنگی شدید ہے، بہتر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خموشی میں گفتگو کرنے والے یعنی قلم کا دامن پکڑا جائے کہ (بذاتِ خود) آسمانِ سخن کا فرشتہ ہے تاکہ وہ سجدہ ہائے نیاز کہ جو میری پیشانی میں تقدیر ازلی سے پیوست ہیں، (کاغذ پر) نقل وترسیل کر کے بزم ازمِ رشک کے گوشہ بساط میں بکھیر دے۔

اشعار:

۱۔ میں تجھ سے زندہ ہوں اور تیرا نادیدہ سراپا میرے تصور میں اپنی جان کے مترادف ہے۔

۲۔ اسلام کی شرط ایمان بالغیب ہوتی ہے (سو) اے میری نظر سے دور (جان لے) کہ تیری محبت ہی میرا ایمان ہے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ (مجھ جیسے) خاک نشینوں کی خبر گیری میں کوئی غفلت نہیں ہوگی اور اس خط کے جواب میں کہ خطِ بندگی کا حکم رکھتا ہے، لوگوں میں میری عزت بڑھے گی۔ وہ یوں کہ جب پیش کش پہنچے گی تو قبول بندگی کا پروانہ بھی صادر ہوگا اور (ملحوظ رہے کہ) ارسال خط میں میرا پتا، منزل ومسکن کا نہ جاننا تذبذب کا باعث نہ ہو اور آپ اس مخمصے میں نہ پڑیں کہ میرے نام کا خط بھی خواہ مخواہ جواہر سنگھ کے خط سے منسلک کرنا ضروری ہے، وراس پیچ وتاب کے بغیر بھیجا نہیں جاسکتا۔ ہر چند کہ میں دلّی کے مشاہیر میں نہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں اس کا شناسا بھی نہیں۔ (چنانچہ) خط کے پتے پر اگر صرف شہر کا، جہاں رہتا ہوں اور میرا نام لکھ دیا جائے تو یہ کافی ہے۔ (یعنی) اگر یہ لکھ دیا جائے کہ یہ عنایت نامہ دہلی میں، اسد اللہ کو ملے (تو) کوئی شک نہیں کہ اس بندۂ درگاہ کو نہ پہنچے۔ میرے مہربان آغا عبدالباقی اور کرم فرما مولوی محمد گل شاہ میں سے کوئی فرزانہ یگانہ بھی اگر انجمن نو آئین میں موجود ہو تو میرا اسلام قبول کر کے مجھ پر احسان کرے۔ والسلام مع التعظیم والاکرام۔ اسد اللہ سیاہ بخت کی طرف سے۔ مکتوبہ سہ شنبہ ۱۸۔ مئی ۱۸۴۷ء۔ محمد اسد اللہ خان غالبؔ۔

ضمائم

(اردو ترجمہ)

ضمیمہ۔۱

متنازع مکتوب الیہ کے نام (۱)

خط۔۱

(اے) گمناموں کو (اپنے) خط سے نامور بنا دینے والے (شخص)۔ (آپ کے) محبت نامے کے مطالعے نے دل کو اخلاص اور نظر کو روشنی عطا کی۔ اصلاح وتراش خراش کے بعد (یہ) خط پہنچ رہا ہے۔ اگر جناب عالی رنجیدہ خاطر نہ ہوں تو عرض یہ ہے کہ فدوی کو اب اردو غزل کا شوق اور اس اسلوب میں اظہار کا ذوق نہیں رہا۔ (اب) جو کوئی بھی میری طرف رخ کرتا ہے تو میں اس کو فلاں شخص کے کہ عارفؔ تخلص کرتا ہے اور جو میرا بیٹا اور شاگرد ہے، حوالے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ محبت آثار، فلاں صاحب کے ساتھ بھی جن کو دوستوں کے زمرے میں ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتا، ایسا ہی ہوا ہے۔ اور جہانِ مہر ووفا لالہ فلاں کو بھی عارفؔ تازہ گو کے سپرد کر دیا ہے۔ لیکن وہ بے چارہ بھی کیا کرے کہ عرصے سے بیمار ہے اور طرح طرح کے عوارض میں گرفتار ہے ورنہ نکتہ سنج طبیعت اور فکر دور رس کا مالک ہے اور اس کام سے عہدہ برآ ہونے کی اس میں پوری صلاحیت ہے اور تصحیح واصلاح کے ذریعے نئے گل بوٹے کھلا سکتا ہے۔ البتہ یہ دعا کریں کہ قید غم سے مجھے رہائی ملے اور خوش خصال عارف بھی تندرست وتوانا ہو جائے۔ قلم کا اس طرز تحریر کا اختیار کرنا اس غرض سے ہے کہ آپ کو یہ باور ہو جائے کہ میں نے امتثال امر میں اپنے سارے قوی یکجا کر کے آپ کے طرز فکر اور اسلوب اظہار کا مشاہدہ کیا تا کہ آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ میں نے توجہ نہیں دی اور آپ کے کلام سے صرف نظر کیا۔ اب اس کے بعد جو کچھ بھی آپ ارسال کرینگے وہ دوسرے دوستوں کے مسودات کی طرح میرے پاس رہیگا۔ اور جب عارفؔ صحتمند ہو جائے گا تو وہ ان مسودوں کو کھول کر کلام کی اصلاح کر کے درست کر دے گا۔ بیدلؔ نے، خدا اسے جنت نصیب کرے کیا خوب کہا ہے۔

جہد ہا درخورِ توانائی است
ضعف یکسر فروغ می خواہد

ترجمہ: ہماری کوشش تو توانائی کے لائق ہے لیکن ضعف یکدم رہائی چاہتا ہے۔

ضمیمہ۔۲

متنازع مکتوب الیہ کے نام

مشتاق احمد تجاروی

ماہنامہ آجکل نئی دہلی فروری ۲۰۰۶

خط۔۱

اردو ترجمہ۔

کرم گستر بندہ پرور کل اتوار کے دن اور ۲۴ اگست ۱۸۵۶ء کو آپ کا خط موصول ہوا۔ کاغذ کی تہہ کھولی اور پڑھا، س میں لکھا تھا کہ نواب امراؤ دولہا نے سرکار انگریزی کی ممانعت کی وجہ سے آپ کے نام خط نہیں لکھ اور یہ ہنڈوی در پچ س روپے کتابوں کی خرید کے لیے ارس ل کیے۔ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہنڈوی اس کاغذ کی تہہ میں نہیں تھی۔ آپ کے اوپر استہزا کا گمان نہیں کیا ج سکتا۔ غ ب اً خط ملفوف کرتے وقت ہنڈوی بھول گئے اور وہ کاغذ وہیں رہ گیا اور اچھا ہی ہوا، گر پہنچتا تو میں اس کو بوسہ دیتا اور سر اور آنکھوں پر رکھتا اور پھر واپس کر دیتا۔ اس کاغذ کو تلاش کیجئے اور نواب صاحب کو دیجئے اور کہئے کہ اس کو اس ساہوکار کو جس سے ہنڈوی لی تھی واپس دیں اور اس سے (رقم) واپس لے لیں اور خبردار خبردار یہ کام دوبارہ نہ کریں اور میری طرف سے یہ شعر نو ب صاحب کو سن دیں

ماشمارا　　اہل　　علم　　انگاشتیم
خود　　غلط　　بود　　آنچہ　　ماپنداشتیم

ترجمہ: ہم نے تم کو اہل علم سمجھا لیکن ہم نے جو سمجھا وہ غلط تھا۔

قصہ یہ ہے کہ تقریباً چار ماہ قبل ایک دن ڈ کیہ آیا اور مجھے ایک خط دیا جس پر میر پتہ تھا اور کاتب کا نام نظر الدولہ نواب باقی محمد خاں بہادر عرف امراؤ دولہا تھا۔ اس میں میرے مجموعہ نظم ونثر اور اس کے بھوپال سے شائع ہونے سے متعلق مذکور تھا چونکہ میرا کلام میرے پاس ہوتا ہے۔ دوسرے دن میں نے نواب صاحب کے خط کا جواب لکھ ور ڈاک کے سپرد کر دیا۔ چند دن کے بعد یک کت ب جس کا نام مہر نیم روز ہے حصل ہوئی۔ میں نے اس کا پارسل بہ سبیل احتیاط بیرنگ بھیجی، جب عید الضحٰی آئی تو دو قصیدے جو میں نے بادشاہ اور ولی عہد کی مدح میں کہے تھے اور مطبع سلطانی سے شائع ہوئے تھے، نواب صحب کی خدمت میں بطور ہدیہ ارس ل کیے، میں اس خیال میں تھا کہ پنج آہنگ اور دیوان فارسی وارد و بھی ارسال کروں۔ اب جب کہ نواب صحب نے ہمارے ہدیہ کو ہدیہ نہ گرد نا اور ہم کو کتب فروش سمجھا تو میں اپنی عزیمت پر شرمندہ ہوں اور حیرت میں ہوں کہ نواب صحب نے بتذ کیا سمجھ اور آخر میں ن کے دل میں کیا

گزری کہ جب انہوں نے مجھے خط لکھا تھا اس وقت سرکار کی جانب سے ان پر پابندی نہ تھی اور جیسے ہی یہ حکم صادر ہوا تو ہنڈوی بھیجنے کا بیجا قصد اور خط نہ لکھنے کا عذر۔ جب کہ اس سے پہلے خط لکھنا منع نہیں گیا ہے۔ بہرحال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ نواب صاحب جس طرح سخن فہم نہیں ہیں، اسی طرح آدم شناس بھی نہیں ہیں اور ہم کو ایسے شخص سے کوئی واسطہ نہیں۔

والسلام مع الاکرام۔

،ز اسد اللہ لکھا گیا اور بھیجا گیا بروز پیر ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۷۲ء

۲۵ اگست ۱۸۵۶ء، نجم الدولہ وغیرہ

ضمیمہ۔۳

نامعلوم الاسم

خط۔۱

آرزوئیں بخشنے والے اور آرزومند کی بخشش کرنے والے خدا کا شکر کہ شفیقِ مکرم مولوی اشفاق حسین اگر چہ جاتے وقت غیروں کی طرح چلے گئے اور رسم وداع کا پاس نہیں کیا لیکن اس کے بعد واپس گھر پہنچ جانے پر خط لکھ بھیجا اور اس جان بیوا زخم پر نہایت خوبی سے مرہم لگا دیا اور دوسرا شکر اس امر پر کہ وہ کام جو ان کے ذمے تھا اسے فراموش نہیں کیا اور اس عاجز کو کامیابی کی صورت نظر آئی۔ چو اچھا ہے گر اسی طرح کبھی کبھی بذریعہ خط یاد کر لیا کریں اور یہ کوشش کریں کہ محبت بڑھتی رہے اور دوستی پائیدار ہوتی رہے۔ (خط میں) میرا حال اور میری بیماری کا احوال پوچھا ہے۔ مطمئن رہیں کہ میں اب بیماری سے فراغت اور دوا سے نجات پا چکا ہوں۔ بیماری جا چکی ہے البتہ کمزوری باقی ہے۔ جب ہر چیز گذشتنی ہے تو یہ بھی باقی نہیں رہے گی۔ والا جاہ نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر اور عالی مقام غیاث الدولہ رضی الدین حسن خان بہادر، نیز بلند اقبال میرزا زین العابدین خان بہادر سلام کہتے ہیں اور اس یاد آوری کے شکریے میں مجھ بے نوا کے شریک ہیں۔ والسلام۔ از اسد اللہ تحریر کردہ بروز منگل رمضان کی پانچویں اور ستمبر کی نویں تاریخ کو۔

☆☆☆

ضمیمہ۔۴

بنام میر سید علی خان بہادر عرف حضرت جی

خط۔۱

فرد: در دل بہ تمنائے قدم بوسِ تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاقِ ادبم را

ترجمہ: (میرے) دل میں تیری قدم بوسی کی تمنا کے سبب اک شور بپا ہے۔ تیرے اشتیاق نے میرے ذوق ادب کو کیسا نکھار دیا ہے۔

مرکز راستاں کے قدموں میں جان نچھاور کرنے (کے خیال) کو اپنے دل میں گزارتا ہوں اور اگر گستاخی نہ ہو تو کعبۂ رہرواں کے سر کے گرد طواف کرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ اگر ادب اجازت دے تو دل آویز خطوط کا ورود اور نکتہ ہائے الفت انگیز کی سماعت، جو مجھے میری خوش قسمتی کی امید دلاتا ہے، مجھے ہزار بار مبارک ہو۔ چونکہ آپ نے (مجھے) اپنے دیدہ و دل میں جگہ دی ہے (تو اب) بلند میلانی کے سبب اگر میرا سر آسمان سے جا لگے تو بجا ہے اور اگر خودنمائی کے باعث مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آئے تو جائز ہے۔ طالع یار خان صاحب نے اُس دریائے کرم کی عنایتوں کے شمار سے مجھے خود سے بے خود اور میری ارادت میں، بے حد و حساب اضافہ کر دیا ہے۔ بھلا میں اس التفات کے لائق کہاں ہوں اور نیکی میں بھلا میرا کیا مرتبہ کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے دیدار کا تمنائی ہو۔ اور وہ بھی ایسا بلند مرتبہ اور گراں مایہ شخص کہ جس کا جوہر سات سمندروں کی آبرو ہو اور جس کا خمیر آٹھ گلشنوں کا رنگ و بو۔ شبلی، ماسوائے اپنے انقطاع نظر کے باوجود، عبادت خانے میں اُس کے قدموں کی تمنا میں چشم براہ (ہے) اور منصور اس سارے زمزمۂ اناالحق کے ہنگامے کے باوصف، اس کی بات چیت کی آرزو میں گوش برآواز ہے۔ سبحان اللہ وہ ذات کہ تجلی طور بھی جس کے حسن کی شمع پر پروانگی کے لائق ہو مجھ سے 'ارنی' کہہ رہا ہے اور وہ شخص کہ ہر نظر جس کے دیدار کی تاب نہیں رکھتی مجھ سے طلبگارِ دیدار ہے۔ کیا کروں ایک عمر سے میری توانائی ایک معاملے میں اُلجھی ہوئی ہے اور مقصد کے شوق کی شدت نے میرے پیراہن میں چنگاری ڈال دی ہے۔ اور وہ کام بہت نازک اور وہ مقصد بہت مشکل ہے کہ اس سے پہلے چند سال دہلی ریزیڈنٹی کے محکمے میں ایک کشاکش کی حالت میں رہا اور ایک طویل عرصے تک فرمانروایانِ کلکتہ کی عدالت میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اور اب دو سال ہوئے ہیں کہ وہ مقدمہ دیار لندن میں گیا ہے اور اُس عدالت میں زیر غور ہے۔ جب تک اُس ملک سے کوئی جواب اور اُس عدالت سے کوئی حکم نہیں آ جاتا، میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور دہلی سے باہر نہیں جا سکتا۔ اگرچہ ہوں کہ اس مقدمہ کی کچھ حقیقت بیان کروں تو طوالت کے سبب ایک طرف کہنے والا

رشتہ سخن ہاتھ سے کھو بیٹھے گا تو دوسری طرف گوہر راز سننے والے کے ہاتھ (بھی) نہ آئے گا۔ غرضیکہ آنکھ منتظر ہے اور دل مجتمع۔ چنانچہ اس کشمکش میں کہ جس نے میرے ظاہر و باطن کو درہم و برہم کر رکھا ہے، سفر نہیں کر سکتا۔ لیکن (اتنا) سمجھتا ہوں کہ انتظار کا وقت ختم ہو چکا ہے اور کشودِ کار کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ اب خیال یہ ہے اور سوچ یہ رہا ہوں کہ جب و، یت سے اس عداوت کو ختم کر دینے والا حکم پہنچ جائے تو بجز اتنے وقت کے کہ سفر کی ضروریات کی ،نجام دہی میں لگے، (مزید) دہلی میں نہ ٹھہروں اور عزمِ گوالیار ہو جاؤں اور جہاں راہرو پاؤں سے چلتے ہیں، میں سر کے بل چلوں۔ اُمید کرتا ہوں کہ جناب عالی کے دسترخوانِ فیض کے پرورش یافتوں اور ریزہ برداروں کو یہ حکم دے دیا جائے گا کہ خاص خاص اوقات میں مجھے ورمیری مشکل کو تصور میں ۔ کر اس طرف توجہ دیں کہ جلد ہی میرا کام روا ہو جائے .ورمیری مراد پوری ہو تا کہ میرے پائے راہ پیما کو اپنی چال میں کشادگی ملے اور گوالیار کا راستہ میری رہ گذر بن جائے۔

واضح ہو کہ طالع یار خاں کے پہنچنے کے تین دن بعد وہ حکم نامہ کہ جس میں رنگ و بے رنگی کی بحث کی تحریر کے علاوہ کچھ نہیں تھا، ڈ ک کے ذریعے مجھے مد۔ اس کو میں نے بازوئے ہمت کا تعویذ بنالیا ہے اور اس طرح اُمیدوار ہوں کہ اس خط کے پہنچنے سے چند دن پہلے سید امانت علی صاحب پہنچ کر (میرا) آداب نیاز آپ کے معرضِ ایجاب میں اور فارسی کی غزلیں پیشگاہِ التفات میں پہنچا چکے ہوں گے۔ ان ہی دنوں میں عنایت کرنے والے جناب میجر جان جاکوب صاحب بہادر نے مجھے دو خط تعمیرِ دولت خانہ کی تاریخ کی طلب کے لیے ارساں کئے ہیں ان دونوں خطوں کے جواب میں لکھا گیا ورق، کہ قطعۂ تاریخ پر مشتمل ہے، معذرت نامہ سے منسلک کر کے ارسال کیا جا رہا ہے اور چونکہ لفافہ بند نہیں کیا گیا ہے، پڑھا جا سکتا ہے اور مکتوب الیہ کو پہنچایا جا سکتا ہے مکرمی و مطاعی جناب حکیم رضی الدین خاں صاحب کہ مجھ پر لطف و عنایت کرتے ہیں، ور اس غمزدگی میں ان کا دیدار ہی میری شادمانی ہے، سد مِ نیاز کہہ رہے ہیں اور میری طرح طالب دیدار ہیں۔ زیادہ حدِّ ادب۔

پنج آہنگ مطبوعات مجلس یادگار غالب،

پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۹

ضمائم

(حواشی)

ضمیمہ۔۱

متنازع مکتوب الیہ کے نام (۱)

حنیف نقوی

ماہنامہ آجکل نئی دہلی، مارچ ۲۰۱۱ء

ہفت روزہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی، شمارہ ۲۲/ تا ۲۸/فروری ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی کا ایک مضمون بہ عنوان ''مرزا غالب کا ایک فارسی خط منیرؔ شکوہ آبادی کے نام'' شائع ہوا ہے، جس میں نواب رحمت اللہ خاں شروانی کے کتب خانے (واقع علی گڑھ) کے ایک قلمی نسخے موسوم بہ ''رقعاتِ منیر'' کے حوالے کو کافی سمجھ کر اس خط کے منیرؔ شکوہ آبادی سے انتساب کی تائید میں کوئی اور دلیل پیش کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

اس خط میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے یہ اندازہ کیا جا سکے کہ اس کے مکتوب الیہ منیرؔ شکوہ آبادی ہو سکتے ہیں۔ البتہ پادری فنڈر صاحب کے خط کے عنوان کی روشنی میں (جوان رقعات منیر میں شامل ہے) زیادہ سے زیادہ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مکتوب الیہ اس مجموعۂ خطوط کے مرتب کا ہم وطن یعنی لکھنؤ کا باشندہ یا اس کا کوئی بیرونی دوست ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ یہ خط غالبؔ ہی کا لکھا ہوا ہے تاہم اس میں لفظ ''فلاں'' کا یکے بعد دیگر چار بار استعمال حیرت انگیز ہے۔ غالبؔ کے خطوط میں اس طرح غیر ضروری طور پر اخفائے حال یا ابہام پیدا کرنے کی کوئی اور مثال نظر نہیں آتی۔ خصوصاً پہلی بار ''فلاں متخلص بہ عارفؔ'' میں اس لفظ کا استعمال کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ''الطاف نشان فلاں'' کا اشارہ ممکن ہے کہ حکیم سعید الدین کاملؔ بدایوانی کی طرف ہو جو مولوی عزیز الدین عزیزؔ و صادقؔ بدایوانی شاگردِ غالبؔ کے بڑے بھائی تھے اور عارفؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ اس کا امکان ہے کہ انہوں نے غالبؔ ہی کے مشورے پر عارفؔ سے رجوع کیا ہو۔ ''جہانِ مہر و وفا، اللہ فلاں سلمہٗ کی نشاں دہی بہ ظاہر محال ہے۔

عارفؔ کا انتقال ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱/۵۲ء) میں ہوا۔ وفات سے پہلے وہ کافی دنوں تک سخت بیمار رہے تھے۔ یہ خط غالباً مرض الموت کے اسی زمانے میں لکھا گیا ہے۔ اس خط کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خطوط کا یہ مجموعہ یا تو عارفؔ کی علالت کے انہی ایام میں یا اس کے بعد کسی وقت مرتب ہوا ہوگا۔

☆☆☆

ضمیمہ۔۲

متنازع مکتوب الیہ کے نام

مشتاق احمد تجاروی

ماہنامہ آجکل نئی دہلی فروری ۲۰۰۶

اس خط کے مکتوب الیہ معتمد الدولہ آغا میر کے بیٹے نواب سید باقر علی خان ہیں۔ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امرؤ الدولہ نواب باقی محمد خان (نواب شاہ جہاں بیگم کے شوہر اور نواب سلطان جہاں بیگم کے والد) سے بھی مرزا غالب کی مراسلت رہی۔ بلکہ یہ خط انہیں کے بارے میں ہے۔

معین الدولہ انتظام الملک نواب سید باقر علی خاں بہادر ظفر جنگ، معتمد الدولہ آغا میر کی خاص محل نواب بیگم صاحبہ کے دوسرے بیٹے تھے۔ ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۱۸ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور جب معتمد الدولہ وزارت سے معزول ہو کر کانپور چلے گئے تو والد کے ہمراہ انہوں نے بھی کانپور میں سکونت اختیار کر لی۔ ابھی ان کی عمر صرف چودہ برس تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، بڑے سوتیلے بھائی نواب امین الدولہ نے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا، ۱۸۳۵ء میں معتمد الدولہ کی املاک تقسیم ہوئی اور نواب باقر علی خاں بھی اپنے حصے کی ملکیت کے مالک ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کی سعی انقلاب میں لکھنؤ چلے گئے تھے، بعد میں ان پر بغاوت میں شرکت کا الزام لگا۔ گرفتار ہوئے جملہ مال و اسباب ضبط ہو گیا اور کانپور کی جیل میں محبوس کر دیے گئے، لیکن ان کے بغاوت میں شریک ہونے کے ثبوت نہیں ملے اس لیے ان کو رہا کر دیا گیا۔ اس پر منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ رہائی کہا جس سے ۱۲۷۵ھ کا سن برآمد ہوتا ہے۔

رہائی کے بعد لکھنؤ چلے گئے جیسا کہ قیصر التواریخ کے اندراج سے پتا چلتا ہے۔ تاہم سکونت کانپور میں ہی رہی اور آخر میں ۱۲۹۱ھ میں انتقال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان واقع محلہ گوالٹولی میں دفن ہوئے۔

نواب باقر علی خاں بڑے علم دوست اور صاحب فضل تخصیت کے مالک تھے۔ متعدد دربار شعرا کو ان سے توسل تھا۔ منیر شکوہ آبادی ایک عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ مفتی میر عباس جب کانپور آتے تو انہی کے یہاں قیام کرتے، مرزا غالب سے بھی ان کے روابط تھے۔ مرزا نے اپنی کتاب قاطع برہان مفتی میر عباس کو انہی کے پتے پر ارسال کی، چنانچہ لفافہ پر یہ عبارت درج ہے
''در کانپور بہ مکان نواب باقر علی خاں صاحب موصول و بخدمت خدامی جناب مفتی میر عباس صاحب زادہ مجدہ مقبول و در بارہ بخشیدن اطلاع رسیدن ارمغان عنایت مبذول باد، ۱۴ اگست ۱۸۶۲ء'' اس کتاب میں مرزا غالب کا ایک شعر تھا

از من بمن سدم و ہمہ ازاں بمن پیام
رنج دلی مباد پیام و سدم ما

اس شعر کو نواب باقر علی خاں نے پسند کیا۔اس کی اطلاع مفتی میر عباس نے مرزا کو دی تو مرزا نے اس پسندیدگی کے لیے نواب باقر علی خاں کا شکریہ ادا کیا۔

پروفیسر حنیف نقوی
ماہنامہ آجکل نئی دہلی فروری ۲۰۰۸

مشتاق صاحب کی یہ دریافت جس مضمون کے توسط سے سامنے آئی، وہ ''مرزا غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی خط'' کے عنوان سے ماہنامہ ''آج کل'' کے فروری 2006ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔یہ مضمون تمہید کے علاوہ مندرجہ ذیل چار حصوں پر مشتمل ہے

(۱) اصل فارسی خط، (۲) خط کا اردو ترجمہ

(۳) مکتوب الیہ (سید باقر علی خاں) کے حالات (۴) نواب باقی محمد خاں کے حالات

تمہید کے تحت مختصراً زیرِ بحث خط تک رسائی کا ذکر کرنے کے بعد اس کے متعلقات کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی گئی ہیں

''اس خط کے مکتوب الیہ معتمد الدولہ آغا میر کے بیٹے نواب سید باقر علی خاں ہیں۔مرزا غالب نے بعض خطوط میں ان کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ان کے نام یہ واحد دستیاب خط ہے۔اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امراؤ الدولہ (کذا) نواب باقی محمد خاں (نواب شاہ جہاں بیگم کے شوہر اور نواب سلطان جہاں بیگم کے والد) سے بھی مرزا غالب کی مراسلت رہی، بلکہ یہ خط انہی کے بارے میں ہے۔''

جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا گیا، نواب باقی محمد خاں نواب شاہ جہاں بیگم رئیسۂ بھوپال کے شوہر تھے۔نواب صاحب موصوف ماہ شوال سنہ 1238ھ (جون، جولائی 1823ء) میں پیدا ہوئے تھے۔شاہ جہاں بیگم 6 جمادی الاولی 1254ھ (30 جولائی 1838ء) کو پیدا ہوئیں۔ان دونوں کے عقدِ نکاح کی رسم 11 ذی قعدہ 1271ھ (26 جولائی 1855ء) کو ادا ہوئی۔اس وقت نواب صاحب کی عمر 32 سال اور بیگم صاحبہ کی عمر 17 سال تھی۔دونوں کی عمروں میں 15 سال کے اس فرق کے علاوہ یہ نواب صاحب کا دوسرا نکاح تھا۔ان کی پہلی بیوی بہ قیدِ حیات تھیں۔علاوہ بریں ایک حرم بھی محل میں رونق افروز تھی اور ان دونوں سے کئی اولادیں پیدا ہو چکی تھیں۔ایک رئیسۂ وقت کا اس طرح اپنی عمر سے کافی بڑے اور صاحبِ ازواج و اولاد شخص کے حبالۂ نکاح میں آنا جو بہ ظاہر ایک غیر معمولی واقعہ معلوم ہوتا ہے، دراصل ایک سوچی سمجھی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا۔اس کا پس منظر یہ تھا کہ نواب شاہ جہاں بیگم کی والدہ نواب سکندر بیگم جب اپنے والد کی وفات کے بعد وارثِ تخت و تاج قرار پائیں تو ان کی عمر صرف ڈیڑھ سال تھی۔کمپنی بہادر کی

سرکار نے ان کی مسند نشینی کی تصدیق کرتے ہوئے ان کی والدہ قدسیہ بیگم کو ریجنٹ (کارگزار حکمران) مقرر کر دیا اور یہ شرط عائد کر دی کہ جب سکندر بیگم کی شادی ہو جائے گی تو ان کے شوہر والیِ ریاست قرار پائیں گے۔ جمعہ، 18 ذی الحجہ 1250ھ (17 اپریل 1835ء) کو سکندر بیگم کی شادی نواب جہاں گیر محمد خاں سے ہو گئی۔ بعد ازاں جب وہ عمر کی مطلوبہ منزل کو پہنچ کر ازروئے قانون خود اختیاری کی مستحق ہو گئیں تو قدسیہ بیگم کی ریجنسی ختم کر کے حسبِ قرارداد نواب جہاں گیر محمد خاں کی فرماں روائی کا اعلان کر دیا گیا۔ سکندر بیگم نے بہ درجۂ مجبوری اس فیصلے کو تسلیم تو کر لیا تھا لیکن وہ اس سے خوش نہیں تھیں۔ یہی سبب تھا کہ نواب جہاں گیر محمد خاں سے ان کے تعلقات زیادہ خوش گوار نہیں رہے۔ 28 ذی قعدہ سنہ 1260ھ (10 دسمبر 1824ء) کو جہاں گیر محمد خاں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد نواب شاہ جہاں بیگم جن کی عمر اس وقت ساڑھے چھ سال تھی وارثِ سلطنت قرار پائیں اور کمپنی بہادر نے ان کی جانشینی کو باقاعدہ منظوری عطا کر دی۔ لیکن ریاست کی اصل حکمراں سکندر بیگم تھیں، نواب جہاں گیر محمد خاں نہ تھے، اس لیے جب انہیں بہ حیثیت ریجنٹ اپنی انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع ملا اور کمپنی بہادر کے حکام بھی ان کے حسنِ انتظام اور کارکردگی کے قائل ہو گئے تو انہوں نے اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ بالآخر گورنمنٹ نے اصولی طور پر ان کے استحقاق کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ نواب شاہ جہاں بیگم پر چھوڑ دیا۔ جب انہوں نے بھی اپنی والدہ کے حق میں دست برداری سے اتفاق کر لیا تو وائسرائے نے 6 جمادی الاخریٰ 1276ھ (31 دسمبر 1859ء) کو باضابطہ فرمان جاری کر کے سکندر بیگم کی حکمرانی کا اعلان کر دیا اور ضروری کارروائیوں کے بعد یکم مئی سنہ 1860ء کو ان کی مسند نشینی کی رسم ادا کر دی گئی۔

حسنِ اتفاق سے 12 اپریل سے 2 مئی سنہ 2007ء تک بھوپال میں قیام کے دوران اس خط سے متعلق مختلف تصفیہ طلب امور کے حوالے سے ریاست کی مختلف تاریخیں، فرماں رواؤں کی سوانح عمریاں اور شعرا کے تذکرے اطمینان کے ساتھ دیکھنے اور ان سے ضروری معلومات حاصل کرنے کا موقع ملا، لیکن تمام تر سعی و کاوش کے باوجود یہ معمہ حل نہ ہو سکا کہ پابندی کے بعد نواب باقی محمد خاں کی طرف سے مراسلت و مکاتبت کی خدمت کس شخص کے سپرد تھی۔ البتہ قیاس کی رہنمائی میں جس ایک شخص پر بار بار نگاہ ٹھہری، وہ مولوی امداد علی امداد خیر آبادی ہیں۔ مولوی صاحب موصوف ریاست کے نہایت معتمد علیہ اور آزمودہ کار ملازمین میں سے تھے اور خاندانِ شاہی کے کئی افراد کے ذاتی عملے میں شامل رہ چکے تھے۔ نواب شاہ جہاں بیگم نے ''تاج اقبال'' کے دفتر سوم کی آخری فصل ''ذکرِ کارپردازانِ خیر خواہ ملازمانِ فضیلت پناہ'' کے لیے مخصوص کی ہے۔ اس میں کل سات اشخاص کا تذکرہ ہے جن میں مولوی صاحب بھی شامل ہیں۔ ان کا تعارف بیگم صاحبہ نے ان الفاظ میں سپردِ قلم کیا ہے:

''مولوی امداد علی امداد، متوطنِ خیر آباد، در عہدِ مختاری نواب قدسیہ بیگم کوتوالِ بھوپال بود۔ بعد ازاں در سلکِ مصاحبینِ قبلہ گاہ مرحوم آبرو افزود۔ پس، زاں چندے در جیرہ خوارانِ مادر آسود۔ زاں بعد کارپردازیِ آستانہ نواب باقی محمد خاں بہادر مرحوم نمود۔ باز مستغنی شدہ در بروئے خود بست و فارغ البال در گوشۂ عزت نشست۔ از سرکار قدسیہ بیگم در زمرۂ اربابِ استحقاق قدرے تنخواہ می یافت۔ در اوائلِ سنہ ۱۲۸۵ ہجری بہ عالمِ بقا شتافت۔''

نام کے ساتھ تخلص کے التزام سے یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب شاعر بھی تھے۔ چنانچہ شاہ جہاں بیگم نے اس تعارف کے بعد نمونۂ کلام کے طور پر گیارہ اشعار کی ایک مکمل غزل اور نواب سکندر بیگم کے مدحیہ قصیدے کے پانچ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ ''تاج الاقبال'' کے علاوہ نواب نور الحسن خاں کے مرتبہ شعرائے فارسی کے تذکرے ''نگارستانِ سخن'' میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ نواب صاحب نے تعارف میں الفاظ کے فرق کے ساتھ بلا کم و کاست وہی تمام باتیں دوہرادی ہیں جو ''تاج الاقبال'' میں درج ہیں۔ انتخابِ کلام چار غزلوں کے پندرہ متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ قیاس یہ ہے کہ امداد صرف فارسی ہی میں فکرِ شعر کرتے تھے۔ غالباً اسی لیے نواب نور الحسن خاں اور ان کے چھوٹے بھائی نواب علی حسن خاں کے مرتب کیے ہوئے شعرائے اردو کے تذکرے ''طورِ کلیم'' اور ''بزمِ سخن'' ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ فارسی زبان پر ان کی قدرت اور معیارِ کلام کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔

آغشتہ ای از خونِ شہیداں کفِ پا را
بہ نام عبث ساختہ ای رنگِ حنا را

تا بوالہوساں در ہوسِ خام نیفتند
در خلوتِ خود بار مدہ اہلِ ہوا را

تنہا نہ دلم خوں شدہ از کاوشِ مژگاں
بالائے توہم بر سرم آورد بلا را

کو فتنہ کہ از چشمِ تو برپا شدنی نیست
کو دیدہ کہ از دردِ تو دریا شدنی نیست

سودا زدۂ زلفِ تو ہر شیخ و برہمن
آں کیست کہ در عشق تو رسوا شدنی نیست

ایں عقدۂ لاحل کہ بہ کامِ دلم افتاد
جز ناخنِ شمشیرِ قضا وا شدنی نیست

شعلۂ ادراک روشن در دماغم می کند
ساقیِ ما روغن از مے در چراغم می کند

دورِ گردوں ہوشِ ہر کس بادہ می ریزد بہ جام
چوں رسد نوبت بہ من، خوں در ایاغم می کند

نواب باقی محمد خاں کی سرکار سے کارپرداز یا معاونِ ذاتی کی حیثیت سے وابستگی اور فارسی زبان سے خصوصی شغف کی بنا پر ہمارا خیال یہ ہے کہ یہی مولوی امداد علی امداد خیرآبادی غالب کے اس خط کے مکتوب الیہ ہیں۔ خیرآباد سے وطنی نسبت اس قیاس کو مزید تقویت

نام کے ساتھ تخلص کے التزام سے یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب شاعر بھی تھے۔ چنانچہ شاہ جہاں بیگم نے اس تعارف کے بعد نمونۂ کلام کے طور پر گیارہ اشعار کی ایک مکمل غزل اور نواب سکندر بیگم کے مدحیہ قصیدے کے پانچ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ ''تاج الاقبال'' کے علاوہ نواب نورالحسن خاں کے مرتبہ شعرائے فارسی کے تذکرے ''نگارستانِ سخن'' میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ نواب صاحب نے تعارف میں الفاظ کے فرق کے ساتھ بلاکم وکاست وہی تمام باتیں دوہرادی ہیں جو ''تاج الاقبال'' میں درج ہیں۔ انتخابِ کلام چار غزلوں کے پندرہ متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ قیاس یہ ہے کہ امداد صرف فارسی ہی میں فکرِ شعر کرتے تھے۔ غالباً اسی لیے نواب نورالحسن خاں اور ان کے چھوٹے بھائی نواب علی حسن خاں کے مرتب کیے ہوئے شعرائے اردو کے تذکرے ''طورِ کلیم'' اور ''بزمِ سخن'' ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ فارسی زبان پر ان کی قدرت اور معیارِ کلام کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے کیا جاسکتا ہے۔

آغشتہ ای از خونِ شہیداں کفِ پارا
بہ نام عبث ساختہ ای رنگِ حنا را

تا بوالہوساں در ہوسِ خام نیفتند
در خلوتِ خود بار مدہ اہلِ ہوا را

تنہا نہ دلم خوں شدہ از کاوشِ مژگاں
بالائے توہم بر سرم آورد بلا را

کو فتنہ کہ از چشمِ تو برپا شدنی نیست
کو دیدہ کہ از دردِ تو دریا شدنی نیست

سودا زدۂ زلفِ تو ہر شیخ و برہمن
آں کیست کہ در عشقِ تو رسوا شدنی نیست

ایں عقدۂ لاحل کہ بہ کامِ دلم افتاد
جز ناخنِ شمشیر قضا وا شدنی نیست

شعلۂ ادراک روشن در دماغم می کند
ساقیِ ما روغن از مے در چراغم می کند

دورِ گردوں دیش ہر کس بادہ می ریزد بہ جام
چوں رسد نوبت بہ من، خوں درایاغم می کند

نواب باقی محمد خاں کی سرکار سے کار پرداز یا معاونِ ذاتی کی حیثیت سے وابستگی اور فارسی زبان سے خصوصی شغف کی بنا پر ہمارا خیال یہ ہے کہ یہی مولوی امداد علی امداد خیرآبادی غالب کے اس خط کے مکتوب الیہ ہیں۔ خیرآباد سے وطنی نسبت اس قیاس کو مزید تقویت

بخشی ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ مولانا فضل حق خیرآبادی سے کسی قسم کی قرابت رکھتے ہوں۔ غالب کے اس خاندان کے کئی افراد سے قریبی روابط تھے۔ ان قیاسات کے صدفی صد درست ہونے پر اصرار نہیں کیا جا سکتا، تاہم نواب باقی محمد خاں کے اردگرد مولوی امداد علی کے علاوہ کوئی اور ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو ان سے زیادہ شرف تخاطب کی مستحق ہو۔

قیامِ بھوپال کے دوران پیشِ نظر مضمون کے لیے ضروری مواد کی فراہمی کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ جناب لطیف الزماں خاں سے جو پاکستان کے مشہور غالب شناسوں میں ہیں ایک بار پھر رجوع کیا جائے اور زیرِ بحث خط کے حصول سے متعلق مزید تفصیل نیز مشتاق صاحب کے موقف کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی جائے۔ موصوف نے اس سلسلے میں میرے مکتوب مورخہ 23 جون کے جواب میں 9 جولائی 2007ء کو جو مفصل خط تحریر فرمایا، اس کے مفید مطلب اجزا حسبِ ذیل ہیں:

''ماہ نامہ ''آج کل'' دہلی کا فروری 2006ء کا شمارہ میں نے نہیں پڑھا   میں مشتاق صاحب سے قطعی متفق نہیں کہ اس خط کے مخاطب معتمد الدولہ آغا میر کے بیٹے باقر علی خاں ہیں۔

زمانۂ طالب علمی میں مرحوم پروفیسر عزیز الدین صاحب میرے کرم فرما تھے۔ وہ فارسی کے استاد تھے۔ باکس سال لاڑکانہ میں فارسی کے استاد کی حیثیت سے گزارے۔ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ میرا پہلا اور آخری عشق غالب ہے۔ وہ ہمیشہ اس ٹوہ میں رہتے کہ مجھے کوئی ایسی نادر تحریر غالب کی مرحمت فرمائیں جو ہمیشہ یادر ہے۔

حیدرآباد (سندھ) کے قریب چھوٹا سا قصبہ کوٹری ہے، وہاں شیخ عبدالغفار صاحب رہتے تھے۔ یہ صاحب پیشے سے انجینئر تھے اور انہیں نوادرات جمع کرنے کا شوق تھا۔ مرحوم عزیز الدین صاحب نے غالب کا غیر مطبوعہ خط انہی سے جولائی سنہ 1984ء میں حاصل کیا اور مجھے مرحمت فرمایا۔

یہاں مجھے کوئی صاحب ایسے نہ ملے جو یہ بتا سکتے کہ خط کا مخاطب کون ہے، اس لیے اس کا عکس آپ کو بھیجا تھا۔''

یہ تفصیلات پیش کر دینا اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ ممکن ہے قارئین میں سے کوئی صاحب شیخ عبدالغفار مرحوم سے ذاتی واقفیت رکھتے ہوں اور وہ یہ بتا سکیں کہ شیخ صاحب موصوف کے خاندان کے کسی بزرگ، ریاست بھوپال، نواب باقی محمد خاں اور مرزا غالب کے درمیان کس قسم کے رشتے اور روابط تھے۔ اگر اس سلسلے میں کوئی پیش رفت ہوتی ہے اور کوئی نیا نکتہ سامنے آتا ہے تو یہ طے کرنا آسان ہو جائے گا کہ فی الواقع غالب کے زیرِ بحث خط کا مکتوب الیہ کون ہے۔''

☆☆☆

غالبؔ کے خطوط

(فارسی متن)

خط ۔ ا

خط از طرف مرزا نوشه اسدالله خان غالب

بجناب حضرت صاحب دام برکاتهم

قبله حاجات! آنچه نخست دل رابه نشاط تونگر کرد، دیدن روئے سید امانت علی بود سلمهٔ الله تعالی که دیدار، فروغِ دیگر بخشید، چون از بار یافتگن قدسی انجمن اند گرد سر شان گردیدم و کفِ پای بوسیدم، مشاهدهٔ منشور آگهی که عبارت از نامهٔ وَالا ست نورے دیگر افزود۔ غزل هم بذریعهٔ سید صاحب و فقیر صاحب فرستاده آمد۔ مقارن آن آدم دیگر رسید وپروانهٔ دیگر رسانید۔ شادمان شدم وعنوانِ دیوان رباعیات شادمان تر ساخت۔ سرمایهٔ آنم کو که آن مطالب عالیه رانیک باز دانم وار کجا درخورِ آنم که آن همه گُهر برشته نگارش ازبهر من کشیده آید۔ وآنگاه این مایهٔ مکرمت که خود از بندهٔ خود می پرسند که اگر دستوری دهی دیباچهٔ را بنام تو نگار بندم۔ این پرسش خود ادائے نوازش دیگر است که زبان از اندزهٔ سپاسِ آن بر نتابد۔ قبله گاها فضولی می کنم وچون فرمان چنین ست می گویم که گنجیدنِ نام من در آن نامه نه تنها از بهرِ من بلکه از بهر آبادیٔ من سرمایهٔ نازشِ جاودانی ستٰ، لیکن همه آن، مریدِ خود رابیش از اندازه دران نگارش نه ستایند و کمترین بندهٔ خود وانمایند که هر آئنه اندرین صورت هم مدعائے خدام حاصل می شود و هم خواهشِ این ننگِ آفرینش روائی می پذیرد۔ بالجمله چشمم به راهم که دیوانِ رباعیات کے می رسد و من بدان کے می رسم۔ فرمان چنان است که آن نوشتهِ را از نظرِ اغیار نهان دارم، هم چنین خواهم کرد، اما کو غیر؟ پس از گذارشِ این بدله که البته خلاف رای دانش آرای نخواهد بود۔ سخنے دیگر می گویم تا حضرت راذوق و مرا اعتبار افزاید۔

بیتے ازبیت هائے فقیر داخلِ صحیفهٔ منتخب است۔

گر خامشی سے فائده اخفای حال ہے

خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

من خود فرمان پذیرفتم لیکن فرمان خرد اندرین باب آنست که هر نگر نده بدیدن آن الفاظ به کُنهِ معنی نه می تواند رسید و هر که معنی رانیک تواند فهمید غیر نیست، چه درین عالم تفرقه حرم و دیر نیست۔ سخن هائے دل آویز که گستخانه گزارده شد خاطر نشان و دل نشین

باد۔ زیادہ حدِّ ادب، عریضہ نگار اسداللہ، روزِ نگارش نامہ دہم ذی الحجہ، ہنگام شام، مشفقی سید حیدر علی صاحب اگر چنانکہ پاس می گفتند رسیدہ باشند و سید پیر علی صاحب نیز سلام ہائے مشتاقانہ خوانند و مشتاق دانند فقط

(۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۴۱ء)

خط ۔ ۲

خط از طرف مرزا نوشہ بجناب حضرت صاحب دام برکاتہم

قبلہ و کعبہ حضرت پیر و مرشد برحق مدظلہ العالی

شام گاہ جمعہ بست و ہفتم محرّم بہ غمکدہ تنہا نشستہ بودم و غیر من ہیچ کس در انجمن نہ بود کہ ناگاہ برقِ آگاہی در جنبید و جمعہ نام پیکے از در درآمد و نامۂ کہ کرنامہ وحدتش نوان گفت بہ من سپرد و مراد گر بارہ از خود برد۔ گفتم وائے عقدہ دیگر بہ کارم افتاد و ہولناک مقامے پیش آمد، چہ من خود آن نخستین نامہ راکہ در ڈاک بہ من رسید است حرزِ بازوے اندیشہ ساختہ و بہ گرمیٔ آن گفتار چون شکر در آب گداختہ ام۔ ہر چند می بایست کہ بہ پاسخِ آن قدسی صحیفہ دیدہ و دل باہم آمیختمے وبہ رنگ رنگِ پوزش سخن انگیختمے لیکن یزدان داند کہ از جرأت خود آن مایہ شرمسار بودم کہ ہرگز عذر نہ توانستم کرد و جواب آن ہمایون منشور نہ توانستم نوشت۔ این بار کہ نامہ دیگر رسید بے قراری بر شر مساری افزود و خواستہ و ناخواستہ مرا بسخن آورد۔ ہے ہے، در عرض داشتے کہ از فضولی و فرون سری در عین و غیر سخن راندہ ام پیش از شروع در مقصود عذرِ گستاخی خواستہ ام وعرض کردہ ام کہ این کلمہ کہ غیر کو؟ بذلۂ بیش نیست، ورنہ سخن ہمان است کہ حضرت می دانند و من نیز بر آنم۔ واللہ آنچہ درین ہر دو صحیفہ نگاشتۂ کلکِ ہدایت رقم بودہ است ہمہ بجا وحق و ستودہ است و اندیشۂ این ننگ آفرینش نیز بر خلاف آن نیست، اما چہ کنم کہ وقت از دست رفت وسخن بے خواست گفتہ آمد۔ ہمان ذوق التقاب پیر و مرشد و دولتِ آمد۔ سفینۂ رباعیات دل را آن چنان از جا بر انگیخت کہ از خود رفتم و در پے خودی سخنے گفتم۔ با این ہمہ از حضرت پنہان نہ خواہد بود کہ آن گفتار نہ بہ طریقِ دعوی بود نہ از راہ سرکشی۔ خواستم کہ این بذلہ ذوق افزاید و ان خود مرا بہ گرداب تشویر افگند۔ خوش گفت آن کہ گفت

ع یک لحظه غافل گشتم و صد ساله راهم دور شد

سوختن من به آتشِ اندوه از بهر آن است که اگرچه نخستین نامه خاص مضمون ارشادِ هدایت داشت ام دومین نامه از عتاب خبر دهد، ومن از ناتوانی طاقت تحملے نه دارم چناں که شاعر گوید

شعر

ماتنك ظرفان حریفِ این قدر سختی نه ایم

دانۂ اشکیم که مارا گردشِ چشم آسیاست

آوارۂ نه فرستادن رباعیات دور باشے است که دل را خون کند و رواں رافرساید۔ من و ایمان من۔ از روزے که بداں وعده گرامی شده ام کدام روز است که انتظارِ ورود سفینۂ رباعیات نه می کشم و دل را بداں خیال شادماں نمی دارم، و این را خود همه کس می داند که ناامیدی بعد از اُمیدواری چه قدر جانکاه است۔ ناچار خود را خوار بر این می خواهم و دست بسته عرض می کنم که چوں حضرت رباعیات را مسوده کرده اند هر آئینه کسے باشد که آں را نقل تواند کرد و آنکه این کار تواند کرد، باشد که خطے خوش داشته باشد و صحیح تواند نوشت، چوں خطِ من هم بد نیست و باشد که نسبت به دیگراں صحیح تر توانم نگاشت، چشم آں دارم که این خدمت به من مفوّض گردد، وآں اجزا به من فرستاده آید تا آں نقل کرده به خدمت فرستم و بر خود منت نهم۔ هم درین نامه مرقوم است که شنوده ایم به تیزیِّ ذهن و رسائی خرد تاپایه تفصل حسین خاں رسیده ای۔ عرض می کنم که تفصل حسین خاں مردے بود به انواعِ علوم دانا که طب و نجوم و هیئت و هندسه نیك دانستے و در هر گونه علم سخن راندے۔ من که یك پارسی [داں] ناتمام چه گونه به پیۂ وے توانم رسید۔ مطلعے و حسن مطلعے از غزلِ خودم به یاد آمده است به حسب مناسبت مقام درین ورق درج می کنم

دولت به غلط نه بود از سعی پشیماں شو

کافر نه توانی شد، ناچار مسلماں شو

زین هرزه رواں گشتن قلزم نه توانی گشت

جوئے به خیاباں رو، سیلی به بیاباں شو

قبله و کعبه مرا خاطر نشاں باد که من از هیچ کسانم و آں خس و خارم که هیچ نیرزم و هیچ کار نیایم، اسلام را از من ننگ و کفر را از من عار، چناں که شاعر فرماید۔

براه اُو چه در باریم نے دینے نه دنیائے

دلے داریم واندوہے سرے داریم و سودائے

نہ خردِ روشن بہ فہمے درست، بہ بختے مبارک، این قدر دانم کہ سرابہ بے رنگی ساش کردہ اند و قدرے از خود بردہ اند۔ انقسام وجود چنانکہ عقیدۂ صورتیان ست باور ندارم کہ وجود واحد است و ہرگز منقسم نگردد و تغیّر و تبدل بروے راہ نیابد، ومقابل وجود جز عدم نہ تواند بود عقل در اثبات وحدت حیرہ می گردد چرا ہرچہ جز ہستی ست ہیچ و ہرچہ جز حق باطل است

ماہمہ عینِ خودیم اما خود از وہمِ دوئی
درمیان ما و غالب ما و غالب حائل است

حاصل خاکسار از ہر گونہ فکر و ذکر و ذوق یك فقرہ حضرت محی الدین عربی است کہ دل رابہ سوئے خود کشیدہ است۔ الحق محسوسٌ والخلق معقولٌ و خلق عالم از زمین تا آسمان ہرچہ جز کیفیت واحد تصور نمایند ہمہ تعلق محض است، نعرسی گوید عبدالقادر بیدلؔ درین مقام۔

ما خیالاتِ عالمِ غیبیم — گفتگوے جہان لاریبیم
کثرت آمد دلیلِ یکتائی — کہ خیال وراست تنہائی

ایمان بندہ این ست و ما بقی اوہام۔ و درین عالم از قسمِ موت و ولایت و حشر ونشر و عذاب و ثواب ہرچہ بر شمارند ہمہ درست است و ایمان بندہ بہ وجود این ہمہ استوار۔ سبحان اللہ از آثار توجہ باطنی آن قبلہ خدا آگاہان است کہ کلمہ از بیانِ معجز نشان جناب سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام بے خواست بہ یادم آمد حضرت می فرمایند۔

ماشاءت الاعیان رائحۃ الوجود

یعنی اعیان ثابتہ بوے وجود نہ شمیدہ اند، یك دوبیت از گفتۂ خود می نگارم:

چون پردۂ شب باز مصور بخیال است
این کارگۂ وہم ز پیدائی اشیا
اندیشہ دو صد گل کدہ گل بردہ بہ دامن
امّا ہمہ از نقش و نگار پرِ عنقا
آئینہ بہ پیش نظر و جلوہ فراوان
دل پُر ہوس و صاحب خَلوت کدہ تنہا

ہر چند گذارش این حالات بحضور مرشد قدسی صفات از قبیل آن است کہ کسی سوئے از آب بہ دریا آرد و برگ گلے بہ گلستان فرستد لیکن مدعای این دردمند اظہار عقیدہ خود است تا آشکار

گردد که صاحب این عقیده سکر هیچ شے نمی باشد و همه را به کیفیت واحد پدیرد هم کفر و اسلام و هم غیر۔ همه بطریق تصوّر موجود است اما نه تصورے که ما کرده باشیم، ازیں تصور مقصود آں تصور است که سر آں کیفیت واحد را حاصل است و دریں مقام سخت مناسب است تشبیه بحرو موج و آفتاب و نور۔

میر صاحب مشفق سید امانت علی صاحب که از پرورش یافتگان حضور اند اکثر بشب مرا می نوازند و چوں خلوتے دست بهم می دهد سخن هائے راز گفته می شود، دو سه روز شده باشد که سخن در احاطۂ بیرنگی افتاد چوں ایں رو سیاه دریں روز ها به نظاره بیرنگی مبتلا ست اندریں باب مبالغه کردم و گفتم که بالا تر ازیں پایۂ نیست۔ میر سید امانت علی فرمودند که ترکِ ایں پایه نیز پایۂ دارد۔ گفتم مسلم اما ایں سخن گفتنی نیست، امرے ست که بعدِ افراط استغراق خود به خود حاصل می گردد و طریقِ حصول ایں پایۂ همان بدل توجه ست در مشاهده بیرنگی نه ایں که بقصد از آں قطع نظر فرمایند۔ چه اندر آں صورت پیروی شیوۂ عامه خواهد بود که گروه با گروه مردم غافل ازیں اند حال آں که غفلت مردم ازیں کیفیت در وجود آں کیفیت زیانی نمی رساند

ع دانی همه اُوست ورنه دانی همه اُوست

خدا را توجه در آں بدل فرمایند و آنچناں صرفِ همت بکار برند که آورش اندیشۂ ایں مرید به بیرنگی افزوں تر شود تا رفته رفته مستهلک و مستغرق گردم و از رنگ به بیرنگی و استهلاک استغراق دارم و عدم محض شده باشم، چوں حضرت در منع ازسال رباعیات سرِ رشتے به سرا فرمودند هر آئینه حیرانی بکار بردم و نهفته هائے ضمیر پراگنده خود را دیوانه وار آشکار کردم، اگر جرم من بخشیدنی ست نوید عفو تقصیر دهند تا از سرِ نو مسلمان گردم و به رحمت الهی ایمان تازه کنم، الله بس ماسوا هوس، نگاشته بست هشتم محرم (۱۲۵۵ھ۔ ۱۸۴۱ء) روز شنبه هنگام چاشت۔ از اسد الله رو سیاه۔ میر صاحب مشفق سید حیدر علی صاحب سلام خوانند و خاکساری ها برآں جناب پیرو مرشد عرض داشته سعی دران فرمایند که خطائے من بخشیده شود فقط۔

خط۔۳

از طرف مرزا نوشه متخلص بغالب بخدمت جناب حضرت صاحب

حضرت پیر و مرشد برحق سلامت! بعد رسیدن طالع یار خاں صاحب یك عرض داشت بتاریخ چهار دهم ربیع الاول روز سه شنبه بڈاك انگریزی رواں کردم و نامه موسومه محمد جان حاکوب صاحب

بہادر نیر   روز آدینہ ہفدہم ربیع الاوّل فرمان گرامی و توقیع ہدایتی اراں حضرت رسید و سرفرازم کرد۔ تازگی مضمون رباعی از خودم ربود، واللہ اندیشۂ ہیچ سخنور بدیں نکتہ نہ رسیدہ ہیچ کس بریں مضمون دست نہ یافتہ، داغ پیشانی زاہد را بہ قشقہ کبود تشبیہہِ پاکیزہ و تازہ و دل پذیر است۔

کر طن نہ کچھ اس شراب رمّانی پر
مت کبر کر اپنی زہدِ نفسانی پر
گر کفر دوئی نہیں تجھے اے زاہد
قشقہ یہ کبود کیوں ہے پیشانی پر

امّا این فقرہ کہ "ما بہ عشق و محبت نوشتیم و تو آن را عتاب دانستی نہ ترا باما عرض دینی است نہ عرض دنیوی پس عتاب چرا کنم، فقط"، دل را، افسردہ و مرا نومید ساخت و خواہی نخواہی مرا بر آن آورد کہ سخن دراز کنم و آنچہ در دلست بزبان آورم۔ قبلہ و کعبہ، راستی آئین من است و محبت دین من، راستی را ایمان و دروغ را کفر می پندارم و بریں گفتہ یزداں را گواہ می آرم کہ ارادت و محبتِ من بحضرت از اں افزوں تراست کہ آں را شرح تواں کرد۔ ہیچ گہ عتاب حضرت بر خود گمان نکردہ ام و بطریقِ شکوہ سخن نہ راندہ ام۔ مگر احیاناً لفظ عتاب بر زبان رفتہ است، مقصود من از عتاب عنایت بودہ است چہ ہیچ کس با بیگانہ عتاب نہ کند، تا کسے را از خود نشناسد عتاب نہ فرماید۔ حضرت ہیچ گاہ بر من عتاب روا نہ داشتہ اند، و من خود آں کسم کہ بہ مثل مورد عتاب گردم چنداں بہ نازم و فخر کنم کہ دیگرے بہ عنایت نہ کند، زیرا کہ عتاب و عنایت ہر دو نتیجۂ التفات است و محبت پیشگاں را در ہر دو حال سپاس التفات لازم، اما آنچہ دربارۂ اعراض دینی و دنیوی فرمودہ للہ الحمد کہ صفحہ خاطر خاکسار ازیں ہر دو نقش مُعّرا ست، حر بحمت نہ دیں شناسم و نہ دنیا با آن کہ ہیچ کس و ناکس و نادانم لیکن این قدر دانم کہ وجود یکے است و ہر گز آن انقسامِ نہ پزیرد، ہر آئینہ اگر دینے و دنیائے تراشیدہ باشم، گرفتار شرك فی الوجود کہ اقبح انواع شرك است شدہ باشم۔ بدانستِ نامہ نگار دیں ہمچو دنیا نقشِ موہوم است و بوہم دل نتواں بست۔

زاہدا سامان پرستان راضی اند از ما کہ ما
خود شریك ہیچ کس در ہر دو عالم نیستیم
دشمنی خیزد ز شرکت تا بہ قصد دوستی
عاقبت گم کردہ و دنیا طلب ہم نیستیم

دین به خویشتن گمان دین شارک و دیب به دنیا طبش ارزانی۔ سائیم و سواد الوجه فی الدارین که عبارت از نیستی محض است۔ خیر۔ آنچه در باب ماشدیتِ الاعیانُ رائحة الوجود فرو ریخته کلک مشکین رقم است حق حق و عین حق و محض حق است لیکن بجناب پئے حضرت سوگند که عقیدۂ این روسیاه نیز خلاف آن است و غلط نوشته ام، می دانم که اعیان ثابته مجعول بجعل جاعل نیستند۔ اعیان ثابته به وجود مطلق چون هستی خطوط شعاعی است با آفتاب و چون نقوش امواج است با محیط، هر آئینه وجود واحد است و وجود اعیان ثابته محض وجود واجب است، تعالیٰ شانهٔ و این که امام علیه السلام می فرمایند که اعیان بوی وجود نشمیده اند این جا وجود عبارت از هستی موهومی است یعنی پیدائی و نمویش، و این جود ثبت است که تعبیر بر واجب رواست، پس مدعای امام آنست که اعیان ثابته هیچ گاه نمایش و همی نمی پذیرند و این نمایش محض توهم و باطل محض است و این انتقالات و توهمات و تنزلات همه اعتباری است نه حقیقی، از اعیان ثابته تا صور محشوره هر چه از نمایش و پیدایش اند به سَنَد همه باطل است و هیچگونه تغیر روئے نداده و همان یک حالت است مثلاً حر از اجزائے آفرینش فردے را به بینند که از پشت پدر به شکم مادر رسید و پس از نه ماه برزمین افتاد و سالے چند شیر خورده و آنگه زبان به گفتن کشود و هر گونه سخن گفت و زید نام یافت۔ چون جوان شد نام به دانش بر آورد و علم آموخت و مردم را راه راست نمود و هفتاد سال بدینگونه زیست و آخر رنجور شد و بمرد و اورا بخاک سپردند و گنبدے بلند بر مزارش بر افراختند و حالیا آن گنبد را زیارت می کنند و هر کس هرچه می خواهد از مزارش می یابد۔ بالجمله اینها و صد چند مثل اینها هر چه تصور کند ما می گوئیم اینهمه توهمات آشکارا بے بنیاد ست سرت سر، از روز لحوق نطفه تا زمان سپرده شدن بخاک همان عین ثابتهٔ زید است که در وجود مطلق ثابت است هر گز بمدیش نه پر یرفته و هر گز معدوم نشده و هر گز به نمود نخواهد آمد و هر گز نهان نخواهد شد، و این زادن و بودن و گفتن و شنودن و زیستن و مردن همه حقیقت عین ثابتهٔ زید است که همواره دروے موجود است و خواهد بود و این مثل که گفته آمد نه تنها از بهرِ نوع بشری است بلکه انجم و افلاک و عرش و کرسی و شجر و حجر حتی که زمان و مکان نیز همین حال دارند، فلک نیست مگر عینِ ثابته آفتاب است که هم چنان در حقیقت ذات با روشنی و درخشانی جلوه گر، زمان نیست مگر عین ثابتهٔ زمانست بگونه کون، اعتبارات وے امروز و فردا در هستی مطلق شامل، از ازل تا ابد همان یک آن واحد است و از تحت الثری تا اوج عرش همان مکان واحد است و ثبوت ذات واجب بدیهی و حقیقی است لیکن چون ذات واجب از تغیر و انتقال مصؤن و مامون نیست هر آئینه اعیان ثابته نیز به نمود و همی موجود نمی شوند و زوال نمی پذیرند۔ کوتاهی

سخن، موجود نه گشتن اعیانِ ثابته بدین معنی است که تعیر نه برپرند و از ذات منفك نشوند و همواره از خود بر خود متجلّی باشند، چون اینست چه ضرور است که اعیان را به معنی ممکنات شمریم، آرے از اعیان اعیان ثابته مقصود است و از وجود ممشش و استحۀ و تنزل، و اگر از وجود ہستی محض فرا گیریم البته در ان صورت اعیان را جز به معنی ممکنات نخواهیم دانست، و سر گز اعیان ثابته نخواهم گفت زیرا که در آن صورت انکار وجود واجب لازم می آید، معاذ اللّٰہ من هذا العقیده، چون سخن تا بآنجا رسید خوشتر آن ست که حال خود را در مشاهدۀ بیرنگی سر عرضه دهم و سبکدوش تر گردم۔

خدایگان علام چشم بر هوا اندوخته بلکه دل در بیرنگی بسته است همین بحث اعیان ثابته که مذکور شد نظر گاه است و سعیِ من در آنست که به عدمیت اصلی خود باز گردم و زود گرد آیم، و نه شغل و نه ریاضت۔

۴ دانی همه اوست ورنه دانی همه اوست

این قدر هست که هنوز وقتِ واهمه مرا خار خارے ناقبست و گه گه مرا از راه می برد لیکن امیدواری دارم که بیمن نگاهِ عنایتے که پیر و مرشد را برمن است از وسوسه پاك گردم و در راه فنا حاك گردم، قبله و کعبه، نگارش حق گزارش ادا نمی تواند کرد و تحریر بمنزله تقریر نمی تواند شد، آرزومند آن روزم که مشرف قدم بوس مشرف شده باشم و درد دل بزبان گفته و ارشاد جناب عالی بگوش ہوش شنوده باسم۔

این که ارشاد فرموده اند که از طرفِ تصوف ہم از تو اطمینان کلّی حاصل شد۔ جناب عالی۔ من مرد سپاہی زاده، بے علم، جاہل، پدران من از ترکان صحرا نشیں بودند۔ بس اینست که یك دو مصرعه موزوں می کنم ویك دو بذله در ہر فن می گویم، مرابه تصوف چه پیوند و به درویشی چه نسبت، و الحال جز این قدر نیست که واحدیت وجود و عدمیت اشیا در خمیرم فرود آوردند و الحق محسوس والخلق معقول عقیده من ساخته اند، من می دانم که یکے ہست و جز او ہیچ نیست دیگر ہمت من از سعی و ریاضت و دولت و مال منحصر بریك دو پیمانه شراب که به شب در کشم و مست بخسپم نه دین دانم و نه دنیاء اللّٰه بس ما سوا ہوس۔

خداوند نعمت سلامت، مرا در عزمِ سفر تابستان مانع نیست بے سر انجامی مانع نیست، خرقه به تن در افگنم و روان گر دم۔ لیکن مقدمه من بولایت رفته و دو سال کامل شده است، امید وارم که امروز یا فردا یا خود بعد ہفته دو ہفته یك ماه دو ماه حکم آن از ولایت برسد، رسیدن مقدمه از ولایت ہمان و پوئیدن من بسوئے گوالیار ہمان، پیر و مرشد غلامے خریده

آزادش نخواهند کرد که غلام وفادار است۔ زیاده ازین چگویم که گفتن را شاید۔

از اسد اللہ۔ نگاشتہ ہژدہم ربیع الاوّل (۱۲۵۵ھ)

روز شنبه ہنگام نیم روز

خط ۔ ۴

[یہ خط مطبوعہ کلیات نثر غالب (ص ۱۸۳ ۔ ۱۸۴) نول کشور پریس ۱۲۸۷ھ میں بھی موجود ہے]

خط مرزا نوشه اسد الله خان غالب

بخدمت حضرت صاحب دام بر کاتهم

در دل ز تمنائے قدم بوس تو شوریست

شوقت چه نمك داده مذاق ادبم را

جان بپائے قبلۀ راستان افشاندن به دل گذرانم۔ اگر گستاخی نه بود کعبۀ راه روان را گرد سر گردیدن آرزو کنم، اگر ادب دستوری دهد رسیدن نامه های دل آویز و شنیدن نکته های مهر انگیز که مرا به خستگی بخت من اُمید واری می دهد، برین خجسته تر بود۔ چون در آن چشم و دلم جا داده اند اگر از اُوج گرائی سرم به سپهر سید نخست و اگر از خود نمائی خُر خودم در نظر نیاید رواست۔ طالع یار جان صاحب شمارۀ عنایت های آن محیط کرم و جود از خودم ربوده اند، و از ادب مرا چندان که بشمار در نه گنجد بر افزوده، کیستم تا بدین التفات ارزم و مرا در نکوئی این چنین گران پایه باشد که کس مرا تواند ستوده و آرزو مند دیدن من تواند بود و آنگاه این چنین گران مایه و والا پایه کسے که گوهرش آبروے هفت دریا ست و گلشن رنگ و بوئے هشت گلشن۔ شبی با آن همه قطع نظر از ما سوی الله در صومعه به تماشائے قدومش چشم براه، و منصور بهمه شور ترانه انا الحق در هنگامه به آرزوئے گفتارش گوش بر آواز. سبحان الله آنکه نخستین صور به پروانگی شمع جمالش نرد می ارزی گوست و آنکه دیدارش نه بهر نظر نه بود از من دیدار خوست. چه کنم عمرے است که همت من به کارے آویخته و سرگرمی ذوق مطلبے شرر به پیراهنم ریخته است و آن خود کارے است نازک و مطلبے است دشوار که ازین پیش سالے چند به محکمه ریڈنسی دهلی در کشاکش مانده و روز گارے دراز در انجمن فرمانده هاں کلکته پیچ و تاب خورده، اکنون دو سال است که آن داوری به کشور لندن رفته، و دران داد گه سنجیده می شود، تا پاسخے ازان کشور و فرمانے ازان دادگاه درنه رسد نمی توانم بر خود جنبید و از دهلی بدر رفت۔ می خواستم که پارۀ از حقیقت آن

داوری بعرض رسانم۔ لیکن اگر بدین پر داختنے سخن را از درازی سر رشتہ گم شدے و شنوندہ را گو ہر راز بکف نیامدے۔ بالجملہ چشمم براہے و دلم بجائے است، و درین کشمکش کہ درون و برون مرا درہم دارد، سفر نیارم کرد، اما دانم کہ روز گار انتظار سر آمدہ و ہنگام کشودِ کار در آمدہ است بر آنم و ہمہ این سی سحم کہ چون حکمِ قطع حصومت از ولایت رسد زان پس حز آن مایہ مدت کہ بسر انجام ضروریاتِ سفر وفا تواند کرد، بہ دہلی بیاراسم و روی بہ گوالیار نہم۔ و اگر روندگان بہ پٹنے روند من نیز پویم، امید کہ بہ پرورش یافتگان و رلۂ ربایانِ مائدۂ فیض حضور فرمان شود کہ بوقتِ خاص مرا و کارِ مرا در حیل آوردہ ہمت بدان گمارند کہ بہ زودی کارِ من سرہ گردد و مراد بر آوردہ آید، تاپای راہ پیمای من بہ حراستش کشاد پذیر د و جادۂ راہ گوالیار پے سپر من گردد۔ نہفتہ مباد کہ پس از رسیدن طالع یار خان صاحب بسہ روز منشورے کہ سراسر رقم بحثِ رنگ و بیرنگی داشت از ڈاک بمن رسیدہ و ہمت را تعوید بازو گردیدہ است، و ہم چنین اُمید وارم کہ روزے چند پیش از رسیدن این عرضداشت سید امانت علی صاحب رسیدہ آداب نیاز بموقف قبول و عرض ہائے فارسی را بہ نظر التفات رسانیدہ باشد۔ درین نزدیکی میجر صاحب عنایت فرما میجر جان جاکوب صاحب بہادر دو نامہ بمضمون طلب تاریخ تعمیر دولت کدہ نزمن فرستادہ اند۔ ورقے بجواب آن ہر دو مکتوب کہ مشتمل بر دو قطعہ تاریخ است در مورد این پورش فرستادہ می شود، بعد مشاہدہ بہ مکتوب الیہ دادہ شود، زیادہ حدّ ادب۔ از اسد اللہ نگاشتہ چہار دہم ربیع الاول ۱۲۵۵ ھ۔ بخدمت میر حیدر علی صاحب و میر امانت علی صاحب سلام نیاز رسیدہ باد، مکرمی حکیم رضی الدین حسن خان صاحب کہ مرا بہ لطف و تفقّد می نوازند و درین غم زدگی شدی من بدیدار ایشانست سلام نیاز می رسانند و چون من از دیدار طلبانند۔

خط ۔۵

خط مرزا نوشہ بجناب حضرت صاحب دام بر کاتہم

حضرت رہنما سلامت! ھفدھم ربیع الاول روزِ جمعہ بعد از شام پیکے از در دَر آمد و والا نامہ بمن داد، چون پرسیدہ شد کہ کیستی و کے می روی گفت از نو کران نواب شاہ جی بودہ ام در دو سہ روز بہ گوالیار می روم، خاکسار فردای آن کہ شنبہ ہژدھم ربیع الاول بود کف بہ عریضہ نگاری کشود و درد دل در آن ورق سرود۔ تا امروز کہ یک شنبہ بست و ھفتم ماہ ست آن نامہ ہم چنان نزد من موجود و نامہ بر مفقود، تا این وقت کہ پاسے از روز باقی است بر یدے از سر رشتہ ڈاک انگریزی ناگاہ رسید و توقع از حضور و نامۂ از خان صاحب ہر دو نگاشتہ

بست و سیوم ماه به پیش نظر جلوه گر کرد۔ همانا این هر دو ورق از هر دو جا به پاسخ آن نامه بود که قطعه تاریخ دران نگاشته بودم، بالجمله چون رسیدن این همایون منشور شوق را تازگی داد و دل را از جا بر انگیخت گفتم انتظار آدم چرا۔ خوشتر آنست که عریضه رقم کنم و به ڈاک فرستم۔ هر چند این ورق هم امروز می نگارم لیکن هنگام ڈاک گذشته و روز سپری شده، فردا این عرضداشت روان خواهد شد۔ دو ورق نگاشته پیشین نیز بدین ورق فرستاده می آید و عرض کرده می شود که به مزید التفات مشاهده فرمایند، و چون فرستادن چنانست که زین سپس در نامه جز شوق مضمونے نخواهد بود من هم دل بدین شیوه نهاده ام و خوشتر همین دیده ام که در عرائض گفتار هائے وحدت و کثرت درنیاید و این خود حواله بهنگام سلار ست باشد۔ و انشاء الله که این مدعا هر چه زود تر بر آید۔ چنانکه در ورق نخستین بعرض رسانیده ام ماده تاریخ مکان خان صاحب قلندر که حضرت اندیشیده اند چگویم که چه قدر خوب است و خوبی دیگر آن که همان نمك گفتگوی درویشانه موجود۔ و در تاریخ گنجائش این ها دشواری دارد۔ سخن بدین خواهش گو نه می کنم که در ان دو ورق که نوشته سابق بیان تحریر یك فقره مرقوم است آن را بدل تو ان پزیر فت زیاده ادب۔

سید صاحبان الطاف نشان میر حیدر علی صاحب و میر امانت علی صاحب را از اسد الله رو سیاه معروض آنکه ماهم در زمرۂ شما در آمده و باشما خواجه تاشی گزیده ایم و خط غلامی به آقای شما داده ایم، امید که برشما گران نگرد و شمول ما در سلك شما باعث ننگ و عار شما گران نگرد و شمول ما در سلك شما باعث ننگ و عار شما نباشد، مکرر بحضور پیر و مرشد معروض آنکه چون فراهم آمدن احباب شبانگاه معمول است و من همین وقت این نامه را می نویسم و تمام می کنم۔ لا جرم پیام حضور بطالع یار خان صاحب وقت شب خواهم رسانید و رباعی نعلی خدمت جناب حکیم رضی الدین حسن خان صاحب نیز همان وقت خواهم خواند۔ پ سخها در عریضه آینده نوشته خواهد شد۔ ۲۸ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ

خط ـ ٦

خط مرزا نوشه بجناب حضرت صاحب دام بر کاتهم

قبله و کعبه یگانه! برہانے حسر (٢) حقیقت واحده هیچ شے را موجود نه پندارند، روی سیر هر سو که آرند چشم این طائفه برهمان حقیقت الحقایق بر است ولا مؤثر فی الوجود الا الله ولا موجود الاالله

عبرت از همین سوز و گداز است، لاجرم هر گونه سرے که می نگرم همان بینش ایزدی است که درین پرده بجاسی آرم۔ کفر به‌چشم اگر هیچ گنه شکر و شکوه بس از غیر بوده باشد باوجود این شکر و سپاس و شکوه و سفید و سیاه را در نظر حق نگر وجودے بوده باشد، خوش گفت آنکه گفت۔

دریا بوجود خویش موجے دارد خس پندارد که این کشاکش با اوست

حق اینست که آنچه ما می نگریم پاسِ نگرستن ایم، یا خود آن نگرسته را شرح می کنیم، فرجام گفتگو خبر این است که هر شے را به ضد شناخته ایم، روز را بشب و گرمی را بسردی و پست را به بلند و روشن را به تاریک۔ بخاطر عاطر نگذرد که این سخن خاصه درباب معرفت کبریای الٰهی می گوئیم۔ حاشا ثم حاشا در آن بارگه نه ضد را گنجائی و نه مثل را پیدائی بلکه مقصود از نمود این قاعده آنست که در مقام پندار هستی که ماهمه فرو ماندهٔ آن تنگنائیم هر چه بتصور آید لامحاله آن را طرف مقابلے خواهد بود۔ هر آئینه مقابلِ حق نیست الا باطل و مقابل وجود نیست الا عدم، و این تقابل بمقتضای سیاق شیوهٔ کلام است ورنه پیداست که باطل را با حق و عدم را باوجود چه شمار است، بالجمله مقابل حق نیست الا باطل و مقابل هست نیست [الّا نیست] پس هرچه جز هستی است نیستی است و هر چه غیر موجود است عدم است، کُلُّ شیٔ هالِکٌ الّا وجهه که در کلام بے حروف و صوت واقع است اشاره هم بدین مقام۔ و هالک بدان معنی نیست که کس گمان کند که اینهمه نمود های بے بود را پایان کار فنائے هست، بلکه غرض آنست اینها همه معدوم و در حدّ ذات مستهلک اند و این حالت آنچنانیست که به اقرار دانا و انکارِ نادان ثبوت و نفی آن لازم آید۔ چنانکه عارف می فرماید: "دانی همه اوست ورنه دانی همه اوست"۔ حضرت سلامت! صوفیه را سخن هست که دفتر ها ازان پُر است اگر مجموع این کتب یك جا کنند بار کاغذ فراهم آید۔ اما اصل آن همه گفتار ها آنچه گفته ام در دل نمی گذرد و این خلاصه دل نشین نمی گردد و تا دل از آغاز گداخته نباشد و آن را که این رمز بدل فرونشیند [به] بیابان مرگ ناکامی ماند و هرگز به مدعا نه رسد و جز از اعمال تسخیر و   و کشف بیند وخت و عمرش درین زخارف لاطائله بسر رفت، وآن را که چشم برین پایه کشودند و ضمیرش این اندیشه را چنانکه حق پذیرفتن است در پذیرفت دیگر به آلودگی نیا میخت، ورند پارسا برآمد۔ من با اینهمه نارسائی و هیچمدانی که نه از علم بهره ورم و نه از عمل کامیاب، دُردِ پیمانهٔ عالمم و ننگِ دوده بنی آدم۔ همدرین مرحله پایم بسنگ آمده است و شمار قدم تابدین جاده منتهی گردیده۔ دیگر ندانم که جهانیان چه می گویند و از بحث معرفت چه می جویند۔ آن که به ترجمهٔ نثر دیباچهٔ دیوان فرمان رفته است چو منے را سرمایهٔ اینهمه شناخت کجا که بشرحِ این چنین نکته های سربسته توانم پرداخت۔ آری این قدر هست که هر چه خواهم گفت

اندیشه من از دائره من بیرون نخواهد رفت و خاطر وسوسه ناک من جز رجوع بعد نسبت اصلی تسکین نخواهد یافت۔ ہر چند انچه من در نظر دارم از مدارج کمال نیست، لیکن چگونه گویم که این و آن بخاطر جا گرفته است چه مایه لذت می یابم و چه چشمه هائے نوش از هر سرمویم جوش می زند۔ طوبی و سلسبیل خویشم و در هر نفس زدن صد کوثر بقدح در می کشم۔ چون این سخن پایان ندارد ناچار به شهود می گرایم و مستانه افسانه سرمی کنم۔

کمترین نوازا درین روز گار دو تا نوازش نامه رسید و مرا در نظرم آبرو بخشیده، افسردگی و سادگی نگذاشت که پاسخ گزارده و عرضداشت نگاشته شود۔ اکنون که رخنه ریزی مضراب پرسش تیز آهنگ تر شد نواهای بلب نهفته از پرده سربدر می زند، نخست سپاس تفقد و عنایت تقدیم می رسد و انگه معروض می گردد که مطاع مکرم و مخدوم معظم سید بدر الدین علی خان صاحب المشتهر به فقیر صاحب که اسد اللّه را دل در بند مهر و وفای ایشانست بیشتر اوقات از راه لطف و کرم به کلبهٔ احزان من می رسد۔ چون مطابق ارشاد والا ایشان را بسخن گرم کردم و سراپائے خاطر ایشان را بخیال پیمودم شخصے دیدم درد مند شکسته دل نا اُمید خونین جگر، هم از غم مرگ برادر دلش از صد جا فگار و هم از تنگی دن دست [بداماں][1] خویشتن دراز گاه ولولهٔ و داغِ وطن و الزامِ دوام غربت از لب برون ریختے و گه به گدازش ذوق ترک لباس دُود از مغز سخن بر انگیختے۔ آری در مانده رندان غم چکند و مبتلای درد تنهائی چرا ملول نباشد۔ چون دست من بجائے نمی رسد دمدم بر حال پریشان تاسف می خورم و سلامت ذات و درستی حالات ایشان از خدا مے خواهم۔ بالجمله بعد از هزار گونه گفتگو فقیر صاحب ممدوح رابر طلبِ مختار نامه مهری جناب راضی کرده ام و باشد که کاغذ اسٹامپ مع مسوده هبه نامه و مختار نامه بوالا خدمت بفرستند۔ از رسیدن آن کاغذ را بمهر خود مزین ساخته عنایت می توان فرمود، و این نکته را نیز به ضمیر باید گرفت که برای آن قبله از فرزندان خود فقیر صاحب کمتر نیست۔ هر آئینه شفقت پدری از ان بے چاره دریغ نباید داشت و خاصه درحقِ این جزو آفرینش مظهرِ آثار ربوبیت تو ان بود۔ زیاده جز اینکه هیچم بلکه نیستم چگویم۔ فقط۔ نگاشته غرّه ربیع الثانی روز دو شنبه ۱۲۵۵ھ۔

---

[1] یہ لفظ گریبان ہونا چاہیے۔

خط۔۷

خط مرزا نوشہ بجناب حضرت صاحب دام برکاتہم

قبلہ دیدہ و دل سلامت! من دانم و دل کہ فیضِ ورود والا نامہ بمن چہ کردہ۔ بر آتش آب زد و چراغ آگہی برافروخت، ہمانا آن قدسی صحیفہ شمعے بودہ کہ روح بہ پروانگی آرزو کنم، چکنم فرصت تنگ است و گفتگو فراوان۔ آدینہ روز بست و ہفتم شعبان و ہنگم بامداد است و من ہنوز از انہا کہ مبتلای آنم فروغ نیافتہ ام۔ و آدم کمر بہ رہروی بستہ رو بروے من نشستہ است۔ آنچہ در دیوانِ فیض عنوان دیدہ، کافر باشم اگر در مثنویٔ مولویٔ روم و دیگر کتب تصوّف این ہم دیدہ باشم، خاصہ در رباعیات کہ ہر کوزہ دریائے و ہر ذرہ آفتابے دارد۔ و اگر حیات باق است زین سپس حلِ رباعیات نگاشتہ خواہد شد۔ این قدر بخاطر باشد کہ ما نیز برین جادہ و بدین اندیشہ دل نہادہ ایم تا پایان کار از کدام پردہ سر برون آوریم و در کدامین گروہ شمردہ شویم۔ دیوانِ حال بہ مخدومی مکرّمی سید بدر الدین علی خان المشتہر بہ فقیر صاحب سپردہ و دیوان سابق از وشان گرفتہ بہ آدم حضور بار دادہ شد۔ این نامہ بدان روی کہ اندیشہ برنتابد نگاشتہ می شود۔ در حقیقت پاسخ عنایت نامہ ہنوز نہ نوشتہ ام۔ بندہ حد ادب، مشفقی میر حیدر علی صاحب پس از سلام و[1] مطالعہ فرمایند کہ میر علی صاحب درین روز ہا بہ دہلی آمدہ بودند بعد عمرے ایشان را دیدم، امروز خود شان بہ اکبر آباد روان شدہ اند، می گویند کہ ماہ روزہ در آگرہ بسر بردہ بہ گوالیار می روم، اطلاعاً نوشتہ شد، عرضداشت اسد اللہ رو سیاہ۔ فقط۔

خط۔۸

خط مرزا نوشہ بجناب حضرت صاحب دام اجلالہم

یزدان را سپاس گذارم و بدین ذوق خود را در بازم کہ سرِ ایہ گوشہ خاطر کسے جائے دادہ است کہ تا کام و زبان را بہفتاد آب بشویم نامش نتوانم برد۔ فروغِ کوکبِ سعادت، بہارِ باغِ افادت، منبعِ فیوضِ نامتناہی، واسطۂ حصولِ رحمتِ الٰہی، روشنی پذیرفتۂ نور الانوار و راہ یافتۂ مقام جمع الجمع بہ رہنمائی ابدی و بہ راہ یابی ازلی، مرشدی و مولائی و مخدومی حضرت میر سید علی کہ چون منے را نواخت و

---

[1] معلوم ہوتا ہے متن میں حرفِ عطف 'و' رہ گیا ہے۔

بخطاب ارزنده شناخت امّا از ابرو تراود و که مهر بر ج کروبه ها تابد و ابر حس و خرد را در بند۔ فیض ورودِ صحیفۂ قدسی جنبها به کلید آگهی دهد و دیوان معجز بیان۔ دست آویز گران سنگی من گردید، خوشا سن که تا سم اران خمه تراود و رهے من که کلام قدسی بمن رسد۔ غزلها لک دست و نکته ها هموار، مضمون ها عارفانه، من و ایمان من که این زبان [سرسری یعنی اُردو در نامه حقیقت؟] پیش ازین برنتابد و هر گونه نظر این ادای خاص را در نیابد۔ من نیز دیده ور نیستم و نمایشِ جمال این پرسرادان معنی به۲ اندازه من نبود سواد همان اُوراق سرمۂ سلیمانی بچشم اندر کشید که نگه بدین جلوه هائے بیرنگ آشنا شد۔ و امیدگار صورت چه داند که این گوهر گهار کجائی است و این گرد از کدامین کاروان می خیزد۔ قبله و کعبه مرا خاطر نشان باد که هر چند هم درین نقعه که دهنی نم دارد شیے شرف پا بوس دریافته ام و آن را دریعه رستگاری خویش می دانم، لیکن اینک برخود حیف می کنم که دران هنگام گوش هوش شنوا و چشم ادراک بینا نبود، تا از انچه اکنون بدل می خلد و اندیشه بدان آویخته است سخنے چند پرسیده مے و کار آگهی ببالا بردمے، هم آتش شوق زبانه ور گشتے و هم چراغ شناخت را فروغ گستر آمدے۔ هر چند خرد می سگالد و باور کرده ام که هستی جزیکے نیست اما بیشتر این نمود ہے بود که نقش های برانگیختۂ پندار است به دن جا می کند و خاطر از خوش و ناخوش برهم می خورد۔ خدا را بر این نیم سوخته نظرے تا پاک بسوزد، و دود و شرار و خاکستر همه از نظر بر خیزد۔ دانم که آرزوی های دل به حوصلۂ ارزش من در نه گنجد، لیکن شنوده ام که مس به کیمیا زر می گردد۔ زیاده ازین چه گویم که دمه برپ به رکاب است و مکرّمی سید بدر الدین علی خان فقیر صاحب در اضطراب۔ انشاء الله العظیم ازین بعد نیاز نامه ها به والا خدمت خواهد رسید۔ مشفقی سید حیدر علی سلام خوانند و مشتاق دانند۔ محرر اسد الله۔ گذشتۂ روز بست پنجم ذی الحجه هنگام شب۔ پیش چراغ (۱۲۵۵ھ ۱۸۴۱ع)۔

۱؎ ان خطوط کے مرتبین نے قیاساً قوسین میں جو خانہ پُری کی ہے وہ درست نہیں معلوم ہوتی۔ (مترجم)

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ اصل متن میں لفظ "ب" رہ گیا ہے۔ یہاں "باندازۂ من" ہونا چاہیے۔ (مترجم)

خط ۔ ۹

خط مرزا نوشه بجناب حضرت صاحب مد ظله العالی

حضرت پیر و مرشد برحق مدظله العالی

بسا روز ها به شب آمد و شبها روز شد تا صبح دولت من بر اُفق اقبال دمید و منشور لا مع النور تعویذ بازوی جان گردید۔ نامۂ موسومۂ ضلع یار خان و حکیم قطب الدین خان هر دو به طالع یار خان سپرده شد و فرمان جناب عالی رسیده آمد۔ نامه که بنام نامی فقیر صحب بود بخدمت شان رسید۔ اعلب که امروز یا فردا نزدِ من آمده به پیام حضرت بر من بیر گرازم۔ می میرم از رشک که دیگران اهنگ راه گوالیار دارند۔ مرا هنگام آن قرار نیامده است که از دام بدر توانم جست۔ بارب رود باشد که کام دل برآید و زمان انتظارِ حکم ولایت و روزگار هجران بسر آید۔ و این روزها غزلے درمیان احباب طرح شده و دران زمین ده بیت گفته شده بود به چشم داشت اصلاح درین ورق نگارش می پذیرد۔ غزل:

در وصـــل دل آزاری اغیـــار نـدانـــم دانـنـد کـه مـن دیـده ز دیـدار نـدانـم الـخ

زیاده حدّ ادب، از اسد اللّٰہ، نگاشته هژدهم رجب ۱۲۵۵ھ ۱۸۴۱ع۔

در همین روز ورودِ والا نامه سید حیدر علی صاحب و سید امانت علی صاحب سلام نیاز خوانند و مشتاق دانند۔ بندۂ شاه شمائیم و ثنا خوان شما۔ مکرمی جناب حکیم رضی الدین حسن خان بو الا خدمت حضرت صاحب مراسم تسلیم و آداب می رسانند فقط۔

خط ۔ ۱۰

خط مرزا نوشه بجناب حضرت صاحب مدظله العالی

سخن درباب رباعیات می رود، یا رب بین من مخنف سراج پیرو مرشد نبود، سه رباعی که در آخر رقم یافته مضمون آن دارد که علی خلیفه، بود۔ و این عقیده را من نه دارم۔ من علی را امام دانم و دیگران را خلیفه۔ خلافت مرادف سلطنت و ریاست است۔ بزبان عرب رئیس و حاکم را خلیفه گویند، اگرچه معانی لغوی نیابت است، بالجمله علی بلا فصل بعد از نبی امام است و امامت امریست یزدانی و علی امام است هم در عهدِ خلافتِ ابوبکر و هم در عهد خلافت عمر و هم در عهد خلافت عثمان۔ و این که

مشهور است که علی بعد از عثمان خلیفه شد غلط است۔ اصل این ست که امام بر حق مرتضی چون بعد از رسول امام شد، ابابکر صدیق را خلیفه کرد و امرِ قضا به وے سپرد، تا قطع خصومات مسلمین نماید و بر مومنین فرمانروا باشد۔ پس از و عمر را برگزید و از ان بعد عثمن را خلافت داد۔ این هر سه تن به داور سپردند و نبی و امام را اطاعت کردند و بعد از عثمان هیچ کس لائق عهدهٔ قضا در مسلمین یافته نه شد و آن که آرزو کرد نیز شایسته این کار نه بود۔ لا جرمِ امام وقت کار قضا به عهدهٔ خود گرفت، توجه به قطع خصومات اهل اسلام پر داخت۔ شاه اگر کارِ قاضی کند او را قاضی نه گویند۔ الجمله علی امام ست در عهد ثلاثه، خلافت بعد از عثمانؓ به بنی اُمیه منتقل شد و از ان گروه به آل عباس رسید و این هر دو گروه برعکس خلفای ثلاثه ستم ها کردند و خونها ریختند و امامت علی و اولادش را محو کردند و ائمه را کُشتند۔

(اسد اللّٰه)

☆☆☆

بنام محمد یوسف علی خان بهادر

خط ۔۱

بحضورِ سراسر سُرورِ جنابِ مستطاب، نواب همایون القاب، جهانیان کام بخشِ جهان' جهان کامیاب، دَامَ بقاهُ' بِقبُولِ الاقبالِ، سجده فشانی قلم نیوزش گستریِ عریضه نگار توام افتاده۔ همانا آن درگهِ اسکندر و دارا گزر گهٔ پیوسته در نظر است، که هم از دور در زمرهٔ بردیگان بندگی بجا می آورد۔ سپاسِ این معنی خود از اندازه افزون تواند بود، که بعنوان روشناسیِ ذره با مهر و آشنائی قطره با بحر، گدا را باشاه بیگانگی درمیان نیست۔ در آن روزگار رنگین تراز نوبهار که به فرخندگیِ وجودِ مسعود، وساده بسپهر ساده دم ارا برابری زد، نگشتن و روان داشتنِ قطعهٔ تاریخ جلوس (۱) توانائی آن دانائی و روان آسائیِ آن شناسائی صورت پذیرفت۔ اکنون که گیتی خدای قلمرو دانش، آن به فرتابِ نظر باہر خسیس جلیس و آن به فروزهٔ فروزشِ عمل باعقلِ فعّال همال، امیر الدوله مولوی حافظ محمد فضلِ حق خان بهادر (۲) به بندهٔ فرمان پزیر فرمان فرستادند که غالب به پرستش گری کمر بندد و در نشاطگیِ شیدا نِ افکار حُسنِ خدمت عرصه دهد' اندیشه بهر پیشه

درینگ برنتافت وہم امروز کہ فردای ورودِ نوازش نامۂ مولاناست، این نامہ کہ بحظِ بندگی سانانست، روان داشتہ آمد۔ چشم داشت آنست کہ دوریٔ راہ تفرقۂ درمیان نیداز دوسپس حاضرانِ آن حضرت ودعاگویانِ دولت بشمار آیم۔ زیادہ جِدّادب بحتِ ازل آور ددرروزفزونیٔ دولتِ ابدپیوند باد۔ عراصداشتِ ہوا خواہ، اسداللہ۔ نگاشتہ روان داشتۂ چارشنبہ ۲۸ جنوری ۱۸۵۷ء (سہر: نجم الدولہ دبیرالملک اسداللہ خان بہادر نظام جنگ ۱۲۶۷)۔

.........☆☆☆.

خط ۔۲

بحضورِ پُرنور ظہور، حضرتِ نواب معلّی القاب، جاودان کامیاب، ولّیِ نعمت، آیۂ رحمت، دامَ اِقبالُہٗ۔ سپاس بجای آور دوپورش ہمی گستردٔ آن بارگہِ سپہر کار گاہ راقبۂ حاجات میداندٗ و بہنجارِ سر گرشت حکیتی بعرض میرساند۔ سہ شنبہ ۲۷ جنوری نامۂ مؤلیٰ وبالفضل اَوْلیٰ (۲) بمن رسید، چہار شنبہ ۲۸ جنوری عرضداشت روان داشتم۔ چون دو ہفتہ گزشت و سررشتۂ ڈاک دریں بندوبستِ جدید استوار نماندہ (۳) گفتم ”مگر نرسیدہ باشد“۔ دی کہ چہارشنبہ یازدہم فروری ۱۸۵۷ بود، چاشتگاہ قصیدۂ (۴) بقصدِ اظہارِ فرمان پزیری فرستادم۔ شامگاہ سرہنگِ یام منشورِ عطوفت آورد۔ برسردسلکِ دیدہ سُودم‘ وخردۂ جان نثار کردم۔ تانوردازہم کشودم، دوورق ازفہرستِ گنجینۂ اسرار، یعنی اوراقِ اشعارِ گہربار، وسفتچۂ (۵) دوصدوپنجاہ روپیہ درآن نوردیافتم۔ دفترِ شعر سحلِ اعتبار سر شد، وررآنُ سفتچہ بمعرضِ وصول آمد۔ کرم دربندہ پروری بہانہ میجوید‘ ورنہ این

افتتاح بشیرینی نیاز نداشت۔ کریمان بندہ رانہ نمک ہمی پرورندٗ ولّیِ نعمت را بندہ نَشکُرْ پروردن آئین است۔ شِکرِایں شکَرْ بعہدۂ جانِ شیرین فروگراشتم، واین نامہ بہرِ آنکہ رسیدنِ عطیہ حالی گردد، بدین رودی نگاشتم۔ اشعار خود بہ ہنگام خویش خواہدرسیدواین سرچشمہ ہیچگاہ ازہم نخواہد گسست۔ زیادہ حدادب۔نیرّدولت واقبال سرچشمۂ فروغِ بی زوال باد!

غالب پنج شنبہ ۱۲ فروری ۱۸۵۷

ہی باریک کاغذ پر لکھ کر اُس (۱) ساہوکار دیجے گا، اور اُس کو تاکید کیجے گا کہ اس کو بھیجدے۔ یہاں کے ساہو کار نے میری خاطر سے اس رقعے کو اپنی (۲) چٹھی میں روانہ کیا ہے۔ غالب پنجم ذی الحجہ (۳)

☆☆☆

خط ۔۳

بوالا خدمتِ رفعات درجت، حسابِ نواب صاحب والا مناقب عالیشان قلزمِ فیض و محیطِ احسان، عَزَّ نَصْرُهٗ سُلْکُهٗ ، آدابِ نیاز بجا می آرد' ونیاز مندانہ عرضہ می دارد۔ دررسیدنِ چیرہ دستیِ کورنمکانِ سپاہِ رُوسیاہ سررشتۂ پیام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادنِ نامہ بر، رسیدنِ نامہ وپیام صورت بست۔ دریں روزگار کہ فرمانِ داورانِ داد گررواتی وسلسلۂ آمد شدِ نامہ رسائی یافت، نامہ درپیام روان داشتہ شد، وبہ رسیدنِ پاسخ آں راچناں پنداشتہ شد، کہ مگر آں نیا بنشانہ نرسیدہ باشد، بہ فرطِ احتیاط مانع تحریر جواب گردیدہ باشد۔ ہر آئینہ دردل چناں گزشت کہ دریں بربذ انسان سخن سرای توانگشت کہ سرگزشتِ من ازدلّی نعمت نہاں دحجابے درمیاں نماند۔

حالیۂ رائے جہان آرای باد کہ دیرینہ نمکخوارِ سراً کارِ انگریزم' وارسرآغازیک ہزارو سالِ ہشت صدوشش کہ دران گاہ شمارِ سنینِ عمرِ من ازدہ بہ گزشتہ بود' بعوضِ جاگیرعمّ حقیقی نسبیِ خود' نصراللہ بیگ خاں بہادر (۴) کہ بجمعیت رسالۂ چہارصد سوارسعیت جرنیل لاڑد (۵) لیک بہادر (۲) درفتحِ ہندوستان کوششہای نمایاں کردہ، وپرگنۂ ''سونک سونسا (۷) بقیدِ حینِ حیات جاگیر یافتہ، وہمدراں عہد بمرگ ناگاہ ازجہاں رفتہ بود، بفرمانِ جرنیل لاڑد لیک بہادر و منظوریٔ گورنمنٹ ، ششت زری شامل جاگیر عم نسبیٔ من، نواب احمد بخش خاں بہادر، (۸) دروجہِ معاشِ من محملۂ رِ استمراریٔ سرکاری کہ بذمّۂ نواب احمد بخش خاں بہرِ دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔ چون جانشین احمد بخش خان (۹) کیفرِ کردار یافت، وجاگیر بسر کار بازیافت شد، رسیدنِ آن وجہِ مقرری ازخزانۂ کلکٹری (۱۰) دہلی صورت پذیرفت۔ چنانکہ تاانجام وارزاویہ بروں آمدن نتوانم۔ بہ نگاشتنِ این نامہ' زحمتِ اوقاتِ سالارسان ازان رُورواداشتہ ام کہ اگر بہ وستادن نامہ محض ازروئ احتیاط است، ہویدا گردد کہ درعنایت تفریط و در رعایت افراط است۔ چشم دارم کہ بمشاہدۂ سواد نوار شمامہ فروغ نظر اندوزم۔ شغلِ شعروسخن ہر آئینہ یقین دارم کہ دریں چنیں فتنہ وآشوب دل بداں کہ رچگونہ گراید؟ دولت پایندہ و نصرت طرب فرایندہ باد' از اسداللہ عدلت۔ نگاشتہ وروان داشتہ پنجشنبہ ۱۴ جنوری ۱۸۵۸ء

لہٗ

دبیران خاص، برعنوان نامہ ہای پیشیں، نشانِ کلبۂ این درویش دلریش عقبِ مسجدِ جامع نبشتہ اند، ومن ازہفت ہشت سال درمحلۂ بلی ماران می مانم۔ سپس نشانِ ایں محلّہ نگاشتہ شود۔ فقط

☆☆☆

خط ۔۴

بحضرتِ فلک رفعت، نواب معلّی القاب انجم گروه، آفتاب شکوه، نه بخشش
وبخشایشِ بی نوایان را نوا نگر کن و ناتوان را توانگر، درعزّ وجاه باتاجداران همسر
درملک وسپه باشهریاران انباز، که بفرزانگی حلقه درگوش افگندهٔ دانش گستران،
وبمردانگی غاشیه بردوش نهندهٔ دلاورانْ هرچه ازشناسایی ستایش بقلم همی رسد،
مرزبازوی همت است تابدان نیرو درسخن دلیری تواند کرد۔

همانا از راز سپهر وستاره سخن همی رود وخجستگی و فرخندگی چند گفته می شود۔
این نوید هفته که راستان درباستان این را "بهرام روز" میگفتند واکنون "سه شنبه" نام دارد،
روزبیست فرور،؟ ویژه درین سالِ فرخ فال که دوسین روز راست ازفروردین، وروزِ بیست یکم
ازمارچ، وروز بیست ودوم ازشوال، باری، نخست بر آن سرورِ شاه نشان که امروز نشستن
اندام آبروی گرما به افزود، مبارک، وسپس برغالبِ سخندان که عقیدت خوی ودعا گوی
این درگاه ست، همایون!

همانا درین روزگار، خسرو ستارگان که مهر منیرش دانی، درتره واز سوی فراز نخستین
سیارگان که زحلش خوانی، در ترازو، سعدِ اکبر به قوس، و سعدِ اصغر به ثور، آن دو نیز به
بیت الشرف خوشنود وشاد، واین دواختر بکاشانه های خویشتن آباد۔ گمان ندارم که
ازخسروانِ پارس وسلاطینِ عرب هیچ کس چنین طالعی بهرِ جلوس اتفاق اُفتاده باشد، که
حضرت ولیٔ نعمت رابرای غسلِ صحت دست۔ بهم داده است۔ خردتا گفتارِ مرا شنود،
چشمک زد و به پیغاره سرود که ای دردرخشانیٔ انجم افتاب، چون کودکان درنال افشانیٔ
کرمکهای شب تاب، نگران! ازحلقهٔ اختر شماران بدرآی، وبدستان کیمیا روحانی رمزی
ازحکمتِ ایمانی بشنو، تابدانی که بدین امیر مسند سریر، سلطان نظیر، عمرِ جاودانی ودوام
لذتهای روحانی بخشیده اند۔" گفتم "برهان نباشد کلیدِ سخن راجز بیان نباشد، برای حجر
سپنداز! و اگر حجّتی داری، بیار"۔ گفت: "برهانی ازین ارجمندتر و بختی ازین خراد پسند
ترچه خواهد بود که چون آفریدگان را در آن جهان عمر دوباره دهند، دیگر بیمِ مرگ برخیز
دو به بانگِ صوراز خوابِ فنا جستگان درآن گیتی جاوید پایند۔ مگر صحتِ خداوندازین
رنجوری هولناک بدان نماند که پنداری عمردوباره یافت؟ پس اقتضایٔ دوباره زیستن

تعبیرچرا پرسرد؟ وچون بسی بافتگان آن جهان درآن جهان جاودان زنده مانند، آنکه دریں گیتی حیاتِ ثانی پرگرفته باشد، هم دریں گیتی همیشه زندگانی چون نکند؟ این عمر عزیز که بخدایگان داده اند عمرِ خضروالیاس باشد که یکے را بہ شمر دبرنگ صحرا ودیگری رابه پیمودنِ آب دریب گردد۔ انشاء الله العظیم جنابِ عالی باجهانبست، پرویز بزم، تهمتن رزم دشمن گداز، دوست نواز، بلب درسخن احمر فشان، وبکف درکرم گوهرفشان خواهد زیست۔ قطعۂ تاریخ غسل صحت، وقصیدۂ تہنیت که پیش ازین فرستاده ام نظمی است شاعرانه، واین نگارش نثریست عارفانه، قانون حکمت و شریعت راجامع، هم ازروی نقل حق، وهم ازروی عقل راست۔ بقای خداوندبعمرِ دره جاودانی، ونشاطِ بی اندازه پیشکرِ اینِ حیاتِ ثانی باد! چارشنبه ۲۳ شوال سنه ۱۲۸۱ھ و ۲۲مارچ سنه ۱۸۶۵ء۔ (مہر غالب ۱۲۷۸)

☆☆☆

بنام محمد مصطفی خان شیفته

خط۔۱

جنابِ عالی!

درتموز دی روز که خون در رگ سوخت، و مغز دراستخوان گداخت، بلائے استسقاء آن چنان عام بود که سمندر تا خودرا از آتش در آب نینداخته باشد آرام نیافته باشد۔ هرگه که خوی من است جُرعه جُرعه آب آشامیده می۔ شمارا هر دم یاد آور دہی۔ اگر دل از تشنگی یك ره سوخت، از بهر شماصدره سوخت۔

کسے درعاشقی هم پیشه را چون من نمی خواهد
خورم گر آب شیرینے بیادم کوهکن آید

بارے بگویند که روز چون سپری گشت و شب چگونه گذشت۔ خان صاحب چه تجویز کرده اندودی روز وامروز کدام دوا آشامیده اند۔ دیگر آن اگر امروز زنده مانم، فردا بمداد کهاران فرستم تامرا ببرند۔ والسّلام۔ از اسد اللہ۔

☆☆☆

خط ۔۲

خداوندِ نعمت را گِردِ سَر گردم، وسپاس رُوان پروری بجا می آرم۔ عطیه آور بعد پرسش دیگر ارزانی داشتی، ہمانا از صحت و بہجتِ مزاجِ ہمایوں بشارت دادہ باشد کہ دراشارت چنیں گفتہ آمد۔ فردا کہ آدینہ روز است بہ بارگہِ سپہر اشتباہ سلطان می روم۔ امید کہ چوں برگردم بہ آستاں بوس مخدوم رسیدہ باشم، بحضرت سید سلام می رسانم۔ والسلام از اسد اللّٰہ۔

☆☆☆

خط ۔۳

قبلۂ من، چوں مخدوم صَوم و نوم باہم آمیختہ، لا جرم من کہ یکے ازیں ہر دو مفوضت نتوانم کرد، باہر دو چوں طرف گردم، ہمانا در معذرت کاہل قدسی سخن می رود تا فرا رسد کہ اگر بملازمت نرسیدہ ام چرا نرسیدم و چہ اندیشیدم۔ ہاں بندہ پرور، امروز پنجمینِ روز است، کتاب مسودہ بارد ہندو برمن سپاس نہند کاش ایں نیز بدانم کہ چوں سفر مولانا گذشت، کدام عبارت دلاویز مسطور بطرز عطوفت گشت۔ اُمید کہ از حالِ مزاجِ مبارک، کیفیتِ روزہ، خاصہ دریں ہموار رُوان سوز، آگہی بخشند۔ حق حفظ صحت ادا و روزہ قضا کردہ باشند۔ فقط

از اسد اللّٰہ (غالباً اگست ۱۸۵۰ء)

☆☆☆ ..

خط ۔۴

بندگی می فرستم، دوامِ دولت و افزونیِ خواجہ از یزداں میخواہم مگر نبشتہ باشم کہ رودادۂ جہاں ستانیِ اسپرِ تیمور و ناخور بہ نگارش گراں پذیر فتہ است، بدرگہ می برم و خودش می کشم، خواجہ برمن خوردہ گرفت کہ فلانے نہ بہ تفریح سبزہ و آبِ رواں می رود (کذا) بیہاں چوں منے راسیر سیرو تماشا کجا۔ یارب کے رفتم۔ آخر آں شد کہ چوں احترام الدولہ بہادر بشہر تشریف و رود بخشید، پیش وے رفتم و آں نگارش کمابیش چہار جز و کاغذ بودہ بوے سپردم، پنہاں مباد کہ من از اندوہ ستوہم و از زیستن بیزار۔ ایں کار راندم سردی و دل افسردگی می کنم، عنان توسنِ خامہ پنداری بدستِ من نیست، خود بہر شیوہ کہ خواہد گم می زند رہ می رود۔ و حالِ مزاجِ مبارک آنچہ گماں داشتم بہ یقین

انجاسید، یزدان توفیق پرہیز و بذریعه پرہیز تندرستی عطا فرماید۔ قُرۃُ العین محمد علی خان دعا خواند۔ والسلام۔

(غالباً آخر اگست ۱۸۵۰ء)

☆☆☆

خط ۔۵

اُمید گاہِ اہلِ معنی سلامت۔ ریخته از نتائجِ تر گیِ فکراست و غزلہای پرسی (که) پیش ازین ریخته شده بوداسشب بپاین رسید۔ خدارا درین ہر دو غزل آن بباید نگریست که تا که حرف می زند و چه می گوید۔ حالیا حقیۂ این ابیات راخواستارم و سپاس را پذیر فتر و آفرین خوی بستم۔ ہمان نوید خرسندی و تندرستی و شاد کامی می خواہم و بس۔

☆☆☆

خط ۔۶

روز چہار شنبه یعنی دی روز عرضه داشته ام که روزِ آدینه بدرم می دہند و بعطایے خلعت و خطاب و توقیعِ نوکری برمن سپاس می نہند۔ احترام الدّوله بہادر بمقتضائے محوائے این فرد

فرداست وعده جنّت (و) امروز شد نصیب
آرے خلافِ وعده کریمان چنین کنند

ہم امروز که روز سعدِ اکبراست سرابه بزم خسروی خواندو کامیاب خطاب (و) خلعت و فرمانم گرداند۔ دی شحنۂ شہر۔ ''بدمعاش'' و ''سر مسطم'' نوشت، و از من ہیچ نکاست۔ امروز بادشاہِ دہلی نجم الدوله و دبیر الملک خواند، و برمن ہیچ نیفزود۔ کاربافردا ست تادران روزم چه نویسند و بکدام نامم خوانند و دران چه ارزم بود۔ یارب بیایند و زُود بیایند تافرمانِ شاہ (و) نگرش ہائے این روسیاہ نگرند۔ والسّلام اُنوف الاحرم نگاشته یوم الخمیس ۲۳/شعبان و چہارم جولائی ۱۸۵۰ء

نہان نماناد که تاریخ نوکریٔ من در سرکار شاہ بعہدۂ ''تاریخ نویسی اسلاف'' این خاندان بمشاہرۂ پنجاہ روپیه، یکم ہمین ماہ است، یعنی وصول زرتن خواہ درسالے دوبار است۔ فقط

☆☆☆

خط ۷

للہِ الحمد وَالمنّتہ کہ خواجہ بسرِ منزلِ نعمت باز رسیدہ، و نورِ دیدۂ خویشتن رادید، اُمید کہ چون تمور بپایان رسیدہ، و ہوا خنك گردیدہ است، اعتدالے درمزاج پدید آمدہ بشد، و ہر قدر بکاہد نشاط افزاید۔ دوسہ روز است کہ نگرش رودادِ امیر تیمور گورگان کران پذیرفت۔ حالے خودرا بوعدۂ دو ہفتہ آرا میشِ سر بخشیدہ ام پس از ان کہ دم گرفتہ خواہد شد سیر گدارشِ حال بابر بادشاہ رفتہ خواہد شد۔ باللہ فکر این نثر از فکر نظم نحتی جگدار تراست۔ روزِ عید قدمبوسیٔ مولانا دست بہم داد نوازش فرمودند و نثر راستودند ۔ شاہِ گردون بارگاہ بہ مزارِ فائض الانوار قطب الاقطلاب روئے آوردہ، و احترام الدولہ نیز بادشاہ است۔ اگر اتفاق افتد من نیز می روم و دوسہ روز دربس حاروے شغفے ورنگ ہوای نگرم۔ چکنم تانچہ نبشتہ ام بشمارسد، و دیگر ہر چہ می نوشتہ باشم ورق ورق سطرِ انورسی گذشتہ باشد ۔ ورقے چند کہ نواب فخر الدین خان نشتند (کہ) نزد ایشان ہستند۔ تاانچہ فراہم می آید می نوشتند وآن اوراق صورت کتاب یافت۔

(غالباً ستمبر ۱۸۵۰ء)

☆☆☆

خط ۸

یارب این نامہ کہ از والیٔ لا اُبالی و مولائے فارغ از موالی بمن رسید از نگرانی چہ کاست و درآگہی چہ افزود دیگر دانستم کے مرام پور کہ رفتہ و چند روز انجس ارا بودند، و کے باز آمدند، و بمبئی کے خواہند آمد، این ہاہمہ برکنار، آہ از من کہ ندانستہ باشم کہ چہ حال دارند، و مرض (کہ) پیش ازین داشتند، و حالیا نصیب اعدای دولت باد، چہ صورت دارد۔ این رنج کہ سرانیز روزگارے دراز در آزا رداشتہ لختی گران بہاست، فضل و کرم است، و خواجہ عشرت دوست یزدان نگہبان باد، و جان (و) تن توانا، عیش و عشرت مہیا، باآن کہ سخن از ان شرحاً نگذشت (کذا) و ثنا بدعا منتہی گشت۔ ہنوز جنبشِ نفس دست برلب می زند، و سراہم بدان ہنجاربہ نوامی آورد۔ ہان اے داور، چون گویم، کہ بید ادگرہمین است کہ نگویم۔ داد گر، اینچہ اداست کہ باحتمال عبارت نامہ (کذا) حریك دو بذلہ، بہ توجہ مشابہ (کذا) احباب بربانِ قلم بہای رود، گوئ ماوشما موجدِ این شیوہ و مخترعِ این ادائیم۔ من بدان در خورم کہ مرا بیك لطیفہ و چند لفظ از سر وا کنند ۔ ندانستند کہ جگر تشنۂ دیدارم نہ پند اشتند کہ جویاے اخبارم، نیند یشیدند کہ (خیر) خواہِ جان و تن شماستم۔ نسنجیدند کہ تا غالبؔ سرگذشت سفر

رامپور نخواهد شنود، نتواند آسود۔ نفهمیدند که وعدۂ دیدارے می خواهد، نخواستند که از حال غلام علی خان سرِ سخن رانند، باللہ شگفتی فروماندم و شگفت (کذا) که استعجب مراعجمی ندارند۔ بارے بندگی و بیچارگی۔ از ہمہ قطع نظر کردم۔ ہائے شعر ریختہ گوئے که ندانم کیست چه خوش می گوید۔

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

صبح می کنم بدین که از حال سراجِ مقدس اوّلاً و از قصد ورود دہلی ثانیاً آگہی بخشند۔ زندہ بندگی بیچارگی۔

نبشته صبح چہار شنبه ۸ مئی ۱۸۵۰ء

☆☆☆

بنام منشی نبی بخش اکبر آبادی

خط۔۱

شفیقِ مکرم و مطاعِ معظم، از درویشِ گوشه نشین، اسد الله خان حزیں پس از ان که سلام خوانند، دُرودِ رافت نامه را که فرستاده، خاطر نشانِ خوش گردانند فردا دلِ ستم زده را با خیال آویز شے بود، ونارسیدنِ نامه از ان سوی لختے مشوّش داشت، امروز ہمیں دم که نیم روز است، بریدِ ڈاک آمدو نامه آورد۔ خواندن ہماں بود و بپسح نگری نشستن ہمں۔ چوں کار پرداراں ڈاک ڈکں پگاہ می کشند، و پس از گذشتنِ نیمه روزه نامه نمی ستانند، ہر آئینه ایں ورق که امروز نگاشته ام فردا چاشت به ڈاک خواہم فرستد۔ بارے آں که حال من پرسیده اند، و غزل از من طلب کرده اند۔ سور دارند که دل بجائے بود، زباں زمزمه سرائے بود، اکنوں که دل ان چناں افسرد که گوئی مُرد، چه خوش اید، تلب درخروش۔ نمی نگرند که ہم ازیں حکّام که مرا برسروچشم می نشاند ندچه رفت و معاش من صورت معادِ کفار گرفت، بسخن چه گرایم و تاچند باد پیمایم، دوسه روز است که بے رونقیِ کار خودرا در نظرمی سنجیدم، بیتے که تخلص نیز داشت، بے حواست بر زباں گذشت، تازه اگر ہست ہمیں است و بس۔

گفتنی نیست که بر غالبِ ناکام چه رفت
می توان گفت که این بندہ خدا و ند نداشت

از آلامِ جسمانی اگرچه فراوان است، تالّم (و) اندوہ روحانی ست که دل و جگر را بہم می زند۔ اُفوّضُ امریِ اِلی اللّٰہ اِنّ اللّٰہ بصیرٌ بالعباد ٥ جلیل القدر تفتہؔ سلمہٗ اللّٰہ تعالیٰ ندانم کجاست، غزلیات آن شمع بزم سخن وری بشما می فرستم، می توان رسانید و می توان گفت کہ رباعیات بعد ازین خواہد رسید۔

عبدالقاہر اسد اللہ نگاشتہ شدہ ۱۶ ستمبر ۱۸۴۸ء

.....☆☆☆..

بنام لالہ ہرگوپال تفتہؔ

خط ۔ ۱

مہربانا رافت نشانا۔ فہرستِ متاعِ کارخانۂ حیال یعنی کلیاتِ آن عدیم المثال رسید، و از رسیدنش رُوان آسائی آمد، از دیر باز سوے شما نگران بودم، و چون مسکن و مقام شما درنظر نداشتم، نامہ نتوانستم فرستاد۔ شما راچہ بران داشت کہ نامہ نفرستادید و از حالِ خودم آگہی ندادید۔ برے ازین التفات نامہ بدان وا رسیدم کہ شما را عافیت حاصل و مرادِ دلِ شما حاصل ہست۔ کلیات رانمی نگرم و بر خود لازم گرفتہ ام کہ سراسر نگرم، و درحکّ و اصلاح خودرا معاف ندارم امّا این کار زودی بسر انجام نہ پذیرد، لاجرم اگردِ رنگ روے دہد ملول نشوید۔ حالیا دو جلد دیوانِ فارسی بہ سبیل پارسل بعد اداے تمغاے ڈاک می فرستم، و نامۂ بنام نامی مشفقی منشی نبی بخش سررشتہ دار عدالتِ فوجداری کول، ہم ہست۔ نشگفت کہ شمارا بامنشی صاحب آشنائی باشد، و اگر ہم نباشد، بدین تقریب آشنائی تو ان شد، می توان رفت، و نامہ کہ باسمِ سامیِ ایشان است، بایک جلد دیوان می توان بُرد، و نامہ و کتاب رساند۔ می توانستم بدان بزرگوار کتاب جداگانہ فرستادن، اما خوشتر آن دیدم کہ بشما فرستم۔ عمرے است کہ آوارہ خجستگی خوی و فرُخی نہاد مکرّمی منشی ظہور علی صاحب دام بقاءٗ می شنوم، واز ارادت مندانِ آن صاحب دلِ دیدہ ورم، چشم دارم کہ بر من سپاس نہند و از من سلام و نیاز و شوق بدان حضرت عَرضہ دہند . . دیگر، آن سپہرِ سخن را ماہِ دو ہفتہ، یعنی لالہ ہرگوپال تفتہؔ، از شما آن خواہم اگر زُود زُود نبود، گاہ گاہ بفرستادنِ نامہ شادم دارید، من خود وعدہ می کنم کہ بعد یک ماہ اجزاے دیوان شمارا، بطریق

پارسل بشما خواہم فرستاد، دراں پس رسم و راہِ نامہ نگاری میانہ ہم برہم نخواہد خورد۔ از اسد اللہ نامہ سیاہ نگشتہ بست (و) ہشتم جمادی الاوّل ۱۲۶۳ء ہجری مطابق دوازدہم مئی ۱۸۴۷ء۔

☆☆☆

بنام مولوی فضل اللّٰہ

خط ۔۱

حضرت سلامت، ایں داؤری کہ درپیش است، چوں سروش بودنش بجائے خویش است، این سایہ و رنگ برنمی تابد۔ لختے میر قسم علی صاحب را دلیر ساختہ آید، و چندے خود ارراہِ التفات پرداختہ آید، من و ایمانِ من، کہ برمن اندوہِ ایں درنگ گران است، و دل خود پیش ار اں کہ ایں بار بروے نہد، ن توانست۔ والسّلام خیر ختام اَسدُ اللّٰہ۔

مضمون لفافہ این رقعہ

چون نامہ برجادہ شناسِ سرِن مقصود نیست، اُمید کہ یکے ار خواجہ تاشانِ غالبؔ، یعنی عزیزے از سلا زسانِ حضرت مولوی صاحب قبلہ جناب مولوی محمد صدر الدین خان بہادر، این نامہ رابہ مخدومی مکرمی، مظہر اسمِ خویشتن، یکے نہ از شہرِ من جناب مولوی فضل اللّٰہ صاحب، زاد لطفہٗ می رساند و منّت بر فرستندہ نہد۔

☆☆☆

بنام سرسید احمد خان

خط ۔۱

نواب معلی القاب و سیّد عالی جناب سلامت

بہ رسیدنِ منشور رافت نشان شدمان شدم، واراں چہ سرابسر انجام ار فرمان دادہ اند،عمیں یك دو بیت ار دیگرے گرفتن و برآن گفتار دوچار بیت ار خویش افزودن کدام آئیں سخن وری و کدام شیوہ معنی پروری است۔ خاصہ ایں دو بیت کہ جُز شکوہِ الفاظ تازی ہیچ گونہ معنی درك ندارد و سیما در بحرے واقع شدہ کہ ہیچ کس ار ایرانیین در آن بحر غزل نگفتہ، انچہ بریں دو بیت افزایند۔ خواہی آں رامسدّس نام نہند و خواہی ترجیع بند خوانند۔ خاص ار شہرانست کہ گدایان باد گیر بدور درہا بآہنگ

حریں بحوانند۔ کدام عاشق حاتم المرسلین بسمع این اشعار از حود رود و گریہں درد۔ حاشاثم حاشا محدومی مولوی علام امام شہید سلّمہ اللّٰہ تعالی ہر چہ گفتہ اند حوش گفتہ اندو حوشتر ازیں نتواں گفت۔ لیکں ایں شعری و سحں وری نیست۔ چیزے دیگر ست کہ در مجلس مولود شریف حواند۔ فقیر حقیر را درنعت اشرف المرسلین علیہ و آلہ السّلام قصیدہ ہا و مثنوییہا است، از ان جملہ یکے مثنوی نقل کردہ بحدمت می فرستم، ایں را بنگرید و بحوانید و از بندہ اشعارے کہ بہ شیوۂ سحن گستراں باشد اررو بکنند و بندۂ حود انگارند و بحدمت مہیں برادر حود سلّمہ اللّٰہ تعالی سلام برسانند۔ والسّلام۔

از اسد اللّٰہ

بنام تامسین صاحب سکرتراعظم

خط۔ا

بوالا حباب محمدت نصاب صاحب رفیع المناصب عظیم الشان، قدر افزائے ہوا خواہاں و امید گاہ بے دستگاہاں دام اقبالہ و زاد افضالہ[۱] بدریعہ تقدیم کورنش و تسلیم عرضہ می دارد و حود چہ عرضہ دارد کہ حال بندہ از خداوند نہاں و بندہ را یارائے آں نیست کہ بربگدار نگاہ رافت حداوندی گردِ رقم تواند انگیحت و با ایں ہمہ کہ آئیں بندگی و خداوندی این است بندگاں را دردِ دل گفتن و حداونداں راستودن ببر آئیں است۔ پیش ازیں عرض داشت انگریزی سرکاری بہ پیشگاہ گیتی پناہ شہریاری و جہاں داری یعنی محکمۂ عالیہ گورنری فرستادہ است لیکں چوں رسیدن عرضداشت با حسنِ موکبِ ہمایوںِ گورنری سفرں افتادۂ[۱] سخنِ پاسخ آں عریضہ فحر و مباہات را گرمیٔ ہنگامہ رودادہ است۔ دریں کہن دیر کہ عالمش نامند، گروہے بندۂ دام و درم است و جمعے بندۂ لطف و کرم، جہاں آفریں را جہاں جہاں سپاس کہ عرضہ نگار از فرقۂ ثانیست۔ ہر چند می داند کہ ایں گونہ نگارش (بہ) پاسخ نیرزد و ایں چنیں نامہ را جواب نباشد، ہمہ آں می سنجد و بہ[۲] حود اں می سگالد کہ مگر ایں بندگانہ نگارش آں سرکاری گزارش را فرا یادِ خاطر خطیر تواند داد و عریضہ نگاربوروِد توقیع و قیع

ا۔ افتادہ است۔ درست متن۔ بحوالہ جناب ڈاکٹر حنیف احمد نقوی مورخہ ۲ ستمبر ۲۰۱۲ء

۲۔ فرد۔ درست متن۔ بحوالہ جناب ڈاکٹر حنیف احمد نقوی مورخہ ۲ ستمبر ۲۰۱۲ء

(اصل - وقعی) که بجواب آں عرضداشت رقم التفات پذیرد، چشم جہاں بیں روشن تواند کرد۔ زیادہ حدِ ادب۔ نیر جاہ و جلال جاودانی فروغ و ابدی ضیا باد۔

☆☆☆

بنام مظفر الدولہ مرزا سیف الدین حیدر خان

خط ۔ ا

بندہ پرورا امروز بامدادان خیراتی خاں بمن گفت کہ نواب مظفر الدولہ بہادر سلام می رسانند و می فرمایند کہ فردا آخرِ روز نواب نوروز علی خاں نزد نواب صاحب قبلہ خواہند آمد، اگر تو نیز رسائی، خوشتر باشد۔ ہر چند پاسخ گزاردم و آنچہ می بایست باو (اصل- باز) گفتم لیکن می ترسم (اصل- میترسم) کہ مبادا سخنِ من چناں کہ (اصل-چنانچہ) بایست گوینده در نگفتہ باشد، سخن این است کہ حالتِ من توانائی انگیزش عذر ندارد۔ آرے اگر نواب نوروز علی خاں بدیدارِ آشفتگاں سرے داشتہ باشند، خانۂ درویش را دربان نیست، ہر قدمے کہ براہ خواہند نہد، جائے آں بردیدہ و دل خواہد بود۔ والسلام و الاکرام۔ نامہ نگار اسد اللہ۔

☆☆☆

بنام نواب معین الدولہ ذوالفقار الدین حیدر خان

خط ۔ ا

نواب عالیٰ جناب معین الدولہ بہادر سلمہ تعالیٰ!

دیروز بخدمتِ نواب صاحب قبلہ دربارہ سببے (اصل-سبد) عزمِ الوطن گزارشے رفت و پشیمانی بار آورد۔ ہمانا آں بے چارہ می خواست کہ بداماں دولتِ شما آویزد و بسایہ رافت شما آرامد چوں گنجائشِ این نسبت و باچری است، بارے این قدر خود تواں کرد کہ محروم نماند۔ سخن کوتہ ہر چہ از نواب صاحب قبلہ و از شما بدیں بندہ زادہ خواہد رسید، منت آں بر من خواہد بود و اجرِ آں بر آفرید گار۔ والسلام والاکرام۔

☆☆☆

خط ـ۲

مشفقِ من! جوش گفتار مُهر خموشی از دهانم برداشت تاچه گویم و از شماچه آرزوها جویم۔ گوش بمن دارید و بشنوید و بدین گفته بگروید۔ نه آن کنید که نشنوید (و) بدان نگر دید۔ سخن این است که شیخ مشتاق حسین که مشتاق تخلص می کنند و ریخته می گویند و بعربی گویند بمنتحی گوئی این ورق نزد شما می رسند و ایشان چنانکه شاعراند، مرثیه هم می خوانند و چون درین شهر آمده اند، آن می خواهند که دو سه جا بمرثیه خوانی مقرر شوند و آنجا مرثیه خوانی کنند۔ لا جَرَم شما را باید که اوّل ایشان را به ملازمت نواب صاحب قبله و کعبه دو جهان برسانید و ازان جناب فرمان گرفته ایشان را قرار دهند با خود را از منتسبان امام باڑه شما شمرند و بعهده مرثیه خوانی حاضر باشند۔ زان پس ایشان را بخدمتِ مخدوم من و برادر فرد مظفر الدوله بهادر برند و عرضه دارند که ایشان را بنظر گہِ اعتماد الدوله نواب حامد علی خان بهادر برند تا در آنجانیز منشور تقرر مرثیه خوانی یابند و درین هر دوجا همین نامه که بنامِ نامئ شماست، بخانید و از جانب من بجناب عالی بندگی و نواب مظفر الدوله سلام رسانید۔

چون این هر دو کار ساخته شود و نواب صاحب قبله بعد شنیدنِ یک دو سوز بشما فرمایند و ایشان ملازمِ سرکارِ شما چنانکه قاعده مرثیه خوانان است۔ شوندوهم نواب مظفر الدوله بهادر ایشان را باا خود برند یا بذریعه رقعه خود بمقصود رسانند، خاص شما بر ایشان مهربان شوید و به خود برده باضمر الدوله نواب احمد حسین خان بهادر عرف آغا حیدر آشنائی دهید و هم دران امام باڑه (اصل۔ایام باڑه) ایشان را بارو برائے مرثیه خوانی فرمانِ استوار دهانند و زنهار و زنهار که گفته ام خود را معذور ندارید و منّت بر من نهید و مرادر روائی این کارِ محرم شناسید۔ زیاده عمر باد و مزه عمر۔

☆☆☆

بنام مولانا محمد عباس شوستری ازبهوپال

خط ـ۱

خداوند نعمت، آیهٔ رحمت سلامت۔ تسلیم و کورنش و ذریعهٔ نیازے که پیش ازین بپاسخ همایون

توقیع رواں داشته ام بعزّ قبول قرین باد۔ دریں ہنگام در شہر دو دانش مند باہم در آویخته اند، یکے مے سراید که آفرید گار، ہمتاے حضرت خاتم الانبیا علیه و آله السلام مے تواند آفرید و ایں یکے مے فرماید که ممتنع ذاتی و محال ذاتی است۔ بنده چوں ہمیں عقیدت دارد نظمے در گیرنده بدیں مدّعا سر انجام داده است۔ ہر آئینه چشم دارد که سواد به نور نظرِ اصلاح روشن شود۔ زیاده حد ادب۔

از غالب نگاشتهٔ بست و یکم جماد الاولیٰ ۱۲۷۳ھ

۱ اے که مے گوئی توانا کرد گار
چوں محمد دیگرے آرد بکار

۲ با خداوندِ دو گیتی آفریں
ممتنع نبود ظہوری ایں چنیں

۳ نغز گفتی نغز تر باید شنفت
آنکه پنداری که ہست اندر نہفت

۴ گر چه فخر دوده، آدم بود
ہم بقدرِ خاتمیت کم بود

۵ صورت آرائش عالم نگر
یک مه و یک مہر و یک خاتم نگر

۶ ایں که مے گویم جوابے بیش نیست
مہر و مه زاں جلوه تاب، بیش نیست

۷ آنکه مہر و ماه و اختر آفرید
مے تواند مہر دیگر آفرید

۸ گر دو مہر از سوءِ خاور آورد
کور باد آں کو نه باور آورد

۹ قدرت حق بیش ازیں ہم بوده است
ہر چه اندیشی کم از کم بوده است

۱۰ لیک دریک عالم ار روئے یقیں
خود نمی گنجد دو ختم المرسلیں

۱۱ یک جہاں تاہست یک قائم بس است
قدرتِ حق را نہ یک عالم بس است

۱۲ از دلِ ہر ذرہ آرد عالمے
تا بود ہر عالمے را خاتمے

۱۳ ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمتہ للعالمینی ہم بود

۱۴ در یکے عالم دو خاتم را مجوے
صد ہزاران عالم و خاتم بگوے

۱۵ کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

۱۶ غالب ایں اندیشہ نپزیرم ہمی
خردہ ہم بر خویش می گیرم ہمی

۱۷ اے کہ ختم المرسلین اش خواندہ
دائم از روے یقینش خواندہ

۱۸ ایں الف لامے کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست

۱۹ منشأ ایجادِ ہر عالم یکے است
گر دو صد عالم بود خاتم یکے است

۲۰ خود ہمی گوئی کہ نورش اوّل است
از ہمہ عالم ظہورش اوّل است

۲۱ اولیت را بود شانے تمام
کے بھر فردے پذیرد انقسام

۲۲ جوہر کل بر نتابد تثنیہ
در محمد رہ نیابد تثنیہ

۲۳ تا نہ ورزی اندر امکان ریو رنگ
حیزِ امکان بود بر مثل تنگ

۲۴ سیم امکان اندر احمد سرِّ زیست
چون ز امکان بگزری دانی کہ چیست

۲۵ صانعِ عالم چنیں کرد اختیار
کش بعالم مثل نبود زینہار

۲۶ ویں نہ عجز است اختیار است اے فقیہ
خواجہ بے ہمتا بود لاریب فیہ

۲۷ ہر کرا بے سایہٗ بنہد خدا
ہمچو اولی نقش کیے بندد خدا

۲۸ ہم گہر مہر منیرش چوں بود
سایہ چوں نبود نظیرش چوں بود

۲۹ منفرد اندر کمالِ ذاتی است
لاجرم مثلش مثالِ ذاتی است

۳۰ زیں عقیدت بر نہ گردم والسلام
نسبہ را در سی نوردم والسلام

تحریر تاریخ ۴ جمادی الثانی ۱۲۷۳ھ

☆☆☆

بنام سید ابن حسین خان صاحب بہادر

ولد مجد الدولہ نیاز حسن خان بہادر شیر جنگ

خط ۔ ۱

در گردِ نالہ وادیٔ دل رزم گاہِ کیست
خونے کہ می دود بہ شرائیں سپاہ کیست

بدِ حسنِ دلِ ہمائے کہ ناگاہ سایہ برسرم گسترد، پردۂ بے گنگی از روئے یگانگی برافگند و گرم

خونیِ دل به نگرستن عنوان نگارین نامه مرانه شگفت راافگند که آیا جنیدن مہر دیرینه از کجاست و از اندازه گزشتن جوشِ خون در سینه چراست۔ گفتم این پود بوید بند راه آورد روان گرد خواہد بود۔ بارے کشایشِ نوردِ نامه نمایشِ نشان ہائے حرام خامه آگہی افزود که ہر چند بر تو مہرِ ازل در دل افروزی است اما روشناسی پیکری نیز نه امروزی است۔

آشـکـارا تـو از خـویـش نشـان بـر دہـم
گـر دلـت در گـروِ پـرسـشِ پـنہـانِ مـن اسـت

نامه نگار پایانِ فرمان روائی شاہ زمن و انجامِ کار کبئ معتمد الدوله به لکھنؤ روئے آورده و کم بیش پنج ماه دران شہر آب خورد کرده، رمضان بیگ نام آزادهٔ که از پدرم حقِ نان و نمک به گردن داشت، و در آن روز گزر زمره چین خوانِ نوال مرحومے مجد الدوله سید نیاز حسن خان بوده آمدن من شود، به دیدنِ من آمد و خوبی از اندازه بیرون برده نه اززم گستری و شناسا گری بیانه من و نام آور ستودهٔ مہر پدید آورد۔ ہمانا علت بے نام و نشان اگر خودرا فروشد از روئے ارزش ہم گاه ارزان است، از دیرین مہر و زبان است۔ نه نامِ ایزد درین نگرش گزین شیوه گزیده و نامه بآن آئین نوشته اند که اگر دیده وران از پروین و پرن بران سواد سپند سوزند، جادارد۔ مراخود از ہم چشمِ رحمِ خویشتن لب از اُن بکاد، خوانی ریش است و چشمک نہنی به سوئے خویش، باہ سخ چه گزارده آید و در نور دو اندیشه گزارش چه روئے نماید۔ خواہش حک و اصلاح برسر نوشت خودم نازان کرد۔ حاشا که این نثر رنگین تر از گل که اگر به مثل ازان ہمه برحرفے انگشت نہند سر انگشت چون عنچه نگارین گردد، حرفے توان ستود۔ داغم که از اجزائے خطبئ خویش ہیچ نشان از نامه نه گزاشتند تا نامه نگر اور آرایشِ عنوان به کار آمدے۔ سپس خاتمه راز روئے مہر به مُہر آرایند که آرزوئے من است،

والسلام مع الاکرام(۱)۔

☆☆☆

بنام وزیر الدوله وزیر محمد خان والئ ٹونك

خط ۔۱

حامداً و مصلّیاً

به موقفِ عرضِ بار یافتگان بزم حضور موفور السُّرور نواب قُدسی القاب، عظیم الشان، رفیع المکان، ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، قبلۂ دین و دنیا، حضرت امیر المومنین دام اقبالهٗ، می رساند که عریضه نگار اگرچه

بحسبِ صورت ار دور مند گانِ نظر گاه قربت است اما ار روے معنی وابستۂ دامن آں دولت ابد مُدّت است۔ ہماں شا گستری را کہ در آں حضرت شرف قبول یافتہ و سطور نظر کیمیا اثر افتادہ دریعۂ روشناسی می انگارد۔ ہمانا بدعوی گاہ استحقاق رافت و ارزش عطوفت دست اوبرے شگرف بکف دارد۔ دریں ہنگم کہ خان صاحب مشفق و مہربان طالع یار خان و سعادت و اقبال نشان اصغر یار خان ار اسلام آباد ٹونک بدین دیار آمدند، مسوّدۂ زبانِ اردو بمن نمودند، و فرمودند کہ خاطرِ آسمان پیوند والا خداوند بداں گرایش دارد کہ این عبارت ار ہندی بہ فارسی نقل کردہ شود تادل نشین نسخہ سرانجام یافتہ باشد۔ اراں جا کہ حق پرستی و حق گزاری آئین، و رعایتِ حقوقِ خداوندانِ نعمت ار ضروریات دین است، پیوستہ در بندِ آں بودمے کہ اگر تقریبے دست بہم دہد خدمتے بجا آرم، تا نوازش و بخششِ آن حضرت رابہ اندازۂ طاقت خویشتن تلافی کردہ باشم۔ چوں ار سپاسِ حسنِ اتفاق ایں خجستہ تقریب پدید آمد، بہ سرانجام کار و آرایش گفتار ہمت گماشتم و دعا و ثنائے کہ مکنون ضمیر بود درضمن ان نگارش بہ تقدیم رساندم۔ ہر چند متاع اندک است وہدیہ محقّر، لیکن چوں می شنوم کہ خلیفہ ار اعرابی آبِ شور بہ ارمغاں پریرفت، و سلیمان پے ملخ ازمور، دل را بہ نویدِ قبول شاد می کنم۔ آفریدگار زبانِ مرا ار گزاف نگہہ دارد، و ار حق اُمید وارم کہ جز حق در ضمیر من نگردد۔ حق اینست کہ ہم بہ استماع محامدے کہ ار مشفقی طالع یار خان خصوصاً۔ و ار دیگران عموماً می شنوم، وہم بمشاہدۂ التفاتے کہ درباره من بظہور آمده است، حیف می خورم کہ در عہد فرماں روائی لارڈ ایں برا سہدر، سوادِ شہرِ دہلی مخیّم سرادقِ جاہ و جلال شد و ایں سوختہ اختر توفیقِ قدم بوس نیافت۔ اکنوں برآں سَرم کہ اگر مرگ اماں دہد، و تاب و طاقت ہمر ہی کند، اریں شہر بہ نیتِ ہجرت نقل کردہ، مشتِ استخوانِ خود را بداں درگاہ، کہ کعبۂ آمالِ درویشانِ بے دستگاہ است، رسانم، و بقیہ عمر در خدمت حضرتِ امیر المومنین بسر برم۔

نیّرِ دولت و اقبال سرچشمۂ فروغِ جاودانی باد۔

عرض داشت اسد اللّٰہ۔ معروضہ چارم ذی الحجتہ ۱۲۶۴ ہجری۔

مہر

محمد اسد اللّٰہ خان

☆☆☆

خط ۔۲

عرض داشت هوا خواه اسد الله بحضور فیض گنجور جناب مستطاب همایون القاب، قبلهٔ دنیا و دین حضرت امیر المومنین دام اقباله مبنی بر آن سپاس نیایش که مریدان بجا توانند آورد، و متضمن آن قدر ستایش که سخنواران را در اندیشه تواند گزشت، همانا خود را از دیر باز بدامنِ آن دولت جاوید طراز بسته، از انجا که بکار دگر نیایم و جز مدح شیفته سر انجام نتوانم داد، بر نثر حوائج و دعا گوئی قناعت ورزیده، بخود آن قرار داده ام که هر سال بتقریب تهنیت عید اضحی سواد ستایشی از جانبِ من روشنیِ نگاهِ التفات می شده باشد، چنانکه سالِ گزشته قصیدهٔ که بیتِ اسم در آن نگارش اینست:

صورتِ معنی اسلام وزیر الدوله
که دلش آئینهٔ صورتِ ایمان آمد

روان داشته ام، و امسال این قطعه روان میدارم۔ زیاده حدّ ادب اختر اقبال در درخشندگی مهر جهان تاب توام باد۔

معروضه بیستم ذیقعدة ۱۲۶۹ هجری
مهر نجم الدوله دبیر الملک
اسد الله خان بهادر نظام جنگ

قطعہ تہنیت

ای که بر نام تو صدره جم و قیصر صد بار
عرضه دربارهٔ کم ساختنِ باج نوشت
گفت فیض قلم را علم فتح شمرد
بر سرت بخت کله را گهرین تاج نوشت
خمِ ابروی ترا، چرخ مهِ نو دانست
روزِ بد خواه تُرا دهر شبِ داج نوشت
آن دقائق که بود در گرو سهمُ الغیب
قلم تیر تو بر صفحه آماج نوشت
تو نرفتی، و بنام تو خداوندِ کریم
رقمِ قافله سالاری حجّاج نوشت

کاتبِ دهر، بسر مایۂ عمر تو فرود
هر چه در زایچۂ خضر به پیلاح نوشت
باد فرخنده و فرّخ بتو عید اضحیٰ
وانگه این قطعه، که این بندۂ محتاج نوشت

حکم شد که از شیخ الہداد حالِ عارض دریافته بحضور گزارش نموده شود فقط
تحریر بتاریخ بست و ششم ماه صفر ۱۲۷۱ھ

☆☆☆

خط۔۳

بحضورِ مکرمت ظهور جنابِ مستطاب نواب صاحب قبله و کعبۂ دو جهان قلزمِ فیض و عمانِ احسان دام اقباله

عرض داشت ہوا خواہ اسد اللہ

همانا مقصودِ عریضه نگار از هر گونه نظم و نثر، جز ستایش و نیایش نیست یا رب آن روزِ دل افروز فرار آید که دیده بدان کف پاے عرش پیماے روشناس گردد. و کار خامه از زدن گرفته شود، اگر روز گار مساعدات اسباب دریغ نداشت، درین زمستان احرام طواف کعبۂ مقصود خواهم بست، یعنی رحمت آستان نشینان خواهم داد۔ مرحومی میر تفضّل حسین خان را از کجا آرم که هم نمایش نامۂ مرا از نظرِ انور گذراند، وهم منشور کرامت و توقیعِ خوشنودی خداوند نعمت بر رساند۔ دانم که باخود به همیون خدمت ترسم کار من چنانکه من همی خواهم روانی نخواهد پذیرفت۔ درین درلخمی زبان مجموعۂ دانش و داد شیخ اله داد حوالت رفته است، امید که بسمعِ رضا اِصغا فرموده آید۔ زیاده حدِ ادب بهارِ دولت و اقبال جاودان و بهار ستانِ جاه و جلال بے خزاں باد۔

مهر
نجم الدوله دبیر الملک
اسد اللّٰہ خاں بہادر نظام جنگ

☆☆☆

بنام خداداد خان و ولی داد خان صاحبان

خط ـ ۱

خان صاحبان مشفقی، مهربان خدا داد خان صاحب و ولی داد خان صاحب سلامت از اسد اللہ خان عرف میرزا نوشه، بعد سلام معلوم فرمایند که چون آن صاحبان بجناب والده صاحبه قبله و کعبه حضرت عزت النسا بیگم صاحبه مدظله العالی هم بطریقِ رهن حویلی وهم بسبیل دست گردان، طرحِ داد وستد درمیان دارند و بلحاظِ امرِ ناگزیر که لازمِ نفوسِ بشری است، دل جمعي خود ازین جانب می خواهند، لهذا نوشته می شود که خدائے جهان آفرین جناب بیگم صاحبه قبله یعنی والده صاحبه رادیر گاه سلامت دارد، بذاتِ خود مالک آن هر دو حویلی اند، و دیگرے رادرآن هیچ گونه شرکت وانبازے نیست۔ و اگر احیاناً خدانخواسته باشد، امرِ ناگزیر که لازم ذات انسان است، پیش خواهد آمد، آن چه از املاک متروکه و مقبوضهٔ جناب ممدوحه بتصرف این گنهگار خواهد آمد، ازان مجموع اوّل ادائے قرضهٔ آن صاحبان کرده خواهد شد۔ واگر ناگاه وجهِ قیمتِ آن مجموع به ادائے قرضهٔ آن صاحبان کفایت نخواهد کرد، بقیهٔ قرضهٔ آن صاحبان را از نزدِ خود ادا خواهم کرد۔ لیکن این معنی بخاطر باشد که چون جناب والده صاحبه نوشتن و خواندن می دانند، لهذا قرار داد آنست که هر تمسّکِ مُهریِ جناب والده صاحبه که بے دستخطِ جنابِ ممدوحه خواهد بود، از پایهٔ اعتبار ساقط متصور خواهد شد۔ خلاصه این که آن صاحبان هرزرے که بجناب والده صاحبه قبله بسبیلِ قرض دهند، تمسکِ مهری جنابِ ممدوحه مزین بدستخطِ جنابِ ممدوحه حاصل کرده نزد خود دارند۔ هر تمسّک که این چنین خواهد بود، زرِ مندرجهٔ آن اگر بحسبِ اتفاق بذمهٔ جنابِ ممدوحه باقی خواهد ماند، از جانب ممدوحه ادائے آن زر، خواه از املاک متروکه خواه از خانهٔ زادِ خاصِ خود، من کل الوجوه بذمهٔ من خواهد بود، هر گز درین امر تردّد نخواهد شد۔ واین خط را که من بدستِ خود، در حالت ثباتِ حواس، بے جبرو اکراه، برضائے خود، نوشته ام، دستاویزِ کامل شناسند۔ فقط نگاشته سی ام جنوری ۱۸۰۴ عیسوی

میرزا نوشه عرف ۱۲۳۱ء، اسد اللّٰه خان

☆☆☆

بنام شیخ امیر اللّٰه سرورؔ

خط ـ ۱

"مجموعه مهر و وفا سلامت۔ باماداد دو شنبه که روز سیز دهم بود از اگست، صبا خرام بریدے از بریدانِ

ڈاکِ انگریزی رسید و دل نواز نامہ بہ من سپرد، تا از عنوانش نقشِ این آگہی در نظر جلوہ کرد کہ لکھنؤ تماشا گاہِ شما ست۔ دل سرسرِ گردانیِ شما بسوخت۔ بارے چوں ہم از ہماں نامہ آشکار شد کہ بہ دامنِ صاحب دولتے آویختہ ایدو بہ رفاقتِ نواب جمیل المناقب میرزا محمد مسیح خان بہادر بہ لکھنؤ رفتہ اید، شورش ضمیر فرو نشست و فرجامِ آشفتگی برخاست۔ می نویسید کہ دو تا نامہ فرستادیم و ماراتہ پاسخ بید بیرودی۔ سپہر نابِ خدمتِ ناگزِ اردوِ شما مخراست، جرم ناکردہ سیر نواں بخشید۔ انصاف بالائے طاعت، دریں سیہ روزگاراں و تیرہ دورِ زمانِ آمد آمدِ نواب گورنر جنرل بہادر کہ دریں دہر دوبار اتفاق افتادہ، بسا آسیمہ و سرگرداں بہ ہر در گرداں ماندہ ام۔ دن از کرلک ستم صد پارہ و ہر پارہ بہ جائے دیگر آوارہ۔ طرفہ ایں کہ ہورد اوری قطع نگر دیدہ و تیرہ شب نا اُمیدی رانا مداد نرسیدہ۔ کاش دانستمے کہ کشائشِ ایں کار در گرد کدا میں ہنگام است تا پراگندہ دل نرنگشتمے و در کشاکش بیم و اُمید نماندمے۔ بارے خوشا گراں مایگیِ بختِ سازگارِ شما کہ بہ لکھنؤ رسیدید و فیضِ صحبت جناب معنّی القاب میرزا تقی ہوسؔ و خواجہ حیدر علی آتشؔ در یافتید۔ وائے برمن کہ پنج ماہ در لکھنؤ سوئی ٹولہ (کذا= بہ بوئی ٹولہ) جائے نشستن اختیار کردہ ام (و) دیدہ رابہ کفِ پائے ایں گراں مایگاں روشن نساختم۔ فرمان دادہ اید کہ غالبؔ مستہام ریختۂ چند از رگ کلک برورق فرو ریزد بہ خدمت فرستد۔ ہمانا فراموش کردہ اید کہ دوقِ اشعار پری دلم فرو گرفتہ و فکر ریختہ متروک گشتہ۔ مگر نمی دانید کہ عرضِ ایں متاع درلکھنؤ گل بہ گلستان و سرمہ بہ اصفہان فرستان است۔ من و خدا کہ حالیا ریختہ من نمی گویم و از گفتہ ہائے پیشیں ہر انچہ بہ مذاق شعری من گوارا آمدہ، انتخاب کردہ بقیہ دفتر ایک قلم فروشستہ ام۔ بایں ہمہ چوں خاطر شما عزیز است، ہشت غزل بہ خدمت می فرستم۔ باید کہ بہ خدمتِ رفعات درجتِجناب معنّی القاب میرزا تقی ہوسؔ و خواجہ حیدر علی آتشؔ گزرانیدہ از طرف راقم عطیۂ اصلاح استدعا کنند و انچہ بعد از استماعِ ایں نرہات بر زبان گہر فشاں نگزرد، بہ من نویسند۔ والسلام والاکرام فقط۔"

☆☆☆

بنام سید رجب علی ارسطو جاہ

خط۔۱

مولانا و سیدنا و مخدومنا، مطاعنا سلمکم اللہ تعالیٰ

پیش ازیں عرضداشتی کہ بپاسخ توقیع عطوفت بود بسبیل ڈاک ارسال داشتہ، اغلب کہ بہ نظر انور گزشتہ نشد۔ دریں زمانہ یکے از دوستاں کتابے مع نقشہ ہائے آثار عمارات دہلی کہنہ و نو نگاشتہ

گونی چمنے آراسته است۔ و صفحه دات چهارم که حسم کتب بر آسست رقم بنے اشعار سحر سحاں ایں دیار ہم دارد۔ و چوں بنده را ایں نسحه ازروئے جامعیت پسند آمد یك نسحه از نسخ منطبعه که مشتمل برسه جلد است از مطبع جریده به ارمغاں می فرستم و چشم قبول ایں ندر محقر دارم و اطلاع رسیدں ایں رامع الحواب نامۂ پیش امید ارم والسلام۔ اسد الله علی۔ یکشنبه دی الحجه ۱۲۶۳ ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۸۴۷ عیسوی۔

به سبیل احتیاط و ہم ار راه یکرنگی سرنگ فرستده ام و ادائیے محصول ڈاك برمطارس حواله کردم۔

☆☆☆

بنام حکیم امام الدین خان

خط۔۱

"قبله جان و دلِ غالب حسته حان حونین دل! سلامت

دی روز شام گاه از بزمِ انس به غم کدۂ خویش رسیدم و شب آرمیده درون خفتم۔ نه وجعے و نه المے، نه حرارتے و نه التهابے۔ بامدادان ار حواب برحستم، کام و زباں و دہں را تلخ یافتم و چشم و نا گوش و تارك سررا وقفِ درد۔ عرقِ شیر با شربتِ نیلوفر آشامیدم و بعد از دو ساعت شیرۂ کاسنی و مغزِ تخم کدو نیر با شربت بنو فرنوشیدم و گردا گرد چشم و نا گوش راندان ضمادانددم۔ الحمد لله ایں وقت بار شیرۂ کا ہو و تخمِ حبارین باشربت حانه سار نوشیدم۔ التهابِ باطن ہما نست که بود و درد چشم و نا گوش قدرے کمتر ار انست که بود۔ چوں قرب مکانی حاصل است و نامۂ مطلوب بود اور نمی توانست رسید، به چشمداشت اطلاع گزارده آمد۔ زیاده نیاز است و بس۔ از اسد اللّٰه رنجور

☆☆☆

بنام مولوی مفتی سید احمد خان

خط۔۱

بمقام شہر بریلی روہیل کھنڈ

سید عالی تبارارا گرد سر گردم و به پیشگاہش روئیے سیاه خویش بر زمیں سایم و ہر چند از شرم گناه سحن نمی توانم کردیم بدیں اندیشه که مبادا رفته رفته بوته مهر ار سم گسسته نا چار نگستر آمد۔ ورود نامۂ نامی جاں درتن و فسون شادمانی برمن دمید۔ رسیدن نامه شفیقی مکرمی حضرت عبدالمجید خان صاحب و

بودن قدسی صحیفه بامسودهٔ غزلیات درنورد آن نامه نمط فرامش کرده بودم تادرین نامه که پاسخ آن می نویسم نگریستم و برسیدن آن فراسیدم صندوقچهٔ که هر رنگ کاغذ دران نگه میدارم و نامه هائے جواب طلب و مسودات نظم و نثرا گنجینهٔ خزان سست، پیش نظر داشتم و ورق ورق رانورد از هم کشودم، آن نامه وآن فرد که مسودهٔ غزلیات داشت نیافتم۔ سخن این ست که خسرو انجم سپاه دبیمی حمد الله سکهٔ و سلطانهٔ نامه نگار رانه نگارش تواریخ فرمانروایان تیموریه و کشور کشایان بابریه گماشته است و از سه ماه بدین کار مامورم۔ روزو شب خامه از جنبش آرام ندارد۔ رساله هائے و قایع و سوانح سلاطین سلف بروئے یک دگر نهاده و دفتر دفتر اوراق پراگنده بهر سوفتاده سر گذشت هرا انتخاب زدن و باربه عبارت روشن مسوده کردن و مسوده راد گرباره دوبار بسواد اندر آوردن یک نظر گاه کرم فرستادن و یک خود نگاه داشتن و این همه کار به تنهائی انجام دادن، من دانم و دل که چه مایه آشوب دارد۔ ندانم آن اوراق کجا رفت و چه شد بالجمله این معذرت ست هم از برائے رفته و هم از برائے آینده۔

دل به نثر آنچنان بسته ام که به نظم نوانم پرداخت۔ مشفقی مولوی محمد دلدار علی صاحب مذاق که بدانست بنده درمعنی آفرینی بسلطان الشعرا شیخ محمد ابراهیم ذوقؔ برابر و به اعتقد خویش شاگرد آن دبستان سخنوراند آخرنه همدم و همنشین آن والا گهر اند چرانشان درسخن مشورت برود۔ مشورت درسخن ننگ نیست۔ غلط کران اُستادی و شاگردی رادوربرده اند۔ برد نده هم نے وبهم نفسے پیش نیست۔ نامه نگار شاگردان خویش را همدم و همرازی شمردو هرگز بچشم کم درآنان نمی نگرد۔ اوستاد چرا خود باید و شاگرد دچرافروتنی کند هر که درهردادوگام از خود پیش است رهنما بودنش بجائے خویش است۔

عجب که اندرین نامه از جانب والا تبار عبدالمجید خان سلامے و پیامے مرقوم نبود۔ خوندانستم که مخدوم من کجاست و روزگارش چون می گذرد۔ از مرگ مینونشیمن قاضی فصیح الدین بردلش چه گذشته باشد۔ باللّٰه قاضی فصیح الدین یارے بود عزیز و دوستے بود مهر پیشه هی هی کجا رفت و چه شد۔ هنوز هنگام مردنش نبود۔ مخدوم مرحوم خوئے آن داشت که دروطن نیاسود و همیشه ره پیمود۔ یاد دارم که بارها بوے گفته ام که اردیه نوردی بازآئی و چون گوشه و توشهٔ داری در وطن بیاسائی۔ گفته مرا خوار درشتی بلکه خواستی که مرا از جائے برانگیزد و آئین آوارگی آموز دو درین بار که بمن دیدار باز پسینش بود نیز می فرمود که اے خاک رسین گر برخیزد بسوئے حیدرآباد خرام۔ من نیز همرهم۔ نه بین ناچه می کنم و گوهر کسل ترابکدام بهائی فروشم بیاتا برگ و ساز ها فراهم آوریم و زرها اندوزیم۔ هیهات هیهات۔ ع

عرفیؔ چه نشستهٔ که یاران رفتند

داستان این اندوه بدفتر گران نه پذیرد تادرین یک ورق چه قدر تواند گنجید۔ خدایش بیا مرزا دوبه

فردوس برین جادپاد۔

مشفقی مولوی محمد دلدار علی صاحب مذاق سلمه اللّٰه تعالیٰ سلام خوانند و السلام مع الکرام۔

از اسد اللّٰه نگاشته پنجشنبه سوم اکتوبر ۱۸۵۰ء

☆☆☆

بنام ارسطو جاه مولوی رجب علی کے نام

خط ۔۱

یارب! آگهی را که با علی سرائی سود، چرا او نامه کار رسد و سب با علی سرای من چرا حلقهٔ ارادگان حلقهٔ زمزمه سنج گفتار نبود۔ دیر است که آوارهٔ فرخی نهاد و خجستگی خوی و روشنی رای و شگرفی اندیشه خواجهٔ کرم پیشه بیشتر از آنچه توان گفت می شنوده ام ب بعلاقه یگانگی ولای مرتضوی که پیوند آمیزش معنوی است، پیوسته در بند این سگالش می بوده ام که چه می باید کرد تا روشناس توان شد۔ بری چون گرائش راست بود کشایش درست آمد۔ لاله جواهر سنگھ برّان قلم ناس سرود که سید سخنگوی سخنور نواز را، گفتار غالب آشفته نوا سری بهما مهر جهانتاب را سوی ذرّه بیدست و پا نظری هست، فرستادن مجموعه اشعار در آن انجمن راه سر کشود و از فرون سری بهم بدین مایه ذریعه امید واری نشد مگر پاسخ در نست۔ پس از دو هفته دل سود از ده را از عیب فدای اندیشه بحسب ریختند که رسیدن کتاب را اگر بهمه سطور و متون افتد و از افزون تر از این تو اند بود که ارمغان را جواهر سنگھ ستمند که این نسبه پیشکش اشتی نست و آن ستوده خوی این گفتن سر بر نویسند اگر جگر تشنگی التفات سخت است از خوشتر که مادر گوینی خموش یعنی خامه که سپهر سخن را سرزش است آویزد آسهمه سجده هائے نیاز که درجبه باخط سرنوشت توام است به نقل و تحویل بر گوشه بساط بزم ارم رشک فرد ریزد:

نتوانم زنده و نادیده سراپای ترا	به گمانم ز سراپائے تو کان جان من است
شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب	اے تو غائب ز نظر مهر تو ایمان من است

حشمد اشت آن که درپرسش خاکنشینان فرو گزاشت نرود، به نگاشتن پاسخ این نامه که گوئی خط بندگی است آبروئے بنده در سند گر افزوده شود چنانکه به رسیدن پیش کش وار سند به پیش آمد افش بندگی بر قرار بود در فرستادن نامه از ره گزرناشناختن نشان مسکن و نمرن دودل ناشند و نامه بر آن به پیچیده که جوابی به نورد نامه جواهر سنگھ می باید پیچیده و حرف بین پیچ و تاب نتوان فرستاد۔ هر چند در دهلی از نام آوران نیم۔ اما نه آنست که روشناس نام آوران نیم۔ بر عنوان نامه نام شهر و نام من که بمدرین شهرم بس است بدین قدر نگارش که از مشهور راقمت درد بهبی تر اسدالله برسد شت نبست که نامه به بندهٔ درگاه برسد۔ شفقی آغا عبداسقی و مشفقی مولوی محمد گل شاه هر که ازین دو فرزانه یگانه در آن نوائی انجمن جذداشته باشد به پیر فس سلام از من برمن از خویشتن سپاس نهد۔
والسلام مع التعظیم والاکرام از اسد الله نامه سیه گشته روز سه شنبه نوزدهم مئی ۱۸۴۷ء محمد اسد الله خان غالب۔

ضمائم

(فارسی متن)

ضمیمہ۔۱

متنازع مکتوب الیہ کے نام (۱)

خط۔۱

بہ نامۂ نامور سازگم نامان، مشاہدۂ صفوت نامہ دل راصفا و دیدہ راجلا داد۔ کاغذِ مسودہ بعد حک و اصلاح ہم در نوردِ ورق می رسد و بر آئینے کہ گردِ ملال بر خاطرِ عاصر نہ نشیند گفتہ می شود کہ فقیر را ہوائے ریختہ در سر و ہنجار این گفتار در نظر نماندہ است۔ ہر کہ ہمی رو آرد می اورا بفلاں متخلص بہ عارفؔ کہ ہم فرزند من است و ہم شاگرد، می سپرم۔ چناں کہ بہ الطاف منش فلاں کہ در زمرۂ یاراں ازوی عزیز تری گمان ندارم۔ بر این جا این ماجرا رفتہ است و جہان مہر و وفا لالہ فلاں سلمۂ ہم بہ عارفؔ۔ نو آئین نوا حوالت کردہ ام۔ بیچارہ چہ کند کہ ارد یرہار ہار گونا گون رنجوریہا گرفتار است ورنہ طبع دقیقہ سنج و اندیشہ رود رس دارد و می تواند از عہدہ این کار بر آید و درحک و اصلاح نقش ہائے شگرف انگیخت۔ بارے دعا کنند کہ بندِ اندوہ ازدلم برخیزد و عارفؔ ستودہ خو تندرست و توان گردد۔ رہ پیمائی خامہ دروادیٔ این نگارش از بہر آنست کہ فراسنجند و دریا بند کہ این بار فرمان شما بجا آوردم و خودرا گرد آوردہ بہنجار سگالش بسر آپائے گفتار شما گذشتم تا ندانند کہ فلاں بہانہ پرداخت و کلام مارا روشناس نظر نہ ساخت۔ زین پس ہر چہ از شما خواہد رسید مانندِ مسودات دوستان دیگر نزد من خواہد ماند۔ چوں عارف را از رنجوری رہائی روخواہد داد، نورداں قرطاس از ہم خواہد کشود و مشاطگیٔ شاہدِ گفتار خواہد نمود۔ بیدلؔ کہ روانش فردوس نشیمن باد خوش می گوید۔

جہدہا در خورِ توانائی است
ضعف یکسر فروغ می خواہد

☆☆☆

ضمیمہ۔۲

متنازع مکتوب الیہ کے نام

مشتاق احمد تجاروی

ماہنامہ آجکل نئی دہلی فروری ۲۰۰۶

خط۔۱

کرم گستر بندہ پرور دیرور که یک شنبه بست و چهارم اگست ۱۸۵۲ عیسوی بود نامه شمایم رسید ورق رانورد از ہم کشادم و خواندم و نوشته یافتم که نواب امر ادولہه بسبب ممانعت سرکار انگریزی نامه از نام خود بشما نه نگاشته اندوایں ہنڈوی پنجاه روپیه از بهر خریدن کتب فرستاده اند بشما آگهی می دہم که ہنڈوی در نورد ورق نبود، برشما گمں استہرانتواں کرد۔ ہمانا بہنگام نوردیدن نامه فروپیچیدن ہنڈوی ازیا درفت و آں کاغذ ہم نجسپید و خوب شد اگرمی رسید می بوسیدم و برسر و چشم ہمی نہادم و باز پس می فرستادم۔ آں کاغذ رانجوبید و به نواب صاحب دہید و بگویند که ایں رابسا ہو کر ہنڈوی که بوے داده اندازوے باز گیرند۔ دزنہار صد زنہار دیگر بار ایں کار نکند۔ ایں شعر از جانب من پیش نواب بخوانند:

ماشمـــارا اہــل علــم انگـــاشتیـم

خود غلط بود آنچـه مـاپنـداشتیـم

ماجرا ایں است که کمابیش چهار ماه است روزی سرہنگ ڈاک

انگریزی آمدو خطی بمن داد که عنوانش بنام من است۔ نام کاتب نظر الدوله نواب باقی محمد خان بہادر عرف امراؤ دولہہ مرقوم است نامه طلب مجموعه نظم و نثر خود و انطباع آں در بهوپال مشاہده کردم چوں گفته من نزد من نمی باشد، روز دگر جواب نامه نواب صاحب نبشتم (کذا) وبه ڈاک رستادم پس از روزے چند یک نسخه که بمہر نیم روز موسوم است فراچنگ آمد پارسل ازروئے احتیاط بیرنگ رواں داشتم چوں عید اضحی آمد۔ دو قصیده که من درمدح شہریار وولی عہد نوشته بودم ودر مطبع سلطانی طراز انطباع یافته بود بخدمت نواب صاحب ارمغاں فرستادم و بعد آں افتادم که پیج آہنگ و

دیوان فارسی و دیوان اردو نیز فرستم۔ اکنون که نواب صاحب ارمغان مارا ارمغان نداشتند و مرا کتب فروش می پنداشتند از عزیمت خود پشیمان گشتم بحیرتم که نواب صاحب در آغاز چه فهمیده بودند و انجام کار حضرت راچه در ضمیر گزشت که در آں زمانه که من نامه نوشتند از جانب اہالی سرکار ممنوع نبود ندونمیدوں این چنین حکم صدور یافته است۔ فرستادن ہنڈوی نیز و عذر نامه نه نوشتن در صورتیے که پیش ازیں نوشته باشند ممنوع بهر حال پسند آمد که نواب صاحب چنانکه سخن رانمی فهمند آدم رانیز نمی شناسند و مارا باچنین کسی کارنیست۔ والسلام مع الاکرام۔

از اسد اللّٰه نگاشته و رواں داشته

دو شنبه بست و سیوم ذی الحجه ۱۲۷۲ھ

وبست و پنجم اگست ۱۸۵۶ء، نجم الدوله وغیره

☆☆☆

ضمیمہ۔۳

نامعلوم الاسم

خط۔۱

یزداں آرزو بخشِ آرزومند بخشائے راسپاس که شفیق مکرم مولوی اشفاق حسین اگرچه وقت رفتن بیگانه وار رفتند ورسمِ وداع فرو گذاشتند ازاں پس که به منزل آرسیدند نامه فرستادندوآں رحم جگرا راکه دین حسنِ ادا مرہم نهادند وسپاسے دیگرآں که سرشتهٔ کارے که داشتند از کف نه رفت وبافرومانده ساز گاری روئے داد۔ بارے خوش ست اگر ہم بدیں روش گه گاه به نامه یاد آورندو درآں کوشند که مهرہرروزافزوں و دوستی پایدارتر گردد۔ ازمن دردیدارو رنجوریٔ من پرسیده اند۔ فارغ باشد که اررنج آزادو از دوا فارغم۔ رنجوری رفته وناتوانی باقیست۔ چوں ہر چه که ہست میگزرد، دانم که این نیز نه پاید۔ والا جاه نواب محمد ضیاء الدین خاں بہادر ورفیع جایگاهِ غیاث الدوله رضی الدین حسن خاں بہادرواقبال نشاں میرزازین العابدین خاں بہادر سلام میر سانند ودر گزارشِ سپاسِ یاد آوری بسِ بیزبان بیواهم زبانند والسلام۔

از اسد الله نبشتۂ سه شنبه پنجم ماہِ روزہ ونہم ستمبر ۵

اسد اللہ
۱۲۲۲
الغالب

☆☆☆

ضمیمہ۔۴

بنام میر سید علی خان بہادر عرف حضرت جی

خط۔۱

فرد: در دل بہ تمنائے قدمبوسِ تو شوریست
شوقست چہ نمک دادہ مذاقِ ادبم را

جان بہ پئے قبۂ راستان افشنس بہ دل گدرانم۔ اگر گستحی نبود، کعبۂ رہروان را گردِ سر گردیدن آرزو کنم۔ اگر ادب دستوری دہد رسیدنِ نامہ ہای دلاویز و شنیدنِ نکتہ ہای سحر انگیز کہ مرا بہ حستگیِ بحتِ من امیدواری میدہد، برمن حجستہ ترند۔ چوں در آں چشم و دلم جاداده اند، اگر اراوح رائی، سرم بہ سپہر ساید، بحاست وا گرار حود نمائی حر حودم در نظر نیاید، رواست۔ طالع یار جان صاحب بہ شمارۂ عنایتہائے آں محبتِ کرم بیحود ار حودم ربوده اند، و ارادت مرا چند انکہ بہ شمر در نگنجد بر افروده۔ کیستم تابدیں التفات ارزم و مرا در نکوئی ایں پیہ باشد کہ کس مرا تواند ستوده و آرزو مندِ دیدنِ من تواند بود و آنکہ ایں چنیں گرامایہ ووالا پایہ کسے کہ گوہرش آبروئے ہفت دریاست، و گلشن رنگ و بوئے ہشت گدشن۔ شبلی با آں ہمہ قطعِ نظر ہا ار ماسوی اللّٰہ در صومعہ بہ تمنائے قدومش چشم براہ و منصور با ایں ہمہ ترانۂ انا الحق در ہنگامہ بہ آرزوئے گفتارش گوش بر آوار۔ سبحان اللّٰہ، آنکہ تجلیِ طور بہ پروانگیِ شمعِ جمالش ارزد باس ارنی گوست، و آنکہ دیدارش تابِ ہر نظر نبود از من دیدار جوست۔ چہ کنم عمرے ست کہ ہمتِ من بہ کارے آویختہ و سرگرمیِ درویِ سطبے

شربه پیراهنم ریخته است۔ و آن خود کرے ست نازک و مطلبے ست دشوار که ازین پیش سالے چند به محکمهٔ رزیڈنٹی دہلی در کشاکش بوده و روزگارے دراز در انجمنِ فرماندهانِ کلکته پیچ و تاب خورده۔ اکنون دو سال است که آن داوری به کشورِ لندن رفته و در آن دادگاه سنجیده میشود، تا پاسخے ازان کشور و فرمانے ازان دادگاه در نرسد، گوینده را سر رشتهٔ سخن از درازی گم شود و شنونده را گوهرِ راز به کف نیاید، بالجمله چشم براهے و دلم بجائے ست و درین کشمکش که درون و بیرون مرا درهم دارد سفر نیارم کرد، امیدانم که روزگارِ انتظار سر آمده و هنگامِ کشودِ کار در آمده۔ بر آنم و همه این می سنجم که چون حکمِ قطعِ خصومت از ولایت رسد، زان پس جز آن مایه نبود که به انجامِ ضروریاتِ سفر وفا تواند کرد، به دهلی نیارامم و روئے به گوالیار نهم و اگر روندگان نیز روند، من نیز پویم۔ امید که به پرورش یافتگان ورثهٔ رعایانِ مائدهٔ فیضِ حضور فرمان شود که به اوقاتِ خاص مرا و کارِ مرا در خیال آورده همت بدان گمارند که به زودی کارِ من سره گردد، و مراد از در در آید، تا پئے ره پیمائے من به خراش کشد پے بر دو جادهٔ راهِ گوالیار پئے سپرِ من گردد۔

نهفته مباد که پس از رسیدنِ طالع پدر جان صاحب به سه روز منشورے که سراسر رقمِ نخبِ رنگ و بیرنگی داشت، در ڈاک به من رسیده و همت را تعویذِ بازو گردیده است و همچنین امیدوارم که روزے چند پیش از رسیدنِ این عرضداشت سید اسنت علی صاحب رسیدن آدابِ نیاز رابه موقفِ قبول و غزلهائے فارسی رابه منظرِ التفات رسانده باشند۔ درین نزدیکی میجر صاحبِ عنایت فرما میجر جان جاکوب صاحب بهادر دو تا نامه به مضمونِ طالبِ تاریخِ تعمیرِ دولت کده به من فرستاده اند۔ ورقے به جوابِ آن هر دو مکتوب که مشتمل بر قطعهٔ تاریخ است دو نوردِ این پورشنامه فرستاده می شود و چون کشاده عنوانست میتوان خواند، و به مکتوب الیه رساند۔ مکرمی مطاعی جنابِ حکیم رضی الدین خان صاحب که مرا به لطف و تفقدمی نوازند و درین غمزدگی شادیِ من به دیدارِ ایشان است، سلام نیاز می رسانند و چون من از دیدار طلبانند۔ زیاده حدِ ادب۔

پنج آہنگ مطبوعات مجلس یادگار غالب،

پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۹؁

☆☆☆

ضمیمہ۔۵

عکس مکتوب غالبؔ شمارہ ۱۶

یہ خط مولوی سید رجب علی صاحب مرحوم مخاطب بہ ارسطو جاہ کے نام بھیجا گیا تھا۔ اور اس میں سرسید مرحوم کی آثار الصنادید کی ترسیل کا ذکر ہے۔ غالبؔ کے اندازِ تحریر کا یہ نہایت عمدہ نمونہ ہے

☆☆☆

ضمیمہ۔٦

عکس مکتوب غالب شمارہ ۲۰

☆☆☆

ضمیمہ ۔ ۷

عکس مکتوب غالب
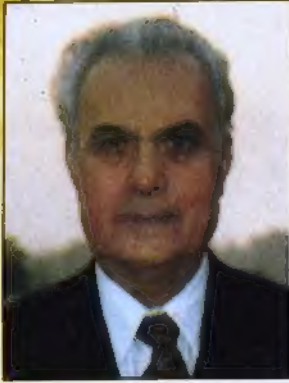
پرتو روہیلہ

اصل نام مختار علی خان ہے۔ روہیلکھنڈ (یو۔پی۔انڈیا) میں ایک پٹھان زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بریلی اور رامپور میں ہوئی۔ ۱۹۵۰ میں اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان آ گئے۔ اپنے بڑے بھائی کی ملازمت کے سبب بنوں (صوبہ خیبر پختونخواہ) میں بودوباش اختیار کی۔ ان کے قدیم زمینداری پس منظر میں یہ پہلی ملازمت تھی۔ پشاور یونیورسٹی سے بی۔اے (آنرز۔فارسی) ایم۔اے (فارسی) اور ایل ایل بی کی اسناد حاصل کیں۔ پشاور یونیورسٹی کے پہلے گریجویٹ ہیں۔ ایم۔اے فارسی میں یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ۱۹۵۷ میں اعلیٰ ملازمتوں کے امتحان میں کامیاب ہو کر پاکستان ٹیکسیشن سروس میں شامل ہوئے۔ ۱۹۶۵ میں خان آف ٹوپی (صوبہ خیبر پختونخواہ، حال ضلع صوابی) کے معروف خانوادے میں شادی کی۔ سنٹرل بورڈ آف ریونیو سے بہ حیثیت ممبر ریٹائر ہوئے اور پھر وزیر اعظم معائنہ کمیشن میں بھی بطور ممبر دو سال کام کیا۔ اب اسلام آباد میں قیام پذیر ہیں۔

ہندوستان میں روہیلکھنڈ نام کی ایک پٹھان ریاست کے بانی حافظ الملک رحمت خان سے نسبی تعلق کے سبب اپنے نام کے ساتھ لڑکپن ہی سے روہیلہ بھی لکھتے تھے۔ سو ادبی نام پرتو روہیلہ ٹھہرا۔ ۱۹۸۲ء میں ان کو ان کی پشتو تالیف مٹے پر پاکستان رائٹرز گلڈ کا بہترین علاقائی ادب کا پہلا انعام ملا۔ ۱۹۸۹ء میں ان کے اردو شعری مجموعے نوائے شب کو اکیڈمی ادبیات اسلام آباد کا ہجرہ ایوارڈ دیا گیا اور ۱۹۹۳ء میں وہ صدارتی تمغۂ حسن کارکردگی کے مستحق قرار پائے۔ ان کی شاعری کے سات مجموعے ہیں جو حمد، نعت، غزل، نظم اور دوہا جیسی اصناف پر مشتمل ہیں۔ نثر میں ان کا ایک امریکہ کا سفرنامہ بھی ہے۔ نثر ہو یا نظم ان کی ہر تخلیقی کاوش میں زبان و بیان کے ساتھ فکر و اندیشہ کی غیر معمولی انفرادیت و یگانگی نمایاں ہے۔

سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے غالب کے فارسی مکتوبات کے تراجم پر توجہ دی اور گیارہ، بارہ سال کی محنت اور عرق ریزی کے بعد غالبؔ کے تمام متداول فارسی مکتوبات کا دلآویز اردو میں ترجمہ کر دیا۔ زیرِ نظر کلیات ان کی بے مثل یکسوئی اور کاوش کا ہی نہیں اعلیٰ فارسی دانی کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کارنامہ انجام دے کر انہوں نے کم از کم پانچ غفلت زدہ خوابیدہ نسلوں کا قرض چکا دیا ہے کہ اس کتاب کی طباعت اردو ادب کی تاریخ میں ایک بڑا واقعہ ہے۔ غالبؔ کے مشکل اشعار کی ایک منفرد شرح اور غالبؔ پر کئی وقیع مقالات ان تراجم کی ضمنی تحصیلات ہیں۔

"کلیاتِ مکتوباتِ فارسی غالب" کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں این بی ایف نے شائع کیا تھا اور اب اسے اضافوں کے ساتھ دوبارہ طبع کیا جا رہا ہے۔ اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں غالبؔ کے چوالیس (۴۴) غیر مدوّن خطوط بھی فارسی متن اور ترجمے کے ساتھ شامل ہیں اور اب نیشنل بک فاؤنڈیشن کو یہ دوسرا ایڈیشن پیش کرتے ہوئے فخر حاصل ہے کہ ادبی دنیا میں کوئی ایسا غالبؔ کا فارسی مکتوب نہیں، جو اس کتاب میں شامل نہ ہو اور جس کا اُردو ترجمہ نہ ہو گیا ہو۔ گویا غالبؔ کی یہ فارسی کی قلمرو اب اُردو کے زیرِ نگین آ گئی ہے اور پرتوؔ روہیلہ اپنے اس بے مثال کام کے سبب محمد اکرام، جمیل جالبی، رام بابو سکسینہ اور شمس الرحمٰن فاروقی جیسے مشاہیر کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔

(ادارہ)